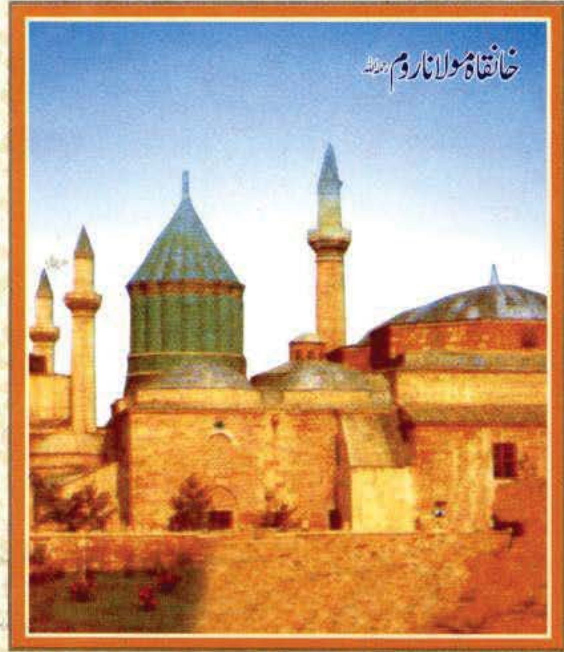
عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ کی نادر روزگار،
اور معرکہ آراء کتاب ''مثنوی مولوی معنوی'' کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

کلید مثنوی

جلد 13-14-15-16 دفتر 4



مع افادات و ارشادات
حضرت شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ

از

حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار
اور معرکہ آراء کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

کلید مثنوی

جلد ۱۳-۱۴-۱۵-۱۶ دفتر ۴

مع افادات وارشادات

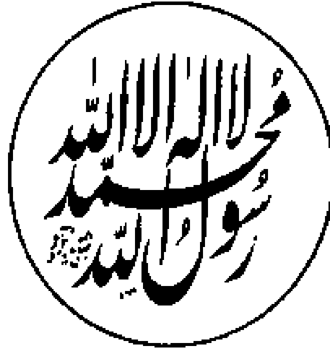
حضرت شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

از حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 540513-519240



ضروری وضاحت

ایک مسلمان دینی کتابوں میں دانستہ غلطی کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ غلطیوں کی تصحیح و اصلاح کیلئے ہمارے ادارہ میں مستقل شعبہ قائم ہے اور کسی بھی کتاب کی طباعت کے دوران اغلاط کی تصحیح پر سب سے زیادہ توجہ اور عرق ریزی کی جاتی ہے۔ تاہم یہ سب کام انسان کے ہاتھوں ہوتا ہے اس لئے پھر بھی کسی غلطی کے رہ جانے کا امکان ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اگر کوئی غلطی نظر آئے تو ادارہ کو مطلع فرما دیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہو سکے۔ نیکی کے اس کام میں آپ کا تعاون یقیناً صدقہ جاریہ ہوگا۔ (ادارہ)

نام کتاب

کلید مثنوی

تاریخ اشاعت.................... محرم الحرام ۱۴۲۶ھ

ناشر.......................... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت........................ سلامت اقبال پریس ملتان

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان --- ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور

مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور --- مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور

مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ --- کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی

یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور --- دارالاشاعت اردو بازار کراچی

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K

(ISLAMIC BOOKS CENTERE

119-121- HALLIWELL ROAD BOLTON BL1 3NE, (U.K.)

حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ

مثنوی مولوی معنوی

کی جامع اور لاجواب اردو شرح

کلید مثنوی

جلد نمبر ۱۳-۱۴

حضرۃ حکیم الامۃ تاج المفسرین مولانا مولوی شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ

یہ وہ مقبول خاص و عام کتاب ہے کہ خواندہ ناخواندہ سب ہی اس سے دلچسپی لیتے ہیں۔ مگر مضامین عالیہ کی وجہ سے مطالب سمجھنے میں بڑی دقت پیش آتی ہے اور بعض اوقات نوبت الحاد و زندقہ تک پہنچ جاتی ہے۔ حضرت حکیم الامت نے اشعار مثنوی کو واضح کر کے اور مسائل تصوف کو عام فہم بنا کر نہایت خوبی سے سمجھا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے معتبر اور شریعت و طریقت کا پاس ادب رکھ کر مضامین کو حل کرنے والی اور کوئی شرح نہیں لکھی گئی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرح مثنوی مولانا رومؒ

دفتر چہارم

شرح شبیری

اے ضیاء الحق حسام الدین توئی	کہ گذشتہ از مہ بنورت مثنوی
وہ ضیاء الحق حسام الدین تو تھا ہے	کہ تیرے نور سے مثنوی چاند سے بڑھ گئی ہے

یعنی اے ضیاء الحق حسام الدین آپ ہی ہیں جن کے نور کی وجہ سے یہ مثنوی چاند سے بڑھ گئی۔ مطلب یہ کہ چونکہ مولانا حسام الدین ہی کے فیض اور تصرف کی برکت سے مثنوی لکھی گئی ہے لہٰذا مولانا فرماتے ہیں کہ اس مثنوی کا رتبہ آپ ہی کی بدولت چاند سے بھی بڑھ گیا ہے اور یہ مثنوی اپنی فیض رسانی میں چاند سے بھی زیادہ ہوگئی ہے۔

ہمت عالی تو اے مرتجے	می کشد ایں را خدا داند کجا
اے امید گاہ تیری بلند ہمت	خدا جانے اس کو کہاں لے جائے گی

یعنی اے امید گاہ آپ کی ہمت عالی اس کو خدا جانے کہاں تک کھینچ رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ مضامین آپ ہی کی توجہ سے بڑھ رہے ہیں تو خدا جانے یہ توجہ اور تصرف اس مثنوی کو کہاں تک بڑھا دے گا۔

گردن ایں مثنوی را بستۂ	می کشی آنسو کہ تو دانستۂ
تو نے اس مثنوی کی گردن باندھ رکھی ہے	اس کو اس جانب کھینچ رہا ہے جس کو تو جانتا ہے

یعنی آپ نے اس مثنوی کی گردن کو باندھ رکھا ہے اور آپ اس کو اس طرح کھینچ رہے ہیں جس طرف کہ آپ جانتے ہیں۔ مطلب یہ کہ چونکہ اس کے مضامین کو آپ بقصد بڑھا رہے ہیں اور ایک اجمالی طور پر آپ کو علم بھی ہے کہ اس کو اس قدر تک پہنچانا ہے تو آپ اس کو اسی حد تک لے جا رہے ہیں اگرچہ آپ کو تفصیلی علم نہ ہو اور اصل مقصد بھی آپ کا نہ ہو مگر تبعاً تو آپ کا قصد اس کے متعلق ہے ہی۔ اگرچہ اصل قصد حق تعالیٰ کا ہے۔ تو خدا داند کجا اور تو دانستۂ میں جو بظاہر تعارض تھا کہ اوپر تو علم الٰہی کے سپرد کیا کہ خدا جانے یہ کہاں تک بڑھے گی اور یہاں کہتے ہیں کہ آپ کو بھی معلوم ہے تو تعارض جاتا رہا کہ اجمال اور تفصیل کا فرق ہے اور اصل تبع کا فرق۔ خوب سمجھ لو۔

مثنوی پویان کشندہ ناپدید	ناپدید از جاہلی کش نیست دید
مثنوی دوڑ رہی ہے کھینچنے والا پوشیدہ ہے	پوشیدہ اس ناواقف کے لئے ہے جس کی نظر نہیں ہے

یعنی مثنوی تو دوڑ رہی ہے اور کھینچنے والا غائب ہے اور اس جاہل سے غائب ہے جس کے نگاہ نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مثنوی تو بڑھ رہی ہے اور اس کے مضامین میں خوب زیادتی ہو رہی ہے مگر جو اس کا اصل بڑھانے والا ہے یعنی حق تعالیٰ وہ نظر نہیں آتے اب شبہ ہوا کہ جب وہ نظر ہی نہیں آتے تو تم کو کیسے اطلاع ہوئی کہ وہ ہی کشندہ ہیں تو فرماتے ہیں کہ جو اہل بصیرت نہیں ہیں ان سے غائب ہیں ورنہ جو آنکھ والے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اصل کشندہ وہی ہے۔ آگے پھر حضرت حسام الدین ہی کو خطاب فرماتے ہیں کہ۔

مثنوی را چوں تو مبدأ بودۂ	گر فزون گردد تواش افزودۂ
جبکہ مثنوی کی ابتدا تو ہے	اگر وہ بڑھتی ہے تو تو نے اس کو بڑھایا ہے۔

یعنی مثنوی کے لئے جب آپ ہی مبدأ تھے تو اگر وہ زیادہ ہو تو آپ ہی نے اس کو بڑھایا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ شروع بھی آپ ہی کی توجہ سے ہوئی ہے اور اب زیادہ بھی آپ ہی کی توجہ سے ہوگی۔ اب یہاں شبہ ہوا کہ اوپر تو حق تعالیٰ کو افزائندہ کہا تھا۔ اب حضرت حسام الدین کو کہا تو تعارض ہوا اس کو ایک عجیب پیرایہ سے دفع فرماتے ہیں کہ۔

چوں چنیں خواہی خدا خواہد چنیں	میدہد حق آرزوئے متقین
تو جیسا چاہتا ہے خدا ویسا چاہتا ہے	اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کی تمنا پوری کرتا ہے

یعنی آپ اس طرح چاہتے ہیں تو خدا بھی اسی طرح چاہتا ہے۔ اور حق تعالیٰ متقیوں کی آرزو دیتے ہیں۔

کان للہ بودۂ در ماضے	تا کہ کان اللہ لہ آمد جزا
تو پہلے "کان للہ" بنا	یہاں تک کہ "کان اللہ لہ" بدلہ آیا

یعنی آپ گذشتہ زمانہ میں کان اللہ تھے۔ یہاں تک کہ کان اللہ لہ جزا آئی۔ مطلب یہ ہے کہ اصل تو حق تعالیٰ ہی ہیں لیکن چونکہ آپ کا جو مقصد ہوتا ہے۔ اسی کے مطابق حق تعالیٰ کا قصد بھی ہوتا ہے۔ لہذا گویا کہ افزائندہ آپ ہی ہوئے کہ جو آپ نے چاہا خدا نے اسی طرح کر دیا۔ اور یہ اس لئے کہ جب آپ خدا کے ہوئے تو خدا آپ کا ہو گیا۔ اور آپ نے خدا کی مرضیات کے موافق کیا تو خدا نے آپ کی مرضی کے موافق کام کیا۔

در دعاؤ شکر کفہا برفراشت	مثنوی از تو ہزاران شکر داشت
دعا اور شکریے میں ہاتھ اٹھاتی تھی	مثنوی تیرے ہزاروں شکریے ادا کرتی تھی

یعنی مثنوی نے تم سے ہزاروں شکر رکھے اور دعا اور شکر میں ہاتھوں کو بلند کیا۔ مطلب یہ کہ چونکہ مثنوی آپ ہی کی توجہ کی برکت سے لکھی گئی ہے۔ تو بزبان حال وہ آپ کی شکرگزار ہے اور آپ کو دعائیں دے رہی ہے۔ تو جب اس نے شکر کیا تو یہ ہوا کہ۔

فضل کرد و لطف فرمود و مزید	در لب و کفش خدا شکر تو دید
اس نے فضل فرمایا مہربانی کی اور اضافہ کر دیا	خدا نے اس کے ہاتھ اور منہ میں تیرا شکریہ دیکھا

یعنی اس مثنوی کے لب اور کف میں خدا تعالیٰ نے آپ کا شکر جو دیکھا تو فضل اور لطف فرمایا اور زیادتی فرمائی"۔ (باقی آئندہ)

آنچنانکہ قرب مزد سجدہا ست	زانکہ شاکر را زیادت وعدہاست
جیسا کہ سجدوں کو اجرت (اللہ سے) نزدیکی ہے	کیونکہ شکر کرنے والے کے لئے زیادتی کے وعدے ہیں

یعنی اس لئے کہ شاکر کے لئے زیادتیوں کے وعدے ہیں جیسا کہ قرب مزدوری سجدوں کی ہے۔

قرب جان شد سجدۂ ابدان ما	گفت واسجد و اقترب یزدان ما
ہمارے جسموں کا سجدہ روح کے قرب کا سبب بنا	ہمارے خدا نے فرمایا ہے اور سجدہ کر اور قریب ہو جا

یعنی ہمارے خدائے تعالیٰ نے واسجد واقترب فرمایا ہے تو بدنوں کا سجدہ کرنا جان کے لئے (موجب) قرب ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ جب مثنوی بزبان حال آپ کا شکر کر رہی تھی اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ولان شکرتم لازیدنکم اس بنا پر حق تعالیٰ نے آپ کے قلب پر اور علوم فائض فرمائے اور اس مثنوی کو شکر کی بدولت بڑھا دیا آگے اس کی ایک نظیر پیش کرتے ہیں کہ دیکھو سجدہ کرنا بھی ایک شکر ہے۔ اس کے بدلہ میں قرب کی زیادتی ہوتی ہے جیسا کہ خود ارشاد ہے کہ واسجد واقترب تو سجدہ کیا بدن نے اور قرب ہوا جان کو تو یہ قرب کی زیادتی اس شکر ہی کی بدولت ہے۔ لہذا اسی طرح جب اس مثنوی نے بزبان حال شکر کیا تو حق تعالیٰ نے اس میں زیادتی فرمائی۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

گر زیادت میشود زین روبود	نز برائے بوش ہائے وہو بود
اگر مثنوی میں اضافہ ہو رہا ہے تو اس وجہ سے ہے	نہ کہ شان و شوکت کی اور واہ واہ کی وجہ سے

یعنی اگر زیادتی ہوتی ہے تو اس طرح سے ہوتی ہے نہ کہ شہرت اور ہائے وہو کے لئے ہوتی ہے مطلب یہ ہے کہ اکثر اہل ظاہر مصنفین کا تو مضمون اور کتاب کو بڑھانے سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ ہمارا علم ظاہر ہو اور معلوم ہو کہ بڑے متبحر عالم ہیں لیکن مولانا فرماتے ہیں کہ مثنوی میں زیادتی اس وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ اس میں اس شکر کی وجہ سے حق تعالیٰ علوم قلب پر فائض فرماتے ہیں اور زیادتی ہوتی چلی جاتی ہے اس زیادتی سے شہرت اور نام کرنا مقصود نہیں ہے اب پھر خطاب مولانا حسام الدین کو فرماتے ہیں کہ۔

باتو ما چوں رز بتابستان خوشیم	حکم داری ہیں بکش تامی کشیم
ہم تجھ سے اس طرح خوش ہیں جیسا کہ انگور کی بیل موسم گرما میں	تو نے حکم دیا کہ ہاں کھینچ ہم کھینچتے ہیں

یعنی ہم آپ کی ساتھ اس طرح خوش ہیں جیسے کہ انگور موسم بہار سے آپ حکم رکھتے ہیں ہاں کھینچئے تا کہ ہم کھینچیں مطلب یہ ہے کہ جس طرح کہ انگور موسم بہار سے خوش ہوتا ہے کہ اسی موسم میں پختہ ہوتا ہے اسی طرح ہم آپ سے خوش ہیں کہ آپ سے ہم کو فیض ہوتا ہے تو آپ ہی حاکم ہیں آپ مضامین کو بڑھائیے۔ ہم بھی بڑھادیں گے۔

خوش بکش ایں کاروانرا تا بحج	اے امیر صبر و مفتاح الفرج
اس قافلہ کو حج تک عمدگی سے لے جا	اے صبر کے امیر اور کشادگی کی کنجی

یعنی اس قافلہ کو حج تک خوب کھینچئے۔ اے امیر صبر اور اے مفتاح کشادگی۔

حج زیارت کردن خانہ بود	حج رب البیت مردانہ بود
حج خانہ کعبہ کی زیارت ہوتی ہے	بیت (اللہ) کے مالک کا حج مردوں کا ہوتا ہے

یعنی حج تو خانہ کعبہ کی زیارت کرنا ہوتا ہے اور حج رب البیت کا مردانہ ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اوپر جو کہا تھا کہ اس قافلہ کو حج تک لے جائے تو شبہ ہوا کہ مثنوی کے مطالعہ اور اس کے پڑھ لینے سے حج کب ہوتا ہے اس شبہ کو دفع فرماتے ہیں کہ حج تو صرف بیت اللہ کی زیارت ہے اور مثنوی سے رب بیت کی معرفت اور زیارت ہوتی ہے۔ تو جو شخص کہ صرف حج بیت ہے اس کی حقیقت کے کرے تو معنی اس حج سے یہ حج رب البیت افضل ہوگا لیکن حکما اور شرعا اور قونا یہ نہ کہا جاوے گا کہ مثنوی پڑھ لینے سے حج ادا ہوگیا بلکہ مطلب یہ ہے کہ معنی اس حج سے جس میں کہ حقیقت نہ ہو یہ مثنوی کا پڑھ لینا جس سے کہ معرفت رب البیت حاصل ہوتی ہے افضل ہے باقی جس نے حج نہ کیا ہو اس کے لئے نہ یہ کافی ہے اور نہ مولانا کا یہ مطلب ہے اوپر چونکہ مولانا حسام الدین کے دو لقب کہے تھے۔ ایک حسام الدین اور دوسرا ضیاء الحق تو دو لقب کہنے کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

زان ضیاء گفتم حسام الدین ترا	کہ تو خورشیدی و این دو وصفہا
اے دین کی تلوار میں نے تجھے روشنی اس لئے کہا ہے	کہ تو سورج ہے اور یہ دونوں (اسکی) صفتیں ہیں

یعنی میں نے ضیاء اور حسام الدین اس لئے تم کو کہا ہے کہ تم خورشید ہو اور یہ دونوں (تمہارے) اوصاف ہیں۔

کایں حسام وایں ضیا یک ہست ہیں	تیغ خورشید از ضیا باشد یقین
کیونکہ یہ تلوار اور روشنی یقینا ایک ہے	سورج کی یقینا روشنی کی ہوتی ہے

یعنی کہ یہ حسام اور یہ ضیا ایک ہی ہیں اور خورشید کی تیغ ضیا ہی سے ہوں ہے یقینا۔ مطلب یہ ہے کہ فیض بخشی میں آپ تو مثل خورشید کے ہیں اور ضیاء بھی آپ کی صفت ہے اور حسام جس کے معنی قطع کے ہیں یہ بھی آپ ہی کی صفت ہے اس لئے کہ آپ ضیاء ہیں تو فیض بخشتے ہیں اور حسام الدین یعنی قاطع ہیں تو ظلمات جہل کو دفع فرماتے ہیں اور قاطع ہونے کے لے وہ تیغ آہنی ہی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ خورشید کے لئے اس کی ضیاء کی تیغ ہے اس لئے کہ وہ بھی قاطع ظلمت ہے لہذا حسام اور ضیاء دونوں کا اطلاق آپ پر صحیح ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں آپ کی صفات ہیں اب آگے ضیاء کا نور سے عالی ہونا قرآن سے ثابت فرماتے ہیں کہ۔

نور ازان ماہ باشد ویں ضیا	آن خورشید ایں فروخوان از نبا
نور چاند کی ملکیت ہے اور یہ ضیاء	سورج کی ملکیت ہے اس کو قرآن میں پڑھ لے

یعنی نور تو متعلق ماہ کے ہوتا ہے اور یہ ضیاء متعلق خورشید کے ہوتی ہے۔ اس کو قرآن شریف سے پڑھ لو۔ مطلب یہ کہ دیکھو قرآن شریف میں موجود ہے۔ والذی جعل الشمس ضیاءً والقمر نوراً۔ تو دیکھو قمر کے لئے نور کو ثابت فرمایا اور شمس کے لئے ضیاء کو تو معلوم ہو گیا کہ ضیاء مرتبہ میں عالی ہے۔ اور صفت ہے خورشید کی۔

شمس را قرآں ضیاء خواند اے پدر	واں قمر را نور خواند ایں را نگر
اے بابا سورج کو قرآن نے ضیاء فرمایا ہے	اور اس چاند کو نور فرمایا ہے اس پر غور کر

یعنی ارے بابا دیکھ لے شمس کو تو قرآن نے ضیاء کہا اور اس قمر کو نور کہا۔

شمس چوں عالی تر آمد خود ز ماہ	پس ضیاء از نور افزون داں بجاہ
چونکہ سورج خود چاند سے اونچا ہے	پس مرتبہ میں ضیاء کو نور سے بڑھا ہوا سمجھ

یعنی شمس جب خود ماہ سے عالی آیا ہے تو ضیاء کو نور سے مرتبہ میں زیادہ جانو۔ مطلب یہ کہ جب شمس قمر سے رتبہ میں بڑھا ہوا ہے تو اس کے جو متعلقات ہیں یعنی نور اور ضیاء ان میں بھی یہی تفاوت ہوگا۔

بس کس اندر نور مہ منہج ندید	چوں بر آمد آفتاب آں شد پدید
بہت سے لوگ ہیں جو چاند کے نور میں راستہ نہیں دیکھ پاتے	جب سورج نکل آتا ہے وہ راستہ نظر آ جاتا ہے

یعنی بہت سے آدمیوں نے چاند کی روشنی میں راستہ نہ دیکھا اور جب آفتاب نکل آیا تو وہ راستہ ظاہر ہو گیا۔ مقصود یہ ہے کہ اے حسام الدین آپ مثل خورشید کے ہیں اور دیگر اولیاء مثل قمر کے تو جو لوگ کہ اور اولیاء اللہ سے مستفیض نہیں ہو سکتے اور ان کو اوروں سے ہدایت نہیں ہوتی۔ وہ بھی آپ کی خدمت میں آ کر درست ہو جاتے ہیں اور ان کو راستہ مل جاتا ہے۔

آفتاب اعراض را کامل نمود	لاجرم بازارہا در روز بود
سورج نے سامان کو مکمل دکھاتا ہے	لا محالہ بازار دن میں لگتے ہیں

یعنی آفتاب نے چیزوں کو پوری طرح دکھا دیا تو آخر کار تمام بازار دن میں ہوئے۔ یعنی چونکہ آفتاب کی روشنی میں سب چیزیں اچھی طرح دکھائی دیتی ہیں تو سوداگر لوگ بازار بھی دن میں لگاتے ہیں اور خریدار بھی دن ہی کو چیزیں خریدتے ہیں۔

تا کہ قلب و نقد نیک آید پدید	تا بود از غبن و از حیلہ بعید
تا کہ کھوٹا اور کھرا خوب ظاہر ہو جائے	تا کہ ٹوٹے اور مکر سے بچاؤ ہو

یعنی تا کہ کھوٹا اور کھرا خوب ظاہر ہو جاوے اور تا کہ (خریدار) دھوکہ اور حیلہ سے دور رہے۔

تا کہ نورش کامل آید در زمین	تاجران را رحمۃ للعالمین
یہاں تک کہ اس کی مکمل روشنی زمین پر آتی ہے	تاجروں کے لئے رحمۃ للعالمین بن کر

یعنی یہاں تک کہ اس کا نور زمین میں کامل ہوتا ہے اور تاجروں کیلئے رحمۃ للعالمین ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مولانا فرماتے ہیں کہ اے مولانا حسام الدین آپ خورشید ہیں اور آپ کی یہ شان ہے کہ آپ کے آگے کھوٹا کھرا سب معلوم ہو جاتا ہے اور ہر شخص اپنی اصلی حالت میں معلوم ہوتا ہے کہ اس کی یہ حالت ہے تو جو کھرے تاجر ہیں یعنی سچے لوگ ہیں ان کے لئے تو آپ رحمت ہیں کہ آپ کے نور میں اور آپ کے فیض سے نقصان کی بجائے اور حالت خوب معلوم ہو جاتی ہے۔

لیک بر قلاب مبغوض است سخت	زانکہ زو شد کاسد او را نقد و رخت
لیکن وہ دھوکے باز کو سخت ناپسند ہے	کیونکہ اس کی وجہ سے اس کا نقد اور سامان کھوٹا

یعنی لیکن کھوٹ والے پر (وہ خورشید) بہت مبغوض ہے اس لئے کہ اس کا نقد اور اسباب کھوٹا ہو گیا۔ مطلب یہ کہ جو جھوٹے اور مکار پیر ہیں وہ آپ سے بہت جلتے ہیں اور آپ ان کی نگاہ میں بہت مبغوض ہیں اس لئے کہ آپ کے سامنے ان کی دوکانداری چلتی نہیں ہے تو وہ جلتے ہیں۔

پس عدوے جان صراف قلب	دشمن درویش کہ بود غیر کلب
تو کھوٹا صراف کی جان کا دشمن ہوتا ہے	کتے کے سوا درویش کی جان کا دشمن کون ہوتا ہے

یعنی کھوٹ تو صراف ک جان کا دشمن ہے اور درویش کا دشمن سوائے کتے کے کون ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ صراف کھوٹے کو پہچان دیتا ہے اور اس کی حالت کو ظاہر کر دیتا ہے تو وہ صراف کا جانی دشمن ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ کا دشمن سوائے جھوٹے کے اور کتے کے اور کون ہوگا جو کہ ناپاک اور مکار ہے کہ اولیاء صدیقین اس کی اصلی حالت کو ظاہر فرما دیتے ہیں اب ہاں اولیاء کو فکر ہوئی کہ ان لوگوں سے دشمنی ہے تو ہم کیوں ان کی حالت کھولیں اور کیوں ان کو دشمن بنا دیں مولانا ان کی تسلی فرماتے ہیں کہ۔

انبیا با دشمناں بری تنند	پس ملائک رب سلم می زنند
انبیاء دشمنوں کے ساتھ بھڑتے ہیں	تو فرشتے خدا سلامت رکھے کا نعرہ لگاتے ہیں

یعنی انبیاء علیہم السلام دشمنوں سے نبٹتے ہیں تو ملائک رب سلم کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ۔

کایں چراغے را کہ ہست آں نوردار	از پف و دمہائے دزداں دور دار
کہ اس چراغ کو جو روشن ہے	چوروں کی پھونک اور سانس سے دور رکھ

یعنی کہ اس چراغ کو جو کہ نوروالا ہے چوروں کی پھونک اور دموں سے دور رکھ اور کہتے ہیں کہ۔

وزد و قلاب است خصم نور و بس	زیں ذوائے فریادرس فریاد رس
چور اور ملمع ساز روشنی کا دشمن ہے	اے فریاد کو پہنچنے والے ان دونوں سے فریاد کو پہنچ

یعنی چور اور کھوٹ والا نور کے دشمن ہیں اور بس تو اے فریادرس ان دونوں سے فریاد کو پہنچ۔ مطلب یہ کہ جب انبیاء علیہم السلام دشمنوں سے نبٹتے ہیں تو ملائک ان کے لئے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ ان کو سلامت ہی رکھ ان کو دشمن گزند نہ پہنچا سکیں تو بس اسی طرح جب آپ دشمنوں سے نبٹیں گے تو آپ کو بھی گزند نہ پہنچا سکیں گے۔ بے فکر رہئے آگے پھر حسام الدینؒ کو خطاب فرماتے ہیں کہ۔

روشنی بر دفتر چارم بریز	کآفتاب از چرخ چارم کرد خیز
چوتھے دفتر پر روشنی ڈال	کیونکہ سورج چوتھے آسمان سے طلوع کر رہا ہے

یعنی آپ دفتر چہارم پر روشنی ڈالئے کیونکہ آفتاب نے چوتھے آسمان سے حرکت کی ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ آفتاب چرخ چہارم سے (علی المشہور) فیض پہنچاتا ہے اسی طرح آپ بھی دفتر چہارم سے فیض پہنچائیے۔

ہیں ز چارم نور دہ خورشید وار	تا بتابد بر بلاد و بر دیار
ہاں چوتھے (دفتر) سے سورج کی طرح روشنی عطا فرما	تاکہ وہ ملکوں اور شہروں پر چمک اٹھے

یعنی کہ ہاں دفتر چہارم سے خورشید کی طرح نور دیجئے تاکہ (وہ نور) بلاد و دیار پر چمکے۔ یعنی اس دفتر سے فیض پہنچائیے تاکہ شہروں شہروں پہ فیض پہنچے۔

ہرکس افسانہ بخواند افسانہ است	وانکہ دیدش نقد خود مردانہ است
جس نے اس کو قصہ سمجھا وہ خود قصہ ہے	اور جس نے اس کو اپنی دولت سمجھا وہ مرد ہے

یعنی جس شخص نے کہ افسانہ پڑھا تو افسانہ ہے اور جس نے کہ اس کو اپنا نقد دیکھا وہ ایک مرد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس نے اس کے نتائج پر نظر نہ کی اور اس کو ایک افسانہ کی کتاب سمجھا تو اس کے نزدیک تو افسانہ ہی ہے اور جس نے نتائج پر نظر کی اس نے مردوں کا کام کیا اور اسی نے کام کی بات کو دیکھا آگے اس ایک کو صرف افسانہ معلوم ہونے اور دوسرے کو مفید معلوم ہونے اور مستفیض ہونے کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

آب نیل است و بقبطی خون نمود	قوم موسےٰ را نہ خون بود آب بود
دریائے نیل پانی ہے اور قبطی کو خون نظر آیا	حضرت موسیٰ کی قوم کے لئے پانی تھا نہ کہ خون

یعنی آب نیل ہے اور فرعونیوں کو خون دکھائی دیا۔ اور قوم موسےٰ کے لئے خون نہ تھا۔ (بلکہ) پانی تھا مطلب یہ ہے کہ دیکھو آب نیل ایک ہی شے ہے مگر قبطیوں کو تو خون دکھائی دیتا ہے اور وہ اس سے مستفیض نہیں ہو سکتے اور قوم موسےٰ کو پانی دکھائی دیتا ہے اور وہ اس سے مستفیض ہوتے ہیں بس یہی حال اس مثنوی کا ہے۔ محشیوں نے لکھا ہے کہ اس جگہ پر پہنچ کر حضرت مولانا حسام الدین کو کشف ہوا کہ منکرین مثنوی دوزخ میں ڈالے جارہے ہیں۔ اور اس کشف کا حضرت مولانا رومی کو ہوا تو اس پر مولانا رومی نے فوراً یہ دو شعر ذیل فرمائے کہ۔

دشمن این حرف ایندم در نظر	شد ممثل سر نگو اندر سقر
اس وقت اس مثنوی کا دشمن ہماری نظر میں	دوزخ میں سرنگوں بنا ہوا ہے

یعنی اس حرف کے دشمن اس وقت دیکھنے میں دوزخ میں اوندھے ممثل ہوئے ہیں۔

اے ضیاء الحق تو دیدی حال او	خود نمودت پاسخ افعال او
اے ضیاء الحق تم نے اس کی حالت دیکھی ہے	اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کے کاموں کا جواب دکھایا ہے

یعنی اے ضیاء الحق تم نے اس کا حال دیکھ لیا خدا نے خود کو اس کو افعال کی سزا دکھا دی۔ مطلب یہ کہ مولانا فرماتے ہیں کہ دیکھو اس وقت منکرین مثنوی کی صورت مثالی دوزخ میں جاتی ہوئی معلوم ہوئی ہے۔ تو اے ضیاء الحق تم دیکھ لو خدا نے تمہیں خود دکھا دیا کہ ان کی یہ سزا ہے اور ممثل اس لئے کہا کہ وہ لوگ اصل میں دوزخ میں تو نہ گئے تھے اس وقت ان کی صورت اس ہیئت سے مکشوف ہوئی تھی تو مولانا کی یہ غایت احتیاط ہی کی ممثل فرمایا۔ آگے مولانا حسام الدین کے دیدہ کے تعریف فرماتے ہیں جس سے کہ انہوں نے اس حالت کو دیکھ لیا تھا فرماتے ہیں کہ۔

دیدۂ غیبت چو غیب است اوستاد	کم مبادا زیں جہان این دید وداد
تمہاری غیب کو دیکھنے والی آنکھ غیب کی طرح ماہر ہے	خدا کرے یہ مشاہدہ اور عطا اس دنیا سے ناپید نہ ہو

یعنی آپ کا دیدۂ غیب غیب کی طرح اوستاد ہے تو اس جہان سے یہ دید وداد کم مت ہو مطلب یہ کہ جس طرح

کہ غیب ہر شے کی اصل ہے اسی طرح یہ دیدۂ غیب بین ہے کہ ہر شے کو دیکھ لیتا ہے۔ تو خدا کرے کہ یہ دیدہ اور فیض کم نہ ہو اب ناظرین کو یاد ہوگا کہ دفتر سوم کے آخر میں ایک عاشق کی حکایت کو ناتمام چھوڑا تھا اور کہا تھا کہ اس کو دفتر چہارم میں ختم کریں گے لہذا اب اسی کے متعلق فرماتے ہیں اور آگے اس حکایت کو شروع فرماویں گے۔

گر تمامش میکنی اینجا رواست	آن حکایت را کہ نقد وقت ماست
اگر تم اس کو اس جگہ پورا کر دو تو مناسب ہے	یہ حکایت جو ہمارا ماحضر ہے

یعنی اس حکایت کو جو کہ ہمارے وقت کی نقد ہے اگر (اے حسام الدین) تم یہاں تمام کر دو تو جائز ہے۔ یعنی یہ اس کے ختم کا موقعہ ہے اس کو یہاں ختم کر دو اب یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ بدفہموں کی بدفہمی کی وجہ سے طبیعت رک جاوے اور یہ سمجھ کر کہ یہ لوگ سمجھتے تو ہیں ہی نہیں شاید نہ پورا فرماویں لہذا اس کی بابت فرماتے ہیں کہ۔

قصہ را پایاں برد مخلص رساں	ناکساں را ترک کن بہر کساں
قصہ کو پورا کر دو اور انجام کو پہنچا دو	نالائقوں سے لائقوں کی خاطر قطع نظر کر لو

یعنی ناکسوں کو کسوں کے لئے ترک کر دو اور قصہ کو ختم کرو اور مخلص تک پہنچاؤ۔ مطلب یہ کہ جو فہیم لوگ ہیں ان کا خیال کرو اور ان بدفہموں کو چھوڑ دو اور قصہ کو پورا کر دو۔

چار میں جلد است آرش در نظام	ایں حکایت گر نشد آنجا تمام
یہ چوتھا دفتر ہے اس کو لڑی میں پرو دو	یہ قصہ اگر اس جگہ (دفتر سوم) میں مکمل نہیں ہوا ہے

یعنی یہ حکایت اگر اسی جگہ پوری نہ ہوئی تو (یہ) چوتھی جلد ہے اس کو لڑی میں لاؤ۔ مطلب یہ کہ اگر وہ حکایت دفتر سوم میں پوری نہ ہوئی تھی تو تم نے دفتر چہارم کا وعدہ کیا تھا لہذا اس کو یہاں پورا کر دو آگے حکایت سنو۔

شرح حبیبی

یہاں مولانا مثنوی کی طوالت کا عذر اور مولانا حسام الدین کی تعریف بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ضیاء الحق حسام الدین تو ہی ہے جس کے نور کے سبب مثنوی افاضۂ نور ہدایت میں چاند پر فوقیت لے گئی ہے۔ اور اے وہ شخص جس سے ہماری امیدیں وابستہ ہیں آپ کی ہمت عالی خدا جانے اس مثنوی کو کہاں سے کہاں لے جاوے گی۔ میں نے جو کہا ہے کہ آپ کی ہمت عالی خدا جانے مثنوی کو کہاں سے کہاں لے جاوے گی۔ اس کی وجہ سے یہ ہے کہ اس پر آپ ہی کا تصرف ہے اور اس کی ڈوری آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ آپ نے اس کی گردن باندھ رکھی ہے اور جس طرف آپ مناسب سمجھتے ہیں اس طرف لے جاتے ہیں پس چونکہ میں اس وقت تک آپ کا تصرف دیکھ رہا ہوں اس لئے سمجھتا ہوں کہ اس کا اختتام بھی آپ ہی کے تصرف سے ہوگا۔ اس لئے کہہ دیا گیا کہ آپ کی ہمت عالی الخ مثنوی ڈور رہی ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ اسے میں کھینچ رہا ہوں مگر ایسا نہیں

بلکہ جو اصل کھینچنے والا ہے یعنی مولانا حسام الدین وہ من حیث التصرف مخفی ہے۔ مگر ہر ایک سے مخفی نہیں بلکہ اس جاہل سے مخفی ہے جو چشم بصیرت نہیں رکھتا اور جو لوگ چشم بصیرت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ مولانا حسام الدین اس کے کھینچنے والے ہیں' خیر یہ تو ایک ضمنی گفتگو تھی۔ اب میں کہتا ہوں کہ چونکہ مثنوی کا مبدا آپ ہی ہیں اور اس کا ظہور آپ ہی کے فیض سے ہے۔ اس لئے اگر یہ بڑھ جاوے تو میں اس کا ذمہ دار نہیں بلکہ اس کے بڑھانے والے آپ ہی ہیں۔ اصل بڑھانے والے تو اس کو حق سبحانہ ہیں مگر میں نے آپ کو اس کا بڑھانے والا اس لئے کہہ دیا ہے کہ آپ فانی فی الحق ہیں پس جب آپ کسی چیز کو چاہتے ہیں تو خدا بھی وہی چاہتا ہے کیونکہ اس کا قاعدہ ہے کہ وہ متقین کے مقاصد پورے کرتا ہے چونکہ آپ پیشتر خدا کے ہو چکے ہیں اس لئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا بھی آپ کا ہو گیا (اور غالب احوال میں باستثناء ان احوال کے جن میں آپ کی مرضی کا لحاظ رکھنا اس کی حکمت و مصلحت کے خلاف ہے وہ آپ کی منشاء کا لحاظ رکھتا ہے اور چونکہ آپ کا منشاء اس کا طول ہے اس لئے یہ طویل ہوتی جاتی ہے)۔ ایک وجہ تو اس کے طول کی یہ تھی دوسری وجہ یہ ہے کہ مثنوی آپ کی نہایت ممنون و مشکور ہے اور آپ کے لئے دعا اور آپ کے شکر کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں۔ اس کے منہ اور زبان پر خدائے تعالیٰ نے آپ کا شکر دیکھا اس لئے اس نے عنایت اور فضل کیا اور ترقی بخشی۔ کیونکہ شاکر کے لئے ترقی کا وعدہ ہو چکا ہے اور فرما چکے ہیں۔ لئن شکرتم لازیدنکم اور ترقی شکر کی یوں ہی اجرت ہے۔ جیسی کہ سجدہ کی اجرت قرب ہے۔ چنانچہ حق سبحانہ نے واسجدو اقترب فرمایا ہے۔ (پس جس طرح) ہمارے اجسام کا سجدہ ہمارے ارواح کے قرب کا سبب ہو گیا ہے۔ (یوں ہی مثنوی کا شکر اس کی ترقی کا سبب ہو گیا)

الغرض اگر مثنوی میں زیادتی ہو تو اس کے اسباب یہ ہیں جو بیان کئے گئے ورنہ خواہش شہرت و نعرہائے تحسین اس کا باعث نہیں۔ چونکہ ہم آپ سے یوں ہی خوش ہیں جس طرح موسم گرما سے انگور خوش ہوتا ہے۔ اس لئے آپ کے مطیع ہیں اور کوئی ذاتی رائے نہیں رکھتے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ دراز ہو تو آپ حاکم ہیں۔

آپ کھینچیں آپ کے تابع ہو کر ہم بھی کھینچیں گے۔ اے امیر صبر اور اے کشائش کی کنجی آپ اس قافلہ کو اس حد تک کھینچنا چاہتے ہیں کہ حج ہو جاوے۔ آپ شوق سے کھینچیں ہم آپ کے تابع ہیں کوئی یہ نہ کہے کہ حج معنی تو افعال مخصوصہ کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت ہے سو یہ مقصد مثنوی سے کب حاصل ہو سکتا ہے اس لئے کہ ہم کہتے ہیں کہ بیشک حج شرعی یہی ہے جس کا نصوص میں حکم ہے۔ لیکن حج بیت اللہ مردان خدا کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس میں وہ اور ان کے علاوہ لوگ سب شریک ہیں اور حج رب البیت اور بچشم قلب زیارت حق سبحانہ یہ مردان خدا کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور یہاں یہی حج مراد ہے۔ نہ کہ مصطلح شرع یہاں تک عذر طویل کو ختم کر کے اب مولانا حسام الدین کی تعریف کرتے ہیں جو کہ تمہید ہے دوسرے مضمون کی اور کہتے ہیں کہ حسام الدین میں نے تمہیں اس لئے ضیاء کہا ہے کہ آپ شمس ہیں اور ضیاء اور حسام آپ کے دو وصف ہیں دو نہیں بلکہ ضیاء اور حسام بھی ذاتاً

ایک ہی ہیں اور فرق اعتباری ہے۔ ایک میں نے اس لئے کہا کہ آفتاب کی تلوار خود اس کا نور ہی ہوتا ہے اور اسی کو بوجہ قاطع ظلمت ہونے کے حسام کہا جاتا ہے تو چونکہ آپ آفتاب ہیں اور آفتاب کی روشنی کو ضیاء اور چاند کی روشنی کو نور کہا جاتا ہے چنانچہ اس کی تصدیق قرآن سے کر سکتے ہو۔ دیکھو قرآن نے شمس کو ضیاء اور قمر کو نور کہا ہے اس لئے میں نے آپکو نور نہیں کہا بلکہ ضیاء کہا۔ نیز چونکہ آفتاب ماہتاب سے ارفع ہے اس لئے ضیاء کو بھی نور پر فوقیت ہو گی۔ اور یہ امر مشاہدہ سے بھی ثابت ہے کیونکہ بہت سے لوگ چاند کی روشنی میں رستہ نہیں پا سکتے۔ لیکن جب آفتاب نکلتا ہے تو وہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ نیز آفتاب سامان تجارت کو خوب اچھی طرح ظاہر کر دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ بازار دن کو لگتے ہیں تا کہ کھوٹا کھرا اچھی طرح ظاہر ہو جاوے۔ اور تا کہ آدمی یا مال دھوکے اور چال سے دور رہے۔ نیز اسی کا نتیجہ ہے کہ اس کا نور کامل زمین پر تاجروں کے حق میں رحمۃ اللعالمین ہے۔ پس اس بیان سے معلوم ہوا کہ نور شمس نور قمر سے ارفع ہے لہذا میں نے آپ کو ضیاء کہا۔

اب سنو کہ گو آفتاب اور ضیاء تاجروں کا مجموعہ ہے لیکن کھوٹا مال چلانے والے اس کے سخت دشمن ہیں کیونکہ اس سے ان کا مال واسباب رائج نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صراف کا جانی دشمن کھوٹا مال چلانے والا ہی ہوتا ہے اور ہونا بھی یہی چاہئے۔ اس لئے کہ فقیر کا دشمن کتا ہی ہوتا ہے۔ پس ضرور ہے کہ جس طرح کاملین آپ کو محبوب سمجھتے ہیں یوں ہی ناقصین آپ کے دشمن ہوں لیکن آپ کو مطمئن رہنا چاہئے کہ اس سے آپ کو کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔ اس لئے کہ آپ نائب انبیاء ہیں اور جبکہ انبیاء کا اعداء سے مقابلہ ہوتا ہے تو فرشتے رب سلم رب سلم پکارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس چراغ کو جو کہ منور ہے تو ان چوروں (دشمنوں) کی پھونک سے دور رکھنا۔ پس نور کے دشمن دو ہی شخص ہیں ایک کھوٹا مال چلانے والا دوسرا چور سوائے فریادرس ہم تجھ سے ان دونوں کی تعدی کی فریاد کرتے ہیں تو ہماری فریاد سن اور ان کو سزا دے۔ پس جبکہ فرشتے انبیاء کے لئے دعا کرتے ہیں تو آپ کے لئے بھی ضرور کریں گے۔ اس لئے کوئی اندیشہ کی بات نہیں آپ شوق سے دفتر چہارم پر روشنی ڈالئے اور اس سے اپنے کمالات کو ظاہر فرمایئے۔ کیونکہ آفتاب بھی بنا بر مشہور چرخ چہارم ہی سے طلوع ہوتا۔ دیکھئے میں پھر عرض کرتا ہوں کہ آپ آفتاب کی طرح دفتر چہارم سے نور افشانی کریں تا کہ وہ ملکوں اور شہروں کو منور کر دے۔ یہ ضرور ہے کچھ لوگ اسے افسانہ کہتے ہیں اور کچھ اسے کھرا مال سمجھتے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ جو لوگ اسے افسانہ کہتے ہیں وہ خود افسانہ اور بے حقیقت ہیں اور جو اسے کھرا مال سمجھتے ہیں وہ ہی حقیقت میں مرد ہیں۔ نیز مثنوی کا لوگوں کی نظروں میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہونا کچھ تعجب خیز نہیں اس لئے کہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز مختلف لوگوں کو مختلف صورتوں میں دکھلائی دیتی ہے چنانچہ آب نیل حقیقت میں پانی تھا اور قبطیوں کو خون دکھلائی دیتا تھا اور قوم موسیٰ کو خون نہ دکھلائی دیتا تھا بلکہ پانی ہی معلوم ہوتا تھا۔ پس یہی حالت مثنوی کی ہے۔ کہ کچھ لوگ اس کو اس کی حقیقت کے موافق دیکھتے ہیں اور کچھ خلاف لیکن جو لوگ اس کے دشمن ہیں اور اس کو اس کی حقیقت کے خلاف دیکھتے ہیں

عالم مثال کے مشاہدہ سے ان کی حالت یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ دوزخ میں سرنگوں ہیں۔ پس اے ضیاء الحق آپ نے ان کی حالت تو دیکھ ہی لی ہے اور خدا تعالیٰ نے آپ کو ان کے افعال کی سزا محسوس کرادی ہے لہذا آپ ان کی طرف التفات نہ فرمائیں آپ کی غیب میں آنکھ عالم غیب کی طرح فیض رساں ہے خدا کرے اس کی بینش اور سخاوت میں کمی نہ آئے اگر آپ اس حکایت کو جو پیش نظر ہے یہاں تمام فرمادیں تو کچھ مضائقہ نہیں اہلوں کی خاطر سے نااہلوں کو چھوڑ یئے اور قصہ ختم کیجئے اور انتہا کو پہنچایئے۔ اگر یہ حکایت وہاں تمام نہ ہوئی تو نہ ہو چوتھی جلد کے اندر اس کو سلسلہ بیان میں لے آئے۔

شرح شبّیری

اس عاشق کی حکایت کا تتمہ جو کہ کوتوال سے بھاگ کر ایک غیر معلوم باغ میں چلا گیا تھا اور اپنی معشوقہ کو اس باغ میں پایا تو کوتوال کو خوشی کے مارے دعائیں دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ عسیٰ ان تکرھو شیئاً وھو خیر لکم

اندریں بودیم کاں شخص از عسس	راند اندر باغ از خوف او فرس
ہم یہ کہہ رہے تھے کہ اس شخص نے کوتوال کی وجہ سے	ڈر کے مارے گھوڑا باغ میں گھسا دیا

یعنی ہم اسی میں تھے کہ اس شخص نے کوتوال کے خوف کی وجہ سے باغ میں اپنا گھوڑا اچلایا یعنی ہم بھی بیان کر رہے تھے کہ وہ کوتوال کے خوف سے ایک باغ میں گھس گیا۔

بود اندر باغ آں صاحب جمال	کز غمش ایں در عنا ید ہشت سال
وہ حسینہ باغ میں تھی	جس کے غم میں وہ آٹھ سال سے مصیبت میں تھا

یعنی باغ کے اندر وہ صاحب جمال موجود تھی۔ جس کے غم میں کہ آٹھ برس تک مصیبت میں رہا تھا۔

سایۂ او را نبود امکان دید	ہمچو عنقا وصف او را می شنید
اس کے سایہ کو بھی دیکھنے کا امکان نہ تھا	عنقاء کی طرح اس کی خوبیاں سنتا تھا

یعنی اس کے سایہ کو (بھی) دیکھنا ممکن نہ تھا اور عنقا کی طرح اس کے اوصاف سنا کرتا تھا۔

جز یکے لقیہ کہ اول از قضا	بر وے افتاد و شد او را دلربا
سوائے ایک ملاقات کے جو شروع میں منجانب قضا	اس سے ہو گئی تھی اور وہ اس کی دلربا ہو گئی تھی

یعنی سوائے اس ملاقات کے کہ اول بار قضا کی وجہ سے اس پر پڑ گئی تھی اور وہ (نگاہ) اس کے لئے دلربا ہو گئی

تھی۔ مطلب یہ کہ بس اول بار صرف ایک مرتبہ ملاقات ہوگئی تھی اس کے بعد تو سایہ بھی دیکھنے کو نہ ملتا تھا۔

بعد ازاں چندانکہ می کوشید او	خود مجالش می نداد آں تند خو
اس کے بعد اس نے جتنی بھی کوشش کی	اس کو اس بد مزاج نے موقع نہ دیا

یعنی اس کے بعد جس قدر کہ وہ کوشش کرتا تھا خود وہ تند خو اسکو مجال (ملاقات) نہ دیتی تھی۔

نے بہ لابہ چارہ بودش نے بمال	سیر چشم و بے طمع بود آں نہال
نہ خوشامد سے اس کی کوئی تدبیر تھی نہ مال سے	وہ بوٹا سیر چشم اور بے طمع تھا

یعنی نہ تو اس کا علاج خوشامد سے تھا اور نہ مال سے (اس لئے کہ) وہ نہال سیر چشم اور بے طمع تھی مطلب یہ کہ اس کی حالت یہ تھی کہ نہ بزور و نہ بزاری نہ بزری آید۔ آگے مولانا ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر ہر عاشق اور طالب کی جو حالت ہوا کرتی ہے اس کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

عاشق ہر پیشۂ و ہر مطلبے	حق بیالود اول کارش لبے
ہر مقصد اور ہر پیشہ کے عاشق کے	ابتدا کار میں اللہ تعالیٰ اس کے ہونٹ آلودہ کر دیتے ہیں

یعنی ہر پیشہ اور ہر مطلب کا حق تعالیٰ نے اس کے اول کار میں ایک لب آلودہ کر دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص کسی شے کا طالب ہوتا ہے تو اول حق تعالیٰ اس کو اس شے کا ایک مزہ چکھا دیتے ہیں کہ جس سے اسے اس کی چاٹ پڑ جاتی ہے۔

چوں بداں آسیب در جست آمدند	پیش پاشاں می نہد ہر روز بند
جب اس معاملہ میں وہ بڑھنے لگتے ہیں	ان کے پاؤں میں ہر روز بیڑی ڈال دیتے ہیں

یعنی جب وہ لوگ اس اثر کی وجہ سے تلاش میں آگئے تو ان کے پاؤں کے آگے ہر روز بند رکھتا ہے مطلب یہ کہ جب وہ لوگ اس چاٹ کی وجہ سے جستجو میں لگ جاتے ہیں تو اب رکاوٹیں پیدا ہونا شروع ہوتی ہیں۔

چوں در افتادند اندر جستجو	بعد ازاں در بست و کابیں جست او
وہ جب جستجو میں لگ جاتے ہیں	اس کے بعد در بند کر دیتا ہے اور مہر کا مطالبہ کرتا ہے۔

یعنی جب وہ لوگ جستجو میں پڑ گئے تو اس کے بعد دروازہ بند ہو گیا۔ اور اس نے مہر ڈھونڈھا۔ مطلب یہ کہ جب جستجو شروع کی تو ملنے کے در بند ہوئے اور مشقتیں اور مجاہدات کی ضرورت ہوئی جو کہ اس شئے کے لئے مثل مہر کے تھے کہ جب مہر ادا کرو تو وہ زوجہ ملے اسی طرح جب مشقتیں کرو تو مطلوب ملے۔

چوں در گفندش بجست و جوئے کار	بعد ازاں در بست کہ کابیں بیار
جب اس کو معاملہ کی جستجو میں مبتلا کر دیا	اس کے بعد دروازہ بند کر دیا کہ مہر لا

یعنی جب اس شخص کو کام کی جستجو میں ڈال دیا اس کے بعد دروازہ بند کر دیا۔ کہ مہر لاؤ۔ یعنی اول چاشنی چکھا کر اسے کام میں لگا دیا اور پھر اس کے ملنے میں سینکڑوں موانع پیدا ہو گئے۔

ہم براں بو می تنند وی روند	ہر دمے راجی و آئس می شوند
وہ اسی خوشبو کے درپے ہوتے ہیں اور چلتے ہیں	اور ہر سانس میں امیدوار اور ناامید ہوتے ہیں

یعنی اسی بو پر تنتے ہیں اور چلتے ہیں اور ہر گھڑی امیدوار اور ناامید ہوتے ہیں یعنی وہ جو چاشنی لگ گئی ہے اسی کی بناء پر پھر رہے ہیں اور تلاش کر رہے ہیں اور کبھی امیدوار ہوتے ہیں اور کبھی ناامید ہوتے ہیں۔

ہر کسے راہست امید برے	کہ کشادندش دراں روزے درے
ہر شخص کے لئے امید کا پھل ہوتا ہے	حتیٰ کہ اس معاملہ میں ایک روز اس کیلئے دروازہ کھول دیتے ہیں

یعنی ہر شخص کو ایک پھل کی امید ہے کہ قضا و قدر نے اس کا اس روز میں ایک دروازہ کھول دیا ہے۔

باز در بستندش و آن در پرست	برہماں امید آتش پا شد است
پھر اس کا دروازہ بند کر دیتے ہیں وہ دور کا پجاری	اس امید پر بے چین ہوتا ہے

یعنی پھر اسکا دروازہ بند کر دیا اور وہ در پرست اسی امید پر بے قرار ہو رہا ہے۔ مطلب یہ کہ ہر شخص ایک امید پر تلا ہوا ہے اور اس کا شائق ہے۔ مگر اول چاشنی کے بعد قضا و قدر اس کا دروازہ ملاقات بند کر دیتے ہیں اب وہ طالب بے قرار اور بے چین پھرتا ہے۔ پس یہاں تک اس قاعدہ کو بیان فرما کر آگے پھر وہی حکایت بیان فرماتے ہیں۔

چوں در آمد خوش دراں باغ آں جوان	خود فروشد پا بگنجش ناگہاں
جب وہ نوجوان خوشی سے اس باغ میں آیا	اچانک اس کا پاؤں خزانے میں دھنس گیا

یعنی جب وہ جوان اس باغ میں خوش خوش آ گیا تو ناگہاں اس کا پاؤں خود بخود خزانہ میں اتر گیا یعنی بس وہاں پہنچتے ہی اس کو گویا کہ خزانہ مل گیا۔ یعنی معشوقہ مل گئی۔

مر عسس را ساختہ یزداں سبب	تا زبیم او دود در باغ شب
اللہ تعالیٰ نے کوتوال کو سبب بنا دیا	تاکہ اس کے ڈر سے رات کو باغ میں دوڑ جائے

یعنی حق تعالیٰ نے کوتوال کو سبب بنا دیا یہاں تک کہ اس کے خوف سے وہ رات کو باغ میں بھاگے۔

بیند آں معشوقہ را او با چراغ	طالب انگشتری در جوئے باغ
وہ اس معشوقہ کو دیکھتا ہے کہ وہ چراغ لئے	باغ کی نہر میں (انگوٹھی) تلاش کر رہی ہے

یعنی وہ اس معشوقہ کو مع ایک چراغ کے انگشتری کا طالب باغ کی ندی میں دیکھے۔ مطلب یہ کہ خدا نے اس کوتوال کو اس

کا سبب بنایا تھا کہ وہ رات کو اس سے ڈر کر باغ میں جاوے۔ اور پھر وہاں اپنی معشوقہ کو انگوٹھی تلاش کرتے ہوئے دیکھ لے۔

پس قریں میکرد از ذوق آں نفس	با ثنائے حق دعائے آں عسس
اس وقت وہ ذوق و شوق سے ملاتا تھا	اللہ (تعالی) کی تعریف کیساتھ کوتوال کے لئے دعا کو

یعنی پس وہ مزہ کی وجہ سے اس وقت خدا تعالیٰ کی حمد کے ساتھ اس کوتوال کی دعا کر رہا تھا۔ یعنی چونکہ اس کوتوال کی وجہ سے اس کو یہ لذت حاصل ہوئی تھی تو وہ خدا کا شکر بھی کر رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اس کوتوال کو بھی دعائیں دے رہا تھا اور وہ دعائیں یہ تھیں کہ۔

گر زیاں کردم عسس را از گریز	بیست چنداں سیم و زر بروے بریز
اگر میں نے بھاگ کر کوتوال کا نقصان کیا ہے	بیس گنا سونا اور چاندی اس پر بہا دے

یعنی اگر میں نے کوتوال کا بھاگنے کی وجہ سے نقصان کر دیا ہے۔ تو بیس گنا سونا چاندی تو اس پر ڈال۔ مطلب یہ کہ وہ کہہ رہا تھا کہ اے اللہ اگر میں نے کوتوال کا نقصان بھاگنے سے کیا ہے کہ وہ مجھے پکڑتا تو اسے کچھ مل رہتا تو اس کے بدلے میں اسے اس سے بیس گنا زیادہ دے اور یہ دعا کر رہا تھا کہ۔

از عوانی مردرا آزاد کن	آنچنانکہ شادم او را شاد کن
اس کو سپاہی پن سے آزاد کر دے	جیسا میں خوش ہوں اس کو خوش کر دے

یعنی کوتوالی سے اس کو آزاد کر اور جس طرح کہ میں خوش ہوں اس کو بھی خوش کر۔ چونکہ کوتوالی ایک ظلم کی جگہ ہے اس لئے کہتا ہے کہ اے اللہ اس کو اس عہدہ سے نجات دے اور اس کو ہمیشہ خوش و خرم رکھ۔

سعد دارش ایں جہاں و آں جہاں	از عوانی و سگی اش وارہاں
اس جہان اور اس جہان میں اس کو نیک بخت بنا دیا	سپاہی پن اور کتے پن سے اس کو نجات دیدے

یعنی اس کو اس جہان اور اس جہان میں نیک بخت رکھ اور کوتوالی اور کتے پن سے اس کو چھڑا دے۔

گرچہ خوئے آں عواں ہست ای خدا	کہ ہمارہ خلق را خواہد بلا
اے خدا اگرچہ اس کوتوال کی عادت ہے	کہ ہمیشہ مخلوق کی مصیبت کی تمنا کرتا ہے

یعنی اگرچہ اے اللہ اس کوتوال کو تو یہ خصلت ہے کہ تمام خلق کے لئے بلا کو چاہتا ہے۔

گر خبر آید کہ شہ جرمے نہاد	بر مسلمانان شود او رفت و شاد
اگر خبر آئے کہ بادشاہ نے جرم قائم کیا	مسلمانوں پر وہ پھولتا اور خوش ہوتا ہے

یعنی اگر خبر آتی ہے کہ بادشاہ نے مسلمانوں پر کوئی رکھا ہے تو وہ خوب موٹا اور خوش ہوتا ہے۔

در خبر آید کہ شہ رحمت نمود	از مسلمانان فگند او را بجود
اور اگر خبر آئے کہ بادشاہ نے رحم کیا	مسلمانوں میں سے کسی پر بخشش و عطا کی

یعنی اور اگر خبر آتی ہے کہ بادشاہ نے رحم فرمایا اور مسلمانوں میں سے فلاں کو جود کی وجہ سے چھوڑ دیا۔

ماتمے در جاں او افتد ازاں	گیردش قولنج زیں غم در زماں
اس سے اس کی جان غم میں مبتلا ہو جاتی ہے	فوراً اس غم سے اس کے (درد) قولنج ہو جاتا ہے

یعنی اس خبر کی وجہ سے اس کی جان میں ایک ماتم پڑ جاتا ہے اور اس غم کی وجہ سے اسی وقت اسے قولنج پکڑ لیتا ہے۔

صد چنیں ادبارہا دارد عوان	زیں بلا فریاد رس اے مستعان
سپاہی اس طرح کی سیکڑوں کی خرابیاں رکھتا ہے	اے مدد گار اس مصیبت سے فریاد رسی کر

یعنی کوتوال ایسے سینکڑوں ادبار رکھتے ہیں تو اے اللہ اس بلا سے اس کی فریاد کو پہنچ۔ مطلب یہ کہ اگر چہ وہ بہت ہی خبیث ہے اور وہ ہماری بھلائی نہیں چاہتا اور چاہتا ہے کہ ہم سب بلا میں مبتلا ہوں مگر جب بھی اے اللہ اس کو اس بلا سے نجات دے۔

او عواں را در دعا در می کشید	کز عواں او را چناں راحت رسید
وہ کوتوال کو دعا میں شامل کر رہا تھا	کیونکہ کوتوال سے اس کو ایسی راحت ملی تھی

یعنی وہ کوتوال کو دعا میں (اس لئے) کھینچ رہا تھا کہ کوتوال سے اس کو ایسی راحت پہنچی تھی مطلب یہ کہ وہ جو کوتوال کے لئے دعا کر رہا تھا تو اس کا سبب یہ تھا کہ اس کو اس سے راحت بہت پہنچی تھی۔ لہذا وہ اس کو بلا میں نہ دیکھ سکتا تھا اور اس کے لئے دعا کر رہا تھا۔

بر ہمہ زہر و برو تریاق بود	آں عواں پیوند آں مشتاق بود
(وہ کوتوال) سب پر زہر اس کے لئے تریاق تھا	وہ کوتوال اس عاشق کا دوست تھا

یعنی وہ کوتوال سب پر تو زہر تھا اور اس پر تریاق تھا اور اس مشتاق کے وصل کا سبب تھا۔ مطلب یہ کہ چونکہ وہ کوتوال اوروں پر ظلم کرتا تھا تو اوروں کے لئے تو زہر اور مبغوض تھا مگر اس کا تو وصل محبوب کا سبب ہو گیا تھا۔ لہذا اس کے لئے تریاق اور محبوب ہو گیا تھا۔ آگے مولانا اس پر ایک تفریع فرماتے ہیں کہ۔

پس بد مطلق نباشد در جہاں	بد بہ نسبت باشد این را ہم بداں
پس دنیا میں بالکلیہ کوئی برا نہیں ہے	برا نسبت سے ہوتا ہے اس کو بھی سمجھ لے

یعنی پس جہان میں شر مطلق نہیں ہوتا۔ (بلکہ) بد نسبتاً ہوتا ہے اس کو جان لے۔ مطلب یہ کہ مولانا فرماتے ہیں کہ جہان میں شر مطلق کا وجود ہی نہیں ہے۔ بلکہ شر اور بد اور مضر ہمیشہ نسبتاً ہوتا ہے کہ ایک کے لئے شر ہے اور دوسرے کے لئے خیر ایک کے لئے بد دوسرے کے لئے نیک ایک کو نافع دوسرے کو مضر ہوتا ہے۔

در زمانہ ہیچ زہر و قند نیست	کان یکے را پا دگر بند نیست
زمانے میں کوئی زہر اور شکر نہیں ہے	کہ ایک کے پاؤں اور دوسرے کے لئے قید نہیں ہے

یعنی زمانہ میں کوئی زہر و قند نہیں ہے کہ ایک کے لئے پاؤں اور دوسرے کی قید نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا میں جو بھی خیر و شر ہے اس کی یہ حالت ہے کہ ایک کے لئے معین اور دوسرے کیلئے مانع ہے۔

مر یکے را پا دگر را پائے بند	مر یکے را زہر و دیگر را چو قند
ایک کے لئے پاؤں ہے دوسرے کے لئے پاؤں کی بیڑی	ایک کے لئے زہر ہے اور دوسرے کے لئے شکر

یعنی ایک کے لئے تو پاؤں اور دوسرے کے لئے پائے بند ایک کے لئے زہر اور دوسرے کے لئے قند کی طرح۔ آگے اس کی مثالیں دیتے ہیں کہ ایک شے ایک کو مضر اور دوسرے کو نافع اور بالعکس فرماتے ہیں کہ۔

زہر مار آں مار را باشد حیات	نسبتش با آدمی باشد ممات
سانپ کا زہر سانپ کی زندگی ہے	اس کی آدمی کے ساتھ نسبت موت ہے

یعنی سانپ کا زہر سانپ کے لئے تو (موجب) حیات ہے اور آدمی کی طرف اس کی نسبت موت ہوتی ہے یعنی دیکھو سانپ کا زہر سانپ کے لئے موجب حیات ہے اور آدمی کو موت کا سبب ہے تو ایک شے ایک کو مضر اور دوسرے کو نافع۔

خلق آبی را بود دریا چو باغ	خلق خاکی را بود آں مرگ و داغ
دریائی مخلوق کے لئے دریا باغ جیسا ہے	خشکی کی مخلوق کے لئے وہ موت اور داغ ہے

یعنی پانی کی مخلوق کے لئے دریا باغ کی طرح ہوتا ہے اور مخلوق خاکی کے لئے موت اور داغ ہوتا ہے یعنی دریا دیکھو ایک شے ہے مگر دریائی جانوروں کے لئے تو جنت ہے اور خشکی کے جانوروں کے لئے موت کی جگہ ہے۔

ہمچنیں بر می شمر اے مرد کار	نسبت ایں راز یک تا صد ہزار
اے کام کے آدمی اسی طرح شمار کر لے	اس کی نسبت ایک سے لاکھ تک

یعنی اے کام کے آدمی اسی طرح اس کی نسبت کو ایک سے لاکھ تک گن لے۔ مطلب یہ کہ اسی طرح دیکھتے چلے جاؤ پس معلوم ہوگا کہ جو شے ایک کو مفید ہے وہی دوسرے کو مضر اور بالعکس۔ اور مثال دیتے ہیں کہ۔

زید اندر حق آں شیطاں بود	در حق شخص دگر انسان بود
زید اس کے حق میں شیطان ہے	دوسرے کے حق میں شاہ ہے

یعنی زید اس شخص کے حق میں شیطان ہوتا ہے اور دوسرے شخص کے حق میں انسان ہوتا ہے۔

آں بگوید زید صدیق و سنی است	واں بگوید زید گبر و کشتنی است
وہ کہتا ہے زید بہت سچا اور بھلا ہے	اور یہ کہتا ہے کہ زید کافر اور گردن زدنی ہے

یعنی وہ ایک کہتا ہے کہ زید صدیق ہے اور بزرگ ہے اور وہ دوسرا کہتا ہے کہ زید گبر ہے اور قابل کشتن ہے۔

زید یک ذاتست برآں یک جناں	او بریں دیگر ہمہ رنج و زیاں
زید ایک ذات ہے جو ایک پر بہشت ہے	اور دوسرے کے لئے مجسم رنج اور بردباری ہے

یعنی زید ایک ہی ذات ہے اور اس ایک پر تو ایسا ہے اور وہی اس دوسرے پر بالکل رنج اور نقصان ہے۔

گر تو خواہی او ترا باشد شکر	پس ورا از چشم عشاقش نگر
اگر تو چاہتا ہے کہ وہ تیرے لئے شکر ہو	تو اس کو اس کے عاشقوں کی نظر سے دیکھ

یعنی اگر تو چاہے کہ وہ تیرے لئے شکر ہو جاوے۔ تو تو اس کو اس کے عاشقوں کی آنکھ سے دیکھ۔ مطلب یہ کہ لیلیٰ را بہ چشم مجنوں باید دید۔

منگر از چشم خودت آں خوب را	بین بچشم طالباں مطلوب را
اس محبوب کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھ	معشوق کو عاشقوں کی آنکھ سے دیکھ

یعنی اس خوب کو اپنی آنکھ سے مت دیکھ (بلکہ) مطلوب کو طالبوں کی آنکھ سے دیکھ۔

چشم خود بر بند زاں خوش چشم تو	عاریت کن چشم از عشاق او
اس اچھی آنکھ والے سے اپنی آنکھ بند کر لے	اس کے عاشقوں سے آنکھ مانگ لے

یعنی اس خوش چشم سے تو اپنی آنکھ تو بند کر لے اور اس کے عشاق کی آنکھ عاریتاً مانگ لے۔

بلکہ زوکن عاریت چشم و نظر	پس ز چشم او بروئے او نگر
بلکہ آنکھ اور نگاہ اس سے مانگ لے	پھر اس کی آنکھ سے اس کے چہرے کو دیکھ

یعنی بلکہ اسی سے چشم و نظر عاریت مانگ لے اور پھر اسی کی آنکھ سے اس کے چہرہ پر نظر کر۔ مطلب یہ کہ اول تو فرمایا کہ محبوب کو اس کے عشاق کی نگاہ سے دیکھو تب اس کے پورے اوصاف اور خوبیاں معلوم ہوں گی۔ آگے ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ بلکہ خود اسی محبوب کی نگاہ عاریت مانگ لے اور اس کی آنکھ سے خود اس کو دیکھ اس لئے کہ عشاق کی نگاہ سے دیکھنے میں بھی بہت سے کمالات نظر نہ آئیں گے۔ اس لئے کہ دوسرے شخص کو اصل اوصاف کی اطلاع نہیں ہو سکتی اور اپنی نظر سے اپنے اوصاف اور کمالات سب نظر آتے ہیں اس لئے کہ عشاق کو جو محبوب کے اوصاف کا علم ہوتا ہے وہ علم تو حصولی ہوتا ہے اور خود محبوب کو جو اپنی صفات کا علم ہوگا وہ حضوری ہوگا۔ تو اس سے کوئی کمال اور کوئی وصف پوشیدہ نہ رہے گا۔ لہٰذا چاہئے کہ خود محبوب کی ہی آنکھ سے اس کے اوصاف کو دیکھیں یہ تو مطلب اشعار کا ہوا اور مقصود مولانا کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی صفات اور کمالات کو خود اسی کی نگاہ سے دیکھنا چاہئے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ فناء کامل حاصل کرنا چاہئے کہ اس کے بعد بی یسمع اور بی یبصر اور بی یبطش کا درجہ حاصل ہو جاوے تو جب بی یبصر ہو جاوے گا تو اسی کی نظر سے اس کے اوصاف پر نظر ہو

گی اور ظاہر ہے کہ پھر اس کی معرفت بقدر امکان پوری حاصل ہوگی۔

تاشوی ایمن زسیری و ملال	گفت کان اللہ لہ زیں ذوالجلال
تاکہ تو نفرت اور انقباض سے محفوظ ہو جائے	اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ کا ہو گیا

یعنی تاکہ تم سیری اور اکتانے سے بے خوف ہو جاؤ۔ اسی سبب سے حق تعالیٰ نے کان اللہ لہ فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ۔

چشم او من باشم ودست و دلش	تارہد از مدبریہا مقبلش
میں اس کی آنکھ اور ہاتھ اور اس کا دل ہو جاتا ہوں	تاکہ اس کی خوش نصیبی' بدنصیبوں سے نجات پا جائے

یعنی میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں اور ہاتھ ہو جاتا ہوں اور دل ہو جاتا ہوں۔ یہاں تک کہ اس کا مقبل بریوں سے چھوٹ جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم فنا کامل حاصل کرلوگے اور تمہاری بصر اس کی بصر ہو جاوے گی اور تمہاری سمع اس کی سمع ہو جاوے گی تو پھر تم اس کے جمال سے کبھی سیر نہ ہوگے اور کبھی اس کے نظارہ سے اکتاؤ گے نہیں۔ اس لئے کہ کوئی اپنے دیکھنے سے نہیں اکتایا کرتا۔ اور اسی لئے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی میرا ہو جاتا ہے تو میں اس کا ہو جاتا ہوں۔ یہاں تک کہ اس کی نگاہ میری نگاہ وعلیٰ ہذا تو بس حق تعالیٰ کی معرفت درجہ فناء حاصل کر کے کرنی چاہئے اور بصر اور سمع وغیرہ کی ایک ہو جانے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی مرضی کے خلاف کوئی شے نہیں ہوتی۔ اس نے چاہا کہ یہ اب دیکھے اب سنے اب چلے اسی طرح یہ شخص کرتا ہے تو گویا اس کی سمع و بصر اس کی سمع و بصر ہیں۔ اور اتحاد سے وہی اتحاد اصطلاحی مراد ہے۔ اتحاد حقیقی مراد نہیں ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہر چہ مکروہ است چوں اوشد دلیل	سوئے محبوبت حبیب است و خلیل
ناپسندیدہ ہے جب وہ رہنما ہوتا ہے	تیرے محبوب کی جانب (وہ) محبوب اور دوست ہے

یعنی جو شے کہ مکروہ ہے جب وہ تمہارے محبوب کی طرف دال ہو جاوے تو وہ محبوب اور دوست ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو شے کہ مکروہ ہے اگر وہ دال علی المحبوب ہو جائے تو وہ مکروہ بھی محبوب ہو جاتا ہے آگے اس پر کہ وہ مکروہ دال علی المطلوب ہونے سے محبوب ہو جاتا ہے ایک حکایت لاتے ہیں۔

شرح حبیبی

خیر تو ہم اسی گفتگو میں تھے کہ اس شخص نے کوتوال کے خوف سے باغ میں گھوڑا دوڑایا یعنی جلدی سے باغ میں گھس گیا۔ اتفاق سے باغ میں وہ حسین بھی تھی جس کے غم میں یہ آٹھ سال سے مصیبتیں جھیل رہا تھا۔ اس کے سایہ کو بھی اس کے لئے دیکھنا ممکن نہ تھا بلکہ عنقا کی طرح اس کے اوصاف ہی سنتا تھا بجز ایک نظر کے جو اتفاقاً اس پر پڑ گئی تھی اور جس کے ذریعہ سے وہ اس کا دل لے اڑی تھی۔ اس کے بعد جس قدر بھی یہ کوشش کرتا تھا وہ بدمزاج اس کو موقعہ ہی نہ دیتی تھی۔ نہ خوشامد سے اس کا کام نکلتا تھا نہ مال سے کیونکہ وہ نہال خوبی سیر چشم اور بے طمع تھا۔

حق سبحانہ ہر کام اور ہر مقصد کے عاشق کو اولاً اس کا مزہ چکھا دیتے ہیں پھر جب کہ وہ طلب میں مصروف ہوتا ہے تو دروازہ بند کر دیتے ہیں اور اس کے مناسب معاوضہ مانگتے ہیں اور جب کہ یہ لوگ اس اثر سے اس کو طلب کرتے ہیں تو ان کے پاؤں کے آگے ہر روز ایک نیا جال بچھاتے ہیں اور رکاوٹیں اور مزاحمتیں پیدا کرتے ہیں حق سبحانہ کا تو ان کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ہے اور ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اسی بو کو لپٹے ہوتے ہیں اور اسی کے سہارے چلے جاتے ہیں اور طے منازل الی المطلوب کے زمانہ میں ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ ذرا سے مقصود کی جھلک دیکھی امید بندھ گئی پھر کوئی مزاحمت پیش آ گئی۔ مایوسی ہوگئی اور طبیعت بجھ گئی۔

ان ابیات کے متعلق ہم کو شرح صدر نہیں ہوا اس لئے متعدد توجیہیں لکھی جاتی ہیں اب ناظرین کو اختیار ہے خواہ ان میں سے کسی کو اختیار کریں یا کوئی اور ان سے اچھی توجیہ پیدا کریں۔

(۱) برے میں لفظ بر معنی نزدیک ہے جو بقطع اضافت مستعمل ہوا ہے۔ مگر اس کی نظیر ہمیں نہیں ملی۔ اس تقریر پر تقریر توجیہہ یہ ہے کہ ہر شخص کی امید (ایک وقت میں اس کی نظر میں) قریب (بحصول) ہوتی ہے۔ کیونکہ قضاوقدر کبھی اس کے لئے اس امید میں ایک کھڑکی کھول دیتے ہیں جس سے وہ حصول مطلوب کا نظارہ کرتا ہے۔ یعنی اس کے حصول کی صورت پیدا کر دیتے ہیں مگر پھر دفعۃً وہ دروازہ بند کر دیتے ہیں جس سے وہ نظارہ بھی بند ہو جاتا ہے اور گونہ مایوسی ہو جاتی ہے لیکن یہ مایوسی دیرپا نہیں ہوتی اور وہ در پرست اسی امید سابق پر بے قرار ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ جس طرح پہلے ایک صورت پیدا ہوگئی تھی ممکن ہے کہ اب بھی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔

(۲) لفظ برے میں با حرف جر اور رے بفتح راء ایک شہر کا نام ہے لیکن رے کا قافیہ درے بھی نظر سے نہیں گزرا۔ اس وقت تقریر توجیہ یہ ہوگی کہ جس کی امید رے میں بھی ہو یعنی متعسر الحصول ہو تو ناگاہ قضاوقدر اس کے لئے اسی میں دروازہ کھول دیتے ہیں۔ الیٰ آخر ما مر۔

(۳) لفظ امیدے میں یا سہو کاتب ہے اور لفظ امید لفظ برے کی طرف مضاف ہے۔ اور باز در بستندش بحذف عاطف کشادندش پر معطوف ہے اور معطوف و معطوف علیہ دونوں لفظ برے کی صفتیں ہیں۔ اس وقت تقریر توجیہ یہ ہوگی کہ ہر شخص کے لئے ایک ایسے ثمرہ یعنی نتیجہ کی امید ہوتی ہے جس کیلئے قضاوقدر نے اولاً راستہ کھول دیا تھا جس سے امید بندھے مگر پھر بند کر دیا جس سے گونہ مایوسی ہوئی مگر وہ مایوسی قائم نہ رہی اور وہ در پرست ہنوز اسی امید سابق پر بیقرار ہے۔

(۴) توجیہ تین کو بحالہ باقی رکھا جاوے مگر اس میں اتنا تغیر کر دیا جاوے کہ باز در بستندش کو ہر کسے راہست الخ پر معطوف کہا جاوے۔ اس وقت تقریر مطلب یوں ہوگی کہ ہر شخص کو ایک ایسے نتیجہ کی امید ہوتی ہے جس کے لئے قضاوقدر نے ایک وقت میں دروازہ کھول دیا تھا۔ جو کہ منشا ہو گیا تھا اس امید کا لیکن اس کے بعد وہ دروازہ بند کر دیا گیا جس سے اس کو قدرے ناامیدی ہوئی مگر وہ ناامیدی قائم نہ رہی اور ہنوز وہ در پرست اسی امید سابق پر بے قرار ہے اور سمجھتا ہے کہ پھر دروازہ کھلے گا۔

(۵) لفظ برے کو لفظ امیدے سے بدل کہا جاوے۔ اور بر کو بمعنی ثمرہ کہا جاوے۔ اس وقت تقریر مطلب یوں ہوگی کہ ہر شخص کیلئے ایک امید ہے جو کہ ایک پھل ہے جس کے لئے ایک وقت میں قضا وقدر نے دروازہ کھول دیا تھا جس سے مطلب حاصل ہوتا معلوم ہوتا تھا مگر پھر وہ دروازہ بند کر دیا گیا جس سے اس کو حصول مطلوب سے گونہ مایوسی ہوگئی مگر یہ مایوسی دیر پا نہ رہی۔ اور وہ در پرست ہنوز اسی امید سابق پر بیقرار ہے۔

فائدہ:۔ اس توجیہ میں دو احتمال ہیں یا تو امید اپنے حقیقی معنیٰ مستعمل ہو یا مجازاً بمعنی مطلوب ہو جس سے وہ امید وابستہ ہے۔ فتدبر۔

جبکہ وہ جوان خوش خوش باغ میں آیا تو پھر کیا تھا اس کے پاؤں گویا کہ دفعۂ خزانہ میں اتر گئے اور وہ نہال ہو گیا۔ دیکھو خدا نے کوتوال کو سبب بنا دیا کہ وہ اس سے ڈر کر رات کو باغ میں جاوے اور اپنی معشوقہ کو چراغ لئے ہوئے باغ کی نہر میں انگشتری ڈھونڈتے دیکھے جبکہ ایسا ہوا تو اس نے فوراً مزہ میں آ کر خدا کی تعریف کی اور اس کے ساتھ کوتوال کو بھی دعائیں دیں اور کہا کہ اگر میں نے بھاگ کر اس کا نقصان کیا ہے کہ اسے انعام اور ترقی سے محروم کیا ہے جو میرے گرفتار کرنے کی صورت میں اس کو حاصل ہوتا تو اے اللہ جس قدر اس کا نقصان ہوا ہے تو اس کا بیس گنا چاندی سونا اس پر برسا اور پولیس کی ملازمت سے اسے رہائی دے اور جیسا کہ میں خوش ہوا ہوں ویسا ہی تو اسے خوش کر۔ تو اس جہان میں بھی اسے خوش نصیب رکھ اور اس جہان میں بھی اور پولیس کی ملازمت اور کتے پن سے اسے نجات دے۔ اگر چہ ملازم پولیس کی یہ عادت ہوتی ہے کہ ہمیشہ مخلوق خدا کے لئے مصیبت چاہتا ہے چنانچہ اگر یہ خبر آوے کہ مجسٹریٹ نے مسلمانوں کو سزا کر دی تو پھول کر کپا ہو جاتا ہے اور اگر یہ خبر آوے کہ مجسٹریٹ نے مسلمانوں پر رحم کیا اور اپنے کرم سے ان کا قصور معاف کر کے انہیں بری کر دیا تو اس سے اس کی جان کے اندر شدت غم سے ماتم برپا ہو جاتا ہے اور اس غم سے وہ فوراً درد قولنج میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ نیز اسی قسم کی وہ اور سینکڑوں بدبختیاں رکھتا ہے لیکن اے اللہ تو ان سب کو معاف کر دے اور اس مصیبت سے اس کی فریاد سن اور اسے چھڑا۔ دیکھو یہ شخص کوتوال کے لئے دعا کرتا ہے کیونکہ کوتوال سے اس کو اس قدر راحت پہنچی ہے اور کوتوال اور سب کے لئے زہر تھا مگر اس کے لئے تریاق ہو گیا کیونکہ وہ اس عاشق کے وصال کا سبب ہو گیا۔

بیان بالا سے یہ نتیجہ نکلا کہ دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جس میں کوئی خوبی نہ ہو بلکہ خوب جان لینا چاہئے کہ جو چیز بری ہے اس کی برائی اضافی اور بعض اعتبارات سے ہے۔ پس زمانہ میں کوئی زہر اور کوئی قند نہیں ہے جو کہ ایک کے لئے پاؤں یعنی موجب نفع اور دوسرے کے لئے بیڑی یعنی باعث ضرر نہ ہو۔ بلکہ ضرور ایک کے لئے نافع اور دوسرے کے لئے مضر ہوگی۔ اور ایک کے لئے مثل زہر کے اور دوسرے کے لئے مانند قند کے ہوگی۔ چنانچہ دیکھو سانپوں کا زہر خود ان کے لئے مایۂ حیات ہوتا ہے۔ اور آدمی کے لحاظ سے موجب موت ہے۔ نیز پانی کی مخلوق کے لئے دریا باغ کی طرح دلچسپی اور فرحت کا مقام ہے اور خشکی کی مخلوق کے لئے رنج اور تکلیف کا سبب ہے۔

پس تم اسی طرح ایک سے لاکھ تک اسی نسبت سے گن لو۔ دیکھو زید مثلاً ایک شخص کے اعتبار سے شیطان ہے اور دوسرے کے اعتبار سے انسان پس یہ کہتا ہے کہ زید صدیق اور رفیع المرتبہ شخص ہے دوسرا کہتا ہے کہ کافر اور گردن زدنی ہے تو دیکھو زید ایک ذات ہے مگر ایک کے لئے جنت کی طرح مرغوب اور راحت رساں ہے اور دوسرے کے لئے تکلیف اور نقصان کا سبب ہے۔ پس اگر تم یہ چاہو کہ وہ تمہارے اعتبار سے شکر کی طرح مرغوب ہو تو اس کو اس کے عاشقوں کی آنکھ سے دیکھ لو۔ اور اس پسندیدہ شخص کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھو بلکہ مطلوب کو اس کے طالبوں کی نظر سے دیکھو اور اس خوش چشم کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھو بلکہ اس کے عاشقوں سے آنکھ مانگ لو بلکہ خود اسی سے آنکھ اور نظر مانگ لو۔ اس کے بعد اس کی آنکھ سے اسے دیکھو تا کہ تم کو جی بھر جانے اور طبیعت کے اکتا جانے کا کھٹکا نہ رہے۔ کیونکہ کوئی شخص اپنے سے نہ سیر ہوتا ہے نہ اکتاتا ہے اس لئے حق سبحانہ نے کان اللہ لہ فرمایا ہے۔ یعنی جبکہ کوئی ہمارا ہو جاتا ہے تو اس کے بعد ہم اس کے ہو جاتے ہیں یعنی اس کی آنکھ بھی ہم ہی ہو جاتے ہیں اس کا ہاتھ بھی ہمیں ہو جاتے ہیں اس کا دل بھی ہم ہی ہو جاتے ہیں اور یہ وہ اس لئے کرتے ہیں تا کہ اس کا خوش قسمت بندہ بد بختیوں سے چھوٹ جاوے۔ کیونکہ جب اس کو حق سبحانہ سے وہ تعلق ہو گیا جو اس کو اس سے قبل اپنی جان اور اپنے اعضاء سے تھا تو اب کونسی خوش قسمتی ہے جو اس کو حاصل نہیں اور کون سی بد بختی ہے جو باقی ہے کوئی بد بختی باقی نہیں رہی اور تمام خوش نصیبیاں حاصل ہو گئیں۔ خیر یہ تو استطرادی مضمون تھا اب سمجھو کہ اس بیان سے معلوم ہوا کہ جب کوئی ناپسندیدہ شخص ناچیز مطلوب تک پہنچا دیتی ہے تو وہ محبوب اور دوست ہو جاتی ہے اور کراہت الفت سے مبدل ہو جاتی ہے۔ اس کے مناسب ایک حکایت یاد آ گئی سنو۔

شرح شبّیری

اس واعظ کی حکایت جو کہ ہر وعظ کے شروع میں ظالموں پر دعائے خیر کیا کرتا تھا

آں یکے واعظ چو بر تخت آمدے	قاطعاں راہ را داعی شدے
ایک واعظ جب تخت پر آتا	ڈاکوؤں کا دعا گو ہوتا

یعنی وہ ایک واعظ جب تخت پر (وعظ کے لئے) آتا تو ڈاکوؤں کے لئے دعا کیا کرتا تھا۔

دست برمے داشت یارب رحم راں	بر بداں و مفسداں و طاغیاں
ہاتھ اٹھاتا تھا اے خدا رحم فرما	بروں اور مفسدوں اور سرکشوں پر

یعنی ہاتھ اٹھاتا تھا کہ اے اللہ بدوں پر اور مفسدوں پر اور نافرمانوں پر رحم کر۔

برہمہ تسخر کناں و اہل خیر	برہمہ کافر دلاں و اہل دیر
سب مذاق اڑانے والوں اور نقصان پہنچانے والوں پر	سب کافروں اور بت خانہ والوں پر

یعنی سب دین کے ساتھ تمسخر کرنے والوں پر اور اہل خیر پر اور سب کافر دلوں پر اور اہل دیر پر یعنی سب ان لوگوں پر جو لوگوں کو ستاویں اور دین کے ساتھ تمسخر کریں یا کافر ہوں رحم فرما۔

می نکردے او دعا بر اصفیا	می نکردے جز خبیثاں را دعا
وہ برگزیدہ لوگوں کے لئے دعا نہ کرتا	خبیثوں کے علاوہ کسی کے لئے دعا نہ کرتا

یعنی وہ نیک لوگوں پر دعا نہ کرتا تھا اور بجز خبیث لوگوں کے اور کسی پر دعا نہ کرتا تھا۔

مرد را گفتند کایں معہود نیست	دعوت اہل ضلالت جود نیست
لوگوں نے اس سے کہا یہ معمول نہیں ہے	گمراہوں کو دعا دینا سخاوت نہیں ہے

یعنی لوگوں نے اس سے کہا کہ یہ معمول نہیں ہے اور اہل ضلالت پر دعا کرنا سخاوت نہیں ہے مطلب یہ کہ لوگوں نے کہا کہ گمراہ لوگوں کے لئے دعا کرنا اچھے لوگوں کا معمول تو ہے نہیں پھر تم کیوں دعا کرتے ہو۔

گفت نیکوئی ازینہا دیدہ ام	من دعاشان زیں سبب بگزیدہ ام
اس نے کہا میں نے ان سے بھلائی دیکھی ہے	اس لئے میں نے ان کو دعا دینا اختیار کیا ہے

یعنی اس واعظ نے کہا کہ میں نے ان لوگوں سے نیکی دیکھی ہے۔ تو اس سبب سے ان کے لئے دعا اختیار کی ہے اور اس نے کہا کہ مجھے ان لوگوں سے بہت نفع ہوا ہے اس لئے ان کے لئے دعا کرتا ہوں۔ آگے اس نفع کو بیان کرتا ہے۔

خبث و ظلم و جور چنداں ساختند	کہ مرا از شر بخیر انداختند
انہوں نے ایسا ظلم اور خباثت کی	کہ مجھے برائی سے بھلائی میں لا ڈالا

یعنی خباثت اور ظلم اور جور اس قدر کیا کہ مجھے شر سے خیر کی طرف ڈال دیا۔

ہر گہے کہ رو بدنیا کردمے	من از ایشاں زخم وضربت خوردمے
جب بھی میں دنیا کا رخ کرتا	میں ان سے تکلیف اٹھاتا اور مار کھاتا

یعنی جس وقت کہ میں توجہ دنیا کی طرف کرتا تو میں ان سے زخم اور ضرب کھاتا۔

کردمے از زخم آں جانب پناہ	باز آوردندمے گرگاں براہ
تکلیف سے میں اس جانب پناہ پکڑتا	بھیڑئے مجھے راہ پر لگا دیتے

یعنی میں زخم کی وجہ سے اس جانب کو پناہ کرتا تو بھیڑئیے مجھے پھر راہ پر واپس لے آتے تھے۔

چوں سبب ساز صلاح من شدند	پس دعاشان بر من است اے ہوشمند
جب وہ میری نیکی کا سبب بنانے والے ہوئے	تو اے ہوش مند ان کا دعا دینا میرا فرض ہے

یعنی جب میری صلاح سازی کا سبب ہو گئے تو اے ہوشمند ان کے لئے دعا کرنا مجھ پر ضروری ہے مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ ان لوگوں سے مجھے یہ نفع ہوا کہ جب میں دنیا کی طرف توجہ کرتا تھا تو یہ لوگ مانع ہوا کرتے تھے اور یہ لوگ مارتے پیٹتے تھے تو میں دنیا سے دل سرد ہو کر خدا کی طرف متوجہ ہوتا تھا تو اس توجہ بخدا کا سبب تو یہی لوگ ہوئے اور دنیا سے بے تعلق بنانے کا سبب تو یہی لوگ ہیں لہٰذا میں ان کے لئے دعا کرتا ہوں اور مجھ پر ان کے لئے دعا کرنا واجب ہے کہ سچ یہ ہے کہ مرشد ہیں کہ جو کام بڑے بڑے مجاہدوں سے پورا ہوتا اس کو انہوں نے پورا کر دیا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

بندہ می نالد بحق از درد و نیش	صد شکایت میکند از رنج خویش
بندہ خدا کے سامنے درد اور زخم سے آہ و زاری کرتا ہے	اپنی تکلیف کی سو شکایتیں کرتا ہے

یعنی بندہ حق تعالیٰ کے سامنے اپنے درد اور زخم کی وجہ سے روتا ہے اور اپنے رنج کی وجہ سے سو شکایتیں کرتا ہے۔

حق ہمی گوید کہ آخر رنج و درد	مر ترا لابہ کناں و راست کرد
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آخر تکلیف اور درد نے	تجھے خوشامد کرنے والا اور سیدھا کر دیا ہے

یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آخر رنج اور درد نے تجھے خوشامد کرنے والا اور سیدھا کر دیا ہے۔

ایں گلہ زاں نعمتے کن کیت زند	از در ما دور و مطرودت کند
یہ شکوہ اس نعمت کا کر جو تجھے راہ سے بھٹکائے	تجھے ہمارے دروازے سے دور اور مردود کرے

یعنی یہ شکایت اس نعمت سے کر جو کہ تجھے مارے اور ہمارے در سے تجھے دور اور مطرود کر دے۔ مطلب یہ ہے کہ جب بندہ حق تعالیٰ سے مصائب کی شکایت کرتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ اس کی شکایت مت کر واس لئے کہ اس مصیبت سے تو تم کو ہمارا قرب حاصل ہوا ہے۔ کہ تم نے زاری شروع کر دی۔ ہاں اس نعمت اور مال و دولت کی شکایت کرو جو کہ تم کو ہمارے دروازہ سے دور کر دے وہ تو تمہارا دشمن ہے اور مصیبت جو کہ مقرب خدا بنا دے وہ تو اصل میں دوست ہے۔

در حقیقت ہر عدو داروے تست	کیمیائے نافع و دلجوئے تست
حقیقتاً ہر دشمن تیری دوا ہے	تیرے لئے مفید کیمیا اور پسندیدہ ہے

یعنی حقیقت میں ہر دشمن تیری دوا ہے۔ اور کیمیائے نافع اور تیرا دل جو ہے۔

کہ ازو اندر گریزاں در خلا	استعانت جوئے از لطف خدا
کیونکہ تو اس کی وجہ سے تنہائی کی طرف بھاگتا ہے	اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے مدد چاہتا ہے

یعنی تاکہ تو اس سے گریزاں ہو اور خلوت میں لطف خدا سے مدد چاہے۔ مطلب یہ کہ تمہارے جو دشمن ہیں وہ حقیقت میں تمہارے دوست ہیں اس لئے کہ جب وہ تم کو ستاتے ہیں تو تمہیں خدا کی یاد آتی ہے اور خدا سے تم مدد مانگتے ہو۔ تو دیکھو دشمن جب تک نہیں تھا اس وقت تک خدا کو بھولے ہوئے تھے۔ اس دشمن ہی نے تو یاد دلایا کسی نے خوب کہا ہے۔ کہ جب کیا تنگ بتوں نے تو خدا یاد آیا

حقیقت میں یہ دوست ہوئے اگرچہ بظاہر دشمن ہیں اور ان دشمنوں سے وہ دشمن مراد ہیں جو دنیاوی امور میں دشمنی کریں اور جو دشمن دین ہوں وہ کسی حالت میں بھی دوست نہیں بن سکتے۔

در حقیقت دوستانت دشمنند	کہ ز حضرت دور و مشغولت کنند
حقیقت تیرے دوست دشمن ہیں	کیونکہ تجھے (خدا کے) دربار سے دور اور بے نیاز کرتے ہیں

یعنی حقیقت میں تیرے (وہ) دوست دشمن ہیں جو کہ حق تعالیٰ سے تجھے دور اور مشغول کریں۔ یعنی جو دوست کہ غافل عن الحق کرنے والے ہیں وہ حقیقت میں دشمن ہیں اور جو دشمن کہ واصل الی الحق کرنے والا ہے وہ حقیقت میں دوست ہے۔ تو مصیبت سے گھبرانا نہ چاہئے بلکہ اس کے حقوق مثل صبر وغیرہ کے ادا کرنا چاہئیں۔ تو واللہ بجائے کدورت کے صفائی اور بجائے ظلمت کے نور پیدا ہوتا ہے۔ ہاں اگر طبیعت ہی سلیم نہ ہو تو اور بات ہے۔ آگے مولانا نفس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

ہست حیوانے کہ نامش اسغرست	کو بزخم چوب زفت دل تراست
ایک جانور ہے جس کا نام ہسغر ہے	جو لکڑی کی مار سے موٹا اور قوی ہوتا ہے

یعنی ایک جانور ہے جس کا نام سیہی ہے کہ وہ لکڑی کی چوٹ سے خوب موٹا اور ڈبل ہوتا ہے۔

تا کہ چوبش مے زنی بہ مے شود	او زخم چوب فربہ مے شود
تو اس کے لکڑی مارتا رہے گا وہ بہتر ہو گا	وہ لکڑی کی چوٹ سے موٹا ہو گا

یعنی جتنا کہ تو اس کے لکڑی مارے وہ اچھا ہوتا ہے اور لکڑی کی چوٹ سے موٹا ہوتا ہے۔

نفس مومن اسغری آمد یقین	کو بزخم و رنج زفت است و سمین
مومن کا نفس یقیناً سغر ہے	جو چوٹ اور رنج سے قوی اور موٹا ہوتا ہے

یعنی مومن کی ذات یقیناً ایک سیہی ہے کہ وہ زخم اور رنج سے موٹا اور ڈبل ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو ایک جانور سیہی ہوتا ہے تو جب اسے مارتے ہیں تو اپنے پر پھیلا لیتا ہے اور خوب ڈبل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مومن کی ذات اور اس کا نفس بھی ہے کہ جب اس کو تکالیف پہنچا دیں اور اس کو ماریں پیٹیں تو یہ حق تعالیٰ کی راہ میں خوب قوی اور موٹا ہو جاتا ہے اور پھر خوب کام کرتا ہے۔ لہذا مصیبت سے گھبرانا نہ چاہئے آگے اس پر ایک تفریع فرماتے ہیں کہ۔

زیں سبب بر انبیا رنج و شکست	از ہمہ خلق جہاں افزوں تر است
اسی وجہ سے انبیاء پر رنج اور تکلیف	دنیا کی تمام مخلوق سے زیادہ ہوتی ہے

یعنی اسی سبب سے انبیاء علیہم السلام پر تکالیف اور شکستگی تمام جہان کی مخلوق سے زیادہ ہے۔

تا ز جانہا جان شاں شد زفت تر	کہ ندیدند آں بلا قومے دگر
حتیٰ کہ ان کی روح تمام روحوں سے زیادہ قوی ہو گئی	کیونکہ وہ مصیبت کسی دوسری قوم نے نہیں دیکھی ہے

یعنی یہاں تک کہ تمام جانوں سے ان کی جان زیادہ عظیم ہو گئی کیونکہ کسی دوسری قوم نے وہ بلا نہیں دیکھی۔
مطلب یہ کہ چونکہ مصائب وتکالیف سے روح میں صفائی آتی ہے اس لئے حضرات انبیاء علیہم السلام پر سب سے زیادہ مصائب پڑے ہیں اور ان کی وجہ سے ان کی ارواح دیگر ارواح مخلوق سے بدر جہا قوی اور بزرگ ہیں کیونکہ جو بلائیں ان پر پڑیں اور انہوں نے ان کے حقوق کو ادا کیا وہ کسی اور پر نہیں پڑیں اور جب اوروں پر نہیں پڑیں تو اوروں کو درجے بھی ویسے نہیں ملے۔ آگے مصائب جھیلنے سے عمدگی اور نفاست ولطافت آ جانے کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

پوست از دارو بلاکش مے شود	چوں ادیم طائفی خوش مے شود
چمڑا دوا سے مصیبت جھیلنے والا بن جاتا ہے	طائف کی نری کی طرح عمدہ ہو جاتا ہے

یعنی کھال دوا سے بلاکش ہو جاتی ہے تو ادیم طائفی کی طرح عمدہ ہو جاتی ہے۔

ورنہ تلخ و تیز مالیدے درو	گندہ گشتے ناخوش و ناپک بو
اگر تو تلخ اور تیز (مسالے) اس پر نہ ملتا	گندہ اور برا اور بدبودار ہو جاتا

یعنی اگر تلخ وتیز (دوا) اس میں نہ ملتا تو وہ گندہ ہو جاتی اور ناخوش اور ناپاک بو والی ہو جاتی مطلب یہ کہ دیکھو کھال پر اول خوب کڑوے اور خراب مصالح لگاتے ہیں اور اس کو رگڑتے ہیں تو چونکہ وہ ان سب باتوں کو جھیل جاتی ہے لہٰذا بعد میں ادیم طائفی بن جاتی ہے۔ اور بہت ہی عمدہ ہو جاتی ہے کہ اس کو ہر طرح استعمال میں لاتے ہیں اور اگر وہ رگڑا اور مصیبت اس کے اوپر نہ پڑتی تو یہ نتیجہ ہوتا کہ وہ کھال گندی ہو جاتی اور سڑ جاتی اور کوئی اس کے پاس بھی نہ کھڑا ہوتا۔ آگے اس مثال کو منطبق فرماتے ہیں کہ۔

آدمی را پوست نامد بوغ داں	از رطوبتہا شدہ زشت دگراں
آدمی کو بغیر دباغت کی کھال سمجھ	جو رطوبتوں سے بھدا اور بھاری ہو رہا ہے

یعنی آدمی کو بے رنگی ہوئی کھال جانو جو کہ رطوبتوں کی وجہ سے اور بھاری ہو رہا ہے۔

تلخ و تیز و مالش بسیار دہ	تا شود پاک و لطیف و بامزہ
اس کو تلخ اور تیز (دوا) دے اور بہت مل	تاکہ پاک اور پاکیزہ اور شاندار بن جائے

یعنی تلخ اور تیز اور مالش اس کو بہت دے تا کہ وہ پاک اور لطیف اور باعزت ہو جاوے۔ مطلب یہ کہ تم بھی ایک نامد بوغ کھال کی طرح ہو۔ تو تم خوب مجاہدات و ریاضات کرو اور ان مجاہدات کو تلخیوں کو سہو تو اس سے تمہارے اندر لطافت اور پاکی پیدا ہو جائے گی اور یہ رطوبات ذنوب تم سے زائل ہو جاویں گی۔

ور نمی تانی رضادہ اے عیار	کہ خدا بخت دہد بے اختیار
اے مکرے اگر تو نہیں کر سکتا ہے تو راضی ہو جا	کہ خدا تجھے مجبوراً تکلیف میں مبتلا کر دے

یعنی اور اگر تم نہیں کر سکتے تو اے عیار رضا دو تا کہ خدا تم کو بے اختیار رنج دے۔

کہ بلائے دوست تطہیر شماست	علم او بالائے تدبیر شماست
کیونکہ دوست کی مصیبت تمہاری پاکیزگی ہے	اس کا علم تمہاری تدبیر سے بڑھا ہوا ہے

یعنی کہ دوست کی بلا تمہاری پاکی ہے اور اس کا علم تمہاری تدبیر سے بالا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم مجاہدات اختیار یہ پر قادر نہیں ہو اور تم سے اختیاری مجاہدات نہیں ہو سکتے تو اب راضی برضا رہو تا کہ تم پر مجاہدات اضطراریہ واقع ہوں اور حق تعالیٰ تم کو پاک کرنے کے لئے اضطراری مجاہدہ میں مبتلا فرما دیں تو اس پر صبر کرو اور شکوہ و شکایت نہ کرو کہ انشاء اللہ وہ بلائے دوست یعنی حق تعالیٰ تم کو پاک کر دے گی۔ اور وہ مجاہدہ اضطراری تمہارے اخلاق رذیلہ کو مائل باخلاق حمیدہ کر دیگا۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس سے گھبراؤ نہیں اس لئے کہ وہ تم سے زیادہ علیم ہے حکیم ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس مجاہدہ میں کیا کیا مصلحتیں ہیں۔ لہٰذا اس پر صبر کرو اور راضی برضا رہو۔

چوں صفا بیند بلا شیریں شود	خوش شود دارو چو صحت بین شود
جب صفائی دیکھتا ہے مصیبت شیریں ہو جاتی ہے	جب صحت کو دیکھتا ہے تو وہ اچھی لگتی ہے

یعنی جب وہ شخص صفائی دیکھتا ہے تو وہ (مجاہدہ وغیرہ) شیریں ہو جاتا ہے۔ اور دوا اچھی ہو جاتی ہے۔ جب (مریض) صحت کو دیکھنے والا ہوتا ہے یعنی جب اس مجاہدہ کرنے والے کو معلوم ہوگا کہ اس سے صفائی قلب میسر ہوتی ہے تو وہ بلا بھی اس پر شیریں ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ مریض جب دیکھتا ہے کہ اس دوا سے مجھے نفع ہوا ہے تو وہ کڑوی دوا اس کو شیریں معلوم ہونے لگتی ہے۔

بردبیند خویش را در عین مات	پس بگوید اقتلونی یا ثقات
وہ عین ہار میں اپنی جیت سمجھتا ہے	تو کہتا ہے اے بھروسہ والو! مجھے قتل کر دو

یعنی وہ عین ہار میں اپنی جیت دیکھتا ہے پس کہتا ہے کہ اے ثقات مجھے مار ڈالو۔ یعنی جب یہ شخص دیکھتا ہے کہ عین مات کی حالت میں میری جیت ہوتی ہے اور عین موت میں میری حیات ہے تو اب وہ موت کی اور اپنی ہار کی تمنا کرتا ہے۔

ایں جوان در حق غیرے سود شد	لیک اندر حق خود مردود شد
یہ سپاہی دوسرے کے لئے مفید بنا	لیکن اپنے حق میں مردود ہو گیا

یعنی یہ کوتوال دوسرے کے حق میں تو نافع ہو گیا تھا لیکن اپنے حق میں وہ مردود ہو گیا تھا۔

رحم ایمانی ازو ببریدہ شد	کین شیطانی بروچیدہ شد
ایمانی رحم ان سے منقطع ہو گیا	شیطانی کینہ اس پر لپٹ گیا

یعنی ایمان والا رحم تو اس سے قطع ہو گیا تھا اور شیطانی کینہ اس پر لپیٹ دیا گیا تھا۔ مطلب یہ کہ وہ رحم جو کہ ایمان کا مقتضا ہے اس عوان کے اندر سے بالکل جاتا ہی رہا اور شیطانی کینہ دری اس کے اندر پیوست ہو گئی تھی۔

کارگاہ خشم گشت و کین دری	کینہ داں اصل ضلال و کافری
وہ غصہ اور کینہ دری کا کارخانہ بن گیا	کینہ کو گمراہی اور کافری کی جڑ سمجھ

یعنی (وہ عوان) خشم اور کینہ دری کا کارخانہ ہو گیا تھا اور کینہ کو گمراہی اور کافری کی جڑ سمجھئے یعنی یہی وہ شے ہے کہ جس کی بدولت انسان گمراہ ہو جاوے یا کافر ہو جاوے تو کچھ عجب نہیں ہے۔ آگے اس غصہ کی مذمت میں ایک قصہ لاتے ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام سے ایک شخص کا سوال کرنا کہ موجودات میں سب سے زیادہ سخت کون شے ہے

گفت عیسیٰ را یکے ہشیار سر	چیست در ہستی ز جملہ صعب تر
ایک بیدار مغز نے (حضرت) عیسیٰ سے کہا	وجود میں سب سے زیادہ کیا چیز سخت ہے؟

یعنی ایک ہوشیار انسان نے عیسیٰ سے دریافت کیا کہ موجودات میں سب سے زیادہ سخت کونسی شے ہے۔

گفتش اے جاں صعب تر خشم خدا	کہ ازاں دوزخ ہمی لرزد چو ما
انہوں نے اس سے فرمایا اے جان! خدا کا غصہ سب سے سخت ہے	کہ اس سے دوزخ (بھی) ہماری طرح لرزتی ہے

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ اے جان سب سے زیادہ سخت خدا کا غصہ ہے کہ اس سے دوزخ بھی ہماری طرح کانپتا ہے۔

گفت زیں خشم خدا چہ بود اماں	گفت ترک خشم خویش اندر زماں
اس نے کہا خدا کے غصہ سے بچاؤ کی کیا صورت ہے؟	فرمایا دنیا میں اپنے غصہ کو ترک کر دینا

یعنی اس شخص نے کہا کہ اس خدا کے غصہ سے امان کیا ہو تو عیسیٰ نے فرمایا کہ اپنے غصہ کو زمانہ میں ترک کر دینا۔ مطلب یہ کہ اس شخص نے سوال کیا کہ خشم خدا سے کسی طرح بچ بھی نہیں سکتے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے غصہ کو ترک کر دو تو حق تعالیٰ کے غصہ سے نجات ہو جائے گی۔

خشم حق یاد آورد در کش عنان	کظم غیظ است اے پسر خط امان
اللہ (تعالیٰ) کا غصہ یاد کر لے اور باگ کھینچ لے	اے بیٹا! غصہ کا پی جانا امن کا فرمان ہے

یعنی غصہ کا پی لینا اے صاحبزادہ امن کا پروانہ ہے خدا کے غصہ کو یاد کرو اور باگ کھینچ لو۔ مطلب یہ کہ خدا کے غصہ کو یاد کر کے اپنے غصہ کو پی لینا بس یہ امن کا پروانہ ہے کہ پھر انشاء اللہ قہر حق سے نجات ہو جاوے گی۔

خشم زشتش از سبع ہم در گذشت	پس عوان کہ معدن ایں خشم گشت
اس کا برا غصہ درندے سے بھی بڑھ گیا ہے	تو سپاہی جو اس غصہ کی کان بن گیا ہے

پس کوتوال جو کہ اس خشم کا معدن ہو گیا خشم زشت اس کا درندہ سے بھی گزر گیا تھا یعنی خشم مذموم کا وہ عوان معدن تھا اور اس کا غصہ درندوں سے بھی کہیں زیادہ تھا۔

باز گردد زاں صفت آن بے ہنر	چہ امیدستش برحمت جز مگر
سوائے اس کے کہ وہ بے ہنر اس عادت سے باز آ جائے	اس کو رحم کی کیا امید ہے؟

یعنی اس کو رحمت کی کیا امید ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ بے ہنر اس صفت سے پھر جاوے۔ مطلب یہ کہ جب اس کوتوال کو اس قدر غصہ ہے اور اس قدر ظلم کرتا ہے تو اب اس کو رحمت حق کی کیا امید ہے۔ ہاں اگر وہ اس صفت سے باز آ جاوے اور اپنے غصہ کو کم کر دے تو ممکن ہے کہ رحمت حق نازل ہو آگے ایک دوسرا مضمون بیان فرماتے ہیں کہ۔

ایں سخن اندر ضلال افگند نیست	گرچہ عالم را از ایشاں چارہ نیست
یہ بات گمراہی میں مبتلا کرتا ہے	اگرچہ دنیا کو ان سے بے نیازی نہیں ہے

یعنی اگرچہ عالم کو ان لوگوں سے چارہ نہیں ہے اور یہ بات گمراہی میں ڈالنے والی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ تکویناً ان ظالموں کی بھی ضرورت ہے اور اگر یہ نہ ہوں تو عالم میں کمی رہ جاوے مگر پھر بھی یہ مبغوض و مردود ہی ہیں اس لئے کہ یہ مراد حق تو ہیں مگر مرضی حق نہیں ہیں۔ ان کی خلق کے ساتھ ارادہ حق تو متعلق ہوا ہے لیکن رضائے حق متعلق نہیں ہوئی اور رضاء اور ارادہ میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے تو تکویناً تو ان ظالموں وغیرہ کا ہونا عالم میں ضروری ہے اور حق تعالیٰ نے ہی ان کو پیدا فرمایا ہے لیکن حق تعالیٰ ان کے افعال سے اور خود ان سے راضی نہیں ہیں۔ مگر یہ بات ایسی ہے کہ عوام کو گمراہی میں ڈالنے والی ہے کہ ارادہ اور رضا میں فرق تو کرتے نہیں مراد کو مرضی سمجھ لیتے ہیں۔ آگے ان کے مراد ہونے اور مرضی نہ ہونے کی ایک مثال لاتے ہیں کہ۔

لیک نبود آں چمیں ماء معین	چارہ نبود ہم جہاں را از چمین
لیکن وہ پیشاب جاری پانی نہیں ہوتا	دنیا کو پیشاب سے بھی بے نیازی نہیں ہے

یعنی جہان کو بول و براز سے بھی چارہ نہیں ہے لیکن وہ بول و براز ماء معین نہیں ہوتا۔ مطلب یہ کہ دیکھو بول و

براز جو ہے یہ مراد تو ہے کہ امکانات بنانے میں اس کیلئے بھی خاص ایک مکان بنایا جاتا ہے پھر وہاں سب جاتے ہیں لیکن جس طرح ماء معین مرضی اور عمدہ شے ہے۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ایک واعظ جب ممبر پر بیٹھتا تو ڈکیتوں کے لئے دعا کیا کرتا اور ہاتھ اٹھا کر کہتا کہ اے اللہ تو بدوں مفسدوں سرکشوں اچھے لوگوں پر ہنسنے والوں اور کافروں بت خانہ والوں پر رحم کر یہ شخص برگزیدہ اشخاص کے لئے کبھی دعا نہ کرتا تھا صرف خبیثوں کے لئے دعا کرتا تھا۔لوگوں نے کہا کہ یہ دستور معلوم نہیں ہے اور گمراہوں کے لئے دعا کرم نہیں ہے اس نے کہا کہ مجھے ان سے بھلائی حاصل ہوئی ہے۔اس لئے میں ان کے لئے دعا کرتا ہوں کیونکہ انہوں نے اس قدر خباثتیں اور ظلم اور زیادتیاں کی ہیں کہ انہوں نے مجھے برائی سے بھلائی کی طرف لاڈالا جب کبھی میں دنیا کی طرف رخ کرتا تھا میں اہل دنیا سے زخم اور چوٹ کھاتا تھا۔پس میں اس زخم سے دوسری طرف پناہ لیتا تھا تو وہ ادھر بھی میرے رستہ میں بھیڑیے لاکھڑے کرتے تھے پس جبکہ وہ میری بہتری کے اسباب مہیا کرنے والے ہوئے تو ان کے لئے دعا مجھ پر لازم ہوئی۔اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بندہ خدا کے سامنے اپنی تکلیف کی وجہ سے روتا ہے۔اور تکلیف سے زیادہ شکوہ وشکایت کرتا ہے۔لیکن حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ اس تکلیف ہی نے تجھے تضرع وزاری کرائی ہے اور اسی نے تو تجھے سیدھا کیا ہے۔پس تجھے اس کی شکایت نہ کرنی چاہئے بلکہ اس نعمت کی شکایت کرنی چاہئے جو تجھ کو حاصل ہوتی ہے اور حاصل ہو کر تجھے ہمارے در سے ہٹاتی ہے۔پس تم کو سمجھنا چاہئے کہ ہر دشمن حقیقت میں تمہارا علاج اور کیمیائے نافع اور تمہارا محبوب ہے۔کیونکہ تم اسی کے سبب خلوت میں جاکر حق سبحانہ کے فضل سے مدد چاہتے ہو اور حقیقت میں یہ تمہارے دوست تمہارے دشمن ہیں جو کہ تمہیں حضرت حق سے دور اور اس سے مشغول کرتے ہیں۔دیکھو ایک جانور ہے جسے ساہی کہتے ہیں اس کی یہ خاصیت ہے کہ لاٹھیوں کی مار سے خوب موٹا تازہ ہوتا ہے اور جب تک کہ تم اس کے لاٹھیاں مارتے رہو گے اس کی حالت درست ہوتی رہے گی اور وہ لاٹھیوں کے صدمہ سے موٹا ہوتا رہے گا۔پس جان مومن بھی ساہی کی خاصیت رکھتی ہے کہ صدمات اور تکالیف سے موٹی اور فربہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء پر تکلیفیں اور خستگیاں تمام مخلوق سے زیادہ ہوتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی جان سب جانوں سے زیادہ موٹی ہوتی ہے کیونکہ اور لوگوں کو وہ تکلیفیں ہی نہیں ہوتیں اور دیکھو کھال دواؤں کی تکالیف برداشت کرتی ہے اور طائف والے چمڑہ کی طرح عمدہ ہو جاتی ہے۔اگر دباغ اس میں تلخ اور تیز دوائیں نہ ملتا تو سڑ جاتی اور خراب اور بدبودار ہو جاتی پس تم آدمی کو بھی چمڑے ہی کے مثل سمجھو جو کہ رطوبات فضلیہ یعنی اخلاق رذیلہ سے خراب اور بھاری ہو رہا ہے۔پس تم اس کو تلخ اور تیز دواؤں کی خوب مالش کر دتا کہ وہ پاک اور پاکیزہ اور عمدہ ہو جاوے اور اگر تم سے یہ نہیں ہو سکتا تو اس پر رضامند ہو کہ خدا تمہیں بے اختیار رنج دے اس لئے کہ حق سبحانہ کی

بلا تمہارے لئے پاکی کا سبب ہے اور اس کا علم تمہاری تدبیر سے فائق ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ عسیٰ ان تکرھوا شیئاً و ھو خیر لکم اس وقت تم کو نا گواری ہوگی لیکن اس کا فائدہ بعد کو محسوس ہوگا اور اس وقت تم کو یہ بلا مرغوب ہو جائے گی کیونکہ آدمی جب اپنے اندر صفائی دیکھتا ہے تو بلا بھی اس کی نظر میں محبوب ہو جاتی ہے اور جبکہ آدمی اپنے اندر صحت کے آثار دیکھتا ہے تو دوا اچھی معلوم ہوتی ہے وہ عین شکست میں کامیابی دیکھتا ہے۔ اس لئے کہتا ہے کہ اے ثقات مجھے مار ڈالو کہ موت مجھے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ جیسا کہ منصور علیہ الرحمۃ نے کہا تھا کہ یہ قصہ تو ختم ہوا اب اصل مطلب سنو ہم نے کہا تھا کہ ہر چیز میں برائی اور بھلائی ہوتی ہے۔ سو دیکھو یہ کوتوال دوسرے کے حق میں فائدہ بن گیا لیکن اپنے حق میں مردود ہی رہا۔ کیونکہ رحم ایمانی اس سے منقطع ہو گیا ہے اور کینہ شیطانی اسے لپٹ گیا ہے۔ اس لئے وہ گویا کہ غصہ اور کینہ وری کا کارخانہ ہے جس سے ہر دم نیا غصہ اور نیا کینہ تیار ہو کر نکلتا ہے اور کینہ گمراہی اور کفر کی جڑ ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی عاقل نے کہا تھا کہ تمام چیزوں میں کون شے زیادہ سخت ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ سب سے زیادہ سخت تو خدا کا غضب ہے جس سے کہ دوزخ بھی ہماری طرح کانپتی ہے۔ اس نے کہا کہ اس غضب سے کیا چیز بچا سکتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ اپنے غصہ کا چھوڑ دینا سو یاد رکھو کہ غصہ کھانا حقیقت میں امان کا پروانہ ہے۔ پس خدا کا غصہ یاد کر کے اپنی باگ روکو۔ دیکھو کوتوال جو غصہ کی کان ہے اور جس کا غصہ درندوں سے بھی بڑھ گیا ہے اس کو رحمت کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ بجز اس کے کہ وہ اپنی اس صفت کو چھوڑ دے۔ گو عالم کے لئے ایسے لوگوں کی ضرورت ہے مگر تاہم یہ صفات محمود نہیں ہو سکتیں یہ ایک ایسی بات ہے جس سے آدمی گمراہ ہو سکتا ہے اگر وہ تدبر سے کام نہ لے اسلئے ہم اس کو ایک مثال سے سمجھاتے ہیں تاکہ لوگ گمراہی میں مبتلا نہ ہوں۔ دیکھو جہاں میں پیشاب کی بھی ضرورت ہے مگر اس سے وہ عمدہ اور آب شیریں نہیں ہو سکتا۔ علیٰ ہذا اشخاص بد اور اخلاق بد کی بھی ضرورت ہے مگر اس سے وہ اچھے نہیں ہو سکتے اور جبکہ اچھے نہیں ہو سکتے تو ان پر لازم ہے کہ اچھے بنیں۔ اچھا اب اس خستہ جگر کی حالت بیان کرو کہ باغ میں اس کو اس رشک قمر کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بقیہ ربع اول از دفتر رابع کلید مثنوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شرح شبیری

برادر دباغ کا اپنے بھائی کا علاج خفیہ طور پر سرگین سگ سے کرنا

خلق را می راند از وے آں جواں	تا علاجش را نہ بینند آں کساں
اس نوجوان نے لوگوں کو اس سے ہٹا دیا	تاکہ وہ لوگ اس کا علاج نہ دیکھ سکیں

یعنی وہ جوان لوگوں کو اس کے پاس سے ہٹاتا تھا تاکہ وہ لوگ اس کے علاج کو دیکھ نہ لیں۔

سر بگوشش برد ہمچوں راز گو	پس نہاد آں چیز بر بینی او
اس نے راز کہنے والے کی طرح سر اس کے کان کے قریب کیا	پھر اس نے وہی چیز اس کی ناک پر رکھ دی

یعنی اس کے کان کے پاس راز گو کی طرح سر لے گیا پھر اس گوہ کو اس کی ناک پر رکھ دیا۔

کو بکف سرگین سگ سائیدہ بود	دارو مغز پلیداں دیدہ بود
اس لئے کہ اس نے ہتھیلی پر کتے کا پاخانہ ملا تھا	ناپاک دماغ کا علاج اس کو سمجھا تھا

یعنی کہ اس نے ہاتھ میں سرگیں سگ مل رکھا تھا۔ اور پلیدوں کے مغز کی دوا کو دیکھے ہوئے تھا۔

چونکہ بوئے آں حدث را وکشید	مغز زشتش بوے ناخوش را سزید
جب اس نے اس ناپاکی کی بو سونگھی	اس کا گندا دماغ بدبو کے لائق تھا

یعنی جبکہ اس دباغ نے اس ناپاکی کو کھینچا تو اس کا مغز زشت ناخوش بو کے لائق تھا (نتیجہ یہ ہوا کہ)

ساعتے شد مرد جنبیدن گرفت	خلق گفتند ایں فسونے بد شگفت
تھوڑی دیر گزری کہ مردے نے حرکت کرنی شروع کر دی	لوگوں نے کہا یہ منتر بھی عجیب تھا

یعنی ایک گھڑی ہوئی کہ اس مرد نے ہلنا شروع کیا لوگوں نے کہا کہ یہ تو ایک عجیب فسوں تھا۔

کایں بخواند افسوں بگوش او دمید	مردہ بود افسوں بفریادش رسید
کہ اس نے منتر پڑھا اور اس کے کان میں پھونکا	وہ مردہ تھا منتر اس کی مدد کو آ گیا

یعنی کہ اس نے افسوں پڑھا اور اس کے کان میں پھونک دیا تو وہ مردہ تھا تو افسوں اس کی فریاد کو پہنچ گیا۔

یعنی افسوں نے اس پر اثر کیا اور وہ اچھا ہو گیا۔ آگے مولانا انتقال فرماتے ہیں کہ۔

جنبش اہل فساد آنسو بود	کہ زنا و غمزہ وا برو بود
مفسدوں کی حرکت اس جانب کو ہوتی ہے	جہاں زنا اور ناز و ادا اور ابرو (کا اشارہ) ہو

یعنی اہل فساد کی جنبش اس طرف ہوتی ہے جو کہ ناز اور غمزہ اور ابرو سے ہو۔ مطلب یہ کہ جو حسن کہ ناز و غمزہ وابرو سے ہوتا ہے اہل فساد تو اس طرف مائل ہوتے ہیں اور جو لوگ اہل صلاح ہوتے ہیں وہ جمال حقیقی باری تعالیٰ کے شیدائی ہوتے ہیں۔

ہر کرا مشک نصیحت سود نیست	لاجرم بابوئے بد خو کرد نیست
جس کو نصیحت کے مشک سے فائدہ نہیں ہے	لامحالہ بدبو کی عادت ہے

یعنی جس کو مشک نصیحت کا نفع نہیں ہے وہ یقیناً بوئے بد کے ساتھ خو کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ جس شخص کو کہ نصیحت فائدہ نہیں کرتی۔ وہ یقیناً بوئے بد میں رہے گا اور اس کو ہرگز نفع نہیں ہو سکتا۔ ہمیشہ گمراہی میں رہے گا۔

مشرکاں را زاں نجس خواندہ است حق	کاندروں پشک زا دند از سبق
اللہ (تعالیٰ) نے مشرکوں کو اسی لئے نجس کہا ہے	کیونکہ وہ ازل سے مینگنیوں میں پیدا ہوئے ہیں

یعنی مشرکوں کو حق تعالیٰ نے اسی لئے نجس کہا ہے کہ وہ نجاست ہی کے اندر ازل سے پیدا ہوئے ہیں۔

کرم کوزا دست از سرگین بد	می نگرداند بعنبر خوئے خود
وہ کیڑا جو گوبر سے پیدا ہوا ہے بھی	اپنی عادت عنبر کی نہیں ڈال سکتا

یعنی جو کیڑا کہ سرگین بد میں پیدا ہوا ہے وہ عنبر سے اپنی عادت کو بدل نہیں سکتا۔ یعنی وہ کرم عنبر نشیم نہیں بن سکتا۔ جس کا نشو و نما گوہ ہی میں ہوا ہو۔

چوں نزد بروے نثار رش نور	او ہمہ جسم است نے جاں چوں قشور
کیونکہ اس پر نور کے چھڑکاؤ کا چھینٹا نہیں لگا ہے	وہ چھلکوں کی طرح مجسم جسم ہے نہ کہ دل

یعنی جب اس پر رش نور کے نثار نے مارا نہیں تو وہ بالکل جسم ہی جسم ہے۔ نہ کہ جاں ہے مثل چھلکوں کے مطلب یہ کہ حدیث میں ہے کہ ان اللہ خلق الخلق فی ظلمتہ فرش علیہ نورہ فمن اصاب منہ اھتدیٰ و من اخطاء ضل او کماقال تو جس پر وہ نور پہنچا ہے وہ تو مہتدی ہو گیا اور چونکہ ان کفار و مشرکین کو وہ نور نہیں پہنچا اور اس نور سے یہ محروم رہے ہیں لہٰذا ان کو ہدایت نہیں ہوئی اور یہ گمراہ ہو گئے۔

ور زرش نور حق قسمیش داد	ہمچو رسم مصر سرگین مرغ زاد
اگر اللہ (تعالیٰ) نے اس کو نور کے چھڑکاؤ میں حصہ دیا	تو مصریوں کے رواج کے مطابق گوبر نے مرغ پیدا کیا

یعنی اور اگر رش نور میں سے حق تعالیٰ نے اس کو کوئی حصہ دیا تو مصر کی رسم کی طرح سرگین نے مرغ جنا۔ (مصر میں رسم ہے کہ سرگین میں انڈا دبا دیتے ہیں تو اس کی گرمی سے بچہ نکل آتا ہے) مطلب یہ کہ کفار وغیرہ پر چونکہ وہ نور پہنچا نہیں ہے اس لئے وہ تو گمراہ ہی رہے۔ اور جن لوگوں کو اس نور میں سے حصہ مل گیا ہے وہ مہتدی ہو گئے ہیں۔ اور ایسا ہے کہ جیسے سرگین میں سے بچہ نکل آوے۔ کہ ایک ناپاک شے میں سے پاکیزہ شے پیدا ہو گئی ہے اسی طرح وہ ظلمت میں سے نورانی شکل کا انسان پیدا ہو گیا۔

لیک نے مرغ خسیس خانگی	بلکہ مرغ دانش و فرزانگی
لیکن گھریلو کمینہ مرغ نہیں	بلکہ عقل و دانش کا مرغ

یعنی لیکن نہ کہ مرغ خسیس خانگی بلکہ مرغ عقل اور فرزانگی کا۔ یعنی وہ جو بیضہ میں سے بچہ نکلا ہے تو وہ بچہ مرغ خانگی کا خسیس اور پلید نہیں ہے بلکہ یہ تو بہت زیادہ پاک اور صاف شے ہے اور یہ شخص تو بڑا دانا اور عاقل اور فرزانہ ہے آگے اس معشوقہ کا قولہ ہے کہ وہ کہتی ہے کہ۔

تو بداں مانی کزاں نورے تہی	زانکہ بینی بر پلیدے می نہی
تو بھی اس (دباغ) کی طرح ہے کہ اس نور سے خالی ہے	کیونکہ تو نجاست پر ناک رکھتا ہے

یعنی تو اس کے مشابہ ہے کیونکہ اس نور سے تو خالی ہے اس لئے کہ تو ناک پلیدی پر رکھتا ہے۔ مطلب یہ کہ اس عاشق کو کہہ رہی ہے کہ جس طرح کہ وہ دباغ تھا کہ اس کو پلیدی کے سونگھنے سے۔ دُن آ گیا ایسا ہی تو ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ تو اس نور حق سے خالی ہے۔ لہٰذا تیرے پاس پاکی آتی ہی نہیں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ جیسا وہ ناپاکی سے اچھا ہو گیا اور اس نے ناپاکی کو پسند کیا اسی طرح تو بھی خباثت اور ناپاکی ہی کو پسند کرتا ہے۔

از فراقت زرد شد رخسار و رو	برگ زردی میوهٔ ناپختہ تو
فراق میں تیرا رخسار اور چہرہ زرد ہو گیا ہے	تو پیلا پتہ ہے تو کچا پھل ہے

یعنی فراق کی وجہ سے تیرا رخسار و روز زرد ہو گیا تو تو برگ زرد ہے اور تو میوۂ ناپختہ ہے۔ مطلب یہ کہ میوہ زرد ہو کر پک جاتا ہے اور پتا زرد ہو کر خشک ہو جاتا ہے تو تو بھی زرد جو ہو رہا ہے یہ زردی میوہ جیسی زردی نہیں ہے بلکہ یہ زردی پتے کی سی ہے کہ جو دلیل نقص کی ہے۔ آگے ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

دیگ ز آتش شد سیاہ و دود خام	گوشت از سختی چنیں ماند است خام
دیگ آگ سے کالی اور دھویں کی طرح ہو گئی	گوشت سختی کی وجہ سے اسی طرح کچا ہے

یعنی ہنڈیا تو آگ سے سیاہ اور دھوئیں کی رنگت کی ہو گئی اور گوشت سختی کی وجہ سے ویسا ہی کچا رہا ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ تیرا چہرہ تو زرد ہو گیا اور رنگت بھی تیری بدل گئی مگر کمبخت تیرا دل اسی طرح گناہوں میں مبتلا ہے۔

ہشت سالت جوش دادم در فراق	کم نشد یک ذرہ خامیت از نفاق
میں نے آٹھ سال فراق میں تجھے جوش دیا	نفاق کی وجہ سے تیری خامی ایک ذرہ کم نہ ہوئی

یعنی آٹھ برس تک میں نے تجھے فراق میں جوش دیا ہے۔ (مگر) تیری خامی نفاق کی وجہ سے کم نہیں ہوئی۔

خامی و ہرگز نہ خواہی پخت تو	گر ہزاراں بار جوشی اے عتو
تو کچا ہے اور ہرگز نہ پکے گا	اے سرکش! خواہ ہزاروں بار جوش کھائے

یعنی تو خام ہے اور تو ہرگز نہ پکے گا۔ اگرچہ تو اے سرکش ہزار بار بھی جوش کرے۔

غورۂ تو سنگ بستہ از سقام	غورہا اکنوں مویزند و تو خام
بیماری سے تیرا انگوروں کا گچھا چترا گیا ہے	خوشے منقی بن گئے اور تو کچا ہے

یعنی تو انگور کچا ٹھرا ہوا ہے۔ امراض (باطنی) کی وجہ سے اور غورے تو اب مویز ہو گئے اور تو کچا ہے۔ یعنی اور سب تیرے ساتھ کے تو درست ہو گئے اور تو ویسا کا ویسا ہی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تیری اصلاح نہ ہوگی۔ آگے وہ عاشق اپنی اس حرکت کی عذر خواہی کرتا ہے کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ ہاں تو وہ شخص لوگوں کو ہٹاتا تھا تاکہ وہ لوگ اس کے علاج کو نہ دیکھیں۔ جب ہٹا چکا تو اس کے کان سے یوں منہ ملایا جیسے کوئی راز کہتا ہو اور اس طرح وہ گوہ اس کی ناک سے لگا دیا۔ کیونکہ اس نے ہاتھ سے کتے کا گوہ ملا تھا۔ جس میں اس کی بو آ گئی تھی۔ اور ملا تھا اس لئے کہ اس کو علم تھا کہ گندے دماغ والوں کا علاج یہ

ہی ہے۔ بس جبکہ اس نے گوہ کی بو کھینچی تو اس کے برے دماغ نے اس بدبو کو سونگھا۔ تھوڑی دیر میں اس مردہ نے حرکت شروع کی۔ لوگوں کو اس سے نہایت تعجب ہوا۔ اور انہوں نے کہا کہ یہ تو عجیب منتر تھا۔ کہ اس نے وہ منتر پڑھ کر اس کے کان میں پھونکا پس حالانکہ وہ مردہ تھا۔ مگر منتر نے اس کی فریاد سن لی اور اسے جلا دیا۔ پس اس سے تم سمجھو کہ خراب لوگوں کی حرکت بھی اسی طرح کی ہوتی ہے کیونکہ وہ ناز وغمزہ اور ابرو سے ہوتی ہے جو کہ مذموم ہیں۔ اور جس کو مشک نصیحت مفید نہیں ہوتا۔ اس کو بجز بوے بد معاصی کے فائدہ نہیں ہوتا نیز مشرکین کو حق سبحانہ نے اس لئے نجس کہا ہے کہ وہ پیشتر ہی سے گندگی کفر میں پیدا ہوئے ہیں اور اسی سے مانوس ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ وہ عنبر ہدایت کے خوگر نہیں ہوتے۔ کیونکہ جو کیڑا گوبر میں پیدا ہوتا ہے وہ کبھی عنبر کا عادی نہیں ہوتا چونکہ ان پر اس نور کی چھینٹ نہیں پڑی۔ جو کہ ابتدائے خلقت میں مخلوق پر چھڑکا گیا تھا۔ اس لئے وہ سراسر جسم ہیں اور ان میں جان بالکل نہیں (جان کی نفی اس لئے کی گئی ہے کہ وہ اپنے مقتضیات سے خالی ہے۔ پس گویا کہ وہ معدوم ہی ہے) لہٰذا ان کی ایسی مثال ہے جیسے چھلکے' کہ ان میں فضلہ ہی فضلہ ہوتا ہے اور جوہر بالکل نہیں ہوتا۔ اور صورت ہی صورت ہوتی ہے معنی بالکل نہیں ہوتے۔ ہاں اگر حق سبحانہ نے ان کو نور کی چھینٹوں کا کوئی حصہ عطا کیا ہے تو وہ باوجود کفر میں پیدا ہونے کے ہدایت پاتے ہیں اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے اہل مصر کے رسم کی بنا پر گوبر سے مرغ پیدا ہو۔ (اہل مصر کا قاعدہ تھا کہ انڈوں کو گوبر میں دبا دیتے تھے اور کچھ خاص شرائط کے ساتھ اس کی حرارت سے بچے نکل آتے تھے۔ اس رسم کی طرف اشارہ ہے) مگر گوبر سے تو ذلیل اور خانگی مرغ پیدا ہوتا ہے۔ یہ ویسے نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ دانش وفرزانگی کا مرغ یعنی ہدایت یافتہ انسان ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ کفر میں پیدا ہونے والے دو قسم کے ہیں۔ شقی ازلی اور سعید ازلی۔ اشقیا کی ایسی مثال ہے جیسے جعل اور سعداء کی ایسی مثال ہے جیسے مرغ جو کہ مصر کی رسم کے مطابق گوبر میں پیدا ہوا ہو۔ یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سنو کہ معشوقہ اپنے عاشق سے کہتی ہے کہ تو چونکہ نور ہدایت سے جو مخلوق پر ابتداء خلقت میں چھڑکا گیا تھا۔ خالی ہے کیونکہ میں دیکھتی ہوں کہ تو گوہ پر ناک رکھتا ہے اور معاصی کی طرف میلان رکھتا ہے اور اس لئے تو اس دباغ کے مشابہ ہے۔ باوجودیکہ رنج فراق سے تیر رخسارا۔ چہرہ سب زرد ہو گئے ہیں مگر ہنوز تو زرد پتے اور کچے میوے سے مشابہ ہے۔ یعنی تجھ میں کمال کی استعداد ہی نہیں۔ یا ہے مگر ہنوز اس کا ظہور نہیں ہوا (زرد پتے سے اشارہ عدم استعداد کمال کی طرف ہے کیونکہ جو پتا خزاں سے زرد ہو جاتا ہے پھر ہرا نہیں ہوتا اور میوۂ ناپختہ سے عدم ظہور کمال مع وجود الاستعداد کی طرف اشارہ ہے) ہانڈی تو آگ سے کالی اور دھوئیں کے رنگ ہو گئی۔ مگر گوشت ہنوز کچا ہے۔ یعنی جسم پر تو بہت کچھ اثر ہوا۔ مگر روح پر کچھ اثر نہ ہوا۔ میں نے تجھے آتش فراق سے آٹھ سال تک جوش دیا۔ مگر تیری نفاق کے سبب تیری خامشی میں ذرا برابر کمی نہیں آئی۔ اور تو کچا کا کچا ہی رہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تو کبھی نہ پکے گا۔ اگرچہ ہزاروں مرتبہ جوش کھائے کیونکہ کچے انگور تو مویز ہو گئے۔ اور ناقصین کامل بن گئے۔ مگر تو کچا کا کچا ہی رہا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تو اپنے مرض کے سبب کچا اور ٹھٹھرا ہوا انگور ہے۔ جس میں پختگی کی قابلیت ہی نہیں۔

شرح شبّیری

عاشق کا اپنے گناہ کی عذر خواہی کرنا تلبیس اور روپوشی کے ساتھ اور معشوقہ کا اس تلبیس کو سمجھ لینا

گفت عاشق امتحاں کردم مگیر	تا بہ بینم تو حریفی یا ستیر
عاشق نے کہا معاف کر، میں آزما رہا تھا	تاکہ سمجھ لوں کہ تو یار مجلس ہے یا پردہ نشین

یعنی عاشق نے کہا کہ میں نے امتحان کیا تھا مجھ سے گرفت مت کرنا کہ میں دیکھ لوں کہ تو حریف ہے یا مستورہ ہے۔ مطلب یہ کہ عاشق نے کہا کہ میں نے تو تجھے آزمایا تھا۔ کہ آیا تو عفیفہ ہے یا نہیں۔ لہذا اب معلوم ہوگیا تو بے شک عفیفہ ہے۔ تو اس امتحان میں مجھے گرفت مت کر اب یہاں وہ معشوقہ کہہ سکتی ہے کہ کیا تو مجھے پہلے سے عفیفہ نہ جانتا تھا کیا مجھے اوباش سمجھتا تھا۔ تو اس کا جواب بطور دفع دخل مقدر کے دیتا ہے کہ۔

من ہمی دانستمت بے امتحاں	لیک باشد کے خبر ہمچوں عیاں
میں تجھے بغیر امتحان کے بھی جانتا تھا	لیکن خبر مشاہدہ کی طرح کب ہوتی ہے؟

یعنی میں تجھے بے امتحاں ہی جانتا تھا لیکن خبر معائنہ کے مثل کب ہوتی ہے۔ یعنی لیس الخبر کا لمعاینۃ پہلے تو صرف خبر ہی تھی اور اب دیکھ لیا۔ تو ان میں تو یوں بعید ہوا۔

آفتابی نام تو مشہور و فاش	چہ زیانست ار بکردم ابتلاش
تو سورج ہے، تیرا نام مشہور اور ظاہر ہے	کیا نقصان ہوا اگر میں نے اس کو آزما لیا؟

یعنی تو تو آفتاب ہے اور تیرا نام مشہور ہے اور ظاہر ہے تو میں نے کیا نقصان کیا اگر اس کا امتحان کرلیا۔ مطلب یہ کہ اگر آفتاب کا کوئی امتحان کرے تو آفتاب کا اس میں کیا ضرر ہے تو اسی طرح تو تو آفتاب ہے۔ اگر میں نے تیرا امتحان کر ہی لیا تو اس میں تیرا کیا ضرر ہوا۔

تو منی من خویشتن را امتحاں	میکنم ہر روز در سود و زیاں
تو میں ہوں، میں اپنا امتحان	نفع اور نقصان میں روز کرتا ہوں

یعنی تو تو میرا عین ہے اور میں اپنا امتحان بھی ہر روز بے نفع نقصان کے کرتا ہوں یعنی میری تیری تو حالت من تو شدم تو من شدی الخ کی ہوگئی ہے تو اگر میں نے تیرا امتحان کیا تو گویا اپنا امتحان کیا پھر اپنا تو میں روزمرہ امتحاں کرتا ہوں اس میں جرح ہی کیا ہے۔

تاشدہ ظاہر از ایشان معجزات	انبیا را امتحاں کردہ عدات
حتیٰ کہ ان سے معجزے ظاہر ہوئے	دشمنوں نے انبیاء کا امتحان لیا ہے

یعنی دشمنوں نے انبیاء علیہم السلام کا امتحان کیا ہے۔ یہاں تک کہ ان سے معجزات ظاہر ہوئے۔ مطلب یہ کہ امتحان میں نقصان تو کیا ہوتا بلکہ نفع ہے اس لئے کہ دیکھو اس امتحان سے تمہاری عفت ظاہر ہوگئی انبیاء کا کفار نے امتحان کیا تو ان سے معجزات ظاہر ہوئے۔ علیٰ ہذا امتحان میں تو نفع ہی ہے۔

اے کہ چشم بدز چشماں تو دور	امتحاں چشم خود کردم بنور
اے وہ (محبوبہ)! کہ تیری آنکھوں سے چشم بد دور رہے	میں نے روشنی کے ذریعہ اپنی آنکھ کا امتحان کیا

یعنی میں نے اپنی آنکھ کا امتحان نور سے کیا ہے اے وہ کہ چشم بد تیری آنکھوں سے دور ہو۔ مطلب یہ کہ تم تو میری آنکھ ہو میں نے تمہارا امتحاں کیا گویا کہ اپنی آنکھ کا امتحان کیا ہے کہ دیکھوں اس میں نور ہے کہ نہیں تو اس میں تو نور پہلے سے تھا اب امتحان سے اور خوب ظاہر ہوگیا۔

گر تفحص کردم از گنجت مرنج	ایں جہاں ہمچوں خرابہ است وتو گنج
اگر میں نے تیرے خزانہ کی تلاش کر لی تو رنجیدہ نہ ہو	یہ دنیا کھنڈر کی طرح ہے اور تو خزانہ ہے

یعنی یہ جہاں تو مثل ویرانہ کے ہے اور تو خزانہ ہے تو اگر میں نے تیرے خزانہ میں سے تفحص کیا تو خفا مت ہو (اس لئے کہ اگر میں تفحص کروں گا تو معلوم ہوگا کہ اس میں یہ جوہر ہیں)

تا کنم با دشمناں ہر بار لاف	زاں چنیں بے خردگی کردم گزاف
تاکہ دشمنوں کے مقابلہ میں بڑھ کر بات کہہ سکوں	میں نے اس لئے ایسی لغو بے عقلی کی

یعنی ایسی بے عقلی سے جو میں نے بیہودگی کی تو اس لئے کہ دشمنوں میں ہر بار شیخی کر سکوں۔ مطلب یہ کہ میں نے امتحان کیا تو صرف اس لئے کیا تاکہ لوگوں میں مجھے کہنے کا موقعہ ملے کہ میں نے خود آزما دیکھا ہے میں وثوق سے کہتا ہوں کہ وہ عفیفہ ہے۔ اور اگر میں نے دیکھ نہ لیا ہوتا تو پھر تو صرف اندازہ اور تخمین ہی سے تم کو عفیف کہہ سکتا تھا اور اس لئے کیا ہے کہ۔

چشم از دیدہ گواہی ہادہد	تا زبانم چوں ترا نامے نہد
آنکھ اس چشم دید کی گواہیاں دے	تاکہ میری زبان جب تیرا نام لے

یعنی تاکہ میری زباں جب تیرا نام لے تو آنکھ دیکھے ہوئے کی گواہی دے۔ یعنی اگر زباں سے تیری تعریف کروں تو آنکھ کہے بیشک صحیح کہتا ہے ہم نے بھی دیکھا ہے۔

آمدم اے مہہ بشمشیر و کفن	گر شدم در راہ حرمت راہزن
اے چاند! میں تلوار اور کفن لے کر آ گیا ہوں	اگر میں تیری حرمت کا ڈاکو بنا ہوں

یعنی اگر میں راہ ادب میں راہزن ہو گیا ہوں تو اے ماہ میں مع شمشیر وکفن کے آیا ہوں۔ (پہلے قاعدہ تھا کہ اگر مجرم خود جرم کا اقرار کرتا ہوا حاضر ہوتا تھا تو شمشیر وکفن بھی ساتھ لاتا تھا اور بزبان حال کہتا تھا کہ۔

قتل کر ڈالو ہمیں یا جرم الفت بخش دو   لو کھڑے ہیں ہاتھ باندھے ہم تمہارے سامنے

اور یہ اس لئے کرتے تھے تا کہ آقا کو یا معشوق کو جس کا وہ مجرم ہے رحم آ جاوے) تو اسی طرح یہ کہتا ہے کہ اگر میں نے بے ادبی ہی کی ہے تو اچھا تو میں حاضر ہوں۔ جو سزا چاہو دے لو۔ لیکن ایک شرط ہے وہ یہ کہ۔

جز بشمشیر خود اے شاہم مکش	پیش ازیں از دوری اے ماہم مکش
اے میرے شاہ! مجھے اپنی تلوار کے علاوہ کسی چیز سے قتل نہ کر	اے میرے چاند! اس سے زیادہ فراق سے مجھے نہ مار

یعنی اپنی شمشیر کے سوا اور کسی سے مجھے مت مار اور اس سے پہلے اے ماہ مجھے دوری سے مت مار۔ مطلب یہ کہ اگر سزا دو تو مجھے اپنے ہاتھ سے ہی دینا تا کہ یہ حالت ہو کہ۔

سر بوقت ذبح اپنا اس کے زیر پائے ہے   کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

اور دوسری شرط یہ ہے کہ سزا کے پہلے پہلے دوری میں مت رکھنا بلکہ اپنے ہی پاس رکھنا تا کہ اخیر وقت میں تو تمہارے دیدار سے مشرف ہو لوں اسی کو دوسرے عنوان سے کہتا ہے کہ۔

جز بدست خود مبرم پاؤ سر	کہ ازیں دستم نہ از دست دگر
میرے پاؤں اور سر اپنے ہاتھ ہی سے کاٹنا	کیونکہ میں اس ہاتھ کا ہوں نہ کہ دوسرے کے ہاتھ کا

یعنی اپنے ہاتھ کے سوا میرے ہاتھ پاؤں مت کاٹنا۔ کیونکہ میں اسی ہاتھ کا ہوں نہ کہ دوسرے ہاتھ کا یعنی میں اسی ہاتھ کا پلا ہوا ہوں تو آج تمنا یہ ہے کہ اسی ہاتھ سے ذبح ہو جاؤں اور کہتا ہے کہ۔

از جدائی باز می رانی سخن	ہر چہ خواہی کن ولیکن ایں مکن
تو پھر فراق کی بات کر رہی ہے	تو (اور) جو چاہے کر یہ نہ کر

یعنی جدائی کی بات کو پھر چلاتی ہو تو جو چاہے کرو مگر یہ نہ کرو۔ مطلب یہ کہ تم پھر جدائی کو کہتی ہو کہ میں جدا کر دوں گی تو اللہ اس کا تو نام بھی نہ لو اور جو چاہے سزا دے لو مگر اس کا نام نہ لو۔

در سخن آباد ایندم راہ شد	گفت امکان نیست چون بیگاہ شد
بات کرنے کا اب راستہ نکل آیا	(لیکن) بات کا موقع نہیں ہے چونکہ بے وقت ہو گیا ہے

یعنی سخن آباد میں اس وقت میری راہ ہو گئی ہے (لیکن) کہنا ممکن نہیں ہے۔ جب بے وقت ہو گیا مطلب یہ کہ وقت تو باتیں کرنے کا ہے مگر کیا کہیں کہنے کا وقت نہیں رہا۔ لہذا چپ ہی رہتے ہیں۔

پوستہا گفتیم و مغز آمد وفیں	گر بمانیم ایں نماند ہمچنیں
ہم نے چھلکے بیان کر دیئے اور مغز چھپا رہ گیا	اگر ہم اس طرح رہے وہ بھی اسی طرح رہ جائے گا

یعنی اوپر اوپر کی باتیں ہم نے کہی ہیں اور اصل باتیں مدفون ہیں اگر ہم رہے تو یہ اس طرح نہ رہے گا۔ مطلب یہ کہ ہم نے جو باتیں کی ہیں وہ صرف پوست پوست ہیں باقی اصل باتیں ابھی بیان نہیں کی ہیں اور پھر اگر چہ ہم تو رہیں گے مگر وقت ایسا نہ رہے گا۔

گر خطائے آمد از مادر وجود	چشم میداریم در عفو اے ودود
اگر ہم سے کوئی غلطی وجود میں آئی ہے	اے محبوب! ہم معافی کی توقع رکھتے ہیں

یعنی اگر کوئی خطا ہم سے وجود میں آئی ہے تو اے صاحب مودت ہم عفو کی امید رکھتے ہیں۔

امتحاں کردم مرا معذور دار	چوں زفعل خویش گشتم شرمسار
میں نے امتحان لیا مجھے معذور سمجھ	جبکہ میں اپنے فعل پر شرمندہ ہوں

یعنی میں نے امتحان کیا (مگر) مجھے معذور رکھ جبکہ میں اپنے فعل سے (خود) شرمندہ ہوں۔ یعنی میں تو اپنے فعل پر خود مقر ہو کر شرمندہ ہوں لہذا مجھے معذور سمجھو اور معاف کر دو۔ آگے وہ معشوقہ اس کی تلبیس کو رد کرتی ہے۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ عاشق نے جواب دیا کہ اگر آپ مجھ پر مواخذہ نہ کریں میں نے امتحان کیا تھا کہ دیکھوں آپ اس فعل میں میری موافقت کرنے والی ہیں یا عفیفہ گو یہ امر کہ آپ پارسا ہیں مجھے پہلے سے بھی معلوم تھا لیکن لیس الخبر کالمعاینۃ یعنی سنی سنائی بات مشاہدہ کے برابر نہیں ہوتی۔ اس لئے میں نے چاہا کہ مشاہدہ کر لوں آپ آفتاب عصمت ہیں اور آپ کا نام عفت میں مشہور و معروف ہے پس اگر میں نے اس بات کی آزمائش کر لی تو کیا گناہ ہوا۔ دشمنوں نے انبیاء کا امتحان کیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان سے معجزات کا ظہور ہوا نیز آپ اور میں ایک ہیں اور میں اپنا ہر روز نفع و نقصان میں امتحان کرتا رہتا ہوں۔ پس آ کا امتحان کوئی بے جا بات نہیں۔ علیٰ ہذا آپ میری آنکھ ہیں اور اے خوش چشم خدا کرے آپ کی آنکھوں کو نظر نہ لگے میں اپنی آنکھ کا نور سے امتحان کرتا ہوں تو آپ کا امتحان کوئی قابل تعجب بات نہیں۔ نیز جہاں ایک ویرانہ ہے اور آپ خزانہ کمالات۔ پس اگر میں نے آپ کا خزانہ کمالات تلاش کیا تو کوئی خفا ہونے کی بات نہیں نیز میں نے بیہودگی سے یہ حماقت اس لئے کی ہے کہ مخالفین کے مقابلہ میں ہر مرتبہ آپ کی پارسائی کا بے تکلف دعویٰ کر سکوں اور تا کہ جب میری زبان پر بھلائی کیساتھ آپ کا نام آئے تو آنکھ اس امر مشاہد کی گواہی دے۔ اچھا اگر میں نے آپ کی آبرو ریزی کی ہے تو میں سزائے موت کے لئے موجود ہوں۔ اگر آپ مجھے مارنا چاہتی ہیں تو اپنی ہی تلوار سے ماریئے اور اس سے زیادہ مجھے صدمہ فراق سے ہلاک نہ کیجئے۔ آپ میرے پاؤں اور سر اپنی ہی تلوار سے کاٹئے کیونکہ میں آپ کا غلام ہوں نہ کہ کسی دوسرے کا۔ دیکھئے آپ پھر جدائی کا نام لیتی ہیں آپ جو چاہیں کریں مگر یہ نہ کریں دیکھئے مجھے اس وقت گفتگو کا موقعہ ملا ہے۔ اور جب نا وقت ہو جائے گا اس وقت کچھ نہ کہہ سکوں گا اس لئے یہ مختصر گزارش ہے اور جو کچھ عرض کیا ہے یہ اس کے

مقابلہ میں ہنوز نہیں کہہ سکا بمنزلہ پوست کے ہے اور مغز ہنوز مدفون ہے۔ اور یہ بھی اس لئے کہا ہے کہ ہم تو رہیں گے مگر یہ صورت حال نہ رہے گی۔ پس اگر اس ملاقات میں مجھ سے کوئی خطا ہوئی ہو تو مجھ کو آپ سے معافی کی امید ہے۔ میں نے جو کچھ کہا تھا وہ امتحاناً تھا۔ اب جبکہ میں اپنی اس حرکت پر نادم ہوں تو مجھے معذور رکھئے اور معاف کیجئے۔

شرح شبیری

معشوق کا عاشق کے عذر اور اس کی تلبیس کو رد کرنا

در جوابش برکشاد آں ماہ لب	کہ سوئے ماروز و سوئے تست شب
اس کے جواب میں اس چاند نے لب کشائی کی	کہ ہماری جانب دن اور تیری جانب رات ہے

یعنی اس عاشق کے جواب میں اس ماہ نے لب کھولے کہ ہماری طرف تو روز ہے اور تیری طرف شب ہے۔ مطلب یہ کہ میرے پاس حیلہ اور تدبیر سے کام نہیں چلتا تو تدابیر باطلہ کرتا ہے۔ مگر ان سب کو مردود سمجھتی ہوں اور میرے آگے یہ سب مکر و فریب کھلم کھلا معلوم ہو رہا ہے۔

حیلہ ہائے تیرہ اندر داوری	پیش بینایاں چرا می آوری
غلط حیلے انصاف کے موقع پر	عقلمندوں کے سامنے تو کیوں پیش کرتا ہے؟

یعنی تاریک حیلے معاملہ میں بینا لوگوں کے سامنے تو کیوں لا رہا ہے۔

ہر چہ در دل داری از مکر و رموز	پیش ما سواؤ پیدا ہمچو روز
تو جو کچھ مکر اور اشارے دل میں رکھتا ہے	ہمارے سامنے دن کی طرح کھلے اور ظاہر ہیں

یعنی تو جو کچھ مکر اور موز دل میں رکھتا ہے وہ سب ہمارے نزدیک دن کی طرح ظاہر ہیں۔

گر بپوشیمش زبندہ پروری	تو چرا بیروئی از حد می بری
اگر ہم اس کو بندہ پروری کی وجہ سے چھپا رہے ہیں	تو کیوں حد سے زیادہ بے لحاظی کر رہا ہے؟

یعنی اگر ہم اس کو بندہ پروری کی بناء پر چھپائیں تو تو کیوں بے شرمی کو حد سے لے جاتا ہے۔ یعنی اب جو ہم نے اس کو پوشیدہ کر لیا ہے تو مکر و فریب کر کے اب تو کیوں بے شرم اور بے حیا بنتا ہے۔

از پدر آموز کا دم در گناہ	خوش فرود آمد بسوئے پایگاہ
باپ سے سیکھ لے کیونکہ (حضرت) آدم گناہ کے بارے میں	خوشی سے جوتوں کی جگہ اتر آئے

یعنی باپ سے سیکھ کہ آدمؑ گناہ میں تواضع کی طرف بالکل اتر آئے۔ یعنی دیکھو انہوں نے کس طرح جرم کا اقرار کر لیا۔

بر دو پا استاد استغفار را	چوں بدید آں عالم الاسرار را
تو معافی کے لئے دونوں پاؤں پر کھڑے ہو گئے	جب انہوں نے اس رازوں کے جاننے والے کو دیکھا

یعنی جب انہوں نے اس عالم الاسرار کو دیکھا تو دونوں پاؤں پر استغفار کے لئے کھڑے ہو گئے۔

وز بہانہ شاخ تا شاخے نجست	برسر خاکستر اندہ نشست
اور بہانہ کیلئے ایک شاخ سے دوسری شاخ پر چھلانگ نہ لگائی	وہ غم کی راکھ پر بیٹھ گئے

یعنی غم کی خاک پر بیٹھ گئے اور بہانہ سے ایک شاخ سے دوسری شاخ تک کودے۔یعنی انہوں نے بہانے نہیں کئے بلکہ گناہ کا اعتراف کرلیا اور بے حد غمگین ہوئے۔

چونکہ جانداراں بدید از پیش و پس	ربنا انا ظلمنا گفت و بس
جبکہ فرشتوں کو آگے پیچھے دیکھا	بس انہوں نے "اے خدا ہم نے ظلم کیا" کہا

یعنی صرف ربنا ظلمنا ہی کہا جبکہ آگے پیچھے سے جانداروں (ملائکہ) کو دیکھا۔ مطلب یہ کہ جب ملائکہ کو دیکھا کہ وہ کوئی حیلہ و بہانہ نہیں کرتے تو ایک تو ان کی طبیعت کے اندر بہانہ نہ تھا اور پھر ان کو دیکھ کر اور یہی بہانہ نہیں کیا بلکہ گناہ کا اعتراف کرلیا۔اور ربنا ظلمنا ہی کہا جس سے اعتراف ذنب ظاہر ہے۔

دور باش ہر یکے تا آسماں	دیدہ جانداران پنہاں ہمچو جان
ہر ایک کا دو شاخہ نیزہ آسمان تک تھا	انہوں نے روح کی طرح پوشیدہ فرشتوں کو دیکھا

یعنی جانداروں کو دیکھا جو کہ جان کی طرح پوشیدہ تھے کہ ہر ایک کی دور باش آسمان تک پہنچتی تھی۔

تا نہ بشگافد ترا ایں دور باش	کہ ہلا پیش سلیمانؑ مور باش
تا کہ تجھے یہ دو شاخہ نیزہ نہ پھاڑ دے	کہ خبردار! سلیمانؑ کے سامنے چیونٹی بن جا

یعنی کہ خبردار سلیمان کے سامنے چیونٹی رہ تا کہ تجھے یہ دور باش چیر نہ دے۔(دور باش اس نیزہ کو کہتے ہیں کہ جس کی دو شاخیں ہوتی ہیں اور وہ بادشاہوں کی سواری کے آگے نقیب لے کر چلتا ہے اور دور باش کی آواز نکالتا ہے۔تا کہ لوگ ہٹ جاویں اور اگر کوئی نہ ہٹے تو وہ نیزے سے اس کو زخمی کر دیتے ہیں) مطلب یہ ہے کہ ملائکہ کی تسبیح و تہلیل اور ان کی صفائی اس قدر تھی کہ انکا تہلیل و تقدیس کا نیزہ اجازت نہ دیتا تھا کہ کوئی مکر و فریب کرے اور جو وہاں مکر و فریب کرے وہ مارا جاوے تو ایک تو آدم علیہ السلام کا خود مکر و فریب سے متنفر ہونا دوسرے پھر یہ موانع تو انہوں نے بالکل مکر و فریب نہ کیا۔ بلکہ مقر ذنب ہو گئے۔تو بس اسی طرح وہ لڑکی کہتی ہے کہ تو بھی اقرار کر لے۔اور مکر و فریب مت کر اور وہ فرشتے یوں کہتے تھے کہ۔

ہیچ لا لا مرد را چوں چشم نیست	جز مقام راستی یکدم مایست
انسان کا کوئی خادم آنکھ جیسا نہیں ہے	سچائی کے مقام کے علاوہ بالکل نہ ٹھہر

یعنی سوائے مقام (استی کے اور کہیں مت کھڑے ہو۔ (کیونکہ) انسان کے لئے کوئی خادم آنکھ جیسا نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ فرشتے کہتے تھے کہ اے آدم راستی ہی میں رہنا راستی کے علاوہ اور کوئی مقام بہتر نہیں ہے۔ اس سے کام لو اور راستی کو دیکھ کر اس کو اختیار کرو۔

کورا گر از پند پالودہ شود	ہر دمے او باز آلودہ شود
اندھا اگر نصیحت سے پاک و صاف بن جائے	وہ پھر ہر وقت گندہ ہو جائے گا

یعنی اندھا اگر نصیحت سے صاف ہو جاوے تو وہ ہر دم پھر آلودہ ہو جاتا ہے اس لئے کہ اسے راستہ نظر ہی نہیں آتا۔ وہ کہیں سے کہیں پھر جا پڑے گا اگر ایک دفعہ تم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر درست کر بھی دیا تو وہ پھر کسی طرف کو چل دے گا۔

آدما تو نیستی کور از نظر	لیک اذا جاء القضاء عمی البصر
اے آدم! تم نظر کے اندھے نہیں ہو	لیکن جب قضا آتی ہے نظر اندھی ہو جاتی ہے

یعنی اے آدم تم تو نظر سے کور نہیں ہو لیکن جب قضا آئی تو بصر اندھی ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ وہ فرشتے کہتے ہیں کہ اندھا تو آلودہ ہو جاتا ہے مگر اے آدم آپ تو بینا ہیں آپ راہ راستی کو خود دیکھ لیجئے۔ اب یہاں شبہ ہوا کہ جب خود بینا ہیں تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلے کیوں غلطی ہوئی اور کیوں لغزش ہوئی اس کا جواب دیتے ہیں کہ بات یہ ہے کہ بینا تو تھے لیکن قضا کے سامنے سب کی پیش نہیں جاتی۔ چونکہ تقدیر حق اسی طرف تھی کہ یہ اس طرح کریں اور ان کو اس طرح دنیا میں بھیجا جائے۔ اب اس امر کا اتفاقاً ہو جانا بیان فرماتے ہیں کہ۔

عمر ہا باید بنا درگاہ گاہ	تا کہ بینا از قضا افتد بچاہ
عمریں چاہئیں بہت کم ہوتا ہے (اور) کبھی کبھی	کہ آنکھوں والا قضا سے کنویں میں گرے

یعنی بہت سی عمروں کی ضرورت ہے کہ نادراً کبھی کبھار کوئی بینا قضا کی وجہ سے کنوئیں میں گرے۔ مطلب یہ کہ ایسا بہت ہی کم ہوتا ہے کہ کوئی بینا ہو لیکن غلبہ قضا کی وجہ سے اس سے لغزش ہو ورنہ اکثر غلطی تو اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ یہ شخص خود ہی اندھا ہوتا ہے آگے فرماتے ہیں کہ اس اندھے کا بھی لغزش میں پڑنا قضا ہی کی وجہ سے ہے لیکن کچھ اس کی بھی اس میں شرکت ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ۔

کور را خود ایں قضا ہمراہ اوست	کہ مر او را اوفتادن طبع و خوست
اندھے کی یہ قضا خود اس کے ساتھ ہے	کیونکہ گرنا اس کا مزاج اور عادت ہے

یعنی اندھے کے خود یہ قضا ہمراہ ہے کہ اس کا گرنا طبعی اور عادی ہے۔ مطلب یہ کہ اندھے کی بابت یہ بھی تو قضا میں لکھا ہے کہ یہ لغزش کرے گا اور اس کی لغزش خود اس کی ہی طرف سے ہوگی۔ اور اس کی طبیعت میں داخل ہوگی۔ تو گرا تو قضا کی وجہ سے مگر خود بھی شریک رہا۔ اب آگے اس دل کے اندھے کی مثال ظاہری اندھے کی

حالت سے بیان فرماتے ہیں کہ۔

در حدث افتند نداند بوئے چیست	از من است ایں بوئے یا آلودگیست
وہ ناپاکی میں گرتا ہے نہیں سمجھتا کہ بدبو کس چیز کی ہے	یہ بدبو مجھ میں سے ہے یا سننے کی وجہ سے ہے

یعنی ناپاکی میں گر جاتا ہے اور اسے خبر نہیں ہوتی کہ کس شے کی بو ہے اور یہ بو میرے اندر سے ہے یا (اس) آلودگی کی وجہ سے ہے۔

ور کسے بروے کند مشکے نثار	ہم ز خود داند نہ از احسان یار
اگر کوئی اس پر مشک چھڑکے	وہ اپنی جانب سے سمجھے گا نہ کہ دوست کے احسان سے

یعنی اور اگر کوئی اس پر مشک نثار کر دے تو وہ بھی اپنے ہی اندر سے جانے نہ کہ یار کا احسان۔ مطلب یہ کہ اگر گناہوں اور نافرمانیوں میں مبتلا ہو تو اسے خبر نہ ہو کی میری کیا حالت ہے اور میں کس ناپاکی میں مبتلا ہوں اور اگر کوئی نعمت حق تعالیٰ کی طرف سے اس پر فائض ہو تو بھی اس کو خبر نہ ہو بلکہ ان کمالات کو اپنی طرف سے اور اپنے اندر سے سمجھے گا۔ جو کہ ظاہر ہے کہ سخت مضر ہے تو دیکھو ایک تو قضا کی وجہ سے گرا اور دوسرے اس وجہ سے کہ اس کو اس قدر غلط فہمیاں ہو رہی تھیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

پس دو چشم روشن صاحب نظر	بہتر از صد ما درست و صد پدر
اے صاحب نظر! دو روشن آنکھیں	سینکڑوں ماؤں اور سینکڑوں باپوں سے بہتر ہیں

یعنی پس صاحب نظر کی دو روشن آنکھیں سینکڑوں ماؤں اور باپوں سے بہتر ہیں۔ یعنی اس صاحب نظر کی تربیت کرنے کے لئے اور اس کو راہ راست پر لانے کے لئے اس کی یہ دونوں آنکھیں بہت مفید ہیں اور ان سے زیادہ رہنما ہیں۔

خاصہ چشم دل کہ آں ہفتاد تو است	پیش چشم حس کہ خوشہ چین اوست
خصوصاً دل کی آنکھ جس کی ستر تہیں ہیں	اور حس کی یہ دونوں آنکھیں اس کی خوشہ چین ہیں

یعنی خاص کر دل کی آنکھ کہ وہ چشم حس کے سامنے جو کہ اس کی خوشہ چین ہے۔ ستر تہیں ہیں۔ مطلب یہ کہ جب چشم دل روشن ہو تو پھر تو کیا کہنا ہے کیونکہ وہ تو اس چشم حس سے روشنی میں کہیں زیادہ اور بڑھی ہوئی ہے۔ تو وہ تو خوب تربیت کرے گی اب یہاں تک قضا کی حالت اور اس سے انسان کا مجبور ہونا بیان کیا تھا آگے اس بیان کو بند کرتے ہیں اور اس کے بند کرنے کا عذر بیان کرتے ہیں کہ۔

اے دریغا رہزنان بنشستہ اند	صد گرہ زیر زبانم بستہ اند
ہائے افسوس! ڈاکو بیٹھے ہوئے ہیں	جنہوں نے میری زبان کے نیچے سینکڑوں گرہیں لگا دی ہیں

یعنی افسوس ہے کہ سینکڑوں ڈاکو بیٹھے ہیں اور میری زبان کے نیچے انہوں نے سینکڑوں گرہیں لگا دی ہیں۔ مطلب

یہ کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جو اس بیان کو سن کر جبری ہو جاویں گے اور انسان کو مجبور محض خیال کریں گے تو ایسے لوگوں نے مجھے بیان سے روک دیا ہے اور میری زبان کو بند کر دیا ہے کہ میں اب زیادہ بیان نہیں کر سکتا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

پائے بستہ چوں رود بس راہوار	بس گراں بندیست ایں معذور دار
عمدہ گھوڑا پاؤں بندھا ہوا کیسے اچھا چل سکتا ہے؟	معذور رکھو! یہ بہت بھاری بیڑی ہے

یعنی پاؤں بندھا ہوا راہوار کس طرح چلے۔ یہ تو بہت بھاری قید ہے تو معذور رکھو۔ مطلب یہ کہ مجھے جو خیال آ گیا ہے کہ اس سے لوگ گمراہ نہ ہو جاویں یہ ایک ایسا خیال ہے کہ جس نے میرے قلم کے پاؤں باندھ دیئے ہیں تو اگر میں نہ بیان کر سکوں اور اس مضمون کو ناقص چھوڑ دوں تو مجھے معذور سمجھنا آگے اس مضمون کے ناقص ہونے ہی میں اس کی خوبی کو ایک مثال سے واضح فرماتے ہیں۔

ایں سخن اشکستہ می آید دلا	کایں سخن درست وغیرت آسیا
اے دل! یہ بات ٹوٹی پھوٹی ہو رہی ہے	کیونکہ یہ بات موتی ہے اور (اللہ کی) غیرت چکی ہے

یعنی اے دل یہ بات ناقص ہی آتی ہے کیونکہ یہ بات تو موتی ہے اور غیرت (حق) کی چکی میں مطلب یہ کہ یہ بات تو موتی کی طرح ہے اور غیرت حق چکی ہے۔ جب ہم اس کو بیان کرنا چاہتے ہیں تو غیرت حق اس کو توڑ دیتی ہے اور آگے نہیں چلنے دیتی۔ لہذا یہ ناقص ہی رہ جاتا ہے لیکن یہ سمجھ لو کہ۔

در اگرچہ خرد و اشکستہ شود	توتیائے دیدۂ خستہ شود
موتی خواہ ریزہ ریزہ اور ٹوٹا ہوا ہو	بیمار آنکھ کا توتیا ہوتا ہے

یعنی موتی اگر شکستہ اور ریزہ ریزہ ہو جاوے تو کسی خستہ کی آنکھ کا سرمہ ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو موتی اگر ٹوٹا نہیں ہے تو وہ کسی کام کا نہیں ہوتا اور جب ٹوٹ جاتا ہے تو وہ سرمہ میں پڑ کر آنکھ میں جگہ لیتا ہے۔ لہذا اسی طرح اس مضمون کا بھی شکستہ اور ناقص ہی رہنا مناسب ہے۔ یہ اسی حالت میں مفید ہے اور اسی حالت میں رہنما ہے آگے اس مضمون کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ۔

اے در از اشکست خود بر سر مزن	کز شکستن روشنی خواہی شدن
اے موتی! اپنے ٹوٹنے پر سر نہ پیٹ	اس لئے کہ تو ٹوٹنے سے روشنی بنے گا

یعنی اے موتی اپنے ٹوٹنے کی وجہ سے پریشان مت ہو کہ ٹوٹنے کی وجہ سے تو روشنی ہو جائے گا مطلب یہ کہ اس نقص ہی کی حالت میں تم کامل اور رہنما ہو گے۔

ہمچنیں اشکستہ بستہ گفتنی است	حق کند آخر درستش کو غنی است
اسی طرح ٹوٹا ہوا، جوڑ کر کہنا ہے	بلآخر اللہ (تعالی) اس کو درست کر دے گا وہ بے نیاز ہے

یعنی اسی طرح ناقص اور بندھا ہوا قابل کہنے کے ہے حق تعالی اس کو درست کر دیں گے کیونکہ وہ غنی ہیں مطلب یہ کہ اس مضمون کو اسی طرح ناقص ہی بیان کرنا چاہئے حق تعالی ایک دن حال پیدا فرماویں گے تو اس وقت اس کی اصل حقیقت معلوم ہو جاوے گی اور حق تعالی اس کو درست کر کے دکھلا دیں گے آگے اور مثال بیان فرماتے ہیں کہ۔

گندم ار بشکست وزہم درشکست	بر دکان آمد کہ نک نان درست
گیہوں اگر ٹوٹا اور ریزہ ریزہ ہو گیا	دکان پر آیا کہ یہ اب نرم روٹی ہے

یعنی گیہوں اگر ٹوٹ گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تو اب دکان پر آ گیا کہ یہ عمدہ روٹی ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو گیہوں بعد ٹوٹنے ہی کے کام آتا ہے۔ بس ایسا ہی یہ مضمون بھی اسی طرح مفید ہے۔ آگے اس معشوقہ کا مقولہ ہے وہ اپنے عاشق سے کہتی ہے کہ۔

توہم اے عاشق جو جرمت گشت فاش	آب و روغن ترک کن اشکستہ باش
اے عاشق! تو بھی جبکہ تیری خطا واضح ہو گئی	چکنی چپڑی (بات) چھوڑ شکستہ بن

یعنی اے عاشق جب تیرا جرم ظاہر ہو گیا تو تو بھی تلبیس کو چھوڑ اور شکستہ ہو جا۔ مطلب یہ کہ وہ کہتی ہے کہ اب مکر و حیلہ مت کرو کیونکہ تمہاری شرارت ظاہر ہو گئی ہے لہذا اب صاف صاف کہہ دو اور مکر و حیلہ کو چھوڑ دو اور کہنے لگی کہ۔

آنکہ فرزنداں خاص آدم اند	نوحۂ انا ظلمنا می دمند
جو (حضرت) آدمؑ کی مخصوص اولاد ہیں	وہ "بیشک ہم نے ظلم کیا" کا دم بھرتے ہیں

یعنی جو لوگ کہ آدمؑ کے اولاد خاص ہیں وہ انا ظلمنا کا نوحہ کرتے ہیں یعنی جو لوگ کہ نیک ہیں وہ اپنی خطا کا اعتراف جلدی ہی کر لیتے ہیں۔ لہذا اب اے عاشق تو بھی یہ کر کہ۔

حاجت خود عرض کن حجت مجو	ہمچو ابلیس لعین سخت رو
اپنی ضرورت پیش کر دلیل نہ تلاش کر	ڈھیٹ، ملعون، شیطان کی طرح

یعنی اپنی حاجت کو بیان کر دے اور ابلیس بے حیا کی طرح حجت مت کر۔ مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ جو تیرے دل میں ہے اس کو صاف صاف بیان کر دے اور حجت مت کر۔

آں ابوجہل از پیمبر معجزے	خواست ہمچوں کینہ ور ترک غزے
اس ابوجہل نے پیغمبرؐ سے معجزہ	کینہ ور ترک غز کی طرح مانگا

یعنی اس ابوجہل نے پیمبر صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک معجزہ طلب کیا ایک ترک غز کینہ ور کی طرح۔

معجزہ جست از نبی جہل سگ	دید نفزود ش ازاں الا کہ شک
ابوجہل کتے نے نبیؐ سے معجزہ طلب کیا	اس نے دیکھا اور اس نے اس میں بجز شک کے کچھ اضافہ نہ کیا

یعنی ابوجہل کتے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کیا اور اس نے اس کی بصیرت نہیں بڑھائی سوائے شک کے۔

لیک آں صدیق حق معجز نخواست	گفت ایں رو خود نگوید غیر راست
لیکن صدیق نے کوئی معجزہ نہ مانگا	اس نے کہا' یہ چہرہ بجز سچ کے کچھ نہیں کہتا ہے

یعنی لیکن اس صدیق حق نے معجزہ نہیں مانگا اور کہا کہ یہ منہ سوائے سچ کے کچھ نہیں کہتا۔ مطلب یہ کہ دیکھو ابوجہل نے حجت کی اور معجزہ وغیرہ طلب کیا اور انکار کیا تو آخر اس کی بصیرت میں کچھ زیادتی نہ ہوئی۔ بلکہ اور اندھا پن ہی زیادہ ہوا اور حضرت صدیق اکبرؓ نے جو حجت نہیں کی۔ بے حجت کے مان لیا اور ایمان لے آئے لہذا دیکھئے انکا درجہ کس درجہ کو پہنچا۔ اسی طرح اے عاشق تجھے بھی حیلہ وحجت نہ کرنی چاہئے بلکہ صاف صاف کہہ دینا چاہئے اور مولانا نے جو ایں رو خود نگوید غیر راست۔ کو حضرت صدیق اکبر کا مقولہ کہا ہے اس سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ یہ مقولہ تو حضرت عبداللہ بن سلامؓ کا ہے پھر انکا مقولہ کیسے ہوسکتا ہے تو سمجھ لو کہ یہ روایت بالمعنی کے قبیل سے ہے کہ اگرچہ حضرت صدیق اکبر نے یہ الفاظ نہ فرمائے مگر برتاؤ ایسا کیا جیسا کہ ان الفاظ کا قائل کرتا تو گویا کہ یہ الفاظ ہی فرمائے اس معنی کو انکا مقولہ کہہ دینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آگے اسی معشوقہ کا مقولہ ہے کہتی ہے کہ۔

کے رسد ہمچو توئے را کز منی	امتحاں ہمچو من یارے کنی
تجھ جیسے کو کب حق پہنچتا ہے؟	کہ مجھ جیسے دوست کا امتحان کرے

یعنی تجھ جیسے (مدعی حق) کو یہ کب زیبا ہے کہ تکبر سے مجھ جیسے معشوقہ کا امتحان کرے۔ مطلب یہ کہ تو جو میرا امتحان کرتا ہے اور مجھ سے حجت کرتا ہے تجھے یہ ہرگز زیبا نہیں ہے۔ لہذا صاف صاف بات کر۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ معشوقہ نے اس کے جواب کیلئے تکلم شروع کیا اور کہا کہ ہماری طرف دن ہے اور تیری طرف رات۔ یعنی ہم پرنور بصیرت سے حقیقت منکشف ہے اور تو اپنی ظلمت قلب کے سبب اس ہمارے ادراک کا ادراک نہیں کرسکتا۔ پس تو اہل بصیرت کے سامنے اپنی برأت کے لئے تاریک عذر کیوں پیش کرتا ہے۔ تیرے دل میں جو جو مکر اور راز ہیں ہم پر سب کے سب روز روشن کی طرح ظاہر ہیں۔ اگر ہم ان کو بندہ پروری سے چھپا دیں اور تجھ پر انکا اظہار نہ کریں تو تو کیوں اس قدر بے شرمی اختیار کرتا ہے اور کیوں بیہودہ عذر کرتا ہے۔ تجھے اپنے باپ آدم علیہ السلام سے سبق لینا چاہئے۔ کہ وہ گناہ کر کے عجز وانکسار پر اتر آئے۔ اور جبکہ انہوں نے حق سبحانہ کی عظمت وجلال پر نظر کی تو فوراً استغفار کے لئے کھڑے ہوگئے۔ اور غم کی بھوبل پر بیٹھ گئے اور بہانہ کیلئے ایک ٹہنی سے دوسری ٹہنی پر نہیں گئے۔ یعنی عذر ہائے بیہودہ نہیں کئے اور جبکہ انہوں نے ملائکہ کو دیکھا جو کہ بوجہ طاعت ومغفرت حق کے کامل جاندار کہلانے کے مستحق ہیں تو انہوں نے صرف ربنا ظلمنا انفسنا وان لم

تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین فرمایا۔اور کوئی عذر نہیں کیا۔یعنی انہوں نے ان ذوی الارواح کو جو کہ جانگی طرح مخفی ہیں اس حال میں دیکھا کہ وہ آسمان تک اونچے نیزے لئے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ خبردار سلیمان (حق سبحانہ) کے سامنے چیونٹی (عاجز متمسکن) بنو تا کہ یہ تیزی تمہیں نہ چھید دیں خلاصہ یہ کہ انہوں نے دیکھا کہ فرشتے عظمت حق کو بزبان حال یا بزبان قال ظاہر کررہے ہیں اور بصورت عدم عجز و تمسکن سزا کی دھمکی دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ سوائے محل راستی کے اور کہیں مت کھڑے ہو۔اور صرف راستی اختیار کرو اور کجرو نہ بنو اور چشم حق بین سے کام لو۔کیونکہ انسان کا خادم آنکھ کی برابر کوئی نہیں۔یہ بڑے کام کی چیز ہے دیکھو اندھا چونکہ آنکھیں نہیں رکھتا اس لئے اگر وہ نصیحت سے کبھی صاف بھی ہو جاتا ہے تو پھر سن جاتا ہے آپ کی چشم بصیرت بحمداللہ صحیح وسالم ہے اور آپ اندھے نہیں ہیں اس لئے آپ کو آنکھ سے کام لینا چاہئے اور تذلل و تمسکن اختیار کرنا چاہئے رہی یہ بات کہ جب آپ کی چشم حق بین صحیح وسالم ہے تو پھر آپ سے لغزش کیوں ہوئی اس کا جواب یہ ہے کہ قضاء الٰہی کی مزاحمت نہیں کی جاسکتی۔اس لئے جب حکم خداوندی کسی امر کی نسبت ہوتا ہے تو آنکھ اپنا کام نہیں کرسکتی۔پس چونکہ خدا کو یہی منظور تھا جس میں بہت ہی مصلحتیں تھیں اس لئے ایسا ہو گیا۔اس کے لئے تو بہت بڑے زمانہ کی ضرورت ہے کہ اتفاقاً بینا آدمی کنویں میں گر پڑے مگر اندھے کے یہ قضا ساتھ رہتی ہے اور وہ گرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے کیونکہ اس کی تو سرشت اور خصلت ہی اس طرح کی واقع ہوئی ہے۔ایک بات اندھے میں اور ہوتی ہے وہ یہ کہ اگر وہ پاخانہ یعنی گندگی معصیت میں گرتا ہے تو اسے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کس چیز کی بو ہے۔میری ہے یا اس کا منشاء پاخانہ یعنی کوئی امر خارجی ہے۔اور اگر کوئی اس پر مشک نثار کرتا ہے۔یعنی عمدہ حالات اس کے اندر پیدا کرتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہ بو میری ہی ہے اور یار کا احسان نہیں سمجھتا۔یعنی برائیوں کو تو اپنی طرف منسوب کرنے میں اسے تردد ہوتا ہے مگر بھلائی کو اپنی ہی طرف منسوب کرتا ہے پس اس بیان سے معلوم ہوا کہ صاحب نظر کی دو روشن آنکھیں سو ماں باپ سے بہتر ہیں کیونکہ ان کی بدولت وہ آلودگی سے محفوظ رہ سکتا ہے۔مگر ماں باپ اسے نہیں بچاسکتے بالخصوص چشم قلب جو کہ اس چشم حس کے مقابلہ میں جو چشم قلب کی خوشہ چین ہے۔ستر گونہ بڑھی ہوئی ہے وہ تو بالا ولی سو ماں باپ (واعظوں اور نصیحت گروں) سے بڑی ہوئی ہوگی۔ہائے افسوس ڈکیت (نااہل) بیٹھے ہوئے ہیں۔جنہوں نے میری زبان بند کردی ہے کہ میں ان کی مضرت کے خوف سے زیادہ نہیں کہہ سکتا۔تم سمجھو تو سہی جس کے پاؤں بندھے ہوئے ہوں وہ عمدہ چال کیونکر چل سکتا ہے پس میری بیڑی نہایت زبردست ہے۔میں کیونکر چل سکتا ہوں اس لئے مجھے معذور رکھو۔اے دل یہ بات ناقص اور ٹوٹی پھوٹی ہے اور وجہ یہ ہے کہ یہ بات ایک موتی ہے اور غیرت حق چکی وہ اس کو پیس دیتی ہے۔تاکہ نااہلوں تک نہ پہنچے۔لیکن یہ ٹوٹی پھوٹی بات بھی فائدہ سے خالی نہیں۔دیکھو اگر موتی ٹوٹتا بھی ہے تب بھی مریض کی آنکھ کا سرمہ بنتا ہے پس اے شکستہ موتی تو اپنی شکست سے سر نہ پیٹ کیونکہ اس وقت تو آنکھ کی روشنی بنے گا۔پس یوں ہی یہ

ٹوٹی پھوٹی بات بھی جو کہ پورا مطلب نہیں ادا کرتی کہنے کے قابل ہے کیونکہ حق سبحانہ غنی ہیں ان کے نزدیک کسی ٹوٹی پھوٹی بات کو کامل کر دینا کوئی بڑی بات نہیں وہ اسے ٹھیک کر دینگے اور وہ ہی کام لیں گے جو کامل اور پوری بات دیتی ہے۔ دیکھو گیہوں اگر ٹوٹ جاوے اور چور چور ہو جاوے تو کچھ نقصان نہیں ہوتا کیونکہ دوکان پر آیا اور روٹی بنا۔ پس اے عاشق جبکہ تیرا جرم ظاہر ہو چکا تو تو فضول مت نہ کر اور شکستگی اور عجز و انکسار اختیار کر کیونکہ جو آدم علیہ السلام کے خاص بیٹے ہیں وہ اپنے قصور انا ظلمنا کا شور مچاتے ہیں اور اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہیں۔ اچھا تو اپنا مطلب کہہ اور یوں جھگڑ مت جیسے بے حیا ابلیس نے نظرہ شروع کر دیا تھا اگر اس کی بے حیائی نے اس کے زعم میں اس کے عیب کو چھپا لیا تو چھپالے مگر تو عناداً اور بے حیائی کی کوشش نہ کر۔ دیکھ ابوجہل نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یوں معاندانہ معجزہ کی درخواست کی تھی جیسے کوئی کینہ ور ترک غز ہو (غز ایک قسم ہے ترکوں کی) اور اس کتے ابوجہل نے پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ چاہا اور اس نے دیکھ بھی لیا۔ مگر اس سے اسے کچھ فائدہ نہ ہوا بجز اس کے کہ اور شک بڑھا لیکن صدیق حق نے کوئی معجزہ نہیں چاہا بلکہ یہ کہا کہ جھوٹے کی صورت ایسی نہیں ہوتی پس تجھ سے مدعی عشق کو کب حق حاصل ہے کہ تکبر سے مجھ سے دوست اور محبوب کا امتحان کرے۔

شرح شبیری

ایک یہودی کا علیؓ سے کہنا کہ اگر حفاظت حق پر اعتماد ہے تو اس کھڑکی میں سے گر پڑو اور حضرت علیؓ کا اس کو جواب دینا

مرتضےٰ را گفت روزے یک عنود	کوز تعظیم خدا آگہ بنود
ایک سرکش نے ایک روز مرتضیٰؓ سے کہا	جو خدا کی تعظیم سے واقف نہ تھا

یعنی مرتضیٰؓ کو ایک روز ایک عنود نے جو کہ خدا کی تعظیم سے آگاہ نہیں تھا کہا کہ۔

برسر بامے و قصرے بس بلند	حفظ حق را واقفی اے ہوشمند
بالاخانہ اور بہت بلند قلعہ پر	اے ہوشمند! آپ اللہ کی نگہبانی سے واقف ہیں

یعنی اے عاقل ایک بہت اونچے کوٹھے اور محل کے اوپر تم حفاظت حق کے معتقد ہو؟

گفت آرے او حفیظ است و غنی	ہستی مارا از طفلی و منی
فرمایا ہاں وہ نگہبان ہے اور بے نیاز ہے	بچپن اور نطفہ (کی حالت) سے ہمارے وجود کا

یعنی حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ہاں وہ ہماری ہستی کا بچپن سے اور وجود کے وقت سے محافظ ہے اور غنی ہے۔

گفت خود را ہیں اندر را فگن ہیں زبام	اعتمادے کن بہ حفظ حق تمام
اس نے کہا ہاں اپنے آپ کو بالا خانہ سے گرا دیجئے	اللہ (تعالیٰ) کی نگہبانی پر مکمل بھروسہ کیجئے

یعنی اس یہودی نے کہا کہ اپنے کو کوٹھے سے پھینک دو اور حفاظت حق پر پورا بھروسہ کرو۔

تا یقیں گردد مرا ایقان تو	واعتقاد خوب با برہان تو
تاکہ مجھے آپ کے یقین کا یقین ہو جائے	اور دلیل کے ساتھ آپ کے اچھے اعتقاد کا

یعنی تاکہ مجھے آپ کے یقین ہونے کا اور آپ کے اچھے اور مدلل اعتقاد کا یقین ہو جاوے۔

پس امیرش گفت خامش کن برو	تا نگردد جانت ازیں جرأت گرو
تو امیرؓ نے اس سے کہا خاموش ہو جا' چلا جا	تاکہ تیری جان اس جرات سے پھنس نہ جائے

یعنی پس امیرؓ نے فرمایا کہ ارے چپکا چلا جا کہیں اس جرأت کی وجہ سے تیری جان گرو نہ ہو جاوے اس لئے کہ۔

کے رسد مر بندہ را کو با خدا	آزمائش پیش آرد ز ابتلا
بندے کو کیا حق ہے کہ وہ اللہ (تعالیٰ) کی	امتحان کے ذریعہ آزمائش کرے؟

یعنی بندہ کو کب لائق ہے کہ خدا کے ساتھ امتحان کے طور پر آزمائش کو آگے لاوے۔

بندہ را کے زہرہ باشد کز فضول	امتحان حق کند اے گیج گول
بندہ کی کیا مجال ہے کہ وہ بیہودگی سے	اے احمق بے وقوف! اللہ کا امتحان کرے

یعنی ارے بیوقوف بندہ کی کیا مجال ہے کہ فضول حق تعالیٰ کا امتحان کرے۔

آں خدا را می رسد کو امتحاں	پیش آرد ہر دمے با بندگاں
یہ خدا کو حق ہے کہ وہ آزمائے	ہر وقت بندوں کو

یعنی اس خدا کو لائق ہے کہ وہ ہر دم بندوں کے ساتھ امتحان کو سامنے لاوے۔

تا بما مارا نماید آشکار	کو چہ داریم از عقیدہ در سرار
تاکہ ہمیں اپنے آپ کو نمایاں کر کے دکھا دے	کہ ہم مخفی کیا عقیدہ رکھتے ہیں

یعنی تاکہ ہمارے میں سے ہم کو ظاہر طور پر دکھلا دے۔ جو کہ ہم عقیدہ پوشیدگی میں رکھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ بندہ کی مجال نہیں ہے کہ وہ امتحان حق تعالیٰ کا کر سکے۔ بلکہ خدا کو حق ہے کہ وہ ہمارا امتحان کرے۔ اور ہماری حالت کو اس امتحان سے ہم پر ظاہر کر دے۔ کہ تمہارا عقیدہ ضعیف ہے یا قوی۔ اور کیا حالت ہے باقی بندوں کی کیا مجال ہے اور ان کو کیا مناسب ہے کہ وہ امتحان حق کریں۔

ہیچ آدم گفت حق را کہ ترا	امتحاں کردم دریں جرم و خطا
(حضرت) آدم نے بھی اللہ (تعالیٰ) سے کہا کہ تیرا	اس غلطی اور خطا میں میں نے امتحان لیا ہے

یعنی کیا کسی آدمی نے حق تعالیٰ سے کہا ہے کہ میں نے آپ کا (نعوذ باللہ) اس جرم وخطا میں امتحان کیا ہے۔

تا بہ بینم غایت حلمت شہا	وہ کرا باشد مجال ایں کرا
اے شاہ! تاکہ میں تیری بردباری کی انتہا دیکھ لوں	ہاں! یہ مجال کس کو ہے؟

یعنی تاکہ اے بادشاہ میں آپ کے حلم کو دیکھوں ارے بھلا کس کو اس کی مجال ہے۔ مطلب یہ کہ بھلا کوئی آدمی خدا سے کہنے لگے کہ میں نے آپ کا امتحان اس لئے کیا تھا تاکہ مجھے معلوم ہوجائے کہ آپ کس قدر حلیم ہیں تو بھلا کس طرح کسی کو اس کی مجال ہوسکتی ہے نعوذ اللہ منہ۔

عقل تو از بسکہ آمد خیرہ سر	ہست عذرت از گناہ تو بتر
چونکہ تیری عقل گستاخ ہے	تیرا عذر گناہ سے (بھی) بدتر ہے

یعنی تیری عقل بہت ہی خیرہ سر ہے۔ اور تیرا عذر گناہ سے بھی بدتر ہے۔ مطلب یہ کہ اگر تم ایسا کرو اور نعوذ باللہ امتحان حق کرنے لگو تو سمجھ لو کہ تمہاری سخت بیہودگی ہے اور اگر اس کے بعد تم اس کا عذر یہ بیان کرو کہ میں نے آزمائش حلم کے لئے کیا تھا تو سمجھ لو کہ یہ عذر گناہ بدتر از گناہ کا مضمون ہوجائیگا۔

آنکہ او افراشت سقف آسماں	تو چہ دانی کردن او را امتحاں
وہ ذات جس نے آسمان کی چھت بلند کی ہے	تو اس کا امتحان لینا کیا جانے؟

یعنی جس نے کہ آسمان کی چھت کو بلند کیا ہے تو اس کا امتحان کرنا کیا جانے۔

اے ندانستہ تو شر و خیر را	امتحاں خود کن انگہ غیر را
اے وہ کہ تو شر اور خیر کو نہیں جانتا ہے	(پہلے) اپنا امتحان کر پھر دوسرے کا (کرنا)

یعنی اے وہ شخص کہ جو (اپنے) خیر وشر کو نہیں جانتا۔ تو اپنا امتحان تو کر اس وقت کسی دوسرے کا امتحان کرنا۔

امتحاں خود چو کردی اے فلاں	فارغ آئے ز امتحان دیگراں
اے فلاں! جب تو نے اپنا امتحان کر لیا	تو دوسرے کے امتحان سے بے نیاز ہو جائے گا

یعنی اے فلاں جب تو نے اپنا امتحان کرلیا ہے تب تو دوسرے لوگوں کے امتحان سے فارغ آ دے گا۔ مطلب یہ کہ پہلے اپنی حالت کی تو خبر لے لو اس کے بعد ہی کسی دوسرے کو امتحان کرنا۔

چوں بدانستی کہ شکر دانۂ	پس بدانی کاہل شکر خانۂ
جب تو جان لے گا کہ تو شکر کا دانہ ہے	تو تو جان لے گا کہ تو شکر خانہ (جنت) کا اہل ہے

یعنی جب تو نے جان لیا کہ تو شکر دانہ ہے تو پھر جانے گا کہ شکر خانہ کے لوگوں میں سے ہے۔ مطلب یہ کہ جب تجھے معلوم ہو جاوے گا کہ تو اچھا ہے اور جنتی ہے اس وقت تجھے کچھ کہنا زیبا ہے اور یہ معلوم ہوگا بعد مرنے کے لہٰذا اس سے پہلے کسی اور کا امتحان کرنا کس قدر سخت نادانی ہے جبکہ خود ہی خبر نہیں ہے کہ ہم کس حال میں ہیں اچھے یا برے۔

پس بداں بے امتحانے کہ الٰہ	شکرے نفرستدت تا جائیگاہ
پس جان لے کہ امتحان لئے بغیر' خدا	بے موقع تیرے لئے شکر نہیں بھیجے گا

یعنی بس جان لو کہ بے امتحان کے حق تعالیٰ تمہاری جگہ پر شکر نہ بھیجیں گے۔

ایں بداں بے امتحاں از علم شاہ	چوں سری نفرستدت در پائگاہ
یہ جان لے کہ بغیر امتحان کے جبکہ تو اللہ کے علم میں	سردار ہے' تجھے جوتیوں کی جگہ نہ بھیجے گا

یعنی اس کو جان لو کہ علم شاہ میں سے بے امتحان کے کوئی بھید مقام تک نہ بھیجیں گے۔ مطلب یہ کہ بے امتحان کے حق تعالیٰ کے علم سے تم کو کوئی سر پہنچ نہیں سکتا بلکہ ہمیشہ امتحان ہوگا۔

ہیچ عاقل افگند در ثمیں	درمیاں مستراح پر چمیں
کیا کوئی عقلمند قیمتی موتی پھینکتا ہے	نجاست سے بھرے ہوئے بیت الخلاء میں؟

یعنی کیا کوئی عاقل قیمتی موتی کو میلا بھرے ہوئے بیت الخلاء میں ڈال دے گا۔

زانکہ گندم را حکیم آگہے	ہیچ نفرستد بانبار کہے
کیونکہ کوئی باخبر دانا گیہوں کو	بھوسے کے انبار میں نہیں ڈالتا ہے

یعنی اس لئے کہ گیہوں کو کوئی حکیم آگاہ کسی گھاس کے ڈھیر میں تو نہ بھیجے گا۔ مطلب یہ کہ دیکھو کوئی شخص موتی کو پاخانہ میں نہیں ڈال دیتا۔ بلکہ خوب سوچ سمجھ کر اور دیکھ بھال کر ڈالتا اور رکھتا ہے۔ علیٰ ہذا کوئی شخص گیہوں کو گھاس میں نہیں پھینک دیتا۔ تو بس اسی طرح حق تعالیٰ بھی تمہارا امتحان کریں گے اور بعد امتحان کے اسرار و معارف تم کو بخشیں گے لیکن تم کو کوئی حق نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کا امتحان کرو۔ اس لئے کہ تم بندے اور وہ خدا ہے۔ اور تم اس کو کیا شے بخشو گے جو تم امتحان کرنے بیٹھو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

شیخ را کہ پیشواؤ رہبر است	گر مریدے امتحاں کرد او خر است
وہ شیخ جو پیشوا اور رہبر ہے	اگر مرید اس کو آزمائے تو وہ (مرید) گدھا ہے

یعنی شیخ کا جو کہ پیشوا اور رہبر ہے اگر کوئی مرید امتحان کرے تو وہ گدھا ہے۔

امتحانش گر کنی در راہ دیں	ہم تو گردی ممتحن اے بے یقیں
اگر تو دین کے راستے میں اس کا امتحان کریگا	اے شکی! تو خود امتحان میں پڑ جائے گا

یعنی اس (شیخ) کا امتحان تم راہ دین میں کرو تو خود تم ہی ممتحن ہو جاؤ گے۔ اے بے یقین۔ مطلب یہ کہ اگر شیخ کا امتحان مرید دین میں کرنے لگے تو خود اس مرید ہی کا امتحان ہو جاوے۔ اور اس ہی کی قلعی کھل جاوے اس لئے کہ خود ممتحن کے لئے بھی تو عالم ہونا ضروری ہے۔ اور تم ایسے ہو نہیں اور اس شیخ کے پایہ کے نہیں ہو تو آخر ذلیل و خوار ہو گے اور کیا ہو گا۔

جرأت و جہلت شود عریاں وفاش	او برہنہ کے شود زیں اقتباس
تیری بیباکی اور جہالت ننگی اور ظاہر ہو جائے گی	وہ اس تفتیش سے ' ننگا کب ہو گا؟

یعنی جرأت اور جہل تیرا ظاہر اور فاش ہو جاوے گا۔ اور وہ اس جستجو سے کب برہنہ ہو گا۔ یعنی اس امتحان سے اس کا تو کوئی ضرر نہ ہو گا مگر تمہارا جہل سب کو معلوم ہو ہی جاوے گا۔

گر بیاید ذرہ سنجد کوہ را	برد روزاں کہ ترازوش اے فتیٰ
اگر ذرہ پہاڑ کو تو لے	اے نوجوان! ان پہاڑ سے اس کی ترازو ٹوٹ جائے گی

یعنی اگر ذرہ آوے کہ پہاڑ کو تو لے۔ تو اے جواں اس پہاڑ سے اس ذرہ کی ترازو ٹوٹ جاوے گی کیونکہ۔

کز قیاس خود ترا زوی تند	مرد حق را در ترازو می کند
کیونکہ وہ اپنے انداز ے سے ترازو بناتا ہے	اللہ (تعالیٰ) کے ولی کو ترازو میں رکھتا ہے

یعنی اس لئے کہ اپنی لائق ہی ترازو بناوے گا اور مرد حق کو ترازو میں کریگا۔

چوں نگنجد او بمیزان خرد	پس ترازوئے خرد را بر درد
جبکہ وہ عقل کی ترازو میں نہیں سماتا ہے	تو عقل کی ترازو کو توڑ ڈالتا ہے

یعنی جب وہ عقل کی ترازو میں نہ سماوے تو وہ عقل کی ترازو کو توڑ دے گا۔ مطلب یہ کہ شیخ کی امتحان کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی ذرہ ایک پہاڑ کو تولنا چاہے تو ظاہر ہے کہ جیسا خود ذرہ ہے اسی طرح کی ترازو بھی ہو گی یعنی کمزور اور لچر ہو گی تو پہاڑ اس کو ایکدم میں توڑ دے گا۔ اسی طرح مرید جب امتحان شیخ کریگا تو اس کا آلہ امتحان بھی ایسا ہی ہو گا۔ جیسا وہ خود ہے۔ لہذا اس شیخ کے آگے آ کر اس کا آلۂ امتحان ٹوٹ پھوٹ جاوے گا۔

امتحاں ہمچوں تصرف داں درو	رو تصرف بر چناں شاہے مجو
امتحان لینا' اس میں تصرف کرنے کی طرح سمجھ	جا' ایسے شاہ پر تصرف نہ کر

یعنی امتحان مثل تصرف کے اس میں جانو تو تم ایسے بادشاہ پر تصرف مت ڈھونڈو۔ مطلب یہ کہ کسی کا امتحان کرنا تو اس کے اندر تصرف کرنا ہے تو بھلا ایسے شاہ زمین و زمان پر تصرف کرنے کی جرأت کرنا سخت نالائق ہے ایسا خیال کبھی مت کرنا۔ کیونکہ۔

چوں تصرف کرد خواہد نقشہا	برچناں نقاش بہر ابتلاء
نقوش' کیا تصرف کر سکیں گے	ایسے نقاش پر آزمانے کے لئے

یعنی جب تصرف کرے گا تو اس کو بہت سے نقوش کی ایسے نقاش پر امتحان کے واسطے ضرورت ہوگی۔ مطلب یہ کہ تصرف کے لئے ضرورت ہوتی ہے اس امر کی کہ اس سے پہلے سے بہت سے نقوش ایسے ہوں جن سے اندازہ ہو سکے کہ آیا یہ امتحان میں ٹھیک ہے یا غلط ہے تو بھلا حق تعالیٰ کے امتحان کے لئے کون سے نقوش آویں گے بلکہ اصل تو یہ ہے کہ۔

امتحانے گر بدانست و بدید	نے کہ ہم نقاش آں بروئے کشید
اگر (ان نقوش نے) امتحان لینا جانا اور سمجھا ہے	کیا نقاش ہی نے ان کو اس پر نقش نہیں کیا ہے؟

یعنی اگر کوئی امتحان اس لئے جانا ہے اور دیکھا ہے تو کیا اس نقاش نے اس پر نہیں بنایا۔ مطلب یہ کہ جو امتحان یہ کر رہا ہے اس کو بھی تو حق تعالیٰ ہی نے اسے بتایا ہے ورنہ اس کو کہاں خبر تھی۔ اور اگر اس کو پیدا نہ فرماتے تو یہ امتحان کے قابل ہی کہاں سے ہوتے۔ اور اگر اس کے ذہن میں امتحان کی۔ یہ صورت نہ ڈالتے تو یہ کہاں سے اس کو پیدا کر لیتے۔ لہٰذا اسی سے اندازہ کر لو کہ۔

چہ قدر باشد خود ایں صورت کہ بست	پیش صورتہا کہ در علم ویست
یہ صورت جو اس نے قائم کی ہے خود کیسی ہوگی	ان صورتوں کے بالمقابل جو اس کے علم میں ہیں

یعنی اس شخص نے جو صورت باندھی ہے۔ یہ ان صورتوں کے آگے جو حق تعالیٰ کے علم میں ہیں کیا قدر رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ اس کے علم کے آگے اس کا یہ خیال امتحان کیا حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے علم میں ایسے ایسے غیر متناہی صورتیں ہیں اس کے امتحان کا خیال کرنا بھی کیسی نادانی اور کیسی حماقت ہے آگے بطور نصیحت کے فرماتے ہیں کہ۔

وسوسۂ ایں امتحاں چوں آیدت	بخت بدداں کامد و گردن زدت
جبکہ اس امتحان کا تجھے وسوسہ آیا	تو سمجھ کہ بدنصیبی آئی اور اس نے تیری گردن مار دی ہے

یعنی اس امتحان کا وسوسہ تجھے آوے تو اس کو بدبختی سمجھو۔ کہ اس نے تمہاری گردن ماری ہے۔

چوں چنیں وسواس دیدے زود زود	با خدا گرد و در آ اندر سجود
جب تو ایسے وسوسے محسوس کرے بہت جلد	خدا سے رجوع کر اور سجدے میں گر

یعنی جب تو ایسا وسوسہ دیکھے تو جلدی سے خدا کی طرف متوجہ ہو جا۔ اور سجدہ میں آ جا۔

سجدہ گہ را ترا کن از اشک رواں	کاے خدایا وارہانم زین گماں
سجدہ کی جگہ کو اپنے آنسوؤں سے تر کر دے	کہ اے خدا مجھے اس گمان سے نجات دیدے

یعنی سجدہ کی جگہ کو آنسوؤں سے تر کر دو۔ (اور دعا کرو) کہ اے خدا مجھے اس خیال سے بچا لے۔

آزماں کت امتحاں مطلوب شد	مسجد دین تو پر خروب شد
جس وقت امتحان کرنا تیرا مقصود بنا	تیرے دین کی مسجد خروب (گھاس) سے بھر گئی

یعنی جس وقت کہ تجھے یہ امتحان مطلوب ہوا تیرے دین کی مسجد اس وقت خروب سے پر ہوگئی (خروب ایک گھاس ہے وہ جہاں اگتا ہے زمین خراب کر دیتا ہے) تو کہتے ہیں کہ جب تجھے ایسا خیال آیا کہ تو امتحان حق کرے تو سمجھ لے کہ تیرا دین خراب ہوگیا۔

ہیں چو وسواس آمدت در امتحاں	باز گرد و رو بحق آر آں زماں
خبردار جب آزمانے کے سلسلہ میں تجھے وسوسے آئیں	پلٹ جا اور فوراً اللہ (تعالیٰ) کی طرف رخ کر لے

یعنی ارے جب تجھے امتحان کے وسوسے آئیں تو تو حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو اور منہ حق تعالیٰ کی طرف موڑ۔

تا نگہدارد ترا آں ممتحن	از گماں امتحاں انس و جن
تاکہ وہ امتحان لینے والا تجھے محفوظ رکھے	انس و جن کے گمان اور امتحان سے

یعنی تاکہ وہ امتحان کرنے والا تجھے انسان اور جن کے وساوس امتحان سے بچائے۔ یعنی جن اور انسان جو امتحان حق کے وسوسے ڈالتے ہیں اس سے حق تعالیٰ تم کو بچالیں اور اپنی حفاظت میں رکھیں چونکہ اوپر کہا تھا کہ اگر تم امتحان حق کرو گے تو تمہارے دین کی مسجد یعنی دین پر خروب ہو جاوے گا۔ یعنی دین خراب ہو جاوے گا۔ پس اس مناسبت سے آگے داؤد علیہ السلام کا مسجد اقصیٰ کو بنانے کا قصد کرنے کا اور پھر اس مسجد کا خراب ہو جانا اور اس میں خروب کا اگنا غرضکہ صرف اس مناسبت سے آگے اس قصہ کو اول سے بیان فرماتے ہیں۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ

اے ضیاء الحق حسام الدین بیا	قصۂ داؤد بر گوؤ بنا
اے ضیاء الحق حسام الدین آ جا	(حضرت) داؤدؑ اور تعمیر کا قصہ سنا

یعنی اے ضیاء الحق حسام الدین آؤ اور داؤد علیہ السلام اور تعمیر مسجد کا قصہ بیان کرو۔ مطلب یہ کہ داؤد علیہ السلام کے مسجد اقصیٰ کے بنانے کا قصہ بیان کرو کہ کس طرح وہ بنانا چاہتے تھے۔ اور وہ خراب ہو جاتی تھی آگے قصہ بیان فرماتے ہیں سنئے۔

مسجد اقصیٰ کا قصہ اور اس میں خروب اگنے کا اور سلیمان علیہ السلام سے پہلے داؤد علیہ السلام کا مسجد کے بنانے کا قصد کرنا اور اس کا موقوف رہنا

چوں درآمد عزم داؤدی بہ تنگ	کہ بسازد مسجد اقصیٰ بہ سنگ
جب داؤدی ارادہ سخت ہو گیا	کہ مسجد اقصیٰ کی پتھر سے تعمیر کریں

یعنی جب داؤد علیہ السلام کا قصد تنگ ہو گیا کہ وہ مسجد اقصیٰ کو پتھر سے بناویں۔ مطلب یہ کہ داؤد علیہ السلام یہ قصد کرتے تھے کہ مسجد اقصےٰ کو پتھر کی عمارت سے پوری کر دیں لیکن جب وہ بناتے تھے اس میں سے کچھ نہ کچھ خراب ہو جاتا تھا۔ اور وہ پوری نہ ہوتی تھی۔ تو وہ قصد کرتے کرتے تنگ ہو گئے اور مسجد پوری نہ ہوئی۔

وحی کردش حق کہ ترک ایں بخواں	کہ زدستت برنیاید ایں مکاں
اللہ نے ان کو وحی بھیجی کہ یہ چھوڑ	کیونکہ تیرے ہاتھ سے یہ مکان تعمیر نہ ہوگا

یعنی حق تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی کہ تم اس کو چھوڑ دو کہ تمہارے ہاتھ سے یہ مکان پورا نہ ہوگا۔

نیست در تقدیر ما آنکہ تو ایں	مسجد اقصےٰ براری اے گزیں
ہماری تقدیر میں یہ نہیں ہے کہ تو اس	مسجد اقصیٰ کو اے منتخب! بلند کرے

یعنی اے برگزیدہ ہماری تقدیر میں یہ بات نہیں ہے کہ تم اس مسجد اقصےٰ کو پورا کرو مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے جو امور مقدر کر رکھے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس مسجد اقصےٰ کو تم پورا نہیں کر سکتے۔ اور یہ تمہارے ہاتھوں پوری نہ ہوگی۔

گفت جرمم چیست اے دانائی راز	کہ مرا گوئی کہ مسجد رامساز
انہوں نے کہا اے رازوں کے جاننے والے امیری کیا خطا ہے	کہ آپ مجھ سے فرماتے ہیں کہ مسجد نہ بنا

یعنی داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے دانائے راز میری کیا خطا ہے کہ جو آپ مجھ سے (تکویناً) فرماتے ہیں کہ مسجد کو مت بنا۔ مطلب یہ کہ جب مسجد ان کے ہاتھوں پوری نہ ہوئی اور جب وہ بناتے تھے جب ہی کوئی خرابی اس میں واقع ہو جاتی تھی۔ اگرچہ حق تعالیٰ نے اس سے قبل ان کو صراحۃً ممانعت نہیں کی تھی کہ تم نہ بناؤ اور نہ اس کی اطلاع کی تھی کہ تقدیر حق اس طرح ہے کہ یہ مسجد تمہارے ہاتھوں پوری نہ ہوگی۔ لیکن ان کا یہ فرمانا کہ آپ مجھے منع فرماتے ہیں اس معنی کر ہے کہ آپ تکویناً منع کر رہے ہیں کہ میں بناتا ہوں اور آپ بننے نہیں دیتے تو آخر میرا کیا جرم ہے۔ جس کی وجہ سے یہ بات ہو رہی ہے۔ اور اب یہ معلوم ہوئی گیا کہ میری تقدیر میں اس کو پورا کرنا ہے ہی نہیں۔ تو اس پر ارشاد ہوا کہ۔

گفت بے جرمے تو خونہا کردۂ	خون مظلوماں بگردن بردۂ
فرمایا تو نے بغیر کسی جرم کے بہت خون کئے ہیں	مظلوموں کے خون گردن پر لئے ہیں

یعنی ارشاد حق ہوا کہ تم نے بلا کسی جرم کے بہت سے خون کئے ہیں اور مظلوموں کے خون کو تم نے گردن پر لیا ہے۔

کہ ز آواز تو خلقے بے شمار	جاں بدادند و شدند آں را شکار
کیونکہ بے شمار لوگوں نے تیری آواز سے	جان دیدی اور وہ اس کے شکار بن گئے

یعنی کہ تمہاری آواز سے ایک بے شمار خلقت نے جان دیدی ہے اور اس آواز کے شکار ہو گئے ہیں۔

خوں بسے رفت است برآواز تو	بر صدائے خوب جان پرواز تو
تیری آواز پر بہت خون ہوئے ہیں	تیری حسین جان کو مشغول کرنے والی آواز کی وجہ سے

یعنی تمہاری آواز پر بہت سے خون چلے ہیں تمہاری آواز خوب جان کو خالی کر دینے والی ہے۔ مطلب یہ کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ یاالٰہی میری کیا خطا ہے جو یہ مسجد میرے ہاتھوں پوری نہ ہوگی تو اس پر ارشاد ہوا کہ تمہاری یہ خطا ہے کہ تمہاری جو آواز اچھی ہے اس سے بہت سے لوگ مرے ہیں بس اس وجہ سے تمہارے ہاتھوں یہ کام پورا نہ ہوگا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام زبور کی تلاوت فرماتے تھے تو اس قدر لوگوں پر گریہ طاری ہوتا تھا کہ لوگ روتے روتے مرجاتے تھے اور آپ کی مجلس میں سے کئی کئی جنازے ایک ساتھ اٹھا کرتے تھے۔ تو ارشاد حق ہوا کہ تمہارا یہ جرم ہے کہ تم نے بہت سے بے خطا لوگوں کا خون کیا ہے۔ اب یہاں یہ سمجھ لو کہ اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس لوگوں کے مرجانے سے حضرت داؤد علیہ السلام نعوذ باللہ گنہگار ہوتے تھے اور ان لوگوں کے خون ان کی گردن پر رہتے تھے ہرگز نہیں۔ حاشا وکلاء۔ بلکہ بات یہ ہے کہ بعض امور میں تکوینا علاقہ ہوتا ہے کہ اگر ایسا ہوگا تو اس پر یہ اثر مرتب ہوگا۔ خواہ فاعل گنہگار ہو یا اس کو ثواب ملے جو بھی ہو لیکن تکوینا بعض اشیاء میں علاقہ ہوتا ہے تو اسی طرح یہاں بھی حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز سے لوگوں کے مرجانے کو تکوینا اس سے علاقہ تھا۔ کہ یہ تعمیر مسجد اقصےٰ نہ کر سکیں گے۔ باقی ان کو ذرہ برابر بھی اس کا گناہ نہ ہوتا تھا۔ کہ کیوں یہ خون ہوئے خوب سمجھ لو۔ بس اس علاقہ تکوینی ہی کی وجہ سے وہ مسجد نہ بنتی تھی اور اس کو جرم کہہ دینا صرف ظاہراً ہے ورنہ اصل جرم ہرگز نہیں ہے۔ خوب سمجھ لو۔ اس کو سن کر حضرت داؤد علیہ السلام عرض کرتے ہیں کہ۔

گفت مغلوب تو بودم مست تو	دست من بر بستہ بود از دست تو
انہوں نے عرض کیا میں تجھ سے مغلوب اور تیرا مست تھا	میرا ہاتھ تیرے ہاتھ سے بندھا ہوا تھا

یعنی داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں تو آپ کا مغلوب اور آپ کا مست تھا اور میرے ہاتھ تو آپ کے ہاتھ سے بندھے ہوئے تھے۔ مطلب یہ کہ انہوں نے عرض کیا کہ یاالٰہی اس میں میرا کیا جرم ہے میں تو بالکل بے اختیار تھا تمام افعال سب آپ ہی صادر کراتے ہیں اس میں میرا کیا اختیار تھا اور عرض کیا کہ۔

نے کہ ہر مغلوب شہ مرحوم بود	نے کہ المغلوب کالمعدوم بود
کیا ایسا نہیں ہے کہ شاہ کا مغلوب قابل رحم ہوتا ہے؟	کیا ایسا نہیں ہے کہ مغلوب معدوم کی طرح ہوتا ہے؟

یعنی کیا یہ بات نہیں ہے کہ مغلوب شہ مرحوم ہوتا ہے اور کیا یہ بات نہیں ہے مغلوب مثل معدوم کے ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ انہوں نے عرض کیا کہ جو شخص کسی کا تابع محض اور مغلوب ہو وہ تو قابل رحم ہوتا ہے اور جو شخص مغلوب ہوتا ہے وہ تو معدوم کی طرح ہوتا ہے اس کا تو بذاتہ کوئی اختیار ہوتا ہی نہیں۔ تو پھر میری اس میں کیا خطا

ہے آگے اس کا جواب ہے جس کو اجمالاً حضرت والا دام ظلہم نے خود اپنے قلم سے تحریر فرما کر عطا فرمایا ہے اول اس کو بعینہ درج کرتا ہوں اس کے بعد ایک ایک شعر کا مطلب انشاء اللہ عرض کروں گا۔ وھو ھذا "گفت اے مغلوب الخ یہاں سے جواب ہے سوال داؤد علیہ السلام کا کہ میں اس امر میں غیر مختار ہوں اور یہاں ایک نفس جواب ہے ایک ترقی فی الجواب ہے۔ پس نفس جواب تو یہ ہے کہ تم غیر مختار نہیں ہو بلکہ اس طرح مختار ہو کہ تلاوت بکیفیت خاص (کہ ایسے آثار ترتب کے انعدام کا قصد نہیں کیا) تمہارا فعل اختیاری ہے۔ اور اس سے یہ ہلاک ناشی ہوا۔ تو نظراً الی تقرب داؤد علیہ السلام یہ امر خلاف اولیٰ ہوا۔ تم اس پر بھی قادر تھے کہ انعدام مذکور کا قصد کرتے تو یہ آثار مرتب نہ ہوتے۔ تو ایسا کیوں نہ کیا۔ یہ تو نفس جواب ہو گیا۔ دوسرا ترقی فی الجواب ہے وہ یہ کہ تم ایسے مختار ہو کہ اوروں سے بھی زیادہ ہو اس طرح کہ تم فانی ہو اور فانی فی الحق بوجہ اتصاف بصفات الحق اختیار میں بھی اوروں سے اکمل ہے پس اشعار ایں چنیں معدوم کو از خویش رفت الخ اسی ترقی جواب کی تقریر ہیں اور چونکہ ترقی فی الجواب نفس جواب کو بھی مستلزم ہے اس لئے نفس جواب کی مستقل تقریر کی ضرورت نہ ہوئی۔ انتہی بلفظہ اب اس اجمال کو اشعار سے سمجھ لو۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔

گفت اے مغلوب معدومیت کو	جز بہ نسبت نیست معدوم انصتوا
(اللہ نے) فرمایا اے مغلوب! تیرا معدوم ہونا کہاں ہے؟	معدوم ہونا محض نسبتی ہوتا ہے سنو

یعنی ارشاد حق ہوا کہ اے مغلوب تیری معدومی کہاں ہے بجز معدوم نسبی کے نہیں ہے چپ رہو۔ مطلب یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے عرض کرنے پر یہ ارشاد حق ہوا کہ تم مغلوب سہی لیکن اس سے عدم اختیار تو لازم نہیں آتا اس لئے کہ وہ جو عدم اختیار ہے وہ تو امر نسبی ہے کیونکہ انسان کی جو صفات ہیں وہ مظہر ہیں۔ صفات حق کا تو اختیار انسانی بھی مظہر ہے۔ اختیار حق کا سو اگر اس مظہریت کی نسبت سے دیکھو گے کہ بہ اعتبار ظاہر کے اس مظہر میں کیا نسبت ہے اس وقت تو وہ مغلوب ہوں گے اور فانی کہلائیں گے اور اگر قطع نظر اس مظہریت کے دیکھا جاوے تو اختیار موجود ہے کہ انسان جو کام کرتا ہے اپنے اختیار سے کرتا ہے لہٰذا اس پر جرم بھی قائم ہوتا ہے اور اس اختیار ہی کی بدولت اس کو انعامات بھی ملتے ہیں تو اب یہاں بھی حضرت داؤد علیہ السلام کے اختیار میں یہ بات تھی کہ اپنی اس کیفیت کو روک لیتے کہ جس سے یہ آثار مرتب نہ ہوتے۔ اس لئے کہ تجربہ ہے کہ اگر کوئی صاحب حال کسی امر کو بیان کرے تو اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ وہ اس بیان کے وقت اس امر کا قصد کرے کہ سامعین پر اس کا فلاں اثر مرتب ہو تو اس قصد سے جس کو کہ تصرف کہتے ہیں وہ اثر سامعین پر ہو جاتا ہے اگر چہ عارفین کاملین نے اس امر کو پسند نہیں کیا اس لئے کہ اس کے اندر بھی ایک استقلال اور خود مختاری جیسی شان ہے کہ یہ خود متصرف بنتے ہیں تو کاملین اور عارفین اس کو بھی پسند نہیں فرماتے۔ کہ ہم اپنے اتنے نام کے تصرف اور اختیار کو بھی ظاہر کریں جیسا کہ ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ العارف لا ھمۃ لہ کہ عارف کو ہمت نہیں رہتی اور ہمت سے مراد تصرف ہے یعنی

عارف تصرف نہیں کیا کرتے۔ اس لئے کہ وہ اپنے کو اس درجہ پر سمجھتے ہی نہیں جو وہ تصرف کریں لہذا اگر چہ یہ کاملین کے نزدیک محمود نہیں لیکن اگر کوئی صاحب حال اس قسم کا تصرف کرنا چاہے تو اس کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نہ قصد تصرف ہو اور نہ کف ہو بلکہ طبیعت کو آزاد چھوڑ دیا جاوے کہ خواہ اثر مرتب ہو یا نہ ہو اس میں بھی اثر ہوتا ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ یہ قصد کرے کہ اثر نہ ہو اس صورت میں ہرگز اثر نہیں ہو سکتا۔ اس کی تائید میں ایک قصہ حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم کا جس کو راقم نے خود حضرت حکیم الامۃ دام ظلہم سے ہی سنا ہے عرض کرتا ہے وہ یہ کہ فرمایا کہ ایک مرتبہ کانپور میں محرم کے زمانہ میں بعض لوگوں کی یہ رائے ہوئی کہ آج کل جو سنی اکثر مرثیوں میں جا کر شریک ہوتے ہیں اور مجلس میں شریک ہوتے ہیں اس کی زیادہ وجہ یہ ہے کہ وہاں ان کو حصے ملتے ہیں ورنہ اور کوئی غرض نہیں ہوتی اس لئے اگر یہاں بھی ایسا انتظام ہو جاوے کہ بطور وعظ کے بیان ہو جایا کرے جس سے لوگوں کو احکام بھی معلوم ہوں گے اور وہاں جانے سے بھی رکیں گے۔ غرض کہ اس کے لئے ایک مکان تجویز ہوا اور اس میں حضرت حکیم الامۃ نے بیان حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے لے کر بالترتیب آخیر تک سب کی وفات کا ایک ایک دن کیا تو ان بیانوں میں لوگوں کی یہ حالت ہوئی کہ ماہی بے آب کی طرح لوٹے جاتے تھے آخر ایک روز وہ ہوا کہ حضرت امام حسینؓ کی وفات کے بیان کا نمبر آیا۔ اس روز اکثر سنی اور تمام شیعی حضرات خوب اہتمام کر کے آئے تھے کہ آج خوب روویں گے اور ماتم کریں گے لیکن حضرت حکیم الامۃ کو اس کا پہلے سے خیال تھا لہذا اس کا یہ انتظام فرمایا کہ بیان کے وقت یہ قصد فرمایا کہ کسی کو رونا نہ آوے اور اس بیان کا کسی پر اثر نہ ہو۔ پس یہ قصد کر کے حضرت شہید کربلاؓ کی شہادت کا کل قصہ بیان فرمائے اور کسی ایک شخص کا ایک آنسو بھی نہ گرا۔ حالانکہ بہت ہی کوشش بھی کی منہ بھی بنایا لیکن آنسو نہ نکل سکا بعد وعظ ہر شخص کو حیرت تھی کہ آج نہ معلوم کیا کر دیا ہے کہ باوجود اہتمام کے کوئی بھی نہ رو سکا۔ تو وجہ یہی تھی کہ روز تو طبیعت کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا اور آج کف اثر کا قصد کیا۔ پس اثر نہ ہوا۔ اب سمجھو کہ حضرت داؤد علیہ السلام پر جو جرم قائم کیا گیا اس کی بھی یہی وجہ تھی کہ اگر چہ ان کا یہ فعل غیر اختیاری تھا اور وہ مجبور تھے کیونکہ تمام افعال ان کے تابع تھے لیکن یہ چونکہ ابوالوقت اور ابوالحال تھے کہ نبی تھے اگر یہ قصد فرما لیتے کہ میری اس کیفیت کا اثر دوسروں پر نہ ہو تو ہرگز اثر نہ ہوتا اور وہ لوگ جو مر جاتے تھے نہ مرتے تو بس ان کے اختیار کو اس قدر دخل ہوا کہ انہوں نے اس کیفیت کے روکنے کا کیوں قصد نہ کیا۔ اگر قصد کف اثر کرتے تو ممکن نہ تھا کہ اثر ہو جاتا۔ جیسا کہ ابھی حضرت حکیم الامۃ کے قصہ سے معلوم ہوا بھلا جب اس زمانہ میں بعض اولیاء اس پر قادر ہیں تو جو کہ انبیاء تھے وہ تو بدرجہ اولی بلکہ اس سے بھی کہیں اور اول درجہ سے قادر تھے کہ اس کو روک لیتے اور اگر چہ باوجود اس نہ روکنے کے بھی کوئی اس میں گنہگار نہیں ہے مثلاً کسی کامل پر یہ کیفیت ہو اور وہ اس کو نہ روکے اور طبیعت کو آزاد رہنے دے اور اس سے کوئی مر جاوے۔ تو اس کو اس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔ لیکن حضرت داؤد علیہ السلام پر اس لئے جرم قائم ہوا کہ کسی نے کہا ہے کہ **حسنات الابرار سیئات المقربین** حضرت داؤد علیہ السلام

چونکہ نبی تھے اس لئے ان سے کہا گیا کہ تم کو کیوں اس طرف توجہ نہ ہوئی۔ اور کیوں اس قدر جانوں کو ہلاک کیا۔ خوب سمجھ لو اب یہاں ایک اشکال اور بھی ہوتا ہے کہ جس معنی کر حضرت داؤد علیہ السلام کو فانی کہا گیا اور کاملین کو کہا جاتا ہے کہ وہ مظہر ہیں صفات حق کے اور ظاہر مظہر کے آگے فانی ہی ہوتا ہے۔ تو اس طرح تو تمام عالم فانی ہی ہے۔ تمام عوام و خواص سب فانی ہیں پھر کاملین ہی کو کیوں اس لقب سے ملقب کیا جاتا ہے تو بات یہ ہے کہ مابہ الفرق صرف اس قدر ہے کہ جو عوام ہیں وہ تو اس کا مشاہدہ نہیں کرتے اگرچہ وہ مظہر ہیں لیکن ان کو خبر نہیں اور وہ دیکھتے نہیں اور کاملین دیکھتے ہیں اور مشاہدہ کرتے ہیں لہٰذا ان کاملین کو فانی کہا جاتا ہے اور ان کو نہیں کہا جاتا افہم یہاں تک تو اس نفس جواب کا ذکر تھا جس کو حضرت حکیم الامۃ کی تقریر میں اجمالاً آپ حضرات سن آئے ہیں آگے اس جواب سے ترقی کر کے دوسرا جواب ارشاد ہوتا ہے جس کا اجمال تو پہلے سن آئے ہیں آگے تفصیل سنئے ارشاد ہوتا ہے کہ۔

ایں چنیں معدوم کو از خویش رفت	بہترین ہستہا افتاد و زفت
ایسا معدوم جو اپنے آپ سے جدا ہو گیا ہو	وہ تو فربہ اور بہترین موجودات میں سے ہے

یعنی ایسا معدوم جو کہ اپنے سے جاتا رہا وہ تو سب موجودین سے بہتر اور قوی واقع ہوا۔

او بہ نسبت با صفات حق فنا است	در حقیقت در فنا اور ابقا است
اس کو خدا کی صفات کی نسبت سے فنا (حاصل) ہے	حقیقتاً فنا میں اس کی بقا ہے

یعنی وہ صفات حق کی نسبت کر تو فنا ہے اور حقیقت میں فنا میں اس کو بقا ہے۔ مطلب یہ کہ جس شخص نے کہ اپنی صفات کو صفات حق کا مظہر دیکھ لیا اور اس میں ان کو گم کر دیا اس کی صفات تو اور موجودات کی صفات سے بہت زیادہ قوی ہوں گی۔ اس لئے کہ وہ اپنی صفات کے لئے ایک بہت بڑی زبردست قوت پاتا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ میری جس قدر بھی صفات ہیں وہ اس قادر مطلق کی صفات کا ظل ہیں جو کہ اکمل بجمیع صفات الکمال ہے۔ پھر جب اس کو اس قدر بڑی پشت و پناہ ملتی ہے تو اس کو جس قدر قوت بھی ہو کم ہے تو بس جب کسی نے اپنے اختیار کو اختیار حق کے تابع اور اس میں فنا مشاہدہ کر لیا تو وہ تو اور سب سے زیادہ مختار اور صاحب اختیار ہو گا اور اس کا اختیار تو سب سے قوی ہو گا۔ لہٰذا حضرت داؤد علیہ السلام سے ارشاد ہوتا ہے کہ جب تم نے اپنے اختیار کو اختیار حق میں فنا کر ڈالا تو تم تو اور زیادہ مختار ہوئے نہ کہ غیر مختار ہوئے پھر تمہارا کہنا کہ میں بے اختیار تھا کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے۔ اس کی قدرت اور اس کے اختیار کی تو یہ حالت ہو جاتی ہے کہ۔

جملۂ ارواح در تدبیر اوست	جملہ اشباح در تیر اوست
تمام روحیں اس کے انتظام میں ہیں	تمام اجسام بھی اس کی قدرت میں ہیں

یعنی تمام ارواح اس کی تدبیر میں ہیں اور تمام اجسام اس کی تاثیر میں ہیں۔ مطلب یہ کہ وہ اس قدر قوی ہو

جاتا ہے کہ اگر تمام ارواح کی تدبیر اس کے متعلق کردی جاوے تو وہ سب کی تدبیر کرسکے اور پھر اس تدبیر روحانی سے اجسام پر بھی آثار مرتب ہوں مثلاً اس نے روح میں کوئی تدبیر کی اس سے خشوع پیدا ہوا تو جسم پر بھی خشوع کا اثر ہونے لگا۔ تو وہ موثر فی الاجسام و مدبر فی الارواح ہو جاتا ہے لہٰذا حاصل ارشاد ہوتا ہے کہ۔

آنکہ او مغلوب اندر لطف ماست	نیست مضطر بلکہ مختار ولاست
جو ہماری مہربانی میں مغلوب ہے	وہ مجبور نہیں ہے بلکہ دوستی کی وجہ سے بااختیار ہے

یعنی جو شخص کہ ہمارے لطف میں مغلوب ہو گیا وہ مضطر نہیں ہے بلکہ مختار ہے دوستی کا۔ مطلب یہ کہ ارشاد حق ہوتا ہے کہ جس نے اپنے اختیار کو ہمارے اختیار میں فانی مشاہدہ کرلیا وہ اس قرب کی وجہ سے اور زیادہ مختار ہو گیا۔ وہ غیر مختار ہرگز نہیں ہے۔

منتہائے اختیار آنست خود	کاختیارش گردد اینجا مفتقد
خود اختیار کا اخیر یہ ہے	کہ اس کا اختیار اس جگہ گم ہو جائے

یعنی اختیار کا انتہائی درجہ خود یہ ہے کہ اس (مختار) کا مختار اس جگہ (یعنی اختیار حق کے آگے) گم ہو جاوے۔ مطلب یہ کہ جس کا اختیار مختار حقیقی کے آگے فنا اور گم ہو گیا اس کو تو پورا اختیار اور اس کا انتہائی درجہ میسر ہو گیا آگے فرماتے ہیں کہ۔

اختیارش گر نبودے چاشنی	کے بگشتے آخر او محو از منی
اگر اس کا اختیار لذیذ نہ ہوتا	تو وہ خودی سے محو کیوں ہوتا؟

یعنی اگر اختیار حق اس کی چاشنی نہ ہوتی تو وہ ہستی سے محو کیوں ہوتا۔ مطلب یہ کہ اگر اسے اختیار حق کا مشاہدہ نہ ہو گیا ہوتا تو وہ اپنی ہستی اور اپنے اختیار کو کیوں زائل کرتا۔ اس سے خود معلوم ہوتا ہے کہ اس کو کوئی ایسی لذت ملی ہے کہ جس سے اس نے اپنی ہستی کو بھی خیر باد کہہ دیا اور وہ اس میں ہی محو ہو گیا۔ اور ضرور اس کو اس کے اختیار سے زیادہ کوئی اختیار حاصل ہوا ہے جس سے کہ وہ اپنے اختیار کو مٹا چکا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

در جہاں گر لقمہ و گر شربت است	لذت او فرع محو لذت است
دنیا میں خواہ کوئی لقمہ یا کوئی گھونٹ ہے	اس کی لذت محو کی لذت کی شاخ ہے

یعنی جہاں میں اگر کوئی لقمہ اور کوئی شربت ہے تو وہ اس محو لذت ہی کی لذت ہے۔ مطلب یہ کہ ان کو جہان میں جس شے میں بھی لطف آتا ہے اور لذت ملتی ہے وہ اسی وجہ سے ملتی ہے کہ پہلے لذات کو مٹا چکے ہیں۔

گرچہ از لذات بے تاثیر شد	لذتے بود او و لذت گیر شد
اگرچہ وہ لذتوں سے بیگانہ ہو گیا ہے	وہ (بھی) ایک لذت تھی جس لذت کو اس نے حاصل کرلیا

یعنی اگرچہ لذات سے بے تاثیر ہوگیا (لیکن) اس کی ایک لذت تھی جس کا وہ لذت گیر ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ اگرچہ بظاہر اس نے تمام لذات کو فنا کیا ہے لیکن اس کو ایک لذت ایسی مل گئی ہے کہ اس مجموعہ لذات میں بھی وہ لذت نہ تھی جو اس ایک میں ہے۔ اس لئے اس نے ان سب کو ترک کر کے ایک لذت کو لے لیا آگے فرماتے ہیں کہ۔

در بحار رحمتش معدوم گشت	ہر کہ او مغلوب شد مرحوم گشت
وہ اس کی رحمت کے سمندروں میں معدوم ہو گیا	جو مغلوب ہوا وہ مرحوم ہو گیا

یعنی جو شخص کہ مغلوب ہوا وہ مرحوم ہوا اور حق تعالیٰ کے بحار رحمت میں معدوم ہوا۔

ہیچ بروے چربد اندر گاہ جود	نے چناں معدوم کز اہل وجود
کوئی سخاوت کے وقت اس پر غالب آ سکے	ایسا معدوم نہیں کہ موجود میں سے

یعنی نہ ایسا معدوم کہ موجودات میں سے کوئی اس پر جود میں غالب آ جاوے۔

بے گماں و بے نفاق و بے ریا	بلکہ والی گشت موجودات را
بغیر گمان اور بغیر نفاق اور بغیر ریاکاری کے	بلکہ وہ موجودات کا والی بن گیا ہے

یعنی بلکہ وہ تمام موجودات کا حاکم ہو گیا۔ بے شک و شبہ کے اور بے ظاہرداری کے۔ مطلب یہ کہ اس کا وجود تو تمام موجودات سے اکمل و اعلیٰ ہوگا جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا نہ اس میں کوئی شبہ ہے نہ اس میں کوئی ظاہر داری ہے بلکہ نفس الامر یہی ہے اور اس کی شان بحیثیت مظہر حق ہونے کے یہ ہوتی ہے کہ۔

بے زمان و بے چنین و بے چناں	بے مثال و بے نشان و بے مکاں
بغیر زمانہ اور بغیر ایسے اور ویسے کے	بے مثال کے اور بے مکان اور بے نشان کے

یعنی بے مثال اور بے نشان و مکان اور بے زمان اور بے کیف ہوتا ہے۔

دم مزن واللہ اعلم بالصواب	بے شکال و بے سوال و بے جواب
دم نہ مار اور خدا زیادہ بہتر جانتا ہے	بغیر اشکال اور بغیر سوال اور بغیر جواب کے

یعنی بے اشکال کے اور بے سوال کے اور بے جواب کے پس چپ رہو واللہ اعلم بالصواب۔ مطلب یہ کہ وہ درجۂ مظہریت میں بے مثالی وغیرہ وغیرہ سب ہی کچھ ہوتا ہے۔ نہ اس میں کوئی اشکال ہے نہ اس پر کوئی سوال و جواب ہے بلکہ حقیقت یہی ہے بس آگے چپ رہو خدا کو خبر ہے کہ کیا بات ہے۔ پوری طرح بیان نہیں کر سکتے۔ لہٰذا واللہ اعلم بالصواب۔ آگے مولانا حق تعالیٰ کا داؤد علیہ السلام کو تسلی فرمانا اور اس کے آگے ارواح انبیاء و اولیاء اللہ کا باعتبار صفات کے متحد ہونا بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ محبوبہ نے کہا تھا" کے رسد ہچوں توئے را کز منی۔ امتحان ہچو من یارے کنی"۔اس پر مولانا نے مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ آدمی کو خود اپنا امتحان کرنا چاہئے نہ کہ کسی اور کا کیونکہ یہ نہایت بری بات ہے۔اور برائی کی مقدار ممتحن کے مراتب کے لحاظ سے ہے۔ چنانچہ حق سبحانہ کا امتحان نہایت مذموم ہے۔اور شیخ کا امتحان اس سے کم۔ وغیرہ وغیرہ یہ حاصل تھا اب تفصیل سنو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی معاند اور مخالف نے جو کہ عظمت خداوندی سے واقف نہ تھا۔ایک نہایت عالیشان مکان کی چھت پر یہ سوال کیا۔کہ میں خدا کے حافظ ہونے کو نہیں مانتا مگر آپ اس کے حافظ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو کیا آپ اس کو دل سے ایسا جانتے ہیں یا محض آپ کا زبانی دعویٰ ہے۔اور دل سے آپ بھی نہیں مانتے۔انہوں نے فرمایا کہ ہاں ہم تصدیق کرتے ہیں کہ وہ غنی ہے اور باوجود غنی ہونے کے بچپن اور وقت وجود سے ہماری ہستی کا محافظ ہے۔اس نے کہا اچھا تو آپ اپنے کو کوٹھے سے گرادیجئے اور خدا کی حفاظت پر کامل بھروسہ رکھئے تاکہ مجھے معلوم ہو جاوے کہ آپ واقعہ میں اس کا یقین رکھتے ہیں اور آپ لوگوں کا محض زبانی دعویٰ نہیں ہے۔اور مجھے آپ کا عمدہ اور مدلل اعتقاد متیقن ہو جاوے اور اس سے مجھے معلوم ہو جاوے کہ خدا حافظ ہے کیونکہ اب تک تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ خود آپ لوگ بھی خدا کو حافظ نہیں جانتے۔ بلکہ یہ آپ لوگوں کا اختراع ہے اور جبکہ آپ گریں گے تو مجھے معلوم ہو جاوے گا کہ آپ لوگ دل سے اس کے معتقد ہیں اور اس سے میں سمجھ لوں گا کہ خدا حافظ ہے۔گو یہ علم موجب یقین نہ ہو۔مگر موجب طمانیت ضرور ہوگا۔کیونکہ اس سے اتنا معلوم ہوگا کہ آپ کے اس اعتقاد کا کوئی منشاء ہے جو کہ معمولی نہیں ہے۔نیز آپ کے گرنے کے بعد دو حالتیں ہوں گی یا تو آپ محفوظ رہیں گے یا نہ رہیں گے۔اگر آپ محفوظ رہے تو میں سمجھ لوں گا کہ آپ کا دعویٰ سچا ہے اور اگر محفوظ نہ رہے تو سمجھوں گا کہ جھوٹا ہے یہ تقریر تھی اعتراض کی اب سمجھو کہ اس سوال میں دو احتمال ہیں یا تو مقصود یہ ہو کہ حضرت علی کو ابھار کر کوٹھے سے گرادیا جائے تاکہ ان کا خاتمہ ہو جائے۔ اور یہ اس کی طمع کاری ہو۔دوسرا یہ کہ اس سے تحقیق حق مقصود ہو بہر صورت اس کے دو جواب ہیں ایک عام دوسرا خاص۔خاص جواب تو یہ ہے کہ اولاً خدا کا حافظ ہونا یا اس کے حافظ ہونے کا ہمارا معتقد ہونا۔اس کو مستلزم نہیں کہ ہم کوٹھے سے گریں کیونکہ ہم سے اس کا وعدہ نہیں کیا گیا کہ تم کوٹھے سے گرو گے تو ہم بچالیں گے بلکہ ایسا کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔نیز اس کے حفیظ ہونے کے یہ معنی بھی نہیں کہ وہ ہر حالت میں حفاظت کرتا ہے اور کبھی ہلاک ہونے ہی نہیں دیتا۔اس جواب کے اندر دو احتمال ہیں یا تو خود امیر المومنین ہی نے غیر ضروری سمجھا ہو اور جواب عام کو کافی سمجھا ہو۔یا یہ کہ مولانا نے غیر متعلق بالمقام سمجھ کر ترک کر دیا ہو۔عام جواب یہ ہے کہ میرے گرانے اور میرے اعتقاد کے جانچنے سے تمہارا مقصود خدا کا امتحان کرنا ہے۔کہ وہ حافظ

ہے یا نہیں۔ اور خدا کے امتحان کا تم کو کوئی حق نہیں اس جواب کو مولانا بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امیر المومنین نے فرمایا کہ چپ رہ اور جا ایسا نہ ہو کہ اس گستاخی کی سزا میں تیری جان محبوس قہر الٰہی ہو جاوے۔ تو خدا کا امتحان لیتا ہے بندہ کو کیا حق ہے کہ امتحان کے لئے کوئی صورت امتحان خدا کے سامنے پیش کرے۔ اور او بیوقوف احمق بندہ کی کیا طاقت ہے کہ بیہودگی سے خدا کا امتحان کرے ہاں خدا کو حق حاصل ہے کہ ہر وقت امتحان کی ایک نئی صورت بندہ کے سامنے پیش کرے۔ نہ اس لئے کہ خود کوئی علم غیر حاصل حاصل کرے بلکہ اس لئے کہ ہم پر ظاہر ہو جاوے کہ ہمارا مخفی عقیدہ اس کی نسبت کیا ہے۔ تو غور تو کر کہ جب آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی اور اس پر وہ معتوب جناب شفقت ہوئے تو کیا اس وقت انہوں نے یہ کیا تھا کہ میں نے اس قصور سے آپ کا امتحان کیا تھا کہ مجھے معلوم ہو جاوے۔ کہ آپ کس درجہ حلیم ہیں توبہ توبہ کس کی مجال ہے کہ ایسا کرے تیری عقل نہایت مختل ہے اور تیرا عذر امتحان جرم گستاخی سے بدتر ہے۔ بھلا جس نے اپنے کمال علم و حکمت و قدرت سے سقف آسمان کو بلند کیا ہے۔ اس کے امتحان کرنے کا تجھے کیا سلیقہ۔ اب یہاں سے مولانا انتقال فرماتے ہیں اور خطاب کو عام کر کے کہتے ہیں کہ اے مخاطب جاہل جو کہ نہایت قلیل علم رکھتا ہے اور جو کہ شر و خیر سے بخوبی واقف نہیں ہے پہلے اپنا امتحان کر لے جب تجھے معلوم ہو جاوے کہ تجھ میں کوئی نقص نہیں جو کہ ناممکن ہے اس وقت کسی اور کا امتحان کر میں سچ کہتا ہوں کہ جب تو اپنا امتحان کرے گا تو تجھے اسی سے فرصت نہ ہوگی اور دوسروں کے امتحان سے بے فکر ہو جائے گا جب تو نے اپنا امتحان کر لیا اور تجھے معلوم ہو گیا کہ میں شکر کا دانہ اور کامل ہوں تو اس سے تجھے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ میں شکر خانہ اور مقام کریم میں رہنے کے قابل ہوں۔ پس بغیر امتحان کے تجھے یہ جان لینا چاہئے کہ جب تو شکر ہے تو خدا تجھے بے جگہ نہ بھیجے گا اور حق سبحانہ کے علم کامل کی بناء پر بدون امتحان کے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جب تو سر ہے تو وہ تجھے پاؤں کی جگہ نہ بھیجے گا کیونکہ خدا علیم و حکیم ہے اور کسی عاقل کا یہ شیوہ نہیں ہے کہ وہ قیمتی موتی کو گوہ سے بھرے ہوئے پاخانہ میں ڈال دے۔ نیز اس لئے کہ کوئی حکیم دانا گیہوں کو کبھی بھوسے کے انبار میں نہیں ڈالتا۔ پس خلاصہ یہ کہ جب تمہیں حق سبحانہ کے حسن معاملہ کو معلوم کرنا ہو تو خدا کا امتحان نہ کرو بلکہ خود اپنے کو دیکھ لو۔ کہ تم اچھے ہو یا نہیں۔ اگر تم اچھے ہو تو تم کو یقین رکھنا چاہئے کہ ہم سے اچھا ہی معاملہ کیا جاوے گا اور اگر اچھی نہیں ہو تو اچھے ہونے کی کوشش کرو۔ اب سنو کہ جس طرح حق سبحانہ کا امتحان بندہ کو زیبا نہیں یوں ہی شیخ بنا لینے کے بعد شیخ کا امتحان بھی مرید کو مناسب نہیں اگر کوئی مرید اپنے شیخ کا جس کو وہ اپنا پیشوا اور رہبر سمجھ چکا ہے امتحان کرے تو وہ نہایت احمق ہے اگر تو دین کے راستہ میں اپنے شیخ کا امتحان کرے گا تو یہ اس کا امتحان نہ ہوگا بلکہ اس سے خود تیرا امتحان ہو جاوے گا کیونکہ اس سے تیری گستاخی اور جہالت ظاہر ہوگی اس تفتیش سے اس کی حالت کا پتہ نہیں چل سکتا۔ کیونکہ اگر ذرہ پہاڑ کو تولنے آوے تو اس سے پہاڑ تو نہ تل سکے گا۔ ہاں اس پہاڑ سے خود اس کی ترازو پھٹ جائے گی پس یہی حالت اس مرید کی ہے کیونکہ یہ اپنے قیاس کو ترازو بناتا ہے۔ اور ایک اللہ

والے کو اس ترازو میں رکھتا ہے پس جبکہ وہ اس کی عقل کی ترازو میں نہیں سما سکے گا تو لامحالہ اس کی عقل کی ترازو پھٹ جائے گی۔ پس اے مرید تو سمجھ لے کہ شیخ کا امتحان کرنا اس پر ایک قسم کا تصرف کرنا ہے اور تجھے نہیں چاہئے کہ ایسے بادشاہ پر تصرف کرے بلکہ خود اپنے کو اس کا تختہ مشق تصرف بنانا چاہئے۔ پس جب کہ مرید کو شیخ کے امتحان کا مجاز نہیں تو مخلوقات امتحان کے لئے ایسے خالق کامل پر کیونکر تصرف کر سکیں گے جس کے تصرف سے ان کی کوئی چیز باہر نہیں۔ چنانچہ اگر انہوں نے امتحان کی کوئی صورت تجویز کی اور سمجھی ہے یہ بھی اسی کا تصرف ہے اور یہ تصویر بھی اسی نے بنائی ہے ورنہ امتحان کرنا تو درکنار خود صورت امتحان بھی ان کے ذہن میں نہ آتی یہ تصویریں جو اس نے بنائی ہیں اور یہ مخلوقات جو اس نے پیدا کی ہیں ان کی تو اس کی ان صورتوں کے سامنے جو اس کے علم میں ہیں اور جن پر وہ قادر ہیں کوئی بھی حقیقت نہیں بلکہ وہ تو ان سے کہیں زیادہ عمدہ صورتیں بنانے پر قادر ہے۔ پس جس کی یہ شان ہو اس کے امتحان کا کسی کو کیا مجاز ہے۔ لہٰذا اگر کبھی اس کے امتحان کا وسوسہ آئے تو سمجھ لینا چاہئے کہ کھوٹے دن آ گئے اور موت کا وقت آ گیا کیونکہ جب چیونٹی کے موت کے وقت آتے ہیں تو اس کے پر نکلتے ہیں اس سے بچنے کی صورت ہے کہ جب بار بار یہ وسوسہ آئے تو خدا کی طرف متوجہ ہو اور سجدہ میں جاؤ۔ اور اتنا روؤ کہ سجدہ گاہ تر ہو جاوے۔ اور کہو کہ اے اللہ تو مجھے اس خیال سے نجات دے۔ یاد رکھو کہ جب تمہیں امتحان کی خواہش ہوئی اسی وقت سمجھ لینا چاہئے کہ ہماری دین کی مسجد میں خروب گھاس پیدا ہو گیا ہے جس کی خاصیت یہ ہے کہ جس مکان میں وہ پیدا ہوتا ہے اسے ویران کر دیتا ہے یعنی تمہارے دین کی بربادی کا سامان ہو گیا ہے۔ پس جبکہ تمہیں امتحان کا وسوسہ آئے فوراً توبہ کرو۔ اور حق سبحانہ کی طرف متوجہ ہو۔ تاکہ وہ مستحق امتحان تمہیں اس وسوسہ اور شیاطین انس و جن کے اس امتحان سے بچاوے۔ جن میں تم مبتلا ہو گئے ہو۔ یا آئندہ مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ یہ وسوسہ بھی شیطانی ہے جو کہ خود بھی امتحان ہے اور دروازہ ہے دیگر امتحانوں کا یہ گفتگو تو ختم ہوئی پس اے ضیاء الحق حسام الدین آپ تشریف لائیں اور چونکہ اوپر گیاہ خروب کا تذکرہ آ گیا ہے اس لئے داؤد علیہ السلام کا قصہ اور بنائے بیت المقدس کا واقعہ بیان فرمائے جس میں خروب کی تاثیر کا بیان ہے۔

جبکہ داؤد علیہ السلام مسجد اقصیٰ بناتے بناتے دق ہو گئے اور وہ ہر دفعہ گر پڑتی تھی تو آپ نے سوچا کہ اب پختہ اور پتھر کی بنانی چاہئے۔ اس وقت حق سبحانہ کی طرف سے وحی آئی کہ آپ اس خیال کو چھوڑ دیجئے۔ اس لئے کہ یہ عمارت تمہارے ہاتھ سے نہ بن سکے گی۔ کیونکہ ہم نے یہ امر مقدر بھی نہیں کیا۔ کہ یہ مکان تمہارے ہاتھ سے بن جاوے۔ اس پر انہوں نے عرض کیا کہ میرا کیا قصور ہے جو میں اس شرف سے محروم کیا جاتا ہوں۔ اور مجھ سے کہا جاتا ہے کہ تو مسجد نہ بنا۔ اس پر حکم ہوا کہ تم نے بے قصور بہت سے خون کئے ہیں اور ان مظلوموں کا خون اپنی گردن پر لیا ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بہت سی مخلوق نے تمہاری آواز سے جان دیدی ہے اور وہ اس کا شکار ہو گئی ہے۔ اور تمہاری آواز اور تمہاری جان لیوا صدا کے سبب بہت سے خون ہوئے ہیں۔ انہوں نے معذرت کی

کہ میں تو آپ کا مغلوب اور آپ کا مست تھا اور میرا اختیار آپ کے اختیار سے وابستہ تھا اور جو کوئی آپ کا مغلوب ہو اس کو مرحوم ہونا چاہئے نہ کہ مقہور کیونکہ مغلوب تو بمنزلہ معدوم کے ہے میری فہم ناقص تو یہ ہی حکم کرتی ہے اب آپ میری غلطی کو ظاہر فرمادیں اس پر حکم ہوا کہ تم مغلوب ضرور ہو مگر معدوم یا مثل معدوم نہیں ہو کہ تمہارے افعال قابل تعرض ہی نہ رہیں تم کو ایسی بات نہ کہنی چاہئے کیونکہ تمہاری معدومیت اضافی ہے نہ کہ حقیقی اور ایسا معدوم جو اپنے کو مرضیات حق میں فنا کر چکا ہو حقیقی معدوم کہلانے کا مستحق نہیں بلکہ وہ تو دیگر موجودات میں بہتر اور اعلیٰ درجہ کا موجود ہے اور دیگر موجودات اس کے مقابلہ میں معدوم ہیں۔ پس جبکہ دیگر موجودات کے افعال قابل تعرض ہیں تو تم اپنے کو معدوم بتا کر کیسے بری الذمہ ہوتے ہو۔ سنو وہ معدوم جو خودی کو فنا کر چکا ہے گو ہمارے صفات کے مقابلہ میں معدوم ہے لیکن حقیقت میں اس کے لئے اس فنا میں بھی ایک اعلیٰ درجہ کی بقا ہے۔ کیونکہ ارواح اس کے زیر تصرف اور تمام اجسام اس کے زیر قدرت ہیں (جیسا عنقریب اس کی شرح آتی ہے) اس لئے جو شخص ہمارے لطف میں مغلوب ہے وہ حقیقت میں مضطر نہیں بلکہ مختار ہے جس کو وہ اختیار ہماری دوستی سے ملا ہے اس کو ہو اضطرار سمجھتا ہے یہ اس کی غلطی ہے بلکہ یہ اس کا انتہائی اختیار ہے کہ اس کا اختیار ہمارے اختیار میں محو ہو جائے۔ اس لئے کہ پہلے تو صرف اسی کا اختیار تھا اب ہمارا اختیار بھی اس کا معاون ہو گیا۔ اور جس طرح وہ اپنے اختیار سے کام لیتا تھا۔ قریب قریب اسی طرح اب وہ ہمارے اختیار سے کام لیتا ہے اور یہی وہ اختیار ہے جس کی لذت نے اسے اپنی خودی کے مٹانے پر مجبور کیا ہے کیونکہ اگر اسے اس اختیار کی چاٹ نہ ہوتی تو بھلا کہیں وہ خودی کو مٹا سکتا تھا۔ ہم نے کہا ہے کہ فنائے اختیار ہی کمال اختیار ہے۔ اور اس کی چاٹ نے اسے فنائے اختیار پر مجبور کیا ہے۔ شاید یہ مضمون آسانی سے تمہاری سمجھ میں نہ آئے اس لئے ہم اس کو ایک حسی مثال سے ظاہر کرتے ہیں۔ دیکھو دنیا میں جتنی کھانے پینے کی چیزیں ہیں سب کی لذت کاملہ ان کی لذت ناقصہ کے مٹا دینے پر متفرع ہے۔ اس لئے کہ لذت حسیہ کے دو درجہ ہیں ایک لذت مع الاحساس بہا دوسری وہ لذت جس میں لذت کا بھی احساس نہ رہے۔ لذت اول ناقصہ ہے اور لذت ثانیہ کاملہ جس کو مولانا نے محو لذت سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور لذت ثانیہ اسی وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ پہلی قسم کی لذت نہ رہے۔ پس جبکہ وہ لذات ناقصہ کو فنا کرتا ہے تو اگرچہ وہ لذات ناقصہ سے غیر متاثر ہوتا ہے مگر اس سے بھی اسے لذت حاصل ہوتی اور مزہ ملتا ہے۔ اور اسی مزہ کے حاصل کرنے کے لئے وہ لذات ناقصہ کو فنا کرتا ہے۔ اب دونوں باتیں آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہیں۔ یہ بھی کہ فنائے اختیار اختیار کامل ہے۔ اور یہ بھی کہ وہ اختیار کامل ہی کے لذات کے لئے اختیار ناقص کو فنا کرتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ جو شخص مغلوب حق ہو جاتا ہے مرحوم ہو جاتا ہے اور اس کے بحار رحمت میں فنا ہو جاتا ہے لیکن وہ ایسا معدوم نہیں ہوتا کہ کوئی موجود غیر فانی تصرف میں اس پر غالب آجائے بلکہ یہ شخص ایک اعتبار سے تمام موجودات پر حاکم ہوتا ہے کیونکہ موجودات کے حاکم حقیقی کے ساتھ اسے اتحاد عرفی ہوتا ہے اور وہ لو اقسم علی اللہ لابرہٗ کا مصداق ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے جیسے کہ وہ خود حاکم ہو اور اس وقت اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ

نہ اسے شک ہوتا ہے نہ اس میں نفاق ہوتا ہے اور نہ ریا ہوتی ہے اور صفات ربانیہ کے غلبہ سے اس کی یہ حالت ہوتی ہے جیسے بے مثال اور بے مکان اور بے نشان اور بے زبان اور بے کیف ہو نہ اسے کوئی اشکال ہوتا ہے اور نہ سوال و جواب کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اس پر حقائق مکشوف ہوتے ہیں اور یہ نفی اشکال وسوال و جواب اضافی ہے ورنہ خود حضرت داؤد کو ہی اشکال ہوا اور سوال و جواب کی ضرورت ہوئی۔ اچھا اب خاموش رہو۔ ہم جس قدر سمجھے تھے وہ بیان کر دیا اور امر صواب کو خدا ہی خوب جانتا ہے۔ اس مقام پر بعض امور تحقیق طلب ہیں اس لئے ان کی تحقیق کی جاتی ہے۔ اول یہ کہ مغلوبیت اور فنائے اختیـ ـے کیا مراد ہے۔ سو اس کا مطلب اختیار عبد کا غالب احوال میں مرضی حق سبحانہ کے تابع ہو جانا ہے نہ کہ اس کا فی نفسہ معدوم ہو جانا اور نہ تمام احوال میں اس کا تابع ہونا کیونکہ پہلی صورت میں جبر لازم آئے گا اور دوسری صورت میں لازم ہوگا کہ اہل اللہ سے لغزش ہی نہ ہو۔ وکلاھما باطل دوسرے مقام ارواح و اجسام پر حکومت اور ان میں تصرف اور ان کے زیر تدبیر و قدرت اللہ داخل ہونے سے کیا مراد ہے۔ سو اس کے یہ معنی تو نہیں ہو سکتے کہ وہ حقیقۃً تمام ارواح و اجسام میں اپنے اختیار سے تصرف کرتے ہیں کیونکہ یہ شرک جلی ہے بلکہ معنی یہ ہیں کہ ان کا اختیار تو فی نفسہ اختیار محدود اور متناہی اور دیگر انسانوں کے مماثل ہوتا ہے لیکن اختیار الٰہی ان کا معاون ہو جاتا ہے۔ اور جس چیز کو وہ چاہتے ہیں بشرطیکہ کسی حکمت الٰہیہ کے معارض نہ ہو وہ شے ان کے چاہنے اور اپنے اختیار ناقص کو کام میں لانے سے با اختیار خداوندی وجود میں آ جاتی ہے جیسے شق قمر کا یہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی قدرت سے باہر تھا۔ ہاں اس قدر ان کے اختیار میں تھا کہ وہ اس فعل کو چاہیں اور اپنے اختیار کو جس قدر بھی ہے کام میں لائیں۔ چنانچہ آپ کے اختیار میں اتنا تھا کہ آپ اسے حکم کریں اس لئے آپ نے انگلی کے اشارہ سے حکم کیا اور قدرت الٰہیہ نے اس کی تکمیل کر دی اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اس بناء پر اگر مجازاً یوں کہا جائے کہ چاند آپ کے اختیار میں ہے اور آپ کے تحت و تصرف میں ہے وغیرہ وغیرہ تو بتاویل مذکور بجا ہے۔ اسی مضمون کو مولانا نے دفتر ثالث میں مـارمیـت اذرمیـت کی شرح میں بذیل سرخی جمع و تفریق میاں نفی و اثبات یک چیز از روئے نسبت و اختلاف جہت واضح طور پر بیان کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے مارمیت اذرمی از نسبت است۔ نفی اثبات است ہر دو مثبت است۔ آں تو افگندی چو بر دست تو بود۔ تو نیفگندی کہ قوت حق نمود۔ زور آدم زادہ را حدے بود۔ مشت خاک اشکست لشکر کے شود۔ مشت مشت تست افگندن زماست۔ زیں دو نسبت نفی و اثباتش رواست۔ تیسری بات یہ ہے کہ لوگوں کا نہ مرنا حضرت داؤد علیہ السلام کے اختیار میں نہ تھا پھر ان کے مر جانے پر آپ کو عتاب کیوں ہوا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اہل اللہ جو حال اپنے اوپر طاری کرنا چاہیں کر سکتے ہیں اس لئے ان کو چاہیے تھا کہ عوام کے مجمع میں اپنے اوپر ایسا حال طاری نہ کرتے جس کے پرتو کے قلوب عوام متحمل نہیں ہو سکتے تا کہ وہ ہلاکت سے بچ جاتے۔ لیکن ان کو اس طرف التفات نہ ہوا اور وہ ہلاک ہو گئے۔ اس لئے تنبیہ فرمائی گئی تا کہ اس امر کا لحاظ رکھیں۔

شرح شبیری

شرح (حدیث) انما المومنون اخوة اور (قول) العلماء کنفس واحدة کی خاص کر اتحاد داؤد علیہ السلام وسلیمان علیہ اسلام اور تمام انبیاء کا کہ اگر ایک کا منکر ہو تو سب کا انکار لازم ہے جیسے کہ بہت سے مکانات اس طرح ہوں کہ اگر ایک کو گرایا جائے تو اور سب بھی گر پڑیں اسی طرح سب انبیاء میں بھی اتحاد ہے کہ اگر ایک کا انکار کیا تو سب کا انکار لازم ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ہے کہ لانفرق بین احد من رسلہٖ اور عاقل کو تو اشارہ ہی کافی ہے لیکن یہاں تو قرآن شریف میں صراحۃً ہی بیان فرما دیا ہے

اس سرخی کے ذیل میں مولانا کو چونکہ اتحاد ارواح کا بیان مقصود ہے اس لئے مولانا نے اس کے مناسب حدیث اور قول اور آیت لکھ دی ہیں۔ اب آگے قصہ بیان کرتے ہیں۔

پس خطاب آمد بداؤد از خدا	کائے گزیں پیغمبر نیکو لقا
تو خدا کی جانب سے (حضرت) داؤد کو خطاب ہوا	کہ اے منتخب پیغمبر نیک صورت!

یعنی پھر حق تعالیٰ کی طرف سے داؤد علیہ السلام کی طرف خطاب آیا۔ کہ اے پیغمبر مقبول نیک خصلت۔

دل مدار اندر تفکر زیں خبر	رہ مدہ در خود ملال وغم مخور
اس بات سے دل کو فکر میں مبتلا نہ کر	رنج کو اپنے اندر راستہ نہ دے اور غم نہ کر

یعنی اس (مسجد نہ بنا سکنے کی) خبر سے دل کو فکر مند مت کرو۔ اور دل میں ملال مت آنے دو۔ اور غم مت کھاؤ (کیونکہ)

گرچہ بر ناید بجہد و زور تو	لیک مسجد را برآرد پور تو
اگرچہ (وہ مسجد) تیری کوشش اور طاقت سے نہ بنے گی	لیکن تیرا لڑکا اس کو بنائے گا

یعنی اگرچہ تمہاری کوشش اور زور سے یہ پوری نہ ہوگی لیکن مسجد کو آپ کے صاحبزادے صاحب اس کو پورا فرمادیں گے۔

گرچہ بر ناید بجہدت ایں مقام	لیک پور تو کند آں را تمام
اگرچہ تیری کوشش سے یہ جگہ نہ بنے گی	لیکن تیرا لڑکا اس کو مکمل کرے گا

یعنی اگرچہ تمہاری کوشش سے یہ مقام پورا نہ ہوگا لیکن تمہارے صاحبزادے اس کو پورا کردیں گے۔

موماں را اتصالے داں قدیم	کردۂ او کردۂ تست اے حکیم
مومنوں کا باہمی قدیم اتحاد سمجھ	اے دانا! اس کا کیا ہوا تیرا کیا ہوا ہے

یعنی اے حکیم اس کا کیا ہوا تمہارا ہی کیا ہوا ہے۔ اور مومنین کے لئے ایک قدیمی اتصال جانو۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے داؤد (علیہ السلام) تم اس سے غمگین مت ہو کہ مسجد تم نہ بنا سکے اس لئے کہ تم سے نہ بنی تو تمہارے صاحبزادے اس کو بنادیں گے اور ان کا بنانا گویا تمہارا ہی بنانا ہے لہٰذا غم مت کرو۔ اور شعر "کردۂ او الخ کا مصرعہ ثانیہ یعنی مومناں را اتصالے الخ سے قول مولانا کا ہے۔ کہ فرماتے ہیں کہ مومنین میں قدیم سے ایک اتصال ہے جس سے کہ آپس میں تعلق ہے اور اس تعلق ہی کی بناء پر یہ کہا گیا کہ انکا کرنا گویا کہ آپ ہی کا کرنا ہے۔ اور یہاں قدیم سے قدم اضافی مراد ہے قدم حقیقی مراد نہیں ہے۔ اس لئے کہ ارواح باعتبار اجسام کے قدیم ہی ہیں اگرچہ خود بھی حادث ہوں۔ آگے مولانا بہت دور تک اس اتحاد ارواح ہی کو بیان فرماتے ہیں یہ بات تو یہاں بتلا ہی دی ہے کہ مومنین کاملین کی ارواح میں ایک اتحاد پہلے سے چلا آتا ہے اب آگے فرماتے ہیں کہ۔

جسم شان معدود لیکن جان یکے	مومناں معدود لیک ایماں یکے
ان کے جسم چند ہیں لیکن جان ایک ہے	مومنین متعدد ہیں لیکن ایمان ایک ہے

یعنی مومنین بہت سے ہیں لیکن ایمان ایک ہے ان کے اجسام مختلف ہیں لیکن جان ایک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو مومنین جس قدر ہیں وہ خواہ کامل ہوں یا غیر کامل وہ باعتبار اجسام کے تو معدود اور مختلف ہیں لیکن انکا ایمان متحد بالنوع ہے۔ ایمان اور جان میں اتحاد نوعی موجود ہے جس کو ہر شخص تسلیم کرتا ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

آدمی را عقل و جان دیگر است	غیر فہم و جان کہ در گاؤ خرست
انسان کی عقل اور جان دوسری ہے	عقل اور جان جو بیل اور گدھے میں ہے اس کے علاوہ

یعنی علاوہ فہم اور جان کے جو کہ گاؤ خر میں ہے آدمی کیلئے عقل اور جان دوسری ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو حیوانات میں تو صرف روح حیوانی مع اپنی صفات کے ہے اور انسان میں روح حیوانی مع الصفات اور اس کے علاوہ ایک روح انسانی بھی ہے جو کہ اس روح حیوانی کے علاوہ ہے اور اس بیان میں مولانا نے جہاں جان اور روح کا اطلاق کیا ہے اس سے صفات و کمالات روح مراد لے رہے ہیں جیسا کہ اس شعر میں مولانا نے فہم و جان اور عقل و جان سے اس کی طرف اشارہ کر دیا کہ صرف جان مراد نہیں ہے بلکہ جان کے ساتھ فہم جو کہ صفت جان میں سے ہے مراد ہے۔ اور حضرت حکیم الامۃ نے بھی اس کا اپنی تحریر میں بایں الفاظ ارشاد فرمایا ہے کہ "یہاں روح سے مراد متعارف روح نہیں ہے الخ تو بس روح سے مراد صفات روح ہوئے۔ تو مقصود مولانا کا یہ ہوا کہ ایک تو وہ کمالات ہیں جو کہ حیوانات میں ہیں مثل اکل و شرب وغیرہ کے۔ جو کہ ان کی روح کا مقتضا ہے اور ایک وہ کمالات ہیں جو کہ انسان کی روح میں پائے جاتے ہیں۔ وہ اس کے مقتضیات ہیں آگے فرماتے ہیں کہ۔

باز غیر عقل و جان آدمی	ہست جانے در نبی و در ولی
پھر انسان کی عقل اور جان کے علاوہ	ولی اور نبی میں اور جان ہے

یعنی پھر علاوہ عقل اور روح انسانی کے ایک جان نبی اور ولی میں ہے۔ مطلب یہ کہ جو صفات روح انسانی کی اندر ہوتی ہیں اور جو اس کے مقتضیات ہیں ان کے علاوہ انبیاء و اولیا میں کچھ اور کمالات بھی ہیں جن کی وجہ سے وہ ان دیگر انسانوں سے ممتاز ہیں آگے فرماتے ہیں کہ۔

جان حیوانی ندارد اتحاد	تو مجو ایں اتحاد از روح باد
حیوانی جانٌ اتحاد نہیں رکھتی ہے	تو یہ اتحاد ہوائی روح میں نہ تلاش کر

یعنی جان حیوانی اتحاد نہیں رکھتی تم اس اتحاد کو روح بادی میں مت تلاش کرو۔ مطلب یہ کہ روح حیوانی جو کہ ایک بخار لطیف ہے اس میں تم اور کمالات کو مت تلاش کرو کہ جس کی وجہ سے یہ اتحاد ان میں ہے کہ ان کے اغراض و مقاصد باہم متحد ہیں ان اغراض کا اتحاد اسی وجہ سے ہے کہ ان کے اندر ایسے کمالات ہیں جو اس امر کو مقتضی ہیں اور روح بادی یعنی حیوانی میں وہ کمالات نہیں ہیں جن کی وجہ سے ان کی اغراض میں اور ان کے مقاصد میں تغایر و تزاحم ہے بس اس کو مولانا نے اتحاد روح سے تعبیر فرمایا ہے تو گویا کہ یہ کہا جاوے گا کہ اس سے مراد اتحاد عرفی ہے آگے اس کے تائیدات بیان فرماتے ہیں کہ۔

گر خورد ایں نان نہ گردد سیر آں	ور کشد بار ایں نگردد آں گراں
اگر یہ روٹی کھائے اس دوسری کا پیٹ نہیں بھرتا	اگر یہ بوجھ اٹھائے تو وہ بوجھل نہیں ہوتی

یعنی اگر یہ روٹی کھاوے تو وہ سیر نہیں ہوتی اور اگر یہ بار کھینچے تو وہ گراں نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ اس روح بادی اور حیوانی میں تو اس درجہ تخالف اور تزاحم ہے اور ان کے اغراض اس قدر متفاوت ہیں کہ ایک پر اگر کلفت ہے تو دوسرے کو پرواہ نہیں ہے اور اگر اس کو راحت ہے تو دوسرے کو کوئی خوشی نہیں ہے آگے اس سے بھی ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ۔

بلکہ ایں شادی کند از مرگ او	از حسد میرد چو بیند برگ او
بلکہ یہ اس کے مرنے سے خوشی مناتی ہے	اگر اس کا ساز و سامان دیکھتی ہے تو حسد سے مرتی ہے

یعنی بلکہ اس کے مرنے سے یہ خوشی کرتی ہے اور اگر اس کا ساز و سامان دیکھے تو حسد سے مری جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ ان کا تخالف اور تضاد تو اس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ ایک کی راحت کو دوسرا دیکھ نہیں سکتا۔ اگر ایک راحت میں ہے تو دوسرے کو رنج ہے ہاں اگر اس کو تکلیف ہے تو وہ خوش ہیں اور جو اولیاء اللہ ہیں ان کو دوسرے کی تکلیف سے تکلیف اور اس کی راحت سے راحت ہوتی ہے۔ تو اس کی وجہ وہی کمال ہے کہ اس کمال نے ان کی اغراض کو متحد کر دیا ہے اور اس وجہ سے ان میں تخالف اور تضاد نہیں ہوتا آگے فرماتے ہیں کہ۔

جان گرگان وسگان ہر یک جداست	متحد جانہائے شیران خداست
بھیڑیوں اور کتوں کی جان ہر ایک جداگانہ ہے	خدا کے شیروں کی جان متحد ہے

یعنی بھیڑیوں اور کتوں کی ہر ایک کی جان جدا ہے۔ اور شیران خدا کی جانیں سب متحد ہیں (اتحاد سے وہی اتحاد اغراض مراد ہے) مطلب یہ کہ شیروں کی ارواح سب متحد بالنوع ہوتی ہیں اور کتوں اور بھیڑیوں کی ارواح مختلف ہوتی ہیں لہذا غیر مقبولین جو کہ کتوں وغیرہ کی طرح ہیں ان کی ارواح میں تو تخالف ہے اور اولیاء اللہ جو کہ مانند شیروں کے ہیں ان کی ارواح میں اتحاد ہے یہاں بظاہر ایک شبہ واقع ہوتا ہے آگے اس کا جواب فرماتے ہیں شبہ یہ ہوا کہ جب اولیاء کی ارواح متحد ہیں تو پھر تم نے ان کو جمع سے کیوں تعبیر کیا۔ کہ یوں کہا کہ "متحد جانہائے شیران خدا" تو جانہائے کیوں کہا۔ جان کیوں نہ کہا آگے اسی کا جواب دیتے ہیں کہ۔

جمع گفتم جانہا شان من باسم	کان یکے جان صد بود نسبت بجسم
میں نے ان کی جانوں کے لئے اسم جمع (کا لفظ) بولا	کیونکہ جسم کی نسبت سے وہ ایک سو بن جاتی ہے

یعنی میں نے ان کی جانوں کو نام کے اعتبار سے جمع کہہ دیا کہ وہ ایک جان بہ نسبت جسم کے سو ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ وہ جان جو کہ متحد فی النوع ہے باعتبار تشخصات کے مختلف و متعدد ہوتی ہے اس لئے ظاہر کے اعتبار سے میں نے جمع کہہ دیا ورنہ اصل میں تو متحد ہی ہیں اور ان کے اغراض و مقاصد بالکل متحد ہی ہیں آگے اس کی کہ اصل میں ایک ہو ظاہر میں متعدد ہوں ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

ہمچو آں یک نور خورشید سما	صد بود نسبت بصحن خانہا
جیسا کہ آسمان کے سورج کا ایک نور	گھروں کے صحن کے اعتبار سے سو بن جاتا ہے

یعنی اس آسمان والے ایک خورشید کی طرح کہ وہ گھروں کے صحنوں کی نسبت سے سینکڑوں ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ دیکھو نور خورشید حالانکہ ایک ہی ہے اور اس میں تعدد نہیں ہے لیکن چونکہ مختلف امکنہ میں پڑتا ہے اور ان امکنہ کے تعدد صوری کی وجہ سے اس میں تعدد آ گیا ہے لیکن حقیقت میں وہ واحد ہے اور اس کے اندر اتحاد ہی ہے بس اسی طرح اگرچہ تشخصات جسمانیہ مختلف ہوں اور ان تشخصات کے تعدد سے کوئی تعدد نہیں آ گیا خوب سمجھ لو اسی کو آگے خود بیان فرماتے ہیں کہ۔

لیک یک باشد ہمہ انوار شاں	چونکہ بر گیری تو دیوار از میاں
لیکن ان سب کا نور ایک بن جاتا ہے	جبکہ تو درمیان سے دیوار اٹھا دے

یعنی لیکن ان سب کے انوار ایک ہی ہوتے ہیں جبکہ تم دیوار کو درمیاں سے ہٹا لو مطلب یہ کہ نور میں جو تعدد پیدا ہوا ہے تو ان امکنہ کی وجہ سے اور ان حجابات کی وجہ سے ہو گیا ہے ورنہ اگر ان مکانوں کو الگ کر دو اور حجابات ہٹا دو تو تمام نور پھر ایک ہے اس میں کوئی بھی فرق نہیں ہے۔

چوں نماند جانہا را قاعدہ	مومناں باشند نفس واحدہ
جبکہ جانوں کی بنیاد نہ رہے گی	مومن ایک جان بن جائیں گے

یعنی جب گھروں کی بنیاد نہ رہے تو مومنین سب نفس واحدہ ہو جاویں۔ مطلب یہ کہ اجسام نہ رہیں اور تشخصات زائل ہو جاویں تو تمام مومنین باعتبار صفات واغراض ایک ہو جاویں اور کوئی فرق باہمی نہ ہو آگے فرماتے ہیں کہ۔

فرق واشکالات آید زیں مقال	زانکہ نبود مثل ایں باشد مثال
اس گفتگو سے اختلاف اور اشکال پیدا ہوتے ہیں	کیونکہ یہ مثل نہیں ہے مثال ہے

یعنی اس کہنے سے بہت سے فرق اور اشکالات واقع ہوتے ہیں لیکن یہ مثل نہیں ہے یہ مثال ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے جو کمالات کے اتحاد عرفی اور تعدد شخصی کو آفتاب کے اتحاد اور تعدد سے مثال دی ہے اس سے لوگوں کو شبہ ہوگا کہ جس طرح آفتاب میں اتحاد حقیقی ہے اسی طرح کمالات میں بھی اتحاد حقیقی ہے اور جس طرح آفتاب کے یہ سب اجزاء تحلیلیہ ہیں اسی طرح انسان کے بھی یہ سب اجزاء تحلیلیہ ہوں تو فرماتے ہیں کہ یہ نہیں ہے اس لئے کہ کمال تو کوئی مرکب شئے نہیں ہے جس سے اجزاء تحلیلیہ نکل سکیں بلکہ یہ تو ہم نے مثال کے طور پر کہدیا ہے جس میں مشبہ اور مشبہ بہ کا من کل الوجوہ متحد ہونا ضروری نہیں بلکہ اگر کسی ایک صفت میں بھی اتحاد ہے تو اس سے تشبیہ دے سکتے ہیں ہاں مثل میں یہ بات ہے کہ جب یہ کہا جاوے کہ فلاں شئے فلاں کے مثل (بکسر المیم) ہے اس وقت اس کا من کل الوجوہ مثل ہونا ضروری ہے تو یہ مثال ہے مثل نہیں ہے خوب سمجھ لو۔ اس مقام کی تقریر بھی حضرت قبلہ حکیم الامۃ دام ظلہم نے خود تحریر فرما کر عنایت فرمائی ہے کہ جس کو ذیل میں ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ وھو ھذا۔

قولہ فرق واشکالات الخ اشکال یہ ہے کہ نور خورشید تو واحد بالشخص ہے۔ اور اس کے یہ قطعات اس کے اجزاء تحلیلیہ ہیں۔ بخلاف کمال مقبولین کے کہ وہ واحد بالشخص نہیں اور نہ اس کے افراد اس کے اجزاء تحلیلیہ ہیں۔ جواب یہ ہے کہ یہ مثال ہے مماثل نہیں وجہ تشبیہ مطلق عدم تخالف ہے کہ ایک جگہ اس کا تحقق حدۃ شخصیہ کے ضمن میں ہوا اور دوسری جگہ اتحاد اغراض میں انتہی بلفظہ۔ آگے ایک اور مثال سے اس امر کو بتاتے ہیں کہ دیکھو۔ مثال میں من کل الوجوہ مشابہت ضروری نہیں فرماتے ہیں کہ۔

فرقہا بیحد بود از شخص شیر	تا بہ شخص آدمی زاد دلیر
شیر کے وجود میں بہت فرق ہیں	بہادر آدمی کے وجود کے اعتبار سے

یعنی شیر کے جسم میں اور آدمی زاد دلیر کے جسم میں بے حد فرق ہوتے ہیں۔

لیک در وقت مثال اے خوش نظر	اتحاد از روی جانبازی نگر
لیکن اے خوش نظرا مثال کے وقت	بہادری کے اعتبار سے اتحاد سمجھو

یعنی لیکن اے خوش نظر مثال کے وقت اتحاد جانبازی کی حیثیت سے دیکھو۔

کاں دلیر آخر مثال شیر بود	نیست مثل شیر در جملہ حدود
کہ وہ بہادر شیر کی مثال ہے	تمام باتوں میں شیر کی مثل نہیں ہے

یعنی کہ وہ دلیر آخر شیر کی مماثل تھا نہ کہ تمام حدود میں اس کے مثل تھا۔ مطلب یہ کہ دیکھو بولتے ہیں کہ فلاں شخص تو بالکل شیر ہے۔ حالانکہ کہاں شیر اور کہاں آدمی زمین و آسمان کا فرق مگر بولتے ہیں تو مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ دلیری میں شیر کی طرح ہے۔ باقی صفات مثل درندگی وغیرہ میں یا صورت میں اس کے مثل نہیں ہے تو اسی طرح یہاں بھی مثال ہے کہ آپس کے تخالف اور تضاد کو مثال دینا منظور ہے۔ اگر چہ اور تمام صفات میں تشابہ نہیں ہے خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

متحد نقشے ندارد ایں سرا	تا کہ مثلے وانمایم مر ترا
یہ دنیا کوئی چیز (روح کیساتھ) متحد نہیں رکھتی ہے	تا کہ تجھے مثل دکھا دوں

یعنی یہ عالم کوئی نقش متحد نہیں رکھتا تا کہ میں تم کو کوئی مثل دکھلا دوں۔ مطلب یہ کہ اس جہان میں کوئی ایسی شے نہیں ہے کہ جو بالکل اسی کی طرح اور اس کی مثل ہو۔ اور میں تم کو اس کو کہہ دوں کہ ان قلوب کاملین میں کمالات کی وجہ سے ایسا اتحاد ہے جیسا کہ فلاں شے میں ہے لہٰذا اس کا اتحاد مثالوں ہی سے بیان کیا جاوے گا۔ لیکن

ہم مثال ناقصے دست آورم	تاز حیرانی خرد را وا خرم
نیز ایک ناقص مثال بیان کرتا ہوں	تا کہ عقل کو پریشانی سے نجات دوں

یعنی ایک ناقص مثال ہی لاتا ہوں تا کہ عقل کو حیرانی سے چھڑاؤں۔ مطلب یہ کہ اس اتحاد کی کوئی شے مماثل تو ہے نہیں اس لئے ایک مثال ہے جو کہ اس کے سامنے بالکل ناقص ہے بیان کرتا ہوں کہ اس سے تمہاری عقل کی حیرانی کچھ تو کم ہو۔ اور تم کچھ سمجھو تو آگے روح حیوانی کی مثال بیان کرتے ہیں کہ۔

شب بہر خانہ چراغے می نہند	تا بنور آں ز ظلمت مے رہند
رات کو ہر گھر میں چراغ رکھتے ہیں	تا کہ اس کی روشنی کی وجہ سے اندھیرے سے نجات حاصل کر لیں

یعنی رات کو ہر گھر میں ایک چراغ رکھتے ہیں تا کہ اس کے نور کی وجہ سے اندھیرے سے چھوٹیں۔

آں چراغ ایں تن بود نورش چو جاں	نیست محتاج فتیل و ایں و آں
وہ چراغ یہ جسم ہے اس کی روشنی جان کی طرح ہے	جو بتی اور اس اور اس کا محتاج نہیں ہے

یعنی وہ چراغ تو یہ بدن ہے اور اس کا نور جان کی طرح ہے اور وہ اس کے اور اس کے فتیلہ کا محتاج ہے۔

مطلب یہ ہے کہ دیکھورات کو ہر گھر میں چراغ جلاتے ہیں تا کہ روشنی ہو لیکن وہ چراغ اس کا محتاج ہوتا ہے کہ اس میں بتی ہو تیل ہو۔ تب وہ جلتا ہے اور نور دیتا ہے۔ ورنہ گل ہو جاتا ہے تو اسی طرح روح حیوانی جو کہ حقیقت میں ایک بخار لطیف ہے جب تک اس کو کھانا پینا ملتا رہے اس وقت تک تو رہتی ہے اور جہاں یہ بند ہوا اور وہ فنا ہوئی۔

واں فتیلہ پنج دارد از حواس	جملگی بر خواب و خور دارد اساس
وہ بتی پانچ حواس رکھتی ہے	ان سب کی کھانے اور سونے پر بنیاد ہے

یعنی وہ حواس اس کی پانچ بتیاں رکھتی ہے جو کہ سب کے سب خواب و خور پر بنیاد رکھتی ہیں مطلب یہ کہ جس طرح کہ چراغ ہوتے ہیں کہ ہر ایک خود غرض ہوتا ہے اس کو دوسرے کی پرواہ نہیں ہوتی۔ اسی طرح روح حیوانی کی اغراض علیحدہ علیحدہ ہیں ہر ایک ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنائے ہوئے ہے۔ ایک کی غرض کچھ ہے اور دوسرے کی کچھ ہے چونکہ اوپر چراغوں اور روح حیوانی کے دو وصف بیان کئے تھے ایک تو ان کا محتاج اسباب ہونا اور دوسرا ان کا عدم بقاء تو اگر چہ یہاں مقصود تو وصف اول ہے لیکن وصف ثانی یعنی عدم بقاء کو بھی استطراداً بیان فرمانے لگے اصل مقصود مقام تو یہاں ختم ہو گیا آگے مضمون استطرادی ہے۔

بیخور و بے خواب نزید نیم دم	با خورد با خواب نزید نیز ہم
بغیر کھائے اور سوئے آدھا پل بھی نہیں جی سکتا	کھانے اور سونے کے ساتھ بھی نہیں جیتا ہے

یعنی بے خواب و خور کے تو ایک گھڑی بھی زندہ نہیں رہ سکتی۔ (لیکن) خواب و خور کے ساتھ بھی (ہمیشہ کے لئے) زندہ نہیں رہ سکتی۔ (خواب و خور سے مراد ستہ ضروریہ) مطلب یہ کہ ان چیزوں کے نہ ہونے سے تو وہ فنا ہو ہی جاتی ہے لیکن باوجود ان اشیاء کے ہونے کے بھی اس کو بقاء ابدی نہیں ہے۔ بلکہ جب بھی فانی ہے۔ جیسا کہ

بے فتیل و روغنش نبود بقا	با فتیلہ و روغن اوہم بیوفا
اس کی بغیر بتی اور تیل کے بقا نہیں ہے	بتی اور تیل کے ہوتے ہوئے بھی بے وفا ہے

یعنی بے فتیلہ اور تیل کے اس کو بقا نہیں ہے اور مع فتیلہ اور تیل کے بھی وہ بے وفا ہے مطلب یہ کہ جیسا کہ چراغ کہ اگر اس میں تیل بتی ہو تب بھی وہ ایک وقت مقرر کے بعد گل کر دیا جاتا ہے اور فنا ہو جاتا ہے اور اگر تیل بتی نہ ہو تب تو اس کو بقا ہے ہی نہیں۔

زانکہ نور علتی اش مرگ جوست	چوں زید کہ روز روشن مرگ اوست
کیونکہ اس کی بیمار روشنی موت کی متقضی ہے	کیسے جئے کیونکہ روشن دن اس کی موت ہے

یعنی اس لئے کہ نور ضعیف اس کا موت کا متلاشی ہے تو وہ کیونکر جئے کہ روز روشن اس کی موت ہے مطلب یہ کہ چراغ کا نور جو کہ ایک نور ضعیف ہے وہ بھلا کس طرح زندہ رہ سکتا ہے۔ جبکہ روز روشن آوے گا تو اس کو تو

عادۃً موت آ ہی جاوے گی اور وہ فنا کر ہی دیا جائے گا۔ بھلا وہ نور ضعیف اس نور روز کے آگے کب ٹھہر سکتا ہے۔

جملہ حسہائے بشر ہم بے بقاست	زانکہ پیش نور روز حشر لااست
انسان کے تمام حواس فانی ہیں	کیونکہ حشر کے دن کے نور کے سامنے معدوم ہیں

یعنی تمام حواس بشری بھی بے بقاء ہیں اس لئے کہ روز حشر کے نور کے آگے سب فانی ہیں۔ مطلب یہ کہ روح حیوانی کو بقاء ابدی نہیں ہے بلکہ وہ فانی ہے کیونکہ قیامت کے روز تو جو عذاب وثواب ہوگا وہ نسمہ پر ہوگا۔ اس لئے اس روح حیوانی کی حاجت نہ رہی اور جیسے کہ چراغ کی قریب صبح حاجت نہیں رہتی اس لئے اس کو پہلے ہی گل کر دیتے ہیں بس اسی طرح روح حیوانی کو بھی حشر بپا ہونے سے پہلے ہی یعنی موت کے ساتھ ہی فنا کر دیتے ہیں کیونکہ وہاں اس کا کوئی کام ہی نہیں ہے۔ پھر اس کو اس وقت کے لئے کیوں رکھا جاوے اب یہاں چونکہ روح حیوانی کے عدم بقاء کو استطر ادأبیان کیا تھا تو آگے اسی مناسبت سے روح انسانی کے بقا کو بھی استطر ادأبیان فرماتے ہیں کہ۔

نور حس و جان ناپایاں ما	نیست کلی فانی ولا چوں گیا
ہمارے فانی حس اور جان کا نور	گھاس کی طرح بالکلیہ فانی اور معدوم نہیں ہے

یعنی ہمارا نور حس اور جان ابدی بالکلیہ فانی اور نیست گھاس کی طرح نہیں ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح کہ روح حیوانی موت سے فنا ہو جاتی ہے روح انسانی موت سے فنا نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کو بقاء ابدی حاصل ہے جیسا کہ اکثر صوفیہ اور بعض علماء ظاہر اس طرف گئے ہیں کہ خلق الانسان للابد یعنی انسان ابدی ہے ہاں ازلی ابدی نہیں ہے بلکہ صرف ابدی ہے اس میں کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔ تو روح انسانی کو موت سے فنا نہیں۔ یہاں یہ شبہ ہوا کہ اگر روح انسانی موت سے فنا نہیں ہوتی اس کے آثار دنیا میں کیوں ظاہر نہیں ہوتے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ چونکہ روح انسانی خواہ وہ کافر کی ہو یا مومن کی (کیونکہ روح انسانی سب میں ہوتی ہے) موت کے بعد تجلیات جمالیہ سے (جبکہ وہ روح مومن ہو) اور تجلیات جلالیہ سے (جبکہ وہ روح کافر ہو) مغلوب ہو جاتی ہے اس لئے اس کے آثار دنیا میں سے مٹ جاتے ہیں اور آثار ظاہر نہیں ہوتے۔ آگے تین مثالوں سے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔

لیک مانند ستارہ و ماہتاب	جملہ محو انداز شعاع آفتاب
لیکن ستاروں اور چاند کی طرح	سورج کی شعاع سے سب محو ہیں

یعنی لیکن ستارہ اور آفتاب کی طرح کہ سب شعاع آفتاب کی وجہ سے محو ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کہ ستارے آفتاب کے نکلنے کے وقت منطمس ہو جاتے ہیں کہ ان کے آثار مثل نور وغیرہ کے کچھ باقی نہیں رہتے اسی طرح روح انسانی کے آثار بھی موت کے بعد منطمس ہو جاتے ہیں اور دوسری اشیاء کا (یعنی تجلیات کا) غلبہ اس پر ہو جاتا ہے تو وہ مثل فانی کے معلوم ہوتی ہے اسی کی ایک دوسری مثال دیتے ہیں کہ۔

آنچنانکہ سوز و درد و زخم کیک	محو گردد چوں درآید مارا لیک
جیسا کہ پسو کے زخم کی سوزش اور درد	محو ہو جاتا ہے جب سانپ تیری جانب آ جائے

یعنی جس طرح کہ درد اور سوزش پسو کے زخم کی محو ہو جاتی ہے جبکہ تمہاری طرف سانپ آوے مطلب یہ کہ ایک شخص کے پسو نے کاٹ لیا تھا اس کی تکلیف ہو رہی تھی اور اس میں درد اور جلن ہو رہی تھی کہ اسی شخص کے سانپ نے کاٹ لیا۔ تو اب باوجودیکہ پسو کے کاٹنے کے بھی تکلیف تو ہے لیکن اس سانپ کے کاٹنے کے سامنے وہ اس قدر ہیچ ہے کہ گویا نہیں ہے اسی طرح روح انسانی بوجہ غلبہ تجلیات کے باوجود موجود ہونے کے اس قدر مغلوب ہوتی ہے گویا کہ بالکلیہ فانی ہے آگے تیسری مثال دیتے ہیں کہ۔

آنچنانکہ عور اندر آب جست	تا درآب از زخم زنبوراں برست
جیسا کہ ننگا پانی میں گھس جائے	تاکہ پانی میں شہد کی مکھیوں کے کاٹنے سے نجات پالے

یعنی جس طرح کوئی ننگا پانی میں کودا یہاں تک کہ پانی میں بھڑوں کے زخم سے چھوٹا۔ مطلب یہ کہ کوئی شخص پانی میں کود جائے تو حالانکہ وہ موجود ہے لیکن بظاہر معدوم ہے یہی حالت روح انسانی کی بعد الموت ہو جاتی ہے۔ اصل مقصود مثال تو یہاں ختم ہو گیا آگے استطراداً تتمیم مثال کے لئے دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ کوئی کودتا ہے تو اس لئے کودا کرتا ہے بس اس وجہ سے مصرعہ ثانی میں اس کی حالت کو بیان فرمانے لگے۔

می کند زنبور بربالا طواف	چوں برآرد سر ندارندش معاف
شہد کی مکھیاں اوپر چکر کاٹتی ہیں	وہ جب سر ابھارتا ہے اس کو معاف نہیں کرتی ہیں

یعنی بھڑیں اوپر گھوم رہی ہیں جوں ہی وہ سر نکالے تو اس کو معاف نہ رکھیں گی۔ مطلب یہ کہ کسی برہنہ کو بھڑیں لپٹ گئیں تو وہ ان کے ڈر کے مارے پانی میں کود جاوے تاکہ ان کے کاٹنے سے چھوٹے تو وہ بھڑیں اوپر ہی گھومتی رہتی ہیں اور اس نے ذرا سر ابھارا اور انہوں نے ڈنک لگایا۔ اس سے مولانا کا ذہن ایک مضمون ارشادی کی طرف منتقل ہو گیا۔ آگے اسی کو بیان فرماتے ہیں۔

آب ذکر حق و زنبور ایں زماں	ہست یاد ایں فلاں و آں فلاں
اللہ کی یاد پانی ہے اور شہد کی مکھی اس وقت	اس فلاں اور اس فلاں کی یاد ہے

یعنی پانی تو ذکر حق ہے اور زنبور اس وقت اس کی اور اس کی یاد ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ پانی نے اس شخص کو زنبوروں سے بچا لیا اسی طرح اگر تو ذکر حق شروع کر دے گا تو وہ ذکر حق تجھے وساوس و خیالات شیطانی سے بچا لے گا۔ اسی کو خود فرماتے ہیں کہ۔

دم بخور در آب ذکر و صبر کن	تا رہی از فکر و وسواس کہن
ذکر (حق) کے پانی میں سانس گھونٹ لے اور صبر کر	تاکہ تو فکر اور پرانے خیالات سے نجات پالے

یعنی آب ذکر میں غوطہ لگا اور صبر کرتا کہ تو فکر اور وساوس کہنہ سے چھوٹ جاوے۔ مطلب یہ کہ ادھر ادھر کے قصوں کو چھوڑ کر تم ذکر حق میں مشغول ہو جاؤ۔ تو پھر تم وساوس سے بچ جاؤ گے۔

بعد ازاں تو طبع آں آب صفا	خود بگیری جملگی سر تا بپا
اس کے بعد اس صاف پانی کی طبیعت	سر سے پاؤں تک تو خود اختیار کر لے گا

یعنی اس کے بعد تو اس آب صاف کی طبیعت خود سرتا پالے لوگے۔ مطلب یہ کہ پھر جب ذکر تمہارے اندر سرایت کر جاوے گا تو تم کو پھر اس ذکر متعارف کی ضرورت بھی نہ رہے گی بلکہ تمہارے اندر ایک ایسی بات پیدا ہو جاوے گی اور ذکر اس طرح سرایت کر جاوے گا کہ اس ذکر متعارف کی تم کو ضرورت نہ رہے گی جیسا کہ کاملین میں مشاہد ہے کہ بعد کمال ان کو کثرت ذکر کی ضرورت نہیں رہتی۔ بلکہ یہ حالت ہو جاتی ہے۔

آنچناں کز آب آں زنبور شر	می گریزد از تو ہم گیرد حذر
جس طرح وہ شریر شہد کی مکھی پانی سے	بھاگتی ہے تجھ سے بھی ڈرے گی

یعنی جس طرح کہ وہ زنبور شر پانی سے بھاگتی ہے تجھ سے بھی پرہیز کرے گی مطلب یہ ہے کہ جب تم ذکر حق میں مشغول ہو گے اور اس میں لگ جاؤ گے تو پھر تم خود متصف بہ صفات حق ہو جاؤ گے۔ اور تمہاری شان بی یسمع اور بی یبصر کی ہو جاوے گی اور جس طرح کہ شیطان ذکر حق سے بھاگتا تھا خود تمہاری ذات سے بھاگنے لگے گا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ان الشیطان یفر من ظل عمر (رضی اللہ عنہ) یعنی حضرت عمرؓ کے سایہ سے شیطان بھاگتا ہے تو اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ان کو وہ درجہ کمال حاصل ہو گیا تھا کہ جس کی وجہ سے وہ متصف بصفات حق ہو گئے تھے اور شیطان خود ان کی ذات سے بھاگنے لگا تھا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

بعد ازاں خواہی تو دور از آب باش	کہ بسر ہم طبع آبی خواجہ تاش
اس کے بعد اگر تو چاہے پانی سے جدا ہو جا	کیونکہ باطن کے اعتبار سے تو پانی کی طبیعت کا خواجہ تاش ہو گیا ہے

یعنی اس کے بعد اگر تو چاہے تو پانی سے دور رہ کیونکہ باطن میں تو تو بھی ہم طبع آب ہے۔ اے خواجہ تاش مطلب یہ کہ جب یہ حالت ہو جاوے اور ذکر رگ و پے میں سرایت کر جاوے تو اس کے بعد اگر چاہو تو ذکر متعارف کو ترک کر دو تب بھی کوئی حرج نہیں ہے خود تمہاری ذات سے وہی ہو گا جو کہ ذکر سے ہوتا تھا۔ یعنی شیطان بھاگنے لگے گا آگے پھر عود ہے روح انسانی کے بقاء کے مضمون کی طرف فرماتے ہیں کہ۔

بس کسانے کز جہاں بگذشتہ اند	لانیند و در صفات آغشتہ اند
بہت سے وہ لوگ جو دنیا سے چلے گئے ہیں	معدوم نہیں ہیں اور وہ (اللہ کی) صفات میں غرق ہیں

یعنی بہت سے لوگ جو کہ اس جہاں سے گزر گئے ہیں معدوم نہیں ہیں۔ (بلکہ) صفات میں مل گئے ہیں۔

در صفات حق صفات جملہ شاں	ہمچو اختر پیش آں خور بے نشاں
ان سب کی صفات اللہ (تعالیٰ) کی صفات میں	ایسی ہی بے نشان ہیں جیسا کہ ستارے سورج کے سامنے

یعنی صفات حق میں ان سب کی صفات ستارہ کی طرح اس خورشید کے سامنے بے نشان ہیں۔ مطلب یہ کہ جو حضرات بظاہر دنیا سے گزر گئے ہیں وہ معدوم نہیں ہیں بلکہ ان پر صفات حق کا غلبہ ہو گیا ہے اور وہ اس میں مغلوب ہو گئے ہیں کہ ان کے آثار ظاہر و دنیا میں نہیں رہے ورنہ وہ معدوم نہیں بلکہ موجود ہیں جیسا کہ خورشید کے نور کے آگے نور اختر کالعدم ہوتا ہے۔ اسی مضمون کو اس سے پہلے بھی بیان فرما چکے ہیں یہاں تک تو کشف کے ذریعہ سے اس کو بیان فرمایا تھا آگے ایک نقلی دلیل اس کی لاتے ہیں کہ۔

گر ز قرآں نقل خواہی اے حروں	خواں جمیع ہم لدینا محضروں
اے سرکش! اگر تو قرآن سے ثبوت چاہتا ہے	پڑھ لے وہ سب ہمارے پاس حاضر کئے ہوئے ہیں

یعنی اے سرکش اگر قرآن سے نقل کی ضرورت ہو تو ہم لدینا محضرون کو پڑھ لو۔

محضرون معدوم نبود نیک بیں	تا بقائے روحہا دانی یقیں
اچھی طرح سمجھ لے "حاضر کئے ہوئے" معدوم نہیں ہوتے	تاکہ تو روحوں کے باقی رہنے کو یقینی طور پر جان لے

یعنی جو معدوم ہوتے ہیں وہ محضروں نہیں ہوتے۔ خوب دیکھ لو تا کہ ارواح کے بقا کو یقیناً جان لو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو دلیل نقلی کی ضرورت ہو تو دیکھو قرآن شریف میں ہے کہ جمیع لدینا محضرون کہ سب ہمارے پاس جمع ہوں گے تو بھلا جو معدوم ہوتے ہیں وہ حاضر کیسے ہو سکتے ہیں اس لئے معلوم ہوا کہ ان کی ارواح معدوم نہیں جب تو وہاں حاضر ہونگے۔ مگر چونکہ روح انسانی کفار و مسلمین سب میں ہوتی ہے اور سب کی ارواح تجلیات میں مغلوب ہیں صرف فرق اس قدر ہے کہ کفار کی ارواح پر تجلیات جلالیہ ہوں گی اور مومنین کی ارواح پر تجلیات جمالیہ ہوں گے اس لئے مولانا نے آگے روح کی قسمیں کیں اور دونوں کے احکام بیان فرماتے ہیں کہ۔

روح محجوب از بقائش در عذاب	روح واصل در بقا پاک از حجاب
اس کی بقا سے رکی ہوئی روح عذاب میں ہے	جو روح بقا (باللہ) میں واصل (بحق) ہے وہ پردے سے پاک ہے

یعنی روح محجوب (کافر) تو اپنی بقا کی وجہ سے حجاب میں ہے اور روح واصل بقا میں حجاب سے پاک ہے۔

مطلب یہ کہ کفار کی ارواح انسانیہ بھی باقی ہیں اور مومنین کی بھی لیکن کفار کی ارواح اس بقاء کی وجہ سے عذاب بھگت رہی ہیں اور مومنین کی ارواح اس بقاء کی وجہ سے عیش میں ہیں آگے اصل مقصود یعنی روح حیوانی کے عدم اتحاد کی طرف عود ہے فرماتے ہیں کہ۔

زیں چراغ حس حیوان المراد	گفتمت ہاں تا نجوئی اتحاد
خلاصہ یہ ہے کہ اس حیوانی حس کے چراغ سے	میں نے تجھے بتا دیا خبردار اتحاد کا طالب نہ بننا

یعنی الحاصل اس حس حیوانی کے چراغ سے میں نے تم سے کہہ دیا کہ تم اتحاد کے متلاشی مت رہنا۔ مطلب یہ کہ میں نے تم کو بتا دیا ہے کہ تم ہرگز ہرگز روح حیوانی میں اتحاد کے امید پر مت رہنا ان میں ہرگز اتحاد نہ ہوگا۔ بس جب یہ بات ہے تو آگے اس پر تفریع فرماتے ہیں کہ۔

روح خود را متصل کن اے فلاں	زود با ارواح قدس سالکاں
اے فلاں! اپنی روح کو وابستہ کر دے	بہت جلد سالکوں کی پاک روحوں کے ساتھ

یعنی اے شخص اپنی روح کو جلدی سے سالکین کی ارواح مقدسہ کے ساتھ متصل کر دے مطلب یہ کہ تم اپنی روح انسانی کو جو کہ بوجہ اتباع روح حیوانی کے روح حیوانی ہی کے حکم میں ہو رہی ہے کاملین کی روح کے ساتھ متصل کر دو تا کہ وہ بھی سالکین کی روح کے اوصاف کے ساتھ متصف ہو جاوے۔ آگے پھر روح حیوانی کی مثال کی تقریر فرماتے ہیں کہ۔

صد چراغت ارمرند اربیستند	بس جدایندو یگانہ نیستند
تیرے سو چراغ خواہ وہ مریں یا قائم رہیں	(آپس میں) بہت جدا ہیں اور ایک نہیں ہیں

یعنی سو چراغ اگر مریں اور اگر قائم ہوں تو وہ جدا ہیں اور ایک نہیں ہیں مطلب یہ کہ اگر تمہارے سینکڑوں چراغ ہوں وہ خواہ گل ہوں اور خواہ جلتے رہیں وہ سارے کے سارے جدا ہی ہیں ایک تو نہیں ہیں۔ بس اسی طرح سے ارواح حیوانیہ خواہ وہ زندہ رہیں یا مر جاویں ان میں اتحاد نہیں ہو سکتا۔

زاں ہمہ جنگند ایں اصحاب ما	جنگ کس نشنید اندر انبیا
اسی لئے ہمارے یہ سب ساتھی لڑتے ہیں	کسی نے انبیاء میں لڑائی (کی بات) نہیں سنی ہے

یعنی اسی لئے ہمارے سارے لوگ لڑائی میں ہیں اور کسی نے انبیاء علیہ السلام میں لڑائی نہیں سنی۔

زانکہ نور انبیا خورشید بود	نور حس ما چراغ و شمع و دود
کیونکہ انبیاء کا نور سورج (سے) تھا	ہمارے حواس کا نور چراغ اور شمع اور دھواں ہے

یعنی اس لئے کہ انبیاء علیہ السلام کا نور تو خورشید تھا اور ہمارا نور حس چراغ اور شمع اور دود تھا مطلب یہ کہ اسی عدم اتحاد کی وجہ سے غیر کاملین اور غیر مقبولین میں ہمیشہ اختلاف رہتا ہے اور ہمیشہ لڑتے ہی رہتے ہیں لیکن انبیاء میں کبھی لڑائی نہیں ہوتی کیونکہ ان کی مثال تو خورشید جیسی ہے کہ اس کا نور متحد ہے۔ اس میں اختلاف نہیں ہے اور ہمارا نور چراغ جیسا ہے کہ جس میں بالکل اختلاف ہے جیسا کہ خود فرماتے ہیں کہ۔

یک بمیرد یک بماند تا بروز	یک بود پژمردہ دیگر با فروز
ایک بجھ جاتا ہے ایک دن تک رہتا ہے	ایک ٹمٹاتا ہے دوسرا روشن ہے

یعنی ایک مرتا ہے اور ایک دن تک رہتا ہے اور ایک پژمردہ ہوتا ہے اور دوسرا بارونق رہتا ہے۔ مطلب یہ کہ چراغوں کے اختلاف کی اور تزاحم کی یہ حالت ہے کہ ایک روشن ہے ایک گل ہے ایک ٹمٹما رہا ہے ایک بالکل گل ہو گیا ہے لیکن شمس میں یہ بات نہیں ہے بلکہ اس کا نور ہمیشہ اور ہر جگہ یکساں ہے اگر ہے تو سب جگہ ہے اور اگر نہیں ہے تو کہیں بھی نہیں ہے۔

جان حیوانی بود حی از غذے	ہم بمیرد او بہر نیک و بدے
حیوانی روح غذا سے زندہ رہتی ہے	وہ اچھائی اور برائی کے ساتھ مر بھی جاتی ہے

یعنی جان حیوانی تو کھانے سے زندہ رہتی ہے اور وہ ہر ایک نیک و بد سے مر بھی جاتی ہے مطلب یہ کہ یہ سب تو خود غرض ہیں ہر ایک کا کھانا پینا اور غذا الگ ہے جیسا کہ چراغوں میں سب کی غذا اور تیل بتی الگ الگ ہے اور یہ حالت ہے کہ۔

گر بمیرد ایں چراغ و طے شود	خانۂ ہمسایہ مظلم کے شود
اگر یہ چراغ بجھ جائے اور لپٹ جائے	پڑوسی کا گھر تاریک کب ہو گا؟

یعنی اگر یہ چراغ مر جاوے اور طے ہو جاوے تو ہمسایہ کا گھر اندھیرا کب ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر ایک گل ہو گیا تو دوسرا روشن ہے ان میں بوجہ تزاحم کے یہ تو ہے نہیں کہ ایک گل ہو تو دوسرا بھی گل ہی ہو جاوے۔

نور آں خانہ چو بے ایں ہم بپاست	پس چراغ حس ہر خانہ جداست
جب اس گھر کی روشنی اس کے بغیر بھی قائم ہے	تو حس کا چراغ ہر گھر کا جدا ہے

یعنی اس گھر کا نور جو بے اس کے بھی موجود ہے تو چراغ حس ہر گھر کا جدا ہے مطلب یہ کہ جب باوجود ایک کے گل ہو جانے کے بھی دوسرے کا نور موجود ہے تو معلوم ہوا کہ ہر گھر کا چراغ الگ الگ ہے اور ہر ایک کے نور میں تزاحم ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ایں مثال جان حیوانے بود	نے مثال جان ربانے بود
یہ روح حیوانی کی مثال ہے	نہ کہ ربانی روح کی مثال

یعنی یہ جان حیوانی کی مثال ہوتی ہے نہ کہ جان ربانی کی مثال ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ یہ چراغ کی مثال جان حیوانی کی مثال ہے ورنہ جان ربانی ایسی نہیں ہوتی بلکہ اس میں تو اتحاد ہوتا ہے۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ آگے ایک اور مثال اس اتحاد کی دیتے ہیں کہ۔

باز از ہندوی شب چوں ماہ زاد	برسر ہر روزنے نورے فتاد
پھر رات کی تاریکی سے جب چاند نکلا	ہر سوراخ پر روشنی پڑی

یعنی پھر ہندوئے شب سے جو چاند پیدا ہوا تو ہر روزن پر ایک نور پڑا۔ (رات کو بوجہ تاریکی کے ہندو کہہ دیتے ہیں) مطلب یہ کہ لو پھر اور ایک بات سنو کہ جب رات کو چاند نکلا تو اس کا نور ہر جگہ پر پڑا۔

نور آں صد خانہ را تو یک شمر	کہ نماند نور ایں بے آن دگر
ان سو گھروں کی روشنی کو تو ایک سمجھ	کیونکہ اس کا نور اس دوسرے کے بغیر نہیں رہتا ہے

یعنی اس سو گھروں کے نور کو تم ایک ہی گنو کیونکہ اس کا نور اس کے بغیر نہیں رہتا۔ مطلب یہ کہ چاند کا نور جو سب چیزوں پر پڑا ہے اور وہ بظاہر کئی نور معلوم ہوتے ہیں تم ان کو کئی مت جانو بلکہ وہ غایت اتحاد کی وجہ سے ایک ہی نور ہے۔ جس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایک جگہ کا نور جاتا رہے تو فوراً دوسری جگہ کا بھی جاتا رہتا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہو گیا کہ یہ سب ایک ہی تھے۔ اس مثال کا بھی حاصل وہی ہے جو اوپر گزرا۔ آگے پھر اسی مثال خورشید کو پھر بیان فرماتے ہیں کہ۔

تا بود خورشید تاباں برافق	ہست در ہر خانہ نور او قنق
جب تک سورج افق پر روشن ہے	ہر گھر میں اس کا نور مہمان ہے

یعنی جب تک کہ خورشید تاباں افق پر ہوتا ہے اس کا نور ہر گھر میں مہمان ہوتا ہے یعنی ہر جگہ اس کا نور یکساں پڑتا ہے آگے تتمیم مثال کے لئے اس کو بیان کرتے ہیں کہ جس طرح طلوع نور کے وقت اتحاد ہے اسی طرح اس کے غروب میں بھی اتحاد ہے کہ جب غروب ہوتا ہے تو اس وقت بھی سب جگہ ہی سے غروب ہو جاتا ہے۔ یہ مضمون محض استطراداً و تتمیماً للمثال بیان فرماتے ہیں۔

باز چوں خورشید جاں آفل شود	نور جملہ جانہا زائل شود
پھر جب روح کا سورج غروب کر جاتا ہے	تمام جانوں کا نور زائل ہو جاتا ہے

یعنی پھر جب خورشید جاں غروب ہو جاتا ہے نور تمام گھروں کا زائل ہو جاتا ہے (اس سے پہلے چونکہ جاں کو

خورشید سے مثال دی تھی تو اب خورشید کو جان سے مثال دے دی کہ جب تشابہ دونوں طرف سے ہے تو ظاہر ہے کہ خورشید جان کی طرح تو جان خورشید کی طرح ہوگی تو یہاں غایت تشابہ کی وجہ سے خورشید کو جان سے تشبیہ دیدی) مطلب یہ کہ وہ خورشید جو کہ جان کی طرح ہے جب غروب ہو جاتا ہے تو ایک دم سے سب گھروں میں سے نور جاتا رہتا ہے اب یہاں فلسفی شخص کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ جب جان کو خورشید سے مثال دی اور خورشید منور بالذات ہے اور مستقل ہے تو روح بھی مستقل ہوئی اور قدیم ہوئی جیسا کہ اس کا مذہب ہے تو اس سے اس کو سہارا مل سکتا تھا آگے اس کا رد فرماتے ہیں کہ۔

مر ترا ہادی عدو را رہزنے	ایں مثال نور آمد مثل نے
تیرے لئے ہادی ہے دشمن کے لئے رہزن ہے	یہ نور کی مثال ہے مثل نہیں ہے

یعنی یہ نور کی مثال ہے مثل نہیں ہے اور تمہارے لئے تو ہادی ہے اور عدو کے لئے رہزن ہے مطلب یہ کہ یہ مثل تو ہے نہیں صرف مثال ہے جو شخص کہ تابع وحی ہے اس کے لئے تو ہادی ہے کہ اس کو صرف مثال سمجھ کر روح کو حادث بالذات والزمان سمجھے گا اور جو دشمن دین اور غیر تابع وحی ہے وہ اس کو مثل سمجھ کر اس سے روح کو قدیم سمجھے گا اور گمراہ ہوگا اس دشمن دین کی یہ حالت ہے کہ۔

پردہاے گندہ را بر با فداو	بر مثال عنکبوت آں زشت خو
گندے پردے بنتا ہے	وہ بدخو مکڑی کی طرح

یعنی مکڑی کی طرح وہ زشت خو گندے پردے بن رہا ہے مطلب یہ کہ جس طرح کہ مکڑی اپنے لعاب سے جالا بناتی ہے کہ وہ بے حد کمزور اور گندہ ہوتا ہے اسی طرح یہ فلسفی گندی باتیں کہہ رہا ہے اور وحی کا معارضہ کر رہا ہے۔

پردۂ ادراک خود را کور کرد	از لعاب خویش پردہ نور کرد
اپنے احساس کی آنکھ کو اندھا بنا لیا	اپنے لعاب سے اس نے نور پر پردہ ڈال دیا

یعنی اپنے لعاب سے نور کا پردہ بنایا اور اپنے ادراک کے پردہ کو اندھا کر لیا۔ مطلب یہ کہ فلسفہ میں پڑ کر اور وحی کا معارضہ کر کے اپنی بصیرت کو مٹا لیا۔ اور بالکل اندھا ہو گیا کہ اب اس کو حقیقت نظر ہی نہیں آتی اور اتباع وحی نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ایسی مثال ہے کہ

ور بگیرد پاش بستاند لکد	گردن اسپ ار بگیرد بر خورد
اور اگر اس کے پاؤں پکڑے گا لاتیں کھائے گا	اگر گھوڑے کی گردن پکڑ لے گا فائدہ اٹھائے گا

یعنی اگر گھوڑے کی گردن پکڑے تو وہ گھوڑا کھا جاوے اور اگر اس کا پاؤں پکڑے تو لات لے مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص گھوڑے پر بے لگام کے سوار ہونے لگے تو اگر منہ کی طرف جاوے تو وہ کاٹتا ہے اور اگر پاؤں کی طرف جاوے تو وہ لات مارتا ہے غرضکہ بوجہ لگام نہ ہونے کے اس کو کسی طرف سے امن نہیں ملتا۔ تو اسی طرح چونکہ فلسفی

کے پاس شریعت کی باگ نہیں ہے لہذا وہ جس مضمون کو بیان کرتا ہے اگر اس کی نفی کرتا ہے تب بھی ٹھوکر کھاتا ہے اور اگر کسی کا اثبات کرتا ہے تب بھی راس نہیں آتا۔ غرضکہ ساری خرابی شریعت کا اتباع نہ ہونے کی وجہ سے ہی ہے۔اس لئے مولانا آگے فرماتے ہیں کہ۔

کم نشیں بر اسپ توسن بے لگام	عقل و دین را پیشوا کن والسلام
سرکش گھوڑے پر بے لگام نہ چڑھ	عقل اور دین کو پیشرو بنا لے والسلام

یعنی سرکش گھوڑے پر بے لگام کے کم بیٹھو اور عقل و دین کو پیشوا بناؤ، والسلام۔ مطلب یہ کہ علوم عالیہ ایک سرکش گھوڑے کی طرح ہیں اور شریعت ان کے لئے لگام ہے کہ ان کو حدود میں رکھتی ہے۔ تو تم ان کو بے اتباع کے بیان مت کرو اور دین کو عقل کے ساتھ ملا کر پیشوا بناؤ اس لئے کہ اگر صرف عقل ہے تب تو گمراہ ہونا ظاہر ہی ہے کہ ہدایت دین ہی سے ہے لیکن اگر صرف دین ہے عقل نہیں ہے تب بھی گمراہی ظاہر ہے اس لئے کہ دین کو سمجھنے کیلئے آخر عقل ہی کی ضرورت ہے۔ لہذا دونوں کی ضرورت ہے والسلام۔ اب یہاں کسی کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ پھر دین تو بیحد آسان چیز ہوئی۔ اس کا حصول کیا مشکل ہے تو اگرچہ یہ امر بالکل درست ہے لیکن اس سے کوئی دین کو ہلکا سمجھنے لگتا۔ اس لئے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

اندریں آہنگ منگر سست و پست	کاندریں رہ صبر شق انفس است
اس راستہ کو سست اور پست نہ سمجھ	کیونکہ اس راستہ میں صبر کرنا جانوں کیلئے شاق ہے

یعنی اس راہ کو سست و پست مت دیکھو کہ اس میں صبر شق انفس ہے مطلب یہ کہ اس کو اس قدر ہلکا بھی نہ سمجھا جاوے کہ کچھ کیا ہی نہ جاوے بلکہ اس میں بہت مجاہدات و ریاضات کرنے پڑتے ہیں۔ ان مجاہدات کے بعد برکات وحی فائض ہوتے ہیں اور پھر کچھ ملتا ہے۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس سرخی میں شعر کردۂ او کردۂ تست اے حکیم۔ الخ سے اس شعر یعنی اندریں آہنگ الخ تک کے اشعار میں جو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مضامین بیان فرمائے ہیں وہ مضامین بھی غامض ہیں اور پھر دوسری بات یہ ہے کہ مضامین میں آپس میں کہیں کہیں ربط ذرا مشکل ہے۔ اس لئے حضرت قبلہ حکیم الامۃ دام ظلہم نے اس مقام کے متعلق اپنے قلم سے بھی تقریر تحریر فرمائی ہے لہذا ذیل میں اس کا درج کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وھو ہذا۔ قولہ " کردۂ او کردۂ تست الخ قولہ مومنان الخ مراد یہ کہ ان کے ایمان کامل کا سب کا مقتضا ایک ہے آگے اس کی لم ہے کہ ان کا جسم گو ایک ہے لیکن ان کی روح انسانی بحیثیت اپنے مطلوب کے ایک ہے یعنی ان سب ارواح کا مطلوب ایک ہے۔ اور وہ مطلوب مقتضا ہے ان کے ایمان کامل کا پس یہ کہنا صحیح ہوا ایک ایمان نکلے۔ آگے بتلاتے ہیں کہ وہ ارواح جن سب کا مطلوب ایک ہے ارواح حیوانیہ نہیں ہیں جن کا مطلوب اکل وشرب ولذات حسیہ ہیں بلکہ ان ارواح حیوانیہ کے علاوہ انسان میں ایک اور روح ہے اور اس حکم اتحاد مطلوب کا محکوم علیہ وہ روح ہے مگر نہ مطلقاً بلکہ جبکہ اپنے مقتضائے اصلی پر باقی

رہے۔ روح حیوانی کے تابع نہ جاوے۔ اور یہ مقتضا چونکہ انبیاء واولیاء میں جو کہ کامل الایمان ہیں اقوی واکمل ہے۔ آگے اسی کو فرماتے ہیں "باز غیر عقل و جان الخ پس یہ تغائر باعتبار ذات کے نہیں کیونکہ مقبولین میں روح انسانی کے علاوہ کوئی اور روح زائد نہیں ہے بلکہ تغائر باعتبار وصف خاص کے ہے یعنی ان کی ارواح میں وصف ایمانی وعرفانی مقتضی اتحاد مطلوب عامہ سے بڑھا ہوا ہے۔ آگے ارواح حیوانیہ کے عدم اتحاد کا ذکر ہے کہ ان سب کا مطلوب مختلف ہے اس لئے ان میں تزاحم وتمانع ہوتا ہے آگے بطور حاصل کے مجموعہ حکمین یعنی مقبولین میں بحیثیت مذکورہ اتحاد اور غیر مقبولین میں عدم اتحاد کو اس شعر میں فرماتے ہیں" جان گرگان وسگان الخ اس شبہ کو رفع فرماتے ہیں کہ جب وہ سب متحد ہیں تو ان کو صیغہ جمع سے کیوں تعبیر کرتے ہو۔ جواب یہ ہے کہ وہ اتحاد بالاغراض ہے ورنہ بالتشخص تو ان میں تعدد ہی ہے کہ ہر جسم کے ساتھ جدا روح انسانی متعلق ہے اور اس اختلاف احکام جسمیہ کے وجہ سے باوجود اتحاد غرض کے طرق تحصیل غرض میں ان میں بھی اختلاف ہے۔ آگے اتحاد مذکور کی مثال ہے۔ ہمچو آں یک نور خورشید الخ کہ اس مثال میں بھی من وجہ تعدد من وجہ اتحاد ہے۔ اور جس طرح یہاں دیواروں کے اٹھنے سے ایک ہی نور ہو جاتا ہے اسی طرح وہاں جب احکام جسمیہ مرتفع ہو جاویں گے خصوصیات طرق زائل ہو کر غرض میں اتحاد محض رہ جاوے گا۔ اسی لئے تو اس حکم میں مومنین کی تخصیص فرمائی۔ پس یہاں بھی صرف ارواح کاملین کا متحد بالغرض ہونا مذکور ہوا ہے۔ اب ظاہراً اس مثال سے یہ اشکال لازم آتا تھا کہ مثال میں تو سب قطعات نور یہ اجزاء ہیں نور واحد بالتشخص کے اور ارواح متعددہ اجزاء نہیں ہیں روح واحد بالتشخص کے جواب اس کا ظاہر ہے کہ یہ مثال ہے مثل نہیں۔ اتحاد من وجہ دونوں میں مشترک ہے گو وجہ اتحاد مختلف ہو وہذا قولہ فرق واشکالات الخ یعنی دونوں میں واقع میں فرق ہے اور وہی فرق بناء ہے اشکالات کی آگے عذر فرماتے ہیں کہ اتحاد مبحوث عنہ کیساتھ کوئی محل بجز قلوب مومنین کے متصف نہیں۔ اس لئے مثال میں کسی مثل کو پیش نہیں کرسکا اور یہ حکم بہت ظاہر ہے۔ اس لئے کہ اتحاد فی الغرض المحمود موقوف ہے علم اور قصد ونزاہت پر اور بعض مخلوقات دنیویہ میں علم نہیں بعض میں قصد نہیں۔ بعض میں نزاہت نہیں اور ملائکہ اس عالم کے کائنات نہیں۔ ان سب کا جامع اس دنیا میں صرف اہل ایمان کامل ہیں وہذا ہو قولہ متحد نقشے الخ یعنی ایں سرائے دنیا اندر خود نقشے یعنی مخلوقے ندارد۔ کہ موصوف باتحاد مذکور باشد۔ بجز قلوب مومنین کاملین۔ آگے فرماتے ہیں کہ ایک مثال ناقص ارواح حیوانیہ کے عدم اتحاد کی بھی لاتا ہوں اور ناقص ہونا اس کا بھی ظاہر ہے کہ انوار سرج میں تزاحم تو نہیں جس طرح اغراض عوام میں تزاحم ہے اور ہر چند کہ عوام میں بھی ارواح انسانیہ ہیں مگر چونکہ وہ تابع ہو گئیں۔ ارواح حیوانیہ کے مطلوبیت لذات میں اس لئے ان عوام کے اعتبار سے یہاں احکام ارواح حیوانیہ کے بیان فرمائے۔ ان اشعار میں شب بہر خانہ الخ اور جملگی بر خواب وخور میں اشارہ کر دیا ان کی علت تزاحم کی طرف کہ وہ طالب ہیں لذات حسیہ کی جن میں تزاحم ہوتا ہے بس اصل مضمون مقصود مقام یہاں ختم ہوا اور اس مثال میں دو وصف متحقق ہیں

ایک احتیاج الی الاسباب و آلات دوسرے عدم بقاء اور گو وجہ شبہ وصف اول ہے لیکن تبعاً وصف ثانی کی تطبیق بھی بیان فرمانے لگے۔ اس شعر سے بے خوردو بے خواب الخ اور عدم بقاء روح حیوانی کا ظاہر ہے کہ مرنے کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہے اور جملہ روز روشن مرگ اوست کے معنی یہ ہیں کہ عادۃً دن کو گل کر دیا جاتا ہے اور جملہ زانکہ پیش نور روز حشر لاست کے معنی یہ ہیں کہ اس روح حیوانی کے فناء وقت الموت کی حکمت یہ ہے کہ جس طرح دن کو چراغ بیکار ہو جاتا ہے اسی طرح یہ روز حشر میں بیکار ہوتی۔ اس لئے کہ جزا و سزا انسان کی اس کے نسمہ پر ہوگی نہ کہ روح حیوانی پر بخلاف احکام دنیویہ کے کہ احتیاج الی المعیشۃ کے سبب اس کی حاجت تھی پس تالم و تنعم میں وہ بھی شریک تھی۔ اس لئے اس کا بقاء بعد الموت بے فائدہ تھا اس لئے وہ فنا کر دے گی اور چونکہ استطراداً روح حیوانی کے عدم بقاء کا ذکر کیا۔ اس لئے استطراداً ہی روح انسانی کے بقا کا بھی ذکر فرماتے ہیں۔ اس شعر سے نور حسن و جان الخ یعنی وہ موت سے فنا نہیں ہوتی پھر جو اس کے آثار دنیا میں ظاہر نہیں ہوتے اس کی وجہ یہ ہے کہ بعد الموت بوجہ مفارقت مادہ ہیولانیہ کے جو کہ قبول تجلیات سے مانع تھا اس نے تجلیات حق کو زیادہ قبول کیا خواہ تجلیات جمالیہ جیسے اہل ایمان پر خواہ تجلیات جلالیہ جیسے اہل کفر پر پس ان تجلیات سے مغلوب ہو کر اس کے آثار عالم دنیا سے منطمس ہو گئے۔ وھذا قولہ لیک مانند ستارہ الخ وقولہ آنچناں کہ سوز الخ وقولہ آنچنانکہ عور اندر آب جست الخ اور وجہ شبہ صرف مصرعہ اول میں تام ہوگئی۔ باقی مصرعہ ثانیہ اور شعر ثانی محض تتمیم ہے۔ حالت مشبہ بہ کی جس کو اس تشبیہ میں کچھ دخل نہیں مگر اس تتمیم سے مولانا کا ذہن منتقل ہو گیا۔ ایک مضمون ارشادی کی طرف جس کو اس شعر سے ارشاد فرمایا ہے۔ اب ذکر حق وز نبور الخ جس کا حاصل یہ ہے کہ مانع وساوس سے ذکر حق ہے تو اس میں مستغرق ہو جا جب یہ خوب ساری ہو جاوے پھر اگر ذکر متعارف بھی نہ ہو تب بھی ضرر نہیں چنانچہ کاملین میں ظاہراً ذکر کی تقلیل کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ یہ مضمون ارشادی خواجہ تاش تک ختم ہو گیا آگے پھر عود ہے۔ مضمون سابق بقاء ارواح انسانیہ کی طرف بس کسانے الخ یعنی گو ظاہراً فانی ہیں مگر باقی ہیں اور صفات حق سے مراد عام ہے جلالیہ و جمالیہ سے چنانچہ اسی عموم کی بنا پر آگے اس کی دو قسمیں فرمائیں۔ روح محجوب الخ پس از علیہ ہے نہ کہ صلہ محجوب کا۔ آگے زین چراغ الخ میں پھر مقصود یعنی تزاحم ارواح حیوانیہ کی طرف عود ہے۔ آگے روح خود را الخ میں گویا ماقبل پر تفریع ہے کہ جب روح حیوانی کا عدم اتحاد اور روح انسانی کا اتحاد ثابت ہو چکا تو تو اپنی روح کو کہ بوجہ اتباع روح حیوانی کے بحکم روح حیوانی کے ہو گئی ہے۔ ارواح کاملین کے ساتھ متصل یعنی ان کے تابع کر دے کہ وہ بھی ان ہی کے ارواح کے اوصاف کے ساتھ متصف ہو جاوے آگے صد چراغت الخ سے ایں مثال جان حیوانی الخ تک پھر تقریر ہے۔ مثال مذکور بالا روح حیوانی کی اسی حکم عدم اتحاد کی توضیح کے لئے یہاں تک مثالیں ختم ہو گئیں۔ اتحاد ارواح انسانیہ کی بھی کہ وہ مثال تھی آفتاب کی اور عدم اتحاد ارواح حیوانیہ کی بھی کہ وہ مثال تھی چراغ کی آگے باز از ہندوئے شب الخ میں دوسری مثال اسی اتحاد کی فرماتے ہیں۔ پس باز بمعنی ثم تراخی

فی المذکور کے لئے نہیں بلکہ تراخی فی الذکر کے لئے ہے یعنی ایک مثال تو میں اوپر دے چکا پھر اس کے بعد دوسری مثال سنو۔ جس کا حاصل بھی وہی ہے اور شاید نکتہ اس دوسری مثال میں یہ ہو کہ مولانا نے اتحاد کا حکم دو محل میں کیا ہے ارواح انبیاء میں اور ارواح اولیاء میں۔ پس محل اول کے لئے مثال خورشید کی ہو اور محل ثانی کے لئے مثال ماہتاب کی۔ ماہتاب کی مثال تصریح رد علی الفلسفی کے لئے ہو کہ جس طرح نور قمر حادث زمانی ہے اسی طرح وجود روح حادث زمانی ہے۔ آگے مثال مذکور کی تتمیم ہے کیونکہ اوپر اتحاد میں محض طلوع کا اعتبار کیا گیا ہے اور پورا اتحاد جب ثابت ہوتا ہے کہ غروب کی حالت میں بھی اتحاد ہو اس لئے تا بود خورشید اور باز چوں خورشید میں دونوں کے مجموعہ کی تقریر فرمادی پس خورشید جان سے مراد بھی خورشید اور اس کی اضافت جان کی طرف باعتبار ادنیٰ ملابست کے ہے کہ جان اس کا مشبہ ہے۔ آگے ایں مثال نورآ مد الخ میں رد ہے فلسفی کا کہ شاید وہ اس تشبیہ روح بالشمس سے تائید سمجھنے لگے قدم روح کی جو کہ اس کا مذہب ہے۔ پس اجمالاً رد فرماتے ہیں کہ اول تو یہ مثل نہیں مثال ہے اور ظاہراً مولانا نے اسی پر اکتفا فرمایا مگر آگے جواب کی طرف بھی اشارہ فرمایا۔ یعنی پھر مثل ہونے سے بھی خود وہ مثل ہی حادث ہے دانا و زمانا جس کی دلیل اگر عقلی کسی کی نزدیک کافی نہ ہو تو وحی تو کافی ہے جس کے مقابلہ میں اس فلسفی کے خیالات مثال تار عنکبوت کے ہیں جو اس کے لئے نور حقیقت سے حجاب ہے اور اس فلسفی کی یہ حالت ہے جیسے کوئی شخص گھوڑے پر بغیر لگام کے جو کہ اس کو حد کے اندر رکھتی ہے سوار ہونے لگے کہ اگر اس کا سر پکڑتا ہے تو وہ کاٹتا ہے اور اگر پاؤں پکڑتا ہے تو لات مارتا ہے۔ اسی طرح اس کی حالت ہے کہ بغیر قید شرع کے جو کہ عقل متوسط کی حد کے اندر رکھتی ہے اگر الٰہیات کی تحقیق کرتا ہے تب گمراہ ہوتا ہے اور اگر طبعیات کی تحقیق کرتا ہے تب بھی گمراہ ہوتا ہے آگے وصیت فرماتے ہیں کہ بغیر وحی کے مرکب علوم پر سوار مت ہو جبکہ وحی کو جس کا صحیح ادراک عقل سلیم سے ہوتا ہے (کیونکہ بغیر اس کے تو وحی میں بھی افراط تفریط کرنے لگتا ہے) اپنا متبوع بناؤ اور آگے ان لوگوں کی اصلاح فرماتے ہیں جو اتباع وحی کا کرتے ہیں مگر ظاہر پرستی و اقتصار علی الصورت کے سبب اس کو سرسری سمجھتے ہیں پس فرماتے ہیں کہ اس پرستی اور پستی سے نظر مت کرو کیونکہ اس میں مشقت کی بھی ضرورت ہے۔ عملاً بھی حالاً بھی اور وہ مشقت مجاہدہ نفس ہے۔ اس سے حقیقت وحی کی ظاہر ہوتی ہے اور برکات وحی کے فائض ہوتے ہیں۔ کتبہ اشرف علی ۲۲ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ آگے مولانا پھر قصہ مسجد کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ۔

باز گرد و قصۂ مسجد بگو	با سلیمان نبی نیک خو
واپس چل اور مسجد کا قصہ کہہ	نیک خصلت سلیمانؑ نبی کے ساتھ (جو ہوا)

یعنی پھر لوٹو اور مسجد کا قصہ سلیمان نبی علیہ السلام نیک خو کے ساتھ بیان کرو۔ مطلب یہ کہ اوپر جو کہا تھا کہ ارشاد حق ہوا کہ اے داؤد (علیہ السلام) تم سے یہ مسجد نہ بنے گی تمہارا بیٹا اس کو پورا کرے گا تو اب فرماتے ہیں کہ ان کی ساتھ اس مسجد کا کیا قصہ ہوا ذرا بیان تو کرو۔ آگے قصہ ہے۔

مسجد اقصیٰ کی تعمیر کے قصہ کا بقیہ اور سلیمان علیہ السلام کا اس کو بنانا اور ان کو غیب سے امداد پہنچنا

چوں سلیماں کرد آغاز بنا	پاک چوں کعبہ ہمایوں چوں منیٰ
جب (حضرت) سلیمانؑ نے تعمیر ابتداء کی	جو کعبہ کی طرح پاک اور منیٰ کی طرح بابرکت ہے

یعنی سلیمان علیہ السلام نے تعمیر شروع کی جو کہ کعبہ کی طرح پاک تھی اور منیٰ کی طرح مبارک تھی۔

در بنایش دیدہ می شد کر و فر	نے فسردہ چوں بناہائے دگر
اس کی تعمیر میں شان و شوکت نظر آتی تھی	دوسری عمارتوں کی طرح ٹھٹھری ہوئی نہ تھی

یعنی اس کی تعمیر میں (غیب سے) ایک شان وشوکت دیکھی تھی۔ (اور وہ) دوسری تعمیرات کی طرح افسردہ نہ تھی۔

در بنا ہر سنگ کز کہ می شکست	فاش سیروابی ہمی گفت از نخست
تعمیر میں جو پتھر پہاڑ سے ٹوٹتا تھا	وہ پہلے ہی سے "مجھے لے چلو" علی الاعلان کہتا تھا

یعنی تعمیر میں جو پتھر کہ پہاڑ سے ٹوٹتا تو ظاہر طور پر پہلے ہی کہتا تھا کہ مجھے لے چلو۔ مطلب یہ کہ اس قدر مستعدی سے کام ہو رہا تھا کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ پتھر کہتا ہے کہ مجھے جلدی سے لے چلو اور لگا دو۔

ہمچو از آب و گل آدم کدہ	نور زاں کہ بارہا تاباں شدہ
آدم کے جسم کے پانی اور مٹی کی طرح	پہاڑ کے ان ٹکڑوں سے نور چمکتا تھا

یعنی آب وگل آدم کدہ کی طرح ان پہاڑ کے ٹکڑوں سے نور چمک رہا تھا۔ (آب وگل آدم کدہ سے مراد قالب سلیمان علیہ السلام کہ وہ بھی تو آب وگل ہی سے مرکب تھا) مطلب یہ کہ جیسا کہ نور حضرت سلیمان علیہ السلام کی ذات والا صفات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح ان پتھروں میں سے نور چمک رہا تھا یعنی ایک برکت اور نورانیت ظاہر ہو رہی تھی۔ اور مستعدی کار کی یہ حالت تھی کہ۔

سنگ بے حمال آئندہ شدہ	واں در و دیوارہا زندہ شدہ
پتھر اٹھانے والوں کے بغیر آنے لگے	وہ در اور دیواریں زندہ ہو گئیں

یعنی پتھر بے حمال کے آنے والا ہو رہا تھا اور وہ در و دیوار زندہ ہو رہا تھا۔ مطلب یہ کہ اس قدر مستعدی سے کام ہو رہا تھا۔ کہ یوں معلوم ہوتا تھا گویا کہ تمام چیزیں زندہ ہیں اور خود بخود اٹھ اٹھ کر چلی آ رہی ہیں۔ آگے اس کی دیواروں کو جنت کی دیواروں سے مثال دیتے ہیں کہ۔

حق ہمی گوید کہ دیوار بہشت	نیست چوں دیوار ہا بیجاں وزشت
اللہ (تعالیٰ) فرماتا ہے کہ بہشت کی دیواریں	(اور) دیواروں کی طرح بے جان اور بھدی نہیں ہیں

یعنی حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بہشت کی دیواریں دیگر دیواروں کی طرح بے جان اوزشت نہیں ہیں یہ اشارہ ہے آیت ان الدار الآخرۃ لھی الحیوان کی طرف مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جنت کی دیواریں زندہ ہیں اور وہ بے جان نہیں ہیں جیسا کہ اس آیت ان الدار الآخرۃ الخ سے معلوم ہے اب یہاں جو علماء ظاہر ہیں وہ تو اس میں مضاف محذوف مانتے ہیں اور حیوان کو مصدر کہتے ہیں اور تقدیر عبارت یہ نکالتے ہیں کہ ان الدار الآخرۃ لھی دار الحیات لیکن صوفیہ اہل کشف یہ فرماتے ہیں کہ نہیں تاویل کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ جنت اور دوزخ ذی حیات ہیں اور ان میں روح موجود ہے تو اس کے یہی معنی ہیں کہ دار آخرۃ ایک حیوان ذی روح ہے اور چونکہ اس کی تکذیب کی کوئی دلیل شرعی نہیں ہے اور یہ حضرات اپنا مشاہدہ بیان فرماتے ہیں تو مان لینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ بلکہ بعض صوفیہ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ انہوں نے پوری جہنم کی سیر کشف کے ذریعہ سے کی تو اس کو ایک بہت بڑا اژدہا پایا۔ کہ جس کے منہ بھی ہے دم بھی ہے۔ غرضکہ پورے اژدھے کی شکل ہے۔ (اللھم احفظنا) اور اس کے اندر یہ سب عذاب جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اور اگر ان حضرات کے اس قول کو مان لیا جاوے تو پھر بہت سی احادیث اور آیات تاویل سے بچ جاویں گی۔ اس لئے کہ دیکھئے حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے روز دوزخ کو فرشتے کھینچتے ہوئے لاویں گے اور اس کی لگامیں پڑی ہوں گی اور وہ پھنکارتا ہوا اور چیختا ہوا آوے گا اب جو شخص کہ اس کی حیات کا قائل نہیں ہے وہ تو اس میں تاویل کرلے گا جیسا کہ علماء ظاہر کرتے ہیں لیکن جو شخص کہ اس کی حیات کا قائل ہے اس کو تاویل کی ضرورت ہی نہیں بلکہ وہ کہے گا کہ وہ ایک جاندار شے ہے جس میں ان امور کا پایا جانا کوئی مشکل نہیں ہے غرضکہ جب وہ حضرات اپنا مشاہدہ بیان فرماتے ہیں اور کوئی دلیل شرعی انکار کی نہیں اور فائدہ یہ ہے کہ تمام نصوص اس کی وجہ سے تاویل سے بچتی ہیں تو پھر کیا حرج ہے اور کیوں نہ اس قول کو مان لیا جاوے۔ تو مولانا فرماتے ہیں کہ جس طرح کہ بہشت کے در و دیوار میں ایک حیات ہے اسی طرح اس مسجد اقصیٰ کی درودیوار میں بھی حیات تھی۔ آگے چند دلائل اقناعی بیان فرماتے ہیں کہ۔

چوں درو دیوار تن با آگہی است	زندہ باشد خانہ چوں شاہنشہی است
جیسے کہ جسم کے درو دیوار حساس ہیں	چونکہ وہ شاہنشاہی گھر ہے زندہ رہے گا

یعنی جبکہ بدن کی درودیوار باخبر ہیں تو وہ گھر تو ضرور زندہ ہوگا جو کہ شاہنشاہی ہے۔ مطلب یہ کہ جسم جو کہ مثل درودیوار ہی کے ہے جبکہ تجلی روح کی وجہ سے ہے زندہ اور باخبر ہو گیا ہے۔ تو جس گھر پر کہ تجلی حق ہوتی ہو وہ کیوں زندہ نہ ہوگا۔ اس کے زندہ ہونے میں کیا خرابی ہے خوب ہی مضمون ہے۔ سبحان اللہ آگے اس کی حیات ہی کی تائید فرماتے ہیں کہ۔

ہم درخت و میوہ ہم آب زلال	با بہشتے در حدیث و در مقال
درخت بھی اور پھل بھی صاف پانی بھی	بہشتی کے ساتھ بات چیت اور گفتگو میں ہونگے

یعنی درخت اور میوے اور پانی بہشتی سے سب حدیث و مقال میں ہوں گے یعنی جنت کا میوہ اور پانی اور درخت سب کے سب جنتی سے خوب باتیں کریں گے کوئی کہے گا مجھے کھالے کوئی کہے گا مجھے پی لے۔ غرضکہ عجب لطف ہوگا۔ اللھم ارزقنا اللھم ارزقنا اللھم ارزقنا آگے ان چیزوں کے باتیں کرنے کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ۔

زانکہ جنت را نہ زالت بستہ اند	بلکہ از اعمال و نیت بستہ اند
کیونکہ جنت کو اوزاروں سے تعمیر نہیں کیا ہے	بلکہ تیرے بے دین کے اعمال سے بنایا ہے

یعنی اس لئے کہ جنت کو آلات سے نہیں بنایا بلکہ تمہارے دین کے اعمال سے بنایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان سب اشیاء میں حیات اس لئے ہوئی کہ یہ آلات سے بنے نہیں جو کہ مردہ ہوتے تو ان سے جو چیزیں بنتیں وہ بھی مردہ ہی ہوتیں بلکہ یہ تو اعمال صالحہ سے تمام اشیاء تیار ہوئی ہیں اور اعمال صالحہ میں حیات ہے لہذا ان سب میں بھی حیات ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ الجنۃ قیعان و غراسھا العمل الصالح یعنی جنت ایک چٹیل میدان ہے اور اس کے پودے اعمال صالحہ ہیں یہاں اس کے متعلق تین قول ہیں ایک مردود ایک غیر مقبول ایک مقبول۔ مردود تو قول معتزلہ کا ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ جنت و دوزخ موجود نہیں ہیں بلکہ قیامت کے روز جزا و سزا کے وقت پیدا کر دی جاویں گی یہ تو آیات و احادیث کے بالکل مخالف ہے لہذا مردود دوسرا قول شیخ اکبر کا ہے وہ یہ فرماتے ہیں کہ جنت موجود ہے لیکن مع ساز و سامان کے اس وقت موجود نہیں ہے بلکہ ویسے ہی ایک میدان ہے جوں جوں آدمی عمل کرتا ہے ویسے ہی ویسے اس میں چیزیں اور ساز و سامان بنتے چلے جاتے ہیں یہ قول حدیث بالا کے تو بالکل مطابق ہے لیکن دیگر نصوص میں اس کی وجہ سے تاویل کرنی پڑے گی لہذا صرف ایک میں تاویل کر لینا اہون ہے اس قدر احادیث و آیات میں تاویل کرنے سے دوسرے یہ کہ یہ قول قریب قریب معتزلہ کے قول کے ہے کہ ایک قسم کی نفی جنت کی لازم آتی ہے۔ لہذا یہ بھی غیر مقبول ہوا۔ تیسرا قول جمہور اہل سنت والجماعت کا ہے وہ یہ ہے کہ جنت مع ساز و سامان کے اس وقت موجود ہے اور انسان جوں جوں عمل کرتا ہے وہ ساز و سامان اس کے مقرر ہوتے جاتے ہیں کہ مثلاً یہ نہر اس کے فلاں عمل کی وجہ سے ہے اور یہ درخت اس کے فلاں عمل کی بدولت ہے۔ علی ہذا القیاس۔ غرضکہ تعیین تو بعد میں ہوتی ہے اور موجود پہلے سے ہے اس لئے کہ حق تعالیٰ کو معلوم تھا کہ فلاں فلاں شخص فلاں فلاں کام کریں گے اس لئے اس کے مناسب حق تعالیٰ نے وہاں اشیاء پیدا کر دیں اور ان اعمال کی صورت مثالیہ جو کہ علم حق میں پہلے سے تھی ظاہر فرما دی اس میں نہ کوئی استحالہ ہے اور نہ کسی حدیث وغیرہ میں تاویل کی ضرورت ہوتی ہے رہا اعراض کا مبدل بجواہر ہو جانا اس کی تحقیق دفتر دوم میں بادشاہ کے دو غلاموں کے امتحان لینے کے قصہ میں خوب ہو چکی ہے اور اس کے متعلق خود حضرت قبلہ حکیم الامۃ مدظلہم نے ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام۔ ارضی الاقوال فی عرض الاعمال ہے جو کہ مکتوبات میں طبع ہو گیا ہے۔ قابل ملاحظہ ہے۔ غرضکہ اس میں تو کوئی استحالہ ہے نہیں بس اب سب سے بہتر یہی قول ہوا اور اس پر مولانا

کے ارشاد کا یہ مطلب ہوا کہ چونکہ وہ سب اشیاء تمہارے اعمال کی وجہ سے بنائی گئی ہیں اور وہ ان ہی اعمال کی صور مثالیہ ہیں اس لئے ان کے اندر حیات ہے اور سچ یہ ہے کہ اس حیات کے منکرین کی گردن ایجاد گراموفون نے توڑ دی ہے کہ بے جان شے اور اس طرح بولتی ہے۔ بھلا کون چیز ہے جو باتیں کرتی ہے حیرت ہی حیرت ہے جب انسان نے بعض پرزوں کی ایک خاص ترکیب کے ذریعہ سے باذن حق ایسی شے ایجاد کر لی ہے جو کہ باتیں کرتی ہے اگرچہ اس کو شعور نہیں ہے تو کیا حق تعالیٰ کو اس قدر قدرت نہیں ہے کہ وہ ایسی چیزوں میں ایسی قوت پیدا کر دے کہ وہ باتیں بھی کریں اور ان میں شعور ہو تعالیٰ اللہ عن ذلک علوا کبیرا آگے فرماتے ہیں کہ۔

این بنا آب و گل مردہ بدست	آں بنا از طاعت زندہ شدست
یہ عمارت مردہ پانی اور مٹی سے بنی ہے	وہ عمارت زندہ عبادت سے بنی ہے

یعنی یہ تعمیر (دنیاوی) تو آب گل مردہ سے ہوئی ہے اور وہ تعمیر طاعت زندہ سے ہوئی ہے۔ (لہذا)

این باصل خویش ماند پر خلل	واں باصل خود کہ علم است و عمل
یہ اپنی اصل کی طرح پرخلل ہے	وہ اپنی اصل کے ساتھ (مشابہ ہے) جو علم اور عمل ہے

یعنی یہ اپنی اصل پرخلل کے مشابہ ہے۔ اور وہ اپنی اصل کے جو کہ علم و عمل ہے۔ مطلب یہ کہ یہ تعمیر دنیا تو اپنی اصل کی طرح مردہ ہے یعنی گارے مٹی کی طرح جو کہ اس کی اصل ہے یہ بھی مردہ ہے اور وہ تعمیر جنت اپنی اصل یعنی اعمال کی طرح زندہ اور ذی حیات ہے۔ خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہم سریر و قصر و ہم تاج و ثیاب	با بہشتی در سوال و در جواب
تخت اور قلعہ بھی اور تاج اور کپڑے بھی	بہشتی کے ساتھ سوال و جواب میں ہونگے

یعنی تخت بھی اور محل بھی اور تاج اور کپڑے سب بہشتی سے سوال و جواب میں ہوں گے (اور یہ حالت ہوگی کہ)

فرش بے فراش پیچیدیہ شدہ	خانہ بے کناس روبیدہ شدہ
فرش بغیر فراش کے لپٹا ہوا ہو گا	گھر بغیر جھاڑو دینے والے کے جھڑا ہوا ہو گا

یعنی بے فراش کے فرش لپٹا ہوا ہے اور بے جھاڑو دینے والے کے گھر صاف ہوا۔

تخت او سیار بے حمال شد	حلقہ و در مطرب و قوال شد
اس کا تخت بغیر کسی اٹھانے والے کے چلنے والا ہو گیا	حلقہ اور در مطرب اور قوال ہو گیا

یعنی اس جنتی کا تخت بے حمال کے چلنے والا ہو گیا اور کنڈی اور دروازہ سب قوال ہوئے (غرضکہ جو چاہا وہ ہو گیا کسی ظاہری سبب کی وہاں ضرورت نہ رہے گی بس دل میں آیا ہو گیا) آگے دفع استبعاد فرماتے ہیں کہ۔

خانۂ دل بین زغم ژولیدہ شد	بے کناس از توبہ رو بیدہ شد
دل کے گھر کو دیکھ جو (گناہوں کے) غم سے الجھا ہوا ہے	بغیر جھاڑو کے توبہ سے صاف ہو جاتا ہے

یعنی خانہ دل کو دیکھ لو کہ غم سے پریشان ہوتا ہے اور بے صاف کرنے والے کے توبہ سے صاف ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ دل میں گناہوں کی وجہ سے ایک پریشانی ہوتی ہے۔ لیکن جہاں توبہ کی اور دل صاف ہوا۔ بھلا کوئی وہاں جھاڑو لے کر صاف کرنے گیا تھا۔ تو بس جس طرح یہ صاف ہو جاتا ہے اسی طرح حق تعالیٰ وہاں بھی سب اشیاء کو بے اسباب ظاہری کے مہیا فرمادیں تو کیا عجب ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہست دردل زندگی دارالخلود	در زبانم چوں نمی آید چہ سود
دل میں جنت کی زندگی ہے	جبکہ میری زبان سے ادا نہیں ہو سکتی تو کیا فائدہ؟

یعنی دل میں آخرت کی زندگی ہے۔ (لیکن) جب بیان نہیں ہو سکتا تو پھر کیا فائدہ۔ مطلب یہ کہ دل کی حیات مشابہ ہے حیات اخروی کے کہ دیکھو جسطرح وہاں بے کناس کے صفائی ہو جاتی ہے یہاں بھی ہو جاتی ہے لیکن جب اس کو کما حقہ بیان ہی نہیں کر سکتے تو پھر کیا فائدہ ہے۔ لہٰذا چپ رہتے ہیں آگے مسجد اقصےٰ کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

چونکہ گشت آں مسجد اقصےٰ تمام	ز اہتمامات سلیمان والسلام
جب مسجد اقصیٰ مکمل ہو گئی	(حضرت) سلیمانؑ کے اہتمام سے اور سلام ہو

یعنی جبکہ مسجد اقصےٰ سلیمان علیہ السلام کے اہتمام سے پوری ہو گئی والسلام۔

چوں سلیماں درشدے ہر بامداد	مسجد اندر بہر ارشاد عباد
جب (حضرت) سلیمانؑ ہر صبح کو آتے	مسجد کے اندر بندوں کی ہدایت کے لئے

یعنی جب سلیمان علیہ السلام ہر صبح کو مسجد میں بندوں کی ہدایت کے لئے تشریف لے جاتے۔

پند دادے گہ بگفت ولحن وساز	گہ بفعل اعنی رکوع پر نیاز
کبھی گفتگو اور لہجہ اور بناؤ سے نصیحت کرتے	کبھی فعل یعنی پرنیاز رکوع کے ذریعہ

یعنی کبھی تو باتوں اور لحن وساز سے نصیحت فرماتے اور کبھی فعل سے یعنی رکوع سے مع نماز کے مطلب یہ کہ کبھی قولاً نصیحت فرماتے اور کبھی فعلاً کہ نیک کام کر کے دکھلاتے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

پند فعلی خلق را جذاب تر	کہ رسد در جان ہر باگوش وکر
عملی نصیحت لوگوں کو زیادہ کھینچتی ہے	کیونکہ وہ ہر کان والے اور بہرے کے دل میں پہنچتی ہے

یعنی نصیحت فعلی تو مخلوق کو بہت کھینچتی ہے اس لئے کہ ہر سننے والے اور بہرے کے کان میں پہنچتی ہے۔ مطلب

یہ ہے کہ پند قولی سے پند فعلی کو مولانا ترجیح دیتے ہیں۔ اس لئے کہ پند قولی میں کوئی سنتا ہے کوئی نہیں سنتا اور فعلی میں تو ہر شخص دیکھ سن سکتا ہے پھر یہ ہے کہ جب یہ دیکھیں گے کہ ہمارا مرشد اور شیخ یہ کام کرتا ہے تو پھر ضرور کریں گے۔ بخلاف قول کے کہ اس میں بعض اوقات بعض جگہ اس قدر اثر نہیں ہوتا اور دوسری حکمت اور مصلحت پند فعلی میں یہ ہے کہ۔

در حشم تاثیر آں محکم بود	و اندراں وہم امیری کم بود
ماتحتوں میں اس کی تاثیر مضبوط ہوتی ہے	اوراس میں حکومت کا وہم نہیں ہوتا ہے

یعنی اس میں حکومت کا وہم کم ہوتا ہے اور لوگوں میں اس کی تاثیر مضبوط ہوتی ہے مطلب یہ کہ پند قولی میں تو ایک قسم کی حکومت سی ہوتی ہے۔ کہ یہ بیٹھے ہوئے کہہ رہے ہیں اور سب سن رہے ہیں ایک قسم کی حکومت ظاہر ہے اور پند فعلی میں یہ بات نہیں ہے بلکہ اس میں تو یہ ہے کہ ایک کام کر رہے ہیں نہ کوئی حکومت ہے اور نہ کچھ ہے اور اس کا اثر اس قولی سے موثر زیادہ ہوتا ہے لہذا اسی کو ترجیح ہوگی۔ خوب سمجھ لو۔ آگے اپنے اس قول کی تائید میں کہ پند قولی سے پند فعلی زیادہ نافع ہے۔ حضرت عثمانؓ کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ انہوں نے جب وہ خطبہ پڑھنے کھڑے ہوئے تھے اور خطبہ نہ پڑھ سکتے تھے تو یہ فرمایا تھا کہ اے لوگو تم کو امام قوال کی ضرورت نہیں ہے بلکہ امام فعال کی ضرورت ہے تو دیکھو انہوں نے بہ نسبت قول کے فعل کو زیادہ موثر فرمایا اب قصہ سنو۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ خطاب مذکورہ بالا کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کو یوں خطاب ہوا کہ اے نیک لقا اور برگزیدہ پیغمبر آپ اس خبر سے فکر میں نہ پڑیئے اور اپنے اندر ملال کو راہ نہ دیجئے اور غمگین نہ ہو جایئے۔ اگرچہ یہ مسجد آپ کی کوشش اور قوت سے تیار نہ ہوگی لیکن آپ کے صاحبزادے سلیمان اس کو تیار کریں گے اور یہ مقام عبادت اگرچہ آپ کی کوشش سے نہ بنے گا لیکن آپ کے فرزند ارجمند اس کو مکمل کریں گے اور ان کا فعل آپ ہی کا فعل ہے اور آپ کو سمجھنا چاہئے کہ مومنین میں آپس میں ایک اتصال واتحاد ہے۔ جس کی بنا پر ایک کا فعل دوسرے کا کہا جا سکتا ہے اس لئے کہ مومن گو متعدد ہیں لیکن ان کا ایمان ایک ہی ہے کیونکہ متعلق سب کے ایمان کا ایک ہے اور گو ان کے اجسام متعدد ہیں لیکن جان سب کی ایک ہے اس پر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جان میں تو جاندار سب برابر ہیں پس اگر جان ایک ہے تو سب جانداروں کی ایک ہے۔ اور اگر متعدد ہے تو سب متعدد ہے۔ یہ کیا کہ مومنین کی جان ایک ہے اوروں کی نہیں۔ کیونکہ سب جانداروں کو یکساں سمجھنا ہی غلط ہے۔ چنانچہ جانوروں کی فہم و جان اور ہے اور عوام کی فہم و جاں اور انبیاء واولیاء کی جان اور جبکہ یہ مضمون استطرادی معلوم ہو چکا تو اب سنو کہ ہم نے تین قسم کی جانیں بتلائی ہیں جن کے سبب جانداروں میں ایک کو دوسرے سے امتیاز ہے۔ ان تینوں میں سے جانوروں کی جان تو ہمارے مقصود سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ اس لئے ہم اس کو ذکر بھی نہیں کرتے۔ رہیں دو باقی سوال میں سے جان

انبیاء و اولیاء جس کو ہم جان ربانی کہتے ہیں اس کا بیان تو ہمارا مقصد اصلی ہے اس لئے اسے بیان کرتے ہیں اور جان عوام جس کو ہم کبھی بوجہ غلبہ صفات بہیمیہ کے جان حیوانی کہتے ہیں اور کبھی بوجہ اس کے روح حیوانی مصطلح اہل طب کے ساتھ اقتضا میں مشابہت رکھنے کے روح باد کہتے ہیں اس کا بیان ہم کو اصالۃً مقصود نہیں۔ لیکن چونکہ وہ روح انبیاء و اولیاء کی ضد ہے۔ والاشیاء تعرف باضداد ہا۔ اس لئے اس کو بھی بیان کرتے ہیں۔ جب یہ مضمون تمہیدی سن چکے تو اب سنو کہ جان عوام جس کو ہم جان حیوانی کہتے ہیں اس میں تو اتحاد یعنی توافق اغراض نہیں اور تم کو یہ اتحاد اس روح میں ڈھونڈنا بھی نہ چاہئے کیونکہ وہ مشابہ ہے اس روح کے جو ہوا ہے۔ جس کا مقتضا تضاد و تزاحم ہے۔ ایسی جان والوں میں اتحاد نہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ اگر ایک روٹی کھاتا ہے تو اس سے دوسرے کا پیٹ نہیں بھرتا۔ اور اگر ایک بوجھ کھینچتا ہے تو دوسرے پر اس کا بوجھ نہیں ہوتا۔ یعنی ان میں ایک کی راحت سے دوسرے کو راحت اور ایک کی تکلیف سے دوسرے کو تکلیف نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک کو دوسرے کی موت سے خوشی ہوتی ہے اور جب وہ دوسرے کا ساز و سامان دیکھتا ہے تو حسد سے جل مرتا ہے پس ثابت ہوا کہ ان گرگ و سگ سیرتوں کی جانیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ برخلاف اس کے شیران خدا یعنی اہل اللہ کی جانیں متحد ہیں۔ کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جب آپ اہل اللہ کے لئے ارواح بصیغہ جمع استعمال کرتے ہیں تو اتحاد کہاں رہا۔ اس لئے کہ میں نے لفظوں میں اسے اس لئے جمع کہا ہے کہ ارواح متعلق ہیں اجسام سے اور اجسام امزجہ وغیرہ کے لحاظ سے متعدد ہیں تو ان کے تعدد سے ارواح میں بھی گونہ اختلاف و تعدد آ گیا کہ کسی میں رحم غالب ہے کسی میں غصہ وغیرہ وغیرہ اور اجسام کے لحاظ سے ایک جان بن گئی جیسے آفتاب کا نور آنگنوں کے لحاظ سے متعدد و متکثر ہے۔ لیکن اگر تم دیواروں کو درمیان سے الگ کر دو تو اس سرے سے اس سرے تک ایک نور ہے۔ علیٰ ہذا ارواح کاملین میں بھی تعدد اجسام کے لحاظ سے ہے مگر جب ان جانوں کی کرسی یعنی جسم نہ رہے تو مومن سب کے سب ایک جان ہیں۔

فائدہ:۔ جمع گفتم سے چوں نماند تک اشعار کی ایک اور توجیہ بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ میں نے لفظوں میں اسے اس لئے جمع کہا ہے کہ ان کا تعلق اجسام متعدد الذوات کے ساتھ ہے اس تعدد کی وجہ سے ان میں کثرت پیدا ہو گئی ہے جس طرح سے کہ نور خورشید صحنوں کے لحاظ سے متکثر ہے مگر جب تم دیواریں الگ کر دو تو وہ سب ایک ہو جاتے ہیں جب یہ امر تم کو معلوم ہو گیا تو اب ہم تم کو اس اتحاد کا منشا بتاتے ہیں۔ سنو قاعدہ یہ ہے کہ جب ارواح کی کرسی یعنی جسم فنا ہو جاتا ہے اور صفات بہیمیہ اس سے دور ہو جاتے ہیں تو سب لوگ مومن کامل اور ایک جان ہو جاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ارواح میں جو اجسام کے لحاظ سے تعدد آیا ہے اس کا منشا یا تو تکثر ذوات اجسام ہے یا اختلاف صفات باطنہ۔ در امزجہ۔ بہر دو تقدیر جوں نماند جانہارا قاعدہ سے مراد یا تو تطبیق مثال یا ممثل لہ ہے یا بیان میں لم اتحاد۔ یہ چار توجیہیں ہو گئیں جن میں سے ہم نے دو توجیہیں لکھی ہیں اور دو کو اس اجمال میں ظاہر کر کے تفصیل کو ناظرین کے لئے چھوڑ دیا ہے) اس گفتگو سے ناظرین کے ذہن میں مختلف وجوہ فرق درمیان مثال و

ممثل لہ اور متعدد اشکالات پیدا ہوں گے۔ مثلاً یہ کہ اتحاد و تعدد ارواح کی تمثیل تعدد و اتحاد نور شمس سے صحیح نہیں کیونکہ نور شمسی بلحاظ محل کے قابل انقسام ہے۔ برخلاف ارواح کے نیز ارواح میں اتحاد بمعنی توافق اغراض ہے۔ برخلاف انوار صحن خانہا کے وغیرہ وغیرہ اور وجہ اشکالات وفروق یہ ہے کہ یہ مثال ہے مثل نہیں۔ اور مشبہ اور مشبہ بہ میں علاوہ وجہ شبہ کے دوسرے وجوہ سے فرق ہوتا ہے چنانچہ شیر اور بہادر آدمی میں بکثرت وجوہ فرق ہیں لیکن شیر اور بہادر آدمی میں اتحاد تم کو شجاعت کی جہت سے دیکھنا چاہئے۔ نہ کہ تمام حیثیتوں سے کیونکہ شجاع شیر کی مثال ہے اور تمام امور میں اس کے مثل نہیں۔ اس لئے وجوہ فرق ہونا لازم ہے۔ علیٰ ہذا نور بھی ارواح کی مثال ہے نہ مثل اس لئے اس میں بھی وجوہ فرق ضروری ہیں۔ اس نکتہ کو ذہن میں رکھنا چاہئے۔ تاکہ تم دام اشکالات وفروق سے محفوظ رہو۔ کیا کہوں مجبور ہوں کہ دنیا میں کوئی ایسا محسوس بھی نہیں جو یوں متحد ہو۔ جیسے ارواح تاکہ بجائے مثال کے تمہیں مثال دکھلا سکوں اس لئے مثال اختیار کی گئی۔ یہ تو اتحاد ارواح تاکہ بجائے مثال کے تمہیں مثل دکھلا سکوں اس لئے مثال اختیار کی گئی۔ یہ تو اتحاد ارواح کاملین کی تمثیل تھی اب تعدد ارواح عوام کے لئے بھی ایک ناقص مثال حاصل کرتا ہوں تاکہ ناظرین کی عقل کو تحیر سے بچالوں۔ اچھا سنو۔ رات کے وقت ہر گھر میں ایک چراغ رکھتے ہیں تاکہ اس کی روشنی کے سبب تاریکی سے نجات پاویں۔ جب یہ امر معلوم ہو گیا تو اب تم چراغ کو تو بمنزلہ جسم کے سمجھو اور اس کے نور کو مثل روح حیوانی یعنی جان عوام کے۔ پس جس طرح روشنی ہر مکان کی جداگانہ ہے یوں ہی روح حیوانی بمعنی مذکور بھی علیحدہ ہے۔ کیونکہ بوجہ غلبہ صفات بہیمیہ کے اس کا مقتضے جداگانہ ہے۔ یہ تو تمثیل تھی اب مناسب ہے کہ ہم ارواح حیوانی کے اس وصف کو بھی استطراداً بیان کر دیں جس میں وہ چراغ کے مشارک ہے یعنی عدم بقا سو سنو کہ یہ چراغ تن مختلف قسم کے فتیلوں کا محتاج ہے اور وہ مختلف قسم کے فتیلہ حواس خمسہ ہیں اس چراغ تن کا دارومدار روغن خواب وخور وغیرہ پر ہے۔ اور بے خواب وخور کے ذرا سی دیر بھی نہیں جی سکتا۔ بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ خواب وخور کے ساتھ بھی نہیں جی سکتا۔ اور بے فتیلہ و روغن تو باقی رہتا ہی نہیں یا فتیلہ و روغن بھی وفا نہیں کرتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اس چراغ کا نور مریض (روح حیوانی سقیم) حالاً طالب موت ہے۔ اس لئے زندہ نہیں رہ سکتا۔ اور زندہ رہ کیسے سکتا ہے۔ روز روشن یعنی روح ربانی یا تجلیات ربانیہ اس کے لئے موت ہے۔ اور جس طرح طلوع روز روشن سے چراغ کا نور فنا اور مضمحل ہو جاتا ہے یوں پرتو روح انسانی یا تجلیات ربانیہ سے روح حیوانی من حیث روح حیوانی فناء ہو جاتی ہے یعنی اس کی صفات بہیمیہ جن سے وہ حیوانی کہلاتی تھی زائل ہو جاتے ہیں اور جس طرح روح حیوانی فانی ہے یوں ہی تمام حواس بشریہ بھی باقی رہنے والے نہیں۔ بلکہ نور روز حشر کے سامنے فانی ہیں اور جبکہ تجلیات ربانیہ یا روح کامل کا پرتو ان پر پڑتا ہے تو ان کی بھی کایا پلٹ ہو جاتی ہے یعنی نفس کے تسلط سے نکل کر روح کے تابع ہو جاتے ہیں۔

فائدہ:۔ نور روز حشر میں چند احتمالات ہیں اول یہ کہ وہ نور جو روز حشر میں علی وجہ الکمال ظاہر ہوگا۔ اس

میں دو احتمال ہیں یا تو تجلیات مراد ہوں۔ یا نور روح انسانی دوسرے وہ نور جو قائم بروز حشر ہے۔ اس وقت روز حشر سے استعارہ ہوگا تجلیات سے یا روح کامل سے کیونکہ جس طرح روز حشر مردوں کو زندہ اور زندوں کو مردہ کرتا ہے یوں ہی یہ بھی مثبتے و مفنے ارواح و حواس ہیں۔ واللہ اعلم اوپر ہم نے نور حسن و جان کو بے بقا کہا ہے اس سے تم کو ان کے فنائے محض کا شبہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ ہمارا نور حس و جان حیوانی ناپائیدار گھاس کی طرح فانی مطلق نہیں۔ بلکہ وہ فنائے مصطلح کی حالت میں چاند تاروں کی طرح تجلیات حق سبحانہ یا نور روح کامل میں محو ہو جاتا ہے جس طرح کہ پسو کے ڈنک کی سوزش اور تکلیف اس وقت محو ہو جاتی ہے جبکہ سانپ تمہاری طرف آتا ہے یا کوئی شخص شہد کی مکھیوں کے خوف سے پانی میں غوطہ لگاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ان مکھیوں کے ڈنک سے بچ جاتا ہے۔ اور مکھیاں اس کے اوپر اس لئے گھومتی رہتی ہیں کہ جب وہ نکلے تو اسے نہ چھوڑیں۔ اور فوراً ڈنگ لگائیں۔ اس تمثیل میں مقصود صرف پانی میں غوطہ لگانا ہے کہ اس سے اس کو فنائے مطلق حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ فنائے اضافی یعنی محویت حاصل ہو جاتی ہے اور زنبوروں کا خوف اور ان کا اس تک نہ پہنچ سکنا یہ بیان واقعہ ہے اور تمہید ہے۔ ایک مضمون ارشادی کی جس کو مولانا یوں بیان فرماتے ہیں کہ تم جانتے ہو کہ پانی کیا چیز ہے اور زنبور کیا۔ سنو پانی ذکر حق ہے اور زنبور انتشار افکار و خیالات۔ پس اگر تم کو ان مکھیوں سے نجات پانی ہے تو اس پانی میں گھس کر دم گھونٹ لو تا کہ تم کو افکار و وساوس کہنہ سے نجات ملے۔ ایک عرصہ تک تم کو ایسا کرنا ہوگا۔ اس کے بعد اس صاف پانی کی خاصیت تمہارے اندر پیدا ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ آب ذکر تمہارے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاوے گا اور جس طرح وہ مکھیاں پانی سے بھاگتی تھیں یوں ہی خود تم سے بھاگنے لگیں گی۔ جس وقت تمہاری یہ حالت ہو جاوے گی اس وقت اگر تم چاہو تو آب ذکر ظاہر سے الگ بھی ہو سکتے ہو۔ کیونکہ اس وقت حقیقت میں تم پانی کے ہم طبع ہو گئے ہو۔ یہاں تک اس مضمون استطرادی کو بیان فرما کر پھر ماسبق کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم نے اول روح کو فانی کہا تھا اس کے بعد اس کے فنا کے معنی بتائے کہ یہ فنا بمعنی محویت ہے نہ کہ بمعنی انعدام محض اس پر تم یہ شبہ نہ کرنا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ روح معدوم ہو جاتی ہے کیونکہ بہت سے آدمی پیدا ہوئے اور مر گئے۔ پھر کیسے کہا جاتا ہے کہ روح باقی ہے کیونکہ اول تو ہماری گفتگو اس فنا و بقا سے متعلق نہ تھی جو تم سمجھے ہو بلکہ ہماری گفتگو فنا و بقائے مصطلح میں تھی۔ لیکن ہمیں اس جواب کی ضرورت نہیں اس لئے ہم اس معنی کی بناء پر جواب دیتے ہیں جو تم سمجھے ہو سنو بہت سے لوگ جو اس جہان سے گزر گئے ہیں وہ فانی مطلق نہیں ہیں بلکہ حق سبحانہ کی صفت جلالیہ و جمالیہ میں مخلوط ہیں اور ان کی صفات صفات حق میں مل کر یوں ہی بے نشان ہو گئی ہیں جس طرح

ربط بیت بس کہ نے الخ کی دوسری تقریر یہ ہے کہ اب تک تو ہم نے فنا اصطلاحی میں بقا ثابت کی تھی۔ اب ہم ترقی کر کے کہتے ہیں کہ فنا متعارف کی حالت میں بھی وہ فانی مطلق نہیں ہے بلکہ من وجہ باقی ہے الخ و ہذا احضر و اوضح واوجہ ۱۲ منہ

آفتاب کے سامنے ستارے۔ یہ ایک دعویٰ ہے جس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے اور سب سے بڑی دلیل قرآن ہے پس اگر قرآن سے اس کا ثبوت چاہتے ہو تو ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں سنو حق سبحانہ فرماتے ہیں۔ ان کل لما جمیع لدینا محضرون اور یہ بیان ہے حالت بعد الموت کا یعنی موت کے بعد سب کے سب ہمارے سامنے حاضر کئے گئے ہیں۔ پس جن کو محضرون فرمایا گیا ہے وہ معدوم نہ ہوں گے کیونکہ محضرون معدوم نہیں ہو سکتے۔ اس مضمون کو غور سے سمجھ لو تا کہ تم کو ارواح کی بقا یقینی طور پر معلوم ہو جاوے۔ اور تم سمجھ لو کہ ارواح تمام باقی ہیں مگر اس بقا کے نتائج مختلف ہیں چنانچہ محجوبین کی ارواح تو اپنی بقا کے سبب مبتلائے عذاب اور صفات جلالیہ میں محو ہیں۔ اور ارواح واصلین اپنی بقا کی حالت میں حجاب سے پاک اور صفات جمالیہ میں محو ہیں۔ جب یہ مضمون اعطرادی ختم ہو چکا تو اب سنو کہ میں نے اس چراغ حس حیوانی کی حالت بیان کر دی ہے خبردار تم اس میں اتحاد کو نہ ڈھونڈنا۔ اگر تمہیں ضرورت ہے کہ تمہاری ارواح حیوانیہ میں اتحاد ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ تم اپنی ارواح کو ارواح سالکان کے ساتھ ملاؤ تا کہ ان کی حیوانیت فنا ہو اور انسانیت پیدا ہو۔ اور اس وقت وہ ارواح انسانیہ بن کر آپس میں متحد ہو جائیں اور جب تک یہ بات نہ ہو اور جسم باقی رہے ایسی حالت میں اگر تمہارے چراغ سو دفعہ مریں اور مر کر پھر زندہ ہوں ناممکن ہے کہ ان میں اتحاد ہو وہ جدا ہی رہیں گے اور متحد نہ ہوں گے چونکہ ہمارے لوگوں میں حیوانیت و جسمانیت موجود ہے اسی لئے وہ سراپا جنگ وجدل ہیں ورنہ انبیاء کو تو کسی نے بھی آپس میں لڑتے نہیں سنا اور وجہ اس کی یہ ہی تھی کہ ان کی ارواح مثل نور خورشید کے متحد تھیں اور ہمارے اور ہمارے حس و جان کا نور مثل چراغ و شمع اور دھوئیں کے متعدد ہے اسی لئے یہ حالت ہے کہ ایک گل ہوتا ہے اور دوسرا دن تک باقی رہتا ہے ایک ٹمٹماتا ہے اور دوسرا خوب مشتعل ہے نیز چونکہ جان حیوانی کا مدار حیات اس کی غذا پر ہے اور اس لئے وہ غذا نہ ملنے سے اور دیگر اسباب مختلفہ سے مر بھی جاتی ہے۔ پس اگر اس بناء پر یہ چراغ کسی وقت گل اور ختم ہو جائے تو اس سے پڑوسی کے گھر میں اندھیرا نہ ہوگا اور وہ اسی طرح روشن رہے گا۔ پس امر ظاہر ہے کہ ایک گھر کا نور دوسرے گھر کے بغیر بھی قائم ہے تو ثابت ہوا کہ ہر گھر کا چراغ اور ہر جسم کی روح جدا ہے۔ یہ حالت جان حیوانی ہی کی ہو سکتی ہے اور جان ربانی کی یہ حالت نہیں ہو سکتی۔ اس کی حالت اس کے برخلاف ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ وہ حالت تو ارواح ربانیہ کی آپس کے لحاظ سے تھی اب ہم دوسروں کے اعتبار سے ان کی حالت بیان کرتے ہیں سنو۔ مگر اول اتنا سمجھ لو کہ جب شب تاریک میں چاند نکلتا ہے تو بشرائط مخصوصہ ہر روزن میں اس کا نور پہنچتا ہے مگر اس سینکڑوں گھروں کے نور کو تم کو ایک ہی سمجھنا چاہئے اور تکثر کا شبہ نہ کرنا چاہئے کیونکہ ایک گھر کا نور بغیر دوسرے گھر کے نور کے نہیں رہ سکتا ہے اور یہ صریح دلیل ہے اتحاد کی جب یہ امر معلوم ہو چکا تو اب سمجھو کہ بالکل یہی حالت خورشید روح ربانی کی ہے کہ جب تک وہ سرگرم افاضہ رہتی ہے اس وقت تک بشرائط مخصوصہ ہر خانۂ جان میں ان کا نور فیض پہنچتا ہے اور جب یہ خورشید

جان ربانی غروب ہو جاتا ہے یعنی افاضہ اس کا بند ہو جاتا ہے تو تمام خانہائے جان سے نور سلب ہو جاتا ہے جیسا کہ قرب قیامت میں واقع ہوگا کہ کوئی اللہ کا نام لینے والا نہ رہے گا۔ بس دنیا میں جس قدر نور ہدایت ہے سب ارواح ربانیہ کا پرتو ہے۔ یہ مثال نور ماہتاب بھی نور روح ربانی کی مثال ہے مثل نہیں یہ مثال متبعین وحی کے لئے ہادی ہے اور غیر متبع وحی کے لئے رہزن کیونکہ وہ اس کو مثل سمجھ کر نور روح کے لئے وہی امور ثابت کرے گا جو نور ماہتاب کے لئے ہیں اور مکڑی کی طرح اپنے اوہام سے موٹے اور دبیز پردہ تیار کرے گا جس طرح مکڑی نے اپنے لعاب سے ایک پردہ حاجب نور بنالیا اور اپنے نور بین آنکھ کو اندھا کرلیا۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ اگر وہ گھوڑے کی گردن پکڑے گا تو اس کی سواری سے منتفع ہوگا اور اگر پاؤں پکڑے گا تو لات کھائے گا۔ یعنی اگر اس مثال کو صحیح طور پر سمجھا تو اس کا فائدہ ہے ورنہ نقصان دیکھو سرکش گھوڑے پر بے لگام نہ بیٹھو یعنی ان مضامین عالیہ میں بے سامان حفاظت کے خوض نہ کرو بلکہ عقل و دین کو پیشوا کرو۔ یہ ہے سامان حفاظت اور اس راہ یعنی عقل و دین کو پیشوا بنانے کو معمولی بات نہ سمجھو کیونکہ اس کے لئے ضرورت ہے صبر کی اور صبر اس راہ میں نہایت ہی تکلیف دہ اور ناگوار خاطر ہے اچھا اب اس مضمون کو ختم کرو اور بیان کرو کہ مسجد کا سلیمان علیہ السلام کیساتھ کیا واقعہ ہوا۔

جب سلیمان نے اس مسجد کی تعمیر شروع کی جو کعبہ کی طرح پاک اور منیٰ کی طرح مبارک تھی تو اس کی تعمیر میں اہل دل کو ایک عجیب معنوی شان و شوکت محسوس ہوتی تھی۔ اور وہ دیگر عمارتوں کی طرح افسردہ نہ تھی تعمیر کے متعلق جو پتھر کہ پہاڑ سے ٹوٹتا تھا صاف طور پر کہتا تھا کہ پہلے مجھے لے چلو۔ اور جس طرح اس خمیر سے جو جسم آدم علیہ السلام کے لئے تیار کیا گیا تھا ایک نور چمکتا تھا یوں ہی ان پہاڑ کے ٹکڑوں سے بھی نور چمکتا تھا گویا پتھر بغیر لانے والوں کے چلے آرہے تھے اور در و دیوار انوار و برکات سے جو کہ حیات معنوی ہیں زندہ تھے۔ غرض ایک عجیب شان تھی۔ جب گفتگو حیات دیوار ہائے مسجد تک منجر ہوئی تو اب مولانا اس سے حیات جنت کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ جنت کی دیواریں اور دیواروں کی طرح بے جان اور مری نہیں ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ان الدار الآخرۃ لھی الحیوان اس سے تم کو تعجب ہوگا مگر ہم تمہاری استعجاب کو یوں زائل کرتے ہیں کہ دیوار ہائے جسم باوجود خانہ روح ہونے کے بااحساس ہیں تو وہ گھر زندہ بھی ہوگا جس کا تعلق شہنشاہ حقیقی سے ہے۔ پس ثابت ہوا کہ دیوار ہائے جنت زندہ ہیں اور صرف دیواریں ہی زندہ نہیں بلکہ درخت ہائے جنت اس کے میوے اور اس کا شیریں پانی سب زندہ ہیں اور جنتیوں کے ساتھ ہم کلام ہونگے اور راز اس کا یہ ہے کہ بہشت سامان معروف سے جو کہ مردہ ہے نہیں بنی ہے بلکہ لوگوں کے اعمال و نیت سے بنی ہے اور عمارات دنیویہ تو آب و گل بے جان سے بنی ہیں اور عمارت جنت طاعت الٰہی سے بنی ہے جو کہ زندہ ہے اس لئے عمارات دنیویہ اپنی مثل اصل کے مشابہ ہیں اور عمارت جنت اپنی اصل سے جو کہ علم و عمل ہیں لہذا تخت محل تاج اور کپڑے وغیرہ سب کے سب بہشتیوں سے ہم کلام ہوں گے اور سوال و جواب کریں گے اور فرش بے فراش کے لپٹ جاوے گا مکان بے جھاڑو دینے والے کے صاف ہو جاوے گا اور اہل بہشت کا تخت بلا اٹھانے

والوں کے چلنے کا اور زنجیر دروازہ کا ئیں بجائیں گے تم کو شاید خیال ہو کہ مکان بغیر صاف کرنے والے کے کیونکر صاف ہو جائے گا اس لئے ہم اس کو ایک نظیر سے سمجھاتے ہیں۔ دیکھو خانہ دل غم سے پریشان ہوتا ہے لیکن بلا جھاڑو دینے والے کے محض توبہ سے صاف ہو جاتا ہے۔ اس سے تم کو معلوم ہوا ہو گا کہ دل کو جنت سے مشابہت ہے سو یہ سچ ہے اور اس میں جنت کی سی زندگی ہے میری زبان سے یہ مضمون پوری طرح ادا نہیں ہوتا پھر اس کو طول دینے سے کیا حاصل۔ اس لئے اتنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

فائدہ:۔ اس مضمون میں مولانا نے طاعت کو زندہ کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اثر اور خاصہ حیات ہے اس لئے گویا کہ وہ زندہ ہی ہے۔ نیز مولانا نے فرمایا ہے کہ جنت اعمال صالحہ سے بنی ہے اور اعمال صالحہ اس کی اصل ہیں اس کی دو توجیہیں ہو سکتی ہیں اول یہ کہ اجزائے جنت حقیقۃً اعمال ہی ہیں مگر اختلاف اتحاد وجود سے ان کے آثار اور خصوصیات مثل جوہریت وعرضیت وغیرہ ہیں۔ اختلاف ہے دوم یہ کہ جنت اعمال سے بنا بر نسبت بنی ہے اور چونکہ اعمال سبب بنائے جنت ہیں اس لئے گویا کہ وہ ہی اس کی اصل ہیں (واللہ اعلم)

اب مولانا پھر مضمون سابق کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب مسجد اقصیٰ سلیمان علیہ السلام کے اہتمام سے تمام اور مکمل ہو گئی تو جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس میں ہر صبح کے وقت لوگوں کو ہدایت کرنے اور ان کو وعظ ونصیحت فرمانے لگے تو کبھی الفاظ وعبادات سے نصیحت فرماتے اور کبھی فعل یعنی رکوع ونماز وغیرہ سے غرضکہ جیسا حالت اور موقع کے مناسب ہوتا تھا اسی طرح نصیحت فرماتے تھے۔ اب تم کو جاننا چاہئے کہ فعلی نصیحت مخلوق کو زیادہ کھینچتی ہے کیونکہ قولی تو صرف سننے والوں ہی کے کان میں پہنچتی ہے اور فعلی کان والوں اور بہروں دونوں کو پہنچتی ہے نیز اس میں تحکم کا وہم نہیں ہوتا لہذا متبعین پر اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔

شرح شبیری

عثمانؓ کی خلافت کا آغاز اور ان کا خطبہ اس بیان میں کہ ناصح فعال بہتر ہے ناصح قوال سے

قصۂ عثمانؓ کہ بر ممبر برفت	چوں خلافت یافت بشتابید تفت
(حضرت) عثمانؓ کا قصہ کہ منبر پر پہنچے	جب خلافت پائی تیزی سے عمل کیا

یعنی عثمانؓ کا قصہ ہے کہ جو ممبر پر تشریف لے گئے جبکہ خلافت پائی تو جلدی سے دوڑے۔

ممبر مہتر کہ سہ پایہ بدست	رفت بوبکرؓ و دوم پایہ نشست
سردارؐ کا منبر جو تین درجوں کا تھا	ابوبکرؓ چلے اور دوسرے درجہ پر بیٹھ گئے

یعنی ممبر سردار (دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم) کا تین سیڑھی کا تھا تو ابو بکرؓ تشریف لے گئے اور دوسری سیڑھی پر بیٹھے۔

برسوم پایہ عمر در دور خویش	از برائے حرمت اسلام و کیش
(حضرت) عمرؓ اپنے دور میں تیسرے درجہ پر	اسلام اور مذہب کی حرمت کے لئے (بیٹھے)

یعنی تیسری سیڑھی پر عمرؓ اپنے زمانہ میں اسلام اور مذہب کی عزت کے واسطے (بیٹھے)

دور عثمان آمد و بالائے تخت	برشد و بنشست آں مسعود بخت
(حضرت) عثمانؓ کا زمانہ آیا وہ تخت کے اوپر	چڑھے اور وہ خوش نصیب بیٹھ گئے

یعنی عثمانؓ کا زمانہ آیا تو وہ نیک بخت (یعنی عثمانؓ) تخت پر بیٹھ گئے۔

پس سوالش کرد شخصے بوالفضول	کاں دو نہ نشستند بر جائے رسول
ان سے ایک سادہ لوح شخص نے دریافت کیا	کہ وہ دونوں رسولؐ کی جگہ پر نہ بیٹھے

یعنی تب ایک فضول شخص نے ان سے سوال کیا کہ وہ دونوں تو رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جگہ پر نہیں بیٹھے۔

پس تو چوں جستی از ایشان برتری	چوں برتبت تو از ایشان کمتری
تو آپ نے ان سے برتری کیوں چاہی؟	جبکہ آپ رتبے میں ان سے کم ہیں

یعنی پھر آپ کیوں اوپر چڑھے کیا تم ان سے برتر ہو۔ جبکہ تم ان سے رتبہ میں کمتر ہو۔ مطلب یہ کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا ممبر تین سیڑھیوں کا تھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو خود اوپر کی سیڑھی پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا کرتے تھے آپ کے بعد حضرت ابو بکر صدیقؓ دوسری سیڑھی پر کھڑے ہوا کرتے تھے اور حضرت عمرؓ تیسری سیڑھی پر جب حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو آپ اوپر والی سیڑھی پر جس پر کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے۔ بیٹھتے اس پر ایک شخص نے سوال کیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے کہ آپ ان دونوں حضرات سے رتبہ میں تو کم ہیں اور پھر بیٹھے ہیں ان دونوں سے بلند مرتبہ پر یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر آپ کھڑے ہوئے ہیں اس کی کیا وجہ ہے اس کو سن کر حضرت عثمان نے خوب ہی جواب فرمایا کہ۔

گفت اگر پایہ سوم را بسپرم	وہم آید کہ مثال عمرم
انہوں نے فرمایا اگر میں تیسرے درجہ پر ٹھہروں	شبہ ہو گا کہ میں عمرؓ جیسا ہوں

یعنی آپ نے فرمایا کہ اگر تیسری سیڑھی پر میں بیٹھوں تو یہ وہم ہوگا کہ حضرت عمر کی برابر ہوں۔

در دوم پایہ شوم من جائے جو	گوئیم مثل ابو بکر است او
اور اگر میں دوسرے درجہ پر جگہ تلاش کروں	لوگ مجھے کہیں گے کہ وہ ابو بکرؓ جیسا ہے

یعنی اگر دوسری سیڑھی کا متلاشی ہوں تو تم مجھ سے کہو گے کہ وہ ابو بکر کی طرح ہے۔

ہست ایں بالامقام مصطفےٰ	وہم مثلے نیست آں شہ مرا
یہ اونچا درجہ مصطفیٰ کی جگہ ہے	میرے متعلق ان شاہ جیسا ہونے کا وہم نہیں ہو سکتا

یعنی یہ مقام بالا مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے تو اس شہ (کونین صلی اللہ علیہ وسلم) کی ساتھ میری مماثلت کا شبہ نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ حضرت عثمانؓ نے یہ جواب دیا کہ میاں اگر میں دوسری سیڑھی پر بیٹھوں تو سب لوگ یہ سمجھیں گے کہ یہ حضرت ابوبکرؓ کی برابری کا دعویٰ کرتے ہیں اور اگر تیسری پر بیٹھتا ہوں تو حضرت عمرؓ کی برابری کا شبہ ہوتا ہے اور میں ہوں ان دونوں سے کم تو اب میں نے ایسی جگہ لی یعنی خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی جگہ لے لی ہے کہ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برابری کا کسی کو بھی شبہ نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا میں یہاں بیٹھا ہوں۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

بعدازاں برجائے خطبہ آں ودود	تا بقرب عصر لب خاموش بود
اس کے بعد وہ مہربان خطبہ (پڑھنے) کی جگہ	عصر کے قریب تک خاموش تھے

یعنی اس (گفتگو) کے بعد بجائے خطبہ کے وہ مہربان قریب عصر تک خاموش رہے (اور بوجہ ہیبت کے یہ حالت تھی کہ)

زہرہ نے کس را کہ گوید ہیں بخواں	یا بروں آید ز مسجد آں زماں
کسی کی ہمت نہ تھی کہ کہے پڑھئے	یا اس وقت مسجد سے باہر نکل آئے

یعنی نہ تو کسی کی اتنی مجال کہ ان سے عرض کرے کہ پڑھئے یا اس وقت مسجد سے باہر چلا آوے۔

ہیبتے بنشستہ بد بر خاص و عام	پر شد از نور خدا آں صحن و بام
ہر خاص و عام پر ہیبت بیٹھی ہوئی تھی	اللہ (تعالیٰ) کے نور سے صحن اور بالا خانہ پر تھا

یعنی ہر خاص و عام پر ایک ہیبت بیٹھی ہوئی تھی اور تمام صحن اور کوٹھا نور حق سے بھر گیا تھا۔

ہر کہ بینا ناظر نورش بدے	کور زاں خورشید ہم گرم آمدے
جو بینا تھا وہ ان کے نور کو دیکھنے والا تھا	اندھا بھی اس نور سے گرم ہو رہا تھا

یعنی جو شخص کہ بینا تھا وہ تو ان کے نور کا دیکھنے والا تھا اور اندھا بھی اس خورشید سے گرم ہو جاتا تھا۔ مطلب یہ کہ جو صاحب بصیرت تھے وہ تو بھلا انوار حق کا مشاہدہ اس وقت کر ہی رہے تھے لیکن جو اندھے تھے اور صاحب بصیرت نہ تھے ان کو بھی کچھ اثر ہو جاتا تھا اور ایک حرارت ان کو بھی پہنچ ہی جاتی تھی اور کچھ نہ کچھ اثر ان کو بھی ہو ہی جاتا تھا آگے اس کی ایک مثال حسیات میں دیتے ہیں کہ۔

بس ز گرمی فہم کردے چشم کور	کہ برآمد آفتابے بے فتور
گرمی کی وجہ سے اندھا بھی سمجھ رہا تھا	کہ مکمل سورج نکل آیا ہے

یعنی صرف گرمی سے اندھے کی آنکھ سمجھ لیتی کہ ایک آفتاب بے فتور کے نکل آیا۔ مطلب یہ کہ اندھے کو آفتاب کا نکلنا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو حرارت محسوس ہوئی مطلب ہوا کہ دھوپ نکلی ہوئی ہے۔ ورنہ نور آفتاب سے تو وہ محروم ہی ہے۔ اسی طرح جو لوگ صاحب بصیرت نہیں ہیں ان کو بھی جب کوئی اثر اور ایک پھریری سی آتی ہے تب وہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہاں کوئی وارد ہو رہا ہے ورنہ کچھ بھی خبر نہیں ہوتی۔ ہاں ان دونوں گرمیوں میں ایک فرق بھی ہے اس کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

لیک ایں گرمی کشاید دیدہ را	تابہ بیند عین ہر بشنیدہ را
لیکن یہ گرمی ہی آنکھ کو کھول دیتی ہے	تاکہ آنکھ ہر سنی ہوئی بات کو دیکھ لے

یعنی لیکن یہ گرمی تو آنکھ کو کھول دیتی ہے کہ ہر سنی ہوئی شے کی حقیقت کو دیکھ لیتا ہے۔

گرمیش را ضجرتے و حالتے	زاں تپش دل را کشادے فسحتے
اس کی گرمی میں ایک تنگی اور ایک حالت ہے	اس گرمی سے دل میں ایک کشادگی اور وسعت ہے

یعنی اس کی گرمی میں ایک تنگی اور ایک حالت ہے اور اس تپش میں دل کو کشادگی اور وسعت ہے۔ مطلب یہ کہ اس آفتاب ظاہر کی گرمی اور اس گرمی آفتاب عشق الٰہی میں ایک فرق ہے وہ یہ کہ اس آفتاب ظاہر کی گرمی سے تو آدمی کا دل گھٹنے لگتا ہے اور کچھ دیر میں انسان اس سے پریشان ہو جاتا ہے اور تنگی ہونے لگتی ہے اور اس آفتاب حقیقی کی گرمی کا یہ خاصہ ہے کہ اس سے دل میں کشادگی اور وسعت ہوتی ہے اور اس سے بصیرت اور زیادہ ہوتی ہے۔ کہ آخر کار انجام یہ ہوتا ہے کہ جو سنا کرتے تھے ان کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ آنکھیں دل کی کھل جاتی ہیں اور قلب میں نورانیت پیدا ہو جاتی ہے اور آخر میں وہ تجلیات حق کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔ بصیرت تو آخر میں جا کر ہوتی ہے لیکن بعضے اوچھے لوگ جن کو کچھ حاصل ہو جاتا ہے وہ اسی کو مقصود سمجھ کر اس پر اترانے لگتے ہیں لہٰذا آگے ایسے لوگوں کی غلطی بتاتے ہیں کہ۔

کور چوں شد گرم از نور قدم	از فرح گوید کہ من بینا شدم
جب قدیم نور سے اندھا گرم ہو جاتا ہے	وہ خوشی سے کہتا ہے کہ میں بینا ہو گیا ہوں

یعنی اندھا جب نور قدیم سے گرم ہو جاتا ہے تو اکڑ کی وجہ سے کہتا ہے کہ میں بینا ہو گیا مطلب یہ کہ مبتدی کو جہاں ذرا سی گرمی دل میں ہوئی اور وہ سمجھے کہ ہم ولی ہو گئے صرف کیفیات و حالات کو مقصود سمجھ لیتے ہیں مولانا اس کا جواب ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

سخت خوش مستی ولے اے بوالحسن	پارۂ راہ است تا بینا شدن
تو بہت اچھا مست ہے لیکن اے بھلے مانس!	بینا ہونے تک تھوڑا سا راستہ ہے

یعنی اے بوالحسن تم خوب مست ہو لیکن بہت راستہ ہے بینا ہونے تک۔ مطلب یہ کہ میاں ہم نے مانا کہ تمہارے اندر بہت کچھ شورش ہے اور بہت کچھ مستی بھائی صاحب بصیرت حاصل ہونے میں ابھی بہت دیر ہے۔ ابھی سے تم دعویٰ بصیرت کا کرتے ہو۔ ہنوز دلی دور است اور تمہارے اندر جو ایک جوش اور گرمی پیدا ہو گئی ہے یہ

کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اس لئے کہ۔

صد چنیں واللہ اعلم بالصواب	ایں نصیب کور باشد ز آفتاب
اس سے سو گنا اور خدا زیادہ بہتر جانتا ہے	سورج سے نابینا کا یہ حصہ ہے

یعنی یہ تو آفتاب سے اندھے کا حصہ ہوتا ہے (بلکہ) ایسا سو واللہ اعلم بالصواب مطلب یہ کہ جیسی ایک حرارت اور ایک جوش تم کو حاصل ہو گیا ہے ایسی حرارت تو اس آفتاب ظاہر سے اندھے کو بھی حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ بھی گرم ہو جاتا ہے اور اس کو بھی حرارت معلوم ہوتی ہے۔

شرح او کے کار بوسینا بود	وانکہ او آں نور را بینا بود
اس کی تشریح کرنا (شیخ) بو علی سینا کا کام کہاں ہے؟	وہ شخص جو اس نور کو دیکھنے والا ہے

یعنی اور جو شخص کہ اس نور کا دیکھنے والا ہو اس کی (حالت) شرح بو علی ابن سینا کا کام کب ہے۔ مطلب یہ کہ جو شخص صاحب بصیرت ہے اس کی حالت کو تو بو علی ابن سینا باوجود اتنے بڑے حکیم ہونے کے بھی بیان نہیں کر سکتا۔

کہ بجنباند بکف پردہ عیاں	گر شود صد تو کہ باشد ایں زماں
کہ ہاتھ سے مشاہدے کے پردے کو ہٹا دے	اگر زمان سو گنا ہو جائے تو یہ کون ہوتی ہے؟

یعنی اگر سو گنا ہو جاوے وہ کون ہوتا ہے جو اس وقت ہاتھ سے معائنہ کے پردہ کو ہلا دے۔ مطلب یہ کہ بو علی ابن سینا کون چیز ہے جو اس معائنہ تک اس کی رسائی ہو سکے اس معائنہ پر جو پردہ اور حجاب پڑا ہوا ہے اس تک اس کے ہاتھ کی رسائی بھی نہیں ہو سکتی۔ بھلا اس پردہ کو ہٹانا اور اس کو الگ کر دینا تو درکنار یعنی حجاب کو مرتفع کر کے معائنہ کر لینا تو درکنار اس کے قرب و جوار تک بھی رسائی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ صاحب قال ہے اور یہاں تک رسائی صاحب حال کی ہو سکتی ہے تو بھلا جب اس کو حال میسر ہی نہیں تو وہ کس طرح مشاہدہ کر سکتا ہے۔

تیغ الٰہی کند دستش جدا	وائے بروے گر بساید پردہ را
خدائی تلوار اس کے ہاتھ کو جدا کر دے گی	اس پر افسوس ہے اگر وہ پردے کو ہٹائے

یعنی اس پر افسوس ہے اگر وہ پردہ کو چھو دے تو تیغ حق اس کے ہاتھ کو جدا کر دے گی۔ مطلب یہ کہ اگر وہ ان امور میں دخل دینے لگے اور اپنی رائے سے حجاب کو مرتفع کرنے لگے تو اس پر افسوس آتا ہے اس لئے کہ غیرت حق اس کو الگ کر دے گی اور وہاں تک اس کی رسائی نہ ہو سکے گی اور اس کی محنت رایگاں ہی رہے گی۔

آں سرے کہ جہل سرہا می کند	دست چہ بود خود سرش را برکند
اس سر کو جو جہالت سے شرارتیں کرتا ہے	ہاتھ کیا ہوتا ہے' خود اس کے سر کو کاٹ دے گی

یعنی ہاتھ کیا ہے اس کے سر کو اکھاڑ دیں گے وہ سر جو کہ بہت سے سروں کا جہل کرتا ہے مطلب یہ کہ بھلا اس کے

ہاتھ کو الگ کر دینا تو درکنار خود اس کی ذات ہی کو علیحدہ کر دیا جائے گا۔ اور اس کو وہاں سے ہٹا دیا جاوے گا۔ اور وہ بالکل ہی تباہ ہو جاوے گا کیونکہ جب عقل سے ان معاملات میں دخل دیا ہے ہمیشہ گمراہی ہی بڑھے گی اور بعض حکماء جو منصف مزاج ہیں اس امر کے مقر ہو گئے ہیں کہ عقول متوسط ان امور کے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ایں بتقدیر سخن گفتم ترا	ورنہ خود دستش کجاؤ آں کجا
یہ میں نے تجھ سے فرضی بات کہہ دی	ورنہ اس کا ہاتھ کہاں اور وہ (پردہ) کہاں

یعنی یہ جو میں نے تجھ سے کہا بالفرض ہے ورنہ خود اس کا ہاتھ کہاں اور وہ معائنہ کہاں۔ مطلب یہ کہ میں نے جو کہا ہے کہ وہ اگر اس تک پہنچے تو ہلاک ہوگا یہ بفرض والمحال ہے۔ ورنہ بھلا کہاں وہ اور کہاں معائنہ وہ تو ہرگز ہرگز بھی نہیں کر سکتا۔ اس کی وہاں تک رسائی ہو ہی نہیں سکتی۔ آگے ایک مشہور مثل کو بطور نظیر کے لاتے ہیں کہ۔

خالہ را خایہ بدے خالو بدے	ایں بتقدیر است یعنی گر بدے
خالہ کے اگر خصیہ ہوتا وہ خالو ہوتی	یہ فرضی بات ہے یعنی اگر ہوتا

یعنی خالہ کے اگر خایہ ہوتا تو وہ ماموں ہو جاتیں تو یہ بالتقدیر ہے کہ اگر ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ سب جملے شرطیہ ہیں جن میں کہ ترتب جزا منحصر ہے وجود شرط پر اگر شرط ہی نہ پائی جاوے گی تو جزا بھی مرتب نہ ہوگی خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

از زباں تا چشم کو پاک از شکست	صد ہزاراں سال گویم اندک است
زبان (کے ذکر) سے آنکھ (کے مشاہدہ) تک کہ وہ شک سے پاک ہے	اگر میں لاکھوں سال (کی مسافت) کہوں تو کم ہے

یعنی زباں سے چشم تک جو کہ شکست سے پاک ہے اگر لاکھوں برس بھی بیاں کروں تو کم ہے۔ مطلب یہ کہ صرف زبان سے کہنے میں اور دیکھنے میں جس قدر فرق ہے اگر اس فرق کو لاکھوں برس بھی بیان کروں تب بھی کم ہے اس لئے کہ قال اور حال میں تو بہت بون بعید ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو صرف الفاظ سے جو ایک سرسراہٹ محسوس ہو گئی اس سے اتراؤ مت اور بڑے مت بننے لگو۔ اس سے کچھ ہوتا ہوا تا نہیں اب یہاں اس کو سن کر کوئی شاید ناامید ہو جاتا کہ جب یہ راہ اس قدر کٹھن ہے تو ہم بھلا کیوں وہاں تک پہنچ سکتے ہیں۔ آگے اس ناامیدی کو زائل فرماتے ہیں کہ۔

ہیں مشو نو مید نو را ز آسماں	حق چو خواہد میرسد در یک زماں
خبردار! مایوس نہ ہو آسمان سے نور	جب خدا چاہتا ہے فوراً پہنچ جاتا ہے

یعنی ہاں ناامید مت ہو کیونکہ آسمان سے نور حق تعالیٰ جب چاہتے ہیں تو ایک گھڑی میں پہنچ جاتا ہے۔

صد اثر درکانہا از اختراں	میرساند قدرتش در ہر زماں
ستاروں کے سینکڑوں اثرات کانوں میں	اس کی قدرت ہر وقت پہنچاتی ہے

یعنی معدنوں میں سینکڑوں اثر ستاروں سے اس کی قدرت ہر گھڑی پہنچاتی ہے۔

اختر گردوں ظلم را ناسخ است	اختر حق در صفاتش راسخ است
آسمان کا ستارہ تاریکیوں کو دور کرتا ہے	اللہ (تعالیٰ) کا ستارہ اپنی صفات میں مضبوط ہے

یعنی آسمان کے ستارے ظلمتوں کے لئے ناسخ ہیں اور اختر حق اپنی صفات میں راسخ ہے۔

چرخ پانصد سالہ راہ اے مستعیں	در اثر نزدیک آمد باز میں
اے مدد کے طالب! آسمان پانچ سو سال کی مسافت پر	اثر کرنے میں زمین کے نزدیک ہے

یعنی پانچ سو برس کے رستہ والا آسمان اے مستعیں اثر میں زمین سے نزدیک ہے۔

سہ ہزاراں سال و پانصد تا زحل	دمبدم خاصیتش آرد عمل
زحل (ستارے) تک ساڑھے تین ہزار سال (کا راستہ ہے)	اس کی خاصیت ہر وقت عمل کر رہی ہے

یعنی ساڑھے تین ہزار سال (کا راستہ) زحل تک (ہے) اور دمبدم اس کی خاصیت عمل کرتی ہے۔ مطلب ان سب اشعار کا "ہیں مشونوید" سے یہاں تک یہ ہے کہ ناامید مت ہو کیونکہ حق تعالیٰ جب چاہتے ہیں تو نور کو ایک دم میں ہزاروں برس کی راہ سے پہنچا دیتے ہیں دیکھو آفتاب کا نور کس قدر جلدی زمین تک پہنچا دیتے ہیں اور آج کل کی تحقیق کے مطابق یہ مضمون بہت ہی صحیح ہے اس لئے کہ آج کل جو رفتار نور کی بتائی جاتی ہے وہ تو بے حد تیز ہے شاید ایک سیکنڈ میں کئی ہزار میل یا کئی لاکھ میل کی رفتار ہے اور دیکھو آسمان کا اثر جو کہ زمین سے کس قدر دور ہے زمین تک برابر پہنچتا ہے تو اگر حق تعالیٰ باوجود بعد مسافت کے تم کو وہاں تک پہنچا دیں تو کیا عجیب ہے ناامید ہونے کی کونسی بات ہے۔

در ہمش آرد چو سایہ دار یاب	طول سایہ چیست پیش آفتاب
آنے میں اس کو سایہ کی طرح درہم (برہم) کر دے	سورج کے سامنے سایہ کی درازی کیا چیز ہے؟

یعنی اس زحل کو سایہ کی طرح بازگشت کے وقت درہم کر دیتا ہے اور آفتاب کے آگے طول سایہ کیا شے ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو زحل جس کا اثر ساڑھے تین ہزار میل سے زمین تک آتا ہے۔ آفتاب کے نکلنے کے وقت سب درہم برہم ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی اثر بھی نہیں رہتا اور آفتاب کے آگے اس کا مثا رہنا کیا مشکل بات ہے۔ اٹھا دینا اور مقصود تک پہنچا دینا کیا مشکل بات ہے پھر کیوں ناامید ہوتے ہو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

در نفوس پاک اختروش مدد	سوئے اخترہائے گردوں میرسد
پاک نفوس کی جانب سے مدد ستاروں کی طرح	آسمان کے ستاروں کی جانب پہنچتی ہے

یعنی نفوس پاک سے ستاروں کی طرح مدد ستارہائے گردوں کی طرف پہنچتی ہے۔ مطلب یہ کہ جو حضرات ایسے ہیں کہ جن کے نفوس پاک ہیں یعنی بزرگان دین ان کا فیض اور اثر آسمان کے ستاروں تک پہنچتا ہے یعنی ان کی بقا بھی ان ہی کے فیض سے ہے اس لئے کہ اصل مقصود تو وجود دنیا سے ایسے ہی حضرات کا وجود باجود ہے تو

دیکھو ان کا اثر جب زمین سے آسمان کی طرف پہنچتا ہے تو اگر ان حضرات کے فیض سے تم بھی مستفیض ہو جاؤ تو کیا عجب ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

ظاہرا آں اختراں قوام ما	باطن ما گشتہ قوام سما
بظاہر وہ ستارے ہمارے وجود کا باعث ہیں	ہمارا باطن آسمان کی ماہیت بنانے والا ہے

یعنی ظاہر میں تو ستارے ہمارے قوام ہیں اور باطن ہمارا آسمان کے لئے قوام ہے۔ مطلب یہ کہ ظاہر میں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ستاروں سے ہمارا وجود قائم ہے لیکن اصل میں اور باطن میں ہماری وجہ سے ستاروں کا وجود ہے اس لئے کہ اصل مقصود تو عالم سے انسان ہی ہے اگر یہ نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ لہذا یہ کہنا کہ باطن میں ہم ستاروں کے قوام ہیں بالکل درست ہے آگے مولانا اسی کو بیان فرماتے ہیں کہ انسان ظاہر میں تابع ہے لیکن حقیقت میں اور اصل میں یہ خود مقصود ہے اور سب اس کی فروع ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ حضرت عثمانؓ کا قصہ ہے کہ وہ ممبر پر گئے اور جبکہ ان کو خلافت ملی جلدی سے ممبر پر پہنچے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ممبر تین درجہ کا تھا۔ ابوبکرؓ جب اس ممبر پر گئے تھے تو دوسرے درجے پر بیٹھے تھے اور حضرت عمرؓ اپنے زمانہ میں دین و مذہب کی تعظیم کے لئے تیسرے درجہ پر بیٹھے تھے۔ اب زمانہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کا آیا تو یہ اوپر چڑھ کر بیٹھ گئے اس پر کسی خواہ مخواہ نے سوال کیا کہ وہ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ بیٹھے نہ تھے پس جبکہ تم مرتبہ میں ان سے کمتر ہو تو تم نے ان پر تفوق کیوں چاہا۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر تیسرے درجہ پر بیٹھتا ہوں تو کسی کو وہم ہو سکتا ہے کہ میں عمرؓ کی مثل ہوں۔ اور اگر دوسرے درجہ پر بیٹھتا ہوں تو تم لوگوں کو شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ ابوبکرؓ کی مثل ہے اور سب سے اوپر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میری مماثلت کا کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد خطبہ کی جگہ پر قریب عصر تک یعنی بہت دیر تک خاموش کھڑے رہے۔ اور کچھ زبان سے نہیں فرمایا۔ مگر کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ کہے کہ پڑھو۔ یا خود مسجد سے چلا جائے۔ خاص و عام پر ایک ہیبت بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ تو ان انوار کو دیکھتے ہی تھے اور جو اندھے تھے وہ بھی اس آفتاب سے گرم تھے۔ یعنی تھوڑا بہت اثر ان پر بھی تھا۔ پس ان اندھوں کو اس گرمی سے معلوم ہوتا تھا کہ آفتاب انوار حق طالع ہے۔ ہمارے اس بیان سے گرمی انوار حق کی مشابہت گرمی آفتاب سے مفہوم ہوتی ہے لیکن تم ان کو یکساں نہ سمجھ جانا۔ بلکہ ان میں آپس میں بہت بڑا فرق ہے چنانچہ گرمی انوار حق ایک مرتبہ خاص پر پہنچ کر آنکھ کھول دیتی ہے یہاں تک کہ مسموعات اس کو مشاہد ہونے لگتے ہیں۔ برخلاف گرمی آفتاب کے کہ وہ مضر بصر ہے نیز آفتاب کی گرمی میں ایک دل تنگی اور حالت تشویش ہے۔ برخلاف گرمی خداوندی

کے کہ اس سے دل میں فراخی اور وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اس مقام پر ہم مبتدین سلوک کی غلطی پر متنبہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں تا کہ وہ دھوکے سے محفوظ رہیں۔ وہ حقیقت میں اندھے ہوتے ہیں اور جب ان کو ذرا سی گرمی نور حق سبحانہ کی پہنچتی ہے تو وہ خوش ہو کر کہتے ہیں کہ ہم تو بینا ہو گئے۔ ان کو واضح رہے کہ وہ بہت مست ہو گئے ہیں مگر یہ مستی ان کی بے وقت ہے۔ اس لئے کہ بینا ہونے تک مسافت کا ایک بہت بڑا حصہ باقی ہے جس کا قطع ہونا ضروری ہے۔ اور ہنوز قطع نہیں ہوا۔ آفتاب حق کی اتنی گرمی بلکہ اس سے سو گنا زیادہ تو اندھوں کو بھی مل جاتی ہے۔ پس اس سے اپنی بینائی پر استدلال بے جا ہے یاد رکھو کہ جو لوگ اس نور کے دیکھنے والے ہیں وہ کچھ اور ہی چیز ہیں ان کی حالت کی تشریح تو ابو علی سینا بھی نہیں کر سکتا۔ بلکہ اگر وہ سو گنا ترقی کر جاوے اس وقت بھی وہ کون ہوتا ہے کہ معائنہ و مشاہدہ کے سراپردہ کو ہاتھ سے ہلا سکے۔ یعنی ان کی حالت کی تشریح تو مشاہدہ پر موقوف ہے۔ اور وہ مشاہدہ کے قریب تک نہیں پھٹک سکتا۔ کیونکہ اگر وہ اس پردہ کو ہاتھ بھی لگائے تو اس کے لئے بہت بڑی خرابی ہے کہ تیغ خداوندی اس کا ہاتھ کاٹ ڈالے گی۔ ہاتھ تو کیا چیز ہے خود اس کا سر اڑا دے گی یعنی وہ سر جس کو جہالت نے مجموعہ شرور بنا رکھا ہے۔ اور یہ جو میں نے کہا ہے کہ وہ اس پردہ کو ہاتھ لگائے تو تیغ خداوندی اس کا ہاتھ کاٹ ڈالے یہ میں نے بنا پر فرض و تقدیر کہا ہے ورنہ کہاں وہ سراپردہ اور کہاں اس کا ہاتھ۔ اور یہ مضمون ایسا ہے کہ کہتے ہیں کہ اگر خالہ کے اعضائے تناسل ہو تو ماموں ہو جاوے سو یہ محض بنا پر فرض ہے۔ نہ کہ بنا بر احتمال یعنی اگر بالفرض ایسا ہو تو یہ ہو۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ زبانی دعوؤں میں اور اس آنکھ کے حاصل ہونے میں جو شک سے پاک ہے اگر ہزاروں برس کی مسافت کیوں نہ ہو تو بھی کم ہے۔ لیکن اس سے تم کو ناامید نہ ہونا چاہئے اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ جب یہ مسافت اتنی بڑی ہے تو قطع کیونکر ہو سکتی ہے اس لئے کہ اگر خدا چاہیں تو منٹوں بلکہ سیکنڈوں میں طے ہو سکتی ہے چنانچہ جب حق سبحانہ چاہتے ہیں تو ذرا سی دیر میں نور آسمان سے زمین تک پہنچ جاتا ہے (حالانکہ زمین و آسمان میں پانچ سو برس کا فصل ہے) اور دیکھو قدرت خداوندی ستاروں کے سینکڑوں اثر ذرا سی دیر میں معادن تک پہنچا دیتی ہے اور دیکھو آسمان کے ستارے ظلمت محسوسہ کو مٹا دیتے ہیں تو اختر حق سبحانہ تو اپنی صفات میں پختہ ہے وہ کیوں تاریکی و ظلمت باطنی کو ذرا سی دیر میں نہیں مٹا سکتا اور دیکھو آسمان جو زمین میں سے پانچ سو برس کی مسافت پر واقع ہے اثر میں زمین سے قریب ہے۔ نیز زحل جو کہ زمین سے تین ہزار پانچ سو برس کی مسافت پر واقع ہے ذرا سی دیر میں زمین میں اپنے آثار و خواص پیدا کر دیتا ہے اور جبکہ اس کی حکومت کا زمانہ ختم ہوتا ہے تو وہ اپنی واپسی کے وقت سایہ کی طرح ان آثار کو درہم برہم کر دیتا ہے نیز آفتاب کے سامنے طول سایہ کی کوئی بھی حقیقت نہیں۔ جب وہ طلوع ہوتا ہے تو تمام سائے کو لپیٹ کے رکھ دیتا ہے۔ ان واقعات سے معلوم ہوا کہ ستاروں کے سامنے طول مسافت کوئی چیز نہیں اور آفتاب کے سامنے درازی سایہ بے حقیقت ہے۔ ایک حالت تو ستاروں کی یہ تھی اب ذرا ان کی دوسری حالت سن لو وہ یہ کہ اہل اللہ کے نفوس قدسیہ سے جو کہ فیض رسانی میں ستاروں کے مانند ہیں خود ان ستاروں کو مدد پہنچتی ہے اور گو بظاہر یہ ستارے ہم پر حاکم ہیں لیکن حقیقت میں ہم

ان پر حاکم ہیں۔ اور اس فیض رسانی اور حکومت کی تفصیل یہ ہے کہ ان کا وجود اور ان کے کمالات انسان کے وجود اور ان کے کمالات کے تابع ہے۔ کیونکہ مقصود تخلیق انسان ہے اور تمام عالم اس کے لئے پیدا کیا گیا ہے اور انسانوں میں مقصود تخلیق اہل اللہ ہیں۔ اس لئے ستاروں کا وجود اور ان کے کمالات اہل اللہ کے وجود اور کمالات کے تابع ہوں گے اور یہی مراد ہے۔ ایصال فیض اور حکومت سے جیسا کہ مولانا کے کلام کے بیان سے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ جب یہ دونوں باتیں معلوم ہوگئیں تو اب تم سمجھ سکتے ہو کہ جب طول مسافت ستاروں کے لئے احداث آثار وخواص سے اور طول سایہ آفتاب کیلئے اس کے ازالہ سے مانع نہیں تو طول مسافت اور اشد ادظلمت باطنی اہل اللہ کے لئے افاضہ سے کیونکر مانع ہو سکتی ہے۔ وہ تو ستاروں سے بھی زیادہ قوی ہیں پھر نا امیدی کی کون سی وجہ ہے۔

شرح شبّیری

بیان میں اسکے کہ حکماء کہتے ہیں کہ آدمی عالم صغیر ہے اور صوفیہ کہتے ہیں کہ آدمی عالم کبیر ہے اسلئے کہ حکماء کا علم تو صرف صورت انسان پر ہے اور صوفیہ کا علم حقیقت انسان پر ہے

حکماء تو انسان کو عالم اصغر اس لئے کہتے ہیں کہ انسان میں تمام عالم کی اشیاء کے نمونے ہیں لہذا عالم دنیا تو عالم اکبر ہے اور انسان اس کے مقابلہ میں بوجہ نمونہ ہونے کے عالم اصغر ہے اور صوفیہ اس کی حقیقت کو سمجھتے ہیں اس لئے انسان ہی کو عالم اکبر کہتے ہیں۔ اس کی دو تقریریں ہیں ایک تو یہی جو کہ مولانا نے کی ہے کہ چونکہ مقصود وجود انسان ہی ہے اس معنی کر یہ عالم اکبر ہے کہ یہی مقصود ہے اور ایک دوسری تقریر اس کی یہ ہو سکتی ہے کہ چونکہ دنیا کی تمام اشیاء مظاہر ہیں اسماء حق جل شانہ کی اور انسان ان میں مظہر اتم ہے اس لئے یہ کبیر ہوا اور سب اس کے آگے صغیر ہوئے۔ یہ تو حل تھا سرخی کا اب اشعار کا حل لیجئے۔ فرماتے ہیں کہ:

پس بصورت عالم صغریٰ توئی	پس بمعنی عالم کبریٰ توئی
صورت کے اعتبار سے تو چھوٹا جہان ہے	باطن کے اعتبار سے تو بڑا جہان ہے

یعنی پس (اے انسان) صورت میں تو تو عالم اصغر ہے۔ اور حقیقت میں تو عالم اکبر ہے (آگے اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ)

ظاہراً آن شاخ اصل میوہ است	باطناً بہر ثمر شد شاخ ہست
بظاہر ٹہنی پھل کی جڑ ہے	حقیقتاً ٹہنی پھل کے لئے وجود میں آئی ہے

یعنی ظاہر میں تو شاخ میوہ کی اصل ہے (لیکن) حقیقت میں پھل ہی کے لئے شاخ موجود ہوئی ہے۔

گر نبودے میل وامید ثمر	کے نشاندے باغبان بیخ شجر
اگر پھل کی خواہش اور امید نہ ہوتی	تو باغبان درخت کی جڑ کب بوتا

یعنی اگر رغبت اور امید پھل کی نہ ہوتی تو باغباں درخت کی جڑ کب بٹھاتا یعنی وہ درخت ہی نہ لگاتا۔

پس بمعنی آں شجر از میوہ زاد	گر بصورت از شجر بودش ولاد
پس درخت حقیقتاً پھل سے پیدا ہوا ہے	اگرچہ بظاہر درخت سے اس کی پیدائش ہے

یعنی پس حقیقت میں وہ درخت میوہ سے پیدا ہوا ہے اگرچہ صورت میں اس کی ولادت درخت سے ہے۔
مطلب یہ کہ اگرچہ ظاہر میں درخت سبب ہے وجود پھل کا لیکن حقیقت کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو پھل ہی وجود درخت کا سبب ہے کیونکہ مقصود پھل ہی ہے۔ تو درجہ مقصودیت میں پھل ہی اصل ہوا۔ اسی طرح درجۂ مقصودیت میں تمام عالم کی اصل انسان ہوا۔ آگے ایک اور دلیل اس کی مقصودیت کی لاتے ہیں کہ۔

مصطفٰے زیں گفت کادم و انبیا	خلف من باشند در زیر لوا
مصطفیٰ نے اسی لئے فرمایا ہے کہ (حضرت) آدم اور انبیا	میرے پیچھے جھنڈے کے نیچے ہوں گے

یعنی مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وجہ سے فرمایا ہے کہ آدم اور دیگر انبیاء علیہم السلام جھنڈے کے نیچے میرے پیچھے ہوں گے۔

بہر ایں فرمودہ است آں ذوفنون	رمز نحن الآخرون السابقون
اسی لئے ان جامع کمالات نے فرمایا ہے	"ہم آخر میں ہیں اور پہلے ہیں" کا اشارہ

یعنی اس لئے اس ذوفنون صلی اللہ علیہ وسلم نے نحن الآخرون السابقون کا اشارہ ارشاد فرمایا ہے۔
مطلب یہ کہ چونکہ شے مقصود ہی اصل الشے ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں میں مقصودیت میں بڑھے ہوئے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش نہ ہوتی تو پھر نہ حضرت انسان ہوتے اور نہ اور کچھ ہوتا۔ اسی لئے آپ نے فرمایا کہ تمام انبیاء قیامت کے روز میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے کیونکہ مقصود تو وجود عالم سے آپ ہی ہیں تو آپ سب کی اصل اور سب کے سردار ہوئے اور اسی لئے آپ نے فرمایا ہے کہ ہم آئے تو آخیر میں لیکن بوجہ مقصودیت کے سب سے اول ہیں اور فرمایا کہ۔

گر بصورت من ز آدم زادہ ام	من بمعنی جد جد افتادہ ام
اگرچہ بظاہر میں آدم سے پیدا ہوا ہوں	میں حقیقتاً پردادا واقع ہوا ہوں

یعنی اگرچہ میں صورت میں آدم علیہ السلام سے پیدا ہوا ہوں لیکن حقیقت میں اصل الاصل ہوں یعنی مقصود

کے اعتبار سے میں خود آدم علیہ السلام کی بھی اصل ہوں۔ اگر چہ بظاہر ان کی اولاد میں سے ہوں۔ لیکن مقصود وجود آدم علیہ السلام سے میں ہی ہوں۔

کز برائے من بدش سجدہ ملک	وزپئے من رفت بر ہفتم فلک
کیونکہ فرشتوں کا ان کو سجدہ میرے لئے ہی تھا	اور میرے لئے ہی وہ ساتویں آسمان پر گئے

یعنی کہ میری ہی وجہ سے ان کو فرشتوں کا سجدہ ہوا ہے اور میری ہی بدولت وہ ساتویں آسمان پر تشریف لے گئے۔ مطلب یہ کہ چونکہ ان میں میرا نور تھا اس لئے فرشتوں نے ان کو سجدہ کیا اور میری ہی برکت سے وہ جنت میں داخل ہوئے جو کہ ساتویں آسمان پر ہے غرض کہ تمام کمالات میری ہی بدولت حاصل ہوئے اور یہ روایت بالمعنی ہے باقی صوفیہ اس کے قائل ہیں ہی کہ تمام انبیاء کے کمالات فرع ہیں کمالات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی رہی اس کی دلیلیں وہ اپنے مقامات میں موجود ہیں جس کا دل چاہے دیکھ لے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

پس ز من زائید در معنی پدر	پس ز میوہ زاد در معنی شجر
پس حقیقتاً باپ مجھ سے پیدا ہوا	اور اصلاً درخت پھل سے پیدا ہوا

یعنی پس حقیقت میں باپ مجھ سے پیدا ہوئے اور حقیقت میں میوہ ہی سے درخت پیدا ہوا ہے۔ مطلب یہ کہ بوجہ مقصودیت کے میں آدم علیہ السلام کا بھی اصل ہوں اور میوہ درخت کی اصل ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے۔ آگے ارشاد ہے کہ۔

اول فکر آخر آمد در عمل	خاصہ فکرے کو بود وصف ازل
ابتدائی فکر و عمل وجود میں آخر میں آتا ہے	خصوصاً وہ ارادہ جو ازل کی صفت ہو

یعنی اول فکر عمل میں آخر آتا ہے خاص کر وہ فکر جو کہ وصف ازل ہو۔ مطلب یہ کہ دیکھو تم کسی شے کو اول سوچتے ہو کہ مثلاً ہم تخت بنائیں گے تو سب سے پہلے اس سے جو مقصود ہے یعنی جلوس کو سوچتے ہو کہ ہم اس پر بیٹھا کریں گے تو یہاں درجہ فکر میں تو وہ متفکر (بفتح الکاف) سب سے اول ہے لیکن وجود میں سب سے آخر میں ہے اس لئے کہ جب پورا تخت بن جاوے گا اور تیار ہو جائے گا تو یہ غایت اور مقصود یعنی جلوس سب کے بعد وجود میں آوے گی دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ خاص کر وہ شے جو کہ ازلی ہو وہ تو بہ نسبت دیگر اشیاء کے زیادہ مقدم ہوگی تو اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر چہ وجود میں سب سے آخر میں آئے لیکن اس درجہ فکر میں سب سے مقدم ہیں اس کی توضیح کے لئے اول ایک مقدمہ سمجھو کہ یہ تو سب مانتے ہیں کہ وجود کے دو مرتبے ہیں ایک واجب دوسرا ممکن آگے صوفیہ ان میں بھی مراتب مانتے ہیں ان میں سے وجود واجب کے لئے تین مرتبہ کہتے ہیں جن کا لقب ان کی اصطلاح میں احدیت اور وحدۃ اور واحدیت ہے۔ احدیت تو ذات بحث کو کہتے ہیں جس کو غیب الغیب اور باطن محض وغیرہ کے القاب سے بھی تعبیر کرتے ہیں یہ درجہ تو ذات کا ہے دوسرا درجہ ہے وحدۃ یہ درجہ ہے صفات اجمالیہ کا اس کو ان کی اصطلاح میں حقیقت محمدیہ بھی کہتے ہیں۔ تیسرا درجہ ہے واحدیت۔ یہ درجہ ہے

صفات تفصیلیہ کا جس کو اعیان ثانیہ اور حقیقت آدم بھی کہتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ یہ تینوں درجہ ازلی ابدی ہیں اور ان میں آپس میں ایک دوسرے پر تقدم تاخر بھی ہے اور چونکہ انسان صفات حق کا مظہر ہے اور حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے مظہریت میں اکمل واتم ہیں کہ تمام صفات کمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں۔ اسی لئے اس درجہ صفات اجمالی کو حقیقت محمدیہ کے لقب سے تعبیر کیا جاتا ہے لہذا اس درجہ میں یعنی درجہ صفت اجمالی میں حضور مقدم ہوئے دیگر موجودات سے اس لئے کہ باقی موجودات تو درجہ واحدیت میں ہیں جس کو درجہ صفات تفصیلی اور اعیان ثابتہ اور حقیقت آدم بھی کہا جاتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ اگر کسی شے پر کوئی حکم کسی حیثیت کے اعتبار سے کیا جاتا ہے تو اصل میں محکوم علیہ وہ حیثیت ہوتی ہے اس شے کی ذات محکوم علیہ نہیں ہوتی۔ تو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تقدم کا حکم بہ حیثیت آپ کے درجہ صفات اجمالی میں ہونے کے کیا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ اصل میں محکوم علیہ وہ درجہ صفات اجمالی حق تعالیٰ کا ہوا جس کو اصطلاح میں حقیقت محمدیہ بھی کہتے ہیں اور یہاں تقدم کو مجازاً خود ذات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا۔ ورنہ اصل میں یہ ہے کہ وہ درجہ صفات اجمالی درجہ صفات تفصیلی سے مقدم ہے اور یہ سب صوفیہ کے نزدیک مسلم ہے اور نہ اس میں استحالہ ہے اس لئے کہ وہ دونوں درجے صفات حق ہی کے ہیں ان کو اگر وصف ازل سے تعبیر کر دیا تو کیا عجب ہے' خوب سمجھ لو۔ آگے وہ تقریر نقل کی جاتی ہے جس کو خود حکیم الامۃ دام ظلہم نے اپنے قلم مبارک سے اس مقام کے حل میں تحریر فرمایا ہے۔ وھو ہذا۔

مقصود کے تقدم کو بیان فرماتے ہیں کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ اول فکر کی ہوئی چیز عمل یعنی کام میں پیچھے آیا کرتی ہے اور اس کلیہ میں سے بالخصوص وہ فکر کی ہوئی چیز یعنی محل تفکر و متصور و معلوم جو وصف ازلی ہو خصوص اس لئے کہا کہ ایک تو اس کا غایت مقصود ہونا مقتضی ہے اس کے تقدم کو پھر اس کا وصف ازلی ہونا جس کے لئے تقدم علی غیر الازلی لازم ہے یہ دوسرا مقتضی ہے اس کے تقدم کو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کہ بحیثیت اپنے منشاء تعین کے جس کو حقیقت محمدیہ کہتے ہیں۔ وصف ازلی ہے باری تعالیٰ کا جس کا حاصل (اس بناء پر کہ اگر کسی شے پر کوئی حکم کسی حیثیت سے خاصہ سے کیا جاوے تو در حقیقت محکوم علیہ اس حکم کا وہ حیثیت ہوتی ہے) یہ ہے کہ وہ حقیقت محمدیہ وصف ہے باری تعالیٰ کا۔ کیونکہ یہ اصلاح میں لقب ہے' صفات باری تعالیٰ کے درجہ اجمال کا اور یہ ایسا ازلی ہے کہ غیر ازلی پر تو مقدم ہے ہی دوسرے ازلیات پر بھی جو مناشی تعینات ہیں دوسرے اکوان کے ایک گونہ مقدم ہے اور یہ مناشی صفات کا درجہ تفصیلی ہے جس کو اعیان ثابتہ کہتے ہیں اور حقیقت آدمیہ بھی اس کا لقب ہے۔ اور یہ تقدم بالزمان نہیں مگر بالذات و بالطبع ہے۔ پس حقیقت محمدیہ کا حقیقت آدمیہ سے متقدم ہونا مجازاً ذات محمدیہ کا تقدم ہے۔ ذات آدم وغیرہ پر بحیثیت مذکورہ اور آپ کے لئے حقیقت محمدیہ کا منشاء تعین ہونا خود یہ علامت ہے آپ کی مقصودیت کی پس وہی حاصل نکلا کہ آپ کی مقصودیت سبب ہے' تقدم کا اور اس مقصودیت کی چونکہ ایک خاص توجیہ تھی اس لئے خاصہ فکرے الخ کے عنوان سے تعبیر لیا۔ احقر کہتا ہے کہ اس تقریر کے بعد بھی جی چاہتا تھا کہ کوئی سہل توجیہ ہوتی تو خوب تھا عشاء کی نماز میں ذہن میں ایک دوسری تقریر آئی وہ یہ کہ آپ کے تقدم

کی ایک وجہ تو وہی مقصودیت بنابراس قاعدہ کے کہ اول فکر آخر آمد در عمل اور دوسری خاص وجہ یہ بھی کہ آپ ایسے متعلق فکر یعنی معلوم ہیں کہ آپ صاحب وصف ازلی ہیں۔ مبالغۃً آپ پر لفظ وصف کو محمول کر دیا جیسا زید عدل میں اور ازل سے مراد معنی عرفی خاص نہیں بلکہ معنی عرفی عام ہیں جو اکثر شعراء کے استعمال میں آتا ہے یعنی مطلق اولیت متقادمہ کما قال النظامیؒ

محمدؐ کازل تا ابد ہرچہ ہست   بآرایش نام او نقش بست

اور حسب مضمون حدیث اول ماخلق اللہ نوری آپ معلول اول وجود خارجی میں بھی ہیں۔ پس معنی یہ ہوئے کہ مقصود وجود ذہنی میں تو تقدم ہوتا ہی ہے اور آپ تو وجود خارجی میں بھی سب سے مقدم ہیں گو مرتبہ روح میں سہی جسم میں نہ سہی۔ وھذا اسھل واللہ اعلم۔

آگے مولانا پھر اوپر کے مضمون کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ اوپر جو کہا تھا کہ اگر حق تعالیٰ چاہیں تو ایک دم میں باوجود بعد مسافت کے فیض تم تک پہنچادیں درمیان میں تبعاً اس قدر بیان ہوگیا تھا آگے پھر اسی کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

حاصل اندر یکزمان از آسماں	می رود می آید ایدر کارواں
خلاصہ یہ ہے کہ آسمان سے تھوڑے وقفہ میں	اب قافلہ آتا جاتا ہے

یعنی حاصل یہ ہے کہ ایک گھڑی میں آسمان سے قافلہ اب جارہا ہے اور آرہا ہے۔ مطلب یہ کہ اس وقت بھی سینکڑوں لاکھوں فیوض و برکات حق جل شانہ کی طرف نازل ہورہے ہیں۔

نیست برایں کاروان ایں رہ دراز	کے مفازہ زفت آید با مغاز
اس قافلہ پر یہ راستہ دراز نہیں ہے	کامیابی کے ہوتے ہوئے جنگل کب بھاری پڑتا ہے

یعنی اس قافلہ پر یہ راہ دراز نہیں اور میدان مقصود کے آگے سبب بڑا معلوم ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ برابر لوگ فیض لے رہے ہیں اور فیوض ادھر سے آرہے ہیں اس قافلہ پر یہ راہ دراز نہیں ہے اس لئے کہ جس قدر مقصود عظیم ہوتا ہے اسی قدر اس کے درمیان جو مسافت اور بعد ہوتا ہے وہ کم معلوم ہوتا ہے تو چونکہ یہ مقصود ایک عظیم الشان مقصود ہے اس لئے اس کے درمیان جو راہ حائل ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ آگے تقریب فہم کے لئے فرماتے ہیں کہ۔

دل بکعبہ میرود در ہر زماں	جسم طبع دل بگیرد ز امتناں
ہر وقفہ میں دل کعبہ کو جاتا ہے	جسم احسان (خداوندی) سے دل کی طبیعت اختیار کر لیتا ہے

یعنی دل کعبہ میں ہر گھڑی جاتا ہے تو جسم دل کی طبیعت احسان حق کی وجہ سے لے لیتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو جب چاہو دل کعبہ میں پہنچ جاتا ہے یعنی کعبہ کا تصور دل میں آجاتا ہے تو اسی طرح اگر حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے جسم میں خاصیت روح کی پیدا ہو جاوے تو کیا عجب ہے کہ۔

ایں دراز و کوتہی مر جسم راست	چہ دراز و کوتہ آنجا کہ خداست
یہ درازی اور کوتاہی جسم کے لئے ہے	جہاں خدا ہے وہاں دراز کوتاہ کیا ہوتا ہے؟

یعنی یہ درواز ہ کوتہی جسم کے لئے ہے اور کیا دراز اور کیا کوتہ اس جگہ جہاں کہ خدا ہے۔ مطلب یہ کہ تمہارے جسم کے آگے معلوم ہوتا ہے کہ مسافت بعید ہے پہنچنا مشکل ہے لیکن حق تعالیٰ کو پہنچا دینا تو کچھ مشکل نہیں۔ پھر بعد مسافت سے کیوں گھبراتے ہو۔

چوں خدا مر جسم را تبدیل کرد	رفتنش بے فرسخ و بے میل کرد
جب خدا نے جسم کو بدل دیا	اس کا چلنا بے فرسخ اور بے میل کر دیا

یعنی جب خدا نے جسم کو تبدیل فرمایا تو اس کا چلنا بے فرسخ اور بے میل کے کر دیا۔ مطلب یہ کہ جب حق تعالیٰ چاہتے ہیں تو عروج روحانی ہونے لگتا ہے جس میں کہ قطع مسافت ظاہری کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ ویسے ہی کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں جیسا کہ ظاہر ہے کہ عروج روحانی میں مسافت حسی کے قطع کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

صد امیدست ایں زماں بردار گام	عاشقانہ اے فتے خل الکلام
اب سو امیدیں ہیں قدم بڑھا	عاشقوں کی طرح' اے نوجوان! باتیں بنانا چھوڑ دے

یعنی اس وقت اے جوان سینکڑوں امیدیں ہیں قدم عاشقوں کی طرح اٹھاؤ اور کلام ترک کرو۔ مطلب یہ کہ اس وقت فیوض و برکات نازل ہو رہے ہیں اس وقت قدم بڑھاؤ اور چلو بس باتیں چھوڑ دو جیسا کہ فرماتے ہیں کہ

قدم باید اندر طریقت نہ دم   کہ اصلے ندارد دم بے قدم '

آگے فرماتے ہیں کہ۔

گرچہ پیلہ چشم برہم میزنی	در سفینہ خفتۂ رہ مے کنی
اگرچہ تو پلکیں جھپکا رہا ہے	تو کشتی میں سوتا ہوا سفر کر رہا ہے

یعنی اگر چہ تم نے آنکھ کی پلک بند کر رکھی ہے (مگر) کشتی میں سوئے ہوئے راستہ پر چل رہے ہو۔ مطلب یہ کہ دیکھو اگر تم کشتی میں سوار ہو تو اگر اس میں تم سو بھی جاؤ تب بھی سو رہے ہو اور چل رہے ہو۔ اسی طرح مرشد اور شیخ جو کہ کشتی کی طرح ہے اگر تم اس کے سایہ میں آجاؤ اور اس کی تربیت میں ہو تو تم بلا محنت شاقہ کے آرام اور راحت کے ساتھ مقصود تک پہنچ جاؤ گے زیادہ مشکل نہ کرنی پڑے گی۔ ہاں کچھ نہ کچھ کام تو ضروری کرنا پڑے گا جیسا کہ کشتی میں بھی کم از کم بیٹھنا تو پڑتا ہی ہے۔ اسی طرح کچھ نہ کچھ تو ضرور کام کرنا پڑے ہی گا۔ ہاں اس کی تربیت میں آ کر محنت شاقہ سے بچ جاؤ گے۔ یہاں جو کشتی کی مثال دی ہے آگے اس سے مراد مرشد ہونا بتلاتے ہیں۔

تفسیر حدیث مثل اهل بیتی کمثل سفینة نوح من تمسک بها نجاومن تخلف عنها غرق

بہر ایں فرمود پیغمبر کہ من	ہمچو کشتی ام بطوفان زمن
اسی لئے پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ میں	زمانہ کے طوفان میں کشتی کی طرح ہوں

یعنی کہ حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے فرمایا ہے کہ میں طوفان زمانہ میں کشتی کی طرح ہوں۔ مطلب یہ کہ چونکہ مرشد کی مثال کشتی کی سی ہے اسی لئے حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی مثال کشتی جیسی فرمائی ہے۔ فرمایا ہے کہ حوادثات زمانہ کے طوفان میں میری مثال کشتی جیسی ہے کہ میں سب سے بچا کر صحیح وسالم نکال لے جاتا ہوں۔

ما و اصحابیم چوں کشتی نوح	ہر کہ دست اندر زند یا بد فتوح
ہم اور ہمارے ساتھی (حضرت) نوحؑ کی کشتی کی طرح ہیں	جو سہارا پکڑ لے گا نجات پا جائے گا

یعنی (فرمایا ہے کہ) ہم اور ہمارے اصحاب کشتی نوح کی طرح ہیں جو شخص اتباع کرے وہ فلاح پاوے۔

آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

چونکہ با شیخی تو دور از زشتۂ	روز و شب سیاری و در کشتۂ
جبکہ تو شیخ کے ساتھ ہے، برائی سے دور ہے	تو دن رات چل رہا ہے، اور تو کشتی میں ہے

یعنی جبکہ تو شیخ کے ساتھ ہے تو تو زشتی سے دور ہے اور تو رات دن چل رہا ہے اور کشتی میں ہے۔

در پناہ جان جاں بخشی توئی	کشتی اندر خفتۂ رہ میروی
تو جان بخشنے والے کی جان کی پناہ میں ہے	تو کشتی میں سویا ہوا ہے، راستہ طے کر رہا ہے

یعنی تو جان بخشنے والے کی جان کی پناہ میں ہوگا اور کشتی میں سوئے ہوئے راستہ چلوگے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم شیخ کے متبع ہوے اور وہ تمہارا رہبر ہوگا تو پھر تم کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔ اور تم شیطان کے تمام شرارتوں سے محفوظ رہوگے اور تمہاری ایسی مثال ہوگی کہ گویا کشتی کے اندر سو رہے ہو کہ ساکن اور متحرک ایک ہی زمانہ میں ہو بظاہر تو ایک جگہ بیٹھے ہو اور ایک ہی حالت میں ہو مگر شیخ کے اتباع اور معیت کی وجہ سے عروج باطنی اور سیر حقیقی تم کو حاصل ہوگی جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو ہمارا اتباع کرے وہ فلاح پاوے جب رسول اور نائبان رسول کے اتباع سے فلاح حاصل ہوتا ہے تو اب فرماتے ہیں کہ۔

مگسل از پیغمبر ایام خویش	تکیہ کم برفن و برگام خویش
اپنے زمانے کے پیغمبر سے جدا نہ ہو	اپنی تدبیر اور اپنے قدم پر بھروسہ نہ کر

یعنی تم اپنے زمانہ کے پیغمبر سے قطع تعلق مت کرو اور اپنے علم وعمل پر بھروسہ کم کرو۔ مطلب یہ کہ جب فلاح اور ترقی وغیرہ سب اتباع رسول یا اتباع نائبان رسول ہی پر موقوف ہے تو تم اپنے زمانہ کے پیغمبر سے قطع تعلق مت کرو اور وہ تمہارے زمانہ کے پیغمبر وہی تمہارے زمانہ کے اولیاء اللہ اور مشائخ متبع سنت ہی ہیں لہٰذا تم کو چاہئے کہ ان کا اتباع کرو۔ اور اپنے علم وعمل پر مغرور مت ہو کہ جب تک کوئی راہبر نہ ہو اپنا علم ابتداء میں کچھ کام نہیں دیتا۔ ہاں پھر تم جب راہ پر لگ جاؤ گے اس وقت پھر تم خود مقتدا ہو گے اور دوسرے لوگ تمہارا اتباع کریں گے اور تمہارے راہ پر لگنے سے پہلے تو تم خواہ کتنے ہی بڑے عالم باعمل ہو اس راہ میں تم مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ اگر چہ وہ فی نفسہ بھی مقصود ہے مگر اس راہ کا مقصود بے راہبر کے ہرگز میسر نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ظاہر ہے آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

گرچہ شیری چوں روی رہ بے دلیل	ہمچو روبہ در ضلالی و ذلیل
اگر چہ تو شیر ہے، جب تو بغیر رہنما کے راستہ طے کرے گا	لومڑی کی طرح گمراہی میں ہے اور ذلیل ہے

یعنی اگر چہ تم شیر ہو مگر جبکہ بے راہبر کے راستہ چلو گے تو لومڑی کی طرح گمراہی میں رہو گے اور ذلیل ہو گے۔ مطلب یہ کہ تم علم وعمل میں خواہ کتنے ہی کامل ہو لیکن اگر تمہارا کوئی راہبر نہیں ہے تو یاد رکھو کہ وہ ساری قوت بیکار ہے۔ تم بالکل کمزور اور رسوا ہو گے وہ علم وعمل اس راہ میں کوئی زیادہ کارآمد نہ ہوگا۔ جب یہ بات ہے تو آگے پھر اسی کی تاکید فرماتے ہیں کہ۔

ہیں مپرالا کہ با پرہائے شیخ	تا بہ بینی عون لشکر ہائے شیخ
خبردار! شیخ کے پروں کے بغیر پرواز نہ کر	تا کہ تو شیخ کے لشکروں کی مدد دیکھے

یعنی ہاں بے شیخ کے پروں کے مت اڑو تا کہ تم شیخ کے لشکروں کی مدد دیکھو۔ مطلب یہ کہ تم بے معیت شیخ کے طریق مت کرو بلکہ اس کی مدد سے طریق طے کرو گے تو اس وقت تم کو اس کی برکت اور فوائد معلوم ہوں گے۔

یہاں تک صحبت شیخ اور معیت شیخ کی ترغیب دے کر آگے اس طریق کا معاملہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

یک زمانے موج لطفش بال تست	آتش قہرش دمے حمال تست
ایک وقت اس نی مہربانی کی موج، تیرا بازو ہے	کسی وقت، اس کے قہر کی آگ تیری باربردار ہے

یعنی ایک زمانہ تو اس کی موج لطف تمہارے لئے بال ہے اور ایک دم میں اس کا قہر تمہارا حمال ہے۔

قہر او را ضد لطفش کم شمر	اتحاد ہر دو بیں اندر اثر
اس کے قہر کو، اس کی مہر کی ضد نہ سمجھ	اثر میں دونوں کی یکسانیت دیکھ

یعنی اس کے قہر کو اس کے لطف کی ضد کم گنو اور اثر میں دونوں کا اتحاد دیکھو۔ مطلب یہ ہے کہ شیخ کا معاملہ کبھی تو تمہارے ساتھ درشتی کا ہوتا ہے اور کبھی نرمی کا مگر اثر میں اور فائدہ پہنچانے میں دونوں یکساں ہیں بلکہ اکثر درشتی ہی زیادہ نافع دیکھی گئی ہے۔ لہٰذا اس کی سختی سے مکدر ہونا اور اس سے ناگواری ہونا بہت ہی نامناسب ہے۔

اور طریق سے محروم رکھنے والی شے ہے اس کے سامنے تو وہ حالت ہو کہ۔

زندہ کئی عطائے تو در بکشی فدائے تو　　دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کئی رضائے تو

ہر حالت میں وہ تمہاری تربیت کر رہا ہے۔ اور اس سے اس کا کوئی نفع نہیں ہے وہ یہ سب درشتی اور نرمی وغیرہ تمہارے ہی فائدہ کے لئے کرتا ہے۔ بلکہ اس درشتی میں اکثر اوقات خود اس کو بھی کوفت ہوتی ہے مگر صرف تمہارے نفع کے لئے وہ اس کوفت کو برداشت کرتا ہے۔ افسوس ہے تمہارے حال پر کہ وہ تو تمہارے واسطے مشقت برداشت کرے۔ اور تمہیں نفع پہنچانا چاہے اور اس میں خود اس کا کوئی نفع نہ ہو مگر باوجودیکہ تمہارا نفع ہی نفع ہے تم اس کو ناگوار سمجھو اور رنجیدہ ہو اس کی درشتی اور نرمی کی یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

یک زمان چوں خاک سبزت میکند	یک زماں پر باد و گبزت میکند
ایک وقت میں وہ تجھے مٹی کی طرح سرسبز کر دیتا ہے	ایک وقت میں پرشوکت اور عالی قدر بنا دیتا ہے

یعنی ایک وقت میں تو وہ تجھے خاک سبز کرتا ہے اور ایک وقت میں برباد اور بڑا تجھے کر دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ کبھی تو نرمی کر کے تجھے سبزہ کی طرح خوش وخرم کر دیتا ہے اور کبھی درشتی کر کے تجھے مراتب عالیہ پر پہنچا دیتا ہے۔ اور اس کی یہ شان ہے کہ۔

جسم عارف را دہد وصف جماد	تا برو روید گل و نسریں شاد
سالک کے جسم کو مٹی کی خاصیت عطا کر دیتا ہے	تاکہ اس پر پھول اور عمدہ گل سیوتی اگے

یعنی جسم عارف کو وہ جماد کی صفت دیتا ہے یہاں تک کہ اس پر پھول اور نسریں خوش اگتے ہیں۔ مطلب یہ کہ وہ شیخ سالک کے جسم کو جمادات کی سی خاصیت دیدیتا ہے کہ ان پر کبھی بارش ہوتی ہے جو کہ نرمی کے مشابہ ہے اور کبھی تیز دھوپ پڑتی ہے جو درشتی کے مشابہ ہے ان دونوں سے مل کر اس پر کیسے کیسے پھول اگتے ہیں اسی طرح شیخ کی نرمی اور سختی دونوں سے مل کر ہی کام بنتا ہے اور علوم ومعارف جب ہی وارد ہوتے ہیں جبکہ دونوں حالتوں کو برداشت کیا جائے ورنہ کورے کے کورے ہی رہ جاؤ گے۔ اب یہاں شبہ ہوا کہ ہم نے تو کسی جسم عارف میں کوئی پھول وغیرہ لگے ہوئے نہیں دیکھے وہ تو بیچارے یونہی ٹوٹی پھوٹی حالت میں ہوتے ہیں پھر یہ کہنا کہ اس کو وصف جماد دیتا ہے اور اس میں پھول لگتے ہیں کہاں صحیح ہوا۔ آگے مولانا اس کا جواب دیتے ہیں کہ۔

لیک او بیند نہ بیند غیر او	جز بمغز پاک ندہد خلد بو
لیکن وہی اس کو دیکھتا ہے اس کا غیر نہیں دیکھتا ہے	بہشت پاک مغز (والے) کے علاوہ کسی کو خوشبو نہیں دیتی ہے

یعنی لیکن وہی دیکھتا ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں دیکھتا اور سوائے مغز پاک کے (اور کسی کو) خلد بو نہیں دیتی۔ مطلب یہ کہ جسم عارف کے گل ونسریں اس شیخ ہی کو نظر آتے ہیں اس کے علاوہ اور کسی کو نظر نہیں آتے۔ کیونکہ ظاہر ہے

کہ وہ تمام پھول حسی تو ہوتے نہیں معنوی ہوتے ہیں لہذا اس کو وہی دیکھ سکتا ہے جس کی آنکھ حقیقت شناس ہو جیسے کہ بہشت کی خوشبو اسی کو آوے گی جس کا دماغ پہلے سے اچھا ہوگا۔ اور سڑے ہوئے دماغ والے کو یعنی کفار کو جنت کی ہوا بھی نہ لگے گی۔ لہذا ہر شخص کو وہ گل ونسرین دکھائی نہیں دے سکتے۔ آگے ان کے دیکھ سکنے کی تدبیر بتاتے ہیں کہ۔

مغز را خالی کن از انکار یار	تا کہ ریحاں یابے از گلزار یار
دوست کے انکار سے دماغ کو خالی کر لے	تاکہ تو دوست کے چمن سے خوشبو سونگھے

یعنی مغز کو یار کے انکار سے خالی کر لے تا کہ یار کے گلزار سے خوشبو پاوے۔ مطلب یہ کہ تمہارے دماغ میں جو اولیاء اللہ کی طرف سے انکار بھرا ہوا ہے اس انکار کو نکال دو۔ خواہ اعتقاد بھی نہ ہو امتحان ہی مقصود ہو مگر انکار اور بغض نہ ہو۔ اس وقت تم کو اس باغ حقیقی کی خوشبو آوے گی اور ان گل ونسریں کو تم بھی دیکھ سکو گے۔ آگے بھی یہی فرماتے ہیں کہ۔

تا بیابے بوئے خلد از یار من	چوں محمدؐ بوئے رحمٰن از یمن
تاکہ تو میرے دوست کے ذریعہ بہشت کی خوشبو حاصل کرے	جیسا کہ آنحضورؐ نے یمن سے خدا کی خوشبو حاصل کی

یعنی تا کہ تم میرے یار سے بوئے خلد کو پالو جیسے کہ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم نے رحمٰن کی بو یمن سے پائے۔ مطلب یہ کہ تم اس انکار اور عناد کو نکال ڈالو اس وقت تم کو اس گل ونسریں حقیقی کی خوشبو معلوم ہوگی اور اس وقت تم کو شیوخ کی برکات کا مشاہدہ ہوگا۔ جیسے کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ الایمان یمان الخ کہ ایمان یمن میں ہوگا اور یمن کے لوگ زیادہ ایماندار ہونگے تو جس طرح حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ادھر سے آثار ایمان معلوم ہوئے تھے اسی طرح اگر تم انکار سے دماغ کو خالی کر لوگے تو تم کو بھی برکات کا مشاہدہ ہونے لگے گا۔

در صفت معراجیاں گر بیستی	چوں براقت بر کشاید نیستی
اگر تو معراج والوں کی صف میں کھڑا ہو گیا	فنا تیرے لئے براق کی طرح پر پھیلا دے گی

یعنی معراجیوں کی صف میں اگر تو کھڑا ہو تو جب تیرا براق پر کھولے تو تو نیست ہو۔ مطلب یہ کہ اگر تم ان حضرات کی خدمت میں رہو تو ان کی صحبت کا یہ اثر ہوگا کہ ایک دم تم کو بھی عروج روحانی حاصل ہوگا۔ اور تم کو درجہ فنا کا حاصل ہو جاوے گا۔

نے چو معراج زمینے تا قمر	بلکہ چوں معراج کلکے تا شکر
گرد کی قمر تک کی معراج کی طرح نہیں	بلکہ نے کے شکر بننے تک کی معراج کی طرح

یعنی نہ مثل معراج یک زمین کے قمر تک بلکہ مثل معراج ایک کلک کے شکر تک۔ مطلب یہ کہ تم کو جو عروج ہوگا اور تمہارے جو مراتب عالی ہوں گے تو وہ کوئی حسی شے نہیں ہے کہ یہاں سے اٹھ کر وہاں چلے گئے یا اڑنے لگے کہ اڑے اور آسمان پر پہنچ گئے۔ بلکہ وہ عروج روحانی ہوگا کہ جس کی کیفیت کچھ اس مثال سے معلوم ہوگی کہ دیکھو شکر کی نے اولاً ایک لکڑی ہوتی ہے اس کے بعد اس کو ترقی ہوتی ہے اور وہ شکر ہو جاتی ہے تو وہ رہی تو اپنی جگہ

مگر اس کو ترقی ہوگی یعنی وہ ترقی کیفاً ہوگی کہ ایک حالت سے دوسری حالت بدل جاوے گی۔ ورنہ کوئی سیڑھی لگا کر آسمان کو تھوڑا ہی چڑھنا ہے۔ آگے بھی یہی مضمون ہے فرماتے ہیں کہ۔

بل جو معراج جنینے تا نہا	نے چو معراج دخانی تا سما
بلکہ نطفے کے شکر بننے تک کی معراج کی طرح	دھویں کی آسمان تک کی معراج کی طرح نہیں

یعنی نہ مثل معراج ایک دھویں کے آسمان تک بلکہ مثل معراج یک جنین کے عقل تک مطلب یہ کہ وہ معراج ایسی نہ ہوگی جیسے کہ دھواں آسمان کو چڑھا کرتا ہے بلکہ اس کی مثال ایسی سمجھو جیسے کہ ایک بچہ ہوتا ہے کہ وہ دنیا ہی میں رہ کر عاقل و کامل ہو جاتا ہے تو اس کو حسا تو کہیں عروج نہیں ہوا مگر ظاہر ہے کہ اس کو اپنی اس پہلی حالت سے عروج ہوا ہے اور ترقی کر کے آج وہ اس درجہ کو پہنچ گیا ہے۔ اسی طرح اگر تم مرشد کے ساتھ رہو گے اور اس کے کہنے سے مجاہدات و ریاضات کرتے رہو گے تو ایک دن تم بھی کامل ہو جاؤ گے۔

سوئے ہستی آردت گر نیستی	خوش براقے گشت خنگ نیستی
اگر تو فانی ہے تجھے بقا کی جانب لے آتا ہے	فنا کا گھوڑا بہت اچھا براق بنا

یعنی نیستی کا گھوڑا ایک اچھا براق ہے کہ تجھے ہستی کی طرف لاوے گا۔ اگر تو نیست ہوگا مطلب یہ کہ فنا ایک ایسی شے ہے کہ اس کو حاصل کرنے کے بعد انسان کو بہت جلد عروج روحانی ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے بہت جلد مقصود تک وصول ہو جاتا ہے لہٰذا چاہئے کہ شیخ کی رائے میں اپنی رائے کو بالکل فنا کر دو۔

تا جہاں حس راپس میکند	کوہ و دریا ہاسمش مس میکند
یہاں تک کہ وہ محسوس دنیا کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے	اس کے سم پہاڑ اور دریاؤں کو چھوتے ہیں

یعنی اس گھوڑے کے سم پہاڑ اور دریا کو مس کرتے ہیں تا کہ جہاں حس کو پیچھے کر دے۔ مطلب یہ کہ فنا حاصل ہونے کے بعد یہ ہوتا ہے کہ تمام مراتب عالیہ حاصل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور یہ جہاں بے قدر رہ جاتا ہے پھر اس کی طرف التفات نہیں رہتا۔ یہاں تک تو اس کی تعلیم کی تھی کہ شیخ کی تعلیم سے اعمال و مجاہدات و ریاضات کرو اور درجہ فنا حاصل کر لو اور اس کے غصہ وغیرہ کو برداشت کرو تو تم کو مقصود بہت جلد حاصل ہو جاوے گا۔ آگے وصول کا دوسرا طریق بتاتے ہیں کہ۔

چوں سوئے معشوق جان جان رواں	پا بکش در کشتی و می رو رواں
جیسا کہ جان معشوق کی طرف جاتی ہے جو روح کی روح ہے	کشتی میں قدم رکھ اور چلا چل

یعنی پا کشتی میں بیٹھ لو اور روانہ ہو جاؤ جس طرح کہ جان معشوق جان کی طرف روانہ ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ اگر مجاہدات و ریاضات نہیں کر سکتے تو خیر شیخ کی صحبت تو اختیار کرو۔ اس کو تو مت چھوڑو کہ انشاء اللہ ایک دن

اس سے بھی کام بن جاوے گا۔ پس اجتناب عن المعاصی تو ہر حال میں ضروری ہے پھر اگر اور ذکر وشغل متعارف نہ بھی کرے تب بھی اکثر وصول ہو ہی جاتا ہے تیری یہ حالت ہو جاوے گی کہ۔

دست نے و پائے نے رو تا قدم	آنچنانکہ تاخت جانہا از عدم
بغیر ہاتھ اور بغیر پاؤں کے قدیم کی طرف چل	جس طرح کہ روحیں عدم سے دوڑ آئیں

یعنی نہ ہاتھ ہیں اور نہ پاؤں ہیں اور قدم تک چلے جاؤ۔ جس طرح کہ جانیں عدم سے آئی ہیں۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ عدم سے جانیں وجود میں آ گئی ہیں۔ اور ان کو کوئی حرکت حسی نہیں ہوئی اسی طرح تم کو بھی کوئی حرکت حسانہ کرنی پڑے گی اور تم واصل الی الحق ہو جاؤ گے یہاں آ کر مولانا کو خیال آیا کہ سامعین کی توجہ ان مضامین کی طرف پوری نہیں ہے اس لئے مولانا کو آمد مضامین بند ہو گئی آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

بر دریدے در سخن پردہ قیاس	گر نبودے سمع سامع را نعاس
(یہ تقریر) بات میں قیاس کا پردہ چاک کر دیتی	اگر سننے والے کی سماعت پر اونگھ نہ طاری ہوتی

یعنی بیان میں فردۂ قیاس کو پھاڑ دیتا اگر سامع کی سمع کو اونگھ نہ ہوتی۔ مطلب یہ کہ اگر سامعین اکتا نہ جاتے اور ان مضامین کے سننے کا ان کو شوق ہوتا تو میں ان مضامین کو بے حد و قیاس بیان کرتا مگر اب چونکہ سامعین اکتا گئے ہیں اس لئے اب آگے بیان نہیں کرتا۔ آگے شیخ کے لئے دعا فرماتے ہیں کہ۔

اے فلک بر گفت او گوہر ببار	از جہان او جہانا شرم دار
اے آسمان! اس کی گفتگو پر موتی برسا	اے دنیا! تو اس کے جہان سے شرم کر

یعنی اے آسمان اس کی گفتگو پر موتی برسا اور اے جہاں اس کے جہان سے شرم کر۔ مطلب یہ کہ اے آسمان شیخ کے کلام پر خوب گوہر باری کر اس لئے کہ وہ مضامین اسی قابل ہیں اور اے جہاں اس کے جہاں باطن سے شرم کر کہ اس کا وہ جہاں باطن تجھ سے بڑھا ہوا ہے۔

گر بباری گوہرت شش تا شود	جامدت گوئندہ و بینا شود
اگر تو موتی برسائے وہ چھ گنا ہو جائیں گے	تیرا بے جان بولنے والا اور دیکھنے والا ہو جائے گا

یعنی اگر تو گوہر برساوے تو وہ چھ گنے ہو جاویں اور تیرا جامد گوئندہ اور بینا ہو جاوے۔

پس نثارے کردہ باشی بہر خود	چونکہ ہر سرمایۂ تو صد شود
تو تیرا نچھاور خود تیرے لئے ہو گا	جبکہ تیرا ہر سرمایہ سو گنا ہو جائے گا

یعنی پس تو اپنے ہی لئے نثار کرے گا جبکہ تیرا سرمایہ سو گنا ہو جاوے گا۔ مطلب یہ کہ ہم نے جو اوپر کہا ہے کہ اے فلک ان کی باتوں پر گہر باری کر تو اس میں کچھ کمی نہ آوے گی بلکہ ان کے فیض سے وہ گوہر اور بڑھ جاویں

گے۔ اسی طرح اگر تم اپنے کو فنا کردو گے اور شیخ کے بالکل تابع اور مطیع ہو جاؤ گے تو اس میں شیخ کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بلکہ کچھ تمہارا ہی فائدہ ہوگا کہ اس کی برکت سے تمہاری ہر حالت قوی اور استعداد زیادہ ہو جاوے گی۔ تو اس فنا میں بھی تمہارا ہی فائدہ ہے۔ اس کا کوئی نفع نہیں ہے۔ آگے اس کو اس ہدیہ بلقیس سے مثال دیتے ہیں اور یہاں سے انتقال ہے قصہ بلقیس کی طرف فرماتے ہیں کہ۔

ہمچو آں ہدیہ کہ بلقیس از سبا	بر سلیماں می فرستاد اے کیا
اس ہدیہ کی طرح جو بلقیس نے سبا سے	(حضرت) سلیمانؑ کے پاس بھیجا اے عقلمند!

یعنی اے زیرک جس طرح کہ بلقیس ہدیہ سبا سے سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجتی تھی۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ بلقیس نے سلیمان علیہ السلام کو جو ہدیہ بھیجا تھا تو اس میں اسی کا فائدہ تھا اسی طرح اگر تم مجاہدات وریاضات واطاعت شیخ کرو گے تو اس سے تمہارا ہی فائدہ ہے۔ شیخ کا کوئی نفع نہیں ہے۔ آگے بلقیس کا سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں ہدیہ روانہ کرنے کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

بلقیس کا شہر سبا سے سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں ہدیہ بھیجنا

ہدیہ بلقیس چل اشتر بدست	بار آنہا جملہ خشت زر بدست
بلقیس کا ہدیہ چالیس اونٹ تھے	جن کا بوجھ سب سونے کی اینٹیں تھا

یعنی بلقیس کا ہدیہ چالیس اونٹ تھے کہ ان سب پر سونے کی اینٹیں لدی ہوئی تھیں۔ مطب یہ کہ حضرت بلقیس نے سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں چالیس اونٹ سونے کی اینٹوں کے بھر کر روانہ کئے تھے۔

چوں بصحرائے سلیمانی رسید	فرش آں را جملۂ زر پختہ دید
جب وہ (قافلہ حضرت) سلیمانؑ کے علاقہ میں پہنچا	اس کا تمام فرش خالص سونے کا دیکھا

یعنی وہ (ہدیہ) سلیمانی جنگل میں پہنچا تو اس کا سارا فرش خالص سونے کا دیکھا۔

بر سر زر تا چہل منزل براند	تا کہ زر را در نظر آبے نماند
چالیس منزل تک سونے پر چلتا رہا	یہاں تک کہ (اس کی) نظر میں سونے کی وقعت نہ رہی

یعنی سونے پر چالیس منزل تک چلے یہاں تک کہ سونے کی نظر میں کوئی قدر نہ رہی۔ مطلب یہ کہ جو سفیر وغیرہ کہ ہدیہ لے کر آئے تھے جب وہ سلیمان علیہ السلام کے جنگل میں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ وہاں کا تمام فرش سونے کا ہے اور جنگل بھر میں سونے ہی سونے کا فرش لگا ہوا ہے حتیٰ کہ چالیس منزل تک وہ لوگ اس سونے ہی کے فرش پر چلتے رہے۔ مورخین نے لکھا ہے کہ جب قاصد بلقیس کی خبر حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوئی ہے اور

معلوم ہوا کہ وہ خشت زر ہدیہ میں لا رہے ہیں تو انہوں نے حکم دیا کہ تمام جنگل میں سونے کا فرش لگا دیا جاوے تا کہ ان کو اپنے ہدیہ کی قدر معلوم ہو جاوے۔ اور ان کے قلب میں عظمت بیٹھ جاوے۔ لہٰذا ایسا ہی ہوا اور اب جو ان لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو ان کی نگاہ میں سونا ایک بے قدر چیز ہوگئی۔ اور اب ان کو وہ خشت زر ہدیہ میں لے جاتے ہوئے شرم آنے لگی اور آپس میں یوں گفتگو ہونے لگی۔

بارہا گفتند زر را وا بریم	سوئے مخزن ماچہ بیکار اندریم
انہوں نے بارہا کہا سونے کو واپس لے جائیں	خزانے میں، ہم کس بیکار کام میں لگے ہیں؟

یعنی بارہا یوں کہا کہ سونے کو ہم خزانہ میں واپس لے جاویں کہ ہم کیسے بیکار کام میں ہیں۔

عرصۂ کش خاک زردہ دہی ست	زر بہدیہ بردن آنجا ابلہی ست
وہ علاقہ جس کی زمین خالص سونا ہے	وہاں تحفہ میں سونا لے جانا بیوقوفی ہے

یعنی جس میدان کی کہ خاک خالص سونا ہو سونا وہاں ہدیہ میں لے جانا بیوقوفی ہے۔ مطلب یہ کہ جب انہوں نے یہ حالت دیکھی تو آپس میں کہنے لگے کہ میاں ان سونے کی اینٹوں کو جو تم ہدیہ میں لے جا رہے ہو واپس لے جا کر اپنے خزانہ ہی میں رکھ لو۔ اس لئے کہ جہاں کے جنگل کی خاک سونے کی ہو وہاں یہ اینٹیں ہدیہ میں لے جانا سراسر حماقت ہے۔ لہٰذا بیکار کام کرنے سے کیا فائدہ چلو واپس لے چلیں آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

اے ببردہ عقل ہدیہ تا الٰہ	عقل آنجا کمترست از خاک راہ
اے عقل کا ہدیہ اللہ کی جانب لے جانے والے	وہاں عقل راستہ کی مٹی سے (بھی) کم ہے

یعنی اے وہ شخص کہ حق تعالیٰ کے آگے اپنی عقل کو ہدیہ میں لے گیا ہے عقل اس جگہ خاک راہ سے بھی کم ہے۔ مطلب یہ کہ تم جو اپنی عقل کو اور ان اعمال وغیرہ کو حق تعالیٰ کے سامنے پیش کرنے کو لے چلے ہو تو یہ سمجھ لو کہ تمہاری یہ عقل وہاں خاک راہ سے بھی کم ہے اور بالکل بے قدر ہے۔ تو جس طرح ان لوگوں کو اپنے ہدیہ سے ندامت ہوئی تھی اسی طرح تم کو بھی وہاں اسے لے جا کر ندامت ہی اٹھانا پڑے گی یہ ایک جملہ معترضہ کے طور پر بیان فرما کر آگے پھر ان قاصدوں کی گفتگو بیان فرماتے ہیں۔

چوں کساد ہدیہ آنجا شد پدید	شرمساری شان ہمی واپس کشید
جب تحفہ کا گھٹیا پن وہاں کھل گیا	شرمندگی نے ان کو واپس لوٹا دیا

یعنی جب ہدیہ کا کھوٹ اس جگہ ظاہر ہو گیا تو ان کو شرمساری واپس ہٹاتی تھی۔ مطلب یہ کہ جب ان کو معلوم ہو گیا کہ سونا تو یہاں بالکل بے قدر ہے اور اس کی تو یہاں کچھ پوچھ ہی نہیں ہے۔ تو یہ حالت تھی کہ شرمندگی کے مارے ان کا قدم آگے نہ اٹھتا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ واپس لے کر چلے جاویں مگر

باز گفتند از کساد و از روا	چیست برما بندہ فرمانیم ما
پھر انہوں نے کہا گھٹیا پن اور بڑھیا پن سے	ہمیں کیا ہم تو حکم کے غلام ہیں

یعنی پھر کہتے کہ ہمیں کھوٹے کھرے سے کیا مطلب ہم تو حکم کے بندے ہیں۔

گرزرو گر خاک ما را بردنی ست	امر فرمانده بجا آورد نیست
خواہ سونا ہے خواہ مٹی ہمیں لے جانا ہے	حاکم کا حکم بجا لانا ہے

یعنی خواہ سونا ہو خواہ مٹی ہو ہمیں تو لے جانا ہے اور حاکم کا حکم بجالانا ہے۔

گر بفرمانید کہ واپس برید	ہم بفرمان تحفہ را باز آورید
اگر وہ حکم دیں کہ اس کو واپس لے جاؤ	حکم ہی سے تحفہ واپس لے آؤ

یعنی اگر فرمادیں گے کہ واپس لے جاؤ تو حکم ہی کی وجہ سے تحفہ کو واپس لے آئیو۔

امر و فرمان را ہمی باید شنید	تا بدانجا ہدیہ را باید کشید
حکم اور فرمان کو سننا چاہیے	وہاں تک ہدیہ کو لے جانا چاہیے

یعنی امر و فرمان کو سننا چاہئے۔ اور وہاں تک ہدیہ کو لے جانا چاہئے۔ مطلب یہ کہ اول تو اس سونے کے فرش والے جنگل کو دیکھ کران کو بے حد شرمندگی ہوئی۔ اور چاہا کہ سب ہدیہ وغیرہ لے کر واپس چلو بھلا یہاں یہ ہدیہ پیش کرنا کونسی عقل کی بات ہے۔ مگر یہ خیال ہوا کہ میاں ہم تو حکم کے بندے ہیں ہمیں کیا حاکم کا حکم ہے کہ اس کو وہاں تک پہنچادو بس ان کے حکم کی وجہ سے ہم وہاں لئے جاتے ہیں پھر اگر وہاں بے قدر ہو گیا اور وہ قبول نہ فرماویں گے اور حکم واپسی کا دیں گے تو ان کے یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے واپس لے آویں گے۔ غرض ہر حالت میں ہمیں تو حکم کی تعمیل ضروری ہے۔ یہاں تک تو بلقیس کے حکم کی تعمیل ہے کہ اس ہدیہ کو لے جا کر پیش کر دیں پھر اگر وہ واپس کریں تو واپس لے آنا ان کے حکم کی تعمیل ہوگی بس یہ سوچ کر ہدیہ لے کر روانہ ہو گئے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

خوش رواں گشتند با ہدیہ رواں	تا بہ تخت آں سلیمان جہاں
ہدیہ کے ساتھ تیزی سے روانہ ہو گئے	اس شاہ جہاں کے تخت کی جانب

یعنی پس ہدیہ لانے والے تخت سلیمان جہان کی طرف روانہ ہوئے۔ مطلب یہ کہ یہ سوچ کر کہ ہم تو بندۂ فرمان ہیں وہ ہدیہ لے کر روانہ ہو گئے۔

خندہ اش آمد چوں سلیمان آں بدید	کز شما من کے طلب کردم مزید
جب (حضرت) سلیمانؑ نے وہ دیکھا ان کو ہنسی آئی	میں نے تم سے مزید (ایمان کے علاوہ) کب طلب کیا تھا؟

یعنی جب سلیمان علیہ السلام نے اس ہدیہ کو دیکھا تو آپ کو ہنسی آئی (اور فرمایا) کہ میں نے تم سے زیادتی کو

کب طلب کیا تھا (اور فرمایا کہ)

من نمی گویم مرا ہدیہ دہید	بلکہ گفتم لائق ہدیہ شوید
میں نے نہیں کہا کہ مجھے ہدیہ دو	بلکہ میں نے کہا کہ ہدیہ کے لائق ہو

یعنی میں نے یہ تو نہ کہا تھا کہ مجھے ہدیہ دو بلکہ میں نے تو یہ کہا تھا کہ تم ہدیہ (دینے) کے لائق ہو جاؤ۔

کہ مرا از غیب نادر ہدیہ ہاست	کہ بشر آں را نیارد نیز خواست
کیونکہ میرے لئے غیب سے انوکھے ہدیے ہیں	کہ انسان ان کی تمنا بھی نہیں کر سکتا

یعنی کہ میرے پاس غیب سے عجیب عجیب ہدیے ہیں کہ بشران کو مانگ بھی نہیں سکتا۔ مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب اس ہدیہ کو دیکھا تو آپ ہنسے اور فرمایا کہ میں نے تم سے یہ کب کہا تھا کہ تم مجھے مال و دولت اور ہدیے دو بلکہ میرا مقصود تو یہ تھا کہ تم مجھ سے فیضیاب ہو کر اس قابل ہو جاؤ کہ ہدیہ دے سکو اس لئے کہ تم ابھی تک تو نجاست شرک کے سبب سے اس قابل بھی نہیں ہو کہ ہدیہ بھی دے سکو لہذا اول تم اس قابل ہو جاؤ پھر دیکھا جائے گا مجھے ابھی ہدیہ کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میرے پاس تو عالم غیب کے ایسے ایسے علوم و معارف موجود ہیں کہ اور کسی کے پاس ہونا تو درکنار ان کی کوئی درخواست بھی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ان تک تو کسی کا وہم بھی نہیں پہنچتا لہذا ان ہدیوں کی مجھے ضرورت نہیں ہے بلکہ میں خود تمہیں کو فیضیاب کر دوں۔

می پرستید اخترے کو زر کند	روبا و آرید کو اختر کند
تم ستارے کو پوجتے ہو کیونکہ وہ سونا بناتا ہے	تم اس کی طرف رخ کرو جو ستارہ بناتا ہے

یعنی تم ایک ستارہ کو پوجتے ہو جو سونا بناتا ہے۔ ارے ادھر توجہ کرو جو ستارہ کو بناتا ہے۔ مطلب یہ کہ تم جو شمس پرستی کرتے ہو تو صرف اس کے ظاہر افعال کو دیکھ کر کہ تم کو اس میں قدرت کا شبہ ہو گیا اس لئے اس کی پرستش کرنے لگے ہو۔ لیکن تم کو چاہئے کہ اس ذات کی طرف متوجہ ہو جو خود اس ستارہ کو پیدا کرتا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کی طرف توجہ کرو اور ان ستاروں کی عبادت کو ترک کرو۔

می پرستید آفتاب چرخ را	خوار کردہ جان عالی نرخ را
تم آسمان کے سورج کو پوجتے ہو	تم نے گرانقدر جان کو ذلیل کر دیا

یعنی تم آفتاب چرخ کو اپنی جان عالی نرخ کو ذلیل و خوار کر کے پوجتے ہو۔ مطلب یہ کہ تمہاری روح جو کہ بہت عالی مرتبہ اور گراں قیمت ہے اس کو اس آفتاب چرخ کی عبادت میں لگا کر تم نے ذلیل و خوار کر رکھا ہے اور اس کی بھی قدر کھو رکھی ہے کیونکہ آفتاب کی تو صرف اتنی قدر اور اس قدر مرتبہ ہے کہ۔

آفتاب از امر حق طباخ ماست	ابلہی باشد کہ گوئیم او خداست
سورج خدا کے حکم سے ہمارا باورچی ہے	میں اس کو خدا کہوں تو حماقت ہو گی

یعنی آفتاب امر حق کی وجہ سے ہمارا طباخ ہے تو (سراسر) بیوقوفی ہے کہ ہم اس کو خدا کہیں۔ مطلب یہ کہ آفتاب تو مثل ایک ملازم کے ہے جو حکم حق کی وجہ سے ہم کو گرمی پہنچا رہا ہے ورنہ فی حد ذاتہ اس کو مستقلا کوئی قدرت نہیں پھر جو چیز کہ ایک نوکر کی حیثیت رکھتی ہو اس کو خدا کہنا سراسر حماقت نہیں تو کیا ہے۔

آفتابت گر بگیرد چوں کنی	آں سیاہی زو تو چوں بیروں کنی
تیرا سورج گہن میں آ گیا تو تو کیا کریگا؟	تو اس کا مالک کو اس سے کیسے ہٹائے گا؟

یعنی اگر حق تعالیٰ تیرے آفتاب کو لے لیں تو تو کیا کرے اور اس سیاہی کو اس سے کس طرح الگ کرے۔

نے بدرگاہ خدا آری صداع	ایں سیاہی را ببرواده شعاع
کیا خدا کے دربار میں (اس) دردسر کو پیش نہ کرے گا؟	(کہ) اس کا مالک کو دور کر دے شعاع واپس کر دے

یعنی کیا درگاہ حق میں زاری کو نہ لاوے کہ اس سیاہی کو دور کر دے اور شعاع عنایت فرما مطلب یہ کہ دیکھو اگر حق تعالیٰ اس سورج کو منکشف فرما دیں اور اس کی روشنی کو سلب فرما لیں تو اس وقت تم ہی بتاؤ کہ کس طرح اس کے اندر روشنی پہنچاؤ بس اس وقت تو تم بھی اللہ تعالیٰ ہی سے کہو کہ اے اللہ اس کو روشن کر دے جیسا کہ مشاہد ہے کہ جب کوئی مصیبت آتی ہے تو اس وقت ہر شخص کو خواہ وہ مشرک ہو یا موحد خدا ہی یاد آتا ہے تو پھر جب مصیبت میں یاد کرتے ہو تو ہر حالت میں اسی کو کیوں یاد نہیں رکھتے۔ آگے اور اس کا عجز بیان فرماتے ہیں کہ۔

گر کشندت نیم شب خورشید کو	تا بنالی یا اماں خواہی ازو
اگر تجھے آدمی رات میں قتل کریں، سورج کہاں ہے؟	تاکہ تو اس سے فریاد کرے یا امان چاہے

یعنی اگر تجھے آدمی رات کو قتل کرنے لگیں تو بتا کہ خورشید کہاں ہے تاکہ تو (اس کے آگے) روئے یا اس سے امن چاہے۔

حادثات اکثر بہ شب واقع شود	واں زماں معبود تو غائب بود
حادثے عموماً رات میں ہوتے ہیں	اس وقت تیرا خدا غائب ہوتا ہے

یعنی حادثے اکثر رات ہی کو واقع ہوتے ہیں اور اس وقت تیرا معبود غائب ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو اگر رات کو کوئی حادثہ پیش آ جاوے۔ اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ حادثات رات ہی کو پیش آتے ہیں تو اس وقت آپ کے معبود صاحب غائب ہوتے ہیں پھر بتاؤ کس سے مدد چاہو گے اور معبود کو مدد کے لئے کہاں سے بلاؤ گے تو پھر ایسے کو معبود کیوں بنایا جاوے۔ جو غائب ہو اس کو کیوں معبود نہ بنایا جاوے جو ہر وقت حاضر و ناظر ہو۔ اور ہر گھڑی مددگار ہو۔

سوئے حق گر راستانہ خم شوی	وارہی از اختران محرم شوی
تو اگر سچائی سے اللہ (تعالیٰ) کی جانب جھکے	تو ستاروں سے نجات پا جائے، محرم راز بن جائے

یعنی حق تعالیٰ کی طرف اگر راستوں کی طرح تو خم ہو تو ستاروں سے چھوٹ جاوے اور محرم ہو جاوے۔

چوں شوی محرم کشایم با تو لب	تا بہ بینی آفتاب نیم شب
جب تو محرم بن جائے میں تیرے سامنے لب کشائی کروں گا	تاکہ تو آدھی رات میں سورج دیکھ لے

یعنی جب تم محرم ہو جاؤ گے تو میں تم سے لب کھولوں گا۔ یہاں تک کہ تم آدھی رات کے آفتاب کو دیکھ لو گے مطلب یہ کہ تم متوجہ بحق ہو تو تم ان سب چیزوں سے چھوٹ کر محرم اسرار حق ہو جاؤ اس وقت میں تم سے علوم و معارف و اسرار کو ظاہر کروں تو تم کو مشاہدہ جمال باری ہو جو کہ رات دن درخشاں ہے مگر۔

جز رواں پاک او را شرق نے	در طلوعش روز و شب را فرق نے
پاک روح کے سوا اس کا مشرق نہیں ہے	اس کے طلوع کے لئے دن رات کا فرق نہیں ہے

یعنی سوائے جان پاک کے اس کا شرق نہیں ہے اور اس کے طلوع میں روز و شب کا فرق نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ اس کی تجلی ارواح مقدسہ اور جانہائے پاک انبیاء و اولیاء ہی پر ہوتی ہے اور اس کے لئے یہ لازمی نہیں ہے کہ دن ہو تو اس کی تجلی ہو ورنہ نہ ہو۔ بلکہ وہ تو ہر وقت جلوہ افگن ہے مگر اس کی تجلی کو صرف انبیاء و اولیاء اللہ ہی مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ لہذا اگر تم بھی ایسے ہو جاؤ گے تو تم پر بھی وہ تجلی ہو جاوے گی اس کی تو یہ شان ہے کہ۔

روز آں باشد کہ او شارق شود	شب نہ ماند شب چو او بارق شود
دن وہ ہوتا ہے جب وہ طلوع کر آئے	جب وہ چمکتا ہے رات' رات نہیں رہتی ہے

یعنی دن وہی ہے کہ وہ نکلا ہوا ہو اور رات رات نہ رہے جب وہ چمکے مطلب یہ کہ دن تو اصل میں وہی ہے جبکہ اس کی تجلی ہو ورنہ بغیر اس کی تجلی کے دن دن نہیں ہے اور اگر اس کی تجلی رات میں ہو تو رات مظلم نہ رہے بلکہ وہ بھی منور ہو جاوے۔

چوں نماید ذرہ پیش آفتاب	خور چناں باشد دراں انوار و پاک
جس طرح ذرہ سورج کے سامنے نظر آتا ہے	ان پاک تجلیوں میں سورج ایسا ہی ہوتا ہے

یعنی جس طرح کہ آفتاب کے سامنے ذرہ (بے قدر) ہوتا ہے آفتاب ان انوار اور چمک کے آگے ایسا ہی ہوتا ہے۔

آفتابے را کہ رخشان می شود	دیدہ پیشش کند و حیران می شود
وہ سورج کہ جب وہ چمکتا ہے	آنکھیں اس کے سامنے خیرہ اور حیران ہو جاتی ہیں

یعنی جو آفتاب کہ چمکتا ہے اس کی نگاہ اس کے آگے کند اور حیران ہوتی ہے۔

ہمچو ذرہ بینیش در نور عرش	پیش نور بیحد موفور عرش
تو عرش کے نور میں اس کو ذرہ جیسا دیکھے گا	عرش کے بے حد اور گھنے نور کے مقابلہ میں

یعنی نور عرش میں اور عرش کے نور بے نہایت کے آگے اس کو ذرہ کی طرح دیکھو گے۔

خوار و مسکیں بنی او را بیقرار	دیدہ را قوت شدہ از کردگار
تو اس کو ذلیل اور مسکین اور نہ ٹھہرنے والا دیکھے گا	آنکھ کو اللہ (تعالیٰ) کی جانب سے قوت حاصل ہو گئی ہے

یعنی اس کو خوار اور مسکین اور بے قرار دیکھو گے (جبکہ) آنکھ کو حق تعالیٰ کی طرف سے قوت ہو جاوے گی مطلب یہ ہے کہ اس نور کے آگے اس آفتاب ظاہر کی جس کی کہ اے اہل سما تم عبادت کرتے ہو ایسی مثال ہے جیسی کہ اس کے سامنے ایک ذرہ ہو کہ اس ذرہ کی چمک اس آفتاب ظاہر کی چمک کے آگے بالکل بے قدر ہے اسی طرح جب تم کو حق تعالیٰ بصیرت عطا فرما دیں گے اس وقت تم کو اس آفتاب ظاہر کی حقیقت معلوم ہو جاوے گی آگے اس قوت حق کی حالت بیان فرماتے ہیں کہ۔

کیمیائے کہ ازو یک ماثری	بر دخان افتاد و گشت آں اختری
وہ کیمیا جس کا ایک اثر ہے کہ	دھوئیں پر پڑی اور وہ ستارہ بن گیا

یعنی ایک ایسی کیمیا ہے کہ اس کا ایک اثر دھوئیں پر پڑا تو وہ ایک ستارہ ہو گیا۔

نادر اکسیرے کہ ازوے نیم تاب	بر ظلامے زد بگردش آفتاب
وہ عجیب اکسیر کہ اس کی آدھی چمک	تاریکی پر پڑی اس کو سورج بنا دیا

یعنی ایک عجیب اکسیر ہے کہ اس کی آدھی چمک ظلمت پر پڑی تو اس کو آفتاب کر دیا۔

بوالعجب میناگری کز یک عمل	بست چندیں خاصیت را برزحل
وہ کیمیا گر عجیب ہے کہ ایک عمل سے	زحل (ستارے) میں اس قدر خاصیتیں پیدا کر دیں

یعنی عجیب کاریگری ہے کہ ایک عمل سے زحل پر اس قدر خاصیتیں باندھ دی ہیں۔

باقی اختر ہائے گوہر ہائے جاں	ہم بریں مقیاس اے طالب بداں
بقیہ ستاروں اور جان کے جواہر کو	اے طالب! اسی پیمانے سے سمجھ لے

یعنی اے طالب باقی ستاروں اور گوہر ہائے جان کو اسی قیاس پر سمجھ لو۔ یعنی جس طرح ہم نے بتایا ہے کہ اس کیتجلی سے آفتاب میں نور آیا زحل میں کیا کیا خاصیتیں پیدا ہو گئیں۔ تو اسی طرح تم اور چیزوں کو بھی دیکھ لو کہ کس کس پر کیا اثر ہوا ہے تو جس کی یہ قدرت اور یہ شان ہے وہ اگر تمہاری روح پر تجلی کرے گا تو اس کو کس قدر کامل کر دیگا ظاہر ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

دیدۂ حسی زبون آفتاب	دیدۂ ربانی جوئے و بیاب
حسی آنکھ سورج سے مغلوب ہے	خدائی آنکھ تلاش کر اور حاصل کر لے

یعنی دیدہ حسی تو آفتاب سے عاجز ہے تو دیدۂ ربانی کو تلاش کر اور پالے۔ مطلب یہ کہ تیری یہ ظاہری

آنکھ اس آفتاب ظاہر کے آگے عاجز اور بیکار ہو جاتی ہے مگر جبکہ تم چشم حق بین حاصل کر لو گے تو اس وقت تمہاری نگاہ اس سے عاجز نہ ہو گی۔ اور پھر تم کو ان انوار و تجلیات کا مشاہدہ ہو گا جن کے آگے یہ آفتاب بالکل ہیچ ہے۔ اور اس کا نور کچھ بھی نہیں ہے اور جب تم دیدۂ ربانی حاصل کر لو گے تو یہ ہو گا کہ۔

تا زبوں گردد بہ پیش آں نظر	شعشعات آفتاب با شرر
تاکہ اس نظر کے سامنے مغلوب ہو جائیں	چنگاریوں بھرے سورج کی شعاعیں

یعنی تاکہ اس نظر کے آگے آفتاب باشرر کی شعاعیں ہیچ ہو جاویں۔

کان نظر نوری و ایں ناری بود	نار پیش نور بس تاری بود
کیونکہ وہ نظر نوری اور یہ ناری ہوتی ہے	آگ، نور کے سامنے بہت تاریک ہو جاتی ہے

یعنی کیونکہ وہ نظر ایک نور ہے اور یہ ایک نار ہے تو نار نور کے آگے تو بالکل تاریک ہوتی ہے مطلب یہ کہ جب تم دیدۂ ربانی حاصل کر لو گے تو پھر اس آفتاب ظاہر کی شعاعیں بالکل ہیچ ہو جاویں گی اور اس آنکھ کے نور کے آگے انکا نور کچھ بھی نہ رہے گا کیونکہ اس آنکھ میں تو نور حق ہو گا اور یہ آفتاب ایک آگ ہے تو ظاہر ہے کہ آگ نور کے آگے تو بالکل مظلم ہی ہو گی لہذا تم کو چاہئے کہ نور بصیرت حاصل کرو۔ آگے ایک حکایت بیان فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ تھے ان کی یہ کرامت تھی کہ ان کو رات میں بھی دن کی طرح دکھائی دیتا تھا تو یہ کرامت ان میں اس نور ہی کی بدولت پیدا ہوئی تھی کہ جس وقت یہ آفتاب جو کہ ناری ہے غروب ہو جاتا تھا اس وقت بھی ان کا نور درخشاں و تاباں رہتا تھا جس سے صاف معلوم ہو گیا کہ اس نور سے وہ نور بدرجہا افضل ہے۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ جبکہ تم کو معلوم ہو گیا کہ گو بظاہر ستارہ ہمارے مربی ہیں مگر حقیقت میں ہم ان کے مربی ہیں تو اس سے تم کو یہ نتیجہ نکالنا چاہئے کہ اگرچہ ظاہر میں تم عالم اصغر ہو۔ مگر باطن میں عالم اکبر ہو۔ عالم اصغر ہونے کا یہ سبب ہے کہ تمام اجزاء عالم ایک ایک اسم یا صفت الٰہی کے مظاہر ہیں اور انسان تمام اسماء و صفات کا مظہر ہے اور عالم اکبر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مقصود تخلیق ہونے کے سبب تمام عالم سے مرتبہ میں فائق اور رتبہ میں سب سے مقدم ہے۔ اب مولانا "ظاہر آں اختر آں قوام ما" باطن ماگشتہ قوام سما" کو موجہ کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ ہم نے جو کہا ہے کہ بظاہر ستارے ہمارے مقوم ہیں لیکن حقیقت میں ہمارا باطن آسمان کا مقوم ہے۔ کچھ بعید نہیں ہے کیونکہ اس کے نظائر موجود ہیں۔ دیکھو بظاہر شاخ میوہ کی اصل ہے مگر حقیقت میں میوہ اس کی اصل ہے کیونکہ وہ میوہ ہی کے لئے کتم عدم سے منصۂ وجود پر جلوہ گر ہوتی ہے۔ چنانچہ اگر باغبان کو میوہ کی رغبت اور اس کی امید نہ ہوتی تو کہیں وہ درخت لگاتا۔ ہرگز نہیں پس ثابت ہوا کہ حقیقت میں درخت میوہ سے پیدا ہوا ہے اگرچہ ظاہر میں

میوہ درخت سے پیدا ہوا ہے اور ظاہر میں گو درخت مقوم میوہ ہے مگر باطن میں میوہ مقوم شجر ہے اس نظیر سے وہ استبعاد مندفع ہوگیا۔ جو نظر مطمح کے لئے ہمارے کلام میں تھا۔ اب فائدہ زائد کے طور پر سنو کہ اس تفصیل سے تم کو معلوم ہوگیا کہ اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدم اور جملہ انبیاء قیامت میں جھنڈے کے نیچے میرے پیچھے ہوں گے۔ اس لئے کہ جس طرح تمام عالم کے مقابلہ میں مقصود بالتخلیق انسان ہے اور تمام عالم اس کے تابع اور انسانوں میں مقصود بالتخلیق اہل اللہ ہیں اور تمام انسان ان کے تابع یوں ہی اہل اللہ میں مقصود بالتخلیق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بقیہ اہل اللہ ان کے تابع۔ پس نشأۃ اخریٰ جو محل ظہور حقائق ہے اس میں یہ حقیقت لباس صورت پہنے گی اور یہ مقصودیت و تقدم اس شکل میں ظاہر ہوگا اور اسی لئے آپ نے فرمایا ہے کہ نحن الآخرون (فی النشأۃ الاولیٰ) والسابقون (فی النشأۃ الاخریٰ) اور اس لئے گویا کہ آپ نے فرمایا ہے کہ گو میں بظاہر آدم علیہ السلام کا بیٹا ہوں لیکن حقیقت میں ان کے دادا کا دادا ہوں۔ کیونکہ جس طرح دادا کا دادا پوتے کے پوتے کی خلقت کا سبب ہوتا ہے یونہی میں بھی تخلیق آدم کا سبب ہوں اور جس طرح جد جد کا زمانہ پوتے کے پوتے سے بہت مقدم ہوتا ہے یوں ہی رتبہ اور مقصودیت میں میں آدم علیہ السلام سے کہیں مقدم ہوں کیونکہ ان کو فرشتوں کا سجدہ میری ہی وجہ سے تھا اور میرے ہی لئے وہ ساتویں آسمان پر جنت میں گئے تھے۔ اس لئے کہ انکا روجود ہی میرے سبب سے تھا۔ پس وہ کمالات جو تابع وجود ہیں وہ تو بالاولیٰ میرے سبب سے ہوں گے۔ لہٰذا یہ ثابت ہوگیا کہ حقیقت میں میرے جدامجد مجھ سے پیدا ہوئے اور حقیقت میں درخت میوہ سے پیدا ہوا اور کیوں نہ ہو قاعدہ کلیہ ہے کہ اول فکر کی ہوئی چیز فعل میں پیچھے آیا کرتی ہے بالخصوص وہ فکر کی ہوئی چیز یعنی محل تفکر و متصور و معلوم کہ وصف ازلی ہو وہ تو بالاولیٰ مقدم ہوگی (حضرت مجدد الملۃ والدین نے اس مضمون کی تشریح کو قلمبند فرما کر دیا تھا اس کو بجنسہ نقل کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا ہے خصوص اس لئے کہا کہ ایک تو اس کا غایت مقصودہ ہونا مقتضی ہے اس کے تقدم کو پھر اس کا وصف ازلی ہونا جس کے لئے تقدم علی غیر الازلی لازم ہے یہ دوسرا مقتضی ہے اس کے تقدم کو جیسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کی بحیثیت اپنے منشاء تعین کے۔ جس کو حقیقت محمدیہ کہتے ہیں وصف ازلی ہے باری تعالیٰ کا۔ جس کا حاصل) اس بنا پر کہ اگر کسی شے پر کوئی حکم کسی حیثیت خاصہ سے کیا جاوے تو درحقیقت محکوم علیہ اس حکم کا وہ حیثیت ہوتی ہے) یہ ہے کہ وہ حقیقت محمدیہ وصف ہے باری تعالیٰ کا۔ کیونکہ یہ اصطلاح میں لقب ہے صفات باری تعالیٰ کے درجہ اجمال کا۔ اور یہ ایسا ازلی ہے کہ غیر ازلی پر تو مقدم ہے ہی دوسرے ازلیات پر بھی جو مناشی تعینات میں دوسرے اکوان سے ایک گونہ مقدم ہے اور یہ مناشی صفات کا درجہ تفصیلی ہے جس کو اعیان ثابتہ کہتے ہیں اور حقیقت آدمیہ بھی اس کا لقب ہے اور یہ تقدم بالزمان نہیں مگر بالذات و بالطبع ہے۔ پس حقیقت محمدیہ کا حقیقت آدمیہ سے متقدم ہونا بھی ذات محمدیہ کا تقدم ہے۔ ذات آدمیہ وغیرہ پر بحیثیت مذکورہ اور آپ کے لئے حقیقت محمدیہ کا منشاء تعین ہونا خود یہ علامت ہے آپ کی مقصودیت کی پس وہی حاصل نکلا کہ آپ کی مقصودیت سبب ہے تقدم کا اور اس

مقصودیت کی چونکہ ایک خاص توجیہ تھی اس لئے اس کو خاصہ فکرے الخ کے عنوان سے تعبیر کیا احقر کہتا ہے کہ اس تقریر کے بعد جی چاہتا تھا کہ کوئی سہل توجیہ ہوتی تو خوب تھا۔ عشاء کی نماز میں ذہن میں ایک دوسری تقریر آئی وہ یہ کہ آپ کے تقدم کی ایک وجہ تو وہی مقصودیت بنا براس قاعدہ کے کہ اول فکر آخر آمد در عمل ہے اور دوسری خاص وجہ یہ ہے کہ آپ ایسے متعلق فکر یعنی معلوم ہیں کہ آپ صاحب وصف ازلی ہیں مبالغتہ آپ پر وصف ازلی کو محمول کر دیا۔ جیسا زید عدل میں اور ازلی سے مراد عرفی خاص نہیں بلکہ مراد معنی عرفی عام ہیں جو اکثر شعراء کے استعمال میں آتے ہیں۔ یعنی مطلق اولیت متفاوتہ کما قال النظامی۔

محمدؐ کازل تا ابد ہر چہ ہست　　بآرایش نام او نقش بست

اور حسب مضمون حدیث اول ماخلق الله نوری آپ معلول اول وجود خارجی میں بھی ہیں۔ پس معنی یہ ہوئے کہ مقصود وجود ذہنی میں تو مقدم ہوتا ہے ہی اور آپ تو وجود خارجی میں بھی سب سے مقدم ہیں۔ گو مرتبہ روح میں سہی جسم میں نہ سہی۔ وھذا اسھل و الله اعلم انتھیٰ تقریرہٗ الشریف) یہاں تک اس ضمنی مضمون کو ختم کر کے پھر مضمون سابق کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خلاصہ یہ کہ آسمان سے انوار وخواص کے قافلے دم بدم زمین پر پہنچتے رہتے ہیں اور باوجودیکہ دونوں میں بہت فاصلہ ہے مگر میرا قافلہ کے حق میں یہ راستہ کچھ بھی دراز نہیں۔ علیٰ ہذا المقصود کے مقابلہ میں وسعت میدان کوئی چیز نہیں ہوتی۔ پھر درازی مسافت سلوک پر نظر کر کے تم کیوں مایوس ہوتے ہو اور سنو دیکھو دل ہر وقت کعبہ میں پہنچ سکتا ہے۔ پس حق سبحانہ تمہارے جسم میں بھی اپنی عنایت سے قلب کی صفت پیدا کر دیں گے اور تم کو ذرا سی دیر میں وصول الی اللہ حاصل ہو جاوے گا۔ یہ طول مسافت وقصر مسافت تو جسمانیات کے لئے ہے اور جہاں خدا ہے وہاں طول وقصر مسافت کو کیا تعلق وہ تو سیر معنوی ہے پس جب حق سبحانہ تمہارے جسم پر روحانیت کو غالب کر دیں گے تو اس وقت تمہاری سیر الی اللہ روحانی ہوگی۔ اور اس میں فرسخ اور میلوں کو کچھ بھی دخل نہ ہوگا۔ لہذا ابھی تمہارے لئے سینکڑوں امیدیں ہیں۔ تم عاشقانہ قدم بڑھاؤ اور قیل وقال کو چھوڑو اس صورت میں اگرچہ تم آنکھ بند کئے ہوئے سور ہے ہو بایں معنی کہ تمہاری ذاتی سعی بمنزلہ سونے کے ہے۔ لیکن تم کشتی میں سور ہے ہو اور راستہ طے کر رہے ہو۔ تفصیل اس کی حسب ذیل ہے۔

تفسیر حدیث مثل امتی کمثل سفینة نوح من تمسک بھانجاومن تخلف عنھا غرق

اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں زمانہ کے طوفان میں مثل ایک کشتی کے ہوں اور میری اور میرے متعلقین کی ایسی مثال ہے جیسی کشتی نوح کہ جو اس کو تھام لے گا دولت سے کامیابی حاصل ہو

جاوے گی۔ جب یہ امر معلوم ہو چکا۔ لواب سمجھو کہ متعلقین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں شیخ کامل بھی ہے ۔پس جبکہ تم شیخ کے ساتھ ہو اور اس کا دامن پکڑے ہوئے ہو اور اس کا اتباع کئے ہوئے ہو تو تم برائی سے دور ہو۔ اور رات دن قطع منازل الی اللہ کر رہے ہو اور کشتی میں سوار ہو اور ایک جان جہاں کی پناہ میں ہو جو کہ جاں بخش ہے اور اس کشتی میں سوئے ہوئے راستہ قطع کر رہے ہو دیکھو شیخ وقت گویا کہ اپنے وقت کا پیغمبر ہے۔ پس تم اس سے قطع تعلق نہ کرنا اور اپنے علم وعمل پر بھروسہ نہ کرنا۔ دیکھو اگرچہ تم شیر ہو مگر جب بے رہنما کے رستہ طے کرو گے تو لومڑی کی طرح گمراہ اور ذلیل ہو گے دیکھو ہم پھر کہتے ہیں کہ شیخ ہی کے پروں سے اڑنا اور اسی کی اعانت سے راستہ طے کرنا تا کہ تم کو شیخ کی فوج سے مدد ملے۔ اور وہ اپنی دعا اور توجہ اور تجربات سے تمہاری اعانت کرے۔ جب تم شیخ کا دامن پکڑ لو گے اس وقت کبھی تو اس کی مہربانی کی موج تمہاری بازو ہو گی اور کبھی اس کے آتش قہر تم کو لا دکر منزل مقصود کی طرف لے جائے گی یعنی کبھی وہ نرمی سے کام لے گا کبھی گرمی سے اور یہ دونوں باتیں تمہارے لئے ذریعہ قطع منازل ہیں۔ پس تم کو سختی سے گھبرانا نہیں چاہئے اور اس کے قہر کو اس کے لطف کی ضد نہ سمجھنا چاہئے۔ بلکہ نتیجہ میں دونوں کو متحد اور یکساں سمجھنا چاہئے۔ وہ کبھی تم کو اپنی تربیت خاص سے مثل خاک مگر سرسبز کرے گا۔ اور کبھی تم کو بشارات وغیرہ سے پھلا دے گا۔ اور موٹے کرے گا۔ وہ جسم سالک کو مٹی کر دیتا ہے تا کہ اس میں گل ونسریں حالات باطنیہ پیدا ہوں مگر ان کو وہ ہی دیکھے گا۔ دوسرا نہ دیکھے گا۔ اس لئے کہ ہر چیز کے احساس کے لئے ایک خاص قابلیت کی ضرورت ہے چنانچہ بہشت کی خوشبو پاک ہی دماغوں کو آسکتی ہے نہ کہ گندہ دماغوں کو اس سے اس امر کی ضرورت بھی ثابت ہوئی کہ تم اپنے دماغوں کو انکار شیخ سے پاک کرو تا کہ تم اس کے گلزار کمالات سے ریحاں فیوض حاصل کر سکو۔ اور تا کہ تم کو اس میں سے جنت کی خوشبوئیں ہی آسکے جس طرح کہ جانب یمن سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق سبحانہ کی خوشبو آتی تھی جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے انی لاجد نفس الرحمن من قبل الیمن دیکھو اگر تم ارباب معراج روحانی یعنی اہل اللہ کی صف میں کھڑے ہو گے اور اپنے کو مٹا دو گے تو یہ فنائے خودی براق کی طرح تمہارے پر کھول دے گی اور تم نہایت سرعت کے ساتھ عروج روحانی حاصل کرو گے۔ یہ معراج ایسے نہ ہو گی جیسے خاکیوں کی معراج چاند تک بلکہ یہ معراج معنوی اور وصفی ہو گی جیسے گنے کی معراج شکر تک۔ اور یہ معراج ایسی نہ ہو گی جیسے بخارات کی معراج آسمان تک بلکہ ایسی معراج ہو گی جیسے بے عقل بچے کی عقل تک۔ دیکھو اسپ فنا نہایت اعلیٰ درجہ کا براق ہے کیونکہ اگر تم نیست ہو تو یہ تم کو جانب وجود لے آتا ہے اور تم کو اس قابل کر دیتا ہے کہ تم کو موجود کہا جا سکے اس کا سم پہاڑوں اور دریاؤں سے مس کرتا ہے اور یہاں تیز رفتار ہوتا ہے کہ جہاں محسوس کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے اور عالم غیب تک پہنچا دیتا ہے پس تم کو چاہئے کہ کشتی میں سوار ہو کر چلے چلو جس طرح معشوق جان کی طرف جاتی ہے اور بے دست وپا عالم حدوث سے ملک قدم تک پہنچو۔ جس طرح کہ بے دست وپا جانیں عدم سے وجود میں آئی تھیں۔ شیخ کی تو یہ حالت ہے کہ اگر سننے والے کا کان اونگھتا نہ ہوتا یعنی وہ سننے کے قابل ہوتا تو وہ اپنی گفتگو سے عقل کا پردہ چاک کر دیتا۔ مگر کیا کیجئے

کہ کوئی سننے والا ہی نہیں پس اے فلک اس خوش گفتار کی گفتگو پر موتی برسا۔ اور اے جہان حسی اس کے جہاں قلب سے شرم کر کہ تیری وسعت اور تیرے عجائبات اس کی وسعت اور اس کے عجائبات کو نہیں پہنچ سکتے۔ دیکھ اگر تو موتی برسائے گا تو اس سے تیرے موتی چھ گنا ہو جائیں گے اور یہ تیرے جمادات بولنے والے اور دیکھنے والے ہو جائیں گے۔ اس لئے یہ تیری بکھیر خود اپنے فائدہ کے لئے ہوگی نہ کہ شیخ کے لئے کیونکہ اس سے تیرے موتی سو گنا ہو جائیں گے جس طرح کہ بلقیس نے ملک سبا سے سلیمان علیہ السلام کے پاس ہدیہ بھیجا تھا جس سے خود اسی کو فائدہ ہوا تھا۔ تفصیل اس کی حسب ذیل ہے۔

بلقیس کا شہر سبا سے سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں ہدیہ بھیجنا

بلقیس کا ہدیہ چالیس اونٹ تھے۔ اور ان پر سونے کی اینٹیں لدی ہوئی تھیں۔ جب قاصد سلیمان علیہ السلام کے جنگل میں پہنچتے ہیں تو انہوں نے دیکھا کہ اس جنگل میں پختہ سونے کا فرش لگا ہوا ہے الغرض وہ چالیس منزل تک سونے کے فرش پر چلے یہاں تک کہ اپنے سونے کی ان کی نظر میں کوئی وقعت نہ رہی۔ بہت دفعہ انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ ہم کیا لغو اور فضول حرکت کر رہے ہیں ہم کو چاہئے کہ ہم سونے کو اس کے خزانہ میں واپس لے جائیں کیونکہ وہ میدان جس کی خاک زر خالص ہے وہاں سونا ہدیہ میں لے جانا سراسر حماقت ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ اس سے تم کو سمجھنا چاہئے کہ جو لوگ عقل کو خدا کے پاس ہدیہ لے جاتے ہیں ان کی سراسر غلطی ہے کیونکہ عقل کی وہاں اتنی بھی وقعت نہیں جتنی کہ راستہ کی گرد کی۔ عقل کو ہدیہ لے جانے سے مراد یہ ہے کہ آدمی اپنی عقل کو پیشوا بنا کر اس کے ذریعہ سے اتباع خداوندی کرے اور رسول کو نہ مانے جیسے کفار کرتے ہیں۔ یا رسول کو تو مانے مگر عملاً اس کا اتباع نہ کرے بلکہ اپنی عقل ماؤف کا تبع رہے جیسا کہ مسلمان اہل دنیا کا شیوہ ہے۔ یہ مضمون استطرادی تھا آگے پھر قصہ کی طرف عود ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ جب وہاں اس ہدیہ کا ناقص ہونا ظاہر ہو گیا تو شرمندگی ان کو پیچھے لوٹاتی تھی۔ مگر وہ پھر کہتے تھے کہ جی کھرے کھوٹے کا ہم پر کیا الزام ہے ہم تو مطیع حکم ہیں خواہ ہمیں سونا لے جانا پڑے خواہ مٹی۔ یہ تو حکم حاکم ہے اس کو تو ماننا ہی پڑے گا۔ ہاں اگر خود سلیمان علیہ السلام کا حکم ہو کہ اس تحفہ کو واپس لے جاؤ تو اس حکم کے ذریعہ سے ضرور واپس لے آؤ غرضکہ حکم کو سننا چاہئے۔ اور ہدیہ کو وہاں تک لے جانا چاہئے غرضکہ وہ اپنے دل میں یہ امر طے کر کے خوش خوش ہدیہ کو سلیمان علیہ السلام کے تخت تک لے گئے جب سلیمان علیہ السلام نے ہدیہ کا ملاحظہ فرمایا تو ہنسے اور فرمایا کہ صاحبو میں نے آپ لوگوں سے دولت کب مانگی تھی میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے ہدیہ دو بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ تم اپنے کو میرے ہدایا و تحف معنویہ کے قابل بنا لو۔ اس لئے کہ مجھے غیب سے عجیب و غریب ہدیے ملتے ہیں جن کو آدمی بوجہ اپنی ناواقفیت کے خدا سے مانگ بھی نہیں سکتا۔ اور میں چاہتا ہوں کہ ان میں سے کچھ تمہیں بھی دوں مگر اس کے لئے اسلام شرط ہے اس لئے تم سے اسلام

کی درخواست کرتا ہوں۔ دیکھو تم اس ستارے یعنی آفتاب کو پوجتے ہو جو سونا بناتا ہے لیکن یہ تمہاری سخت نادانی ہے تم کو اس کی طرف متوجہ ہونا چاہئے جو اس ستارے کو بناتا ہے اور تم آفتاب آسمان کو پوجتے ہو اسی سے تم نے اپنی بیش بہا جانوں کو ذلیل کر رکھا ہے کیونکہ یہ آفتاب تو بحکم خداوندی ہمارا باورچی ہے کہ ہمارے لئے سامان معیشت تیار کرتا ہے ایسی حالت میں سراسر حماقت ہے کہ ہم کہیں کہ وہ خدا ہے ذرا غور تو کرو اگر تمہارا آفتاب گہن میں آجاوے تو تم کیا کرو۔ اور اس کی سیاہی اس سے کیونکر الگ کرو۔ یہی نہ ہوگا کہ تم حق سبحانہ کی درگاہ میں اپنی تکلیف ظاہر کرو گے کہو گے کہ اے اللہ کہ اس سیاہی کو کھودے اور ہمیں روشنی دے۔ نیز اگر تمہیں کوئی آدھی رات کے وقت مارنا چاہے تو بتاؤ کہ اس وقت آفتاب کہاں ہے تاکہ تم اس کے سامنے روؤ۔ یا اس سے امان چاہو اکثر حادثات رات ہی کو واقع ہوتے ہیں اور اس وقت تمہارا معبود غائب ہوتا ہے۔ پس ایسے معبود کو چھوڑنا چاہئے اور تدبیر اس کے یہ ہے کہ خلوص کے ساتھ حق سبحانہ کی طرف جھک جاؤ۔ اگر تم صدق دل سے خدا کی طرف جھکو گے تو ستاروں کی غلامی سے چھوٹ کر محرم راز خداوندی ہو جاؤ گے۔ اور جب تم خدا کے محرم ہو جاؤ گے اس وقت میں تم سے اسرار کی باتیں کہوں گا تاکہ تم آدھی رات کو بھی آفتاب دیکھ سکو وہ آفتاب اس آفتاب حسی کی طرح نہیں ہے کیونکہ اس کی مشرق روح پاک ہے اور اس کی مشرق عالم اجسام نیز اس کے طلوع میں رات دن کا فرق نہیں۔ برخلاف اس آفتاب کے بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ حقیقی دن یہی ہے کہ مشرق جان سے اس کا طلوع ہو اور جبکہ وہ روشن ہوتا ہے اس وقت اس رات کا اثر فنا ہو جاتا ہے اور یہ ابصار سے فی الجملہ مانع نہیں رہتی (جیسا کہ ہم آئندہ بیان کریں گے) اس لئے یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس کی روشنی کے وقت رات رات نہیں رہتی۔ اور اس کی یہ شان ہے کہ اس آفتاب کے سامنے جو حالت ذرہ کی ہوتی ہے وہی حالت اس آفتاب کی اس کے انوار اور اس کی روشنی میں ہوتی ہے۔ جو آفتاب حسی کہ چمکتا ہے اور اس کے سامنے آنکھ معطل اور متحیر ہو جاتی ہے نور عرش اور اس کے بے حد و نہایت نور کے سامنے اس کو تم ذرہ کی مانند دیکھو گے اور اس کو تم ذلیل اور عاجز اور ناپائیدار دیکھو گے۔ اور تمہاری آنکھوں کے لئے خدا کی طرف سے ایک عجیب قوت حاصل ہو جائے گی کہ یہ آفتاب ان کو معطل نہ کر سکے گا وہ تو وہ کیمیا ہے کہ اس کا ایک معمولی اثر دھوئیں پر پڑا تو وہ ستارہ بن گیا اور وہ تو وہ عجیب اکسیر ہے کہ اس کی معمولی سی چمک اندھیرے پر پڑی تو وہ آفتاب بن گیا اور وہ تو ایک عجیب میناگر ہے کہ ایک حکم کن سے زحل کے اندر بہت سی خاصیتیں پیدا کر دیں اور باقی ستاروں اور جاں کی مانند موتیوں کو بھی اسی پر قیاس کر لو کہ سب کو چمک اسی کی ذرا سی چمک سے حاصل ہوئی ہے۔ دیکھو یہ حسی آنکھ کام کی نہیں اس لئے کہ یہ تو آفتاب سے مغلوب ہو جاتی ہے۔ اس لئے دیدۂ ربانی یعنی چشم بصیرت ڈھونڈھو۔ اور حاصل کرو تاکہ اس کی نظر کے سامنے اس مشتعل آفتاب کی چمک دمک مغلوب ہو جاوے کیونکہ وہ نظر تو نوری ہے اور آفتاب ناری اور آگ نور کے سامنے نہایت تاریک ہے ہم نے اوپر کہا تھا شب نماند شب چو او بارق شود۔ اب اس کی تائید میں ایک حکایت سنو۔

شرح شبّیری

شیخ عبداللہ مغربی قدس سرہٗ کی کرامت اور نور کا قصہ

گفت عبداللہ شیخ مغربی	شصت سال از شب ندیدم من شبی
شیخ عبداللہ مغربی نے فرمایا	ساٹھ سال سے میں نے رات کی تاریکی نہیں دیکھی

یعنی حضرت عبداللہ مغربی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ساٹھ برس میں نے رات سے رات ہونا نہیں دیکھا۔ مطلب یہ کہ رات میں جو ایک صفت ہے رات ہونا جس کا مقتضا ہے تاریکی میں نے ساٹھ سال سے اس کو نہیں دیکھا۔ یعنی ساٹھ سال سے رات کو اندھیرا معلوم ہی نہیں ہوا۔ بلکہ رات کو بھی روشنی اور نورانیت ہی معلوم ہوتی ہے۔

من ندیدم ظلمتے در شصت سال	نے بروز و نے بشب از اعتدال
میں نے ساٹھ سال میں کوئی تاریکی نہیں دیکھی	اعتدال کی بدولت نہ دن میں نہ رات میں

یعنی میں نے ساٹھ برس میں کوئی ظلمت دیکھی ہی نہیں نہ دن کو نہ رات کو اعتدال کی وجہ سے یعنی چونکہ میرے اندر اعتدال پیدا ہو گیا ہے اس وجہ سے مجھے ظلمت نظر ہی نہیں آتی۔ نہ دن کو نہ رات کو بلکہ مجھے ہمیشہ نور ہی نور معلوم ہوتا ہے۔

صوفیان گفتند صدق قال او	شب ہمی رفتیم در دنبال او
صوفیوں نے کہا ہے کہ ان کی بات کی تصدیق کے لئے	ہم رات کو ان کے پیچھے چلے

یعنی صوفیوں نے ان کے قول کی تصدیق فرمائی۔ کہ رات کو ہم ان کے پیچھے چلے یعنی دیگر صوفیہ نے بھی جو ان کے زمانہ میں تھے ان کے اس قول کی تصدیق کی اور اس کی تصدیق میں ایک مرتبہ کا قصہ بیان کیا کہ ایک دفعہ رات کو ہم ان کے پیچھے پیچھے چلے۔

در بیابانہائے پر از خار و گو	او چو ماہ بدر مارا پیشرو
گڑھوں اور کانٹوں سے بھرے جنگلوں میں	وہ چودھویں کے چاند کی طرح ہم سے آگے تھے

یعنی کانٹوں اور گڑھوں سے بھرے ہوئے بیابانوں میں وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہمارے رہنما تھے۔

روی پس نا کردہ میگفتے بہ شب	ہیں گو آمد میل کن در سوئے چپ
رات میں منہ موڑے بغیر کہتے تھے	خبردار! گڑھا آ گیا بائیں جانب مڑ جا

یعنی بے منہ پھیرے ہوئے وہ رات کو کہہ دیتے تھے کہ ارے گڑھا آ گیا بائیں کو بچو۔ مطلب یہ کہ سیدھے چلے جا رہے تھے اور جہاں کوئی گڑھا وغیرہ آتا تو بے تکلف بتا دیتے کہ ادھر کو بچو۔ ان کو دیکھنے میں اہتمام کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔

باز گفتے بعد یکدم سوئے است	میل کن زیرا کہ خارے پیش پاست
پھر تھوڑی دیر کے بعد کہتے دائیں جانب	مڑ جا کیونکہ پاؤں کے نیچے کانٹا ہے

یعنی پھر ایک دم کے بعد فرماتے کہ داہنے کو بچو اس لئے کہ ایک کانٹا پاؤں کے سامنے ہے۔

روز گشتہ پائے بوسش گشتہ ما	زانکہ بودش پاک از گل ہر دو پا
دن نکلے ہم ان کے پاؤں چومنے والے ہوگئے؟	کیونکہ ان کے دونوں پاؤں مٹی سے صاف تھے

یعنی دن ہوا تو ہم ان کے پائے بوس ہوتے اس لئے کہ ان کے دونوں پاؤں مٹی (وغیرہ) سے صاف ہوتے تھے۔

روز گشتے پاش رابا پائے بوس	گشتہ پا ہائش چو پاہائے عروس
دن نکلے ان کے پاؤں چومنے کی وجہ سے	ان کے پاؤں دلہن کے پاؤں کی طرح تھے

یعنی دن ہوا تو ان کی قدم بوسی کرتے اور ان کے پاؤں دلہن کے پاؤں کی طرح ہوتے تھے (کیونکہ)

نے زخاک و نے زگل بروئے اثر	نز خراش خار و آسیب حجر
ان پر نہ خاک کا نشان تھا نہ مٹی کا نشان	نہ کانٹے کی خراش کا (نشان تھا) اور نہ پتھر کی چوٹ کا

یعنی نہ خاک کا اور مٹی گارے کا ان پر کوئی اثر ہوتا اور نہ کوئی کانٹے کا خراش ہوتا اور نہ پتھر کی رگڑ ہوتی۔

مغربی را مشرقی کردہ خدای	کردہ مغرب را چو مشرق نورزای
اللہ (تعالیٰ) نے مغربی کو مشرقی بنا دیا تھا	مغرب کو مشرق کی طرح نور پیدا کرنے والا بنا دیا تھا

یعنی مغربی کو حق تعالیٰ نے مشرقی کر دیا تھا اور مغرب کو مشرق کی طرح نور کا بڑھانے والا کر دیا تھا۔ مطلب یہ کہ حضرت مغربیؒ کو بوجہ نور عطا فرما دینے کے ایسا کر دیا تھا گویا کہ آپ مشرقی ہیں کیونکہ مشرق ہی سے تو نور پیدا ہوتا ہے اور مغرب میں تو اور غروب ہو جاتا ہے لیکن یہ باوجود مغربی ہونے کے نورانی تھے اور ان کا جو شہر تھا مغرب بوجہ ان کے نور کے وہ گویا کہ مشرق ہو رہا تھا۔

نور ایں شمس شموس فارس ست	روز خاص و عام را او حارس ست
ستاروں کے اس سورج کا نور تیز رو ہے	عوام و خواص کے دن کا وہ نگہبان ہے

یعنی اس شمس الشموس کا نور جو کہ فارس ہے خاص و عام کے دن کے لئے نگہبان ہے۔ مطلب یہ کہ یہی نور حق جو کہ بزرگوں میں ہوتا ہے اس نور ظاہر کا بھی نگہبان ہے۔ ورنہ اگر وہ نور نہ ہو تو نور ظاہری بھی نہیں رہ سکتا۔

چوں نباشد حارس آں نور مجید	کہ ہزاران آفتاب آرد پدید
وہ نور اعظم کیوں نگہبان نہ ہوگا؟	جو ہزاروں سورج پیدا کر دے

یعنی اگر وہ نور بزرگ نگہبان نہ ہو تو ہزاروں آفتابوں کو کون ظاہر کرے۔ مطلب یہ کہ اگر وہ نور حق نہ ہو تو ان حضرت آفتاب ہی میں کہاں سے نور پیدا ہو سکتا ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

تو بنور او ہمی رو در اماں	درمیان اژدہاؤ کژ دماں
تو اطمینان سے اس کے نور کے ساتھ چلا جا	اژدہوں اور بچھوؤں میں

یعنی تم ان کے نور سے امن میں ہو کر اژدہوں اور بچھوؤں میں چلو (اژدہاؤں اور بچھوؤں سے مراد شیاطین ہیں) مطلب یہ کہ نور حق کو حاصل کر کے تم شیاطین کی شر سے بے فکر ہو کر راستہ قطع کرو۔ اور بے فکر رہو۔ اس نور کے حصول کے بعد تم کو پھر شیطان نہ ستاوے گا۔ جیسا کہ خود ارشاد حق ہے۔ انه لیس له سلطان علی الذین امنوا و علی ربهم یتوکلون کہ اس کا قابو مومنین کاملین پر نہیں چلتا۔ بلکہ یہ حالت ہو جاوے گی۔

پیش پیشت میرود آں نور پاک	میکند ہر رہزنے را چاک چاک
وہ پاک نور تیرے آگے آگے چلے گا	وہ ہر رہزن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے

یعنی وہ نور پاک تمہارے آگے آگے چلتا ہے اور ہر رہزن کا قلع قمع کر دیتا ہے آگے اس قول پر قرآن شریف سے استشہاد لاتے ہیں اور پھر اس پر جو ایک اعتراض پڑتا تھا اس کو دفع فرماویں گے۔ فرماتے ہیں کہ۔

یوم لا یخزی النبی را راست داں	نور یسعیٰ بین ایدیہم بخواں
یوم لا یخزی النبی کو سچ سمجھ	نور یسعیٰ بین ایدیہم پڑھ لے

یعنی (آیت) یوم لا یخزی الله النبی الخ کو سچ جانو اور نور هم یسعیٰ بین ایدیهم کو پڑھو۔ مطلب یہ کہ دیکھو قرآن شریف میں ہے یوم لا یخزی الله النبی و الذین امنوا معه نور هم یسعیٰ بین ایدیهم و بایمانهم جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں مومنین اور انبیاء کا نور ان کے آگے آگے چلے گا۔ جیسا کہ ہم نے ابھی کہا ہے اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ اچھا اگر یہ مان بھی لیا جاوے تو پھر یہ بات تو قیامت میں حاصل ہوگی دنیا میں تو یہ بات نہ ہوئی۔ آگے اس کا جواب دیتے ہیں کہ۔

گرچہ گردد در قیامت آں فزوں	از خدا اینجا بخواہید آزموں
وہ نور اگرچہ قیامت میں بڑھ جائے گا	آزمانے کے لئے یہاں بھی خدا سے مانگ لو

یعنی اگرچہ قیامت میں وہ زیادہ ہو جاوے گا (لیکن) حق تعالیٰ سے تم اس جگہ نمونہ طلب کرو۔ مطلب یہ کہ قیامت میں جو نور ہوگا وہ یہیں کا نور ہوگا صرف اتنا ہوگا کہ وہاں یہ نور زیادہ ہو جاوے گا اور بڑھ جاوے گا۔ لیکن نمونہ کے طور پر وہ نور ہوگا دنیا ہی میں۔ تو جیسا بعد زیادتی کے وہ آگے آگے چلے گا۔ یہاں تھوڑے ہونے کی حالت میں بھی اگر چلے تو کیا عجب ہے۔

نور جان واللہ اعلم بالبلاغ	کو بہ بخشد ہم بہ میغ و ہم بماغ
جان کا نور اور خدا پہنچانے کو زیادہ جانتا ہے	کیونکہ وہ ابر کو بھی اور کہر کو بھی بخشتا ہے

یعنی کہ حق تعالیٰ ابر کو اور دھوئیں کو نور جان بخشتے ہیں واللہ اعلم بالبلاغ۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ سے تم نور جان کی درخواست کرو کہ وہ تم کو عطا فرمادیں۔ کیونکہ وہ تو ابر کو اور دھوئیں تک کو اس کے مناسب جو نور ہے عطا فرماتے ہیں تو پھر تم کو تو کیوں عطا نہ ہوگا۔ آگے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام اور قاصدان بلقیس رضی اللہ عنہا کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح مبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ ایک مرتبہ شیخ عبداللہ مغربی قدس سرہٗ نے بیان فرمایا کہ میں نے ساٹھ برس سے رات کے اندر رات کی صفت نہیں دیکھی اور بوجہ رات دن کے یکساں ہونے کے اس ساٹھ برس کے عرصہ میں نہ کبھی دن کو تاریکی دیکھی نہ رات کو دیگر صوفیوں نے ان کے اس بیان کی تصدیق کی اور کہا کہ یہ بالکل صحیح ہے کہ ہم رات کو ان کے پیچھے پیچھے گڑھوں اور کانٹوں والے میدانوں میں جایا کرتے تھے اور وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہمارے آگے آگے ہوتے تھے اور رات کے وقت بغیر منہ موڑے کہہ دیتے تھے کہ دیکھو تمہارے سامنے گڑھا آ گیا ہے ذرا بائیں جانب کو ہو جاؤ۔ پھر کہتے کہ دیکھو تمہارے پاؤں کے سامنے کانٹا ہے۔ ذرا دائیں کو ہو جاؤ دن ہوتا تو ہم قدم بوسی حاصل کرتے کیونکہ ان کے دونوں پاؤں مٹی سے پاک تھے۔ یعنی عالم سفلی سے وہ بے تعلق ہو چکے تھے اور ان کی پابوسی کے ساتھ دن ہوتا یعنی دن موجود ہو کر آپ کے قدم چومتا ہے (اس میں اشارہ ہے ان کے کمال عظمت اور ان کے پاؤں کی کامل صفائی کی طرف) تو ان کے پاؤں دلہنوں کے پاؤں کی طرح صاف ہوتے تھے نہ تو ان پر مٹی کا اثر ہوتا تھا نہ گارے کا۔ نہ اس میں کانٹے کی خراش ہوتی تھی اور نہ پتھر کا صدمہ۔ حق سبحانہ کی قدرت دیکھو کہ اس نے مغربی کو مشرقی کر دیا تھا۔ یعنی ایک مغرب کے رہنے والے کو مطلع انوار بنا دیا تھا۔ اور ملک مغرب کو مشرق کی طرح نور زا بنا دیا تھا۔ (یہ استغراب بنا بر ظاہر عنوان ہے ورنہ حقیقت میں استغراب کی کوئی وجہ نہیں) اسی شہسوار میدان عرفان اور شمس شموس کا نور ہے۔ کہ خاص و عام کے دن کا محافظ ہے۔ (یا تو اس کے یہ معنی ہیں کہ روز متعارف کے نور کا محافظ ہے یا یہ کہ ان میں جو لوگ محفوظ ہوتے ہیں وہ اسی نور کی حفاظت کا اثر ہے) اور وہ نور بزرگ کیونکر نہ محافظ ہو وہ تو خدا کا وہ نور ہے جو کہ ہزاروں آفتاب موجود کرتا ہے پھر اس کا روز خاص و عام کا محافظ ہونا کونسی بڑی بات ہے۔ پس جبکہ یہ نور محافظ ہے تو تم شیخ مذکور کے اس نور کو مقتدا بناؤ اور اس میں اژدھے اور بچھوؤں کے درمیان مامون چلے جاؤ۔

فائدہ:۔ نور شیخ مذکور سے مراد نور ہر کامل ہے۔ کیونکہ وہ نور بالذات حق سبحانہ کا نور ہے جو ہر ایک کامل کو نصیب ہوتا ہے اس لئے جو نور شیخ عبداللہ کے پاس ہے وہی نور اور اہل اللہ کے پاس بھی ہے۔ پس کسی کامل کی روشنی میں چلنا شیخ مذکور ہی کی روشنی میں چلنا ہے۔) یہ نور تمہارے آگے آگے چلے گا۔ اور ہر رہزن کو پارہ پارہ کر

دے گا۔ تم یوم لایخزی اللہ النبی والذین آمنوا معہ نورھم یسعیٰ بین ایدیھم کو صحیح سمجھو اور پڑھو تا کہ تمہیں ہمارے بیان کی تصدیق ہو گو یہ نور قیامت میں تو بہت ہی زیادہ ہوگا مگر تم دنیا میں بھی اس سے اس کا نمونہ مانگو۔ اس لئے کہ وہ بہت دینے والا ہے کہ ابر اور کہرے تک کو نور جاں عطا فرماتا ہے۔ پس اگر تم اس سے باقاعدہ طلب کرو گے تو تم کو دینے میں دریغ نہ کرے گا۔ واللہ اعلم بحقیقۃ مابلغنا.

شرح شبیری

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کے قاصدوں کو مع اس ہدیہ کے واپس فرما دینا اور ان کو دعوت ایمان دینا اور شمس پرستی کے ترک کی ہدایت کرنا

باز گردید اے رسولاں خجل	زرشمارا دل بما آرید دل
اے شرمندہ قاصدو! واپس ہو جاؤ	سونا تمہارا ہے ہمارے لئے دل لاؤ دل

یعنی (حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ) اے قاصدان شرمندہ سونا تمہارے ہی لئے ہے ہمارے پاس تو دل لاؤ دل۔ مطلب یہ کہ آپ نے فرمایا کہ اے قاصدو جو کہ سونا لا کر بھی شرمندہ ہوئے ہو اس سونے کو تم واپس لے جاؤ اور میرے پاس تو تم دل لاؤ صاف ستھرے خالص سونے کی طرح۔ اس کی میرے یہاں قدر ہے اور اس سونے کی تو یہاں کچھ بھی قدر نہیں ہے۔ جیسا کہ تم نے خود مشاہدہ کر لیا۔

ایں زر من برسر آں زر نہید	کوری تن فرج استر را دہید
میرے اس سونے کو اس سونے پر رکھ دو	جسم کے اندھے پن کو خچری کی شرمگاہ کے حوالے کر دو

یعنی میرا یہ سونا اس سونے پر رکھو اور یہ کوری تن فرج استر کو دو۔ (یہاں زر من سے مراد معرفت الٰہی ہے اور آں زر سے مراد ان کا دل ہے) مطلب یہ ہے کہ میرے پاس جو معرفت حق ہے اور محبت الٰہی ہے اس کو لے جا کر اپنے قلوب میں رکھو۔ تو اس سے تمہارا دل بھی خالص اور پاک ہو جاوے گا اور یہ سونا جو کہ بدن کی ظلمت کا سبب ہے تم خچری کی فرج میں لگا دو یہ ایک قصہ طلب بات ہے وہ یہ کہ یہ تو معلوم ہے کہ خچر گدھے اور گھوڑی کی جفتی سے ہوتا ہے لیکن خچروں میں آپس میں توالد تناسل باوجود نر و مادہ دونوں ہونے کے نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ اگر خچری کو حمل رہے تو وہ ہلاک ہو جاتی ہے اس لئے جفتی نہیں کرتے لیکن چونکہ خچر کو شہوت ہوتی ہے اور وہ ممکن ہے کہ کوئی ناشائستہ حرکت کر بیٹھے اس لئے فرج خچری میں ایک حلقہ لوہے کا ڈال دیتے ہیں کہ پھر حضرت خچر کچھ کارروائی کر ہی نہ سکیں۔ لیکن جو رئیس ہوتے ہیں وہ بجائے لوہے کے حلقہ کے سونے کا حلقہ ڈالتے ہیں اس لئے کہ وہ رئیس صاحب کی خچری ہے تو اس کے وہاں بھی حلقہ زر ہی ہونا چاہئے اس لئے حضرت سلیمان علیہ السلام

فرماتے ہیں کہ سونے کو لے جا کر خچری کی فلاں جگہ دیدو۔ باقی میرے پاس تو دل کو خالص اور درست کر کے لاؤ خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے آگے فرماتے ہیں کہ۔

فرج استر لائق حلقہ زرست	زر عاشق روئے زرد و اصفر است
خچری کی شرمگاہ سونے کے کڑے کے لائق ہے	عاشق کا سونا زرد اور پیلا چہرہ ہے

یعنی (اس) سونے کی لائق تو خچر کا فرج ہے اور عاشق کا سونا تو زرد رو ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ عاشق حق کے نزدیک تو سونا یہ ہے کہ وہ عشق حق میں سوکھ کر زرد ہو گیا ہو۔ اوپر اس ظاہری سونے کا بیکار ہونا اور دل کا کارآمد ہونا بیان فرمایا ہے تو آگے ان دونوں باتوں کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

کہ نظر گاہ خداوند است آں	کہ نظر انداز خورشید است کان
کیونکہ وہ خدا کی نظر گاہ ہے	کانٔ سورج کی نظر گاہ ہے

یعنی (دل تو اس لئے کارآمد ہے) کہ وہ حق تعالیٰ کی نظر گاہ ہے (اور یہ زر ظاہر اس لئے بیکار ہے) کہ معدن تو خورشید کی نظر گاہ ہے (لہذا)

کو نظر گاہ شعاع آفتاب	کو نظر گاہ خداوند لباب
کہا سورج کی شعاع کی نظر گاہ؟	کہا عقلوں کے آقا کی نظر گاہ؟

یعنی کہاں تو شعاع آفتاب کا نظر گاہ اور کہاں خداوند لباب کی نظر گاہ۔ مطلب یہ کہ دل پر تجلی حق ہوتی ہے اور اس سونے ظاہر پر تجلی آفتاب ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ معادن میں شعاع آفتاب ہی سے سونا وغیرہ بنتا ہے تو بھلا کہاں تو شعاع آفتاب کا فیض اور کہاں حق جل وعلا شانہ کا فیض ظاہر ہے کہ ان دونوں میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ تو جو شے اس کی نظر گاہ ہوگی وہ یقیناً کارآمد ہوگی اور جو اس آفتاب ظاہر کی نظر گاہ ہوگی وہ اس کے آگے بالکل بیکار محض ہوگی خوب سمجھ لو۔ آگے حضرت سلیمان علیہ السلام ان قاصدوں سے فرماتے ہیں کہ۔

از گرفت من زجاں اسپر کنید	گرچہ اکنوں ہم گرفتار منید
میری گرفت سے جان کی ڈھال بنا لو	اگرچہ اب بھی تم میری گرفت میں ہو

یعنی میری پکڑ سے جان کو سپر کر لو۔ اگرچہ اب بھی تم میرے گرفتار ہو۔ مطلب یہ کہ تم اس کفر و شرک سے باز آ جاؤ اور اپنی جان کو بچا لو ورنہ پھر میں تم کو گرفتار کر لوں گا۔ اور اگرچہ اس وقت بھی میرے نزدیک تو حقیقت میں تم گرفتار ہی ہو۔ اس لئے کہ تم حرص و ہوا میں گرفتار ہو۔ تو اگرچہ بظاہر چھوٹے پھر رہے ہو لیکن در اصل تم قیدی ہی ہو۔ آگے اس قید ہونے کی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

مرغ فتنۂ دانہ بربام است او	پر کشادہ بستۂ دام است او
دانہ کا عاشق پرندٔ بالا خانہ پر ہے	پر کھولے ہوئے وہ جال میں پھنسا ہوا ہے

یعنی جو مرغ مفتوں دانہ کا ہے (اگر چہ) وہ پر کھولے ہوئے کوٹھے پر ہے۔ (لیکن) وہ بستۂ دام ہے۔
مطلب یہ کہ جو جانور کہ کوٹھے پر بیٹھا ہوا ہے اور اس کو دانہ کی لالچ آ رہی ہے کہ میں اس کو کھالوں تو اگر چہ وہ اس وقت پر کھولے ہوئے بیٹھا ہوا ہے لیکن جو حضرات کہ صاحب بصیرت ہیں ان کے نزدیک اس وقت بھی وہ قیدی ہی ہے۔ اس لئے کہ آخر کار اس کی یہ حرص اس کو قید کرا کے چھوڑے گی۔

چوں بدانہ داد او دل را بجاں	تا گرفتہ مرد را بگرفتہ داں
چونکہ اس نے دل کو جان سے دانہ کو دیدیا ہے	بغیر گرفتاری اس کو گرفتار سمجھ

یعنی جب اس نے شوق سے دل دانہ کو دیدیا تو بے پکڑے ہوئے اس کو پکڑا ہوا جانو۔

آں نظر کہ سوئے دانہ می کند	آں گرہ داں کو بپا برمی زند
وہ نگاہ جو وہ دانہ پر ڈالتا ہے	اس کو وہ گرہ سمجھ جو وہ پاؤں پر لگاتا ہے

یعنی وہ جو نظر کہ دانہ پر کرتا ہے اس کو گرہ جانو جو کہ وہ پاؤں میں لگا رہا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ جو حرص وہوا کی وجہ سے دانہ کی طرف دیکھ رہا ہے تو وہ گویا کہ ہر نظر کرنے میں پاؤں پر جال کی ایک گرہ لگا لیتا ہے۔ اس لئے کہ یہی نظر انجام میں اس کے لئے گرہ لگنے کا سبب ہو جاویگی۔

دانہ گوید گر تو می دزدی نظر	من ہمی دزدم ز تو صبر و مقر
دانہ کہتا ہے اگرچہ تو نظریں چراتا ہے	میں تجھ سے صبر و قرار چرا رہا ہوں

یعنی دانہ کہتا ہے کہ اگر تو دزدیدہ نگاہی کرتا ہے تو میں بھی تجھ سے صبر اور قرار کو چرا رہا ہوں۔ یعنی دانہ بزبان حال کہہ رہا ہے کہ تو جو مجھے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا ہے اور دزدیدہ نگاہی کر رہا ہے تو میں بھی ایک شے تیرے اندر سے چوری کر رہا ہوں یعنی تیرے صبر و قرار کو میں چپکے چپکے چرا رہا ہوں کہ وہ تیرے اندر سے کم ہو رہا ہے۔

چوں کشانید آں نظر ایں سوترا	پس مداں از خویشتن غافل مرا
جب تجھے اس نظر نے اس جانب کھینچ لیا	تو مجھے تو اپنے سے غافل نہ سمجھ

یعنی جب اس نظر نے تجھے اس طرف کھینچا ہے تو مجھے بھی اپنے سے غافل مت جانو۔ مطلب یہ کہ جب اس نظر نے تجھے مجھ تک پہنچا دیا ہے تو میں بھی تجھ سے غافل نہیں ہوں بلکہ اور تجھے کھینچ رہا ہوں۔ کہ تجھے اپنے اندر پکڑ لوں۔

چوں کشیدت آں نظر اندر پیم	پس بدانی کز تو من غافل نیم
جب تجھے وہ نظر میرے پیچھے لگا رہی ہے	تو یہ سمجھ لے کہ میں تجھ سے غافل نہیں ہوں

یعنی جب وہ نظر تجھے میرے پیچھے کھینچ لے گی تو تو جان لے گا کہ میں تجھ سے غافل نہیں ہوں۔ مطلب یہ کہ اس وقت تو تو آزاد معلوم ہو رہا ہے لیکن جب یہ نظر تجھے مجھ تک کھینچ لاوے گی اور تو پھنس جاوے گا تب تجھے خبر

ہوگی کہ میں بھی تیری تاک میں تھا اور تجھ سے غافل نہیں تھا۔ اور تو اس نظر سے کچھ اپنا ہی نقصان کر رہا تھا میرا کوئی حرج اس سے نہیں تھا۔ آگے اس پر ایک حکایت لاتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص کو مٹی کھانے کی عادت تھی وہ دوکاندار کے پاس شکر خریدنے گیا اس دوکاندار کے باٹ ملتانی مٹی کے تھے اس گلخوار نے ان باٹوں میں سے توڑ توڑ کر کھانا شروع کر دیا اور یہ چاہا کہ یہ دوکاندار نہ دیکھے تاکہ میں خوب کھالوں اور دل میں سمجھا کہ میں اس کی اتنی مٹی کھا گیا تو اس کا نقصان ہوا۔ اور دوکاندار نے جب دیکھا تو وہ اور بھی مشغول ہو گیا اور شکر لانے میں اس نے اور بھی دیر کی اس نے سوچا کہ یہ تو میرا حرج سمجھ رہا ہے حالانکہ اس میں خود اسی کا حرج ہے کہ جتنا باٹ یہ کھا جاوے گا اسی قدر شکر اس کو کم ملے گی تو اسی طرح وہ جانور تو سمجھتا ہے کہ میں اس دانہ کو کھا جاؤں گا اور اس کو نیست و نابود کر دوں گا لیکن وہ دانہ بزبان حال کہہ رہا ہے کہ تو میرا کیا حرج کرے گا میں بھی تجھے قید بلا میں پھنسا دوں گا خوب سمجھ لو آگے حکایت سنو۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے شرمائے ہوئے قاصد و تم واپس ہو جاؤ۔ سونا تمہیں کو نصیب ہو ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہمارے پاس تو دل لاؤ اور ہمارا زر کمال اس زر قلب پر رکھو۔ اور اس سب کو ری تن کو خچری کی فرج کو دو۔ کیونکہ خچری کی فرج ہی حلقہ زر کے قابل ہے۔ عاشق کی دولت اور اس کا سونا تو روئے زرد ہے۔

فائدہ:۔ فرج استر لائق حلقہ زر کی تفصیل یہ ہے کہ خچری کو اگر حمل رہ جاتا ہے تو بچہ ہونے کے وقت وہ اکثر ہلاک ہو جاتی ہے۔ اس لئے جفتی سے روکنے کے لئے اس کے مقام مخصوص میں سونے کا حلقہ ڈال دیتے ہیں پس مولانا نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے) زر روئے زرد اور زر کانی میں یہ فرق شرف وخست اس لئے ہے کہ زر روئے زرد محل نظر رحمت خداوندی ہے اور زر کانی محل نظر خورشید متعارف۔ پھر بھلا کجا محل نظر شعاع آفتاب اور کجا محل نظر حق سبحانہ دونوں میں تفاوت عظیم ہے۔ اچھا اب تم جاؤ اور کہہ دو کہ میری گرفت کے لئے جان کو سپر بناؤ۔ اگرچہ تم اب بھی میرے پنجہ میں ہو مگر تمہیں ابھی تک اس کا احساس نہیں۔ اس لئے اب میں وہ پکڑ پکڑوں گا جس کو تم بھی سمجھ لو۔ یہ جو میں نے کہا ہے کہ تم اب بھی میرے گرفتار ہو یہ ایسا ہے جیسا کہ ایک پرند کوٹھے پر ہو مگر دانہائے دام کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہو۔ یہ جانور گو کوٹھے پر ہے مگر پروں کے کھلے ہونے کی حالت میں بھی وہ جال میں پھنسا ہوا ہے کیونکہ جب اس نے دانہائے دام میں دل پھنسا لیا تو اس کو عدم اسیری کی حالت میں ہی پھنسا ہوا سمجھنا چاہئے اور جب وہ دانہ پر نظر ڈالتا ہے تو اس کو سمجھنا چاہئے کہ وہ اپنے پاؤں میں ایک گرہ دیتا ہے اور دانہ اس سے کہتا ہے کہ اگر تو مجھے دزدیدہ نظر سے دیکھتا ہے تو کیا مضائقہ ہے میں بھی تیرا صبر و قرار چرا رہا ہوں۔ اور جبکہ تیری نظر نے تجھے اس طرف کھینچا ہے تو مجھے بھی تو اپنے سے غافل نہ سمجھ اور جبکہ اس نظر نے تجھے میری طرف کھینچا ہے تو تجھے سمجھنا چاہئے کہ میں تجھ سے غافل نہیں ہوں خلاصہ یہ کہ تم ان مبادی میں گرفتار ہو جن کی

بناء پر بشرط عدم ترک میری گرفت ضرور تم پر واقع ہوگی اس لئے یہ کہہ دینا کچھ بعید نہیں کہ تم ہنوز میرے گرفتار ہو۔
اب ہم مضمون بالا کے مناسب ایک حکایت سناتے ہیں سنو۔

شرح شبّیری

ایک عطار کا کہ اس کی ترازو کے باٹ سر دھونے کی مٹی (ملتانی) کے تھے اور ایک خریدار کا جس کو مٹی کھانے کی عادت تھی اس مٹی میں سے تولنے کے وقت چوری کرنے کا قصہ

تا خرد ا بلوج و قند خاص زفت	پیش عطارے یکے گلخوارے رفت
تا کہ سفید خاص قند عمدہ خریدے	ایک عطار کے پاس ایک مٹی خور گیا

یعنی ایک عطار کے پاس ایک گلخوار گیا تا کہ شکر اور قند بالکل خالص خریدے۔

موضع سنگ ترازو بود گل	پس برعطار طرارد و دل
باٹ کی بجائے مٹی تھی	اس منافق چالاک عطار کے پاس

یعنی ہوشیار عطار دودلے کے پاس ترازو کے باٹوں کی جگہ مٹی تھی۔

ہست نیکو بے تکلف بے سخن	گفت عطار اے جواں ابلوج من
بلا مبالغہ لاکلام عمدہ ہے	عطار نے کہا اے جوان! میری شکر

یعنی عطار نے کہا کہ اے جوان میری شکر بالکل عمدہ ہے بلا کسی تکلف کے اور بات کے مطلب یہ کہ اس میں کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ قند خالص ہے۔

گر ترا میل شکر بخریدن است	لیک گل سنگ ترازوئے مناست
اگر تجھے خریدنے کی خواہش ہے	لیکن میری ترازو کے باٹ مٹی کے ہیں

یعنی لیکن میری ترازو کے باٹ مٹی ہے اگر تجھے شکر خریدنے کی رغبت ہے (تو خرید لے) مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ میری شکر تو بالکل خالص ہے اس میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ مگر میری ترازو کے باٹ مٹی کے ہیں اگر تجھے خریدنا ہے تو ان سے تول کر دوں گا تیرا جی چاہے تو خرید لے۔ یہاں جزا محذوف ہے یعنی اگر میل خریدن شکر است پس بجز۔

سنگ میزان ہر چہ خواہی باش گو	گفت ہستم در مہے قند جو
ترازو کے باٹ جو بھی ہوں	اس نے کہا میں ایک ضرورت میں شکر کی جستجو میں ہوں

یعنی اس گلخوار نے کہا کہ میں ایک ضرورت میں شکر کا متلاشی ہوں تو ترازو کے باٹ جو کچھ ہوں رہنے دے۔

سنگ چہ بود گل ز شکر بہتر است	گفت با خود پیش آنکہ گل خور است
پتھر کیا ہوتا ہے؟ مٹی شکر سے (بھی) بہتر ہے	(پھر) اس نے اپنے دل میں کہا مٹی کھانے والے کے آگے

یعنی اس نے اپنے سے کہا کہ جو شخص کہ گلخوار ہوتا ہے اس کے لئے پتھر کیا ہوتا ہے۔ مٹی شکر سے بہتر ہے مطلب یہ کہ اس عطار سے تو یہ کہا کہ میاں مجھے تو شکر کی ضرورت ہے تیرے باٹ خواہ مٹی کے ہوں یا کسی کے تو مجھے شکر دیدے اور دل میں کہنے لگا کہ میرے لئے جسے کہ مٹی کھانے کی عادت ہے مٹی شکر سے بھی بہتر ہے تو اگر لوہے کے باٹ ہوتے تو ان کو تو کھا نہیں سکتے تھے اور اس مٹی کو تو کھا سکتا ہوں۔ اور مجھے خوب مزہ ملے گا۔ اس لئے باٹ ترازو کے مٹی ہی کے ہونا بہتر ہے۔ آگے مولانا اسی قبیل سے ایک اور قصہ بیان فرماتے ہیں۔

نو عروسی یافتم بس خوب فر	ہمچو آں دلالہ کو گفت اے پسر
میں نے ایک نئی دلہن بہت شاندار ڈھونڈ لی ہے	اس دلالہ کی طرح جس نے کہا اے بیٹا!

یعنی جیسے کہ اس دلالہ نے کہا کہ اے لڑکے کہ میں نے ایک نئی دلہن خوب عمدہ پائی ہے۔

کان ستیرہ دختر حلوا گرست	سخت زیبا لیک ہم یک چیز ہست
کہ وہ پردہ نشین حلوائی کی بیٹی ہے	بہت خوبصورت ہے لیکن ایک بات یہ بھی ہے

یعنی بہت ہی عمدہ ہے لیکن ایک بات ہے کہ وہ مستورہ حلوائی کی لڑکی ہے۔

دختر او چرب و شیریں تر بود	گفت بہتر ایں چنیں خود گر بود
اس کی لڑکی خوب چکنی اور میٹھی ہوگی	اس نے کہا اگر ایسا ہے تو بہت بہتر ہے

یعنی اس جوان نے کہا کہ ایسا ہو تو بہتر ہے کہ اس کی لڑکی تو خوب چرب و شیریں ہوگی مطلب یہ کہ ایک شخص نے کسی دلالہ سے کہا کہ کہیں سے ایک لڑکی لاؤ نکاح کے لئے تو اس دلالہ نے کہا کہ ایک لڑکی ہے تو سہی لیکن ایک خرابی یہ ہے کہ حلوائی کی لڑکی ہے تو اس شخص نے کہا کہ یہ تو اور بھی عمدہ بات ہے اس لئے کہ حلوائی کی لڑکی تو خوب عمدہ اور نفیس ہوگی۔ تو اسی طرح اس گلخوار نے کہا کہ اگر تیرے باٹ لوہے کے نہیں ہیں تو یہ تو اور بھی عمدہ بات ہے اس لئے کہ مجھے خوب مٹی کھانے کو ملے گی۔ جو مجھے بے حد مرغوب ہے آگے وہ گلخوار ہی کہتا ہے کہ۔

ایں بہ و بہ گل مرا میوہ دل است	گر نداری سنگ و سنگت از گل است
یہ بہتر اور خوب ہے مٹی میرے دل کا میوہ ہے	اگر تیرے پاس پتھر نہیں ہے اور تیرا باٹ مٹی کا ہے

یعنی اگر تو باٹ نہیں رکھتا اور تیرے باٹ مٹی کے ہیں تو یہ تو بہتر اور اچھا ہے کیونکہ مٹی میرے دل کی میوہ ہے۔

او بجائے سنگ آں گل را نہاد	اندراں کفہ ترازو ز اعتداد
اس نے پتھر کے بجائے وہ مٹی رکھ دی	ترازو کے پلڑے میں اعتماد کے ساتھ

یعنی اس ترازو کے پلڑے میں وزن کے لئے اس (عطار) نے بجائے باٹ کے وہ مٹی ہی رکھی۔

ہم بقدر آں شکر را می شکست	پس برائے کفۂ دیگر بدست
اس مٹی کی بقدر شکر توڑنے لگا	پھر دوسرے پلڑے کے لئے ہاتھ سے

یعنی پھر دوسرے پلڑے کے لئے وہ ہاتھ سے بقدر اس کے شکر توڑ رہا تھا۔ مطلب یہ کہ ایک پلڑے میں تو اس نے وہ باٹ رکھے اور دوسرے پلڑے کے لئے بقدر اس باٹ کے وہ شکر توڑنے لگا تاکہ تولے۔

مشتری را منتظر آنجا نشاند	چوں نبودش تیشۂ او دیر ماند
اس نے خریدار کو اس جگہ انتظار میں بٹھا دیا	چونکہ اس کے پاس کھرپا نہ تھا وہ دیر تک ٹھہرا رہا

یعنی چونکہ اس کے پاس کوئی ہتھوڑا (توڑنے کی چیز) نہ تھا تو وہ دیر تک ٹھہرا اور خریدار کو اس جگہ منتظر بٹھا دیا۔ مطلب یہ کہ چونکہ کوئی شے شکر توڑنے کی ایسی نہ تھی جس سے جلدی سے اسے توڑ لیتا اور ہاتھ سے توڑنے میں دیر لگی تو خریدار کو تو وہیں بٹھا دیا اور خود شکر توڑنے لگا۔

گل ازو پوشیدہ دزدیدن گرفت	رویش آنسو بود گلخور نا شگفت
اس سے چھپا کر مٹی چرانی شروع کر دی	اس کا رخ اس طرف تھا بے صبر مٹی خور نے

یعنی اس عطار کا منہ تو اس طرف کو تھا اور گلخوار نالائق نے اس سے چھپا کر مٹی کھانی شروع کر دی۔

چشم او برمن فتد از امتحاں	ترس ترساں کہ نباید ناگہاں
اور اس کی نظر بطور آزمائش مجھ پر پڑ جائے	ڈرتے ڈرتے کہ وہ اچانک نہ آ جائے

یعنی ڈرتے ڈرتے کہ وہ ناگاہ آنہ جاوے۔ اس کی آنکھ امتحان سے مجھ پر پڑ نہ جاوے مطلب یہ کہ مٹی کھا رہا تھا اور ڈر رہا تھا کہ کہیں دکاندار دیکھ نہ لے کہ یہ میرا باٹ کھائے جاتا ہے۔

کہ فزوں تر دزد ہیں اے روئے زرد	دید عطار آن و خود مشغول کرد
کہ اے زرد رو! اور زیادہ چرا لے	عطار نے اس کو دیکھا اور اپنے آپ کو مشغول کر دیا

یعنی عطار نے اس کو دیکھا اور اپنے کو مشغول کر لیا کہ ہاں اے شرمندہ خوب زیادہ چرا لے (کیونکہ)

رو کہ ہم از پہلوئے خود میخوری	گر بدزدی از گل من می بری
جا کہ تو اپنا ہی نقصان کر رہا ہے	اگر تو چرا کر میری مٹی میں سے لے جا رہا ہے

یعنی اگر تو چرا رہا ہے تو میری مٹی میں سے لے جا رہا ہے (مگر) تو اپنے ہی پہلو سے کھا رہا ہے۔

تو ہمی ترسی ز من لیک از خری	من ہمی ترسم کہ تو کمتر خوری
تو مجھ سے ڈر رہا ہے لیکن گدھے پن سے	میں ڈر رہا ہوں کہ تو بہت کم کھا رہا ہے

یعنی تو مجھ سے ڈر رہا ہے لیکن گدھے پن کی وجہ سے اور میں تجھ سے ڈر رہا ہوں کہ کہیں تو کم نہ کھاوے۔

گرچہ مشغولم چناں احمق نیم	کہ شکر افزوں کشی تو از پیم
اگرچہ میں مصروف ہوں، ایسا بیوقوف نہیں ہوں	کہ تو مجھ سے بڑھتی شکر لے جائے

یعنی میں اگرچہ مشغول ہوں لیکن ایسا احمق نہیں ہوں کہ تو مجھ سے شکر زیادہ لے لے۔

چوں بہ بینی مر شکر را ز آزمود	پس بدانی احمق و عاقل کہ بود
جب تو آزما کر شکر کو دیکھے گا	تو سمجھ لے گا احمق اور عاقل کون تھا؟

یعنی جب تو شکر کو جانچنے کے لئے دیکھے گا تو جانے گا کہ احمق اور عاقل کون تھا۔ مطلب یہ کہ عطار تو شکر توڑنے میں لگا رہا اور ان گلخوار صاحب نے مٹی میں سے چرا چرا کر کھانا شروع کر دیا۔ اور ڈر رہا تھا کہ کہیں دکاندار مجھے کھاتے ہوئے دیکھ نہ لے اور عطار نے اس کو کھاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ تو اس نے شکر توڑنے میں اور بھی دیر لگا دی۔ تاکہ یہ اچھی طرح کھا لے اس لئے کہ جس قدر یہ کھالے گا اسی قدر میری شکر کم جاوے گی۔ کیونکہ باٹ کم ہو جاوے گا۔ اور باٹ تو میں اور بنالوں گا اور وہ دل میں کہہ رہا تھا کہ میاں تو میرا نقصان نہیں کرتا کچھ اپنا ہی نقصان کر رہا ہے تو مجھے اس وقت احمق سمجھ رہا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں ہوشیار ہوں کہ اس کو خبر بھی نہ ہوئی اور میں اس کی اتنی مٹی کھا گیا مگر یاد رکھنا کہ جس وقت گھر جا کر تولو گے اور کم ہوگی اس وقت تم کو معلوم ہو جاوے گا کہ کون احمق اور عاقل تھا آگے پھر اسی مرغ و دانہ کی مثال کی طرف عود ہے فرماتے ہیں کہ۔

مرغ ازاں دانہ نظر خوش میکند	دانہ ہم از دور راہش میزند
پرندہ اس دانہ سے نظر کو خوش کر رہا ہے	دانہ بھی دور سے اس پر ڈاکہ ڈال رہا ہے

یعنی جانور اس دانہ سے نظر کو خوش کرتا ہے اور دانہ بھی دور سے اس کی راہزنی کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ مرغ تو اس دانہ کو دیکھ کر خوش ہو رہا ہے کہ میں اس کو کھا جاؤں گا اور وہ دانہ کہہ رہا ہے کہ اے مرغ تو مجھے جس قدر دیکھتا ہے اپنا نقصان کرتا ہے اسلئے کہ جس قدر دیکھتا ہے اسی قدر تیری حرص بڑھتی ہے اور اسی قدر جلد تجھ کو میں قید کرا دوں گا۔ آگے مولانا ایک مضمون ارشادی فرماتے ہیں کہ۔

گر زنائے چشم حظے میبری	نے کباب از پہلو خود میخوری
اگرچہ تو آنکھ کے گلے سے مزا اٹھا رہا ہے	کیا اپنے پہلو کے کباب نہیں کھا رہا ہے؟

یعنی اگر تو آنکھ کی نکی سے حظ لے رہا ہے تو کیا تو اپنے پہلو سے کباب نہیں کھا رہا ہے۔ (نے کباب استفہام انکاری ہے)

ایں نظر از دور چوں تیر است وسم	عشقت افزوں می شود صبر تو کم
یہ نظر بازی دور سے ہی تیر ا اور زہر ہے	تیرا عشق بڑھتا ہے صبر کم ہوتا ہے

یعنی یہ نظر دور سے مثل تیر کے اور زہر کے ہے اور عشق تیرا بڑھتا ہے اور صبر تیرا کم ہوتا ہے مطلب یہ کہ اگر تم کسی کی طرف بدنگاہی کر رہے ہو اور تم کو اس سے حظ ہو رہا ہے اور تم اس سے خوش ہو رہے ہو تو یاد رکھو کہ بدنگاہی کرنا خود اپنے کباب کھانا ہے۔ اسلئے کہ ایک دن اس کا پھل برا ملے گا۔ اور یہ نگاہ ایک تیر کی طرح ہے کہ اس کا تیر لگا اچھا ہوتا ہے نہیں۔ جیسا کہ کسی کا قول ہے النظر سهم من سهام ابليس اور کسی نے خوب کہا ہے۔

درون سینہ من زخم بے نشاں زدۂ　　بحیر تم کو عجب تیر بے کماں زدۂ

غرضکہ نگاہ ایسی بری بلا ہے کہ اس سے بے حد خرابیاں واقع ہوتی ہیں لوگ ناجائز محبت کرتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم پیٹ بھر کر دیکھ لیں تو پھر دل سے اس کا خیال جاتا رہے گا۔ حالانکہ اس دیکھنے سے اور خیال زیادہ ہوتا ہے کم نہیں ہوتا۔ جس کا اثر بعد کو معلوم ہوتا ہے بس اس کا علاج تو صرف یہ ہے کہ محبوب سے جسماً نظراً تصوراً ہر طرح علیحدگی اختیار کرے جب کہیں یہ مرض جاتا ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

مال دنیا دام مرغان ضعیف	ملک عقبیٰ دام مرغان شریف
دنیا کا مال کمزور پرندوں کا جال ہے	آخرت کی سلطنت شریف پرندوں کا جال ہے

یعنی دنیا کا مال تو مرغان ضعیف کا جال ہے اور آخرت کا ملک شریف جانوروں کا جال ہے۔

تا بدیں ملکے کہ او دامی ست ژرف	در شکار آیند مرغان شگرف
یہاں تک کہ اس سلطنت میں جو کہ ایک گہرا جال ہے	عجیب پرند شکار میں آتے ہیں

یعنی یہاں تک کہ اس ملک میں جو کہ ایک عظیم جال ہے شکار میں بڑے بڑے جانور آویں۔ مطلب یہ کہ یہ دنیا کا مال ومتاع تو کمزور لوگوں کا جال ہے جس میں یہ لوگ پھنس جاتے ہیں اور آخرت کا جال اولیاءاللہ کے لئے ہے۔ کہ اس میں بڑے بڑے جانور عظیم الشان آ کر پھنستے ہیں اور شکار ہوتے ہیں آگے حضرت سلیمان علیہ السلام کے مقولے کی طرف عود ہے فرماتے ہیں کہ۔

من سلیمان می نخواہم ملک تان	بلکہ من برہانم از ہر ہلک تان
میں سلیمان تمہارا ملک نہیں چاہتا ہوں	بلکہ میں تمہیں ہر ہلاکت سے چھڑاتا ہوں

یعنی میں تو سلیمان ہوں میں تمہارا ملک نہیں چاہتا بلکہ میں ہر ہلاکت سے تم کو چھڑاتا ہوں۔

کایں زمان ہستید خود مملوک ملک	مالک الملک آنکہ او بجہد زملک
کیونکہ تم اس وقت خود ملک کے غلام ہو	ملک کا مالک وہ ہے جو تباہی سے نجات پا جائے

یعنی اس وقت تو تم ملک کے بندے ہو رہے ہو اور ملک کا مالک تو وہ ہے جو ہلاکت سے چھوٹے۔ مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے تمہارے ملک کی ضرورت نہیں ہے بلکہ میرا تو مقصود یہ ہے کہ تم ہلاکت سے بچ جاؤ اور عذاب سے چھوٹ جاؤ اور اس وقت تو تم بندۂ ملک وزر ہو رہے ہو اور اگر میرا اتباع کرو گے اس وقت مالک الملک ہو گے اس لئے کہ اس وقت تو معرض ہلاکت میں ہو اور جو شخص کہ معرض ہلاکت میں ہو اس کو مالک ملک کون کہے گا۔ وہ تو بندگان ملک سے بھی کمتر ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

باز گونہ اے اسیر ایں جہاں	نام خود کردی امیر ایں جہاں
اے اس دنیا کے قیدی! الٹا	تو نے اپنا نام شاہ جہاں رکھ لیا ہے

یعنی بالعکس اے قیدی اس جہان کے تو نے اپنا نام اس جہاں کا امیر رکھا ہے۔

اے تو بندہ ایں جہاں محبوس جاں	چند گوئے خویش را خواجہ جہاں
اے تو اس جہان کا غلام' جان کا قیدی ہے	تو اپنے آپ کو جہان کا آقا کب تک کہے گا؟

یعنی اے وہ شخص جو کہ اس جہاں کا غلام اور محبوس جان ہے اپنے کو جہان کا آقا کہاں تک کہے گا یعنی اے شخص جس کی جان بندسیم وزر میں قید ہے اور وہ خود اس جہان کا قیدی ہو رہا ہے کب تک اپنے کو آقا اور خواجہ کہتا رہے گا ارے اب تو تو غلامان غلام اس جہاں کا ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ آگے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا ان قاصدوں کو مع ہدیہ کے واپس فرما دینے کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

ایک عطار کا کہ اس کے ترازو کے باٹ سر دھونے کی مٹی (ملتانی) کے تھے اور ایک خریدار کا جسکو مٹی کھانے کی عادت تھی اس مٹی میں سے تولنے کے وقت چوری کرنے کا قصہ

ترجمہ وتشریح:۔ ایک مٹی کھانے والا ایک دوکاندار کے پاس اس لئے گیا کہ قند خالص اور زیادہ سی خریدے اس چالاک اور منافق دوکاندار کے پاس باٹ کے بجائے مٹی تھی۔ جب اس نے شکر مانگی تو اس دوکاندار نے کہا

کہ میرے پاس تو شکر نہایت اعلیٰ ہے اور میرے اس بیان میں نہ کوئی تصنع ہے اور نہ قیل وقال کی گنجائش مگر میرے باٹ مٹی کے ہیں اگر تمہیں خریدنے کی خواہش ہو تو خرید لو۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے تو ایک ضروری کام کے لئے قند کی تلاش ہے۔ باٹوں سے کچھ بحث نہیں کیسے ہی ہوں اور دل میں کہا کہ مٹی کھانے والے کے نزدیک پتھر کیا بلا ہے مٹی شکر سے بہتر ہے اور یہ ایسا ہے جیسا کہ ایک دلالہ نے کہا تھا کہ جناب دلہن تو ایک بڑے ٹھسے کی مل گئی ہے اور بہت ہی نفیس ہے لیکن ایک بات ہے وہ یہ کہ حلوائی کی لڑکی ہے۔ اس نے کہا ایسا ہے تو اور بھی اچھا ہے کیونکہ اس کی لڑکی زیادہ چکنی چپڑی اور مزہ کی ہوگی۔ پس اگر تمہارے پاس پتھر کے باٹ نہیں بلکہ تمہارے باٹ مٹی کے ہیں تو یہ تو بہت ہی اچھا ہے کیونکہ مٹی تو میرے دل کا مرغوب میوہ ہے الغرض اس نے ترازو کے پلڑے میں بجائے باٹ کے معتدبہ مٹی رکھ دی اور اسی کی مقدار میں ہاتھ سے شکر توڑنے لگا چونکہ اس کے پاس تیشہ نہ تھا اس لئے دیر لگ گئی اور مشتری کو حالت انتظار میں وہیں بیٹھے رہنے دیا۔ اس کا منہ دوسری طرف تھا۔ اس لئے مٹی کھانے والے بے صبرے نے مٹی چرانا شروع کی لیکن ڈرتا جاتا تھا کہ مبادا دکاندار کی نظر مجھ پر نہ پڑ جاوے دوکاندار نے دیکھا اور اپنے کو اور مشغول و غافل کر لیا اور دل میں کہتا جاتا تھا کہ ہاں او بے شرم خوب چرا۔ اگر تو میری مٹی چرالے جائے گا تو جا چرالے جا۔ میرا کیا جاوے گا تو اپنا ہی گوشت کھا رہا ہے اس لئے کہ جتنا باٹ کم ہوگا اتنی ہی شکر کم ہو جاوے گی تو مجھ سے ڈرتا ہے مگر یہ تیرا گدھا پن ہے کیونکہ مجھے تو اس کا خوف ہے کہ تو کم نہ کھاوے میں اگرچہ مشغول ہوں لیکن اتنا بیوقوف نہیں ہوں کہ تو میری مٹی بھی کھا جاوے اور مجھ سے شکر بھی زیادہ لے جاوے۔ جب تو شکر کو بنظر امتحان دیکھے گا کہ یہ پوری ہے یا کم اس وقت تجھے معلوم ہوگا کہ احمق اور غافل کون تھا اسی طرح وہ جانور تو دانہ کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کرتا ہے لیکن دانہ دور ہی سے اس کی رہزنی کرتا ہے۔ اس سے تم سمجھو کہ اگر تم آنکھ کی زنا کا لطف اڑا رہے ہو تو کیا یہ اپنے ہی پہلو کے کباب نہیں کھا رہے ہو۔ ضرور ایسا ہی ہے۔ یاد رکھو کہ دور سے دیکھنا تیر اور زہر کی مثل ہے۔ کیونکہ اس سے تمہارا عشق زیادہ ہوتا ہے اور صبر وقرار ہے تو یہ التذ اذ خود اپنے ضرر سے التذ اذ۔ ۔ خوب یاد رکھو نیز سمجھو کہ مال دینا تو کمزور جانوروں کا جال ہے اور ملک عقبیٰ اعلےٰ درجہ کے پرندوں کا۔ اور یہ دام ملک عقبیٰ اس لئے قائم کیا گیا ہے تا کہ اس زبردست جال میں عجیب وغریب جانور پھنسیں برخلاف اس کے دام مال دینا معمولی جانوروں کے پھانسنے کے لئے ہے تو چونکہ میں سلیمان ہوں اس لئے دام مال دنیا کی طرف رخ نہیں کرتا اور تمہارا ملک لینا نہیں چاہتا بلکہ میں تو تمہیں اس جال سے چھڑا کر ہلاکت سے بچانا چاہتا ہوں اس لئے کہ اس وقت تم ملک کے مملوک ہو اور مالک الملک نہیں ہو۔ مالک الملک وہ ہے جو ہلاکت سے بچ جاوے۔ مگر تم نہیں سمجھتے اور تم نے اس جہان کا قیدی ہو کر اپنا نام برعکس واقعہ امیر ملک رکھ لیا ارے تو تو اس جہان کا غلام ہے اور تیری جان اس میں محبوس ہے پھر تو اپنے کو اپنے کو اس جہاں کا افسر کہتا ہے بڑے شرم کی بات ہے۔

شرح شبّیری

سلیمان علیہ السلام کا ان قاصدوں کی دلداری کرنا اوران کے دل سے وحشت کو دفع کرنا اور ہدیہ قبول نہ کرنے کا عذر فرمانا

اے رسولان می فرستم تان رسول	رو من بہتر شمارا از قبول
اے قاصدو میں تمھیں قاصد بنا کر بھیجتا ہوں	میرا رد کرنا تمہارے لئے قبول کرنے سے اچھا ہے

یعنی (حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ) اے قاصدو میں تمکو قاصد بنا کر بھیجتا ہوں اور میرا رد کر دینا تمہارے قبول کر لینے سے بہتر ہے (اس لئے کہ اگر ہدیہ قبول کرلوں گا تو تم قاصدان بلقیس ہی رہوگے اور اب تم قاصدان سلیمان علیہ السلام ہو گئے ہو اور قاصدان بلقیس سے قاصدان سلیمانؑ ہونا ظاہر ہے کہ اچھا ہے غرضکہ اب تم قاصد بن کر میری جانب سے بلقیس کے پاس جاؤ)

پیش بلقیس انچہ دیدید از عجب	باز گوئید از بیاباں ذہب
بلقیس کے سامنے جو تم نے عجب بات دیکھی	سونے کے جنگل کی بابت کہو

یعنی بلقیس کے آگے وہ عجیب چیزیں جو تم نے دیکھی ہیں بیان کرو اور سونے کے جنگل (کے قصہ) کو بیان کرو۔

کہ چہل منزل بروئے زر بدید	وز چنیں ہدیہ خجل چون می شوید
کہ چالیس منزل تک تم سونے پر تھے	اور ایسے ہدیہ سے تم کس طرح شرمندہ ہوئے

یعنی کہ چالیس منزل تک تم سونے پر چلے تھے اور ایسے ہدیہ سے تم کس طرح شرمندہ ہوئے تھے۔ مطلب یہ کہ یہاں کا اس کے سامنے پورا قصہ بیان کر دینا تا کہ۔

تا بداند کہ بزر طامع نہ ایم	ما ز راز زر آفریں آوردہ ایم
تا کہ وہ سمجھ جائے کہ ہم سونے کے لالچی نہیں ہیں	ہم سونا پیدا کرنے والے سے سونا لے آئے ہیں

یعنی تا کہ وہ جان لے کہ ہم لالچی نہیں ہیں اور ہم سونا سونا پیدا کرنے والے کے پاس سے لائے ہیں (جس کی یہ شان ہے کہ)

آنکہ گر خواہد ہمہ خاک زمین	سربسر زر گردد و در ثمیں
وہ کہ اگر وہ چاہے زمین کی تمام مٹی	پوری سونا اور قیمتی موتی بن جائے

یعنی وہ ذات کہ اگر چاہے تو زمین کی تمام خاک سربسر سونا ہو جاوے۔ اور قیمتی موتی ہو جاوے (تو بھلا جس

کا تعلق ایسی ذات سے ہوگا اس کو سونے چاندی جواہرات کی کیا کمی ہوگی) آگے فرماتے ہیں کہ۔

حق برائے آں کندائے زرگزیں	روز محشر ایں زمین را نقرہ گیں
اے سونے کو پسند کرنے والے اللہ (تعالیٰ) اسی لئے کردے گا	اس زمین کو محشر کے دن چاندی جیسی

یعنی اے سونے کے قبول کرنے والے حق تعالیٰ اسی (بات کے ظاہر کرنے کے) لئے محشر کے روز اس زمین کو چاندی کی کردیں گے۔ (تاکہ معلوم ہوجائے کہ)

فارغیم از زر کہ ما بس پرفنیم	خاکیاں را سر بسر زریں کنیم
ہم سونے سے بے نیاز ہیں کیونکہ ہم ماہرفن ہیں	ہم مٹی والوں کو مجسم سونے کا بنا دیتے ہیں

یعنی ہم سونے سے فارغ ہیں اور ہم پرفن ہیں۔ کہ خاک والوں کو سربسر سونے کا کردیں۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ اسی بات کے ظاہر کرنے کے لئے تاکہ معلوم ہوجاوے کہ ان کو اس سونے چاندی کی ضرورت نہیں ہے۔ قیامت میں زمین کو چاندی کی کردیں گے جس سے معلوم ہوجاوے گا کہ اس سونے چاندی کی وہاں کچھ بھی قدر نہیں تھی۔ آگے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

از شما کے کدیۂ زر می کنیم	ما شمارا کیمیا گر می کنیم
ہم تم سے سونے کی بھیک کب مانگتے ہیں؟	ہم تمہیں کیمیا گر بناتے ہیں

یعنی ہم تم سے سونے کا سوال کب کرتے ہیں ہم تو تم کو کیمیا گر بنائے دیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ حضرت نے فرمایا کہ یہ ظاہری سونا ہم تم سے نہیں مانگتے۔ بلکہ ہم تو تم کو ایسا بنادیں گے کہ تم اصلی اور حقیقی کیمیا خود بنانے لگو گے۔ تو بھلا جو دوسروں کو کیمیا بنادے وہ اس ظاہری سونے کو لے کر کیا کرے گا اور فرمایا کہ۔

ترک آں گیرید گر ملک سبا است	کہ بروں آب وگل بس ملکہا است
اس کو چھوڑ دو خواہ سبا کا ملک ہو	کیونکہ دنیا سے باہر بہت سے ملک ہیں

یعنی اس کو چھوڑ دو اگرچہ وہ ملک سبا ہے کہ آب وگل سے باہر بہت سے ملک ہیں مطلب یہ کہ اس ملک ظاہر کو ترک کردو تو تم کو حقیقی ملک ملے گا۔

تختہ بنداست آنکہ تختش خواندۂ	صدر پنداری و بر در ماندۂ
جس کو تو نے تخت کہا ہے وہ کاٹھ ہے	تو نے صدر (مقام) سمجھا ہے اور تو دروازہ پر پڑا ہے

یعنی جس کو تو تخت سمجھ رہا ہے (حقیقت میں) وہ تختہ بندی ہے اور تم (اپنے کو) صدر سمجھ رہے ہو (حالانکہ) دروازہ ہی پر رہ رہے ہو۔ (تختہ بندی کہتے ہیں اس عقوبت کو کہ ہاتھ پیر ایک تختہ میں باندھ کر پھر بیت لگاتے ہیں) مطلب یہ کہ جس کو تم تخت کہہ رہے ہو وہ حقیقت میں وہ عقوبت تختہ بندی ہے اس لئے کہ تم اس میں بالکل

مجبور ہو رہے ہو جس طرح وہ شخص مجبور ہوتا ہے۔

بادشاہی نیستت بر ریش خود	بادشاہی چوں کنی بر نیک و بد
تیری اپنی داڑھی پر (بھی) حکومت نہیں ہے	ہر اچھے اور برے پر تو بادشاہی (کا دعویٰ) کیوں کرتا ہے؟

یعنی تم کو اپنی داڑھی پر تو قدرت ہے ہی نہیں تو بھلا برے بھلے پر تم کیا بادشاہی کرو گے۔

بے مراد تو شو د ریشت سفید	شرم دار از ریش خود اے کژ امید
تیری مرضی کے خلاف تیری داڑھی سفید ہو جاتی ہے	اے ٹیڑھی تمنا والے! اپنی داڑھی سے شرما

یعنی بغیر تیرے ارادہ کے تیری داڑھی سفید ہو جاتی ہے تو اے کج امید والے اپنی داڑھی سے شرم کر۔ مطلب یہ کہ تم اپنے کو بہت زبردست بادشاہ اور حاکم سمجھتے ہو۔ بھلا تم کو اپنی داڑھی پر قدرت ہے ہی نہیں کہ تم چاہتے ہو کہ سفید نہ ہو اور وہ سفید ہو جاتی ہے تو بھلا اپنی داڑھی سے ہی شرم کر کہ وہی تیرے قابو میں نہیں آتی اور تو کیا کوئی تیرے زیر قدرت ہوگا۔

مالک الملک است بر کش سر نہد	بے جہاں خاک صد ملکش دہد
جو اس (خدا) کے سامنے سر رکھدے وہ بادشاہ ہے	خاکی دنیا کے علاوہ وہ اس کو سینکڑوں سلطنتیں عطا کر دیتا ہے

یعنی وہ مالک الملک ہے جو شخص کہ اس کے آگے سر رکھے بے جہاں خاکی کے اس کو سینکڑوں ملک دے۔ مطلب یہ کہ وہ تو ایسا مالک الملک ہے کہ جو اس کی اطاعت کرے وہ اس دنیا کے ملکوں کے علاوہ باطنی ملک اس کو سینکڑوں عطا فرمادے۔ یہاں یہ شبہ ہوا کہ ہم نے تو جتنے مقبولان حق دیکھے فقر و فاقہ ہی میں دیکھے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اس کو ممالک دنیا کے علاوہ اور ملک ملیں گے یعنی یہ بھی ملیں گے تو آگے اس کا جواب دیتے ہیں کہ۔

لیک ذوق سجدۂ پیش خدا	خوشتر آید از دو صد دولت ترا
لیکن خدا کے سامنے ایک سجدہ کا ذوق	تجھے دو سو سلطنتوں سے بھلا معلوم ہو گا

یعنی لیک ایک سجدہ کا مزہ خدا کے آگے تیرے لئے دو سو ملکوں سے بہتر معلوم ہوگا۔

پس بنالی کہ نخواہم ملکہا	ملک آں سجدہ مسلم کن مرا
پھر تو روئے گا کہ میں سلطنتیں نہیں چاہتا ہوں	اس سجدہ کی سلطنت میرے لئے مقرر فرما دے

یعنی پس تو رودے گا کہ میں ملکوں کو نہیں چاہتا۔ مجھے اس سجدہ کا ملک سپرد فرما دیا جاوے۔ مطلب یہ کہ جو خدا کے بندے ہیں اور مقبولاں حق ہیں ان کو جو طاعت حق میں لطف حاصل ہوا ہے۔ اور اس کا جو ذوق ان کو نصیب ہو گیا ہے اس لئے ان ممالک دنیا کی ان کو پرواہ نہیں رہی اور اگر یہ ممالک ان کو ملتے بھی ہیں تو وہ دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ بس وہ ذوق طاعت عطا فرمادے اور جاہ و حشم دنیا کی ہمیں ضرورت نہیں ہے اس لئے وہ فقر و فاقہ میں رہتے ہیں۔

بادشاہاں جہاں از بدرگی	بو نہ بردند از شراب بندگی
دنیا کے بادشاہوں نے بدقسمتی کی وجہ سے	بندگی کی شراب کی خوشبو نہیں سونگھی

یعنی بادشاہان دنیا بدرگی کی وجہ سے شراب بندگی کی بو نہیں لے گئے یعنی ان کو اس ذوق طاعت کی ہوا بھی نہیں لگی اس لئے وہ اس جہان دنیا میں خوش ہیں۔

ورنہ ادہم وار سرگردان و دنگ	ملک را برہم زندے بے درنگ
ورنہ (حضرت) ادہمؒ کی طرح حیران اور پریشان ہوکر	فوراً سلطنت کو چھوڑ دیتے

یعنی ورنہ (ابن) ادہم کی طرح سرگردان اور دنگ (ہوکر) ملک کو بلا توقف درہم برہم کر دیتے۔

لیک حق بہر ثبات ایں جہاں	مہر شان بنہاد برچشم و دہاں
لیکن اللہ (تعالیٰ) نے اس جہان کے بقا کے لئے	ان کی آنکھ اور منہ پر مہر لگا دی ہے

یعنی لیکن حق تعالیٰ نے اس جہاں کے قیام کے لئے ان کی آنکھ اور منہ پر مہر لگا دی ہے۔

تا شود شیریں برایشاں تخت وتاج	کہ ستانیم از جہاں داران خراج
تاکہ ان کے لئے تخت و تاج شیریں بن جائے	کہ ہم دنیا داروں سے خراج لے رہے ہیں

یعنی تاکہ ان پر تخت وتاج شیریں ہو جاوے۔ کہ ہم بادشاہوں سے خراج لے رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان بادشاہان دنیا کو اس ذوق طاعت کی ہوا بھی نہیں لگی۔ ورنہ اگر ان کو ذوق طاعت نصیب ہو جاتا تو یہ بھی حضرت ابراہیم ابن ادہم کی طرح تمام ملک و مال کو چھوڑ چھاڑ کر الگ ہو جاتے مگر حق تعالیٰ نے ان لوگوں کی آنکھوں اور منہ پر مہر لگا دی ہے کہ وہ ذوق طاعت اور اس کے برکات کو نہ چکھ سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور اس مہر لگا دینے میں حکمت یہ تھی کہ یہ لوگ اس میں مشغول ہوں اور خوش ہوں کہ ہم بڑے بڑے بادشاہوں سے خراج لے رہے ہیں تو ہم بہت بڑے بادشاہ ہوئے اور اس میں خوش رہ کر دنیا کے انتظامات خوب اچھی طرح انجام دیں۔ جیسا کہ کسی کا قول ہے۔ لولا الحمقاء لخربت الدنیا آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

از خراج ار جمع آری زر چو ریگ	آخر آں از تو بماند مردہ ریگ
اگر تو خراج سے ریت کی طرح سونا جمع کر لے گا	بالآخر وہ تجھ سے وراثت میں رہ جائے گا

یعنی خراج کے ذریعہ سے اگر تو نے ریت کی طرح سونا جمع کر لیا تو آخر کار وہ تجھ سے میراث رہ جاوے گا۔

ہمرہ جانت نگردد ملک و زر	زر بدہ سرمہ ستاں بہر نظر
سلطنت اور سونا تیری روح کا ساتھی نہ بنے گا	سونا دیدے نگاہ کے لئے سرمہ لے لے

یعنی تیری جان کی ہمراہ ملک و زر نہ جاوے گا تو سونا دے دے اور نظر کے لئے سرمہ لے لے۔

یوسفانہ آں رسن آری بہ چنگ	تا بہ بینی کایں جہاں چاہیست تنگ
یوسف وار وہ رسی ہاتھ میں پکڑ لے	تا کہ تو دیکھ لے کہ یہ دنیا تنگ کنواں ہے

یعنی تا کہ تم دیکھ لو کہ یہ جہاں ایک تنگ کنواں ہے اور یوسف علیہ السلام کی طرح اس رسی کو تم چنگل میں لاؤ۔ مطلب یہ کہ اگر تم نے لوگوں سے روپیہ لے کر جمع کر بھی لیا تو انجام کار یہ ہوتا ہے کہ تم مر جاؤ گے اور وہ مال میراث کے طور پر چھوڑ جاؤ گے۔ لہٰذا تمہیں چاہئے کہ اس زر دنیا کو چھوڑ کر وہ بات حاصل کرو کہ جس سے حقیقت منکشف ہو جاوے اور تم اس دنیا کی حقیقت کو دیکھ لو کہ یہ ایک کنویں کی طرح تنگ وتاریک جگہ ہے اور پھر اس کو اس جگہ دیکھ کر یوسف علیہ السلام کی طرح اس سے پریشان ہو کر طاعت حق کی رسی پکڑ کر اس سے باہر نکل جاؤ اور تم کو بصیرت حاصل ہو جاوے۔

جاں کہ یا بشریٰ لی ہذا غلام	تا بگوید چوں ز چاہ آئی بہام
روح' میرے لئے بشارت ہے' یہ لڑکا ہے	تا کہ جب تو کنویں سے بالا خانہ پر آئے کہے

یعنی تا کہ جب تم کنویں سے باہر نکلو تو جان کہے کہ یا بشری ھذا غلام مطلب یہ کہ تم کو بصیرت حاصل ہوگی اور تم اس دنیا کے علائق سے چھوٹ جاؤ گے تو تمہاری روح خوش ہوگی اور اس کو اس دنیا سے چھٹکارا مل کر بے حد فرحت ہوگی آگے فرماتے ہیں کہ۔

کمتریں آنکہ نماید سنگ زر	ہست درچہ انعکاسات نظر
سب سے کم یہ ہے کہ پتھر سونا نظر آتا ہے	کنویں میں نظر کے عکس ہیں

یعنی کنویں میں نظر کے انعکاسات ہیں اور سب سے کم یہ ہے کہ پتھر سونا معلوم ہوتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جس طرح کہ کنویں میں جس شے کو دیکھو الٹی ہی نظر آتی ہے مثلاً اس میں کوئی جھانکے تو اس کا منہ نیچے ہے اور سر اوپر مگر کنویں میں الٹا نظر آتا ہے۔ علیٰ ہذا آسمان اوپر ہے اور اس میں نیچے نظر آتا ہے تو اسی طرح اس دنیا میں بھی حقائق پوشیدہ ہیں اور تمام الٹی نظر آتی ہیں کہ جو غیر مقصود ہے وہ مقصود نظر آتا ہے اور جو مقصود ہے وہ غیر مقصود معلوم ہوتا ہے آگے اس کے ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

می نماید آں خزفہا زر و مال	وقت بازی کودکاں را از اختلال
وہ ٹھیکریاں سونا اور مال نظر آتی ہیں	خلل (دماغی) سے کھیل کود کے وقت بچوں کو

یعنی کھیل کے وقت بچوں کو بوجہ خلل کے وہ ٹھیکرے سونا اور مال معلوم ہوتا ہے مطلب یہ کہ بچے جب کھیلتے ہیں تو ٹھیکروں کے روپے پیسے بنا لیتے ہیں اور پھر ان پر لڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارا روپیہ ہے یہ ہمارے پیسے ہیں تو اسی طرح دنیا کے مال وزر کے واسطے لوگ اپنی جانیں برباد کرتے ہیں حالانکہ حقیقت میں وہ ان ٹھیکروں کے برابر بھی قدر نہیں رکھتے جیسا کہ اس دنیا کے عقلاء بھی ان بچوں کو بیوقوف سمجھتے ہیں اس لئے کہ یہ ان

ٹھیکروں کو روپیہ پیسہ سمجھے ہوئے ہیں اسی طرح حضرات اہل اللہ تمہارے اس ظاہری سونے چاندی کو فضول اور تمہارے اس میں انہماک کو بیوقوفی خیال کرتے ہیں آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

عارفانش کیمیا گر گشتہ اند	تا کہ شد کانہا بر ایشان نژند
اس (خدا) کو پہچان جانے والے کیمیا گر بن گئے ہیں	حتیٰ کہ ان کے لئے کانیں حقیر ہو گئی ہیں

یعنی عارفان حق کیمیا گر ہوئے ہیں یہاں تک کہ معادن ان کے نزدیک حقیر وذلیل ہو گئے ہیں۔ مطلب یہ کہ حضرات اہل اللہ کیمیا گر ہیں کہ تبدیل ماہیت کرتے ہیں اور حقیقی دولت سے مالا مال کر دیتے ہیں تو ان کے نزدیک یہ معادن دنیا بالکل ہیچ اور فضول معلوم ہوتے ہیں اور وہ حضرات ان چیزوں کو بالکل ہی بیکار خیال کرتے ہیں چونکہ بیان کیا ہے کہ حضرات اہل اللہ کیمیا گر ہیں کہ تبدیل ماہیت کر دیتے ہیں۔ آگے اسی کے مناسب ایک حکایت لاتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص نے خواب میں اولیاء اللہ کو دیکھا تو عرض کیا کہ کوئی تدبیر ایسی بتایئے کہ بے کسب کے روزی مل جایا کرے۔ چونکہ کسب کرنے سے عبادت میں خلل واقع ہوتا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ پہاڑی پھل کھالیا کرو۔ اور وہ پھل سب کڑوے ہوتے تھے لیکن ان کے فرمانے کے بعد سے سارے پھل شیریں اور خوشگوار ہو گئے تو دیکھو ان حضرات کی توجہ سے ان کی تلخی مبدل بہ شیرینی ہو گئی اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

سلیمان علیہ السلام کا ان قاصدوں کی دلداری کرنا اور انکے دل سے وحشت کو دفع کرنا اور ہدیہ قبول نہ کرنے کا عذر فرمانا

ترجمہ وتشریح:۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے قاصدو میں تمہیں قاصد بنا کر بھیجتا ہوں۔ اور اس ہدیہ کو واپس کرتا ہوں اور یہ میرا واپس کر دینا تمہارے لئے اس کے لے لینے سے بہتر ہے کیونکہ اس ہدیہ کا مقصد یہ ہے کہ میں تم پر فوج کشی سے رک جاؤں اور تمہارے ساتھ مصالحت کرلوں پس اگر میں اس کو لے کر تمہارے ساتھ مصالحت کرلوں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم گمراہ رہو گے اور اگر میں نہ لوں اور مصالحت نہ کروں تو ممکن ہے کہ تم دین حق قبول کرلو۔ اس لئے اس کی واپسی ہی بہتر ہے۔ پس تم جاؤ اور جو کچھ تم نے بیاباں زر کی کیفیت عجیبہ مشاہدہ کی ہے اس کو بلقیس سے کہہ دینا۔ اور کہہ دینا ہم چالیس منزل تک سونے پر چلے ہیں اور سونے کی اس کثرت کو دیکھ کر ہم کو اپنے ہدیہ سے نہایت شرمندگی ہوتی تھی تا کہ اسے معلوم ہو جاوے کہ ہم کو سونے کی طمع نہیں ہے کیونکہ ہم کو سونے کے پیدا کرنے والے نے سونا دے رکھا ہے۔ اور وہ پیدا کرنے والا وہ ہے کہ اگر چاہے زمین کی تمام مٹی سونا اور بیش بہا موتی بن جاوے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ قیامت میں حق سبحانہ اس

زمین کو اسی لئے روپہلی بنائیں گے تا کہ یہ ظاہر ہو جاوے کہ ان کو سونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ وہ بہت کامل القدرۃ والعلم ہیں۔ اور خاکیوں کو سونا بنا دیتے ہیں پس ان کو تم سے سونا مانگنا مقصود نہیں کیونکہ وہ تو ایسے کامل القدرۃ ہیں کہ خود تم کو کیمیا گر بنا دیتے ہیں کہ تم سونا بنا سکو۔ پس جو اتنا قادر ہو وہ کسی سے سونا کیا مانگے گا۔ اس مضمون کو ختم کر کے پھر سلیمان علیہ السلام کا سلسلہ گفتگو شروع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ اگر ملک سبا کا سا زرخیز ملک تمہارے قبضہ میں ہے تو بھی تم اسے چھوڑ دو کیونکہ عالم ناسوت سے باہر عجیب عجیب اور بہت سے ملک ہیں ان پر قبضہ کرنا چاہئے اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔ دیکھو جسے تم تخت کہتے ہو یہ ٹکٹکی ہے نہ کہ تخت اور تم اپنے کو صدر کہتے ہو حالانکہ ہنوز در پر پڑے ہوئے ہو۔ دولت سرا میں تمہاری رسائی ہی نہیں۔ تم غور تو کرو کہ تم کو اپنی داڑھی پر تو بادشاہت ہے ہی نہیں پھر تم اچھی بری اشیاء پر کیا حکومت کرو گے۔ داڑھی پر حکومت ہونے کی دلیل یہ ہے کہ بلا تمہاری خواہش کے تمہاری داڑھی سفید ہو جاتی ہے۔ پس تم کو اپنی اس داڑھی سے شرمانا چاہئے کہ اس غیر محکوم داڑھی پر دعویٰ سلطنت زیب نہیں دیتا۔ مالک الملک وہ ہے جو اپنا سر اطاعت جھکا دے کیونکہ ایسے شخص کو حق سبحانہ سینکڑوں ملک معنی اس جہاں خاکی کے سوا عطا فرما دیتے ہیں لیکن خدا کے سامنے سجدہ کرنے کی لذت ایسی عجیب وغریب ہے کہ وہ تم کو سینکڑوں دولتوں سے اچھی معلوم ہوگی اور تم روؤ گے اور کہو کہ اے اللہ ہمیں ملکوں کی ضرورت نہیں ہمیں تو تو ملک سجدہ عطا فرما دے ان دنیا کے بادشاہوں کو ان کی شرارت کی وجہ سے عالم طاعت کا احساس نہیں ہوا ورنہ ابراہیم بن ادہم کی طرح متحیر اور سرگرداں ہو کر فوراً سلطنت کو الٹ پلٹ کر دیتے لیکن ان کو جو اس کا احساس نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ حق سبحانہ نے اس جہان کے قائم رکھنے کے لئے ان کے منہ اور آنکھوں پر مہر لگا دی ہے تا کہ بدیں خیال ان کے لئے یہ تخت وتاج لذیذ ہو جاوے۔ کہ ہم بادشاہوں سے خراج لیں گے مگر ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اگر ریت کے برابر بھی زرخراج جمع کر لو تو بھی تم اسے بطور ترکہ کے چھوڑ جاؤ گے اور اس ملک وزر کو اپنی جان کے ساتھ نہ لے جاؤ گے۔ پس تم کو چاہئے کہ اس دولت کو دیکر اپنی چشم باطن کے لئے سرمہ خرید لو۔ تا کہ تمہیں معلوم ہو جاوے کہ یہ جہاں ایک تاریک کنواں ہے اور تا کہ تم اس سے نکلنے کے لئے یوسفؑ کی طرح حبل اللہ المتین کو پکڑ لو جس کا نتیجہ یہ ہو کہ جب تم کنویں کی تہہ سے اس کی منڈیر پر آؤ تو تمہاری جان فرط مسرت سے یہ کہے یابشریٰ ہذا غلام یعنی ارے بڑی خوشی کی بات ہے کہ لڑکا مل گیا۔ دیکھو اس کنویں میں عام کنوؤں کی طرح الٹا دکھائی دیتا ہے اور ادنیٰ بات یہ ہے کہ پتھر سونا معلوم ہوتا ہے شاید یہ مضمون تمہاری سمجھ میں نہ آئے۔ اس لئے ہم تمہیں ایک نظیر مشاہد سے سمجھاتے ہیں دیکھو کھیل کے وقت لڑکوں کو اپنے نقصان عقل کے سبب ٹھیکرے سونا اور مال معلوم ہوتے ہیں۔ پس یہ ہی تمہاری حالت ہے برخلاف عارفان حق کے کہ وہ کیمیا گر ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک سونے کی کانیں بھی بے حقیقت ہیں اب ایک حکایت بیان کرتے ہیں جس سے عرفا کی کیمیا گری معلوم ہوتی ہو اور تم جان لو کہ ان کو تبدیل صفات واحوال اجساد وارواح میں مہارت تامہ حاصل ہے۔

شرح شبیری

ایک شخص کا مشائخ کی جماعت کو خواب میں دیکھنا اور ان سے روزی حلال بے کسب کے درخواست کرنا کیونکہ کسب کی وجہ سے عبادت میں کمی آتی تھی اور ان حضرات کا ارشاد فرمانا کہ پہاڑی میوے جو تلخ و ترش تھے کھایا کرو اور اس شخص پر ان حضرت کے ارشاد فرما دینے کی وجہ سے سب میووں کا شریں ہو جانا

آں یکے درویش گفت اندر سمر	خضریاں را من بدیدم خواب در
ایک درویش نے قصہ میں بتایا	کہ میں نے خواب میں خضریوں کو دیکھا

یعنی ایک درویش نے باتوں میں یہ بیان کیا کہ میں نے اولیاء اللہ کو خواب میں دیکھا ہے (اولیاء اللہ کو بوجہ ان کے رہبر اور رہنما ہونے کے خضریاں کہہ دیا ہے)

گفتم ایشاں را کہ روزی حلال	از کجا نوشم کہ نبود آں وبال
میں نے ان سے کہا کہ حلال روزی	جو وبال نہ بنے میں کہاں سے کھاؤں؟

یعنی میں نے ان سے عرض کیا حلال روزی میں کہاں سے کھاؤں جو وبال (جان) نہ ہو۔

مر مرا سوئے کہستاں راندند	میوہا زاں بیشہ می افشاندند
وہ مجھے پہاڑ کی جانب لے گئے	اس جنگل سے انہوں نے پھل جھاڑے

یعنی مجھے کوہستان کی طرف لے چلے اور میوے اس جنگل کے جھاڑنے لگے (اور یہ دعا فرمائی کہ)

کہ خدا شیریں بگرداں میوہ را	در دہاں تو بہمتہائے ما
کہ خدا نے وہ پھل میٹھے کر دیئے ہیں	تیرے منہ میں ہماری توجہات سے

یعنی کہ حق تعالیٰ میووں کو تیرے منہ میں شیریں کر دے۔ ہماری دعاؤں سے مطلب یہ کہ خواب میں پہاڑی میوے انہوں نے جھاڑے اور یہ دعا کی کہ خداوند کریم ان میووں کو تیرے منہ میں شیریں بنا دے کیونکہ وہ سب میوے تلخ تھے۔ اور اس دعا کی بعد یہ فرمایا کہ۔

ہیں بخور پاک و حلال و بے حسیب	بے صداع نقل و بالا نشیب
ہاں پاک اور حلال اور بے حساب کھا	بغیر درد سر کے اور اوپر اور نیچے منتقل ہونے کے

یعنی ہاں پاک اور حلال اور بے حساب کھا۔ بلا دردسری اوپر نیچے چڑھنے اور اترنے کے مطلب یہ کہ چونکہ اس شخص نے دعا کی تھی کہ ایسی حلال روزی ملے کہ کچھ کرنا نہ پڑے تو ان بزرگوں نے ارشاد فرمایا کہ بس یہ میوے جو حلال و پاک ہیں کھالیا کرو اور یہیں پہاڑی میں عبادت کیا کرو تو تم کو نہ کہیں جانا پڑے نہ آنا پڑے۔ آرام سے کھالیا کرو۔ یہاں تک تو جواب تھا آگے فرماتے ہیں کہ۔

پس مرا زاں رزق نطقے رونمود	ذوق نطق من خرد ہا در ربود
پھر اس رزق سے مجھ میں ایسی قوت گویائی رونما ہوئی	کہ میری گفتگو کا ذوق عقلوں کو حیران کر دیتا تھا

یعنی پس مجھے اس رزق سے ایک ایسی گویائی نے منہ دکھلایا کہ میرے نطق کا ذوق عقلوں کو ربودہ کرتا تھا۔ مطلب یہ کہ ان میوؤں کے کھانے سے ان کی گفتگو میں ایسی دلربائی پیدا ہوگئی کہ جو سنتا بس فریفتہ ہو جاتا اور ظاہر ہے کہ اس میں بے حد شہرت ہوتی ہے تو اس پر انہوں نے دعا کی کہ۔

گفتم ایں فتنہ است اے رب جہاں	بخششے دہ از ہمہ خلقاں نہاں
میں نے کہا اے دنیا کے پالن ہار! یہ فتنہ ہے	وہ انعام عطا فرما جو سب سے پوشیدہ ہے

یعنی میں نے دعا کی کہ اے پروردگار عالم یہ تو فتنہ ہے کوئی بخشش تمام مخلوق سے پوشیدہ عطا فرمائیے۔ مطلب یہ کہ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ یہ تو فتنہ ہوگیا کہ لوگ بڑا ماننے لگے۔ آپ اس سے بچا کر کوئی کمال ایسا عطا فرمائیے کہ جس میں کسی کو خبر نہ ہو اور نہ شہرت ہو بس اس دعا کے بعد یہ ہوا کہ۔

شد سخن از من دل خوش یافتم	چوں انار از ذوق می بشگافتم
میری قوت گویائی جاتی رہی، میں نے مطمئن دل پالیا	ذوق لطف سے میں انار کی طرح کھلتا تھا

یعنی کلام تو مجھ سے جاتا رہا اور ایک خوش دل میں نے پالیا۔ کہ انار کی طرح لذت سے میں پھٹا پڑتا تھا۔

گفتم از چیزے نباشد در بہشت	غیر ایں شادے کہ دارم در سرشت
میں نے کہا اگر جنت میں اور کوئی چیز نہ ہوگی	اس مسرت کے علاوہ جو طبیعت میں آ گئی ہے

یعنی میں کہا کرتا تھا کہ اگر کوئی چیز بہشت میں سوائے اس خوشی کے جس کو میں خمیر میں رکھتا ہوں نہ ہو۔

ہیچ نعمت آرزو ناید دگر	زیں نپردازم بجوز و نیشکر
مجھے کسی دوسری نعمت کی تمنا نہ ہوگی	اس کو چھوڑ کر میں اخروٹ اور گنے کی طرف توجہ نہ کروں گا

یعنی کسی دوسری نعمت کی آرزو نہ آوے گی اور اس کو چھوڑ کر جوز و نیشکر میں مشغول نہ ہوں۔ مطلب یہ کہ اس

فرحت کی جو مجھے اس تعلق کے ازالہ کے بعد حاصل ہوئی تھی یہ کیفیت تھی کہ میں پھٹا پڑتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ میاں جنت میں اگر کوئی نعمت بھی سوائے اس کے نہ ہو بس یہ فرحت اور سرور مل جاوے تو بھائی ہم تو اور کسی نعمت کی بھی آرزو نہ کریں بس اسی میں مگن اور خوش رہیں تو دیکھئے ان بزرگوں کی برکت سے جن کو انہوں نے خواب میں دیکھا کیسی تبدیلی ماہیت ہوگئی کہ تلخ شے شیریں ہوگئی اور یہاں چونکہ اس امر کو بیان کیا ہے کہ یہ شہرت سے بچے اور انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ مجھے اس شہرت سے نجات دے۔ جوان کو اس وعظ وغیرہ کے سبب سے ہوگئی تھی تو آگے ایک اور قصہ ان ہی بزرگ کا ایک اور بزرگ کے ساتھ بیان فرماتے ہیں جس سے اس تبدیل ماہیت کی بھی تائید ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی شہرت سے بچتے تھے۔ اور گھبراتے تھے۔ آگے قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

درویش (مذکور) کا یہ نیت کرنا کہ کچھ پیسے اس لکڑ ہارے کو دیدوں جبکہ مجھے روزی حلال میسر ہوگئی ہے اور اس لکڑ ہارے کا اسباب سے رنجیدہ ہونا

ماندہ بود از کسب یکدو حبہ ام	دوختہ در آستیں جبہ ام
کمائی میں سے میری ایک دو رتی بچ گئی تھی	جس کو میں نے جبہ کی آستین میں سی لیا تھا

یعنی کسب میں سے میرے پاس دو ایک حبہ میرے جبہ کی آستیں میں سلے ہوئے رہ گئے تھے مطلب یہ کہ وہی مذکورہ شخص جن کے لئے پہاڑی میوے شیریں ہوگئے تھے فرماتے ہیں کہ میرے جبہ کی آستیں میں پہلے جو میں کسب کیا کرتا تھا اس میں سے دو چار پیسے سلے ہوئے رہ گئے تھے اور میں نے یہ دیکھا کہ۔

آں یکے درویش ہیزم می کشید	خستہ و ماندہ ز بیشہ در رسید
ایک درویش لکڑیاں لا رہا تھا	تھکا ہارا جنگل سے آیا

یعنی ایک غریب آدمی جو لکڑیاں ڈھویا کرتا تھکا ماندہ جنگل سے پہنچا۔

پس بگفتم من زروزی فارغم	زیں سپس از بہر رزقم نیست غم
میں نے سوچا کہ میں روزی سے بے نیاز ہوں	اس کے بعد مجھے روزی کی فکر نہیں ہے

یعنی بس میں نے (دل میں) کہا کہ میں تو روزی سے فارغ ہوں اور اس (قصہ) کے بعد مجھے رزق کا کوئی غم نہیں۔ (کیونکہ)

میوۂ مکروہ برمن خوش شد ست	رزق خاصے جسم را آمد بدست
ناگوار پھل میرے لئے عمدہ ہوگئے ہیں	خاص رزق جسم کو حاصل ہو گیا ہے

یعنی ناگوار میوے میرے لئے خوشگوار ہوگئے ہیں اور جسم کے لئے ایک خاص رزق ہاتھ میں آ گیا ہے۔

چونکہ من فارغ شدستم از گلو	حبہ چند است ایں بدہم بدو
چونکہ میں حلق (کے معاملہ) سے فارغ ہوگیا ہوں	چند رتیاں ہیں یہ میں اس کو دیدوں گا

یعنی جب میں گلے سے فارغ ہوگیا ہوں تو یہ چند پیسے ہیں اسی کو دیدوں۔

بدہم ایں زر را بدیں تکلیف کش	تا دو سہ روزک شود از قوت خوش
اس مصیبت بھرنے والے کو یہ سونا دیدوں	تا کہ وہ تین دن (کے لئے) وہ خوراک سے مطمئن ہو جائے

یعنی اس زر کو اس تکلیف کھینچنے والے کو دیدوں تا کہ دو تین روز کے لئے وہ روزی سے خوش ہو جاوے۔
مطلب یہ کہ یہ جا رہے تھے تو ایک لکڑہارے کو دیکھا کہ بیچارہ جنگل سے آیا ہے لکڑیاں سر پر ہیں اور بہت ہی تھکا ماندہ ہے۔ انہوں نے سوچا کہ اب مجھے تو روزی کی فکر ہے ہی نہیں مجھے تو بےفکری سے روزی مل جاتی ہے۔ اس غریب پر سخت مصیبت سے گزرتی ہے لاؤ وہ پیسے اس کو ہی دے دیں انہوں نے دل میں یہ سوچا اور وہ صاحب کشف تھے ان کو ان کا یہ خیال معلوم ہوگیا اسی کو آگے فرماتے ہیں کہ۔

خود ضمیرم را ہمی دانست او	زانکہ شمعش داشت نور از شمع ہو
اس نے خود میرے دل کی بات جان لی	کیونکہ اس کی شمع میں اللہ (تعالیٰ) کی شمع کا نور تھا

یعنی خود وہ میرے دل کی بات کو جانتے تھے اس لئے کہ ان کی شمع شمع ہو سے نور رکھتی تھی یعنی چونکہ ان کو نور باطن نصیب تھا اس لئے انہوں نے میرے مافی الضمیر کو معلوم کرلیا۔ اور ان کی ایسی حالت تھی کہ۔

بود پیشش سر ہر اندیشۂ	چوں چراغے دردروں شیشۂ
اس کے لئے ہر خیال کا راز	آئینہ کے اندر چراغ کی طرح تھا

یعنی ان کے آگے ہر خیال کا بھید مثل چراغ کے تھا جو کہ شیشہ میں ہو۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ چراغ لال ٹین میں رکھا ہوا باوجود اندر ہونے کے باہر سے نظر آتا ہے اسی طرح ان کو دل کی باتیں باوجود ان کے اندر ہونے کے معلوم ہو جایا کرتی تھیں۔

ہیچ پنہاں می نشد ازوے ضمیر	بود بر مضمون دلہا او خبیر
دل کی کوئی بات اس سے نہ چھپی تھی	وہ دلوں کے مضمون سے واقف تھا

یعنی اس پر کوئی پوشیدہ بات چھپی نہیں تھی۔ اور وہ قلوب کے مضمون پر واقف تھے۔ مطلب یہ کہ ان کا کشف بہت ہی بڑھا ہوا تھا لہذا انہوں نے ان کے اس خیال کو بھی معلوم کرلیا اور پھر یہ ہوا کہ۔

پس ہمی منکید باخود زیر لب	در جواب فکرتم آں بوالعجب
تو وہ خود بخود آہستہ آہستہ بڑبڑایا	وہ عجب احوال والا میرے خیال کے جواب میں

یعنی پس وہ بوالعجب آپ ہی آپ زیر لب چپکے چپکے میرے خیال کے جواب میں کچھ کہنے لگے (منکیدن زیر لب آہستہ سخن گفتن بوجہیکہ دیگر نشنود) اور وہ فرمارہے تھے کہ۔

کہ چنیں اندیشی از بہر ملوک	کیف تلقی الرزق ان لم یرزقوک
تو شاہوں کے بارے میں ایسا سوچتا ہے	اگر وہ تجھے رزق نہ دیں تجھے رزق کیسے ملے؟

یعنی کہ بادشاہوں کے لئے ایسی بات سوچتا ہے اگر وہ تجھے رزق نہ دیں تو تجھے رزق کس طرح ملے۔ مطلب یہ کہ انہوں نے فرمایا کہ ایسی باتیں ایسے لوگوں کے لئے (یعنی ہمارے لئے) سوچتے ہو جو کہ بادشاہ (باطن) ہیں بلکہ یہاں تک ہے کہ تم کو بھی رزق ان ہی کی برکت سے ملتا ہے اور تم کو رزق ملنے کے بھی وہی سبب ہیں۔ تو بھلا جب تم کو بھی ان ہی کی بدولت رزق ملتا ہے تو تم کس منہ سے کہتے ہو کہ ہم ان کو دیدیں اور ان لم یرزقوک میں اضافت سبب کی طرف ہے کیونکہ دنیا میں جو نعمتیں ہوتی ہیں یہ بزرگوں کی اور اولیاء اللہ کی بدولت ہی تو ہوتی ہیں اگر چہ ان کو خبر بھی نہ ہو کہ ہم سے فلاں فیض تکوینی ہو رہا ہے۔ جیسا کہ سورج کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ میرا نور کس کس جگہ پڑ رہا ہے لیکن نور ہے کہ سب کو منور کر رہا ہے۔ اسی طرح حضرات اولیاء اللہ کو اگر چہ بعض اوقات خبر بھی نہیں ہوتی کہ ہم سے یہ فیض ہوا ہے لیکن بہت سے فیوض ان ہی کی برکت سے پہنچتے ہیں۔ تو یہ مثلاً اس جگہ سبب رزق ہیں کہ ان کی وجہ سے رزق دیا جا رہا ہے لیکن خود رزاق نہیں ہیں اسی لئے کہا گیا کہ اضافت سبب کی طرف ہے۔ خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

من نمی کردم سخن را فہم لیک	بردلم میزد عتابش نیک نیک
میں بات اچھی طرح نہ سمجھا	(لیکن) اس کے غصہ کا اثر میرے دل پر بہت زیادہ پڑا

یعنی میں بات کو سمجھتا نہ تھا لیکن میرے دل پر ان کا عتاب خوب خوب اثر کر رہا تھا۔

سوئے من آمد بہ ہیبت ہمچو شیر	تنگ ہیزم را نہاد از پشت زیر
وہ شیر کی طرح ہیبت سے میری جانب آیا	ایندھن کا گٹھر کمر سے نیچے رکھ دیا

یعنی میری طرف ہیبت کے ساتھ شیر کی طرح آئے اور لکڑیوں کے گٹھے کو کمر سے نیچے رکھ دیا۔ مطلب یہ کہ اول تو کچھ منہ ہی منہ میں کہتے رہے اور اس کے بعد گٹھا سر پر سے نیچے رکھ کر ان کی طرف آئے تو اب یہ کہتے ہیں کہ

پرتو حالے کہ او ہیزم نہاد	لرزہ بر ہفت عضو من فتاد
اس حالت کے اثر سے کہ اسے ایندھن کا گٹھر رکھا	میرے ساتوں اعضاء پر لرزہ طاری ہو گیا

یعنی اس حالت کے اثر سے جس سے کہ انہوں نے لکڑیاں رکھی تھیں میرے ساتوں اعضاء میں لرزہ پڑ

گیا۔ مطلب یہ کہ انہوں نے جو لکڑیاں جوش میں سر سے اتاریں تو اس وقت ان پر جو حالت تھی اس کے اثر سے میں کانپ اٹھا۔ اس کے بعد انہوں نے یہ دعا کی کہ۔

گفت یارب گر ترا خاصان حی اند	کہ مبارک دعوت و فرخ پے اند
اس نے کہا اے خدا! اگر تیرے مخصوص بندے زندہ ہیں	جو بابرکت دعا والے اور مبارک قدم ہیں

یعنی ان لکڑہارے صاحب نے دعا کی کہ اے اللہ اگر آپ کے خاص لوگ (اولیاء) زندہ ہیں جو کہ مبارک دعا اور مبارک قدم ہیں۔

لطف تو خواہم کہ مینا گر شود	ایں زماں ایں تنگ ہیزم زر شود
تیری وہ مہربانی چاہتا ہوں جو کیمیا گر بن جائے	اس وقت یہ ایندھن کا گٹھر سونا بن جائے

یعنی میں چاہتا ہوں کہ آپ کا لطف کیمیا گر ہو اور یہ لکڑیوں کا گٹھا سونا ہو جاوے۔ مطلب یہ کہ انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ اگر تیرے اولیاء موجود اور زندہ ہیں جو کہ مقبول الدعوات اور مبارک قدم ہیں تو میرا دل چاہتا ہے کہ ان کی برکت سے اس لکڑیوں کے گٹھڑ کو سونے کے گٹھڑ سے بدل دیجئے۔ اور ان سب کو سونا کر دیجئے۔ آگے یہ پہاڑی فقیر صاحب کہتے ہیں کہ۔

در زماں دیدم کہ زر شد ہیزمش	ہمچو آتش بر زمین می تافت خوش
میں نے اسی وقت دیکھا کہ ایندھن سنا ہو گیا	عمدگی سے زمین پر آگ کی طرح چمک رہا تھا

یعنی میں نے اسی وقت دیکھا کہ ان کی لکڑیاں سونا ہو گئیں اور آگ کی طرح زمین پر (رکھی ہوئی) چمک رہی تھیں۔

من دراں بیخود شدم تا دیر گہ	چونکہ باخویش آمدم من از ولہ
میں اس اثناء میں دیر تک بیہوش رہا	جب میں حیرانی کے بعد ہوش میں آیا

یعنی میں اس میں دیر تک بیخود رہ گیا۔ اور جب میں حیرانی سے آپے میں آیا (تو یہ ہوا کہ)

بعد ازاں گفت اے خدا گر آں کبار	بس غیورند و گریزاں ز اشتہار
اس کے بعد اس نے کہا اے خدا! اگر وہ بڑے لوگ	بہت غیرت مند اور شہرت سے بھاگنے والے ہیں

یعنی اس کے بعد انہوں نے عرض کیا کہ اے خدا! اگر وہ حضرات بہت غیور ہیں اور مشہور ہونے سے بھاگتے ہیں۔

باز ایں را بند ہیزم ساز زود	بے توقف ہم براں حالے کہ بود
اس کو پھر جلد ایندھن کا گٹھر بنا دے	بلا تاخیر اسی حالت پر جیسا کہ تھا

یعنی پھر اس کو جلدی سے لکڑیوں کی گٹھڑی بلا توقف کے اسی حالت پر جس پر کہ تھی بنا دی جائے۔ مطلب یہ کہ اول جو انہوں نے دعا کی تھی تو ان کی لکڑیاں ساری سونے کی ہو گئیں اس کو دیکھ کر ان پہاڑی صاحب کو سخت

حیرت ہوئی۔اور یہ کچھ دیر کیلئے عالم بیخودی میں آ گئے۔خیر جب ان کو اس حالت سے افاقہ ہوا اور کچھ ان کو ہوش آیا تو انہوں نے سنا کہ وہ یہ فرمارہے ہیں کہ اے اللہ اگر تیرے خاص بندے شہرت سے بھاگتے ہیں اور ان کو مشہور ہونے سے غیرت آتی ہے تو آپ ان لکڑیوں کو جو کہ سونے کی ہوگئی ہیں پھر لکڑیاں ہی بنا دیجئے کیونکہ اگر یہ اسی طرح رہیں گی تو لوگ دیکھیں گے کہ یہ ان کی دعا سے سونے کی ہوگئی ہیں تو وہ مجھے بزرگ ماننے لگیں گے۔ان کا یہ دعا کرنا تھا کہ وہ پھر لکڑیاں ہوگئیں اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

درزماں ہیزم شدآں اغصان زر	مست شد درکار او عقل و نظر
اسی وقت وہ سونے کی شاخیں ایندھن کا گٹھر بن گئیں	اس کے معاملہ میں عقل و نظر مست ہو گئی

یعنی وہ سونے کی شاخیں اسی وقت لکڑیاں ہوگئیں اور ان کے کام میں عقل و نظر ست مست تھے یعنی یہ بات نہ تو کچھ سمجھ میں ہی آتی تھی اور نہ ان آنکھوں سے کچھ دکھائی دیتا تھا بس حیرت ہی حیرت تھی۔

بعدازاں برداشت ہیزم راؤ رفت	سوئے شہر از پیش من او تیز وتفت
اس کے بعد اس نے ایندھن کا گٹھر اٹھایا اور چل دیا	شہر کی جانب میرے سامنے سے تیز اور گرم

یعنی اس کے بعد انہوں نے لکڑیاں اٹھائیں اور شہر کی طرف میرے سامنے سے تیز اور جلدی سے چل دیئے۔

خواستم تا درپئے آں شہ روم	پرسم ازوے مشکلات و بشنوم
میں نے چاہا کہ اس شاہ کے پیچھے جاؤں	اس سے مشکل باتیں پوچھوں اور سنوں

یعنی میں نے چاہا کہ ان شاہ صاحب کے پیچھے چلوں اور ان سے مشکلات (طریق) پوچھوں اور سنوں۔

بستہ کرد آں ہیبت او مرمرا	پیش خاصان رہ نباشد عامہ را
اس کی اس ہیبت نے مجھے باندھ دیا	عوام کے لئے خواص کے سامنے کوئی راستہ نہیں رہتا ہے

یعنی ان کی ہیبت نے مجھے بستہ کر دیا (مولانا فرماتے ہیں کہ) خاصان حق کے آگے عوام کو راہ نہیں ہوتی۔

مطلب یہ کہ جب دوبارہ انہوں نے دعا کی کہ اے اللہ ان کو پھر لکڑیاں بنا دے تو وہ پھر لکڑیاں ہوگئیں۔بس ان کو لے کر شہر کی طرف کو روانہ ہوگئے تا کہ ان کو فروخت کریں دیکھئے اس قصہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرات اولیاء اللہ کا فقر اختیاری ہوتا ہے۔اضطراری نہیں ہوتا بھلا دیکھئے کہ اگر اس لکڑیوں کے گٹھر کو جو سونا ہو گیا تھا یہ خرچ کرتے اور کام میں لاتے تو کیا شے مانع تھی اور کس مزہ کی زندگی کہ جب خرچ کم ہوا فوراً لکڑیاں جمع کیں اور سونا بنا لیا۔کیا کوئی کیمیاگر کر سکتا ہے لیکن ایسا نہیں کیا۔بلکہ وہی لکڑیاں لے کر بازار کو چل دیئے۔اب وہاں جا کر ان کو فروخت کریں گے جھگڑا کریں گے لڑیں گے اس کے بعد فروخت کر کے پھر اس کو کام میں لاویں گے یہی تو سنت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد خداوندی ہوا کہ احد کو سونا بنا دیا جائے تو آپ نے بھی فرمایا کہ نہیں

یا اللہ بس یہ چاہتا ہوں کہ ایک روز پیٹ بھر کر ملے تو شکر کروں اور ایک روز فاقہ ہو تو صبر کروں غرضکہ وہ لکڑیاں اٹھا کر چل دیئے تو انہوں نے چاہا کہ ان کے ساتھ ہو لوں کہ ایسا بزرگ پھر کب ملتا ہے ان سے سلوک کے متعلق جو مشکلات پیش آ رہی ہیں ان کو حل کروں یہ ارادہ کر کے انہوں نے چلنے کا قصد کیا ہی تھا کہ ان کی ہیبت کی وجہ سے ان کا قدم ہی آگے کو نہ اٹھ سکا اور یہ وہیں دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ بھلا خاصان خدا کے آگے عوام لوگ کیا چل سکتے ہیں۔ عوام کو حضرات اولیاء اللہ تک رسائی ہونا ظاہر ہے کہ سخت مشکل ہے کیونکہ وہ شاہان باطن ہیں ایک فقیر کو بادشاہوں تک رسائی ظاہر ہے کہ مشکل ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ورکسے را رہ شود گو سر فشاں	کان بود از رحمت واز جذب شاں
اور اگر کسی کے لئے راستہ ہو کہہ دو وہ سر قربان کرے	کیونکہ وہ ان کی رحمت اور کشش سے ہوتا ہے

یعنی اور اگر کسی کو رسائی ہو جاوے تو کہہ دو کہ سر قربان کر دے کیونکہ وہ ان کی رحمت اور ان کے جذب سے ہوا ہے۔

پس غنیمت دار آں توفیق را	چوں بیابی صحبت صدیق را
اس توفیق کو بہت غنیمت سمجھ	جب تو کسی صدیق کی صحبت حاصل کر لے

یعنی اس توفیق کو غنیمت سمجھو جبکہ کسی صدیق کی صحبت تم کو مل جاوے۔

نے چو آں ابلہ کہ یابد قرب شاہ	سہل و آساں در فتد آندم زراہ
نہ کہ اس بیوقوف کی طرح جس کو شاہ کا قرب حاصل ہو	اسی وقت آہستگی اور آسانی سے راہ سے بھٹک جائے

یعنی اس بیوقوف کی طرح نہ ہو جاوے کہ جس نے قرب شاہی آسانی سے پالیا تو اس وقت راستہ ہی سے پڑ جاوے۔

چوں ز قربانی دہندش بیشتر	پس بگوید راں گاو است ایں مگر
جب وہ اس کو قربانی کا زیادہ حصہ عطا کریں	تو وہ کہنے لگے کہ شاید گائے کی ران ہے

یعنی جب اس کو قربانی میں سے بہت سا دیں تو یوں کہے کہ شاید گائے کی ایک ران ہے (مولانا فرماتے ہیں کہ)

نیست ایں از گاو ران اے مفتری	ران گاوت می نماید از خری
اے جھوٹے! یہ گائے کی ران نہیں ہے	تجھے گدھے پن سے گائے کی ران دکھائی دے رہی ہے

یعنی اے بہتان لگانے والے یہ ران گاؤ سے نہیں ہے۔ تجھے گدھے پن سے ران گاؤ معلوم ہوتی ہے۔

بذل شاہان است ایں بے رشوتے	بخشش محض است ایں از رحمتے
یہ بغیر رشوت کے شاہوں کا تحفہ ہے	یہ شفقت سے خالص بخشش ہے

یعنی یہ تو بلا کسی رشوت کے بادشاہوں کی عطا ہے اور رحمت کی وجہ سے بخشش محض ہے۔ مطلب یہ ہے کہ

مولانا فرماتے ہیں کہ اول تو کسی کو حضرات اولیاء اللہ تک رسائی نہیں ہوتی۔ یہ حضرات کسی کو منہ نہیں لگاتے۔ اور اگر کسی کو رسائی ہو جاوے اور وہ حضرات کسی پر عنایت فرمادیں تو اس کو چاہیے کہ بس اپنے کو قربان کر دے۔ اور ان کی صحبت میں مٹ جاوے اور فنا ہو جاوے۔ اور اس بیوقوف کی طرح نہ ہو جاوے جس کو کہ آسانی سے قرب شاہی نصیب ہو گیا تھا اور وہ وہیں مچل گیا اور راستہ ہی میں بیٹھ گیا کہ اب مجھے کوشش کرنے کی کیا ضرورت ہے میں تو بڑے درجہ کا آدمی ہو گیا۔ اور پھر اگر اس کو عطائے شاہی ہوئی اور اس کو کچھ عنایت ہو (ران گاؤ بطور مثال کے ہے یعنی یہی کہ اس کو کچھ ملا) تو اس کو بوجہ تکبر کے حقیر سمجھنے لگا اور کہنے لگا کہ صرف فلاں چیز ملی ہے اور ملا ہی کیا ہے اسی طرح اگر حضرات اہل اللہ کچھ توجہ وعنایت فرمادیں تو اس پر اتراوے نہیں اور اس کو اپنے کیے کا ثمرہ نہ سمجھے بلکہ صرف عنایت ہی عنایت سمجھے کہ خدا کی رحمت ہے کہ ان کے قلوب کو میری طرف باوجود میرے نالائق ہونے کے اس طرح متوجہ فرمادیا اور ان حضرات کا شکریہ ادا کرے کہ وہ اس کی طرف توجہ فرماتے ہیں اور تھوڑی توجہ کو بھی بہت جانے اور حق تعالیٰ کا پھر ان کا شکریہ ادا کرے کہ ارشاد ہے کہ ان شکرتم لازیدنکم کیونکہ وہ جو کچھ عنایت ونوازش وتوجہ فرماتے ہیں اس میں ان کی تو کوئی ذاتی غرض ہے ہی نہیں بلکہ محض عنایت ونوازش ہے کہ وہ توجہ فرماتے ہیں۔ تم نے ان کو کونسا فائدہ پہنچایا ہے کہ جس کی عوض میں وہ تمہارے اوپر عنایت فرماتے ہیں اور اگر کوئی صاحب نذرانہ وغیرہ دیکر خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے فلاں بزرگ کی اس قدر خدمت کی اس لئے وہ متوجہ ہیں تو ذرا خود انصاف کر لو اور گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو کہ کیا تم دل سے اس خدمت اور دینے کو عوض سمجھتے ہو اور کیا وہ ان کی ان توجہات کا بدلا ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں وہ جو کچھ بھی کریں ان کی عنایت ہے اور بہت ہے۔ اور تم جتنا بھی کرو تمہارا فرض منصبی ہے اور کم ہے خوب کہا ہے کہ۔

منت منہ کی خدمت سلطان ہمی کنی منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

خبر بھی ہے کہ ان کو تم لوگوں سے ملنے میں اور تم سے اختلاط کرنے میں کیسی کچھ کلفت ہوتی ہے کچھ تھوڑا سا اندازہ ان کی کلفت کا اس مثال سے ہو جاوے گا کہ مثلاً کسی کا محبوب ہے اور وہ اس کو دیکھ رہا تھا اور وہ اس کے دیدار میں محو تھا کہ محبوب نے یہ حکم دیا کہ دیکھو اس طرف جو ہمارا ایک غلام حبشی بیٹھا ہے اس کو دیکھو تو اگر چہ اس وقت اس محب کی توجہ اس غلام کی طرف للمحبوب ہے اور اس کے حکم سے ہی ہے اور وہ جانتا ہے کہ جب میں نے محبوب کا کہا مانا ہے تو اس کو میرے اوپر عنایت بھی زیادہ ہو جاوے گی لیکن پھر بھی کوئی اس کے دل سے پوچھے کہ اس پر کیا گزری ہے کیا وہ اس حالت کو اس حالت سے افضل جانے گا جس میں کہ وہ مشاہدہ محبوب میں مشغول تھا۔ ہرگز نہیں اس کو اس میں سخت سے سخت کوفت ہو رہی ہے لیکن صرف اس لئے کہ حکم ہے اس طرف متوجہ ہو رہا ہے۔ اسی طرح جو اولیاء اللہ ایسے ہیں کہ جن کے سپرد تربیت خلق کر دی گئی ہے وہ خلق کی طرف متوجہ ہیں اور حکم حق بجالا رہے ہیں اور ذرا چوں وچرا نہیں کرتے بظاہر خوش بھی معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر ان کے دل سے پوچھو تو وہ یہی کہیں گے کہ اگر چہ

اس وقت بوجہ حکم محبوب کے یہی حالت افضل ہے اور ہم اسی میں لگے ہوئے ہیں اور اسی پر راضی ہیں لیکن طبعی طور پر یہی چاہتے ہیں کہ بس ہم ہوں اور جمال محبوب ہو۔ اور کہیں گے کہ اگر چہ یہ ہی واسطہ ہیں مشاہدۂ حق کے لیکن۔

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری — غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

بس اب اس سے اندازہ کرلو کہ ایسا شخص جو اس طرح متوجہ کردیا گیا ہو اس کی ذرا سی توجہ بھی غنیمت ہے ہم کو تو اس کی ذرا سی توجہ کو بھی غنیمت سمجھنا چاہئے اور اس کو چاہئے کہ وہ حق تعالیٰ کے حکم پوری طرح بجالاوے۔ اور وہ بجالاتے ہیں لیکن ہم کو ان سے اس کا متوقع رہنا کہ وہ ہماری خوشامد کریں اور ہماری قدر و منزلت کریں سخت سے سخت بیوقوفی ہے غرضکہ ان تک اگر رسائی ہو جاوے تو اس کو غنیمت سمجھے اور پھر اس کے حقوق حتیٰ الوسع ادا کرے اور اس رسائی کو اور اپنی طلب کو ان ہی کا جذب سمجھے اور ان ہی کی برکت خیال کرے ورنہ اگر وہ جذب نہ کریں تو یہ ہے کہ اس کے اندر طلب بھی باقی نہ رہے جیسا کہ بزرگوں کے قصوں سے صاف ظاہر ہے بوجہ تطویل کے مضمون کو بیان نہیں کیا گیا ہے بے حد مشہور ہیں آگے مولانا یہ بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو جس طرح کہ سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو اور ان کے لشکر کو دعوت اسلام دی تھی اور ان کو بلایا تھا تو وہ سب مسلمان ہو گئے تو یہ ان کا اسلام کی طرف میلان صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کی توجہ کی برکت سے تھا کہ انہوں نے چاہا کہ وہ مسلمان ہو جاویں۔ ورنہ اگر ان کا دل نہ چاہتا تو وہ اسلام ہی نہ لاتے اور ان کو اس طرف توجہ ہی نہ ہوتی خوب سمجھ لو۔

سلیمان علیہ السلام کا قاصدوں کو واپس جانے اور بلقیس کے ہجرت کی حرص دلانا

جذب خیل و لشکر بلقیس کرد	ہمچنانکہ شہ سلیماں در نبرد
بلقیس کی جماعت اور لشکر کو کھینچ لیا	جیسا کہ شاہ سلیمانؑ نے جنگ میں

یعنی جس طرح کہ شاہ سلیمان علیہ السلام نے مقابلہ کے وقت بلقیس کے خیل و لشکر کو جذب کیا (اور فرمایا کہ)

کہ برآمد موجہا از بحر جود	کہ بیائید اے عزیزان زود زود
کیونکہ سخاوت کے سمندر میں موجیں اٹھنے لگی ہیں	کہ اے عزیزو! جلد جلد آ جاؤ

یعنی کہ اے عزیز و جلدی جلدی آ ؤ کہ جود حق کے دریا میں موجیں نکل رہی ہیں۔

جوش موجش ہر زمانے صد گہر	سوئے ساحل می فشاند بے خطر
ہر وقت اس کی موج کا جوش سینکڑوں موتی	بغیر کسی خطرے کے ساحل کی جانب پھینک رہا ہے

یعنی ساحل کی طرف بلا کسی خطرہ کے اس کی موج کا جوش ہر گھڑی سینکڑوں موتی ڈال رہا ہے۔ مطلب یہ کہ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے لوگو جلدی دوڑو کہ اس وقت موج رحمت جوش میں ہے اور فیوض و برکات نازل ہورہے ہیں لہذا جلدی سے آ کران فیوض سے دامن بھرلو۔

الصلا گفتیم اے اہل رشاد	کایں زماں رضواں در جنت کشاد
اے ہدایت پانے والو! ہم نے دعوت دیدی	کیونکہ اس وقت رضوان نے جنت کا دروازہ کھول دیا ہے

یعنی اے اہل رشاد ہم نے منادی کردی ہے کہ اس وقت رضوان نے جنت کا دروازہ کھول رکھا ہے مطلب یہ کہ اس وقت فیوض و برکات نازل ہورہے ہیں چلو اور لوٹو۔

پس سلیمان گفت اے پیکاں روید	سوئے بلقیس و بدین دین بگروید
پھر سلیمان نے کہا اے قاصدو! جاؤ	بلقیس کی جانب اور اس دین کے گرویدہ ہوجاؤ

یعنی پھر سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے قاصدو بلقیس کی طرف لوٹ جاؤ اور اس دین کی طرف گرویدہ کرو۔

پس بگوئیدش بیا اینجا تمام	زود کان اللہ یدعوبا السلام
پھر اس سے کہو مکمل طور پر یہاں آ جائے	جلد کیونکہ اللہ (تعالیٰ) سلامتی کی طرف بلاتا ہے

یعنی پھر اس سے کہو کہ یہاں جلدی سے بالکل آ جاوے کہ اللہ تعالیٰ سلامتی کی طرف بلا رہے ہیں (کان اللہ یدعوا اصل میں کہ ان اللہ یدعو تھا۔ ہمزہ کو قرأت میں گرادیا گیا ہے) آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ہیں بیا اے طالب دولت شتاب	کہ فتوح ست ایں زمان وفتحباب
ہاں اے دولت کے طالب! جلد آ جا	کیونکہ اس وقت انعامات اور دروازے کی کشادگی ہے

یعنی کہ ہاں اے دولت کے طالب جلدی سے آ جا کہ اس وقت فتوح ہیں اور فتح باب ہے۔ مطلب یہ کہ طالب سے فرماتے ہیں کہ یہاں آ جاؤ اس وقت فیوض و برکات سے مالا مال ہوجاؤ۔ جس طرح کہ سلیمان علیہ السلام اپنے زمانہ میں بلا رہے ہیں تمہارے زمانہ میں بھی تمہارے لئے سلیمان موجود ہیں ان کے پاس جاؤ اور مالا مال ہوجاؤ اور اپنے مطلوب حاصل کرلو۔ یہ تو طالب کو ارشاد تھا آگے غیر طالب کو خطاب ہے کہ۔

اے کہ تو طالب نہ تو ہم بیا	تا طلب یابی ازاں یار وفا
اے وہ کہ جو طالب نہیں ہے! تو بھی آ جا	تاکہ تو اس باوفا دوست سے حاصل کرلے

یعنی اے وہ شخص جو کہ طالب نہیں ہے تو بھی آ جا تا کہ تو اس یار وفا سے طلب پاوے۔

مطلب یہ کہ مولانا جوش میں فرماتے ہیں کہ میاں جو طالب ہیں وہ آویں گے تو ان کو ان کا مطلوب مل جاوے گا اور جو طالب نہیں ہیں وہ بھی آ جاویں کہ ان حضرات کے فیض صحبت سے ان میں طلب پیدا ہوجاوے گی۔ غرضکہ طالب ہوتو مقصود کے حصول کے لئے آ جاؤ اور اگر طلب ہی نہیں ہے تو طلب پیدا کرنے کے لئے آ

جاؤ ہاں ایک کام ہر حالت میں تم کو کرنا ہوگا وہ یہ کہ۔

ملک برہم زن تو ادہم وار زود	تا بیابی ہمچو او ملک خلود
تو ادہم کی طرح جلد ملک کو خیرباد کہہ دے	تاکہ تو اس کی طرح ہمیشگی کی سلطنت حاصل کر لے

یعنی ابن ادہم کی طرح ملک کو جلدی درہم برہم کر دو تاکہ تم ان کی طرح ملک خلود پاؤ۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ حضرت ابراہیم ابن ادہم نے حصول مقصود کے لئے ملک کو جو کہ مانع طریق تھا چھوڑ دیا تھا تب ان کو مقصود ملا تھا بس اسی طرح تم بھی موانع کو مرتفع کر دو اور اس کے بعد آ جاؤ پھر ان دونوں حالات مذکورہ میں سے جو حالت بھی ہوگی وہ درست ہو جاوے گی چونکہ حضرت ابراہیم ابن ادہم کا ذکر آ گیا تو آگے ان کے ترک سلطنت کے قصہ کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

سلیمان علیہ السلام کا قاصدوں کو واپس جانے اور بلقیس کی ہجرت کی حرص دلانا

ترجمہ وتشریح:۔ ایک فقیر نے اثنائے گفتگو میں بیان کیا کہ میں نے خضر علیہ السلام کی طرح کچھ اصحاب خدمت اہل اللہ کو خواب میں دیکھا اور میں نے ان سے سوال کیا کہ روزی حلال جو کہ وبال جان نہ ہو میں کہاں سے کھاؤں اس پر وہ مجھے پہاڑوں میں لے گئے اور ایک بن میں سے کچھ میوے گرائے اور کہا کہ لو خدائے تعالیٰ نے ہماری دعاؤں کی برکت سے تمہارے منہ میں ان میووں کو شیریں کر دیا (ایک کیمیا گری تو یہ ہوئی) تم انہیں کھاؤ کہ یہ حلال اور بے حساب ہیں۔ نہ ان کی تحصیل میں کوئی دردسر ہے۔ اور نہ انتقال مکانی کہ اوپر آ جاؤ اور نیچے آ ؤ۔ (مراد نفی مشقت کسب ہے) یہ خواب دیکھ کر میں نے وہ میوے کھانے شروع کئے اور اس رزق حلال کے کھانے سے مجھ میں وہ قوت گویائی پیدا ہو گئی کہ میری گفتگو کی لذت عقلوں کو کھوئے دیتی تھی (دوسری کیمیا گری یہ ہوئی) یہ دیکھ کر میں نے حق سبحانہ سے دعا کی کہ اے اللہ یہ تو میرے لئے فتنہ کا سبب ہے۔ آپ مجھے ایسا عطیہ فرمائیں جس کی کسی کو خبر نہ ہو۔ سو میری یہ دعا مقبول ہوئی اور وہ گویائی مجھ سے جاتی رہی (تیسری کیمیا گری یہ ہوئی) مگر اس کے عوض قلب پاکیزہ مجھے عطا ہوا۔ (چوتھی کیمیا گری یہ ہوئی) جس کی لذت سے میں انار کی طرح کھلتا تھا اور کہتا تھا کہ بہشت میں سوائے اس خوشی کے جو کہ میری طبیعت میں ہے اگر اور کوئی چیز نہ ہو تو مجھے اور کسی نعمت کی آرزو نہ ہو اور اگر لذائذ جسمانیہ بھی وہاں ہوں تو میں اسے چھوڑ کر ان میں کبھی مشغول نہ ہوں۔ یہ قصہ تو ہو چکا اب سنو کہ میرے پاس میری کمائی کے کچھ دام باقی تھے جو میرے جبہ کی آستین میں سلے ہوئے تھے۔ اتفاقاً ایک

فقیر لکڑیاں لئے ہوئے بن سے تھکا ماندہ آ رہا تھا اس کی حالت دیکھ کر میں نے اپنے جی میں کہا کہ میں تو رزق کی طرف سے بے فکر ہوں یہ کچھ دام ہیں میں اسے دیدوں اور اس بیچارے تکلیف برداشت کرنے والے فقیر کے حوالہ کر دوں تا کہ دو تین روز کے لئے یہ غذا سے خوش ہو جاوے وہ میرے خیال کو جانتا تھا کیونکہ اس کی شمع میں شمع الٰہی کا نور تھا۔ جیسا حدیث شریف میں آیا ہے۔ اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور الله اور اس لئے خیال باطنی اس کے لئے ایسا تھا جیسا فانوس کے اندر چراغ کہ جس طرح فانوس مانع رویت چراغ نہیں ہوتا۔ یوں ہی قلب بھی مانع اور اک خیال نہ تھا اور کوئی خیال اس سے پوشیدہ نہ رہتا تھا کیونکہ وہ تمام دلوں کے خیالات پر مطلع تھا۔ (مقصود صرف اظہار کثرت کشف ہے اور استغراق عرفی ہے نہ کہ حقیقی فتنبه له) پس میرے اس خیال کو معلوم کر کے وہ حیرت انگیز فقیر میرے خیال کے جواب میں منہ ہی منہ میں کچھ کہتا تھا میں سمجھتا ہوں کہ وہ یہ کہتا تھا کہ ہیں بادشاہوں کی نسبت تیرا یہ خیال ہے۔ بتا تو سہی اگر یہ لوگ تجھے رزق نہ دیں تو تو کہاں سے رزق پائے۔ (مقصود یہ ہے کہ تجھے جو رزق حلال ملا ہے جس کے بھروسہ پر تو یہ سخاوت کرنا چاہتا ہے وہ تو ہماری ہی برکت سے ملا ہے پھر تو ہم کو بھوکا سمجھتا ہے اور یہ معنی نہیں ہیں کہ دنیا بھر کو رزق یہ ہی لوگ دیتے ہیں) میں اس کی بات کو سمجھتا نہ تھا مگر انکا عتاب میرے دل پر نہایت گہرا اثر کرتا تھا الغرض وہ شیر کی طرح میری طرف آیا اور لکڑیوں کے گٹھے کو کمر سے نیچے رکھ دیا اس نے جو ایک خاص کیفیت سے اس گٹھے کو رکھا اس کے پرتو سے میرے تمام جسم میں لرزہ پیدا ہو گیا اس نے لکڑیاں رکھ کر دعا کی اور کہا اے اللہ اگر تیرے خاص بندے زندہ ہیں جو کہ مبارک دعا اور فرخ قدم ہیں۔ تو میں چاہتا ہوں کہ آپ کی عنایت کاریگری کرے اور اسی وقت یہ لکڑیاں سونا ہو جائیں میں نے دیکھا کہ فوراً وہ لکڑیاں سونا ہو گئیں (یہ پانچویں کیمیا گری ہے) اور آگ کی طرح زمین پر پڑی دہک رہی تھیں۔ اس واقعہ سے کچھ دیر تو میں بے خود رہا اس کے بعد مجھے ہوش آیا۔ پس جبکہ مجھے ہوش آیا تو اس نے کہا کہ اے اللہ اگر وہ تیرے بزرگ بندے بے حد غیرت مند اور شہرت سے بھاگنے والے ہیں تو پھر تو ان کو فوراً ویسی ہی لکڑیاں کر دے جیسی تھیں۔ اس دعا کے بعد وہ سونے کی سریاں فوراً لکڑیاں ہو گئیں (یہ چھٹی کیمیا گری ہوئی) ان کے اس کام سے عقل و فکر بے خود تھے۔ کہ اے اللہ یہ معمولی شخص اور اس کے اندر یہ جوہر بھرا ہوا ہے۔ اس کے بعد اس نے لکڑیاں اٹھائیں اور میرے آگے آگے شہر کی جانب تیز چال سے چل دیا میں نے بہت چاہا کہ اس کے پیچھے جاؤں اور اپنی مشکلات کو اس کے سامنے پیش کروں اور جواب سنوں۔ لیکن اس کی ہیبت نے مجھے باندھ دیا کہ میں قدم ہی نہ اٹھا سکا اور چلتا کیونکر عوام تو خواص تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔ اور اگر کوئی پہنچ جاوے تو اس سے کہو کہ ارے خوشی سے جھوم کہ یہ ان کی رحمت اور ان کا جذب ہے اور جبکہ کسی صدیق کی صحبت نصیب ہو جاوے تو اس توفیق کو غنیمت سمجھ اور اس احمق کی طرح نہ ہو۔ جس کو آسانی سے قرب شاہ میسر ہو جاوے اور وہ اس کی قدر نہ کرے اور راہ راست سے ہٹ جاوے اور جبکہ اس کو قربانی سے زیادہ حصہ دیں تو وہ اس کی قدر نہ کرے اور کہے کہ یہ ہے ہی کیا یہ تو گائے کی ران ہے۔ ارے مفتری یہ گائے کی ران نہیں ہے بلکہ تجھے تیری حماقت کے سبب گائے کی

ران معلوم ہوتی ہے یہ عطیہ شاہی ہے جو کہ بے رشوت تجھے ملا ہے۔ اور فرط کرم سے عطائے خالص ہے تو صورت کو دیکھتا ہے حقیقت کو نہیں دیکھتا اور یہ ایسی ہی بخشش ہے جیسے سلیمان علیہ السلام نے محض براہ کرم بلقیس اور اس کے لشکر پر کی تھی کہ انہیں کھینچ لیا تھا۔ اور کہا تھا کہ جلدی ہی آؤ کہ بحر سخاوت میں موجیں اٹھ رہی ہیں اور ہر موج ساحل پر بے کھٹکے سینکڑوں موتی پھینک رہی ہے اب مولانا جوش میں آ کر بنا بر استحضار واقعہ فرماتے ہیں کہ طالبین ہدایت کو اعلان عام ہے کہ وہ آئیں اور جنت میں داخل ہوں۔ کیونکہ اس وقت رضوان نے دروازہ بہشت کھول رکھا ہے اور ہر شخص کو اندر جانے کی عام اجازت ہے۔ اور یہ ممکن ہے کہ حضرت سلیمان ہی کا مقولہ ہو مگر خلاف ذوق ہے۔ خیر تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے قاصد بلقیس کے پاس جاؤ اور اس دین حق کو قبول کرلو اور اس سے کہدو کہ بہت جلد ہمارے پاس آ جاؤ کہ اللہ جل جلالہ سلامتی کے ساتھ بلا رہے ہیں اب مولانا پھر جوش میں آتے ہیں اور بناء علی الاستحضار الواقعہ فرماتے ہیں۔ اے طالب دولت دیکھ جلد آ کہ اس وقت دولت مفت مل رہی ہے۔ اور خزانہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اور کچھ طالبوں ہی کی تخصیص نہیں بلکہ غیر طالبوں کو بھی بلایا جاتا ہے تاکہ اس بار وفادار (حق سبحانہ) کی طرف سے تمہیں طلب نصیب ہو اور ملک و سلطنت کو ابراہیم بن ادہم کی طرح فوراً درہم برہم کردے۔ تاکہ تم کو ان کی طرح ملک باقی الی الابد نصیب ہو۔ اب سلطان ابراہیم بن ادہم کے ترک سلطنت کا واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح شبّیری

ابراہیمؒ بن ادہم کی ہجرت اور ملک خراسان کو چھوڑ دینے کا سبب

حارسان بر بام اندر دارو گیر	خفتہ بود آں شہ شبانہ بر سریر
محافظ بالا خانہ پر نگرانی میں تھے	وہ شاہ رات کو تخت پر سوئے ہوئے تھے

یعنی وہ بادشاہ رات کو تخت پر سو رہے تھے اور چوکیدار کوٹھے پر پکڑ دھکڑ میں تھے۔ یعنی چوکیدار پہرہ دے رہے تھے اور حضرت ابراہیم بن ادہمؒ سو رہے تھے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

کہ کند زاں دفع دزدان و رنود	قصہ شہ از حارساں آنہم نبود
کہ ان کے ذریعہ رندوں اور چوروں کو دفع کریں	شاہ کا مقصد محافظوں سے یہ بھی نہ تھا

یعنی بادشاہ کا قصہ چوکیداروں سے یہ نہیں تھا کہ ان کے ذریعہ سے چوروں اور رندوں کو دفع کرے (کیونکہ)

فارغ است از واقعہ ایمن دل ست	او ہمی دانست کاں کو عادل ست
حادثہ سے بے نیاز ہے مطمئن دل ہے	وہ جانتا تھا کہ وہ منصف ہے

یعنی کہ وہ جانتے تھے کہ جو شخص کہ عادل ہے وہ کسی واقعہ ہونے سے بے فکر ہے اور بے خوف دل والا ہے۔

نے بہ شب چوبک زناں بر بام ھا	عدل باشد پاسبان کامہا
نہ کہ رات کو بالا خانہ پر ڈنکا پیٹنے والے	مقاصد کا محافظ انصاف ہوتا ہے

یعنی مقاصد کا پاسبان عدل ہوتا ہے نہ کہ رات کو کوٹھے پر نقارہ بجانے والے مطلب یہ کہ انسان کے مقاصد کو پورا کرنے والا اور ان میں رکاوٹ نہ پیدا کرنے والا تو عدل ہے ورنہ چوکیدار جو رات کو نقارہ بجاتے ہیں ان سے کیا پاسبانی ہو سکتی ہے غرضکہ حضرت ابراہیم بن ادہم کو ایں میں تو پورا توکل تھا اور وہ جانتے تھے کہ مجھے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ تو پاسبانوں اور نقاروں وغیرہ سے مقصود نگہبانی تو تھی نہیں۔

ہمچو مشتاقان خیال آں خطاب	لیک بد مقصودش از بانگ رباب
جو اس خطاب کے خیال کے مشتاقوں کا ہوتا ہے	لیکن رباب کی آواز سے ان کا مقصد (وہ تھا)

یعنی لیکن مقصود ان کا باجے کی آواز سے مشتاقوں کی طرح اس خطاب کا خیال تھا۔ مطلب یہ کہ روز ازل میں جو تمام ارواح سے خطاب کیا گیا تھا اس میں چونکہ لذت تھی اور وہی لذت اس میں بھی آتی تھی کہ جب نفیری یا دہل بجتا تھا تو ان کو وہ آوازیں وہاں کی یاد آ جاتی تھیں۔ بس اس لئے تمام پاسبانوں کو جمع کر رکھا تھا کہ ان کے ذریعہ سے یہ آوازیں سننے میں آتی ہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ

چیز کے ماند بداں ناقور کل	نالۂ سرنائے تہدید دہل
اس بڑے صور سے کچھ مشابہت رکھتی ہے	نفیری کی فریاد اور ڈھول کی دھمک

یعنی بانسلی کا نالہ اور ڈھول کی آواز کچھ کچھ اس ناقور کل کے مشابہ ہے۔ مطلب یہ کہ یہاں کی یہ آوازیں چونکہ ان آوازوں کے مشابہ تھیں جن کو کہ عالم غیب میں سنا تھا اس لئے روح کو ان کی طرف کشش ہوتی ہے آگے اس پر تفریع فرماتے ہیں کہ۔

از دوار چرخ بگرفتیم ما	پس حکیماں گفتہ اند ایں لحنہا
ہم نے آسمان کی گردش سے لئے ہیں	حکماء نے کہا ہے کہ یہ راگ

یعنی پس حکیموں نے کہا ہے کہ ہم نے ان لحنوں کو آسمان کے چکروں سے لیا ہے۔

می سرایندش بطنبور و بحلق	بانگ گردشہائے چرخ ا - اینکہ خلق
طنبورے اور گلے سے گاتے ہیں	یہ آسمان کی گردشوں کی آواز ہے جس کو لوگ

یعنی آسمان کی گردشوں کی آواز ہے جس کو خلق طنبور اور حلق سے گاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اوپر جو کہا ہے کہ یہ آوازیں وہ ہیں جن کو روز ازل میں روح نے سنا ہے اس لئے ان سے مانوس ہے یہاں اس پر تفریع فرماتے ہیں کہ دیکھئے حکماء اشراقیین نے کہا ہے کہ جس قدر راگ ہیں یہ سب دوار چرخ سے لیا ہے یعنی آسمان جو چلتا ہے تو

اس میں بے حد سریلی آوازیں پیدا ہوتی ہیں۔ان کو کسی حکیم نے جو کہ اشراقیین میں سے تھا اور فن موسیقی کا موجد ہے اپنے کشف کے ذریعہ سے معلوم کر کے دنیا میں ان کی مشابہ باجے اور راگنی نکال دیں۔تو دیکھئے حکماء بھی اس کے قائل ہیں کہ یہ آوازیں عالم غیب ہی کی ہیں اب چونکہ ان کی نگاہ ظاہر تک پہنچی انہوں نے ان کو دوار چرخ کی آوازیں بتلایا اور صرف یہیں تک ان کی رسائی ہوئی اور جو کامل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ۔

مومناں گویند کاثار بہشت	نغز گردانید ہر آواز زشت
مومن کہتے ہیں کہ بہشت کے آثار نے	ہر بھدی آواز کو حسین بنا دیا ہے

یعنی مومنین کاملین فرماتے ہیں کہ بہشت کے آثار نے ہر بری آواز کو اچھا بنا دیا ہے مطلب یہ کہ کاملین یہ فرماتے ہیں کہ یہ سب چیزیں جنت میں ہیں اور ان کے آثار دنیا میں آئے تو ان آثار کی بدولت دنیا کی آوازیں وغیرہ بھی عمدہ اور دلفریب ہو گئیں تو حکماء آسمان کی آواز بتاتے ہیں اور مومنین کاملین جنت کی آوازیں بتاتے ہیں غرضکہ ہیں دونوں صورت میں وہیں کی آوازیں اسی لئے روح ان سے مانوس ہے آگے یہی فرماتے ہیں کہ۔

ماہمہ اجزائے آدم بودہ ایم	در بہشت آن لحنہا بشنودہ ایم
ہم سب (حضرت) آدم کے اجزاء تھے	ہم نے وہ راگ بہشت میں سنے ہیں

یعنی ہم سب آدمؑ کے اجزاء تھے تو ہم سب نے بہشت میں وہ آوازیں سنی ہیں۔

گرچہ برما ریخت آب وگل شکے	یاد ماں آید ازانہا اند کے
اگرچہ پانی اور مٹی نے ہمیں شک میں ڈال دیا ہے	ان سے ہمیں ان کی کچھ یاد آ جاتی ہے

یعنی اگرچہ ہم پر آب وگل نے ایک شک ڈال دیا ہے (لیکن) ہم کو اس میں سے کچھ یاد آتا ہے مطلب یہ کہ ہم نے چونکہ ان آوازوں کو سنا ہے اس لئے ہماری روح ان سے مانوس ہے۔اور اگرچہ بوجہ تعلق ناسوت کے اس اثر میں کمی ہو گئی ہے لیکن آخر کچھ کچھ تو یاد آ ہی جاتا ہے۔جیسا کہ بعض بزرگوں نے تو یہاں تک بیان کیا ہے کہ ہمیں وہ آواز جو ازل میں عہد لیا گیا تھا کہ الست بربکم اب تک آ رہی ہے۔اسی کو حضرت شیخ شیرازیؒ فرماتے ہیں کہ۔

الست از ازل ہمچناں شاں بگوش بفریاد قالوا بلیٰ در خروش

غرضکہ وہ فرماتے ہیں کہ وہ آواز بلند ہے۔کہ اب تک آ رہی ہے لیکن بوجہ غلبۂ ناسوت کے ہر شخص کو سنائی نہیں دیتی۔تو بعض مرتبہ یہاں کی آوازیں سن کر اس طرف توجہ ہو جاتی ہے اور اس آواز کی طرف التفات ہو جاتا ہے۔تو اس سے متلذذ ہوتے ہیں اور ظاہر میں لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ اس آواز سے خوش ہو رہے ہیں غرضکہ ان کو اس میں لذت آتی ہے اگرچہ بوجہ تعلق ناسوت کے وہ لذت اصلی تو نہیں آتی۔لیکن پھر بھی کچھ نہ کچھ اثر اسی کا ہے۔آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

لیک چوں آمیخت با خاک وکرب	کے دہد ایں زیر وایں بم آں طرب
لیکن چونکہ وہ (نغمے) مصیبتوں کی مٹی میں مل گئے ہیں	تو یہ نیچے اونچے سر وہ مزا کہاں دیتے ہیں؟

یعنی لیکن جب خاک اور کرب میں مل گیا ہے تو یہ زیر وبم وہ طرب کب دیتی ہیں۔ مطلب یہ کہ بوجہ تعلق ناسوت کے وہ لذت جو اصل ہے وہ تو بھلا کہاں آسکتی ہے لیکن خیر کچھ تھوڑی بہت لذت آہی جاتی ہے۔ آگے اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

آب چوں آمیخت با بول وگمیز	گشت ز آمیزش مزاجش تلخ وتیز
جب پانی پیشاب اور گندگی سے مل گیا	ملاوٹ سے اس کا مزاج تلخ و تیز ہو گیا

یعنی پانی جب پیشاب اور گندگی میں مل گیا تو اس کے ملنے کی وجہ سے تلخ وتیز ہو گیا ہے (لیکن)

چیز کے از آب ہستش در جسد	بول زاں رو آتشے را می کشد
اس کے وجود میں کچھ پانی ہے	پیشاب اسی وجہ سے آگ کو بجھا دیتا ہے

یعنی کچھ پانی میں سے اس کے جسم میں باقی ہے۔ اسی لئے بول آگ کو بجھا دیتا ہے۔

گر نجس شد آب ایں طبعش بماند	کاتش غم را بطبع خود نشاند
پانی اگرچہ ناپاک ہو گیا اس کا مزاج باقی رہ گیا	کہ وہ غم کی آگ کو اپنے مزاج سے بجھا دیتا ہے

یعنی اگرچہ پانی نجس ہو گیا (لیکن) اس کی یہ طبیعت باقی رہ گئی کہ آتش غم کو اپنی طبیعت سے اس نے بجھا دیا مطلب یہ کہ دیکھو پانی پیشاب میں مل کر گندہ ہو گیا ہے۔ اور اس کو پانی نہیں کہا جاتا اور اگر کہا جاتا ہے تو نجس اور خراب اور اب اس میں وہ لذت اور شیرینیت نہیں رہی لیکن ایک اثر ماہیت کا اس میں اب بھی موجود ہے کہ وہ آگ کو بجھا دیتا ہے تو دیکھئے اس میں ماہیت کا ایک اثر باقی ہے اسی طرح اگرچہ دنیا میں ہماری روح پر غلبہ ناسوت کا ہو گیا ہے لیکن پھر بھی ایک اثر وہاں کا باقی ہے کہ اس کی وجہ سے کچھ لذت آجاتی ہے آگے مولانا گویا کہ سماع کے متعلق فیصلہ فرماتے ہیں کہ۔

پس غذائے عاشقاں آمد سماع	کہ درو باشد خیال اجتماع
سماع عاشقوں کی غذا بن گئی	کیونکہ اس میں وصل کا خیال ہوتا ہے

یعنی پس عاشقوں کی غذا سماع آگئی ہے کہ اس میں اجتماع کا خیال ہوتا ہے۔

قوتے گیرد خیالات ضمیر	بلکہ صورت گردد از بانگ وصفیر
دل کے خیالات قوت حاصل کرتے ہیں	بلکہ آواز اور نغمہ سے مجسم بن جاتے ہیں

یعنی خیالات دل کو ایک قوت حاصل ہوتی ہے بلکہ بانگ وصفیر سے صورت ہو جاتی ہے۔

آتش عشق از نواہا گشت تیز	آنچنانکہ آتش آں جوز ریز
عشق کی آگ نغموں سے تیز ہو جاتی ہے	جس طرح سے اس اخروٹ گرانے والے کی آگ

یعنی عشق کی آگ ان کی آوازوں سے تیز ہو جاتی ہے جیسا کہ اس اخروٹ ڈالنے والے کی آگ مطلب یہ ہے کہ مولانا فرماتے ہیں کہ سماع عشاق کی غذا ہے کیونکہ ان کی توجہ سماع کے ذریعہ سے حق تعالیٰ کی طرف اور آخرت کی چیزوں کی طرف ہو جاتی ہے اور اس سے ان کے خیالات قلبی کو قوت ہوتی ہے۔ اور آگ عشق حق کی ان کی دل میں بھڑکتی ہے تو ان کو اس سے فائدہ ہوتا ہے پس یہ گویا کہ فیصلہ ہے سماع کے متعلق اس لئے کہ ہر شخص اپنی اپنی حالت کا اندازہ کر لے اور موازنہ کر لے۔ کہ آیا سماع سے اس کی یہ حالت ہوتی ہے یا خواہشات نفسانی میں ترقی ہوتی ہے اگر اول صورت ہے تو اس کو ملامت نہ ہوگی اگرچہ جائز بھی نہ کہا جاوے گا لیکن بوجہ مجبور ہونے کے ملامت نہ ہوگی اور جس کو صورت ثانی پیش آتی ہے اس کو یقیناً ملامت ہوگی اور قطعی حرام ہے بلکہ صورت اول میں تو فائدہ ہوتا ہے اور ثانی صورت میں ظاہر ہے کہ ضرر بلکہ ہلاکت ہے خوب سمجھ لو۔ آگے ایک حکایت لاتے ہیں جس کی کہ مثال دی ہے کہ ہمچنانکہ آتش آں جوز ریز۔ خلاصہ حکایت کا یہ ہے کہ ایک شخص کو پیاس لگ رہی تھی اور پانی ایک گہرے گڑھے میں تھا۔ جہاں یہ پہنچ نہ سکتا تھا۔ تو اس نے یہ کیا کہ ایک اخروٹ کے درخت پر چڑھ کر اس کو ہلایا۔ تو اس میں سے جو اخروٹ پانی میں گرتے اور پانی کی آواز اس کے کان میں آتی اور بلبلے دیکھتا تو یہ خوش ہوتا۔ اسی طرح جو شخص کہ اول پیاس لگا چکا ہو اور وہ سماع سنے اس کو مجبور کہہ کر ملامت نہ کریں گے خوب سمجھ لو۔ آگے اس جوز ریز کی حکایت سنو۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ حضرت ابراہیمؒ بن ادہم رات کو اپنے تخت پر سو رہے تھے اور کوٹھے پر پہرہ دار اپنا فرض منصبی انجام دے رہے تھے۔ لیکن بادشاہ کا مقصود اس پہرہ کے قائم کرنے سے یہ نہ تھا کہ چوروں اور بدمعاشوں کو روکا جائے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جو شخص عادل ہوگا اس کو کسی واردات کا کھٹکا نہ ہوگا۔ اور وہ اس کی طرف سے بے فکر ہوگا کیونکہ عدل ہی لوگوں کے مقاصد کا پہریدار ہے۔ نہ کہ کوٹھے پر بیٹھ کر باجا بجانے والے بلکہ مقصود ان پاسبانوں کے مقرر کرنے اور ان کے باجا بجانے سے عشاق کی طرح اس خطاب ازلی کی یاد الٰہی جو کہ سبب بقائے عالم ہے اور جو کہ ارواح کو اس وقت سنایا گیا تھا جبکہ ان کو قوالب انسانی میں داخل ہونے کا حکم ہوا تھا۔ تا کہ وہ اس کی لذت سے مست ہو کر ان میں داخل ہو جائیں اور متوحش نہ ہوں۔ کیونکہ سرنا اور ڈھول کی آواز کسی قدر اس صور کلی یعنی خطاب ربانی سے جو کہ سبب بقائے عالم ہے کسی قدر ملتی ہے۔ جبکہ سلسلہ گفتگو بیان نغمات تک منجر ہو گیا تو اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اصل کو بیان کر دیا جاوے پس سنو کہ اس کی اصل میں اختلاف ہے حکماء کہتے ہیں کہ یہ راگ ہم نے گردشہائے فلکیہ اور ان کی آوازوں سے اخذ کئے ہیں اور جو یہ لوگ طنبور وغیرہ

باجوں میں اور حلق سے گاتے ہیں یہ افلاک کی گردشوں کی آوازیں ہیں۔اور ان کے مقابلہ میں مومن کہتے ہیں کہ بہشت کے آثار نے ان آوازوں کو دلکش کر رکھا ہے اور ہر بری آواز کو اچھا بنا دیا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہم سب اجزائے آدم تھے اور ان کے ضمن کے بین بین ہم نے یہ رات بضمن خطاب مذکور سنے ہیں پس جو دلکشی ہماری آوازوں میں ہے وہ اسی خطاب اور انہیں نغمات کے سبب سے ہے۔شاید تم کو شبہ ہو کہ جب یہ نغمات ہمارے سنے ہوئے ہیں تو پھر ہمیں یاد کیوں نہیں آتے۔اور ان سے ہم کو لذت تامہ کیوں نہیں حاصل ہوتی جیسے عالم ارواح میں ہوتی تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ غلبہ ناسوتیت نے ہمیں شک اور جہل میں مبتلا کر دیا ہے اس لئے ہم کو کچھ کچھ یاد آتے ہیں اور پورے طور پر یاد نہیں آتے اور ہم کو لذت تامہ نصیب ہوتی ہے۔لیکن چونکہ وہ آوازیں غم کی مٹی سے مخلوط ہیں اس لئے ہم کو زیر و بم وغیرہ کی آوازوں سے وہ نشاط نہیں ہوتا جو ان سے پہلے ہوتا تھا۔اس مضمون کو ہم ایک حسی مثال سے سمجھاتے ہیں دیکھو جب پانی پیشاب کے ساتھ مخلوط ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ آمیز ہو جانے سے اس میں تلخی اور تیزی آ جاتی ہے اور اپنی اصلی حالت پر نہیں رہتا مگر اس کے ساتھ ہی چونکہ جسم کے اندر کسی قدر پانی موجود ہے اس لئے پیشاب آگ کو بجھا دیتا ہے۔پس گو وہ آب نعمات ناپاک ہو گیا ہے اور اپنی صرافت اور محوضت پر باقی نہیں ہے مگر اس کے بعض خواص و آثار موجود ہیں اور اسی لئے وہ آتش غم کو اپنی طبیعت اصلیہ سے بجھا دیتا ہے جب تم کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہ نغمات خطاب ربانی سے ملتے ہیں تو اب تم سمجھو کہ یہ ہی وجہ ہے کہ عاشقان ربانی کی غذا سماع ہے کیونکہ اس کو سن کر اجتماع و قرب سابق کا خیال اور اس کی طرف توجہ ہوتی ہے اور اس سے اس تصور و خیال کو قوت ہوتی ہے بلکہ ایک وقت میں انہیں آوازوں کی بدولت وہ خیال و تصور صورت بن جاتا ہے۔یعنی قرب حق حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ نغمات سے آتش عشق تیز ہوتی ہے۔جس طرح پانی میں اخروٹ ڈالنے والے کے طلب کو پانی کی آواز سے ترقی ہوتی ہے۔اور یہ طلب موصل الی المطلوب ہو جاتی ہے۔

فائدہ:۔اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جواز و عدم جواز سماع کے متعلق ایک مختصر بحث لکھ دی جائے تاکہ مولانا کے اشعار سے کسی کو غلط فہمی نہ ہو۔مگر اصل مقصود سے پیشتر چند مقدمات کا سمجھ لینا ضروری ہے تاکہ مقصود کے سمجھنے میں آسانی ہو مقدمہ اولیٰ حرمت اشیاء دو قسم کی ہے اول لذات الاشیاء دوم للعوارض الخارجیۃ۔مقدمہ ثانیہ اشیاء محرمہ للعوارض الخارجیۃ کی حالتیں مختلف ہیں کبھی تو ان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ عوارض خارجیہ غالب احوال میں ان کے ساتھ رہتی ہیں اور انفکاک انکا نادر و قلیل ہوتا ہے اور کبھی یہ حالت ہوتی ہے کہ مصاحبت عوارض نادر ہوتی ہے اور انفکاک غالب ہوتا ہے پس پہلی قسم کی اشیاء کے متعلق حکم عام حرمت کا ہوتا ہے اور مواضع شاذہ کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جیسے اختلاط با غیر محارم کہ یہ مفضی الی الزنا ہونے کے سبب حرام ہے اور اس کا ہر فرد مفضی الی الزنا نہیں مگر چونکہ افضا اغلب ہے اس لئے حکم عام حرمت کا ہے اور دوسری قسم میں حکم اصلی حلت ہوتا ہے اور وہ خاص صورتیں حرام ہوتی ہیں جن میں عوارض محرمہ موجود ہوں۔جیسے اختلاط با محارم کہ یہ بھی بعض احوال میں مفضی الی الزنا ہو جاتا ہے مگر اغلب عدم افضا ہے اس لئے اس وقت تک جائز ہے جب تک ابتلاء کا اندیشہ نہ ہو۔مقدمہ ثالثہ خطاء اجتہادی یا

غلبہ حال سے معصیت پر حکم معصیت مرتب نہیں ہوتا۔ ان مقدمات کے بعد جاننا چاہئے کہ غنا ومزامیر محرم لذاتہا نہیں بلکہ یہ عوارض خارجیہ حرام ہیں اور یہ مشاہد ہے کہ ان میں فساد اغلب ہے اور صلاح شاذ علاوہ مشاہدہ کے۔ اتنی بات خود مولانا کو بھی تسلیم ہے کیونکہ وہ لوگ جن میں فساد کا اندیشہ نہیں اہل اللہ اور نفوس قدسیہ ہی ہو سکتے ہیں اور ایسے حضرات کی ندرت کو خود مولانا قبول فرماتے ہیں چنانچہ ایک دوسرے مقام پر کہتے ہیں۔

اتصالے بے تکیف بے قیاس ہست رب الناس را با جان ناس

لیک گفتم ناس من نسناس نے ناس غیر جان جان شناس نے

ناس مردم باشد و کو مردمی تو سر مردم ندیدستی دمی

پس یہ دونوں بحکم مقدمہ ثانیہ علی الاطلاق محرم ہوں گے۔ اور منفعتیں بتلانے والوں سے کہا جاوے گا کہ فیھما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما اور جن لوگوں کا سماع خود ان کے لئے مفضی الی الفساد نہیں ان کے سماع کو گو اس لئے معصیت نہ کہا جاوے کہ ان کے لئے مفضی الی الفساد ہے لیکن ان کے اس فعل کو اس لئے ضرور معصیت کہا جاوے گا کہ انہوں نے ایک قانون عام شرعی کی خلاف ورزی کی جیسا کہ وباء کے زمانہ میں امرودوں کے بیچنے کی اس لئے ممانعت کی جاتی ہے کہ لوگ ضرر سے محفوظ رہیں لیکن اگر کوئی شخص امرود بیچے اور کھانے والوں کو نقصان نہ پہنچے تب بھی بیچنے والا مجرم ہے۔ کیونکہ اس نے قانون کی مخالفت کی۔ نیز اس لئے بھی اسے معصیت کہا جاوے گا کہ گو خود ان کے لئے مفضی الی الفساد نہیں مگر ان کا یہ فعل دوسروں کے لئے مفضی الی الفساد ہے لیکن چونکہ ہم مقدمہ ثالثہ میں بتلا چکے ہیں کہ خطاء اجتہادی وغلبہ حال کے سبب معصیت پر اثر معصیت کا مرتب نہیں ہوتا اس لئے ایسے لوگوں پر علی الاطلاق ملامت نہ کی جاوے گی بلکہ اگر وہ مجتہد ہیں تو چونکہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اس لئے ان کو مجتہد مخطی کہا جاوے گا اور وہ اس خطاء پر بھی ایک ثواب کے مستحق ہوں گے۔ اور اگر مغلوب الحال ہیں تو غلبہ حال ان کا عذر ہوگا۔ اور اس لئے وہ قابل ملامت نہ ہوں گے اور اگر اہل ہونے کے ساتھ مجتہدین مجوزین کے مقلد ہیں تو ان کا عذر تقلید ہے۔ اور اگر یہ تینوں صورتیں نہیں تو متبع ہوئے اور عاصی نہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ غنا ومزامیر علی الاطلاق حرام ہیں۔ مگر جن اہل اللہ سے اس کی تجویز یا اس کا ارتکاب منقول ہے وہ یا تو خطاء اجتہادی کی وجہ سے معذور ہیں یا تقلید مجتہد کے باعث یا غلبہ حال کے سبب۔ اس لئے ان پر ملامت کی جاوے گی نہ ان کی علی الاطلاق تقلید کی جاوے گی ہاں اگر کوئی شخص اس کا اہل بھی ہو اور ان شرائط کا پابند بھی ہو جو مجوزین نے جواز کے لئے قائم کی ہیں اور وہ مجوزین کو مصیب بھی سمجھتا ہو تو اس کے لئے گنجائش ہے مگر پھر بھی ترک مناسب ہے۔ کیونکہ اول تو یہ ہی کچھ ضرور نہیں کہ جو اپنے کو اہل سمجھے وہ اہل ہی ہو کیا بعید ہے کہ تسویل نفس ہو۔ پھر اہل ہونے کے ساتھ یہ فعل فی نفسہ جائز نہیں بعض عوارض کے سبب مواخذہ نہ ہونا شے دیگر ہے اور اگر جائز بھی ہو تو اصول اس پر موتوف نہیں۔ پھر کیا ضرور ہے کہ بلا ضرورت آدمی خطرہ میں پڑے۔ ہمارے اس بیان سے یہ شبہ بھی مندفع ہوگیا کہ اگر یہ فعل حرام ہوتا تو بعض اہل اللہ کے لئے موجب ترقی

12

کیوں ہوتا۔ حالانکہ ان کے لئے موجب ترقی ہے۔ جیسا کہ مولانا کے کلام سے ظاہر ہے اور وجہ اندفاع یہ ہے کہ ان کے حق میں یہ فعل بوجہ خطاء اجتہادی یا غلبہ حال یا تقلید مجتہد کے حکم میں غیر معصیت کے ہے اب کوئی شبہ نہیں۔

شرح شبیری

اس پیاسے کی حکایت کہ درخت اخروٹ پر سے اخروٹ پانی میں ڈالتا تھا جو کہ گڑھے میں تھا اور اخروٹ کے گرنے سے جو آواز پانی میں ہوتی تھی اس کو سن کر خوش ہوتا تھا

در نغولے بود آب آں تشنہ راند	بر درخت جوز جوزے می فشاند
پانی گہرے گڑھے میں تھا وہ تشنہ چڑھ گیا	اخروٹ کے درخت پر اخروٹ گراتا تھا

یعنی کہ ایک گڑھے میں پانی تھا تو وہ پیاسا اخروٹ کے درخت پر چڑھ کر اخروٹ جھاڑنے لگا۔

می فتاد از جوز بن جوز اندر آب	بانگ می آمد ہمی دید او حباب
اخروٹ کے درخت سے اخروٹ پانی میں گرتا تھا	آواز آتی تھی وہ بلبلے دیکھتا تھا

یعنی اخروٹ کے درخت سے اخروٹ پانی میں گرتے تھے تو آواز آتی تھی اور وہ (پیاسا) بلبلے دیکھتا تھا۔

عاقلے گفتش کہ بگزار اے فتا	جوزہا خود تشنگی آرد ترا
ایک عقلمند نے کہا اے نوجوان! رہنے دے	خود اخروٹ تجھے پیاسا کر دیں گے

یعنی ایک عاقل نے اس سے کہا کہ اے جوان چھوڑ کیونکہ اخروٹ تو تیرے لئے پیاس زیادہ لاویں گے مطلب یہ کہ تو جو درخت کو ہلا رہا ہے اس میں جو محنت ہوتی ہے اس سے تو پیاس اور بڑھے گی کم کب ہوگی۔ پھر کیا فائدہ ہے اور اگر ان اخروٹوں ہی کو کھا کر پیاس کم کرتا تو یہ بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ

بیشتر در آب می افتد ثمر	آب در پستی است از تو دور تر
اکثر پھل پانی میں گرتے ہیں	پانی گہرائی میں تجھ سے دور ہے

یعنی زیادہ تر پھل تو پانی میں گرتے ہیں اور پانی تجھ سے پستی میں بہت دور ہے۔

بیشتر در آب می افتد ببیں	میبرد آبش ترا چہ سود ازیں
دیکھ! اکثر پانی میں گرتے ہیں	ان کو پانی لے جاتا ہے تجھے اس سے کیا فائدہ؟

یعنی دیکھ لے زیادہ تر پانی میں گر رہے ہیں اور پانی اس کو لے جارہا ہے تو تجھے اس سے کیا فائدہ۔

تاتو از بالا فرود آئی بزیر	آب جویش بردہ باشد اے دلیر
جب تک تو اوپر سے نیچے اترے گا	اے بہادر! پانی تیرے اخروٹ غائب کر چکا ہوگا

یعنی جب تک کہ تو اوپر سے نیچے کو آوے گا ندی کا پانی اس کو لے گیا ہوگا۔ اے دلیر۔ مطلب یہ کہ اس عاقل نے کہا کہ زیادہ تر اخروٹ پانی میں گر رہے ہیں اور پانی ان کو بہائے لئے جارہا ہے جب تک تو نیچے اترے گا ان کو پانی کہیں سے کہیں بہا لے جاویگا۔ پھر تجھے اس محنت سے کیا فائدہ ہورہا ہے آگے اس کا جواب ہے کہ۔

گفت قصدم زیں فشاندن جوز نیست	تیز تر بنگر بریں ظاہر مایست
اس نے کہا' اس جھاڑنے سے میرا مقصود اخروٹ نہیں ہے	غور سے دیکھ' اس ظاہر پر نہ ٹھہر

یعنی اس پیاسے نے کہا کہ میرا مقصد اس جھاڑنے سے اخروٹ نہیں ہیں ذرا غور کرو ظاہر پر مت قائم ہو۔

قصد من آنست کاید بانگ آب	ہم بہ بینم بر سر آب آں حباب
میرا مقصد یہ ہے کہ پانی کی آواز آئے	میں یہ بلبلے بھی پانی پر دیکھوں

یعنی میرا قصد یہ ہے کہ پانی کی آواز آوے اور میں پانی کے اوپر بلبلے دیکھوں یعنی اس نے کہا کہ میاں میری ظاہری حالت سے استدلال مت کرو۔ بلکہ میرے مقصود اصلی کو دیکھو کہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ میں پیاسا ہوں اخروٹ گرنے سے جو مجھے پانی کی آواز آتی ہے اور مجھے اس پر بلبلے نظر آتے ہیں اس سے مجھے فرحت ہوتی ہے اور مجھے اس حالت میں بھی بہت غنیمت معلوم ہوتا ہے کہ مجھے خبر آواز محبوب تو آرہی ہے اگر چہ میری رسائی وہاں تک نہیں ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

تشنہ را خود شغل چو بود در جہاں	گرد پائے حوض گشتی جاوداں
دنیا میں ۔ پیاسے کا خود کیا کام ہوتا ہے؟	ہمیشہ حوض کے چاروں طرف چکر کاٹنا

یعنی دنیا میں پیاسے کا کام ہی کیا ہوتا ہے (صرف) حوض کے گرداگرد ہمیشہ پھرنا۔

گرد جوئی گرد آب و بانگ آب	ہمچو حاجی طائف کعبہ صواب
نہر کے گرد اور پانی کے گرد اور پانی کی آواز (کے گرد)	اس حاجی کی طرح جو صحیح کعبہ کا طواف کرنے والا ہے

یعنی ندی کے اور پانی کے اور پانی کی آواز کے گرد پھرنا۔ جیسے کہ حاجی کعبہ اصلی کا طائف ہوتا ہے مطلب یہ کہ جو پیاسا ہو اس کا تو یہ کام ہونا چاہئے کہ اگر پانی تک رسائی نہ ہو تو اس کے مظروف کے گرداگرد پھرتا ہی رہے اسی طرح طالب حق کو اگر رسائی نہ ہو تو اس کی طلب میں تو لگا رہے چھوڑے نہیں آخر ایک روز رسائی بھی ہو ہی جاوے گی۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ہمچناں مقصود من زیں مثنوی	اے ضیاء الحق حسام الدین توئی
اسی طرح اس مثنوی سے میرا مقصود	اے ضیاء الحق حسام الدین تو ہی ہے

یعنی اسی طرح اس مثنوی سے میرا مقصود اے ضیاء الحق حسام الدین آپ ہی ہیں۔

مثنوی اندر اصول و ابتدا	جملہ بہر تست و برنست انتہا
مثنوی عروج اور غروب میں	پوری تیری ملکیت میں ہے اور تو نے قبول کر لیا ہے

یعنی مثنوی شروع میں اور ختم میں بالکل آپ ہی کی ہے اور آپ نے اس کو قبول فرمالیا ہے۔

التجا برتست و بر امداد تو	تکیہ بر اشفاق و بر اسعاد تو
تجھ سے اور تیری امداد سے درخواست ہے	تیری مہربانیوں اور مدد پر بھروسہ ہے

یعنی آپ ہی سے التجا ہے اور آپ ہی کی امداد اور آپ ہی کی شفقتوں اور مسعود کرنے پر بھروسہ ہے۔

مثنوی اندر اصول و در فروع	می کند زیر لوائے تو رجوع
مثنوی اصول اور فروع میں	تیرے جھنڈے کی طرف رجوع کرتی ہے

یعنی مثنوی اصول وفروع میں (سب میں) آپ ہی کے جھنڈے کے نیچے رجوع کرتی ہے۔

مثنوی در استواؤ در افول	جملہ آں تست و کردستی قبول
مثنوی بنیادوں میں اور ابتداء میں	سب تیرے لئے ہے اور تجھ پر ہی (اس کی) انتہا ہے

مثنوی ابتدا میں اور انتہا میں بالکل آپ ہی کے لئے ہے اور آپ ہی پر ختم ہے (اصول چونکہ جڑ کو کہتے ہیں اور وہ آخر میں ہوتی ہے اس لئے اس سے انتہا مراد ہوئی)

در قبول تست عزو مقبلی	زانکہ شاہ جان و سلطان دلی
تیرے قبول کر لینے میں عزت اور نصیبہ وری ہے	کیونکہ تو جان کا حاکم اور دل کا شاہ ہے

یعنی آپ کے قبول کر لینے میں عزت اور خوش نصیبی ہے اس لئے کہ آپ شاہ جان اور سلطان دل ہیں۔

در قبول آرند شاہان نیک و بد	چوں قبول آرند نبود ہیچ رد
بادشاہ اچھے اور برے کو قبول کر لیتے ہیں	جب قبول کر لیتے ہیں پھر بھی رد نہیں ہوتا

یعنی بادشاہ لوگ ہر نیک و بد کو قبول فرمالیتے ہیں اور جب وہ قبول فرمالیں تو پھر کوئی مردودیت نہیں رہتی۔

چوں نہالے کاشتی آبش بدہ	چوں کشادش دادۂ بکشا گرہ
جب تو نے پودا لگایا ہے اس کو پانی دے	جب تو نے کشادگی دی ہے گرہ کھول دے

یعنی جب آپ نے ایک پودا لگایا ہے تو اس کو پانی بھی دیجئے اور جب آپ نے اس کو کشادگی دی ہے تو گرہ بھی کھولئے یعنی اگر کوئی رکاوٹ پیدا ہو تو اس کو بھی زائل کیجئے جب کہ آپ نے اس کو شروع کر دیا ہے۔

قصدم از الفاظ او راز تو است	قصدم از انشاش آواز تو است
میرا مقصد اس کے الفاظ سے تیرا راز ہے	میرا مقصد اس کے لکھانے سے تیری آواز ہے

یعنی اس کے الفاظ سے مجھے آپ کا راز مقصود ہے۔ اور اس کے لکھوانے سے مجھے آپ کی آواز مقصود ہے۔ مطلب یہ کہ اس میں جو میں نے الفاظ میں اولیاء اللہ کے حالات بیان کئے ہیں اور اسرار حقائق بیان کئے ہیں ان سے میرا مقصود آپ کے راز کا اظہار ہے کہ یہ سب کمالات آپ کے اندر موجود ہیں اور اس کے لکھوانے سے صرف یہ مقصود ہے کہ آپ یہ کہہ دیں کہ خوب لکھا۔ بس یہ آواز آ جانا اور آپ کا یہ فرما دینا ہی میرا مقصود ہے آگے جوش میں فرماتے ہیں کہ۔

پیش من آوازت آواز خدا است	عاشق از معشوق حاشا کے جدا است
میرے نزدیک تیری آواز خدا کی آواز ہے	توبہ توبہ عاشق معشوق سے کب جدا ہے؟

یعنی میرے آگے آپ کی آواز خدائے تعالیٰ کی آواز ہے۔ خدا نہ کرے عاشق معشوق سے جدا کب ہے مطلب یہ کہ چونکہ آپ کی شان بی یسمع بی یبصر کی ہوگئی ہے تو آپ کا تعریف کر دینا اور اس مثنوی کو اچھا کہہ دینا گویا کہ حق تعالیٰ کا تعریف کر دینا ہے۔ اس لئے میں جو کچھ لکھوا رہا ہوں اور جو الفاظ میں بول رہا ہوں اس سے صرف مجھے یہی مقصود ہے کہ آپ اس کے متعلق کچھ فرما دیں دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ بھلا عاشق معشوق سے جدا کب ہوتا ہے۔ ان میں تو ایک ایسا علاقہ ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے وہ دونوں گویا ایک ہی ہو جاتے ہیں اسی طرح چونکہ حق تعالیٰ محبوب ہیں اور تم محب حق ہو لہذا تمہارے اور حق تعالیٰ کے درمیان میں بھی ایک ایسا علاقہ ہے کہ اس کو یگانگت اور وحدت اصطلاحی سے تعبیر کر سکتے ہیں آگے اس اتحاد کا اتحاد لغوی نہ ہونا بلکہ اتحاد اصطلاحی ہونا خود بیان فرماتے ہیں کہ۔

اتصالے بے تکیف بے قیاس	ہست رب الناس را با جان ناس
ناقابل بیان عقل میں نہ آنے والا اتصال ہے	لوگوں کے رب کا لوگوں کی جان سے

یعنی ایک اتصال بلا کیف اور بے قیاس رب الناس کو لوگوں کی جان کے ساتھ ہے مطلب یہ کہ حق تعالیٰ کو ارواح عباد کے ساتھ ایک ایسا اتصال ہے کہ جس کی کیفیت کو بیان کرنا ممکن نہیں۔ وہ ایک بالکل بے کیف تعلق ہے جس کو الفاظ سے تعبیر کرنا ممکن نہیں ہے۔ لہذا وہی اتحاد اصطلاحی ہوگا نہ کہ اتحاد لغوی۔ اب یہاں یہ شبہ ہوا کہ شاید وہ فیض ہر شخص کے ساتھ عام ہوگا آگے اس شبہ کو دفع فرماتے ہیں کہ۔

لیک گفتم ناس من نسناس نے	ناس غیر جان جاں اشناس نے
لیکن میں نے انسان کہا ہے بن مانس نہیں (کہا)	انسان جان کی جان کو پہچاننے والے کے علاوہ نہیں ہے

یعنی لیکن میں نے آدمی کہا ہے بن مانس نہیں (کہا) ہے اور آدمی بجز جان جان کے پہچاننے والے کے نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ ہم نے جو کہا ہے کہ آدمی کے ساتھ حق تعالیٰ کو ایک بے کیف تعلق ہے وہ آدمیوں کے لئے کہا ہے کہ جو آدمی ہیں ان کی جان کے ساتھ حق تعالیٰ کو تعلق ہے اور انسان وہی ہے جس کو معرفت حاصل ہو کیونکہ جو عارف نہیں ہے اس کی تو صرف صورت آدمی کی ہوتی ہے حقیقت انسان اس کے اندر نہیں ہوتی۔ تو وہ تو مثل بن مانس کے ہے اور وہ انسان نہیں ہے۔ لہذا تعلق جو ہوگا وہ عارفین کاملین کے ساتھ ہوگا عوام عباد کیساتھ وہ تعلق نہیں ہے ہاں خالقیت کا تعلق تو سب کے ساتھ ہے بحث اس خاص بے کیف تعلق میں ہے تو وہ تعلق صرف عارفین ہی سے ہوتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے آگے بھی اسی کی توضیح فرماتے ہیں کہ۔

ناس مردم باشد و کو مردمی	تو سر مردم ندیدستی دمی
انسانؑ انسان ہوتا ہے لیکن انسان کہاں ہے؟	تو نے تھوڑی دیر کے لئے بھی انسان کا راز نہیں دیکھا ہے

یعنی ناس تو آدمی ہوتے ہیں اور آدمیت کہاں ہے تو نے آدمی کا سر نہیں دیکھا تو دم ہے۔ مطلب یہ کہ ہم نے جو ناس کہا ہے تو اس سے آدمی مراد ہیں اور جن کو تم آدمی کہتے ہو یہ آدمی ہی نہیں ہیں اس لئے کہ ان کے اندر آدمیت تو ہے ہی نہیں۔ لہذا آدمی سے مراد وہ آدمی ہے جس میں آدمیت بھی ہو۔ اور ایسے حضرات اولیاء اللہ ہی ہیں۔ اور چونکہ تم اس ظاہر جسم ہی میں پھنسے ہوئے ہو اس لئے تم اس شخص ہی کو آدمی کہتے ہو جس کی صورت آدمی جیسی ہو۔ اور حقیقت انسان کو تم نہیں دیکھتے تو تم بمنزلہ دم کے ہو۔ کہ جسے کچھ بھی تمیز نہیں ہوتی۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ما رمیت اذ رمیت خواندۂ	لیک جسمی در تحری ماندۂ
"تو نے نہیں پھینکا جبکہ پھینکا" تو نے پڑھا ہے	لیکن تو ایک مجسمہ ہے اٹکل میں پھنسا رہ گیا ہے

یعنی تو نے ما رمیت اذ رمیت پڑھا ہے لیکن تو جسم والا ہے تو تحری میں رہا ہوا ہے مطلب یہ کہ دیکھو قرآن شریف میں ارشاد حق ہے کہ ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ حالانکہ ظاہراً حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے رمی فرمائی تھی اور اس رمی کو حق تعالیٰ اپنی طرف منسوب فرماتے ہیں جس سے کہ ایک تعلق حق تعالیٰ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صاف طور پر معلوم ہوتا ہے اب جبکہ معلوم ہوا کہ وہ تعلق حق اس جسم ظاہری سے نہیں ہوتا بلکہ وہ تعلق بے کیف اور روحانی ہوتا ہے اسی لئے فرماتے ہیں کہ۔

ملک جسمت را چو بلقیس اے غبی	ترک کن بہر سلیمان نبی
اے بیوقوف! اپنے جسم کے ملک کو بلقیس کی طرح	سلیمانؑ نبی کے لئے چھوڑ دے

یعنی اے غبی اپنے ملک جسم کو بلقیس کی طرح سلیمان نبی علیہ السلام کے لئے چھوڑ دے۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت کے لئے بلقیس نے اپنا ظاہری ملک ترک کر دیا تھا اور پھر اس کو دولت باطنی حاصل ہوگئی تھی اسی طرح تم بھی اپنے اس ظاہری جسم کے مقتضیات پر عمل مت کرو اس کو ترک کرو تب تم کو عروج روحانی حاصل ہوگا۔ انہوں نے خدمت سلیمان علیہ السلام کے لئے ترک کیا تھا تو تم اپنے شیخ کی خدمت کے لئے ترک کر دو کہ

وہ بھی تمہارے لئے مثل سلیمان علیہ السلام ہی کے ہے۔ اب یہاں مولانا کو معترض کا خیال آ گیا تو وہ فرماتے ہیں کہ۔

بلکہ از وسواس آں اندیشہ کیش	می کنم لاحول نے از گفت خویش
بلکہ شبہ کرنے والے کے وسوسہ پر	میں لاحول پڑھتا ہوں (لیکن) اپنی گفتگو پر نہیں

یعنی میں لاحول پڑھتا ہوں (مگر) اپنے قول پر نہیں بلکہ اس وہمی کے وسوسوں کی وجہ سے۔

دردل از وسواس وانکارت وظن	کو خیالے میکند در گفت من
دل میں وسوسوں اور انکاروں اور بدگمانی کے	کیونکہ وہ میری گفتگو پر خیالات لا رہا ہے

یعنی کہ وہ میرے قول میں اپنے دل کے اندر وساوس اور انکار اور ظن کا خیال (باطل) کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ معترض جو میرے قول میں وسوسے کر رہا ہے اور اس قول کا انکار کر رہا ہے کہ یہ جو جسم کے ترک کو کہتے ہیں یہ غلط ہے تو میں اس کے ان گمانوں پر لاحول پڑھتا ہوں۔

چوں ترا دردل بضدم گفتے است	می کنم لاحول یعنی چارہ نیست
جبکہ تیرے دل میں میرے خلاف باتیں ہیں	میں لاحول پڑھتا ہوں یعنی کوئی علاج نہیں ہے

یعنی کہ میں لاحول پڑھتا ہوں یعنی کوئی علاج نہیں ہے جبکہ تجھے میری ضد میں کچھ کہنا ہے۔

من خمش گردم تو آں را خود بگو	چونکہ گفت من گرفت درگلو
میں چپ ہو گیا تو اس کو خود کہہ	چونکہ میری گفتگو تیرے گلے میں پھنس گئی ہے

یعنی جبکہ میرا قول تیرے حلق میں اٹکتا ہے تو میں خاموش ہوتا ہوں تو اپنی بات ہی کہہ لے مطلب یہ کہ میں جو لاحول پڑھتا ہوں تو اس لاحول کے معنی یہ ہیں کہ اے معترض جب تجھے مجھ سے ضد ہے تو پھر اس کا تو کوئی علاج ہی نہیں کیونکہ اگر اعتراض سے مقصود کوئی اصلاح ہوتی یا احقاق حق مقصود ہوتا تب تو آسان تھا کہ تجھے سمجھا دیتا مگر اب جو تجھے مجھ سے صرف ضد ہی ہے تو تو کسی طرح مان ہی نہیں سکتا۔ لہذا اب میں ہی چپ ہوا جاتا ہوں تو اپنی ہی کہہ لے۔ آگے اس پر کہ میں چپ ہوتا ہوں تو اپنی ہی کہہ لے ایک حکایت لاتے ہیں۔

قصہ ایک نے بجانیوالے کا کہ نے بجانے کے وقت اس کی ریح صادر ہوئی تو اس نے نے کو کون پر رکھ دیا کہ اگر تو اچھی آواز نکال سکتی ہے تو تو ہی بول لے

ناگہاں از مقعدش بادے بجست	آں یکے نائے کہ خوش نے میزدست
اچانک اس کی مقعد سے گوز خارج ہو گیا	ایک بانسری بجانے والا جو اچھی بانسری بجاتا تھا

یعنی ایک نے بجانے والا جو کہ اچھی نے بجار ہاتھا اچانک اس کی ریح صادر ہوگئی۔

نائے را بر کون نہاد او کہ زمن	گر تو بہتر میزنی بستان بزن
اس نے بانسری مقعد پر رکھ دی کہ مجھ سے	اگر تو بہتر بجاتی ہے لے لے (اور) بجا

یعنی اس بجانے والے نے نے کو کون پر رکھ دیا (اور اس سے کہا) کہ مجھ سے اچھی تو بجا سکے تو تو ہی بجالے (تو اسی طرح مولانا فرماتے ہیں کہ اے معترض جو کہ کون کی طرح ہے اگر تو مجھ سے اچھا کلام کر سکتا ہے تو تو ہی بول لے میں چپ ہوا جاتا ہوں) آگے مولانا تعلیم فرماتے ہیں کہ ان معترضین اور بے ادبوں کی باتوں کا تحمل کرنا چاہئے۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ اوپر ہم نے کہا تھا "ہمچنانکہ آتش آں جوز ریز" اس میں ایک قصہ کی طرف اشارہ تھا۔ اب ہم وہ قصہ بیان کرتے ہیں۔ سنو ایک گڑھے میں پانی تھا اور اس کے قریب ایک اخروٹ کا درخت کھڑا تھا۔ ایک پیاسا اس درخت پر چڑھا اور اخروٹ گرانے لگا۔ اس اخروٹ کے درخت سے اخروٹ ٹوٹ ٹوٹ کر پانی میں گرتے تھے۔ ان کے گرنے سے پانی میں سے ایک آواز نکلتی تھی۔ جس کو وہ سنتا تھا اور بلبلے اٹھتے تھے۔ جس کو وہ دیکھتا تھا۔ ایک عاقل نے اس کی یہ حرکت دیکھی۔ اور کہا کہ یہ کیا حرکت کر رہا ہے اسے چھوڑ اس سے تو تجھے اور پیاس لگے گی۔ رہا اخروٹوں کا ہاتھ آنا سو اس کی یہ حالت ہے کہ اکثر اخروٹ پانی میں جا رہے ہیں اور پانی بہت گہرائی میں اور تجھ سے بہت دور ہے۔ اس لئے وہ تیرے ہاتھ نہیں آ سکتے۔ تو دیکھ لے کہ زیادہ حصہ ان کا پانی میں گر رہا ہے۔ اور پانی ان کو اپنے اندر لے رہا ہے۔ پس تجھے اس سے کیا فائدہ ہے جب تک تو نیچے اترے گا اتنے میں پانی تیرے اخروٹوں کو ہضم کر جاوے گا۔

فائدہ:۔ اس مقام پر ایک نسخہ آب جولیش ہے مگر ہم نے نسخۂ آب جوزت اختیار کیا ہے۔ کیونکہ اشعار بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آب جو نہ تھا بلکہ آب نغول تھا) اس نے کہا کہ میرا مقصود اخروٹوں کے گرانے سے اخروٹ نہیں ہیں تم کو میرے فعل میں نظر غائر کرنی چاہئے۔ اور نظر کو صرف ظاہر ہی تک محدود نہ رکھنا چاہئے۔ میرا مقصود یہ ہے کہ پانی کی آواز آئے اور نیز یہ کہ میں بلبلے اٹھتے دیکھوں۔ پیاسے کو دنیا میں اور کیا کام ہے بجز اس کے کہ پائے حوض کے گرد پھرتا رہے۔ اور ندی کے اور پانی کے اور پانی کی آواز کے گرد پھرتا رہے۔ جیسے حاجی کعبہ کا طواف کرتا ہے۔ یہ قصہ تو ختم ہوا اب مولانا حسام الدین کو خطاب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح اس پیاسے کا مقصود پانی اور اس کی آواز کا سننا اور اس کے بلبلوں کا دیکھنا تھا یوں ہی اے ضیاء الحق حسام الدین اس مثنوی سے میرا مقصود تم ہو۔ اور یہ مثنوی جڑ اور ابتدا سے سب تمہارے ہی لئے ہے اور تمہیں پر اس کی انتہا ہے اس کی تکمیل کی تمہیں اور تمہاری ہی امداد سے التجا ہے۔ اور تمہاری عنایتوں اور تمہاری ہی اعانت پر بھروسہ ہے۔ مثنوی اپنے مضامین اصلیہ اور تبعیہ سب میں آپ ہی کے جھنڈے کی طرف راجع ہے یہ آفتاب مثنوی اپنے

انتہائے کمال اور انتہائے نقصان غرضکہ ہر حالت میں آپ ہی کا ہے اور آپ ہی نے اسے کرم سے قبول فرمایا ہے۔اس لئے یہ اس کے لئے موجب عزت وخوش اقبالی ہے کیونکہ آپ کا کسی شے کو قبول کر لینا اس امر مقبول کے لئے موجب عزت اور خوش اقبالی ہے اس لئے کہ آپ شاہ جان اور سلطان دل ہیں آپ کا اس کو قبول فرمالینا کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ بادشاہ لوگ اچھی بری ہر چیز کو قبول کر لیتے ہیں۔اور اچھی کے ساتھ بری کا میں نے محاورہ کے طور پر ذکر کر دیا ہے ورنہ جو چیز بادشاہوں کے یہاں مقبول ہو جاوے وہ بری کیوں ہونے لگی تھی۔جبکہ مثنوی کا یہ پودا آپ نے لگایا ہے تو آپ اس کو پانی بھی دیں اور جبکہ آپ نے اس کو شروع کیا ہے تو جو مشکلات اس کی تکمیل میں ہیں ان کو حل بھی کیجئے۔کیونکہ میرا مقصود اس کے الفاظ سے آپ کا راز بیان کرنا ہے کیونکہ اس کے الفاظ مصنف کے کمال پر دال ہیں۔اور مصنف اس کے فی الحقیقت آپ ہیں میں تو ایک آڑ ہوں۔ویدل علیہ **قولہ فی مفتح ھذاالسفر الرابع** اے ضیاء الحق حسام الدین تو ئی الٰی قولہ مثنوی را چونتو مبداء بودہ الخ و قولہ مفتح السفر الثالث اے ضیاء الحق حسام الدین بیار الی البیت الثانی وقولہ فی مفتح السفر الثانی چوں ضیاء الحق۔حسام الدین عنان الی البیت الثالث اور اس کے انشاء سے میرا مطلوب آپ کی آواز ہے جس کو میں آپ کے القائے مضامین کے وقت اپنے گوش دل سے سنتا ہوں۔**ولا تلتفت الی ماقال المحشون.** کیونکہ میرے نزدیک آپ کی آواز خدا کی آواز ہے۔اس لئے کہ آپ عاشق الٰہی ہیں اور عاشق ومعشوق میں ایک ایسا تعلق خاص ہوتا ہے جس کی بناء پر ایک کا فعل دوسرے کی طرف نسبت کیا جا سکے۔نیز حق سبحانہ کو آدمیوں کے ساتھ ایک ارتباط و تعلق خاص ہے جو بے کیف ہے اور جس کی کنہ کو عقل بشری ادراک نہیں کر سکتی۔اس بنا پر بھی یہ کہنا صحیح ہے کہ آپ کی آواز خدا کی آواز ہے لیکن تم یہ شبہ نہ کرنا کہ اس سے تو لازم آتا ہے کہ زید وعمرو کی آواز کو بھی خدا کی آواز کہا جا سکے کیونکہ میں نے آدمی کہا ہے نہ کہ بن مانس اور آدمی عارف حق ہی ہوتا ہے زید وعمرو تو بن مانس ہیں اور میرے الفاظ اتصالے بے تکیف بے قیاس ہست رب الناس را با جان ناس ہیں۔اور ناس آدمی کو کہتے ہیں سو آدمی کہاں ہیں اور تو تو آدمی کی دم ہے۔تو نے آدمی کا سر کہاں دیکھا ہے۔باوجودیکہ تو نے **مارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمیٰ** پڑھا ہے۔مگر چونکہ تو جسم ہے اور روحانیت سے تجھے لگاؤ نہیں اس لئے تو اس اتحاد کی حقیقت نہیں سمجھ سکتا اور لزوم تجزی پر تقدیر اتحاد کے شبہ میں پھنس کر رہ گیا ہے حالانکہ یہ وہ اتحاد نہیں جو مستلزم تجزی حق سبحانہ ہو اگر تجھے اس اتحاد کو معلوم کرنا ہے تو اے کودن تو اپنے جسم کو نائب سلیمان نبی یعنی شیخ کی خاطر چھوڑ دے اور اسے فنا کر دے اس وقت ذوقاً تجھے یہ اتحاد معلوم ہو جاوے گا اور تیرے شکوک زائل ہو جائیں گے۔صاحبو میں نے جو اس وقت لاحول پڑھی ہے یہ میں نے اپنی گفتگو پر نہیں پڑھی کیونکہ وہ تو بالکل صحیح ہے بلکہ عادی وساوس معترض کے وسوسہ شیطانی پر پڑھی ہے کہ وہ وساوس شیطانیہ اور انکار اور گمان باطن کے سبب میری گفتگو کے متعلق خیال فاسد دل میں لاتا ہے اور میرے لاحول پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ اے معترض جب تو نے میری گفتگو کا مطلب میرے مقصود کے خلاف سمجھ لیا تو اب میں کیا کر سکتا ہوں۔اچھا جبکہ میری بات تیرے گلے میں پھنس کر رہ

گئی اور دل میں نہیں بیٹھی تو میں چپ ہوتا ہوں تو اپنی کہہ اور میرا یہ کہنا ایسا ہے جیسا کہ ایک شخص نہایت عمدہ بانسری بجا رہا تھا دفعۃً اس کا گوز نکل گیا تو اس نے بانسری کو اپنے پاخانہ کے مقام پر رکھ کر کہا کہ تو مجھے نہیں بجانے دیتی نہ سہی اگر تو مجھ سے اچھا بجا سکتی ہے تو لے تو ہی بجا۔

شرح شبّیری

ہر بے ادب کی باتوں کا تحمل کرنا اور نرمی اختیار کرنے کا بیان

اے مسلمان خود ادب اندر طلب	نیست الا حمل از ہر بے ادب
اے مسلمان! راہ طلب میں خود ادب	نہیں ہے ہر بے ادب کو برداشت کرنے کے علاوہ

یعنی اے طالب طلب میں ادب یہی ہے کہ ہر بے ادب (کی گستاخیوں کا) تحمل کیا جاوے۔

مطلب یہ کہ طریق طلب میں تحمل اور بردباری کرنا ہی اس طریق کا ادب ہے۔

ہر کہ را بینی شکایت میکند	کان فلان کس راست طبع وخوئے بد
تو جسے دیکھے کہ وہ شکایت کرتا ہے	کہ فلاں شخص کی طبیعت اور عادت بری ہے

یعنی جس کو کہ تو دیکھے کہ شکایت کرتا ہے کہ وہ فلاں شخص کی طبع اور خوئے بد ہے۔

ایں شکایت گو ید آنکہ بدخویست	کہ مرآں بدخوئے را او بدگویست
یہ شکایت وہ کرتا ہے جو خود بدعادت ہے	کیونکہ وہ اس بدخو کی بدگوئی کرتا ہے

یعنی کہ یہ شکایت کہہ رہی ہے کہ وہ بدخو ہے کہ اس بدخو کا یہ بدگو ہے۔

زانکہ خوشخو آں بود کو در خمول	باشد از بدخوئے وبدطبعاں جمول
کیونکہ اچھی عادت والا وہ ہے جو گوشہ تنہائی میں	بدعادت اور بدطبیعت والوں کی برداشت کرنے والا ہو

یعنی اس لئے کہ خوشخو تو وہ ہوتا ہے جو کہ خلوت گزینی میں بدخواور بدطبعوں کا تحمل کرنے والا ہو۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص کسی کی بدخوئی اور بدطبعی کی شکایت کرے تو سمجھ لو کہ یہ شاکی صاحب بھی بدخو ہیں اس لئے کہ اگر خوشخو ہوتے تو یہ اس بدخو کا تحمل کرتے اب جو یہ شکایت کرتے پھرتے ہیں یہ شکایت خود صاف بتا رہی ہے کہ یہ خود بدخو اور بدطبع ہے کیونکہ خوشخو تو کہتے اسی کو ہیں جو بدخو لوگوں کی تکالیف پر تحمل کرے۔ اب یہاں شبہ پڑتا ہے کہ جب خوشخوئی تحمل ہی ہے تو یہ جو شیوخ اپنے مریدین کو تنبیہ فرماتے ہیں اور ان کی گستاخیوں پر تحمل نہیں کرتے اس سے تو یہ سارے کے سارے بدخو ثابت ہوتے ہیں حالانکہ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ ان کے رذائل کا ازالہ ہو چکا ہے اور شیخ کامل بدخو نہیں ہو سکتا۔ پھر ان کے اس تحمل نہ کرنے کی کیا وجہ ہے آگے اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

نے پئے خشم و ممارات و ہواست	لیک در شیخ آن گلہ ز امر خداست
نہ کہ غصہ اور لڑائی اور خواہش نفسانی کی وجہ سے	لیکن شیخ کا یہ شکوہ خدا کے حکم سے ہے

یعنی لیکن شیخ میں وہ گلہ امر خدا کی وجہ سے ہے نہ کہ غصہ اور دشمنی اور خواہش نفسانی کی وجہ سے ہے۔

چوں شکایت کردن پیغمبراں	آں شکایت نیست ہست اصلاح جاں
جیسا کہ پیغمبروں کا شکوہ کرنا	یہ شکوہ نہیں ہے روح کی اصلاح ہے

یعنی وہ شکایت نہیں ہے وہ جان کی اصلاح ہے جیسے کہ انبیاء علیہم السلام کی شکایت کرنا۔

ورنہ حمال است بدرا حلم شاں	ناحمولے انبیا از امرداں
ورنہ ان کی بردباری برے کو برداشت کرنے والی ہے	نبیوں کی عدم برداشت حکم سے سمجھ

یعنی انبیاء علیہم السلام کا بردباری نہ کرنا حکم حق سے جانو۔ ورنہ بد کے لئے تو ان کا حلم حمال ہی ہے۔

ناحمولی گر بود ہست ایزدی	طبع را کشتند در حمل بدی
اگر عدم برداشت ہے تو خدائی ہے	انہوں نے برائی کے برداشت کرنے میں طبیعت کو مار ڈالا ہے

یعنی بدی کے تحمل کرنے میں انہوں نے طبیعت کو مار ڈالا ہے اور بردباری نہ کرنا اگر ہے تو وہ اللہ کے واسطے ہے۔ مطلب یہ کہ شیوخ کاملین اگر کبھی سختی کرتے ہیں اور تنبیہ فرماتے ہیں تو ان کا مقصود صرف اصلاح ہوتی ہے۔ ان کو طالب سے کوئی غرض نفسانی یا کوئی دشمنی وغیرہ نہیں ہوتی۔ بلکہ چونکہ طالب نے اصلاح کے لئے اپنے کو سپرد کر دیا ہے اور حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ اگر کوئی اصلاح کیلئے اپنے کو سپرد کرے تو اس کو اس کی لغزشوں پر متنبہ کرو تو اگر وہ متنبہ نہ کریں تو خائن ٹھہریں۔ اس لئے وہ طالب کو متنبہ فرماتے ہیں اب اگر کہا جاوے کہ لغزش پر مطلع کرنے کیلئے نرمی بھی تو ہوسکتی ہے کہ سمجھا دیا جاوے۔ تو یہ بات تجربہ سے معلوم ہوگئی ہے کہ بغیر سختی کے کوئی مانتا نہیں اس امر کو شیخ خود سمجھ سکتا ہے کہ کس کو نرمی نافع ہوگی اور کس کو سختی نافع ہے۔ اس لئے وہ ہر شخص سے اس کی مناسب برتاؤ کرتا ہے اگر شیخ کا فہم اس کے لئے بھی کافی نہیں سمجھا جاتا تو اس کے ہاتھ میں ہاتھ ہی کیوں دیا۔ اور اس کو مصلح ہی کیوں بنایا۔ ہاں جو شخص طالب نہ ہو اور اپنے کو اصلاح کے لئے سپرد نہ کرے اس کی تمام گستاخیوں کو یہ حضرات سہتے ہیں اور اس سے کچھ بھی نہیں کہتے جیسے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام تھے کہ مخالفین کی ایذائیں تمام سہتے تھے۔ اور جو محب اور مطیع ہونے کا دعویٰ کرتے تھے ان کی ذرا سی بات بھی ناگوار ہوتی تھی جیسا کہ خود حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھروں سے زخمی کر دیا اور کیا کیا تکالیف روحانی اور جسمانی پہنچائیں مگر کبھی ان پر خفا نہیں ہوئے بلکہ ان کی اصلاح ہی کی دعا فرماتے رہے۔ اور ایک مرتبہ مسجد میں قبلہ کی جانب والی دیوار پر کسی کی کھنکار پڑی تھی تو حضور کا چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا۔ کیونکہ جانتے تھے کہ یہ حرکت کسی ایسے کی ہے کہ جو دوستی اور

اطاعت کا دعویٰ کرتا ہے تو بس اسی طرح جب ان حضرات کے سامنے بھی کوئی طلب کا دعویٰ کریگا تو جو اس کے آداب اور حقوق ہیں ان کو بھی بجالانا پڑے گا اور اگر تم ان حضرات کی خوش اخلاقی دیکھنا چاہتے ہو تو اپنے کو طالب مت بناؤ بلکہ کہدو کہ حضرت ہم طالب نہیں ہیں۔ ہمیں اپنی اصلاح کی ضرورت نہیں ہے بس پھر دیکھو کہ یہ حضرات کیسے خوش اخلاق ہوتے ہیں۔ تو اگر طلب ہے تو پھر ان حضرات کی ذرا سختی سے گھبرا مت جاؤ۔ بلکہ اس کو سہنا چاہئے یہاں تک تو شیخ کی سختی کو تحمل کرنے کی مریدوں کو تعلیم فرمائی۔ آگے شیخ صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ۔

اے سلیماں درمیاں زاغ و باز	حلم حق شو باہمہ مرغاں بساز
اے سلیمانؑ! کوے اور باز میں	اللہ (تعالیٰ) کا حلم بن جا تمام پرندوں سے نبھا

یعنی اے سلیمان کوے اور باز کے درمیان میں حلم حق ہو جا اور تمام جانوروں کے ساتھ موافقت رکھے۔

بلبل بسیار گو را پر مکن	باز را و کبک را برہم مزن
بہت بولنے والی بلبل کے پر نہ نوچ	باز اور چکور کو نہ نچ

یعنی بلبل بسیار گو کے پر مت اکھاڑ اور باز اور کبک کو پٹک مت۔

اے دو صد بلقیس حلمت راز بوں	کاھد قومے انہم لایعلموں
اے وہ کہ دو سو بلقیسیں تیری بردباری کے مقابلہ میں ہیچ ہیں	کیونکہ میری قوم کو ہدایت دے بیشک وہ نہیں پہچانتی ہے

یعنی اے وہ کہ دو سو بلقیس آپ کے حلم کے (آگے) عاجز ہیں۔ (آپ تو یہ فرمایئے کہ) اے اللہ ہدایت دے میری قوم کو کہ وہ جانتے نہیں۔ مطلب یہ کہ اے شیخ ان اپنے اچھے برے مریدوں میں حلم حق ہو کر رہو اور ایسے تنگ مزاج مت بن جاؤ کہ ذرا ذرا سی بات پر بگڑنے لگو بلکہ تمہیں بھی چاہئے کہ تحمل اور درگزر سے کام لو اور ان کی اصلاح تنبیہ وغیرہ سے بھی کرو اور حق تعالیٰ سے دعا بھی کرو۔ غرضکہ مریدوں کو تعلیم ہے کہ شیخ کی سختی کو برداشت کرو اور شیخ سے عرض ہے کہ حضرت ان پر زیادہ سختی نہ فرمایا کیجئے کچھ نرمی سے بھی کام لیا کیجئے اور ان کی گستاخیوں پر تحمل فرمایا کیجئے۔ آگے پھر وہی بلقیس کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ اوپر مولانا ایک معترض پر خفا ہوئے تھے اس سے کسی کو نفسانیت کا شبہ ہو سکتا تھا اس لئے اب تحمل و عدم تحمل کی تحقیق فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ طالب حق و سالک کے لئے ادب طلب یہ ہی ہے کہ ہر بے ادب کی بات کا تحمل کرے اور جس کو تم دیکھو کہ کسی کی شکایت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ فلاں شخص کی طینت و خصلت بری ہے اس کی یہ شکایت بتلاتی ہے کہ ہنوز یہ خود بدخو ہے۔ کہ اس بدخو کو برا کہتا ہے اس لئے کہ خوشخو وہ ہوتا ہے جو گوشہ گمنامی میں پڑا

ہوا بدخواور بدخصلت لوگوں کی زیادتیوں کو برداشت کرے۔لیکن مشائخ مصلحین کی شکایتوں کو اس قبیل سے نہ سمجھنا چاہئے کیونکہ وہ بحکم خدا ہیں غصہ اور جھگڑے اور خواہش نفسانی کی بنا پر نہیں ہیں اور گو وہ بظاہر شکایت معلوم ہوں مگر حقیقت میں شکایت نہیں ہیں بلکہ اصلاح وتربیت روح ہے جیسی کہ پیغمبروں کی شکایتیں تم انبیاء کے عدم تحمل کو بحکم حق سمجھو۔ورنہ فی نفسہ ان کا حلم ہر برائی کا متحمل ہے۔انہوں نے برائیوں کے تحمل کے باب میں اپنے نفس کو بالکل مار رکھا ہے پس اگر ایسی حالت میں عدم تحمل ظاہر ہوتو وہ بحکم حق ہوگا اس تحقیق کے بعد مولانا ضیاء الحق حسام الدین کو خطاب فرماتے ہیں اور وجہ اس خطاب کی یہ ہے کہ مولانا مثنوی کو ان ہی کی طرف نسبت کرتے ہیں پس طعن۔طاعن گویا کہ انہیں پر طعن ہے اور مولانا نے جو مثنوی میں اس پر ناخوشی کا اظہار کیا ہے وہ گویا کہ انہیں کا عتاب ہے۔اس لئے فرماتے ہیں کہ اے سلیمان وقت کوں اور بازوں کے اندر آپ حلم حق کو کام فرمائیں اور سب جانوروں سے میل رکھیں۔اور بلبل فضول گو کے پر نہ اکھاڑیں اور باز اور کبک سب کو مخلوط نہ کریں آپ کے حلم کے سینکڑوں شخص جو بلقیس کی طرح گمراہ ہیں زیر بار ہیں پس آپ حلم کو کام فرماویں اور یہ فرمائیں کہ اے اللہ تو میری قوم کو ہدایت کر یہ جانتے نہیں۔خلاصہ یہ کہ اوپر مولانا نے معترض پر عتاب فرمایا تھا اور کہا تھا کہ اچھا میں چپ ہوتا ہوں تو ہی کہہ اور مولانا چونکہ مثنوی کو حسام الدین کی طرف منسوب کرتے ہیں اس لئے یہ عتاب گویا کہ انہیں کا عتاب تھا اس پر مولانا ان کے غصہ کو فرو کرنا چاہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آپ خفا نہ ہوں حلم حق سے کام لیں آپ ان جاہلوں کی باتوں کی طرف التفات نہ فرماویں سب کے سب بے سمجھ ہی ہیں۔اگر یہ جاہل نہ سمجھیں نہ سہی دوسرے لوگ سمجھیں گے آپ ان نااہلوں کے سبب اہلوں کو محروم نہ فرمایئے۔اور سلسلہ گفتگو جاری رکھئے اور ان نااہلوں کے لئے بھی حق سبحانہ سے دعائے ہدایت فرمایئے۔هذا هو المراد و ما قال ابوب من انه خطاب بسليمان عليه السلام و طوطية للرجوع الى القصه كما هو داب مولانا والقول بان الخطاب بحسام الدين اولكل سالك تكلف و ذهول عن داب مولانا اه شطط و ذهول منه عن داب مولانا و وقع مثل هذا فى السفر الثالث تحت عنوان آداب المستمعين و المريدين عند فيض الحكمته من لسان الشيخ كما قال

برطولان ایں مکرر کردنست　　　　نزد من عمرے مکرر بردنست

لیک با بے رغبتہائے ضمیر　　　　صدقۂ سلطان بیفشاں وامگیر

اسپ خود را اے رسول آسماں　　　　در ملولان منگر واندر جہاں

شرح شبّیری

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو دھمکی دینا کہ شرک پر اصرار مت کرو اور امتحان کیلئے ہجرت کرنے میں دیر مت لگاؤ

ہیں بیا بلقیس ورنہ بد شود	لشکرت خصمت شود مرتد شود
خبردار! بلقیس آ جا' ورنہ برا ہو گا	تیرا لشکر تیرا دشمن ہو جائے گا' باغی ہو جائے گا

یعنی ہاں اے بلقیس (مطیع ہوکر) آ جاؤ ورنہ برا ہوگا۔ تمہارا ہی لشکر تمہارا دشمن اور باغی ہو جاوے گا۔

پردہ دار تو درت را برکند	جاں تو باتو بجاں خصمی کند
تیرا پہرے دار تیرا دروازہ اکھاڑ دے گا	تیری جان' جان (و دل) سے تجھ سے دشمنی کرے گی

یعنی تیرا پردہ دار ہی تیرے در کو اکھاڑے گا اور تیری جان ہی تیری ساتھ دل و جان سے دشمنی کرے گی۔ مطلب یہ کہ یا تو مسلمان ہوکر آ جاؤ ورنہ یہ تمہارا لشکر اور لشکری بلکہ خود تمہاری جان اور روح ہی تمہاری دشمن ہو جاویں گی۔ کیونکہ

جملہ ذرات زمین و آسماں	لشکر حق اندگاہ امتحاں
زمین اور آسمان کے سارے ذرے	آزمائش کے وقت اللہ (تعالیٰ) کے لشکر ہیں

یعنی زمین و آسمان کے تمام ذرات امتحان کے وقت میں حق تعالیٰ کے لشکر ہیں۔ مطلب یہ کہ آسمان و زمین میں جس قدر بھی چیزیں ہیں یہ تو ظاہر ہے کہ سب فرمان حق کے مطیع ہیں ادھر سے جو حکم ہوگا اسی کے اندر یہ سب چیزیں لگ جاویں گی تو اگر تم حکم حق کو نہ مانو گی تو حق تعالیٰ ان سب چیزوں کو جو اب تمہاری دوست اور محافظ ہیں تمہارے دشمن بنا دیں گے۔ لہٰذا بہت جلد مسلمان ہو کر حاضر ہو۔ آگے ان اشیاء کے حکم حق کے تابع ہونے کی اور اس کی کہ حکم حق کے بعد ان چیزوں نے اپنے ان دوستوں کو جن کی یہ پرورش کیا کرتی تھیں کس طرح ہلاک کیا ہے چند نظائر بیان فرماتے ہیں۔

بادرا دیدی کہ با عاد آں چہ کرد	آب را دیدی کہ در طوفان چہ کرد
تو نے ہوا کو دیکھا اس نے (قوم) عاد کیساتھ کیا کیا؟	تو نے پانی کو دیکھا اس نے طوفان نوح میں کیا کیا؟

یعنی تم نے ہوا کو دیکھا کہ اس نے عاد کے ساتھ کیا کیا۔ اور پانی نے طوفان میں (قوم نوح کے ساتھ) کیا کیا۔

انچہ بر فرعون زدآں بحر کیں	وانچہ با قاروں نمودست ایں زمیں
جو اس غضب کے دریا نے فرعون پر جو حملہ کیا	اور وہ جو اس زمین نے قارون کو دکھایا

یعنی (تم نے دیکھا) جو کچھ کہ اس بحر پر کینہ نے فرعون کے ساتھ کیا اور جو کچھ کہ اس زمین نے قارون کے ساتھ کیا۔

وانچہ آں ابابیل باآں پیل کرد	وانچہ پشہ کلہ نمرود خورد
اور وہ جو ابابیل نے اس ہاتھی کے ساتھ کیا	اور وہ جو مچھر نے نمرود کی کھوپڑی کھائی

یعنی اور جو کچھ کہ اس ابابیل نے ہاتھی کے ساتھ کیا اور جو کچھ مچھر نے نمرود کے کلہ کے ساتھ کیا۔

وانکہ سنگ انداخت داؤد ے بدست	گشت سہ صد پارہ و لشکر شکست
اور وہ کہ (حضرت) داؤدؑ نے ہاتھ سے پتھر پھینکا	تین سو ٹکڑے ہو گیا اور لشکر کو شکست دیدی

یعنی اور وہ کہ پتھر ایک داؤدؑ نے ہاتھ سے پھینکا تو وہ تین سو ٹکڑے ہو گیا۔ اور لشکر (جالوت) کو شکست دی۔

سنگ می بارید بر اعدائے لوط	تا کہ درآب سیہ خوردند غوط
(حضرت) لوطؑ کے دشمنوں پر پتھر برستے تھے	حتیٰ کہ انہوں نے کالے پانی میں غوطہ کھایا

یعنی لوط علیہ السلام کے دشمنوں پر پتھر برسے یہاں تک کہ انہوں نے آب سیہ میں غوطے کھائے۔ یعنی ہلاک ہو گئے۔ مطلب یہ کہ دیکھو ہوا پانی جو کہ زندگی کو قائم رکھنے والی چیزیں ہیں انہوں نے حکم حق سے قوم عاد و قوم فرعون کو ہلاک کیا ابابیل ایک جانور حقیر نے ہاتھی جیسے عظیم الشان جانور کو حکم حق سے ہلاک کیا۔ علیٰ ہذا جس قدر زمین و آسمان میں چیزیں ہیں سب کی سب حکم حق کی تابع ہیں اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

گر بگویم از جمادات جہاں	عاقلانہ یارئے پیغمبراں
(اگر) میں دنیا کی بے جان چیزوں کے بارے میں بتاؤں	سمجھداری کے ساتھ پیغمبروں کی مدد

یعنی اگر میں جمادات جہاں کا پیغمبروں کی عاقلوں کی طرح مدد کرنا بیان کروں۔

مثنوی چنداں شود کہ چل شتر	گر کشد عاجز شود از بار پر
مثنوی اس قدر ہو جائے گی کہ چالیس اونٹ	اگر اٹھائیں پورے بوجھ سے عاجز آ جائیں گے

یعنی مثنوی اس قدر (بڑی) ہو جاوے کہ چالیس اونٹ اگر کھینچیں تو بار برداری سے عاجز ہو جاویں۔ مطلب یہ کہ اگر میں اس کو بیان کروں کہ جمادات نے انبیاء علیہم السلام کی تابعداری کیسی عقلاء کی طرح کی ہے اور کس طرح حکم کی وجہ سے ان کے فرمانبردار رہے ہیں تو یہ مضمون اس قدر زیادہ ہو جاوے کہ پھر مثنوی کو چالیس اونٹ بھی نہ اٹھا سکیں۔ یعنی بے حد نظائر اس کے موجود ہیں کہ جو چیزیں کہ دوست اور ممد حیات تھیں۔ وہی انبیاء علیہم السلام کے حکم سے جو کہ نائب حق تھے مہلک ہو گئیں۔ اور انہوں نے اپنے دوستوں ہی کو ہلاک و برباد کیا۔ آگے اور نظائر بیان فرماتے ہیں کہ۔

دست بر کافر گواہی می دہد	لشکر حق می شود سر می نہد
ہاتھ کافر کے خلاف گواہی دے دیتا ہے	اللہ کا لشکر بن جاتا ہے اطاعت کرتا ہے

یعنی ہاتھ کافر پر گواہی دیتا ہے حق تعالیٰ کا لشکر ہوتا ہے اور اطاعت کرتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو قیامت میں

انسان کے ہاتھ پاؤں جو بڑے دوست ہیں حکم حق ہی کی وجہ سے اسی کے خلاف گواہی دیں گے اور جس طرح حکم حق ہوگا وہ اسی طرح اطاعت کریں گے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

اے نمودہ ضد حق در فعل و درس	درمیاں لشکر اوئی بترس
اے قول و فعل میں اللہ کی مخالفت کرنے والے	تو اس کے لشکر کے درمیان ہے خوف کھا

یعنی اے شخص کہ فعل وقول میں حق تعالیٰ کے خلاف کرتا ہے اور تو اس کے لشکر کے درمیان میں ہے ڈرتا رہ۔

جزو جزوت لشکر حق در وفاق	مرترا اکنوں مطیع انداز نفاق
تیرا جزو جزو باتفاق اللہ کا لشکر ہے	اب نفاق سے تیرے فرمانبردار ہیں

یعنی تیرا جزو جزو حق تعالیٰ کا لشکر ہے۔ موافقت میں اور اب نفاق سے تیرے مطیع ہو رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ اے شخص تو جو حق تعالیٰ کیخلاف کر رہا ہے کام بھی اس کی مرضی کے خلاف اور باتیں بھی ویسی ہی تو ذرا ڈرتا رہیو اس لئے کہ تیرے ہاتھ پاؤں آنکھ ناک غرض سارے اعضاء حق تعالیٰ کے لشکر ہیں اور دراصل اسی کے تابع ہیں صرف حکم کی وجہ سے وہ بظاہر منافقوں کی طرح تمہارے مطیع ہو رہے ہیں تو اگر حکم حق ہوگا تو یہ سارے کے سارے تیرے مخالف ہو جاویں گے اور تیرے ہلاک کرنے کے لئے یہی کافی ہوں گے آگے ان اعضاء کا حق تعالیٰ کے حکم سے اس صاحب اعضاء ہی کو گزند پہنچانے کی نظائر بیان فرماتے ہیں۔

گر بگوید چشم را کو را فشار	درد چشم از تو برآرد صد دمار
اگر وہ آنکھ کو کہہ دے کہ اس کو تنگ کر	آنکھ کا درد تیری سو ہلاکتیں پیدا کر دے گا

یعنی اگر حق تعالیٰ آنکھ کو حکم دے کہ اس کو (صاحب چشم کو) ذرا سزا دے تو درد چشم تیرے اندر سے سو دماغ نکال لے۔

گر بدنداں گوید او بنما وبال	پس بہ بینی توز دنداں گوشمال
اگر وہ دانتوں کو کہہ دے کہ تکلیف پہنچاؤ	تو تو دانتوں سے سزا پائے گا

یعنی اگر دانتوں کو حکم دے کہ تم وبال دکھلاؤ تو تو دانتوں سے گوشمالی دیکھے۔

باز کن طب را بخواں باب العلل	تا بہ بینی لشکر تن را عمل
طب کو کھول بیماریوں کا باب پڑھ لے	تاکہ تو جسم کے لشکر کا عمل دیکھ لے

یعنی طب (کی کتاب) کھول کر باب العلل پڑھو تاکہ تم لشکر تن کا عمل دیکھو۔ مطلب یہ کہ دیکھو اگر حق تعالیٰ آنکھ کو تمہاری گوشمالی کا حکم دے یا دانتوں کو مثلاً تو یہی چیزیں تمہاری گوشمالی کے لئے کافی ہیں مثلاً درد چشم و درد دنداں وغیرہ تم کو درست کر دے۔ علیٰ ہذا ذرا طب کی کتاب میں باب العلل کو اٹھا کر دیکھو تو تم کو معلوم ہو کہ یہ تمہارے اعضاء کس طرح تابع فرمان حق ہیں اور جو اب تمہارے دوست معلوم ہوتے ہیں وہی تمہارے دشمن ہو

جاویں گے تو اسی لئے حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو لکھا کہ تم مسلمان ہو کر آ جاؤ۔ ورنہ یہ تمہارا سارا لشکر جو کہ تمہارا محافظ ہے۔ یہی تم کو ہلاک کر دے گا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

دشمنی با جان جاں آسان کے ست	چونکہ جان جاں ہر چیزے ویست
جان کی جان کے ساتھ دشمنی کب آسان ہے؟	چونکہ ہر چیز کی جان کی جان وہی ہے

یعنی جبکہ ہر چیز کی جان جاں وہی حق تعالیٰ ہیں تو جان جاں کے ساتھ دشمنی کب آسان ہے۔

کز میاں جاں کنندم صفدری	خود رہا کن لشکر دیو و پری
کیونکہ جان کے اندر سے وہ میری جانب سے صف شکنی کر دیتے ہیں	دیو اور پری کے لشکر کو جانے دے

یعنی لشکر دیو و پری کو چھوڑ دو کہ وہ تیری جان کی اندر سے پہلوانی کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ ہی مالک ہیں اور وہی ہر چیز کے روح الروح اور جان جاں ہیں تو پھر ان اسباب ظاہری کو ترک کر دو۔ تب تم کو قوت اور عروج روحانی نصیب ہوگا۔ آگے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول بلقیس کو خطاب کر کے ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔

چوں مرا یابے ہمہ ملک آں تست	ملک را بگذار بلقیس از نخست
جب تو مجھے حاصل کر لے گی سب ملک تیری ملکیت ہیں	اے بلقیس! پہلے سلطنت کو چھوڑ دے

یعنی اے بلقیس ملک کو پہلے سے چھوڑ دے جب تو مجھے پالے گی تو تمام ملک تیری ہی ملک ہے۔

کہ تو بے من نقش گرمابہ بدی	خود بدانی چوں برمن آمدی
کہ تو میرے بغیر حمام کی تصویر تھی	جب تو میرے پاس آ جائے گی خود جان لے گی

یعنی تو خود جان لے گی جب میرے پاس آوے گی کہ تو بے میرے نقش حمام تھی۔

صورت ست از جاں خود بے چاشنی ست	نقش اگر خود نقش سلطان و غنی ست
تصویر ہے اپنی جان سے بے لذت ہے	تصویر خواہ بادشاہ کی ہے یا مالدار کی

یعنی نقش اگرچہ بادشاہ اور امیر ہی کا نقش ہو (مگر) صورت سے اور اپنی جان سے بے ذوق ہے۔

باز کردہ بیہدہ چشم و دہاں	زینت او از برائے دیگراں
خواہ مخواہ اس نے آنکھ اور منہ کھول رکھا ہے	اس کی رونق دوسروں کے لئے ہے

یعنی اس کی زینت دوسروں کے لئے ہے اور وہ خود فضول منہ اور آنکھ کھولے ہوئے ہے۔ مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اے بلقیس تم اس ظاہری ملک کو ترک کر کے میرے پاس چلی آؤ تو تم کو وہ ملک باطنی ملے کہ تم خود کہہ دو کہ پہلا ملک ظاہری صرف ایک نقش بدیوار کی طرح تھا کہ وہ اوروں کے لئے تو فرحت بخش ہوتا ہے مگر اپنی زیب و زینت سے اس کو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح تمہارا یہ سب ملک و مال دوسروں کے

لئے تو مفید ہے مگر تم کو اس سے کوئی نفع حقیقی نہیں ہے ہاں دوسروں کی خدمت خوب ہو رہی ہے تو تم کو چاہئے کہ اس سے نکل کر ایک ایسا ملک حاصل کرو کہ جس سے تم کو بھی نفع ہو۔ آگے مولانا اسی مضمون کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

اے تو در پیکار خود را باختہ	دیگراں را توز خود نشناختہ
خبردار تو نے اپنے آپ کو جنگ و جدل میں مصروف کر رکھا ہے	تو نے دوسروں کو اپنے آپ سے (جدا کر کے) نہیں پہچانا ہے

یعنی اے وہ شخص کہ تو بیگار میں اپنے کو ہارے ہوئے ہے اور دوسروں کو اپنے سے (ممتاز) کر کے پہچانتا نہیں۔ مطلب یہ کہ تو نے جو اپنے آپ کو دوسروں کی خدمت میں کھپا رکھا ہے اور اپنے میں اور دوسروں میں امتیاز نہیں کرتا کہ تیرا کیا کام تھا اور دوسروں کا کیا کام تھا اور تیری یہ حالت ہے کہ۔

تو بہر صورت کہ آئی بیستی	کہ منم ایں واللہ آں تو نیستی
تو جس صورت میں ہوتا ہے، جم جاتا ہے	کہ میں یہ ہوں، خدا کی قسم تو وہ نہیں ہے

یعنی تو جس صورت میں آتا ہے کھڑا ہو جاتا ہے کہ میں یہی ہوں۔ حالانکہ خدا کی قسم تو وہ نہیں ہے مطلب یہ کہ تیری جو حالت ہے کہ تو دوسروں کی خدمت میں لگا ہوا ہے اور تعلقات مع الخلق میں پھنسا ہوا ہے تو اس کو تو اپنی اصلی حالت جانتا ہے حالانکہ وہ تیری اصلی حالت نہیں ہے کیونکہ۔

یک زماں تنہا بمانی توز خلق	در غم و اندیشہ مانی تا بحلق
(اگر) تو مخلوق سے تھوڑی دیر کے لئے اکیلا رہ جائے	غم اور فکر میں گلے تک رہ جائے

یعنی تو ایک زمانہ کے لئے مخلوق سے تنہا رہتا ہے تو حلق تک غم و اندیشہ میں ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو اصلی حالت وہ ہوتی ہے جو خلوت اور جلوت ہر حالت میں یکساں رہے اور تم اگر کبھی ایک معتد زمانہ تک خلق سے الگ رہتے ہو تو گھبراتے ہو اور پریشان ہوتے ہو۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری اصلی حالت یہ نہ تھی بلکہ حالت اصلیہ کوئی اور ہے اور یہ تعلقات مع الخلق تمہاری اصلی حالت نہیں ہے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

ایں تو کے باشی کہ تو آں اوحدی	کہ خوش و زیباؤ سرمست خودی
تو یہ کب ہے؟ کیونکہ تو وہ (مظہر) وحدت ہے	جو اچھا اور حسین اور اپنے آپ کا عاشق ہے

یعنی تو یہ کب ہے کیونکہ تو تو وہ یگانہ ہے کہ خود ہی سرمست اور زیبا اور خوش ہے۔ مطلب یہ کہ یہ تعلقات مع الخلق تیری اصلی حالت کب ہے کیونکہ تو تو اپنی اصلی حالت کے اعتبار سے ایسا بے تعلق اور یگانہ روزگار ہے کہ تجھے اوروں کی طرف التفات کی حاجت ہی نہ ہوتی۔ خود اپنے ہی اندر خوش و خوش رہتا ہے اور اپنے ہی نقش و نگار کو دیکھا کرتا۔ اس لئے کہ۔

مرغ خویشی صید خویشی دام خویش	صدر خویشی فرش خویشی بام خویش
تو اپنا پرند ہے، تو اپنا شکار ہے، تو اپنا جال ہے	تو اپنا صدر ہے، تو اپنا فرش ہے، تو اپنا بالاخانہ ہے

یعنی تو خود ہی مرغ ہے اور خود ہی شکار ہے اور خود ہی دام ہے اور خود ہی صدر ہے اور خود ہی فرش ہے اور خود ہی بام ہے۔ مطلب یہ کہ اور چیزیں جن کے محتاج ہیں تو وہ یگانہ ہے کہ تجھے ان کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ان ساری چیزوں کے قائم مقام تو ہی ہے اس لئے کہ۔

جوہر آں باشد کہ قائم با خودست	واں عرض باشد کہ فرع او شدست
جوہر تو وہی ہے جو خود قائم ہو	جو اس کی فرع ہے وہ عرض ہوتا ہے

یعنی جوہر تو وہ ہوتا ہے جو کہ قائم بنفسہ ہو اور وہ عرض ہوتا ہے جو کہ اس کی فرع ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ تو تو جوہر ہے اور جوہر قائم بنفسہ ہوتا ہے اور عرض پر اس کو شرف حاصل ہوتا ہے کہ وہ عرض اپنے قیام میں دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ لہٰذا تجھے چاہئے کہ تو اپنے قیام میں دوسروں کا محتاج نہ رہے۔ اور ان ہی کی خدمت کو اپنا شیوہ نہ بنا لے بلکہ خود اپنے لئے بھی کچھ کام کرنا چاہئے اور جس طرح جوہر کو عرض پر شرف حاصل ہوتا ہے اسی طرح تم کو بھی سب سے اشرف رہنا چاہئے اور وہ اشرفیت حاصل ہو سکتی ہے ترک تعلقات سے لہٰذا ان تعلقات کا ترک چاہئے۔

گر تو آدم زادۂ چوں او نشیں	جملۂ ذرات را در خود بہ بیں
اگر تو آدم کی اولاد ہے اس کی طرح بیٹھ	تمام ذروں کو اپنے اندر دیکھ

یعنی اگر تو آدم زادہ ہے تو ان کی طرح بیٹھ اور تمام ذرات کو اپنے اندر مشاہدہ کر۔ مطلب یہ کہ اگر تو آدم علیہ السلام کا وارث ہے تو تجھے چاہئے کہ ان ہی کی طرح رہے کہ جس طرح وہ تمام تجلیات اسماؤ صفات کے جامع تھے اور ساری چیزوں کی تجلی خود ہی ان ہی کے اندر موجود تھی اور اصل وہی تھی۔ باقی سب ان کی فروع تھے۔ اسی طرح تو بھی تعلق خلق کو ترک کر کے اس اصالت کو اختیار کر۔ اور تمام اکوان کو خود اپنے ہی اندر مشاہدہ کر اگلے شعر کے دو مصرعوں میں اس کی دو مثالیں دیتے ہیں کہ۔

چیست اندر خم کہ اندر نہر نیست	چیست اندر خانہ کاندر شہر نیست
مٹکے میں کیا ہے جو نہر میں نہیں ہے؟	گھر میں کیا ہے جو شہر میں نہیں ہے؟

یعنی مٹکے میں کیا شے ہے جو نہر میں نہیں ہے اور گھر میں کیا ہے جو شہر میں نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو مٹکے کے اندر جو شراب یا پانی وغیرہ آیا ہے تو ندی ہی میں سے آیا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ندی میں اول پانی موجود ہوگا اس کے بعد تو مٹکے میں آیا۔ علیٰ ہذا جو شے گھر میں ہوگی وہ شہر میں ضرور ہوگی اس لئے کہ خود گھر ہی شہر میں ہے تو اسی طرح انسان جو جامع ہے تمام تجلیات کا اس کے اندر تمام اشیاء ہوں گی اور تمام اسماء وصفات کی تجلی اس کے اندر موجود ہوگی اور وہ سب سے اشرف اور اصل ہوگا۔ اس کو مشاہدہ کے لئے کسی دوسری شے کی احتیاج نہ ہوگی۔ بلکہ وہ خود اپنے ہی اندر مطالعہ کر سکتا ہے آگے ان دونوں مثالوں کی تطبیق خود بیان فرماتے ہیں کہ۔

ایں جہاں خم است ودل چوں جوئے آب	ایں جہاں حجرہ است ودل شہر عجاب
یہ دنیا مٹکا ہے اور دل پانی کی نہر کی طرح ہے	یہ دنیا حجرہ ہے اور دل عجائب کا شہر ہے

یعنی یہ جہاں تو خم ہے اور دل پانی کی ندی کی طرح ہے اور یہ جہاں حجرہ ہے اور دل ایک شہر عجاب ہے۔ مطلب یہ کہ اوپر جو مثال دی ہے اس میں جو خم ہے اس سے مراد تو یہ جہان ہے کہ اس کے اندر سب اکوان موجود ہیں اور چونکہ قلب انسان جامع ہے تمام تجلیات کا اس لئے وہ نہر کی طرح ہے۔ علی ہذا یہ جہاں تو حجرہ کی طرح ہے اور قلب انسان جامعیت میں شہر کی طرح ہے۔ غرض یہ کہ انسان جو جامع ہے اس کو دوسروں کا محتاج نہ ہونا چاہئے اور تعلقات مع الخلق میں احتیاج ظاہر ہے۔ لہذا ان تعلقات کو ترک کرنا چاہئے۔ خوب سمجھ لو چونکہ اس مقام کے متعلق خود حضرت والا دام ظلہم نے اپنے قلم سے بھی تحریر فرمایا تھا لہذا اس کو بھی ناظرین کے حفظ کے لئے ذیل میں بجنسہ درج کرتا ہوں "قولہ اے تو در بیگار خود را باختہ الخ تو نے بیگار میں (یعنی ایسے کاموں میں جو محض دوسروں کی خدمت ہے اور اپنا اس میں نفع نہیں مثل مثال مذکور شعر بالا کہ نقش حمام محض دوسروں کے لئے ہے اس کا کوئی نفع نہیں) اپنے کو کھپا رکھا ہے دوسروں میں اور اپنے میں کچھ امتیاز نہیں کی۔ (جس سے یہ سمجھتا کہ میں یہ اپنا کام کر رہا ہوں یا محض دوسروں کا ہے اور ان فضول مشاغل سے) تیری یہ حالت ہے کہ تو جس صورت (یعنی جس حالت میں) آتا ہے (اور مشغول ہوتا ہے) اسی میں قائم ہو جاتا ہے (یعنی اسی کو اپنی اصلی حالت سمجھنے لگتا ہے) کہ بس میں ایسا ہی ہوں۔ (یعنی اسی کام کے لئے ہوں) حالانکہ واللہ تو ویسا نہیں ہے (بلکہ تیری اصلی حالت دوسری ہے اور یہی وجہ ہے کہ) اگر تو کسی وقت ممتد تک خلق سے تنہا ہوتا ہے تو پریشانی میں سرتا سر غرق ہو جاتا ہے۔ (حالانکہ اصلی حالت وہ ہے جو کسی وقت مفارق نہ ہو نہ تنہائی میں نہ غیر تنہائی میں اور اصلی حالت میں پریشانی ہوتی نہیں اور یہاں ظاہر ہے کہ پریشانی ان تعلقات مع الخلق کی مفارقت سے ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ تعلقات اصلی حالت نہیں اسی کو فرماتے ہیں کہ) بس تو اس حالت کا (تعلقات مع الخلق کا) کب ہے۔ (یعنی یہ تیری اصلی حالت کب ہے) کیونکہ تو تو (باعتبار حالت اصلیہ کے) وہ یگانہ (اور خلق سے بے تعلق) ہے کہ اپنی ہی آپ میں خوشنا و زیبا اور سرمست ہے۔ اور جن امور کے دوسرے لوگ طالب ہیں مرغ ہوا صید ہوا دام ہوا۔ صدر ہوا فرش ہوا۔ تو یہ سب کچھ خود ہی ہے۔ (یعنی ان سب سے مستغنی و آزاد ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ تو جوہریت میں دوسرے جواہر سے اشرف ہے اور و) جوہر کی شان قیام بنفسہ اور عرض کی شان فرعیۃ للجوہر فی التقوم ہے (پس تیری اشرفیت فی الجوہریت کا مقتضا یہ ہے کہ تجھ میں اصالت کی شان غالب ہونا چاہئے اور وہ ترک تعلق مع الخلق میں ہے اور فرعیت کی شان نہ ہونا چاہئے جو کہ تعلق مع الخلق میں ہے اور) اگر تو (اس اشرفیت فی الجوہریت میں) آدم علیہ السلام کا وارث ہے (جو خلیفۃ اللہ تھے) تو ان کی طرح خلیفہ ہو کر رہ اور سب اکوان کو اپنے اندر مطالعہ کر۔ (کہ تو کسی کی طرف محتاج نہ رہے اور یہ باعتبار جامعیت تجلیات ان اسماء وصفات کے ہے جن کے بظاہر وہ اکوان ہیں آگے اسی کی دو مثالیں ہیں شعر چیست الخ میں اور ان دونوں کی تطبیق ہے شعر ایں جہاں الخ میں باعتبار اسی جامعیت تجلیات اسماء وصفات کے)" آگے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو دعوت کا قصہ ہے۔

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس پر ظاہر کرنا کہ تمہارے ایمان لانے میں میرا کوشش کرنا محض اللہ واسطے ہے کسی خودغرضی کی وجہ سے نہیں ہے مجھے نہ تمہارے ملک کی حاجت نہ تمہارے حسن وغیرہ کی اور جب تمہاری چشم باطن کھل جاویں گی تو تم کو یہ بات خود ہی معلوم ہو جاوے گی

ہیں بیا کہ من رسولم دعوتی	چوں اجل شہوت کشم نے شہوتی
خبردار! آجا کیونکہ میں دعوت دینے والا رسول ہوں	موت کی طرح میں شہوت کو مار ڈالتا ہوں شہوت والا نہیں ہوں

یعنی ہاں (اے بلقیس) کہ آجا کہ میں دعوت دینے والا رسول ہوں اور میں تو اجل کی طرح شہوت کش ہوں شہوتی نہیں ہوں۔ مطلب یہ کہ میرا تم کو دعوت اسلام کرنا خدانخواستہ کسی شہوت وغیرہ کی وجہ سے نہیں ہے محض لوجہ اللہ ہے۔ کیونکہ میں رسول ہوں اور شہوت کش ہوں۔ شہوتی نہیں ہوں لہذا تمہارے اسلام میں میری کوئی غرض نہیں ہے۔

ور بود شہوت امیر شہوتم	نے اسیر شہوت و روئے بتم
اور اگر شہوت ہو تو میں شہوت پر حکمراں ہوں	نہ کہ شہوت اور بت کے چہرے کا قیدی

یعنی اور اگر شہوت ہو بھی تو میں تو شہوت پر حاکم ہوں نہ کہ شہوت اور روئے بت کا محکوم ہوں۔ مطلب یہ کہ اگر کہا جاوے کہ خدانکردہ نامرد تو نہ تھے شہوت تو تھی پھر یہ کہنا چوں اجل شہوت کشم کیسے صحیح ہوا تو فرماتے ہیں کہ اگر ظاہرا شہوت ہے تو میں اس سے مغلوب نہیں ہوں بلکہ میں تو اس پر حاکم ہوں اور وہ میری محکوم ہے۔ لہذا وہ بے موقعہ ہرگز صرف نہیں ہو سکتی تو تمہاری دعوت اسلام میں شہوت وغیرہ کو خدانہ کردہ کوئی دخل نہیں ہے۔

بت شکن بودست اصل اصل ما	چوں خلیل حق و جملہ انبیا
ہماری اصل کی اصل بت شکن تھی	مثلاً خلیل اللہ اور تمام نبی

یعنی ہمارے آباواجداد تو بت شکن تھے۔ جیسے کہ خلیل حق اور سارے انبیاء علیہ السلام۔

گر در آیم از رہے در بتکدہ	بت سجود آرد بما در معبدہ
اگر میں کسی راستہ سے بت خانہ میں جاؤں	عبادت خانہ میں بت مجھے سجدہ کریں

یعنی اگر میں کسی راہ سے بتکدہ میں آجاؤں تو عبادت خانہ میں بت ہمارے آگے سجدہ کریں۔ مطلب یہ کہ ہم اور ہمارے آباؤاجداد تو بت شکن تھے اور ہماری تو یہ شان ہے کہ اگر ہم بتکدہ میں چلے جاویں تو تمام بت سجدہ میں گر جاویں۔ جیسا کہ بعض انبیاء کے لئے ہوا بھی ہے مثلاً خود ہمارے حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے بھی ہوا

تھا کہ بتوں نے سجدہ کیا۔ غرضکہ انبیاء کی تو وہ شان ہے کہ بت ان کے تابع فرمان ہوتے ہیں پھر یہ حضرات روئے بت کے فریفتہ اوراس کے تابع کیسے ہوسکتے ہیں۔ لہذا بلقیس کو دعوت اسلام کرنے میں کوئی شائبہ نفسانی نہ تھا۔

احمدؐ و بوجہل در بتخانہ رفت	زاں شدن تا آں شدن فرقے است زفت
محمدؐ اور بوجہل بت خانہ میں گئے	اس جانے میں اور اس جانے میں بھاری فرق ہے

یعنی احمد صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل (دونوں) بت خانہ میں گئے (مگر) اس جانے میں اور اس جانے میں ایک فرق عظیم ہے۔ (اور وہ یہ فرق ہے کہ)

ایں درآید سر نہند او را بتاں	آں درآید سر نہد چوں امتاں
یہ اندر آئے' بتوں نے ان کے سامنے سر رکھ دیا	وہ آتا ہے تو امتیوں کی طرح سر رکھ دیتا ہے

یعنی یہ (حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم) تشریف لائے تو ان کے لئے بتوں نے سر رکھا اور وہ (ابوجہل) آیا تو وہ (بتوں کے آگے) تابعداروں کی طرح سر رکھے۔

اینجہاں شہوتی بت خانہ ایست	انبیاؤ کافراں را لانہ ایست
یہ شہوت کی دنیا ایک بت خانہ ہے	نبیوں اور کافروں کا گھونسلا ہے

یعنی یہ جہان شہوتی ایک بت خانہ ہے کہ انبیاء اور کافروں (سب) کا گھر ہے۔

لیک شہوت بندۂ پاکان بود	زر نسوزد زانکہ نقد کان بود
لیکن شہوت پاک لوگوں کی غلام ہوتی ہے	سونا نہیں جلتا' کیونکہ وہ کان کا خالص ہوتا ہے

یعنی لیکن شہوت پاک لوگوں کی تو غلام ہوتی ہے اور سونا جلا نہیں کرتا۔ اس لئے کہ نقد ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ دیکھو احمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل دونوں بت خانہ میں گئے ہیں مگر دیکھو حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو تو خود بتوں نے سجدہ کیا ہے اور ابوجہل نے خود ان بتوں کو ہی سجدہ کیا ہے۔ اسی طرح یہ دنیا پر شہوت ایک بت خانہ کی طرح ہے اس میں انبیاء بھی آئے ہیں اور کفار بھی آئے ہیں مگر انبیاء تو شہوت پر غالب رہے ہیں اور کفار شہوت سے مغلوب ہوگئے ہیں کیونکہ وہ حضرات تو سونے کی طرح تھے تو سونا بھٹی میں جلا نہیں کرتا اسی طرح وہ حضرات بھی آتش شہوت سے مغلوب نہیں ہوئے تو اسی طرح سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں شہوت پر غالب ہوں لہذا اس دعوت میں کوئی شائبہ بھی نفسانی نہیں ہے۔ آگے بھی اسی فرق کو ایک اور مثال سے بیان فرماتے ہیں کہ۔

کافران قلب اند و پاکان ہمچو زر	اندریں بوتہ درند ایں دو نفر
کافر کھوٹے میں اور پاک لوگ سونے کی طرح ہیں	دونوں شخص اس بھٹی میں ہیں

یعنی کافر کھوٹے ہیں اور پاک لوگ مثل سونے کے ہیں اور اس بھٹی (دنیا) میں یہ دونوں فرقے ہیں۔

قلب چوں آمد سیہ شد در زماں	زر در آمد شد زری او عیاں
کھوٹا جب داخل ہوا فوراً کالا ہو گیا	سونا داخل ہوا اس کا سونا پن واضح ہو گیا

یعنی کھوٹا تو جب آیا تو اسی وقت سیاہ ہو گیا۔ اور سونا آیا تو اس کا سونا ہونا اور ظاہر ہو گیا۔

دست و پاک انداخت اندر بوتہ زر	در رخ آتش ہمی خندد چو خوز
سونے نے ہاتھ پاؤں کو ٹھالی میں ڈالے	وہ سورج کی طرح آگ کے سامنے ہنستا ہے

یعنی سونے نے بھٹی میں ہاتھ پاؤں ڈال دیئے تو آگ کے اندر آفتاب کی طرح ہنس رہا ہے۔ مطلب یہ کہ اس دنیا میں کفار اور انبیاء علیہم السلام دونوں فرقے آئے ہیں اور رہے ہیں مگر فرق اس قدر ہے کہ کفار تو یہاں آ کر اور بھی ہلاک و برباد ہوئے اور انبیاء علیہم السلام کے اور مدارج عالی ہوئے۔ ان دونوں کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کھوٹا سونا ہو اور خالص سونا ہو۔ تو جب دونوں کو بھٹی میں ڈالو گے تو کھوٹا تو وہاں سے سیاہ ہو کر نکلے گا اور سونا اور صاف اور عمدہ ہو جائے گا۔ اور اس کی زری اور بھی صاف طور پر ظاہر اور معلوم ہو گی تو اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام (اور مومنین) جب دنیا میں آئے اور انہوں نے اپنے رذائل کو جلایا تو ان کے مدارج عالی ہوئے اور کفار آئے تو انہوں نے ان رذائل میں اور زیادہ انہماک کیا۔ لہٰذا وہ خراب و برباد ہوئے۔ تو انبیاء علیہم السلام کے ظاہری جسم کو دیکھ کر دوسروں پر ان کو قیاس کرنا سخت غلطی ہے آگے خود حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کی زبانی اس مضمون کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

جسم ما روپوش باشد در جہاں	ما چو دریا زیر ایں کہ در نہاں
دنیا میں ہمارا جسم پردہ ہے	ہم اس گھاس کے نیچے دریا کی طرح پوشیدہ ہیں

یعنی ہمارا جسم دنیا میں روپوش ہوتا ہے اور ہم دریا کی طرح اس (جسم کے) خس و خاشاک کے نیچے پوشیدگی میں ہیں۔ مطلب یہ کہ ہماری اصل حالت اس جسم کے اندر پوشیدہ ہو رہی ہے کہ اس جسم کو دیکھ کر لوگ ہم کو دوسرے انسانوں کی طرح سمجھتے ہیں اور ہماری اصلی حالت اور کمالات پر نظر نہیں کرتے۔ جیسے کہ خس و خاشاک کے نیچے دریا کا پانی ہوتا ہے کہ اوپر تو صرف خس و خاشاک نظر آتا ہے اور اندر پانی ہوتا ہے اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام بظاہر تو صرف ایک جسم نظر آتے ہیں جیسے کہ اور سارے اجسام ہیں اور ان کے کمالات عوام کی نظروں سے پوشیدہ ہوتے ہیں تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے حضرت بلقیس کو بلانے سے بظاہر شبہ کسی شائبہ نفس کا ہوتا ہے کیونکہ دوسرے لوگوں میں یہ بات پائی جاتی ہے تو ان میں بھی وہی شبہ ہو سکتا ہے مگر اوپر مثالوں اور فرق بیان کرنے سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ ان حضرات میں شائبہ نفسانیت کا نہیں ہوتا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

شاہ دیں را منگر اے نادان بطین	کیں نظر کردست ابلیس لعین
اے بیوقوف! دین کے شاہ کو مٹی کا نہ سمجھ	کیونکہ یہ نظر ملعون شیطان نے کی ہے

یعنی اے نادان شاہ دین کو مٹی سے مت دیکھ کہ ابلیس لعین نے یہی نظر کی تھی۔ مطلب یہ کہ اے نادان حضرات انبیاء و اولیاء اللہ کے صرف جسم ظاہری ہی کو مت دیکھو کہ جیسے ہمارے ہاتھ پاؤں ہیں ان کے بھی ہیں اور جیسے ہم کھاتے پیتے ہیں اسی طرح یہ بھی ہیں لہذا جیسے ہم ویسے ہی یہ۔ اور پھر یہ سمجھ کر ان سے استفادہ نہ کر سکو لہذا یاد رکھو کہ ابلیس نے بھی آدم علیہ السلام سے یہی دیکھا تھا کہ ایک جسم خاکی ہیں ان کے کمالات پر نظر نہ کی تو نتیجہ یہ ہوا کہ ابدالآباد کیلئے ملعون و مردود ہو گیا لہذا تم کو چاہئے کہ ان کے اس جسم ظاہر کو دیکھ کر ان کے کمالات کا انکار نہ کرو کیونکہ۔

کے تو ان اندود ایں خورشید را	باکفے گل تو بگو آخر مرا
اس سورج کو کہاں لیپا جا سکتا ہے؟	ایک مٹھی مٹی سے آخر تو مجھے بتا

یعنی بھلا مجھے بتاؤ تو کہ ایک مٹھی مٹی (جسم) سے اس خورشید (کمالات) کو کب چھپا سکتے ہیں۔

گر بریزی خاک وصد خاکسترش	برسر نور او برآید سرش
اگر تو اس پر مٹی اور سو راکھیں ڈالے	اس کے نور پر وہ نور اس خاک کے اوپر آ جائے گا

یعنی اگر نور پر سینکڑوں خاک اور خاکستر تو ڈال دے تو وہ خاک ڈالنے والے کے سر پر آوے گی۔

کہ کہ باشد کہ بپوشد روئے آب	طین کہ باشد کہ بپوشد آفتاب
تنکا کیا ہوتا ہے کہ پانی کا چہرہ چھپائے؟	مٹی کیا ہوتی ہے کہ سورج کو چھپائے؟

یعنی خس و خاشاک کون ہیں کہ روئے آب کو چھپالیں اور مٹی کون ہے کہ آفتاب کو چھپالے۔ مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کے کمالات تو آفتاب کی طرح ہیں تو بھلا کہیں ایک مٹھی خاک ڈالنے سے آفتاب کا نور مٹ سکتا ہے تو اسی طرح اس جسم خاکی کے ساتھ متلبس ہونے سے ان کے کمالات بھی ہرگز مٹ نہیں سکتے۔ بھلا یہ جسم تو ذرا سا حجاب ہے۔ تم اگر سینکڑوں حجاب اس جیسے ان کے کمالات پر ڈال دو تب تو وہ پوشیدہ نہیں ہو سکتے۔ وہ تو ظاہر ہوں گے ہی ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ ایک مٹھی خاک تمہاری آنکھوں کے لئے حجاب ہو جائے اور تم ان کے کمالات کو نہ دیکھ سکو ورنہ خود ان کے کمالات میں اس سے کوئی کمی نہیں آتی۔ خوب سمجھ لو۔ پس اس جسم ظاہر کو دیکھ کر ان کے فیوض سے محروم نہ رہو اور ان کو اپنے اوپر قیاس مت کرو آگے مولانا پھر حضرت بلقیس کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ۔

خیز بلقیسا چو ادہم شاہ وار	دود ازیں ملک دو سہ روزہ برآر
اے بلقیس! شاہ ادہم کی طرح اٹھ کھڑی ہو	اس دو تین روزہ کی حکومت سے دھواں اٹھا دے

یعنی اے بلقیس ادہم شاہ کی طرح اٹھو اور اس دو تین دن کے ملک سے دھواں نکالو مطلب یہ کہ جس طرح کہ حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ نے ترک سلطنت کر دی تھی تم بھی اس ملک و مال کو آگ لگاؤ اور چھوڑ دو یہاں سے حضرت ابراہیم ابن ادہمؒ کے قصہ کی طرف رجوع ہے۔ جو کہ سرخی ''سبب ہجرت الخ'' میں شروع کیا تھا اور یہاں ادہم سے مراد وہی ہیں

صرف والد کا نام لے دیا ہے کیونکہ شعر میں ان کا پورا نام نہ آسکا تھا آگے خود بھی حضرت ابراہیم کا نام لیتے ہیں۔

باز گو احوال ابراہیم زود	ترک ملکش را بگو موجب چہ بود
ابراہیمؑ کے احوال پھر جلد کہہ	بتا ان کے سلطنت چھوڑنے کا کیا سبب تھا؟

یعنی حضرت ابراہیمؒ کا حال جلدی سے بیان کرو۔ کہ ان کے ترک سلطنت کا سبب کیا تھا۔ آگے قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو دھمکی دینا کہ شرک پر اصرار مت کرو اور امتحان کیلئے ہجرت کرنے میں دیر مت لگاؤ

ترجمہ وتشریح:۔ اب مولانا پھر سلسلۂ گفتگوئے حضرت سلیمان علیہ السلام کو شروع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے قاصدوں سے فرمایا کہ بلقیس سے کہہ دینا کہ دیکھ بلقیس اگر تو اپنا بھلا چاہتی ہے تو مطیعانہ ہماری حضور میں حاضر ہو۔ ورنہ تیرے حق میں برا ہوگا۔ اور تو اپنے لشکر پر مغرور نہ ہونا کیونکہ خود یہ تیرا لشکر ہی تیرا دشمن ہو جائے گا اور تجھ سے پھر جاوے گا اور جو اس وقت تیرا محافظ پردہ ہے وہ پردہ تو کیا خود تیرے در کو اکھاڑ ڈالے گا بلکہ خود تیری جان پوری کوشش سے تیرے ساتھ دشمنی کرے گی۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ ارشاد بالکل صحیح ہے کیونکہ امتحان کے وقت زمین و آسمان کے تمام ذرات حق سبحانہ کی فوج ہوتے ہیں تو نے دیکھا ہی ہے کہ ہوا نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا اور تجھے معلوم ہی ہے کہ پانی نے طوفان نوح کے زمانہ میں کیا کیا۔ اور کینہ ور رود نیل نے فرعون کو جو صدمہ پہنچایا اور زمین نے قارون کے ساتھ جو معاملہ کیا اور ابابیل نے ہاتھی کے ساتھ جو سلوک کیا اور یہ کہ مچھر نے نمرود کا دماغ کھا لیا تھا۔ اور یہ کہ داؤد علیہ السلام نے ہاتھ کی امداد سے پتھر پھینکا تو وہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور لشکر جالوت کو شکست دیدی۔ اور یہ کہ لوط علیہ السلام کے دشمنوں پر پتھر برسے۔ یہاں تک کہ وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے یہ تمام واقعات تجھے معلوم ہی ہیں اور بہت سے واقعات ہیں جن کو میں بیان نہیں کرتا۔ اگر جمادات کے ان تمام کارناموں کو بیان کروں جو انہوں نے عقلا کی طرح پیغمبروں کی اعانت میں کئے ہیں تو مثنوی اس قدر دراز ہو جاوے کہ چالیس اونٹ اگر اسے کھینچنا چاہیں تو اس کے بھاری بوجھ کے سبب اس کے کھینچنے سے عاجز ہو جائیں اس لئے میں اسے چھوڑ کر کہتا ہوں کہ قیامت میں کافروں کے ہاتھ ان کے خلاف شہادت دیں گے اور حق سبحانہ کے مطیع ہوں گے اور اس کا لشکر بنیں گے۔ پس تم جو اقوال وافعال میں حق سبحانہ کی مخالفت کرتے ہو تم کو یاد رکھنا چاہئے کہ تم اس کی فوج میں گھرے ہوئے ہو۔ لہٰذا تم کو ڈرنا چاہئے اور مخالفت سے باز رہنا چاہئے تمہارا ایک ایک جز حق سبحانہ کا لشکر اور اسکے ساتھ متفق ہے اور تیری

اطاعت محض منافقانہ یعنی ظاہری ہے چنانچہ اگر وہ آنکھ کو حکم دیدے کہ ذرا اس کا کوچ تو نکال دے تو تیری آنکھ کا درد تجھے ہلکان کر ڈالے اور اگر وہ دانت کو حکم دے دے کہ ذرا اسے سزا تو دے تو تو دیکھے گا کہ تیرا دانت تیری گوشمالی کرے گا۔ ذرا کتب طبیہ کو کھولو اور فن معالجات کو پڑھو تا کہ تم کو معلوم ہو کہ لشکر تن جس کو تم اپنا سمجھ رہے ہو تمہارے ساتھ کیا کیا کرتا ہے۔ پس تم عبرت حاصل کرو اور حق سبحانہ کی مخالفت کو چھوڑ و۔ دیکھو تمام اشیاء کا وجود و بقا حق سبحانہ کے ہی ذریعہ سے ہے اس لئے ان کو ہر چیز کی جان کی جان کہا جا سکتا ہے اور جبکہ وہ ہر چیز کی جان ہے تو اس کی مخالفت نہایت خطرناک ہے۔ کیونکہ جان جان کی مخالفت کوئی معمولی بات نہیں۔ یہاں تک مولانا اپنا بیان ختم کر کے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں انہوں نے بلقیس کو بواسطہ رسولوں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے پاس جو دیوؤں اور پریوں کا لشکر ہے وہ تو الگ رہا خود تیری جان ہی کے اندر سے وہ باتیں پیدا ہوں گی جو تیری فوجی خدمت انجام دیتے ہوئے اپنی شجاعت دکھلائیں گی پس اے بلقیس قبل اس کے کہ میری طرف سے تجھ پر فوج کشی ہو تو خود ہی ملک چھوڑ دے اور میرے پاس آ جا جب میں تیرا ہو جاؤں گا تو تمام ملک تیرا ہی ہے۔ جب تو میرے پاس آ جائے گی تو تجھے خود معلوم ہو جاوے گا کہ میرے بغیر تو محض تصویر حمام تھی۔ اس مقام پر چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس بوجہ اس کے محجوب ہونے کے تصویر کہا ہے اب مولانا تصویر کی حالت بیان کرتے ہیں اور اس میں دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ بلقیس کو تصویر کہنے کی وجہ ظاہر ہو جائے۔ دوسرا یہ کہ آئندہ مضمون ارشادی کے لئے بطور مقدمہ کے کام آئے اور فرماتے ہیں کہ۔ تصویر خواہ بادشاہ کی ہو یا دولتمند کی وہ محض صورت ہی صورت ہے اور لذت جان اسے حاصل نہیں ہوتی اس کی زینت محض دوسروں کے لئے ہوتی ہے اور اس کی آنکھوں اور منہ کا کھلا ہونا اس کے حق میں محض فضول ہوتا ہے جب تصویر کی حالت جو بطور مقدمہ کے تھی۔ بیان کر چکے تو اب مضمون ارشادی کو بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے وہ محجوب جس نے تصویر کی طرح اپنے کو بیگار کے لئے وقف کر رکھا ہے اور خود میں اور غیر میں تمیز نہیں کرتا اور اس لئے دوسروں کے کاموں کو اپنا ہی کام سمجھتا ہے۔ تیری یہ حالت ہے کہ تو جس صورت یعنی غیر مطلوب چیز تک پہنچتا ہے وہیں ٹھہر جاتا ہے اور اسی میں پھنس کر رہ جاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ یہ صورت میری غیر نہیں ہے بلکہ میری عین ہے۔ اور اس میں اشتغال خود اپنے میں اشتغال ہے اور اس کا کام خود میرا کام ہے۔ یہ تیری غلطی ہے واللہ تو وہ نہیں ہے اور نہ۔ اس میں اشتغال خود اپنے میں اشتغال اور نہ اس کا کام خود تیرا کام ہے نیز اگر تو کبھی مخلوق سے الگ بھی ہوتا ہے۔ جس سے بظاہر یہ مفہوم ہوتا ہے کہ تو مشغول مع الغیر نہیں بلکہ مشتغل با خود ہے تو اس وقت بھی تو مشغول مع الغیر ہی ہوتا ہے۔ اور ہموم وافکار لایعنی میں گلے تک ڈوبا ہوتا ہے۔ پس تو ایسی حالت میں بھی دوسروں کے کام سے خالی نہیں حالانکہ تو اپنے کو ہموم وافکار کا عین سمجھتا ہے اور تو ان میں اشتغال کو اشتغال با خود سمجھتا ہے پس یہ تیری غلطی ہے کہ تو آپ کو ان کا عین سمجھتا ہے۔ تو ان کا عین ہرگز نہیں بلکہ تو تو وہ یکتا ہے جو نہایت پاکیزہ اور دلکش اور قابل مطلوبیت ہے نہ کہ لائق طالبیت مطلوبات دنیہ اور تو اصالتاً اپنا عاشق ہے نہ کہ

مطلوبات حسیہ کا اور تو اپنا ہی جانور ہے۔ اپنا ہی شکار ہے اپنا ہی جال ہے۔ اپنا ہی مقام صدر ہے۔ اپنا ہی فرش ہے۔ اپنا ہی بام ہے۔ غرض کہ تجھے جو تعلق ہے وہ خود اپنی ہی ذات سے ہے۔ پھر تو دوسروں کا بیگاری کیوں بن رہا ہے ان سے تجھے واسطہ کیا۔ تو تو جوہر ہے اور جوہر وہ ہوتا ہے جو اپنی ذات سے قائم ہو۔ اور اپنے وجود میں دوسروں کا تابع نہ ہو پھر تو نے اپنے وجود کو دوسروں کا تابع کیوں بنا رکھا ہے اور جو کسی جوہر کے تابع ہو وہ تو عرض ہوتی ہے اور تو عرض ہے نہیں۔ تو یہ تابعیت کیوں ہے۔ اگر تو حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد اور الولد سر لابیہ کا مصداق ہے۔ تو ان کی طرح متبوع و مطلوب ہو کر بیٹھ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو اپنی جامعیت کے سبب اور ایک اعتبار سے عالم اصغر اور دوسرے لحاظ سے عالم اکبر ہونے کے باعث (جس کی تفصیل پیشتر گزر چکی ہے) تمام ذرات عالم کا خود اپنے اندر مشاہدہ کر لے گا۔ جبکہ وہ سب خود تیرے اندر موجود ہیں تو ان کو اپنے سے باہر ڈھونڈنے اور ان میں منہمک ہو کر اپنے کو بھول جانے کی کونسی وجہ ہے۔ بتلا تو سہی کہ مٹکے میں وہ کیا چیز ہے جو نہر میں نہیں اور گھر میں وہ کونسی شے ہے جو شہر میں نہیں ہے۔ جبکہ ایسی کوئی چیز نہیں تو اب سمجھ لے کہ تمام عالم بمنزلہ ایک مٹکے کے ہے۔ اور قلب انسانی مثل ندی کے اور یہ تمام جہان بمنزلہ حجرہ کے ہے اور دل ایک حیرت انگیز شہر ہے تو دل کو چھوڑ کر عالم میں مشغول ہونا سراسر حماقت ہے اس مضمون کو یہاں ختم کر کے پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کی گفتگو کا سلسلہ شرع کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ اے بلقیس تو آجا اور یہ نہ سمجھنا کہ میں کسی غرض نفسانی کے لئے بلاتا ہوں اس لئے کہ میں رسول مبلغ اور موت کی طرح شہوات کش یعنی اس کے ناجائز اقتضاءات کو فنا کرنے والا ہوں۔ نہ کہ پابند شہوت اور اگر مجھ میں نفس شہوت موجود ہو تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ میں اس کا حاکم ہوں اور اسیر شہوت وروئے بتاں وحسیناں نہیں ہوں۔ میں اسیر روئے بتاں کیونکر ہو سکتا ہوں ہمارے بڑوں سے تو بت شکنی ہوتی آئی ہے نہ کہ بت پرستی۔ چنانچہ ہمارے جد امجد حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور نیز تمام انبیاء بت شکن تھے اور میں بت پرست کیسے ہو سکتا ہوں۔ جبکہ خود بتوں کی ہمارے سامنے یہ حالت ہوتی ہے کہ اگر ہم کبھی کسی ضرورت سے بت خانہ میں جا پہنچے ہیں تو عبادت خانہ میں وہ خود ہمیں سجدہ کرتے ہیں اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بت خانہ میں تشریف لے گئے تھے اور ابوجہل بھی گیا تھا لیکن آپ کے جانے اور اس کے جانے میں بہت فرق تھا آپ تشریف لے جاتے ہیں تو خود بت سجدہ کرتے ہیں اور ابوجہل جاتا ہے تو بندوں کی طرح خود ان کو سجدہ کرتا ہے جب یہ تمہیدی مضمون معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ یہ شہوات سے بھرا ہوا عالم ایک بت خانہ ہے جس میں انبیاء بھی رہتے ہیں اور کفار بھی مگر دونوں میں فرق ہے۔ شہوت اہل اللہ کی غلامی ہوتی ہے اور وہ اس سے متضرر نہیں ہوتے۔ جس طرح کہ سونا کانی اور اصلی ہوتا ہے آگ میں نہیں جلتا ہاں کفار اس سے متضرر ہوتے ہیں اس لئے کہ کفار تو کھوٹے سونے کی مانند ہیں۔ اور انبیاء زر خالص کی مثل اور دونوں اس جہان شہوتی کی کھٹائی میں موجود ہیں کھوٹا سونا تو اس میں پڑتے ہی سیاہ ہو جاتا ہے اور خالص سونا اس میں پڑتا ہے تو اس سے اس کا خلوص

اور بے میل ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔ یعنی شہوت فی نفسہ کوئی بری چیز نہیں بلکہ ایک آلہ امتحان ہے جس سے ناقصین کا نقصان اور کاملین کا کمال ظاہر ہوتا ہے۔ زر خالص کھٹائی میں پڑتا ہے اور آگ کے سامنے آفتاب کی طرح ہنستا ہے یعنی آگ اس کے لئے مفید ہے مضر نہیں۔ برخلاف زر قلب کے علیٰ ہذا شہوت اہل اللہ کے لئے مفید اور موجب ظہور کمال مستور ہے نہ کہ کفار کی طرح مضر و مظہر نقصان۔ اب پھر حضرت سلیمان علیہ السلام کا مقولہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ میری اس طلب سے شہوت پرستی کا توہم ہو سکتا ہے کیونکہ بظاہر مجھ میں اور شہوت پرستوں میں کوئی فرق نہیں مگر میں بتلائے دیتا ہوں کہ حقیقت میں ہم لوگوں اور شہوت پرستوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اور یہ جسم ظاہر جو منشاء توہم تماثل ہے محض اس حقیقت کا پردہ ہے ورنہ ہماری حقیقت سے اس سے کوئی تعلق نہیں اس لئے ہماری ایسی مثال ہے جیسے دریا خس و خاشاک میں چھپا ہوا ہو۔ کہ بظاہر وہ جنگل معلوم ہوتا ہے مگر پاؤں رکھنے کے بعد حقیقت حال معلوم ہو جائے گی اس کو بیان کر کے مولانا پھر انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ احمقو اہل اللہ کو محض مٹی نہ سمجھو اور ان ھذا الا بشر مثلنا نہ کہو۔ کیونکہ ابلیس نے حضرت آدم کو ایسا سمجھا تھا سو اس کا نتیجہ تم کو معلوم ہو گیا۔ اور آئندہ ہو جائے گا تیرا ان کو مٹی کہنا آفتاب پر خاک ڈالنا اور پانی کی سطح کو ایک تنکے سے چھپانا ہے بھلا تو مجھے بتا تو سہی کیا آفتاب کو خاک آلود کیا جا سکتا ہے ہرگز نہیں بلکہ اگر کوئی آفتاب پر خاک ڈالے اور اہل اللہ کو مٹی کہے تو وہ اس پھینکنے والے ہی کے سر پر پڑے گی۔ اور اس مٹی کہنے سے خود اس کہنے والے ہی کا مٹی ہونا ظاہر ہوگا۔ اور ایک گھاس کے تنکے کی کیا حقیقت ہے کہ وہ سطح آب کو چھپا لے۔ اچھا بلقیس اب تم شاہ ابراہیم بن ادہم کی طرح اٹھو اور ملک ناپائیدار کو مٹاؤ۔ اچھا اب ابراہیم ابن ادہم کی حالت بیان کرنی چاہئے۔ اور بتلانا چاہئے کہ ان کے ترک سلطنت کا کیا سبب ہے۔

شرح شبّیری

ابراھیم ابن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ کے قصہ کا بقیہ

بر سر تختے شنید آں نیکنام	طقطقے وہائے وہوئے شب زبام
اس نیک نام نے تخت پر سے سنا	رات کو بالاخانہ پر کھٹکا اور شور و غل

یعنی تخت پر (لیٹے ہوئے) اس نیک نام نے کوٹھے پر رات کے وقت کھٹ پٹ اور شور و غل سنا۔

گامہائے تند بر بام سرا	گفت با خود ایں چنیں زہرہ کرا
گل کی چھت پر بھاری قدم	دل میں کہا ایسا پتہ کس کا ہے؟

یعنی گھر کے کوٹھے پر بہت زور سے قدم (سنے) تو اپنے (دل) سے کہنے لگے کہ اتنی مجال کس کی ہے

مطلب یہ کہ ایک مرتبہ رات کو حضرت ابراہیمؒ چھپر کھٹ شاہی پر سو رہے تھے تو انہوں نے چھت پر کسی کے پاؤں کی آواز سنی کہ خوب زور زور سے کھٹ پٹ کرتا چھت پر پھر رہا ہے۔ تو انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ ارے یہ کون ہے اور کس کی ہمت ہے کہ میں بادشاہ وقت ہوں اور پھر یہ رات کو اس طرح بے دھڑک چھت پر پھر رہا ہے۔

بانگ زد بر روزن قصر او کہ کیست	ایں نباشد آدمی مانا پریست
انہوں نے محل کی کھڑکی پر پکارا کون ہے؟	یہ یقیناً کوئی انسان نہیں ہے، بھوت ہے

یعنی انہوں نے محل کی کھڑکی میں سے آواز دی کہ کون ہے۔ یہ آدمی تو ہے نہیں شاید جن ہے۔

مطلب یہ کہ ان کے جب خود سمجھ میں نہ آیا تو انہوں نے کھڑکی سے سر نکال کر آواز دی کہ یہ رات کو کون کھٹ پٹ کرتا پھرتا ہے۔ آدمی تو ہے نہیں اس لئے کہ آدمی کی تو اتنی مجال ہو ہی نہیں سکتی معلوم ہوتا ہے جنات ہیں جو اس طرح بے دھڑک پھر رہے ہیں۔

سر فرو کردند قومے بوالعجب	ماہمی گردیم شب بہر طلب
کچھ عجیب لوگوں نے سر نیچے کر کے (کہا)	ہم رات میں تلاش میں پھر رہے ہیں

یعنی ایک عجیب قوم (فرشتوں) نے سر لٹکایا۔ (اور کہا کہ) ہم رات کو تلاش میں پھر رہے ہیں (تو حضرت ابراہیمؒ نے پوچھا کہ)

ہیں چہ می جوئید گفتند اشتراں	گفت اشتر بام بر کہ جست ہاں
ہائیں کیا تلاش کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا اونٹ	ان (ابراہیم ادھمؒ) نے کہا ہیں اونٹ کو چھت پر کس نے ڈھونڈا ہے

یعنی ارے کیا تلاش کر رہے ہو تو وہ بولے کہ اونٹ (ڈھونڈ رہے ہیں) تو حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ ارے اونٹ کو کوٹھے پر کس نے ڈھونڈا ہے۔ مطلب یہ کہ جب انہوں نے پوچھا تو ایک عجیب قسم کے لوگوں نے سر لٹکایا اور جھانک کر کہا کہ ہم ایک چیز کی تلاش میں پھر رہے ہیں انہوں نے پوچھا کیا ڈھونڈ رہے ہو انہوں نے کہا کہ اونٹ تلاش کر رہے ہیں تو حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ بھلا اونٹ کو کوئی کوٹھے پر بھی ڈھونڈا کرتا ہے وہ یہاں کہاں مل سکتا ہے۔ بالکل بے جوڑ بات ہے اس کو سن کر وہ بولے کہ۔

پس بگفتندش کہ تو بر تخت و جاہ	چوں ہمی جوئی ملاقات الٰہ
پھر انہوں نے ان سے کہا آپ تخت اور رتبہ میں	اللہ (تعالیٰ) کی ملاقات کیوں تلاش کر رہے ہیں؟

یعنی تب انہوں نے ان سے کہا کہ تم جاہ کے تخت پر حق تعالیٰ کا وصل کس طرح تلاش کرتے ہو۔ مطلب یہ کہ ان فرشتوں نے کہا کہ اگر ہمارا اس جگہ اونٹ تلاش کرنا بے جوڑ ہے تو اسی طرح تمہارا تخت و تاج اور مال و دولت میں رہ کر خدا کی تلاش کرنا ایسا ہی بے جوڑ ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؒ کو جیسی طلب تھی وہ طلب کے شک

تخت وتاج میں رہ کر پوری نہ ہوسکتی تھی ورنہ بہت سے بزرگان دین صاحب نسبت حضرات مالدار وشاہان دین و دنیا ہوئے ہیں مگر یہاں مطلب یہ تھا کہ طلب ابراہیمی تخت پر نہ ہوسکتی تھی اس لئے کہ اس کے لئے ضرورت ہے یکسوئی کی اور تخت وتاج میں رہ کر یکسوئی ہو نہیں سکتی۔ لہذا انہوں نے کہا کہ تمہاری طلب تو ایسی اور پھر تخت وتاج میں رہنا یہ دونوں باتیں ایسی ہی بے جوڑ ہیں جیسا کہ یہاں اونٹ کا تلاش کرنا بس یہ سننا تھا کہ حضرت ابراہیم کے قلب پر چوٹ لگی اور سب تخت وتاج کو خیر باد کہہ کر یکسو ہو گئے۔ بس یہ سبب تھا ترک ملک کا اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

خود ہماں بد دیگر او راکس ندید	چوں پری از آدمی شد ناپدید
یہ واقعہ ہوا پھر آپ کو کسی نے نہ دیکھا	پری کی طرح انسانوں سے غائب ہو گئے

یعنی بس وہی تھا پھر کسی نے ان کو نہ دیکھا پری کی طرح آدمی سے پوشیدہ ہو گئے۔ مطلب یہ کہ بس اس وقت تو وہ اس حالت میں تھے جبکہ ان ملائکہ نے ان سے کلام کیا تھا مگر اس کے بعد پھر ان کو کسی نے اس حالت شاہی میں نہ دیکھا بلکہ فوراً چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ اس شعر میں چونکہ کہا ہے "دیگر او راکس ندید" تو اس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید وہ کہیں جا کر چھپ گئے تو آگے اس کے معنی بیان فرماتے ہیں کہ۔

معنیش پنہاں و او درپیش خلق	خلق کے بینند غیر ریش و دلق
ان کا باطن پوشیدہ تھا اور وہ لوگوں کے سامنے تھے	لوگ داڑھی اور گدڑی کے سوا کب دیکھتے ہیں؟

یعنی معنی ان کے پوشیدہ تھے اور وہ خلق کے سامنے تھے اور خلق سوائے داڑھی اور گدڑی کے اور کیا دیکھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کے کمالات جو کہ ان کی حقیقت تھی وہ تو پوشیدہ ہو گئے صرف ان کا جسم سب کے سامنے تھا تو پوشیدہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ پہلے تو ان کے کمالات یعنی انتظامات ملک وغیرہ سب کو معلوم تھے مگر اس حالت کے بعد پھر ان کے کمالات کی لوگوں کو خبر نہ ہوئی۔ اور پھر ان کی یہ حالت ہوگئی کہ۔

چوں ز چشم خویش وخلقان دور شد	ہمچو عنقا در جہاں مشہور شد
جب وہ اپنی اور لوگوں کی نگاہ سے دور ہو گئے	عنقا کی طرح دنیا میں مشہور ہو گئے

یعنی جبکہ اپنوں اور مخلوق کی آنکھ سے وہ دور ہو گئے تو عنقا کی طرح جہاں میں مشہور ہو گئے مطلب یہ کہ جب سب سے الگ ہو کر خلوت نشین ہو گئے کیونکہ ان کے کمالات کے لئے اس کی بھی تو ضرورت ہے تب وہ بہ نسبت پہلے کے اور زیادہ مشہور ہو گئے کہ دیکھو ان کے علاوہ اور سینکڑوں بادشاہ گزر چکے ہیں مگر جس طرح ان کا نام لیا جاتا ہے اور کسی کا بھی نہیں تو یہ اسی عزلت اور علیحدگی کی برکت ہے۔

جان سیمرغے کہ آمد سوئے قاف	جملۂ عالم ازولا فند و لاف
سیمرغ کی جان جو (کوہ) قاف کی طرف چلی آئی	تمام لوگ اناپ شناپ اس کی باتیں کرتے ہیں

یعنی سیمرغ کی جان جو کہ قاف کی طرف آئی تو سارا عالم اس سے شیخی مارتا ہے مطلب یہ کہ دیکھو سیمرغ جو قاف میں جا چھپا ہے تب سب لوگ اس کا ذکر کرتے ہیں اور اس کو کس قدر عظیم الشان اور ایک شے عجیب سب نے مان رکھا ہے اور جو جانور سب کے سامنے ہر وقت رہتے ہیں ان کو کوئی پوچھتا بھی نہیں بس اسی طرح وہ بھی پوشیدہ ہو کر اور زیادہ مشہور ہوئے غرضکہ انہوں نے تخت و تاج کو ترک کیا تب ان کو وصل حق حاصل ہوا اور ان کی طلب پوری ہوئی تو اسی لئے حضرت سلیمان علیہ السلام بلقیس کو فرماتے ہیں کہ اس طرح ظاہری ملک و مال کو ترک کرو تب تم کو دولت باطنی حاصل ہو سکتی ہے۔ آگے انہیں کا قصہ ہے فرماتے ہیں کہ۔

چوں رسید اندر سبا ایں نور شرق	غلغلے افتاد در بلقیس و خلق
یہ مشرق کی روشنی جب سبا میں پہنچی	لوگوں اور بلقیس میں شور مچ گیا

یعنی جب یہ نور مشرق (یعنی پیام سلیمانی) سبا میں پہنچا تو بلقیس میں اور لوگوں میں ایک شور مچ گیا۔

روحہائے مردہ جملہ پر زدند	مردگان از گور تن سر بر زدند
سب مردہ روحیں اڑنے لگیں	مردوں نے جسم کی قبر سے سر ابھارا

یعنی سارے مردہ روحیں پھڑ پھڑا اٹھیں اور مردوں نے گور تن سے سر نکالا۔

یک دگر را مژدہ می دادند ہاں	نک ندائے می رسید از آسماں
ایک دوسرے کو خوشخبری دیتا تھا کہ ہاں	یہ آواز آسمان سے آ رہی ہے

یعنی ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے تھے کہ ہاں یہ ندا آسمان سے پہنچ رہی ہے۔

زاں ندا دینہا ہمی گردند گبز	شاخ و برگ دل ہمی گردند سبز
اس آواز سے سب دین قوی ہوتے ہیں	دل کی شاخ اور پتے سبز ہو جاتے ہیں

یعنی اس ندا سے دین قوی ہوتے ہیں اور دل کی شاخ اور پتے سبز ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جب پیام سلیمانی ملک سبا میں پہنچا تو وہاں پر ہر شخص کو بے حد فرحت ہوئی اور سب لوگ خوش ہو ہو کر ایک دوسرے کو مبارکباد کہتے تھے کہ میاں اب دولت باطنی میسر ہونے والی ہے اور جس قدر روحیں مردہ ہو رہی تھیں سب کی سب زندہ اور خوش و خرم ہو گئیں یعنی سارے کے سارے مسلمان ہو گئے۔ اور حیات روحانی سب کو میسر ہو گئی۔......

از سلیماں آں نفس چوں نفخ صور	مردگاں را وارہانید از قبور
(حضرت) سلیمانؑ کے اس سانس نے صور پھونکنے کی طرح	مردوں کو قبروں سے رہائی دے دی

یعنی سلیماں علیہ السلام کا وہ پیغام نفخ صور کی طرح تھا کہ مردوں کو قبور سے چھڑا دیا۔ مطلب یہ کہ جس طرح نفخ صور سے مردہ زندہ ہو جاویں گے اور قبور سے نکل کھڑے ہوں گے اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے

پیام سے سب لوگوں کو حیات روحانی میسر ہوگئی۔ آگے مولانا مخاطب کو دعا دیکر اس قصہ کو ختم فرماتے ہیں۔

مر ترا بادا سعادت بعد ازیں	ایں گذشتہ و اللہ اعلم بالیقین
اس کے بعد تیرے لئے نیک بختی ہو	یہ گزر گیا یقینا اللہ زیادہ جانتا ہے

یعنی (اے مخاطب) تجھے سعادت حاصل ہو اس کے بعد یہ گزر گیا واللہ اعلم بالیقین۔ مطلب یہ کہ لو بھائی خدا تمہارا بھلا کرے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پیام کا قصہ تو ختم ہوا اب آگے حقیقت امر کی اللہ ہی کو خبر ہے آگے ان لوگوں کا قصہ اور حالت کے بیاں کو پورا فرماتے ہیں کہ پیام پہنچنے کے بعد ان کی کیا حالت ہوئی۔

شرح حبیبی

ترجمہ وتشریح:۔ ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کی سلطنت کو چھوڑنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے رات کے وقت تخت پر لیٹے ہوئے کوٹھے پر لوگوں کی آہٹ اور شور وغل کی آواز محسوس کی اور محل سرا کے کوٹھے پر تیز قدموں کی آواز سنی یہ واقعہ دیکھ کر اپنے دل میں کہا یہ کس کی مجال ہے کہ قصر شاہی پر یہ حرکت کرے اور روشندان سے للکارا کہ کون ہے اور خیال کیا کہ آدمی تو معلوم نہیں ہوتے ضرور پریاں ہیں اور کہا کہ تم کیا ڈھونڈتے ہو انہوں نے کہا کہ اونٹ تلاش کرتے ہیں یہ سن کر انہوں نے کہا کہ کوئی اونٹ کو کوٹھے پر بھی ڈھونڈتا ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ آپ تخت اور حکومت پر قائم رہ کر وصال خداوندی کیسے ڈھونڈتے ہیں یہ وجہ تھی کہ انہوں نے ملک کو چھوڑ دیا اور پھر ان کو اس ملک میں کسی نے نہیں دیکھا نیز وہ اس قدر عالی رتبہ پر پہنچ گئے کہ محجوبین سے یوں غائب ہو گئے جیسے آدمی کی نظر سے پری۔ ان کے حقیقت وکمالات باطنی مخفی تھے اور ان کی صورت فی الجملہ مخلوق کے سامنے تھی اور ہونا بھی یہی چاہئے تھا کیونکہ عام لوگ تو داڑھی اور گدڑی یعنی صورت ہی کو دیکھتے ہیں وہ حقیقت اور کمالات باطنی کو کیا دیکھ سکتے ہیں۔ خیر تو جبکہ انہوں نے خود بینی کو ترک کر دیا اور مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کی تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عنقا کی طرح جہاں بھر میں مشہور ہو گئے اور ہونا بھی چاہئے تھا۔ کیونکہ عزلت میں یہ خاص اثر ہے کہ اس سے گوشہ نشین مشہور ہو جاتا ہے۔ سیمرغ کو دیکھ لو کہ وہ کوہ قاف میں پہنچ گیا تو اس کی بابت دنیا میں کیا کیا چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ اس قصہ کو ختم کر کے مولانا پھر قصہ سلیمان وبلقیس کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب مشرق ہدایت کا نور یعنی پیغام سلیمان علیہ السلام ملک سبا میں پہنچا تو بلقیس اور دیگر اہل ملک کے اندر ایک عجیب شورش پیدا ہوگئی جتنی مردہ روحیں تھیں سب پر پرزے جھاڑ کر ہدایت کے لئے تیار ہو گئیں اور ان مردہ روحوں نے قبر تن سے سر باہر نکالا اور آپس میں ایک دوسرے کو بشارت دیتے تھے اور کہتے تھے کہ لو ندائے آسمانی پہنچ گئی۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ پیام سلیمانی سے اہل سبا کی یہ حالت کیوں نہ ہوتی۔ یہ تو وہ مبارک آواز ہے جس سے لوگوں کے ایمان بڑھتے ہیں اور شاخ وبرگ دل سرسبز ہوتے ہیں غرضکہ سلیمان علیہ السلام کی اس گفتگو نے نفع

صور کی طرح ارواح مردہ کو قبور اجسام سے نکال دیا خیراب اللہ تمہیں نیکی دے۔ یہ قصہ تو گزر گیا یہ واقعہ جس طرح ہمیں معلوم تھا ہم نے بیان کر دیا اور یقینی بات خدا ہی جانتا ہے۔ کہ کہاں تک صحیح ہے یہ اس لئے فرمایا کہ نص قطعی سے تو اجمالی طور پر واقعہ ثابت ہے رہی تفصیل مذکور سو اس کا ثبوت کسی قطعی دلیل سے نہیں بلکہ میرے نزدیک تو کسی ظنی دلیل سے بھی نہیں۔ ہاں اگر مولانا نے بالہام بیان فرمایا ہے اس وقت اسکا ثبوت ظنی طور پر ہو جاوے گا۔

شرح شبّیری

اہل سبا کے قصہ کا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی بلقیس کو دعوت کرنے کا بقیہ کہ اس پیام سے ہر شخص نے اپنی استعداد کے موافق مشکلات دیں حل کیں اور اس کا بیان کہ ہر جانور کو اس کے ہمجنس کی آواز سے شکار کیا جاتا ہے

قصہ گویم از سبا مشتاق وار	چوں صبا آمد بسوئے لالہ زار
میں مشتاقانہ سبا کا قصہ سناتا ہوں	جب لالہ زار کی جانب (باد) صبا پہنچی

یعنی میں صبا کا قصہ مشتاق کی طرح بیان کرتا ہوں کہ جب باد صبا لالہ زار کی طرف آئی۔

لاقت الاشباح یوم وصلہا	عادت الاولاد صوب اصلہا
جسم اپنے وصل کے دن سے وابستہ ہو گئے	اولاد اپنی اصل کی جانب لوٹ گئی

یعنی اجسام نے اپنے وصل کے دن سے ملاقات کی اور اولاد اپنی اصل کی طرف لوٹ آئی۔ مطلب یہ کہ جب وہ پیام سلیمانی سبا میں پہنچا تو تمام اجسام پر احکام روح کا غلبہ ہو گیا اور سب لوگ اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ گئے۔ یعنی سارے کے سارے مومن ہو گئے۔

امۃ العشق خفی فی الامم	مثل جود حولہ یوم السقم
عشق کی امت امتوں میں پوشیدہ ہے	اس سخاوت کی طرح جس کے چاروں طرف بیماری کا دن ہے

یعنی عشق کا گروہ اور امتوں کے درمیان میں مخفی ہے جیسے کہ بارش (کا دن) کہ اس کے گرد مصیبت کے دن ہوں۔ مطلب یہ کہ عاشق لوگ اوروں میں اس طرح چھپے ہوئے ہوتے ہیں جیسے کہ بارش کا دن ہوتا ہے۔ کہ اس

کے گرد تو مصیبت کے ایام ہوتے ہیں اور بیچ میں وہ ہوتا ہے اسی طرح عشاق بھی بیچ میں ہوتے ہیں اور چاروں طرف اور لوگ ہوتے ہیں اور یہ لوگ ان ہی میں مخفی ہوتے ہیں جیسے کہ یہ اہل سبا تھے۔ عشاق اور دوسرے آدمیوں کی طرح مگر ان میں اور ان میں حقیقتاً بے حد فرق تھا اور فرماتے ہیں کہ۔

ذلة الارواح من اشباحها	عزة الاشباح من ارواحها
روحوں کی ذلت ان کے جسموں سے ہے	جسموں کی عزت ان کی روحوں سے ہے

یعنی ارواح کی ذلت تو اجسام کی وجہ سے ہوتی ہے اور اجسام کی عزت ارواح سے ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ اگر روح پر غلبہ احکام جسم کا ہوا تو وہ روح تو ذلیل وخوار ہوگی اور اگر جسم پر غلبہ روح کا ہو گیا تو یہ اس جسم کی عزت افزائی ہے۔ آگے اہل سبا کو خطاب کر کے فرماتے ہیں اور مراد خطاب طالبین کو ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔

ایها العشاق السقیالکم	انتم الباقون البقیالکم
اے عاشقو! سیرابی تمہارے لئے ہے	تم باقی رہنے والے ہو اور بقا تمہارے لئے ہے

یعنی اے عشاق تمہارے لئے سیرابی ہے تم ہی باقی ہو اور بقا تمہارے ہی لئے ہے۔

ایها السالون قوموا او اعشقوا	ذاک ریح یوسف فاستنشقوا
اے بے فکر وا کھڑے ہو جاؤ اور عشق کرو	یہ (حضرت) یوسف کی خوشبو ہے سونگھ لو

یعنی اے افسردہ لوگو کھڑے ہو اور عاشق ہو جاؤ۔ یہ ریح یوسف ہے سونگھ لو۔ مطلب یہ کہ اے اہل سبا اور اے طالبین یہ پیام سلیمانی اور افادات شیخ تم تک پہنچے ہیں لہذا کھڑے ہو جاؤ۔ اور عاشق ہو جاؤ کیونکہ یہ ریح یوسف کی طرح بصیرت بخشنے والا ہے۔ لہذا اس کو حاصل کرو۔ اور اس کی طرف متوجہ ہو۔ یہ تو خطاب تھا طالبین کو کہ تم طلب میں کوشش کرو۔ آگے منطق الطیر سلیمانی کو مخاطب کر کے شیخ سے عرض کرتے ہیں کہ۔

منطق الطیر سلیمانی بیا	بانگ ہر مرغے کہ آید می سرا
اے سلیمانی منطق (الطیر) آ جا	جو مرغ آئے اس کی بولی بول

یعنی اے سلیمان علیہ السلام کی منطق الطیر آ اور جو جانور آوے اس کی آواز گا۔ (منطق الطیر سے مراد مطلق کلام وافادات)

چوں بمرغانت فرستادست حق	لحن ہر مرغے بدادستت سبق
جبکہ تجھے اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی جانب بھیجا ہے	تجھے ہر پرند کے لہجے کا سبق پڑھا دیا ہے

یعنی جب تم کو حق تعالیٰ نے جانوروں کی طرف بھیجا ہے اور ہر جانور کی آواز تم کو سکھائی ہے (مرغان سے مراد طالبین)

مرغ پر اشکستہ را از صبر گو	مرغ جبری را زبان جبر گو
پر ٹوٹے ہوئے پرند کو صبر کی تعلیم دے	جبری پرند کو جبر (کا نقصان) سمجھا

یعنی مرغ جبری کو زبان جبر (محمود) سے تعلیم کرو اور مرغ پراشکستہ کو صبر کی تعلیم کرو۔

مرغ عنقا را بخواں اوصاف قاف	مرغ صابر را تو خوش دار و معاف
عنقا پرند کو قاف کے اوصاف پڑھا	صابر پرد کو تو اچھا رکھ اور معاف کر

یعنی مرغ صابر کو تم خوش اور معاف رکھو اور مرغ عنقا سے قاف کے اوصاف بیان کرو۔

باز را از حلم گوئی و احتراز	مر کبوتر را حذر فرماز باز
باز کو بردباری اور پرہیز گاری سکھا	کبوتر کو باز سے بچنے کا حکم دے

یعنی کبوتر کو باز سے بچنے کی تعلیم کرو اور باز کو حلم کی اور بچانے کی تعلیم کرو۔

می کنش با نور جفت و آشنا	واں خفاشے را کہ ماند او بینوا
اس کو نور کا ساتھی اور آشنا بنا	اس چمگادڑ کو جو بے ساز و سامان ہے

یعنی اس خفاش کو جو کہ بے نوا رہ گئی ہے نور کے ساتھ جفت وآشنا کردو۔

مر خروساں را نما اشراط صبح	کبک جنگی را بیاموزاں تو صلح
مرغوں کو صبح کی علامات بتا	لڑاکا چکور کو تو صلح سکھا

یعنی لڑنے والے کبک کو صلح سکھلاؤ اور مرغوں کو صبح کی علامتیں سکھلاؤ۔

رہ نما واللہ اعلم بالصواب	ہمچنیں میروز ہد ہد تا عقاب
راہنمائی کر اور اللہ صواب کو زیادہ جانتا ہے	اسی طرح چلا چل، ہد ہد سے عقاب تک

یعنی اسی طرح ہد ہد (کم عقل) سے عقاب (عاقل) تک راہ دکھاتے ہوئے چلے چلو واللہ اعلم بالصواب. مطلب یہ ہے کہ اے شیخ جو کہ فیض رسانی میں مثل سلیمان علیہ السلام کے ہو تم کو حق تعالیٰ نے ہر شخص کی تعلیم کی استعداد دی ہے اور تم ہر کس و ناکس کی تعلیم کر سکتے ہو تو تم کو چاہئے کہ ہر شخص کو اس کی استعداد کے موافق تعلیم کرو۔ یہ نہیں کہ ذرا سی بات پر بگڑ بیٹھو۔ یا ہر شخص کو ایک لکڑی ہانکنا شروع کر دو اور سب کو اپنے درجہ پر کھینچو نہیں بلکہ خود ان کے مرتبہ پر نزول کر کے ان کی استعداد کے موافق سب کو تعلیم کرو غرضکہ طالبین کو توجہ دلائی کہ تم طلب کرو اور شیوخ سے ان کی تعلیم کے واسطے عرض کیا کہ جس سے کام بن جاوے اور وصل حق میسر ہو جاوے۔ آگے حضرت بلقیس کے اسلام لے آنے اور ملک و مال کو ترک کر دینے کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

اہل سبا کے قصہ کا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی بلقیس کو دعوت کرنے کا بقیہ کہ اس پیام سے ہر شخص نے اپنی استعداد کے موافق مشکلات دین حل کیں اور اس کا بیان کہ ہر جانور کو اس کی ہم جنس کی آواز سے شکار کیا جاتا ہے

ترجمہ وتشریح:۔ اب میں مشتاقانہ سبا کا قصہ بیان کرتا ہوں سنو جبکہ صبائے پیغام سلیمانی لالہ زار سبا میں آئی تو اجسام کو جو ہنوز فراق ارواح میں مبتلا تھے روز وصال نصیب ہوگیا اور فروع اپنی اصول کی طرف لوٹ گئیں یعنی اجسام غلبہ روحانیت سے ارواح بن گئے۔ یہ جماعت عشق کی جماعت تھی جو ہنوز مخفی تھی سنو کہ جماعت عشاق دیگر جماعتوں میں یوں ہی مخفی ہوتی ہے جیسے سخاوت مرض کی ملامت میں یعنی جیسے لوگ سخی کو جنوں و خبط مالیخولیا اور سفر میں مبتلا بتلاتے ہیں اور اس لئے وہ سخاوت ان کی نظر سے مخفی ہو جاتی ہے یوں ہی عشاق بھی غیر عشاق میں مخفی ہوتے ہیں اور دیکھنے والے ان کو بھی غیر عشاق ہی سمجھتے ہیں یہ تو جملہ معترضہ تھا اچھا اب سنو کہ اہل سبا کے اختفا کا سبب کیا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ان پر جسمانیت غالب تھی اور روحانیت مغلوب اور قاعدہ ہے کہ ارواح کی ذلت غلبہ اجسام سے ہے اور اجسام کی عزت غلبہ ارواح سے۔ تو چونکہ ان کے اجسام ان کی ارواح پر غالب تھے اس لئے ارواح ذلیل اور دبی ہوئی تھیں اور ان کیا آثار ظاہر نہ تھے۔ اس لئے وہ مخفی تھے۔ اب ارواح کا غلبہ ہوا اور اجسام نے بھی ارواح کی خاصیت قبول کر لی اور اس لئے ان کو بھی عزت حاصل ہوگئی لہذا ظاہر ہوگئے ہاں اے جماعت عشاق علی العموم یا بالخصوص اہل سبا تم سرسبز و شاداب رہو۔ تمہیں باقی رہنے والے ہو اور بقا تمہارے ہی لئے ہے۔ (پہلی صورت میں حصر حقیقی ہے اور دوسری صورت میں اضافی اور اے عشق سے بے خبر و اگر تم اپنی بقا چاہتے ہو تو تم بھی اٹھو۔ اور عاشق ہو جاؤ۔ دیکھو یوسف کی بو موجود ہے اسے سونگھو یعنی پیغام سلیمانی تمہارے پاس پہنچا ہے تم اسے سمجھو۔ اور محبوب حقیقی کا پتہ چلاؤ اور ہاں اے منطق الطیر سلیمانی تو بھی آ۔ اور چونکہ حق سبحانہ نے تم کو جانوروں کے پاس بھیجا ہے اور اس لئے تجھے ہر جانور کی زبان سکھلا دی ہے یعنی تجھ کو ناقصین کی تربیت کے لئے بھیجا ہے اور اس لئے تربیت کی طرف تعلیم فرمائے ہیں۔ اس لئے جو جانور تیرے پاس آئے اس سے اس کے مناسب بولی بول یعنی اس کی اصلاح کا وہی طریق اختیار کر جو اس کے لئے مناسب ہو۔ معتقد جبر جانور کو جبر کا نقصان بتلا۔ اور پر شکستہ جانور کو صبر کی ہدایت کر یعنی معتقد اختیار ناقص کو صبر عن المعاصی کی ہدایت کر اور جو جانور

کہ صابر ہو اس سے کچھ تعرض نہ کر یعنی جو شخص گناہوں سے پرہیز کرتا ہے اس کو کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو خود ہی صحیح رستہ پر چل رہا ہے اور جو لوگ عنقا صفت اور عالم غیب سے تعلق رکھنے والے ہیں ان سے عالم غیب کے متعلق گفتگو کر اور کبوتروں کو باز سے بچا اور باز کو حلم اور احتراز از کبوتر ان کی ہدایت کیجئے۔ یعنی مظلوموں اور کمزوروں کو ظالموں اور زبردستوں سے بچا اور ظالموں و جابروں کو ہدایت کر کہ وہ حلم کو کام میں لائیں اور کمزوروں کو نہ ستائیں۔ اور جو خفاش دولت نور سے محروم ہے اس کو نور کے ساتھ ملا اور اسے اس سے آشنا کر یعنی محجوبین کو معرفت حق سے بہرہ ور کر اور لڑنے والے چکور کو صلح سکھلا اور مرغوں کو علامات صبح سے آگاہ کر یعنی اہل حق جو بتلائے ردو قدح لا یعنی ہیں ان کو ہدایت کر کہ وہ اس خرافات کو ترک کریں اور اپنے گرانمایہ وقت کی قدر کریں اور جب لوگ ہدایت سے مناسبت رکھتے ہیں ان کو ہدایت کر غرضکہ چھوٹے سے لے کر بڑے تک اور ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک کی اس کے حال کے مناسب تربیت کر اور راہ حق دکھلا۔ تم الکلام و اللہ اعلم بالصواب۔

شرح شبّیری

بلقیس کا ملک و مال سے بوجہ شوق ایمان کے آزاد اور مست ہو جانا اور تمام ملک سے اس کا التفات منقطع ہو جانا مگر تخت سے

چوں سلیماں سوئے مرغان سبا	یک صفیری کرد و بست آں جملہ را
جب سلیمانؑ نے سبا کے پرندوں کے لئے	ایک سیٹی بجائی اور سب کو باندھ لیا

یعنی جبکہ سلیمان علیہ السلام نے سبا کے جانوروں کی طرف ایک آواز کی تو ان سب کو باندھ لیا۔

جز مگر مرغے کہ بد بیجان و پر	یا چو ماہی گنگ بد از اصل و کر
سوائے اس پرند کے جو بے جان اور بے پر تھا	یا جو مچھلی کی طرح پیدائشی گونگا اور بہرا تھا

یعنی مگر سوائے اس مرغ کے جو کہ بے جان و پر تھا یا مچھلی کی طرح اصل ہی سے گونگا اور بہرہ تھا۔ مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو دعوت اسلام فرمائی اور اہل سبا کو اپنی طرف بلایا تو تمام اہل سبا اس طرف متوجہ ہو گئے اور سب نے اس کو قبول کیا لیکن جو لوگ ایسے تھے کہ گویا کہ اصل سے استعداد تھی ہی نہیں تو ایسے لوگوں نے اس کو قبول نہیں کیا اس لئے کہ ایسے لوگ جو بالکل ہی بہرے گونگے ہوں وہ کیا ہدایت پا سکتے ہیں اور یہ جو کہا ہے کہ ''یا چو ماہی گنگ بد از اصل و کر'' اس سے شبہ پڑتا ہے کہ جب ان میں اصل فطرت سے استعداد تھی ہی نہیں تو وہ تو مکلف ہی نہ تھے اسی شبہ کو شرح میں گویا کے لفظ سے دور کیا ہے کہ ان کی استعداد ایسی ضعیف ہو گئی تھی کہ گویا کہ اصل سے تھی ہی نہیں پھر ان کو ہدایت کیسے ہوتی۔ آگے اس مضمون سے اضراب فرماتے ہیں کہ۔

نے غلط گفتم کہ کر کر سرنہد	پیش وحی کبریا سمعش دہد
نہیں میں نے غلط کہا اگر بہرا سر رکھ دے	خدا کی وحی کے سامنے وہ اس کو سننے کی طاقت دیدے

یعنی نہیں میں نے غلط کہا بلکہ اگر بہرا وحی کبریا کے آگے سر رکھ دے تو اس کو وہ کان دے۔ مطلب یہ کہ فرماتے ہیں کہ میں نے جو کہدیا کہ چونکہ وہ لوگ گنگ وکر تھے اس لئے ان کو کس طرح ہدایت ہو سکتی تھی تو یہ میں نے غلط کہا ہے اس لئے کہ اگر کوئی ضعیف الاستعداد اطاعت حق کرے اور اپنی طرف سے کوشش کرے تو حق تعالیٰ اس کی مدد فرماتے ہیں اور اس کی استعداد میں قوت پیدا فرما دیتے ہیں کہ جس سے وہ قوی الاستعداد ہو جاتا ہے خیر غرضکہ اکثر اہل سبا نے دعوت کو قبول کیا۔

چونکہ بلقیس از دل وجان عزم کرد	بر زماں رفتہ ہم افسوس خورد
چونکہ بلقیس نے دل و جان سے پختہ ارادہ کیا	گزشتہ ہدلوں پر بھی اس نے افسوس کیا

یعنی جبکہ بلقیس نے بدل وجان (ایمان لانے کا) قصد کر دیا اور گذشتہ زمانہ (کفر) پر افسوس بھی کیا۔

ترک مال و جان کرد او آنچناں	کہ بترک نام وننگ آں عاشقاں
اس نے مال اور ملک کو اس طرح چھوڑ دیا	جو عاشقوں کے نام و ننگ کو چھوڑنے کی طرح تھا

یعنی انہوں نے مال وجاہ کو اس طرح ترک کر دیا جس طرح کہ وہ عاشقان (حق) نام وننگ کو ترک کر دیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ عشاق حق کو نام وننگ کی پرواہ نہیں ہوتی بس اطاعت حق کرتے ہیں خواہ نام ہو یا نہ ہو اور خواہ ظاہری ننگ وناموس کے خلاف ہو یا موافق۔ بس اسی طرح انہوں نے بھی یک لخت تمام مال ودولت کو ترک کر دیا اور ایمان لانے کا قصد کر دیا۔

آں غلامان و کنیزان بناز	پیش چشمش ہمچو بوسیدہ پیاز
وہ نازپروردہ غلام اور باندیاں	اس کی آنکھوں کے سامنے سڑی ہوئی پیاز کی طرح تھے

یعنی وہ نازنین غلام اور باندیاں اس کی آنکھ میں سڑے ہوئے پیاز کی طرح ہو گئے۔

باغہاؤ قصر ہاؤ آب رود	پیش چشمش از عشق گلخن می نمود
باغات اور قلعے اور نہر کا پانی	عشق کی وجہ سے نگاہوں کو بھٹی نظر آتے تھے

یعنی باغات اور محلات اور نہر کا پانی اس کی آنکھ کے آگے عشق (حق) کی وجہ سے بھاڑ دکھائی دیتے تھے مطلب یہ کہ تمام چیزیں ہیچ اور بے وقعت دکھائی دیتی تھیں اور سب چیزوں سے عشق حق کی وجہ سے نفرت ہو گئی تھی۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

عشق در ہنگام استیلاؤ خشم	زشت گرداند لطیفاں را بچشم
عشق اور غصہ غلبہ کے وقت	عمدہ چیزوں کو آنکھ کے سامنے برا بنا دیتا ہے

یعنی عشق غلبہ اور غصہ کے وقت میں تمام (ظاہری) لطیفوں کو آنکھ میں برا کر دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ جب عشق کا غلبہ ہوتا ہے تو جو چیزیں کہ بظاہر بہت عمدہ اور لطیف تھیں اب وہ بھی بری اور گندی نظر آنے لگتی ہیں اور ان سے دلچسپی نہیں رہتی اور یہ حالت ہو جاتی ہے کہ۔

مر زمرد را نماید گندنا	غیرت عشق ایں بود معنی لا
زمرد کو گندنا دکھا دیتی ہے	عشق کی غیرت بھی لا کے معنی ہیں

یعنی زمرد کو غیرت عشق گندنا دکھلاتی ہے اور یہ ہوتے ہیں فنا کے مطلب۔ مطلب یہ کہ فنا کے یہ معنی ہیں کہ تمام چیزیں بجز ذات حق کے اور عشق حق کے بالکل ہیچ اور فانی نظر آویں کہ گویا ہیں ہی نہیں اور جب عشق کا غلبہ ہوتا ہے تو پھر یہی حالت ہو جاتی ہے کہ تمام چیزیں بالکل ہیچ اور بے وقعت دکھلائی دیتی ہیں۔

لا الٰہ الا ھو اینست اے پناہ	کہ نماید مہ ترا دیگ سیاہ
اے پناہ (کے طالب) نہیں ہے کوئی معبود مگر وہ"	کہ تجھے چاند کالی دیگ نظر آئے

یعنی اے پناہ گزیں لا الٰہ الا ھو یہی ہے کہ چاند تم کو ایک دیگ سیاہ دکھلائی دے۔ مطلب یہ کہ فنا کے معنی جو کہ حاصل ہے لا الٰہ الا ھو کا یہی ہیں کہ تمام چیزیں بے وقعت اور ہیچ معلوم ہوں۔ مثلاً چاند ہے کیسا چمکدار اور خوبصورت ہے لیکن اس عاشق کی نظر میں اس کی بھی کوئی وقعت نہ ہو اور یہ واقعہ ہے کہ اس ذات پاک کے سامنے اس کی در حقیقت کوئی بھی وقعت نہیں ہے۔ آگے پھر قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

ہیچ مال و ہیچ مخزن ہیچ رخت	می دریغش نامد الا جز کہ تخت
کسی مال اور کسی خزانہ اور کسی سامان پر	بجز تخت کے اس کو افسوس نہ ہوا

یعنی کسی مال اور کسی خزانہ کا اور کسی اسباب کا اس کو افسوس نہ آتا تھا لیکن تخت کا۔ مطلب یہ کہ بلقیس کو کسی شے کے چھوڑنے کا قلق نہ تھا ہاں رہ رہ کر تخت کے چھوڑنے کا خیال آتا تھا کہ یہ رہ جاوے گا۔ اور اب مجھے نہ ملے گا کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس تو نیاز مندانہ اور غلامانہ حاضر ہو رہی تھیں تو ان کو یہی خیال تھا کہ اب ان کا قبضہ اس پر ہو جاوے گا تو اور چیزوں کا تو ان کو افسوس نہ ہوتا تھا ہاں ایک تخت کا افسوس ہوتا تھا کہ افسوس یہ ہاتھ سے نکل جاوے گا۔

پس سلیماں از دلش آگاہ شد	کز دل او تا دل او راہ بد
سلیمانؑ اس کے دل (کے خیال) سے واقف ہو گئے	کیونکہ ان کے دل سے اس کے دل تک راستہ تھا

یعنی پس سلیمان علیہ السلام ان کے دل سے آگاہ ہو گئے کیونکہ ان کے دل سے ان کے دل تک راہ تھی۔ مطلب یہ کہ چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے قلب سے ان کے قلب تک راہ تھی کیونکہ وہ صاحب وحی تھے اس لئے ان کو حضرت بلقیس کے مافی الضمیر کی خبر ہو گئی۔ آگے اس خبر ہو جانے میں جو ایک استبعاد تھا اس کو دور فرماتے ہیں کہ۔

آں کسے کو بانگ موران بشنود	ہم ز دوزان سر دوران بشنود
جو شخص چیونٹی کی آواز سن لے	دور سے دور رہنے والوں کا راز سن لے

یعنی جو شخص کہ چیونٹیوں کی آواز سن لے وہ دوروں سے دوروں کی آواز بھی سن لیتا ہے۔

آنکہ گوید راز قالت نملۃ	ہم بد اندر از ایں طاق کہن
جو "چیونٹی نے کہا" کا راز بتا دے	اس پرانی محراب کا راز بھی جان لے

یعنی جو شخص کہ قالت نملۃ کے راز کو بیان کردے اور اس پرانے طاق (آسمان) کا راز بھی بیان کردے (تو اس کو کسی کی مافی الضمیر کا معلوم کر لینا کیا مشکل ہے)

دید از دورش کہ آں تسلیم کیش	تلخش آمد فرقت آں تخت خویش
اس نے دور سے دیکھ لیا کہ اس تسلیم (و رضا) والی کو	اپنے تخت کی جدائی گراں ہوئی ہے

یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان کو دور سے دیکھا کہ اس تسلیم کیش کو اپنے تخت کی فرقت ناگوار معلوم ہوئی ہے مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ ان کو تخت کا چھوڑنا ناگوار ہوا ہے اب آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

گر بگویم آں سبب گردد دراز	کہ چرا بودش بہ تخت آں عشق وساز
اگر میں اس کا سبب بتاؤں لمبا ہو جائے گا	کہ اس کو تخت سے عشق اور محبت کیوں تھی؟

یعنی اگر میں اس سبب کو بیان کروں تو وہ دراز ہو جاوے کہ ان کو تخت سے وہ عشق وساز کیوں تھا۔ مطلب یہ کہ اگر میں اس کا سبب بیان کروں کہ ان کو تخت سے محبت کیوں تھی اس لئے کہ ہر شے کو اپنے ہم جنس سے تعلق اور انس ہوتا ہے اور تخت ان کا ہم جنس تھا نہیں تو ان کو اس سے محبت کیوں تھی تو یہ بیان بہت طویل ہو جاوے اس لئے میں بیان نہیں کرتا لیکن آگے دو مثالیں دیکر اس سبب کی طرف اشارہ کردیا فرماتے ہیں کہ۔

گرچہ ایں کلک قلم خود بے حسے است	نیست جنس کاتب او را مونسے است
اگرچہ یہ پورا اور قلم خود بے حس ہے	وہ کاتب کا (ہم) جنس نہیں ہے اس کے لئے مونس ہے

یعنی اگرچہ یہ کلک اور قلم خود ایک بے حس ہے اور جنس کاتب نہیں ہے (لیکن) اس کا مونس ہے۔

ہمچنیں ہر آلت پیشہ ورے	ہست بیجاں مونس ہر جانورے
اسی طرح ہر پیشہ ور کا ہر اوزار	بے جان ہے (اور) جاندار کے لئے مونس ہے

یعنی اسی طرح پیشہ ور کا ہر آلہ بے جان ہے (لیکن) ہر جاندار کا مونس ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو قلم جو کہ بے جان ہے اور آلہ پیشہ ور جو کہ بے جان ہے لیکن اس سے جانداروں کو یعنی کاتبوں کو اور پیشہ وروں کو انس اور محبت ہوتی ہے تو باوجود غیر جنس ہونے کے اس سے تعلق اور محبت ہے تو بس اس میں بھی کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کہ ان کو

باوجود غیر جنس ہونے کے اس تخت سے انس اور محبت تھی یہاں مولانا نے سبب کی طرف بھی اشارہ فرمادیا اور وہ یہ کہ آلات سے پیشہ ور کو یا قلم سے کاتب کو انس کیوں ہوتا ہے۔ اسی لئے کہ وہ اس کے نفع کا سبب ہوتے ہیں اور ان سے اس کو نفع ہوتا ہے تو اس نفع کی وجہ سے ان کو ان چیزوں سے انس ہوتا ہے۔ تو اس طرح چونکہ حضرت بلقیس کے لئے یہ تخت نفع کا سبب تھا یعنی ان کو اس سے جاہ میسر ہوتی تھی اور اس تخت ہی کی بدولت وہ بادشاہ کہلاتی تھیں تو اس نفع کے فوت ہونے کے سبب سے ان کو قلق ہوتا تھا کہ یہ نفع جاتا رہے گا اور یہ جاہ مفقود ہو جاوے گی۔ یہ سبب اس تخت سے انس کا تھا۔ اور مبتدی کے لئے تو ایسا ہوتا کہ اس کو کسی سے باوجود حصول نسبت کے تعلق اور انس رہے کوئی تعجب کی بات ہی نہیں اس لئے کہ بعض منتھیوں کو بھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو کپڑا کا شوق ہے مثلاً کسی کو باغ ہی کا شوق ہے کسی کو پھولوں کا شوق ہے۔ علیٰ ہذا تو یہ بھی نقص کی علامت ہے کہ کیوں اتنا تعلق بھی غیر اللہ سے باقی ہے اور تعلق اس کو کہتے ہیں کہ ان چیزوں کا اہتمام کیا جاوے اور ان میں کچھ انہماک ہو کہ مثلاً کسی کو پھولوں کا شوق ہے تو اب کہیں بیج منگوائے جارہے ہیں لوگوں سے فرمائشیں ہوتی ہیں یہ تو اہتمام اور اگر کسی عمدہ شے کو دیکھ کر دل خوش ہو تو یہ اس میں داخل نہیں اور اس کو تعلق مع غیر اللہ نہ کہا جاوے گا۔ غرضکہ ان کو اس تخت سے باوجود حصول نسبت مع اللہ کے تعلق باقی تھا آگے جب ان کو اور ترقی ہوئی تو ان کو اس سے بھی تعلق نہیں رہا لیکن پہلے پہلے صرف اس سے تعلق تھا آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

این سبب را من معین گفتمے	گر نبودے چشم فہمت رانمے
اس سبب کو میں معین کر کے بتا دیتا	اگر تیری سمجھ کی آنکھ میں نمی نہ ہوتی

یعنی میں اس سبب کو معین کر کے بتلا دیتا اگر تیری چشم فہم میں نم نہ ہوتا۔ مطلب یہ کہ اگر تمہارے فہم میں کمی نہ ہوتی تو میں اس تعلق مع السریر کو معین کر کے بیان کر دیتا اور بتلا دیتا کہ یہ سبب تھا مگر چونکہ تمہارا فہم درست نہیں اس لئے ممکن ہے کہ کچھ اور سمجھ جاؤ لہذا میں نے اس کو نہیں بتلایا۔ اور وہ سبب یہ تھا کہ چونکہ انسان مظہر ہے صفات حق کا اور منجملہ صفات کے قدرت اور استیلاء اور غلبہ بھی ہے اور انسان اس کا بھی مظہر ہے تو انسان کا دل چاہا کرتا ہے کہ اس کو بھی ہر شے پر غلبہ ہو اور ہر شے اس کے احاطہ قدرت میں ہو جاوے حتیٰ کہ یہ اول کسی شے پر غلبہ کی کوشش کرتا ہے اور جب اس پر قدرت اس کو نہیں ہوتی تو پھر صرف استیلاء علمی ہی کو غنیمت جانتا ہے اور صرف اس کے علم ہو جانے ہی پر اکتفا کرتا ہے۔ کہ مثلاً ہم کو کلکتہ کا علم ہے بمبئی کا علم ہے علیٰ ہذا اور یہ قطب شمالی وغیرہ کی تلاش بھی اسی کی فرع ہے کہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہم کو استیلاء علمی ہو جاوے کہ یہ فخر ہوگا کہ ہمارا علم اس قدر چیزوں کو احاطہ کئے ہوئے ہے اور اس کے جو اسباب ہوتے ہیں اس سے انسان کو محبت اور انس ہوتا ہے تو اسی طرح بلقیس کے لئے چونکہ تخت موجب جاہ اور سبب غلبہ تھا اس لئے ان کو اس سے انس اور محبت تھی۔ خوب سمجھ لو اب یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب ان کو اس قدر تعلق تھا تو اس کو ساتھ ہی رکھ لیا ہوتا مولانا اس کا جواب دیتے ہیں کہ۔

از بزرگی تخت کز حد می فزود	نقل کردن ہیچ نوع امکان نبود
تخت کی بڑائی کی وجہ سے جو حد سے زیادہ تھی	(اس کا) نقل کرنا کسی طرح ممکن نہ تھا

یعنی تخت کی بڑائی کی وجہ سے جو کہ حد سے بڑھ گئی تھی کسی طرح منتقل کرنا ممکن نہ تھا مطلب یہ کہ وہ اس قدر بڑا تھا کہ اس کو کہیں اٹھا کر لے جانا ممکن ہی نہ تھا اب یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس کے ٹکڑے کر کے لپیٹ کر ساتھ رکھ لیا جاتا تو اس کا جواب آگے دیتے ہیں کہ۔

خورده کارے بود تفریقش خطر	ہمچو اوصال بدن بایک دگر
باریک کام تھا اس کے ٹکڑے کرنا خطرناک تھا	جیسا کہ آپس میں بدن کے جوڑ

یعنی مینا کاری ایسی تھی کہ اس کا جدا کرنا خطرناک تھا جیسی کہ بدن کے جوڑ ایک دوسرے کے ساتھ مطلب یہ کہ جس طرح کہ انسان کے بدن کے جوڑ ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کر سکتے ہیں اور اگر کریں گے تو انسان نہ رہے اسی طرح اس تخت میں مینا کاری اس طرح ہو رہی تھی کہ اگر اس کو الگ الگ کر کے تہہ کیا جاتا تو وہ خراب ہو جاتا۔ لہٰذا اس کو لپیٹ کر بھی ساتھ رکھنا ممکن نہ تھا۔

پس سلیماں گفت گرچہ فی الاخیر	سرد خواہد شد برو تاج و سریر
(حضرت) سلیمانؑ نے فرمایا اگرچہ اخیر میں	اس کے لئے تاج و تخت بے وقعت ہو جائے گا

یعنی پس سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگرچہ اخیر میں ان پر تاج و تخت (سب) سرد ہو جاوے گا (جز اس اگرچہ کی تین شعر بعد شعر لیک خود با ایں ہمہ الخ ہے اور بیچ میں مولانا بطور جملہ معترضہ کے ایک مضمون فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اگرچہ اخیر میں جب ان کو حلاوت ایمان پوری میسر ہو جاوے گی اس وقت تو ان کا دل تخت وغیرہ سے سب سے پھر جاوے گا اور سب چیزیں ہیچ معلوم ہوں گی۔ لیکن اس وقت خیر ان کی خاطر سے اس تخت کو منگایا جاوے تا کہ ایمان لانے کے وقت ان کے دل میں کسی شے کے فوت ہو جانے کا افسوس نہ ہو اور ایمان بالکل پختہ ہو کہ اس میں کوئی شے مخل نہ ہو۔ ورنہ شاید یہ خیال ہو کہ افسوس ایمان لانے سے تخت چھوٹ گیا۔ تو ان کی اس مصلحت پر نظر کر کے تخت کے منگانے کی تجویز فرمائی یہ مطلب اس شعر کے ساتھ ملا کر سمجھا دیا گیا تا کہ آسانی ہو اب اس جملہ معترضہ کو سمجھ لو) فرماتے ہیں کہ۔

چوں ز وحدت جان بروں آرد سرے	جسم را بافرا و بنود فرے
جب وحدت سے جان برآمد ہو گی	اس کی شان کے مقابلہ میں جسم کی شان نہ رہے گی

یعنی جب وحدت سے کوئی جان سر باہر نکالے تو جسم کو اس کے فر کے ساتھ کوئی فر نہ ہوگا۔ مطلب یہ کہ جب کسی پر وحدت کا غلبہ ہوگا اور کوئی شخص وحدت میں سے سر نکالے گا اور اس پر توحید کا غلبہ ہوگا تو اس کو عزت روحانی

کے مقابلہ میں عزت جسمانی کی کوئی پرواہ نہ رہے گی۔ آگے اس کی مثال دیتے ہیں کہ۔

چوں برآید گوہر از قعر بحار	ننگری اندر کف و خاشاک و خار
جب موتی ' سمندروں کی گہرائی سے باہر آئے گا	تو کوڑے کرکٹ اور کانٹے کی طرح نظر نہ کریگا

یعنی جب دریا کے قعر میں سے موتی نکل آوے تو تم جھاگ میں اور خاشاک و خار میں نظر نہ کرو گے۔ مطلب یہ کہ دیکھو اگر تم موتی کی تلاش میں غوطہ لگاؤ تو دریا کے اندر جانے سے تمہارے ہاتھ میں کبھی کف دریا آ جاوے گا اور کبھی خاشاک و خار آ جاوے گا اور تم اسی کو دریا سے نکال کر باہر لاؤ گے لیکن یہ جب ہی تک ہے جب تک موتی نہیں ملا۔ اور جب موتی مل گیا تو پھر ان خس و خاشاک میں کبھی بھی نظر نہ کرو گے۔ بلکہ موتی کو لے کر گھر کا راستہ لو گے۔ اسی طرح جب تک توحید کا غلبہ جان پر نہیں ہوا ہے اسی وقت تک جسم کی آرائش میں ہو اور جسم سے تعلق ہے اور جب اس کا غلبہ ہو جاوے گا پھر اس جسم کو کون پوچھے گا۔ آگے دوسری مثال دیتے ہیں کہ۔

سر برآرد آفتاب با شرر	دم عقرب را کہ سازد مستقر
جب شعلہ بار سورج نکلتا ہے	دم عقرب (ستارے) کو کون ٹھکانا بناتا ہے

یعنی آفتاب باشرر (جب) سر نکالے تو عقرب (ستارہ) کی دم کو کون مستقر بنا دے گا مطلب یہ کہ عقرب جو ستارہ ہے اول تو رات کے وقت لوگ اسی کی چمک کو دیکھ رہے ہیں تھے اور اسی کو بہت بڑی شے سمجھ رہے تھے لیکن جب آفتاب عالمتاب نکل آیا پھر اس بیچارہ عقرب کو کون پوچھتا ہے اسی طرح بعد غلبۂ توحید کے اس جسم کی طرف بالکل التفات نہیں رہتا۔ تو اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر چہ اخیر میں غلبہ توحید کے وقت ان کو اتنا بھی تعلق نہ رہے گا لیکن۔

لیک خود با اینہمہ در نقد حال	جست باید تخت او را انتقال
لیکن باایں ہمہ اس وقت	اس کے تخت کو منتقل کرانا چاہیے

یعنی لیکن باوجود اس سب کے اسی وقت اس کے تخت کے منتقل کرنے کی تدبیر کرنی چاہیے۔

تا نگردد خستہ ہنگام لقا	کود کانہ حاجتش گردد روا
تاکہ ملاقات کے وقت خستہ (دل) نہ ہو	اس کی بچکانہ خواہش پوری ہو جائے

یعنی تا کہ ملاقات کے وقت وہ خستہ نہو۔ اور بچوں کی سی اس کی حاجت روائی ہو جاوے مطلب یہ کہ جس طرح کہ بچوں کی ضدیں پوری کیا کرتے ہیں اسی طرح اس کی حاجت روائی بھی ہو جاوے۔

ہست بر ما سہل داو را بس عزیز	تا بود برخواں حوراں دیو نیز
ہمارے لئے آسان اور اس کو بہت پیارا ہے	تاکہ پریوں کے دستر خوان پر دیو بھی ہو

یعنی ہمارے اوپر تو ایک حقیر شے ہے اور اس کے لئے بہت محبوب ہے تا کہ حوروں کے خوان پر ایک دیو بھی ہو۔ مطلب یہ کہ اگر چہ تخت ہمارے نزدیک تو بالکل حقیر سے ہے مگر اس کو محبوب ہے تو اس کی مہمانی میں جو ہم اس کو دولت باطنی جو کہ حوروں کی طرح ہے دینگے تو خیر اس کے لئے اس کا تخت بھی جو دولت ظاہری ہے اور دیو کی طرح ہے وہ بھی اس کو دیدیں گے۔ حوروں کے ساتھ ایک شیطان بھی سہی اس سے فی الحال تو یہ فائدہ ہوگا کہ ایمان لانے کے وقت اس کو کوئی افسوس اپنے ایمان لانے پر نہ ہوگا۔ اور ایک فائدہ آئندہ کے لئے یہ ہوگا کہ۔

عبرت جانش بود آں تخت باز	ہمچو دلق و چار قے پیش ایاز
پھر وہ تخت اس کی جان کے لئے باعث عبرت بنے	جیسا کہ ایاز کے لئے ' گدڑی اور چپل

یعنی پھر وہ تخت اس کی جان کے لئے عبرت ہوگا جیسے کہ گدڑی اور جوتیاں ایاز کے آگے' مطلب یہ کہ جس طرح کہ ایاز نے اپنی جوتیاں اور گدڑی جو کہ اول دفعہ وہ پہن کر محمود غزنوی کے سامنے آیا تھا رکھ رکھی تھیں اور ان کو دیکھ دیکھ کر روزمرہ کہا کرتا تھا کہ اے نفس تو تو وہ ہے جو کہ اس گدڑی کو پہنے ہوئے تھا اور یہ جوتیاں تیرے پاؤں میں تھیں آج جو یہ دولت اور مال اور عزت وحرمت تجھے نصیب ہوا ہے یہ سب محمود کا طفیل ہے دیکھ نمک حرامی مت کرنا۔ دیکھ بیوفائی غداری مت کرنا تو وہ جوتیاں اور گدڑی اس کے لئے عبرت ہوگئی تھیں۔ اسی طرح اس بلقیس کو جب دولت باطنی ملے گی تو اس تخت سے یہ نفع ہوگا کہ یہ اس کو دیکھے گی اور کہے گی کہ اے نفس تو تو ایسا تھا کہ اس تخت پر رہا کرتا تھا اور اس پر جان دے دیتا تھا آج جو تجھے یہ نعمت ملی ہے یہ سب فضل حق ہے اس کا شکر یہ ادا کر اس کی اطاعت کر نمک حرامی مت کر۔ تو اس تخت کے منگانے سے بعد میں یہ نفع ہوگا۔ غرضکہ اس تخت کے منگا لینے میں ہر طرح بلقیس کا دینی فائدہ ہے کہ اب تو اس کو ایماں پر افسوس نہ ہوگا اور بعد ایمان اور حصول دولت باطنی کے یہ فائدہ ہوگا کہ۔

تا بداند در چہ بود آں مبتلاء	از کجا ہا در رسید او تا کجا
تا کہ اسے پتہ چل جائے وہ کس چیز میں پھنسی تھی؟	وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے

یعنی تا کہ وہ جان لے کہ وہ کس چیز میں مبتلا تھی اور کہاں سے وہ کہاں تک پہنچ گئی (تو اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ اپنی اصلیت اس کے پیش نظر رہے گی) آگے مولانا اخیر سرخی تک اس مضمون کو بیان فرماتے ہیں کہ اسی طرح حق تعالیٰ نے انسان کی اصل یعنی نطفہ کو اور آب وگل کو سب کو اس کے سامنے رکھا ہے کہ یہ دیکھے کہ میری یہ اصل تھی اور پھر اس کو عبرت ہو کہ میں کیا تھا اور کیا ہوگیا تو اس سب کو فضل رب سمجھ کر انکار حق نہ کرے فرماتے ہیں کہ۔

خاک راؤ نطفہ راؤ مضغہ را	پیش چشم ما ہمی دارد خدا
خاک اور نطفہ کو اور مضغہ کو	خدا ہماری نظروں کے سامنے رکھتا ہے

یعنی خاک کو اور نطفہ کو اور مضغہ کو ہماری آنکھ کے سامنے اسی لئے حق تعالیٰ رکھتے ہیں۔

از کجا آوردمت اے بدنیت	کہ ازاں آید ہمی خضریقیت
اے بدنیت! میں تجھے کہاں سے لایا ہوں؟	کہ اس سے تجھے شرم آتی ہے

یعنی کہ اے بدنیت میں تجھے کہاں سے لایا ہوں کہ تجھے اس سے شرم معلوم ہوتی ہے۔

تو بداں عاشق بدی در دور آں	منکر ایں فضل بودی آں زماں
تو اس کے زمانہ میں اس کا عاشق تھا	اس وقت اس فضیلت کا منکر تھا

یعنی اس زمانہ میں اس (حالت) کا عاشق تھا اور (بزبان حال) اس فضل کا اس وقت منکر تھا۔

ایں کرم چوں دفع آں انکارتست	کہ میاں خاک میگردی نخست
یہ کرم گویا اس انکار کا رد ہے	جو تو نے خاک ہوتے ہوئے پہلے کیا تھا

یعنی یہ کرم جب اس انکار کا دفع ہے جو کہ تو خاک کے درمیاں (ہونے کی حالت میں) پہلے کہا کرتا تھا۔

حجت انکار شد انشار تو	از دوا بدتر شد ایں بیمار تو
تیری پیدائش تیرے انکار کیخلاف دلیل ہو گئی	تیرا یہ بیمار دوا سے اور بگڑ گیا

یعنی تیرا زندہ کرنا انکار کی حجت ہوگیا اور دوا سے تیرا یہ بیمار بدتر ہوگیا (ورنہ)

خاک را تصویر ایں کار از کجا	نطفہ را خصمے و انکار از کجا
مٹی سے اس کام کا تصور کہاں؟	نطفہ میں جھگڑالو پنا اور انکار کہاں؟

یعنی خاک کو اس کام کی تصویر کہاں سے آئی اور نطفہ میں جھگڑا کرنا اور انکار کہاں سے آیا۔

چوں درآندم بیدل و بے سر بدی	فکرت و انکار را منکر بدی
چونکہ تو اس وقت بغیر دل اور سر کے تھا	تو فکر اور انکار کا منکر تھا

یعنی جیسا کہ اس دم تو بے دل اور بے سر کے تھا اور فکر اور انکار کا تو منکر تھا۔

از جمادی چونکہ انکارت برست	ہم ازیں انکار حشرت شد درست
مٹی ہونے کی حالت میں جبکہ تو نے انکار کیا	تیرے اسی انکار سے تیرا حشر ثابت ہو گیا

یعنی جمادی سے جبکہ تیرا انکار پیدا ہوا تو اسی انکار سے تیرا حشر درست ہوگیا۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو حق تعالیٰ نے نطفہ کو اور مضغہ وغیرہ کو جس سے کہ ترکیب انسان ہوئی ہے انسان کی آنکھوں کے سامنے رکھا ہے تاکہ یہ ان اشیاء کو دیکھے کہ میری اصل یہ ہے جس کو دیکھ کر بھی اب شرم آتی ہے اور اب جو یہ فضل ہوا ہے کہ نطفہ سے انسان بن گیا اور آب وگل سے ایک عاقل بن گیا۔ اس کا بھی تو بزبان حال اس وقت انکار تھا بلکہ اس انکار کا بھی

جو کہ ایک فعل ہے انکار تھا اس لئے کہ اس وقت تو جو حالت تھی اسی کو غنیمت جانتے تھے اور اسی میں محو تھے لیکن پھر جو تم نے ترقی کی اور جس انکار کا کہ انکار تھا وہ پیدا ہوا تو اس انکار کے پیدا ہونے سے تم جھوٹے ہو گئے اور ثابت ہو گیا کہ تمہارا وہ انکار بالکل غلط اور بیہودہ تھا کہ اس انکار کے زندہ ہونے سے اور وجود میں آنے سے ہی وہ انکار غلط ہو گیا۔ تو اب تمہارا انکار حشر کہ کہتے ہو کہ بھلا اب مرنے کے بعد کس طرح زندہ ہوں گے اس حیات سے باطل ہو جاوے گا اور تمہاری یہ حیات ثابت کر رہی ہے کہ تمہارا انکار حشر غلط ہے۔ اس لئے کہ تم نے جو اول اس حیات کا انکار کیا تھا بلکہ اس انکار کا بھی جو کہ اس وقت کر رہے انکار کیا تھا کیونکہ یہ بھی تو شعبہ ہے حیات کا اور وہ سب غلط ہوا تو ثابت ہو گیا کہ تمہارا اس حیات اخروی کا انکار بھی جو تم اس حالت میں کرتے تھے تو اسی طرح یہ انکار حشر ہی خود اقرار حشر ہے اور اسی سے حشر ثابت ہوتا ہے خوب سمجھ لو۔ آگے اس کی مثال دیتے ہیں۔

پس مثال تو چو آں حلقہ زنے است	کز درونش خواجہ گوید خواجہ نیست
پس تیری مثال اس زنجیر پیٹنے والی کی سی ہے	کہ اس کے اندر سے مالک کہے کہ مالک نہیں ہے

یعنی پس تیری مثال ایسی ہے جیسے کہ کوئی حلقہ زن ہو کہ اس کو خواجہ کہہ دے کہ خواجہ نہیں ہے۔

حلقہ زن زیں نیست دریابد کہ ہست	پس ز حلقہ بر ندارد ہیچ دست
زنجیر پیٹنے والا اس انکار سے سمجھ لے گا کہ وہ ہے	تو حلقہ سے بھی دست بردار نہ ہو گا

یعنی کنڈی بجانے والا اس نیست ہی سے سمجھ لے گا کہ ہے تو کنڈی سے بالکل ہاتھ نہ اٹھائے گا مطلب یہ کہ تمہارے اس انکار کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کہ ایک شخص نے کسی کو پکارنے کے لئے دروازہ پر کنڈی بجائی کہ میاں فلاں صاحب ہیں تو وہ فلاں ہی فرماتے ہیں کہ میں تو ہوں نہیں تو ان کا یہ کہنا کہ میں نہیں ہوں خود اقرار ہے اس امر کا کہ میں ہوں۔ تو دیکھئے ہے انکار لیکن یہ انکار ہی اقرار ہے۔ تو اسی طرح انسان کا انکار بھی خود اقرار ہے کیونکہ یہ انکار بھی تو جب ہی پیدا ہوا ہے کہ جبکہ وہ انکار غلط ہو چکا ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ

پس ہم انکارت مبیں می کند	کز جماد او حشر صدفن میکند
تو تیرا انکار ہی واضح کرتا ہے	کہ وہ مٹی سے سو طرح حشر کر دے گا

یعنی پس تیرا انکار ہی ظاہر کر رہا ہے کہ جماد سے وہ سو طرح حشر کرتا ہے۔

چند صنعت رفت اے انکار تا	آب وگل انکار زاد از ہل اتےٰ
چند کاریگریاں ہو چکیں اے ! کب تک انکار؟	مٹی اور پانی سے "ہل اتیٰ" کا انکار سرزد ہوا

یعنی اے شخص کس قدر صنعتیں ہو چکی ہیں تو انکار کب تک ہو گا۔ اور آب وگل سے انکار آب وگل پیدا ہوا (ہل اتےٰ سے مراد پورا مضمون یعنی وہ حالت جو ہل اتےٰ میں مذکور ہے) مطلب یہ کہ تمہارا یہ انکار ہی بتلا رہا ہے

کہ حق تعالیٰ کو سینکڑوں طرح پیدا فرمانے کی قدرت ہے کیونکہ کس قدر صنعتیں ہوئی ہیں تب یہ انکار پیدا ہوا ہے۔ تواب کہاں تک انکار کرو گے۔ تمہارا خود یہ انکار اقرار ہے اور اسی سے حشر ثابت ہوتا ہے۔

آب وگل میگفت خود انکار نیست	بانگ میزد بے خبر کا خبار نیست
پانی اور مٹی کہتے ہیں کہ انکار نہیں ہے	بے خبر پکارتا ہے کہ خبر دینا نہیں ہے

یعنی آب وگل کہہ رہا تھا کہ (فعل) انکار نہیں ہے اور بے خبر آواز دے رہا تھا کہ (فعل) خبر دینا نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ آب وگل کی حالت یہ کہہ رہی تھی کہ انکار واخبار جو کہ شعبے ہیں حیات کے یہ سب نہیں ہیں اور ان کا وجود نہیں ہے لیکن ہر وجود انکار ہی اقرار ہو گیا اور وہ انکار غلط ہو گیا۔ خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

من بگویم شرح ایں راصد طریق	لیک خاطر نغزد از گفت دقیق
میں اس کی سو طرح سے تشریح کر دیتا	لیکن باریک بات سے طبیعت لغزش کھا جاتی ہے

یعنی میں اس کی شرح سو طرح سے کہتا لیکن دل باریک بات کے کہنے سے لغزش کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں اس کی بہت سے طریق پیش کرتا کہ خود انکار ہی اقرار ہے لیکن باریک باتوں کے کہنے سے جی ڈرتا ہے کہ کہیں گمراہی نہ پھیلے اس لئے ان مثالوں میں ایک مثال یہ بھی ہوتی کہ دیکھو یہ بت پرست جو بت پرستی کرتے ہیں تو اصل میں بت پرستی نہیں کرتے بلکہ خدا پرستی ہی کرتے ہیں کیونکہ جو امور کہ یہ بتوں میں ثابت کرتے ہیں وہ اصل میں اور حقیقت میں بتوں میں نہیں ہیں بلکہ خدا تعالیٰ میں ہیں تو ان کا یہ کہنا کہ ہم ان بتوں کی عبادت اس صفت کی وجہ سے کرتے ہیں اصل میں یہ کہنا ہے کہ ہم حق تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اس لئے جب وہ اس صفت کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں اور وہ صفت ہے حق تعالیٰ میں تو عبادت حق تعالیٰ ہی کی کرتے ہیں۔ تو ان کا عبادت حق سے انکار خود اقرار ہے لیکن اس سے کوئی کج فہم بت پرستوں کو حق پر نہ سمجھے اور ان کو خدا پرست نہ سمجھے اس لئے کہ یہاں تو ان کے فعل سے حق پرستی لازم آ گئی انہوں نے تو حق پرستی کا التزام نہیں کیا۔ بلکہ ان کے فعل سے حق پرستی لازم آ گئی تو انساں پر جو لازم آ جاوے معتبر نہیں ہے بلکہ وہ ایمان معتبر ہے جس کا التزام خود فاعل نے کیا ہو۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ بس زیادہ نہیں کہتا شاید لوگ گمراہ ہو جاویں آگے فرماتے ہیں کہ۔

شرح آں رالب بستم اے کیا	بہر نقل تخت بلقیس از سبا
اے بزرگ! میں نے اس کی تشریح سے خاموشی اختیار کر لی	سبا سے بلقیس کے تخت کے منتقل ہونے کے (قصہ) کے لئے

یعنی اے زیرک میں نے اس کی شرح سے لب کو بلقیس کا تخت سبا سے منتقل کرنے کے لئے بند کر لیا۔ یعنی اب اس کا قصہ بیان کرتا ہوں اور اس کی شرح کو چھوڑتا ہوں۔ آگے بیان نہیں کرتا۔ آگے اس تخت کے منگانے کا قصہ ہے۔

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کے تخت کو سبا سے منگانے کی تدبیر کرنا

پس سلیمان گفت با لشکر عیاں	تخت اورا حاضر آرید ایں زماں
پھر (حضرت) سلیمانؑ نے صاف طور پر لشکر سے کہا	اس کے تخت کو فوراً حاضر کرو

یعنی پس سلیمان علیہ السلام نے لشکر سے عیاناً فرمایا کہ اس (بلقیس) کے تخت کو اسی وقت حاضر لاؤ۔

گفت عفریتے کہ تختش را بفن	حاضر آرم تا تو زیں مجلس شدن
ایک جن نے کہا کہ اس کے تخت کو ہنر سے	آپ کے اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے حاضر کر دوں گا

یعنی ایک زبردست جن نے کہا کہ اس کے تخت کو فن کے ذریعہ سے میں آپ کے اس مجلس سے اٹھنے تک حاضر لاؤں گا۔ یعنی اس نے کہا کہ میں جادو کے ذریعہ سے آپ کے اس مجلس سے اٹھنے سے پہلے تخت کو حاضر کر دوں گا۔

گفت آصف من باسم اعظمش	حاضر آرم پیش تو در یکدمش
آصف نے کہا میں اس کو اسم اعظم کے ذریعہ	اس کو آپ کے سامنے ایکدم حاضر کر دوں گا

یعنی آصف (وزیر حضرت سلیمان علیہ السلام) نے کہا کہ میں اس کو اسم اعظم کے ذریعہ سے آپ کے سامنے ایک دم میں لاتا ہوں۔

گرچہ عفریت اوستاد سحر بود	لیک آں از نفخ آصف رو نمود
اگرچہ جن جادو کا استاد تھا	لیکن وہ آصف کے دم کرنے سے آیا

یعنی اگرچہ وہ عفریت جادو میں استاد تھا لیکن وہ تخت آصف کی پھونک سے ظاہر ہوا۔

حاضر آمد تخت بلقیس آں زماں	لیک ز آصف نز فن عفریتاں
بلقیس کا تخت فوراً آ گیا	لیکن آصف کی وجہ سے نہ کہ جنوں کے ہنر سے

یعنی بلقیس کا تخت اسی وقت حاضر ہو گیا لیکن آصف کی وجہ سے نہ کہ جنوں کے فن کی وجہ سے۔

گفت حمد اللہ بریں و صد چنیں	کہ بدیدستم ز رب العالمیں
(حضرت سلیمانؑ نے) فرمایا اس پر اور ایسی سینکڑوں (نعمتوں) پر خدا کی تعریف ہے	جو میں نے رب العالمین کی جانب سے دیکھی ہیں

یعنی سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا کا شکر ہے اس پر ایسی سینکڑوں (ان نعمتوں) پر جو کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے دیکھی ہیں۔

پس نظر کرد آن سلیماں سوئے تخت	گفت آرے گول گیری اے درخت
پھر (حضرت) سلیمانؑ نے تخت کی جانب دیکھا	فرمایا اے درخت! تو احمق کو پھنسانے والا ہے

یعنی پھر سلیمان علیہ السلام نے اس تخت کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ ہاں اے درخت تو بیوقوفوں کا گرفتار کرنے والا ہے (چونکہ وہ تخت لکڑی ہی کا تھا اس لئے اس کو درخت کہہ دیا۔ مطلب یہ تھا کہ تو ہی ہے کہ تیرے اندر پھنس کر اور تجھ سے محبت کر کے بیوقوفان دنیا حق تعالیٰ سے غافل ہو جاتے ہیں) آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

پیش چوب و پیش سنگ نقش کند	اے بسا گولاں کہ سرہا می نہند
لکڑی اور تراشے ہوئے پتھر کے سامنے	بہت سے احمق ہیں جو سجدے کرتے ہیں

یعنی لکڑی اور پتھروں منقش کے آگے بہت سے بیوقوف ایسے ہیں کہ سر رکھتے ہیں۔ یعنی ان کی عبادت کرتے ہیں

ساجد و مسجود از جان بے خبر	دیدہ از جان جنبشے واندک اثر
سجدہ کرنے والا اور مسجود جان سے بے خبر ہیں	اس نے جان کی تھوڑی سی حرکت اور تھوڑا سا اثر دیکھا ہے

یعنی ساجد و مسجود (دونوں) جان (حقیقی حق تعالیٰ) سے بے خبر ہیں۔ جان (روح) کا کچھ اثر اور ایک جنبش دیکھی ہے۔ مطلب یہ کہ جن پتھروں اور درختوں وغیرہ کی عبادت کرتے ہیں ان میں اپنے خیال کے مطابق کچھ جان کا اثر دیکھا کہ مثلاً انہوں نے باتیں کیں یا کوئی جنبش کی بس اس پر لٹو ہو گئے۔ اور اس جان حقیقی حق تعالیٰ سے غافل ہو گئے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

دیدہ در وقتیکہ شد حیران و دنگ	کہ سخن گفت و اشارت کرد سنگ
جس وقت وہ حیران اور دنگ ہوا تو اس نے دیکھا	کہ پتھر نے بات کی اور اشارہ کیا

یعنی ایک ایسے وقت میں دیکھا جبکہ وہ حیراں اور دنگ ہو گیا کہ پتھر نے بات کی اور اشارہ کیا مطلب یہ کہ اگر کوئی بات کبھی کبھار معلوم ہوئی کہ مثلاً کوئی شیطان پتھر میں سے بول پڑا۔ یا اس نے کچھ اشارہ کر دیا تو بس یہ اس پر لٹو ہو گئے اور سمجھے کہ بس یہی سب کچھ ہے۔

نرد خدمت را چو ناموضع بباخت	شیر سنگی را شقی شیرے شناخت
چونکہ اس نے خدمت کی نرد بے موقع کھیلی	پتھر کے شیر کو بدبخت ' شیر سمجھا

یعنی خدمت کی نرد کو جب بے جگہ کھیلا تو کمبخت شیر سنگی کو شیر سمجھ گیا۔

از کرم شیر حقیقی کرد جود	استخوانے سوئے سگ انداخت زود
حقیقی شیر نے کرم سے سخاوت کر دی	فوراً کتے کے سامنے ہڈی ڈال دی

یعنی کرم کی وجہ سے شیر حقیقی نے بخشش فرمائی اور ایک ہڈی جلدی سے کتے کی طرف ڈال دی۔

گفت گرچہ نیست آں سگ بر قوام	لیک مارا استخواں لطفیست عام
کہا اگرچہ وہ کتا راہ راست پر نہیں ہے	لیکن ہمارا ہڈی ڈالنا عام مہربانی ہے

یعنی فرمایا کہ اگرچہ وہ کتا راہ راست پر نہیں ہے لیکن ہمارے لئے تو ہڈی دینا ایک لطف عام ہے۔ مطلب یہ کہ جب اس نے عبادت کو اس کے غیر محل میں استعمال کیا اور سر دوسروں کے آگے جھکا دیا۔ تو اس کا یہ وبال ہوا کہ اس کی آنکھیں حقیقت سے اندھی ہو گئیں اور وہ اس غیر محل ہی میں لگا رہا۔ اور حقیقت سے غافل رہا۔ اس کی ایسی مثال ہو گئی کہ جیسے ایک اصلی شیر بہت سی ہڈیاں اور گوشت لئے بیٹھا ہے۔ اور تقسیم کر رہا ہے اور سامنے ہی دیوار پر ایک شیر کی تصویر بن رہی ہے۔ سب آتے ہیں اور اس شیر اصلی کے پاس سے ہڈی یا گوشت لے جاتے ہیں لیکن ایک کتا آیا اور وہ اس شیر کی تصویر کو شیر اصلی سمجھ کر اس کی خوشامد کرنے لگا اور اس سے خوراک مانگنے لگا۔ جب شیر اصلی نے اس کو اس طرح دیکھا تو اس نے ایک ہڈی اس کی طرف بھی پھینک دی کہ خیر ہمارا لطف تو عام ہے اگرچہ یہ اس طرف متوجہ ہے لیکن ہم تو اپنے لطف کو بند نہ کریں ہم تو اس کو روزی دے ہی دیں گے مگر بیوقوف کتا یہ سمجھا کہ یہ ہڈی اس تصویر نے دی ہے یہ سمجھ کر اور بھی اس کی خوشامد میں لگ گیا۔ پس اسی طرح حق تعالیٰ سے تمام عالم کو ہر طرح کا فیض ہو رہا ہے اور تمام عالم کو ہر شے اسی سے ملتی ہے لیکن بیوقوف مشرک نے کسی پتھر وغیرہ میں سے کوئی آواز سن لی یا اور کوئی بات دیکھ لی جو کہ کسی شیطان کا تصرف تھا۔ پس یہ اس بت کا ہو رہا۔ اور اسی میں لگ گیا اور ساری حاجات اسی سے مانگنے لگا جب فیاض حقیقی یعنی حق تعالیٰ نے اس کو اس طرف متوجہ دیکھا تو اس نے جو حاجت مانگی وہ اس کی پوری کر دی۔ تا کہ اس کمبخت کو مدت العمر اس طرف آنا ہی نصیب نہ ہو۔ بقول شخصے

بگذارتا بمیر د در رنج خود پرستی

لیکن یہاں در رنج بت پرستی مناسب ہے۔ غرضکہ اس نے سمجھا کہ یہ شے اس بت نے دی ہے اور اس نے یہ سمجھ کر خوب اسی کی پرستش شروع کر دی اور معبود حقیقی سے اعراض کیا۔ حالانکہ وہ تصرف بت کا عارضی اور شیطانی دھندا تھا۔ جیسا کہ اظہر من الشمس ہے۔ کمبخت نے اس قدر قدرت عامہ کو تو دیکھا نہیں کہ تمام عالم کس نے بنایا کس نے یہ ساری نعمتیں دیں۔ بس اسی میں ایک عجیب شے دیکھ کر اس میں لگ گیا۔ نعوذ اللہ منہ۔ آگے حضرت حلیمہؓ کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے زمانہ بچپن میں گم ہو گئے تھے اور وہ پریشان تھیں تو اس وقت ایک بوڑھا شخص آیا اور ان کو عزیٰ بت کے پاس لے گیا کہ یہ انکا پتہ بتلا دے گا اور اکثر وہ اس طرح بتلا دیا کرتا تھا تو یہ تصرف شیطانی تھا کہ وہ بت بولتا تھا۔ اوپر سے اس حکایت کو بھی ربط ہے کہ دیکھو اس حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بت کچھ حرکت وغیرہ کرتے تھے اور ان میں سے آوازیں وغیرہ آتی تھیں جس کی وجہ سے وہ لوگ ان کے معتقد تھے۔ اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

بلقیس کا ملک و مال سے بوجہ شوق ایمان کے آزاد اور مست ہو جانا اور تمام ملک سے اس کا التفات منقطع ہو جانا مگر تخت سے

ترجمہ وتشریح:۔ جبکہ سلیمان علیہ السلام نے جانوروں کے لئے ان کے مناسب ایک بولی بولی۔ یعنی اہل سبا کو ایک مناسب حال پیغام بھیجا تو ان سب کو قید اور منقاد کرلیا۔ بجز اس جانور کے جو بے جان و بے پر تھا۔ یا مچھلی کی طرح خلقتۂ بہرہ گونگا تھا۔ یعنی فطرۃً ہی اس میں استعداد و قابلیت ایمان نہ تھی۔ (مراد اس سے اظہار کمال ضعف استعداد ہے نہ کہ نفی مطلق استعداد کیونکہ یہ امر کل مولود یولد علی الفطرۃ کے خلاف ہے) اس کو فائدہ نہ ہوا۔ اور وہ اتباع سے محروم رہا۔ چونکہ مولانا کے اس کلام سے گونہ ایہام اس امر کا بھی ہوتا تھا۔ کہ آواز وحی ایسے لوگوں کی ہدایت سے قاصر ہے اس لئے اس کو دفع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نہیں میں نے غلط کہا اور میرے کلام سے یہ امر جو متوہم ہوتا ہے کہ آواز وحی الٰہی قاصر ہے یہ غلط ہے کیونکہ اس میں تو اتنی قوت ہے کہ اگر بہرہ یعنی قریب قریب فاقد الاستعداد شخص بھی اسے سنے تو نور وحی الٰہی اس کے لئے بھی شمع ہدایت روشن کردے۔ پس قصور سراسر عبد کی طرف سے ہے۔ نہ کہ وحی کی جانب سے یہ تو جملہ معترضہ تھا اصل مطلب یہ ہے کہ بلقیس مسلمان ہوگئی اور اس نے سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کا صدق دل سے پختہ ارادہ کرلیا۔ اور جبکہ اس کے دل میں اسلام نے گھر کرلیا اور اس کا حاضری کا ارادہ پختہ ہوگیا تو اس کو اپنے گذشتہ زمانہ کے ضائع ہونے پر افسوس ہوا کہ میرا اتنا وقت کیوں برباد ہوگیا اور کیوں میں اتنے دنوں تک اس دولت سے محروم رہی اور اس نے دولت وسلطنت کو یوں خیرباد کہہ دیا جس طرح عشاق نام ونگ کو کہہ دیتے ہیں۔ خدمت گار غلام اور ناز وانداز والی لونڈیاں اس کی نظر میں اس درجہ بے وقعت ہوگئی تھیں جیسی بے وقعت پیاز۔ باغات وقصور شاہی اور نہروں کا پانی سب کے سب عشق کی گرمی سے پہاڑ معلوم ہوتے تھے اور یہ امر کچھ بھی تعجب خیز نہیں اس لئے کہ عشق کا تو قاعدہ یہی ہے کہ جب وہ مسلط اور غضبناک ہوتا ہے تو اچھی چیزیں عاشق کی نظر میں بری ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ غیرت عشق زمرد کو گندنا دکھلاتی ہے۔ یعنی عاشق کو غیرت آتی ہے کہ محبوب کی خوبی کے سامنے کسی اور چیز کو بھی خوب سمجھے۔ اور اس کی طلب کے ساتھ کوئی اور چیز بھی مطلوب ہو۔ اور فنافی المحبوب کے یہی معنی ہیں۔ اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ما لا الٰہ الا ھو کے معنی بھی یہی ہیں کہ مثلاً چاند تمہیں کالی ہانڈی معلوم ہو۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ اس میں تمام کائنات معبودیت کا سلب ہے اور صرف ایک ذات کے لئے اس کا اثبات ہے تو حاصل یہ ہوا کہ معبود صرف ذات واحد ہے اور کوئی نہیں اور معبودیت واستجماع جملہ اوصاف کمال ومحبوبیت حقیقۃ وکاملۃ آپس

میں متلازم ہیں پس لا الہٰ الا ہو کے التزامی معنی یہ ہوئے کہ کوئی محبوب حقیقی وکامل نہیں بجز ذات واحد کے لہٰذا اسی کو محبوب بنانا چاہئے اور جب وہ محبوب ہو گیا تو اس کے ماسوا جتنی چیزیں ہیں سب کو اس کے سامنے محتقر اور عاری عن الکمال سمجھنا چاہئے کیونکہ مقتضائے عشق یہی ہے۔ پس جبکہ یہ کیفیت پیدا ہو گی تو لامحالہ عاشق چاند کو کالی ہنڈی سمجھے گا۔ وہذا ہوالمدعیٰ۔ اس مضمون استطرادی کو بیان فرما کر پھر مضمون سابق کے طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی مال کوئی خزانہ کوئی سامان ایسا نہ تھا جس کا اسے افسوس ہو بجز تخت کے کہ اس کو اس کا افسوس ضرور تھا پس سلیمان علیہ السلام کو ان کے خیال پر اطلاع ہو گئی (چونکہ بادی النظر میں یہ امر قابل انکار تھا اس لئے مولانا اس کی وجہ بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں) کیونکہ جبکہ بلقیس کے قلب کو حضرت سلیمان علیہ السلام سے تعلق تھا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی ان سے محبت تھی اور عادت اللہ جاری ہے کہ ایسی صورت میں علی تفاوت مراتب التعلق ایک کے قلب کی حالت کا پرتو دوسرے کے قلب پر ڈال دیا کرتے ہیں۔ اس لئے دونوں کے دلوں کے درمیان ایک راستہ تھا۔ جس سے ایک کے دل کا اثر دوسرے تک پہنچ سکتا تھا۔ نیز جس کے قوی مدرکہ اتنے قوی ہوں گے کہ وہ چیونٹی کی گفتگو سن لے وہ دور والوں کے اسرار قلبیہ بھی معلوم کر سکے گا بوجہ اس ادراک کے اختیاری نہ ہونے کے ہر وقت اور جب چاہے ایسا نہ کر سکے اور جو گفتگو مور کو جو کہ ایک مخفی بات تھی جان لے گا وہ آسمانوں کے مخفی اسرار کو بھی جان سکے گا۔ کیونکہ منشا دونوں کا نور الٰہی وقوت الٰہیہ ہے جس کے نزدیک دونوں یکساں ہیں مگر چونکہ ان سے حواس عادیہ کی طرح کام لینے کا اختیار عطا نہیں کیا گیا۔ اس لئے یہ ادراک ان کے اختیار میں نہیں فاندفع الشکوک والاوہام باسرہا۔ القصہ انہوں نے ایک مسافت بعیدہ سے یہ امر معلوم کر لیا کہ مطیع ومنقاد بلقیس کو اپنے تخت کی جدائی ناگوار ہے رہا یہ امر کہ اس کو اس تخت سے کیوں عشق اور موافقت تھی سو اگر میں اس کی تفصیلی وجہ بیان کرتا ہوں تو گفتگو طویل ہوئے جاتی ہے۔ مگر مختصر اور اجمالاً کچھ بیان کرتا ہوں سنو اگرچہ قلم جماد محض ہے مگر کاتب کو اس سے ایک خاص انس ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا ہر پیشہ ور کے آلات اپنے بے جان ہونے کی حالت میں جانداروں کے مونس ہیں۔ اور جو شخص جو کام کرتا ہے اس کا آلہ بے جان ہوتا ہے لیکن وہ اس کا مونس جان ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا بلقیس کا تخت اس کا آلہ تھا اس لئے قدرۃً اس کو بھی اس سے انس ہونا چاہئے تھا۔ یہ تو میں نے مجملاً اور ایک کلیہ کے طور پر بیان کر دیا ہے اور میں اس کو متعین اور مشخص کر کے بھی بیان کر دیتا۔ اگر تیری چشم فہم میں ڈھلکے کا مرض نہ ہوتا۔ یعنی وہ کمزور نہ ہوتی۔ مگر کیا کیجئے کہ وہ کمزور ہے اس لئے مجھے اندیشہ ہے کہ تو نہ سمجھ سکے یا غلط سمجھ جائے اس لئے ترک کرتا ہوں۔ اور قصہ بیان کرتا ہوں چونکہ تخت بہت بڑا تھا اس لئے اس کے بڑے ہونے کے سبب اس کو سلیمان علیہ السلام کے پاس لے جانا کسی طرح ممکن نہ تھا اور چونکہ اس میں بہت باریک کام ہو رہا تھا اس لئے اجزاء الگ الگ کرنے میں بھی خطرہ تھا جیسے انسان کے آپس کے جوڑ کہ ان کے جدا کرنے میں سخت خطرہ ہے کیونکہ وہ ایک استاد کامل کے جوڑے ہوئے ہیں۔ پس اگر ان کو الگ الگ کر دیا جائے تو پھر ان کا اس طرح جوڑنا ناممکن ہو جاوے۔ ان واقعات پر غور کر کے حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اگرچہ انجام

یہ ہوگا کہ بلقیس کو تخت وتاج کی بالکل محبت نہ رہے گی کیونکہ جب جان دریائے وحدت میں غرق اور فنافی اللہ ہو کر نکلتی اور بقاباللہ حاصل کرتی ہے تو اس کی عظمت کے مقابلہ میں کوئی چیز وقیع نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ کسی چیز پر بھی نظر نہیں کرتے۔ اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ اگر سمندر میں سے موتی نکل آئے تو پھر آدمی خس وخاشک کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ جبکہ آفتاب مشتعل طلوع ہوتا ہے تو اس وقت دم عقرب پر کوئی اعتماد نہیں کرتا۔ کیونکہ آفتاب کے سامنے دم عقرب کی کیا حقیقت ہے۔ (دم عقرب سے وہ ستارے مراد ہیں جو مخرج عقرب میں دم عقرب کی صورت پر مجتمع ہیں اور یہ ہی مراد ہے صاحب منہج قوی کی نہ کہ کژدم معروف کی دم جیسا کہ بعض محشین نے سمجھا ہے۔ واللہ اعلم) لیکن با ایں ہمہ فی الحال یہی مناسب ہے کہ اس کے تخت کو یہاں منگایا جاوے تا کہ ہماری ملاقات کے وقت اس کو تخت کے چھوٹنے کا ملال نہ ہو اور اس کی طفلانہ خواہش پوری ہو جانی چاہئے کیونکہ گو وہ ہمارے نزدیک محقر ہے مگر اسے بے حد عزیز ہے نیز تا کہ حوروں کے دسترخوان پر دیو بھی موجود رہے اور وہ تخت اس کی جان کے لئے موجب عبرت ہو جس طرح کہ ایاز کی گدڑی اور اس کے جوتے اس لئے اس کے پاس تھے کہ اسے معلوم رہے کہ میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہوں اور پہلے کیا تھا اور اب کیا ہو گیا ہوں اور اس سے اس میں شکر پیدا ہو نہ کہ غرور اور گھمنڈ حق سبحانہ نے خاک اور نطفہ اور مضغہ کو اسی لئے ہمارے سامنے رکھا تا کہ ہمیں جتلائے کہ میں نے تمہیں ایسے کونسے عمدہ تغیر سے پیدا کیا ہے۔ جس سے تمہارے اندر یہ پاجی پن تکبر وغرور وغیرہ پیدا ہو۔ جس زمانہ میں تو نطفہ اور مضغہ تھا اس وقت تو بزبان حال ہمارے اس کمال کا منکر تھا کہ ہم ایک چیز کو دوسری شے سے پیدا کر سکتے ہیں اور چونکہ ہمارا یہ فضل یعنی تم کو جماد سے انسان بنانا تمہارے اس انکار کو رد کرتا ہے جو کہ تم ابتداء خاک ہونے کی حالت میں کرتے تھے۔ اس لئے اب تم کو حشر اجساد سے انکار نہ ہونا چاہئے تھا۔ مگر تم پر اس کا الٹا اثر ہوا اور ہمارا تم کو حیات بخشا خود تمہارے لئے انکار کی دلیل بن گیا۔ (اور تم نے کہا کہ حشر اجساد ناممکن ہے کیونکہ جسم میں سے وہ استعداد فنا ہو گئی ہے جس کے بناء پر نفس کو اس سے تعلق تھا یا وہ مجتمع تھا اور نفس کے تعلق اور جسم کے اجتماع کا فنا ہو جانا دلیل ہے اس کے انعدام کی۔ پس جبکہ اس میں استعداد تعلق نفس واجتماع اجزاء نہیں رہے تو جسم کیونکر بن سکتا ہے اور نفس اس سے کیونکر متعلق ہو سکتا ہے) اور جو چیز واقع میں تمہارے لئے دوا تھی اس سے تمہارے مرض کو ترقی ہو گئی۔ تم اتنا تو سوچو کہ خاک کے پتلے کے لئے اس فعل (حیات واستعداد وغیرہ) کو کس نے مصور کیا ہے اور وہ کون ہے جس نے اسے حیات یا استعداد وغیرہ دی ہے اور نطفہ یعنی انسان کے اندر مخاصمت اور انکار کس نے پیدا کیا ہے۔ وہ ہمیں تو ہیں۔ پھر اگر ہم دوبارہ بھی حیات دیدیں تو کیا تعجب کی بات ہے۔ آخر استعداد اولی بھی تو ہمیں نے پیدا کی تھی۔ پھر کیا ہم دوبارہ استعداد پیدا نہیں کر سکتے۔ دیکھو جب تم کو دل اور فہم نہ ملا تھا اس وقت تم فکر اور انکار کے بھی منکر تھے۔ اب چونکہ جمادیت سے تمہارے اندر انکار پیدا ہو گیا ہے اس لئے خود تمہارا یہ انکار حشر ہی اس کا اقرار ہو گیا۔ کیونکہ اس سے ثابت ہوا کہ تمہارا انکار بالکل لغو ہے۔ اور تم ہر ایسی چیز کا انکار کر بیٹھتے ہو جو فی نفسہ ممکن ہوتی ہے اور اس تک تمہاری رسائی نہیں ہوتی۔ چنانچہ حالت

جمادیت میں تم فکر وانکار کے منکر تھے ہی اور اب ان کو آنکھوں سے دیکھ لیا۔ نیز تمہارا مٹی ہوکر دوبارہ زندہ ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ جماد سے انکار کا پیدا ہونا تو جبکہ ہم اس پر قادر ہیں تو اس پر قادر کیوں نہ ہوں گے۔ لہذا تمہاری مثال ایسی ہوگئی جیسے ایک شخص زنجیر کھنکھٹائے اور مالک مکان اندر سے بولے کہ مالک گھر نہیں ہے کیونکہ یہ انکار اس کا خود اقرار ہے اور زنجیر کھنکھٹانے والا اس انکار ہی سے اقرار سمجھ جاوے گا اس کی بات نہ مانے گا اور زنجیر کھنکھٹا تا رہے گا پس اسی طرح تمہارا انکار خود ثابت کرتا ہے کہ حق سبحانہ جمادات میں سینکڑوں کمالات پیدا کر سکتے ہیں اے منکر ذرا غور تو کر کہ جس وقت تک خاک و آب یعنی مٹی کے پتلے نے ہل اتی سے انکار کیا ہے اس وقت تک خاک کے اندر کیا کیا کاریگریاں ہو چکی ہیں کہ اول مٹی کو غذا بنایا۔ اور غذا کو بتقلیب احوال خون بنایا اور خون کو منی بنایا۔ منی کو علقہ بنایا علقہ کو مضغہ بنایا مضغہ کو جسم انسانی بنایا پھر اس میں روح پھونکی پھر اس کو قابل فہم بنایا۔ اس وقت سورۃ ھل اتیٰ کا انکار کیا جو اولاً بطور تمہید کے اس کے ابتدائی حالت کو ظاہر کرتی ہے اور اس کے بعد اس کے محشوریت جسمانیہ کو بتلاتی ہے غرضکہ مجموعہ آب وگل (انسان ناقص) اپنے انکار کی حالت میں کہتا ہے کہ یہ انکار نہیں ہے اور غافل اپنے عین اس خبر دینے کی حالت میں بندائے جہودی کہہ رہا ہے کہ یہ خبر دینا نہیں ہے بلکہ سراسر جھوٹ ہے۔ میں اس مضمون کو سو طرح بیان کر سکتا ہوں لیکن اندیشہ ہے کہ باریک بات سے افہام کو لغزش نہ ہو جاوے۔ اس لئے اس کی شرح سے خاموش رہا۔ تا کہ سبا سے بلقیس کا تخت لے آویں۔ سنو امر مذکورہ بالا کو سوچ کر سلیمان علیہ السلام نے لشکر کو حکم دیا کہ اس کے تخت کو فوراً حاضر کرو۔ ایک جن نے کہا کہ میں اس کے تخت کو اپنے کمال سے آپ کی مجلس کے برخاست ہونے سے پہلے حاضر کر سکتا ہوں۔ یہ سن کر آصف بن برخیا نے کہا کہ میں اسم اعظم کے ذریعہ سے اسے ابھی حاضر کئے دیتا ہوں۔ اگر چہ وہ عفریت بھی جادو کا استاد تھا مگر اس خدمت کے انجام کا شرف آصف کی قسمت میں تھا اس لئے یہ خدمت اسی کے دم سے ظہور میں آئی اور فی الفور بلقیس کا تخت حاضر ہو گیا۔ مگر عفریتیوں کے ہنر سے نہیں بلکہ آصف کے کمال سے۔ یہ دیکھ کر حضرت سلیمان علیہ السلام نے جوش مسرت میں فرمایا کہ میں رب العالمین کے اس انعام پر اور ایسے اور سینکڑوں انعاموں پر جو اس کی جانب سے مجھ پر ہوئے ہیں اس کی تعریف کرتا ہوں۔ یہ فرما کر تخت کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے جزو درخت بے شک تو احمقوں کا پھانسنے والا ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ ارے بہت سے احمق ہیں جو لکڑیوں اور تراشیدہ پتھروں کے سامنے سجدہ کرتے ہیں یہ ساجد و مسجود جان کو تو جانتے بھی نہیں کہ کیا چیز ہے۔ ہاں کچھ اثر اس کا ان میں موجود ہے جیسے حرکت وغیرہ۔ چنانچہ جب ساجد کبھی اپنے کسی معاملہ میں پریشان اور متحیر ہو کر بتوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ان سے اعانت چاہتا ہے تو ان میں گویائی یا اشارہ دیکھ لیتا ہے اور وجہ یہ ہے کہ جب اس نے اپنی خدمت کو بے محل صرف کیا اور اس بدبخت نے پتھر کے شیر کو حقیقی شیر سمجھ لیا یعنی غیر قادر کو قادر جان لیا تو حق سبحانہ کے سخاوت نے اپنی عنایت سے اسے شیر حقیقی کر دیا یعنی اس پر قادر کے آثار مرتب کر دیئے جیسے گویائی یا حرکت یا مقصود کا حاصل ہونا۔ اور اس کتے کے سامنے ہڈی ڈال دی اور فرمایا کہ اگر چہ یہ کتا ٹھیک اور وفادار نہیں

لیکن ہڈی ڈال دینا ہمارا کرم عام ہے۔ اس میں مطیع وغیر مطیع کی تخصیص نہیں ہم سب کے مقاصد کو پورا کرتے ہیں۔ اب مولانا ایک قصہ بیان فرماتے ہیں جس سے "دیدہ از جان جہشے واندک اثر کی تائید ہو اور کہتے ہیں۔

شرح شبّیری

حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا بتوں سے مدد چاہنے کا قصہ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد دودھ چھڑانے کے گم کیا تھا اور بتوں کا کانپنا اور سجدہ میں حضور کا نام سن کر گر پڑنا

قصۂ راز حلیمہؓ گویمت	تازد واید داستاں او غمت
میں تجھ سے حلیمہ کے راز کا قصہ کہتا ہوں	تاکہ اس کی داستان تیرے غم کو دور کر دے

یعنی میں راز حلیمہ کے قصہ کو تم سے بیان کرتا ہوں تاکہ ان کا داستاں تمہارے غم کو صاف کر دے۔ یعنی ذکر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے تمہارا غم دور ہو۔ لہذا میں حضرت حلیمہ کا قصہ بیان کرتا ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قصہ سے مسلمان کا غم دور ہونا اظہر ہے۔

مصطفیٰؐ را چوں ز شیر او باز کرد	بر کفش برداشت چوں ریحاں وورد
(حضرت) مصطفیٰؐ کا جب انہوں نے دودھ چھڑایا	ان کو ریحان اور گلاب کی طرح ہتھیلی پر رکھا

یعنی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب انہوں نے دودھ سے الگ کیا تو ان کو ریحاں وورد کی طرح گود میں اٹھایا۔ (بوجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لطافت ونزاکت کے ریحاں وورد سے آپ کو تشبیہ دی)

می گریزانیدش از ہر نیک و بد	تا سپارد آں شہنشہ را بجد
وہ ان کو ہر اچھے برے سے بچاتی تھی	تاکہ ان شہنشاہ کو دادا کے سپرد کر دے

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نیک وبد سے بچاتی تھیں۔ تاکہ اس شہنشاہ کو (ان کے) دادا صاحب کو سپرد کریں (چونکہ حضرت حلیمہ طائف میں رہتی تھیں اس لئے بعد دودھ چھوٹنے کے حضرت کو مکہ میں حضرت عبدالمطلب کو سپرد کرنے لائی تھیں)۔

چوں ہمی آورد امانت راز بیم	شد بکعبہ و آمد او اندر حطیم
جب وہ خوف کی وجہ سے امانت کو لائی	کعبہ میں پہنچی اور وہ حطیم میں آئی

یعنی جب وہ امانت کو خوف کی وجہ سے لا رہی تھیں تو کعبہ میں گئیں اور حطیم کے اندر آئیں مطلب یہ کہ چونکہ وہ شق صدر کے قصہ کی وجہ سے ڈر گئی تھیں تو اس ڈر کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کہ ان کے پاس امانت تھے لا رہی تھیں اور اہل عرب کا قاعدہ تھا کہ جب مکہ آتے تو اول زیارت کعبہ شریف سے مشرف ہوتے۔ تو جب وہ آپ کو لیکر آئیں تو وہ بھی اول کعبہ کی زیارت کو تشریف لائیں اور حطیم میں تشریف لے گئیں۔

از ہوا بشنید بانگے کاے حطیم	تافت بر تو آفتابے بس عظیم
ہوا کی جانب سے آواز سنی کہ اے حطیم!	تجھ پر بہت بڑا سورج چمکا ہے

یعنی ہوا میں سے ایک آواز سنی کہ اے حطیم تیرے اوپر ایک بہت عظیم الشان آفتاب چمکا ہے۔ (اور یہ سنا کہ)

اے حطیم امروز آید بر تو زود	صد ہزاراں نور از خورشید جود
اے حطیم! آج تجھ پر بہت جلد آئیں گے	لاکھوں نور سخاوت کے سورج سے

یعنی اے حطیم آج تیرے اوپر جلد لاکھوں نور خورشید کرم سے آویں گے۔

اے حطیم امروز آرد در تو رخت	محتشم شاہے کہ پیک اوست بخت
اے حطیم! آج تجھ میں سامان لا رہا ہے	وہ باحشمت شاہ، نصیبہ جس کا قاصد ہے

یعنی اے حطیم آج تیرے اندر ایک ایسے باحشمت بادشاہ جن کا قاصد نصیب ہے تیرے اندر اسباب لائے ہیں۔

اے حطیم امروز بے شک از نوی	منزل جانہائے بالامی شوی
اے حطیم! بے شک آج از سر نو	تو بالائی روحوں کی منزل بنے گا

یعنی اے حطیم آج بے شک تازگی کی وجہ سے تو ارواح قدسیہ کی منزل ہو رہا ہے۔

جاں پاکان طلب وطلب و جوق و جوق	آیدت از ہر نواحی مست شوق
پاک لوگوں کی روحیں جماعت جماعت گروہ گروہ	شوق سے مست ہو کر ہر جانب سے تیرے اندر آئینگی

یعنی ارواح قدسیہ گروہ گروہ اور جوق جوق تیرے پاس ہر طرف سے مست شوق ہو کر آ رہے ہیں۔

گشتہ حیراں آں حلیمہ زاں صدا	نے کسے در پیش و نے سوئے قفا
حلیمہ اس آواز سے حیران ہو گئی	نہ کوئی سامنے تھا نہ گدی کی جانب

یعنی وہ حلیمہ اس آواز سے حیران ہوئیں کہ نہ تو کوئی شخص آگے ہے اور نہ پیچھے ہے۔

شش جہت خالی زصورت ویں ندا	شد پیاپے آں ندا را جان فدا
چھوؤں جانب انسان سے خالی اور یہ آواز	پے در پے آئی اس آواز پر جان قربان ہے

یعنی ششجہت صورت سے تو خالی ہیں اور یہ آواز پے در پے آرہی ہے (مولانا فرماتے ہیں کہ) اس آواز کے اوپر جاں فدا ہے۔ یعنی حضرت حلیمہ کو یہ تعجب تھا کہ کوئی صورت آدمی وغیرہ کی تو ہے نہیں اور یہ آواز آرہی ہے۔ تو کہاں سے اور کس کی ہے۔

مصطفیٰ را برزمیں نہاد او	تاکند آں بانگ خوش را جستجو
اس نے (حضرت) مصطفیٰ کو زمین پر بٹھا دیا	تاکہ وہ اس اچھی آواز کی جستجو کرے

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو انہوں نے زمین پر رکھ دیا تاکہ اس آواز خوش کو تلاش کریں۔

چشم می انداخت آندم سو بسو	کہ کجایست آں شہ اسرار گو
وہ اس وقت ہر جانب نظر ڈال رہی تھی	کہ وہ رازوں کو بتانے والا شاہ کہاں ہے؟

یعنی وہ آنکھ کو ہر ہر طرف ڈالتی تھیں کہ وہ بادشاہ اسرار کا کہنے والا کہاں ہے (اور فرما رہی تھیں کہ)

اینچنیں بانگ بلند از چپ وراست	میرسد یارب رسانندہ کجا است
کہ ایسی بلند آواز دائیں اور بائیں سے	آرہی ہے اے خدا! پہنچانے والا کہاں ہے؟

یعنی ایسی بلند آواز داہنے اور بائیں سے پہنچ رہی ہے اے اللہ پہنچانے والا کہاں ہے۔

چوں ندید او خیرہ و نومید شد	جسم لرزاں ہمچو شاخ بید شد
جب انہوں نے نہ دیکھا حیران اور ناامید ہوگئیں	بدن بید کی شاخ کی طرح لرزنے والا ہوگیا

یعنی جب انہوں نے (کسی کو) نہ دیکھا تو وہ حیران اور ناامید ہوگئیں۔ (اور خوف کی وجہ سے) جسم شاخ بید کی طرح لرزنے لگا۔

باز آمد سوئے آں طفل رشید	مصطفیٰ را بر مکاں خود ندید
وہاں بھلے بچے کی طرف لوٹ آئیں	مصطفیٰ کو اپنی جگہ نہ دیکھا

یعنی پھر اس طفل رشید کی طرف واپس آئیں تو مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی جگہ پر نہ دیکھا۔

حیرت اندر حیرت آمد بردلش	گشت بس تاریک از غم منزلش
اس کے دل پر حیرانی در حیرانی آگئی	غم سے اس کی جگہ بہت تاریک ہوگئی

یعنی ان کے دل پر حیرت در حیرت آگئی اور غم کی وجہ سے ان کی جگہ بالکل تاریک ہوگئی۔

سوئے منزلہا دوید و بانگ داشت	کہ کہ بر در دانہ ام غارت گماشت
مکانات کی جانب دوڑی اور چیخی	کہ میرے موتی کی کس نے لوٹ مچائی ہے؟

یعنی گھروں کی طرف دوڑیں اور آوازیں دیں کہ کس نے میرے موتی پر لوٹ مقرر کی یعنی میرے لال کو کس نے لے لیا۔

مکتیاں گفتند مارا علم نیست	مانداستیم کاینجا کود کے ست
کہ والوں نے کہا ہمیں معلوم نہیں ہے	ہمیں یہ (بھی) معلوم نہ تھا کہ وہاں کوئی بچہ ہے

یعنی مکہ والوں نے کہا کہ ہمیں تو خبر نہیں ہم تو یہ (بھی) نہیں جانتے کہ اس جگہ کوئی بچہ ہے۔

ریخت چنداں اشک و کرد از بس فغاں	کہ ازو گریاں شدند آں دیگراں
اس نے اس قدر آنسو بہائے اور فریاد کی	کہ اس سے دوسرے رونے لگے

یعنی اتنے آنسو گرائے اور اس قدر فریاد کی کہ ان کی وجہ سے وہ دوسرے لوگ رونے لگے۔

سینہ کوباں آنچناں بگریست خوش	کاختراں گریاں شدند از گریہ اش
چھاتی پیٹتے ہوئے اتنا زیادہ روئی	کہ اس کے رونے سے دوسرے رونے لگے

یعنی وہ سینہ کوٹ کر اس قدر روئیں کہ ستارے ان کے رونے کی وجہ سے رونے لگے۔ (مبالغہ ہے بیان گریہ میں)

حکایت اس بڈھے کی کہ جس نے حضرت حلیمہ کو بتوں سے مدد چاہنے کیلئے ہدایت کی

پیر مردے پیشش آمد با عصا	کاے حلیمہ چہ فتاد آخر ترا
ایک بوڑھا شخص لاٹھی تھامے سامنے آیا	کہ اے حلیمہ! آخر تجھے کیا ہوا ہے؟

یعنی ایک بڈھا مع لاٹھی کے ان کے آگے آیا (اور بولا) کہ اے حلیمہ تیرے اوپر کیا افتاد پڑی۔ (یہ بڈھا کسی بت خانہ کا مجاور تھا)

کہ چنیں آتش ز دل افروختی	ویں جگرہا راز ماتم سوختی
کہ تو نے دل سے ایسی آگ بھڑکائی ہے	اور ماتم سے جگروں کو جلا دیا ہے

یعنی کہ تو ایسی آگ دل سے بھڑ کا رہی ہے اور ان (لوگوں کے) جگروں کو ماتم کی وجہ سے جلا رکھا ہے۔

گفت احمدؐ را رضیعم معتمد	می بیا وردم کہ بسپارم بجد
اس نے کہا میں احمدؐ کی معتمد دایہ ہوں	میں ان کو لائی تھی کہ دادا کے سپرد کر دوں

یعنی کہ حضرت حلیمہ نے فرمایا کہ (یہ سب) احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے ہے جو کہ) میرے رضیع معتمد تھے میں ان کو لائی تھی تا کہ (ان کے) دادا کو سپرد کر دوں۔ (رضیع معتمد بدل ہے احمدؐ سے یعنی وہ احمدؐ جو کہ

میرے رضیع معتمد تھے ان کے لئے رو رہی ہوں)۔

چوں رسیدم در حطیم آوازہا	میرسد و می شنیدم از ہوا
جب میں حطیم میں پہنچی بہت سی آوازیں	آئیں اور میں نے ہوا میں سے سنیں

یعنی جب میں حطیم میں پہنچی تو بہت سی آوازیں مجھے ہوا میں سے پہنچ رہی تھیں۔ اور میں سن رہی تھی۔

من چو آں الحاں شنیدم از ہوا	طفل را بنہادم آنجا زاں صدا
جب میں نے ہوا میں سے وہ آوازیں سنیں	اس آواز کی وجہ سے میں نے بچہ کو (زمین) پر بٹھا دیا

یعنی میں نے جب وہ آواز ہوا میں سے سنی تو بچہ کو میں نے اسی جگہ اس آواز کی وجہ سے رکھ دیا۔

تا بہ بینم ایں ندا آواز کیست	کہ ندائے بس لطیف و بس شہی ست
تاکہ میں دیکھوں کہ یہ کس کی آواز ہے؟	کیونکہ بڑی لطیف اور بہت پسندیدہ آواز ہے

تاکہ میں دیکھ لوں کہ یہ آواز کس کی ہے کہ ایک بہت ہی لطیف اور مرغوب آواز ہے۔

نز کسے دیدم بگرد خود نشاں	نہ ندا می منقطع شد یک زماں
نہ میں نے اپنے چاروں طرف کسی کا نشان پایا	نہ ایک لمحہ کے لئے آواز بند ہوئی

یعنی میں نے نہ تو اپنے گرد کسی کا نشاں دیکھا (اور جو دھوکہ کا شبہ ہوتا تو یہ بھی نہ تھا اس لئے کہ) نہ وہ آواز ایک گھڑی کے لئے منقطع ہوئی تھی۔

چونکہ واگشتم ز حیرتہائے دل	طفل را آنجا ندیدم وائے دل
جب میں دلی حیرانوں کے ساتھ واپس لوٹی	میں نے بچہ کو وہاں نہ دیکھا ' ہائے دل

یعنی جب میں دل کی حیرتوں کی وجہ سے واپس ہوئی تو میں نے اس جگہ طفل کو نہ دیکھا افسوس ہے کہ

گفتش اے فرزند تو اندہ مدار	کہ نمایم من ترا یک شہر یار
اس نے اس سے کہا اے بیٹا! غم نہ کر	میں تجھے ایک شاہ کا پتہ بتاتا ہوں

یعنی اس بڈھے نے ان سے کہا کہ بیٹا تو غم مت کر کیونکہ میں تجھے ایک شہریار دکھاتا ہوں۔

کہ بگوید گر بخواہد حال طفل	او بداند منزل و ترحال طفل
اگر وہ چاہے گا تو بچہ کا حال بتا دے گا	کیونکہ وہ بچہ کی منزل اور سفر کو جانتا ہے

یعنی کہ وہ اگر چاہے گا تو بچہ کا حال بتلا دے گا۔ وہ بچہ کی جگہ اور اس کے چلے جانے کو جانتا ہے (چونکہ بڈھے کو معلوم تھا کہ وہ بت کبھی بھی نہیں بتلا سکتا' اس لئے خبیث کہتا ہے کہ اگر چاہے گا تو بتلا دے گا کہ اگر نہ

بتلا دے تو معلوم ہو کہ اس وقت مرضی نہیں)

پس حلیمہ گفت اے جانم فدا	مر ترا اے شیخ خوب وخوش ندا
تو حلیمہ نے کہا میری جانقربان ہو	تجھ پر اے بہتر اور اچھی آواز والے بزرگ

یعنی پس (حلیمہؓ نے فرمایا کہ اے اچھے بڈھے خوش آواز تجھ پر میری جان فدا ہو۔

ہیں مرا بنمای آں شاہ نظر	کش بود از حال طفل من خبر
ہاں اس شاہ نظر کو مجھے دکھا دے	جس کو میرے بچے کے حال کی خبر ہو

یعنی ہاں مجھے اس شاہ نظر کو دکھلاؤ جس کو کہ میرے بچہ کے حال کی خبر ہو۔ (چونکہ حضرت حلیمہ اس وقت تو مسلمان نہ تھیں بلکہ عرب ہی کے عقائد کے مطابق تھیں اس لئے انہوں نے اگر بت کے پاس جانے کے لئے آمادگی ظاہر کی تو کیا تعجب ہے۔ اس جگہ بعض محشیوں کا یہ اعتراض کرنا کہ بھلا حضرت حلیمہ بتوں کے پاس کیوں گئیں جبکہ وہ حضور کی مرضعہ تھیں اور پھر اس اعتراض کا جواب دینا محض تکلف ہے سیدھی بات یہی ہے کہ اس وقت تک بوجہ مسلمان نہ ہونے کے ان کے وہی عقائد تھے ہاں بعد میں وہ ایمان لائی ہیں ان پر اس حالت میں اعتراض کرنا فضول ہے۔ خیر غرضکہ انہوں نے اس بڈھے سے کہا کہ ہاں مجھے اس بت کے پاس لے چل)

برد او را پیش عزی کایں صنم	ہست در اخبار غیبی مغتنم
وہ اس کو عزیٰ کے سامنے لے گیا کہ یہ بت	غیبی خبریں دینے میں غنیمت ہے

یعنی وہ بڈھا ان کو عزیٰ کے سامنے لے گیا (اور بولا) کہ یہ بت غیب کی خبریں دیا کرتا ہے اور اس بارہ میں یہ غنیمت ہے۔ یہاں ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ عزیٰ اول تو مکہ میں نہ تھا بلکہ قبیلہ غطفان میں تھا پھر وہ اصلی بت پتھر کا نہ تھا بلکہ ایک درخت تھا جس کو بعد میں حضرت خالد بن ولید نے جڑ سے اکھڑوا دیا تھا۔ اور جب وہ اکھڑ چکا تو اس کے اندر سے ایک عورت سرخ کپڑے پہنے ہوئے پریشان نکل کر بھاگی تھی۔ اس کو حضرت خالد بن ولید نے تلوار سے مار دیا تھا اور وہ کوئی جن وغیرہ تھی جو کہ بولا کرتا تھا۔ تو پھر مکہ میں جب وہ تھا نہیں تو وہ بڈھا حضرت حلیمہ کو اسکے پاس کس طرح لے گیا۔ جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ مکہ میں اس کا کوئی نائب پتھر کا بنالیا ہو اور اس کا نام بھی عزیٰ رکھ لیا ہو۔ اور بوجہ مشارکت اسمی کے اس درخت والے جن کا اثر اس میں بھی ہو۔ غرضکہ یہ اکثر باتیں بتلا دیا کرتا تھا تو بڈھا ان کو اس کے پاس لایا اور بولا کہ۔

ما ہزاراں گم شدہ زو یافتیم	چوں بخدمت سوئے او بشتافتیم
ہم نے ہزاروں گمشدہ اس کی وجہ سے پائے ہیں	جب ہم عقیدت سے اس کی طرف دوڑے ہیں

یعنی ہم نے ہزاروں گم شدہ اس کی وجہ سے پائے ہیں جبکہ خدمت میں اس کی طرف دوڑے ہیں۔

پیر کرد او را سجود و گفت زود	اے خداوند عرب اے بحر جود
بوڑھے اس کو سجدہ کیا اور فوراً کہا	اے عرب کے خدا! اے سخاوت کے دریا!

یعنی بڈھے نے اس کو سجدہ کیا اور جلدی سے کہا کہ اے عرب کے آقا اور دریا کرم کے۔

گفت اے عزیٰ تو بس اکرام ہا	کردۂ تا رستہ ایم از دام ہا
اس نے کہا اے عزیٰ! تو نے بہت سے کرم	کئے ہیں، حتیٰ کہ ہم نے جالوں سے رہائی پائی ہے

یعنی اس بڈھے نے کہا کہ اے عزیٰ تو نے بہت سے اکرام کئے ہیں یہاں تک کہ ہم جال سے چھوٹ گئے ہیں۔

برعرب حق ست از اکرام تو	فرض گشتہ تا عرب شد رام تو
تیری مہربانی کا عرب پر حق ہے	جو فرض بن گیا ہے حتیٰ کہ عرب تیرا فرمانبردار ہوگیا ہے

یعنی عرب کے اوپر بوجہ تیرے اکرام کے تیرا حق ہے (اور وہ حق) فرض ہوگیا ہے۔ یہاں تک عرب تیرا مطیع ہوگیا ہے۔

ایں حلیمہ سعدی از امید تو	آمد اندر ظل شاخ بید تو
یہ حلیمہ سعدیہ تیری امید پر	تیرے بید کی شاخ کے سایہ میں آئی ہے

یعنی یہ حلیمہ سعدیہ تیری امید پر تیری شاخ بید کے سایہ میں آئی ہیں (مولانا کا ظل شاخ بید فرمانا لطف سے خالی نہیں)

کہ ازو فرزند طفلے گم شدہ ست	نام آں کودک محمدؐ آمدہ ست
کہ اس کا ایک چھوٹا بچہ گم ہو گیا ہے	اس بچے کا نام محمدؐ ہے

یعنی کہ اس کا ایک بچہ گم ہوگیا ہے۔ اور اس بچہ کا نام محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔

چوں محمدؐ گفت آں جملہ بتاں	سرنگوں گشتند ساجد آں زماں
جب اس نے "محمدؐ" کہا وہ سب بت	فوراً اوندھے منہ اور سجدہ کرنے والے ہو گئے

یعنی جب اس بڈھے نے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا تو وہ سارے بت اسی وقت سجدے میں اوندھے ہو گئے۔ (اور بولے کہ)

کہ بروائے پیر ایں چہ جستجو ست	آن محمد را کہ عزل ما ازو ست
کہ اے بوڑھے! جا یہ کیا تلاش ہے؟	اس محمدؐ کی کہ اس کی وجہ سے ہماری معزولی ہے

یعنی کہ ارے بڈھے جا یہ کیا اس محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تلاش ہے جن سے کہ ہماری معزولی ہوگی۔

ما نگوں و سنگسارا نیم ازو	ما کساد و بے عیارانیم ازو
ہم اس کی وجہ سے اوندھے اور سنگسار ہیں	ہم اس کی وجہ سے کھوٹے اور بے رونق ہیں

یعنی ہم ان کی وجہ سے اوندھے اور سنگسار ہیں اور ہم ان کی وجہ سے کھوٹے اور بے عیار ہیں۔

آں خیالاتے کہ دیدندے زما	وقت فترت گاہ گاہ اہل ہوا
وہ خیالی باتیں کہ جو ہم سے دیکھی ہیں	اہل ہوا نے فترت کے زمانہ میں کبھی کبھی

یعنی وہ خیالات جو کہ اہل ہوا ہم سے زمانہ فترت میں کبھی کبھی دیکھ لیا کرتے تھے۔(فترت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کا زمانہ)

گم شود چوں بارگاہ او رسید	آب آمد مر تیمم را درید
گم ہو جائیں گی کیونکہ ان کا دربار (کا وقت) آ گیا ہے	پانی آ گیا اس نے تیمم کو توڑ دیا ہے

یعنی گم ہو جاویں گے جبکہ اس کی بارگاہ پہنچے۔کہ آب آمد تیمم برخاست۔(اور بولے کہ)

دور شو اے پیر فتنہ کم فروز	ہیں ز رشک احمدی ما را مسوز
او بوڑھے! دور ہو جا فتنہ نہ بھڑکا	خبردار! احمدی رشک سے ہمیں نہ جلا

یعنی کہ ارے بڈھے دور ہو فتنہ کم روشن کر ہم کو رشک احمدی سے مت جلا (یعنی بعد میں تو ہم تباہ ہوویں ہی گے مگر ابھی سے نام مبارک لے کر ہم کو کیوں تباہ کئے دیتا ہے۔

دور شو بہر خدا اے پیر تو	تا نہ سوزی ز آتش تقدیر تو
او بوڑھے! خدا کے لئے تو دفع ہو	تاکہ تو تقدیر کی آگ سے نہ جل جائے

یعنی کہ ارے بڈھے خدا کے واسطے دور ہو جا۔کہیں آتش تقدیر سے تو جل نہ جاوے۔

اینچہ دم اژدہا افشردن است	ہیچ دانی چہ خبر آوردن است
یہ کیا اژدہے کی دم دبانا ہے؟	تو جانتا ہے کہ کیسی خبر لانا ہے؟

یعنی یہ کیا اژدہا کی دم ہلانا ہے۔اور تو کچھ جانتا ہے کہ یہ کیا خبر لانا ہے۔یعنی ارے تجھے خبر بھی ہے کہ تو کیسی بات کہہ رہا ہے جو ہم سب کی ہلاکت ہے۔بس تو اب یہاں سے چل دے ورنہ تو بھی تباہ ہو جاوے گا۔

زیں خبر خوں شد دل دریا و کاں	زیں خبر لرزاں شود ہفت آسماں
اس خبر سے دریا اور کان کا دل خون ہو گیا ہے	اس خبر سے ساتوں آسمان لرز جائیں گے

یعنی اس خبر کی وجہ سے دریا اور معادن کا دل خون ہو گیا اور اس خبر سے ساتوں آسمان کانپ اٹھے ہیں۔

چوں شنید از سنگہا پیر ایں سخن	پس عصا انداخت آں پیر کہن
جب بوڑھے نے پتھروں سے یہ باتیں سنیں	اس پرانے بوڑھے نے لاٹھی پھینک دی

یعنی جب بڈھے نے پتھروں میں سے یہ بات سنی تو اس پرانے بڈھے نے لکڑی کو پھینک دیا۔

پس ز لرزہ و خوف و بیم آں ندے	پیر دنداںہا بہم برمی زدے
اس آواز کے لرزے اور خوف اور ڈر سے	بوڑھے کے دانت بجنے لگے

یعنی پھر لرزہ اور خوف اور اس آواز کے ڈر کی وجہ سے بڈھے کے دانت بجنے لگے۔

آنچناں کاندر زمستاں مرد عور	او ہمی لرزید و میگفت اے ثبور
جس طرح کہ جاڑوں میں ننگا انسان	وہ کانپ رہا تھا اور کہتا تھا ہائے ہلاکت!

یعنی جس طرح کہ جاڑے میں ننگا آدمی (کانپتا ہے اسی طرح) وہ بڈھا کانپ رہا تھا اور کہہ رہا تھا اے ہلاکت۔

چوں درآں حالت بدید آں پیر را	زاں عجب گم کرد زن تدبیر را
جب اس (حلیمہ) نے بوڑھے کو اس حالت میں دیکھا	اس عجب (بات) سے عورت نے تدبیر کو گم کر دیا

یعنی جب اس بڈھے کو اس حالت میں دیکھا تو اس تعجب کی وجہ سے وہ عورت (یعنی حلیمہؓ) تدبیر بھول گئیں یعنی اس بڈھے کی اس حالت کو دیکھ کر وہ ساری باتیں بھول بھال گئیں۔

گفت پیرا اگرچہ من در محنتم	حیرت اندر حیرت اندر حیرتم
بولی اے بوڑھے! اگرچہ میں مصیبت میں ہوں	(لیکن) حیرت در حیرت در حیرت میں ہوں

یعنی حضرت حلیمہؓ نے فرمایا کہ ارے بڈھے اگرچہ میں غم میں ہوں (لیکن) حیرت در حیرت در حیرت میں ہوں۔ یعنی انہوں نے فرمایا کہ ارے بڈھے اگرچہ ان کے گم ہو جانے کا مجھے غم ہے لیکن اس کے ساتھ ہی میں نے جو باتیں اس سے پہلے بھی دیکھی ہیں ان سے مجھے حیرت در حیرت ہے اور وہ بعض باتیں یہ ہیں کہ۔

ساعتے بادم خطیبے می کند	ساعتے سنگم ادیبے می کند
کسی وقت ہوا مجھ سے باتیں کرتی ہے	کسی وقت پتھر مجھے ادب سکھاتے ہیں

یعنی کبھی تو ہوا مجھے نصیحت کرتی ہے اور کبھی پتھر مجھ کو ادب دیتا ہے اور یہ بزبان حال نہیں بلکہ)

باد با حرفم سخنہا می دہد	سنگ و کوہم فہم اشیاء می دہد
ہوا حروف کے ذریعہ مجھ سے باتیں کرتی ہے	مجھے پتھر اور پہاڑ چیزیں سمجھاتے ہیں

یعنی ہوا مع حروف کے مجھ سے باتیں کرتی ہے اور پتھر اور پہاڑ مجھے چیزوں کا فہم دیتے ہیں۔ یعنی مجھے بتلاتے ہیں اور سمجھاتے ہیں۔

گاہ طفلم را ربودہ غیبیاں	غیبیاں سبز پوش آسماں
کبھی میرے بچے کو غیبی لے جاتے ہیں	آسمان کے سبز پوش غیبی

یعنی کبھی میرے بچہ کو غیبی لوگ لے بھاگتے ہیں اور غیبی (بھی) سبز پوش آسمان کے یعنی آسمان سے سبز پوش لوگ آتے ہیں۔ اور میرے بچہ کو اڑا لے جاتے ہیں اس سے مراد فرشتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ رضاعت میں حضرت حلیمہ سعدیہ کو فرشتے دکھلائی دیا کرتے تھے اور فرماتی ہیں کہ

از کہ نالم با کہ گویم ایں گلہ	من شدم سودائی اکنوں صد دلہ
کس سے فریاد کروں، کس سے شکوہ کروں؟	میں اب دیوانی اور پریشان ہو گئی ہوں

یعنی میں کس سے روؤں اور کس سے اس شکایت کو بیان کروں۔ میں تو سودائی اور سو دل والی ہو گئی۔ یعنی پریشان ہو گئی ہوں۔ اور خیالات مختلف آتے ہیں دل ایک ٹھکانے پر رہتا نہیں۔ آگے فرماتی ہیں۔

غیرتش از شرح غیبم لب بہ بست	ایں قدر گویم کہ طفلم گم شدہ است
اس کی غیرت نے غیب کی تشریح کرنے سے میرے ہونٹ بند کر دیے ہیں	(بس) اتنا کہتی ہوں کہ میرا بچہ گم ہو گیا ہے

یعنی اس کی غیرت نے غیب کی شرح سے میرے لب کو بند کر لیا۔ (بس) اتنا کہتی ہوں کہ میرا بچہ کھو گیا ہے۔ مطلب یہ کہ مجھے غیرت آتی ہے کہ کہیں میرے بچہ کو نظر نہ لگ جاوے۔ لہٰذا میں اب ان کے حالات مزید بیان نہیں کرتی۔ اتنا ہی کہتی ہوں کہ میرا بچہ کھو گیا ہے اور کچھ نہیں کہتی۔

گر بگویم چیز دیگر من کنوں	خلق بندندم بہ زنجیر جنوں
اب اگر میں کوئی دوسری بات کہوں	لوگ مجھے پاگل پن کی زنجیر میں باندھ دینگے

یعنی اگر میں ایک اور بات کہہ دوں تو ابھی لوگ مجھے زنجیر جنوں میں باندھ لیں۔ مطلب یہ کہ انہوں نے فرمایا کہ اگر میں ایک اور بات ظاہر کر دوں جس کا مجھے احتمال یا یقین ہے تو لوگ ابھی مجھے مجنوں کہنے لگیں گے اس لئے اس کو میں ظاہر ہی نہیں کرتی اور وہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا احتمال یا یقین تھا۔ یعنی انہوں نے کہا کہ اگر میں اس امر کو ظاہر کر دوں کہ مجھے شبہ یا یقین ہے کہ یہ نبی ہیں تو لوگ مجھے مجنون کہیں۔ لہٰذا اب کچھ نہیں کہتی۔ اس قدر کہتی ہوں کہ میرا بچہ کھو گیا ہے۔

گفت پیرش کاے حلیمہ شاد باش	سجدۂ شکر آر و رو را کم خراش
بوڑھے نے ان سے کہا اے حلیما خوش ہو جا	شکر کا سجدہ کر اور چہرے کو نہ نوچ

یعنی بڈھے نے ان سے کہا کہ اے حلیمہ خوش رہ سجدۂ شکر بجالا اور منہ کم نوچ (یعنی غم مت کر)

تو مخور غم کہ نگردد یاوہ او	بلکہ عالم یاوہ گردد اندرو
تو فکر نہ کر، کیونکہ وہ گم نہ ہو گا	بلکہ عالم اس میں گم ہو جائے گا

یعنی تو غم مت کھا کیونکہ وہ گم نہ ہوں گے بلکہ تمام عالم ان کے اندر گم ہوگا۔ یعنی ان کا تابع ہوگا۔

ہر زماں از رشک و غیرت پیش و پس	صد ہزاراں پا سبانست و حرس
ہر وقت رشک اور غیرت کی وجہ سے اس کے آگے اور پیچھے	لاکھوں نگہبان اور محافظ ہیں

یعنی ہر گھڑی رشک وغیرت (حق) کی وجہ سے (ان کے) آگے پیچھے سے لاکھوں پاسبان اور نگہبان ہیں۔

آں ندیدی کان بتاں ذوفنوں	چوں شدند از نام طفلت سرنگوں
تونے یہ نہیں دیکھا وہ ہنرمند بت	تیرے بچے کے نام سے کس طرح سرنگوں ہو گئے

یعنی تونے یہ نہیں دیکھا کہ یہ بتاں ذوفنون تیرے بچہ کے نام سے کیسے اوندھے ہوگئے (تو اس سے معلوم ہوگیا کہ وہ بہت بڑے رتبہ کے ہیں ان کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا ہے تم اطمینان سے رہو غم مت کرو۔ تھا بڈھا عقلند آگے کہتا ہے کہ)۔

ایں عجب قرنے است بر روئے زمیں	پیر گشتم من ندیدم جنس ایں
یہ روئے زمین پر عجب زمانہ ہے	میں بوڑھا ہو گیا میں نے ایسا نہ دیکھا تھا

یعنی یہ ایک عجب زمانہ ہے روئے زمین پر میں تو بڈھا ہو گیا میں نے اس قسم کا زمانہ دیکھا نہیں۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

زیں رسالت سنگہا چوں نالہ داشت	تا چہ خواہد بر گنہگاران گماشت
اس رسالت سے جبکہ پتھر فریاد کرنے لگے	گنہگاروں پر کیا چیز مسلط کرے گی؟

یعنی اس رسالت سے جب پتھروں نے نالہ رکھا تو گناہگاروں (یعنی بت پرستوں) پر کیا کچھ مقرر ہوگا۔

سنگ بے جرم است در معبودیش	تو نۂ مضطر کہ بندہ بودیش
اپنے معبود ہونے میں پتھر بے قصور ہیں	تو مجبور نہیں ہے کہ اس کا بندہ ہے

یعنی پتھر تو اپنی معبودی میں بے جرم ہے (مگر) تو تو مضطر نہیں ہے کہ تو اس کا بندہ ہو رہا ہے۔

آنکہ مضطر ایں چنیں ترساں شداست	تا کہ بر مجرم چہا خواہند بست
جو مجبور ہے وہ ایسا خوفزدہ ہے	تو مجرم پر کس قدر بندشیں ہوں گی؟

یعنی وہ کہ مضطر ایسے (اس سے) ڈرتے ہیں مجرم پر وہ کس طرح باندھیں گے مطلب یہ کہ اس رسالت اور نبوت کا پتھروں پر جب یہ اثر ہوا کہ وہ اوندھے ہوگئے اور گر پڑے حالانکہ معبود ہونے میں ان کی کچھ بھی خطا نہیں وہ بالکل بے جرم و خطا ہیں کیونکہ وہ تو اس میں مضطر ہیں لیکن یہ بت پرست تو مضطر نہیں اور یہ تو بے جرم نہیں تو جب ان بتوں پر ایسا اثر پڑا تو یہ جو بت پرست ہیں ان کے تو کیا کچھ گت بنے گی۔ نعوذ باللہ منہ آگے اس کی خبر عبدالمطلب کو ہو جانے کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

قدتم الربع الاول من الدفتر الرابع من المثنوی و للہ الحمد

16

شرح حبیبی

حضرت حلیمہ سعدیہؓ کا بتوں سے مدد چاہنے کا قصہ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد دودھ چھڑانے کے گم کیا تھا اور بتوں کا کانپنا اور سجدہ میں حضور کا نام سن کر گر پڑنا

اب حلیمہ سعدیہ دایہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس راز کا واقعہ بیان کرتی ہیں جو ان پر منکشف ہوا تھا تا کہ اس کے بیان سے تمہارا رنج وغم دور ہو وہ واقعہ یہ ہے کہ جب انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دودھ چھڑایا تو واقعہ شق صدر سے خوف زدہ ہو کر ہر وقت ان کو ریحان وگلاب کی طرح ہتھیلی پر رکھنے لگیں۔ پیش نظر رکھا کرتی تھیں تا کہ کوئی اور حادثہ پیش نہ آ جاوے۔ اور ہر بھلائی برائی سے انہیں بچاتی تھیں (مبالغہ ہے کمال حفاظت میں) تا کہ صحیح وسالم ان کو ان کے جدامجد کو سونپ دیں۔ پس جبکہ ان پر خوف ضرر غالب ہوا اور وہ ان کو اس اندیشہ ضرر سے کعبہ میں لائیں اور حطیم میں داخل ہوئیں تو ہوا میں سے انہوں نے یہ ندا سنی۔ اے حطیم آج تجھ پر ایک جلیل القدر آفتاب طالع ہوا ہے اور اے حطیم آج تجھ پر اس خورشید سخا کی جانب سے ہزاروں انوار برکات فائض ہوں گے اور اے حطیم آج تجھ میں ایسے باحشمت بادشاہ نے نزول اجلاس فرمایا ہے جن کا قاصد تیری جانب خوش اقبالی ہے یعنی وہ اپنے نزول اجلاس سے پہلے تیری جانب خوش اقبالی کو پہنچ چکے ہیں۔ اور تجھے خوش اقبال ونصیبہ ور کر چکے ہیں۔ اور اے حطیم آج نئے سرے سے تو منزل ملائکہ رحمت بنے گی۔ اور آج ارواح طیبہ (ملائکہ) جماعت در جماعت وگروہ درگروہ مست شوق ہو کر ہر طرف سے تیری طرف آئیں گی۔ اس ندا کو سن کر حلیمہ حیران ہوگئی کیونکہ نہ کوئی آگے دکھلائی دیتا تھا اور نہ پیچھے غرضکہ جہات ستہ میں بولنے والے کی صورت نہ دکھلائی دیتی تھی۔ مگر یہ آواز اس پر جانہائے مشتاقان قربان ہوں۔ برابر آ رہی تھی۔ انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین پر بٹھلا دیا تا کہ اس اچھی آواز کو تلاش کریں کہ یہ کس کی آواز ہے اور کہاں سے آ رہی ہے۔ پس وہ بٹھلا کر تلاش میں گئیں اور ہر طرف نظریں دوڑاتی تھیں تا کہ معلوم ہو کہ یہ اسرار بیان کرنے والا کہاں ہے۔ اور متحیر ہو کر دل میں کہتی تھیں کہ دائیں بائیں سے اس قدر بلند آوازیں آ رہی ہیں مگر اے اللہ ان کا پہنچانے والا کہاں ہے۔ الغرض جب انہوں نے بولنے والے کو نہ دیکھا تو بہت پریشاں ہوگئیں اور ان پر مایوسی طاری ہوگئی اور ہیبت سے جسم بید کی طرح کانپنے لگا۔ بالآخر وہ اس مہتدی بچہ کی طرف لوٹیں مگر ان کو اس جگہ نہ پایا جہاں ان کو بٹھلایا تھا۔ اس سے ان کو اور بھی تحیر ہوا اور مارے غم کے وہ مقام ان کی نظر میں تاریک ہوگیا وہ گھر گھر

تلاش کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ میرا موتی کس نے لوٹ لیا۔ اور میرا بچہ کس نے اٹھالیا۔ مگر اہل مکہ نے کہا کہ ہم کو کچھ خبر نہیں اور ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ جہاں تو بتلاتی ہے وہاں کوئی لڑکا تھا۔ یہ جواب سن کر بہت روئیں اور بہت کچھ آہ وزاری کی کہ ان کے رونے کو دیکھ کر اور لوگ بھی رو پڑے۔ اور غم سے چھاتی کوٹتے ہوئے اس قدر روئیں کہ ان کے رونے سے ستارے بھی رونے لگے۔ (مبالغہ ہے حقیقت مقصود نہیں) آخرش ایک بڈھا لاٹھی لئے ہوئے ان کے سامنے آیا اور کہا کہ اے حلیمہ بتا تو سہی تجھ پر کیا مصیبت پڑی کہ تو نے اپنے دل کی آتش غم کو اس قدر مشتعل کیا ہے اور دوسروں کے کلیجوں کو شوروشیوں سے جلا ڈالا ہے انہوں نے کہا کہ میں محمد کی معتمد دایہ ہوں اور میں ان کو اس لئے لائی تھی کہ ان کے دادا کو سونپ دوں جب میں حطیم میں پہنچتی ہوں تو غیب سے آوازیں آنے لگیں اور میں ان کو سنتی تھی۔ جب میں نے غیب سے وہ آوازیں سنیں تو ان کی وجہ سے میں نے اس بچہ کو بٹھلا دیا تا کہ میں دیکھوں کہ کس کی آواز ہے کیونکہ یہ تو بہت ہی پاکیزہ اور مرغوب ہے۔ مگر میں نے نہ تو کسی کو اپنے آس پاس دیکھا اور نہ آواز ہی بند ہوئی۔ اس لئے میں متحیر ہو کر لوٹ آئی جب لوٹی ہوں تو میں نے بچہ کو نہ پایا۔ یہ سن کر بڑے میاں نے کہا کہ بیٹا تم رنج نہ کرو کیونکہ میں تم کو ایک ایسا بادشاہ دکھلاؤں گا اگر وہ چاہے گا تو بچہ کی مفصل حالت بیان کردے گا۔ کیونکہ بچہ کا ٹھکانہ اور اس کی روانگی کی کیفیت اسے خوب معلوم ہے۔ یہ سن کر حلیمہ نے کہا کہ اے شیخ خوش لقا میری جان تجھ پر قربان ایسے واقف کار بادشاہ کو جس کو میرے بچہ کے حال کی خبر ہو مجھے ضرور دکھلا۔ پس وہ ان کو عزیٰ کے پاس لے گیا اور کہا کہ یہ غیب کی خبریں دیتے ہیں بہت غنیمت ہے جبکہ ہم اس کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے بہت سے گم شدہ لوگوں کو اس کے سبب پالیا۔ یہ کہہ کر اس نے اس بت کو سجدہ کیا اور سلسلہ کلام کو یوں شروع کیا۔ اے خداوند عرب اور اے بحر جود اور اے عزیٰ آپ نے ہم لوگوں پر بہت سے انعامات کئے ہیں جن کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دامہائے بلا سے چھوٹ گئے ہیں۔ عرب پر آپ کی تعظیم کا حق ہے اور وہ ان پر فرض ہو گیا ہے یہاں تک کہ اسی حق کے ادا کے لئے عرب آپ کے مطیع ہو گئے ہیں یہ حلیمہ سعدیہ امیدوار ہو کر آپ کے بید عاطفت کے سایہ میں آئی ہے۔ کیونکہ اس کا ایک بچہ گم ہو گیا ہے۔ اور اس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جب اس نے لفظ محمد کہا تو اس کو سنتے ہی سارے بت اوندھے گر گئے اور سربسجود ہو گئے اور کہا کہ اے بڈھے تو چلا جا تو ہم سے اس محمد کا کیا پتہ لگانا چاہتا ہے جو ہم کو معزول کر دے گا۔ اور ہماری حکومت کو عرب سے اٹھادے گا۔ ہم ان کے ہاتھوں سرنگوں ہیں اور ان کے ذریعہ سے ہماری بے رونقی ہو جائے گی۔ اور ہم محض نکمے ہو جاویں گے۔ اور جو کرشمے کہ فترت و جاہلیت کے زمانہ میں لوگ کبھی کبھی ہم سے دیکھ لیتے تھے ان کے دور حکومت میں وہ سب فنا ہو جائیں گے۔ واقعی بات ہے آب آمد تیمم برخاست۔ (یہ مولانا کا مقولہ بطور جملہ معترضہ کے ہے) ہاں اے بڈھے دور ہو اور آتش فتنہ کو نہ بھڑکا۔ اور محمدؐ کے رشک سے ہمیں مت جلا اور اے بڑے میاں تو یہاں سے چلا جا۔ ایسا نہ ہو کہ آتش تقدیر الٰہی تجھے پھونک ڈالے۔ کیونکہ تیرے اس فعل سے ظاہر ہے کہ تو ہم کو محمدؐ سے بڑھ کر سمجھتا ہے۔ ارے ناداں اژدھے کی دم کیوں مروڑتا ہے۔ اور فتنہ کیوں برپا کرتا ہے

تجھے معلوم ہے کہ تو یہ کیا خبر لایا ہے۔ اس خبر غیب سے تو دریا اور کانوں کا دل خون ہوتا ہے اور اس خبر سے تو سات آسمان کانپتے ہیں۔

جب پتھروں سے بڈھے نے یہ بات سنی تو اس کے ہاتھ سے لاٹھی چھوٹ گئی اور اس آواز کی ہیبت وخوف اور خوف کے سبب لرزے سے اس کی حالت یہ تھی کہ دانت بجتے تھے اور وہ یوں کانپتا تھا جیسے جاڑے میں کوئی ننگا کانپتا ہو اور ہائے رے بربادی ہائے رے تباہی پکار رہا تھا۔ جب حلیمہ نے بڈھے کو اس حالت میں دیکھا تو اس حیرت انگیز واقعہ سے اس کے ہوش اور بھی جاتے رہے۔ اور اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ بالآخر اس نے کہا کہ بڑے میاں گو میں سخت تکلیف میں ہوں لیکن ان پیہم عجیب واقعات سے میں نہایت ہی متحیر ہوں کبھی تو ہوا مجھ سے ہمکلام ہوتی ہے اور کبھی پتھر مجھے تادیب کرتے ہیں اور کبھی ہوا صاف الفاظ میں مجھ سے باتیں کرتی ہے کبھی پہاڑ کے پتھر مجھے مضامین سمجھاتے ہیں۔ کبھی آسمانی سبز پوش فرشتے میرے بچہ کو اٹھا لے جاتے ہیں۔ اب میں کس کے آگے روؤں اور کس سے شکایت کروں۔ میں تو ان حیرت انگیز واقعات سے دیوانہ ہوگئی ہوں۔ غیرت خداوندی نے ان امور غیبیہ کے بیان سے میرے ہونٹ سی دیئے ہیں۔ جن کو میں نے دیکھا ہے اس لئے میں کچھ نہیں کہتی۔ اور صرف اتنا کہتی ہوں کہ میرا بچہ گم ہوگیا۔ اور اگر میں کچھ اور کہتی ہوں تو لوگ مجھ پر دیوانگی کا الزام لگا کر ابھی زنجیروں میں باندھ دیں گے۔ اس لئے خاموشی ہی بہتر ہے۔ یہ سن کر بڑے میاں نے کہا کہ اے حلیمہ خوش ہو اور سجدۂ شکر بجالا اور منہ کومت نوچ اور غم نہ کھا۔ کیونکہ وہ گم نہ ہوگا۔ بلکہ ایک عالم اس میں گم ہو جائے گا۔ یعنی وہ سب پر غالب ہوگا۔ رشک وغیرت خداوندی کے سبب ہر وقت اس کے آگے پیچھے سینکڑوں نگہبان اور محافظ ہیں۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ یہ بت تیرے بچہ کا نام سنتے ہی سرنگوں ہوگئے۔ مگر جبکہ حق سبحانہ کے نزدیک وہ اتنے معزز ہیں تو ان پر کوئی شخص دسترس اور قابو کیونکر پا سکتا ہے۔ روئے زمین پر یہ عجیب زمانہ اور وقت ہے کہ میں بڈھا ہوگیا مگر ایسا زمانہ کبھی نہیں دیکھا۔ اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم کو معلوم ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سنتے ہی بت چلا اٹھے۔ تو جب کے اس خبر سے پتھروں کی یہ حالت ہوئی کہ وہ چلا اٹھے تو تم سمجھ سکتے ہو کہ گنہگاروں کو ان کے جرموں کی کیا کچھ سزا ملے گی۔ پتھر تو اپنی معبودیت میں پھر بھی بے قصور ہیں۔ مگر بندہ تو ان کی پرستش میں مضطر اور مجبور نہیں۔ تو جبکہ مضطر اور مجبور کو اس قدر خوف ہو تو سمجھ لینا چاہئے کہ بااختیار آپ کی مخالفت کرنے والوں پر کیا عقوبت واقع کی جائے گی۔

قدتم الربع الاول من الدفتر الرابع من المثنوی وللہ الحمد

شرح شبّیری

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گم ہو جانے کی خبر عبدالمطلب کو ہونا اور ان کا شہر کے گرد تلاش کرنا اور در کعبہ پر رونا اور حق تعالیٰ سے ان کو طلب کرنا

چوں خبر یابید جد مصطفےٰ	از حلیمہ و زفغانش بر ملا
جب مصطفےؐ کے دادا نے خبر پائی	حلیمہؓ اور ان کے برملا رونے کی

یعنی جبکہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا صاحب نے حلیمہ کی اور ان کے فغاں برملا کی خبر پائی۔

وز چناں بانگ بلند و نعرہا	کہ بمیلے میرسید ازوے صدا
اور ایسے زور کی آواز اور نعروں سے	کہ جن کی آواز ایک میل تک پہنچ رہی تھی

یعنی اور ایسی بلند آواز کی اور نعروں کی (خبر پائی) جن کی آواز ایک میل تک پہنچ رہی تھی۔ مطلب یہ کہ حضرت حلیمہؓ جو بہت زیادہ آہ وفغاں کر رہی تھیں اس کی خبر عبدالمطلب کو پہنچی کہ (حضور مقبول) محمدؐ (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کہیں گم ہو گئے ہیں۔ اس وجہ سے یہ اس قدر رو رہی ہیں۔

زود عبدالمطلب دانست چیست	دست بر سینہ ہمی زد میگریست
فوراً عبدالمطلب سمجھ گئے کیا ہوا ہے	سینہ کوبی کرتے تھے اور روتے تھے

یعنی حضرت عبدالمطلب نے جلدی سے جان لیا کہ یہ کیا بات ہے تو سینہ پر ہاتھ مارنے لگے اور رونے لگے۔

آمد از غم بر در کعبہ بسوز	کاے خبیر از سرِ شب و زِرازِ روز
رنج سے کعبہ کے دروازہ پر سوزش کیساتھ آئے	کہ اے رات کے راز اور دن کے بھید کے جانکار

یعنی غم کی وجہ سے در کعبہ پر سوز کے ساتھ تشریف لائے۔ (اور عرض کیا) کہ اے شب و روز کے بھیدوں کے خبردار۔

خویشتن را من نمی بینم فنے	تا بود ہمراز تو ہمچوں منے
میں اپنے لئے کوئی ایسا ہنر نہیں دیکھتا ہوں	کہ جس میں مجھ جیسا تیرا ہمراز بنے

یعنی میں اپنے اندر تو کوئی ایسا کمال نہیں دیکھتا کہ مجھ جیسا شخص آپ کا ہمراز بنے۔

خویشتن را من نہ می بینم ہنر	تا شوم مقبول ایں مسعود در
میں اپنے آپ میں کوئی ہنر نہیں دیکھتا ہوں	کہ اس مبارک دروازہ پر میں مقبول بنوں

یعنی اپنے لئے میں ایسا کوئی ہنر نہیں پاتا کہ میں اس مبارک دروازہ کا مقبول ہوں۔

یا سر و سجدہ مرا قدرے بود	یا با شکم دولتے خنداں شود
یا میرے سر اور سجدے کی کوئی قدر ہو	یا میرے آنسوؤں سے قسمت جاگ اٹھے

یعنی یا یہ کہ میرے سر اور سجدہ کی کوئی قدر ہو یا میرے اشک سے کوئی دولت خنداں ہو۔

لیک در سیمائے آں در یتیم	دیدہ ام آثار لطفت اے کریم
لیکن اس در یکتا کی پیشانی میں	اے کریم! میں نے تیری مہربانی کے بڑے آثار دیکھے ہیں

یعنی لیکن اے کریم اس در یتیم کی پیشانی میں میں نے آپ کے لطف کے آثار دیکھے ہیں۔

کہ نمی ماند بما گرچہ زماست	ماہمہ مسیم و احمد کیمیاست
کہ جو ہم جیسا نہیں ہے، اگرچہ ہم میں سے ہے	ہم سب تانبہ ہیں اور احمدؐ کیمیا ہیں

یعنی وہ اگرچہ ہمارے میں سے ہی ہیں (مگر) ہم جیسے نہیں ہیں۔ ہم سارے مس ہیں اور احمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) کیمیا ہیں۔

آں عجایبہا کہ من دیدم درو	من ندیدم در ولی و بر عدو
وہ عجائب جو میں نے اس میں دیکھے ہیں	میں نے کسی دوست اور دشمن میں نہیں دیکھے ہیں

یعنی جو عجائبات کہ میں نے ان کے اندر دیکھے ہیں نہ کسی دوست میں دیکھے اور نہ کسی دشمن میں۔

انچہ فضل تو دریں طفلیش داد	کس نشاں ندہد بصد سالہ جہاد
تیری مہربانی نے جو اس کو بچپن میں عطا کیا ہے	کسی نے سو سال کے مجاہدے کے بعد بھی اس کی مثال پیش نہیں کی

یعنی جو چیز کہ تیرے فضل نے اس بچپن میں ان کو عطا فرمائی ہے کوئی شخص سو برس کے مجاہدہ میں اس کا نشان نہیں پا سکتا۔

چوں یقیں دیدم عنایتہائے تو	بروئے او دریست از دریائے تو
جب میں نے یقینی طور پر تیری عنایتیں دیکھ لی ہیں	اس پر' تو وہ تیرے دریا کا ایک موتی ہے

یعنی جب میں نے یقیناً آپ کی عنایتیں ان پر دیکھ لیں کہ وہ آپ کے دریا کے موتی ہیں۔

من ہموں را می شفیع آرم بتو	حال او اے حال داں باما بگو
میں اسی کو تیرے پاس سفارشی لایا ہوں	اے حال کے جاننے والے اس کا حال ہمیں بتا دے

یعنی میں ان ہی کو آپ کے آگے شفیع لاتا ہوں کہ اے حال کے جاننے والے ان کا حال ہم کو بتلا دیجئے۔

مطلب یہ ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گم ہونے کی خبر ہوئی تو آپ در کعبہ پر پہنچے

اور اس طرح جناب باری میں دعا کرنا شروع کی کہ اے اللہ میرے اندر تو کوئی ایسا کمال اور ہنر ہے نہیں کہ جس کی بدولت میں یہ عرض کروں مگر اس کی وجہ سے مجھے آپ اپنا ہمراز بنالیجئے۔ اور امور غیب سے مطلع فرمادیجئے۔ یا یہ ہو کہ میرے سجدے اور گریہ وزاری اس قابل ہوں کہ ان کی اس قدر رقدر کی جاوے کہ ان کے بدلہ میں کوئی دولت مجھے نصیب ہو۔ یہ تو کوئی بات بھی نہیں ہے لیکن چونکہ خود محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہم نے ایسے امور مشاہدہ کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا خاص فضل ان پر ہے اور اگرچہ وہ ہمارے اندر سے ہیں اور ہم میں سے ہی پیدا ہوئے ہیں لیکن ان کے کمالات ایسے ایسے ظاہر ہوتے ہیں کہ وہ ہمارے بالکل مشابہ نہیں ہیں۔ ہم نے ان کے اندر ایسے ایسے کمالات مشاہدہ کئے ہیں کہ آج تک نہ کسی دوست میں وہ کمالات دیکھے اور نہ کسی دشمن میں ان کو تو وہ کمالات آپ کے فضل وکرم سے عطا ہوئے ہیں کہ کوئی اگر سو برس تک مجاہدہ کرے تب بھی اس کو حاصل نہیں ہو سکتے۔ غرض کہ ان کے ان کمالات کی وجہ سے ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ ان پر جناب کا خاص فضل وعنایت ہے۔ اور آپ کے دریائے کرم و بحر لطف کے موتی ہیں۔ لہٰذا اگرچہ ہم تو اس قابل نہ تھے کہ آپ ہم کو کسی پوشیدہ بات کی اطلاع فرماتے۔ اور ہم کو اپنا رازدار بناتے مگر اب ہم ان ہی کو یعنی محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم ہی کو آپ کی خدمت میں شفیع لاتے ہیں کہ اے اللہ ہم کو اس امر کی خبر ان کی برکت سے فرمادیجئے کہ وہ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں ان کی حالت کی ہمیں خبر کر دیجئے۔ بس جب یہ دعا حضرت عبدالمطلب نے در کعبہ پر کی تو کعبہ کے اندر سے ان کو ہاتف کی ندا آئی جس کو آگے مولانا بیان فرماتے ہیں کہ۔

از دروں کعبہ آمد بانگ زود	کہ ہم اکنوں رخ بتو خواہد نمود
فوراً کعبہ کے اندر سے آواز آئی	کہ وہ ابھی اپنا چہرہ تجھے دکھا دے گا

یعنی کعبہ کے اندر سے جلدی سے آواز آئی کہ وہ تم کو ابھی منہ دکھلا دیں گے۔ مطلب یہ کہ حضرت عبدالمطلب کی دعا پر یہ جواب ملا کہ وہ تم کو ابھی تھوڑی دیر میں مل جاویں گے گھبراؤ مت کیونکہ۔

باد و صد اقبال او محظوظ ماست	باد و صد طلب ملک محفوظ ماست
وہ دوسو اقبالمندیوں کے ساتھ ہماری جانب سے نصیبہ ور ہے	دوسو فرشتوں کی جماعت کے ذریعہ وہ ہمارے پاس محفوظ ہے

یعنی دوسو اقبالوں کے ساتھ وہ ہمارے محظوظ ہیں اور دوسو گروہ فرشتہ کے ساتھ وہ ہمارے محفوظ ہیں۔ (دوسو سے مراد مطلق کثرت) مطلب یہ کہ تم گھبراؤ مت وہ ہماری حفاظت میں ہیں۔

ظاہرش را شہرۂ گیہاں کنیم	باطنش را از ہمہ پنہاں کنیم
ہم اس کے ظاہر کو عالم میں مشہور کریں گے	اس کے باطن کو سب سے پوشیدہ رکھیں گے

یعنی ان کے ظاہر کو تو ہم جہاں میں مشہور کر دیں گے اور ان کے باطن کو سب سے پوشیدہ کریں گے۔

مطلب یہ کہ ان کے ظاہر کو تو ہم تمام عالم میں مشہور کریں گے کہ سب ان کو جانیں گے ان کے باطن کی پوری طرح کسی کو خبر نہ ہوگی۔ ان کے باطنی کمالات تک پوری طرح کسی کی رسائی نہ ہوگی۔

زر کان بود آب و گل ما زرگریم	گہ کنیمش خلخال و گہ خاتم بریم
پانی اور مٹی سونے کی کان تھی ہم زرگر ہیں	ہم کبھی اس کو پازیب اور کبھی انگوٹھی تراشتے ہیں

یعنی معدن کا سونا آب و گل ہے اور ہم زرگر ہیں کبھی اس کو خلخال اور کبھی انگوٹھی بناتے ہیں۔

گہ حمائلہائے شمشیرش کنیم	گاہ بند گردن شیرش کنیم
کبھی ہم اس کو تلواروں کے پر تلے بناتے ہیں	کبھی اس کو شیر کی گردن کا پٹا بناتے ہیں

یعنی کبھی اس کو تلوار کی حمائل بناتے ہیں اور کبھی اس کو شیر کی گردن کا بند بناتے ہیں۔

گہ ترنج تخت برسازیم ازو	گاہ تاج فرقہائے ملک جو
ہم کبھی اس سے تخت کے پھول بناتے ہیں	کبھی کشور کشا سروں کے تاج

یعنی کبھی اس سے تخت کا ترنج بناتے ہیں اور کبھی اس سے ملک جو لوگوں کے سروں کا تاج بناتے ہیں۔
مطلب یہ کہ ارشاد حق ہوا کہ دیکھو سونا ہوتا ہے اس کی اصل تو آب و گل ہی ہوتی ہے لیکن کبھی سونار اس سے پازیب بناتا ہے کبھی انگوٹھی کبھی تلوار کی حمائل بناتا ہے اور شیر کی گردن کا پٹہ غرض کہ مختلف چیزیں اچھی بری اس سے بنتی ہیں۔ اسی طرح انسان بھی آب و گل ہے اس میں سے ہم کبھی کیسے بناتے ہیں اور کبھی کیسے بناتے ہیں کوئی اچھا تو کوئی برا یہ اشارہ ہے خدمت کی طرف حدیث میں ہے۔ الناس کمعادن الذهب والفضة الخ غرضکہ اس خاک سے مختلف صورتیں اور انسان بنتے ہیں آگے ارشاد ہوتا ہے کہ۔

عشقہا داریم با ایں خاک ما	زانکہ افتادست در قعدہ رضا
ہم اس مٹی سے بہت محبت کرتے ہیں	کیونکہ وہ (تسلیم و) رضا کی نشست پر واقع ہوئی ہے

یعنی ہم اس خاک سے محبتیں رکھتے ہیں اس لئے کہ یہ قعدۂ رضا میں پڑی ہوئی ہے۔ مطلب یہ کہ ارشاد حق ہوا کہ ہم کو اس خاک سے بہت محبت ہے کیونکہ متواضعانہ پڑی ہوئی ہے۔ اور جو تواضع کرتا ہے اس سے ہم کو محبت ہوتی ہے لہذا اس سے بھی محبت ہے (جیسا کہ حدیث میں ہے کہ من تواضع لله رفعه الله) اور اس محبت کا اثر یہ ہے۔

گہ چنیں شاہے ازو پیدا کنیم	گہ ہم او را پیش شہ شیدا کنیم
کبھی ہم اس سے ایسا شاہ پیدا کر دیتے ہیں	کبھی ہم اس کو شاہ کے سامنے عاشق بنا دیتے ہیں

یعنی کبھی تو ہم ایسے بادشاہ اس میں سے پیدا کرتے ہیں اور کبھی اس کو اس بادشاہ کا شیدا کرتے ہیں۔

مطلب یہ کہ کبھی اسی خاک میں سے حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جیسے شاہنشاہ پیدا ہوتے ہیں اور کبھی اسی خاک کے بنے ہوئے لوگ اس شاہنشاہ پر شیدا او والہ ہوتے ہیں۔ جیسے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اور ارشاد ہوا کہ۔

صد ہزاران عاشق و معشوق ازو	در فغان و در نفیر و جستجو
اس سے لاکھوں عاشق اور معشوق	نالہ و فریاد اور جستجو میں ہیں

یعنی لاکھوں عاشق اور معشوق اسی میں سے ہیں کہ فغاں اور نفیر اور جستجو میں ہیں۔ مطلب یہ کہ دیکھو لاکھوں عاشق و معشوق اسی خاک سے بنے ہیں کہ کوئی رو رہا ہے کوئی کسی کی تلاش میں ہے۔ غرضکہ ہر کس بخیال خویش خبطے دارد۔

کار ما اینست بر کوری آں	کو بکار ما ندارد میل جاں
ہمارا یہ کام ہے اس شخص کے اندھے پن کے خلاف	جو ہمارے کام کے ساتھ جان کا میلان نہیں رکھتا ہے

یعنی ہمارا یہی کام ہے باوجود اس شخص کی ناگواری کے جو کہ ہمارے کام میں جان سے رغبت نہ رکھے۔ یعنی اگر کسی کو یہ امور پسند نہ ہوں اور وہ ان کو اچھا نہ سمجھے تب بھی اس کے باوجود ناگواری کے اس طرح پیدا فرماتے ہیں کوری آں کے معنی عربی میں علی رغمہ کے ہیں۔ اور ارشاد ہے کہ۔

ایں فضیلت خاک را زاں رو دہیم	زانکہ نعمت پیش بے برگان نہیم
یہ بزرگی ہم مٹی کو اس لئے دیتے ہیں	کیونکہ ہم بے سروسامان لوگوں کے سامنے نعمت پیش کرتے ہیں

یعنی ہم خاک کو یہ فضیلت اس لئے دیتے ہیں کہ ہم نعمت کو بے سامانوں کے آگے رکھا کرتے ہیں۔

زانکہ دارد خاک شکل اغبری	وز دروں دارد صفات انوری
کیونکہ مٹی غبار آلود شکل رکھتی ہے	اور باطن میں نورانی صفات رکھتی ہے

یعنی اس لئے کہ خاک ایک شکل غبار آلودہ رکھتی ہے اور اندر سے صفات انوری رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ ارشاد ہوا کہ ہمارا قاعدہ ہے کہ ہم نعمت ایسے لوگوں کو دیا کرتے ہیں کہ جن کا کوئی ظاہری وسیلہ اور ان کے پاس کوئی ظاہری سامان نہ ہو۔ تو خاک کیونکہ بالکل متواضعانہ پڑی ہے اپنی شکل کو اس نے غبار آلودہ بنا رکھا ہے اس لئے ہم اس پر نعمتیں کرتے ہیں اور اس کی صورت تو غبار آلود ہے لیکن اس کا باطن منور اور روشن ہے اور چونکہ ظاہر و باطن اس کا آپس میں مختلف ہے اس لئے یہ ہوتا ہے کہ۔

ظاہرش با باطنش گشتہ بجنگ	باطنش چوں گوہر و ظاہر چو سنگ
اس کا ظاہر اس کے باطن کے ساتھ جنگ میں مصروف ہے	اس کا باطن موتی کی طرح ہے اور ظاہر پتھر کی طرح ہے

یعنی اس کا ظاہر باطن کے ساتھ لڑائی میں ہے اور اس کا باطن مثل گوہر کے ہے اور ظاہر پتھر کی طرح ہے۔

ظاہرش گوید کہ ما اینیم و بس	باطنش گوید نکو بیں پیش و پس
اس کا ظاہر کہتا ہے کہ ہم صرف یہی ہیں	اس کا باطن کہتا ہے آگے اور پیچھے اچھی طرح دیکھ

یعنی ظاہر خاک تو کہتا ہے کہ ہم یہی ہیں (جو نظر آتا ہے) اور بس اور باطن خاک کہتا ہے کہ اچھی طرح آگے پیچھے دیکھ۔ مطلب یہ کہ ظاہر خاک تو کہتا ہے کہ میرے اندر کوئی کمالات نہیں ہیں میں تو بس یہی ہوں جو نظر آ رہا ہوں لیکن باطن خاک کہہ رہا ہے کہ ذرا اچھی طرح دیکھو تو تم کو معلوم ہوگا کہ کیسے کیسے کمالات میرے اندر موجود ہیں۔

ظاہرش منکر کہ باطن ہیچ نیست	باطنش گوید کہ بنمائیم بایست
اس کا ظاہر منکر ہے کہ باطن کچھ نہیں ہے	اس کا باطن کہتا ہے' کہ میں دکھاتا ہوں' ٹھہر

یعنی ظاہر خاک تو منکر ہے کہ باطن کوئی چیز نہیں ہے اور باطن خاک کہہ رہا ہے کہ ارے اٹھ میں تجھے دکھلاؤں۔

ظاہرش با باطنش در چالش اند	لاجرم زیں صبر و نصرت مے کنند
اس کا ظاہر اس کے باطن کے ساتھ جنگ میں مصروف ہے	لامحالہ اس صبر سے وہ فتح پاتے ہیں

یعنی ظاہر خاک باطن خاک کے ساتھ لڑائی میں ہیں تو آخر کار اس سے صبر اور مدد کھینچتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ظاہر اور باطن میں جو اختلاف اور لڑائی ہو رہی ہے اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ کبھی ظاہر کو غلبہ ہو جاتا ہے اور اس کو مدد پہنچ جاتی ہے اور کبھی باطن کو یعنی کبھی آثار ظاہر کے غالب ہو جاتے ہیں اور کہیں آثار باطن کے غالب ہو جاتے ہیں۔

زیں ترش رو خاک صورتہا کنیم	خندۂ پنہانش را پیدا کنیم
اس ترش رو خاک سے ہم صورتیں بناتے ہیں	ہم اس کی چھپی مسکراہٹ کو ظاہر کرتے ہیں

یعنی اس ترش رو خاک سے ہم بہت سی صورتیں بناتے ہیں کہ اس کے خندۂ پنہاں کو ظاہر کرتے ہیں۔

زانکہ ظاہر خاک اندوہ و بکاست	در درونش صد ہزاراں خندہاست
کیونکہ مٹی کا ظاہر غم اور رونا ہے	اس کے اندر لاکھوں مسکراہٹیں ہیں

یعنی اس لئے کہ ظاہر خاک تو اندوہ و بکا ہے اور اس کے باطن میں ہزاروں خندے ہیں۔

کاشف السریم و کار ما ہمیں	کایں نہانہا را برآریم از کمیں
ہم رازوں کو کھولنے والے ہیں ہمارا یہی کام ہے	کہ ان رازوں کو پوشیدگی سے باہر لے آئیں

یعنی ہم کاشف السر ہیں ہمارا یہی کام ہے کہ ان پوشیدہ اشیاء کو کمیں سے نکالیں مطلب یہ ہے کہ ارشاد حق ہوتا ہے کہ یہ خاک جس کی صورت کہ ترش رو اور غبار آلودہ ہے اس سے ہم صورتیں بناتے ہیں اور ان کے اندر ایسے ایسے کمالات ہوتے ہیں کہ جس سے اس خاک کے کمالات باطنی کا پتہ لگتا ہے۔ کیونکہ یہ خاک ظاہر میں تو

ترش رو اور غبار آلود ہی ہے لیکن اس کے اندر بڑے بڑے کمالات بھرے ہوئے ہیں تو ہم کاشف اسرار ہیں لہٰذا اس کے کمالات کو بھی ظاہر کر دیتے ہیں۔ آگے ان کمالات کے ظاہر کرنے کی ایک مثال دیتے ہیں اور پھر اس مثال کی تطبیق بیان فرماویں گے۔ فرماتے ہیں کہ۔

گرچہ دزد از منکری تن میزند	شحنۂ آں از عصر پیدا کند
چور اگرچہ انکاری ہونے کی وجہ سے خاموش ہے	کوتوال دبا کر ظاہر کر دیتا ہے

یعنی اگرچہ چور منکری کی وجہ سے چپ رہتا ہے (لیکن) کوتوال اس کو دبانے سے ظاہر کر لیتا ہے۔

فضلہا دز دیدہ اند ایں خاکہا	ما مقرآریم شان از ابتلا
ان مٹیوں نے بہت سی فضیلتیں چرا رکھی ہیں	ہم آزمائش کے ذریعہ ان کو اقرار کرنے والا کر دیتے ہیں

یعنی ان خاکوں نے بہت سی فضیلتیں چرا رکھی ہیں تو ہم امتحان کی وجہ سے ان کو اقرار کراتے ہیں۔ مطلب یہ کہ دیکھو جب چور چوری کر لیتا ہے تو اس کا اقرار نہیں کیا کرتا بلکہ صاف انکار کرتا ہے کہ میں نے تو نہیں چرایا۔ مگر کوتوال صاحب مار پیٹ کر اس سے اقرار کرا ہی لیتے ہیں۔ اسی طرح اس خاک نے بہت سی فضیلتیں چرا رکھی ہیں اور ان کو یہ ظاہر نہیں ہونے دیتی۔ تو جب ہم ان کمالات کو ظاہر کرانا چاہتے ہیں تو اس کو کوٹ چھیٹ کر اس سے ظاہر کرا ہی لیتے ہیں اور وہ اس طرح کہ اس کی صورتیں بناتے ہیں اور ان سے وہ کمالات ظاہر ہوتے ہیں آگے ارشاد ہے کہ۔

بس عجب فرزند کو را بودہ است	لیک احمدؐ برہمہ افزودہ است
اس کے بہت سے عجیب فرزند ہوئے ہیں	لیکن احمدؐ سب سے بڑھے ہوئے ہیں

یعنی بہت سے عجیب بچے اس کے ہوئے ہیں لیکن احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سب پر سبقت لے گئے ہیں۔

شد زمین و آسمان خندان و شاد	کایں شاہے زماد و جفت زاد
زمین اور آسمان شاداں و فرحاں ہوئے	کہ ایسا شاہ ہمارے جوڑے سے پیدا ہوا

یعنی زمین و آسمان خنداں اور خوش ہوئے کہ ایسے شہنشاہ ہم دونوں سے پیدا ہوئے۔

شد زمیں چوں آسماں از شادیش	خاک چوں سوسن شد از آزادیش
ان کی خوشی سے زمین آسمان کی طرح ہو گئی	ان کی پیدائش سے مٹی سوسن کی طرح ہو گئی

یعنی زمین اپنی خوشی کی وجہ سے آسمان کی طرح ہو گئی اور خاک اپنی آزادی کی وجہ سے سوسن کی طرح ہو گئی (سوسن چونکہ موسم بہار و خزاں میں دونوں میں سرسبز ہی رہتا ہے اس لئے اس کو آزاد کہتے ہیں کہ یہ قید بہار و خزاں سے آزاد ہے) مطلب یہ کہ اس خاک سے بہت سے باکمال اور عجیب عجیب لوگ جو کہ مثل اس کے ابناء کے ہیں پیدا ہوئے ہیں۔ مگر محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم ایسے باکمال پیدا ہوئے ہیں کہ یہ سب پر فوقیت لے گئے ہیں اور ان کی

پیدائش پر زمین و آسمان اور خاک کو جن سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم عنصری بنا ہے ناز ہے کہ اللہ اکبر ایسا عظیم الشان بادشاہ ہم سے بنا ہے اور ہم سے پیدا ہوا ہے زمین اپنی رفعت میں آسمان کی طرح ہو رہی ہے اور خاک الگ خوش ہوتی پھر رہی ہے۔ آگے خطاب حق خاک کو ہوتا ہے کہ۔

ظاہرت با باطنت اے خاک خوش	چونکہ در جنگند و اندر کشمکش
اے بہترین مٹی تیرا ظاہر باطن کے ساتھ	چونکہ جنگ اور کشمکش میں ہے

یعنی اے خاک خوش تیرا ظاہر باطن کے ساتھ جبکہ جنگ میں اور کشمکش میں ہے۔

ہر کہ با خود بہر حق باشد بجنگ	تا شود معنیش خصم بو و رنگ
جو اپنے ساتھ اللہ کے لئے لڑائی میں (مصروف) ہو	حتیٰ کہ اس کا باطن بو اور رنگ کا مخالف ہو

یعنی جو شخص کہ اپنے ساتھ خدا کے واسطے لڑائی میں ہو یہاں تک اس کا باطن بو و رنگ کا دشمن ہو جائے۔

ظلمتش بانور او شد در قتال	آفتاب جانش را نبود زوال
اس کی تاریکی اس کے نور کے ساتھ جنگ میں لگی	اس کے جان کے سورج کے لئے زوال نہیں ہے

یعنی اس کی ظلمت اس کے نور کے ساتھ قتال میں ہے اور اس کے آفتاب جاں کو زوال نہیں ہوتا (مصرعہ ''چونکہ در جنگند و اندر کشمکش'' میں جو چونکہ ہے اس کی جزا محذوف ہے۔ تقدیر اس کی یہ ہے کہ چونکہ ظاہرت با باطنت در جنگند بس ابناء تو یعنی آدمیاں نیز در جنگند۔ اور اگلا شعر یعنی ''ہر کہ با خود بہر حق'' الخ دلیل جزا ہے جو قائم مقام جزا ہوگئی ہے۔ فافہم) مطلب یہ ہے کہ اے خاک تیرا ظاہر و باطن چونکہ مختلف ہیں اور خلاف میں ہیں لہٰذا انسان جو کہ تجھ سے بنا ہے وہ بھی مختلف ہے اور جنگ میں ہے لیکن ان میں سے جو شخص کہ اپنے نفس سے خدا کے واسطے لڑتا ہے اور لڑتے لڑتے اس کے باطن کو ظاہر پر غلبہ ہو جاتا ہے اور اس کا باطن بو و رنگ یعنی ظاہر کا دشمن ہو جاتا ہے تو پھر یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اس کی ظلمت یعنی اس کا نفس بھی اس کے نور کے ساتھ یعنی روح کے ساتھ مل کر کام کرنے لگتا ہے۔ پھر اس کے آفتاب جان کو زوال نہیں ہوتا۔ جیسا کہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ نفس امارہ نفس لوامہ یا مطمئنہ ہو جاتا ہے تو وہ بھی روح کے تابع ہو کر اسی جیسے کام کرتا ہے۔ غرضکہ پھر ایسے شخص کا نور روح کبھی کم نہیں ہوتا بلکہ یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

ہر کہ کوشد بہر ما در امتحاں	پشت زیر پاش آرد آسماں
جو شخص ہمارے لئے امتحان دینے میں کوشش کرے	آسمان کر اس کے پاؤں کے نیچے لے آتا ہے

یعنی جو شخص کہ ہمارے واسطے امتحان میں ہوا تو اس کو ایسی رفعت ہوتی ہے کہ آسمان اپنی پشت اس کے پاؤں کے نیچے رکھ دیتا ہے۔ یعنی اس کے مرتبہ کے آگے آسمان کا رتبہ بھی کوئی شے نہیں ہے اور اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

ظاہرش از تیرگی افغان کناں	باطن او گلستاں در گلستاں
تیرا ظاہر تاریکی کی وجہ سے فریادی ہے	تیرا باطن باغ باغ ہے

یعنی اس کا ظاہر تو تاریکی کی وجہ سے فریاد کرنے والا ہوتا ہے اور اس کا باطن گلستان در گلستان ہے۔

قاصداً چوں صوفیان روئے ترش	تانیا میزند باہر نور کش
وہ صوفیوں کی طرح بالارادہ ترشرو ہے	تاکہ وہ کسی نور بجھانے والے سے میل جول نہ کریں

یعنی قصداً مثل صوفیان روترش کے تاکہ ہر نور کش کے ساتھ نہ مل جاویں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ حضرات اپنی ظاہری حالت کو خراب قصداً رکھتے ہیں ورنہ باطن میں تو باغ و بہار ہے۔ کہ بے حد حساب عیش میں ہوتے ہیں جیسے کہ صوفی ہوتے ہیں کہ بہت ہی روترش ہوتے ہیں اور تیز مزاج ہوتے ہیں لیکن باطن میں ان کے کمالات بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور مصلحت اس میں یہ ہوتی ہے کہ ان کی تیز مزاجی سے لوگ ان کے پاس نہیں آتے اور وہ آرام اور راحت سے رہتے ہیں اور ان کا ضرر نہیں ہوتا لیکن اپنے ضرر کے خوف سے لوگوں سے مبتدی کو بچنے کی ضرورت ہوتی ہے اور جو منتہی ہے اس کو اپنے ضرر کی وجہ سے لوگوں سے بچنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن اس کی ترشی اور تیزی اصلاح کی وجہ سے ہوتی ہے تاکہ لوگوں کی اصلاح کرے تو غرضیکہ ان کی ترشی وغیرہ سب اختیاری ہوتی ہے ورنہ باطن میں وہ بالکل خوش و خرم ہوتے ہیں۔ آگے اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

عارفاں روترش چوں خار پشت	عیش پنہاں کردہ در خار درشت
ترشرو عارف سیہی کی طرح ہیں	سخت خاروں میں عیش کو چھپائے ہوئے ہیں

یعنی عارفان روترش سیہی کی طرح ہیں کہ وہ سخت کانٹوں میں عیش پوشیدہ کر رہی ہیں مطلب یہ کہ ان حضرات کی ایسی مثال ہے کہ جیسے سیہی ہوتی ہے کہ اس کے ظاہر جسم پر تو کانٹے ہوتے ہیں۔ کہ اس کے ذریعہ سے وہ لوگوں کے ضرر سے بچتی ہے لیکن ان کانٹوں کے اندر وہ بالکل خوش و خرم اور عیش سے ہے۔ اسی طرح یہ حضرات بظاہر تو روترش ہیں لیکن باطن میں خوش و خرم اور آرام سے ہیں۔ آگے ایک اور مثال اسی کی دیتے ہیں کہ۔

باغ پنہاں گرد باغ آں خار فاش	کاے وعدے رواز یں در دور باش
باغ نے پھول کو چھپا لیا ہے کانٹا کھلا ہوا ہے	کہ اے چور دشمن! اس دروازہ سے دور رہ

یعنی باغ تو پوشیدہ ہے اور گرد باغ کے وہ کانٹے ظاہر ہیں (اور مصلحت ان کانٹوں میں یہ ہے) کہ اے دشمن مردود اس دروازہ سے دور رہ (تو اسی طرح یہ حضرات سختی کر کے غیر طالبین کے ضرر سے بچتے ہیں) چونکہ یہاں عارفین کو خار پشت سے تشبیہ دی تھی تو آگے خود اس خار پشت کو خطاب کر کے ان عارفین کی حالت بیان فرماتے ہیں۔

خار پشتا خار حارس کردۂ	سر چو صوفی در گریباں بردۂ
اے سیہی! تو نے کانٹوں کو نگہبان بنایا ہے	صوفی کی طرح سر کو گریبان میں ڈال لیا ہے

یعنی اے سیہی تو نے کانٹوں کو محافظ بنایا ہے اور سر کو صوفی کی طرح تو گریباں میں لے جاتی ہے (چونکہ سیہی

بھی مثل کچھوے کے اپنا سر کانٹوں کے اندر کر لیتی ہے اس لئے فرمایا کہ ان کانٹوں کو تو نے نگہبان بنا کر اپنا سر صوفی کی طرح اندر کر لیا ہے یہ سب اس لئے ہے کہ)

تا کسے در چار دانگ عیش تو	گم شود زیں گلرخاں خارخو
تا کہ کوئی تیرے وسیع عیش میں	داخل نہ ہو ان پھول سے چہرے والوں کانٹے کی طبیعت والوں میں سے

یعنی تا کہ کوئی شخص تیرے کامل عیش میں گم ہو جاوے ان گلرخاں خارخو کی وجہ سے مطلب یہ کہ اے خار پشت تو نے یہ اس لئے کر رکھا ہے تا کہ لوگوں کو تیری ظاہر حالت دیکھ کر تیرے باطنی عیش کا پتہ نہ لگے اور وہ اور چیزوں کو جو کہ ظاہری عیش میں ہیں دیکھ کر تجھے خراب اور نکما سمجھ کر چھوڑ دیں اور پھر تو آرام سے رہے اسی طرح جو عارفین ہیں وہ اپنی ظاہری حالت ایسی بناتے ہیں کہ جس سے لوگ ان کو ذلیل وخوار سمجھ کر چھوڑ دیں۔ اور دنیا داروں کے عیش کو عیش سمجھ کر ان کے عیش باطن کا ان کو پتہ بھی نہ لگے۔ اور پھر یہ حضرات آرام وآسائش سے رہیں۔ خوب سمجھ لو۔ آگے حضرت عبدالمطلب کو خطاب ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ۔

طفل تو گرچہ کہ کودک خو بدست	ہر دو عالم خود طفیل او بدست
تیرا بچہ اگرچہ بچپن کی عادت والا ہے	دو جہان اس کے طفیل پیدا ہوئے ہیں

یعنی آپ کے صاحبزادے اگرچہ کودک خود ہیں (لیکن ان کی شان یہ ہے کہ) دونوں عالم خود ان کے طفیلی ہیں۔ یعنی اگرچہ وہ ابھی بچہ ہیں اور بچوں کی طرح ان کے اندر کھیل کود وغیرہ ہے لیکن ان کی شان ایسی ہے جس کا کہ ظہور آئندہ ہوگا۔ کہ دونوں عالم ان کا طفیلی ہے۔ اور ان کی یہ شان ہے کہ۔

ما جہانے را بدو زندہ کنیم	چرخ را در خدمتش بندہ کنیم
ہم دنیا کو اس کے ذریعہ حیات بخشیں گے	آسمان کو اس کی خدمت میں غلام بنا دیں گے

یعنی ہم ایک جہان کو ان کی بدولت زندہ کریں گے اور آسمان کو ان کی خدمت کے لئے غلام بنا دیں گے (آگے پھر حضرت عبدالمطلب کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کو پوچھنے کا قصہ بیان فرماتے ہیں)

شرح حبیبی

مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گم ہو جانے کی خبر عبدالمطلب کو ہونا اور انکا شہر کے گرد تلاش کرنا اور در کعبہ پر رونا اور حق تعالیٰ سے انکو طلب کرنا

ترجمہ وتشریح:۔ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد کو حلیمہ اور اس کی کھلم کھلا آہ وزاری کا واقعہ اور ان کے اس شور شیوں کا حال معلوم ہوا جس کی صدا میل بھر جاتی تھی تو عبدالمطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کے جدامجد نے اس کی وجہ معلوم کر لی۔ اور سینہ کوبی اور گریہ وبکا شروع کی اور اس غم کے سبب جلے ہوئے دل سے کعبہ کے دروازہ پر آئے اور کہا کہ اے اسرار شب وروز سے واقف میں اپنے اندر کوئی ایسا ہنر نہیں دیکھتا جس سے میں آپ کا ہمراز ہوسکوں اور آپ مجھے اپنے اسرار پر مطلع کر دیں۔ نیز میں اپنے اندر کوئی ایسی بات نہیں دیکھتا جس سے کہ میں آپ کے اس باسعادت در کا مقبول ہوسکوں۔ یا میرے سر اور سجدہ کی آپ کے یہاں کوئی وقعت ہو سکے۔ یا میرے آنسوؤں سے مجھے خوشی حاصل ہو۔ یعنی میں رو دھو کر اپنا مقصد دلی حاصل کر لوں۔ مگر میں نے اس در یتیم احمد مصطفےٰ کے چہرہ اور بشرہ میں آپ کے الطاف کا مشاہدہ کیا ہے۔ کیونکہ گو وہ ہمارا بچہ ہے مگر وہ ہم سے بالکل الگ ہے۔ اور ہم میں نہیں ملتا اور ہمارے اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے تانبا اور اکسیر۔ کہ ہم تانبا ہیں اور وہ اکسیر نیز میں نے جو عجائبات اس کے اندر مشاہدہ کئے ہیں وہ عجائبات نہ میں نے کسی دوست میں دیکھے نہ دشمن میں۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ وہ آپ کا مورد الطاف ہے۔ اور مورد الطاف بھی ایسا ویسا نہیں بلکہ نہایت اعلیٰ۔ کیونکہ جن لوگوں نے سینکڑوں برس مجاہدے اور ریاضتیں کی ہیں ان پر بھی آپ کا وہ فضل نہیں ہے جو اس کو اس کے بچپن ہی میں نصیب ہوا ہے۔ پس جبکہ میں نے یقینی طور پر اس پر آپ کی عنایتیں دیکھی ہیں اور میں نے سمجھ لیا کہ وہ آپ کے بحر کمال کا ایک موتی ہے۔ اس لئے میں انہیں کو اپنا سفارشی بناتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اے واقف حال آپ ہم سے ان کی حالت بیان کر دیجئے۔ اس پر خانہ کعبہ کے اندر سے فوراً آواز آئی کہ وہ ابھی ابھی اپنے دیدار سے تمہیں مشرف کریں گے تم گھبراؤ نہیں۔ ان کو ہم نے بدرجہ کمال خوش اقبالی عطا کی ہے۔ اور وہ فرشتوں کے بیحد جماعت کے ساتھ محفوظ ہیں ہم ان کو ضائع نہ ہونے دیں گے۔ بلکہ ان کے ظاہر کو تمام دنیا میں مشہور کریں گے گو ان کے باطن کو جیسا کہ وہ ہے سب سے مخفی رکھیں گے۔ یاد رکھو کہ آب وگل تو مثل سونے کے ہے اور ہم مثل سنار کے۔ اس لئے کبھی تو ہم اس سے پازیب بناتے ہیں اور کبھی انگوٹھی اور کبھی اسکو حمائل شمشیر بناتے ہیں اور کبھی اس سے شیر کی گردن کا طوق تیار کرتے ہیں اور کبھی اس سے تخت کا ترنج بناتے ہیں اور کبھی سلاطین کے سروں کا تاج۔ غرض کہ ہم اس سے بحسب اقتضائے حکمت متفاوت الکمال اشیاء تیار کرتے ہیں اور منشاء اس کا یہ ہے کہ ہم کو اس خاک سے بہت محبت ہے اور محبت کی وجہ یہ ہے کہ اس نے صفت رضا وتسلیم اختیار کی ہے اس لئے ہم اس میں تصرف کرتے رہتے ہیں اور اس کو مختلف صورتوں میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ کبھی تو ہم اس سے بادشاہ بناتے ہیں اور کبھی اس سے بادشاہ کا عاشق تیار کرتے ہیں۔ علیٰ ہذا ہم نے اس سے سینکڑوں عاشق و معشوق بنائے ہیں جو کہ ایک دوسرے کے لئے نالہ وفریاد کرتے اور اس کے طالب ہیں ہمارا یہ کام ہے گو اس شخص کو ناپسند ہو جو ہمارے فعل کے ساتھ محبت نہیں رکھتا۔ اور بوجہ مصالح سے ناواقف ہونے کے اس پر اعتراض کرتا ہے اور یہ فضیلت ہم نے خاک کو اس لئے دی ہے کہ وہ بے سروسامان اور متذلل اور متمسکن تھی اور ہمارا قاعدہ ہے کہ ہم نے سروسامان اور متذللین اور متمسکنین ہی کو نعمت دیتے ہیں۔ نیز اس کی شکل اغبر اور خاکی ہے اور اس کے اندر روشن صفات بھرے پڑے ہیں۔ اور اس کا ظاہر باطن کے ساتھ مصروف پیکار ہے کیونکہ اس کا باطن تو ایسا ہے

جیسا موتی اور ظاہر ایسا جیسا پتھر۔ پس چونکہ ان میں تضاد ہے اس لئے وہ مصروف پیکار ہیں اور اس کا ظاہر کہتا ہے کہ ہم صرف یہ ہی ہیں یعنی ہم میں کوئی کمال نہیں اور باطن کہتا ہے کہ کیا کہتا ہے غور سے آ گا پیچھا دیکھ کے کہہ اور اس کا ظاہر باطن کا منکر ہے اور کہتا ہے کہ باطن کچھ نہیں اور باطن کہتا ہے کہ ٹھہر میں تجھے اپنا وجود دکھلاتا ہوں غرضکہ اس کا ظاہر و باطن دونوں متضاد ہیں۔ اس لئے لامحالہ دونوں صبر سے متنفر ہیں۔ اور جنگ کو ختم نہیں کرتے۔ اس لئے اس ترشرو خاک کے متضمن کمالات ہونے کے سبب ہم اس سے مختلف صورتیں بناتے ہیں اور اس کے خندۂ پنہانی کو ظاہر کرتے ہیں۔ خاک کو ہم نے ترشرو اور اس کے خندہ کو نہاں اس لئے کہا کہ وہ ظاہر میں تو روتی صورت اور کمال سے معرا معلوم ہوتی ہے مگر اس کے باطن میں ہزاروں شگفتگیاں اور کمالات بھرے پڑے ہیں پس ہم چونکہ کاشف اسرار ہیں اور ہمارا کام ہی یہ ہے کہ اشیاء مخفیہ و استعدادات کافیہ کو ظاہر کریں اور چور کا قاعدہ ہے کہ منکر ہو کر مال مسروقہ کے اظہار سے خاموشی اختیار کرتا ہے مگر کوتوال اسے دبا کر اس سے وہ مال اگلواتا ہے اور اس خاک نے بھی سینکڑوں کمالات چرا رکھے ہیں اس لئے ہم اس کو تکلیف دے کر وہ چوریاں اگلواتے ہیں۔ اور مختلف الکمال اشیاء پیدا کرتے ہیں۔ اس بنا پر گو خاک سے عجیب عجیب بچے پیدا ہوتے ہیں مگر ان سب میں تمہارے بچے احمد نہایت ہی عجیب اور سب سے فائق ہیں۔ جب یہ پیدا ہوئے ہیں تو زمین و آسمان کو بے حد خوشی ہوئی کہ ہم میاں بیوی سے ایسا بچہ پیدا ہوا اور ان کی ولادت کی خوشی سے زمین آسمان ہو گئی اور ان کی آزادی و حریت و شرف کو دیکھ کر خاک سوسن بن گئی۔ (یہاں سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ) اے خاک چونکہ تیرا ظاہر و باطن آپس میں مصروف پیکار اور متزاحم ہیں اس لئے تیرے جو بچے تیری صفت اپنے اندر رکھیں گے اور وہ رضائے حق سبحانہ کے لئے اپنے نفس سے جنگ کریں گے تاکہ ان کا باطن بو و رنگ (صورت) کا مخالف ہو جاوے۔ تو ان کی ظلمت اس جنگ میں نور کے ساتھ یعنی نور کے تابع اور اس کے موافق ہو جاوے گی۔ اور ان کے آفتاب جان کو کبھی زوال نہ ہوگا۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی حالت امتحان میں ہمارے لئے کوشش کرتا ہے تو ہم اس کو اس قدر عالی رتبہ کر دیتے ہیں کہ آسمان سے فائق ہو جاتا ہے اور گویا کہ آسمان اس کے قدموں کے نیچے آ جاتا ہے اب پھر دوسرے مضمون کی طرف انتقال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے خاک گو تیرا ظاہر تیرگی کے سبب روتا ہے مگر تیرا باطن مختلف قسم کی شگفتگیوں سے باغ باغ ہے۔ اور یہ تخالف بہ مصلحت ہے اس لئے یوں کہنا چاہئے کہ قصداً ہے۔ جس طرح کہ صوفی لوگ باوجود باطن میں ہزاروں شگفتگیاں رکھنے کے رنجیدہ اور روتی صورت بنائے ہوتے ہیں تاکہ عوام ان سے اختلاط نہ کریں کیونکہ ان کے اختلاط میں زوال نور ہے۔ اور یہ عارف جو بظاہر مغموم و محزون ہیں ایسے ہیں جیسے ساہی کہ کانٹوں میں چھپی کرتی ہے۔ اور اندر باغ چھپا ہوا ہے۔ اور باغ کے چاروں طرف کانٹے لگے ہیں جس کا مقصد یہ ہے کہ اے مردود دشمن اس در سے دور رہ ہاں اے ساہی ہم جانتے ہیں کہ تو نے باغ عیش کا کانٹوں کو محافظ بنایا ہے اور صوفی کی طرح گریباں میں منہ ڈال رکھا ہے اور مقصد یہ ہے کہ ان لگر خاں خار خصلت اور ظاہر بیں اچھے اور باطن میں بڑے لوگوں میں

سے کوئی شخص تیرے عالم عیش میں نہ جا سکے اور حسد سے تجھے گزند نہ پہنچا سکے۔ اس مضمون کو ختم کر کے پھر مضمون سابق کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے عبدالمطلب اگر چہ تمہارا بچہ بظاہر بچوں کی سی حالت رکھتا ہے مگر وہ ہمیں اتنا عزیز ہے کہ تمام عالم کی خلقت ان ہی کی سبب ہے۔ اس لئے ہم اس کی حفاظت کریں گے اور اس کو یہ شرف عطا کریں گے کہ اس کے ذریعہ سے ہم ایک عالم کو حیات روحانی عطا فرماویں گے۔ اور آسمان کو اس کا خادم اور غلام بنا دیں گے تم اطمینان رکھو۔

حضرت عبدالمطلب کا مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کو دریافت کرنا کہ آپ کہاں ہیں اور کعبہ کے اندر سے جواب آنا

گفت عبدالمطلب کایندم کجاست	اے علیم السر نشان دہ راہ راست
(خواجہ) عبدالمطلب نے کہا اس وقت کہاں ہے؟	اے راز کو جاننے والے! سیدھے راستہ کا پتہ بتا دے

یعنی حضرت عبدالمطلب نے عرض کیا کہ وہ اس وقت کہاں ہیں اے عالم الاسرار مجھے راہ راست کا نشان بتا دیجئے۔

از درون کعبہ آوازش رسید	گفت اے جویندۂ طفل رشید
کعبہ کے اندر سے ان کو آواز آئی	اس نے کہا' اے راہ یاب بچے کے تلاش کرنے والے

یعنی کعبہ کے اندر سے ان کو آواز پہنچی کہ اے طفل رشید کے تلاش کرنے والے۔

ہاتفش گفتا مخور غم کایں زماں	با توزاں شاہ جہاں بدہم نشاں
یعنی آواز نے ان سے کہا غم نہ کر ابھی	میں تجھے اس شاہجہاں کا پتہ بتاتا ہوں

یعنی ہاتف نے ان سے کہا کہ تم اس وقت غم مت کھاؤ کیونکہ میں تم کو ان شاہ جہاں کا پتہ دیتا ہے۔

در فلاں وادی است زیر آں درخت	پس رواں شد زود پیر نیک بخت
فلاں میدان میں؛ درخت کے نیچے ہے	تو وہ نیک نصیب بڑے میاں فوراً روانہ ہو گئے

یعنی فلاں نشیب میں اس درخت کے نیچے ہیں پس (اس کو سن کر) وہ پیر نیک بخت (حضرت عبدالمطلب) روانہ ہو گئے۔

در رکاب او امیران قریش	زانکہ جدش بود ز اعیان قریش
قریش کے سردار ان کی ہمراہی میں تھے	کیونکہ ان کے دادا قریش کے سرداروں میں سے تھے

یعنی حضرت عبدالمطلب کے ہمراہی تمام سرداران قریش ہو لئے اس لئے کہ آپ کے دادا صاحب سرداران قریش میں سے تھے (تو جب وہ اپنے پوتے کو تلاش کرنے چلے تو اور سب بھی ہمراہ ہو لئے آگے مولانا

فرماتے ہیں کہ)

تا بہ پشت آدمؑ اسلافش ہمہ	مہتران رزم و بزم و ملحمہ
ان کے تمام بزرگ (حضرت) آدمؑ کی پشت تک	رزم و بزم اور میدان جنگ کے سردار ہوئے ہیں

یعنی آدم علیہ السلام تک آپ کے تمام بزرگ رزم کے اور بزم کے اور لڑائیوں کے سردار تھے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد سب باکمال اور سردار ہوئے ہیں اور سردار بھی ہر جگہ کے رزم کے بزم کے ہر طرح پر سردار ہی تھے۔ آگے فرماتے ہیں کہ

ایں نسبت خود پوست اورا بودہ است	کز شہنشاہان مہہ پالودہ است
یہ نسب بھی ان کے لئے چھلکا ہے	کیونکہ (وہ) عظیم بادشاہوں سے بھی برگزیدہ ہیں

یعنی یہ نسبت خود آپ کا پوست ہے جو کہ بڑے بڑے بادشاہوں سے چھنٹا ہوا ہے۔

مغز او خود از نسب دور ست و پاک	نیست جنسش از سمک کس تا سماک
ان کا جوہر خود نسب سے دور اور پاک ہے	سمک سے ساک تک کوئی ان جیسا نہیں ہے

یعنی آپ کا اصل خود نسب سے دور اور پاک ہے اور آپ کی جنس کوئی شخص سمک سے ساک تک نہیں ہے۔ یعنی نسب تو آپ کا بجائے پوست کے باقی آپ کی جو اصل ہے جو آپ کے اندر اصل چیز ہے اس کا مماثل تو بھلا سمک سے ساک تک کوئی ہے ہی نہیں۔ لیکن نسب میں بھی کوئی آپ کا شریک نہ تھا۔

نور حق را کس نجوید زادو بود	خلعت حق را چہ حاجت تارو پود
اللہ کے نور کے لئے کوئی پیدائش اور وجود کو نہیں ڈھونڈتا ہے	اللہ کی خلعت کو تانے بانے کی کیا ضرورت ہے؟

یعنی نور حق کے لئے کوئی زاد و بود تلاش نہیں کرتا اور خلعت حق کے لئے تانے بانے کی کیا ضرورت ہے۔ مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مغز اور اصل تو نور حق تھا تو اس کی کوئی اصل اور اس کے آباؤ اجداد تھوڑا ہی تھے اس کے لئے تو کسی تانے بانے کی یا اصل وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ اس کی تو یہ شان ہے کہ۔

کمتریں خلعت کہ بدہد در ثواب	برفزاید برطر از آفتاب
وہ جو ادنیٰ درجہ کی خلعت ثواب میں دیتا ہے	وہ سورج کے نقش و نگار سے بڑھ جاتی ہے

یعنی سب سے گھٹیا خلعت جو کہ حق تعالیٰ ثواب میں بخشیں وہ آفتاب کے نقش و نگار سے بڑھ جاوے (تو بھلا پھر نور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا تو کیا ٹھکانہ ہے۔ خوب سمجھ لو) آگے پھر مولانا حضرت سلیمان علیہ السلام کے بلقیس کو دعوت دینے کے قصہ کا بقیہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

حضرت عبدالمطلب کا مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کو دریافت کرنا کہ آپ کہاں ہیں اور کعبہ کے اندر سے جواب آنا

ترجمہ وتشریح:۔اس پر عبدالمطلب نے عرض کی کہ اس وقت وہ کہاں ہے آپ دانائے راز ہیں مجھے سیدھا راستہ بتلا دیجئے اس کے جواب میں کعبہ کے اندر سے آواز آئی اور ہاتف نے کہا کہ اے اس مہتدی لڑکے کے تلاش کرنے والے تو غمگین نہ ہو میں ابھی تجھے اس بچہ کا پتہ بتلاتا ہوں سن لے کہ وہ فلاں وادی میں فلاں درخت کے نیچے ہے۔ یہ سن کر عبدالمطلب فوراً روانہ ہو گئے اور سرداران قریش ان کے ہمرکاب تھے کیونکہ عبدالمطلب حضور کے دادا سرداران قریش سے تھے اور کچھ یہ ہی سردار نہ تھے بلکہ آدم علیہ السلام تک جتنے آپ کے اجداد تھے سب سرداران رزم و بزم و معرکہ آرائی تھے اور یہ بات آپ کے لئے کوئی بڑی فخر کی چیز نہیں کیونکہ نسب تو آپ کے لئے پوست ہے اس لئے کہ آپ تو مغز اور حقیقی بادشاہوں یعنی انبیاء میں سے ہیں۔ جن کا کمال حقیقی اوصاف ذاتیہ ہیں نہ کہ صفات اضافیہ رہا آپ کا مغز اور وہ شے جو آپ کا حقیقی کمال ہے اس کو نسب سے کوئی واسطہ ہی نہیں کیونکہ اس کی جنس سے تو زمین سے آسمان تک کوئی شے نہیں۔ جس سے اس کا نسب ثابت ہو سکے کیونکہ وہ نور حق ہے اور نور حق سبحانہ کے لئے سلسلہ ولادت و وجود نہیں تلاش کیا جا سکتا اور وہ خلعت حق سبحانہ ہے اور خلعت حق سبحانہ کے لئے تانے بانے کی ضرورت نہیں بہت معمولی خلعت اس کا جو وہ معاوضہ میں عطا کرتا ہے آفتاب سے فائق ہے۔ پس جبکہ آفتاب جو ایک ادنیٰ شے ہے نسبت سے منزہ ہے تو وہ خلعت تو بالا ولیٰ منزہ ہو گا۔

شرح شبّیری

سلیمان علیہ السلام کے بلقیس کو دعوت ایمان دینے کے قصہ کا بقیہ

خیز بلقیسا بیاؤ ملک بیں	برلب دریائے یزداں در بچیں
اے بلقیس! اٹھ آ جا سلطنت کو دیکھ	اللہ کے دریا کے کنارے سے موتی چن لے

یعنی اے بلقیس اٹھ آ اور ملک (اصلی) کو دیکھ اور دریائے حق کے کنارے پر موتی چن (یہ خطاب حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہو یا مولاناؒ کی طرف سے غرضکہ فرماتے ہیں کہ اے بلقیس آ ملک حقیقی دیکھ اور دولت باطن سے مالا مال ہو)

خواہرانت ساکن چرخ سنی	تو بمردارے چہ سلطانی کنی
تیری بہنیں بلند آسمان پر مقیم ہیں	تو مردار پر کیا سلطنت کر رہی ہے؟

یعنی تیری بہنیں (مومنات) آسمان روشن پر مقیم ہیں تو کیا ایک مردار (دنیا) پر بادشاہی کر رہی ہے۔

خیز بلقیسا بیا دولت نگر	جاوداں از دولت ما برنجور
اے بلقیس ! اٹھ آ جا اس بادشاہی کو دیکھ	ہمیشہ ہماری دولت کے پھل کھا

یعنی اے بلقیس اٹھ اور آ دولت (باطنی) دیکھ اور ہماری دولت (باطنی) سے ہمیشہ پھل کھا۔

خواہرانت راز بخششہائے راد	ہیچ میدانی کہ آں سلطاں چہ داد
تیری بہنوں کو سخاوت کی بخششوں میں سے	تو کچھ جانتی ہے کہ اس شاہ نے (انکو) کیا دیا ہے؟

یعنی تیری (مومنات) بہنوں کو عظیم الشان بخششوں سے تجھے کچھ خبر ہے کہ اس سلطان (حقیقی) نے کیا دیا

خیز بلقیسا بیا در بحر جود	ہر دمے بردار بے سرمایہ سود
اے بلقیس! اٹھ سخاوت کے سمندر میں آ جا	ہروقت بغیر سرمایہ کے نفع کما

یعنی اے بلقیس اٹھ اور بحر جود میں آ اور بے سرمایہ کے نفع حاصل کر (ہمارے پاس سرمایہ نہ ہونا ظاہر ہے اس لئے کہ ہماری عبادتیں وغیرہ سب بیکار ہیں جو کچھ ملتا ہے اس کا فضل وکرم ہے۔ لہذا فرمایا کہ بلا کسی سرمایہ کے نفع لیتی رہو)

خواہرانت جملہ در عیش وطرب	برتو چوں خوش گشت ایں رنج وتعب
تیری بہنیں سب عیش اور مستی میں ہیں	یہ رنج اور مشقت تیرے لئے کیسے بھلی بن گئی

یعنی تیری (مومنات) بہنیں ساری عیش وطرب میں ہیں۔ تو یہ (دنیا کا) رنج وتعب تجھ پر کس طرح اچھا ہو گیا۔ یعنی تو اس دنیا کی ظاہری عیش میں جو کہ حقیقت میں سراسر رنج وتعب سے کہاں پھنس رہی ہے۔ تیری مومن بہنیں تو اصل عیش میں ہیں تو بھی اسی کو حاصل کر۔

خیز بلقیسا سعادت یار شو	وز ہمہ ملک سبا بیزار شو
اے بلقیس! اٹھ نیک بختی کی یار بن جا	اور سبا کی پوری سلطنت سے بیزار ہو جا

یعنی اے بلقیس اٹھ اور سعادت کی ساتھی ہو جا اور تمام ملک سبا سے بیزار ہو جا۔

تو ز شادی چوں گدائے طبل زن	کہ منم شاہ و رئیس گولخن
تو خوشی میں اس فقیر کی طرح ہے جو نقارہ پیٹ رہا ہے	کہ میں بھٹی کا شاہ اور رئیس ہوں

یعنی تو خوشی سے اس گدائے طبل زن کی مثل ہے (جو کہ کہتا ہو) کہ میں کوڑی کا بادشاہ اور رئیس ہوں۔

مطلب یہ کہ اگر کوئی فقیر ایک طبل بھی بجاتا پھرے اور کہے کہ میں کوڑی کا بادشاہ ہوں اور رئیس ہوں تو اس کو کوئی بھی رئیس اور امیر نہ کہے گا۔ اسی طرح تو اس دنیا کی بادشاہ اور رئیس بنتی ہے جو کہ اس کوڑی سے بھی زیادہ پلید ہے۔ اور گندی ہے لہٰذا اس کو ترک کر اور دولت اصلی اور حقیقی کو لے آگے ایک مثل اسی مضمون کی کہ دنیا کو ترک کرنا اور آخرت کو لینا چاہئے۔ بیان فرماتے ہیں۔

مثل آدمی کے دنیا پر قناعت کر لینے اور طلب دنیا میں حرص کرنے کی اور دوست روحانیوں سے جو کہ اس کی ہمجنس ہیں اور آواز لگا رہے ہیں کہ یالیت قومی یعلمون غفلت کرنا

آں سگے در کو گدائے کور دید	حملہ می آورد و دلقش می درید
ایک کتے نے گلی میں ایک اندھے فقیر کو دیکھا	اس پر حملہ کر دیا اور اس کی گدڑی پھاڑ دی

یعنی اس ایک کتے نے گلی میں ایک اندھا فقیر دیکھا تو حملہ آور ہوا اور گدڑی اس کی پھاڑ دی (مولانا فرماتے ہیں کہ)

گفتہ ایم ایں راولے باردگر	شد مکرر بہر تاکید خبر
ہم یہ (قصہ) کہہ چکے ہیں لیکن دوبارہ	بات کی تاکید کے لئے مکرر ہوا ہے

یعنی ہم اس (قصہ) کو کہہ چکے ہیں لیکن دوسری مرتبہ خبر کی تاکید کے لئے مکرر ہو گیا ہے۔ مطلب یہ کہ ہم اس قصہ کو اگرچہ اس سے قبل بھی بیان کر چکے ہیں لیکن یہاں بھی مکرر بیان کرتے ہیں تاکہ تکرار بیان سے اور مزید تاکید ہو جاوے۔ آگے پھر قصہ ہے۔

کور گفتش آخر آں یاران تو	بر کہ اند ایندم شکار و صید جو
اندھے نے اس سے کہا آخر تیرے دوست	اس وقت صید و شکار کی جستجو میں پہاڑ پر ہیں

یعنی اندھے نے کہا کہ آخر تیرے وہ یار پہاڑ پر اس دم شکار کے متلاشی ہیں۔

قوم تو در کوہ میگیرند گور	درمیان کوئے میگیری تو کور
تیری قوم پہاڑ میں گورخر پکڑ رہی ہے	تو کوچہ میں اندھے کو پکڑتا ہے

یعنی تیری قوم پہاڑ میں گورخر پکڑ رہی ہے اور تو گلی میں اندھے کو پکڑ رہا ہے۔ مطلب یہ کہ ایک کتے نے ایک اندھے کو گلی میں دیکھا تو اس پر حملہ آور ہوا اور اس کی گدڑی پھاڑ ڈالی تو اندھے نے کہا کہ ارے کتے تیرے ساتھی تو پہاڑ پر شکار گورخر کا کر رہے ہیں اور تو گلیوں میں کور یعنی اندھے کو پکڑتا پھرتا ہے۔ پس یہاں مثل ختم ہو گئی

اور اس مثل کی تطبیق یہ ہے کہ اسی طرح دنیادار لوگ تو دنیا کے پیچھے جو کہ اندھے کی طرح ہے پڑے ہوئے ہیں اور جو عارفین کہ ان کی جنس سے ہیں وہ علوم و معارف کا شکار کر رہے ہیں اور آخرت کو لے رہے ہیں جو کہ مثل گورخر کے ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ترک ایں تزویر کن شیخ نفور	آب شوری جمع کردہ چند کور
(اے) متنفر شیخ! اس مکر کو چھوڑ دے	تو کھاری پانی ہے تونے چند اندھے جمع کر لئے ہیں

یعنی اے شیخ نفور (عن الخلق) اس مکاری کو چھوڑ کہ تو آب شور ہے اور چند اندھوں کو جمع کئے ہوئے ہے۔ مطلب یہ کہ اے مکار شیخ جو کہ بظاہر لوگوں کے بہکانے کے واسطے چند اندھوں کو گرد جمع کئے ہوئے بیٹھا ہے اور ان کو بہکا رکھا ہے اس مکاری کو ترک کر اور اپنے کو کامل مت ظاہر کر۔ اس لئے کہ تو آب شور کی طرح ہے تو کامل نہیں ہے۔ اور تو اس قابل نہیں ہے کہ تو لوگوں کو فیض پہنچا دے اور تشنگان آب ہدایت کی پیاس بجھا دے بلکہ تو تو بزبان حال کہہ رہا ہے کہ۔

کایں مریدان من و من آب شور	میخورند از من ہمی گردند کور
کہ یہ میرے مرید ہیں اور میں کھاری پانی ہوں	وہ مجھ میں سے پیتے ہیں اور اندھے ہوئے جاتے ہیں

یعنی کہ میرے یہ مرید ہیں اور میں آب شور ہوں یہ میرے میں سے پیتے ہیں اور اندھے ہوئے ہیں۔ مطلب یہ کہ تمہاری حالت جس سے کہ دنیا میں گمراہی پھیل رہی ہے اور لوگ بگڑ رہے ہیں یہ بتا رہی ہے اور بزبان حال کہہ رہی ہے کہ جو مجھ سے فیض لے گا وہ اندھا ہو جائے گا اور اس کو باطنی بصیرت حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ آگے مولانا ایسے شیوخ کو نصیحت فرماتے ہیں کہ۔

آب خود شیریں کن از بحر لدن	آب بد را دام ایں کوران مکن
لدن کے دریا سے اپنے پانی کو شیریں بنا لے	برے پانی کو ان اندھوں کے لئے جال نہ بنا

یعنی اپنے پانی کو حق تعالیٰ کے پاس سے شیریں کر لے اور برے پانی کو اندھوں کا جال مت بنا۔ مطلب یہ کہ اے شیخ مکار اپنے اس مکر و تزویر سے عالم کو تباہ و خراب مت کر بلکہ اہل اللہ کے واسطے سے تعلق مع اللہ پیدا کر جس سے کہ دنیا میں ہدایت پھیلے۔

خیز شیران خدا بیں گورگیر	تو چو سگ چونی بزرق کورگیر
اٹھ خدا کے شیروں کو گورخر پکڑنے والا دیکھ	تو کتے کی طرح مکاری سے اندھے کو پکڑنے والا کیوں ہے؟

یعنی اٹھ گور پکڑنے والے شیران خدا کو دیکھ تو کتے کی طرح مکر سے اندھے کو پکڑنے والا کیوں ہے (شیران خدا سے مراد عارفین اور گورخر سے طالبان حق اور کور سے مراد اہل ہوا) مطلب یہ کہ اے شیخ مکار اٹھ اور دیکھ کہ کس طرح عارفین اور اولیاء اللہ طالبان حق کا شکار کرتے ہیں اور کس طرح ان کو فیوض سے مالا مال کرتے ہیں۔ ان کو

دیکھ کر تو بھی ان سے فیض حاصل کر۔ کہ تو بھی طالبان حق کو ہدایت کر سکے تو کہاں ان ہوا و ہوس کے کتوں کو مکر سے پھانس رہا ہے۔ اور دھوکا دے رہا ہے۔ آگے ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ۔

گور چہ از صید غیر دوست دور	جملہ شیر و شیرگیر و مست نور
گورخر کیا ہوتا ہے وہ دوست کے علاوہ کے شکار سے دور ہیں	جسم شیر ہیں اور شیر پکڑنے والے ہیں اور نور سے مست ہیں

یعنی گور کیا چیز ہے وہ تو دوست کے علاوہ شکار کرنے سے بھی دور ہیں اور سب کے سب شیر اور شیر گیر ہیں اور مست نور ہیں۔ مطلب یہ کہ ان حضرات عارفین کی تو یہ شان ہے کہ وہ طالبین ہی تک نہیں رہتے کہ انہیں کو اپنا گرویدہ کرتے ہوں اور ان کی طلب میں رہتی ہوں نہیں وہ حضرات تو دوست یعنی حق تعالیٰ کے علاوہ اور کسی چیز کے طالب اصلی ہوتے ہی نہیں وہ تو بس ایک ذات حق تعالیٰ کے علاوہ اور کسی چیز کے طالب اصلی ہوتے ہی نہیں وہ تو بس ایک ذات حق ہی کی طلب میں لگے رہتے ہیں اور چونکہ وہ مظہر ہیں صفات حق کے اس لئے وہ متصف بصفات حق ہی ہیں اور اسی کی طلب میں لگے ہوئے ہیں اور اسی کے نور میں مست ہیں ان کو بالذات تو طلب حق تعالیٰ ہی کی ہوتی ہے اور اس طلب میں اور کسی کو وہ شریک نہیں کرتے اور ان کی یہ شان ہے کہ۔

در نظارہ صید و صیادے شہ	کردہ ترک صید و مردہ در ولہ
شکار اور شاہ کو شکار کرنے کے نظارے میں	شکار کرنا چھوڑ دیا ہے اور عشق میں فنا ہیں

یعنی شکار کے اور شاہ کے شکار کرنے کے نظارہ میں شکار کو چھوڑے ہوئے ہیں اور حیرانی میں مردہ ہیں مطلب یہ کہ طلب حق میں وہ اور سب کو چھوڑے ہوئے ہیں اور بس اس کی طلب میں منہمک اور اسی میں مشغول ہیں۔

ہمچو مرغ مردہ شان بگرفتہ یار	تا کند او جنس ایشاں را شکار
ان کو دوست نے مردہ پرند کی طرح پکڑ رکھا ہے	تاکہ وہ (دوست) ان کے ہم جنسوں کو شکار کرے

یعنی مرغ مردہ کی طرح ان کو یار پکڑے ہوئے ہے۔ تاکہ اس کی جنس کو شکار کرے۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ قاعدہ ہے کہ شکاری لوگ جس جانور کا شکار کرنا چاہتے ہیں اول ان میں سے ایک کو پکڑ کر اس کی کھال نکال کر اس میں بھوسہ وغیرہ بھر کر اس کو جال پر بٹھا کر اس کے پیچھے سے اسی جیسی بولی بولتے ہیں تو اس کے ہمجنس کہتے ہیں کہ یہ ہمارا ہمجنس بیٹھا ہوا بول رہا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی خوف نہیں ہے بس یہ سمجھ کر اور سب جانور بھی آجاتے ہیں اور جال میں پھنس جاتے ہیں تو اسی طرح حق تعالیٰ نے ان عارفین کو جو کہ عشق حق میں مردہ ہو رہے ہیں دوسرے لوگوں کے اپنی طرف بلانے کے لئے آلہ بنا رکھا ہے۔ کہ جب اور لوگ دیکھتے ہیں کہ ایک انسان یہ کام یعنی ذکر اللہ اور طلب حق کر رہا ہے تو وہ بھی اکثر اس میں لگ جاتے ہیں تو ان حضرات کی تین شانیں ہوئیں ایک تو یہ کہ خود صیاد حق ہیں کہ اسی کی طلب میں رہتے ہیں اور دوسرے صید حق بھی ہیں اس لئے کہ حق تعالیٰ کے قبضہ

میں اور اس کی قدرت میں ہیں اور اس کو انہوں نے اپنی ذات بالکل سونپ دی ہے اور اسی کے ہو رہے ہیں جیسے کہ شکار شکاری کے ہاتھ میں ہو جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ آلہ اصطیاد بھی ہیں کہ حق تعالیٰ ان کے ذریعہ سے اور لوگوں کا شکار کرتے ہیں کہ اور لوگ اس کے ذریعہ سے اللہ والے بنتے ہیں اور ان حضرات کی یہ حالت ہے کہ۔

مرغ مردہ مضطر اندر وصل و بین	خواندۂ القلب بین الاصبعین
مردہ پرند وصل اور جدائی میں مجبور ہے	تو نے پڑھا ہے کہ دل دو انگلیوں کے درمیان میں ہے

یعنی مرغ مردہ وصل و فراق (دونوں حالتوں) میں مضطر ہے اور تو نے پڑھا ہے القلب بین الاصبعین مرغ مردہ سے مراد وہی عارفین۔ مطلب یہ کہ عارفین اور طالبین حق وصل و فراق یعنی بسط و قبض دونوں حالتوں میں مضطر ہی رہتا ہے۔ اس کو کسی وقت چین نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ یہ تو حدیث میں تم نے پڑھا ہی ہے۔ قلب المومن بین الاصبعین من اصابع الرحمن تو بس جس طرح وہ چاہتے ہیں اس کو ردوبدل کر دیتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں اس کو پھیر دیتے ہیں۔ غرضکہ یہ ہر حالت میں طلب میں لگے رہتے ہیں۔ آگے دوسرے غیر طالبین کو ترغیب دیتے ہیں کہ

مرغ مردہ اش را ہر آنکو شد شکار	چوں بہ بیند شد شکار شہر یار
اس کے مردہ پرند کو جو شکار ہوا	جب وہ غور کرے گا تو شاہ کا شکار ہوا ہے

یعنی جو شخص اس کے مرغ مردہ کا شکار ہو گیا وہ جب دیکھے گا تو یہ دیکھے گا کہ وہ شہر یار کا شکار ہو گیا ہے مطلب یہ کہ جو شخص کہ اولیاء اللہ کا تابع اور مطیع ہو جاوے گا اس کو جب بصیرت حاصل ہو جاوے گی اور اس کی آنکھیں کھلیں گی تو وہ دیکھے گا کہ آہا میں تو اتنے دنوں تک اطاعت حق ہی میں رہا ہوں اور مجھے جو اولیاء اللہ کا قرب نصیب ہوا یہ تو عین قرب حق تھا اس وقت سب کچھ معلوم ہو جاوے گا جیسا کہ جب صیاد اس مرغ مردہ کے ذریعہ سے شکار کرتا ہے تو اول جو جانور آتے ہیں اس مرغ مردہ ہی کے پاس آتے ہیں لیکن جب صیاد ہاتھ ڈالتا ہے اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ آہا ہم تو ایک بڑے زبردست بادشاہ کے ہاتھ میں شکار ہوئے ہیں ہم تو اس مرغ مردہ کے پاس آئے تھے مگر اس کا قرب عین قرب شاہ ہو گیا۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہر کہ او زین مرغ مردہ سر بتافت	دست آں صیاد را ہرگز نیافت
جس نے اس مردہ پرند سے روگردانی کی	اس نے شکاری کے ہاتھ کو کبھی نہیں پایا

یعنی جس نے کہ اس مرغ مردہ سے سرتابی کی اس نے اس صیاد کے ہاتھ کو ہرگز نہیں پایا۔ مطلب یہ کہ جو شخص کہ اولیاء اللہ کی اطاعت نہ کرے اور ان سے سرکشی کرے اور ان کے قرب سے بھاگے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کو ہرگز قرب حق نصیب نہیں ہو سکتا اور وہ ہمیشہ محروم ہی رہے گا ان کی تو یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ زبان حال فرماتے ہیں کہ۔

گوید او منگر بمرداری من	عشق شہ بیں در نگہداری من
وہ کہتا ہے میری مرداری پر نظر نہ کر	میری حفاظت کے بارے میں اللہ کے عشق کو دیکھ

یعنی وہ کہتا ہے کہ میری مرداری کومت دیکھ میرے تعلق میں عشق شاہ کو دیکھ۔ مطلب یہ کہ وہ حضرات بزبان حال فرمارہے ہیں کہ میاں ہماری ظاہری ذلت وخواری کومت دیکھواور یہ مت سمجھو کہ یہ تو ذلیل وخوار لوگ ہیں ان سے تعلق نہ پیدا کرنا چاہئے اس لئے کہ تم ہمارے تعلق میں دیکھو گے کہ تم کو عشق شاہی نصیب ہوگا اور تم کو تعلق مع اللہ پیدا ہو جاوے گا۔ اور فرماتے ہیں کہ۔

صورت من شبہ مردہ گشتہ است	من نہ مردارم مراشہ کشتہ است
میری صورت مردے کے مشابہ ہوگئی ہے	میں مردار نہیں ہوں مجھے شاہ نے مارا ہے

یعنی میں مرا نہیں ہوں مجھے بادشاہ نے مارا ہے ہاں میری صورت مردہ کے مشابہ ہوگئی ہے۔ مطلب یہ کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم حقیقت میں ذلیل وخوار نہیں بلکہ ہم فانی فی الحق ہوگئے ہیں جس کی وجہ سے ہم کو اس جسم ظاہر کے بناؤ سنگھار کی پرواہ نہیں رہی۔ اس وجہ سے ہم بظاہر ذلیل وخوار معلوم ہوتے ہیں ورنہ باطن میں ہمارے سامنے بادشاہ کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اسی مضمون کو حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ۔

گرچہ بے خود ومستم ولے ہشیار میگردم　　بباطن شاہ کونینم بظاہر خوار میگردم

آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

جنبشم اکنوں زدست دادگر	جنبشم زیں پیش بود از بال و پر
اب میری حرکت منصف کے ہاتھ سے ہے	اس سے پہلے میری حرکت بال اور پر کے ذریعہ تھی

یعنی میری حرکت اس سے پہلے تو بال و پر سے تھی اور اب میری حرکت دادگر کے ہاتھ سے ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ اس سے قبل تو میں خواہشات نفسانی کے مطابق حرکت کیا کرتا تھا لیکن اب چونکہ میں فانی ہوگیا ہوں اب میری تمام حرکات وسکون اس طرف سے ہوگئے ہیں اور میرا ارادہ اس کے ارادہ میں فنا ہوگیا ہے۔

جنبش باقیست اکنوں چوں از وست	جنبش فانیم بیروں شد ز پوست
اب باقی رہنے والی حرکت ہے کیونکہ وہ اس کی جانب سے ہے	میری فنا ہونے والی حرکت کھال سے باہر ہوگئی ہے

یعنی میری جنبش فانی تو پوست سے باہر ہوگئی۔ اور اب جنبش باقی ہے جبکہ اس سے ہے۔ مطلب یہ کہ میری حرکت فانی ہو چکی ہے اور اب وہ حالت ہے کہ میری تمام حرکات وسکون سب باقی ہیں اس لئے کہ تمام افعال میرے اسی طرف سے ہیں حتیٰ کہ میرا ارادہ اس کے ارادہ میں فنا ہو چکا لہٰذا میرے تمام افعال باقی ہیں کوئی فانی نہیں رہا۔

گرچہ سیمرغست زارش می کشم	ہر کہ کج جنبد بہ پیش جنبشم
خواہ وہ سیمرغ ہو میں اس کو بری طرح مارتا ہوں	جو کوئی میری حرکت کے سامنے ٹیڑھی حرکت کرتا ہے

یعنی جو شخص کہ میری حرکت کے سامنے کج حرکت کرے تو اگر چہ وہ سیمرغ ہو میں اس کو زار کر کے ماردوں

۔مطلب یہ کہ وہ حضرات بزبان حال فرماتے ہیں کہ جو شخص کہ میری اطاعت نہ کرے وہ گویا کہ اطاعت حق نہیں کرتا۔تو وہ خواہ کتنا ہی قوی کیوں نہ ہو ضرور ذلیل وخوار وتباہ ہوگا۔

ہیں مرا مردہ مبین گر زندۂ	در کف شاہم نگر گر بندۂ
خبردار! اگر تو زندہ ہے مجھے مردہ نہ سمجھ	اگر تو بندۂ (خدا) ہے تو مجھے شاہ کے ہاتھ میں سمجھ

یعنی ہاں اگر تو زندہ ہے تو مجھے مردہ مت جان مجھے کف شاہ میں دیکھ اگر تو بندہ ہے۔مطلب یہ کہ تجھ کو حیات باطنی حاصل ہے تو تو مجھے مردہ مت سمجھ۔اس لئے کہ میں باطن میں ان ظاہری زندوں سے بھی زیادہ ہوں اور اگر تو بندۂ حق ہے تو یہ سمجھ کہ جو بندہ ہوتا ہے وہ تو کسی دوسرے کے قبضہ میں ہی ہوتا ہے تو اسی طرح میں قبضہ حق میں ہوں۔مجھے مردہ مت سمجھو۔

مردہ زندہ کرد عیسیٰ از کرم	من بکف خالق عیسیٰ درم
(حضرت) عیسیٰ نے کرم سے مردہ کو زندہ کر دیا	میں (حضرت) عیسیٰ کے خالق کے ہاتھ میں ہوں

یعنی عیسیٰ علیہ السلام نے کرم کی وجہ سے مردہ کو زندہ کیا۔اور میں تو عیسیٰ علیہ السلام کے خالق کے ہاتھ میں ہوں۔

کے بمانم مردہ در قبضۂ خدا	بر کف عیسیٰ مدار ایں ہم روا
میں خدا کے قبضہ میں رہ کر مردہ کب رہ سکتا ہوں	(حضرت) عیسیٰ کے ہاتھ پر بھی یہ روا نہ رکھ

یعنی میں قبضہ حق میں کس طرح مردہ رہوں گا۔یہ تو عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر جائز مت رکھو۔مطلب یہ کہ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں جو مردہ آجاتا تھا وہ زندہ ہو جاتا تھا۔تو میں تو خالق عیسیٰ کے قبضہ میں اور اس کے ہاتھ میں ہوں۔پھر کیا عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں آ کر تو زندہ ہو جاوے اور خالق عیسیٰ کے ہاتھ میں آ کر مردہ ہی رہے۔بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔یہ بات تو عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں سمجھنا بھی روا نہیں ہے کہ کوئی مردہ ان کے قبضہ میں آ وے۔اور مردہ ہی رہے۔تو بھلا خالق عیسیٰ کے واسطے یہ سمجھنا کس طرح جائز ہوگا آگے ترقی فرما کر ان حضرات کا مقولہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

عیسیم لیکن ہر آنکو یافت جاں	از دم من او بماند جاوداں
میں عیسیٰ ہوں لیکن جس نے جان حاصل کر لی	میرے دم سے وہ ہمیشہ زندہ رہے گا

یعنی میں عیسیٰ ہوں لیکن جو شخص کہ میرے ہاتھ سے جان پاوے وہ ہمیشہ رہے گا۔

شد ز عیسیٰ زندہ لیکن باز مرد	شاد آں کو جان بدیں عیسیٰ سپرد
(حضرت) عیسیٰ سے زندہ ہوا لیکن پھر مر گیا	وہ قابل مبارکباد ہے جس نے اس عیسیٰ کو جان سپرد کر دی

یعنی عیسیٰ علیہ السلام سے زندہ ہوا لیکن پھر مر گیا اور خوش ہے وہ جس نے کہ جان اس عیسیٰ کو سپرد کر دی۔مطلب یہ کہ وہ حضرات فرماتے ہیں کہ ہم چونکہ فانی فی الحق ہو گئے اور ہماری صفت صفات حق ہیں اس لئے ہماری حالت بوجہ

فانی الحق کے یہ ہوگئی ہے کہ جو شخص اس طرح زندہ ہوا ہے اس کو دوام نصیب ہوا ہے اور جس کو حیات روحانی نصیب ہوئی ہے وہ ہمیشہ زندہ رہا ہے۔ بخلاف ان مردوں کے جن کو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے حیات ظاہری حاصل ہوتی تھی۔ کہ وہ آخر ایک روز فنا ہو گئے۔ ہاں جن لوگوں کو عیسیٰ علیہ السلام سے بھی حیات باطنی نصیب ہوئی تھی اس میں ان کو بھی دوام اور ہمیشگی ہی رہی۔ صرف فرق ان لوگوں میں ہے کہ جن کو وہاں تو حیات ظاہری ملی اور یہاں حیات باطنی۔ فرق ان میں یہ ہے کہ وہاں بوجہ حیات ظاہری کے وہ ایک دن فنا ہو گئے اور یہ حیات باطنی تھی اس کو دوام رہا۔ اور فرماتے ہیں کہ جس نے اس عیسیٰ کو یعنی فانی فی الحق کو اپنی جان سپرد کر دی اس کو حیات باطنی نصیب ہوگئی اور اس کو دوام و ہمیشگی نصیب ہوئی۔ اس میں خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی آ گئے کہ وہ بھی فانی فی الحق تھے۔ تو ان سے بھی جس کو حیات باطنی نصیب ہوئی اس کو دوام رہا خوب سمجھ لو۔ یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام سے اولیاء اللہ کو فضیلت دے رہے ہیں کیونکہ جس امر سے فضیلت کا شبہ ہوتا ہے وہ امر تو عیسیٰ علیہ السلام میں بھی موجود ہے اور ان کا بھی فعل ان کے دوسرے فعل سے افضل ہے۔ یعنی حیات باطنی عطا فرمانا حیات ظاہری عطا فرمانے سے بدرجہا افضل ہے۔ بس تو جب وہ بھی اس میں داخل ہوئے تو پھر فضیلت کیسے ہو سکتی ہے آگے ایک دوسری تشبیہ دیتے ہیں کہ۔

من عصایم در کف موسیٰ خویش	موسیم پنہاں و من پیدا بہ پیش
میں اپنے موسیٰ کے ہاتھ میں لاٹھی ہوں	میرا موسیٰ پوشیدہ ہے اور میں سامنے ظاہر ہوں

یعنی میں اپنے موسیٰ کے ہاتھ میں عصا ہوں۔ میرا موسیٰ تو پوشیدہ ہے اور میں سامنے ظاہر ہوں۔

بر مسلمانان پل دریا شوم	باز بر فرعون اژدرہا شوم
میں مسلمانوں کے لئے دریا کا پل ہو جاتا ہوں	پھر فرعون پر اژدھا بن جاتا ہوں

یعنی مسلمانوں پر میں دریا کا پل ہو جاتا ہوں اور پھر فرعون پر اژدہا ہو جاتا ہوں۔ مطلب یہ کہ وہی فانی فی الحق کہتا ہے کہ میں عصائے موسیٰ کی طرح دست حق میں ہوں کہ وہ جس طرح بوجہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں ہونے کے کبھی تو مسلمانوں کے لئے پل دریا کا بن جاتا تھا اور کبھی فرعون کے لئے اژدہا ہو جاتا تھا۔ اسی طرح حق تعالیٰ مجھ سے مختلف کام لیتے ہیں میں صفات حق کا مظہر ہوں کبھی مجھ سے صفت جمال ظاہر ہوتی ہے اور کبھی صفت جلال ظاہر ہوتی ہے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ایں عصا را اے پسر تنہا مبیں	کہ عصا بے کف حق نبود چنیں
اے بیٹا! اس لاٹھی کو اکیلا نہ سمجھ	کیونکہ بغیر خدا کے ہاتھ کے لاٹھی ایسی نہیں ہوتی ہے

یعنی اے صاحبزادے اس عصا کو تنہا مت دیکھو۔ کہ عصا بدوں کف حق کے ایسا نہیں ہوتا۔ (عصا سے مراد اولیاء اللہ ہیں) مطلب یہ کہ ان اولیاء اللہ کو تنہا مت سمجھو بلکہ خوب سمجھ لو کہ یہ کسی اور کے ہاتھ میں ہیں جو کہ ان کو حرکت دے

رہا ہے اور اس حرکت کی وجہ سے ان میں یہ قوت آ رہی ہے اور وہ محرک حق تعالیٰ ہیں اسی کے ہاتھ میں ہونے کی وجہ سے ان میں اس قدر قوت آ گئی ہے۔ آگے دیگر اشیاء کو جن سے کہ کافروں کو شکست ہوئی عصا سے تشبیہ دیتے ہیں کہ۔

موج طوفان ہم عصا بد کوز درد	طنطنہ جادو پرستان را بخورد
طوفان کی موج بھی لاٹھی تھی جس نے درد کیساتھ	جادو نے عاد کے بقیہ (لوگوں) کے دھویں اڑا دیئے

یعنی موج طوفان بھی عصا ہی تھی کہ جس نے درد سے جادو پرستوں (یعنی فرعونیوں) کے کروفر کو کھالیا۔

ہم عصا بد باد براعدائے ہود	کہ برآورد از بقیہ عساد دود
(حضرت) ہودؑ کے دشمنوں پر ہوا بھی لاٹھی تھی	جس نے عاد کے بقیہ (لوگوں) کے دھویں اڑا دیئے

یعنی ہوا بھی جو کہ ہود کے دشمنوں پر تھی عصا ہی تھی کہ جس نے عاد کے بقیہ میں سے دھواں نکالا یعنی اس ہوا نے بقیہ عاد کو ہلاک کیا وہ بھی ایک عصا ہی تھا۔

ہم عصائے بود پشہ در برزد	کو برآورد از سر نمرود گرد
مچھر بھی مقابلے میں لاٹھی تھا	جس نے نمرود کے سر سے دھول اڑا دی

یعنی وہ مچھر مقابلہ کے وقت میں جس نے کہ نمرود کے سر سے گرد نکالی۔ ایک عصا ہی تھا' مطلب یہ کہ وہ چیزیں جن سے کہ اعدائے حق ہلاک ہوئے ہیں وہ عصائے حق ہی کے مشابہ ہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

گر عصاہائے خدا را بشمرم	زرق ایں فرعونیاں را بردرم
اگر میں خدا کی لاٹھیوں کا شمار کروں	ان فرعونیوں کی مکاری (کا پردہ) چاک کر دوں

یعنی اگر حق تعالیٰ کے عصاؤں کو میں گنوں تو ان فرعونیوں کے مکر کو پھاڑ ڈالوں گا' مطلب یہ ہے کہ اگر میں ان تمام چیزوں کو بیان کروں جن سے کہ اعدائے الٰہی ہلاک ہوئے ہیں تو اس وقت ایک ایسا تصرف ہوگا کہ جس سے یہ سارے کے سارے مضطر ہو کر منقاد ہو جاویں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں بھی ارشاد ہے۔ ولو شئنا لآتینا کل نفس ھدٰھا الخ یعنی اگر ہم چاہیں تو سب کفار بالاضطرار مسلمان ہو جاویں لیکن ایسا بہت سی مصلحتوں سے نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح مولانا فرماتے ہیں کہ اگر اولیاء اللہ چاہیں کہ ایسا تصرف کریں کہ سارے مضطر ہو کر مطیع ہو جاویں لیکن ایسا تصرف اس لئے نہیں کرتے کہ۔

لیک ایں شیریں گیاہے زہر مند	ترک کن تا چند روزے میچرند
لیکن اس زہریلی شیریں گھاس کو	رہنے دے تاکہ چند روز چر لیں

یعنی لیکن چھوڑ دے تاکہ اس زہریلی میٹھی گھاس میں چند روز چر لیں۔ مطلب یہ کہ ان کو اس طرح مضطر کر دینا مناسب نہیں ہے۔ لہٰذا ان کو ابھی رہنے دو تاکہ کچھ روز اور دنیا سے تمتع حاصل کر لیں اور اس تمتع سے یہ فائدہ ہوگا کہ۔

گر نباشد جاہ و فرعون و سری	از کجا یابد جہنم پروری
اگر فرعون کا رتبہ اور سرداری نہ ہو	(تو) جہنم کہاں سے پرورش پائے؟

یعنی اگر جاہ فرعونی اور سرداری نہ ہوتو جہنم کہاں سے پرورش پاوے۔ مطلب یہ کہ اگر ایسے لوگ نہ ہوں تو جہنم کی کہاں سے پرورش ہو اور حق تعالیٰ کی صفت قہر کیسے ظہور کرے لہٰذا چاہیے کہ خوب ان کو مزے اڑا لینے دو اس کے بعد پھر ان کفار کو لقمۂ جہنم کیا جاوے گا اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

فربہش کن آنگہش کش اے قصاب	زانکہ بے برگند در دوزخ کلاب
اے قصاب! اس کو موٹا کر پھر ذبح کر	کیونکہ دوزخ میں کتے بے سروسامان ہیں

یعنی اے قصاب اس کو موٹا کرلے اس وقت کاٹ اس لئے کہ دوزخ کے کتے بھوکے ہو رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کفار کو خوب تمتعات دنیوی میں منہمک کر کے موٹا تازہ کرلو تاکہ دوزخ کے کتے جو کہ بھوکے ہو رہے ہیں خوب پیٹ بھر کر کھائیں۔ کیونکہ اگر یہ لوگ نہ ہوں گے تو دوزخ کو بھی قیام نہ ہوگا اور وہ بھی ہلاک ہو جاوے گی۔ آگے اس کی ایک نظیر بیان فرماتے ہیں کہ۔

گر نبودے خشم و دشمن در جہاں	پس بمردے خشم اندر مرد ماں
اگر دنیا میں مخالف اور دشمن نہ ہوتے	تو انسانوں میں غصہ مردہ ہو جاتا

یعنی اگر دنیا میں غصہ اور دشمن نہ ہوتا تو لوگوں میں غصہ مر جاتا۔ مطلب یہ کہ دیکھو اگر دنیا میں کوئی دشمن نہ ہوتا اور کوئی غصہ آور شے نہ ہوتی تو لوگوں میں غصہ ہی نہ رہتا۔ اور یہ مادہ ہی ان کے اندر سے مر جاتا۔ جیسا کہ اطباء نے لکھا ہے کہ اگر بہت روز تک روئی شخص مجرد رہے تو اس کی قوت ضعیف ہو جاتی ہے پس اسی طرح اگر غصہ آور کوئی شے اور دشمن دنیا میں نہ ہوتے تو یہ قوت غضبیہ لوگوں میں سے بالکل زائل ہو جاتی۔ بس اسی طرح سمجھو کہ

دوزخ آں خشم است و بے خصم اے فلاں	کے زید میرد ز نور مومناں
اے فلاں! دوزخ وہ غصہ ہے بغیر مخالف کے	کب زندہ رہے؟ مومنوں کے نور سے بجھ جائے

یعنی دوزخ وہ غصہ ہے اور بے دشمن کے اے فلاں کب زندہ رہتا ہے۔ وہ تو مومنین کے نور سے مر جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو دوزخ بھی ایک قہر ہے اور خشم حق کا مظہر ہے تو اگر یہ دشمنان حق دنیا میں نہ ہوں گے تو وہ بھی نہ رہے گا اور ٹھنڈا ہو جاوے گا۔ جیسا کہ قیامت میں جب مومنین اس پر سے گزریں گے تو وہ کہے گا کہ جز یا مومن فان نورک اطفأ ناری تو دیکھئے چونکہ وہ دشمن نہیں ہے اس لئے اس کے گزرنے سے اس کی آگ بجھنے لگے گی۔ اور وہ ہلاک ہونے لگے گا تو ان کفار کے وجود میں یہ مصلحت ہے کہ ان کے ہونے سے دوزخ کو قیام رہتا ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

تا زید ورنہ رحیمی بکشدش	دوزخ آں خشم است و خصمی بایدش
تاکہ زندہ رہے ورنہ رحیمی اس کو بجھا دے	دوزخ وہ غصہ ہے اور اس کو مخالف چاہیے

یعنی دوزخ وہی غصہ ہے اور اس کو دشمنی کی ضرورت ہے تا کہ وہ زندہ رہے ورنہ رحیمی اس کو ہلاک کردے گی (جیسا کہ اوپر بیان ہوا) آگے فرماتے ہیں کہ۔

پس کمال بادشاہی کے شدے	گر بماندی لطف بے قہر و بدے
تو بادشاہی کا کمال کب ہوتا ؟	اگر مہربانی بغیر قہر او ربدی کے رہ جاتی

یعنی اگر لطف بے قہر اور بد کے رہتا تو بادشاہی کا کمال کب ہوتا۔ مطلب یہ کہ اگر بدوں قہر اور محل قہر یعنی بدوں کے صرف لطف ہی لطف ہوتا تو صفات الٰہیہ کا پورپورا ظہور نہ ہوسکتا۔ اس لئے دوزخ کی بھی ضرورت ہوئی چونکہ یہاں چند مثالیں بیان فرمائیں ہیں۔ تو آگے فرماتے ہیں کہ۔

بر مثلہاؤ بیان ذاکراں	ریشخندے کردہ انداں منکراں
اہل ذکر کی مثالوں اور بیان کی	ان منکروں نے مذاق اڑائی ہے

یعنی ان منکروں نے ذاکریں کی مثالوں اور بیان پر تمسخر کیا ہے۔

چند خواہی زیست اے مردار چند	تو اگر خواہی بکن ہم ریشخند
اے مردار! تو کب تک زندہ رہے گا؟	اگر چاہے تو بھی مذاق اڑا

یعنی اگر تو چاہے تو تو بھی تمسخر کرلے (لیکن) اے مردار کتنا جئے گا۔ کتنا۔ مطلب یہ کہ پہلے لوگوں کے بیانوں پر جوانہوں نے دین کے بارہ میں کئے ہیں پہلے منکرین نے بھی تمسخر کیا ہے تو اے منکر اگر تیرا دل چاہے تو تو بھی میری مثالوں وغیرہ پر تمسخر کرلے لیکن آخرایک دن مرنا ہے اے نالائق ہمیشہ تو تجھے زندہ رہنا ہے ہی نہیں آخرایک دن مرنا ہے تب مجھے معلوم ہوجاوے گا کہ اس تمسخر کا کیا نتیجہ ہوا۔ یہ خطاب تو منکرین کو تھا آگے محبین کو خطاب فرماتے ہیں کہ

بر ہمیں در کہ شود امروز باز	شاد باشید اے محبان در نیاز
اس دروازے پر جو آج کھلا ہوا ہے	اے دوستو! نیازمندی میں خوش رہو

یعنی اے محبو تم نیاز میں خوش رہو اسی در پر جو کہ آج کھلے گا۔ یعنی اے محبو تم درحق پر خوش وخرم رہو وہ دروازہ آج کل میں کھلنے والا ہے اس وقت تم دولتوں سے مالا مال ہوجاؤ گے تم الگ ہوا اور وہ منکرین الگ ہیں ان کو ان کے لائق جزا ملے گی اور تم کو تمہارے لائق بدلہ ملے گا۔ آگے اس ہر ایک کی علیحدگی کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

درمیان باغ از سیرو کبر	ہر حوئجے باشدش کردے دگر
باغ میں لہسن اور گھر کی	ہر ضرورت کی ایک دوسری کیاری ہوتی ہے

یعنی ہر مصالح کے لئے ایک الگ کیاری باغ میں ہوتی ہے۔لہسن کی اور گبرکی۔(گبر ایک دوا کا نام ہے جو کہ خراسان میں ہوتی ہے) مطلب یہ کہ دیکھو لہسن کی کیاری الگ ہے اور گبر کی الگ علیٰ ہذا ہر شے الگ الگ ہی ہے۔

ہر یکے با جنس خود در کرد خود	از برائے پختگی نم می خورد
ہر ایک چیز ہم جنس کے ساتھ اپنی کیاری میں	پختگی کے لئے سیرابی حاصل کرتی ہے

یعنی ہر ایک اپنی جنس کے ساتھ اپنی مناسب کیاری میں پختگی کے لئے پانی پی رہی ہے۔یعنی پرورش پا رہی ہے۔

تو کہ کرد زعفرانی زعفراں	باش و آمیزش مکن با دیگراں
تو جو کہ زعفران کی کیاری ہے زعفران	رہ اور دوسروں کے ساتھ نہ مل

یعنی تو کہ زعفران کی کیاری ہے زعفران رہ۔اور دوسروں کے ساتھ میل مت کر۔

آب میخور زعفرانا تارسی	زعفرانی اندراں حلوا رسی
اے زعفران! سیرابی حاصل کرتا کہ تو پک جائے	تو زعفران ہے اس حلوے میں ملے گا

یعنی پانی پی اے زعفران تا کہ تو پختہ ہو جاوے۔(اگر) تو زعفران ہے تو اس حلوہ میں تو پہنچ جاوے گی۔

تو مکن در کرد شلغم پوز خویش	کہ نگردد با تو اوہم طبع و کیش
تو شلغم کی کیاری میں اپنا منہ نہ ڈال	تاکہ وہ تیرا ہم مزاج اور ہم مذہب نہ ہو جائے

یعنی تو شلغم کی کیاری میں اپنا منہ مت کر کہ وہ تیرا ہم طبع اور ہم مذہب نہ ہوں گا۔مطلب یہ کہ اے زعفران تو اپنی کیاری میں رہ اور شلغم اپنی کیاری میں رہے گا۔تو اس شلغم کی کیاری میں یہ سمجھ کر کہ شاید وہ بھی خوشبودار ہو جاوے مت جا۔اس لئے کہ وہ تو خوشبودار نہ ہوگا تو ہی خراب ہو جاوے گی۔اسی طرح صحبت بد کا اثر جلدی ہوتا ہے لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے۔آگے فرماتے ہیں کہ۔

تو بکردے او بکردے مودعہ	زانکہ ارض اللہ آمد واسعہ
تو ایک کیاری میں اور وہ دوسری کیاری میں رکھا ہوا ہے	کیونکہ اللہ کی سرزمین وسیع ہے

یعنی تو ایک کیاری میں اور وہ ایک کیاری میں رکھے ہوئے ہیں۔اس لئے اللہ تعالیٰ کی زمین تو وسیع ہے۔
مطلب یہ کہ وہ اپنی حالت میں خوش ہے تم اپنی حالت میں خوش رہو تم کو اس کے پاس یا اس کو تمہارے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے۔حق تعالیٰ کی زمین تو وسیع ہے اس میں تنگی تو نہیں۔جو ایک کو دوسرے کے مکان میں گھسنے کی ضرورت ہو لہٰذا صحبت بد سے محترز رہنا چاہئے آگے فرماتے ہیں کہ۔

خاصہ آں ارضے کہ از پہناوری	در سفر گم می شود دیو و پری
خصوصاً وہ زمین (جس میں) وسعت کی وجہ سے	دیو اور پری سفر میں گم ہو جاتے ہیں

یعنی خاص کردہ زمین جو کہ فراخی کی وجہ سے (اتنی ہے) کہ سفر میں دیو و جن گم ہو جاویں۔

منقطع میگردد اوہام و خیال	اندراں بحر و بیابان و جبال
اوہام اور خیالات ختم ہو جاتے ہیں	ان سمندروں اور جنگلوں اور پہاڑوں میں

یعنی ان دریاؤں اور بیابانوں اور پہاڑوں میں اوہام اور خیال منقطع ہو جاتے ہیں۔

ہمچو اندر بحر بریک تائے مو	ایں بیاباں در بیابانہائے او
اس طرح ہیں جیسے سمندر اور خشکی میں ایک بال	یہ جنگل اس کے جنگلوں میں

یعنی یہ بیاباں (ظاہری) اس کے بیابانوں میں (ایسے ہیں) جیسے کہ بھرے ہوئے دریا میں ایک عدد بال۔
مطلب یہ کہ اس جہان کی یہ زمین بھی اس قدر وسیع ہے کہ اس میں بھی ضرورت نہیں ہے کہ ایک دوسرے کے مکان میں گھستا پھرے۔ اور خاص کردہ باطن کی زمین تو اس قدر فراغ ہے کہ اس کے آگے یہ بیابان اور یہ زمین ایسے ہیں جیسے کہ بھرے ہوئے دریا میں ایک بال ہوتا ہے ان کی فراخی کی یہ حالت ہے کہ جنات اور دیو بھی ان کا سفر کرتے کرتے گم ہو جاتے ہیں اور اوہام و خیال بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتے جن کی سیر بے حد تیز اور طویل ہوتی ہے تو پھر ان میں اس کی کیا ضرورت ہے۔ کہ ایک دوسرے کے مکان میں جاوے اور ایک کو دوسرے کی حاجت ہو آگے فرماتے ہیں کہ۔

تازہ خوشتر ز جوہائے رواں	آب استادہ کہ سیرش نہاں
جاری نہروں سے تازہ تر اور اچھا ہے	پانی ٹھہرا ہوا ہے کیونکہ اس کی رفتار پوشیدہ ہے

یعنی ٹھہرا ہوا پانی جس کی کہ روانی پوشیدہ ہے زیادہ تازہ ہے اور چلنے والی ندیوں سے زیادہ خوشتر ہے۔

سیر پنہاں دار دو پائے رواں	کو دروں خویش چوں جان و رواں
پوشیدہ سیر اور رواں پاؤں رکھتا ہے	کیونکہ وہ اپنے اندر جان اور روح کی طرح

یعنی اپنے اندر دم سے مثل جان اور روح کے وہ پوشیدہ سیر رکھتا ہے اور پاؤں چلنے والا رکھتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو اہل اللہ کہ بظاہر ذلیل و خوار معلوم ہوتے ہیں وہ ایسے ہیں جیسے اوپر سے ٹھہرا ہوا پانی ہو اور اس کی دھار اندر ہی اندر چل رہی ہو اور یہ ظاہر دنیادار ایسے ہیں جیسے کہ چلتا ہوا پانی ہوتا ہے تو جس طرح وہ چلتا ہوا پانی خوب اچھا معلوم ہوتا ہے اسی طرح یہ امراء بظاہر خوب خوش خرم معلوم ہوتے ہیں اور وہ حضرات ظاہر میں تو بالکل ذلیل معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ اندر ہی اندر خوش ہوتے ہیں اور ان کو وہ دولت ملی ہے کہ پھولے نہیں سماتے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

اے خطیب ایں نقش را کم زن بر آب	مستمع خفتہ است کوتہ کن خطاب
اے مقرر! اس نقش کو پانی پر نہ کھینچ	سننے والا سو گیا ہے تقریر مختصر کر

یعنی سننے والا سو رہا ہے تو اے خطیب تو خطاب کو کم کردے اور اس نقش کو پانی پر مت مار۔ (خطیب سے مراد

خود مولانا ہی ہیں) مطلب یہ کہ فرماتے ہیں کہ سننے والے کی توجہ ان باتوں کے سننے کی طرف نہیں ہے۔ لہذا اب آگے بیان مت کرو اور ان باتوں کو فضول مت بیان کرو کیونکہ اس حالت میں ان کا بیان کرنا بالکل نقش برآب زدن ہے لہذا چپ ہی رہنا چاہئے آگے پھر سلیمان علیہ السلام اور بلقیس کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

سلیمان علیہ السلام کے بلقیس کو دعوت ایمان دینے کے قصہ کا بقیہ

ترجمہ و تشریح:۔ اب مولانا پھر قصہ بلقیس کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے قاصدوں کی معرفت بلقیس سے کہا کہ بلقیس اٹھو۔ اور میرے پاس آ کر ملک دیکھو۔ جب تم میرے پاس آؤ گی اس وقت تمہیں معلوم ہوگا کہ سلطنت اسے کہتے ہیں تم آؤ اور ساحل بحر جود خداوندی پر کھڑے ہو کر دربائے کمالات باطنی چنو اور انہیں حاصل کرو۔ دیکھو تو سہی تمہاری دوسری بہنیں مشرف باسلام ہو کر گردوں نشین یعنی رفیع المنزلۃ ہو گئی ہیں۔ تم بھی ویسی ہی ہو جاؤ اس مردار دنیا پر کیا حکومت کرتی ہو۔ حکومت تم نے ابھی تک دیکھی بھی نہیں۔ اٹھو اور میرے پاس آؤ اور دولت دیکھو اور صرف دیکھو ہی نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس دولت باطنی سے متمتع ہو۔ تم جانتی ہو کہ تمہاری بہنوں کو حق سبحانہ نے کیسے کیسے گرانمایہ عطیہ عطا کئے ہیں تم بھی آؤ اور اس بحر جود میں غوطہ موہبت شاہی ہے برخلاف منافع دنیویہ کے کہ ان میں معاوضہ کی شان ہے۔ تمہاری بہنیں تو سب کی سب دولت باطنی کے مزے اڑا رہی ہیں اور چین کر رہی ہیں تمہیں یہ رنج و تعب سلطنت دنیاوی کیوں بھا گیا ہے۔ پس بلقیس اٹھو خوش قسمتی کی دوست بنو اور اسے طلب کرو۔ اور ملک سبا سے بیزار ہو۔ اور اسے چھوڑ و۔ تم فقیر کی طرح خوشی سے نقارہ بجا رہی ہو۔ اور کہہ رہی ہو کہ میں بادشاہ ہوں یعنی بھاڑ کا سردار ہوں۔ بھلا یہ بھی کوئی فخر کی بات ہے (فقیر سے تشبیہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بھی اپنے کو شاہ کہتا ہے حالانکہ واقع میں محتاج اور بھاڑ جھونکنے کے قابل ہوتا ہے۔ اور بلقیس بھی اپنے کو شاہ کہتی تھی حالانکہ دولت و ملک حقیقی سے بالکل خالی تھی۔ اور دنیا کا بھاڑ جھونک رہی تھی) تمہاری مثال موجودہ حالت میں ایسی ہے جیسا کہ وہ پست ہمت کتا جس نے ایک اندھے فقیر کو دیکھ کر اس پر حملہ کیا اور اس کی گدڑی پھاڑ ڈالی۔ کیونکہ جس طرح وہ ایک ناچیز اور حقیر شکار پر قناعت کرتا ہے یوں ہی تم بھی دنیائے مردار پر قناعت کئے ہوئے ہو۔ کتے کا واقعہ گو دوسرے دفتر میں بیان ہو چکا ہے مگر اس مقام پر اس کو مکرر بیان کیا جاتا ہے تاکہ مضمون بالا کو تقویت ہو۔ تتمہ اس قصہ کا یہ ہے کہ جب اس کتے نے

؎ پروری مخفف پرداری ہے اور پرداری اس جانور کو کہتے ہیں جو ایک ایسے بالا خانہ پر رکھا جاتا ہے جس میں چاروں طرف ہوا کے لئے کھڑکیاں ہوتی ہیں تاکہ وہ اس میں رہ کر خوب موٹا ہو۔ قاری محمد افضل ۱۲

اندھے فقیر کی گدڑی پھاڑی تو اس نے کہا کہ تیرے یار تو پہاڑ پر شکار تلاش کر رہے ہیں اور تیرے ہمجنس تو پہاڑ میں گورخر پکڑ رہے ہیں مگر تو اتنا پست ہمت ہے کہ گلی میں بیچارے اندھے کو پکڑتا ہے اس مضمون کو ختم کر کے اب مولانا دوسرے مضمون مناسب کی طرف انتقال کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

اے شیخ متنفر عن الخلق اور گوشہ نشین تو اس دھوکہ بازی کو چھوڑ کیونکہ تو کامل اور قابل تربیت نہیں بلکہ آب شور ہے جس نے چند اندھوں کو جمع کر رکھا ہے۔ اور بزبان حال کہتے ہے کہ یہ میرے مرید ہیں اور میں کھاری پانی ہوں اور یہ لوگ مجھ میں سے پانی پیتے ہیں اور اندھے ہو جاتے ہیں یعنی میں نامقدس ہوں اور میری تربیت مضر ہے اور میں ان کی تربیت کر کے ان کو ضرر پہنچاتا ہوں۔ ارے تو کھاری پانی کیوں بنا ہوا ہے۔ اپنے پانی کو بحر حق سبحانہ سے متصل کر کے شیریں۔ بنالے یعنی مقدس و مقرب حق سبحانہ ہو کر اپنی تربیت کو مفید بنالے۔ اور اس برے پانی یا مصنوعی تقدس کو ان اندھوں کا جال نہ بنا تو اٹھ اور دیکھ کہ شیران خدا یعنی اہل اللہ کو دیکھ کہ وہ گورخروں کو پھانستے اور اہل لوگوں کو مرید کرتے ہیں۔ تو مکر سے کتے کی طرح اندھے لوگوں کو کیوں پھانستا ہے۔ میں نے ان کو گورخروں کا پھانسنے والا بنا بر ظاہر کہہ دیا ہے ورنہ وہ اپنے دوست حق سبحانہ کے علاوہ کسی کا بھی شکار نہیں کرتے۔ اس لئے وہ سراسر شیر یعنی باہمت اور شیر گیر یعنی حق سبحانہ سے تعلق پیدا کرنے والے اور اس کے نور سے مست ہیں۔ انہوں نے شکار کی مشاہدہ اور اپنے بادشاہ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کی مصروفیت میں اوروں کا شکار کرنا بالکل چھوڑ دیا ہے اور تحیر فی ذات وصفات وافعال حق سبحانہ کے سبب مانند مردہ ہو گئے ہیں۔ اور ہم نے جو اوپر کہا ہے کہ وہ گورخروں کا شکار کرتے ہیں اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے لئے نہیں کرتے بلکہ حق سبحانہ کے لئے کرتے ہیں اس لئے یوں کہا جاوے گا کہ جس طرح شکاری مرے ہوئے جانور کی کھال میں بھس بھر کے اس کے پیچھے بیٹھ کر جانور کی بولی بولتا ہے تا کہ اس کے ہمجنس اس کو اپنا ہمجنس سمجھ کر جال میں آ پھنسیں یوں ہی حق سبحانہ نے ان کو پکڑ رکھا ہے تا کہ انکے ذریعہ سے ان کے ہمجنسوں کو پھانس لیں۔ یہ لوگ مثل مرغ مردہ ہیں اور وصل و ہجر یعنی بسط وقبض دونوں حالتوں میں مغلوب حق سبحانہ ہیں۔ چنانچہ تو نے پڑھا ہی ہے کہ **قلب العبد بین اصبعی الرحمٰن** اور گو یہ صفت سب میں مشترک ہے مگر اوروں میں اور اہل اللہ میں یہ فرق ہے کہ اہل اللہ میں یہ صفت علی وجہ الکمال پائی جاتی ہے کیونکہ ان کا اختیار بھی تابع ہے مرضی حق سبحانہ کے۔ برخلاف اوروں کے کہ ان میں یہ بات نہیں۔ اس لئے یہ لوگ اس کے پورے مصداق ہیں لہذا یہ حدیث ان کی مردگی کے لئے دلیل ہو جاوے گی۔ نہ کہ اوروں کی مردگی کے لئے۔ یہاں تک یہ امر ثابت ہوا کہ وہ اصالۃً خدا سے وابستگی رکھتے ہیں اور دوسروں سے تعلق ان کو خدا کے لئے ہے۔ تا کہ وہ ان کو خدا تک پہنچادیں اس لئے گویا کہ وہ آلہ ہیں حق سبحانہ کے اپنے بندوں کو اپنا بنانے کا۔ جب یہ امر معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ جو شخص اللہ جل جلالہٗ کے ان مردہ جانوروں کا شکار ہو گیا اور ان کے قبضہ میں آ گیا جب وہ دیکھے گا تو اپنے کو حق سبحانہ سے وابستہ پائے گا اور جو اس مردہ جانور سے سرکشی کریگا وہ حق سبحانہ تک کبھی واصل نہیں ہو سکتا۔ وہ کہتا ہے کہ اے شخص تو میری مردگی کو نہ دیکھ بلکہ یہ دیکھ کہ

حق سبحانہ کو مجھ سے کیسی محبت ہے۔ کہ مجھے اپنی نظر میں رکھتے ہیں میں مردہ نہیں ہوں۔ بلکہ قتیل حق سبحانہ ہوں ولاتحسبن الــذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون بلکہ صرف میرا جسم مشابہ مردہ کے ہوگیا ہے۔ کیونکہ میری حرکات اولاً اپنے بال و پر یعنی اختیار سے تھیں اور اب میری حرکات حق سبحانہ کے دست رضا سے ہیں اور میری حرکات فانیہ صورت سے نکل گئی ہیں اور اب جو حرکات ہیں وہ حرکات باقیہ ہیں کیونکہ وہ حق سبحانہ کی جانب سے ہیں۔ پس جو شخص میری حرکات کے سامنے غلط حرکت کرے گا وہ بڑے سے بڑا کیوں نہ ہو میں اسے مار ڈالوں گا یعنی اس کی موت معنوی کا سبب بن جاؤں گا۔ دیکھ اگر تو زندہ حقیقی ہے اور حسن باطنی رکھتا ہے تو مجھے مردہ نہ سمجھ بلکہ اگر تو عبد کامل ہے تو مجھے قبضہ قدرت حق سبحانہ میں سمجھ اور اس سے جان لے کہ میں مردہ نہیں ہوں۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں آ کر مردہ زندہ ہو جاتا تھا میں تو خالق عیسیٰ کے ہاتھ میں ہوں۔ پس میں قبضہ خدا میں رہ کر کیسے مردہ رہ سکتا ہوں۔ یہ بات (یعنی ہاتھ میں آ کر مردہ رہنا) تو حضرت عیسیٰ کے حق میں بھی جائز نہ رکھنی چاہئے۔ چہ جائیکہ حق سبحانہ کے حق میں اور میں صرف زندہ ہی نہیں ہوں بلکہ عیسیٰ کی طرح زندہ کن بھی ہوں۔ لیکن ایک اعتبار سے مجھے حضرت عیسیٰ پر تفوق ہے گو فضل کلی انہیں کو ہے۔ اور بعض اعتبارات سے تفوق کی وجہ یہ ہے کہ جو میرے تصرف سے زندہ ہوتا ہے وہ ابدی ہوتا ہے۔ اور جو بعض مردہ حضرت عیسیٰ سے زندہ ہوتے تھے وہ گو زندہ ہو جاتے تھے مگر پھر مر جاتے تھے اور ان کے فضل کلی کی وجہ یہ ہے کہ میں تو صرف ایک ہی قسم کی حیات بخشتا ہوں یعنی حیات روحانی و جاودانی اور وہ دونوں قسم کی حیات بخشتے تھے۔ روحانی و جاودانی بھی اور جسمانی فانی بھی۔ نیز وہ جو حیات جاودانی بخشتے تھے وہ اس حیات سے اکمل ہوتی تھی جو میں بخشتا ہوں اس لئے فضل کلی انہیں کو ہے۔ فاندفع الاشکال اب مولانا فرماتے ہیں کہ مسرور ہے وہ شخص جو اپنی جان ایسے عیسیٰ کے سپرد کر دے اور اس سے حیات ابدی حاصل کر لے۔ فتبین ان المصرع الاول من بیت شدز عیسےٰ زندہ الخ تتمۃ للبیت السابق و مقولۃ للولی والمصرع الثانی مقولۃ لمولانا الرومی ولاتغتر بماقال المحشون فانھم لم یصلوا الی المقصود. نیز میں اپنے موسیٰ کے ہاتھ میں عصا ہوں مگر میرا موسیٰ چھپا ہوا ہے اور میں لوگوں کے سامنے ظاہر ہوں تو چونکہ میں عصائے موسیٰ ہوں اس لئے میں مسلمانوں کے لئے ذریعہ نجات ہوں۔ اور گمراہوں کے حق میں سبب ہلاک روحانی۔ تم اس عصا کو تنہا نہ سمجھنا کیونکہ ناممکن ہے کہ بدوں دست حق سبحانہ کے عصا میں یہ خاصیت ہو یاد رکھو کہ ایک میں ہی عصائے حق سبحانہ نہیں ہوں بلکہ اور بھی ہیں۔ چنانچہ موج طوفان نیل بھی عصائے حق سبحانہ تھی۔ جو موسیٰ علیہ السلام کی ہمدردی کے سبب جادو پرست آل فرعون کے اکڑفوں کو نگل گئی تھی نیز دشمنان ہود علیہ السلام پر ہوا خدا کی لاٹھی تھی۔ جس نے قوم عاد کے بچے کھچے لوگوں کو ملیامیٹ کر دیا تھا۔ نیز مچھر بھی عصائے حق سبحانہ تھا جس نے نمرود کا صفایا کر دیا تھا علیٰ ہذا اور بھی بہت سے عصا ہیں جن کو اگر میں بیان کروں تو ان موافقین فرعون یعنی دھوکہ باز مشائخ یا مطلق اہل دنیا کے مکروں کے ٹکڑے اڑا دوں۔ اور وہ چار و ناچار انقیاد و اطاعت حق اختیار کریں لیکن میں مجبور نہیں کرنا

چاہتا اور کہتا ہوں کہ انہیں چھوڑ دینا چاہئے تا کہ یہ لوگ اس شیریں مگر زہر آلود گھاس کو کچھ روز کھالیں۔ دیکھو اگر جاہ فرعون وامثال آں اوران کی سرداری نہ ہوتو دوزخ کو فربہ جانور کھانے کے لئے کہاں سے ملے۔ پس معلوم ہوا کہ اشرار کی اوران کی برائیوں میں ترقی کی بھی اس لئے ضرورت ہے کہ ان کو یہ غذا کھا کر موٹا ہونے دیا جاوے۔ اوراس کے بعد مارا جاوے کیونکہ دوزخ کے کتے (سانپ بچھو وغیرہ) بہت بے سروسامان ہیں اوران کو غذا کی بہت ضرورت ہے۔ نیز تم سمجھو کہ اگر مخالف اور دشمن دنیا میں نہ ہوتے تو غصہ بالکل فنا ہو جاتا اور قوائے غضبیہ بالکل بیکار ہو جاتے۔ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جن قویٰ سے کام نہیں لیا جاتا وہ بیکار ہو جاتے ہیں جب یہ امر معلوم ہو چکا تو اب سمجھو کہ دوزخ بھی ایک غصہ ہے۔ اس لئے اس کو ضرورت ہے دشمنوں کی جو اس کو باقی رکھ سکیں ورنہ بدوں دشمنوں کے وہ زندہ نہیں رہ سکتی بلکہ نور مومنین اسے فنا کر دے گا اور دوزخ ایک غضب وقہر حق سبحانہ ہے۔ اس کو ضرورت ہے دشمنوں کی تا کہ وہ زندہ رہ سکے۔ ورنہ رحم اسے فنا کر دے گا۔ اس پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ خود غصہ کے بقا ہی کی کیا ضرورت ہے اس کی بقا کے لئے دشمنوں کی ضرورت ہو سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر صرف لطف ہی لطف رہتا اور قہر اور اس کو باقی رکھنے والے اشرار نہ ہوتے تو کمال بادشاہی کیونکر ہوتا۔ کیونکہ لطف وقہر دو لوازم کمال شاہی سے ہیں اور راز اس کا یہ ہے کہ بادشاہی کامل مقتضی ہے قدرت کاملہ کو اور قہر ومحل قہر نہ ہونے کی صورت میں حق سبحانہ لطف میں مجبور ہوتے اور جبر منافی قدرت واختیار ہے اور عدم قدرت واختیار منافی کمال سلطنت ہے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ کمال سلطنت کے لئے ضرورت ہے قہر ومحل قہر کی و ھذا ھو المدعی، تم ہماری ان تمثیلوں پر ہنسو گے۔ مگر تمہارا ہنسنا کچھ نیا ہوگا کیونکہ واعظین پیشین انبیاء وغیرہ انبیا کی تمثیلوں اوران کے وعظوں سے یوں ہی تمسخر کیا گیا ہے اب اگر چاہو تم بھی ہنس لو آخر کب تک جیو گیا یک دن ضرور مرو گے بس بعد مردن اس ہنسی کا نتیجہ ہنسنا معلوم ہو جاوے گا۔ برخلاف ان کے اے مخلصین تم اپنی طاعت و میں اسی دروازۂ اہل اللہ پر خوش رہو۔ اوراس تمسخر میں ان کے ساتھ شریک نہ ہو۔ کیونکہ یہ عنقریب کھلنے والا ہے اوراس کے ذریعہ سے حضرت حق سبحانہ تک تمہاری رسائی ہونے والی ہے۔ یہ میں اس لئے کہتا ہوں کہ قاعدہ ہے کہ ہر مسالہ لہسن وکبرو وغیرہ باغ میں الگ کیاری میں ہوتا ہے۔ اور ہر ایک اپنی کیاری میں اپنے ہم جنس کے ساتھ پختگی کے لئے سیرابی حاصل کرتا ہے۔ پس چونکہ تم زعفران ہو اس لئے زعفران ہی رہو۔ اور اغیار کے ساتھ اختلاط نہ کرو۔ اور چونکہ تم زعفران ہو اس لئے اسی کیاری میں سیراب ہوتے رہو یہاں تک کہ تم پختہ ہو جاؤ۔ اور حلوے میں پہنچ جاؤ یعنی وہ غرض حاصل ہو جاوے جس کے لئے تم پیدا کئے گئے ہو۔ تم شلغموں کی کیاری میں منہ نہ ڈالو اور اغیار کے ساتھ اختلاط نہ کرو کیونکہ وہ تمہارے ہم مشرب اور ہم مزاج نہیں ہو سکتے۔ تم اور وہ الگ الگ کیاریوں میں لگے ہوئے اور مختلف استعدادات وصفات کے ساتھ اس لئے موصوف ہو کہ یہ زمین استعدادات وصفات نہایت وسیع ہے اوراس میں تخالف وتفارق کی بہت کچھ گنجائش ہے یہ زمین استعدادات وصفات تو وسیع ہی ہے اس سے زیادہ وہ زمین وسیع ہے جس کے وسعت کے سبب دیو و پری حالت سفر میں گم ہو جاتے ہیں یعنی باطن عارف اس کے سمندر اور جنگل اور پہاڑ اتنے عالیشان ہیں کہ اوہام و

خیالات بھی ان کو طے نہیں کر سکتے۔ یہ بیاباں معروف ان بیابانوں کے اندر ایسا ہے جیسے بھرے ہوئے سمندر میں ایک بال گو وہ عارف بوجہ عدم ظہور سیر باطنی کے ایک ٹھہرا ہوا پانی معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں یہ بظاہر ٹھہرا ہوا پانی جس کی سیر مخفی ہے ان متعارف انہار جاریہ سے زیادہ تازہ اور زیادہ اچھا ہے کیونکہ وہ اپنے اندر مخفی سیر اور چلتے ہوئے پاؤں رکھتا ہے جس طرح روح طبعی مخفی حرکت رکھتی ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ سننے والا سو رہا ہے اور سننے کے لئے تیار نہیں ہے اس لئے گفتگو کو ختم کر دو اور پانی پر نقش نہ بناؤ۔ یعنی فضول کوشش کو چھوڑ دو۔

شرح شبّیری

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو دعوت دینے کا باقی قصہ اور فرمانا کہ وقت غنیمت ہے

خیز بلقیسا کہ بازاریست تیز	زیں خسیسان کساد افگن گریز
اے بلقیس! اٹھ کیونکہ بازار تیزی پر ہے	ان ٹوٹنے میں مبتلا کرنے والے کمینوں سے بھاگ

یعنی اے بلقیس اٹھ ایک بارونق بازار ہے اور ان کھوٹ ڈالنے والے خسیسوں سے بھاگ۔ مطلب یہ کہ دنیا اور دنیا داروں سے الگ ہو کر آخرت کی طرف متوجہ ہو کہ اس وقت تو وقت ہے اور اعمال آخرت کی گرم بازاری ہو رہی ہے۔

خیز بلقیسا کنوں بااختیار	پیش ازانکہ مرگ آرد گیرو دار
اے بلقیس! اب اٹھ (جبکہ) بااختیار ہے	اس سے قبل کہ موت پکڑ دھکڑ شروع کرے

یعنی اب اے بلقیس بااختیار اس سے پہلے کہ موت دارو گیر لادے اٹھ۔ مطلب یہ کہ اے بلقیس آخرت کی طرف موت سے پہلے پہلے چلی آ ؤ کہ اگر موت آ گئی تو پھر اختیار نہ رہے گا۔ اور وہ آنا معتبر نہ ہوگا۔ اب اپنے اختیار سے ادھر آ جاؤ۔

خیز بلقیسا بیا پیش از اجل	در نگر شاہی و ملک بے دغل
اے بلقیس! اٹھ موت سے پہلے آ جا	بادشاہی اور بغیر فساد کی سلطنت دیکھ لے

یعنی اے بلقیس اٹھ اور موت سے پہلے آ جا اور بے کھوٹ بادشاہی اور ملک دیکھ۔ مطلب یہ کہ موت کے آنے سے پہلے پہلے اس طرف متوجہ ہو اور مسلمان ہو جاؤ اور پھر دیکھو کہ کیسا ملک اور کیسی بے دغل بادشاہی میسر ہوتی ہے کہ وہ ملک و بادشاہی جاودانی ہوگی۔

خیز بلقیسا بجاہ خود مناز	اندریں درگہ نیاز آور نہ ناز
اے بلقیس! اٹھ اپنے مرتبہ پر ناز نہ کر	اس بارگاہ میں نیاز پیش کر نہ کہ ناز

یعنی اے بلقیس اٹھ اپنے مرتبہ پر نازمت کر کہ اس درگاہ میں تو نیاز لا نہ کہ ناز۔ مطلب یہ کہ اپنے اس ظاہری حشم وخدم پر نازمت کر و درگاہ حق میں نیاز مندی سے حاضر ہو جاؤ۔

خیز بلقیساؤ مستہ با قضا	ورنہ مرگ آید کشد گوش ترا
اے بلقیس! اٹھ اور قضا (خداوندی) سے نہ لڑ	ورنہ موت آئے گی تیرے کان کھینچے گی

یعنی اے بلقیس اٹھ اور قضا کے ساتھ لڑمت ورنہ موت آوے گی اور تیرے کان کھینچے گی۔ مطلب یہ کہ اب اپنی خوشی سے چلی آؤ ورنہ پھر موت تو کشاں کشاں راہ حق کی طرف لا ہی ڈالے گی۔

بعد ازاں گوشت کشد مرگ آنچناں	کہ چو دزد آئی بشحنہ جاں کناں
اس کے بعد موت تیرے ایسے کان کھینچے گی	کہ تو چور کی طرح کوتوال کے پاس جانکنی کی حالت میں آئے گی

یعنی اس کے بعد تو موت تیرے کان اس طرح کھینچے گی کہ تو چور کی طرح کوتوال کے پاس جان کنی کرتی ہوئی آوے گی۔ مطلب یہ کہ اگر اب اطاعت قبول کروگی تو وہ اطاعت مقبول ہوگی اور اس پر تو ثمرہ مرتب ہوگا ورنہ پھر اگر اس اختیار کے بعد تم آئیں بھی تو اس طرح آؤ گی کہ موت تم کو کشاں کشاں درگاہ حق میں اس طرح جا کھڑا کرے گی جیسے کہ چور کو کوتوال کے آگے پکڑ لاتے ہیں کہ وہ جانا نہیں چاہتا مگر زبردستی لے جاتے ہیں۔ پھر اس کی خوب خبر لی جاتی ہے ورنہ اگر کوئی شخص خود کوتوال کی ملاقات کے اشتیاق میں اس کے پاس آ جاوے تو اس کی خوب عزت وحرمت ہوتی ہے۔ پس اگر تم اپنے اختیار سے مطیع بن گئیں تب تو خیر ورنہ پھر آخر کو کشاں کشاں لائی جاؤ گی۔ اور اس وقت چوروں کی طرح حاضر ہوگی۔

زیں خراں تا چند باشی نعل دزد	گر ہمی دزدی بیاؤ لعل دزد
تو ان گدھوں کے نعل کب تک چرائے گی؟	اگر چوری ہی کرنی ہے تو آ اور لعل چرا

یعنی ان گدھوں سے کب تک نعل کی چرانے والی رہوگی اگر چوری ہی کرتی ہو تو آؤ اور لعل چراؤ۔ مطلب یہ کہ ان اہل دنیا سے اب ظاہری مال و دولت کو جو کہ نعل خر کی طرح ہے کب تک حاصل کرتی رہوگی۔ اب آ کر تم دولت باطنی لو جو کہ لعل کی طرح ہے۔

خواہر انت یافتہ ملک خلود	تو گرفتہ مملکت کور و کبود
تیری بہنوں نے ہیشگی کی سلطنت حاصل کر لی	تو بے نور اور تاریک سلطنت کو پکڑے ہوئے ہے

یعنی تیری (مومنات) بہنوں نے ملک ابدی پالیا ہے اور تو ملک کور وکبود لئے ہوئے ہے۔

اے خنک آنجاں کزیں مملکت بجست	کہ اجل ایں ملک را ویراں گرست
وہ جان قابل مبارکباد ہے جس نے اس سلطنت کو چھوڑ دیا	کیونکہ موت اس سلطنت کو ویران کر دینے والی ہے

یعنی اچھی ہے وہ جان جو کہ اس ملک سے نکل گئی کیونکہ موت اس ملک کو ویران کرنے والی ہے مطلب یہ کہ چونکہ موت اس دنیا کی تمام اشیاء کو ہم سے چھڑانے والی ہے تو وہی شخص اچھا ہے کہ اس کو ترک کرے اور دولت اخروی کو حاصل کرے۔

ملکت شاہاں و سلطانان دیں	خیز بلقیسا بیا بارے بہ بیں
دین کے امراء اور شاہوں کی سلطنت	اے بلقیس! اٹھ آ جا اب دیکھ

یعنی اے بلقیس اٹھ اور آ اور دین کے بادشاہوں اور سلاطین کا ملک دیکھ۔

ظاہر آ حادے میان دوستاں	شستہ در باطن میان گلستاں
بظاہر دوستوں کے درمیان ایک کانٹا ہے	وہ حقیقتا باغ میں بیٹھا ہوا ہے

یعنی باطن میں تو گلستاں کے درمیان بیٹھے ہوئے ہیں اور ظاہر میں دوستوں کے درمیاں ایک ہیں۔

لیک آں از خلق پنہاں می شود	بوستاں با اورواں ہر جا رود
لیکن وہ (باغ) مخلوق سے پوشیدہ ہوتا ہے	جہاں وہ جاتا ہے باغ اس کے ساتھ جاتا ہے

یعنی باغ ان کے ہمراہ ہے جہاں وہ جاتے ہیں لیکن وہ باغ خلق سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ فرماتے ہیں کہ اے بلقیس تم اپنے اس ملک و جاہ پر ناز کر رہی ہو یہاں آ ؤ اور شاہاں و سلاطین دین یعنی اہل اللہ کے ملک کو دیکھو کہ وہ بظاہر تو دوسرے لوگوں کی طرح معلوم ہوتے ہیں اور ان میں کوئی مابہ الامتیاز نہیں ہے لیکن باطن میں وہ باغ و بہار میں ہیں۔ اور ظاہری باغ و بہار کی تو یہ حالت ہے کہ وہ ہر جگہ اپنے مالک کے ساتھ ساتھ نہیں پھرتا۔ بلکہ وہ ایک ہی جگہ رہتا ہے۔ مگر ان حضرات کے باغ و بہار کی یہ حالت ہے کہ جہاں یہ جاتے ہیں وہیں ان کے ساتھ وہ بھی جاتا ہے۔ جیسا کہ خود قرآن شریف میں ہے کہ نورا یمشی به فی الناس کہ حق تعالیٰ اس کے لئے ایک نور ایسا کر دیتے ہیں کہ وہ اس نور کو لئے ہوئے لوگوں میں پھرا کرتا ہے اور وہ نور ہی اس کا باغ و بہار ہے مگر مخلوق اس باغ کو دیکھ نہیں سکتی۔ وہ لوگوں سے پوشیدہ ہی ہوتا ہے اور ان حضرات کی یہ شان ہوتی ہے کہ۔

آب حیواں آمدہ کز من بخور	میوہا لابہ کناں از من بچر
آب حیات آیا ہوا ہے کہ مجھے پی	پھل خوشامد کرتے ہیں کہ ہمیں کھا

یعنی میوے خوشامد کرتے ہیں کہ ہم میں سے کھالو اور آب حیوان آتا ہے کہ مجھ میں سے پی لو آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ہمچو خورشید و چو بدر و چوں ہلال	طوف میکن بر فلک بے پر و بال
سورج اور چودھویں اور پہلی کے چاند کی طرح	بغیر بال و پر کے آسمان کا طواف کر

یعنی آسمان پر بے بال و پر کے خورشید اور بدر و ہلال کی طرح طواف کرو۔ مطلب یہ کہ جب یہ حالت ہے حضرات اولیاء اللہ کی تو اے بلقیس تم بھی ایسی ہی ہو جاؤ پھر تم بلا کسی ظاہری بال و پر کے آسمانوں پر عروج کرنا۔ اور ملاء اعلیٰ کی سیر کرنا۔

چوں رواں باشی رواں و پائے نہ	میخوری صد لوت ولقمہ خائے نہ
تو روح کی طرح چلے گی اور پاؤں نہیں ہے	تو سو غذائیں کھائے گی اور لقمہ چبانے والی نہیں ہے

یعنی جان کی طرح تم رواں ہوگی اور پاؤں نہ ہوں گے اور سینکڑوں غذائیں کھاؤ گی اور لقمہ چبانے والی نہ ہوگی مطلب یہ کہ ان باطنی غذاؤں اور ان تمیزوں کے لئے نہ ان پاؤں کی ضرورت ہے نہ اس طرح لقمہ چبانے کی ضرورت ہوگی اور یہ شان ہو جائے گی۔

نے نہنگ غم زند بر کشتیت	نے پدید آید ز مردن زشتیت
نہ تیری کشتی پر غم کا مگرمچھ حملہ کرے گا	نہ مرنے کی وجہ سے تیرے اوپر بدنمائی آئے گی

یعنی نہ غم کا نہنگ تمہاری کشتی پر حملہ کرے گا اور نہ مرنے سے تم کو زشتی ظاہر ہوگی۔ مطلب یہ کہ جب یہ حالت ہو جاوے گی تو تم کو حیات ابدی میسر ہو جاوے گی پھر ظاہری اسباب تم کو گزند نہ پہنچا سکیں گے۔ اور اس ظاہری موت سے تم کو کوئی نقصان نہ ہوگا۔

ہم تو شاہ و ہم تو لشکر ہم تو تخت	ہم تو نیکو بخت باشی ہم تو بخت
تو ہی شاہ ہو گی تو ہی لشکر ہوگی تو ہی تخت ہوگی	تو ہی نیک بخت ہو گی تو ہی نصیبہ ہوگی

یعنی تو ہی بادشاہ ہوگی اور تو ہی لشکر ہوگی۔ اور تو ہی تخت ہوگی اور تو ہی نیک بخت ہوگی اور بخت بھی تو ہی ہوگی۔

گر تو نیکو بختی و سلطان زفت	بخت غیر تست روزے بخت رفت
اگر تو نیک بخت ہے اور سلطان اعظم	نصیبہ تیرا غیر ہے ایک دن نصیبہ روانہ ہو جائے گا

یعنی اگر تو نیک بخت اور عظیم الشان ہی ہوگا تو (آخر) بخت تیرا غیر ہے تو ایک دن بخت چلا جائے گا۔

تو بماندی چوں گدایان بے نوا	دولت خود ہم تو باش اے مجتبیٰ
تو فقیروں کی طرح بے سروسامان رہ جائے گی	اے برگزیدہ! خود تو دولت بن جا

یعنی تو فقیروں کی طرح بے سامان رہ جاوے گا تو اے برگزیدہ تو اپنی دولت خود ہو جا۔

چوں تو باشی بخت خود اے معنوی	تو کہ بختی پس ز خود کے گم شوی
اے معنوی! جب تو خود اپنا نصیبہ ہو گی	تو پھر جبکہ تو خود نصیبہ ہے اپنے آپ سے کب گم ہوگی؟

یعنی جب تو اے معنوی اپنا بخت ہو جاوے گا تو تو کہ بخت ہوگا اپنے سے کب گم ہوگا۔

تو ز خود کے گم شوی اے خوشخصال	چونکہ عین تو ترا شد ملک و مال
اے خوشخصال! تو اپنے آپ سے کب گم ہو گی؟	جبکہ تیرا وجود خود تیرا ملک و مال بن گیا

یعنی اے خوش خصال تو اپنے سے کب گم ہو سکتا ہے جبکہ تیرا ملک و مال خود تیری ذات ہوگئی مطلب یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جو بلقیس کو دعوت اسلام فرما رہے تھے اسی میں فرماتے ہیں کہ اے بلقیس اس ظاہری ملک و مال کو چھوڑ اور باطنی دولت کو حاصل کر اس سے یہ سب ملک و مال اور سب حشم خدم خود تیرے اندر پیدا ہو جاویں گے اور پھر تجھے اس ظاہری ٹیپ ٹاپ کی ضرورت نہ رہے گی اور اس دولت ظاہری کے ہوتے ہوئے تو تو صرف نیک بخت ہے لیکن بخت اور تو ایک نہیں ہیں بلکہ بخت تجھ سے ایک مباین شے ہے لیکن اگر تو اسلام قبول کر کے دولت باطنی حاصل کرے گی تو بخت خود تیرا عین ذات ہو جاوے گا اور اب اس حالت میں تو اگر نصیب اور بخت ساتھ نہ دے اور جاتا رہے تو تو مفلس کی مفلس رہ جاوے گی۔ مگر اس حالت میں چونکہ بخت تیری عین ذات ہو جاوے گا اس لئے وہ تجھ سے علیحدہ ہو ہی نہ سکے گا۔ اور پھر بھی اس دولت کو زوال نہ ہوگا۔ آگے پھر مسجد اقصیٰ بنانے کے قصہ کا بقیہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

سلیمان علیہ السلام کا بلقیس کو دعوت دینے کا باقی قصہ اور فرمانا کہ وقت غنیمت ہے

ترجمہ وتشریح:۔ اب مولانا پھر دعوت بلقیس کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ بلقیس اٹھو۔ کیونکہ اس وقت ہدایت کی گرم بازاری ہے۔ اور ان بخیل لوگوں سے بھاگو جو اس کی سرد بازاری چاہتے ہیں دیکھو تم ابھی قبل اس کے کہ موت لچھ پکڑ یو کرتی ہوئی آئے بااختیار خود اٹھو اور اے بلقیس موت سے پہلے ہی اٹھ کر میری طرف آؤ۔ اور اصلی سلطنت اور بے دھوکہ ملک کا مشاہدہ کرو۔ اور اے بلقیس تم اٹھو اور اپنے منصب پر ناز نہ کرو ہماری جناب میں عجز و نیاز سے کام چلتا ہے۔ نہ کہ ناز سے اس لئے ناز نہ کرو بلکہ عجز اختیار کرو اور اے بلقیس تم اٹھو اور میری مخالفت نہ کرو کیونکہ میری مخالفت کرنا تقدیر الٰہی سے جنگ کرنا ہے پس تم میری مخالفت کر کے تقدیر الٰہی سے جنگ نہ کرو۔ ورنہ موت آ کر تمہارے کان کھینچے گی اور تمہاری مخالفت کے بعد موت تمہارے یوں کان کھینچے گی کہ تم یوں مرتے کھچتے آؤ گے جیسے چور کوتوال کے پاس۔ دیکھو تم کب تک ان گدھوں اہل دنیا کی جوتیاں چراتے رہو گے اور ان کے فوائد حسیہ سے متمتع ہوتی رہو گی اگر چرانا ہی ہے اور تمتع ہی مقصود ہے تو لعل چراؤ اور کمالات باطنیہ سے متمتع ہو۔ دیکھو تمہاری بہنوں نے ہمیشہ رہنے والی سلطنت حاصل کی ہے اور تم ایسی حکومت ناقص کو اختیار کئے ہوئے ہو۔ اری بڑی مبارک ہے وہ جان جو اس حکومت سے علیحدگی اختیار کر لے۔ کیونکہ موت اس سلطنت کو تباہ کر دینے والی ہے اور اسکے پاس اور اس کے سوا کوئی اور سرمایہ ہے نہیں تو لامحالہ وہ مفلس وقلاش ہو جاوے گی اور جبکہ اس نے ابتداء ہی اس ملک کو چھوڑ دیا اور سرمایہ ابدی حاصل کر لیا تو وہ ہمیشہ کے لئے اس افلاس سے مامون ہو جاوے گی اچھا بلقیس اٹھو اور آ کر دیکھو کہ اصلی بادشاہوں اور دین کے سلاطین کی حکومت کیسی پر لطف ہے۔ یہ لوگ باطن میں چمن میں بیٹھے ہوئے

مسرور و شاد ہیں اور بظاہر دوستوں کے درمیان معمولی افراد معلوم ہوتے ہیں اور ان کا باغ اور باغوں کی طرح نہیں کہ وہ جدا ہو سکے۔ بلکہ ان کا باغ جہاں یہ جاتی ہیں ان کے ساتھ ہوتا ہے مگر وہ باغ عام مخلوق سے پوشیدہ ہے اس لئے وہ اس کے منکر ہیں نیز ان کے باغ اور دوسروں کے باغ میں ایک یہ فرق ہے کہ اور لوگ اپنے باغ میں میووں وغیرہ کے طالب ہوتے ہیں تب وہ ان کے ہاتھ آتے ہیں اور ان کے باغ کی یہ حالت ہے کہ میوے خود خوشامد کرتے ہیں کہ ہمیں کھاؤ۔ اور آب حیات کہتا ہے کہ مجھے پیو یعنی مواہب و عطایائے الٰہی ان پر بے طلب فائض ہوتے ہیں پس گویا کہ وہ ان کی خوشامد کرتے ہیں۔ ہاں اے بلقیس تم اس حکومت کو اختیار کرو اور پھر بدوں متعارف پروں اور بازوؤں کے آفتاب اور بدر و ہلال کی طرح آسمان پر گھومو اور اس وقت تمہاری سیر ایسی ہوگی جیسے جان کی اور پاؤں نہ ہوں گے اور تمہیں سینکڑوں قسم کی غذائیں ملیں گی اور تم انہیں کھاؤ گی مگر منہ نہ ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ تمہاری سیر روحانی ہوگی جس میں پاؤں درکار نہ ہوں گے اور غذا معنوی ہوگی جس کے لئے منہ کی ضرورت نہ ہوگی اور اس وقت غم کا ناکا تمہاری کشتی سے نہ ٹکرائے گا اور نہ موت سے تمہاری برائی ظاہر ہوگی یعنی تم کو کوئی غم نہ ہوگا۔ اور چونکہ تم برائیوں سے پاک ہو جاؤ گی خواہ عدم اکتساب خطیات کے سبب خواہ مغفرت خداوندی کے باعث اس لئے تمہاری برائی موت سے ظاہر نہ ہوگی اور اس وقت خود تم ہی بادشاہ ہوگی اور خود ہی لشکر اور خود ہی تخت اور خود ہی خوش اقبال ہوگی اور خود ہی خوش اقبالی۔ یعنی اس وقت تم کو کسی چیز کی پرواہ نہ ہوگی بلکہ صرف اپنی ذات سے تعلق ہوگا اور خوش اقبالی تمہارے لئے لازم غیر منفک اور بمنزلہ عین کے ہوگی۔ اور یہ اعلیٰ درجہ کی خوش اقبالی ہے کیونکہ اگر تم دنیا کے لحاظ سے خوش اقبال اور عظیم الشان بادشاہ ہو تو اس وقت خوش اقبالی تمہارے لئے لازم نہ ہوگی اس لئے کہ وہ ایک وقت میں جدا ہو جاوے گی۔ اور تم فقیروں کی طرح بے سروسامان رہ جاؤ گی پس تم کو چاہئے کہ اپنی دولت خود بنو اور جبکہ اپنی خوش اقبالی خود تم ہو جاؤ گی تو اس وقت چونکہ تم خود خوش اقبالی ہوگئی ہو اس لئے بدبخت نہیں ہو سکتیں کیونکہ خود اپنے سے گم نہیں ہو سکتیں اور جبکہ اپنا ملک و مال خود آپ ہو جاؤ گی تو تم کبھی مفلس نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ خود اپنے سے گم نہیں ہو سکتیں۔

شرح شبیری

مسجد اقصےٰ کو حق تعالیٰ کی وحی کی تعلیم کے مطابق سلیمان علیہ السلام کے عمارت کرنے کے قصہ کا بقیہ اور عمارت میں دیو و پری کا اور فرشتوں کا مدد کرنا

بعد ازاں آمد ندا از پیش تخت	بر سلیماں آں نبی نیک بخت
اس کے بعد تخت کے سامنے سے آواز آئی	ان نیک بخت نبیؑ سلیمانؑ کے پاس

یعنی اس کے بعد تخت کے آگے سے ان سلیمان علیہ السلام نبی نیک بخت پر آواز آئی یعنی کہ ان کے پاس وحی آئی کہ۔

لشکر بلقیس آمد در نماز	کائے سلیمان مسجد اقصےٰ بساز
بلقیس کا لشکر نماز کا عادی ہو گیا ہے	اے سلیمان! مسجد اقصیٰ بنا

یعنی کہ اے سلیمان (علیہ السلام) مسجد اقصےٰ بناؤ۔ (کیونکہ) بلقیس کا لشکر نماز میں آیا۔ مطلب یہ کہ یہ وحی آئی کہ اے سلیمان (علیہ السلام) اب چونکہ بلقیس کا لشکر مسلمان ہو کر آ رہا ہے تو اب مسجد اقصےٰ کی ضرورت ہوگی۔ اس کو بنالو۔

جن و انس آمد بدن در کار داد	چونکہ او بنیاد آں مسجد نہاد
جن و انس آ گئے (اور) کام میں لگ گئے	جب انہوں نے اس مسجد کی نیو رکھی

یعنی جب انہوں نے اس مسجد کی بنیاد رکھی تو جن اور انسان آئے اور بدن کام میں دیا مطلب یہ کہ آدمی اور جنات سب کام میں لگ گئے اور مسجد بنانے میں مشغول ہو گئے۔

ہمچناں کہ در رہ طاعت عباد	یک گروہ از عشق وقومے بیمراد
جس طرح کہ لوگ راہ عبادت میں	ایک گروہ عشق کے ساتھ اور کچھ لوگ بادل ناخواستہ

یعنی ایک گروہ تو عشق کی وجہ سے اور ایک قوم بلا (اپنے) قصد کے جیسا کہ راہ طاعت میں بندے ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ جو لوگ کہ مسجد اقصےٰ بنا رہے تھے ان میں سے کچھ تو ایسے تھے جو اپنی خوشی سے اور رغبت سے کام کر رہے تھے کہ ثواب سمجھتے تھے۔ اور بہت سے سرکش اور نافرمان جنات اور دیو ایسے تھے کہ زبردستی کام میں لگا دیئے گئے تھے۔ لہٰذا کام کر رہے تھے جس طرح کہ طاعت حق میں بہت سے لوگ تو ایسے ہیں کہ خوشی و رغبت سے طاعت کرتے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں کہ ان کو کام میں لگا دیا گیا ہے اور حکم تکوینی ان کے لئے ہے بس وہ اس کی وجہ سے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ آگے اسی حکم تکوینی کی وجہ سے کام میں لگے رہنے کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

میکشد شاں سوئے دکان وغلہ	خلق دیوانند و شہوت سلسلہ
وہ ان کو دکان اور آمدنی کی طرف کھینچتی ہے	لوگ دیو ہیں اور خواہش نفسانی زنجیر ہے

یعنی مخلوق دیو ہیں اور شہوت زنجیر ہے کہ ان کو دکان اور غلہ کی طرف کھینچتی ہے۔ مطلب یہ کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں جیسے شیاطین متمردین ہوتے ہیں کہ ان کو پکڑ کر اور زنجیر میں باندھ کر کام میں لگا دیا جاتا ہے تو وہ کام میں لگ جاتے ہیں اسی طرح بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ حق تعالیٰ نے خواہشات نفسانیہ کو ان کے لئے زنجیر پا بنا رکھا ہے کہ جب وہ خواہش ہوتی ہے تو مجبوراً وہ اس کام میں لگ جاتے ہیں کوئی تجارت کا کام کر رہا ہے۔ کوئی کھیتی باڑی کر رہا ہے غرضکہ ہر شخص اپنے اپنے کام میں مشغول ہے آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

تو مبیں ایں خلق را بے سلسلہ	ہست ایں زنجیر از خوف دولہ
تو ان لوگوں کو بلا زنجیر نہ سمجھ	یہ زنجیر ڈر اور عشق کی ہے

یعنی یہ زنجیر خوف اور شوق کی ہے تو اس مخلوق کو بے زنجیر کے مت جان۔

نیستند این خلق بے بند نہاں	ہست ایں بند و کمند آں خوف شاں
یہ لوگ پوشیدہ بند کے بغیر نہیں ہیں	یہ پھندہ اور کمند ان کا وہ خوف ہے

یعنی یہ بند اور کمند ان کا خوف ہے اور یہ مخلوق بے قید پوشیدہ کے نہیں ہے (اور اس قید کا یہ حال ہے کہ)

می کشاندشاں سوئے کان و بحار	می کشاندشان سوئے کسب و شکار
وہ ان کو کانوں اور سمندروں کی جانب کھینچتا ہے	وہ ان کو کمائی اور شکار کی جانب کھینچتا ہے

یعنی ان کو کسب و شکار کی طرف کھینچتی ہے اور کانوں کی طرف اور دریاؤں کی طرف کھینچتی ہے۔

گفت حق فی جیدہا حبل المسد	می کشاندشان بسوئے نیک و بد
اللہ نے فرمایا ہے اس کے گلے میں رنج کی رسی ہے	وہ ان کو نیک و بد کی طرف کھینچتا ہے

یعنی ان کو برے بھلے کی طرف کھینچتی ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کی گردن میں رسی ہے لیف خرما کی۔ (جس کا مطلب یہ ہے کہ)

واتخذنا الحبل من اخلاقهم	قد جعلنا الحبل فی اعناقهم
اور ہم نے رسی ان کے اخلاق سے بنائی ہے	بیشک ہم نے ان کی گردنوں میں رسی ڈال دی ہے

یعنی ہم نے رسیاں ان کی گردنوں میں ڈال رکھی ہیں اور رسیوں کو ان کے اخلاق سے بنایا ہے۔

قط الاطائره فی عنقه	لیس من مستقذر و مستنقه
ہرگز مگر اس کا اعمالنامہ اس کی گردن میں ہے	نہیں ہے کوئی بھی گنہگار (یا) پاک

یعنی کوئی برا کام کرنے والا اور بھلا کرنے والا ہرگز نہیں ہے۔ مگر اس کا نامہ اعمال اس کی گردن میں ہے مطلب یہ ہے کہ ہر ہر شخص ایک ایک زنجیر میں قید ہے کہ وہ زنجیر کشاں کشاں اس کو اسی کام کی طرف لے جاتی ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اب بعض لوگوں کے لئے تو وہ زنجیر شوق ہے اور ان کو ایک شے کا شوق ہو جاتا ہے اس شوق کی وجہ سے اس کام کو کرتے ہیں اور بعض لوگوں کو کوئی خوف وغیرہ ہوتا ہے۔ اس خوف کی وجہ سے وہ کام کرتے ہیں غرضکہ کوئی شوق میں قید ہے اور کوئی خوف میں ہر شخص ایک قید پوشیدہ میں ہے۔ کہ اس سے نکل نہیں سکتا۔ اب وہ قید کسی کو کمائی کی طرف لے جا رہی ہے تو وہ اس میں لگا ہے کوئی شکار ہی میں مشغول ہے۔ کوئی معادن سے معدنیات کی تلاش میں ہے اور کوئی دریا سے موتیوں کو ڈھونڈ رہا ہے۔ غرضکہ ہر شخص نیک و بد کی طرف کھنچا چلا آ رہا ہے خود ارشاد حق ہے فی جیدھا حبل من مسد اگرچہ قرآن شریف میں خاص قصہ ہے لیکن مولانا اس کو اس پر مطابق فرماتے ہیں کہ سب ہی کی گردن میں رسی ہے اور وہ رسی ان کے اخلاق ہی سے بنی

ہے۔ اگر اخلاق حسنہ ہیں تو وہ رسی بھی اچھی ہے اور اس کے کام بھی نیک ہوتے ہیں۔ اور اگر اخلاق برے ہیں تو اس پر ویسا ہی ثمرہ مرتب ہوتا ہے اور لیس من مستقذر الخ میں ایک قاعدہ کلیہ بتاتے ہیں کہ جو کوئی ہے خواہ نیکوکار ہو یا بدکار ہو ہر شخص کے نامۂ اعمال اس کی ساتھ ہے وہ جیسا بھی ہے اس کے افعال ویسے ہی ہوتے ہیں جس سے اس کی حالت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ آگے اس کی کیفیت بیان فرماتے ہیں کہ۔

حرص تو درکار بد چوں آتش است	اخگر از رنگ خوش آتش خوش است
برے کام میں تیری حرص آگ جیسی ہے	انگارا آگ کے خوشنما رنگ کی وجہ سے حسین ہے

یعنی تمہاری حرص برے کاموں میں آگ کی طرح ہے اور چنگاری آگ کے عمدہ رنگ کی وجہ سے خوبصورت معلوم ہوتی ہے۔

آں سیاہی فحم در آتش نہاں	چونکہ آتش شد سیاہی شد عیاں
کوئلے کی کالک آگ میں پوشیدہ ہے	جب آگ ختم ہوئی کالک کھل گئی

یعنی وہ کوئلہ کی سیاہی آگ میں پوشیدہ ہوتی ہے جبکہ آگ جاتی رہی تو سیاہی ظاہر ہو گئی۔

اخگر از حرص تو شد فحم سیاہ	حرص چوں شد ماند آں فحم تباہ
کالا کوئلہ تیری حرص کی وجہ سے انگارا تھا	حرص جب ختم ہوئی وہ تباہ کوئلہ رہ گیا

یعنی تمہاری حرص کی وجہ سے سیاہ کوئلہ چنگاری معلوم ہونے لگا اور جب حرص جاتی رہی تو وہ کوئلہ تباہ رہ گیا۔ مطلب یہ کہ برے کاموں کی جو تم کو حرص ہوتی ہے اس کی مثال آگ جیسی ہے۔ کہ جس طرح کالا کوئلہ آگ کی وجہ سے خوشنما اور عمدہ معلوم ہونے لگتا ہے اسی طرح حرص کی وجہ سے برے کام اچھے معلوم ہونے لگتے ہیں اور انسان ان برے کاموں کی رغبت کرنے لگتا ہے۔ پھر جس طرح کہ آگ کے بجھ جانے سے وہ کوئلہ کالا کا کالا ہی رہ جاتا ہے اسی طرح جب وہ خواہش پوری ہو جاتی ہے اس وقت اس کام کی برائی نظر آتی ہے۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

آں زماں آں فحم اخگر می نمود	آں نہ حسن کار ناحرص بود
اس وقت وہ کوئلہ انگارا نظر آیا	وہ حرص کی آگ کے کارنامہ حسن نیک وجہ سے تھا

یعنی اس وقت وہ کوئلہ چنگاری معلوم ہوتا تھا تو وہ کام کی عمدگی نہ تھی وہ حرص کی آگ تھی۔

حرص کارت را بیا رائیدہ بود	حرص رفت و ماند کار تو کبود
لالچ نے تیرے کام کو آراستہ کیا تھا	حرص ختم ہو گئی اور تیرا کام بدنما ہو گیا

یعنی حرص نے تیرے کام کو سنوار رکھا تھا حرص جاتی رہی تو تیرا کام خراب رہ گیا۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ کوئلہ آگ کی وجہ سے خوش رنگ معلوم ہوتا ہے اور جب آگ بجھ جاتی ہے تو وہ کالا کا کالا رہ جاتا ہے۔ اسی طرح

حرص کی وجہ سے برا کام اچھا معلوم ہونے لگا پھر جب حرص جاتی رہی تو اس کی برائی معلوم ہوئی اس حرص نے اس کام کی صورت کو سنوار رکھا تھا وہ اس کام کا حسن ذاتی نہ تھا۔ آگے اسی کی دوسری مثال دیتے ہیں کہ۔

پختہ پندارد کسے کو ہست کول	منورہٗ را کہ بیا رایند غول
وہ شخص اس کو پختہ سمجھے گا جو احمق ہے	جس کے خوشے کو بھوت نے آراستہ کیا ہے

یعنی جس انگور کو کہ بھوت نے سنوار رکھا ہو اس کو بیوقوف آدمی پختہ جانتا ہے۔

کند گردد ز آزموں دندان او	آزمائش چوں نماید جان او
آزمائش سے اس کے دانت کھٹے ہوجاتے ہیں	جب اس کی جان آزمائش کرتی ہے

یعنی جب اس کی جان آزمائش کرتی ہے تو اس آزمائش کی وجہ سے اس کے دانت کند ہو جاتے ہیں۔ مطلب یہ کہ کچے انگور کی صورت کچھ پختہ کی سی ہوگئی تو بیوقوف آدمی اس کو پختہ سمجھنے لگا۔ یعنی جب اسے چکھا تو تمام دانت کھٹے ہو گئے اور اس کی اصلی حالت معلوم ہوگئی بس یہی حال ہے برے کاموں میں حرص کا۔ آگے اسی کی تیسری مثال ہے کہ۔

عکس غول حرص آں خود دام بود	از ہوس آں دام دانہ می نمود
حرص کے بھوت کے عکس نے اور وہ خود جال تھا	ہوس کی وجہ سے اس جال کو دانہ دکھا دیا

یعنی حرص کی وجہ سے وہ جال دانہ دکھائی دیتا تھا (حالانکہ) حرص کے بھوت کا عکس وہ خود جال تھا۔ مطلب یہ کہ حرص کی وجہ سے جال دانہ دکھائی دیتا تھا۔ اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ دانہ پڑا ہوا ہے لیکن جب حرص جاتی رہی تب ہوش آیا اور جال نظر آیا۔ آگے نصیحت فرماتے ہیں کہ۔

چوں نماند حرص ماند نغز او	حرص اندر کار دین و خیر جو
جب حرص نہیں رہتی وہ خوبصورت رہتا ہے	خیر اور دین کے کام میں حرص کو دیکھ

یعنی کار خیر میں اور دین کے کام میں حرص ڈھونڈ کہ جب حرص نہ رہے گی تو وہ خالص رہ جاوے گا۔

تاب حرص از رفت ماند تاب خیر	خیر ہا نغزند نہ از عکس غیر
حرص کی چمک اگر چلی جائے نیکی کی چمک رہتی ہے	نیک کام (خود) خوبصورت ہیں نہ کہ غیر کے عکس سے

یعنی اچھے کام خود عمدہ ہیں کسی دوسرے کے عکس سے نہیں حرص کی روشنی جاتی رہی تو اچھے کام کی روشنی باقی رہتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کار خیر میں اور کار دین میں حرص کرو تو پھر اگر حرص نے جو اس کو چمکا رکھا تھا وہ بات نہ بھی رہے تب بھی خود کار خیر ہی ایسا عمدہ اور حسین شے ہے کہ اس کی خوبی جو باقی رہے گی وہی بہت ہوگی۔ اگر دین کے کام سے وہ عمدگی جو شوق کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی زائل بھی ہو جاوے یعنی وہ شوق جاتا بھی رہے تب بھی چونکہ کار خیر خود بذات خود خیر ہے اس لئے وہ عمدہ ہی رہے گا۔ بخلاف کار دنیا کے کہ اس کی یہ حالت ہے کہ۔

تاب حرص از کار دنیا چوں برفت	فحم باشد مانده از اخگر بہ تفت
دنیا کے کام سے جب حرص کی چمک چلی جائے	ہر حرارت انگارے کی بجائے کوئلہ رہ جاتی ہے

یعنی حرص کی چمک اگر کار دنیا سے جاتی رہے تو فوراً چنگاری سے کوئلہ رہ جاوے گا۔ مطلب یہ کہ اگر دنیا کے کام سے وہ شوق اور حرص جاتا رہا تو پھر برا کا برا رہ جاوے گا۔ اس لئے کہ اس کی ذات میں تو کوئی اچھائی تھی ہی نہیں وہ عمدگی اور حسن تو اس حرص ہی کا تھا۔ آگے اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

کودکاں را حرص می آرد غرار	تا شوند از ذوق دل دامن سوار
بچوں کو حرص دھوکا دیتی ہے	یہاں تک کہ وہ دل کے ذوق سے دامن سوار بنتے ہیں

یعنی بچوں کو حرص دھوکہ دیتی ہے یہاں تک کہ وہ دل کے شوق سے دامن پر سوار ہوتے ہیں۔

چوں ز کودک رفت آں حرص بدش	بر دگر اطفال خندہ اش آیدش
جب بچہ میں سے اس کی وہ بری حرص جاتی رہی	دوسرے بچوں پر اس کو ہنسی آتی ہے

یعنی جب بچہ سے وہ اس کی حرص بد جاتی رہی تو دوسرے بچوں پر اس کو ہنسی آتی ہے۔

کہ چہ میکردم چہ میدیدم دریں	خل ز عکس حرص بنمود انگبیں
کہ میں نے کیا کیا تھا اس میں کیا سمجھا تھا؟	حرص کے پرتو سے، سرکہ شہد نظر آیا تھا

یعنی کہ میں کیا کیا کرتا تھا اور میں اس میں کیا بات دیکھا کرتا تھا حرص کے عکس کی وجہ سے سرکہ شہد معلوم ہوتا تھا۔ مطلب یہ کہ بچوں کو بچپن میں حرص ہوتی ہے گھوڑے پر چڑھنے کی اور اصل گھوڑے پر چڑھ نہیں سکتے تو کہیں اپنے دامن کو گھوڑا بنالیا کہیں لکڑیوں کو بنالیا پھر جب بڑے ہو جاتے ہیں اور دوسرے بچوں کو اس طرح کرتے دیکھتے ہیں تو ان حضرت کو اوروں پر ہنسی آتی ہے اور یہ سوچتے ہیں کہ بھلا میں یہ کام کیوں کیا کرتا تھا۔ اور اس میں کونسا نفع مجھے معلوم ہوتا تھا تو چونکہ اب وہ حرص تو جاتی رہی اس لئے اس کی برائی محسوس ہوئی ورنہ اس وقت اس حرص کی وجہ سے کچھ بھی نظر نہ آتا تھا۔ غرضکہ اہل دنیا کے کاموں میں جو رونق وغیرہ ہوتی ہے وہ تو اس شوق و حرص تک ہوتی ہے اور پھر وہی برا کا برا لیکن اللہ والوں کے کاموں میں رونق ذاتی ہوتی ہے۔ لہذا وہ زائل نہیں ہوتی۔ آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

آں بنائے انبیا بے حرص بود	زاں چناں پیوستہ رونقہا فزود
انبیاء کی تعمیر بغیر لالچ کے تھی	اسی وجہ سے ہمیشہ انکی رونقیں بڑھیں

یعنی انبیاء علیہم السلام کی وہ عمارت (چونکہ) بے حرص کے تھی اس لئے ہمیشہ اسی طرح رونقیں بڑھتی تھیں۔

اے بسا مسجد برآوردہ کرام	لیک نبود مسجد اقصاش نام
شرفاء نے بہت سی مسجدیں بنائیں	لیکن ان کا مسجد اقصیٰ نام نہ ہوا

یعنی بہت سی مسجدیں ہیں کہ بڑے بڑے لوگوں نے بنائی ہیں لیکن ان کا نام مسجد اقصےٰ نہیں ہوا مطلب یہ کہ چونکہ انبیاء اور اولیاء اللہ کے کاموں میں حرص وغیرہ کو دخل نہیں ہوتا اس لئے وہ ہمیشہ بارونق رہتے ہیں اور اہل دنیا کے کاموں میں چونکہ حرص وہوا کو دخل ہوتا ہے اس لئے ان میں وہ رونق نہیں ہوتی۔ اور اس کا مشاہدہ جس کا دل چاہے جس زمانہ میں چاہے کرلے۔ خود مولانا ہی فرماتے ہیں کہ بہت سی مسجدیں بڑے بڑے امراء نے اور بادشاہوں نے بنائیں لیکن ان کا آج کوئی نام بھی نہیں جانتا اور ایک مسجد اقصےٰ جس کو نبی علیہ السلام نے بنایا ہے کہ اس کا نام تمام عالم میں مشہور ہے۔ اور رہے گا۔ اسی طرح اس زمانہ میں دیکھ لو کہ ایک تو وہ مدارس اور مساجد ہیں جو کہ غرباء کے پیسے سے بنی ہیں وہ کس قدر مقبول ومشہور ہیں اور ایک وہ ہیں جن میں صرف امراء ہی کا روپیہ لگا ہے کہ ان میں کوئی خیر وبرکت ہی نہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

کعبہ را کش ہر زماں عزی فزود	آں ز اخلاصات ابراہیم بود
کعبہ جس کی عزت ہر وقت بڑھتی ہے	یہ (حضرت) ابراہیم کے خلوص کی وجہ سے ہے

یعنی کعبہ کی جو ہر گھڑی عزت زیادہ ہوتی ہے یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاص کی وجہ سے ہے۔

فضل آں مسجد ز خاک وسنگ نیست	لیک در بناش حرص وجنگ نیست
اس مسجد کی فضیلت مٹی اور پتھر کی وجہ سے نہیں ہے	لیکن اس کے بنانے والے میں حرص اور مقابلہ نہیں ہے

یعنی اس مسجد کی فضیلت خاک اور پتھر کی وجہ سے نہیں ہے لیکن (وجہ یہ ہے کہ) اس کے بنانے والے میں حرص ولڑائی نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ کعبہ شریف کی فضیلت اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس کی عمارت کچھ عمدہ ہے اس لئے کہ ظاہری عمارت تو اس کی بالکل سادہ ہے اور لاکھوں مسجدیں اس سے بدرجہا خوبصورت بنی ہوئی ہیں اس کی فضیلت تو صرف اس وجہ سے ہے کہ اس کے بانی کے اندر اخلاص ہی اخلاص تھا کوئی حرص وغیرہ نہ تھی۔ ان حضرات کی یہ شان ہوتی ہے کہ۔

نے کتب شاں چوں کتاب دیگراں	نے مساجد شان نہ کسب وخانماں
نہ ان کی کتابیں دوسروں کی کتاب کی طرح ہیں	نہ ان کی مسجدیں نہ کاروبار اور گھر

یعنی ان کی کتابیں دوسرے لوگوں کی کتابوں کی طرح نہیں ہیں اور نہ ان کی مسجدیں ویسی نہ کمائی نہ گھر بار۔

نے ادب شان نے غضب شان نے نکال	نے نعاس ونے قیاس ونے مقال
نہ ان کا ادب نہ ان کا غصہ نہ عذاب	نہ اونگھ اور نہ قیاس اور نہ مقال

یعنی نہ ان کا ادب ایسا نہ ان کا غصہ نہ ان کی سزا نہ نیند اور نہ قیاس اور نہ گفتگو مطلب یہ کہ ان کی ہر شے دوسرے لوگوں سے نرالی ہے اور جدا ہے اور اس کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔

صد ہزاراں حشمت وہم مکرمت	ہر یکے را دادہ حق در مرتبت
لاکھوں شوکتیں اور عزتیں	(ان میں سے) ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہیں رتبہ میں

یعنی حق تعالیٰ نے مرتبہ میں ہر ایک کو لاکھوں حشمتیں اور عزتیں عطا فرمائی ہیں۔

مرغ جان شان طائر از پر دگر	ہر یکے شان را یکے فر دگر
ان کی جان کا پرند دوسرے قسم کے پر سے پرواز کرتا ہے	ان میں سے ہر ایک کیلئے ایک دوسری شان ہے

یعنی ہر ایک کو ان میں سے ایک دوسری عزت ہے اور ان کا مرغ جان ایک دوسرے ہی پر سے اڑنے والا ہے۔ مطلب یہ کہ ان کا عروج ونزول سب نرالا ہے اور ہر شے کو دوسرے لوگوں کے کاموں سے امتیاز حاصل ہے چونکہ ادب کا غلبہ ہوا تو آگے فرماتے ہیں کہ۔

قبلۂ افعال ما افعال شان	دل ہمی لرزد ز ذکر حال شان
ان کے افعال ہمارے افعال کا قبلہ ہیں	ان کے حال کے ذکر سے دل لرزتا ہے

یعنی ان کے حال کے ذکر سے دل کانپتا ہے (بس یہ سمجھو کہ) ان کے افعال ہمارے افعال کے قبلہ ہیں۔ مطلب یہ کہ اس مقابلۃً بیان کرنے سے دل کانپتا ہے اور خوف معلوم ہوتا ہے کہ کہیں بے ادبی نہ ہو کہ ہم اپنے افعال اور ان کے افعال میں تناسب بیان کریں۔ حاشا وکلا بس اتنا سمجھ لو کہ ان کے افعال ہمارے افعال کے قبلہ ہیں اس سے زیادہ اور کچھ بیان کرنے میں خوف سوء ادبی ہے۔

نیم شب جان شان سحر گہ بین شد است	مرغ شاں را بیضۂ زریں بدست
ان کی جان آدھی رات میں صبح کو دیکھتی ہے	ان کے مرغ کے سونے کے انڈے ہوتے ہیں

یعنی ان کے مرغ کے بیضے سونے کے ہیں اور آدھی رات کو ان کی جان سحر دیکھنے والی ہوئی ہے۔ یعنی ان کی روح کے افعال بھی اور طرح کے ہیں جن کو اور لوگوں کے افعال سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے وہ حضرات اپنی چشم باطن سے اندھیری رات میں نور کا مشاہدہ کرتے ہیں کیونکہ یہ ظلمت ظاہری ان کے مشاہدے میں مخل نہیں ہوا آگے فرماتے ہیں کہ۔

نقص گفتم گشتہ ناقص گوئے قوم	ہر چہ گویم من بجاں نیکوئے قوم
(گویا اس) قوم کا ناقص گو بن کر ان کی برائی بیان کرتا ہوں	میں (دل و) جان سے (اس) قوم کی جو کچھ بھلائی بیان کرتا ہوں

یعنی میں قوم (انبیاء و اولیاء) کی جس قدر بھلائیاں بیان کروں گا وہ کم ہی کروں گا اور میں قوم کے لئے ناقص کہنے والا ہوں گا۔ مطلب یہ کہ میں ان حضرات کے جس قدر اوصاف بھی بیان کروں گا وہ ان کے اوصاف واقعیہ کے سامنے کم ہی ہوں گے اور میں ہمیشہ ناقص گو ہی رہوں گا۔ لہٰذا جس قدر بیان کئے ہیں یہ بھی ناقص ہی ہیں تو ان ہی پر اکتفا کرنا چاہئے آگے ایک عام خطاب فرماتے ہیں کہ:۔

19

مسجد اقصےٰ بسازید اے کرام	کہ سلیمانؑ باز آمد والسلام
اے شریفو! مسجد اقصیٰ بناؤ	کیونکہ سلیمان آ گیا ہے والسلام

یعنی اے کریمو مسجد اقصےٰ کو بناؤ کہ سلیمان علیہ السلام پھر آئے والسلام۔ مطلب یہ کہ اے لوگو تم بھی اپنی مسجد اقصےٰ یعنی دل کو درست کرو اور اس کو بناؤ کہ تمہارے زمانہ میں بھی ایک سلیمان یعنی مرشد موجود ہیں لہٰذا تم بھی ان سے اپنی مسجد اقصےٰ کو درست کرالو اور ان کی تعلیم کے موافق بنالو۔

ور ازیں دیوان و پریاں سرکشند	جملہ را املاک در چنبر کشند
اگر اس سے دیو اور پری سرکشی کریں گے	فرشتے سب کو شکنجے میں کس دینگے

یعنی اور اگر اس سے دیو و جنات سرکشی کریں تو سب کو فرشتے طوق میں کھینچیں گے مطلب یہ کہ اگر نفس اس طرف تم کو نہ آنے دے اور جنات و دیو کی طرح مسجد اقصےٰ کو بنانے سے انکار اور سرکشی کرے تو تم اس کو اس کے سپرد کرو وہ اس کو قابو میں لے آوے گا۔

دیو یکدم کژ رود از مکر و زرق	تازیانہ آیدش برسر چو برق
اگر مکاری اور فریب سے دیو کچھ کج رفتاری اختیار کرتا ہے	اس کے سر پر بجلی کی طرح کوڑا پڑتا ہے

یعنی دیو ایکدم کو مکر و فریب سے کج روی کرے تو اس کے سر پر بجلی کی طرح کوڑا آئے گا۔ مطلب یہ کہ پھر یہ حالت ہو جائے گی کہ جب ذرا نفس سرکشی کرے گا اسی وقت اس کو سزا مل جاوے گی یہاں تو یہ فرمایا تھا کہ سلیمان یعنی مرشد کے سپرد اپنے کو کر دو آگے ترقی فرماتے ہیں کہ۔

چو سلیمانؑ شو کہ تا دیوان تو	سنگ برند از پے ایوان تو
تو سلیمان بن جا تاکہ تیرے دیو	تیرے محل کے پتھر (ڈھو کر) لائیں

یعنی سلیمان علیہ السلام کی طرح ہو جاؤ تاکہ تمہارے شیاطین تمہارے محل کے لئے پتھر تراشیں۔ مطلب یہ کہ تم خود مرشد کی طرح کامل ہو جاؤ تو پھر یہ نفس و شیطان تمہارے رام ہو جاویں گے اور پھر یہی تمہارے کام آویں گے اور تہذیب میں یہ بھی مدد دیں گے۔ جیسا کہ سلیمان علیہ السلام کو مسجد بنانے میں جنات اور دیو مدد دے رہے تھے۔

چوں سلیمانؑ باش بیوسواس وریو	تاترا فرمان برد جنی و دیو
تو بے شک و شبہ سلیمان کی طرح بن جا	تاکہ جن اور دیو تیری فرمانبرداری کریں

یعنی سلیمان علیہ السلام کی طرح بے وسواس اور شک کے ہو جا تاکہ جن اور دیو سب تیری تابعداری اور فرمانبرداری کریں۔

خاتم تو ایں دل است و ہوشدار	تانگردد دیو را خاتم شکار
تیری انگوٹھی یہ دل ہے اور ہوش رکھ	تاکہ انگوٹھی دیو کا شکار نہ بنے

یعنی تمہاری انگوٹھی یہ دل ہے ہوشیار رہنا کہیں یہ انگوٹھی کسی دیو کی شکار نہ بن جاوے۔

پس سلیمانی کند بر تو مدام	دیو با خاتم حذر کن والسلام
پھر تجھ پر ہمیشہ حکومت کرے	دیو انگوٹھی کے ذریعہ ' بچ والسلام

یعنی پھر دیو مع انگوٹھی کے تجھ پر ہمیشہ سلیمانی کرے ذرا بچنا رہ والسلام۔ مطلب یہ کہ اوپر فرمایا جاتا کہ سلیمانؑ کی طرح ہو جاتا کہ سب دیو و پری تیرے کہنے میں ہو جاویں اور سب تیری تابعداری کریں۔ آگے بر بناء مشہور فرماتے ہیں کہ دیکھو جس طرح سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ایک دیو نے لے لی تھی اور وہ سلیمان بن بیٹھا تھا اسی طرح کہیں اس نفس و شیطان کا قابو تمہارے دل پر جو کہ اس انگوٹھی کی طرح ہے نہ چل جاوے۔ اور پھر یہ تم پر قابو یافتہ ہو جاوے۔ لہٰذا ذرا بچتے ہی رہنا والسلام اور یہ ضروری نہیں ہے کہ مولانا اس انگوٹھی کے قصہ کو صحیح ہی مانتے ہوں غالب ہے کہ قصہ کو تو غلط ہی مانتے ہیں مگر بر بناء مشہور فرما دیا ہے اور اوپر دل کو تشبیہ مسجد اقصیٰ سے دی تھی اور یہاں خاتم سے تشبیہ دی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے دونوں سے تشبیہ ہو سکتی ہے غرضکہ ان نفس و شیطان کو مرشد کے ذریعہ سے قابو میں لا کر خود ان پر حاکم بنو۔ اور ان کے مکائد سے بچتے رہو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

آں سلیمانی دلا منسوخ نیست	در سر سرت سلیمانی کنے است
اے دل! وہ سلیمانی ختم نہیں ہوئی ہے	تیرے باطن اور سر میں سلیمانی کرنے والا ہے

یعنی اے دل وہ سلیمانی منسوخ نہیں ہے بلکہ تیرے اندر ایک سلیمانی کرنے والا موجود ہے۔ مطلب یہ کہ خود تمہارے ہی اندر ایک ایسی شے ہے کہ وہ مثل سلیمان کے ہے یعنی روح کہ وہ اس نفس کے سامنے ایسی ہی ہے جیسے کہ سلیمان دیو کے مقابلہ میں۔ لہٰذا اس سے کام لو اور مرشد کامل کو تلاش کرو آگے شیوخ مزورین سے بچاتے ہیں کہ۔

دیو ہم وقتے سلیمانی کند	لیک ہر جولاہہ اطلس تند
دیو بھی ایک وقت سلیمانی کرتا ہے	لیکن ہر جولاہہ اطلس کب بن سکتا ہے؟

یعنی دیو بھی ایک وقت سلیمانی کرتا ہے لیکن ہر جولاہا اطلس کب بنتا ہے۔

دست جنباند چو دست او و لیک	در میاں ہر دوشان فرقے ست نیک
وہ اس کی طرح ہاتھ چلاتا ہے لیکن	ان دونوں میں بہت فرق ہے

یعنی وہ اسی کی طرح ہاتھ ہلاتا ہے لیکن دونوں کے درمیان میں ایک بہت بڑا فرق ہے۔ مطلب یہ کہ بعض مرتبہ دھوکہ باز پیر بھی مرشدی کرنے لگتے ہیں۔ لیکن ان کے دھوکہ میں مت آجانا اس لئے کہ دیکھو ایک جولاہہ اطلس بنتا ہے اور ایک گاڑھا بنتا ہے۔ دونوں کے ہاتھ یکساں ہی چلتے ہیں مگر ایک نے بنا اطلس اور ایک نے بنا گاڑھا۔ کتنا بڑا فرق ہے بس اسی طرح ایک جھوٹا ہے اور ایک سچا ان میں بھی ایک فرق عظیم ہے لہٰذا جھوٹوں اور مکاروں سے بچنا ضروری ہے اور اس کی پہچان اپنے مقامات پر موجود ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

در بیان این حدیث معنوی	یک حکایت بشنو اندر مثنوی
اس باطنی بات کے بیان میں	مثنوی میں ایک حکایت سن لے

یعنی اس باطنی بات کے بیان میں ایک حکایت مثنوی میں سنو۔ مطلب یہ کہ ہم نے جو اوپر کہا ہے کہ شیوخ مزورین و شیوخ صادقین میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے مزورین سے بچو اور صادقین کو تلاش کرو اس کے بیان میں ایک حکایت دو وزیروں کی لاتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شاعر ایک بادشاہ کے یہاں قصیدہ لکھ کر لے گیا اور سنایا تو بادشاہ نے اپنے وزیر حسن نامی سے کہا کہ اس کو ایک ہزار اشرفیاں دے دو تو وزیر حسن نے کہا کہ حضور یہ تو بہت کم ہیں کم از کم دس ہزار اشرفیاں تو دیجئے غرضکہ اس کو دس ہزار اشرفیاں دیدیں۔ جب وہ خرچ ہو چکیں تو وہ شاعر پھر قصیدہ لکھ کر لایا۔ اور یہاں اس وزیر کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کی جگہ ایک دوسرا وزیر تھا اور اس کا نام بھی حسن ہی تھا۔ جب اس شاعر نے قصیدہ سنایا تو بادشاہ نے حسب معمول ایک ہزار اشرفیاں انعام دینے کا حکم دیا۔ تو یہ دوسرے وزیر صاحب بولے کہ حضور یہ تو بہت زیادہ ہے۔ اس قدر دینے کی کیا ضرورت ہے بادشاہ نے کہا کہ میں نے اس کو پہلے بھی ایک ہزار دینے کو کہا تھا اور وزیر نے دس ہزار دلوائی تھیں تو اب ایک ہزار سے کیا کم ہو۔ وزیر بولا کہ آپ اس کام کو میرے سپرد کر دیجئے میں اس کو نمٹا دوں گا۔ بادشاہ نے منظور کر لیا۔ وزیر نے اس شاعر کو اس قدر ٹلایا کہ پریشان ہو گیا۔ اور مایوس ہو گیا۔ اس وقت اس نے اس کو پچیس اشرفیاں دیدیں شاعر نے ان ہی کو غنیمت جانا اور پوچھا کہ اس کا کیا نام ہے معلوم ہوا کہ اس کا بھی نام حسن ہی ہے تو اس نے کہا کہ اس حسن میں اور اس حسن میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ تو دیکھو جس طرح وہ بھی وزیر تھا یہ بھی وزیر اس کا نام بھی حسن تھا اس کا نام بھی حسن ہی تھا مگر وہ کس قدر سخی اور فائدہ پہنچانے والا تھا اور یہ کس قدر کنجوس اور ضرر پہنچانے والا تھا۔ اسی طرح شیوخ مزورین و صادقین میں فرق ہوتا ہے خوب سمجھ لو اب حکایت سنو۔

شرح حبیبی

مسجد اقصےٰ کو حق تعالیٰ کی وحی کی تعلیم کے مطابق سلیمان علیہ السلام کے عمارت کرنیکے قصہ کے بقیہ اور عمارت میں دیو و پری کا اور فرشتوں کا مدد کرنا

ترجمہ و تشریح:۔ یعنی جب سلیمان علیہ السلام دعوت بلقیس سے فارغ ہو چکے تو حق سبحانہ کی طرف سے ان کو حکم ہوا کہ آپ مسجد اقصےٰ بنایئے لشکر بلقیس عنقریب نماز کو آتا ہے۔ اس کے لئے ایک وسیع مسجد کی ضرورت ہو

گی۔ اس حکم کے سنتے ہی تعمیر مسجد کا کام شروع کر دیا گیا۔ اور جبکہ مسجد کی نیو رکھی گئی ہے تو جن و انس خدمت کے لئے حاضر تھے۔ ایک گروہ کی خدمت شوق سے تھی اور دوسرے کی بقسر و جبر۔ اور بالکل ایسی حالت تھی جیسے انسانوں کی حالت طاعت حق سبحانہ کے باب میں کہ کچھ لوگ بخوشی مطیع ہیں اور کچھ بادل ناخواستہ اور کچھ انہیں دیووں کی تخصیص نہیں بلکہ جتنی مخلوق ہے تمام مثل ان دیووں کے ہے اور خواہش ان کے لئے زنجیر ہے اور وہ زنجیر ان کو دوکان اور غلہ کی طرف کھینچتی ہے اور یہ زنجیر خوف و فریفتگی کی ہے پس اس مخلوق کو بے زنجیر نہ سمجھنا چاہئے بلکہ یوں کہئے کہ وہ بند اور کمند صرف خوف ہے اور فریفتگی کا مآل بھی خوف ہی ہے۔ کیونکہ آدمی جس چیز پر فریفتہ ہوتا ہے اس کو عدم طلب کی صورت میں فوت مطلوب کا خوف ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اسے طلب کرتا ہے خیر کچھ ہو خواہ خوف اور عشق دونوں کو زنجیر کہا جاوے یا عشق کو بھی خوف ہی کی طرف راجع کیا جاوے بہر حال مخلوق زنجیر مخفی سے خالی نہیں اور یہ مخفی زنجیر ان کو کسب اور شکار اور کانوں اور سمندروں کی طرف کھینچتی ہے اور کچھ انہیں کی تخصیص نہیں بلکہ ہر بھلائی اور برائی کی طرف یہ ہی زنجیر کھینچتی ہے اسی کو حق سبحانہ نے حبل من مسد کہا ہے چنانچہ فرمایا ہے حمالة الحطب في جيدها حبل من مسد اور حاصل اس کا یہ ہے کہ ہم نے لوگوں کی گردنوں میں رسی ڈال رکھی ہے اور اسی رسی کو ہم نے ان کے اخلاق سے بنایا ہے اور کوئی ناپاک یا پاک ایسا نہیں جس کی گردن میں یہ رسی نہ ہو۔ بلکہ سب کی گردنوں میں ہے۔ یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لوگو تمہاری حرص تمہیں برے کاموں کی طرف کھینچتی ہے اور وہ بمنزلہ آگ کے ہے اور قاعدہ ہے کہ انگارہ آگ کے عمدہ رنگ کے سبب اچھا معلوم ہوتا ہے اور کوئلہ کی سیاہی اس آگ میں چھپی ہوتی ہے اور جبکہ آگ فنا ہو جاتی ہے تو وہ سیاہی ظاہر ہو جاتی ہے۔ علی ہذا معصیت جو بمنزلہ سیاہ کوئلہ کے ہے تمہاری آتش حرص سے انگارہ کی طرح خوشنما ہو جاتی ہے اور جب قضائے وطر کے بعد حرص کا خاتمہ ہوتا ہے تو ہو فعل سیاہ کوئلہ کی طرح مکروہ نظر آنے لگتا ہے اور اس وقت جو یہ انگارے کی طرح خوشنما معلوم ہوتا تھا یہ اس فعل کی خوبی نہ تھی بلکہ آتش حرص تھی اور اس حرص نے تمہارے کام کو مزین کر رکھا تھا۔ اب حرص جاتی رہی اور تمہارا کام اپنی اصلی صورت پر آ گیا۔ اور مکروہ معلوم ہونے لگا نیز معصیت ایک کچا پھل ہے جس کو شیطان نے اپنے جادو سے خوشنما اور پختہ ظاہر کیا ہے پس احمق لوگ اسے پختہ سمجھ جاتے ہیں۔ مگر جب وہ اسے کھاتے ہیں تو اس امتحان سے ان کے دانت کھٹے ہو جاتے ہیں۔ اور اسکی خامی ان پر ظاہر ہو جاتی ہے نیز حرص کے سبب یہ دام معصیت دانہ مرغوب معلوم ہوتا ہے اور وہ حرص کے شیطان کا عکس ہے ورنہ حقیقت میں وہ جال ہے جب یہ امر معلوم ہو گیا اور مطابقۃً یا التزاماً یہ ظاہر ہو گیا کہ حرص کی یہ خاصیت ہے کہ وہ مطلوبات کو مزین کر دیتی ہے خواہ وہ فی نفسہ برے ہوں یا اچھے اور جب حرص فنا ہو جاتی ہے تو وہ زینت عارضہ جاتی رہتی ہے مگر حسن ذاتی یا قبح ذاتی قائم رہتا ہے تو تم کو چاہئے کہ دین کی اور اچھے کاموں کی حرص کرو کیونکہ جب حرص فنا ہو جاوے گی اس وقت بھی وہ اچھا ہی رہے گا کیونکہ افعال حسنہ کا حسن عکس غیر ہی سے نہیں بلکہ وہ اپنی ذات سے بھی حسن ہیں اس لئے اگر حرص کی چمک جاتی بھی رہے تو مضائقہ

نہیں۔ خود اس فعل حسن کی چمک قائم رہے گی اور برخلاف ان کے اگر دنیوی کاموں سے حرص کی روشنی جاتی رہے تو ان میں کوئی چمک نہ رہے گی۔ اور اس کی ایسی مثال ہوگی جیسے روشن انگارے میں سے آگ فنا ہو کر کوئلہ رہ جائے بچوں کو حرص دھوکہ میں ڈالتی ہے یہاں تک کہ وہ نہایت شوق سے دامن پر سوار ہوتے ہیں اور اسے گھوڑا سمجھتے ہیں مگر جب بچہ سے وہ بری حرص حصول قوت عقلیہ کے سبب زائل ہو جاتی ہے تو اسے دوسرے بچوں پر ہنسی آتی ہے اور وہ خود بھی منفعل ہوتا ہے اور دل میں سوچتا ہے کہ میں کیا حماقت کرتا تھا اور اس میں کیا خوبی دیکھتا تھا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ کچھ بھی خوبی نہ تھی۔ حرص کا کرشمہ تھا کہ اس کے عکس نے سرکہ کو شہد ظاہر کر رکھا تھا جبکہ بیان بالا سے یہ امر معلوم ہو گیا کہ سب لوگ خواہ ناپاک ہوں یا پاک پابند زنجیر حرص ہیں اور حرص دو قسم کی ہے ایک وہ حرص جو افعال دنیویہ سے متعلق اور قابل ترک و مذموم ہے اور دوسری وہ حرص جو افعال دینیہ سے متعلق اور واجب التحصیل و محمود ہے تو اب سمجھو کہ انبیا کی تعمیروں میں حرص مذموم نہ تھی اسی لئے ان میں رونقیں بڑھتی رہیں۔ دیکھو بہت سے بڑے لوگوں نے مسجدیں بنائی ہیں مگر کسی میں وہ بات نہیں جو مسجد اقصےٰ میں ہے جس کے دوسری مسجدوں میں ہونے سے ان کو مسجد اقصےٰ کہا جا سکتا اور دیکھو کعبہ کوئی عالیشان و باشان و شوکت ظاہری عمارت نہیں مگر پھر بھی اس کی عزت ہر دم ترقی پر ہے یہ کیا بات ہے صرف یہ کہ ابراہیم علیہ السلام جو اس کے بانی ہیں ان کو اس کے بنانے سے کوئی دنیوی و نفسانی غرض نہ تھی بلکہ محض رضائے حق مطلوب تھی۔ پس سلیمان علیہ السلام کی مسجد کو جو شرف حاصل ہوا ہے اس کا منشاء مٹی اور پتھر نہیں کیونکہ وہ تو اور مسجدوں میں بھی موجود ہیں بلکہ اس کا منشاء یہ ہے کہ اس کے بانی میں اغراض نفسانیہ مثلاً حرص مذموم و مخالفت مذمومہ نہ تھیں اور ہوتی کیونکر ان حضرات کی شان ہی جدا ہے اور کوئی بات ان کی عوام سے ملتی ہی نہیں۔ پھر ان میں وہ صفات کیونکر ہوں جو عوام میں ہیں دیکھو نہ ان کی کتابیں اوروں کی کتابوں کی سی ہیں نہ ان کی مسجدیں ان کی سی ہیں نہ ان کی کمائی ویسی ہے نہ خاندان ان جیسا ہے اور نہ ان کا ادب اوروں کا سا ہے۔ نہ غضب نہ سزا نہ ان کی نیند نہ ان کی عقل اور نہ ان کی گفتگو وغیرہ ان کی سی ہیں۔ نیز ایک وجہ ان کی عام مخلوق سے ممتاز ہونے کی یہ بھی ہے کہ سینکڑوں شان و شوکتیں اور سینکڑوں شرف ان کو حق سبحانہ کی طرف سے ہیں جو ان کے سوا اور کسی کو نہیں ملے۔ اور جس طرح ان کو من حیث المجموع عام مخلوق سے امتیاز ہے یوں ہی وہ آپس میں بھی ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ چنانچہ ہر ایک کی شان نرالی ہے۔ اور ہر ایک کا مرغ جان ایک نئے پر سے پرواز کرتا ہے یعنی ہر ایک کے عروج کے طرق و ذرائع جداگانہ ہیں ان کی حالت کو تفصیل وار بیان کرتے ہوئے جی ڈرتا ہے کہ مبادا لغزش ہو جاوے۔ اس لئے صرف اتنا کہتا ہوں کہ سب ہمارے پیشوا اور مقتدا ہیں ان کے افعال ہمارے افعال کا قبلہ ہیں اور ان کے مرغ جان سے سونے کے انڈے یعنی نتائج عالیہ و آثار غالیہ پیدا ہوتے ہیں اور ان کی جان اپنے نور کے سبب آدھی رات کے وقت صبح معنوی کا مشاہدہ کرتی ہے میں نے ان کے بیان احوال میں اجمال اس لئے بھی اختیار کیا ہے کہ میں جس قدر ان کے اوصاف حسنہ بیان کروں گا یہ ان کی گونہ تحقیر ہوگی اور میں ان کی تحقیر کرنے والا ہوں گا کیونکہ ان کے اوصاف تک

میری رسائی ہی نہیں۔ پس میں جو اوصاف بیان کروں گا وہ ان کے اوصاف واقعیہ علی ماہی علیہ نہ ہوں گے بلکہ ان سے گھٹے ہوں گے۔ خیر یہ مضمون استطرادی تو ہو چکا اب تم اے معترز معمار و مسجد اقصےٰ بناؤ کہ سلیمان علیہ السلام پھر تشریف لے آئے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذکر کی طرف پھر انتقال کیا ہے اس لئے عمارت مسجد اقصےٰ کا قصہ بیان کرنا چاہئے اچھا سنو۔ مسجد اقصےٰ بن رہی ہے اور دیو و پری جن وانس کام میں مصروف ہیں اور اگر کوئی دیو یا پری سرکشی کرتا ہے تو تمام سرکشی کرنے والوں کو فرشتے مقید کر دیتے ہیں اور اگر کوئی دیو مکر و فریب سے ذرا ٹیڑھا چلتا ہے تو اس کے سر پر بجلی کی طرح لت کے ساتھ تازیانہ پڑتا ہے۔ اس شان سے وہ مسجد تیار ہو رہی ہے اب مولانا پھر مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم بھی سلیمانؑ کی طرح ہو جاؤ تاکہ تمہاری دیو یعنی قوئ بہیمیہ تمہارے قصر کے لئے سنگ تراشی کریں یعنی احکام قصر دین میں تمہیں مدد دیں اور تم سلیمانؑ کی طرح وسواس و مکر سے خالی ہو جاؤ تاکہ جنات اور دیو تمہارے بھی تابع ہو جاویں۔ تمہاری انگوٹھی تمہارا دل ہے۔ اس کا بہت خیال رکھنا' ایسا نہ ہو کہ یہ انگوٹھی شیطان کے قبضہ میں پہنچ جائے اور وہ اس انگوٹھی پر قابض ہو کر تم پر حکومت کرنے لگے یاد رکھو کہ یہ سلیمانی منسوخ اور ختم نہیں ہوئی بلکہ تمہارے باطن میں ایک حکمران یعنی روح موجود ہے مگر اسباب حکومت کی ضرورت ہے۔ شاید تم کو خیال ہو کہ سلیمانی تو کوئی قابل تحصیل چیز نہیں اس لئے کہ شیطان بھی سلیمانی کرتا ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خیال تمہارا صحیح ہے اور بعض اوقات شیطان بھی سلیمانی کرتا ہے یاد رکھو کہ ہر جولاہا اطلس نہیں بنا سکتا۔ گاڑھا بننے والا جولاہا بھی اطلس بننے والے کی طرح ہاتھ ہلاتا ہے مگر دونوں میں زمین و آسمان کا تفاوت ہے یوں ہی شیطان بھی سلیمانی کرتا ہے مگر روح کی سلیمانی چیز ہی اور ہے۔ وہ سلیمانی شیطان کو کب نصیب ہو سکتی ہے۔ اس لئے سلیمانی ضرور قابل تحصیل ہے۔ یہاں ہم نے تشابہ صوری اور فرق معنوی کا بیان کیا ہے اب ہم تمہیں اس کے مناسب ایک حکایت سناتے ہیں تاکہ یہ بیان تم پر خوب واضح ہو جاوے۔

شرح شبّیری

ایک شاعر کو بادشاہ کے صلہ دینے اور وزیر حسن نامی کے اس صلہ کو زیادہ کرنے کا قصہ

شاعرے آورد شعرے پیش شاہ	بر امید خلعت و اکرام و جاہ
ایک شاعر نے شاہ کے سامنے اشعار پیش کئے	خلعت اور اعزاز اور مرتبہ کی امید پر

یعنی ایک شاعر بادشاہ کے سامنے خلعت و اکرام اور جاہ کی امید پر ایک قصیدہ لایا۔

از زر سرخ و کرامات و نثار	شاہ مکرم بود فرمودش ہزار
اشرفیوں اور عطیات اور انعام کا	شاہ صاحب کرم تھا اس کے لئے حکم دیا ایک ہزار

یعنی بادشاہ سخی تھا تو اس نے اس کے لئے ایک ہزار اشرفیاں اور انعامات کا حکم دیا۔

دہ ہزارش ہدیہ دہ تا وارود	پس وزیرش گفت کایں اندک بود
دس ہزار کا ہدیہ دیجئے تاکہ واپس ہو	وزیر نے اس سے کہا کہ یہ تھوڑا ہے

یعنی اس پر وزیر شاہ نے کہا کہ یہ تو کم ہے اس کو دس ہزار ہدیہ دیجئے تاکہ چلا جاوے۔ یعنی خوش ہو کر جاوے۔

دہ ہزارے کہ بگفتم اندک است	از چو او شاعر و از تو بحر دست
میں نے جو دس ہزار کہے تھوڑے ہیں	اس جیسے شاعر کے لئے آپ جیسے سخی سے

یعنی اس جیسے شاعر کے لئے اور تجھ جیسے بادشاہ سخی سے دس ہزار جو میں نے کہے یہ بھی تھوڑے ہیں۔

تا برآمد عشر خرمن از کفہ	قصہ گفت آں شاہ را و فلسفہ
یہاں تک کہ بچے کچھے مال میں سے خرمن کا دسواں حصہ نکال دیا	اس نے بادشاہ کو قصہ اور فلسفہ سنایا

یعنی اس نے بادشاہ سے قصہ بیان کیا اور مصلحت بتائی یہاں تک کہ بچے ہوئے اناج میں سے بھی خرمن کا عشر نکال لیا۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص بچے ہوئے اناج میں سے بھی جو کہ بالکل بیکار رہ گیا ہے عشر نکال دے تو اس کو یہ سمجھنا چاہئے کہ اس نے پورا پورا حق ادا کر دیا۔ اس لئے کہ ایسی شے میں سے بھی عشر نکال دیا تو اسی طرح اس وزیر نے اس کو جو انعام دیا وہ اس قدر دیا کہ اس کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔

خانۂ شکر و ثنا گشت آں سرش	دہ ہزارش دادہ و خلعت درخورش
اس کا دماغ شکر و ثنا کا گھر بن گیا	اس کو دس ہزار اور اس کے مناسب خلعت دی

یعنی دس ہزار (اشرفیاں) دیں اور اس کے مناسب خلعت دیا تو اس شاعر کا سر شکر و ثنا کا گھر ہو گیا۔ مطلب یہ کہ اس انعام کو لے کر وہ شاعر بہت ہی مشکور ہوا۔

شاہ را اہلیت من کہ نمود	پس تفحص کرد کایں سعی کہ بود
بادشاہ کو میری قابلیت کس نے دکھائی	پس اس نے جستجو کی کہ یہ کس کی کوشش تھی

یعنی پھر اس نے جستجو کی کہ یہ کوشش کس کی تھی اور بادشاہ کو میری اہلیت کس نے ظاہر کر دی۔

آں حسن نام و حسن خلق و ضمیر	پس بگفتندش فلان الدین وزیر
جس کا نام حسن ہے اور جس کا اخلاق اور دل اچھا ہے	لوگوں نے اس سے کہا فلاں الدین وزیر نے

یعنی لوگوں نے اس سے کہا کہ فلاں الدین جو وزیر ہے وہ حسن نامی ہے اور اچھے اخلاق والا اور اچھے دل والا ہے۔ مطلب یہ کہ لوگوں نے بتلایا کہ فلاں وزیر ہے اس نے یہ کوشش کی۔

در ثنائے او یکے شعر دراز	برنوشت وسوئے خانہ رفت باز
اس نے اس کی تعریف میں ایک لبا قصیدہ	لکھا اور گھر کو واپس ہو گیا

یعنی اس شاعر نے اس وزیر کی تعریف میں ایک لمبا چوڑا قصیدہ لکھا اور گھر کو واپس چلا گیا۔

بے زبان ولب ہماں نعمائے شاہ	مدح شہ میکرد و خلعتہائے شاہ
بادشاہ کی وہی نعمتیں بغیر زبان اور ہونٹ کے	بادشاہ اور اس کی خلعتوں کی تعریف کر رہی تھیں

یعنی وہ بادشاہ کے انعامات اور خلعتیں بے زبان ولب کے بادشاہ کی مدح کر رہی تھیں۔ مطلب یہ کہ بادشاہ نے جو انعامات کئے تھے اور خلعتیں دی تھیں وہ بزبان حال بادشاہ کی مدح وثنا کر رہی تھیں۔

بعد سالے چند بہر رزق وگشت	شاعر از فقر وعوز محتاج گشت
چند سال کے بعد رزق اور سفر کے لئے	شاعر فقر اور تنگدستی کی وجہ سے محتاج ہو گیا

یعنی بعد چند سال کے رزق اور سفر کے واسطے فقر وتنگدستی کی وجہ سے شاعر محتاج ہوا۔ مطلب یہ کہ بعد چند سال کے جب وہ سب روپیہ پیسہ اس کے پاس ختم ہو گیا تو اس کو رزق کی ضرورت ہوئی اور اس رزق کی طلب کے لئے اس کو سفر کی بھی ضرورت ہوئی۔ غرضکہ دوبارہ سفر کر کے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا جس کا قصہ آگے بیان کرتے ہیں۔

شاعر کا بعد چند سال کے اسی انعام کی امید پر پھر آنا اور بادشاہ کا اپنے قاعدہ کے مطابق ہزار دینار کا حکم دینا اور ایک نئے وزیر حسن نامی کا کہنا کہ یہ بہت زیادہ ہے اور ہمیں بہت سے خرچ درپیش ہیں اور خزانہ خالی ہے لہذا میں اس کو دسویں حصہ پر راضی کر دونگا

گفت وقت فقر وتنگی دو دست	جستجوئے آزمودہ بہتر است
اس نے سوچا دونوں ہاتھ کی تنگی اور فقر کے وقت	آزمائے ہوئے کی تلاش مناسب ہے

یعنی اس شاعر نے (دل میں) کہا کہ فقر اور دونوں ہاتھ کی تنگی کے وقت میں آزمائے ہوئے کی تلاش کرنا بہتر ہے۔ مطلب یہ کہ جب اس کے پاس کچھ نہ رہا تو اس نے سوچا کہ میاں جس کو ایک مرتبہ آزما چکے ہیں وہیں

چلنا چاہئے وہیں سے کچھ اور ملے گا اور سوچا کہ

در گہے را کاز مودم از کرم	حاجت نوراہاں جانب برم
جس دربار کو کرم میں میں آزما چکا ہوں	نئی ضرورت کو وہیں لے جاؤں

یعنی جس درگاہ کو کہ میں نے کرم میں آزمالیا ہے نئی حاجت کو بھی اسی جانب کو لے جاؤں یعنی جس دروازہ پر ایک دفعہ انعام مل چکا ہے اور جس در کو ایک مرتبہ آزما چکا ہوں اب پھر وہیں چلنا بہتر ہے۔ چونکہ یہاں اس شاعر نے یہ سوچا تھا کہ جہاں سے ایک مرتبہ مل چکا ہے اب بھی وہیں چلو اور اسی طرف متوجہ ہو تو اس سے مولانا کا ذہن دوسری طرف منتقل ہوگیا کہ بس اسی طرح چونکہ حق تعالیٰ سے انعامات و عطائیں بار بار مل چکی ہیں لہذا اب بھی اسی طرف توجہ کرتے ہیں اور ان ہی سے طلب کرتے ہیں کہ تمام عمر کا آزمایا ہوا دروازہ ہے اسی کو فرماتے ہیں۔

معنی اللہ گفت آں سیبویہ	یو لہون فی الحوائج ہم لدیہ
سیبویہ نے اللہ کے معنی بتائے ہیں	وہ ضرورتوں میں اس کی طرف رجوع کرتے ہیں

یعنی اس سیبویہ نے لفظ اللہ کے یہ معنی کہے کہ حاجتوں میں اس کی طرف ہی متوجہ ہوتے ہیں۔

گفت الہنا فی حوائجنا الیک	والتمسناہا وجدنا ہا الیک
اس نے کہا ہم ضروریات میں تیری طرف رجوع ہوئے	ان کو ہم نے تلاش کیا ان کو تیرے پاس پایا

یعنی کہ کہا کہ ہم اپنی حاجتوں میں آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور ہم نے ان حاجتوں کو تلاش کیا تو آپ کے پاس پایا۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو لفظ اللہ کی اصل سیبویہ نے الالیہ کہی ہے (اور یہ تعلیل بیان کی ہے کہ ہاء اول اور ہمزہ دوم کو حذف کردیا اور لام کو لام میں ادغام کردیا اور یا کو الف سے بدل لیا لفظ اللہ ہوگیا) اور الہ اصل میں ولہ تھا جس کے معنی ہیں سرگشتہ اور فریفتہ ہوا تو لفظ اللہ کے معنی ہوئے کہ اس کی طرف سرگشتہ اور فریفتہ ہوا تو دیکھئے حق تعالیٰ کی طرف بوجہ اس کے کہ ان سے پہلے بھی تمام عمر انعامات دیکھے ہیں ہر شخص متوجہ ہوتا ہے اور یوں کہا کرتے ہیں کہ الہنا الیک فی حوائجنا یعنی ہم اپنی حاجتوں میں آپ کی طرف راغب و متوجہ ہوئے۔

صد ہزاران عاقل اندر وقت درد	جملہ نالاں پیش آں دیاں فرد
لاکھوں عقلمند درد کے وقت	سب اس یکتا حاکم کے سامنے روتے ہیں

یعنی لاکھوں عاقل لوگ درد کے وقت میں سب کے سب اس حاکم یکتا کے آگے روتے ہیں۔

ہیچ دیوانہ فلیوے ایں کند	بر بخیلے عاجزے گدیہ تند
کوئی احمق دیوانہ یہ کرتا ہے	کہ عاجز بخیل سے بھیک مانگے

یعنی کوئی دیوانہ ایسی بیہودگی کرتا ہے کہ کسی بخیل عاجز پر سوال کو تنے۔

گر ندیدندے ہزاران بار بیش	عاقلان جاں کے کشیدندش بہ پیش
اگر ہزاروں بار پہلے نہ دیکھتے	عقلمند کب اس کے سامنے جان کو پیش کرتے؟

یعنی اگر لاکھوں بار مزید عطاء کو نہ دیکھ چکے ہوتے تو عاقل لوگ اس کے سامنے کب جان کھینچتے۔ مطلب یہ کہ دیکھو مصیبت کے وقت بڑے بڑے عقلاء و فلاسفر اسی کو پکارتے ہیں اور اسی سے التجا کرتے ہیں۔ تو اگر اس کی طرف سے عطاء نہ ہوتی اور تمام عمر اس کی طرف سے انعامات نہ ہوا کرتے بلکہ نعوذ باللہ وہ بخیل یا عاجز ہوتا تو پھر تو کوئی بیوقوف سے بیوقوف بھی کبھی اس سے التجا نہ کرتا اور کبھی اس کی طرف کوئی بھی متوجہ نہ ہوتا۔ یہ سارے عقلاء جو اس کی طرف متوجہ ہیں اس کی یہی وجہ ہے کہ پہلے لاکھوں انعامات ان پر ہو چکے ہیں لہذا جب کوئی مصیبت کا وقت ہوتا ہے سب اسی ایک واحد یکتا ہی کو پکارتے ہیں آگے ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ۔

بلکہ جملہ ماہیاں در موجہا	جملۂ پرندگان بر اوجہا
بلکہ موجوں میں عام مچھلیاں	بلندیوں پر تمام پرندے

یعنی بلکہ تمام مچھلیاں موجوں میں اور تمام اڑنے والے جانور بلندیوں میں۔

بلکہ جملہ موجہا بازی کناں	ذوق و شوقش را عیاں اندر عیاں
بلکہ کھیلتی ہوئی تمام موجیں	اس کے ذوق اور شوق کو پوری طرح ظاہر کر رہی ہیں

یعنی بلکہ تمام موجیں کھیل کرتی ہوئی اس کے ذوق و شوق کو بالکل پوری طرح ظاہر کر رہی ہیں۔

پیل و گرگ و حیدر و اشکار نیز	اژدہائے زفت و مور و مار نیز
ہاتھی اور بھیڑیا اور شیر اور شکار بھی	موٹا اژدہا چیونٹی اور سانپ بھی

یعنی ہاتھی اور بھیڑیئے اور شیر اور شکار بھی اور بڑے بھاری اژدہا اور سانپ اور چیونٹیاں بھی۔

بلکہ خاک و باد و آب و ہم شرار	مایہ زویا بند ہم دے ہم بہار
بلکہ مٹی اور ہوا اور پانی اور چنگاریاں بھی	اسی سے سرمایہ حاصل کرتے ہیں خزاں بھی بہار بھی

یعنی بلکہ خاک اور ہوا اور پانی اور آگ بھی اسی سے پونجی پاتے ہیں خزاں بھی اور بہار بھی۔

ہر دمش لابہ کند ایں آسماں	کہ فرومگزارم اے حق یک زماں
یہ آسمان ہر وقت اس کی خوشامد کرتا ہے	کہ اے خدا! مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی نہ چھوڑ

یعنی کہ یہ آسمان ہر دم اس کی خوشامد کرتا ہے کہ اے حق تعالیٰ ایک گھڑی کو مجھے چھوڑئیے نہیں۔ (اور عرض کرتا ہے کہ)

استنِ من عصمت و حفظ تو است	جملہ مطوی یمین آں دو دست
میرا ستون تیرا بچاؤ اور حفاظت ہے	سب چیزیں ان دونوں دائیں ہاتھوں میں لپٹی ہوئی ہیں

یعنی میرا ستون آپ کی حفاظت اور بچاؤ ہی ہے تمام چیزیں ان دونوں ہاتھوں کی قوت میں لپٹی ہوئی ہیں۔
یعنی تمام موجودات تحت قدرت میں ہیں جیسا کہ ظاہر و باہر ہے اور فرماتے ہیں کہ۔

ویں زمین گوید کہ دارم برقرار	ایکہ بر آبم تو کردستی سوار
یہ زمین کہتی ہے کہ مجھے برقرار رکھ	اے وہ ذات! کہ تو نے مجھے پانی پر سوار کیا ہے

یعنی اور یہ زمین کہتی ہے کہ اے وہ ذات جس نے کہ مجھے پانی پر سوار کیا ہے مجھے برقرار رکھنا۔

جملگان کیسہ ازو بردوختند	دادن حاجت ازو آموختند
سب نے تھیلی اسی سے سی ہے	ضرورت پوری کرنا اس سے سیکھا ہے

یعنی سب نے اسی سے تھیلی سی ہے اور حاجت کا دینا اسی سے سیکھا ہے یعنی دنیا میں جو ایک شے دوسرے کی حاجت روائی کرتی ہے یہ سب اسی سے سیکھا ہے کہ اس نے ان سب کو عطاء کی ہے اور پھر یہ سب اوروں کو اسی کے حکم سے نفع پہنچا رہے ہیں۔

ہر نبیٔ زوبر آوردہ برات	استعینوا منہ صبرا والصلوٰۃ
ہر نبی نے اسی سے حکم نامہ حاصل کیا ہے	کہ اس سے صبر اور نماز کے ذریعہ مدد چاہو

یعنی ہر نبی اس کے پاس سے حکم لایا ہے کہ اس سے صبر اور نماز کے ساتھ مدد چاہو۔ مطلب یہ کہ سب انبیاء یہی حکم لائے ہیں کہ حق تعالیٰ سے بذریعہ صبر و صلوٰۃ کے مدد چاہو اور اسی سے امداد و حاجت روائی کو طلب کرو۔

ہیں ازو خواہید نے از غیر او	آب دریم جو مجو در خشک جو
خبردار! اسی سے چاہو نہ کہ اس کے غیر سے	پانی سمندر میں تلاش کر خشک نہر میں تلاش نہ کر

یعنی ہاں اسی سے مانگو اس کے غیر سے مت مانگو اور پانی کو دریا میں تلاش کرو۔ خشک ندی میں مت تلاش کرو۔ یعنی اپنی حوائج کو اسی کے آگے پیش کرو دوسروں کے آگے پیش کرنا فضول ہے۔ اس لئے کہ دوسروں کے پاس رکھا ہی کیا ہے اور ان کو قدرت ہی کس شے کی ہے جو وہ دیدیں گے لہٰذا اسی سے طلب کرو جو دے بھی سکے۔ اس کے سوا اور تو سب ایسے ہیں جیسے خشک ندی ہوتی ہے کہ اگر اس میں سے کوئی پانی لینے لگے تو کیا پانی مل جاوے گا۔ اسی طرح اگر اس کے سوا کسی اور سے حوائج طلب کرو گے تو کیا وہ حاجت پوری کردیں گے ہرگز نہیں پھر طلب کرنا فضول اور حماقت ہے۔ آگے ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ۔

ور بخواہی از دگر ہم او دہد	برکف میلش سخاہم او نہد
اگر تو دوسرے سے چاہے گا وہی دے گا	اس کے میلان کی ہتھیلی پر سخاوت وہی رکھے گا

یعنی اگر کسی دوسرے سے طلب کرو گے تب بھی وہی دیں گے اس کے میلان کے ہاتھ پر سخاوت کو وہی

رکھیں گے۔ مطلب یہ کہ اگر تم نے کسی اور کے آگے ہاتھ پھیلایا بھی تب بھی تو وہی عطا کریں گے ظاہر میں یہ دینے والا ہے ورنہ اصل میں تو یہ ایک واسطہ اور ذریعہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اس ذریعہ سے تم کو دلوا دیا۔ ورنہ اصل میں عطا کرنے والے وہی ہیں تو پھر اصل ہی کی طرف رجوع کرو واسطوں کی طرف کیوں رجوع کرتے ہو۔

آنکہ معرض راز زر قاروں کند	روبدو آری بطاعت چوں کند
جو اعراض کرنے والے کو سونے سے قارون بنا دیتا ہے	اسی کی طرف رخ کر و فرمانبرداری کے ساتھ کیا کرے گا؟

یعنی وہ ذات کہ اعراض کرنے والوں کو روپیہ سے قارون کر دیتے ہیں تو اسی کی طرف طاعت کے ساتھ متوجہ ہو تو کیا کچھ کریں گے۔ مطلب یہ کہ ان کی تو وہ شان ہے کہ قاروں جیسے نافرمان اور سرکش کو بھی کس قدر مال و دولت عطا فرمائی تھی کہ جس کی انتہا نہیں ہے تو اگر تم اس کی اطاعت کرو گے اور اطاعت کے ساتھ اس طرف متوجہ ہو گے تو پھر تم کو وہ کیا کچھ نہ دے گا لیکن یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ جو مطیعین ہیں وہ تو اکثر مفلس وقلاش ہی ہوتے ہیں تو پھر یہ کہنا کہاں صحیح ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ اعتراض اس لئے واقع ہوا کہ تم نے یہ خیال کر لیا کہ جو ہم نے طلب کیا ہے اور جس وقت طلب کیا ہے اسی وقت ملے۔ تب تو ملا ورنہ نہیں یہ غلط ہے کیونکہ "او مصلحت تو از تو بہتر داند" حق تعالیٰ ہی ان مصلحتوں کو خود اچھی طرح جانتے ہیں وہ وہی کرتے ہیں جو ہمارے لئے مناسب ہوتا ہے۔ لہذا یہ سمجھنا سخت غلطی ہے اگر دولت ظاہری نہ ملی تو کیا دولت باطنی کچھ کم ہے صرف دعا ہی کا جو ثواب ہے وہی کیا کم ہے خوب سمجھ لو۔ آگے اس شاعر کے قصہ کی طرف رجوع ہے فرماتے ہیں کہ۔

بار دیگر شاعر از سودای داد	روبسوے آں شہ محسن نہاد
شاعر نے دوبارہ عطیہ کے خیال سے	اس محسن بادشاہ کی جانب رخ کیا

یعنی دوسری مرتبہ اس شاعر نے انعام کے خیال سے اس بادشاہ محسن کی طرف توجہ کی یعنی دوبارہ وہاں چلا۔

ہدیۂ شاعر چہ باشد شعر نو	پیش محسن آرد و بنہد گرو
شاعر کا ہدیہ کیا ہوتا ہے؟ نیا شعر	محسن کو پیش کرتا ہے اور گروی رکھ دیتا ہے

یعنی شاعر کا ہدیہ ہی کیا ہوتا ہے نئے شعر جن کو کہ (اپنے) محسن کے آگے لاتا ہے اور گروی رکھ دیتا ہے یعنی محسن کے پاس اس کے انعام کے بدلہ میں گروی کر دیتا ہے کہ وہ ان اشعار نو کے بدلہ میں اس کو انعام دیتا ہے غرضکہ وہ اور نئے اشعار ہدیہ میں پھر لے گیا۔

محسناں باصد عطا وُ جود و بر	زر نہادہ شاعران را منتظر
محسن سینکڑوں عطاؤں اور سخاوت اور احسان سے	سونا رکھے ہوئے شاعروں کے منتظر رہتے ہیں

یعنی سخی لوگ سینکڑوں عطاؤں اور سخاوت اور احسان سے سونے کو شاعروں کا منتظر رکھتے ہیں۔ مطلب یہ کہ

شاعر لوگ تو ہدیہ میں شعر پیش کرتے ہیں اور جو سخی ہوتے ہیں وہ ان کے لئے روپیہ رکھے رکھتے ہیں اور منتظر رہتے ہیں کہ کب کوئی شاعر آوے اور ہم ان کو انعام دیں کیونکہ

پیش شان شعرے بہ از صد تنگ شعر	خاصہ شاعر کو گہر آرد ز قعر
ان کے نزدیک ایک شعر ان کے سو تھروں سے بہتر ہوتا ہے	خصوصاً وہ شاعر جو گہرائی سے موتی نکال کر لاتا ہے

یعنی ان سخیوں کے آگے ایک شعر ابریشم کی سو تھڑیوں سے اچھا ہوتا ہے۔ خاص کر وہ شاعر جو کہ گڑھے میں سے موتی لاوے۔ مطلب یہ کہ ان سخیوں کے نزدیک ایک عمدہ شعر سینکڑوں من ابریشم سے بھی عمدہ اور برتر ہوتا ہے اور ایک شعر کے آگے وہ انعام میں بہت کچھ دے گزرتے ہیں۔ خاص کر جو شاعر دقیق مضامین بیان کرے اس کی تو اور بھی زیادہ قدر ہوتی ہے۔

آدمی اول حریص نان بود	زانکہ قوت نان ستون جان بود
انسان پہلے روٹی کا حریص ہوتا ہے	کیونکہ روٹی کی روزی جان کا ستون ہے

یعنی آدمی اول روٹی کا حریص ہوتا ہے اس لئے کہ روٹی کی غذا جان کے لئے ستون ہوتی ہے۔

سوئے کسب و سوئے غصب و صد حیل	جاں نہادہ بر کف از حرص و امل
کمائی کی جانب چھیننے اور سینکڑوں تدبیروں کی جانب	لالچ اور امید سے ہتھیلی پر جان رکھے ہوئے ہے

یعنی کمانے کی طرف اور غصب کی طرف اور سینکڑوں حیلوں کی طرف جان کو ہتھیلی پر امید و حرص کی وجہ سے رکھے ہوئے ہے۔ مطلب یہ کہ انسان اول تو یہ چاہتا ہے کہ کہیں پیٹ بھر روٹی مل جاوے۔ اس کے لئے سینکڑوں تدابیر کرتا ہے اور اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر خطرات کا مقابلہ کر کے اس کو حاصل کر لیتا ہے۔

چوں بنا در گشت مستغنی زناں	عاشق نام ست و مدح شاعراں
جب اتفاقاً روٹی سے بے نیاز ہوگیا	تو نام (آوری) اور شاعروں کی تعریف کا عاشق ہے

یعنی جب اتفاقاً روٹی سے بے فکر ہوگیا تو نام کا اور شاعروں کی مدح کا عاشق ہوتا ہے۔

تا کہ اصل و نسل او را بر دہند	در بیان فضل او ممبر نہند
تاکہ اس کی اصل و نسل کو وہ پھلدار کریں	اس کی فضیلتوں کے بیان میں منبر رکھیں

یعنی تاکہ اس کی اصل اور نسل کو پھل دیں اور اس کے فضل کے بیان میں ممبر رکھیں۔

تا کہ کروفر و زر بخشی او	ہمچو عنبر بود ہد در گفتگو
تاکہ اس کی شان و شوکت اور سخاوت	بات چیت میں عنبر کی طرح خوشبو مہکائے

یعنی تاکہ اس کی شوکت اور دبدبہ اور انعام بخشی عنبر کی طرح گفتگو میں بودے مطلب یہ کہ اول انسان مال و

دولت روٹی کپڑے کا متلاشی ہوتا ہے اور اس کو سخت سخت مصیبتیں بھر کر حاصل کر لیتا ہے۔ پھر جب یہ اس کو حاصل ہو جاتا ہے تو اس کو اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی میری تعریف کرے اور میرے باپ دادا اور اولاد کی مدح سرائی کرے تو میں اس کو انعام واکرام دوں۔ تو میری سخاوت اور امارت سب کو معلوم ہو جاوے۔ اور پھر لوگ میری خوب مدح سرائی کریں غرضکہ جب کسی کے پاس مال و دولت یا کوئی کمال ہوتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں اور اس کو دیکھیں اس لئے امراء بھی اپنی تعریف کے مشتاق ہوتے ہیں آگے اس کی وجہ اصلی بیان فرماتے ہیں کہ۔

خلق ما بر صورت خود کرد حق	وصف ما از وصف او گیرد سبق
اللہ تعالیٰ نے ہماری تخلیق اپنی صورت پر کی ہے	ہمارے اوصاف اس کے اوصاف سے سبق لیتے ہیں

یعنی حق تعالیٰ نے ہم کو اپنی صورت (صفت) پر پیدا فرمایا ہے تو ہمارے اوصاف اس کے اوصاف سے سبق لیتے ہیں۔

چونکہ آں خلاق مدح و شکر جواست	آدمی را مدح جوئے نیز خواست
چونکہ وہ خلاق شکر اور حمد کا طالب ہے	تعریف کی تلاش انسان کی بھی عادت ہے

یعنی جبکہ وہ خالق مدح اور شکر کا خواہاں ہے تو آدمی کو بھی مدح کے ڈھونڈنے کی خصلت ہے مطلب یہ ہے کہ مولانا فرماتے ہیں کہ انسان جو مدح کا خواہاں ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے اپنی صفات کا مظہر بنایا ہے اور حق تعالیٰ بندہ کی حمد و شکر کرنے سے بے حد خوش ہوتے ہیں جیسا کہ حدیث و قرآن سے جا بجا ثابت ہے اس لئے انسان بھی اپنی تعریف سن کر بوجہ مظہر حق ہونے کے خوش ہوتا ہے۔

خاصہ مرد حق کہ در فضل است چست	پر شود زاں باد چوں خیک درست
خصوصاً مرد حق جو بزرگی میں چست ہے	صحیح مشکیزہ کی طرح اس ہوا سے پر ہو جاتا ہے

یعنی خاص کر وہ مرد حق جو کہ فضل میں چست ہے وہ اس ہوا سے درست مشک کی طرح بھر جاتا ہے مطلب یہ کہ یوں تو ہر انسان اپنی مدح سرائی سے خوش ہوتا ہے مگر جو شخص کہ مرد حق ہوتا ہے وہ اس سے بہ نسبت دوسروں کے زیادہ خوش ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ تعریف صانع کی ہے میری تعریف ہے ہی نہیں۔ لہذا اس کو اس سے بہت سے فائدے ہوتے ہیں اور وہ یہ سوچ کر اوروں کی نسبت زیادہ خوش ہوتا ہے۔

ورنباشد اہل زاں باد دروغ	خیک بدریدست کے گیرد فروغ
اور اگر اہل نہ ہو اس جھوٹی ہوا سے	پھٹا ہوا مشکیزہ ہے (وہ) کب ابھار حاصل کریگا؟

یعنی اور اگر اہل نہ ہو تو اس جھوٹی ہوا سے پھٹی ہوئی مشک ہے کب فروغ پا سکتی ہے۔ مطلب یہ کہ اگر وہ شخص اہل اللہ میں سے نہیں ہے بلکہ عوام میں سے ہے تو اس کی مثال پھٹی ہوئی مشک کی سی ہے کہ جس طرح اس کو ہوا سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اور اس میں کوئی ترقی نہیں ہوتی۔ اسی طرح اس کو بھی کوئی فائدہ نہیں ہوتا آگے ایک

مضمون بیان کر کے اس کو ثابت فرماتے ہیں کہ۔

این مثل از خود نگفتم اے رفیق	سرسری مشنو چو اہلی و مفیق
اے دوست! یہ مثال میں نے اپنی طرف سے نہیں کہی ہے	اگر تو ہوشمند اور اہل ہے (اسکو) سرسری نہ سن

یعنی اے رفیق میں نے یہ مثال اپنی طرف سے نہیں دی تو تو اگر اہل ہے اور ہوش مند ہے تو اس کو سرسری طور پر مت سن۔

این پیمبر گفت چوں بشنید قدح	کہ چرا فربہ شود احمد بہ مدح
یہ بات پیغمبرؐ نے فرمائی جبکہ انہوں نے اعتراض سنا	کہ احمدؐ تعریف سے موٹے کیوں ہوئے ہیں؟

یعنی یہ بات پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی جبکہ یہ اعتراض سنا کہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مدح سے پھولتے کیوں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے جو پھٹی ہوئی اور سالم مشک کی مثال دی ہے یہ مثال اپنی طرف سے نہیں دی بلکہ جب کفار نے حضور مقبول صلے اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا تھا کہ اگر یہ نبی ہیں تو اپنی تعریف پر خوش کیوں ہوتے ہیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی مثال دی تھی یہ حدیث ممکن ہے کہ مولانا کی نظر سے کہیں گزری ہو یا کسی حدیث کی روایت بالمعنی فرمائی ہو ورنہ یہ حدیث کہیں اپنی نظر سے نہیں گزری غرضکہ مولانا کا مقصود یہ ہے کہ اہل اللہ بوجہ اس کے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مصنوع کی تعریف عین صانع کی تعریف ہے مدح سے زیادہ خوش ہوتے ہیں اور جو اہل اللہ نہیں ہیں وہ بوجہ مظہر ہونے کے خوش تو ہوتے ہیں مگر ان کو خوشی کم ہوتی ہے اس لئے کہ ان کی نظر دوسری طرف تو نہیں ہوتی۔ آگے پھر اسی شاعر کا قصہ ہے کہ

رفت شاعر سوئے آں شاہ و ببرد	شعر اندر شکر احسان کان نمرد
شاعر اس بادشاہ کی جانب چلا اور لے گیا	احسان کے شکریہ میں شعر کیونکہ وہ (احسان) نہ مرا تھا

یعنی شاعر اس بادشاہ کے پاس گیا اور احسان (سابق) کے شکریہ میں ایک قصیدہ کہہ کر لے گیا کیونکہ وہ (احسان) مرا نہ تھا۔ مطلب یہ کہ اس پہلے انعام واکرام کے شکریہ میں ایک قصیدہ کہہ کر دوبارہ پیش کرنے کے لئے لے گیا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ

محسناں مردند و احسان ہا بماند	اے خنک آں را کہ ایں مرکب براند
احسان کرنے والے مرجاتے ہیں اور احسان زندہ رہتے ہیں	قابل مبارکباد ہے وہ جس نے یہ سواری چلائی

یعنی احسان کرنے والے تو مر گئے اور احسان رہ گئے۔ اچھا ہے وہ جس نے کہ یہ (احسان کا) مرکب چلایا۔

ظالمان مردند و ماند آں ظلمہا	وائے جانے کو کند مکر و دغا
ظالم مر گئے اور وہ ظلم باقی رہ گئے	اس جان پر افسوس ہے جو مکر اور دغا کرے

یعنی ظالم لوگ تو مر گئے اور ظلم باقی رہ گئے تو اس جان پر افسوس ہے جو کہ مکر و دغا کرے۔ مطلب یہ کہ محسن

اور ظالم سب مرجاتے ہیں اور دونوں کا نام باقی رہتا ہے مگر خوش نصیب اس کے جس نے لوگوں پر احسان کئے اور اس کا نام احسان کے ساتھ باقی رہا اور نہایت بدنصیب ہے وہ جس کا نام ظلم سے باقی رہا۔ آگے اس مضمون کو حدیث سے ثابت فرماتے ہیں کہ۔

گفت پیغمبر خنک آں را کہ او	شد ز دنیا ماند ازو فعل نکو
پیغمبرؐ نے فرمایا کہ وہ شخص قابل مبارکباد ہے	جو دنیا سے گیا (اور) اس کا نیک کام باقی رہا

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ شخص اچھا ہے جو دنیا سے گزر گیا اور اس سے اچھے کام رہ گئے۔

مرد محسن لیک احسانش نمرد	نزد یزداں دین واحساں نیست خورد
احسان کرنے والا مرا لیکن اس کا احسان نہ مرا	اللہ کے نزدیک دین اور احسان معمولی چیز نہیں ہے

یعنی محسن تو مرگیا لیکن اس کا احسان نہیں مرا۔ خدائے تعالیٰ کے نزدیک دین واحسان چھوٹے نہیں ہیں۔ مطلب یہ کہ احسان کرنا خواہ قلیل ہو اور دین کی بات کرنا خواہ بظاہر چھوٹی ہی سی ہو خدا کے نزدیک بہت بڑی قدر کی چیزیں ہیں۔ ان کو حقیر جان کر ترک مت کرو۔ کہ یہ بظاہر چھوٹی ہیں مگر اجر کے اعتبار سے بہت زیادہ ہیں۔

نام نیک او ز فعل نیک داں	پس نمردست او یقیں بنگر عیاں
اس کی نیکنامی نیک کام سے سمجھ	وہ یقیناً نہیں مرا ہے اچھی طرح غور کر لے

یعنی اس (محسن) کا نام اس کام (نیک) ہی کی بدولت جانو تو خوب جان لو کہ وہ (نیک کام یعنی احسان) مرا نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو محسن کی نیک نامی اس احسان ہی کی بدولت ہے کہ آج محسن موجود نہیں ہے مگر اس کا نام ہے اور نام ہے اس احسان کی بدولت۔ لہذا معلوم ہوا کہ وہ احسان بھی باقی ہے آگے ظالم کے ظلم کے باقی رہنے کو بیان فرماتے ہیں کہ

وائے آنکو مرد و عصیانش نمرد	تانہ پنداری بمرگ او جان ببرد
اس پر افسوس ہے جو مر گیا اور اس کا گناہ نہ مرا	تو ہرگز یہ خیال نہ کر کہ مر کر وہ جان بچا لے گیا

یعنی افسوس ہے اس پر جو کہ مر گیا اور اس کے عصیان نہ مرے تم یہ ہرگز مت سمجھنا کہ وہ موت سے جان (بچا) لے گیا۔ مطلب یہ کہ جو ظالم تھا وہ مر گیا اس کے ظلم کا نام باقی ہے کہ فلاں نے یہ ظلم کیا فلاں ظلم کیا تو دیکھو اس کے وہ ظلم بھی باقی ہیں اور ان پر آثار مرتب ہو رہے ہیں اس مرجانے سے وہ چھوٹا نہیں بلکہ اور زیادہ مبتلا ہو گیا۔ غرضکہ محسن اور ظالم دونوں کا نام باقی رہتا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ احسان وظلم بھی باقی رہتا ہے تو چونکہ اس شاعر پر جو احسان ہوا تھا وہ بھی باقی تھا اس لئے یہ اس کے شکریہ میں ایک قصیدہ لکھ کر لے گیا۔ آگے اسی کا قصہ ہے فرماتے ہیں کہ۔

ایں رہا کن زانکہ شاعر برگزر	وام دارست و قوی محتاج زر
اس کو چھوڑ کیونکہ شاعر راستہ پر	مقروض ہے اور سونے کا بہت محتاج ہے

یعنی اس (احسان وظلم کے بیان) کو چھوڑ دو کہ وہ شاعر راستہ میں قرضدار اور روپیہ کا بہت محتاج ہے۔ مطلب یہ کہ اس شاعر کا قصہ جلدی سے بیان کردو اور اس کو بادشاہ تک پہنچادو۔ تاکہ اس کو روپے مل جاویں۔

برد شاعر شعر سوئے شہر یار	بر امید بخشش و احسان پار
شاعر شعر بادشاہ کے پاس لے گیا	گذشتہ سال کی بخشش اور احسان کی امید پر

یعنی شاعر بادشاہ کے پاس پارسال کے احسان وبخشش کی امید پر قصیدہ لے گیا۔

نازنیں شعرے پر از در درست	برامید و بوئے اکرام نخست
نازک اشعار عمدہ موتیوں سے پر	پہلے جیسے اکرام کی امید اور آرزو پر

یعنی ایک نازک قصیدہ جو کہ درناسفتہ سے پر تھا پہلے اکرام کی امید اور توقع پر (لے گیا)

شاہ ہم برخوئے خود گفتش ہزار	چوں چنیں بدعادت آں شہر یار
بادشاہ نے بھی اپنی عادت کے مطابق اس کے لئے ایک ہزار کا حکم دیا	کیونکہ اس بادشاہ کی یہی عادت تھی

یعنی بادشاہ نے بھی اپنی عادت کے موافق اس کو ہزار (روپیہ دینے کو) کہا چونکہ اس بادشاہ کی یہی عادت تھی۔ مطلب یہ کہ بادشاہ کی چونکہ عادت تھی کہ وہ شاعروں کو ایک ہزار روپیہ انعام دیا کرتا تھا اس لئے اس نے عادت کے موافق کہا کہ ایک ہزار روپیہ اس شاعر کو دیدو۔

لیک ایں بار آں وزیر پر ز جود	بر براق عزز دنیا رفتہ بود
لیکن اس بار وہ سخاوت سے پر وزیر	عزت کے براق پر دنیا سے روانہ ہو چکا تھا

یعنی لیکن اس مرتبہ وہ سخی وزیر عزت کے براق پر دنیا سے جا چکا تھا مطلب یہ کہ اس پہلے سخی وزیر کا انتقال ہو چکا تھا۔

بر مقام او وزیر نو رئیس	گشتہ لیکن سخت بے رحم وخسیس
اس کی جگہ پر نیا وزیر حاکم	بن گیا تھا لیکن بہت بے رحم اور کمینہ تھا

یعنی اس وزیر کی جگہ پر ایک نیا وزیر حاکم ہوا تھا لیکن نہایت بے رحم اور خسیس تھا۔ یعنی وہ وزیر سخی تو مر چکا تھا اور ایک دوسرا وزیر اس کی جگہ حاکم ہو گیا تھا۔ مگر یہ دوسرا وزیر بے حد بخیل تھا۔ لہذا اس نے یہ سن کر کہ اس شاعر کو ایک ہزار روپیہ دیدو یہ کہا کہ۔

گفت اے شہ خرجہا داریم ما	شاعرے را نبود ایں بخشش سزا
کہا اے بادشاہ! ہمیں بہت سے اخراجات درپیش ہیں	ایک شاعر کے لئے یہ بخشش مناسب نہیں ہے

یعنی بولا کہ اے بادشاہ ہم کو بہت سے خرچوں کی ضرورت ہے تو ایک شاعر کے لئے یہ بخشش لائق نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ ہم کو بہت سے اخراجات درپیش ہیں اور روپیہ کم ہے ایک شاعر کو جو کسی مصرف کا نہیں ہے اور ملکی کام

کچھ بھی نہیں کرسکتا اس قدر انعام دینا ٹھیک نہیں ہے۔

من بربع عشر ایں اے مغتنم	مرد شاعر را خوش و راضی کنم
اے مغتنم! میں اس کے چالیسویں (حصہ) پر	شاعر کو خوش اور راضی کر لوں گا

یعنی حضور میں اس انعام کے چالیسویں حصہ پر شاعر کو خوش اور راضی کر دوں گا۔ یعنی اس وزیر نے کہا کہ اس کو میرے سپرد کر دیجئے میں بجائے ایک ہزار کے اس کو کل پچیس روپیہ دیکر خوش کر دوں گا۔

خلق گفتندش کہ او از پیش دست	دہ ہزارے زیں دلاور بردہ است
لوگوں نے اس سے کہا کہ وہ پہلے	اس دلاور (بادشاہ) سے دس ہزار لے گیا ہے

یعنی لوگوں نے اس وزیر سے کہا کہ وہ شاعر پہلے ظل اللہ سے دس ہزار لے چکا ہے۔

بعد شکر کلک خائی چوں کند	بعد سلطانی گدائی چوں کند
شکر کے بعد نرکل چبانا کیسے (گوارا) کرے گا	شاہی کے بعد فقیری کیسے کرے گا؟

یعنی شکر کھانے کے بعد کلک کس طرح کھاوے۔ اور بادشاہی کے بعد گدائی کس طرح کرے۔ مطلب یہ کہ لوگوں نے اس وزیر سے کہا کہ میاں پہلے اس شاعر کو حضور سے ایک قصیدہ پر دس ہزار انعام مل چکا ہے اور اب کل پچیس روپیہ پر کس طرح خوش ہو جاوے گا۔ کیوں اس کا حق تلف کرتے ہو۔ اس کو سن کر آگے وہ وزیر کہتا ہے کہ۔

گفت بفشارم او را اندر فشار	تا شود زار و نزار از انتظار
اس نے کہا میں اس کو تنگی میں دباؤں گا	تاکہ وہ انتظار سے رونے لگے اور لاغر ہو جائے

یعنی اس وزیر نے کہا کہ میں اس کو دباؤں گا یہاں تک کہ وہ انتظار میں زار ونزار ہو جاوے گا۔

آنگہ از خاکش دہم از راہ من	دار باید ہمچو گلبرگ از چمن
تب اگر میں اس کو راستہ کی خاک بھی دوں گا	چمن سے پھول کی پتیوں کی طرح لے جائے گا

یعنی اس وقت اگر میں اس کو خاک راہ (بھی) دیدوں گا تو (وہ اس کو اس طرح) لے جاوے گا جس طرح کہ چمن سے گلبرگ کو۔ مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ میں اس کو اس قدر ٹال کر دوں گا کہ اس کے بعد اس کو جو کچھ بھی مل جاوے گا وہی غنیمت معلوم ہوگا اور کہتا ہے کہ۔

ایں بمن بگذار کاستادم دریں	گر تقاضا گر بود ہم آتشیں
یہ مجھ پر چھوڑ دے کہ میں اس معاملہ میں استاد ہوں	خواہ تقاضا کرنے والا گرم مزاج بھی ہو

یعنی (اے بادشاہ) اس امر کو میرے سپرد کر دیجئے کہ میں اس میں استاد ہوں اگرچہ تقاضا کرنے والا آتش کا پرکالا ہو۔ مطلب یہ کہ تقاضا کرنے والا خواہ کتنا ہی سخت ہو مگر میں اس کو اس قدر ہوشیاری سے ٹلاؤں گا کہ وہ بہت تھوڑے پر قانع ہو جاوے گا اور کہتا ہے کہ۔

از ثریا گر بہ پرد تا ثریٰ	نرم گردد چوں بہ بیند او مرا
اگر وہ ثریا سے ثریٰ تک پرواز کرے	جب مجھے دیکھ لے گا نرم پڑ جائے گا

یعنی اگر چہ ثریا سے ثریٰ تک اڑے وہ نرم ہو جاوے گا جب مجھے دیکھے گا۔ مطلب یہ کہ اگر چہ وہ تقاضا اس قدر تیز ہو کہ زمین سے آسماں تک اس کی تیزی پہنچتی ہو مگر جب وہ مجھے اور میری تیزی کو دیکھے گا تو میرے آگے اسے بھی نرم ہی ہونا پڑے گا۔ آگے بادشاہ جواب دیتا ہے کہ۔

گفت سلطانش بروفرماں تراست	لیک شادش کن کہ نیکو گوئی ماست
بادشاہ نے اس سے کہا جا تجھے اختیار ہے	لیکن اس کو خوش کر دینا کیونکہ وہ ہماری بھلائی بیان کرنے والا ہے

یعنی بادشاہ نے اس سے کہا کہ جا تجھے اختیار ہے لیکن اس کو خوش کر دیجیو کہ ہمارا مداح ہے۔ مطلب یہ کہ بادشاہ نے کہا کہ اچھا میں نے تجھے اختیار دیا جو تیرا دل چاہے اس کو دیدے اور جس طرح چاہے کہ مگر ہاں اس قدر اور کہتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے اس کو خوش کر دینا اس لئے کہ وہ ہمارا نام لیوا ہے۔ بددل ہو کر نہ جاوے۔ بادشاہ کی اس بات کو سن کر آپ فرماتے ہیں کہ۔

گفت او رادو صد چوں او گدا	تو بمن بگذار و فارغ شوشہا
اس نے کہا اس کو اور اس جیسے دو سو فقیروں کو	تو اے شاہ! میرے اوپر چھوڑ دے اور مطمئن ہو جا

یعنی اس وزیر نے کہا کہ اس کو اور اس جیسے دوسو اور فقیروں کو حضور میرے سپرد کر کے بے فکر ہو جایا کریں۔ یعنی اس کو اور اس جیسے لاکھوں کو آپ میرے سپرد کر کے الگ ہو جایا کیجئے۔ مطلب یہ کہ اس وزیر نے کہا کہ حضور ایسوں کو میرے سپرد فرما کر بے فکر ہو جایا کریں میں ایسے لاکھوں کو نبٹا دیا کروں گا اب چونکہ شاہی حکم تو مل ہی چکا تھا بس اب اس نے اپنی تدبیر شروع کر دی۔

بس فگندش صاحب اندر انتظار	شدز مستان و دے و آمد بہار
پھر اس کو وزیر نے انتظار میں مبتلا کر دیا	جاڑا اور موسم خزاں ختم ہوا اور موسم بہار آ گیا

یعنی پس وزیر نے اس کو انتظار میں ڈالا (یہاں تک کہ) جاڑے اور دے کا مہینہ گزر گیا۔ اور (موسم) بہار آ گئی۔ مطلب یہ کہ جب شاعر کو بھی معلوم ہو گیا کہ انعام وزیر صاحب سے ملے گا تو اس نے ان سے عرض کرنا شروع کیا۔ انہوں نے اس کو ٹلانا شروع کیا۔ کبھی کہہ دیا کل آنا وہ آیا تو مخفی ہو گئے ملتے ہی نہیں ملے بھی تو پھر ٹال دیا۔ غرضکہ کم از کم ایک ششماہی تو اسی طرح گزر گئی۔

شاعرش چندانکہ حاجت مے نمود	صاحبش در وعدہ حیلہ می فزود
شاعر جتنی بھی اس کے سامنے ضرورت پیش کرتا	وزیر اپنے وعدہ میں حیلوں کا اضافہ کر دیتا

یعنی شاعر جتنا اس سے حاجت ظاہر کرتا وزیر اس سے حیلہ میں زیادتی کرتا تھا۔ مطلب یہ کہ شاعر جتنا تقاضا

کرے اسی قدر ادھر سے وہ وزیر حیلے کرتا تھا۔

شاعر اندر انتظارش پیر شد	پس زبوں ایں غم و تدبیر شد
اس کے انتظار میں شاعر بوڑھا ہو گیا	اس غم اور تدبیر سے بہت عاجز آ گیا

یعنی شاعر اس کے انتظار میں بڈھا ہو گیا اور غم و تدبیر سے عاجز ہو گیا۔ مطلب یہ کہ انتظار کرتے کرتے ایک مدت مدید گزر گئی مگر اس بندۂ خدا نے نہ دینا تھا نہ دیا تو شاعر نے آخر ایک دن جھلا کر کہا کہ۔

گفت اگر زر نہ کہ دشنام دہی	تا رہد جانم ترا باشم رہی
اس نے کہا اگر سونا نہیں تو مجھے گالی ہی دے دے	تا کہ میری جان چھوٹے میں تیرا غلام بن جاؤں گا

یعنی اگر روپیہ نہیں تو مجھے گالی دیدے تا کہ میری جان چھوٹے میں تمہارا غلام ہوں۔ مطلب یہ کہ میاں اگر انعام دینا نہیں ہے تو یہی کہدو کہ ہم نہ دیں گے کہ تمہارے اس کہنے سے کچھ آوے ہی گا یعنی وہ الفاظ برے بھلے جو مجھے کہو گے چلو وہی مل جاویں گے تو مجھے اس انتظار کی کوفت تو نہ ہو گی مجھے اس سے چھٹکارا ہو جاوے گا۔ اور مجھ پر آپ کا بڑا احسان ہو گا۔ کہ مجھے ایک طرف کردو کہ الیاس احدی الراحتین

انتظارم کشت بارے گو برو	تا رہد ایں جان مسکین ازگرو
مجھے انتظار نے مار ڈالا اب کہہ دے کہ چلا جا	تا کہ یہ مسکین جان قید سے نجات پالے

یعنی مجھے تو انتظار نے مار ڈالا ذرا یوں ہی کہدے کہ جا تا کہ میری جان مسکین گروی ہونے سے چھوٹے۔ یعنی میں جو یہیں کا ہو رہا نہ گھر جا سکوں امید انعام میں اور نہ یہاں انعام ملے تو اس سے تو اگر انکار کردے تو جو جان ایک طرف تو ہو۔

بعد ازانش داد ربع عشر آں	ماند شاعر اندر اندیشہ گراں
اس کے بعد اس نے اس کا چالیسواں حصہ دیا	شاعر بھاری فکر میں پڑ گیا

یعنی اس کے بعد اس کو اس (انعام موعود) کا چالیسواں حصہ دیدیا تو شاعر ایک گہری سوچ میں رہ گیا (اور کہنے لگا کہ)

کانچناں نقد و چناں بسیار بود	اینکہ دیر اشگفت دستہ خار بود
کہ وہ ایسا نقد اور اتنا زیادہ تھا	یہ جو دیر میں کھلا کانٹوں کا مٹھا تھا

یعنی کہ وہ ایسا نقد اور اس قدر زیادہ تھا اور یہ کہ دیر میں کھلا ایک کانٹوں کا دستہ تھا۔ مطلب یہ کہ چونکہ امراء کے یہاں انعام وغیرہ ملازمین وغیرہ کی معرفت دلایا جاتا ہے اس لئے اس وزیر اول نے بھی اور اس نے بھی اس کو انعام دلوادیا مگر شاعر نے شاید دونوں میں سے کسی کو دیکھا نہ تھا اور لوگوں سے جن کی رسائی وہاں تک تھی تقاضے کیا کرتا ہو گا۔ اب وہ ان پچیس روپیہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ میاں پہلے تو اتنا اتنا ملا تھا اور جلدی مل گیا تھا اور اب کے جو دیر ہو رہی تھی تو میں تو سمجھتا تھا کہ اب کے اور زیادہ ملے گا۔ مگر یہاں تو کچھ بھی نہ ملا۔ آخر اس کا سبب کیا

ہے۔ یہ سن کر لوگوں نے اس سے کہا کہ۔

رفت از دنیا خدا مزدش دہاد	پس بگفتندش کہ آں دستور راد
دنیا سے چلا گیا خدا اس کو اجر دے	لوگوں نے اس سے کہا وہ عقلمند وزیر

یعنی لوگوں نے اس شاعر سے کہا کہ وہ جوانمرد یعنی دنیا سے چلا گیا خدا اس کو جزاء خیر دے۔

کم ہمی افتاد در بخشش خطا	کہ مضاعف زو ہمی شد آں عطا
عطا کے معاملہ میں اس سے غلطی نہ ہوتی تھی	کہ اس کی وجہ سے عطا دوگنی ہو جاتی تھی

یعنی اسی کی وجہ سے وہ انعام دوگنا ہوا تھا اور بخشش میں خطا کم واقع ہوتی تھی۔

او بمرد الحق ولے احساں نمرد	ایں زماں او رفت و احساں را ببرد
وہ یقینا مر گیا لیکن احسان نہیں مرا	اب وہ چلا گیا اور احسان کو (بھی) لے گیا

یعنی اس وقت وہ تو چلا گیا اور احسان کو نہیں لے گیا وہ تو ضرور مر گیا لیکن احسان نہیں مرا۔

صاحب سلاخ درویشاں رسید	رفت ازما صاحب را دور شید
فقیروں کی کھال کھینچنے والا وزیر آ گیا	ہم سے دانا اور نکو کا وزیر رخصت ہو گیا

یعنی ہمارے پاس سے بخشش والا اور نیک بخت چلا گیا اور فقیروں کی کھال کھینچنے والا آ پہنچا۔ مطلب یہ کہ لوگوں نے اس شاعر سے کہا کہ بھائی پہلے جو تو آیا تھا تو ایک وزیر پرانا بڑا سخی اور نیک بخت تھا اب اس کا تو انتقال ہو گیا مگر اس کے احسان لوگوں پر اب بھی موجود ہیں۔ وہ تو مر گیا مگر احسان نہیں مرے اور اب یہ دوسرا وزیر کنجوس آ گیا ہے اب تو جو مل جاوے غنیمت جان اور بولے کہ

تا نگیرد با تو ایں صاحب ستیز	رو بگیر ایں را و زینجا شب گریز
تاکہ یہ جھگڑالو تجھے گرفت میں نہ لے لے	جا یہ لے لے اور یہاں سے رات میں نکل جا

یعنی جا اس کو لے لے اور راتوں رات بھاگ جا تاکہ یہ وزیر تجھ سے جھگڑا نہ کرے۔

بستدیم اے بے خبر از جہدہا	ما بصد حیلت ازو ایں ہدیہ را
حاصل کی ہے اے کوششوں سے بے خبر!	ہم نے سینکڑوں تدبیروں سے یہ بخشش

یعنی ہم نے سینکڑوں حیلوں سے اس انعام کو اس سے لے لیا ہے۔ اے ہماری کوشش سے بے خبر۔ یعنی ان لوگوں نے کہا کہ میاں بڑی کوششوں سے اور کہہ سن کر تو یہ انعام بھی تجھے دلوا دیا تجھے کیا خبر کیسی کیسی مشکلوں سے وصول کیا ہے۔ بس اسی کو غنیمت سمجھ اور لے کر بھاگ جا ورنہ ممکن ہے کہ وہ تجھ سے اس کو بھی چھین لے۔

رو بدیشاں کرد و گفت اے مشفقاں	از کجا آمد بگوئید اے عواں
اس نے ان کی طرف رخ کیا اور کہا اے مشفقو!	بتاؤ یہ سپاہی کہاں سے آیا ہے؟

یعنی اس شاعر نے ان کی طرف توجہ کی اور بولا کہ یارو یہ وزیر کہاں سے آیا ہے ذرا بتاؤ تو۔

چیست نام ایں وزیر جامہ کن	قوم گفتندش کہ نامش ہم حسن
اس کپڑے اتارنے والے وزیر کا نام کیا ہے؟	لوگوں نے کہا اس کا نام بھی حسن ہے

یعنی اس کفن کھسوٹ وزیر کا نام کیا ہے کہا کہ اس کا نام بھی حسن ہی ہے۔ مطلب یہ کہ لوگوں سے اس شاعر نے پوچھا کہ میاں یہ ظالم وزیر کہاں سے آمرا اور اس کا نام کیا ہے تو لوگوں نے کہا کہ یہاں یہ اسی کا ہم نام ہے یعنی اس کا بھی نام حسن تھا اور اس کا بھی نام حسن ہی ہے تو وہ کہتا ہے کہ۔

گفت یارب نام آں و نام ایں	چوں یکے آمد دریغ اے رب دیں
اس نے کہا اے خدا! اس کا نام اور اس کا نام	ایک کیسے ہوا؟ اے دین کے رب! افسوس ہے

یعنی اس شاعر نے کہا اے اللہ اس کا نام اور اس کا نام کیونکر ایک ہو گیا ہے۔ اے اللہ افسوس ہے۔ مطلب یہ کہ اے اللہ اس کا افسوس ہے کہ اس جیسا بدبخت کنجوس اس کا ہمنام کس طرح ہو گیا۔

آں حسن نامی کہ از یک کلک او	صد وزیر و صاحب آمد جود جو
وہ حسن نام والا کہ اس کے ایک قلم (کی جنبش) سے	سو وزیر اور صاحب، طالب بخشش تھے

یعنی وہ ایک حسن نام والا (تو ایسا تھا) کہ اس کے قلم سے سینکڑوں امیر و وزیر سخاوت کے متلاشی آتے تھے۔

ایں حسن کز ریش زشت ایں حسن	می تواں بافید اے جاں صد رسن
یہ حسن کہ اس حسن کی بدنما داڑھی سے	اے جان! سو رسیاں بٹی جائیں

یعنی یہ حسن اس حسن کی بڑی داڑھی سے اے جان سینکڑوں رسیاں بن سکتی ہیں۔ مطلب یہ کہ ایک تو وہ حسن تھا کہ اس کے دست نگر سینکڑوں امیر و وزیر تھے اور ایک یہ لمڈاڑھیا حسن ہے کہ ڈاڑھی تو اس قدر لمبی کہ چاہے رسی بانٹ لو اور حرکتیں ایسی نالائق اور کہتا ہے کہ

بر چنیں صاحب چو شہ اصغا کند	شاہ و ملکش را ابد رسوا کند
ایسے وزیر (کی بات) پر جب بادشاہ کان دھرتا ہے	وہ ہمیشہ شاہ اور اس کی سلطنت کو رسوا کرتا ہے

یعنی ایسے وزیر کی جب بادشاہ سنے تو بادشاہ کو اور اس کے ملک کو ہمیشہ رسوا کرے مطلب یہ کہ اگر ایسوں کی بادشاہ سنیں گے تو کمبخت بادشاہ کو اور اس کے ملک کو سب کو بدنام کر دے گا۔ اس لئے کہ یہ کنجوسی کرے گا اور وہ منسوب ہوگی بادشاہ کی طرف۔ تو دیکھو اوپر جو مولانا نے فرمایا تھا کہ "درمیاں ہر دو شاں فرقیست نیک" وہ ثابت

ہو گیا۔ کہ دیکھو اس حسن میں اور اس حسن میں کس قدر فرق تھا حالانکہ نام دونوں کے ایک ہی تھے۔ یہاں چونکہ کہا ہے کہ نالائق وزیر کے قول پر عمل کرنے سے بادشاہ بھی بدنام ہوتے ہیں تو آگے اس وزیر کو ہامان وزیر فرعون سے اور اس بادشاہ کو فرعون سے تشبیہ دیتے ہیں کہ دیکھو جس طرح اس بادشاہ نے اس وزیر کا کہا مانا تو یہ بدنام ہوا اسی طرح فرعون نے جو ہامان کا کہا مانا تو وہ بھی خراب اور برباد ہوا۔

بادشاہ کی مروت کے فاسد کرنے میں اس وزیر کی بدرائی کا ہامان وزیر فرعون کے مشابہ ہونا

چند آں فرعون می شد نرم و رام	چوں شنیدے او ز موسیٰ آں کلام
بہت سی مرتبہ فرعون نرم اور مطیع بنا	جب وہ موسیٰ سے وہ کلام سنتا تھا

یعنی فرعون اکثر نرم اور مطیع ہو جایا کرتا تھا جبکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے اس کلام کو سنتا۔

آں کلامیکہ بدادے سنگ شیر	از خوشی آں کلام بے نظیر
وہ کلام کہ پتھر دودھ دے دیتا	اس بے نظیر کلام کی خوبی سے

یعنی وہ کلام کہ اس کلام بے نظیر کی عمدگی کی وجہ سے پتھر بھی دودھ دینے لگے۔ مطلب یہ کہ جس کلام کی یہ شان ہے کہ اس کو سن کر پتھر بھی نرم ہو جاوے اور اس میں سے بھی دودھ نکل آوے۔ یعنی کلام حق تو اس کو سن کر فرعون تو اکثر نرم ہو جاتا تھا اور ظاہر نظر میں اس کی حالت سے یوں معلوم ہوتا تھا کہ مسلمان ہو جاویگا مگر۔

چوں بہ ہاماں کہ وزیرش بود او	مشورت کردے کہ کینش بود خو
جب ہامان سے جو کہ اس کا وزیر تھا	وہ مشورہ کرتا جس کی خصلت کینہ پن تھی

یعنی جب ہامان سے جو کہ اس کا وزیر تھا اور جس کی خصلت کینہ وری تھی مشورہ کرتا۔

چوں بہ ہامان مشورت کردے دراں	مانعش گشتے مدام آں سخت جاں
جب وہ اس میں ہامان سے مشورہ کرتا	وہ سخت جان ہمیشہ اس کے لئے مانع بنا

یعنی جب اس میں ہاماں سے مشورہ کرتا تو وہ سخت جان ہمیشہ اس کو مانع ہوا کرتا (اس طرح کہ یوں کہتا کہ)

پس بگفتے تا کنوں بودی خدیو	بندہ گردی ژندہ پوشے را بریو
وہ کہتا کہ آپ اب تک شاہ مصر تھے	مکر سے ایک گدڑی پوش کے غلام بن گئے

یعنی پس اس سے کہتا کہ اب تک تو بادشاہ تھا اور (پھر) ایک کمبل پوش کا دھوکہ سے غلام ہو جاوے گا۔ یعنی اسے یوں سمجھاتا کہ میاں اب تک تو تم بادشاہ ہو اور اگر ان کی مان لو گے تو پھر یہ تم پر حاکم ہو جاویں گے اور تم تابع

ہو جاؤ گے اور تابع بھی کسی بھلے آدمی کے نہیں ایک کمبل پوش فقیر کے تابع ہو گے بڑے شرم کی بات ہے۔

آں سخن بر شیشہ خانہ اوزدے	ہمچو سنگ منجنیقے آمدے
یہ بات اور اس کے شیشہ محل پر لگتی	گوپھن کے پتھر کی طرح آتی

یعنی وہ بات ایک گوپھیہ کے پتھر کی طرح آتی اور اس فرعون کے شیشہ خانہ (دل) پر لگتی۔

سا۔ در یکدم او کردے خراب	ہر چہ صد روز آں کلیم خوش خطاب
بناتے وہ ایک دم میں اس کو برباد کر دیتا	وہ خوش کلام کلیم (اللہ) جو سو دن میں

یعنی کہ وہ حکیم خوش خطاب سو دن میں جو بناتے وہ ایک دم میں اس کو خراب کر دیتا۔ مطلب یہ کہ موسیٰ علیہ السلام جو پند و نصائح کر کے ایک مدت میں اس کو کچھ راہ پر لاتے وہ کمبخت ہامان ایک دم میں سارا بنا بنایا گھر بگاڑ دیتا۔ اس لئے کہ وہ تو یہ سمجھاتا تھا کہ ساری عزت اور جاہ برباد ہو جائے گی۔ بس اس کا تصور اس کو ان ساری باتوں سے پھیر دیتا تھا اور اس طرح اس وزیر کا کہنا ماننا فرعون کو خراب و برباد کرتا تھا۔ آگے مولانا خود انسان کے اندر ایک وزیر بتاتے ہیں کہ جس کا کہا ماننے کی وجہ سے یہ حضرت انسان بھی خراب ہو رہے ہیں فرماتے ہیں کہ۔

در وجودت رہزن راہ خداست	عقل تو مغلوب دستور ہواست
تیرے وجود میں راہ خدا کا ڈاکو ہے	تیری عقل خواہش نفسانی کے وزیر سے مغلوب ہے

یعنی تمہاری عقل وزیر خواہش نفسانی کے تابع ہو رہی ہے (اور وہی وزیر یعنی خواہش نفسانی) تیرے وجود میں راہ خدا کے رہزن ہے۔

آں سخن را او بفن طرحے نہد	ناصحے ربانئے پندت دہد
وہ اس بات کو چالاکی سے ٹال دیتی ہے	کوئی اللہ والا نصیحت کرنے والا تجھے نصیحت کرتا ہے

یعنی کوئی اللہ والا ناصح تجھے نصیحت کرتا ہے تو اس بات کو وہ وزیر (خواہش نفسانی) ایک طرف رکھ دیتا ہے۔

نیست چنداں باخود آ شیدا مشو	کایں نہ برجایست ہیں از جا مشو
یہ بات ایسی نہیں ہے ہوش میں آ دیوانہ نہ بن	کہ یہ بات باموقع نہیں ہے خبردار! جگہ سے نہ مل

یعنی کہ یہ ٹھیک نہیں ہے ہاں جگہ سے مت جا (یہ بات) اتنی نہیں ہے ہوش میں آ فریفتہ نہ ہو۔ مطلب یہ کہ تیری عقل پر خواہش نفسانی جو کہ وزیر کی طرح ہے غالب ہو رہی ہے اور اس کا غلبہ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اگر اب کوئی اللہ والا تم کو نصیحت کرتا ہے تو وہ خواہش نفسانی تم کو اس طرح بہکا دیتی ہے کہ میاں یہ بات تو ٹھیک نہیں ہے اس میں عزت و آبرو کا نقصان ہے۔ مال کا نقصان ہے اس لئے اس ناصح کی نہ سننا چاہئے اور کہتا ہے کہ یہ بات اس قدر اہم تو ہے نہیں مگر اس نے فضول بھی اس کو اس قدر اہم بنا دیا ہے لہٰذا تم کو چاہئے کہ اس کی پرواہ نہ

کرو۔ اور اپنی حالت پر قائم رہو۔ کہیں اس کے فریب میں آ کر اور اس پر شیدا ہو کر اس کی مان مت لینا۔ اس طرح تم کو بہکا کر راہ حق سے روکتا ہے۔ تو دیکھو تمہاری عقل جو بادشاہ کی طرح نفس پر حاکم ہونا چاہئے تھی وہ اس سے مغلوب ہوگئی ہے کہ اس کو بہکا کر راہ حق سے دور کر دیتی ہے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

وائے آن شہ کہ وزیرش ایں بود	جائے ہر دو دوزخ پر کیں بود
اس بادشاہ پر افسوس ہے جس کا ایسا وزیر ہو	دونوں کا مقام غضبناک دوزخ ہے

یعنی اس بادشاہ پر افسوس ہے کہ اس کا یہ وزیر ہو دونوں کی جگہ دوزخ پر کیں ہوتی ہے یعنی جس بادشاہ کا وزیر ایسا بد حواس بادشاہ کی حالت بھی قابل افسوس ہے کہ دونوں دوزخ میں جاویں گے

شاد آں شاہے کہ او را دستگیر	باشد اندر کار چوں آصف وزیر
وہ بادشاہ قابل مبارکباد ہے کہ اس کا مددگار	ہو معاملہ میں آصف جیسا وزیر

یعنی وہ بادشاہ خوش نصیب ہے کہ اس کا دستگیر کام میں آصف وزیر کی طرح ہو۔

شاہ عادل چوں قریں او شود	نام او نور علےٰ نور ایں بود
منصف بادشاہ جب اس کا ساتھی ہو	تو اس کا نام نور علیٰ نور ہو

یعنی جب اس وزیر کا ساتھی عادل بادشاہ ہو تو اس کا نام نور علیٰ نور ہو۔

چو سلیماں شاہ و چوں آصف وزیر	نور بر نورست عنبر بر عبیر
سلیمانؑ جیسا بادشاہ اور آصف جیسا وزیر	نور بالائے نورؒ عبیر پر عنبر ہے

یعنی سلیمان علیہ السلام جیسا بادشاہ ہو اور آصف جیسا وزیر ہو تو نور علیٰ نور ہے اور عنبر پر عبیر ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو سلیمان علیہ السلام تو بادشاہ عادل تھے ہی مگر چونکہ ان کے وزیر آصف رضی اللہ عنہ بھی کامل تھے ملک کا انتظام خوب ہوا اور دونوں مل کر نور علیٰ نور کے مصداق ہو گئے۔

شاہ فرعون و چو ہامانش وزیر	ہر دو را نبود زبد بختی گزیر
شاہ فرعون ہو اور ہامان جیسا اس کا وزیر	(تو) دونوں کے لئے بدبختی کے سوا چارہ نہیں ہے

یعنی فرعون تو بادشاہ اور ہامان جیسا وزیر ہو تو دونوں کو بدبختی سے چارہ نہ ہو۔

پس بود ظلمات بعضے فوق بعض	نے خرد یار و نہ دولت روز عرض
تاریکیاں ہوں گی تہ بہ تہ	قیامت کے روز نہ عقل یار ہو گی نہ دولت

یعنی پس (مصداق) ظلمات بعضها فوق بعض کے ہوں گے اور قیامت کے دن نہ عقل ساتھی ہوگی

اور نہ دولت۔ مطلب یہ کہ دیکھو اگر فرعون جیسا بادشاہ اور ہامان جیسا وزیر ہو تو پھر دونوں کے دونوں بدبخت اور مصداق ظلمات بعضھا فوق بعض کے ہوں گے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

من ندیدم جز شقاوت در لئام	گر تو دیدستی رساں از من سلام
میں نے کمینوں میں سوائے بدبختی کے کچھ نہ دیکھا	اگر تو نے دیکھا ہے تو ان کو میرا سلام پہنچا دے

یعنی میں نے تو لئیموں میں سوائے شقاوت کے دیکھا نہیں (اے مخاطب) اگر تو نے دیکھا تو میرا سلام کہہ دینا۔ مطلب یہ کہ میاں ہم نے تو لئیموں میں جن میں سے بعض کا ابھی ذکر ہوا ہے شقاوت ہی دیکھی۔ اور ان لوگوں کو شقی ہی دیکھا اور ان میں سعادت کا تو کہیں نام بھی نہ پایا اور اگر تم نے کہیں ان لئیموں میں سوائے شقاوت کے اور کچھ بھی دیکھا ہو تو ذرا اس سے ہمارا سلام بھی کہہ دینا اس کہنے سے براہ مذاق یہ بتلانا مقصود ہے کہ میاں اس کے سوا اور کوئی بات ان میں ہوتی ہی نہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہمچو جاں باشد شہ و صاحب چو عقل	عقل فاسد روح را آرد بہ نقل
شاہ بمنزلہ جان کے اور وزیر عقل جیسا ہوتا ہے	خراب عقل، روح کو نکال دیتی ہے

یعنی بادشاہ تو جان کی شکل ہوتا ہے اور وزیر عقل کی طرح تو عقل فاسد تو روح کو (صلاحیت سے) منتقل کر ہی دے گی۔ مطلب یہ کہ بادشاہ وزیر کی مثال روح اور عقل جیسی ہے۔ تو جس طرح عقل فاسد روح کو بھی خراب کر دیتی ہے اسی طرح وزیر بد بادشاہ کو بدبخت اور بدنام کر دیتا ہے اور تمہارا نفس وزیر ہے اور عقل بادشاہ کی طرح۔ تو اس وزیر بد کو بادشاہ پر غالب مت آنے دو اور اس کے کہنے پر مت چلو ورنہ پچھتاؤ گے آگے اس کی ایک نظیر بیان فرماتے ہیں کہ۔

آں فرشتہ عقل چوں ہاروت شد	سحر آموز دو صد طاغوت شد
عقل کا فرشتہ جب ہاروت بن جاتا ہے	دو سو شیطانوں کو جادو سکھانے والا ہو جاتا ہے

یعنی وہ فرشتہ عقل جب ہاروت ہو گیا تو دو سو شیطانوں کے لئے سحر سکھانے والا ہو گیا۔ مطلب یہ کہ دیکھو ہاروت ماروت جو فرشتے تھے اور عقل کی طرح پاک وصاف تھے۔ جب ان پر خواہش نفسانی غالب ہوئی تو آخر جو ان کا حشر ہوا معلوم ہے اور وہی فرشتے سحر سکھانے والے ہو گئے جو کہ صریح کفر تھا غرض جو ہوا اس خواہش نفسانی کے غلبہ ہی کی وجہ سے ہوا اور اس سے قبل بھی عرض کر دیا گیا ہے اور اب بھی عرض کیا جاتا ہے کہ ہاروت ماروت کا قصہ مولانا نے جہاں نقل کیا ہے بناءً علی المشہور نقل کیا ہے ورنہ اصل میں یہ قصہ محض غلط ہے اس کی کوئی بھی اصل نہیں جب یہ معلوم ہو گیا کہ خواہش نفسانی کے غلبہ سے یہ خرابی آتی ہے تو آگے نصیحت فرماتے ہیں کہ۔

عقل جزوی را وزیر خود مگیر	عقل کل را ساز اے سلطاں وزیر
ناقص عقل کو اپنا وزیر نہ بنا	اے شاہ! عقل کل کو اپنا وزیر بنا

یعنی اے سلطان عقل جزوی کو اپنا وزیر مت بنا۔ عقل کلی کو وزیر بناؤ۔

مر ہوا را تو وزیر خودمساز	کہ برآید جان پاکت از نماز
تو ہوا (وہوس) کو اپنا وزیر نہ بنا	کیونکہ تیری پاک جان عبادت سے خارج ہو جائے گی

یعنی خواہش نفسانی کو اپنا وزیر مت بنا۔ کہ تیری جان پاک نماز سے نکل آوے۔ مطلب یہ کہ تم عقل جزوی کے تابع مت ہو جس کا نام کہ نفس ہے۔ بلکہ عقل کل جو کہ واقعی عقل ہے اس کا کہا مانو ورنہ اگر تم خواہش نفسانی کے تابع ہو گئے تو پھر طاعات سے تم گھبرانے لگو گے اور طاعت میں ہرگز دل نہ لگے گا۔ اور ظاہر ہے کہ طاعات سے بھاگنا محرومی قسمت کی دلیل ہے لہذا اس نفس کے تابع مت ہو اور اس نفس کی طاعت سے اکتانے کی وجہ یہ ہے کہ۔

کایں ہوا پر حرص و حالی بین بود	عقل را اندیشہ یوم الدین بود
کیونکہ یہ خواہش حرص بھری اور موجود کو دیکھنے والی ہوتی ہے	عقل کو قیامت کی فکر ہوتی ہے

یعنی کہ یہ خواہش نفسانی تو پر حرص اور عاجل کی دیکھنے والی ہوتی ہے۔ اور عقل کو قیامت کی فکر ہوتی ہے۔

عقل را دو دیدہ در پایاں کار	بہر آں گل میکشد او رنج خار
عقل کی دونوں آنکھیں انجام کار پر ہوتی ہیں	وہ اس پھول کے لئے کانٹے کی تکلیف برداشت کرتی ہے

یعنی عقل کی دونوں آنکھیں تو انجام کار میں ہیں تو وہ اس پھول کے لئے کانٹوں کی تکلیف برداشت کرتی ہے۔

کہ نہ فرساید نہ ریزد در خزاں	باد ہر خرطوم اخشم دور ازاں
کیونکہ وہ خزاں میں نہ شکستہ ہوتا ہے نہ جھڑتا ہے	خدا کرے نہ سونگھ سکنے والے کی ناک اس سے دور رہے

یعنی وہ پھول خزاں میں نہ گھسے اور نہ گرے ہر اخشم کی ناک کی ہوا اس سے دور ہو۔ (اخشم کہتے ہیں اس شخص کو جس کی قوت شامہ معطل ہو جاوے) مطلب یہ کہ چونکہ نفس کی نظر تو نفع عاجل پر ہوتی ہے اور وہ دنیا ہی کے کاموں میں ملتا ہے۔ اس لئے وہ طاعات سے جو آخرت کے کام ہیں گھبراتا ہے۔ اور عقل کی نظر انجام کار پر ہوتی ہے۔ اس لئے وہ اس میں لگی رہتی ہے اور اس گل آخرت کے لئے دنیا کے خار مصیبت کو برداشت کرتی ہے۔ اور وہ پھول ایسا ہوتا ہے کہ اس کو کبھی زوال نہیں ہے۔ فانی نہیں ہے۔ بلکہ باقی ہے۔ لہذا جو لوگ کہ کور باطن ہیں اور دنیا والے ہیں خدا کرے ان کو اس پھول کی خوشبو ہی نہ پہنچے اور یہ منکرین اسی طرح محروم القسمت ہی رہیں۔ یہاں تک تو خود سالک کو تعلیم ہے کہ تم نفس کا اتباع مت کرو اور عقل کا اتباع کرو۔ آگے فرماتے ہیں کہ اگر چہ تم کو خود بھی عقل ہو مگر اس کو بھی کافی مت جانو بلکہ مرشد کے اتباع سے اس میں مدد لو۔ اور مرشد سے اس کی اصلاح کر لو۔ فرماتے ہیں کہ۔

ور چہ عقلت ہست باعقل دگر	یار باش و مشورت کن اے پدر
اگر چہ تیری (بھی) عقل ہے (لیکن) دوسری عقل کا	دوست بن جا اے بابا! مشورہ کر لے

یعنی اور اگرچہ تم کو عقل ہو (مگر) دوسری عقل کے ساتھ یار رہ اور اے بابا مشورہ کرلیا کرو۔

یا دو عقل از بس بلاہا وارہی	پائے خود بر اوج گردونہا نہی
تو دو عقلوں کے ذریعہ بہت سی بلاؤں سے نجات پالے گا	اپنا پاؤں آسمانوں کی بلندی پر رکھے گا

یعنی دو عقلوں سے تو بہت سی بلاؤں سے چھوٹ جاوے گا اور اپنا پاؤں آسمان کی بلندی پر رکھے گا۔ مطلب یہ کہ اگرچہ تم کو خود عقل ہو مگر تم یہ کرو کہ مرشد کا اتباع کرو کہ اب تو ایک صرف تمہاری ہی عقل ہے اور پھر دو عقل مل جاویں گی ایک تمہاری اور ایک مرشد کی تو اس وقت دو آدمی مل کر بلاؤں کا مقابلہ اچھی طرح کرسکو گے لہذا نفس کو چھوڑ کر مرشد کے اتباع سے اپنی عقل کو درست کرلو تو پھر نور علیٰ نور کے مصداق ہو جاؤ گے اوپر مولانا نے فرمایا تھا کہ "دیو ہم وقتے سلیمانی کند" اور پھر اس پر ان دونوں وزیروں کی جن دونوں کا نام حسن تھا حکایت لائے تھے پھر اس کی مناسبت سے یہ مضمون کہ عقل کا اتباع کرو بیان کیا اب پھر اسی کی طرف رجوع ہے۔ وہاں کہا تھا کہ۔

پس سلیمانی کند بر تو مدام دیو باخاتم حذر کن والسلام

تو آگے اس کا قصہ جو مشہور ہے کہ ایک دیو نے خاتم چرالی تھی اور پھر سلطنت کرنے لگا تھا بیان فرماتے ہیں اور یہ قصہ مولانا بناءً علی المشہور بیان فرماتے ہیں ورنہ یہ قصہ بھی مثل قصۂ ہاروت ماروت کے محض غلط ہے۔ مولانا تمثیل کے لئے بناءً علی المشہور بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

ایک شاعر کو بادشاہ کے صلہ دینے اور وزیر حسن نامی کے اس صلہ کو زیادہ کرنے کا قصہ

ایک شاعر بامید خلعت و اعزاز و اکرام ایک بادشاہ کی حضور میں ایک قصیدہ لایا۔ بادشاہ چونکہ اہل کمال کا قدردان تھا اس لئے اس نے حکم دیا کہ ان کو ایک ہزار اشرفیاں دے دی جائیں اور ان کی خوب تعظیم و تکریم کی جائے اور ان پر بکھیر بھی کی جاوے۔ وزیر نے کہا کہ یہ عطیہ بہت تھوڑا ہے دس ہزار دیجئے تا کہ یہ خوش واپس جاوے۔ اس جیسے شاعر اور آپ جیسے سخی کی نسبت سے یہ دس ہزار بھی جو میں نے کہے ہیں کم ہیں۔ القصہ اس فلسفہ کے ماہر حاکم نے بادشاہ سے اس کے متعلق یہاں تک گفتگو کی کہ خرمن کا عشر گھونڈروں میں سے بھی نکل آیا۔ یعنی بادشاہ نے اس کا پورا پورا حق ادا کردیا اور حکم دے دیا کہ دس ہزار اشرفیاں اور ان کے مناسب خلعت ان کو دیدیا جاوے۔ اس سے شاعر نے بادشاہ کی بہت کچھ ثنا و صفت کی۔ اور اس کا سر گویا کہ بادشاہ کی ثنا و صفت کا گھر ہو گیا۔

اس کے بعد اس نے تفتیش کی کہ یہ کس کی کوشش تھی اور میری قابلیت بادشاہ پر کس نے ظاہر کی تھی لوگوں نے کہا کہ فلاں وزیر نے جن کا نام بھی حسن ہے اور خلق بھی اچھا ہے اور طبیعت بھی اچھی ہے۔ اس پر اس نے ایک طویل قصیدہ وزیر کی تعریف میں بھی لکھا اور گھر واپس ہو گیا۔ جب وہ واپس ہوا تو بادشاہ کی عطا کی ہوئی نعمتیں اور خلعتیں بزبان حال بادشاہ کی تعریف کر رہی تھیں۔ چند سال کے بعد فقر و فاقہ کے سبب اس کو پھر رزق اور اس کے لئے سفر کرنے کی ضرورت ہوئی۔ اس وقت اس نے دل میں کہا کہ محتاجی اور تنگ دستی کے وقت اسی کی جستجو بہتر ہے جس کو ایک مرتبہ آزما چکے ہیں اور جس درگاہ کو میں ایک مرتبہ آزما چکا ہوں بہتر ہے کہ اس نئی ضرورت کو بھی اسی کی طرف لے جاؤں۔

اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لفظ اللہ کے معنی سیبویہ نے یہ بیان کئے ہیں کہ لوگ اس کی طرف اپنی ضروریات میں مضطر ہوتے ہیں اور اس نے کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے ذات پاک ہم اپنی ضروریات میں تیری طرف گھبرا کر آتے ہیں اور تجھ سے ان کو طلب کرتے ہیں اور تیرے پاس ان کو پاتے ہیں پس یہ نام ہی اس کے ملجا و ماویٰ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ علاوہ اس کے سینکڑوں اور ہزاروں عاقل تکلیف کے وقت اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور یہ تو کوئی مجنون اور پاگل بھی نہیں کرتا۔ کہ کسی بخیل اور عاجز سے بھیک مانگے پس ثابت ہوا کہ وہ جواد کریم اور قادر مختار ہے کیونکہ اگر عقلاً ہزاروں مرتبہ سے بھی زیادہ اس کے عطایا و انعامات کو نہ دیکھ لیتے تو کاہے کو اپنے کو اس کے سامنے طلب حاجت کے لئے لے جاتے۔ اور کچھ عقلا ہی پر منحصر نہیں بلکہ موجوں میں رہنے والی تمام مچھلیاں اور ہوا پر اڑنے والے تمام پرندے بلکہ وہ تمام موجیں جو کہ اسی کے ذوق و شوق میں نہایت کھلم کھلا کھیل رہی ہیں نیز ہاتھی بھیڑیئے شیر شکار بڑے بڑے اژدھے چھوٹی چھوٹی چیونٹیاں سانپ بلکہ خاک ہوا پانی آگ بھی سب کے سب اسی سے سامان بقا و وجود پاتے ہیں اور اسی کی طرف سے ان پر تکلیف خزاں آتی ہے اور اسی کی جانب سے بہار عیش نیز یہ بلند اور عالیشان آسمان بھی ہر وقت متضرع رہتا ہے کہ آپ میری امداد تھوڑی دیر کے لئے بھی نہ روکئے میرا ستون آپ کی حفاظت اور بچاؤ ہی ہے کیونکہ آپ کے دست قدرت میں لپٹا ہوا ہوں اور زمین کہتی ہے کہ اے وہ ذات جس نے مجھے پانی پر قائم کیا ہے آپ مجھے قائم رکھئے نیز تمام لوگوں نے تھیلیاں اسی سے دولت لے کر سی ہیں اور دوسروں کی ضروریات کا پورا کرنا اسی سے سیکھا ہے اور ہر نبی اس کی طرف سے یہ حکم لایا ہے کہ صبر و صلاۃ کے ذریعہ سے اس سے مدد چاہو ان وجوہ کی بناء پر تم کو جو کچھ مانگنا ہو حق سبحانہ ہی سے مانگو نہ کہ کسی اور سے اور پانی سمندر میں تلاش کرو نہ کہ سوکھی ندی میں۔ سمندر حق سبحانہ ہیں اور سوکھی ندیاں اور لوگ کیونکہ وہ ہالک الذات والصفات ہیں۔ ان کے پاس جو کچھ ہے سب عطائی ہے تو جو خود اس کے محتاج ہیں تم ان کو اپنا محتاج الیہ کیوں بناتے ہو۔ دیکھو اگر تم اوروں سے مانگو گے بھی تب بھی وہی دے گا کیونکہ اس سخاوت کی خواہش و رغبت وہی تو پیدا کرتا ہے پس معلوم ہوا کہ غیر اس کے مشیت کے بغیر تمہارے ساتھ کچھ سلوک نہیں کر سکتا۔ پس تم کو چاہئے کہ اس واسطہ کو درمیان سے اڑا دو اور براہ راست

اس سے مانگو شاید تم کو خیال ہو کہ وہ دے گا نہیں مگر تم سوچو کہ جو اعراض کرنے والے کو روپیہ دے کر قارون بنا دیتا ہے وہ اس وقت جبکہ تم اس کی طرف مطیعانہ متوجہ ہو گے تمہارے ساتھ کیا کچھ سلوک نہ کرے گا۔

خیر تو وہ شاعر بخیال بخشش اس محسن بادشاہ کی طرف چلا اور اپنے مناسب پیشکش کے لئے ہدیہ لے چلا اور شاعروں کا ہدیہ اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ وہ نیا قصیدہ کہیں اور محسن کے پاس لا کر اسے گروی رکھ دیں یعنی اس کے ذریعہ سے جر منفعت کریں۔ اس لئے اس نے بھی ایسا ہی کیا ادھر تو شاعروں کی یہ حالت ہے کہ وہ قصیدہ کہہ کر جر منفعت کرتے ہیں ادھر محسنوں کی یہ حالت ہے کہ سینکڑوں عطاؤں اور سخاوتوں اور احسانوں کی راہ سے انہوں نے دولت رکھ چھوڑی ہے اور شاعروں کے منتظر ہیں۔ اور شعر کے اتنے قدردان ہیں کہ ان کے نزدیک ایک شعر پشمینہ کے سو تھانوں سے زیادہ باوقعت ہے بالخصوص وہ شاعر جو پاتال سے مضمون لاتا ہو۔ اس کے شعر کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ راز اس قدردانی کا یہ ہے کہ آدمی کو سب سے پہلے روٹی کی خواہش ہوتی ہے کیونکہ غذا روح کی بقا کا ذریعہ ہے اس لئے وہ کمائی اور غصب اور دیگر سو تدبیروں کے لئے حرص و امید کے سبب جان ہتھیلی پر لئے ہوتا ہے اور ان کی تحصیل کے لئے انتہائی کوشش کرتا ہے مگر جبکہ وہ اتفاقاً روٹی کی طرف سے بےفکر ہو جاتا ہے تو اس وقت وہ نام و نمود اور شاعروں پر عاشق ہوتا ہے تاکہ وہ لوگ اس کے آباؤ اجداد اور اس کی اولاد کو اپنی تعریف سے نفع پہنچاویں اور اس کے اظہار فضل کے لئے ممبر قائم کریں تاکہ اس کی شان و شوکت اور زر بخشی ان کی گفتگو سے عنبر کی بو کی طرح منتشر ہو اور اس خواہش کا راز یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے ہمیں اپنی صفت پر پیدا کیا ہے اور ہماری صفات اس کی صفات کے ظلال و عکوس اور ان سے مستفید ہیں پس چونکہ حق سبحانہ اپنے بندوں سے طالب حمد و ثنا ہیں اس لئے آدمی بھی خواہاں مدح ہے۔ بالخصوص اہل اللہ جو کہ فضل میں کامل ہیں وہ تو تعریف سے یوں پھول جاتے ہیں جیسے صحیح سالم مشک ہوا سے اور یہ اثر طبعی واقتضائے سلامت ولطافت حس ہوتا ہے نہ کہ از روئے افتخار و خود بینی اور برخلاف ان کے جو لوگ مدح کے اہل نہیں ہیں وہ اس جھوٹی تعریف سے معتد بہ اثر قبول نہیں کرتے کیونکہ ان کی مثال ایسی ہے جیسے پھٹی ہوئی مشک کہ وہ ہوا سے پھول نہیں سکتی۔ یہ صحیح و سالم مشک اور پھٹی ہوئی مشک کی تمثیل میں نے اپنی طرف سے نہیں دی ہے۔ اس لئے اگر تو اہل اور صاحب ہوش ہے تو اس کو معمولی نہ سمجھنا بلکہ یہ تمثیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت بیان فرمائی ہے جبکہ آپ نے کسی کا یہ طعن سنا تھا کہ احمد اگر رسول ہیں تو اپنی تعریف سے کیوں خوش ہوتے۔ هذا هو المراد والمحشون خبطوا فی تقرير المقام حيث قالوا المشار اليه فی قوله اين مثل الخ قولهٗ ان الله خلق ادم علی صورته وقالوا ايفهم منه ان الحديث ورد فی جواب طعن الطاعن لانه ليس فی الحديث مايدل علی فهموا ولا فی كلام مولانا بل ظاهر كلامه قدس سره يا باه اباء اظاهرا فان قلت التمثيل لم يثبت من رسول الله صلی الله عليه وسلم فكيف يقال انه قاله رسول الله صلی الله عليه وسلم قلنا هكذا لم

یثبت ان حدیث ان اللہ خلق آدم علی صورتہ ورد فی جواب الطعن فاستویافی عدم صحتہ النقل و ماقلنا مرجح بظاھر کلام مولانا فتعین ھو لکونہ مرادا. فافہم القصہ وہ شاعر بادشاہ کے پاس گیا اور اس کے پاس ایک قصیدہ اس احسان سابق کے شکریہ میں لے گیا جو کہ مرانہ تھا۔ بلکہ اس کے آثار موجود تھے۔ اور چونکہ کسی شے کے آثار کا باقی رہ جانا حکماً اسی شے کا بقا ہے اس لئے گو محسن مرجاتے ہیں مگر ان کا احسان نہیں مرتا۔ ارے بڑی چین ہے اس کے لئے جو یہ گھوڑا دوڑائے یعنی احسان کرے علی ہذا ظالم مرجاتے ہیں اور ان کے ظلم باقی رہ جاتے ہیں اور خرابی ہے اس شخص کے لئے جو مکر اور دغا کرتا ہے۔ دیکھو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چین ہے اس کے لئے جو خود دنیا سے چلا جاوے اور کوئی اچھا کام اپنی یادگار چھوڑ جاوے۔ غرض محسن مرجاتا ہے مگر اس کا احسان نہیں مرتا کیونکہ خدا کے نزدیک دین اور احسان کوئی معمولی شے نہیں ہیں کہ وہ انہیں ضائع ہونے دے۔ لہذا وہ ان کو باقی رکھتا ہے اور فعل نیک کے نہ مرنے کی دلیل یہ ہے کہ نیک نامی اثر ہے فعل نیک کا۔ اور نیک نامی موجود ہے۔ تو یقیناً ثابت ہوا کہ فعل نیک مرا نہیں۔ تم اس کا مشاہدہ کر سکتے ہو اور خرابی ہے اس کے لئے جو مرجائے اور اس کے گناہ نہ مریں ایسے شخص کو تم ہرگز نہ سمجھنا کہ وہ مرکر بچ گیا۔ توبہ توبہ بھلا کہیں بچ سکتا ہے۔ وہ تو اور پھنس گیا کیونکہ اس وقت وہ اس کا خمیازہ بھگتے گا۔ اچھا اب اس ذکر کو چھوڑو اس لئے کہ شاعر راہ میں اور قرضدار ہے۔ اور روپیہ کی اس کو شدید ضرورت ہے لہذا اس کو بادشاہ تک پہنچانا چاہئے خیر تو وہ شاعر بامید عطا و اکرام و احسان گذشتہ ایک نازک قصیدہ جو درنا سفتہ سے لبریز تھا۔ بادشاہ کی حضور میں لے گیا اور بادشاہ نے بھی حسب عادت اس کو ہزار اشرفیاں دے دینے کا حکم دیدیا۔ کیونکہ اس کی عادت یہ ہی تھی کہ وہ ہزار ہی دیتا تھا مگر اس مرتبہ وہ سخاوت سے لبالب وزیر براق عزت پر سوار ہو کر دنیا سے رخصت ہو چکا تھا اور اس کی جگہ ایک نیا وزیر حاکم ہو گیا تھا مگر یہ وزیر سخت بخیل اور بے رحم تھا۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ حضور ہم کو بہت کام ایسے کرنے ہیں جن میں خرچ کی ضرورت ہوگی۔ اس لئے ایک شاعر کو اتنا دینا مناسب نہیں میں اس رقم کے چالیسویں حصہ پر رضامند اور خوشنود کردوں گا۔ اس پر لوگوں نے کہا کہ یہ شخص اس سے پیشتر بادشاہ سے دس ہزار اشرفیاں لے جا چکا ہے۔ اب یہ شکر کے بعد بانس کیسے چبائے گا۔ اور بادشاہی کے بعد گدائی کیونکر کرے گا۔ یعنی اتنے بڑے عطیہ کے بعد اس قلیل رقم پر کیونکر رضامند ہوگا۔ اس نے کہا کہ میں اسے خوب دباؤں گا تا کہ وہ انتظار سے مجبور ہو جاوے۔ اس وقت اگر میں اسے رستہ کی مٹی بھی اٹھا کر دے دوں گا تو وہ اس کو ایسا سمجھے گا جیسا کہ باغ میں سے پھول کی پتی مل گئی۔ حضور آپ اس کو میرے حوالہ کردیں وہ تقاضا کرنے میں آتش کا پرکالہ ہی کیوں نہ ہو میں خود اس سے سمجھ لوں گا اگر وہ ثریا سے ثریٰ تک اور آسمان سے زمین تک بھی اڑے گا تب بھی جبکہ وہ مجھے دیکھے گا تو فوراً نرم ہو جاوے گا۔ بادشاہ نے کہا کہ اچھا جاؤ تم جانو مگر اسے خوش کردینا۔ کیونکہ وہ ہمارا ستائش گر ہے اس نے کہا کہ آپ اس کو اور اس جیسے سینکڑوں بھک منگوں کو مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ اور آپ مطمئن رہئے۔ بلکہ ایسوں کو اور ایسے تین لاکھ کو آپ میرے حوالہ کردیجئے اور مجھ پر چھوڑ دیجئے میں آپ دیکھ لوں گا۔ آپ بالکل خاطر جمع

رکھئے وہ یہ کہہ کر آیا اور آکر اسے انتظار میں ڈال دیا۔ گرمیاں بھی گزر گئیں خزاں کا زمانہ بھی ختم ہو گیا اور بہار کا زمانہ آ گیا مگر ہنوز روز اول۔ شاعر اس کو جس قدر اپنی ضرورت دکھلاتا تھا وزیر وعدوں میں اتنی ہی چالاکی کرتا تھا۔ غرض وہ بیچارہ انتظار میں بڈھا ہو گیا۔ اور فکر و تدبیر سے بہت زچ ہو گیا۔ بالآخر اس نے کہا کہ اگر روپیہ نہیں دیتے تو گالی ہی دے دیجئے کچھ تو دیجئے۔ تاکہ میری جان اس بلا سے چھوٹ جاوے۔ اگر آپ ایسا کریں تو میں آپ کا عمر بھر غلام رہوں گا۔ اس انتظار نے تو مجھے مار ڈالا۔ آپ اتنا ہی کہہ دیجئے کہ جا ہم کچھ نہ دیں گے تاکہ مجھ بیچارہ کی جان تو اس قید سے چھوٹ جاوے۔ میں اور ہی کوئی ٹھکانہ ڈھونڈوں اس کے بعد اس نے اس رقم کا چالیسواں حصہ اس کے حوالہ کیا۔ یہ دیکھ کر شاعر کو بہت سوچ ہوئی کہ پہلی رقم تو فوراً ہی مل گئی تھی اور اس قدر زیادہ تھی اور یہ پھول دیر میں کھلا مگر مٹھی بھر کانٹے نکلے اس میں بھید کیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ پہلا وزیر خدا اس کو جزا دے دنیا سے سدھار گیا ہے۔ جس کے سبب سے وہ بخشش وہ چند ہو گئی تھی۔ اور جس کے سبب بخشش میں غلطی واقع نہ ہوتی تھی نہ بلحاظ مقدار کے اور نہ باعتبار زمان کے اب وہ وزیر رخصت ہو گیا اور احسان کو بھی اپنے ساتھ ہی لیتا گیا۔ اس لئے یہ صورت پیش آئی۔ دیکھو وہ وزیر تو ضرور مر گیا ہے مگر اس کا احسان نہیں مرا۔ اور اسی طرح اس کی نیک نامی باقی ہے جو ثبوت ہے اس کے احسان کے زندہ ہونے کا۔ ہاں تو انہوں نے کہا کہ ہمارا حکیم اور صحیح الافعال وزیر تو رخصت ہو گیا اور اس کی جگہ یہ فقیروں کی کھال نوچنے والا آ پہنچا اچھا جو یہ دے تم اس سے لے لو اور رات ہی کو روانہ ہو جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ یہ تمہارا دشمن ہو جاوے کہ اس نے ہمارے عطیہ کی قدر نہیں کی۔ ہم نے سو تدبیروں سے اس سے یہ رقم نکالی ہے۔ آپ کو تو خبر نہیں کہ ہم نے کیا کیا کارروائیاں کی ہیں۔ یہ سن کر وہ لوگوں کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ یہ ظالم کہاں سے آمرا اور اس کپڑ کھسوٹ وزیر کا نام کیا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اس کا نام بھی حسن ہے۔ اس نے کہا کہ اے اللہ اس کا نام ایک کیسے ہو گیا۔ یہ تو بڑے افسوس کی بات ہے وہ تو وہ حسن تھا کہ اس کے قلم کی ایک حرکت سے سینکڑوں وزیر خواہاں سخاوت تھے اور یہ وہ حسن ہے کہ اس کی بڑی ڈاڑھی سے سینکڑوں رسیاں بنائی جا سکتی ہیں کیونکہ یہ اسی قابل ہے۔ اگر بادشاہ سلامت ایسے وزیر کی بات سنیں گے تو بادشاہ کو بھی اور اسکے ملک کو بھی ہمیشہ کیلئے بدنام کر دے گا۔ چنانچہ فرعون نے ہامان کی بات سنی تو دیکھو اس کا کیا انجام ہوا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔

بادشاہ کی مروت کے فاسد کرنے میں اس وزیر کی بدرائی کا ہامان وزیر فرعون کے مشابہ ہونا

فرعون جب موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو سنتا تھا تو کسی قدر نرم اور منقاد ہوتا تھا مگر جب ہامان کینہ خصلت سے مشورہ کرتا تو ہمیشہ اس کو روکتا اور کہتا کہ اب تک آپ خدا تھے اور اب اس گدڑی والے کے مکر کے سبب اس کے غلام ہو جاؤ گے۔ کیا یہ آپ کو گوارا ہے یہ بات سنگ منجنیق کی طرح آتی اور اس کے قصد و ارادہ کے شیش محل سے

ٹکرا کر اسے چکنا چور کر دیتی اور جو عمارت موسیٰ علیہ السلام سو دن میں بناتے وہ ایک دم میں گرا دیتا۔ اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فرعون کی طرح تمہاری عقل بھی خواہش نفسانی سے مغلوب ہے اور تمہارے وجود میں بھی ایک راہ خدا کا رہزن موجود ہے چنانچہ جب کوئی ناصح ربانی تمہیں نصیحت کرتا ہے تو وہ اسباب کو چالاکی سے اڑا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ بات مناسب نہیں تم کو اپنی جگہ سے ہلنا نہ چاہئے اور یہ بات کوئی قابل وقعت نہیں ہے تم کو ہوش میں آنا چاہئے اور اس پر فریفتہ نہ ہونا چاہئے۔ افسوس ہے اس بادشاہ پر جس کا وزیر ایسا ہو۔ ایسے دونوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور مزہ ہیں اس بادشاہ کے اس کا معین الہام آصف سا وزیر ہو جبکہ عادل بادشاہ کو ایسا وزیر مل جاوے۔ تو وہ نور علیٰ نور کے خطاب کا مستحق ہے اور جبکہ سلیمان سا بادشاہ ہو اور آصف سا وزیر ہو تو یوں کہئے کہ نور علیٰ نور اور عبیر بر عنبر ہے اور اگر فرعون سا بادشاہ اور ہامان سا وزیر ہو تو لامحالہ دونوں بد بخت ہوں گے اور ظلمات بعضھا فوق بعض کا مصداق بنیں گے۔ نہ عقل ان کی معین ہوگی اور نہ قیامت میں دولت ان کے کام آوے گی بات یہ ہے کہ پاجیوں کے اندر تو بدبختی ہی ہوتی ہے میں نے تو ان کے اندر بجز شقاوت کے اور کچھ دیکھا نہیں۔ اگر تم نے دیکھا ہو تو ہمارا بھی سلام کہہ دینا۔ دیکھو بادشاہ جان کے مانند ہوتا ہے اور وزیر عقل کی مثل۔ اور عقل فاسد کا قاعدہ ہے کہ وہ جان کو اس کے اصلی مرکز سے ہٹا دیتی ہے اور یہ عقل جو اصالۃ ملکوتی صفت ہے جب مثل ہاروت بن کر بگڑ جاتی ہے تو جان تو کیا سینکڑوں شیطانوں کی استاد بن جاتی ہے اور ان کو گمراہی کے افسوں سکھاتی ہے۔ پس تم عقل معاش کو اپنا وزیر نہ بنانا بلکہ عقل کل اور عقل معاد کو اپنا مشیر و صلاح کار بنانا اور تم خواہش نفسانی کو اپنا وزیر نہ بنانا کیونکہ اگر تم اسے وزیر بناؤ گے تو تمہاری جان پاک طاعت خداوندی سے نکل جاوے گی کیونکہ ہوائے نفسانی حریص ہے یہ توقتی مصلحت کو دیکھتی ہے اور وہی مشورہ دیتی ہے جس میں مصلحت وقت ہو برخلاف عقل معاد کے کہ اس کو روز جزا کا خیال رہتا ہے اور عقل معاد انجام کو دیکھنے والی آنکھیں رکھتی ہے اور اس گل کے لئے تکلیف خار برداشت کرتی ہے۔ جو نہ فرسودہ ہوگا اور نہ خزاں سے کرے گا بلکہ ابداً قائم رہے گا خدا کرے کہ اس کی وہ بو کسی نااہل کو نصیب نہ ہو۔ اور فاقد حس شم کی ناک کا سانس جو اس کی بو کو لے کر قوت شامہ تک پہنچاوے اس کی بو سے دور رہے۔ اب تک ہم نے عقل معاد کو مشیر بنانے کا مشورہ دیا ہے۔ مگر اس وقت ایک اور مفید مشورہ بھی دیتے ہیں وہ یہ کہ اگر چہ تم کو عقل معاد ہو اور تم نے اس عقل معاد کو اپنا مشیر بنا لیا ہو مگر عقل شیخ کے ساتھ یہی تعلق رکھو اور اس سے بھی مشورہ کرو ان دو عقلوں کے ذریعہ سے تم بہت سی بلاؤں سے بچ جاؤ گے اور اتنے رفیع المنزلۃ ہو گے کہ ساتویں آسمان سے اوپر ہو گے ہاں تو ہم نے اوپر کہا تھا کہ کبھی دیو بھی سلیمانی کرتا ہے مگر اس کی سلیمانی اور سلیمان کی سلیمانی میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے۔ اب ہم اسی مضمون کو بیان کرنا چاہتے ہیں سنو۔

شرح شبّیری

دیو کا سلیمان علیہ السلام کی جگہ بیٹھ جانا اور سلیمان علیہ السلام کی کاموں میں نقل کرنا اور دیو میں اور سلیمان علیہ السلام میں فرق کا ظاہر ہونا اور دیو کا اپنا نام سلیمان بن داؤد رکھنا

دیو گر خود را سلیمان نام کرد	ملک برد و مملکت را رام کرد
دیو نے اپنا نام سلیمان رکھ لیا	ملک لے اڑا اور سلطنت کو مسخر کر لیا

یعنی دیو نے اگر اپنا نام سلیمان کرلیا اور ملک لے گیا۔ اور رعایا کو مطیع کرلیا (تو اس سے کہیں وہ خود سلیمان تھوڑا ہی بن گیا اسی طرح اگر مکار لوگ شیوخ کی صورت بنادیں تو کہیں شیوخ تھوڑا ہی ہو سکتے ہیں)

صورت کار سلیماں دیده بود	صورت اندر سر دیوی می نمود
اس نے (حضرت) سلیمان کے کام کا ظاہر دیکھا تھا	شیطانی باطن میں صورت رونما تھی

یعنی اس نے سلیمان علیہ السلام کے کام کی صورت دیکھی تھی تو صورت کے اندر دیو ہونے کا راز دکھا رہا تھا۔ مطلب یہ کہ اس نے چونکہ سلیمان علیہ السلام کو کام کرتے دیکھا تھا تو اسی طرح اس نے بھی کام شروع کردے مگر اس کی صورت سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ یہ سلیمان نہیں ہیں دیو ہے۔

خلق گفتند ایں سلیماں بے صفا است	از سلیماں تا سلیماں فرقہا است
لوگوں نے کہا یہ سلیمان بے نور ہے	سلیمان سے سلیمان تک بہت فرق ہیں

یعنی لوگوں نے کہا کہ یہ سلیمان بے صفا ہیں اور سلیمان سلیمان میں بہت فرق ہیں مطلب یہ کہ لوگ سب کے سب اس خاتم کی وجہ سے اس دیو کے تابع تو ہوگئے تھے مگر کہتے تھے کہ وہ سلیمان تو با صفا ہیں اور یہ بے صفا ہے اور اس میں اور ان میں تو بہت فرق ہے وہ سلیمان اصل ہیں اور یہ کمبخت دھوکہ دے رہا ہے۔

او چو بیدار یست ایں ہمچوں وسن	ہمچنانکہ آں حسن تا ایں حسن
وہ بیداری کی طرح یہ نیند کی طرح ہے	جیسا کہ اس حسن اور اس حسن میں

یعنی وہ (سلیمان اصل) تو بیداری کی طرح ہیں اور یہ اونگھ کی طرح ہے۔ جیسا کہ وہ حسن اس حسن تک۔ مطلب یہ کہ ان کی مثال تو بیداری جیسی ہے کہ ان کی صحبت میں انوار و برکات کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اس نام کے سلیمان کی مثال

اونگھ جیسی ہے کہ کچھ نور وغیرہ نہیں ہے۔ اور ان دونوں میں ایسا ہی فرق ہے جیسا کہ ان دونوں حسنین وزیروں میں تھا۔

دیو می گفتے کہ حق بر شکل من	صورتے کردہ ست خوش براہر من
دیو کہتا تھا کہ اللہ (تعالیٰ) نے میری صورت پر	شیطان کی خوبصورت صورت بنا دی ہے

یعنی وہ دیو کہتا کہ حق تعالیٰ نے میری ہمشکل ایک دیو کو کر دیا ہے۔

دیو را حق صورت من دادہ است	تا نیند ازد شمارا او بشست
اللہ (تعالیٰ) نے دیو کو میری صورت دیدی ہے	تاکہ وہ تمہیں کمند میں پھنسا لے

یعنی حق تعالیٰ نے دیو کو میری ہمشکل کر دیا تو دیکھو کہیں وہ تم کو جال میں نہ ڈال دے۔ مطلب یہ کہ چونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے بقول مشہور سلطنت چھن گئی تھی مگر وہ خود موجود تو تھے تو اس دیو سے کوئی کہہ سکتا تھا کہ تو سلیماں کہاں ہے سلیمان تو وہ ہیں اس شبہ کو دور کرنے کے لئے کہا کرتا تھا کہ دیکھو حق تعالیٰ نے آزمائش کے لئے میری ہمشکل ایک دیو کو کر دیا ہے اور وہ دعویٰ سلیمانی کرتا ہے تم اس کے پھندہ میں مت پھنس جانا اور کہتا تھا کہ۔

گر پدید آید بدعویٰ زینہار	صورت او را مدارید اعتبار
اگر وہ دعوے کے ساتھ نمودار ہو ہرگز	اس کی صورت کا اعتبار نہ کرنا

یعنی اگر دعویٰ کرے تو اس کی صورت کا ہرگز اعتبار مت کرنا۔ مطلب یہ کہ یہ دیو کہا کرتا تھا کہ دیکھو ایک دیو کو حق تعالیٰ نے تمہارے امتحان کے لئے میری صورت کا بنا دیا ہے تو اگر وہ دعویٰ سلیمانی کرے تو اس کا تم اعتبار مت کرنا اور جن کو وہ دیو کہا کرتا تھا وہ خود سلیمان علیہ السلام ہی تھے جو بقول مشہور بوجہ انگشتری کے پاس نہ ہونے کے سلطنت پر قابض نہ رہے تھے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

دیو شان از مکر ایں می گفت لیک	می نمود آں عکس بر دلہائے نیک
دیو مکاری سے ان سے کہتا تھا لیکن	اس کا نیک دلوں پر عکس ظاہر ہوتا تھا

یعنی دیو ان کو مکر سے یہ کہتا تھا لیکن وہ عکس نیک دلوں پر دکھائی دیتا تھا۔

نیست بازی با ممیّز خاصہ او	کہ بود تمیز عقلش غیب گو
دھوکا تمیز کرنے والے کے ساتھ (ممکن) نہیں ہے خصوصاً وہ	کہ جس کی تمیز اور عقل غیب کو بتا دے

یعنی ممیّز کے ساتھ بازی نہیں ہے خاص کر اس کی ساتھ جس کی تمیز عقل غیب گو ہو۔

ہیچ سحر و ہیچ تلبیس و دغل	می نہ بندد پردۂ براہل دل
کوئی جادو اور کوئی مکاری اور کوئی فریب	پردہ نہیں ڈال سکتا دولت والوں پر

یعنی کوئی سحر اور کوئی تلبیس اور دھوکہ اہل باطن پر پردہ نہیں باندھتے۔ مطلب یہ کہ وہ دیو سارق خاتم اپنے

ماتحتوں سے جواب اس کے زیر نگیں تھے یہ باتیں کہا کرتا تو جو اہل باطن تھے ان کو صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ غلط ہے اور یہ سلیمان اصل نہیں ہے کیونکہ وہ اہل باطن تھے اور جو اہل باطن ہوتے ہیں ان کے قلب پر حقیقت کا عکس پڑ جاتا ہے وہ صاف سمجھ رہے تھے کہ یہ جھوٹا ہے لہذا کرتے تھے کہ۔

پس ہمی گفتند با خود در جواب	باژ گونہ میروی اے کج خطاب
پھر وہ جواب میں اپنے دل میں کہتے	اے ٹیڑھی بات کرنے والے! تو الٹی چال چل راہ ہے

یعنی پس وہ دل میں جواباً کہا کرتے تھے کہ اے کج خطاب تو الٹا چل رہا ہے۔

باژ گونہ رفت خواہی آنچنیں	سوئے دوزخ اسفل اندر سافلیں
تو اسی طرح الٹا جائے گا	دوزخ کی جانب نیچے طبقوں میں سے نچلے میں

یعنی تو اسی طرح اوندھا دوزخ کی طرف اسفل السافلین میں جاوے گا۔

او اگر معزول گشت است و فقیر	ہست در پیشانیش بدر منیر
وہ (سلیمان) اگرچہ معزول اور فقیر ہو گئے ہیں	ان کی پیشانی میں چودھویں کا چاند ہے

یعنی وہ اگر معزول ہو گئے ہیں اور فقیر ان کی پیشانی میں بدر منیر ہے۔

تو اگر انگشتری را بردۂ	دوزخی چوں ز مہریر افسردۂ
تو نے اگر انگوٹھی اڑا لی ہے	تو دوزخ ہے زمہریر کی طرح ٹھٹھرا ہوا ہے

یعنی تو نے اگر انگشتری کو لے لیا ہے تو تو دوزخ ہے۔ زمہریر کی طرح ٹھٹھر رہا ہے۔

ما بپوش عارض و طاق طرنب	سر کجا کہ خود ہمی نہ نہیم سنب
ہم کروفر اور لشکر اور شان و شوکت کی وجہ سے	سر کجا ہم پاؤں بھی نہ رکھیں گے

یعنی عارضی کروفر اور دھوم دھام پر خود سر تو کیا ہم سم بھی نہیں رکھتے۔ مطلب یہ کہ وہ لوگ اگر چہ اس انگشتری کی وجہ سے بقول مشہور اس دیو کے تابع ہو گئے تھے مگر دل میں اس کے جواب میں کہا کرتے تھے کہ ارے کمبخت تو دوزخی ہے تو بھلا سلیمان کہاں سے ہو سکتا ہے۔ تیرے اندر صاف طور پر علامت کذب کی ظاہر ہو رہی ہے اور جو سلیمان اصل ہیں وہ اگر چہ بظاہر معزول ہو گئے ہیں مگر پھر بھی ان کے اندر علامت صدق کی موجود ہے اور ہم تیری اس ظاہری دھوم دھام کے دھوکہ میں ہرگز نہ آویں گے اور کہتے ہیں کہ۔

در بغفلت مانہیم او را جبیں	پنجۂ مانع برآید از زمیں
اگر ہم غفلت سے اس کے سامنے پیشانی رکھ دیں	روکنے والا پنجہ زمین سے برآمد ہو گا

یعنی اور اگر غفلت سے ہم اس کے آگے ماتھا رکھ دیں تو ہم کو زمین سے ایک پنجہ مانع ہو جاتا ہے۔

کہ منہ آں سرمرایں سرزیر را	ہیں مکن سجدہ مرایں او بیر را
کہ اس لونڈے کے لئے سر نہ جھکا	خبردار! اس بدبخت کے لئے سجدہ نہ کر

یعنی کہ اس کمینہ کے آگے وہ سرمت رکھواور اس مدبر کو سجدہ مت کرو مطلب یہ کہ اگر ہم دھوکہ سے ان کے مطیع ہونے بھی لگیں تو دست غیب مانع ہوتا ہے اور ہم کو اس کاذب کی اطاعت سے روک دیتا ہے تو اسی طرح مکار شیوخ شیوخ صادقین کو برا بھلا کہتے ہیں اور اپنی اطاعت کرانا چاہتے ہیں مگر جو طالب صادق ہوتے ہیں ان کی غیب سے مدد ہوتی ہے اور وہ ان کاذبین سے محفوظ رہتے ہیں آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

کردمے من شرح ایں بس جانفزا	گر نبودے غیرت و رشک خدا
میں اس کی پرلطف تشریح کرتا	اگر خدا کی غیرت اور رشک (مانع) نہ ہوتی

یعنی میں اس کی شرح بہت عمدہ (طریقہ سے) کرتا اگر حق تعالیٰ کی غیرت اور رشک نہ ہوتا۔

ہم قناعت کن تو بپذیرایں قدر	تا بگویم شرح ایں وقت دگر
تو بھی قناعت کر اور اس مقدار کو قبول کر لے	جب تک کہ میں اس کی دوسرے وقت شرح کروں

یعنی بس قناعت کر اور اسی قدر کو قبول کر لے تاکہ میں اس کی شرح دوسرے وقت کروں۔ مطلب یہ کہ ان مزورین کی حالت اور ان کے کذب کو خوب اچھی طرح بیان کرتا مگر غیرت حق مجھے بیان نہیں کرنے دیتی کہ۔

با مدعی مگوئید اسرار عشق و مستی بگذارتا بمیرد در رنج خود پرستی

لہٰذا اب میں چپ رہتا ہوں اور اسرار کو بیان نہیں کرتا اور فرماتے ہیں کہ۔

نام خود کردہ سلیمانؑ نبی	روئے پوشی میکند بر ہر صبی
اپنا نام سلیمان نبی رکھ کر	ہر بچہ کے لئے (اپنی) روپوشی کر لیتا ہے

یعنی اپنا نام سلیمان کئے ہوئے ہے اور ہر بچہ کے سامنے روپوشی کرتا ہے۔

درگذر از صورت و از نام خیز	از لقب وز نام در معنی گریز
صورت سے آگے بڑھ اور (محض) نام سے دستبردار ہو جا	لقب اور نام کی بجائے باطن کی طرف جا

یعنی صورت سے گزر جا اور نام سے اٹھ لقب اور نام سے معنی میں بھاگ۔

پس بپرس از خلق و از افعال او	درمیان خلق و فعل او راجو
اس کے اخلاق اور افعال دریافت کر	اخلاق اور افعال کے درمیان اس کو تلاش کر

یعنی پھر اس کے خلق و افعال سے پوچھو خلق اور فعل کے درمیان میں اس کو تلاش کرو۔ مطلب یہ کہ صرف صوفی اور درویش کی صورت دیکھ کر اس کے معتقد نہ ہو جاؤ بلکہ صورت کو چھوڑ کر اس کی حقیقت پر نظر کرو۔ اور صفت درویشی جس میں

ہو اس سے فیض حاصل کرو۔ صورت کو چھوڑ کر اس کے حالات باطنی اور افعال ظاہری کی تحقیق کرو کہ کیسے ہیں اگر یہ دونوں اچھے ہوں تو وہ اچھا ہے اور اگر یہ اچھے نہیں صرف صورت ہی صورت درویشوں کی ہے تو اس کا ہرگز اعتبار مت کرو۔

مسجد اقصےٰ بساز و کن تمام	کار ہر کس نیست ہیں درکش زمام
مسجد اقصیٰ تعمیر کر اور مکمل کر	خبردار! (یہ) ہر شخص کا کام نہیں ہے لگام کھینچ لے

یعنی ہر شخص کا کام نہیں ہے ہاں لگام کھینچ اور مسجد اقصےٰ کو بناؤ اور پورا کرو۔ مطلب یہ کہ شیخ بننا ہر شخص کا کام نہیں ہے اس کو خوب سمجھ لو۔ اور اب اس بیان کو ختم کر کے مسجد اقصےٰ کے پورا ہونے کے قصہ کو بیان کرو آگے اسی کا قصہ ہے۔

بد سلیماں زائرو مسجد مزور	شد تمام القصہ مسجد بے فتور
(حضرت) سلیمان زیارت کرنے والے اور مسجد زیارت گاہ تھی	قصہ مختصر بے عیب مسجد مکمل ہو گئی

یعنی القصہ مسجد بے فتور پوری ہو گئی سلیمان تو زیارت کرنے والے تھے اور مسجد زیارت گاہ تھی مطلب یہ کہ مسجد اقصےٰ جب پوری ہو گئی تو سلیمان علیہ السلام اس کی زیارت کو تشریف لے جایا کرتے تھے تو وہ زائر تھے اور مسجد ان کی زیارت گاہ تھی۔ آگے اس کی پورا ہونے کے بعد کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

دیو کا سلیمان علیہ السلام کی جگہ بیٹھ جانا اور سلیمان علیہ السلام کی کاموں میں نقل کرنا اور دیو میں اور سلیمان علیہ السلام میں فرق کا ظاہر ہونا اور دیو کا اپنا سلیمان بن داوٗد رکھنا

ترجمہ وتشریح:۔ ایک دیو انگشتری سلیمان علیہ السلام پر قابض ہو کر اور سلیمانؑ کی شکل بنا کر تخت پر قابض ہو گیا تھا اس نے گو اپنا نام سلیمان مشہور کیا اور ملک بھی حاصل کر لیا اور سلطنت کو بھی مسخر کر لیا۔ لیکن اس نے سلیمان علیہ السلام کے افعال کی صرف صورت دیکھی تھی اس لئے اسی کی نقل کرتا تھا اور معنی سے واقف نہ تھا۔ لہذا اس کی صورت میں دیویت کا راز ظاہر تھا جس کو اہل بصیرت لوگ تاڑ گئے تھے اور کہتے تھے کہ یہ سلیمان تو بے صفا ہے اور اس سلیمان میں جو ہم نے پہلے دیکھا تھا اور اس سلیمان میں بہت بڑا فرق ہے وہ مثل بیداری کے تھے یہ مثل نیند کے ہے اب مولانا فرماتے ہیں کہ ان دونوں سلیمانوں میں واقعی یوں بعد تھا جیسا کہ حسن نام دونوں وزیروں میں جن کا قصہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اب سنو کہ وہ دیو پیش بندی کے لئے کہتا تھا کہ حق سبحانہ نے میری شکل ایک دیو کو بھی پہنا دی ہے اور اس کو میری سی صورت عطاء کی ہے تم دھوکہ نہ کھانا۔ مبادا وہ تمہیں جال میں پھانس لے اگر وہ آ کر سلیمان کا دعویٰ دار ہو تو تم ہرگز اس کی بات کا اعتبار نہ کرنا وہ دیو مکر سے ان سے یہ باتیں کرتا تھا مگر اہل بصیرت پر اس کا الٹا اثر

پڑتا تھا اور وہ اس کو خلاف واقع سمجھتے تھے۔ اہل بصیرت وتمیز کو دھوکہ دینا کھیل نہیں ہے بالخصوص وہ ممیز جس کی تمیز و عقل راز غیب بیان کرتی ہو اور کوئی منتر کوئی تلبیس اور کوئی فریب ارباب دولت باطنیہ کے لئے پردہ بن کر حقیقت حال کو نہیں چھپا سکتا۔ الانادراپس وہ لوگ اس کے جواب میں اپنے دل میں کہتے تھے کہ او غلط گو تو الٹا چل رہا ہے۔ پس تو یوں ہی دوزخ میں اسفل السافلین میں اوندھا گرے گا وہ اگر معزول ہو گیا ہے یا مفلس ہو گیا ہے اور تو نے اس کے تخت حکومت پر قبضہ کر لیا ہے تو کیا مضائقہ ہے۔ اس کی پیشانی میں ایک نور روشن ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان اصلی وہی ہے اور تو سلیمان نقلی ہے۔ تو نے اگر انگشتری لے لی اور اس کے ذریعہ سے بظاہر سلیمان بن بیٹھا ہے تو تیری ایسی مثال ہے جیسے کوئی چیز بظاہر دوزخ ہو اور بباطن زمہریر کی طرح سرد۔ ہم لوگ تیری شان وشوکت اور سپاہ اور طمطراق کی بناء پر سر تو کیا پاؤں بھی نہ رکھیں گے اور اگر بھول چوک سے ہم اس کے سامنے پیشانی رکھ بھی دیں تو زمین سے ایک ہاتھ نکلے گا جو ہم کو اس سے مانع ہوگا۔ یعنی تائید غیبی ہم کو اس سے روکے گی۔ اور کہے گی کہ تو اس کے سامنے سر نہ رکھنا اور اس بدبخت کے سامنے سجدہ نہ کرنا میں اس مضمون کی نہایت نفیس شرح کرتا اور بتاتا کہ حق کی تائید ان کے لئے کیونکر ہوتی ہے اور حق سبحانہ کا ان کے ساتھ کیا معاملہ ہے بشرطیکہ حق سبحانہ کی غیرت اور اس کے رشک کا خوف نہ ہوتا۔ کیونکہ وہ اسرار ہیں اور ان کے اظہار سے حق سبحانہ کو غیرت آتی ہے۔ لہذا تو اسی پر قناعت کر اور اتنی ہی قبول کر لے تاکہ میں اس کی شرح کسی دوسرے وقت کر سکوں خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب میں اصل قصہ کی طرف عود کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اس نے اپنا نام سلیمان نبی رکھ لیا تھا مگر لونڈوں سے ہی اپنے کو چھپا سکتا تھا۔ نہ کہ اہل بصیرت سے بس جبکہ تم کو معلوم ہو گیا کہ دیو نے گو صورت سلیمان بنالی تھی مگر معنی سلیمان کے نہ ہونے سے وہ سلیمان نہ ہو گیا تھا لہذا تم صورت اور نام کو چھوڑو کہ وہ بالکل بے سود ہے اور لقب اور نام کو چھوڑ کر معنی کو دیکھو۔ اور مخلوق سے آدمی کے اخلاق وافعال میں اسے ڈھونڈو مگر یہ ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ ذلک فضل الله یوتیه من یشاء اچھا اب قصہ ختم کرنا چاہئے اور مسجد اقصے بنانا اور اس کو تیار کرنا چاہئے غرض کہ وہ مکمل ہو گئی اور سلیمان اس کے زائر تھے اور مسجد ان کی مزور واللہ اعلم

شرح شبیری

سلیمان علیہ السلام کا ہر روز مسجد اقصے میں اس کے پورا ہونے کے بعد عبادت اور عابدین ومعتکفین کو وعظ سنانے کے لئے آنا اور مسجد میں عقاقیر کا اگنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرنا

ساخت مسجد راؤ فارغ شد تمام	چوں سلیمان نبی شاہ انام
مسجد بنائی اور بالکل فارغ ہو گئے	جب شاہ عالم سلیمان نبی نے

یعنی جب سلیمان علیہ السلام نے جو مخلوق کے بادشاہ تھے مسجد کو بنالیا اور بالکل فارغ ہوگئے۔

ہر صباح او را وظیفہ ایں بدے	کامدے در مسجد اقصے شدے
ہر صبح کو ان کا یہ معمول تھا	کہ آتے، مسجد اقصیٰ میں جاتے

یعنی روزانہ ان کی یہ عادت تھی کہ آ کر مسجد اقصےٰ میں تشریف لے جاتے۔

ہر گیاہے رستہ دیدے اندرو	پس بگفتے نام و نفعے خود بگو
اس میں نیا بوٹا اگا ہوا دیکھتے	تو فرماتے اپنا نام اور فائدہ بتا

یعنی جو گھاس کہ اس میں اگا ہوا دیکھتے تو (اس سے) فرماتے کہ اپنا نام اور نفع بیان کر۔

تو چہ داروئی چہ نامت چہ است	تو زیاں بر کہ و نفعت بر کہ است
تو کس (مرض) کی کیا دوا ہے تیرا کیا نام ہے؟	تو کس کے لئے مضر اور کس کے لئے نفع رساں ہے؟

یعنی تو کیا دوا ہے اور تو کیا ہے اور تیرا نام کیا ہے تو کس کے لئے نقصان ہے اور تیرا نفع کس کے لئے ہے۔

پس بگفتے ہر گیاہے فعل و نام	کہ من آں را جانم و ایں را حمام
تو ہر بوٹی کام اور نام بتاتی	کہ میں اس کے لئے جان اور اس کے لئے موت ہوں

یعنی پس ہر گھاس اپنا اثر اور نام بتا دیتا کہ میں فلاں کے لئے تو باعث زندگی ہوں اور اس کے لئے موت ہوں۔

من مرا ایں راز ہرم و آنرا شکر	نام من ایں است بر لوح قدر
میں اس کے لئے زہر اور اس کے لئے شکر ہوں	لوح محفوظ میں میرا یہ نام ہے

یعنی میں اس کے لئے تو زہر ہوں اور اس کے لئے شکر ہوں اور میرا نام قضا وقدر میں یہ ہے یعنی وہ گھاس اپنا نام اور نفع وضرر سب ان سے بیان کر دیا کرتا تھا۔

پس سلیماں با حکیماں زاں گیا	شرح کردے نفع و ضرش زاں گیا
پھر (حضرت) سلیمانؑ طبیبوں سے اس بوٹی کے	نفع اور نقصان کی شرح کرتے' اے بوے!

یعنی پس سلیمان علیہ السلام حکیموں سے اس گھاس کے نفع وضرر کو شرح بیان فرما دیتے۔

پس طبیباں از سلیماں زاں گیا	عالم و دانا شدند و مقتدا
تو طبیب (حضرت) سلیمانؑ کی وجہ سے اس بوٹی کے بارے میں	عالم اور دانا اور مقتدا بنے

یعنی پس طبیب سلیماں علیہ السلام کی وجہ سے اس گھاس (کے نفع وضرر) سے عالم ودانا ومقتدا ہو جاتے۔

یعنی ان سے سیکھ کر بڑے بڑے حکیم ودانا بن جایا کرتے تھے۔

جسم را از رنج می پرداختند	تا کتبہائے طبیبے ساختند
بدن کو مرض سے نجات دلائی	یہاں تک کہ انہوں نے طب کی کتابیں تصنیف کیں

یعنی یہاں تک کہ انہوں نے طب کی کتابیں بنائیں اور جسم کو تکالیف سے خالی کرنے لگے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

عقل وحس راسوئے بےسورہ کجاست	ایں نجوم و طب وحی انبیاست
عقل وحس کے لئے لامکان کی جانب راستہ کہاں ہے؟	یہ نجوم اور طب نبیوں کی وحی ہے

یعنی یہ نجوم اور طب انبیاء کی وحی ہیں عقل اور حس کو لامکان کی طرف راہ کب ہے۔ مطلب یہ کہ طب اور نجوم دونوں انبیاء کو وحی کے ذریعہ سے بتائے گئے ہیں طب کے لئے تو ابھی حضرت سلیمان علیہ السلام کا بتانا بیان ہوا اور ممکن ہے کہ نجوم بھی کسی نبی پر نازل ہوئی ہو ورنہ عقل کی رسائی عالم بالا میں اس طرح کس طرح ہو سکتی ہے۔ کہ وہاں کے حالات پر مطلع ہو۔ جب اس کو اس قدر قدرت نہیں ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ضرور یہ ادھر ہی سے بتلائی گئی ہے۔ اور کچھ بعید بھی نہیں اس لئے کہ یہ دونوں عالم مستقل ہیں مگر ہاں طب کے اصول تو ابھی مدون ہیں اس لئے اس کا اعتبار کرنا تو جائز ہے مگر چونکہ نجوم کے اصول مدون نہیں رہے اور مدون نہ رہنے کی دلیل اس میں خلاف اصول شرع کے ہونا ہے۔ کیونکہ جب کسی نبی پر نازل ہوئی ہوگی تو اصول میں تو سب انبیاء متفق ہی ہیں لہٰذا اس میں بھی اصول شرع کے موافق اصول کا ہونا ضروری تھا اور جب اس میں اس کے خلاف امور ہیں تو ضرور اس کے اصول مدون نہیں رہے۔ لہٰذا اس کے اوپر اعتبار نہ کرنا چاہئے۔ خوب سمجھ لو۔ آگے بھی مولانا ان دونوں چیزوں کا وحی سے معلوم ہونا بیان فرماتے ہیں کہ۔

جز پذیرائے فن و محتاج نیست	عقل جزوی عقل استخراج نیست
ضرور تمند اور فن کو قبول کر لینے والی کے علاوہ کچھ نہیں ہے	ناقص عقل ایجاد کرنیوالی عقل نہیں ہے

یعنی عقل ناقص عقل استخراج نہیں ہے سوائے فن کے قبول کر لینے کے اور محتاج کے نہیں ہے۔

لیک صاحب وحی تعلیمش دہد	قابل تعلیم و فہم ست ایں خرد
لیکن اس کو صاحب وحی تعلیم دیتا ہے	یہ عقل تعلیم اور سمجھ کے قابل ہے

یعنی یہ خرد تعلیم وفہم کے تو قابل ہے لیکن صاحب وحی اس کو تعلیم دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ عقل حیوانی جو کہ عقل ناقص ہے اس میں اس کی تو قابلیت ہے کہ اس کو تعلیم کی جاوے تو یہ تعلیم کو قبول کر لے اور سمجھ لے مگر یہ خود عالم بالا کے امور کو استخراج نہیں کر سکتی۔ ہاں جو انبیاء سمجھاتے ہیں اور بتاتے ہیں اس کو سمجھ ضرور لیتی ہے جب یہ بات ہے تو یہ دونوں علوم مذکورہ بھی اس نے خود استخراج نہیں کئے۔ بلکہ صاحب وحی نے بتا دیئے اور اس نے سمجھ لئے اور انہیں پر کیا خاص ہے بلکہ

اول او لیک عقل آنرا فزود	جملہ حرفتہا یقین از وحی بود
ان کی ابتداء لیکن عقل نے ان کو بڑھایا ہے	یقینا تمام پیشے وحی کے ذریعہ ہوتے ہیں

یعنی تمام پیشے کا شروع وحی سے تھا۔ لیکن عقل نے اس کو بڑھالیا۔ مطلب یہ کہ اول تو ہر پیشہ کی تعلیم یعنی اس کے اصول تو اول وحی سے معلوم ہوئے۔ مگر اس عقل نے اس میں ترقی دے لی اصول کو اس نے خود معلوم نہیں کیا۔ آگے مولانا اس کی ایک دلیل بیان فرماتے ہیں کہ۔

ہیچ حرفت را بہ بیں کایں عقل ما	تاندا و آموختن بے اوستا
دیکھو! ہماری یہ عقل کوئی پیشہ	کیا وہ بغیر استاد کے سیکھ سکتی ہے؟

یعنی کسی پیشہ کو دیکھ لو کہ یہ ہماری عقل کیا بے استاد کے سیکھ سکتی ہے۔

گرچہ اندر مکر مواشگاف بد	ہیچ پیشہ رام بے استانشد
اگرچہ (وہ عقل) تدبیر میں بال کو چیرنے والی تھی	کوئی پیشہ استاد کے بغیر قابو میں نہ آیا

یعنی اگرچہ مکر میں بال کی کھال نکالنے والا ہو (مگر) کوئی پیشہ بے استاد کے رام نہیں ہوا۔

دانش پیشہ ازیں عقل ار بدے	پیشۂ بے اوستا حاصل شدے
پیشہ کا علم اگر عقل سے ہوتا	(تو) پیشہ بغیر استاد کے حاصل ہو جاتا

یعنی پیشہ کا جاننا اس عقل سے اگر ہوتا تو کوئی پیشہ تو بے استاد کے حاصل ہو جاتا۔ مطلب یہ کہ کسی پیشہ کو دیکھ لو کہ یہ ہماری عقل بے استاد کے اس کو سیکھ نہیں سکتی۔ اگرچہ دیسے کتنا ہی سمجھ دار اور چالاک ہو مگر بے استاد کے کبھی بھی نہیں سیکھ سکتی۔ تو اگر یہ عقل ایجاد حرفت میں کافی ہوتی تو بے استاد کے خود کوئی پیشہ تو سیکھ سکتی۔ جب اس ظاہری استاد کی حاجت فروع کے سیکھنے میں ہوتی ہے تو اصول کے سیکھنے کے لئے تو بدرجہ اولیٰ استاد کی ضرورت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ضرور یہ علوم ثابت بالوحی ہی ہیں۔ آگے قابیل کا ہابیل کو قتل کر کے گورکنی کا پیشہ ایک کوے سے سیکھنے کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ دیکھو ایک لاش کو کہیں چھپا دینا کوئی بڑا باریک کام نہ تھا مگر قابیل اس عقل سے اس کو بھی نہ سمجھ سکا تو بھلا علوم عالیہ اس عقل سے کس طرح بے بتائے معلوم ہو سکتے ہیں۔ خوب سمجھ لو۔ اب حکایت سنو۔

قابیل کا کوے سے گورکنی کے پیشہ کو سیکھنا قبل اس کے کہ دنیا میں گورکنی کا پیشہ تھا

کندن گورے کہ کمتر پیشہ بود	کے ز فکر حیلہ و اندیشہ بود
قبر کھودنا جو معمولی پیشہ ہے	کب غور اور تدبیر اور خیال سے ہوا؟

یعنی ایک قبر کھودنا جو کہ بہت ہی کم درجہ کا پیشہ تھا کب حیلہ اور اندیشہ کی فکر سے تھا۔

کہ نہادے بر سر او ہابیل را	گر بدے ایں فہم مر قابیل را
(تو) وہ ہابیل (کی نعش کو) سر پر کب رکھتا؟	اگر یہ سمجھ قابیل میں ہوتی

یعنی اگر قابیل کو یہ سمجھ ہوتی تو ہابیل کو سر پر کب رکھتا (اور یہ کیوں سوچتا پھرتا کہ)

ایں بخون و خاک در آغشتہ را	کہ کجا غائب کنم ایں کشتہ را
اس خون اور مٹی میں لتھڑے ہوئے کو	کہ میں اس مقتول کو کہاں چھپاؤں؟

یعنی اس مقتول اور خاک و خون میں لتھڑے ہوئے کو کہاں چھپاؤں۔ مطلب یہ کہ دیکھو قبر کھودنا ایک بہت ہی ذلیل اور آسان کام تھا مگر قابیل اپنی اس عقل جزوی سے اس کو نہ جان سکا اور ہابیل کی لاش کو سر پر رکھے پھرتا تھا کہ اسے کہاں چھپاؤں۔

بر گرفتہ تیز مے آمد براں	دید زاغے زاغ مردہ در دہاں
لئے تیزی سے اڑا آ رہا ہے	اس نے دیکھا کہ ایک کوا مردہ کوے کو منہ میں

یعنی ایک کوے کو دیکھا کہ ایک مردہ کو منہ میں پکڑے ہوئے تیزی سے اڑتا ہوا چلا آ رہا ہے۔

از پئے تعلیم او را گورکن	از ہوا زیر آمد و شد او بفن
قبر کھودنے والا اس کو سکھانے کے لئے	وہ ہوا سے نیچے اترا اور ہنرمندی سے بنا

یعنی وہ کوا ہوا سے نیچے آیا اور فن سے وہ قابیل کی تعلیم کے لئے قبر کھودنے لگا۔

زود زاغ مردہ را در گور کرد	پس بچنگال از زمیں انگیخت گرد
جلدی سے مرے ہوئے کوے کو قبر میں رکھ دیا	پھر اس نے زمین سے پنجہ کے ذریعہ مٹی کھودی

یعنی پس اس نے پنجہ سے زمین کی گرد اٹھائی اور جلدی سے مردہ کوے کو قبر میں کیا۔

زاغ از الہام حق بد علمناک	دفن کردش پس بپوشیدش بخاک
کوا اللہ (تعالیٰ) کے الہام سے عالم تھا	اس کو دفن کر دیا پھر اس کو مٹی سے چھپا دیا

یعنی اس کو دفن کیا اور پھر اس کو خاک سے چھپا دیا کوا الہام حق کی وجہ سے علم والا تھا۔ مطلب یہ کہ جب وہ ہابیل کی لاش کو کندھے پر رکھے ہوئے پھر رہا تھا تو حق تعالیٰ نے اس کی تعلیم کے لئے ایک کوے کو بھیجا کہ وہ ایک مردہ کوے کو لایا اور پنجہ سے زمین کھود کر اس مردہ کوے کو داب دیا اب کوئی کہے کہ بھلا کوے کو کہاں سے خبر ہوئی تو فرماتے ہیں کہ کوے کے قلب میں حق تعالیٰ نے ڈال دیا تھا اور وہ اس الہام حق سے عالم گورکنی تھا۔

کہ بود زاغے ز من افزوں بفن	گفت قابیل آہ شد بر عقل من
کہ کوا ہنر میں مجھ سے بڑھا ہوا ہو	قابیل نے کہا آہ! میری عقل پر افسوس ہے

یعنی قابیل نے کہا کہ افسوس میری عقل پر تف ہے کہ ایک کوا علم میں مجھ سے زیادہ ہے۔ غرضکہ ایک ادنیٰ کام کے لئے بھی اسی کی ضرورت ہوئی کہ کوئی عالم غیب ہی سے آ کر بتادے تو بس ثابت ہو گیا کہ اصول تمام حرف کے وحی سے ہی معلوم ہوئے ہیں آگے فرماتے ہیں کہ۔

عقل کل را گفت مازاغ البصر	عقل جزوی میکند ہر سو نظر
عقل کل کے لئے (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا "نگاہ بھٹکی نہیں"	جزوی عقل ہر جانب نظر دوڑاتی ہے

یعنی عقل کل کو تو مازاغ البصر فرمایا ہے اور عقل جزوی ہر طرف نظر کرتی ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو عقل کل کی نسبت تو فرمایا گیا ہے کہ مازاغ البصر و ما طغیٰ اور عقل جزوی تو ہر طرف نظر کرتی ہے اور اس کو ہر گھڑی ایک نئی طرف نگاہ ہوتی ہے اور اسی طرح گمراہ رہتی ہے اور فرماتے ہیں کہ۔

عقل مازاغست نور خاصگان	عقل زاغ استاد گور مردگاں
"مازاغ" والی عقل خاصان (خدا) کا نور ہے	کوے کی عقل مردوں کی قبر کی استاد ہے

یعنی مازاغ والی عقل تو خواص کا نور ہے اور عقل زاغ مردوں کے گور کی استاد ہے۔ مطلب یہ کہ جس عقل کی نسبت ازاغ البصر و ما طغیٰ آیا ہے وہ تو نور خواص ہے کہ یہ آیت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہے تو مازاغ والی عقل تو خواص کی عقل ہے۔ جس کو غیب سے امداد ہوتی ہے اور ہماری عقل زاغ کی طرح ہے کہ جس طرح اس زاغ نے قابیل کو گورکنی سکھائی تھی اسی طرح یہ ہماری عقل ہم کو معاش کے ذرائع بہت سکھاتی ہے۔ اور حقیقت کی طرف خود اس بچاری ہی کی رسائی نہیں ہے تو دوسروں کو یہ کیا سکھا سکے گی آگے فرماتے ہیں کہ۔

جان کہ اودنبالۂ زاغان پرد	زاغ او را سوئے گورستان برد
وہ جان جو کوؤں کے پیچھے اڑے	کوا اس کو قبرستان کی جانب لے جائے گا

یعنی جو جان کہ وہ کوون کے پیچھے اڑے تو کوا تو اس کو گورستان میں لے جاوے گا۔

ہیں مرواندر پئے نفس چو زاغ	کو بگورستاں بردنے سوئے باغ
خبردار! کوے جیسے نفس کے پیچھے نہ لگ	جو قبرستان کی طرف لے جاتا ہے نہ کہ باغ کی جانب

یعنی ہاں کوے جیسے نفس کے پیچھے مت جاؤ کہ وہ تم کو گورستان میں لے جاوے گا۔ نہ کہ باغ میں مطلب یہ کہ جو روح کہ نفس کی تابع ہو جاوے وہ حقیقت شناس ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ دیکھو قابیل کو کوے نے بجز گورکنی کے اور کیا سکھایا اسی طرح یہ نفس بجز معاش کے اور کیا سکھا سکتا ہے یہ باغ غیب کی طرف ہرگز نہ لے جاوے گا لہٰذا اس کے تابع ہو کر مت چلو بلکہ۔

گر روی رو در پئے عنقائے دل	سوئے قاف و مسجد اقصائے دل
اگر لگتا ہے تو دل کے عنقا کے پیچھے لگ	دل کی مسجد اقصیٰ اور (کوہ) قاف کی جانب (جا)

یعنی اگر چلتے ہو تو عنقائے دل کے پیچھے چلو۔ قاف کی طرح اور مسجد اقصائے دل کی طرف مطلب یہ کہ اگر چلنا ہی ہے تو زاغ نفس کو ترک کرو اور عنقائے دل کے تابع ہو تو وہ عنقا تم کو قاف عالم غیب کی طرف لے جاوے گا اور اس وقت تم دل کی مسجد اقصےٰ میں پہنچ جاؤ گے اور دل کے باغ و بہار تک تمہاری رسائی ہو جاویگی اور پھر یہ ہوگا کہ۔

نو گیاہے ہر دم از سودائے تو	می دمد در مسجد اقصائے تو
تیرے خیال کی نئی گھاس ہر وقت	تیری مسجد اقصیٰ میں اگتی ہے

یعنی ہر دم ایک نیا گھاس تمہارے فکر سے تمہارے مسجد اقصا میں اگے گا۔

تو سلیماں وارداد او بده	پے براز وے پائے رو بروے منه
تو (حضرت) سلیمان کی طرح اس کی قدر کر	اس سے پتہ لگا انکار کا پاؤں اس پر نہ رکھ

یعنی تو سلیمان علیہ السلام کی طرح اس کی داد دے اور اس کے تابع ہو جا رد کا پاؤں اس پر مت رکھ۔ مطلب یہ کہ اگر تم دل کے تابع ہو گے جو کہ مسجد اقصےٰ کی طرح پاک وصاف ہو تو اس میں تمہاری خیالات کا ایک باغ و بہار لگے گا نئے نئے پودے روز پیدا ہوا کریں گے۔ اب تم کو چاہئے کہ جس طرح سلیمان علیہ السلام ہر ہر پودے سے اس کے خواص وغیرہ دریافت کرتے تھے۔ اور پھر دوسرے لوگوں کو بتاتے تھے تو جو مضر ہوتا تھا اس سے بچتے تھے اور مفید کو حاصل کرتے تھے۔ اسی طرح تم بھی دل کے افکار میں غور کرو اور جو مضر ہو اس کو ترک کر کے مفید کو حاصل کرو اور اس کا اتباع کرو۔ اور ان کو پامال مت کئے دو کہ ان کی طرف التفات ہی نہ کرو اور وہ پیدا ہو کر یوں ہی ختم ہو جایا کریں کیونکہ۔

زانکه حال ایں زمین باثبات	باز گوید با توز انواع نبات
کیونکہ اس پائیدار زمین کی مٹی کا حال	بوٹیوں کی قسمیں تجھ سے پھر کہہ دیں گی

یعنی اس لئے کہ خاک اس زمین باثبات کی تجھ سے انواع نباتات کو بیان کرتی ہے۔

در زمین گر نیشکر ورخود نے است	ترجماں ہر زمیں بنت وی است
زمین میں خواہ گنا ہو خواہ نرکل	ہر زمین کی پیداوار اس کی ترجمان ہے

یعنی زمین میں اگر نیشکر ہے اور اگر خود نے ہے تو ہر زمین کا ترجمان اسی کا گھاس ہے۔

پس زمین دل کو نبتش فکر بود	فکر یا اسرار دلہا را نمود
تو دل کی زمین جس کا بوٹا خیال تھا	خیالات نے دل کے راز ظاہر کر دئے

یعنی پس زمین دل کی کہ اس کا گھاس فکر تھا افکار قلوب کے اسرار کو دکھاتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو زمین میں جو پودے اگتے ہیں تو ان کے اگنے سے اس زمین کی حالت معلوم ہوتی ہے کہ اس زمین میں کس قسم کی قابلیت ہے اگر اس میں نیشکر اگی ہے تو وہ زمیں قابل ہے اور اگر بانس اگے ہیں تو معلوم ہو گیا کہ ناقص القابلیت ہے۔ تو اسی طرح دل جو زمین کی

طرح ہے اوراس کے پودے ہیں افکار تو اگر افکار اچھے ہیں تو قلب بھی اچھا ہے ورنہ وہ بھی برا ہے۔ لہٰذا ان افکار میں غور کر کے ان کی حالت کو معلوم کرو۔ اوران کو اس طرح ضائع مت ہونے دو خوب سمجھ لو۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

گر سخن کش بینم اندر انجمن	صد ہزاران گل بروییم در چمن
اگر میں مجلس میں سخن فہم دیکھو	چمن میں لاکھوں پھول اگا دوں

یعنی اگر میں مجلس میں سننے والے کو دیکھ لوں تو میں چمن میں لاکھوں پھول اگاؤں۔

ور سخن کش یا بم آندم زن بمزد	می گریزد نکتہا از دل چو دزد
اگر میں اس وقت بھڑوے کو بات نہ سمجھنے والا پاؤں	(تو) چور کی طرح نکتے دل سے بھاگتے ہیں

یعنی اوراگر سننے والا اس وقت کوئی بھڑوا ہو تو نکات دل سے چور کی طرح بھاگتے ہیں۔

مستمع چوں نیست خاموشی بہ است	نکتہ از نااہل گر پوشی بہ است
جب سننے والا نہیں ہے چپ رہنا بہتر ہے	اگر نکتہ کو تو نااہل سے چھپائے تو بہتر ہے

یعنی سننے والا جب نہیں ہے تو خاموشی بہتر ہے اور نکات کو اگر نااہل سے تو چھپاوے تو بہتر ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ سننے والے نااہل ہیں تو اب نکات بیان نہیں ہوتے۔ ورنہ اگر کوئی اہل سننے والا ہوتا تو لاکھوں نکات بیان کرتا۔ مگر اب تو ان نکات سے خاموشی بہتر ہے کیونکہ

بامدعی مگوئید اسرار عشق و مستی   بگذار تا بمیرد در رنج خود پرستی

چونکہ یہاں مستمعین کی دو حالتیں بیان کی ہیں ایک اہل ہیں ایک نااہل ہیں تو آگے اس مضمون کو بیان فرمانے لگتے ہیں کہ۔

جنبش ہر کس بسوئے جاذب است	جذب صادق نے چو جذب کاذب است
ہر شخص کی حرکت کھینچنے والے کی طرف ہے	سچی کشش جھوٹی کشش کی طرح نہیں ہے

یعنی ہر شخص کی جنبش ایک جاذب کی طرف ہے تو جذب صادق جذب کاذب کی طرح نہیں ہے مطلب یہ کہ ہر شخص ایک جاذب کی طرح منجذب ہوتا ہے مگر جذب صادق اور جذب کاذب میں زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور فرماتے ہیں۔

می روی گہ گمرہ و گہ در رشد	رشتہ پیدا نے وآں کت میکشد
تو کبھی گمراہ ہو کر چلتا ہے اور کبھی راہ راست پر	نہ ڈور ظاہر ہے اور نہ وہ جو تجھے کھینچتا ہے

یعنی تو کبھی تو گمراہ چل رہا ہے اور کبھی ہدایت میں تو تاگا ظاہر نہیں ہے اور نہ وہ جو کہ تجھے کھینچ رہا ہے۔

اشترے کوری مہارتو رہیں	تو کشش می بین مہارت رامبیں
تو اندھا اونٹ ہے تیری مہار گروی ہے	تو کشش کو دیکھ اپنی مہار کو نہ دیکھ

یعنی تو ایک اندھا اونٹ ہے اور تیری مہار (کسی کے ہاتھ میں) گروی ہے تو تو کشش کو دیکھ اپنی مہار کو مت دیکھ مطلب یہ کہ تم کبھی تو مہتدی ہوتے ہو اور کبھی گمراہ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم کو ایک جذاب جذب کر رہا ہے اور تم۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست می بروہر جا کہ خاطر خواہ اوست

کا مصداق ہو رہے ہو مگر ظاہر میں نہ وہ جذاب نظر آتا ہے اور نہ وہ رشتہ کیونکہ تم ابھی ایک اندھے اونٹ کی طرح ہو جس کی مہار کسی کے ہاتھ میں ہو۔ لہٰذا تم کو چاہئے کہ اس ساربان کی معرفت حاصل کرو کہ کون ہے پھر اگر وہ جذاب شر ہے تو اس سے بچو اور اگر جذاب نیک ہے تو اس کے پیچھے پیچھے راہ پر لگے ہوئے چلے جاؤ۔ اب یہاں کوئی کہتا ہے کہ اگر وہ جذاب نظر آجایا کرتا تو سب لوگ ہدایت پر ہو جایا کرتے۔ اس پوشیدہ رہنے میں کیا مصلحت ہے آگے اس پوشیدگی کی مصلحت بیان فرماتے ہیں کہ۔

گر شدے محسوس جذاب مہار	پس نماندے ایں جہاں دارالغرار
اگر مہار کھینچنے والا ظاہر ہو جاتا	تو یہ دنیا دھوکے کا گھر نہ رہتی

یعنی اگر مہار کا کھینچنے والا محسوس ہوتا تو یہ جہان دارالامتحان نہ رہتا۔

گبر دیدے کو پئے سگ میرود	سخرۂ دیو سیۂ رو می شود
کافر دیکھ لیتا کہ وہ کتے کے پیچھے جا رہا ہے	سیاہ رو شیطان کا فرمانبردار بن رہا ہے

یعنی کافر دیکھ لیتا کہ وہ ایک کتے کے پیچھے چل رہا ہے اور ایک دیو خبیث کا مسخرہ بن رہا ہے۔

در پئے او کے شدے ہمچوں اسیر	پائے خود را واکشیدے طفل و پیر
قیدی کی طرح اس کے پیچھے کب جاتا؟	یہ بوڑھا لڑکا اپنا پاؤں کھینچ لیتا

یعنی اس کے پیچھے قیدی کی طرح کب ہوتا۔ اپنے پاؤں کو ہر بچہ اور بڈھا کھینچتا۔

در پئے او کے شدے مانند حیز	پائے خود را واکشیدے گبر نیز
ہجڑے کی طرح اس کے پیچھے کب جاتا؟	کافر بھی اپنا پاؤں کھینچ لیتا

یعنی اس کے پیچھے نامرد کی طرح کب رہتا کافر بھی اپنا پاؤں کھینچ لیتا۔ مطلب یہ کہ اگر جذاب ظاہر ہوا کرتا اور جذاب خیر و شر معلوم ہو جایا کرتا تو کفار کفار نہ رہتے۔ بلکہ سارے مسلمان ہو جاتے اور

درکارخانۂ عشق از کفر ناگزیرست آتش کرابسوزد گر بو لہب نباشد

لہٰذا اس دنیا میں کافر کا وجود ضروری ہوا اس لئے جذاب کی پوشیدگی ہی ضروری ہے ورنہ تمام عالم کا کارخانہ

درہم برہم ہو جاوے کارخانہ عالم کا قیام ہی اس پوشیدگی سے ہے آگے اس کی اور نظائر بیان فرماتے ہیں کہ۔

گاؤ اگر واقف ز قصابان بدے	کے پئے ایشاں بداں دکان شدے
اگر گائے قصائیوں سے واقف ہوتی	(تو) کب ان کے پیچھے اس دکان تک جاتی

یعنی گائے اگر قصائیوں سے واقف ہوتی تو ان کے پیچھے دکان میں کب جاتی۔

یا بخوردے از کف ایشاں سبوس	یا بداوے شیر شان از چاپلوس
یا کب ان کے ہاتھ سے بھوسی کھاتی؟	یا پیار سے، کب ان کو دودھ دیتی؟

یعنی یا ان کے ہاتھ سے بھوسا کھاتی یا ان کو چاپلوسی کی وجہ سے دودھ دیتی۔

ور بخوردے کے علف ہضمش شدے	گر ز مقصود علف واقف شدے
اور اگر کھاتی تو چارہ اس کو کب ہضم ہوتا؟	اگر چارے کے مقصد سے وہ واقف ہوتی؟

یعنی اور گھاس کھا بھی لیتی تو اس کو ہضم کب ہوتا۔ اگر گھاس کے مقصود سے واقف ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو گائے کو اگر خبر ہوتی کہ قصائی مجھے ذبح کے لئے لے جا رہا ہے اور یہ گھاس وغیرہ سب کاٹنے کے لئے کھلا رہا ہے تو نہ تو وہ اس کے ہمراہ جاتی اور نہ اس کے ہاتھ سے گھاس وغیرہ کھاتی۔ اور اگر کھا بھی لیتی تو وہ کھایا ہوا اس کو ہضم نہ ہوتا۔ اور وہ اسی فکر میں رہتی اور گھل گھل کر تباہ ہو جاتی۔

پس ستون ایں جہاں خود غفلت است	چیست دولت کایں دوادو بالت ست
تو اس دنیا کا ستون خود غفلت ہے	دولت کیا ہے؟ یہ بھاگ دوڑ ہے مار پیٹ کیساتھ

یعنی پس اس جہان کا ستون خود غفلت ہے دولت کیا ہے بھاگ دوڑ مع لات کے مطلب یہ کہ غفلت ہی کی وجہ سے اس جہاں کا قیام ہے ورنہ سب کارخانہ درہم برہم ہو جاوے اس لئے کہ دیکھو لوگ مال و دولت پر مرے جاتے ہیں اور اصل اس دولت کی یہ ہے کہ اس میں ایک تو دو بمعنی بھاگنے کی ہے اور ایک ہے لت بمعنی لات کے تو مطلب یہ ہے کہ جس کے پاس دولت ہے وہ بھاگ دوڑ کرتا ہے اور مصیبت بھرتا ہے اور آخر میں لات کھاتا ہے یعنی محروم اس جہان سے چلا جاتا ہے تو بھلا ایسی شے کو کون قبول کرتا اور کون اس کی رغبت کرتا اگر اس جہاں میں غفلت نہ ہوتی یہ ساری خواہش اس ہی کی وجہ سے تو ہے اور اسی سے نظام عالم قائم ہے آگے دولت کے معنی خود واضح طور پر فرماتے ہیں کہ۔

اولش دو دو بآخر لت نجور	جز دریں ویرانہ نبود مرگ خر
اس کی ابتدا بھاگ دوڑ آخر مار کھا ہے	اس ویرانہ میں گدھے کی موت کے سوا نہیں ہے

یعنی اس کے اول میں میں بھاگ بھاگ اور آخر میں لات کھا اس ویرانہ میں سوائے مرگ خر کے اور کچھ نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ بس اس ویرانہ دنیا میں بجز مصیبت کے اور کچھ حاصل نہیں ہے مگر غفلت کی وجہ سے سب

اسی میں لگے ہوئے ہیں فرماتے ہیں کہ۔

تو بجد کارے کہ بگرفتی بدست	عیبش اندم برتو پوشیدہ شداست
تو نے جس کام کو کوشش سے ہاتھ میں پکڑا ہے	اس وقت تجھ پر اس کا عیب پوشیدہ ہے

یعنی تو نے جو ایک کام کو کوشش سے حاصل کیا ہے تو اس کا عیب اس وقت تجھ پر پوشیدہ ہو گیا ہے۔

زاں ہمی تانی بدادن تن بکار	کہ بپوشید از تو عیبش کردگار
اسی وجہ سے تو اس میں مصروف ہو سکا ہے	کیونکہ اللہ (تعالیٰ) نے تجھ سے اس کا عیب پوشیدہ رکھا ہے

یعنی تو کام میں اس لئے تن دے سکتا ہے کہ اس کے عیب کو حق تعالیٰ نے تجھ سے چھپا دیا ہے۔ مطلب یہ کہ تم جس دنیا کے کام میں لگ رہے ہو اور اس میں کوشش کر رہے ہو اس کی وجہ یہی ہے کہ تم کو اس کام کے عیوب پر نظر نہیں ہے ورنہ اگر عیوب پر نظر ہو جاوے تو تم دنیا کے کوئی کام نہ کر سکو یہ سارا غفلت ہی کا ظہور ہے۔

ہمچنیں ہر فکر کہ گرمی دراں	عیب آں فکرت شدست از تو نہاں
اسی طرح ہر وہ خیال جس میں تو سرگرم ہے	تیرے اس فکر کا عیب تجھ سے پوشیدہ ہے

یعنی اسی طرح جو فکر کہ تو اس میں سرگرم ہے اس کی فکر کا عیب تجھ سے پوشیدہ ہو رہا ہے۔

برتو گر پیدا شدے زاں عیب و شین	زور میدے جانب بعد المشرقین
اگر اس کا عیب اور نقصان تجھ پر عیاں ہو جاتا	تیری جان اس سے مشرق و مغرب کی دوری پر بھاگتی

یعنی اگر تجھ پر اس کا عیب اور برائی ظاہر ہو جاتی تو تیری جان اس سے بمقدار بعد مشرق و مغرب کے دور بھاگتی۔

حال کا خر زو پشیماں می شوی	گر شود ایں حالت اول کے دوی
وہ حال جس سے تو آخر میں شرمندہ ہوتا ہے	اگر تیری یہ حالت شروع میں ہو جاتی تو کب دوڑتا؟

یعنی جو حال کہ اس سے تو پشیمان ہو رہا ہے اگر تیرا یہ حال اول ہوتا تو تو دوڑتا ہی کیوں۔

پس بپوشید اول آں برجان ما	تا کنیم آں کار بروفق قضا
(اللہ نے) شروع میں اس کو ہم پر پوشیدہ کر دیا ہے	تاکہ ہم قضا کے مطابق وہ کام کریں

یعنی پس حق تعالیٰ نے اول اس کو ہماری جان پر پوشیدہ کر دیا تاکہ ہم اس کام کو قضا کے موافق کر لیں۔

چوں قضا آورد حکم خود پدید	چشم وا گشت و پشیمانی رسید
جب قضا نے اپنا حکم ظاہر کر دیا	آنکھ کھلی اور شرمندگی ہوئی

یعنی جب قضا اپنا حکم ظاہر لائی تو آنکھ کھل گئی اور پشیمانی پہنچ گئی مطلب یہ کہ تم دنیا کا جو کام کرتے ہو اس کے عیوب سب تم پر اول پوشیدہ ہوتے ہیں اور تم کو کچھ خبر نہیں ہوتی کہ اس میں کیا کیا خرابی ہے کیونکہ تمہاری تقدیر

میں تو یہ تھا کہ تم یہ کام کرو گے اور اگر اس کی برائیوں کا تم کو علم ہو جاتا تو تم اس کام سے کوسوں دور بھاگتے لہذا تم پر اس کے عیوب کو پوشیدہ کر دیا تو اول وہ کام تم کر لیتے ہو اس کے بعد جب وہ مضر ہوتا ہے تو پشیمان ہوتے ہو اور اس وقت آنکھ کھلتی ہے اور چونکہ تمام کاموں میں منافع اور مضار دونوں ہیں لہذا سارے دنیا کے کام ایسے ہی ہیں کہ اگر ان کے انجام کی خبر ہو جاوے تو سب ان کو چھوڑ بیٹھیں لہذا قضاؤ قدر نے ان سب عیوب کو پوشیدہ ہی رکھا ہے۔ آگے ایک مضمون ارشادی فرماتے ہیں کہ۔

ایں پشیمانے قضائے دیگر است	ایں پشیمانی بھل حق را پرست
یہ شرمندگی ایک دوسری قضا ہے	اس شرمندگی کو رہنے دے اللہ کی عبادت کر

یعنی یہ پشیمانی (بھی) ایک دوسری قضا ہے تو اس پشیمانی کو چھوڑ اور حق کی پرستش کر۔

ور کنی عادت پشیمان خور شوی	زاں پشیمانی پشیمان تر شوی
اگر تو عادت ڈال لے گا شرمندگی خور بن جائے گا	اس شرمندگی سے (اور) زیادہ شرمندہ ہو گا

یعنی اور اگر تم عادت کر لو گے اور پشیمانی خور ہو جاؤ گے تو اس پشیمانی سے اور زیادہ پشیمان ہو گے۔

نیم عمرت در پریشانی رود	نیم دیگر در پشیمانی رود
تیری آدھی عمر پریشانی میں (صرف) ہو جائے گی	باقی آدھی شرمندگی میں چلی جائے گی

یعنی تمہاری آدھی عمر تو پریشانی میں گئی اور باقی ماندہ آدھی پشیمانی میں گئی۔

ترک ایں فکر و پشیمانی بگو	حال و یار و کار نیکو تر بجو
اس فکر اور شرمندگی کو چھوڑ	اچھا حال اور یار اور کام تلاش کر

یعنی اس فکر اور پشیمانی کو ترک کرو اور اچھا حال اور اچھا یار اور اچھا کام تلاش کرو

ور نداری کار نیکو تر بدست	پس پشیمانیت بر فوت چہ است
اگر تیرے پاس کوئی اچھا کام نہیں ہے	تو تیری شرمندگی کس چیز کے کھو جانے پر ہے؟

یعنی اور اگر اچھا کام تمہارے پاس نہیں ہے تو تمہاری پشیمانی کس چیز کی فوت پر ہے۔

گر ہمی دانی رہ نیکو پرست	ور نہ ندانی چوں بدانی کایں بدست
اگر تو اچھا راستہ جانتا ہے عبادت کر	اور اگر نہیں جانتا ہے تو کیسے جانے گا کہ یہ برا ہے؟

یعنی اگر تم راہ نیک کو جانتے ہو تو اتباع کرو اور اگر نہیں جانتے تو یہ کس طرح جانتے ہو کہ یہ برا ہے۔

بدندانی چوں ندانی نیک را	ضد را از ضد توان دیدے افتیٰ
جب تک تو نیکی کو نہیں سمجھے گا' بدی کو نہ سمجھے گا	اے نوجوان! ضد کو ضد سے پہچانا جا سکتا ہے

یعنی تو بد کو نہ جانے گا جبکہ تو نیک کو نہ جانے گا اے جوان ضد کو ضد سے دیکھ سکتے ہیں مطلب یہ ہے کہ میاں تم جواب برے کام پر پچھتا رہے ہو اور افسوس کر رہے ہو اس افسوس سے کیا ہوتا ہے کیونکہ کچھ عمر تو برے کاموں میں گزری اور کچھ اب ان پر افسوس میں گزار رہے ہو۔ تو بھلا بتاؤ تو کام کا وقت کونسا آوے گا۔ لہذا تم کو چاہئے کہ بس برے کام سے توبہ واستغفار کر کے کام میں لگ جاؤ تا کہ منزل تک پہنچو ورنہ ساری عمر جہاں تھے وہیں رہو گے برے کام کو چھوڑا ہے تو بعد توبہ کے اب اس کی پشیمانی کو بھی ترک کر واور نیک کام یعنی یاد حق میں مشغول ہواور اگر تم کہو کہ ہم نیک کام جانتے ہی نہیں تو کس طرح کریں جواب یہ ہے کہ تم کس بات پر پچھتا رہے ہو۔ ظاہر ہے کہ یہی پچھتانا ہے کہ فلاں کام ہم نے برا کیا اگر یہ نہ کرتے فلاں کام اچھا کرتے تو اچھا ہوتا تو بھلا تم کو پشیمان ہونے کے لئے تو اچھے کام کا علم ہو گیا مگر اس کی بجا آوری کے لئے اس کا علم نہیں ہے تعجب کی بات ہے۔ لہذا تم کو چاہئے کہ بد کو چھوڑ کر نیک کام میں لگو اس لئے کہ جب برے کو جان لیا تو پھر نیک کا علم نہ ہونا تو ایک عجیب بات ہے۔ اس لئے کہ الاشیاء تعرف باضدادہا ایک چیز یعنی کار بد تو معلوم اور دوسری شے یعنی کار نیک کا علم نہ ہو نہیں ہوسکتا۔ لہذا ثابت ہوا کہ کار نیک کو بھی جانتے ہو۔ لہذا اس میں لگ جاؤ اور اس کار بد اور پشیمانی بد کو ترک کر واب اگر کوئی کہے کہ صاحب ہم تو اس پشیمانی کے خیال کے ترک سے عاجز ہیں اور ہم سے یہ چھوٹتا ہی نہیں تو آ گیا اس کا جواب دیتے ہیں کہ۔

چوں ز ترک فکر ایں عاجز شدی	از گناہ انگاہ ہم عاجز بدی
جبکہ تو اس فکر کے چھوڑنے سے عاجز ہو گیا ہے	اس وقت گناہ (چھوڑنے) سے عاجز تھا

یعنی جب اس فکر کی ترک سے عاجز ہو تو پھر تو گناہ سے بھی تم عاجز تھے۔

چوں بدی عاجز پشیمانی ز چیست	عاجزی را باز جو کز جذب کیست
جب تو عاجز تھا تو شرمندگی کا ہے کی ہے؟	عاجزی کی جستجو کر کہ وہ کس کی کشش سے ہے

یعنی جب تم عاجز تھے تو پشیمانی کس چیز کی وجہ سے ہے تو عاجزی کو تلاش کرو کہ کس کے جذب کی وجہ سے ہے مطلب یہ ہے کہ تم جو کہتے ہو کہ ہم کو تو پشیمانی ہوتی ہے اور اس خیال کے دفع پر ہم قادر نہیں ہیں تو جواب یہ ہے کہ اچھا گناہ جب تم نے کیا تھا اس وقت بھی تو اس کے ترک پر تم قادر نہ تھے بلکہ اس کے فعل پر عاجز تھے جب یہ بات ہے تو پھر اس پر اب پچھتاتے کیوں ہو معلوم ہوا کہ نہیں تم کو قدرت حاصل ہے مگر خود ہی نہیں چھوڑتے تھے تو اسی طرح یہاں بھی قدرت تو ہے مگر اغواء شیطانی کی وجہ سے تم اس میں لگ رہے ہو۔ کیونکہ

عاجزی بے قادری اندر جہاں	کس ندیدست و نباشد ایں بداں
عاجزی بغیر قدرت کے دنیا میں	یہ سمجھ لے کسی نے نہیں دیکھی اور نہ ہو گی

یعنی عاجزی بے قادری کے جہاں میں کسی نے نہیں دیکھی اور نہ ہوتی ہے اس کو جان لو مطلب یہ کہ جب تم کہتے ہو

کہ ہم فلاں کام سے عاجز ہیں اس کہنے کے معنی یہی ہیں کہ کسی درجہ میں ہم کو قدرت بھی ہے ورنہ اگر تم کو قدرت بالکل نہ ہو تو تم پر عاجز کا اطلاق نہ ہوگا جیسے کہ اگر رات نہ ہو تو دن دن نہ رہے دن جو دن ہے بہ سبب رات ہی کے ہے۔ لہذا جب عجز ہے تو ضرور ہے کہ قدرت بھی ہے اور جب قدرت ہے تو بس پشیمانی کو ترک کر کے کام میں لگو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہمچنیں ہر آرزو کہ مے بری	توز عیب آں حجابے اندری
اسی طرح جو آرزو تو کرتا ہے	تو اس کے عیب سے پردہ میں ہے

یعنی اسی طرح جو آرزو تو کرے تو اس کے عیب سے تو ایک حجاب میں ہے۔

ورنمودی علت آں آرزو	خود رمیدے جاں تو از جستجو
اگر اللہ (تعالیٰ) اس آرزو کا عیب نمودار کر دیتا	تو تیری جان جستجو سے خود بھاگتی

یعنی اور اگر اس آرزو کا عیب دکھائی دیتا تب تو تیری جان خود جستجو سے بھاگتی۔

گر نمودے عیب آں کار او ترا	کس نبردے کش کشاں آنسو ترا
اگر اس کام کا عیب وہ (خدا) ظاہر کر دیتا	کوئی کھینچ تان سے تجھے ادھر نہ لے جا سکتا

یعنی اگر اس کام کا عیب حق تعالیٰ تجھے دکھلا دیتے تو تجھے کوئی کشاں کشاں اس طرف نہ لے جاتا۔

واں دگر کارے کزاں ہستی نفور	زاں بود کہ عیبش آمد در ظہور
وہ دوسرا کام جس سے تو متنفر ہے	اس وجہ سے ہے کہ اس کا عیب ظاہر ہو گیا ہے

یعنی اور جس کام سے تم متنفر ہو رہے ہو یہ اس لئے ہے کہ اس کا عیب ظاہر ہو گیا ہے مطلب یہ ہے کہ غرض جس فکر اور آرزو میں اور دنیا کے جس کام میں تم لگے ہوئے ہو اس کی وجہ یہی ہے کہ اس کے عیب کی تم کو اطلاع نہیں ہے اگر عیب کی اطلاع ہو جاوے تو اس سے کوسوں دور بھاگنے لگو اور دیکھو جس کام کے عیوب تم کو معلوم ہو جاتے ہیں اس سے تم خود نفرت کرنے لگتے ہو۔ تو بس دنیا کے کام میں لگنا اور برے کام کو اختیار کرنا غفلت ہی کی وجہ سے ہے۔ اگر غفلت نہ رہے اور حق تعالیٰ چشم بصیرت عطا فرما دے تو پھر یہ بات نہ ہو۔ لہذا آگے حق تعالیٰ سے تعالیٰ کرتے ہیں کہ۔

اے خدائے رازداں خوش سخن	عیب کار بد زما پنہاں مکن
اے رازداں شیریں کلام خدا!	برے کام کا عیب ہم سے پوشیدہ نہ رکھ

یعنی اے خدائے رازداں خوش سخن برے کام کا عیب ہم پر پوشیدہ مت فرمایئے۔

عیب کار نیک را منما بما	تا نگردیم از روش سرد وہبا
ہمیں اچھے کام میں عیب نہ دکھا	تاکہ ہم رفتار میں ٹھنڈے اور ناچیز نہ بنیں

یعنی نیک کام کے عیوب ہم کو دکھایئے مت تاکہ ہم اس کے رد کی وجہ سے سرد اور فضول نہ ہو جاویں مطلب یہ کہ اے

اللہ برے کاموں کے عیوب تو ہم کو دکھلا دے کہ ہم ان سے بچیں اور نیک کاموں کے عیوب جو ہمارا نفس تراشتا ہے مثلاً سود نہ لینا جو نیک کام ہے اس میں نفس عدم ترقی کا عیب جتلاتا ہے ان عیوب کو ہم سے چھپائے رکھئے تا کہ ہم ان کاموں میں رغبت کریں یہاں تک یہ مضمون کہ ہر کام کے اصول وحی سے معلوم ہوئے ہیں مع اپنے متعلقات کے ثابت ہو گیا تو اب پھر اسی قصۂ سلیمان کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ وہ ان نباتات سے خاصیت دریافت کر کے اطباء کو بتلا دیا کرتے تھے۔

رفت در مسجد میان روشنی	ہم براں عادت سلیمان سنی
(صبح کی) روشنی میں مسجد میں گئے	بزرگ سلیمان اسی عادت کے مطابق

یعنی اسی عادت کے موافق حضرت سلیمان بزرگ (صبح کے وقت) روشنی میں تشریف لے گئے۔

کہ بہ بیند مسجد اندر نو گیاہ	قاعدہ ہر روز را می جست شاہ
تاکہ مسجد میں (کوئی) نئی بوٹی دیکھیں	روزانہ کا قاعدہ تھا کہ شاہ تلاش کرتے

یعنی ہر روز کے قاعدہ کے موافق شاہ (دین) تلاش کر رہے تھے کہ مسجد میں کوئی نیا گھاس دیکھیں۔ آگے مولانا انتقال فرماتے ہیں کہ جس طرح سلیمان علیہ السلام مسجد اقصےٰ میں نیا گھاس اور نئی بوٹی تلاش کر رہے تھے اسی طرح عارفین کاملین قلب میں نئے نئے واردات غیبیہ کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور وہ اس میں لگے رہتے ہیں فرماتے ہیں کہ۔

آں حشائش کہ شد از عامہ خفی	دل بہ بیند سر بداں چشم صفی
ان بوٹیوں کا جو عوام سے پوشیدہ ہیں	مصفی آنکھ سے دل دیکھ لیتا ہے راز

یعنی دل پوشیدہ طور پر اس چشم برگزیدہ سے ان بوٹیوں کو دیکھتا ہے جو عوام سے پوشیدہ ہیں (اور وہ علوم و معارف واردات ہیں) کہ وہ ظاہر میں تو ایک ویرانہ میں ہے مگر باطن میں وہ ایک باغ کا مشاہدہ کر رہا ہے اور اس ظاہری باغ و بہار سے اس کو کوئی غرض نہیں ہوتی۔ آگے اس پر ایک حکایت لاتے ہیں۔

قصہ ایک صوفی کا کہ باغ کے اندر مراقبہ میں مشغول تھا تو اس کے دوستوں نے کہا کہ سر اٹھا کر باغ اور خوشبوؤں کی سیر کر کہ قرآن میں آیا ہے انظروا الیٰ اثار رحمۃ اللہ

صوفیانہ روئے برزانو نہاد	صوفئے در باغ از بہر کشاد
صوفیوں کے طریقہ پر منہ زانو پر رکھ دیا	ایک صوفی نے باغ میں مشاہدہ کے لئے

یعنی ایک صوفی نے باغ میں تفریح کے لئے صوفیوں کی طرح منہ گھٹنے پر رکھا۔

پس فرو رفت او بخود اندر نغول	شد ملول از صورت خوابش فضول
وہ گہرائی میں اتر گیا	ایک لغو انسان اس کی نیند کی (سی) صورت سے پریشان ہو گیا

یعنی پس وہ اپنے اندر ایک گہرے گڑھے میں چلا گیا تو اس کی نیند جیسی صورت سے بیکار شخص پریشان ہوا۔ (اور بولا کہ)

کہ چہ خسپی آخر اندر رزنگر	ایں درختاں بین و آثار خضر
کہ کیوں سوتا ہے؟ انگوروں کو دیکھ	ان درختوں اور سبزے کے آثار کو دیکھ

یعنی سو کیا رہا ہے ذرا انگور میں دیکھ ان درختوں کو دیکھ اور سبزی کے آثار کو دیکھ۔

امر حق بشنو کہ گفت است انظروا	سوئے ایں آثار رحمت آر رو
اللہ (تعالیٰ) کا حکم سن اس نے فرمایا ہے اس کو دیکھ	رحمت کے ان آثار کی جانب رخ کر

یعنی حکم حق کو سن کر فرمایا کہ دیکھو اور ان رحمت (بارش) کے آثار کی طرف توجہ کر۔ مطلب یہ کہ ایک صوفی باغ میں جا کر سر جھکا کر مراقب ہو گیا تو اس کے ساتھیوں نے کہا کہ میاں کیا سر جھکا کر بیٹھے ہو ذرا سر اٹھاؤ اور انگور درخت پھول پھلواری دیکھو کیونکہ خود حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ انظروا الیٰ آثار رحمۃ اللہ تو رحمت سے مراد بارش ہے۔ یہ درخت جو بارش کے آثار ہیں ان میں غور کرو اور ان کے حسن کو دیکھو اور فرحت حاصل کرو اس کو سن کر وہ صوفی صاحب جواب دیتے ہیں کہ۔

گفت آثارش دل است اے بوالہوس	آں بروں آثار آثار است وبس
اس نے کہا اے بوالہوس اس کے آثار دل ہے	وہ باہر فقط آثار کے آثار ہیں

یعنی صوفی نے کہا کہ اے بوالہوس اس (کی رحمت) کے آثار تو دل (مع مافیہ) ہے اور وہ باہر صرف آثار کے آثار ہیں۔

باغہا و سبزہا در عین جاں	بر بروں عکسش چو در آب رواں
باغات اور سبزے جان میں ہیں	باہر اس کا عکس ہے جیسا کہ رواں پانی میں

یعنی باغات اور سبزے جان میں ہیں اور باہر ان کا عکس ہے جیسے کہ چلتے ہوئے پانی میں (باغات وغیرہ کا عکس ہوا کرتا ہے)

آں خیال باغ باشد اندر آب	کہ کند از لطف آب آں اضطراب
پانی میں باغ کا عکس ہوتا ہے	جو پانی کی لطافت کی وجہ سے ہلتا رہتا ہے

یعنی پانی میں وہ باغ کا خیال ہوتا ہے جو کہ پانی کی لطافت کی وجہ سے اضطراب کرتا ہے۔

باغہا و میوہا اندر دل است	عکس لطف او بریں آب وگل است
باغات اور پھل دل کے اندر ہیں	اس کی لطافت کا عکس اس پانی اور مٹی پر ہے

یعنی میوے اور باغات دل میں ہیں اور اس (دل) کی لطافت کا عکس آب وگل پر ہے۔ مطلب یہ کہ ان صوفی صاحب نے جواب دیا کہ میاں تم کو خبر تو ہے نہیں اصل باغ و بہار اور میوے تو قلب مومن میں ہیں اور اصل میں وہی آثار رحمۃ اللہ ہیں اور جو میرے وغیرہ ظاہر میں نظر آتے ہیں یہ تو دل کے ثمرات کے جو کہ آثار اصلی ہیں۔ رحمت کے آثار ہیں۔ ان کی ایسی مثال ہے کہ جیسے باغات کا عکس پانی میں پڑا کرتا ہے۔ پانی کی لطافت کی وجہ سے وہ درخت وغیرہ متحرک اور سرسبز و شاداب معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ وہ اصل درخت اور میوے نہیں ہیں بلکہ وہ ان اصلی میووں کا عکس ہیں۔ جو باغ میں لگ رہے ہیں تو اگر کوئی اس پانی والے باغ کا گرویدہ ہو جائے اور اس اصل باغ کو چھوڑ دے تو ظاہر ہے کہ محرومی کے سوا اس کے ہاتھ کیا آوے گا تو اسی طرح باغ و بہار اصل تو دل میں ہے اور یہ ظاہری باغ و بہار دل کے باغ و بہار کی ایسے ہی عکوس ہیں جیسے اس ظاہری باغ و بہار کا عکس پانی میں پڑ رہا تھا آگے وہ صوفی صاحب اس کی دلیل بیان کرتے ہیں کہ۔

گر نبودے عکس آں سرو سرور	پس نخواندے ایزدش دارالغرور
اگر (یہ) اس سرور کے سرو کا عکس نہ ہوتا	تو اس کو اللہ (تعالیٰ) دھوکے کا گھر نہ فرماتا

یعنی اگر (یہ جہاں) اس سرور کے سرو کا عکس نہ ہوتا تو حق تعالیٰ اس کو دھوکہ کا گھر نہ فرماتے۔ حاصل دلیل کا یہ ہے کہ اگر قلوب اہل اللہ کا جس میں بہت سے درخت اور میوے لگ رہے ہیں مثلاً ان کے قلوب کا سرور جو کہ ان کے باغ قلب کے لئے بمنزلہ سرو کے ہے یہ جہاں عکس نہ ہوتا تو اس کو حق تعالیٰ دھوکا کا گھر نہ فرماتے اور یہ دھوکہ کا گھر نہ ہوتا کیونکہ دھوکہ تو یہی ہے کہ ایک غیر حقیقی شے کو حقیقی سمجھا جاوے تو چونکہ لوگوں نے ان عکوس کو اصل سمجھ لیا تھا اس لئے حق تعالیٰ نے اس کو دارالغرور کہا کہ جو باغ و بہار اور جو آثار اصل ہیں ان کو چھوڑ کر لوگ دھوکہ میں پڑ گئے ہیں اور غیر اصل باغ و بہار کو اصل سمجھ لیا ہے جب یہ دارالغرور ہوا تو بس ان اشیاء کا عکس ہونا بھی ثابت ہو گیا آگے خود بھی فرماتے ہیں کہ۔

ایں غرور آنست یعنی آں خیال	ہست از عکس دل و جان رجال
یہ دھوکہ وہی ہے یعنی وہ عکس	انسانوں کے دل اور جان کا عکس ہے

یعنی یہ دھوکہ وہ ہے یعنی کہ وہ خیال مردان حق کی دل و جان کا عکس ہے۔ مطلب یہ کہ دھوکہ یہی ہے کہ لوگوں کو جو ان اشیاء کا خیال ہے اور ان کو جو اشیاء واقعیہ سمجھتے ہیں یہ حقیقت میں عکوس ہیں اور اصل اشیاء وہ ہیں جو قلب مومن میں ہیں لہذا سراسر دھوکہ ہونا ثابت ہو گیا۔ جب اس عالم کا دھوکہ کا گھر ہونا ثابت ہو گیا تو آگے فرماتے ہیں کہ۔

جملہ مغروراں بریں عکس آمدہ	برگمانے کایں بود جنت کدہ
سب دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں اس عکس پر جمع ہیں	اس گمان سے کہ یہ جنت کدہ ہو گا

یعنی تمام لوگ اسی عکس پر دھوکہ میں آگئے ہیں ایک گمان پر کہ یہ جنت ہے۔

می گریزند از اصول باغہا	بر خیالے می کنند ایں لاغہا
وہ باغوں کی اصلوں سے بھاگتے ہیں	یہ کھواس عکس پر کر رہے ہیں

یعنی یہ باغات اصلیہ سے بھاگے ہیں اور ایک خیال پر یہ کھیل کر رہے ہیں۔

چونکہ خواب غفلت آید شان بسر	راست بنہند وچہ سود ست آں نظر
جب ان کی غفلت کی نیند ختم ہوگی	ٹھیک دیکھ لیں گے (لیکن) وہ دیکھنا کیا مفید ہے

یعنی جب ان کی خواب غفلت ختم ہوگی تو ٹھیک چیز کو دیکھ لیں گے اور (اب) دیکھنے سے کیا فائدہ۔

پس بگورستان غریو افتاد و آہ	تا قیامت زیں غلط و احسرتاہ
قبرستان میں بہت شور اور آہ ہے	قیامت تک اس غلطی سے افسوس

یعنی پھر گورستان میں شور اٹھتا ہے اور افسوس اور قیامت تک اس غلطی کی وجہ سے حسرت (ہوتی ہے)

اے خنک آنکس کہ پیش از مرگ مرد	یعنی او از اصل ایں زر بوئے برد
وہ شخص قابل مبارکباد ہے جو مرنے سے پہلے مرگیا	یعنی اس کو اس انگورستان کی اصل کا پتہ چل گیا

یعنی کیا ہی اچھا ہے وہ شخص جو کہ مرنے سے پہلے مرگیا۔ یعنی وہ اس انگور کی حقیقت سے بو لے گیا۔ مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جتنے آدمی اس عالم کی باغ و بہار پر جان دیئے ہوئے ہیں اور اس میں لگے ہوئے ہیں یہ سارے کے سارے دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں اور ان ہی کو اصل باغ و بہار سمجھ کر حقیقی باغ و بہار سے دور بھاگے جا رہے ہیں اور اس کو حاصل نہیں کرتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب یہ زندگی جو کہ خواب غفلت کی مانند ہے ایک روز ختم ہوگی جب ان کی آنکھیں کھلیں گی مگر جب آنکھ کھلنے ہی سے کیا فائدہ اب کیا ہو پچھتانے سے جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ غرضکہ پھر اسی حسرت و افسوس میں قیامت تک رہیں گے اور اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ بس سب سے اچھا وہ ہے کہ جس نے اس جہان کی تمام اشیاء کو ہیچ سمجھا۔ اور ان سب سے قطع تعلق کر کے الگ ہوگیا اور جو دوسرے نے مرنے کے بعد دیکھا اس کو اس نے ابھی سمجھ لیا اور اس پر کاربند ہوگیا۔ اور ان چیزوں میں دل نہ لگایا۔ مقصود مولانا کا اس سے یہ ہے کہ یہ تو ظاہر ہے کہ تمام عالم صفات حق کا مظہر ہے اور انسان مظہر اتم ہے اور یہی ایجاد سے مقصود ہے اور پھر انسان کامل مظہر اکمل ہے مقصودیت میں بھی اکمل ہے لہذا یہ مقصود ہوئے اور عالم کی تمام اشیاء تابع ہوئیں۔ جن کو مولانا نے عکس سے تعبیر فرمایا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ انسان کامل جس کی وجہ سے انسان کامل ہوا ہے تم کو وہ باتیں حاصل کرنا چاہئیں اور ان ظلال وعکوس کو ترک کرنا چاہئے اور دل نہ لگانا چاہئے اب آگے پھر مولانا سلیمان علیہ السلام کے قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں۔

سلیمان علیہ السلام کا مسجد اقصےٰ کے گوشہ میں خروب کے اگنے سے غمگین ہونا جبکہ خروب نے اپنی خاصیت بیان کی

شد بعادت مسجد اندرا ے فتیٰ	ہمچنیں روزے سلیماں از قضا
اے نوجوان! عادت کے مطابق مسجد کے اندر گئے	تقدیر سے ایک روز (حضرت) سلیمان

یعنی اسی طرح حسب عادت سلیمان علیہ السلام قضا کی وجہ سے مسجد میں تشریف لے گئے۔ اے جوان۔

رستہ بروئے دانہ ہمچوں خوشہ	نو گیاہے دید اندر گوشہ
خوشہ کی طرح اس پر دانے اگے ہوئے تھے	ایک گوشہ میں ایک نئی بوٹی دیکھی

یعنی ایک گوشہ میں ایک نیا گھاس دیکھا۔ جس پر خوشہ کی طرح دانے لگ رہے تھے۔

می ربود آں سبزیش نور از بصر	دید بس نادر گیاہے سبز و تر
اس کی سبزی آنکھ کی روشنی کو اچک رہی تھی	انہوں نے ایک بہت کامیاب سبز اور تر بوٹی دیکھی

یعنی ایک عجیب گھاس سبز اور تر و تازہ دیکھا کہ اس کی سبزی آنکھ سے نور کو اچکے لیتی تھی یعنی بہت ہی سرسبز تھا۔

او جوابش گفت و بشگفت از خوشیش	پس سلامش کرد در حال آں حشیش
انہوں نے جواب دیا اور اس کی خوشنمائی سے کھل گئے	اس بوٹی نے فوراً ان کو سلام کیا

یعنی اس گھاس نے سلیمان علیہ السلام کو فوراً سلام کیا تو سلیمان علیہ السلام نے اس کا جواب دیا اور اس کی تر و تازگی کی وجہ سے خوش ہوئے۔

گفت خروب است اے شاہ جہاں	گفت نامت چیست برگوئید ہاں
اس نے کہا اے شاہ جہاں! میرا نام خروب ہے	انہوں نے فرمایا ہاں بتا تیرا کیا نام ہے؟

یعنی آپ نے فرمایا کہ ہاں تیرا نام کیا ہے بتا تو اس نے کہا کہ اے شاہ جہاں (میرا نام) خروب ہے۔

گفت من رستم مکان ویراں شود	گفت اندر تو چہ خاصیت بود
اس نے کہا میں اگوں تو مکاں ویران ہو جائے	فرمایا تیرے اندر کیا خاصیت ہے

یعنی آپ نے فرمایا کہ تیری خاصیت کیا ہے تو اس نے کہا کہ میں اگا اور مکان ویران ہوا۔

ہادم بنیاد ایں آب و گلم	من کہ خروبم خراب منزلم
میں اس پانی اور مٹی کو ڈھانے والی ہوں	میں چونکہ خروب ہوں مکان کی خرابی ہوں

یعنی کہ میں خروب ہوں (باعث) گھر کی ویرانی کا ہوں اور اس آب وگل کی بنیاد کا گرا دینے والا ہوں۔

کہ اجل آمد سفر خواہم نمود	پس سلیماں آزماں دانست زود
کہ موت (قریب) آ گئی وہ سفر آخرت کریں گے	تو سلیمان اس وقت جلد سمجھ گئے

یعنی پس سلیمان علیہ السلام نے فوراً جان لیا کہ موت آ گئی۔ (اب) میں (اس جہان سے) سفر کروں گا۔ (کیونکہ)

در خلل ناید ز آفات زمیں	گفت تا من ہستم ایں مسجد یقیں
زمین کی آفتوں سے خلل میں نہ آئے گی	انہوں نے (دل میں) کہا جب تک میں (زندہ) ہوں یہ مسجد یقیناً

یعنی (دل میں) کہا کہ جب تک میں ہوں یہ مسجد یقیناً آفات زمین سے خلل پذیر نہ ہوگی

مسجد اقصیٰ مخلل کے شود	تا کہ من باشم وجود من بود
مسجد اقصیٰ کب تباہ ہو سکتی ہے؟	جب تک میں ہوں (اور) میرا وجود ہے

یعنی جب تک میں ہوں اور میرا وجود ہے مسجد اقصے خلل پذیر کب ہوگی۔

نبود الا بعد مرگ مابداں	پس خراب مسجد ما بے گماں
ہمارے مرنے کے بعد ہی ہوگی سمجھ لے	تو یقیناً ہماری مسجد کی تباہی

یعنی پس ہماری مسجد کی خرابی بے شک ہماری موت کے بعد کے علاوہ نہ ہوگی۔ مطلب یہ کہ جب خروب نے اپنی خاصیت ویرانی منزل بتائی اور اگا تھا مسجد اقصے میں تو معلوم ہوا کہ یہ مسجد ویران ہونے والی ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام یہ بھی جانتے تھے کہ میری زندگی میں یہ خراب ہوگی نہیں۔ بلکہ میرے بعد ہی اجڑے گی لہذا اس کے اجڑنے کا وقت آنا میری موت کا آنا ہے۔ لہذا اسی سے انہوں نے سمجھا کہ اب سفر آخرت قریب آ گیا ہے۔ آگے مولانا اس مضمون سے انتقال فرما کر فرماتے ہیں کہ۔

یار بد خروب ہر جا مسجد است	مسجد است ایں دل کہ جسمش ساجد است
جس جگہ مسجد ہے برا دوست خروب ہے	وہ دل مسجد ہے جس کا جسم نمازی ہے

یعنی یہ دل مسجد ہے کہ جسم اس کا ساجد (مطیع) ہے اور جہاں کہیں مسجد ہے یار بد خروب ہے۔

ہیں ازو بگریز و کم کن گفتگو	یار بد چوں رست در تو مہر او
خبردار! اس سے بھاگ بات نہ کر	تیرے اندر جب برے دوست کی محبت اگی

یعنی جب یار بد کی محبت تیرے دل میں اگی تو اس سے بھاگ اور گفتگو کو کم کر۔ (یعنی حیلہ بہانے بہت سے مت کرو بلکہ جو کہتے ہیں مان لو)

برکن از بیخش کہ گر سر برزند	مرترا و مسجدت را برکند
اس کو جڑ سے اکھاڑ دے اس لئے کہ اگر ابھرے گی	تجھے اور تیری مسجد کو اکھاڑ دے گی

یعنی اس کو جڑ سے اکھاڑ ڈال کہ اگر بڑھ گیا تو تجھے اور تیری مسجد کو (دونوں کو) برباد کردے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح وہاں مسجد اقصےٰ تھی اس کے بمنزلہ تمہارا دل ہے اور تمہارا بدن جو دل کا مطیع ہے، بجائے ساجد فی المسجد کے ہے اور جس طرح وہاں خروب جما تھا اسی طرح تمہارے قلب میں یاران بد کی محبت جمتی ہے سو اگر خیریت چاہتے ہو تو اس خروب یعنی یار بد کی محبت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکو کہ ابھی تو ذرا سی ہے اس قدر مضر نہیں ہے لیکن اگر کہیں ترقی کر گئی اور تمہارے اندر جڑ پکڑ گئی تو یہ یاد رکھنا کہ تمارے دل کو جو بجائے مسجد کے ہے اور تمہارے بدن کو جو بمنزلہ ساجد کے ہے برباد و تباہ کر کے چھوڑے گی کیونکہ یاراں بد سے جسمانی و روحانی دونوں طرح کے نقصان پہنچتے ہیں۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔ اب یہاں مولانا نے جو نصیحت کی تو مخاطب کی طرف سے مولانا کو انکار کا شبہ ہوا جیسا کہ اوپر کے شعر یار بد چوں است در تو'' ہیں کم کن گفتگو'' سے اس طرف اشارہ بھی کردیا ہے کہ میاں بہت بہانے مت کرو جو کہتے ہیں سن لو۔ مگر اس کے ماننے میں اس کی طرف سے جو حیلے ہوئے جیسا کہ قاعدہ ہے کہ ناصح مشفق کی بات کو سن کر اکثر لوگ حیلے تراشا کرتے ہیں اس لئے مولانا آگے اس کو مخاطب فرما کر فرماتے ہیں کہ۔

عاشقا خروب تو آمد کژی	ہمچو طفلاں سوئے کژ چوں می غوی
اے عاشق! کجی تیری خروب ہے	تو کجی کی طرف گھٹنوں کے بل بچوں کی طرح کیوں جا رہا ہے؟

یعنی اے عاشق (یار بد) تیرا (دوسرا) خروب کجی ہے تو بچوں کی طرح کجی کی طرف کس طرح جا رہا ہے۔ مطلب یہ کہ اے یار بد کے عاشق تیرے لئے ایک تو وہ یار بد خود خروب کی طرح ہے اور دوسرا خروب تیری یہ کجی ہے کہ تو ناصح مشفق کی نصیحت کو نہیں سنتا اور حیلے و بہانے کرتا ہے ان حیلوں اور بہانوں کو ترک کر تجھے تو یہ چاہئے کہ۔

خویش را نادان و مجرم گو بترس	تا نہ زدو از تواں استاد درس
اپنے آپ کو نادان اور مجرم کہہ ڈر	تا کہ درس کا استاد تجھ سے (آنکھ) نہ چرائے

یعنی اپنے نادان اور مجرم ہونے کا اقرار کرلے اور ڈرتا رہ کہ کہیں وہ استاد تجھ سے درس کو لے نہ لے۔

چوں بگوئی جاہلم تعلیم دہ	ایں چنیں انصاف از ناموس بہ
جب تو کہے گا میں جاہل ہوں سکھا دے	ایسا انصاف ' بڑائی سے بہتر ہے

یعنی جب تو کہے گا کہ میں جاہل ہوں تعلیم دیجئے تو ایسا انصاف عار سے بہتر ہے۔ مطلب یہ کہ میاں ان حیلوں کو تو ترک کرو اور اپنے جہل کا اور مجرم ہونے کا اعتراف کر کے اس سے تعلیم کی اور نصیحت کی درخواست کرو۔ ورنہ اگر ایسا نہ کیا تو خوف ہے کہ کہیں وہ ناصح تم کو نصیحت کرنا چھوڑ نہ دے اور پھر تم مدت العمر بھٹکتے ہی

پھر و۔ تم کو جو اعتراف جرم اور جہل سے عار آتی ہے اس عار سے وہ اقرار بدر جہا اولیٰ اور بہتر ہے۔

از پدر آموز اے روشن جبیں	ربنا گفت و ظلمنا پیش ازیں
اے روشن جبیں! باپ سے سیکھ لے	اس نے اس سے پہلے ربنا اور ظلمنا کہا ہے

یعنی اے روشن پیشانی والے باپ سے سیکھ کہ انہوں نے اس سے پہلے ہی ربنا ظلمنا انفسنا الخ

نے بہانہ کرد و نے تزویر ساخت	نے لوائے مکر و حیلت برفراخت
نہ بہانہ کیا نہ مکر کیا	نہ مکر اور حیلہ کا جھنڈا بلند کیا

یعنی نہ بہانہ کیا اور نہ دھوکہ کیا نہ مکر اور حیلہ کا جھنڈا بلند کیا۔ مطلب یہ کہ میاں اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کی روش پر چلو کہ دیکھو جب ان سے لغزش ہوگئی تو کوئی تاویل وغیرہ اس میں نہیں کی بلکہ فوراً اعتراف کر لیا اور ربنا ظلمنا انفسنا الخ عرض کر دیا پھر جو اس پر نتیجہ ہوا وہ ظاہر ہے کہ ان کے مراتب عالی ہوئے اور وہ جیسے مقبول حق تھے ویسے ہی رہے اور مدارج عالی ہوگئے۔

باز آں ابلیس بحث آغاز کرد	کہ بدم من سرخرو کردیم زرد
پھر اس شیطان نے بحث شروع کر دی	کہ میں سرخرو تھا تو نے مجھے شرمندہ کیا

یعنی پھر اس ابلیس نے بحث شروع کی کہ (اے اللہ) میں تو سرخرو تھا آپ نے ہی تو مجھے زرد (رو) کیا۔

رنگ رنگ تست صباغم توئی	اصل جرم و آفت و داغم توئی
رنگ تیرا ہی رنگ ہے' تو ہی مجھے رنگنے والا ہے	میرے جرم اور آفت اور داغ کی جڑ تو ہے

یعنی (یہ) رنگ آپ ہی کا رنگ ہے اور میرے رنگنے والے تو آپ ہی ہیں میرے جرم کا منشا اور میرے داغ کی آفت تو آپ ہی ہیں۔

ہیں بخواں رب بما اغویتنی	تانگردی جبری و کژ کم تنی
خبردار! رب بما اغویتنی کو پڑھ لے	تاکہ تو جبری نہ بنے اور ٹیڑھا نہ چلے

یعنی ہاں رب بما اغویتنی کو پڑھ تاکہ تو جبری نہ ہو جاوے اور کجی کو کم تنے۔ مطلب یہ کہ دیکھو حضرت آدم علیہ السلام کے اعتراف کا اثر بلندی مدارج ہوا اور شیطان نے جو بحث شروع کر دی اور حق تعالیٰ ہی پر الزام لگانے لگا کہ میں کیا کروں میری اس میں کیا خطا ہے آپ ہی نے مجھے گمراہ کیا ورنہ میں ہرگز گمراہ نہ ہوتا اور میری جو حالت ہے یہ آپ ہی نے کی ہے ورنہ میں تو اچھا خاصہ تھا تو اس کا نتیجہ دیکھ لو کہ مردودیت ابدی ہوا کہ ابدالآباد کے لئے ملعون ہو گیا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ میں یہ باتیں شیطان کی اپنی طرف سے بیان نہیں کرتا بلکہ قرآن شریف سے بیان کرتا ہوں ۔ تم آیت قال فبما اغویتنی لاقعدن لھم الخ کو پڑھو تم کو خود معلوم ہو جاوے گا کہ آیا اس نے یہ باتیں کیں یا

نہیں اس کو پڑھ کر اور اس کی حالت اور آدم علیہ السلام کی حالت کو دیکھ کر اب تم کو چاہئے کہ جبری نہ بنو اور سمجھ لو کہ یار بد سے بچنا تمہارے اختیار میں ہے اور جس قدر تم عذر پیش کرتے ہو یہ سارے تمہارے حیلے ہیں اور سب مکر ہیں ان کو چھوڑ و اور اعتراف جرم کر کے ناصح مشفق کی نصیحت کو سنو اور یاران بد سے اجتناب کرو آگے فرماتے ہیں کہ۔

بر درخت جبر تا کے برجہی	اختیار خویش را یک سونہی
جبر کے درخت پر کب تک کودتا پھرے گا؟	اپنے اختیار کو ایک طرف رکھے گا

یعنی درخت جبر پر کب تک کودتے رہو گے اور اپنے اختیار کو (کب تک) ایک طرف رکھتے رہو گے۔

ہمچو آں ابلیس و ذریات او	باخدا در جنگ و اندر گفتگو
شیطان اور اس کی اولاد کی طرح	اللہ (تعالیٰ) کے ساتھ لڑائی اور گفتگو میں ہے

یعنی اس ابلیس اور اس کے ذریات کی طرح خدا سے جنگ میں اور گفتگو میں (کب تک رہو گے) مطلب یہ کہ جبر کے قائل ہو کر کب تک اپنا تمریہ اور انکار خطا کرتے رہو گے اور کب تک یہ حیلے بہانے شیطان کی طرح کرو گے اب تو اعتراف کر کے رجوع بحق ہونا چاہئے کیونکہ ثابت ہو گیا کہ جبر محض نہیں ہے۔ بلکہ اختیار بھی ہے آگے بھی اسی کو ثابت فرماتے ہیں کہ۔

چوں بود اکراہ باچندیں خوشی	کہ تو در عصیاں ہمی دامن کشی
اتنی خوشی کے ساتھ جبر کیسے ہو سکتا ہے؟	کہ تو گناہوں میں دامن گھسیٹتا ہے

یعنی باوجود اس قدر خوشی کے کہ تو عصیان میں دامن کھینچتا ہے اکراہ کس طرح ہو سکتا ہے۔

آنچناں خوش کس دو دور مکر ہی	کس چناں رقصاں رود در گمرہی
جبر کی حالت میں اس طرح خوشی سے کون دوڑتا ہے؟	کون ہے جو اس طرح گمراہی میں ناچتا ہوا جائے؟

یعنی اس طرح خوش کوئی زبردستی میں دوڑتا ہے اور کوئی اس طرح گمراہی میں اچھلتا کودتا جاتا ہے۔

بیست مردہ جنگ میکردی دراں	کت ہمی دادند پند آں دیگراں
تو نے اس معاملہ میں بیس انسانوں کی طرح جنگ کی	وہ دوسرے جبکہ تجھے نصیحت کرتے تھے

یعنی بیس آدمیوں کی برابر تو جنگ کرتا ہے اس میں کہ وہ دوسرے تجھے نصیحت کرتے ہیں (اور کہتا ہے کہ)

کہ صواب ایں است وراہ ایں است وبس	کہ زند طعنہ مرا جز ہیچکس
کہ صحیح یہی ہے اور بس راستہ یہی ہے	مجھے نالائق کے سوا کون طعنہ دے سکتا ہے؟

یعنی کہ ٹھیک یہی ہے اور راہ (درست) یہی ہے اور بس اور سوائے ذلیل لوگوں کے مجھے کون طعنہ کرے گا۔ مطلب یہ کہ تم جو گناہ کرتے ہو تو دیکھو کیسے اپنی خوشی سے کرتے ہو اور کیسے ناچتے کودتے ہو۔ بھلا جس شخص سے

زبردستی کام لیا جاتا ہے وہ بھی کہیں اس طرح خوش خوش اس کام کو کیا کرتا ہے اگر اکراہ ہوتا تو تم تو بہت ہی پژمردہ ہوتے اور اس گناہ کے وقت پریشان ہوتے۔ اور اگر ذرا سا سہارا اس کے ترک کا ملتا تو اس کو غنیمت جانتے بخلاف اس کے تمہاری تو یہ حالت ہے کہ اگر کوئی تم کو نصیحت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کو ترک کر دو یہ بری بات ہے تو تم اس سے لڑنے کو موجود ہو جاتے ہو اور ثابت کرنے لگتے ہو کہ نہیں یہی درست ہے اور ثابت بھی ایسے ویسے نہیں بلکہ اس قدر زور و شور سے ثابت کرتے ہو کہ جیسے وہ ناصح ایک ہے اور اس کے مقابلہ میں بیس آدمی رد کے لئے ہوں اور کہتے ہو کہ میاں جو احمق ہیں وہ اس کو برا بتاتے ہیں ورنہ اصل میں راہ صواب یہی ہے تو بھلا کوئی مکرہ بھی اس طرح کیا کرتا ہے۔ تمہاری اس حالت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تم اس گناہ کو خود اپنے اختیار سے کرتے ہو۔ اور نیک کاموں میں جبری بن جاتے ہو مولانا فرماتے ہیں کہ۔

کے چنیں گوید کسے کو مکرہ است	کے چنیں جنگد کسے کو بے رہ ست
جو مجبور ہے وہ کب اس طرح کہتا ہے؟	ایسی لڑائی کب لڑ سکتا ہے وہ جو کہ (جبراً) بے راہ ہے

یعنی بھلا جس پر زبردستی کی گئی ہو وہ اس طرح کب کہتا ہے اور جو (اپنے کو) گمراہ (سمجھتا) ہو وہ کہیں اس طرح لڑا بھی کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ جس سے زبردستی کام لیا جاتا ہے بھلا وہ اس کام پر اس طرح اڑتا بھی ہے ہرگز نہیں بلکہ وہ تو اپنی جان چھڑا کر بھاگنا چاہتا ہے اور خلاصی کے بہانے تلاش کیا کرتا ہے تو تمہارے اس کہنے سے اور جھگڑنے سے صاف معلوم ہو گیا کہ تم پر کوئی زبردستی نہیں بلکہ تم اپنی خوشی سے سارے کام کرتے ہو۔ بس بات ہے تو یہ ہے کہ۔

ہر چہ نفست خواست داری اختیار	ہر چہ عقلت خواست آری اضطرار
جس چیز کو تیرا جی چاہے تو اس میں اختیار رکھتا ہے	جو تیری عقل چاہتی ہے اس پر مجبوری کو پیش کرتا ہے

یعنی جس بات کو تیرا نفس چاہتا ہے اس میں تو تم اختیار رکھتے ہو اور جس کو تمہاری عقل چاہتی ہے اس میں تم اضطرار کو لاتے ہو یعنی مقتضیات نفس میں تو سارے کام اختیار سے کرتے ہو اور اگر کوئی نیک کام کو کہتا ہے جو مقتضا ہے عقل کا تو اس میں یہ کہہ دیتے ہو کہ ہم کر ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ خدا کو یہ منظور نہیں ہے اور اس کی مشیت کے خلاف ہم کچھ کر نہیں سکتے۔ لہذا نیک کام کرنا ہمارے اختیار سے خارج ہے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

داند آنکو نیک بخت و محرم است	زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است
جو نیک بخت اور دانائے راز ہے وہ جانتا ہے	چالاکی شیطان کا اور عشق (حضرت) آدم کا کام ہے

یعنی جو شخص کہ دانا اور محرم (اسرار) ہے وہ جانتا ہے کہ چالاکی کرنا تو ابلیس کا کام ہے اور عشق آدم علیہ السلام کا کام ہے۔ مطلب یہ کہ زیرکی جس میں اپنی عقل اور سمجھ کو درمیان میں لانا اور حق تعالیٰ سے معارضہ کرنا اور نعوذ باللہ اپنے گناہوں کا الزام حق تعالیٰ پر رکھنا اور اعتراف نہ کرنا اور جبر کے قائل ہونا یہ سب داخل ہے یہ تو کام شیطان کا ہے کہ وہی اس طرح کہا کرتا تھا اور عشق جس میں اطاعت محضہ ہوتی ہے آدم علیہ السلام کا کام ہے پس

اب تم خود فیصلہ کرلو کہ کونسا قابل حصول ہے اور کون قابل ترک خدا کے لئے اس زیرکی کو ترک کرو اور اطاعت اور اعتراف ذنوب اختیار کرلو اور جبر کو چھوڑ دو۔ آگے زیرکی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

زیرکی آمد سباحت در بحار	کم رہد غرق است او پایان کار
چالاکی سمندروں میں تیرنا ہے	وہ نجات نہیں پاتا آخر کار ڈوبتا ہے

یعنی زیرکی سمندر میں تیرنا ہے تو (سمندر میں تیرنے والا) کم چھوٹتا ہے وہ آخر کار غرق (ہی ہوتا ہے)

ہل سباحت را رہا کن کبر و کیں	نیست جیحوں نیست جو دریاست ایں
تیرنا چھوڑ تکبر اور کینہ ترک کر دے	جیحوں نہیں ہے نہر نہیں ہے یہ سمندر ہے

یعنی تیراکی کو چھوڑ اور کبر و کینہ کو ترک کر یہ کوئی ندی نالہ نہیں ہے سمندر ہے۔

وانگہاں دریائے ژرف و بے پناہ	در رباید ہفت دریا را چو کاہ
اور پھر گہرا اور بے پناہ سمندر	جو ساتوں سمندروں کو تنکے کی طرح بہا لے جائے

یعنی اور وہ بھی ایک دریائے عمیق بے پناہ کہ سات دریا کو تنکے کی طرح بہالے جاوے۔

عشق چوں کشتی بود بہر خواص	کم بود آفت بود اغلب خلاص
خاصان (خدا) کے لئے عشق بمنزلہ کشتی کے ہے	(جس میں) آفت کم ہوتی ہے عموماً نجات ہوتی ہے

یعنی خواص کے لئے عشق کشتی کی طرح ہے تو آفت کم ہوتی ہے اکثر خلاص ہی ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ احکام حق کے سامنے زیرکی سے کام لینا ایسا ہے جیسا کہ سمندر میں تیرنا اور سمندر بھی ایسا ویسا ندی نالہ جیسا نہیں بلکہ اس قدر گہرا کہ اگر سات سمندر بھی اس کے اندر آ جاویں تو کہیں پتہ نہ چلے تو ظاہر ہے کہ ایسے دریا کا تیرنے والا کنارہ کو نہیں لگ سکتا آخر ایک روز اسی میں غرق ہو کر ہلاک ہوگا۔ اسی طرح اس زیرکی کو اختیار کرنے والا ایک دن ہلاک ہوگا اور روسیاہ ہو کر دربار حق سے نکالا جاوے گا۔ (اللھم احفظنا) لہٰذا تم کو چاہئے کہ اس کو ترک کر کے عشق و طاعت کو اختیار کرو جس کی مثال کشتی جیسی ہے۔ اس میں بیٹھ کر آرام سے اس سمندر کو عبور کر سکو گے۔ اپنی عقل کو بالائے طاق رکھو اور بس اطاعت محضہ اختیار کرو۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

زیرکی بفروش و حیرانی بخر	زیرکی ظن است و حیرانی نظر
چالاکی فروخت کردے اور حیرانی خرید لے	چالاکی گمان ہے اور حیرانی مشاہدہ ہے

یعنی زیرکی کو فروخت کر کے حیرانی کو خرید لے زیرکی تو ظن ہے اور حیرانی حقیقت ہے۔

عقل قربان کن بہ پیش مصطفےٰ	حسبی اللہ گو کہ اللہ ام کفے
عقل کو (حضرت) مصطفےٰ پر قربان کر دے	حسبی اللہ کہہ دے کہ اللہ مجھے کافی ہے

یعنی عقل کو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قربان کر دے اور حسبی اللہ کہہ دے اور (کہہ دے) کہ اللہ مجھے کافی ہے۔ مطلب یہ کہ اپنی عقل کو جو صرف اکل کے کام کی ہے اور اس زیرکی کو الگ کر کے حیرانی اور عشق کو خرید لے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جانشینوں کے سامنے سر اطاعت خم کر کے اپنی رائے اور عقل وغیرہ سب کو فنا کر دے اور خدا پر بھروسہ کر کے ان حضرات کا اتباع کرو بس یہ ہے طریق اسی سے منزل تک رسائی ہوگی ورنہ عمر بھر بھٹکو گے اور راہ کا کہیں پتہ نہ ملے گا۔

ہمچو کنعان سرز کشتی وامکش	کہ غرورش داد نفس زیرکش
کنعان کی طرح کشتی سے [illegible] نہ کر	کیونکہ چالاک نفس نے اس کو دھوکا دیا

یعنی کنعان (پسر نوح علیہ السلام) کی طرح کشتی سے علیحدگی مت اختیار کر کہ اس کو تو اس کے نفس زیرک نے دھوکہ دیا تھا۔

کہ برآیم برسر کوہ مشید	منت نوحم چرا باید کشید
کہ میں مضبوط پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا	میں (حضرت) نوحؑ کا احسان کیوں اٹھاؤں؟

یعنی کہ میں کسی بلند پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا میں نوحؑ کا احسان کیوں کھینچوں۔ مطلب یہ کہ دیکھو جس طرح کہ کنعان پسر نوح علیہ السلام نے کشتی نوح سے علیحدگی اختیار کی تھی اور اس کے نفس نے اس کو اس طرح بہکایا تھا کہ میاں کیوں ان کا احسان لیا یہ پانی بھلا کہاں تک بڑھے گا میں کسی بلند پہاڑ پر چڑھ کر بچ جاؤں گا۔ جب اس نے اپنی زیرکی اور عقل سے کام لیا اور اس پر عمل کیا تو آخر جو نتیجہ ہوا سب کو معلوم ہے اسی طرح تم بھی اس کشتی عشق سے الگ ہو کر ناصحاں مشفق اور جانشیناں رسول کا اتباع کرتے ہوئے عار سمجھتے ہو اور ان کے احسان سے بچتے ہو تو آخر اس طوفان بلا میں تمہارا بھی وہی حشر ہوگا مولانا فرماتے ہیں کہ۔

چوں رہی از منتش اے بے رشد	کہ خدا ہم منت او می کشد
اے گمراہ! تو اس کے احسان سے کیسے بچ سکتا ہے؟	جبکہ خدا بھی اس کی ناز برداری کرتا ہے

یعنی ارے گمراہ تو بھلا ان کے احسان سے کس طرح چھوٹ سکتا ہے جبکہ حق تعالیٰ بھی ان کے احسان مند (قدرداں) ہیں۔

چوں نباشد منتش برجان ما	چونکہ شکر و منتش گوید خدا
ان کا احسان ہماری جان پر کیوں نہ ہو؟	جبکہ اللہ (تعالیٰ) ان کا شکریہ اور احسان مانتا ہے

یعنی ہماری جان پر ان کا احسان کس طرح نہیں ہے جبکہ ان کا شکر اور احسان حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

تو چہ دانی اے غرارہ پر حسد	منت او را خدا ہم می کشد
اے حاسد مغرور! تو کیا جانتا ہے؟	اس کا احسان خدا بھی مانتا ہے

یعنی اے مغرور حاسد تو کیا جانے کہ ان کی قدر حق تعالیٰ بھی فرماتے ہیں۔ مطلب یہ کہ مولانا اس کنعان کو

مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ میاں تم تو کیا ہو جو ان کے احسان سے بچتے ہو اور ان سے عار کرتے ہو ان کی تو وہ شان ہے کہ حق تعالیٰ بھی ان کی قدر و منزلت کرتے ہیں جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کی بابت ہزار ہا جگہ خود قرآن شریف میں موجود ہے تو بھلا تم کس کھیت کے بتھوے ہو تمہاری تو وہاں پوچھ بھی نہیں۔ تو اسی طرح اے مخاطب تو جو اولیاء اللہ جانشینان انبیاء سے عار کرتا ہے اور ان کا بار احسان سر پر لینا نہیں چاہتا اس سے کیا ہوتا ہے حق تعالیٰ ان کے قدردان ہیں اور ان کی قدر وہ فرماتے ہیں لہٰذا تیرا احسان نہ ماننے سے ان کا کوئی ضرر نہیں ہے سراسر تیرا ہی ضرر ہے کہ تو ہلاک ہوگا اور خسران ابدی میں جا پڑے گا اور فرماتے ہیں کہ۔

کاشکے او آشنا ناموختے	تا طمع در نوح و کشتی دوختے
کاش کہ وہ تیرنا نہ سیکھتا	تاکہ نوح اور کشتی سے تمنا وابستہ کرتا

یعنی کاش وہ تیرنا نہ سیکھتا تا کہ نوح اور کشتی میں حرص کرتا۔

کاش چوں طفل از حیل جاہل بدے	تا چو طفلاں چنگ در ما در زدے
کاش وہ بچوں کی طرح حیلوں سے جاہل ہوتا	تاکہ بچوں کی طرح ماں کا سہارا پکڑتا

یعنی کاش وہ بچوں کی طرح حیلوں سے جاہل ہوتا تا کہ بچوں کی طرح ماں میں چنگل مارتا۔

یا بعلم نقل کم بودے ملی	علم وحی دل ربودے از ولی
یا وہ رسمی علم سے پُر نہ ہوتا	کسی ولی سے دل کی وحی کا علم حاصل کرتا

یعنی یا علم نقل سے کم تونگر ہوتا کسی ولی سے وحی دل کا علم اڑا لیتا۔

چوں تیمم با وجود آب داں	علم نقلی با دم قطب زماں
پانی ہوتے ہوئے تیمم کی طرح سمجھ	قطب زماں کے قول کے سامنے رسمی علم کو

یعنی قطب زمان کے ہوتے ہوئے علم نقلی کو (ایسا سمجھو جیسے کہ) پانی کے ہوتے ہوئے تیمم۔ مطلب یہ کہ کاش اگر کنعان شناوری نہ سیکھتا اور اس سے جاہل ہی رہتا تو اچھا تھا کہ اس جہل سے بچ تو جاتا اب تو اس تیرنے ہی کے گھمنڈ پر اس نے یہ جرات کی کہ کشتی میں نہ بیٹھا۔ اور کاش تمام علموں سے بچوں کی طرح جاہل ہوتا تو جس طرح بچہ ماں کو لپٹا کرتا ہے اسی طرح وہ کشتی کی طرف توجہ کرتا اور اس جہل اور بے دست و پائی سے بچ جاتا اور خیر اگر علم ہی ہوتا تو یہ علم نقلی تو نہ ہوتا بلکہ علم وحی ہوتا کہ کسی کا اتباع کرتا اور ہلاکت سے بچتا اسی طرح اے مخاطب اگر تو جاہل ہوتا اور تجھے یہ سارے حیلے حوالے نہ آتے اور تو مجبور ہوتا تو اس علم سے اچھا تھا کہ پھر اپنے اوپر گھمنڈ تو نہ ہوتا کہ ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں اس وقت تجھ کو کسی کا اتباع کرتے ہوئے عار نہ ہوتی۔ آج جو یہ عار آ رہی ہے یہ اسی علم کی بدولت تو ہے کہ تو اپنے کو مولوی اور علامہ سمجھے ہوئے ہے اور دوسروں کو جاہل اور حقیر جانتا ہے جو کہ طریق کا سب سے

بڑا راہزن ہے علم وحی کے سامنے اس علم کی مثال ایسی ہے جیسے وضو اور تیمم اگر کوئی شخص پانی ہوتے ہوئے تیمم کر کے نماز ادا کرے تو ظاہر ہے کہ اس کی نماز ادا نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح اس علم وحی کے ہوتے ہوئے اس علم سے کام لوگے تو آخر سوائے ہلاکت کے مقصود تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔ ہاں اگر علم وحی نہ ہوتا تو اس وقت بیشک یہی علم کام دیتا۔ مگر علم وحی کے موجود ہوتے ہوئے تو یہ بالکل بیکار محض ہے لہٰذا اس علم کو اور اپنے دعوے مولویت وغیرہ کو چھوڑ کر یہ کرو کہ۔

رستگی زیں ابلہی یابی و بس	خویش ابلہ کن تبع می رو سپس
اس حماقت سے بس نجات پا لے گا	اپنے آپ کو نادان بنالے تابع بن کر اس کے پیچھے چل

یعنی اپنے کو بیوقوف بنالے اور تابع ہو کر پیچھے چلا چل تو صرف اس ابلہی ہی کی وجہ سے چھٹکارا پاوے گا مطلب یہ کہ اپنے اس دعوے کو چھوڑ دو اور اپنی رائے کو فنا کر کے مرشد کامل اور جانشین نبی کا اتباع کر کے راہ چلتے رہو کہ اس ترک علم ہی سے اور اس بیوقوفی ہی سے تم کو منزل مقصود تک رسائی ہوگی اور آفتوں سے چھٹکارا ملے گا۔

جان وحی آسای تو آرد عتاب	با چنیں نورے چو پیش آری کتاب
تیری وحی سے مانوس جان ناراض ہو گی	ایسے نور کے ہوتے ہوئے جب تو کتاب سامنے لائیگا

یعنی جب تو باوجود ایسے نور کے کتاب کو سامنے لاتا ہے تو تیری جان وحی سے آرام پانے والی عتاب لاتی ہے۔ مطلب یہ کہ جب نور علم وحی کے ہوتے ہوئے تم کتب عقلیہ پر عمل کرنا چاہتے ہو تو تمہاری جان جو علم وحی سے مانوس ہے پریشان ہوتی ہے اور گھبراتی ہے۔ لیکن بعض مرتبہ تو احساس ہوتا ہے مگر تم پرواہ نہیں کرتے اور اس کی طرف التفات نہیں کرتے۔ اس لئے آخر ایک روز پریشانی بھی مضمحل ہو جاتی ہے اور پھر غفلت کا پردہ اس درجہ بڑھ جاتا ہے کہ پھر اس کا احساس بھی نہیں رہتا اور پھر آخر ہلاکت ہوتی ہے لہٰذا اپنی اس زیرکی کو آگ دو اور اس کے مقابلہ میں جو ابلہی ہے اس کو اختیار کرو کیونکہ۔

بہر ایں گفت است سلطان بشر	اکثر اہل الجنۃ البلہ اے پدر
سرور عالم نے اسی لئے فرمایا ہے	اے باوا! جنتی اکثر بھولے ہونگے

یعنی ارے باوا اسی واسطے سلطان بشر نے اکثر اہل جنۃ کو بلہ فرمایا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو حدیث میں بھی تو ہے۔ اہل الجنۃ بلہ" تو اگر تم نے اس ابلہی کو اختیار کر لیا تب تو تم بھی اہل جنت میں سے ہو جاؤ گے اور اگر تم نے اس کو اختیار نہ کیا بلکہ اپنی زیرکی ہی میں رہے تو پھر جو نتیجہ ہے وہ ظاہر ہے۔

ابلہے شو تا بماند دین درست	زیرکی چوں کبر باد انگیز تست
نادان بن تاکہ ایمان سلامت رہے	چالاکی' تکبر کی طرح تجھ میں ہوا بھرنے والی ہے

یعنی زیرکی تکبر کی طرح تمہاری پھلانے والی ہے تو ابلہ ہو جاتا کہ دین درست رہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو کبر تو تم

کو بھی معلوم ہے کہ راہزن طریق ہے اور یہ تمہاری زیرکی بھی کبری کی طرح ہے۔ لہٰذا اس سے بھی بچو تاکہ دین درست رہے ورنہ دین کی خیر نہیں ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ اگر تم کو یہ شبہ ہو کہ بھلا عقل جیسی شے بھی کہیں برباد کرنے کے قابل اور کھو دینے کے قابل شے ہے اور ابلہی بھی کہیں قابل حصول ہے تو سن لو کہ تم جس کو ابلہی سمجھتے ہو ہماری مراد وہ نہیں ہے ہماری مراد ابلہی سے وہ ہے کہ جس کے حاصل ہونے سے تم صاحب اسرار اور عاقل کامل ہو جاؤ گے۔ اور عقل کے کھونے سے مراد اس عقل ناقص کا کھونا ہے کہ اس کو کھو کر کامل کو حاصل کرو۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

ابلہی نے کو بمسخر دو توست	ابلہی نے کز شقاوت مال جوست
ایسا نادان نہیں جو مسخرہ پنا سے وابستہ ہے	ایسا نادان نہیں بدبختی سے مال کی جستجو میں ہے

یعنی وہ ابلہی نہیں جو کہ مسخرہ پن کے ساتھ ہو اور وہ ابلہی نہیں جو کہ شقاوت کی وجہ سے طالب مال ہو بلکہ۔

ابلہی کو والہ و حیران ہوست	باشد اندر گردن او طوق دوست
ایسا نادان جو اس کا عاشق اور حیران ہے	اس کی گردن میں دوست کا طوق ہے

یعنی وہ ابلہی جو کہ حق تعالیٰ کی شیدا اور حیران ہو اور اس کی گردن میں دوست کا طوق پڑا ہوا ہو۔

ابلہانند آں زنان دست بر	از کف ابلہ ور رخ یوسفؑ نظر
ہاتھ کاٹ لینے والی وہ عورتیں نادان ہیں	جو ہاتھ سے بے خبر اور (حضرت) یوسف کے رخ کی خبر دینے والی تھیں

یعنی وہ ہاتھ کاٹنے والی عورتیں بیوقوف ہی تھیں کہ ہاتھ سے تو بے خبر تھیں اور رخ یوسف میں نظر تھی۔ مطلب یہ کہ ابلہ سے ہماری مراد وہ ابلہ نہیں جو مسخرہ پن کرتے پھرتے ہیں اور باولے ہوتے ہیں بلکہ ابلہ اور بے عقل سے وہ مراد ہے جس کی عقل پر عشق حق غالب ہو گیا ہو اور وہ اس کے عشق میں حیراں اور سرگرداں ہو گیا ہو اور ایسی بیوقوفی مراد ہے جیسی کہ زنان مصر کو مشاہدہ جمال یوسفی کے وقت ہوئی تھی کہ ان کو اپنے ہاتھ کی تو خبر ہی نہیں صرف مشاہدۂ جمال یوسف میں غرق ہو گئیں۔ اسی طرح ابلہ سے وہ مراد ہے کہ اپنی تو خبر نہ رہے اور مشاہدۂ جمال حق میں مصروف ہو جاوے۔ جب معلوم ہو گیا کہ بے عقل وابلہ سے یہ مراد ہے تو اب بے عقل ہونے میں کوئی حرج نہیں ہے اس لئے فرماتے ہیں کہ۔

عقل را قربان کن اندر عشق دوست	عقلہا باری ازاں سویست کوست
دوست کے عشق میں عقل کو قربان کر دے	بہرحال عقلیں بھی اسی جانب کی ہیں جہاں کا وہ ہے

یعنی عشق دوست میں عقل کو قربان کر دے (کیونکہ) عقلیں تو آخر اسی طرف سے ہیں۔ جس طرف سے وہ ہے۔ مطلب یہ کہ عشق حق میں اس عقل ناقص کو قربان کر دو۔ اور اس پر عشق حق کو غالب کر لو کیونکہ آخر یہ عقل بھی تو حق تعالیٰ ہی کے پاس سے آئی ہے اور اسی نے تو دی ہے پھر مالک کے عشق میں اس کو قربان کرتے ہوئے تم کو دریغ کیوں آتا ہے۔ تم کوئی مالک نہیں ہو کچھ نہیں میاں جہاں سے آئی تھی وہیں تو جا رہی ہے پھر مرے کیوں جاتے ہو۔

عقلہا آنسو فرستادہ عقول	ماندہ ایں سو آنکہ گول ست و فضول
بڑے عقلمند نے عقلیں اس جانب روانہ کر دیں	اس جانب اس نے باقی رکھیں جو احمق اور بیہودہ ہیں

یعنی عاقلوں نے تو عقلوں کو اس طرف بھیج دیا ہے اور جو بیوقوف اور فضول ہے وہ اسی طرف رہ گیا ہے۔ مطلب یہ کہ جو عاقل تھے انہوں نے اپنی عقلوں کو عشق میں قربان کر دیا ہے اور جدھر سے آئی تھیں ادھر ہی کو روانہ کر دیا ہے اور جو بیوقوف تھے وہ ویسے کے ویسے ہی رہ گئے کیونکہ وہاں تو یہ حالت ہے کہ

زیں سر از حیرت گر ایں عقلت رود	ہر سر مویت سر و عقلے شود
اگر تیری عقل اس جانب سے حیرت کی وجہ سے جاتی رہے	تیرا ہر بال سر اور عقل بن جائے

یعنی اس سر سے حیرت (عشق) کی وجہ سے اگر تیری عقل جاتی رہے تو تیرا ہر سر مو ایک سر اور عقل ہو جاوے۔ مطلب یہ کہ اگر اس عشق کی وجہ سے تمہاری یہ عقل جاتی رہے اور عشق غالب ہو جاوے تب تو تمہارا ہر ہر بال ایک مستقل عقل ہو جاوے اور اس ناقص کے فنا ہونے سے عقل کامل تم کو مل جاوے۔ اسی لئے جو سمجھ دار تھے انہوں نے اس ناقص کو فنا کر کے کامل کو لے لیا اور جو نا سمجھ تھے وہ ویسے کے ویسے ہی رہے اور وہاں کی تو یہ شان ہے کہ۔

نیست آنسو رنج و فکرت بر دماغ	کز دماغ و عقل روید دشت و باغ
اس جانب دماغ پر فکر کی تکلیف نہیں ہے	کیونکہ دماغ اور عقل سے جنگل اور باغ اگتے ہیں

یعنی اس طرف دماغ پر فکر اور تکلیف نہیں ہے کیونکہ دماغ اور عقل سے تو دشت و باغ اگتے ہیں۔

سوئے دشت از دشت نکتہ بشنوی	سوئے باغ آئی شود نخلت روی
تو جنگل کی جانب (آئے) کو جنگل سے نکتہ سنے	باغ کی جانب آئے تو تیرا نخل سیراب ہو جائے

یعنی جنگل کی طرف (جاوے تو) جنگل سے تو نکات سنے اور باغ کی طرف آوے تو تیرا نخل سرسبز ہو جاوے۔ مطلب یہ کہ وہ عقل کامل میسر ہو جاوے گی تو پھر دماغ پر افکار کا بار نہ رہے گا۔ کہ اب اس عقل کے ہوتے ہوئے تو علوم وغیرہ کو سوچتے ہو اور محنت کرتے ہو تب حاصل ہوتے ہیں اور پھر سب علوم وہبی ہوں گے۔ کسی سوچ بچار کی ضرورت ہی نہ ہوگی اور اب تو دشت و باغ میں جا کر بہار کا مشاہدہ کرتے ہو اور ان میں غور کرنے سے سمجھ میں آتا ہے اور جب وہ عقل کامل میسر ہو جاوے گی تو پھر تو خود دشت و باغ تم سے اسرار کو بیان کرنے لگیں گے۔ اور خود تمہاری عقل و دماغ میں دشت و باغ ہوں گے کہ ان ہی کا مشاہدہ کرتے رہو گے پس جب یہ حالت ہے تو تم کو چاہئے کہ۔

اندریں رہ ترک کن طاق و طرب	تا قلاؤ وزت نجنبد تو مجنب
اس راستہ میں شان و شوکت کو چھوڑ دے	جب تک تیرا رہنما حرکت نہ کرے، حرکت نہ کر

یعنی اس راہ میں ترک بھڑک کو چھوڑ دو اور جب تک تیرا رہبر نہ ملے تو مت ہل۔

ہر کہ او بے سر بجنبد دم بود	جنبشش چوں جنبش کژدم بود
جو بے سر کے حرکت کرے وہ دم ہے	اس کی حرکت بچھو کی سی حرکت ہوتی ہے

یعنی جو بے سر کے ہے وہ دم ہوتی ہے اور اس کی جنبش مثل جنبش کژدم کے ہوتی ہے کہ وہ

کژ روست و کور زشت و زہرناک	پیشۂ او خستن اجسام پاک
ٹیڑھا چلنے والا اور اندھا اور برا اور زہریلا ہے	اس کا پیشہ پاک جسموں کو خستہ کرنا ہے

یعنی کجرو ہے اور اندھا برا اور زہر کا بھرا ہوا ہے اس کی عادت پاک جانوں کو زخمی کرنا ہے۔

سرب کوب آنرا کہ سرش ایں بود	خلق و خوئے مستمرش ایں بود
جس کی یہ طبیعت ہو اس کا سر کچل دے	جس کی عادت اور اخلاق ہمیشہ یہ ہوں

یعنی اس کا سر کوٹ دے کہ اس کا سر اسی لائق ہے۔ اس کا خلق وخو ہمیشہ یہی ہے۔

خود صلاح اوست ایں سر کوفتن	تا رہد جاں ریزہ اش زیں شوم تن
یہ سر کچلنا اس کی بھلائی ہے	تاکہ اس کی حقیر جان منحوس جسم سے چھٹکارا پالے

یعنی خود اس کی بھلائی یہ سرکوشاہی ہے تاکہ اس کی باقی ماندہ جاں اس منحوس تن سے چھوٹ جاوے مطلب یہ ہے کہ راہ حق میں اپنے دعووں کو اور عزت وناموس کو جس کی وجہ سے اتباع سے عار آتی ہے چھوڑ دو اور شیخ کامل کا ایسا اتباع کرو کہ بے اس کی حرکت کے تم کو حرکت بھی نہ ہو۔ کیونکہ تمہارے لئے وہ بجائے سر کے ہے سر اگر سر نہ ہو صرف دم ہی دم ہو تو ظاہر ہے کہ بیکار ہے اسی طرح اگر شیخ نہ ہو اور اس کا اتباع نہ ہو تو دم کی طرح بیکار اور نالائق ہو گے اور جس طرح بچھو کجرو اور اندھا اور برا ہوتا ہے اور ہمیشہ اچھے لوگوں کو ستاتا ہے اسی طرح بے اتباع مرشد کے تم بھی کجرو اور اندھے ہو گے اور تم سے بھی مقبولان الٰہی کو تکالیف ہوں گی پھر اس بچھو کو اگر مار ڈالو تو اس کے لئے یہی اچھا ہے کہ وہ اس نیش زنی سے چھوٹ جاوے گا۔ اسی طرح اگر تم اپنے اندر سے ان دعووں اور خصلتوں کو نکالڈالو گے جو بچھو کی طرح ہیں اور ان کا سر کچل دو گے تو خیر جو کچھ ایمان باقی رہ گیا ہے وہ تو بچ جاوے گا۔ اور تم مقبولان الٰہی کو ستانے سے تو باز رہو گے لہٰذا ان باتوں کے لئے بہتری یہی ہے کہ ان کو ترک کیا جاوے اور فنا کر دیا جاوے تاکہ ایمان کی سلامتی ہو خوب سمجھ لو۔ اور فرماتے ہیں کہ۔

واستان از دست دیوانہ سلاح	تاز تو راضی شود عدل و صلاح
دیوانہ کے ہاتھ سے ہتھیار لے لے	تاکہ تجھ سے انصاف اور نیکی خوش ہو

یعنی دیوانہ کے ہاتھ سے ہتھیار لے لو تاکہ تم سے انصاف اور بھلائی راضی ہو۔

چوں سلاحش ہست وعقلش نے بہ بند	دست او را ورنہ آرد صد گزند
جبکہ اس کے پاس ہتھیار ہے اور عقل نہیں ہے باندھ دے	اس کا ہاتھ ورنہ وہ سو نقصان پہنچائے گا

یعنی جب اس کے پاس ہتھیار تو ہیں اور عقل ہے نہیں تو اس کے ہاتھ باندھ دو ورنہ سینکڑوں گزند پہنچا دے گا۔
مطلب یہ کہ تمہارے نفس کے پاس یہ علم وغیرہ جس کا وہ دعویٰ کررہا ہے ایسے ہیں جیسے کسی دیوانہ کے ہاتھ میں ہتھیار ہوں تو جب اس کو عقل تو ہے نہیں اور ہتھیار ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ جو کچھ نہ کرے کم ہے لہٰذا اس کے ہاتھ سے ہتھیار لے لو۔ اسی طرح اس نفس سرکش کے دعوے علم وغیرہ کو برباد کردو اور مٹا دو اس طرح کہ اس کو ذلیل کرکے کسی محقق کا اتباع کرو کہ اس سے کام بن جاوے گا غرضکہ اپنی رائے کو آگ لگادو اور اتباع شیخ کامل شروع کرو بس راستہ صاف ہے ورنہ اگر اپنی رائے سے کامل یا تو پھر ایسے قعر میں گروگے کہ کہیں پتہ بھی نہ چلے گا حضرت حافظؒ اسی کو فرماتے ہیں۔

عقل خود درائے خود در عالم رندی نیست   کفر ست دریں مذہب خود بینی و خود رائی

بس اس راہ میں جو ہوتا ہے اتباع سے ہوتا ہے۔ ورنہ ساری عمر بھٹکتے پھرو کچھ ہاتھ پلے نہیں پڑتا۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

بے قلاؤوز اندریں صحرا مرو

چونکہ یہاں فرمایا تھا کہ دیوانہ کے ہاتھ سے ہتھیار لے لو ورنہ وہ خود بھی ہلاک ہوگا اور دوسروں کو بھی ہلاک کرے گا۔ تو آگے اسی مناسبت سے بیان فرماتے ہیں کہ اسی طرح بدگوہر کو علم و مال و جاہ کا حاصل ہونا ایسا ہے جیسا کہ راہزن کے ہاتھ میں تلوار دیدینا۔

بیان اس کا کہ بدگوہر کو علم و مال و جاہ حاصل ہونا اس کیلئے باعث رسوائی ہے اور ایسا ہے جیسے کہ ڈاکو کے ہاتھ میں تلوار دیدی جائے

بد گہر را علم و فن آموختن	دادن تیغے بدست راہزن
بد اصل کو علم و فن سکھانا	ڈاکو کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے

یعنی نالائق کو علم و فن سکھانا رہزن کے ہاتھ میں ایک تلوار دیدینا ہے۔

تیغ دادن در کف زنگی مست	بہ کہ آید علم ناکس را بدست
مست حبشی کے ہاتھ میں تلوار دے دینا	اس سے بہتر ہے کہ علم نااہل کے ہاتھ آئے

یعنی زنگی مست کے ہاتھ میں تلوار دے دینا بہتر ہے اس سے کہ نااہل کو علم حاصل ہو جاوے۔ (کیونکہ وہ تلوار کو لے کر تن ہی کو زخمی کرے گا اور یہ علم سیکھ کر تو روح اور ایمان کی خبر لے گا (اللھم احفظنا)

علم و مال و منصب و جاہ و قراں	فتنہ آمد در کف بد گوہراں
علم اور مال اور عہدہ اور رتبہ اور (ان سے) وابستگی	بداصلوں کے ہاتھ میں فتنہ ثابت ہوئی ہے

یعنی علم اور جاہ اور منصب اور مال اور شوکت بدگوہروں کے ہاتھ میں فتنہ ہے (قراں کہتے ہیں ستاروں کے

جمع ہونے کو اور چونکہ نجومی کواکب سعد کے اجتماع سے ان کی شوکت و جاہ پر استدلال کرتے ہیں اس لئے مجازاً اقران کا اطلاق شوکت و جاہ پر کردیا گیا) مطلب یہ کہ مال و جاہ وغیرہ کا حصول نااہل کے لئے فتنہ ہے۔

تاستانند از کف مجنوں سناں	پس غزا زیں فرض شد بر مومناں
تاکہ وہ پاگل کے ہاتھ سے بھالا چھین لیں	مومنوں پر جہاد اسی لئے فرض ہوا ہے

یعنی پس اسی لئے مومنین پر لڑائی فرض ہوئی تاکہ مجنون کے ہاتھ سے بھالا لے لیں۔ (آگے خود اس کی شرح فرماتے ہیں کہ)

واستاں شمشیر رازیں زشت خو	جان او مجنون تنش شمشیر او
اس بدعادت سے تلوار چھین لے	اس کی جان پاگل ہے اس کا جسم اس کی تلوار ہے

یعنی اس کی جان تو مجنون ہے اور اس کا تن تلوار ہے تو اس زشت خو سے تلوار کو لے لے۔ مطلب یہ کہ مومنین پر جو جہاد فرض ہوا ہے اس کی وجہ یہی ہے تاکہ ان کے بدنوں کو ان کی جانوں سے خالی کردیں کیونکہ ان کی جانوں کی مثال تو مجنون جیسی ہے اور تن شمشیر کی طرح ہے سو اگر شمشیر نہ رہے گی تو یہ خود بھی ضرر سے بچ جاوے گا۔ اور دوسرے بھی اس کے ضرر سے بچ جاویں گے۔

از فضیحت کے کند صد ارسلاں	انچہ منصب میکند باجاہلاں
رسوائی میں سو شیر نہیں کرتے ہیں	جاہلوں کے ساتھ عہدہ جو کچھ کرتا ہے

یعنی منصب جتنا جاہل کو رسوا کرسکتا ہے سو شیر بھی نہیں کرسکتے۔ مطلب یہ کہ جب جاہل کو کوئی منصب اور جاہ نصیب ہو جاتا ہے تو وہ اس کے عیوب کو اس طرح ظاہر کردیتا ہے کہ اگر بڑے سے بڑا کوئی زبردست ہو وہ بھی اس کو اس طرح رسوا اور ذلیل نہیں کرسکتا کیونکہ۔

مارش از سوراخ بر صحرا شتافت	عیب او مخفی ست چوں آلت بیافت
اس کا سانپ سوراخ سے جنگل میں دوڑ پڑا	اس کا عیب پوشیدہ ہے جب اس نے ذریعہ حاصل کرلیا

یعنی اس کا عیب پوشیدہ ہے اور جب آلہ پالیا اور اس کا سانپ سوراخ سے جنگل میں دوڑا۔

چونکہ جاہل شاہ حکم مرشود	جملہ صحرا مار و کژدم پر شود
جب جاہل کردے حکم کا شاہ بن جاتا ہے	تمام جنگل سانپ اور بچھو سے بھر جاتا ہے

یعنی تمام جنگل سانپ بچھوؤں سے پر ہو جاتا ہے جبکہ جاہل حکم قطعی کا مالک ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ جاہل کا عیب اول تو پوشیدہ تھا کسی کو خبر نہ تھی کہ یہ ضرر رساں ہے یا نفع رساں۔ جب اس کو قوت اور شوکت میسر ہوگئی اور

اس نے ضرر رسانی شروع کی تب سب کو اس کا عیب معلوم ہوجاتا ہے اور سب لوگ اس کی حالت کو جان لیتے ہیں اور پھر جو خصلت کہ دبی پڑی تھی اور جس کا ظہور ضرر رسانی نہیں ہوتا تھا آج منصب ملنے سے اس کا خوب ظہور ہو رہا ہے اور تمام عالم اس کی وجہ سے ایسا ہوگیا ہے جیسے سارے جہان میں مار و کژدم بھر گئے ہیں جس طرح وہ سب ضرر رساں ہوں گے اسی طرح یہ حضرت بھی اس منصب و جاہ کی بدولت ضرر رساں ہو رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ۔

یعنی جب قلم کسی غدار کے ہاتھ میں ہو تو ضرور منصور دار پر ہوگا۔ مطلب یہ کہ جب نااہلوں کے ساتھ حکومت ہوگی تو ایسے ہی ایسے واقعات ہوں گے جیسے کہ حضرت منصور دار پر کھینچ دئے گئے اگر کوئی اہل ہوتا تو ان کی حالت کو عذر سمجھ کر چھوڑ دیتا۔ بلکہ اور تعظیم و تکریم کرتا مگر نااہلوں کی وجہ سے ان پر یہ گزری آگے فرماتے ہیں کہ۔

مال و منصب ناسکے کارو بدست	طالب رسوائی خویش او شدہ است
نااہل جو مال اور عہدہ حاصل کرتا ہے	وہ اپنی رسوائی کا طالب بنتا ہے

یعنی مال و منصب جو کوئی نااہل ہاتھ میں لاوے وہ اپنی رسوائی کا خود طالب ہوا ہے (کیونکہ)

یا کند بخل و عطا ہا کم دہد	یا سخا آرد بنا موضع نہد
یا وہ بخل کرے گا اور عطیات نہ دے گا	یا سخاوت کرے گا تو بے موقع کرے گا

یعنی یا تو بخل کرے گا اور عطائیں کم دے گا اور یا سخا کرے گا تو بے جگہ رکھے گا۔

شاہ را در خانہ بیذق نہد	اینچنیں باشد عطا کاحمق دہد
شاہ کو پیدل کے خانہ میں رکھ دے گا	احمق جو عطا دیتا ہے وہ ایسی ہوتی ہے

یعنی شاہ کو پیادہ کے خانہ میں رکھ دے گا اور جو عطا کہ احمق کرتا ہے وہ تو ایسی ہی ہوتی ہے مطلب یہ کہ اگر کوئی جاہل اور نااہل مال و منصب کے حصول کی کوشش میں ہو تو سمجھ لو کہ یہ خود ہی اپنی رسوائی کے درپے ہے۔ اس لئے کہ جب مال و منصب ہاتھ لگ جاوے گا تو دو ہی صورتیں ہیں یا تو بخل کرے گا یا سخاوت اگر بخل کیا تب تو بدنامی اور رسوائی ظاہر ہے اور اگر سخاوت کی تب بھی رسوائی ہی ہوگی اس لئے کہ جب خود نااہل ہے اس کو اہل و نااہل میں بھی تمیز نہ ہوگی تو نااہلوں کو بھر دے گا اور جو عطاء کے اہل ہوں گے وہ محروم رہ جاویں گے اور ایسی مثال ہو جاوے گی جیسے شطرنج میں کوئی پیادہ کے خانہ میں شاہ اور بالعکس رکھ دے بس اسی طرح وہ نااہل عطائیں الٹی الٹی کریگا۔

حکم چوں در دست گمراہی فتاد	جاہ پنداریدو در چاہے فتاد
جب حکومت کسی گمراہ کے ہاتھ میں آ گئی	اس نے اس کو رتبہ سمجھا اور وہ کوئیں میں گرا

یعنی حکم جب کسی گمراہ کے ہاتھ میں پڑ گیا تو تم تو جاہ سمجھ رہے ہو اور وہ چاہ (کنویں) میں گر گیا۔ مطلب یہ کہ نااہل کو جب حکومت ملی تو تم کو تو خیال ہے کہ اس کو جاہ و منصب حاصل ہوا مگر سچ پوچھو تو وہ بجائے جاہ کے چاہ

مذلت میں گر پڑا۔ اور اس کی ایسی مثال ہے کہ۔

جان زشت او جہاں سوزی کند	رہ نمیداند قلاوزی کند
اس کی بری جان دنیا کو پھونکتی ہے	راستہ نہیں جانتا رہنمائی کرتا ہے

یعنی راہ تو جانتا نہیں اور رہبری کر رہا ہے تو اس کی جان زشت جہان سوزی کر رہی ہے۔ مطلب یہ کہ جب کوئی خود راستہ نہ جانے اور دوسروں کی رہبری کرنے لگے تو ظاہر ہے کہ وہ قصداً اصلاح کرتا ہے کہ لوگوں کو راستہ دکھا رہا ہے مگر اصل میں وہ اور فساد برپا کر رہا ہے اور ایک عالم کو اس نے آتش ضلالت سے جلا رکھا ہے یہ تو اس کا بیان تھا جو نااہل صاحب جاہ و منصب ظاہری ہو آگے نااہلوں کے رہبر باطنی ہونے کی خرابیاں فرماتے ہیں۔

پیرواں را غول او بیری گرفت	طفل راہ فقر چوں پیری گرفت
پیروکاروں کو نحوست کے بھوت نے پکڑ لیا	راہ فقر کے بچہ نے جب پیری اختیار کر لی

یعنی راہ فقر کا طفل جب پیری کرنے لگے تو اس کا بھوت معتقدین کو آ چمٹے۔ مطلب یہ کہ جب راہ سلوک کا طفل مکتب اور ناداں پیر اور مقتدا بن بیٹھے تو بس سمجھ لو کہ جو اس کے معتقدین ہیں ان کا تو سب کا ناس ہو گیا گویا کہ ان کو تو بھوت نے آ دبوچا اور وہ پیر تو یہ کہہ رہا ہے کہ۔

ماہ را ہرگز ندید آں بے ضیا	کہ بیا تا ماہ بنمایم ترا
(خود) اس بے نور نے چاند کو بھی نہیں دیکھا ہے	کہ آ تاکہ تجھے چاند دکھاؤں

یعنی کہ آ میں تجھے چاند دکھلاؤں اور چاند کو اس بے نور نے خود بھی نہیں دیکھا۔ مطلب یہ کہ وہ معتقدین کو پکار رہا ہے کہ آؤ میں تم کو ماہ ہدایت دکھلا دوں مگر اس اندھے نے خود تو کبھی چاند کو دیکھا ہی نہیں اوروں کو تو کیا دکھاوے گا بجز اس کے کہ اور گمراہ کرے گا اور نہ معلوم کس کو چاند بتا دے گا مولانا فرماتے ہیں کہ۔

عکس مہ در آب ہم اے خام عمر	چوں نمائی چوں ندیدستی بعمر
اے کچے نادان! پانی میں بھی چاند کا عکس	تو کیسے دکھائے گا جبکہ تو نے تمام عمر نہیں دیکھا ہے؟

یعنی ارے لونڈے تو کیا دکھاوے گا جبکہ تو نے خود عمر بھر چاند کے عکس کو پانی میں بھی نہیں دیکھا مطلب یہ کہ میاں اس راہ میں دودن کے صاحبزادے ہو۔ بھلا جب تم نے اس چاند کا کوئی اثر تک نہیں دیکھا تو اوروں کو چاند تو کیا دکھا سکتے ہو۔ حاصل یہ کہ او خویشتن گم است کرا رہبری کند

لہذا ایسے لوگوں سے بچنا ضروری ہے اور شیخ کامل کی تلاش (جس کی علامتیں بارہا بتا دی گئی ہیں) کرنی چاہئیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

احمقان سرور شدند و زبیم	عاقلاں سرہا کشیدہ در گلیم
بیوقوف سردار ہوتے ہیں اور خوف سے	عقلمندوں نے گدڑی میں منہ چھپا لیا ہے

یعنی احمق لوگ تو سردار ہوگئے تو عاقلوں نے خوف کی وجہ سے سروں کو کمبل میں کرلیا۔ مطلب یہ کہ جب نااہل سردار ہوگئے تو اہل اللہ نے اپنے کو چھپالیا اور منہ چھپا کر بیٹھ گئے کہ اب چونکہ دنیا نااہلوں سے بھرگئی ہے اس لئے اپنے کمالات کو ظاہر کرتے ہوئے ان کو غیرت آتی ہے کہ نااہلوں کے آگے کیا اظہار کمال کیا جاوے۔ آگے اس پر مولانا سورۂ مزمل کے ایک معنی بیان فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے حضور کو مزمل کیوں فرمایا۔ ایک معنی تو وہی ہیں جو اس کا شان نزول ہے مگر مولانا یہاں دوسرے معنی بیان فرماتے ہیں جو کہ قواعد شرعیہ کے بھی خلاف نہیں اور اس تفسیر کے مخالف بھی نہیں۔ بلکہ مطلب مولانا کا یہ ہے کہ ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں جس سے تفسیر بالرائے کا شبہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ مولانا کو اس معنی کا انکار نہیں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح قاعدہ ہے کہ نااہلوں کے سردار ہو جانے کے وقت اہل اللہ منہ چھپا لیتے ہیں اور اپنے کمالات کو ظاہر نہیں فرماتے اسی طرح حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس وقت کمبل اوڑھ لیا تھا اور منہ چھپا کر لیٹ رہے تھے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے کہ چونکہ کفار کا غلبہ تھا اس لئے حضور نے منہ لپیٹ لیا لہٰذا حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے کمبل والے اٹھوالیٰ آخرہ۔ اب اشعار سے سمجھو۔

شرح حبیبی

سلیمان علیہ السلام کا ہر روز مسجد اقصےٰ میں اسکے پورا ہونے کے بعد عبادت اور عابدین و معتکفین کو وعظ سنانے کیلئے آنا اور مسجد میں اقاقیر کا اگنا اور آنحضرت علیہ السلام سے باتیں کرنا

جبکہ سلیمان علیہ السلام مسجد بنا چکے اور اس سے بالکل فراغت ہوگئی تو آپ کا معمول یہ رہا کہ ہر صبح کو آتے اور مسجد اقصےٰ میں داخل ہوتے اور جب اندر جاتے تو اس میں ایک نیا گھاس اگا ہوا دیکھتے۔ آپ اس سے فرماتے کہ تو کیا دوا اور کیا چیز ہے اور تیرا نام کیا ہے اور تو کس کے لئے مضر ہے اور کس کے لئے مفید۔ پس ہر گھاس اپنا فعل اور نام بیان کرتا اور بتلاتا کہ میں اس کے لئے حیات بخش ہوں اور اس کے لئے مہلک اور اس کے لئے زہر ہوں اور اس کے لئے شکر اور لوح قضا و قدر پر میرا یہ نام ثبت ہے۔ اس کا بیان سن کر حضرت سلیمان حکما سے بیان فرماتے اور اس کا نفع اور نقصان بتلاتے۔ پس طبیب لوگ حضرت سلیمان سے سیکھ کر بوٹیوں کے خواص سے

واقف ہو گئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے کتب طبیہ مرتب کر دیں اور جسم سے امراض دور کرنے لگے اب سنو کہ یہ علم نجوم و علم طب وغیرہ سب ابتداءً باعلام خداوندی انبیاء کو معلوم ہوئے ہیں ورنہ عقل ناقص انسانی اور اس کی حس اس شئے تک کہاں جا سکتی ہے جو کسی جہت ہی میں نہ ہو۔ ہم نے ان کو بے جہت اس واسطے کہا کہ یہ علوم غیبیہ و اسرار الٰہیہ ہیں اور عقل جزوی وناقص سے ان تک رسائی کی اس لئے نفی کی کہ اس میں حق سبحانہ نے یہ قوت نہیں رکھی ہے کہ وہ اس کے خزانہ غیب سے کوئی شئے نکال لے۔ بلکہ اس میں تو صرف یہ قوت رکھی ہے کہ وہ علوم کو جو اس پر فائض کئے جائیں قبول کر لے۔ اس لئے وہ معلم اور مفید کی سراسر محتاج ہے اور یہ عقل قابل تعلیم و فہم ضرور ہے مگر اس شرط سے کہ کوئی صاحب وحی والہام جو کہ براہ راست حق سبحانہ سے علوم حاصل کرتا ہو اس کو تعلیم دے۔ اس لئے یہ یقینی بات ہے کہ تمام پیشہ اور فن ابتداءً وحی سے ماخوذ ہیں۔ ہاں عقل نے انہیں ترقی دی ہے اور علوم قدیمہ کی مدد سے ان میں علوم جدیدہ کا اضافہ کیا ہے۔ اچھا تم غور کرو کہ ہماری عقول کسی پیشہ اور فن کو بھی بدون استاد کے سیکھ سکتی ہیں۔ ہرگز نہیں۔ پس یہ بڑی دلیل ہے اس بات کی کہ ہماری عقول میں قوت استخراج نہیں۔ اور اگرچہ کسی کی عقل کتنی ہی بال کی کھال نکالنے والی کیوں نہ ہو مگر کوئی فن بدون استاد کے قابو میں نہیں آتا۔ پس اگر عقل ہی علوم فنون کا منبع ہوتی تو ضرور کوئی فن کسی عقل کو بدون استاد کے حاصل ہو جاتا۔ مگر مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ تمام علوم ابتداءً وحی سے ماخوذ ہیں اور ان کا منبع عقل نہیں۔ دیکھو گورکنی ایک نہایت معمولی کام ہے یہ بھی غور وخوض اور تدبیر عقل سے نہیں نکلا۔ اور نہ عقل اس کے ایجاد پر قادر تھی کیونکہ اگر قابیل کی عقل اس تک پہنچ جاتی اور وہ سمجھ جاتا تو وہ ہابیل کی نعش کو سر پر لئے ہوئے یہ نہ سوچتا کہ میں اس مقتول اور خاک وخون میں آلودہ کو کہاں چھپاؤں۔ بالآخر حق سبحانہ نے کوے پر اس علم کو فائض کیا اور قابیل نے دیکھا کہ وہ دوسرے کوے کو منہ میں لئے ہوئے تیزی کے ساتھ اڑا آ رہا ہے اور جب وہ ان کے قریب پہنچ گیا تو اوپر سے نیچے آیا اور ان کی تعلیم کے لئے وہ اپنی ہنرمندی سے قبر کھودنے لگا۔ اور اول اس نے پنجہ سے زمین کھودی اس کے بعد اس مردہ کوے کو اس قبر میں داخل اور دفن کیا اس کے بعد اسے مٹی سے چھپا دیا کیونکہ اس کو یہ ہنر بالہام خداوندی معلوم ہو چکا تھا یہ دیکھ کر قابیل نے کہا کہ تف ہے میری اس عقل پر کیونکہ مجھ سے تو کوا ہی زیادہ ہنرمند ہے۔

فائدہ:۔ اس مقام پر اس امر پر تنبیہ کر دینا ضروری ہے کہ مولانا نے علم نجوم کو بھی علم الٰہی اور علم انبیاء قرار دیا ہے۔ اس سے کسی کو دھوکہ نہ ہونا چاہئے اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ علم نجوم پر اعتماد اور اس کی حقیقت کا اعتقاد جائز ہے کیونکہ اس سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ نجوم جو اس وقت مروج ہے یہ ہی بعینہ علم الٰہی ہے۔ ممکن ہے کہ جس طرح یہ آسمان سے اترا تھا اس طرح نہ ہو۔ بلکہ اس میں تغیر وتبدل ہو گیا ہو اور وہ قواعد صحیحہ اغلاط کے ساتھ مخلوط ہو کر بے اعتبار ہو گئے ہوں اور صرف احتمال ہی نہیں بلکہ واقعہ ہے جس کا مشاہدہ شاہد ہے کیونکہ سینکڑوں خبریں منجمین کی غلط ثابت ہوتی ہیں اور اگر کچھ صحیح بھی ہوتی ہیں تو ان میں صحت اتفاقی کا احتمال ہے اس لئے اس کی صحت قابل اعتماد نہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم کو اس پر اعتماد کرنے سے شریعت نے منع کیا ہے۔ اس لئے وہ ہرگز قابل اعتماد نہیں۔

اوپر چونکہ عقل زاغ یعنی کوے کی عقل کا تذکرہ آیا تھا اس مناسبت سے اب مولانا عقل زاغ یعنی چور بھور۔ حریص اور ادھر ادھر بھٹکنے والی عقل کا بیان کرتے ہیں۔ جو ضد ہے عقل مازاغ یعنی صرف مقصود پر نظر رکھنے والی عقل و بضد ہا تبیین الاشیاء اس لئے عقل مازاغ کا بیان بھی کرتے ہیں۔ پس مولانا فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ نے عقل کامل و عقل معاد کی نسبت فرمایا ہے ما زاغ البصر و ما طغیٰ یعنی عقل کل کی نظر صرف مقصود پر ہوتی ہے اور اس مقصود سے تجاوز نہیں کرتی۔ برخلاف اس کے عقل جزوی و عقل ناقص ہر طرف دیکھتی اور ادھر ادھر بھٹکتی ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ عقل مازاغ کا مصداق تو نور اہل اللہ ہے کہ وہ صرف مطلوب بین ہے اور عقل زاغ وہ ہے جو مردوں کے لئے قبریں کھودنا سکھلادے۔ یعنی محقر اور دنیاوی امور میں مصروف ہو۔ (چونکہ عقل زاغ دو احتمال رکھتی ہے اول یہ کہ بمعنی عقل زاغ ہو۔ دوسرا یہ کہ بمعنی عقل غراب ہو۔ لہذا مولانا نے معنی اول مراد لے کر اس کو عقل مازاغ کا مقابل بنایا اور معنی ثانی کے ایہام کے لحاظ سے استاد گور مردگان استعمال کیا۔ اور مضمون مابعد بھی اسی ایہام کے لحاظ سے ہے) دیکھو جو شخص کووں کی پیروی کرے گا اس کو کوے قبرستان میں لے جائیں گے کیونکہ ان کا مرجع وہی ہے اس لئے کہ وہاں ان کوان کی غذا ملتی ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سنو کہ سب سے بڑا کوا نفس ہے اس کے پیچھے ہرگز نہ جانا کیونکہ یہ لامحالہ تمہیں ہلاکت کی جگہ لے جاوے گا۔ اور راحت کی جگہ کبھی نہ لے جاوے گا۔ ہاں اگر تمہیں چلنا ہے تو عنقائے دل کے پیچھے پیچھے عالم غیب کی طرف چلو۔ جو اس عنقا کا مقام ہونے کی جہت سے مثل کوہ قاف کے ہے۔ اور اس سلیمان کا مرجع ہونے کے لحاظ سے مثل مسجد اقصیٰ کے۔ یاد رکھ کہ جس طرح عالم غیب مسجد اقصیٰ دل ہے یوں ہی دل خود تیرے لئے مسجد اقصیٰ ہے اور تیری اس مسجد اقصیٰ میں ہر دم تیرے خیال کا ایک نیا گھاس اگتا ہے۔ پس تو سلیمان علیہ السلام کی طرح اس کا پورا حق ادا کر اور تحقیق کر کہ وہ خیال کیا ہے اور اس کی خاصیت کیا ہے اور اس تحقیق پر کاربند ہو۔ اگر برا ہو اس کے ازالہ کی تدبیر کر۔ اچھا ہو تو اس کو لے لے اور اس کو پامال اور نظر انداز مت کر۔ ہم نے جو کہا ہے کہ تحقیق کر اور اسے نظر انداز مت کر اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمین متعارف کی حالت اس کے رنگ برنگ کی بوٹیوں سے معلوم ہوتی ہے۔ اور اس کے ترجمان اس کے نباتات ہوتے ہیں خواہ وہ گنے ہوں یا بانس یعنی اچھے ہوں یا برے۔ جب تمہیں یہ مقدمہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ اسی طرح دل کے افکار و خیالات جو اس زمین کے لئے نباتات ہیں اس کے اسرار بیان کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ اچھا ہے یا برا۔ پس تم افکار و خیالات کی تحقیق کرو تا کہ اس کے ذریعہ سے تمہیں اپنے دل کی حالت معلوم ہو۔ اچھا اب میں اس بیان کو ختم کرتا ہوں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ میرا قاعدہ ہے کہ اگر مجمع میں کوئی محرک کلام ہوتا ہے جو بات کو کھینچتا ہے تو میں چمن میں ہزاروں پھول کھلا دیتا ہوں۔ اور نہایت عمدہ اور دلکش باتیں کرتا ہوں اور اگر محرک و جاذب سخن کوئی نااہل ہوتا ہے تو میرے دل سے نکتے چور کی طرح بھاگ جاتے ہیں پس چونکہ یہاں کوئی سننے والا نہیں ہے اس لئے خاموشی ہی بہتر ہے اور نااہلوں سے دقیق باتوں کا چھپانا ہی اچھا ہے۔ میں نے جو کہا ہے کہ یہاں کوئی سننے والا نہیں ہے اس کی دلیل یہ

ہے کہ میں خاموش ہو گیا کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جاذب صادق کی طرف ہر شخص کو حرکت ہوتی ہے اور جذب صادق جذب کاذب کی مثل نہیں ہے۔ جو بدون کھینچے چھوڑ دے۔ پس ثابت ہوا کہ سامعین میں جذب صادق نہیں اور وہ سننے کے اہل نہیں۔ چونکہ مولانا نے فرمایا ہے کہ جاذب کی طرف ہر ایک کو حرکت ہوتی ہے اس لئے اب اس کے مناسب مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تو جو کبھی غلط اور کبھی صحیح چال چلتا ہے یہ بھی ایک جاذب کے جذب کا اثر ہے۔ مگر ڈوری کھینچے والا محسوس نہیں اس لئے تو اس ڈوری اور جاذب کا منکر ہے یاد رکھ کہ تو ایک اندھا اونٹ ہے اور تیری مہار دوسرے کے قبضہ میں ہے پس تو مہار کو نہ دیکھ کیونکہ تو اپنے اندھے پن کے سبب اسے دیکھ نہیں سکتا۔ بلکہ کشش کو دیکھ اور سمجھ کہ ضرور میری ڈوری کسی کے ہاتھ میں ہے۔ اب رہی یہ بات کہ وہ ڈوری کھینچے والا دکھائی کیوں نہیں دیتا سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ محسوس ہوتا تو پھر دنیا دھوکہ کا گھر کاہے کو رہتا اور کوئی دھوکہ کاہے کو کھاتا۔ اور معنی امتحان کیونکر متحقق ہوتے۔ مثلاً اگر کافر یہ دیکھتا کہ میری باگ ایک کتے کے قبضہ میں ہے اور میں اس کے پیچھے جا رہا ہوں اور شیطان کا مسخر ہوں تو بھلا وہ قیدیوں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے کیسے چلتا۔ ایسی حالت میں ہر شخص بچہ بوڑھا جوان سب کے سب رک جاتے اور کافر بھی رک جاتا اور اس کے پیچھے نامردوں کی طرح کبھی نہ چلتا۔ علی ہذا اگر گائے کو قصائیوں کی حالت معلوم ہوتی تو وہ کہیں ان کے پیچھے پیچھے ان کی دوکان پر جاتی۔ یا ان کے ہاتھ سے بھوسی کھاتی یا ان کے چمکارنے سے انہیں دودھ دیتی۔ ہرگز نہیں اور اگر وہ چارہ کھا لیتی تو اگر اسے اس چارہ کا مقصد معلوم ہوتا تو اسے کہیں یہ چارہ ہضم ہو سکتا تھا کبھی نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ یہ جہاں غفلت ہی سے قائم ہے اگر آج حقائق منکشف ہو جائیں تو آج ہی سارا کارخانہ درہم برہم ہو جاوے۔ دیکھو اس وقت جو اکثر لوگ طالب دولت ہیں اگر ان کو دولت کی حقیقت معلوم ہو جائے تو پھر کوئی اس کا نام لے ہرگز نہیں۔ کیونکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس کے ابتدا میں دوڑ دھوپ ہے اور آخر میں لات پس دولت کا حاصل یہ ہے کہ ابتدا میں دوڑ دھوپ کرو اور آخر میں لات کھاؤ۔ یعنی دنیا میں اس کی تحصیل کیلئے پریشان ہوں اور آخرت میں اس کا خمیازہ بھگتو۔ ایسی حالت میں اس ویرانہ میں کوئی گدھا ہی جان دے سکتا ہے۔ یعنی اس کی تحصیل میں کوئی بیوقوف ہی پھنس سکتا ہے جو اس کی حالت سے واقف نہ ہو ورنہ جاننے والا تو کبھی بھی ایسا نہ کرے گا۔ اور بر تقدیر انکشاف حقائق کے کوئی گدھا اور بیوقوف ہوتا ہی نہیں اس لئے اس کی تحصیل میں کوئی مرتا کھپتا ہی نہیں۔ پس وہ نتائج جو اس کے اشتغال پر مرتب ہوتے ہیں اس وقت وہ بھی مرتب نہ ہوتے۔ اسی پر اور چیزوں کو قیاس کر لو۔ مثلاً تم نے جس کام کو اس وقت ہاتھ میں لے رکھا ہے اس کا عیب تم سے پوشیدہ ہے اور چونکہ حق سبحانہ نے اس کام کے عیب کو تم سے پوشیدہ رکھا ہے اسی وجہ سے تم اپنے کو اس کام کے حوالہ کر سکتے ہو۔ یہ تو کام کے متعلق گفتگو تھی اسی پر خیال کو قیاس کر لو اور سمجھ لو کہ جس خیال میں تم منہمک ہو اس کا عیب تم سے مخفی ہے لیکن اگر اس کا عیب اور اس کی برائی تم پر ظاہر ہو جاتی تو تم اس سے کوسوں دور بھاگتے۔ نیز جس حالت سے تم آخر میں پشیمان ہوتے ہو پس اگر یہ حالت تمہاری جواب ہے پہلے ہوتی اور تم ابتدا ہی میں اس کی برائی سے واقف ہو

جاتے۔ جیسے کہ اب ہوتو تم اس کے لئے جدوجہد کیسے کرتے۔ اس وجہ سے حق سبحانہ نے اولاً اس کو ہم سے چھپایا تا کہ تقدیر الٰہی کے موافق ہم اس کام کو کر لیں اور جبکہ قضاء الٰہی اپنا کام کر چکی تو اب آنکھ کھلی۔ اور پشیمانی آ پہنچی۔ ایک قضا تو یہ تھی کہ تم وہ کام باختیار خود کرو دوسری قضا یہ ہے کہ اب تم باختیار خود پشیمان ہو۔ اب مولانا نصیحت فرماتے ہیں کہ اب یہ پشیمانی جس میں مشغول ہو کہ اس کی وجہ سے اور اچھے کاموں میں جی نہیں لگاتے۔ فضول ہے۔ اس کو چھوڑ و اور حق سبحانہ کی عبادت کرو۔ اور اس میں مشغول ہو پشیمانی میں مشغول ہونے کا کچھ نتیجہ نہیں۔ بلکہ سراسر مضر ہے۔ کیونکہ اگر تم اس کو عادت بنا لو اور پشیمانی کے عادی ہو جاؤ تو اس پشیمانی سے اور زیادہ پشیمان ہو گے۔ کیونکہ آدھی عمر تو تمہاری پریشانی اور معاصی کے لئے سرگردانی میں ضائع ہوئی اور آدھی پشیمانی میں۔ تو ساری عمر مفت ضائع ہوگئی اور سامان آخرت تمہارے پاس کچھ بھی نہ رہا۔ پس تم اس فکر و پشیمانی ممتد کو چھوڑ و اور معصیت سے باقاعدہ توبہ و استغفار کر کے اچھی حالت اچھے یار اور اچھے کام کی طلب میں لگ جاؤ۔ اگر تم کہو کہ ہمیں کوئی اچھا کام کرنا ہی نہیں اور ہمیں کسی کام کے اچھا ہونے کا علم ہی نہیں تو پھر پشیمانی تمہیں کس چیز کے ضائع ہونے پر ہے۔ کیونکہ اس پشیمانی کے معنی تو یہ ہیں کہ میں نے برا کام کیا برا کیا۔ اگر اچھا کام کرتا تو اچھا ہوتا۔ پس جبکہ تم کو اچھا کام کرنا ہی نہیں اور تم اسے جانتے ہی نہیں تو اس کے کیا معنی کہ میں نے اس کے بجائے فلاں اچھا کام کیوں نہ کیا۔ پس اگر تم جانتے ہو کہ فلاں راستہ اچھا ہے تو اس میں لگ جاؤ اور اگر تم کسی راستہ اور کسی بات کو بھی اچھا نہیں سمجھتے تو اس کام کو جس پر تم پشیماں ہو برا کیسے سمجھتے ہو۔ نیز اگر تم اچھے کو نہیں جانتے تو لازم ہے کہ برے کو بھی نہ جانو۔ کیونکہ برے کو جاننے کی صورت میں اچھے کام کا جاننا ضروری ہے کیونکہ ایک ضد سے دوسری ضد ضرور معلوم ہوتی ہے۔ مثلاً تم جانتے ہو کہ ظلم بری شے ہے تو لازم ہے کہ تمہیں اس کا علم ہو کہ عدل اچھی چیز ہے واللازم باطل فالملزوم مثلاً اس پر اگر تم یہ کہو کہ میں ترک پشیمانی پر قادر نہیں تو ہم کہتے ہیں کہ جس معنی کر تم ترک پشیمانی سے عاجز ہو اسی معنی کر تم گناہ سے بھی عاجز تھے اور جبکہ ترک گناہ سے عاجز تھے تو اب ندامت کیسی۔ پس ثابت ہوا کہ یہ عجز عارضی منافی اختیار اصلی نہیں۔ اب تم کو چاہئے کہ اس عجز کا مبنی تلاش کرو اور اول اس کا قلع قمع کرو تا کہ یہ عجز عارضی مرتفع ہو۔ خوب سمجھ لو کہ یہ عجز جو ہمارے زیر بحث ہے اور جس کو تم عذر قرار دے رہے ہو نہ بدوں قدرت کے کسی نے دیکھا ہے اور نہ ہو سکتا ہے بلکہ یہ عجز مجتمع مع القدرۃ ومنی عن الاختیار ہے پس یہ ہرگز عذر نہیں ہو سکتا خیر یہ بحث تو استطرادی تھی اب ہم پھر مضمون سابق کو بیان کرتے ہیں سنو تم جو آرزو کرتے ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ تم اس کا عیب ظاہر نہیں اور اگر اس متمنی کا نقص تمہیں معلوم ہوتا تو تم خود تو کیا اس کام کو کرتے کسی کی زبردستی سے بھی نہ کرتے اور جس کام سے تمہیں نفرت ہے اس کی وجہ یہ ہی ہے کہ اسکا عیب ظاہر ہو گیا ہے اس گفتگو کو اس جگہ ختم کر کے مولانا مناجات میں مشغول ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے عالم اسرار و خوش کلام خدا تو ہمارے کاموں کی برائیوں کو ہم پر ظاہر کر دے اور ان کو ہم سے مت چھپا تا کہ ہم ان سے مجتنب رہیں اور ہمارے اچھے کاموں کے عیوب ہم پر ظاہر نہ کرتا کہ ہم ان کو رد کر کے دلسرد اور محقر نہ بنیں اب مولانا پھر قصہ

سلیمان علیہ السلام کی طرف عود فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں۔

غرضکہ سلیمان علیہ السلام ایک روز حسب معمول روشنی صبح میں مسجد اقصےٰ میں تشریف لے گئے اور ہر روز کے قاعدہ سے آپ اس کے متلاشی تھے کہ کوئی نئی بوٹی نظر آئے۔ اب مولانا یہاں سے عارف کی حالت کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جس طرح سلیمان علیہ السلام مسجد اقصےٰ میں انواع وقسام کی بوٹیاں مشاہدہ کرتے تھے یوں ہی قلب عارف اپنی برگزیدہ آنکھ سے پوشیدہ طور پر وہ بوٹیاں مشاہدہ کرتا ہے جو عوام سے مخفی ہیں۔ یعنی احوال باطنیہ وواردات غیبیہ۔ چنانچہ ایک صوفی نے باغ کے اندر تفریح کے لئے حسب عادت صوفیاں گھٹنوں پر سر رکھ لیا اور اپنی حالت میں یوں مشغول ہو گیا جیسے کوئی نہایت گہرے گڑھے میں اتر جاتا ہے اس کے اس سونے کی سی حالت کو دیکھ کر ایک بیہودہ شخص دل تنگ ہوا اور کہا کہ میاں سوتے کیا ہو ذرا انگوروں کو دیکھو اور درخت وغیرہ جو رحمت الٰہیہ یعنی باران رحمت کے سرسبز وشاداب آثار ہیں ان کا مشاہدہ کرو۔ اور حق سبحانہ کے حکم کی تعمیل کرو کیونکہ اس نے فرمایا ہے انظروا الیٰ آثار رحمة اللہ یعنی آثار رحمت خداوندی کی طرف متوجہ ہو کر ان کو دیکھو۔ یہ سن کر اس صوفی نے جواب دیا کہ آثار رحمۃ اللہ کا ابتداء بالذات مصداق دل مع مافیہ ہے اور یہ آثار جو عالم میں ہیں وہ ان آثار کے آثار اور بواسطہ قلب ان کا مصداق ہیں کیونکہ اصلی باغ اور سبزے تو جان میں ہیں اور عالم میں جو باغ اور سبزے ہیں یہ ان کا عکس ہیں۔ جس طرح کہ پانی میں ظاہری باغوں اور سبزوں کا عکس ہوتا ہے۔ دیکھو جو باغات و سبزے پانی کی لطافت کے سبب اس میں متحرک ہوتے ہیں وہ اصلی باغ اور سبزے نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کا عکس ہوتے ہیں۔ علیٰ ہذا جو باغ اور سبزے دل کے اندر ہوتے ہیں ان کی پاکیزگی کا عکس اس آب وگل پر پڑ گیا ہے۔ اس لئے یہ خوشنما اور دلکش ہیں کیونکہ اگر یہ عالم مثلاً سرور اہل اللہ کا جو کہ ان کے باغ کے لئے مثل سرو کے ہے عکس نہ ہوتا تو حق سبحانہ اس کو دار الغرور یعنی دھوکہ کا گھر نہ فرماتے اس لئے کہ وہ دھوکہ جس کی بناء پر اس کو دار الغرور کہا گیا ہے یہ ہی ہے کہ یہ اشیاء عالم جو درحقیقت بے حقیقت ہیں اہل اللہ کے دل وجان کا عکس ہیں پس اگر یہ تباہی غلط ہے تو اس کو دار الغرور کہنا ہی صحیح نہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ عالم دار الغرور ہے اور دار الغرور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس عالم کی اشیاء قلوب اہل اللہ کے احوال کا عکس ہیں مگر دیکھنے میں اشیاء واقعیہ معلوم ہوتے ہیں تو اب سمجھو کہ جتنے لوگ دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں وہ ان عکوس ہی کو اصل سمجھتے ہیں اور اسی کو جنت کدہ سمجھ کر اسے لپٹے ہوئے اور اسی کو مطمح نظر بنائے ہوئے ہیں اور جو لوگ ان باغوں کا مبداء ہیں یعنی اہل اللہ ان سے بھاگتے ہیں اور جو چیزیں کہ عکوس ہیں ان میں فضول مصروف ہیں لیکن جب ان کی خواب غفلت ختم ہو گی اس وقت ان کو حقیقت حال معلوم ہو گی مگر اس وقت یہ معلوم ہونا محض بے سود ہو گا۔ کیونکہ علم سے مقصود عمل ہے اور عمل کا وقت اس وقت نکل چکا ہو گا۔ اس لئے اس غلطی کے سبب قیامت تک تمام قبرستان میں ایک شور اور واویلا مچی ہو گی۔ جس کا ہم کو سخت افسوس ہے۔ ارے چین ہے اس کے لئے جو مرنے سے پہلے ہی مر گیا یعنی جو بات کہ وہ مرنے کے بعد معلوم کرتا وہ زندگی ہی میں معلوم کر لی

اوران انگوروں وغیرہ کی اصل اور حقیقت اسے معلوم ہوگی۔

فائدہ:۔ تفصیل اس مقام کی یہ ہے کہ تمام عالم مظہر اسماء وصفات الٰہیہ ہے اور انسان کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں سب کسی نہ کسی اسم وصفت کا مظہر ہیں اور انسان تمام اسماء وصفات کا مظہر ہے اس لئے انسان اکمل ہوگا بہ نسبت تمام عالم کے اور انسانوں میں اہل اللہ مظہر اتم واکمل ہیں اس لئے وہ بہ نسبت اور انسانوں کے اکمل ہوں گے۔ پس جبکہ اہل اللہ سب سے اکمل ہیں اس لئے وہی مقصود ہوں گے کیونکہ بناء مقصودیت کمال ہے اور جب وہ مقصود ہوں گے تو وہی متبوع ہوں گے اور دیگر اشیاء تابع اور جبکہ وہ متبوع ہوں گے اور دیگر اشیاء تابع تو وہ مشابہ حقیقت ہوں گے اور دیگر اشیاء شبیہہ ظلال وعکوس اس لئے مولانا نے ان کو اصول وحقائق قرار دیا اور دوسروں کو ظلال وعکوس اوران مختلف عنوانوں سے ظاہر کیا۔ کبھی دل کو اصل کہا کبھی جان کو اور کبھی احوال قلب وغیرہ کو۔ پس مولانا کے ظاہر بیان سے کسی کو شبہ نہ ہونا چاہئے اور اس عالم کو واقع میں خیال اور ایسا عکس نہ سمجھنا چاہئے جیسا کہ درختوں کا سا پانی میں ہوتا ہے) اب مولانا پھر قصہ سلیمان علیہ السلام کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جس طرح وہ ہر روز مسجد اقصیٰ میں جایا کرتے تھے۔ یوں ہی حسب معمول ایک روز اس مسجد میں گئے اور ایک کونہ میں ایک نئی بوٹی اگی ہوئی دیکھی۔ جس پر خوشہ انگور کی طرح دانہ لگے ہوئے تھے اور انہوں نے ایک عجیب اور سرسبز بوٹی دیکھی جس کی سبزی اپنی عمدگی کے سبب آنکھ سے نور اچکتی تھی۔ پس اس بوٹے نے فوراً حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلام کیا۔ انہوں نے اس کے سلام کا جواب دیا اور اس کی خوبی کو دیکھ کر کھل گئے پھر فرمایا کہ اے بوٹی تو بتا کہ تیرا نام کیا ہے اس نے عرض کیا کہ میرا نام خروب ہے۔ اس پر انہوں نے دریافت فرمایا کہ تجھ میں کیا خاصیت ہے اس نے عرض کیا کہ جہاں میں پیدا ہوتی ہوں وہ مقام ویران ہو جاتا ہے چونکہ میرا نام خروب ہے اس لئے میں اپنے مقام روئیدگی کی ویرانی کا سبب اور اس کے آب وگل کی بنیاد کو اکھاڑ دینے والی ہوں۔ یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام فوراً سمجھ گئے کہ میرے انتقال کا وقت آ گیا ہے اور اب میں دارالبقاء کو رحلت کرنے والا ہوں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے دل میں کہا کہ اس مسجد کا ویران ہونا تو یقینی ہے اور جب تک میں ہوں اس وقت تک یہ یقیناً ویراں نہ ہوگی اور آفات ارضیہ سے اس کی عمارت میں کوئی خلل واقع نہ ہوگا اور جب تک میں ہوں اور میرا وجود ہے اس وقت تک مسجد اقصےٰ میں کوئی خرابی نہیں آ سکتی اس لئے ضرور ہے کہ میں انتقال کر جاؤں اور مسجد اقصیٰ کی ویرانی میرے بعد ہو۔ اب مولانا یہاں سے دوسرے مضمون مناسب کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دل ایک مسجد ہے کیونکہ جسم اس کا مطیع ومنقاد ہے اور وہ اس کے لئے بمنزلہ قبلہ کے ہے اور جہاں کہیں یہ مسجد ہو یار بد اس کے لئے بمنزلہ خروب کے ہے جو اس کو ویران کرنے والا ہے۔ پس جب کسی یار بد کی محبت تمہارے دل میں پیدا ہو تم کو اس سے بھاگنا اور احتراز کرنا چاہئے اور کچھ چوں وچرا نہ کرنی چاہئے اور اس خروب کی جڑ اکھیڑ ڈالنا چاہئے کیونکہ جب وہ ظاہر ہوگا تو تم کو اور تمہاری مسجد کو جڑ سے اکھیڑ ڈالے گا یعنی تم کو خسران ابدی میں مبتلا کر دے گا۔ جو بمنزلہ فساد موت وویرانے کے ہے۔ جب مولانا نے یہ نصیحت فرمائی تو گویا کہ اس شخص

کی طرف سے عدم ترک یار بد کے لئے طرح طرح کے عذر و حیلہ پیش ہوئے جیسا کہ ایسے مواقع پر ہوا کرتا ہے جس کی طرف مولانا نے کم کن گفتگو سے اشارہ کیا۔ اس لئے اب مولانا ان اعذار کا قلع قمع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اس یار بد کے عاشق اور اس کو نہ چھوڑنے کے لئے طرح طرح کے حیلہ بہانے کرنے والے یہ تیری کجروی یعنی نصیحت کو نہ ماننا اور طرح طرح کے حیلہ بہانہ کرنا تیرے لئے دوسرا خروب ہے۔ پس تو کجی کی طرف بچوں کی طرح گھٹنوں کے بل کیوں جاتا ہے ارے اپنے کو جاہل بنالے اور اپنے جرم کا اقرار کرا اور اس سے ڈر کہ استاد اور ناصح مشفق تجھ سے سبق نصیحت و تعلیم چھپالے اور تجھے خود تیرے حوالہ کردے۔ جب تم یہ کہو گے کہ میں ناواقف ہوں آپ مجھے تعلیم دیجئے تو یہ انصاف تمہارے اقرار جیل کی عار سے بہتر ہوگا تم اپنے باپ سے سبق حاصل کرو۔ کہ جب ان سے لغزش ہوگئی تو انہوں نے اپنے جرم کا صاف طور پر اقرار کیا اور کہا کہ ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین اور کوئی بہانہ اور کوئی تلبیس نہیں کی اور کوئی فریب کوئی حیلہ نہیں کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے توبہ کیا برخلاف اس کے کہ ابلیس نے اپنے جرم پر بحث شروع کردی اور کہا کہ میں تو سرخرو تھا آپ ہی نے مجھے زرد رو کیا پس میرا رنگ آپ ہی کا بخشا ہوا ہے اور میرے رنگنے والے آپ ہی ہیں اور میرے جرم کا منشا اور میری اس تکلیف کا سبب آپ ہی ہیں۔ میں ان مضامین کو ابلیس کی طرف اپنی طرف سے منسوب نہیں کرتا بلکہ اس کا یہ بیان خود کلام اللہ میں موجود ہے چنانچہ حق سبحانہ فرماتے ہیں قال فبما اغویتنی لاقعدن لھم صراطک المستقیم یعنی چونکہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے اس لئے میں یہ کروں گا کہ لوگوں کی رہزنی کے لئے آپ کے صراط مستقیم پر بیٹھ جاؤں گا اس میں اس نے صاف طور پر اپنی گمراہی کا الزام حق سبحانہ پر رکھا ہے۔ پس خبردار تم شیطان کی تقلید کر کے جبری نہ بننا اور کجروی نہ اختیار کرنا۔ دیکھو تم اچھل کر درخت جبر پر کب تک چڑھتے ہوگے اور اختیار کو کب تک چھوڑتے رہوگے۔ بحالیکہ تم ابلیس اور اس کے ذریات کی طرح خدا سے جنگ اور مباحثہ کرتے ہو۔ ذرا تم سوچو تو سہی کہ اس قدر خوشی کے ساتھ جس سے تم گناہ پر مستعد ہوتے ہو۔ اکراہ اور جبر کیونکر جمع ہوسکتا ہے اور غور تو کرو کہ جو شخص کسی فعل پر مجبور کیا گیا ہو وہ اس کی طرف کہیں اس خوشی کے ساتھ دوڑتا ہے جس خوشی کے ساتھ تم دوڑتے ہو اور کوئی گمراہی میں زبردستی سے یوں ذوق و شوق سے بھی جاتا ہے جس طرح تم جاتے ہو جبکہ یہ نہیں تو تم کیسے کہتے ہو کہ ہم مجبور ہیں اور سنو جب تم کو کوئی نصیحت کرتا ہے تو تم ان سے یوں لڑتے ہو جیسے بیس آدمی لڑتے ہوں اور کہتے ہو کہ بیشک وہی ہے اور راہ راست صرف یہی ہے۔ ایسی حالت میں جو مجھ پر طعنہ کرے وہ نالائق اور نااہل ہے۔ کیا اب بھی تم یہی کہو گے کہ میں مجبور ہوں۔ مکرہ ہوں اور بجبر و زبردستی اس کام کو کرتا ہوں۔ بھلا کہیں وہ شخص بھی ایسی باتیں کرتا ہے۔ جو فی الحقیقت مکرہ ہو۔ اور جو اپنی دانست میں غلط راستہ پر چل رہا ہو وہ کیسے یوں لڑسکتا ہے ہرگز نہیں پس معلوم ہوا کہ تم مکرہ نہیں ہو۔ اور نہ اپنی روش کو غلط سمجھتے ہو اصل بات یہ ہے کہ جس چیز کو تمہارا نفس چاہے اس میں تو تم بالکل مختار ہو۔ اور اس وقت تمہیں کوئی عذر و حیلہ نہیں سوجھتا اور عدم قدرت کا وہم بھی نہیں ہوتا۔ اس لئے جھٹ پٹ اس کام

کو کر لیتے ہو اور جس بات کا تمہاری عقل حکم کرے اسی میں تم اضطرار و جبر کا عذر لا کھڑا کرتے ہو۔ یہ کونسی انصاف کی بات ہے۔ دیکھو جو شخص سعادت مند اور عارف حق سبحانہ ہے وہ جانتا ہے اور اگر تم بھی ایسے ہو تو تم بھی جانو کہ ذکاوت محض صفت ابلیس ہے اور عشق صفت آدم کیونکہ شیطان نے خدا کے سامنے اپنی عقل سے کام لیا اور مناظرہ شروع کر دیا اور آدم علیہ السلام نے کچھ بھی چون و چرا نہ کی اور اپنے جرم کا اقرار کر لیا اور یاد رکھو کہ محض عقل سے کام لینا سمندروں میں تیرنا ہے اور سمندروں میں تیرنے والا آخر میں ضرور ڈوبتا ہے۔ پس تم اس پیرا کی اور عقل محض غیر مشوب بعشق حق سے کام لینے کو چھوڑ دو اور تکبر اور مخالفت محققین کو خیر باد کہو۔ کیونکہ معرفت و طاعت حق سبحانہ کوئی جیحوں یا معمولی ندی نہیں ہے جسے تم تیر کر پار کر جاؤ۔ بلکہ یہ ایک سمندر ہے اور سمندر بھی ایسا ویسا نہیں بلکہ اتنا گہرا اور ایسا بے پناہ کہ ساتوں سمندروں کو تنکے کی طرح اڑا لے جائے۔ پس اس سمندر میں عقل سے تیرنے والے کے ہاتھ پاؤں لامحالہ تھک جائیں گے اور وہ ڈوب جاوے گا۔ اس دریا کو پار کرنے کا آلہ تو عشق ہے اس میں ہلاکت نادر اور اغلب نجات ہے۔ پس تم ذکاوت کو دے ڈالو اور اس کے بجائے حیرت عشق لے لو۔ کیونکہ زیرکی تو ایک ظن ہے جس میں صحت و غلطی دونوں کا احتمال ہے۔ پس اگر ظن صحیح ہو گیا تو خیر اور اگر غلط ہو گیا تو مر گئے برخلاف حیرت عشق کے کہ وہ بمنزلہ مشاہدہ کے ہے جس میں غلطی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس میں تو اطاعت محض اور تسلیم صرف ہوتی ہے پھر غلطی کیونکر ہو سکتی ہے۔ پس تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی برگزیدہ و مقبول حق کے سامنے اپنی عقل کو قربان کر دے اور اسے بالکل چھوڑ دے اور کہہ دے کہ مجھے تیری ضرورت نہیں بلکہ مجھے صرف خدا کافی ہے میں تو وہی کروں گا اور وہی مانوں گا جو وہ کہے گا اور تیری طاعت نہ کروں گا۔ اور یاد رکھ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جانشینوں کی اطاعت تیرے لئے بمنزلہ کشتی کے ہے جو تجھے اس بحر ناپیدا کنار سے پار کر کے حق سبحانہ تک پہنچائے گی۔ پس تو اس کنعان کی طرح اس کشتی سے سرتابی نہ کرنا۔ جس کو اس کے نفس زیرک نے دھوکا دیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ میں اس مضبوط پہاڑ پر چڑھ کر طوفان سے بچ سکتا ہوں۔ پھر میں نوح کا احسان کیوں لوں۔ اس سے کوئی کہے کہ احمق تو ان کے احسان سے کیوں بچتا ہے جن کے کارناموں کی حق سبحانہ بھی قدر کرتے ہیں۔ پس جبکہ حق سبحانہ سے بے نیاز ان کے افعال کی قدر کرتے ہیں اور ان کی وقعت کرتے ہیں تو ہم ان کا احسان کیوں نہ لیں۔ اور دھوکے میں پڑے ہوئے حاسد تجھے ان کا رتبہ کیا معلوم وہ تو وہ ہیں جن کے افعال کو حق سبحانہ بھی وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ساری وجہ اس غرور اور گھمنڈ کی یہ تھی کہ وہ تیرنا جانتا تھا۔ پس اے کاش وہ تیرنا نہ جانتا۔ تاکہ وہ نوح اور ان کی کشتی کا خواہاں ہوتا اور اس ذریعہ ہلاکت سے نجات پاتا اور جس طرح کہ کنعان کو اپنے تیرنے پر ناز تھا یوں ہی اس مزاحم اہل اللہ کو اپنی زیرکی اور چالاکی اور علم رسمی پر ناز ہے۔ پس اے کاش وہ بچہ کی طرح تدابیر سے ناواقف ہوتا اور جس طرح بچہ اپنے بچنے کے لئے کوئی تدبیر نہیں کرتا بلکہ ماں کو لپٹتا ہے یوں ہی یہ بھی اہل اللہ کو پکڑتا یا وہ علم رسمی سے پر نہ ہوتا بلکہ علم الہامی اہل اللہ سے حاصل کرتا۔ اس سے کوئی کہے کہ ارے احمق تو جو ایسے نور وحی الہام کے مقابلہ میں کتب عقلیہ کو پیش کرتا ہے اور

ان سے اس کو رد کرتا ہے اس سے تیری روح جو حق سے مانوس ہے غصہ اور ناخوش ہوتی ہے گو تجھے اس کا احساس نہیں ہوتا یا ہوتا ہے مگر تو اس کی پرواہ نہیں کرتا تجھے یاد رکھنا چاہئے کہ علوم و مقالات اہل اللہ کے سامنے علوم نقلی ایسے ہیں جیسے پانی کے سامنے تیمم کہ ہرگز نہیں ٹھہر سکتے اور کچھ بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ پس تو اپنے کو بیوقوف اور انجان بنا لے۔ اور شیخ کے پیچھے پیچھے چلا چل تیری نجات کا ذریعہ یہی ہے۔ اور تو اس سے نجات پا سکتا ہے اور کسی چیز سے نہیں۔ اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اہل جنت میں زیادہ لوگ وہ ہوں گے جو بے عقل ہوں گے۔ دیکھو چونکہ یہ ذکاوت تمہارے بھلانے والے تکبر کا سبب ہے اس لئے تم اسے چھوڑ دو اور بے عقل بن جاؤ تاکہ تمہارا دین بنا رہے بے عقل سے ہماری مراد وہ بے عقل نہیں جو مسخرہ پن پر جھکا ہوا اور مائل ہو ورنہ وہ بے عقل مراد ہے جو اپنی بدبختی سے طالب زر ہو بلکہ وہ بے عقل مراد ہے جس کی عقل پر عشق الٰہی غالب آ گیا ہو اور اس لئے وہ حیرت عشق میں مبتلا ہو۔ اور اس کی گردن میں محبت حق سبحانہ کا طوق پڑا ہوا ہو۔ کہ وہ جو کام کرتا ہو رضائے محبوب کے لئے کرتا ہوں۔ اور ایسا بے عقل مراد ہے جیسے زنان مصر تھیں کہ ہاتھ سے بے خبر تھیں مگر یوسف کے چہرہ پر نظر تھی اور اس سے بے خبر نہ تھیں۔ پس جس طرح زنان مصر نے یوسف کے عشق میں اپنی عقل کھو دی تھی یوں ہی تم حق سبحانہ کے عشق میں اپنی عقل کو قربان کر دو۔ آخر تم کو دریغ کیوں ہے۔ عقل کچھ تمہاری بنائی ہوئی نہیں تمہاری ملک نہیں بلکہ جہاں حق سبحانہ ہیں وہیں سے تمہارے پاس آئی ہے۔ پھر اس کے لئے اس کو قربان کر دینے میں تامل کیوں ہے جو لوگ سراپا عقل تھے وہ تو اپنی عقلوں کو ادھر بھیج چکے اور ان کو حق سبحانہ پر قربان کر چکے۔ یعنی ان کو حق سبحانہ کے تابع کر چکے۔ اور جو بیوقوف اور احمق تھے وہ یوں ہی رہ گئے۔ شاید تم کو اپنی عقل کے قربان کرنے میں اس لئے تکلف ہو کہ ہم کو نقصان ہو گا اور ہم بیوقوف اور بے عقل رہ جائیں گے سو تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے کیونکہ اگر حیرت عشق کے سبب تمہارے سر سے یہ عقل جاتی رہے گی تو اس کے عوض تمہارا بال بال سراد عقل بن جائے گا۔ یعنی تم عقل کل و عقل کامل بن جاؤ گے۔ اور یہ عقل ایسی ہو گی کہ اس کے قبول کے بعد دماغ کو سوچ اور فکر کا تعب برداشت نہ کرنا پڑے گا کیونکہ اس وقت جنگل اور باغ وغیرہ جن کے متعلق تم اب دماغ سوزی کرتے ہو دماغ اور عقل سے خود بخود پیدا ہوں گے یعنی اس وقت ان کا علم وہبی ہو گا جو کہ بدوں اعمال فکر خود بخود تم کو حاصل ہو گا۔ برخلاف موجودہ حالت کے کہ اس وقت ان کا علم کسبی ہے جس کے لئے دماغ سوزی کی ضرورت ہے۔ بلکہ اگر اس وقت تم جنگل میں جاؤ گے تو خود جنگل تم سے حقائق و معارف بیان کرے گا اور اگر باغ میں جاؤ گے تو وہاں بھی تمہاری روح کا نخل چشمہائے معارف سے سیراب ہو گا پس تم اس راہ میں شان و شوکت چھوڑ دو اور جب تک تمہارا رہنما و مرشد حرکت نہ کرے اس وقت تک تم حرکت نہ کرو۔ اور بالکل اس کے تابع ہو جاؤ دیکھو شیخ بمنزلہ سر کے ہے اور جو شخص بدوں سر کے حرکت کرتا ہے وہ نامعقول ہوتا ہے اور اس کی حرکت ایسی ہوتی ہے جیسے بچھو کی حرکت۔ چنانچہ وہ کجرو اور اندھا اور برا اور زہر سے پر ہوتا ہے اور اس کا کام مقدس لوگوں کا زخمی کرنا ہوتا ہے۔ پس ایسے شخص کا جس کی اندرونی حالت اور اس کی دائمی خود خصلت یہ ہو سر کچل ڈالنا چاہئے۔

کیونکہ اس کی بہتری اس سر کچلنے ہی میں ہے تا کہ اس کی یہ ضعیف جان اس بد بخت جسم سے رہائی پائے اور جو کچھ ایمان کا حصہ اس میں موجود ہے وہ محفوظ رہے۔ ورنہ اس کے بقاء میں اس کے زوال کا بھی خطرہ ہے وہ ایک دیوانہ ہے اور اس کا جسم اس کے ہاتھ میں ہتھیار ہے۔ پس تم کو دیوانہ کے ہاتھ سے ہتھیار لے لینا چاہئے۔ تا کہ عدل و صلاح تم سے خوش ہو اور جب کہ اس کے پاس ہتھیار ہے اور عقل اس کو ہے نہیں تو اس کو مقید کر دینا چاہئے۔ ورنہ سینکڑوں کو نقصان پہنچاوے گا۔ علی ہذا علم وفن ایک تلوار ہے اور بدطینت شخص رہزن۔ پس بدطینت آدمی کو علم وہنر سکھلانا گویا ڈکیت کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ زنگی مست کے ہاتھ میں تلوار دینا اچھا ہے بہ نسبت اس کے کہ کسی نالائق اور نااہل کے ہاتھ میں آ جاوے۔ (اس کی دو وجہ ہیں۔ اول تو یہ کہ زنگی مست کا ضرر حیات جسمانی تک محدود رہے گا اور حیات روحانی پر اس کا کچھ اثر نہ ہوگا۔ برخلاف نااہل عالم کے کہ اس کا زہریلا اثر حیات روحانی پر پڑے گا۔ اور حیات روحانی کو جو صدمہ پہنچے گا وہ زیادہ برا ہے بہ نسبت اس صدمہ کے جو حیات جسمانی کو پہنچے دوم زنگی مست تو دو چار ہی کو نقصان پہنچائے گا اور یہ شخص ہزاروں بلکہ لاکھوں کو) اور یہ بات کچھ علم ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ علم اور جاہ ومنصب اور مال اور طالع مندی سب کے سب بدطینت لوگوں کے ہاتھ میں آ کر موجب فتنہ ہو جاتے ہیں۔ جہاد جو مسلمانوں پر فرض ہوا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ لوگ جہاد کر کے دیوانوں سے نیزہ وغیرہ چھین لیں۔ کیونکہ ان کی جان دیوانہ ہے۔ اور جسم تلوار۔ پس ان بدخصلت دیوانوں سے اس تلوار کا چھیننا ضروری ہے کیونکہ انہوں نے اپنے کو تو نقصان پہنچایا ہی ہے ایسا نہ ہو کہ دوسروں کو بھی ضرر پہنچائیں۔ یاد رکھو کہ جو گت جاہ ومنصب جاہلوں اور نااہلوں کی بناتا ہے اور جو ضرر وہ انہیں پہنچاتا ہے۔ سو شیر بھی وہ گت نہیں بنا سکتے۔ اور وہ نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اس لئے کہ ان کا عیب بے سروسامانی کی حالت میں مخفی ہوتا ہے۔ پس جبکہ ان کو سامان مل جاتا ہے تو ان کا سانپ (نفس) جو سوراخ میں گھسا ہوا تھا نکل پڑتا ہے اور جنگل میں دوڑ جاتا ہے جہاں ان کو ضرر رسانی کا خوب موقع ملتا ہے۔ یعنی پہلے تو بے سروسامانی اس کے لئے مانع تھی اب سامان حاصل ہونے کے بعد اس کو ایذا رسانی کا خوب موقع ملتا ہے اور جبکہ جاہل اور نااہل حکم قطعی کا مالک ہو جاتا ہے تو تمام جنگل سانپوں اور بچھوؤں سے بھر جاتا ہے کیونکہ وہ بحکم الناس علی دین ملو کھم تمام رعایا کو اپنے رنگ میں رنگ لیتا ہے۔ پس جو شخص نااہل ہو کر مال اور منصب حاصل کرنا چاہے وہ حقیقۃً اپنی رسوائی چاہتا اور اپنی تباہی کا خواستگار ہے۔ کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ یا تو بخل کرے گا اور عطیہ نہ دے گا یا سخاوت بے موقع کرے گا۔ اور بادشاہ کو پیادہ کے خانہ میں رکھے گا۔ یعنی مراتب کا لحاظ نہ رکھے گا۔ اس لئے کہ وہ احمق ہے اور احمقوں کی بخشش اسی قسم کی ہوتی ہیں اور جب وہ ایسا کرے گا تو اس کے لئے فضیحت ورسوائی لازم ہے۔ یاد رکھو کہ جب حکومت کسی غلط رو کے ہاتھ لگ جاتی ہے تو وہ اس کے لئے سراسر مضر ہوتی ہے وہ تو اسے جاہ سمجھتا ہے اور جانتا ہے کہ میں صاحب جاہ ہو گیا مگر حقیقت میں وہ کنویں میں گر جاتا ہے یہ شخص ایسا ہوتا ہے جیسے کہ کوئی رستہ نہ جانتا ہو اور رہبری کرتا ہو اور اس کی بری جان بجائے اصلاح عالم کے جہاں سوز اور مفسد عالم ہوتی ہے۔ علی ہذا جو شخص راہ سلوک میں

ہنوز طفل مکتب ہو اور پیر بن بیٹھے تو سمجھ لو کہ اس کے مریدوں کو بدبختی کے بھوت نے پکڑ لیا۔ وہ لوگوں سے کہتا ہے کہ آؤ تمہیں چاند دکھلاؤں۔ حالانکہ اس بے نور نے خود بھی کہیں چاند نہیں دیکھا اس سے کوئی کہے کہ ارے احمق جب تو نے خود اپنی تمام عمر میں پانی میں بھی چاند کا عکس نہیں دیکھا تو تو دوسروں کو کیا چاند دکھائے گا۔ خلاصہ یہ کہ وہ مدعی ایصال الی الحق ہے۔ حالانکہ وہ خود واصل نہیں اس لئے یہ دعویٰ غلط ہے ایسے لوگوں کی سرداری و پیشوائی کی اور مضرتیں تو تھیں ہی مگر بڑا نقصان یہ ہوا کہ جب یہ احمق لوگ سردار اور مقتداء و پیشوا بن بیٹھے تو ایسی حالت میں عقلاء کو دعویٰ سرداری و پیشوائی کرتے ہوئے شرم آئی اور وہ ناچار ہو کر چادر میں منہ لپیٹ کر پڑے رہے۔

شرح شبیری

آیت شریفہ یاایھاالمزمل کی تفسیر کا بیان

خواند مزمل نبی را ایں سبب	کہ بروں آ از گلیم اے بوالہرب
اسی سبب سے نبی کو "کملی اوڑھنے والا" کہہ کر پکارا	کہ اے صاحب فرار! کملی سے نکل

یعنی حق تعالیٰ نے نبی کو مزمل اس سبب سے فرمایا کہ اے بوالہرب کمبل سے باہر آؤ۔ (بوالہرب کے لغوی معنی بھاگنے کا باپ یعنی بھاگنے والا اور یہاں مراد بے تعلق) مطلب یہ کہ اے وہ کہ آپ لوگوں سے الگ ہو کر کمبل میں پوشیدہ ہو گئے ہیں۔ اور اپنے کو چھپا لیا ہے باہر تشریف لائیے۔

سر مکش اندر گلیم و رومپوش	کہ جہاں جسمے است سرگرداں تو ہوش
کملی کے اندر سر نہ کر اور منہ نہ چھپا	کیونکہ دنیا ایک پریشان جسم ہے (اور) تو ہوش ہے

یعنی کمبل میں تو سر مت کھینچ اور منہ کو مت چھپا کہ جہاں ایک جسم سرگرداں ہے اور آپ ہوش ہیں۔ مطلب یہ کہ سارا جہاں ایک بھٹکے ہوئے جسم کی طرح ہے اور آپ اس کے لئے مثل ہوش اور عقل کے ہیں تو اگر آپ ان سے الگ ہو جاویں گے تو یہ تو برباد ہو جاویں گے لہذا ان سے الگ مت ہو جائیے۔

ہیں مشو پنہاں زننگ مدعی	کہ تو داری شمع وحی شعشعی
مدعی کی عار سے نہ چھپ	کیونکہ تیرے پاس منور وحی کی شمع ہے

یعنی آپ مدعی کے شرم سے ہرگز پوشیدہ نہ ہو جائیے کیونکہ آپ تو وحی کی ایک شمع روشن رکھتے ہیں۔

ہیں قم اللیل کہ شمعی اے ہمام	شمع دائم شب بود اندر قیام
اے سردار! تو رات کو کھڑا رہ کیونکہ تو شمع ہے	شمع رات میں ہمیشہ کھڑی رہتی ہے

یعنی ہاں رات کو کھڑے ہوا کیجئے اے بزرگ کیونکہ شمع تو تمام رات کھڑی ہی رہتی ہے۔ مطلب یہ کہ ان

مدعیان کفر وضلال کی وجہ سے آپ اپنا منہ نہ چھپایئے اور الگ نہ ہو جائے اس لئے کہ آپ کے پاس تو وحی کی شمع روشن ہے۔ اور شمع کا قاعدہ ہے کہ رات بھر کھڑی ہو کر محفل میں سب کے سامنے سب پر نور افگنی کرتی ہے پھر آپ کیوں چھپتے ہیں آپ بھی اٹھئے اور لوگوں پر نور ہدایت ڈالئے اور آپ کی تو وہ شان ہے کہ۔

بے فروغت روز روشن ہم شب است	بے پناہت شیر السیر ارنب است
تیری روشنی کے بغیر روشن دن بھی رات ہے	تیری پناہ کے بغیر شیر خرگوش کا قیدی ہے

یعنی بے آپ کے نور کے روز روشن بھی رات ہے۔ اور بے آپ کی پناہ کے شیر خرگوش کا قیدی ہے۔ مطلب یہ کہ آپ کی تو وہ شان ہے کہ اگر دن میں جو بظاہر روشن ہے آپ کا نور نہ ہو تو وہ اصل میں رات کی طرح ہے کیونکہ رات میں تو صرف ظاہری تاریکی ہوتی ہے اور اس دن میں تو تاریکی باطنی ہے۔ لہذا آپ اپنا نور لوگوں پر ڈالئے تا کہ اس شب مظلم سے نکلیں اس لئے آپ کو شمع سے اوپر تشبیہ دی ہے کہ یہ جو ضلالت کی شب ہے اس میں آپ نور افگنی کیجئے اور یہ کفار خواہ کیسے ہی زبردست ہیں مگر جو آپ کی پناہ میں نہیں ہے وہ ہر وقت خطرہ میں ہے اور بہت ذرا سی بات سے وہ تباہ و برباد ہو سکتا ہے اور شیطان ان کی راہ ایک ادنیٰ بہانہ سے مار سکتا ہے۔ لہذا ان کیلئے پناہ ہو جایئے اور ان کو شمع ہدایت دکھایئے۔

باش کشتیباں دریں بحر صفا	کہ تو نوح ثانئے اے مصطفےٰ
اس بحر صفا میں ملاح بن	اے مصطفیٰ! کیونکہ تو دوسرا نوح ہے

یعنی بحر صفا میں آپ کشتیبان ہو جایئے۔ کیونکہ اے مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم آپ تو نوح ثانی ہیں۔

رہ شناسے می بباید بالباب	ہر رہے را خاصہ اندر راہ آب
عقلمند راہ شناس درکار ہے	ہر راستہ کے لئے خصوصاً پانی کے راستہ کے لئے

یعنی (اول تو) ہر راستہ کے لئے ایک راہ شناس عاقل کی ضرورت ہے۔ اور خاص کر راہ آب ہیں۔ (تو بہت ہی ضروری ہے) مطلب یہ کہ اس دریا میں کشتیبان ہو کر لوگوں کو کشتی ہدایت میں بٹھا کر نکال لے جایئے کیونکہ آپ تو نوح ہیں۔ اس لئے آپ کا کام لوگوں کو ہلاکت سے بچانا ہونا چاہئے۔ اور دیکھئے اول تو ہر راہ میں رہبر کی ضرورت ہوتی ہے مگر خیر راہ خشک میں تو انسان علامات وغیرہ سے بے راہبر کے بھی کچھ چل سکتا ہے لیکن دریا میں تو بے ماہر کشتیبان کے چل ہی نہیں سکتا۔ لہذا۔

خیز و بنگر کاروان رہ زدہ	ہر طرف غول است کشتیبان شدہ
اٹھ! اور لٹے ہوئے قافلہ کو دیکھ	ہر طرف شیطان ملاح بنا ہوا ہے

یعنی اٹھئے اور بھٹکے ہوئے قافلہ کو دیکھئے کہ ہر طرف بھوت کشتیبان ہو رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ آپ اٹھ کر

دیکھئے تو سہی ایک قافلہ بھٹکا ہوا پھر رہا ہے اور تمام شیاطین کشتیبان ہو رہے ہیں۔ اور اس قافلہ کو اور زیادہ بہکا رہے ہیں آپ اس کی مدد فرمائیے اور اس کو ان شیاطین کے ہاتھ سے بچائیے اس لئے کہ۔

خضر وقتی غوث ہر کشتی توئی	ہمچو روح اللہ مکن تنہا روئی
تو خضر زمانہ ہے ہر کشتی کی تو مدد ہے	(حضرت) عیسیٰ کی طرح تنہا روی (اختیار) نہ کر

یعنی آپ خضر وقت ہیں اور ہر کشتی کے مددگار آپ ہی ہیں تو آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح تنہا روی مت کیجئے۔ مطلب یہ کہ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سب لوگوں سے قطع تعلق کئے ہوئے رہتے تھے اور الگ رہتے تھے اس طرح آپ نہ رہئے اس لئے کہ ہر کشتی کے لئے مددگار اور رہنما تو آپ ہی ہیں پھر اگر آپ ہی الگ رہیں گے تو کشتی کی خیریت تو معلوم۔

پیش ایں جمعے چو شمع آسماں	انقطاع و خلوت آری را بماں
اس مجمع کے آگے تو آسمانی شمع کی طرح ہے	انقطاع اور خلوت نشینی کو ترک کر

یعنی اس جماعت کے سامنے شمع آسمان کی طرح انقطاع اور خلوت آری کو ترک کر دیجئے۔ مطلب یہ کہ جس طرح آفتاب الگ الگ رہتا ہے اس طرح آپ الگ نہ رہئے بلکہ سب میں مل جل کر ان کو چاہ ضلالت سے نکال کر نور ہدایت تک پہنچائیے۔

وقت خلوت نیست اندر جمع آ	اے ہدیٰ چوں کوہ قاف و تو ہما
خلوت کا وقت نہیں ہے مجمع میں آ	اے وہ ذات! کہ ہدایت کوہ قاف ہے اور تو ہما ہے

یعنی خلوت کا وقت نہیں ہے مجمع میں آیئے اے وہ ذات کہ ہدایت مثل کوہ قاف کے ہے اور آپ ہما ہیں۔ مطلب یہ کہ جس طرح ہما کوہ قاف میں رہتا ہے اور اسکا نشیمن وہی ہے اسی طرح آپ صاحب ہدایت ہیں اور آپ کی جگہ ہدایت ہی ہے لہذا آپ اگر چھپ جاویں گے تو ہدایت بھی تو آپ کے ساتھ ہی چھپ جاوے گی پھر یہ لوگ مہتدی کس طرح ہو سکتے ہیں۔

بدر بر صدر فلک شد شب رواں	سیر رانگزارد از بانگ سگاں
چودھویں کا چاند آسمان کے سینہ پر رات کو چلتا ہے	کتوں کے بھونکنے سے چلنا نہیں چھوڑتا ہے

یعنی چاند آسمان کی بلندی پر رات کو چلتا ہے اور کتوں کی آواز سے چلنے کو چھوڑتا نہیں۔

طاعنان ہمچوں سگان بر بدر تو	بانگ می دارند سوئے صدر تو
تیرے بدر پر طعنہ زنی کرنے والے کتوں کی طرح ہیں	جو تیرے رتبہ پر بھونکتے ہیں

یعنی طاعن لوگ کتوں کی طرح ہیں آپ کے بدر پر اور آپ کے مرتبہ کی طرف آواز کر رہے ہیں۔

از سفه وعوع کنان بر بدر تو	ہیں سگاں کرندز امر انصتوا
تیرے بدر پر بیوقوفی سے بھوں بھوں کرتے ہیں	یہ کتے "خاموش رہو" کے حکم سے بہرے ہیں

یعنی یہ کتے امر انصتوا (چپ رہو) سے بہرے ہیں اور بیوقوفی کی وجہ سے آپ کے بدر پر بھوں بھوں کررہے ہیں۔

توز خشم کر عصائے کور را	ہیں بمگزار اے شفا رنجور را
بہرے پر غصہ اندھے کی لاٹھی (نہ چھوڑ)	خبردار! اے شفا! بیمار کو نہ چھوڑ

یعنی ہاں اے وہ ذات کہ مریض کے لئے آپ شفا ہیں۔ بہرے پر غصہ کی وجہ سے اندھے کی لاٹھی کو مت چھوڑیئے۔ مطلب یہ کہ دیکھئے چاندرات کو نکلتا ہے اور کتے اس کی طرف منہ کرکر کے بھونکتے ہیں گویا کہ اس پر خفگی کا اظہار کررہے ہیں مگر وہ ان کی اس بیہودہ حرکت سے اپنی چال کو بند نہیں کرتا۔ بلکہ برابر نور افگنی کرتا رہتا ہے پس یہ طاعن تو کتوں کی طرح ہیں اور آپ بدر ہیں اور ان کے طعن کتوں کی بھوں بھوں کی طرح ہیں اور ان کو اس کی خبر نہیں کہ حق تعالیٰ نے آپ کے سامنے رہتے ہوئے انصتوا کا حکم فرمایا ہے جو کہ لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی سے صاف ظاہر ہے یہ اس حکم سے بہرے ہیں لہٰذا آپ ان بہروں کی وجہ سے اندھوں کی دستگیری سے تو دست بردار نہ ہو جایئے۔ اس بیچارہ نے کیا خطا کی ہے۔ آپ اس کو سنبھالئے اور چاہ ضلالت میں گرنے سے بچایئے۔

صد ثواب و اجر یا بد از الٰہ	نے تو گفتی قائد اعمیٰ براہ
اللہ کی جانب سے سو ثواب اور اجر پاتا ہے	کیا تو نے خود نہیں کہا ہے اندھے کو راستہ پر لے جانے والا؟

یعنی کیا آپ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ اندھے کا راستہ بتانے والا حق تعالیٰ سے سینکڑوں اجر پاوے گا۔ (اور فرمایا ہے کہ)

گشت آمر زیدہ و یا بدرشد	ہر کہ او چل گامے کورے را کشد
وہ بخشا جاتا ہے اور ہدایت پاتا ہے	جو اندھے کو چالیس قدم لے جائے

یعنی جو شخص کہ کسی اندھے کو چالیس قدم تک کھینچے تو وہ بخشا گیا اور ہدایت پاوے گا۔

جوق کوران را قطار اندر قطار	پس بکش تو زیں جہاں بے قرار
اندھوں کے مجمع کو قطار در قطار	پس تو اس زوال پذیر دنیا سے لے جا

یعنی پس آپ اس جہان بے ثبات سے اندھوں کے گروہوں کو قطار در قطار کھینچئے مطلب یہ کہ دیکھئے آپ نے خود فرمایا ہے کہ جو شخص ایک اندھے کو چالیس قدم تک لے جاوے اس کو بے حد ثواب ملتا ہے اور حق تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادیں گے تو اب آپ بھی ان کوران باطن کو جو جوق جوق ہیں لے چلئے اور راہ پر لگا دیجئے پھر دیکھئے آپ کے بھی درجے کیسے بلند ہونگے۔

کار ہادی ایں بود تو ہادئ	ماتم آخر زماں را شادئ
ہدایت دینے والے کا یہی کام ہے تو ہدایت دینے والا ہے	تو آخری زمانے کے سوگ کے لئے خوشی ہے

یعنی ہادی کا کام تو یہی ہوتا ہے اور آپ ہادی ہیں اور آخر زمانہ کے ماتم کے لئے آپ شادی ہیں مطلب یہ کہ آپ ہادی ہیں اور ہادی کا کام یہی ہوتا ہے کہ وہ راستہ دکھادے لہذا آپ بھی اٹھئے اور سب کو راہ حق دکھا دیجئے آپ کی تو وہ شان ہے کہ جب آخر زمانہ میں فتن اور ماتم ہونگے اس وقت کے لئے خوشی اور راہ حق آپ ہی کی راہ پر چلنا ہے۔ لہذا

ہیں رواں کن اے امام المتقیں	ایں خیال اندیشگان را تا یقیں
ہاں اے متقیوں کے امام! پہنچا دے	ان شک کرنے والوں کو، یقین تک

یعنی ہاں اے امام المتقین ان خیال کے سوچنے والوں کو یقین تک روانہ فرما دیجئے۔ مطلب یہ کہ یہ لوگ جو تخیلات میں پھنسے ہوئے ہیں ان کو درجہ یقین تک پہنچا دیجئے اور اس گمراہی سے نکال لیجئے۔

ہر کہ در مکر تو دارد دل گرو	گردنش را من زنم تو شادرو
جو تیرے مکر میں دل لگائے ہوئے ہے	میں اس کی گردن ماروں گا، تو خوشی سے چل

یعنی جو شخص آپ کے مکر میں دل گرو کرے گا میں اس کی گردن ماروں گا۔ آپ خوش خوش چلئے۔

بر سر کوریش کوریہا نہم	او شکر پندارد و زہرش دہم
میں اس کے اندھے پن پر بہت سا اندھا پن رکھ دوں گا	وہ شکر سمجھے گا، میں اس کو زہر دوں گا

یعنی اس کی کوری پر اور کوریں رکھ دوں گا وہ شکر سمجھے گا اور میں اس کو زہر دوں گا۔

عقلہا از نور من افروختند	مکرہا از مکر من آموختند
(انہوں نے) عقلیں میرے نور سے روشن کی ہیں	انہوں نے مکر میرے مکر سے سیکھے ہیں

یعنی انہوں نے عقلوں کو میرے ہی نور سے روشن کیا ہے اور مکروں کو میرے ہی مکر سے سیکھا ہے۔

چیست خود الاچق ایں ترکماں	پیش پائے نرہ پیلاں جہاں
اس صحرا نشین کی جھونپڑی خود کیا ہے؟	دنیا کے نر ہاتھیوں کے پاؤں کے آگے

یعنی ان ترکوں کا ذرا سا ڈیڑھ دنیا کے نر ہاتھیوں کے پاؤں کے آگے کیا (حیثیت رکھتا) ہے۔

آں چراغ او بہ پیش صرصرم	خود چہ باشد اے مہیں پیغمبرم
میری آندھی کے سامنے اس کا چراغ	اے میرے بزرگ پیغمبر! خود کیا ہے؟

یعنی اس کا وہ چراغ میری آندھی کے آگے اے میرے بزرگ پیغمبر خود کیا حیثیت رکھتا ہے۔ مطلب یہ کہ

حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے پیغمبر آپ اٹھئے اور نور ہدایت کو پھیلایئے۔ اور جو آپ کے مخالف اور طاعنین ہیں ان سے کچھ خوف نہ کیجئے ان کو تو میں سمجھ لوں گا اور ان کی گردن زنی تو میں کروں گا۔ آپ خوش خوش کام میں لگے رہئے۔ جیسا کہ ارشاد ہے واللہ یعصمک من الناس اور ارشاد ہے کہ میں ان کو اس طرح گمراہ کروں گا کہ یہ اس کو ہدایت سمجھیں گے اور وہ گمراہی ہوگی۔ اور پھر گمراہی برابر بڑھتی ہی چلی جاوے گی۔ کیونکہ ان کے تمام مکر اور ان کی عقول کو میں نے ہی تو پیدا کیا ہے اور ان کو میں نے ہی تو عطا فرمائی ہیں پھر میرے آگے ان کی کیا چل سکتی ہے۔ ان کی عقول اور مکر میرے آگے ایسے ہیں جیسے ایک مست ہاتھی کے پیر تلے ذرا سا ڈیرہ۔ یا آندھی کے آگے ٹمٹماتا چراغ تو بھلا یہ چیزیں ان کے آگے کب ٹھہر سکتی ہیں اسی طرح آپ ان سے بے فکر رہیں ان کو تو میں نمٹ لوں گا بس آپ تو اٹھئے اور ہدایت پھیلایئے۔ فرماتے ہیں کہ۔

خیز دردم تو بصور سہمناک	تا ہزاران مردہ بروید زخاک
اٹھ! خوفناک صور میں پھونک مار دے	تاکہ ہزاروں مردے مٹی سے نکل پڑیں

یعنی آپ اٹھئے اور صور سہمناک میں پھونک دیجئے تاکہ ہزاروں مردے خاک سے اگ آویں۔ مطلب یہ کہ آپ ہدایت کو پھیلا کر مردہ دلوں کو حیات جاودانی مرحمت فرمایئے۔

چوں تو اسرافیل وقتی راست خیز	رستخیزے ساز پیش از رستخیز
چونکہ تو وقت کا اسرافیل ہے اٹھ کھڑا ہو	قیامت سے پہلے قیامت برپا کر دے

یعنی جبکہ آپ اسرافیل وقت ہیں تو بس اٹھئے اور قیامت سے پہلے ایک قیامت برپا کر دیجئے مطلب یہ کہ ایک مرتبہ اس طرح ہل چل مچا دیجئے گویا کہ قیامت کے پہلے ہی ایک قیامت قائم فرما دیجئے۔

ہر کہ گوید کو قیامت اے صنم	خویش بنما کہ قیامت نک منم
جو یہ کہے کہ قیامت کہاں ہے اے محبوب!	اپنے آپ کو دکھا دے کہ یہ قیامت میں ہوں

یعنی جو کوئی کہے کہ میاں قیامت کہاں ہے تو اپنے کو دکھلا دیجئے کہ یہ میں قیامت ہوں۔

در نگر اے سائل محنت زدہ	زیں قیامت صد جہاں قائم شدہ
اے مصیبت اٹھانے والے سائل! دیکھ لے	اس قیامت سے سینکڑوں جہان برپا ہو گئے

یعنی اے سائل محنت زدہ دیکھ لے کہ اس قیامت سے سو جہان قائم ہوئے ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص کہے کہ میاں قیامت کہاں ہے قیامت میں تو اول تمام جہان فنا ہوگا پھر سارے جہان کا وجود ہوگا اور حضور کے زمانہ میں تو یہ نہیں ہے تو حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس شخص سے فرما دیجئے کہ میں ہی تو قیامت ہوں کہ اول سارا جہان مردہ تھا اور اب اس ہدایت کی قیامت سے سینکڑوں جہان پیدا ہوئے ہیں اور سب کو

حیات روحانی مل گئی ہے یہ تو جب ہے جبکہ سائل اہل ہو اور اگر نااہل ہو تو آگے اس کا جواب بھی بتاتے ہیں کہ

ورنہ باشد اہل ایں ذکر وقنوت	پس جواب الاحمق اے سلطان سکوت
اور اگر وہ اس ذکر اور قبولیت کا اہل نہ ہو	تو اے سلطان! احمق کا جواب خاموشی ہے

یعنی اور اگر وہ اس ذکر اور قنوت کا اہل نہ ہو تو اے سلطان (دین) احمق کا جواب سکوت ہے۔

ز آسمان حق سکوت آید جواب	چوں بود جاناں دعا نا مستجاب
اللہ کے آسمان سے خاموشی جواب ہوتی ہے	اے جان! جب دعا نامنظور ہوتی ہے

یعنی آسمان حق سے سکوت جواب آتا ہے جبکہ اے پیارے دعا نامقبول ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو جب کوئی دعا استجابت کے اہل نہیں ہوتی تو آسمان سے بھی سکوت ہی جواب میں آتا ہے یعنی اس پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا تو بس اگر کوئی نااہل یہ سوال کرے تو اس کو جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ باشد خموشی پر عمل فرمایئے۔ اب آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

اے دریغا وقت خرمنگاہ شد	لیک روز از بخت ما بے گاہ شد
ہائے افسوس! کھلیان کا وقت آ گیا	لیکن ہماری قسمت سے دن بے وقت ہو گیا

یعنی افسوس کہ کھلیان کا وقت ہو گیا لیکن دن ہماری قسمت سے بے وقت ہو گیا۔ مطلب یہ کہ اب جبکہ ارشاد حق کے بعد آپ کام کے لئے اٹھے اور آپ نے کام کئے تو ان کے بیان کا وقت آیا تھا مگر افسوس کہ وقت تنگ ہے اس لئے بیان سے معذور ہیں۔

وقت تنگ است وقضائے ایں کلام	تنگ می آید برو عمر دوام
وقت تنگ ہے اور اس بات کی ادائیگی کے لئے	ابدی زندگی کم ہے

یعنی وقت تو تنگ ہے اور اس کلام کے (یعنی حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے شان کے بیان کے) میدان کی یہ حالت ہے کہ اس پر عمر جاودانی بھی تنگ ہے۔

نیزہ بازی اندریں گوہائے تنگ	نیزہ بازاں را ہمی آرد بہ تنگ
ان تنگ گڑھوں میں نیزہ بازی	نیزہ بازوں کو شرمندہ کرتی ہے

یعنی ان تنگ گڑھوں میں نیزہ بازی کرنا نیزہ بازوں کو بھی تنگ کرتی ہے۔ مطلب یہ کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور آپ کے کارنامے بیان کرنے کے لئے تو عمر جاودانی بھی کافی نہیں ہے۔ چہ جائیکہ ہماری چند روزہ عمر کا یہ تو ایسا ہے جیسا تنگ گڑھوں میں نیزہ بازی کرنا کہ وہاں بجز اس کے کہ نیزہ باز لوگ بھی تنگ ہوں اور کیا ہو سکتا ہے اسی طرح بیان شان حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بڑے بڑے بیان کرنے والے تنگ ہو جاتے ہیں

اور کوئی بیان نہیں کرتا۔ ایک تو یہ عذر ہے اور دوسرا عذر یہ ہے۔

وقت تنگ و خاطر و فہم عوام	تنگ تر صد رہ ز وقت است اے غلام
وقت تنگ ہے اور عوام کا مزاج اور سمجھ	اے لڑکے! وقت سے سو گنا تنگ ہے

یعنی وقت تو تنگ ہے ہی اور عوام کا قلب اور فہم سو حصہ وقت سے زیادہ تنگ ہے اے صاحبزادے۔ مطلب یہ کہ وقت تو تنگ ہے ہی مگر عوام کے عقول اور ان کے فہم بھی ناقص ہی ہیں ایک دوسرا عذر بیان کرنے سے یہ ہے اب یہاں کوئی کہتا ہے کہ حضرت آپ یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ سننے والے احمق ہیں اور نااہل اس لئے ہم بیان نہیں کرتے اور بیان کو طول بھی دیتے جاتے ہیں اس کا جواب ایک سوال خود ہی قائم کر کے دیتے ہیں کہ۔

چوں جواب احمق آمد خامشی	ایں درازی در سخن چوں می کشی
جبکہ احمق کا جواب خاموشی ہے	بات میں تو یہ طول کیوں دے رہا ہے؟

یعنی جب جواب احمق کا خاموشی ہے تو کلام میں اس قدر درازی کیوں کھینچ رہے ہو۔ یعنی جب جواب الاحمق سکوت تسلیم تو اب یہ طول کلام کیا۔ کہ تمام مثنوی لکھ ڈالی اور آگے کو لکھ رہے ہو آگے اس کی وجہ فرماتے ہیں کہ۔

از کمال رحمت و موج کرم	می دہد ہر شورہ را باران و نم
رحمت کے کمال اور کرم کی موج سے	ہر شور زمین کو بارش اور نمی پہنچاتا ہے

یعنی کمال رحمت اور موج کرم کی وجہ سے کہ وہ ہر شورہ کو بارش اور تری دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ میرا یہ لکھنا حکم حق سے ہے چونکہ حق تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع ہے کہ وہ ہر شور زمین میں بھی بارش دیتے ہیں اگرچہ وہ نااہل ہی ہے مگر ان کی طرف سے دریغ نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگرچہ سامعین اس کے اہل نہ ہوں مگر مجھے حکم بیان ہے کہ میاں پہنچاؤ ان ہی میں منتفع بھی ہوں گے۔ اس لئے یہ سارا طول ہو رہا ہے۔ اب آگے جواب الاحمق سکوت پر ایک قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

آیت شریف یاایہاالمزمل کی تفسیر کا بیان

ترجمہ و تشریح:۔ چونکہ احمقوں کا ظہور اور ان کی گرم بازاری عقلاء کے اختفا اور ان کی چادر میں منہ لپیٹ لینے کا سبب ہوتا ہے۔ اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احمقوں کی ترقی دیکھ کر چادر میں منہ لپیٹ لیا تھا۔ اسی بناء پر حق سبحانہ نے آپ کو مزمل کہہ کر خطاب فرمایا اور کہا کہ آپ کمبل میں سے باہر نکلئے اور کمبل میں منہ نہ لپیٹیے۔ اور اپنا منہ نہ چھپایئے کیونکہ تمام جہاں ایک سرگشتہ جسم ہے اور آپ اس کے لئے بمنزلہ ہوش کے۔ ایسی حالت میں آپ کا چھپنا مناسب نہیں دیکھئے آپ مدعیان باطل کی شرم سے مخفی نہ ہو جایئے کیونکہ آپ کے پاس

وحی روشن کی شمع ہے۔ جو ظلمت جہل کو دور کر کے ان مدعیوں کی قلعی کھول دے گی اور ان کی گرم بازاری کو کساد بازاری سے بدل دے گی۔ اچھا تو اب توقف نہ کیجئے اور اس ضلالت کی شب دیجور میں اٹھئے کیونکہ آپ خود بھی ایک شمع ہدایت ہیں اور شمع کا قاعدہ ہے کہ وہ رات بھر کھڑی رہتی ہے۔ جب تک آپ تخت ہدایت پر جلوہ افروز نہ ہوں گے اس وقت تک نہ عالم کو روشنی مل سکتی ہے اور صالح الاستعداد لوگ جو کہ بمنزلہ شیر کے ہیں گمراہوں کے پنجہ سے چھوٹیں گے جو کہ بمنزلہ خرگوش کے ہیں۔ کیونکہ بدوں آپ کی روشنی کے ظلمت جہل کی وجہ سے جس کو لوگ دن کہتے ہیں وہ بھی رات ہی ہے اور بدوں آپ کی پناہ کے شیر یعنی صالح الاستعداد لوگ خرگوشوں یعنی گمراہوں اور مدعیوں کے پنجہ سے نہیں چھوٹ سکتے اور اے مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ آپ نوح ثانی ہیں اس لئے آپ بحر معرفت کے جو کہ صاف ہے کشتیبان ہو جایئے اور لوگوں کو اس میں ڈوبنے سے بچایئے کیونکہ یہ لوگ بدوں آپ کے نہیں بچ سکتے۔ اس لئے کہ اول تو ہر راستہ کے طے کرنے کے لئے ایک عاقل واقف راہ کی ضرورت ہے پھر بالخصوص جو راستہ پانی کا ہو وہاں تو اور بھی زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ خشکی میں تو کچھ نشانات وامتیازات ہوتے بھی ہیں اور سمندر تو بالکل یکساں ہوتا ہے اس لئے وہاں نہایت ماہر کشتیبان کی ضرورت ہے اچھا اب آپ اٹھئے اور دیکھئے کہ ایک قافلہ عظیم بھٹکا ہوا ہے اور ہر طرف غول دریائے کشتیبان بنے ہوئے ہیں جو ان کو ڈبونا چاہتے ہیں۔ پس آپ ان کی دستگیری فرمایئے اور انہیں ورطۂ ہلاکت سے بچایئے۔ دیکھئے آپ اپنے وقت کے خضر اور ہر کشتی کے کشتیبان ہیں۔ پس آپ عیسیٰ علیہ السلام کی طرح خلق سے تعلق منقطع نہ کیجئے۔ بلکہ ان میں ملئے اور ان کی دستگیری کیجئے اور اس جماعت کے سامنے دوسری شمع آسمانی یعنی آفتاب کی طرح بے تعلق اور خلوت گزینی کو چھوڑیئے۔ اور ان کو اپنے نور سے ہدایت کیجئے اور اے وہ ذات جس کے لئے ہدایت بمنزلہ کوہ قاف کے ہے اور جو خود بمنزلہ ہمار کے یہ وقت خلوت کا نہیں ہے اس لئے خلوت کو چھوڑیئے۔ اور انجمن میں تشریف لایئے اور ملامت ملامت گراں کی کچھ پرواہ نہ کیجئے۔ دیکھئے چودھویں رات کا چاند آسمان پر چلتا ہے اور کتے بھونکتے ہیں مگر وہ ان کی کچھ بھی پرواہ نہیں کرتا اور ان کی وجہ سے اپنی چال نہیں چھوڑتا۔ پس آپ پر جو کہ ہدایت میں چودھویں رات کے چاند کی مانند ہیں طعن کرنے والے لوگ بھی کتوں کی مانند ہیں اور آپ کے رتبہ عالی پر بھونکتے ہیں اور چونکہ یہ کتے حکم انصتوا کو نہیں سنتے اس لئے آپ پر جو کہ مثل بدر ہیں بھوں بھوں کرتے ہیں پس آپ بھی ان کے بھونکنے سے اپنی روش نہ چھوڑیئے اور اے شفائے مریض القلوب آپ ان طاعنوں کی ناخوشی کے خیال سے اندھوں کی لاٹھی یعنی اعانت نہ چھوڑیئے جو حکم انصتوا سے بہرے ہیں۔ دیکھئے خود آپ کا ارشاد ہے کہ جو اندھے کی رہبری کرے اس کو حق سبحانہ بہت سا ثواب دیں گے اور جو اندھے کو پکڑ کر چالیس قدم تک لے جائے حق سبحانہ اسے ہدایت عطا فرما دیں گے۔ اور بخش دیں گے۔ پس خود آپ ان دل کے اندھوں کی اعانت ترک نہ کیجئے۔ کیونکہ یہ بہ نسبت ظاہری اندھوں کے زیادہ اعانت کے مستحق ہیں اور اندھوں کی بے انتہا جماعت کو اس جہاں ناپائیدار سے نکالئے اور عالم غیب تک پہنچایئے کیونکہ آپ ہادی کامل ہیں اور ہادی کا کام ہی یہ ہے۔ نیز

آپ اس آخر زمانہ کے ماتم کے لئے بمنزلہ خوشی کے ہیں۔ پس اس ماتم کو زائل کیجئے اور یہ لوگ جو مبتلائے خیال باطل ہیں ان کو صد یقین تک پہنچایئے ہم آپ کو اطمینان دلاتے ہیں کہ جو کوئی آپ سے چال کرنے کی فکر میں دل کو پھنسائے گا خود ہم اس کی گردن ماردیں گے۔ اور آپ پر اس کی مدافعت کا بوجھ نہ ڈالیں گے آپ خوش خوش اپنا کام کئے جایئے ہم یہ کریں گے کہ کچھ تو وہ اندھا پہلے ہی سے ہے۔ اب ہم اسے اور اندھا کردیں گے اور جس کام کو وہ اپنے لئے مفید سمجھے گا اسے ہم اس کے لئے مضر بنادیں گے کیونکہ عقلیں جو لوگوں کو حاصل ہیں جن سے وہ منفعت اور مضرت میں تمیز کرتے ہیں وہ ہمارے ہی روشن کرنے سے تو روشن ہیں۔ اور جو تدبیریں کہ وہ جانتے ہیں وہ ہمیں نے تو سکھائی ہیں ایسی حالت میں کوئی بڑی بات نہیں کہ ہم ان کی عقلوں کو نور سے معرا کردیں اور ان کی مفید تدبیروں کو ان کے لئے مضر بنادیں ان کی عقل وتدبیر کی ہمارے علم وتدبیر کے سامنے ایسی مثال ہے جیسے ترکمانوں کے کمبل کے خیموں کی ہاتھی کے پاؤں کے سامنے۔ پس جس طرح ہاتھی کے پاؤں کے سامنے ان خیموں کی کوئی حقیقت نہیں۔ یوں ہی ہمارے علم وتدبیر کے سامنے ان کی عقلوں اور تدبیروں کی بھی کوئی حقیقت نہیں نیز ان کی عقل وتدبیر ہمارے علم وتدبیر کے سامنے ایسی ہے جیسے چراغ آندھی کے سامنے۔ پس جس طرح چراغ کی آندھی کے سامنے کوئی وقعت نہیں یونہی ان کی عقلیں اور تدبیریں ہمارے علم وتدبیر کے سامنے بے وقعت ہیں۔ اچھا تو اب اٹھئے اور توحید کا ایک خوفناک صور پھونکئے تا کہ ہزاروں روحانی مردہ زندۂ جاوید ہو جائیں چونکہ آپ اسرافیل وقت ہیں لہذا اٹھئے اور قیامت معروف کے علاوہ ایک روحانی قیامت قائم کیجئے اور جو شخص کہے کہ قیامت کیا چیز ہے اس سے کہہ دیجئے کہ دیکھ قیامت میں ہوں اور اے مصیبت زدہ سائل تو دیکھ لے کہ اس قیامت سے سینکڑوں روحانی عالم موجود ہوگئے ہیں پس جبکہ قیامت کی ایک نظیر موجود ہے تو تجھے دوسری نظیر سے کیوں انکار ہے اور اگر وہ اس وعظ کا اہل اور قابل اطاعت نہ ہو تو اس کا جواب بھی ہے کہ سکوت اختیار کیا جائے۔ کیونکہ احمقوں کا جواب سکوت ہی ہے واقعی بات ہے کہ احمقوں کا جواب سکوت ہے کیونکہ جب دعا غیر مقبول ہوتی ہے تو اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ داعی احمق ہوتا ہے کہ خلاف حکمت حق سبحانہ دعا مانگتا ہے اس لئے ادھر سے سکوت جواب ہوتا ہے اب کھلیان کا وقت آیا ہے یعنی اس کا وقت آیا ہے کہ یہ بیان کیا جاوے کہ آپ نے اس حکم کی تعمیل میں کیا کارنامے کئے اور ان کے کیا کیا نتائج برآمد ہوئے مگر افسوس کہ وقت نہیں رہا۔ جس قدر وقت باقی ہے وہ نہایت تنگ ہے اور وسعت کلام اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ عمر دوام بھی اس کے لئے کم ہے۔ اس لئے اس کے بیان سے معذوری ہے۔ قاعدہ ہے کہ تنگ خندقوں میں نیزہ بازی نیزہ بازوں کو مجبور کردیتی ہے۔ پس میں اس قلیل وقت کی خندق میں اپنی جوانمردی کے کیا جوہر دکھا سکتا ہوں۔ خیر وقت تو تنگ تھا ہی اس سے بڑھ کر مصیبت یہ ہے کہ عوام کی طبیعت اور ان کی فہم وقت سے بھی سوگونہ زیادہ تنگ ہے ایسی حالت میں اور بھی مجبوری ہے۔ اب مولانا اپنی تقریر پر سوال قائم کرکے اس کا جواب دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ جب آپ کو تسلیم ہے کہ احمق کا جواب سکوت ہے تو یہ اتنی طویل مثنوی آپ کیوں کہہ رہے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بامر

حق سبحانہ ہے اور ان کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنے کمال رحمت اور موج کرم کے سبب ہر شورہ زمین پر بارش برساتے اور اسے تر کرتے ہیں خواہ خود اس کی نا قابلیت کی وجہ سے اس میں سبزہ نہ پیدا ہو مگر وہ اپنی طرف سے محروم نہیں کرتے اب جواب الاحمق سکوت کی تائید میں ایک قصہ نقل فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

شرح شبّیری

بیان میں اس کے کہ جواب نہ دینا بھی ایک جواب ہے اور اثبات میں اس کے کہ احمق کا بھی جواب سکوت ہی ہے اور ان دونوں باتوں کی شرح قصۂ ذیل میں آتی ہے

بادشاہے بود او را بندۂ	مردہ عقلے بود شہوت زندۂ
ایک بادشاہ کا ایک غلام تھا	جس کی عقل مردہ اور شہوت زندہ تھی

یعنی ایک بادشاہ کا ایک غلام تھا مردہ عقل والا اور زندہ شہوت والا تھا۔ مطلب یہ کہ عقل تو کہیں اس کے پاس بھی نہ پھٹکی تھی ہاں شہوات نفسانیہ سے پر تھا اور اس کی یہ حالت تھی کہ۔

خرد ہائے خدمتش بگذاشتے	بد سگالیدے نکو پنداشتے
اس کی چھوٹی خدمت (بھی) نہ کرتا	بدخواہی کرتا (اس کو) اچھا سمجھتا

یعنی اس بادشاہ کی چھوٹی چھوٹی خدمتیں چھوڑ دیتا برا سوچتا اور اچھا جانتا مطلب یہ کہ اس کے جو کام سپرد تھا ان میں سے ذرا ذرا سے کاموں کو بھی انجام نہ دیتا اکثر چھوڑ دیا کرتا تھا اور ہمیشہ برے کام کرتا اور اس پر طرہ یہ کہ ان کو اچھا بھی سمجھتا۔

گفت شاہنشہ جراتش کم کنید	در بجنگد نامش از خط بر زنید
بادشاہ نے کہا اس کی تنخواہ کم کر دو	اگر لڑے تو اس کا نام فہرست سے کاٹ دو

یعنی بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کا وظیفہ کم کر دو اور اگر لڑے تو اس کا نام دفتر سے کاٹ دو۔ مطلب یہ کہ اس کی یہ حالت دیکھ کر بادشاہ سمجھ گیا کہ کھانے کو جو ل رہا ہے اس لئے مستا گیا ہے۔ لہذا حکم دیا کہ اس کی روٹی کم کر دو اور اگر اس پر کچھ حیل حجت کرے تو سرے سے نام ہی کاٹ دو اور بالکل ہی وظیفہ بند کر دو۔

عقل او کم بود و حرص او فزوں	چوں جرا کم دید شد تند و حروں
اس کی عقل کم اور لالچ بڑھا ہوا تھا	جب تنخواہ کم دیکھی بدمزاج اور سرکش بن گیا

یعنی اس کی عقل تو کم تھی اور حرص زیادہ تھی تو جب وظیفہ کم دیا تیز اور غمگین ہوا۔ مطلب یہ کہ میاں کو عقل تو تھی نہیں جب حکم شاہ سے وظیفہ ہوا کم تو بجائے اس کے کہ اپنی کوتاہی پر نظر کر کے اس کی اصلاح کرتا آپ اور زیادہ تیز ہوئے اور بگڑے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

تا بدیدے جرم خود گشتے معاف	عقل بودے گرد خود کردے طواف
تا کہ اپنا قصور دیکھ لیتا (اور) وہ معاف ہو جاتا	(اگر) عقل ہوتی اپنے گرد چکر کاٹتا

یعنی عقل ہوتی تو اپنے گرد طواف کرتا تاکہ اپنے جرم کو دیکھتا اور معاف ہو جاتا۔ مطلب یہ کہ اگر اس کو عقل ہوتی تو وظیفہ کم ہونے سے اپنی کوتاہیوں پر نظر ہوتی۔ اور اپنے جرموں کو دیکھ کر ان کا تدارک کرتا تو بادشاہ کے یہاں سے معافی مل جاتی۔ مگر اس نے بجائے اس کے اور بگڑنا اور بڑ بڑانا شروع کر دیا مولانا اس کی ایک مثال فرماتے ہیں کہ۔

ہر دو پایش بستہ گردد برسری	چوں خرے پا بستہ تندد از خری
تو پھر اس کے دونوں پاؤں مزید باندھ دیئے جاتے ہیں	ایک پاؤں بندھا ہوا گدھا جب شرارت کرتا ہے

یعنی جب کوئی گدھا ایک پاؤں بندھا ہوا گدھے پن سے شرارت کرنے لگے تو اوپر سے اس کے دونوں پاؤں بھی بستہ ہو جاتے ہیں۔

خود بداں کان دو ز فعل آں خس است	پس بگوید خر کہ یک بندم بس است
تو سمجھ لے کہ وہ دو بند اسی کمینہ کے کام کی وجہ سے ہیں	پھر گدھا کہتا ہے کہ میرے ایک ایک بند ہی کافی ہے

یعنی پھر وہ گدھا کہے گا کہ مجھے تو ایک ہی بند کافی تھا تو تم خود جان لو کہ وہ دونوں اس کمینہ ہی کے فعل کی وجہ سے ہیں۔

بند بر دستش نہ بستندے بزور	گر بدیدے سر بند آں چشم کور
تو جبراً اس کے ہاتھ نہ باندھتے	اگر وہ اندھا بند کا راز دیکھ لیتا

یعنی اگر وہ اندھا (پہلے) بند کا بھید دیکھتا تو اس کے ہاتھ پر زور سے نہ باندھتے۔

خود ز بند دست و پا ایمن شدے	ورز جرم بند پا آگہ بدے
تو ہاتھ اور پاؤں کے بند سے محفوظ ہو جاتا	اگر وہ پاؤں کے بند کے جرم سے آگاہ ہوتا

یعنی اور اگر وہ بیہودہ قید میں شرارت نہ کرتا تو وہ گدھا ہی نہ ہوتا۔ وہ تو شیر نر ہوتا۔ مطلب یہ کہ دیکھو اس غلام کی ایسی مثال ہے جیسے کہ کسی نے ایک گدھے کو گلے میں رسی ڈال کر باندھ رکھا تھا۔ اس گدھے نے کودنا پھاندنا شروع کیا تو اس مالک نے اس کے پچھاڑی بھی لگا دی۔ تو دیکھو اگر وہ یہ سمجھتا کہ میری اگاڑی بھی اسی لئے لگی ہے تا کہ میں شرارت نہ کروں اور یہ سمجھ کر وہ شرارت سے باز رہتا تو پچھاڑی لگنے کی نوبت نہ آتی تو اسی طرح اگر یہ غلام پہلے سے کام کرتا رہتا تو یہ نوبت کی وظیفہ کی کیوں آتی اور اگر آ گئی تھی اور اب بھی سوچ لیتا اور جرم کو معلوم کر

کے اس کی صفائی کی فکر میں لگتا تو بھی خیر تھی مگر مولانا فرماتے ہیں کہ اگر وہ گدھا یہ باتیں سوچ سمجھ لیتا تو وہ گدھا ہی کیوں ہوتا اسی طرح یہ غلام اگر اتنی باتیں سمجھ لیتا تو بیوقوف ہی کیوں کہا جاتا۔ پھر تو بڑا عاقل اور بلند حوصلہ ہوتا چونکہ مولانا نے اوپر بیان فرمایا ہے کہ اس گدھے نے ایسا کیا تو اپنے آپ ہی قیود کو اپنے اوپر بڑھاتا چلا گیا اور اگر ایسا نہ کرتا تو وہ گدھا گدھا نہ رہتا بلکہ بشر کی طرح ہو جاتا آگے اس کی مناسبت سے مخلوق حساسہ کی تقسیم بیان فرماتے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ایک مخلوق تو محض علم وعقل وغیرہ خوبیوں سے بنائی کہ ان میں رذائل تھے ہی نہیں وہ تو فرشتے ہیں اور دوسری مخلوق محض رذائل سے بنی جس میں علم وعقل کا نام نہیں وہ حیوانات ہیں۔ تیسری مخلوق میں ان دونوں کو ترکیب دیدیا کہ کچھ ان میں عقل وغیرہ ہے اور کچھ رذائل ہیں وہ انسان ہے پھر اس انسان کی تین حالتیں ہیں جس کو قرآن شریف میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ كنتم ازواجا ثلثة فاصحاب الميمنة ما اصحاب الميمنه و اصحاب المشئمة مااصحاب المشئمة والسابقون السابقون اولئک المقربون ایک تو وہ ہیں کہ ان میں اوصاف حمیدہ کا غلبہ ہے اور رذائل بالکل ہی مغلوب ہیں ایسے حضرات تو سابقون اولون میں داخل ہیں۔ جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام یا ان کے سچے جانشین دوسرے وہ کہ ان میں رذائل ہی کا غلبہ ہے اوصاف حمیدہ ہیں ہی نہیں وہ اصحاب مشئمہ میں داخل ہیں جیسے کہ کفار۔ تیسرے وہ لوگ ہیں کہ

گہے بر طارم اعلیٰ نشینند گہے بر پشت پائے خود نہ بینند

کہ کبھی ان میں غلبہ رذائل کا ہے اور کبھی اوصاف حمیدہ کا ایسے حضرات اصحاب میمنہ میں داخل ہیں جیسے عوام مسلمین تو دیکھو جو اصحاب مشئمہ ہیں یہ اگر اپنی حالت میں غور کرتے اور سمجھتے کہ کس وجہ سے ہم کفر میں مبتلا ہیں تو وہ ایسے کیوں رہتے بلکہ انسان کامل نہ ہو جاتے مگر اب تو جیسے گدھے تھے ویسے ہی رہے خوب سمجھ لو۔ اب اشعار سے سمجھ لو مولانا اس مضمون کو ایک حدیث کی تفسیر کے پیرایہ میں بیان فرماتے ہیں اور اس حدیث کی صحت اور عدم صحت کی بابت علم نہیں ناظرین خود تحقیق فرمالیں ہاں مضمون بالکل صحیح ہے۔

شرح حبیبی

بیان میں اس کے کہ جواب نہ دینا بھی ایک جواب ہے اور اثبات میں اس کے کہ احمق کا بھی جواب سکوت ہی ہے اور ان دونوں باتوں کی شرح قصۂ ذیل میں آتی ہے

ترجمہ وتشریح:۔ ایک بادشاہ تھا اور اس کا ایک نوکر تھا جس کی عقل مردہ تھی اور نفس زندہ معمولی معمولی خدمتوں بادقائق خدمت کو نظر انداز کرتا تھا۔ وہ کرتا تھا برا اور سمجھتا تھا کہ میں اچھا کر رہا ہوں۔ یہ دیکھ کر بادشاہ نے

حکم دیا کہ اس کا تنزل کر دیا جائے۔ اور وظیفہ گھٹا دیا جاوے۔ اور اگر یہ کچھ چوں و چرا کرے تو اس کا نام کاٹ دیا جاوے چنانچہ اس پر عمل کیا گیا۔ پس چونکہ اس کی عقل کم تھی اور حرص زیادہ اس لئے جب وظیفہ کم ہوا تو بہت جز بز ہوا لیکن اگر اسے عقل ہوتی تو وہ اپنے کو ٹٹولتا تا کہ اسے اپنا قصور معلوم ہوتا اور وہ اس جرم کا اعتراف کرتا جس سے اس کا قصور معاف ہو جاتا۔ اس کی مثال ایسی تھی جیسے کسی گدھے کا ایک پاؤں بندھا ہوا ہو اور وہ شرارت کرے جس کا نتیجہ یہ ہو کہ اس کے دونوں پاؤں بندھ جائیں اس پر وہ یہ کہے گا کہ میرے لئے ایک ہی بیڑی کافی ہے۔ دو کیوں ڈال دی گئیں۔ لیکن تم کو سمجھنا چاہئے کہ یہ دونوں بیڑیاں اسی کی شرارت کا نتیجہ ہیں اگر اسے ایک بیڑی کی وجہ معلوم ہوتی تو دوسری بیڑی اس کے پاؤں میں زبردستی نہ ڈالی جاتی اور اگر وہ اپنے اس جرم کو جانتا جس کی بناء پر اس کا پاؤں باندھا گیا ہے تو اپنے ہاتھ اور پاؤں دونوں کے بندھنے سے بے کھٹکے ہو جاتا کیونکہ جب اس کا ایک پاؤں باندھا گیا تھا اس وقت اگر وہ سمجھتا کہ یہ میری شرارت کا نتیجہ ہے اور یہ سمجھ کر پھر شرارت نہ کرتا تو دوسرا پاؤں نہ باندھا جاتا۔ بلکہ پہلا بندھا ہوا پاؤں بھی کھول دیا جاتا۔ اور اگر وہ شرارت نہ کرتا تو وہ گدھا نہ ہوتا۔ بلکہ بہادر شیر یعنی عالی حوصلہ ہوتا۔



عارف باللہ حضرت مولانا جلال الدین رُومی رحمۃ اللہ علیہ کی نادر روزگار
اور معرکہ آرا کتاب "مثنوی معنوی" کی جامع اور لاجواب اُردو شرح

کلید مثنوی

جلد ۱۵-۱۶ دفتر ۴

مع افادات وارشادات

حضرت شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

از

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان پاکستان فون: 540513-519240

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرح شبّیری

الملائکۃ ورکب فیھم العقل و خلق البھائم ورکب فیھا الشھوۃ و خلق بنی اٰدم و رکب فیھم العقل والشھوۃ فمن غلب عقلہٗ علیٰ شھوتہ فھو اعلیٰ من الملائکۃ و من غلبت شھوتہٗ علیٰ عقلہ فھو ادنیٰ من البھائم صدق النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اس حدیث نبوی کی تفسیر کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے پیدا فرمائے اور ان میں عقل رکھی اور چوپایوں کو پیدا فرمایا اور ان میں شہوت رکھی اور بنی آدم کو پیدا فرمایا اور ان میں عقل اور شہوت (دونوں) رکھی تو جس کی عقل شہوت پر غالب آ گئی وہ ملائکہ سے افضل ہے اور جس کی شہوت عقل پر غالب آ گئی وہ چوپایوں سے کمتر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے

خلق عالم را سہ گونہ آفرید	در حدیث آمد کہ یزداں مجید
عالم کی مخلوق تین قسم کی پیدا فرمائی ہے	حدیث میں آیا ہے کہ اللہ بزرگ نے

یعنی حدیث میں ہے کہ خدائے بزرگ نے عالم کی مخلوقات (حساسہ) کو تین قسم پر پیدا فرمایا۔

آں فرشتہ است و نداند جز سجود	یک گرہ را جملہ علم و عقل و جود
وہ فرشتہ ہے اور سوائے سجدہ کے کچھ نہیں جانتا	ایک گروہ میں علم اور عقل اور سخاوت مکمل ہے

یعنی ایک گروہ کو تو محض علم اور عقل اور جود (کے ساتھ پیدا کیا) وہ تو فرشتے ہیں کہ سوائے عبادت کے اور کچھ جانتے ہی نہیں۔

نور مطلق زندہ از عشق خدا	نیست اندر عنصرش حرص و ہوا
وہ نور مطلق ہے خدا کے عشق سے زندہ ہے	اس کی ماہیت میں حرص و ہوا نہیں ہے

یعنی ان کی پیدائش میں حرص و ہوا وغیرہ ہے ہی نہیں وہ نور مطلق ہیں اور عشق خدا سے زندہ ہیں مطلب یہ کہ بس یہ گروہ تو نور محض ہے۔ رذائل کا ان میں پتہ ہی نہیں۔

ہمچو حیواں از علف در فربہی	یک گروہ دیگر از دانش تہی
مثل حیوانٔ چارے سے موٹاپے میں ہے	ایک دوسرا گروہ جو عقل سے خالی ہے

یعنی ایک دوسرا گروہ جو کہ عقل سے بالکل خالی ہے جیسے کہ حیوانات کہ گھاس سے موٹے ہو رہے ہیں۔

او نہ بیند جز کہ اصطبل و علف	از شقاوت غافل است واز شرف
وہ سوائے طویلہ اور گھاس کے کچھ نہیں دیکھتا ہے	وہ بدبختی اور شرارت سے غافل ہے

یعنی وہ سوائے اصطبل کے اور گھاس کے کچھ نہیں دیکھتا۔ شقاوت سے بھی غافل ہے اور شرف سے بھی مطلب یہ کہ اس قسم کو یعنی حیوانات کو بس کھانے کو مل جاوے اور کھڑے ہونے کی جگہ ہو پھر ان کو نہ شقاوت کی پرواہ اور نہ بلند مرتبہ کی خواہش۔ غرض ان میں اوصاف حمیدہ کا نام نہیں۔

آں سوم ہست آدمی زادہ و بشر	از فرشتہ نیمش و نیمے زخر
تیسرا آدم کی اولاد اور انسان ہے	اس کا آدھا فرشتہ سے اور آدھا گدھے سے ہے

یعنی وہ تیسرا حضرت انسان ہیں کہ آدھا تو فرشتہ میں سے اور آدھا گدھے میں ہے۔

نیم خر خود مائل سفلی بود	نیم دیگر مائل علوی بود
گدھے والا آدھا (عالم) سفلی کی طرف مائل ہوتا ہے	دوسرا آدھا (عالم) علوی کی طرف مائل ہوتا ہے

یعنی آدھا گدھے والا تو اسفل کی طرف مائل ہوتا ہے اور دوسرا آدھا اوپر کی طرف مائل ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ تیسری قسم حضرت انسان ہیں کہ یہ ایک معجون مرکب ہیں۔ ان میں اوصاف حمیدہ بھی ہیں اور رذیلہ بھی ہیں اوصاف حمیدہ تو ان کو عالم بالا کی طرف کھینچ رہے ہیں اور رذائل اسفل میں لئے جاتے ہیں۔ بس اب دیکھنا یہ ہے کہ۔

تا کدامین غالب آید در نبرد	زیں دوگانہ تا کدامین برد نرد
دیکھو معرکہ میں کونسا غالب ہوتا ہے؟	ان دونوں میں سے کون سا بازی جیتتا ہے؟

یعنی مقابلہ میں کون غالب آتا ہے اور ان دونوں میں کون بازی لے جاتا ہے۔

عقل گر غالب شود پس شد فزوں	از ملائک ایں بشر در آزموں
اگر عقل غالب ہو جائے تو زیادہ بڑھ گیا	امتحان میں یہ انسان، فرشتوں سے

یعنی اگر عقل غالب ہوگئی تب تو یہ انسان امتحان میں ملائکہ سے بھی بڑھ گیا۔

شہوت از غالب شود پس کمتر است	از بہائم ایں بشر زاں کابتر است
اگر شہوت غالب ہو گئی، تو کم تر ہے	یہ انسان چوپایوں سے، کیونکہ بری حالت میں ہے

یعنی اگر شہوت غالب ہو جاوے تو بس یہ انسان بہائم سے (بھی) گیا گزرا ہے اسی وجہ سے ابتر ہے۔ مطلب یہ کہ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دو صفتوں میں سے کونسی صفت کا غلبہ ہے اگر اوصاف حمیدہ کا غلبہ ہے تب تو یہ حضرت ملائکہ سے بھی برتر ہیں اس لئے کہ ان میں تو تقاضا مخالف کا ہے نہیں لہٰذا ان کو بچنا محل تعجب نہیں جیسا کہ اس میں ہے کہ تقاضا خلاف کا موجود اور پھر بچ رہا ہے اور اگر کہیں شہوت غالب ہوگئی تو پس پھر حیوانات سے بھی بدتر اور گیا گزرا ہو گیا۔ اس لئے کہ حیوانات میں تو داعیہ خیر کا ہے ہی نہیں تو ان کا میلان شر کی طرف زیادہ بعید نہیں

ہے جیسا کہ ان حضرات کا میلان بعید ہے۔ اس لئے کہ باوجود داعیہ خیر کے پھر ادھر جھکا جاتا ہے۔ غرضکہ

آں دو قوم آسودہ از جنگ و حراب	ویں بشر بادو مخالف در عذاب
وہ دونوں قومیں جنگ اور لڑائی سے راحت میں ہیں	اور یہ انسان دو مخالفوں کی وجہ سے عذاب میں ہے

یعنی وہ دونوں قومیں تو لڑائی جھگڑے سے فارغ ہیں اور یہ بشر دو مخالف کی ساتھ ہونے کی وجہ سے عذاب میں ہے۔ مطلب یہ کہ ان دونوں کی تو چونکہ ایک حالت ہے برا یا بھلی تو وہ آرام سے ہیں ایک ایک حالت میں لگا ہوا ہے۔ اور ایک ایک میں۔ مگر یہ حضرت انسان عجب کشمکش میں کبھی داعیہ خیر اپنی طرف بلا رہا ہے تو ادھر شر کا تقاضا ٹھوکے دے دے کر ابھار رہا ہے غرض

دوگونہ رنج و عذابست جاں مجنوں را   بلائے فرقت لیلےٰ و صحبت لیلےٰ

یہ تین قسمیں تو کل مخلوق حساس کی ہو گئیں۔ آگے ان میں سے حضرت انسان کی تین قسمیں بیان فرماتے ہیں جن کو قرآن شریف میں اصحاب میمنہ اور اصحاب مشئمہ اور سابقون کے لقب سے ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ اوپر شرح میں بیان کیا گیا ہے اب مولانا فرماتے ہیں کہ

ویں بشر ہم ز امتحان قسمت شدند	آدمی شکل اندوسہ امت شدند
اور یہ انسان بھی آزمانے سے تقسیم ہو گئے	آدمی کی صورت میں ہیں اور تین گروہ ہو گئے

یعنی اور یہ بشر بھی امتحان کی وجہ سے تین قسم ہو گئے آدمی کی شکل ہیں اور تین طرح کے ہو گئے۔ مطلب یہ کہ پھر انسان بوجہ امتحان کے جو حق تعالیٰ سے ہوا اور جس کی وجہ سے اس دنیا دار الابتلاء میں پہنچ گئے ہیں۔ تین قسم کے ہو گئے شکل تو ایک ہی ہے یعنی سارے انسانی ہی ہیں مگر اوصاف سب کے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ آگے خود بیان فرماتے ہیں کہ۔

یک گرہ مستغرق مطلق شدہ	ہمچو عیسیٰ با ملک ملحق شدہ
ایک گروہ پورا ڈوب چکا	(حضرت) عیسیٰ کی طرح فرشتوں سے جا ملا

یعنی ایک گروہ تو بالکل مستغرق ہو گیا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرح فرشتوں میں جا ملا۔ (چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت ہی دنیا سے بے تعلق اور زاہد تھے۔ کہ مکان وغیرہ کچھ بھی نہ بنایا جس سے کوئی ظاہری تعلق بھی دنیا سے نہ تھا ورنہ یوں تو سارے ہی انبیاء دنیا سے بے تعلق ہوتے ہیں مگر ان کی بے تعلقی بالکل ہی ظاہر تھی۔ اس لئے ان سے تشبیہ دی اور چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع جسم عنصری کے فرشتوں کے ساتھ رہتے ہیں اس لئے با ملک ملحق شدہ فرمایا) مطلب یہ کہ بس ایک گروہ تو ایسا ہے کہ وہ بس یاد حق میں ہر وقت مستغرق ہے اور کسی شئے سے اسے تعلق ہی نہیں ہے۔

نقش آدم لیک معنی جبرئیل	رستہ از خشم و ہوائے قال قیل
صورت انسان کی ہے لیکن باطن جبرائیل کا ہے	وہ غصہ اور خواہش اور قال و قیل سے نجات پا گیا

یعنی صورت تو آدم علیہ السلام کی لیکن باطن جبرئیل علیہ السلام جیسا غصہ سے اور خواہش نفسانی سے اور قال وقیل سے چھوٹے ہوئے۔

از ریاضت رستہ وز زہد و جہاد	گوئیا از آدمی او خود نزاد
وہ ریاضت اور زہد اور جہاد سے چھوٹ گیا	گویا کہ وہ آدمی سے پیدا نہیں ہوا

یعنی ریاضت سے اور زہد سے اور مجاہدہ سے چھوٹے ہوئے ہیں گویا کہ وہ آدمی سے پیدا ہی نہیں ہوئے۔
مطلب یہ کہ ایک گروہ کی تو یہ حالت ہے کہ بس ان میں اخلاق حمیدہ ہی حمیدہ ہیں رذائل کا پتہ ہی نہیں ہر وقت فرشتوں کی طرح سوائے عبادت کے اور کوئی کام ہی نہیں رہا۔ تمام رذائل سے ایسے پاک وصاف ہیں کہ اب ان کو ازالہ رذائل کے لئے ریاضت ومجاہدہ کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ ہاں احکام شرعیہ کو امتثالاً مربجالاتے ہیں مگر ان مجاہدات کی ضرورت جواز الہ رذائل کے لئے ہوتے ہیں ان کو نہیں رہی۔ اس سے جاہل صوفی یہ نہ سمجھ لیں کہ ان کا وہ مرتبہ ہو گیا کہ جہاں وہ احکام شرعیہ کے بھی مکلف نہیں رہے۔ یہ درجہ تو جنون کی حالت میں ہوتا ہے اور وہ حضرات تو ایسے عاقل ہیں کہ اور سب کی عقل بھی ان ہی کے فیض سے ہے لہذا وہ تمام احکام شرعیہ کے مکلف ہوتے ہیں۔ ہاں ان کو بوجہ رذائل کے رذائل ہو جانے کے ان مجاہدات خاصہ کی حاجت نہیں رہتی خوب سمجھ لو۔ تو ایک قسم تو یہ ہوئی یہ تو السابقون السابقون اولئک المقربون کے مصداق ہیں آگے دوسری قسم بیان فرماتے ہیں کہ

قسم دیگر باخراں ملحق شدند	خشم محض و شہوت مطلق شدند
دوسری قسم گدھوں سے جا ملی	خالص غصہ اور مجسم شہوت بن گئے

یعنی دوسری قسم گدھوں کے ساتھ ملحق ہو گئے ہیں کہ محض غصہ اور شہوت مطلقہ ہو گئے ہیں۔

وصف جبریلی در ایشان بود رفت	تنگ بود آں خانہ و آں وصف زفت
جبریلی والی صفت ان میں تھی، چلی گئی	وہ گھر تنگ تھا اور وہ صفت موٹی تھی

یعنی وصف جبریلی ان میں تھا (مگر) جاتا رہا۔ وہ گھر تنگ تھا اور وہ وصف عظیم الشان تھا۔ مطلب یہ کہ دوسرے وہ لوگ جو بہائم میں جا ملے ہیں اور جن میں سوائے رذائل کے اخلاق حمیدہ کا پتہ نہیں ہے۔ تو ان میں بھی استعداد خیر کی تھی جو کہ وصف جبریلی کے مشابہ تھی مگر ان کی بداعمالیوں کی بدولت وہ استعداد مضمحل ہو کر کالعدم ہو گئی۔ آگے ایک نظیر بیان فرماتے ہیں کہ۔

مردہ گردد شخص چوں بیجاں شود	خر شود چوں جاں او بے آں شود
جو شخص بے جان ہو جاتا ہے مردہ ہو جاتا ہے	جب اس کی جان اس (جبریلی صفت) کے بغیر ہو جاتی ہے گدھا ہو جاتا ہے

یعنی آدمی جب بے جان ہو جاتا ہے تو مردہ ہو جاتا ہے اور جب اس کی جان بے اس (وصف جبریلی) کے ہو جاتی ہے تو وہ گدھا ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو جب جسم میں سے روح نکل گئی تو جسم مردہ اور بیکار ہو جاتا ہے اسی طرح اگر روح میں سے اوصاف کمال نکل جاویں تو وہ روح بھی بیکار ہو جاتی ہے۔

زاغ گردد چوں پئے زاغاں رود	جسم گردد جاں چو او بیجاں شود
(انسان) کوا بن جاتا ہے جب کوؤں کا اتباع کرتا ہے	جان جسم بن جاتی ہے جبکہ وہ بے جان ہو جاتی ہے

یعنی کوا ہو جاتا ہے اگر کوے کے پیچھے چلے اور روح جسم ہو جاتی ہے جب بے روح ہو۔ مطلب یہ کہ روح میں اگر روح الروح یعنی اوصاف کمال نہ ہوں تو وہ روح روح نہیں رہی بلکہ وہ بھی جسم کی طرح محجوب اور ظلمانی ہوگئی۔ جیسے کہ اگر کوئی جانور کوؤں کے پیچھے رہے تو اس کے اندر بھی ان ہی جیسے اوصاف آ جاویں گے۔ اسی طرح جب روح تابع جسم کے ہوگئی تو اس کے اندر بھی اوصاف جسم کے آ گئے اور وہ بھی محجوب ہوگئی اور فرماتے ہیں کہ

زانکہ جانے کان ندارد ہست پست	ایں سخن حق است صوفی گفتہ است
چونکہ وہ جان جو وہ (صفت) نہیں رکھتی پست ہے	یہ بات سچی ہے اور صوفی نے کہی ہے

یعنی اس لئے کہ جو جان کہ وہ (اوصاف کمال) نہ رکھے پست ہے اور یہ بات حق ہے صوفیہ نے ارشاد فرمائی۔ مطلب یہ کہ مولانا فرماتے ہیں کہ تم اس قول کو صرف میرا ہی قول مت سمجھنا اور یہ سمجھ کر اس کو غیر قابل عمل مت ٹھہرا دینا بلکہ خوب سمجھ لو کہ یہ صوفیہ کرام کا قول ہے جو کہ تمام حقائق اشیاء پر مطلع ہوتے ہیں لہذا بالکل سچا اور مطابق للواقع قول ہے۔ تو وہ انسان انسان نہیں رہتا جانوروں کی طرح ہو جاتا ہے بلکہ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

اوز حیوانہا فزوں تر جاں کند	در جہاں باریک کاریہا کند
وہ حیوانات سے زیادہ مصیبت میں مبتلا ہے	دنیا میں بہت سے نازک کام کرتا ہے

یعنی وہ حیوانات سے زیادہ جان کنی میں ہوتا ہے اور جہان میں بہت سے باریک کام کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ حیوان کی طرح ہو جاتا ہے مگر حیوان کو اتنی مصیبت نہیں ہوتی جتنی کہ اس کو ہوتی ہے اس لئے کہ حیوان کو تصرف اصطبل اور علف کی حاجت ہے بس پھر مگن ہیں اور یہ حضرت انسان دنیا میں بے حد منہمک رہتے ہیں اور جس قدر مل جاوے۔ اس سے زائد ہی کی حرص میں ہر وقت لگے رہتے ہیں اور ایسے ایسے کام کرتے ہیں جو بیچارے حیوان کے کبھی خواب میں بھی نہیں آتے آگے ان کی تفصیل خود فرماتے ہیں کہ۔

مکر و تلبیسے کہ او تاند تنید	آں ز حیوانے دگر ناید پدید
جو مکر اور فریب وہ کر سکتا ہے	وہ دوسرے حیوان سے رونما نہیں ہوتے ہیں

یعنی جو مکر اور تلبیس کہ انسان کر سکتا ہے وہ کسی دوسرے حیوان سے ظاہر نہیں ہو سکتی مطلب یہ کہ کسب دنیا دنیا کے لئے جو جو حیل یہ کر سکتا ہے اور کرتا ہے اور کسی حیوان سے تھوڑا ہی ہو سکتے ہیں۔ آگے ان کی کچھ تفصیل بیان فرماتے ہیں کہ۔

جامہائے زرکشی را بافتن	درہا از قعر دریا یافتن
اور زری کے کپڑے بننا	موتیوں کو دریا کی گہرائی سے پانا

یعنی زری کے کپڑے بننا اور موتی دریا کے قعر سے پانا۔

خردہ کاریہائے علم ہندسہ	یا نجوم و علم طب و فلسفہ
علم ہندسہ کی باریک صنعتیں	یا نجوم اور علم طب اور فلسفہ

یعنی علم ہندسہ کی باریکیاں یا علم نجوم یا علم طب یا فلسفہ مطلب یہ کہ دیکھو کیسے کیسے زری کے کپڑے بنتا ہے اور قعر دریا میں سے موتی نکال کر لاتا ہے۔ یہ سارے دھندے دنیا ہی کے لئے کرتا ہے۔ علی ہذا علم ہندسہ کی باریکیوں میں غور کرنا علم طب و نجوم وغیرہ میں غور کرنا یہ سارے کام صرف کسب دنیا ہی کے لئے کرتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور یہ کام حیوانات کر نہیں سکتے۔ تو ان کا انہماک دنیا میں اس سے پھر بھی بہت کم ہوا لہٰذا اس حالت میں وہ اس سے اچھے ہیں اور یہ ان سے بھی گیا گزرا ہوا ہے اور یہ ساری باتیں اس لئے ہیں کہ۔

که تعلق با همیں دنیستش	رو بهفتم آسماں بر نیستش
کیونکہ ان کا تعلق اسی دنیا سے ہے	ان کا رخ ساتویں آسمان کی طرف نہیں ہے

یعنی کہ وہ تعلق اس کو اس دنیا ہی سے ہے اور ساتویں آسمان پر اس کو راستہ نہیں ہے مطلب یہ کہ ان کے دنیا میں انہماک کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے علوم عالم غیب کو کبھی دیکھا نہیں آنکھ کھول کر دنیا ہی کو دیکھا اور اسی کے علوم کو اسرار و معارف سمجھے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ۔

ایں همه علم بنائے آخر است	که عماد بود گاؤ و اشتراست
یہ سب اصطبل کی تعمیر کا علم ہے	جو گائے اور اونٹ کی رہائش کا ستون ہے

یعنی یہ تمام علم آخور کی بنا ہے جو کہ گائے اونٹ وغیرہ کے زندگی کا عماد ہے۔

بہر استبقائے حیواں چند روز	نام آں کردند ایں گیجاں رموز
چند دن حیوان کو زندہ رکھنے کی وجہ سے	ان احمقوں نے ان کا نام رموز رکھ لیا

یعنی حیوان کی چند روزہ زندگی کے واسطے ان کا نام ان بیوقوفوں نے رموز کر لیا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ علوم جن کا اوپر بیان ہوا ہے۔ یہ تو صرف بقائے حیوانی کے لئے ہیں جس طرح کہ آخور ہوتی ہے کہ جانوروں کے کھانے کے لئے بنادی جاتی ہے۔ گویا کہ ان کی مدار حیات وہی ہوتی ہے۔ بس اسی طرح یہ علوم حیوانی بقا کے لئے معین ہیں اب ان بیوقوفوں نے ان کا نام رموز اور علوم رکھ لیا ہے اگر ان کو حقیقی علوم کی ہوا بھی لگ جاتی تو ان کی آنکھیں کھل جاتیں۔ مگر افسوس کہ اس سے یہ بالکل بے بہرہ ہیں۔

علم راہ حق و علم منزلش	صاحب دل داند آں را یا دلش
راہ حق کا علم اور اس کی منازل کا علم	اس کو صاحب دل یا اس کا دل جانتا ہے

یعنی راہ حق کا علم اور اس کی منزل کا صاحب دل جانتا ہے یا اس کا دل جانتا ہے۔ مطلب یہ کہ اسرار و رموز حقیقی کو تو حضرات اولیاء اللہ اور اہل دل ہی خوب جانتے ہیں ورنہ یہ دنیادار تو اپنے ان ہی علوم ظاہری کو علوم حقیقی سمجھ کر ان میں لگے ہوئے ہیں۔

پس دریں ترکیب حیوان لطیف	آفرید و کرد باد انش الیف
پس اس (حسی اور نجسی) ترکیب سے پاکیزہ حیوان	پیدا کیا اور اس کو عقل سے مانوس کیا

یعنی پس اس ترکیب میں حیوان لطیف کو پیدا فرمایا اور اس کو عقل کے ساتھ مالوف کر دیا۔ مطلب یہ کہ علوم حقیقیہ کو اصل میں تو دل ہی جانتا ہے مگر حق تعالیٰ نے اس دل کو اس ترکیب حیوانی میں پیدا فرمایا ہے۔ کہ ان کی بھی صورت تو دیگر انسانوں جیسی ہی ہے مگر باطن میں وہ سب سے جدا ہیں تو ان کو اس صورت میں پیدا فرما کر عاقل اور صاحب اسرار بنایا ہے لہذا علوم حقیقیہ ان ہی حضرات کو ملے ہیں۔ اور انسان اصل اور انسان کامل یہی حضرات ہیں۔ ورنہ دنیا دار لوگوں پر چونکہ صفت حیوانیت غالب ہوگئی ہے اور ان کی روح بھی اس کے تابع ہوگئی ہے اس لئے ان کی تو صرف صورت انسانی ہے اور اصل میں بالکل حیوانوں ہی کی طرح ہیں اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

نام کالانعام کرد آن قوم را	زانکہ نسبت کو بہ یقظہ نوم را
اس (روح سے محروم) قوم کا نام "جانوروں جیسے" کر دیا	کیونکہ بیداری کو نیند سے کیا نسبت ہے؟

یعنی حق تعالیٰ نے اس قوم کا نام کالانعام رکھا ہے اس لئے کہ نیند کو بیداری سے کیا نسبت۔

روح حیوانی ندارد غیر نوم	حسہائے منعکس دارند قوم
حیوانی روح ہونے کے علاوہ کچھ نہیں رکھتی ہے	(یہ) لوگ الٹے حواس رکھتے ہیں

یعنی روح حیوانی تو سوائے نوم کے اور کچھ نہیں رکھتی۔ اور قوم الٹے حواس رکھتی ہے۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے اسی وجہ سے کہ ان پر صفت حیوانیت کا غلبہ ہے ان کو جانوروں کی مثل فرمایا ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ہے۔ کالانعام بل ھم اضل اس لئے کہ ان کی مثال تو نیند جیسی ہے اور حضرات اولیاء اللہ کی مثال بیداری جیسی ہے تو بھلا نیند اور بیداری میں کیا نسبت دونوں میں ظاہر اور بین فرق ہے۔ بس اسی طرح ان حضرات کی حالت میں اور ان کی حالت میں فرق ہے اور بوجہ غلبہ حیوانیت کے ان کے حواس بھی تو معکوس ہی ہو گئے کہ یہ غیر حقیقی کو حقیقی سمجھنے لگے ہیں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ علوم اصلیہ کو تو چھوڑ رکھا ہے اور علوم دنیا کو جو صرف بقائے روح حیوانی کا سبب ہیں اور علوم حقیقیہ کی ان کو ہوا بھی نہیں لگی ان کو لے کر ان میں منہمک ہو رہے ہیں مگر ان کی بھی یہ حالت جب ہی تک ہے جب تک کہ ان کو وہ بیداری معرفت حاصل نہ ہو اور جب وہ حاصل ہو جاوے اس وقت پھر یہ بھی انسان کامل ہیں۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

یقظہ آمد نوم حیوانی نہ ماند	انعکاس حسن خود از لوح خواند
بیداری آئی تو حیوانی نیند نہ رہی	تو اس نے تختی سے اپنے حس کو الٹا ہونا پڑھ لیا

یعنی بیداری آئی تو حیوانی نیند نہیں رہی اور اپنے انعکاس حس کو لوح سے پڑھ لیا۔ مطلب یہ کہ جب بیداری معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو نوم حیوانی زائل ہو جاتی ہے اور اس وقت بالکل ظاہر طور پر اپنے حواس کا الٹا اور برعکس ہونا معلوم ہو جاتا ہے اور اس وقت آنکھ کھلتی ہے کہ اب تک جس میں لگے ہوئے تھے وہ حقیقت سے کوسوں دور تھا۔ آگے اس کو ظاہری نوم سے مثال دیتے ہیں کہ۔

ہمچو حس آنکہ خواب او را ربود	چوں شد او بیدار عکسش رونمود
اس کی حس کی طرح جس کو نیند نے مغلوب کر دیا	جب وہ بیدار ہوا اس کو اس کا الٹا پن واضح ہو گیا

یعنی جیسے کہ حس اس شخص کی کہ جس کو نیند لے گئی ہو جب وہ بیدار ہوا تو عکس نے اس کو منہ دکھایا۔ مطلب یہ کہ دیکھو انسان نیند میں ہوتا ہے اور اس کو اس میں کیسے کیسے عجائبات کا مشاہدہ ہوتا ہے اور کیسے کیسے اچھے خواب نظر آتے ہیں مگر دیکھو کہ جب آنکھ کھلتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ جن اشیاء کو کہ اب تک اصلی اور حقیقی سمجھ رہے تھے یعنی خواب کی باتیں وہ تو بالکل غیر واقعی تھیں۔ تو اسی طرح جب اس نوم باطن سے آنکھ کھلے گی تب معلوم ہوگا کہ

جو کہ دیکھا خواب تھا اور جو سنا افسانہ تھا

جب اس شخص کی یہ حالت ہے تو فرماتے ہیں کہ۔

لاجرم اسفل بود از سافلیں	ترک او کن لااحب الآفلیں
لامحالہ وہ نچلوں میں نچلا ہو گا	اس کو چھوڑ میں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا ہوں

یعنی بالضرور وہ اسفل السافلین سے ہوگا تو تو اس کو (یہ کہتا ہوا) ترک کردے گا کہ میں فانی اشیاء سے تعلق نہیں رکھتا۔

زانکہ استعداد تبدیل و نبرد	بودش از پستی و آنرا فوت کرد
کیونکہ بدلنے اور مقابلہ کی طاقت	پستی سے اس کو تھی اور اس نے اس کو ختم کر دیا

یعنی اس لئے کہ اس کو پستی سے بچنے کی اور تبدیل کی استعداد تھی اس نے اس کو فوت کر دیا۔

باز حیواں را چو استعداد نیست	عذر او اندر بہیمی روشنے است
پھر حیوان میں چونکہ طاقت ہی نہیں ہے	حیوانیت میں (رہنے کا) اس کا عذر واضح ہے

یعنی پھر حیوان کو جو استعداد نہیں ہے تو اس کا عذر بہیمیت میں روشن ہے۔

زد چو استعداد شد کان رہبر است	ہر غذائے کو خورد مغز خراست
جبکہ اس کی وہ استعداد ختم ہو گئی جو رہنما ہے	جو غذا وہ کھائے گا گدھے کا مغز ہے

یعنی اس سے جب استعداد فوت ہوگئی جو کہ رہبر تھی تو جو غذا کہ وہ کھاوے مغز خر ہے۔

گر بلادر خورد او افیوں شود	سکتہ و بے عقلیش افزوں شود
اگر بھلاواں کھائے گا وہ افیون بن جائے گا	اس کی بے ہوشی اور بے عقلی بڑھ جائے گی

یعنی وہ اگر بھلاواں کھاوے تو افیون ہو جاوے اور سکتہ اس کا اور بے عقلی زیادہ ہو۔ مطلب یہ کہ چونکہ اس کو اس پستی سے نکلنے کی اور عالم غیب کی طرف توجہ کرنے کی استعداد موجود تھی جس کو خود اس نے اپنے ہاتھوں خراب کر لیا ہے۔ اس لئے یہ اسفل السافلین میں سے اور بدتر از حیوان ہو گیا۔ جب پستی کی طرف توجہ کی تو اسفل میں ہونا تو ظاہر اور بدتر از حیوان اس لئے ہے کہ حیوان میں تو اس کی استعداد ہی نہ تھی اور وہ تو ان امور کا مکلف ہی نہ تھا اس لئے اس پر کوئی ملامت نہیں ہو سکتی۔ بخلاف اس کے کہ یہ کر سکتا تھا اور نہ کیا۔ پس اب جبکہ اس نے استعداد کو فوت کر دیا تو یہ حالت ہوگئی کہ اگر کوئی بھلا کام بھی کرتا ہے وہ بھی برا ہی ہو جاتا ہے۔ مثلاً نماز پڑھی اس میں ریا

ہوئی علی ہذا اور سینکڑوں باتیں۔ اس کی ایسی مثال ہوگئی کہ جیسے کسی کو بھلاواں کھلاؤ جو کہ بیہوش کو باہوش کر دیتا ہے مگر اس شخص کے لئے وہ افیوں کا کام دے کہ بیہوشی کو اور ترقی دیدے تو جب اس کی توجہ اسفل اور فانی اشیاء کی طرف ہے تو تم کو چاہیے کہ اس سے الگ رہو اور اشیاء فانی سے تعلق نہ پیدا کرو۔ خوب سمجھ لو۔ یہاں تک دو کا بیان تو ہو چکا۔ ایک تو سابقوں کا اور دوسرے اصحاب مشئمہ کا اب آگے تیسری قسم اصحاب یمین کا بیان فرماتے ہیں کہ۔

ماند یک قسم دگر در اجتہاد	نیم حیوان نیم حے بارشاد
ایک دوسری قسم رہ گئی کوشش کرنے میں	جو آدمی حیوان آدمی با ہدایت زندہ ہے

یعنی ایک قسم بیان کرنے میں اور رہ گئی ہے جو کہ آدمی تو حیواں ہے اور آدمی زندہ با ہدایت ہے اور ان کی یہ حالت ہے کہ۔

روز و شب در جنگ و اندر کشمکش	کردہ چالش اولش با آخرش
وہ دن رات جنگ اور کشمکش میں ہے	اس کا ایک اس کے دوسرے سے مقابلہ میں ہے

یعنی رات دن لڑائی میں اور کشمکش میں ہیں اور ان کا اول ان کے آخر کے ساتھ جھگڑا کئے ہوئے ہے۔

مطلب یہ کہ ایک اور قسم یہ ہے کہ ان میں دونوں طرف میلان ہے۔ عالم غیب کی طرف بھی اور دنیا کی طرف بھی۔ تو کبھی تو اس کا غلبہ ہو جاتا ہے اور کبھی اس کا بس اسی طرح ساری عمر کشمکش ہی میں گزر جاتی ہے۔ بخلاف ان دو کے کہ ایک کو صرف میلان الی الخیر تھا اور دوسرے کو الی الشر بس ایک کام میں لگے رہے تھے اور ان کو ہر وقت ایک سوہان روح ہوتا ہے یہ لوگ اصحاب یمین ہیں آگے ان کی اس حالت کی ایک مثال قصۂ مجنوں سے بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح: اوپر چونکہ تقسیم حیوانات کی طرف اشارہ فرمایا تھا اور کہا تھا "ورنہ تندیدے زبند آں بوالفضول ۔ اونہ خر بودے شدے شیر فحول" اس مناسبت سے اب اقسام مخلوقات حساسہ کی تفصیل فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ حق سبحانہ نے مخلوق کو تین طرح کا پیدا کیا ہے۔ ایک جماعت کو تو سراپا علم و عقل اور سخی فی الطاعۃ بنایا ہے یہ جماعت تو جماعت ملائکہ ہے اور یہ سوائے طاعت و انقیاد کے اور کچھ جانتے ہی نہیں اور ان کی سرشت میں حرص و ہوا کو مطلق دخل نہیں بلکہ یہ سراسر نور ہیں اور محض محبت الٰہیہ سے زندہ ہیں ایک دوسری جماعت ہے جو عقل سے بالکل بے بہرہ ہے جیسے جانور کہ چارہ کھا کھا کر موٹے ہوتے رہتے ہیں۔ اور بجز رہنے کی جگہ اور کھانے کی چیز کے وہ اور کسی شے کو دیکھتے ہی نہیں۔ نہ وہ یہ جانتے ہیں کہ بدبختی کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ شرف کیا شے ہے۔ تیسری قسم انسان ہیں جو کہ نصف فرشتہ اور نصف حیوان ہیں یعنی ان میں روحانیت اور جسمیت دونوں جمع ہیں ان کا نصف حصہ عالم ناسوت کی طرف مائل ہے یعنی ان کے جسم اور دوسرا نصف عالم بالا کی طرف متوجہ ہے یعنی ارواح اب مولانا فرماتے ہیں کہ اس کے دونوں حصوں میں بوجہ تخالف اقتضاءات کے جنگ ہے۔ دیکھئے ان دونوں میں کون غالب ہوتا ہے اور کون بازی جیتتا ہے۔ اگر عقل غالب ہو

جاوے جو کہ روح کی معاون ہے تب تو یوں کہئے کہ وہ اس عالم ابتلاء میں فرشتوں سے بھی سبقت لے گیا اور اگر شہوت غالب ہو جاوے۔ جو جسم کی معین ہے تب وہ چوپاؤں سے بھی کم ہے کیونکہ وہ نہایت ہی خراب ہے۔

فائدہ:۔ جنات کو بیان نہیں کیا اس لئے کہ وہ بھی انسانوں ہی کے حکم میں ہیں۔) الحاصل مخلوقات کی تین قسمیں ہیں۔ ملائکہ حیوانات انسان حقیقۃً یا حکماً سوان میں سے ملائکہ اور حیوانات تو جنگ اور قتال سے بے فکر ہیں۔ مگر آدمی دو مخالف قوتوں عقل و شہوت کے سبب مصیبت میں گرفتار ہے۔ پھر آدمی بھی امتحان کے اعتبار سے منقسم ہو گئے گو سب کے سب صورۃً آدمی ہیں مگر باعتبار اوصاف کے تین جماعتیں ہیں ایک جماعت تو مشاہدۂ جمال حق سبحانہ میں مستغرق اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرح فرشتوں کے ساتھ ملحق ہیں۔ (عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص اس سے کی گئی کہ ان کو لحوق بملائکہ میں ایک خاص امتیاز ہے۔ کیونکہ وہ مع جسم بہ تبدیل خصائص جسمانیہ مثل بول وغائط آسمان پر ساکن ہیں) یہ لوگ انسان صورت ہیں مگر صفات ملکیہ رکھتے ہیں اور بے جا غصہ اور خواہش نفسانی اور دیگر فضولیات سے چھوٹ گئے ہیں۔ اب ان کو اس ریاضت اور زہد اور مجاہدہ کی ضرورت نہیں ہے جو اخلاق ذمیمہ کے ازالہ کے لئے کئے جاتے ہیں۔ بلکہ وہ کچھ عبادت وغیرہ کرتے ہیں محض امتثالاً للامر یا شکر اللنعمۃ کرتے ہیں۔ اس لئے ان کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ گویا وہ آدمی بھی نہیں دوسرے۔ جماعت حیوانات کے ساتھ ملحق اور سراپا غضب و شہوت ہے ان میں اوصاف ملکیہ تھے مگر قریب قریب معدوم ہو گئے کیونکہ مکان تنگ تھا اور اوصاف عظیم الشان تھے یعنی یہ لوگ کم حوصلہ اور پست ہمت تھے۔ جو ان اوصاف کو اپنے اندر باقی نہ رکھ سکے۔ اور معاصی کا ارتکاب کرتے کرتے رفتہ رفتہ ان میں زائل کر دیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ موت معنوی میں مبتلا ہو گئے کیونکہ وہ اوصاف بمنزلہ روح کے تھے۔ اس لئے انکا زوال جان کا نکلنا ہوا۔ اور قاعدہ ہے کہ جو شخص بے جان ہو جاتا ہے مردہ ہو جاتا ہے۔ نیز وہ ان اوصاف کے زوال کے سبب آدمی سے جانور ہو گئے کیونکہ جب یہ اوصاف جاتے رہتے ہیں جو کہ مدار انسانیت ہیں تو ضرور ہے کہ آدمی جانور ہو جاوے نیز انہوں نے زاغ خصلتوں کا اتباع کیا تو یہ بھی زاغ خصلت حریص و مکار و مردار خوار ہو گئے اس لئے کہ جب کوئی زاغ خصلتوں کی پیروی کرے گا تو خواہ مخواہ زاغ خصلت ہو جائے گا۔ نیز ان کی روح گویا کہ جسم بن گئی کیونکہ جب جان کی جان نکل جاوے اور وہ اوصاف اس سے علیحدہ ہو جاویں جو اس کے لئے بمنزلہ جان کے تھے تو لامحالہ وہ حکم جسم حاصل کر لے گی کیونکہ اس کے علو مرتبت کا سبب تو یہی اوصاف تھے۔ اور جب یہ اوصاف نہ رہے تو وہ محقر اور مثل جسم ہو گی تم کو میرے اس بیان میں بالکل شبہ نہ کرنا چاہئے کیونکہ یہ بالکل سچی بات ہے اور عرفا و ارباب باطن جن پر حقائق اشیاء منکشف ہوتی ہیں۔ ایسا ہی کہتے ہیں غرض کہ وہ شخص ان صفات کے زوال سے جانور ہو جاتا ہے بلکہ وہ جانوروں سے زیادہ مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے کیونکہ وہ دنیا میں نہایت منہمک ہوتا ہے اور ایسے دقیق کام کرتا ہے جو اور جانور نہیں کرتے چنانچہ جو مکر اور تلبیس وہ کرتا ہے اس کا ظہور کسی جانور سے نہیں ہو سکتا۔ یا مثلاً زری کے کپڑے بنانا اور دریا میں سے موتی نکالنا یا علم ہندسہ میں دقیقہ سنجیاں۔ یا علم نجوم طب اور فلسفہ میں نازک خیالیاں یہ باتیں ایسی ہیں جن کو کوئی اور جانور نہیں کر سکتا۔ اور ان سب باتوں کی وجہ یہ ہے کہ اس کو اسی عالم ناسوت سے تعلق ہے۔ اور عالم غیب سے اسے کوئی واسطہ نہیں۔ اس لئے ان ہی باتوں کو کمال سمجھتا ہے اور انہیں میں پھنسا ہوا ہے۔ پس ضرور ہے کہ وہ جانوروں سے بدتر ہو۔ کیونکہ صرف انہماک فی الناسوت تو دونوں میں مشترک ہے کمی بیشی کا تفاوت ہے اور اس کا انہماک زیادہ ہے۔ اس لئے یہ بدتر ہو گا یہ

تمام علوم صلاح دنیا سے متعلق ہیں۔ جو مدار ہے جانور صفت لوگوں کی بقا کا۔ اور جو کہ ان جانوروں کی چندروز باقی رکھنے کے لئے ہیں۔ مگر یہ احمق لوگ انہیں رموز اور اسرار کے لقب سے ملقب کرتے ہیں اور ان پر فخر کرتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ لوگ علوم دنیا ہی جانتے ہیں اور وہ علوم نہیں جانتے جن سے خدا کا راستہ اور اس کی منازل معلوم ہوں۔ اور جو کہ فی الحقیقۃ اسرار اور رموز ہیں اس لئے وہ ان علوم دنیویہ ہی کو اسرار اور رموز جانتے ہیں۔ یہ علوم تو صاحب دل یا دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ اس کا دل جانتا ہے۔ پس ایسے لوگوں کو انسان نہ کہنا چاہئے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ حق سبحانہ نے ترکیب وساخت انسانی میں ایک پاکیزہ جانور پیدا کیا اور اس کو عقل دنیا سے مالوف کیا۔ چنانچہ اس نے لوگوں کو چوپایوں کے مانند کہا بھی ہے کیونکہ ان کی حالت مشابہ نیند کے ہے اور حقیقی انسانوں کی حالت مشابہ بیداری کے پس دونوں کی صفات میں بہت فرق ہوا اس لئے ان کو حقیقۃً انسان نہیں کہا جاسکتا۔ گو بصورت انسان ہیں یاد رکھو کہ روح حیوانی بالکل سوتی ہے اور اسے کچھ بھی بیداری حاصل نہیں اور چونکہ اہل دنیا کی ارواح انسانیہ بھی غلبہ روح حیوانی سے ارواح حیوانیہ ہی بن گئی ہیں اس لئے ان کے حواس معکوس ہو گئے اور ان کی حالت ایسی ہو گئی جیسے کوئی سوتا ہو اور سوتے میں اشیاء کو خلاف واقع مشاہدہ کرے۔ لہٰذا وہ مرغوبات کو قابل نفرت اور قابل نفرت کو مرغوب سمجھتے ہیں۔ مگر جب بیداری معرفت حاصل ہوتی ہے اس وقت یہ خواب حیوانی نہیں رہتی۔ اور آدمی اپنے حواس کا انعکاس یوں مشاہدہ کرتا ہے جیسے وہ شخص جو سو جاوے اور بیداری کے بعد اپنے حواس کو معکوس پائے (پس انعکاس حس بر لوح خواندان سے مراد مطلق مشاہدۂ انعکاس ہے نہ کہ لوح محفوظ یا لوح دل پر منقش ہونا۔ کما فهم المحشون والله اعلم) پس جبکہ اہل دنیا کی یہ حالت ہے جو ابت تک مذکور ہوئی تو وہ لامحالہ اسفل السافلین وارذل الاراذل اور فانی ہوں گے۔ لہٰذا تم کو ان کو چھوڑ دینا چاہئے اور لا احب الافلین کہنا چاہئے۔ یعنی میں فانیوں سے دل نہیں لگاتا۔ ان کے اسفل السافلین اور ارذل الاراذل ہونے کا منشا یہ ہے کہ ان کے اندر اپنے کو پستی سے۔ متغیر کرنے اور خواہشات نفسانیہ سے مقابلہ کرنے کی استعداد وقابلیت تھی۔ مگر انہوں نے اسے کھو دیا برخلاف حیوانات کے کہ چونکہ ان میں ابتداء ہی سے یہ استعداد نہ تھی اس لئے ان کا عذر بہیمیت کے بارہ میں صاف اور واضح ہے۔ اب سنو کہ جب تک یہ استعداد باقی ہے اور مضمحل ہو کر بمنزلہ معدوم کے نہیں ہوئی اسی وقت تک غذائے روحانی مفید ہے ورنہ جب یہ استعداد جاتی رہی اس وقت اس کو جو غذائے ہدایت ملے گی مفید ہونے کے بجائے مضر ہو گی (اسی بناء پر حق سبحانہ منافقین کے حق میں فرماتے ہیں فی قلوبهم مرض فزادهم الله مرضا) اور اگر اس کے معنوی بے حسی اور بے عقلی کے ازالہ کے لئے کوئی تدبیر کی جائے گی تو اور بے حسی اور بے عقلی بڑھے گی پس اس کی مثال ایسی ہو گی جیسے کوئی سکتہ اور بے عقلی کے دور کرنے کے لئے بھلاواں کھادے اور وہ اس کے لئے افیون کا کام کرے۔ اور سکتہ اور بے حسی بڑھاوے دو قسمیں تو ہو چکیں اب ایک قسم رہ گئی اور وہ وہ ہے جو نصف جانور ہو اور نصف زندہ یعنی اس میں اخلاق حمیدہ وذمیمہ دونوں ہوں۔ اور رات دن ان میں آپس میں جنگ اور کھینچا تان ہوں اور ایک دوسرے کے ساتھ مصروف پیکار ہو جیسے مجنوں اور اس کے ناقہ کی حالت تھی کہ ان میں آپس میں کشمکش تھی اور کبھی اونٹنی مجنوں پر غالب آ جاتی تھی اور کبھی مجنوں اونٹنی پر غالب آ جاتا تھا۔ فی الواقع ان دونوں کی حالت ایسی ہی ہے جیسے مجنوں اور اسکی ناقہ کی کہ مجنوں اسے کھینچتا تھا اور ناقہ اسے پیچھے کھینچتی تھی قدرے تفصیل اس کی حسب ذیل ہے۔

شرح شبّیری

چالش عقل بانفس ہمچوں تنازع مجنوں باناقہ ومیل مجنوں سوی حرہ ومیل ناقہ سوی کرہ

چنانچہ مجنوں گفتہ هوىٰ ناقتي خلفي و قدامي الهوىٰ و اني و اياها لمختلفان

عقل کا نفس سے مقابلہ ایسا ہی ہے جیسا کہ مجنوں کا اونٹنی کے ساتھ جھگڑا اور مجنوں کا میلان شریف زادی کی طرف اور اونٹنی کا میلان بچہ کی جانب چنانچہ مجنوں نے کہا میری اونٹنی کا میلان میرے پیچھے اور میرا میلان آگے میں اور وہ دونوں مختلف ہیں

ہمچو مجنوں در تنازع با شتر	گہ شتر چربید و گہ مجنوں حر
جیسا کہ مجنوں اونٹنی کے ساتھ مقابلہ میں تھا	کبھی اونٹنی غالب آ گئی اور کبھی آزاد مجنوں

یعنی جیسے کہ مجنوں اونٹ سے جھگڑے میں تھا کہ کبھی اونٹ غالب آ جاتا تھا اور کبھی مجنوں آزاد۔

ہمچو مجنون اندو چوں ناقہ اش یقیں	می کشد آں پیش وایں واپس بکیں
وہ لوگ یقینا مجنوں اور اس کی اونٹنی کی طرح ہیں	وہ آگے کو کھینچتا ہے اور یہ ضد سے پیچھے کو

یعنی یہ لوگ یقیناً مجنون اور اس کی ناقہ کی طرح ہیں کہ وہ (مجنوں) تو آگے کو کھینچ رہا ہے اور یہ (ناقہ) کینہ سے پیچھے کو۔ مطلب یہ کہ ان اصحاب بمیں کی ایسی مثال ہے کہ جیسے مجنوں اور ناقہ کی کہ میاں مجنوں ناقہ پر سوار ہو کر دیدار لیلیٰ کے لئے چلے۔ اور ناقہ کا بچہ گھر چھوڑتے چلے اور خود تھے مدہوش جب تک ہوش رہا اس وقت تک تو اسے دیار محبوب کی طرف کو ہانکتے رہے اور جب ذرا بیہوشی طاری ہوئی اور مہار ڈھیلی ہوئی ناقہ سمجھ گئی کہ اب غافل ہیں وہ اپنے بچہ کی طرف چل دیتی پھر ان کو ہوش آتا یہ پھر پھیرتے اور آگے کو چلاتے۔ مگر پھر غافل پا کر وہ بچہ کی طرف کو چل دیتی تو اسی طرح یہ حضرات ہیں کہ ان کا روحانی میلان تو عالم بالا کی طرف ہے اور نفسانی میلان دنیا کی طرف لہٰذا وہ ادھر کھینچتا ہے اور روح ادھر بلاتی ہے تو یہ بیچارے اسی کشمکش میں رہتے ہیں اور اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ اس مصیبت میں انکو فائدہ ہی کیا ہے ان سے وہ اصحاب مشئمہ ہی اچھے کہ چین سے تو ہیں۔ مگر خوب سمجھ لو کہ ان کو جیسی مصیبت ہے ویسا ہی انکا اجر بھی تو دہرا ہے ایک تو نیک کام کا دوسرا اس مصیبت اور خلاف نفس کرنے کا۔ آگے مجنوں کا قصہ بیان فرماتے ہیں۔

میل مجنون پیش آں لیلیٰ رواں	میل ناقہ پس پئے کرہ اش دواں
مجنوں کی خواہش لیلیٰ کی جانب روانہ ہے	اونٹنی کی خواہش پیچھے کو بچہ کے لئے دوڑاتی ہے

یعنی مجنوں کا میلان تو آگے کو لیلیٰ کی طرف کو روانہ تھے اور ناقہ کا میلان پیچھے کو اپنے بچھیری کی طرف دوڑ رہا تھا۔

یکدم از مجنوں زخود غافل بدے	ناقہ گردیدے و واپس آمدے
اگر مجنوں تھوڑی دیر کے لئے اپنے سے غافل ہو جاتا	اونٹنی لوٹ جاتی اور واپس آ جاتی

یعنی مجنوں اگر ایک دم کے لئے بیخود ہو جاتا تو ناقہ لوٹ کر واپس آ جاتی۔

می نبودش چارہ از بیخود شدن	عشق و سودا چونکہ پر بودش بدن
اس کے لئے بے ہوش ہو جانے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا	چونکہ اس کا بدن عشق اور دیوانگی سے پر تھا

یعنی عشق اور سودا جب اس کا بدن اچک رہے تھے تو اس کو بیخود ہونے سے چارہ نہیں تھا۔ مطلب یہ کہ بوجہ عشق و سودا کے جب وہ بیخود ہو جاتا اور ناقہ کو ہانکنے سے غافل ہو جاتا تو ناقہ صاحب واپس گھر کو چل دیتیں۔

عقل را سودائے لیلیٰ در ربود	آنکہ او باشد مراقب عقل بود
عقل کو لیلیٰ کا عشق لے اڑا تھا	جو نگراں ہوتی وہ عقل تھی

یعنی جو کہ نگہداشت کرنے والی تھی وہ تو عقل تھی اور عقل کو لیلیٰ کا خیال لے جاتا تھا۔

چوں بدیدے او مہار خویش سست	لیک ناقہ بس مراقب بود و چست
جب وہ اپنی مہار کو ڈھیلا دیکھتی	لیکن اونٹنی بہت نگراں اور چست تھی

یعنی لیکن ناقہ بھی بہت ہوشیار اور چست تھی تو جب وہ اپنی مہار کو ڈھیلی دیکھتی۔

روبپس کردے بکرہ بید رنگ	فہم کردے زو کہ غافل گشت و دنگ
بغیر تاخیر کے بچے کی طرف رخ کر دیتی	وہ اس سے سمجھ جاتی کہ وہ غافل اور حیران ہو گیا ہے

یعنی جلدی سے سمجھ جاتی کہ غافل اور ہو گیا ہے تو جلدی سے پیچھے کو بچہ کی طرف منہ کر لیتی۔ مطلب یہ کہ مجنوں کو جو ہوشیار رکھتی تھی اور ناقہ کو جو ہنکاتی تھی وہ عقل تھی مگر جب عقل کو سودائے عشق لے جاتا اور یہ بیہوش رہ جاتا تو ناقہ کی مہار ڈھیلی ہو جاتی وہ ایسی ہوشیار تھی کہ جہاں مہار ڈھیلی ہوئی اور سمجھی کہ اب یہ غافل ہے بس فوراً پیچھے کو منہ کیا اور اپنے بچہ کے پاس جا پہنچی۔

کوبپس رفتہ است بس فرسنگہا	چوں بخود باز آمدے دیدے زجا
وہ میلوں پیچھے لوٹ گئی ہے	جب وہ ہوش میں آتا تو دیکھتا کہ جگہ سے

یعنی جب مجنوں ہوش میں آتا تو دیکھتا کہ ناقہ تو راستہ سے کوسوں پیچھے چلی گئی۔

ماند مجنون در تردد سالہا	در سہ روزہ رہ بدیں احوالہا
مجنوں سالوں آنے جانے میں لگا رہا	تین روزہ کے راستہ پر ان احوال میں

یعنی تین دن کی راہ میں اس طرح لوٹا پھیری میں مجنوں کئی برس تک رہا۔ مطلب یہ کہ اس طرح ہوتا رہا کہ مجنوں ناقہ کو آگے لے جاتا اور وہ پیچھے لوٹ جاتی تو مجنوں اور لیلیٰ کے مکان میں تین دن کا فاصلہ تھا مگر اس لوٹا پھیری میں ایک مدت ہو گئی۔ اور دیار حبیب تک پہنچنا نصیب نہ ہوا۔

ما دو ضد بس ہمرہ نالائقیم	گفت اے ناقہ چو ہر دو عاشقیم
ہم دو مخالف بہت نامناسب ساتھی ہیں	بولا اے اونٹنی! جبکہ ہم دونوں عاشق ہیں

یعنی مجنوں نے کہا کہ اے ناقہ جب ہم دونوں عاشق ہیں تو ہم دو ضد کا نامناسب ہمراہ ہے۔ مطلب یہ کہ مجنون نے ناقہ سے کہا کہ اری ناقہ تو بھی ایک شے پر عاشق ہے اور میں بھی عاشق ہوں۔ تیرا معشوق پیچھے اور میرا آگے تو ہم دونوں آپس میں ضدین ہوئے تو ہمارا ساتھ رہنا بالکل نامناسب ہے۔ ہمارا ساتھ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ۔

نیستت بروفق من مہر و مہار	کرد باید از تو عزلت اختیار
تیری محبت اور مہار میرے موافق نہیں ہے	تجھ سے دوری اختیار کرنی چاہیے

یعنی تجھ کو میرے موافق محبت اور مہار نہیں ہے تو تجھ سے علیحدگی اختیار کرنی چاہئے۔ مطلب یہ کہ مجنوں نے کہا کہ اے ناقہ تیرا عشق میرے موافق نہیں ہے اور نہ تیری مہار میری موافق ہے۔ کیونکہ تو چاہتی ہے کہ میری مہار پیچھے کو رہے اور میں چاہتا ہوں کہ آگے کو رہے تو معلوم ہوا کہ میرا تیرا ساتھ نہ نبھے گا۔ لہذا اب تجھ سے علیحدہ ہو کر اپنے محبوب کو تلاش کرنا چاہئے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ایں دو ہمرہ یک دگر را راہزن	گمرہ آں جان کو فرونا ید زتن
یہ دو راستہ کے ساتھی ایک دوسرے کے رہزن ہیں	وہ جان گمراہ ہے جو جسم سے باہر نہ آئے

یعنی یہ دونوں ہمراہ (بھی) ایک دوسرے کے لئے راہزن ہیں اور وہ جان گمراہ ہے جو بدن سے نیچے نہ آوے۔

جان زہجر عرش اندر ناقہ	تن زعشق خار بن چوں ناقہ
جانِ عرش کی جدائی میں فاقہ میں ہے	جسم جھاڑ کے عشق میں اونٹنی کی طرح ہے

یعنی روح تو عرش کے ہجر کی وجہ سے ناقہ میں ہے۔ اور بدن کانٹوں کے درخت کے عشق میں ناقہ کی طرح ہے۔

جان کشاید سوے بالا بالہا	در زدہ تن در زمین چنگالہا
جانِ اوپر کی جانب بازو کھولتی ہے	جسم نے زمین میں پنجے گاڑ دیئے ہیں

یعنی جان تو عالم بالا کی طرف پردں کو کھول رہی ہے اور بدن نے زمین میں پنجے گاڑ رکھے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ روح تو بوجہ عشق عالم بالا کے مجنوں کی طرح ہے اور تن بوجہ عشق عالم ناسوت کے ناقہ کی طرح ہے تو یہ دونوں بھی ایک دوسرے کے ساتھ ہو کر رہزنی کر رہے ہیں۔ کہ نہ تو بدن ہی کے مقتضیات پوری طرح حاصل ہو سکتے ہیں اور نہ روح کے۔ تو وہ روح ہمیشہ گمراہ رہے گی۔ اور مقصود تک نہ پہنچ سکے گی جو اس بدن سے اتر نہ آوے اور اس سے اترنا یہی ہے کہ اس کے مقتضیات پر عمل نہ کیا جائے۔ کیونکہ اگر اس کی مانی گئی تو روح تو عالم بالا کی طرف جانا چاہے گی اور یہ اس دنیا ہی میں رہنا چاہے گا۔ پھر بھلا دونوں کا میل کس طرح ہو سکتا ہے۔ دونوں کے دونوں راستہ ہی میں رہیں گے۔ لہذا مقتضیات تن کو ترک کر کے مقتضیات روح کو پورا کرو۔ تو کام چلے آگے پھر قصہ مجنوں ہے۔ مجنوں ناقہ سے کہتا ہے کہ۔

تا تو باشی با من اے مردہ وطن	بس ز لیلیٰ دور ماند جان من
اے وطن کے عاشق! جب تک تو میرے ساتھ رہے گی	تو میری جان لیلیٰ سے دور رہیگی

یعنی اے مردہ وطن تو جب تک میرے ساتھ رہے گی میری جان لیلیٰ سے دور ہی رہے گی۔

روزگارم رفت زینگون حالہا	ہمچو تیہ و قوم موسیٰ سالہا
اس قسم کے احوال میں میری عمر گزر گئی	جیسا کہ برسوں تک تیہ اور (حضرت) موسیٰ کی قوم کا (معاملہ)

یعنی میرا زمانہ اسی حال میں گزر گیا جیسے کہ تیہ اور قوم موسیٰ برسوں۔ مطلب یہ کہ اے ناقہ تو جب تک میرے ساتھ ہے مجھ کو دیدار لیلیٰ نصیب نہیں ہوسکتا۔ اور جس طرح کہ وادی تیہ میں قوم موسیٰ علیہ السلام برسوں سرگشتہ پھری تھی اسی طرح میرا بھی بہت سا وقت اسی جنگل میں پھرتے ہوئے گزر گیا۔

خطو تینے بود ایں رہ تا وصال	ماندہ ام دررہ زشت شصت سال
وصال تک یہ راستہ دو قدم کا تھا	میں ساٹھ سال تک تیرے مکر کی وجہ سے راستہ ہی میں رہا

یعنی وصال تک یہ راستہ چند قدم کا تھا اور میں تیرے جال کی وجہ سے ساٹھ برس تک راہ ہی میں رہ گیا ہوں۔ مطلب یہ کہ تیرے اس جال میں پھنس کر وہ راستہ جو کہ بہت ہی ذرا سا تھا اب تک قطع نہیں ہوا ہے۔ اور ایک مدت اسی میں گزر گئی۔

راہ نزدیک و بماندم سخت دیر	سیر گشتم زیں سواری سیر سیر
راستہ نزدیک تھا اور مجھے بہت دیر ہو گئی	اس سواری سے میں بھر پایا بھر پایا

یعنی راستہ نزدیک ہی تھا اور میں بہت زیادہ مدت تک اس میں رہ گیا ہوں تو میں اس سواری سے سیر ہو گیا سیر۔ مطلب یہ کہ اگر یہ سواری نہ ہوتی تو اب تک وصل محبوب ہو بھی جاتا اس کمبخت سواری ہی کی بدولت مجھے اس قدر عرصہ لگا ہے۔ لہٰذا میں ایسی سواری ہی سے باز آیا۔ مجھے ضرورت نہیں بس اتنا کہا اور۔

سرنگوں خودر از اشتر در فگند	گفت سوزیدم زغم تا چند چند
اس نے اپنے آپ کو اوندھا اونٹنی سے گرا دیا	کہا میں غم سے کتنا کتنا جل رہا ہوں

یعنی اپنے کو اونٹ سے منہ کے بل ڈال دیا اور بولا کہ میں غم سے جل گیا (اب) کب تک (اسی طرح رہوں)

تنگ شد بروئے بیاباں فراخ	خویشتن افگند اندر سنگلاخ
اس پر وسیع جنگل تنگ ہوگیا	اس نے اپنے آپ کو پتھریلی زمین میں گرادیا

یعنی اس پر بیاباں فراخ تنگ ہوگیا اور اس نے اپنے کو پتھریلی زمین میں پھینک دیا۔ مطلب یہ کہ جلدی کی وجہ سے اس نے اس فراخ جنگل کو بھی اپنے لئے تنگ سمجھا کہ کہیں ایسی جگہ جا کر اترتا جہاں چوٹ نہ آتی بلکہ اس نے پتھریلی زمین میں اپنے کو گرادیا۔

آنچناں افگند خود را سخت زیر	کہ مخلخل گشت جسم آں دلیر
اس نے اپنے کو اس زور سے نیچے گرایا	کہ اس دلیر کا جسم تخلخل ہو گیا

یعنی اس نے اپنے کو اس زور سے نیچے گرایا کہ اس دلیر کا جسم تخلخل ہوگیا یعنی ہڈیاں ٹوٹ گئیں اور وہ کھال میں ایسی ہوگئیں جیسے

کہ خالی تھیلے میں کوئی شے بھر دی جاوے اور وہ شے ہلا کرتی ہے غرضکہ بے سوچے سمجھے گر ہی پڑا۔ جس سے چوٹ بے حد آئی۔

آنچناں افگند خود را سوئے پست	از قضا آں لحظہ پائش ہم شکست
نیچے کی جانب اس نے اپنے آپ کو ایسا گرایا	تقدیر سے اس وقت اس کا پاؤں بھی ٹوٹ گیا

یعنی اس نے اس طرح اپنے کو نیچے کی طرف گرایا کہ قضائے الٰہی سے اس وقت اس کا پاؤں بھی ٹوٹ گیا۔ (مگر اس نے ہمت نہیں ہاری بلکہ)

پائے را بر بست و گفتا گو شوم	در خم چوگانش غلطاں می روم
اس نے پاؤں کو باندھا اور بولا گیند بن جاؤں گا	اس کے بلے کے موڑ میں لڑھکتا ہوا جاؤں گا

یعنی اس نے پاؤں کو باندھا اور بولا کہ میں گیند ہوتا ہوں اور اس کے بلے کے خم میں لڑھک کر جاؤں گا۔ یعنی اس کی محبت میں لڑھکتا ہوا جاؤں گا۔ غرضکہ جس طرح ہو سکے گا پہنچوں گا۔ اب آگے مولانا انتقال فرماتے ہیں کہ۔

زیں کند نفریں حکیم خوش دہن	بر سوارے کو فرو ناید ز تن
خوش کلام حکیم اسی لئے نفرت بھیجتا ہے	اس سوار پر جو جسم سے نیچے نہ اترے

یعنی اسی وجہ سے حکیم خوش دہن اس سوار پر نفرین کرتے ہیں جو بدن سے نیچے نہ اترے (حکیم خوش دہن سے مراد حکیم سنائی ہیں)

عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود	گوئے گشتن بہر او اولیٰ بود
اللہ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کب کم ہوتا ہے؟	اس کے لئے گیند بن جانا زیادہ بہتر ہے

یعنی مولیٰ کا عشق لیلیٰ کے عشق سے کب کم ہوتا ہے (بلکہ) اس کے لئے گیند ہو جاتا تو زیادہ مناسب ہوتا ہے۔

گوئے شو می گرد بر پہلوئے صدق	غلط غلطاں در خم چوگان عشق
گیند بن جا سچائی کے پہلو پر لڑھک	لڑھکتا لڑھکتا عشق کے بلے کے موڑ میں

یعنی گیند ہو جا اور پہلوئے صدق پر چوگان عشق کے بلے کے خم میں لڑھکتا رہ۔

کایں سفر زیں پس بود جذب خدا	واں سفر برناقہ باشد سیر ما
کیونکہ یہ سفر بعد میں خدا کی کشش سے ہو گا	اور اونٹنی پر سفر ہماری رفتار ہو گی

یعنی کہ یہ سفر ہے اور اس کے بعد حق تعالیٰ کا جذب ہوگا اور وہ سفر ہمارا ناقہ پر چلنا ہے۔

ایں چنیں سیریست مستثنےٰ از جنس	کاں فرود از اجتہاد جن و انس
اس طرح کا سفر اپنی جنس سے جداگانہ ہے	کیونکہ وہ جن و انس کی کوشش سے بڑھا ہوا ہے

یعنی ایسی چال جنس کی چال سے مستثنےٰ ہے کہ وہ جن وانس کی کوشش سے بڑھ گئی۔

آنچنیں جذبے است نے ہر جذب عام	کہ نہادش فضل احمد والسلام
عام کشش اس طرح کی کشش نہیں ہے	جس کو احمدؐ کے فضل نے قائم کیا ہے والسلام

یعنی ایسا جذب ہے نہ کہ ہر جذب عام کو اس کو فضل احمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا ہے۔ والسلام۔ مطلب یہ کہ چونکہ عشاق کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ ہمت نہیں ہارتے اور محبوب کے وصل میں جس طرح ہو سکتا ہے کوشش کرتے ہیں۔ اور موانع کو مرتفع فرماتے ہیں اسی لئے حضرت حکیم سنائیؒ نے فرمایا کہ عاشق حق ہو کر اگر کوئی مقتضیات تن کو ترک نہ کرے اور اس مانع کو دفع کر کے مجنوں کی طرح ہمت نہ کرے تو ضرور قابل ملامت ہے اس لئے کہ عشق مولیٰ کم تو نہیں بلکہ زائد ہی ہے پھر اس کے عشق میں تو وہ ہمت نہ ہارے اور عشق حق میں عاشق حق ہمت ہار دے حیف صد حیف ہرگز ہمت نہ ہارو بلکہ چلتے رہو۔ تو اسی طرح ایک دن ادھر سے جذب ہو جاوے گا اور تمہارا کام بن جاوے گا اور پھر جو سیر الی اللہ تم کو حاصل ہوگی وہ وہ سیر ہوگی جو تمہارے اور ظاہری ہم جنسوں کی چال کی طرح نہ ہوگی بلکہ وہ وہ سیر ہوگی جس کو فضل سے تعبیر لیا جاتا ہے وہ ایسی ہوگی کہ اگر تمام جن وانس مل کر بھی کوشش کریں تو اس کو حاصل نہیں کر سکتے۔ لہٰذا ان موانع کو مرتفع کر کے کام میں لگنا چاہئے تا کہ ادھر سے جذب ہو اور دیدار حبیب میسر ہو جاوے آگے اس غلام کے قصہ کی طرف رجوع ہے فرماتے ہیں کہ۔

قصہ کوتہ کن برائے آن غلام	کہ سوئے شہ بر نبشتست او پیام
اس غلام کی وجہ سے قصہ مختصر کر دے	جس نے بادشاہ کو پیغام لکھا

یعنی (اس) قصہ کو اس غلام کی خاطر مختصر کر دو۔ کہ اس نے بادشاہ کو پیام لکھا ہے یعنی اس بیان کو ختم کر کے اس غلام کا قصہ بیان کرو اس نے ایک رقعہ بادشاہ کو لکھا ہے ذرا اس کا بیان کرو کہ اس نے اس میں کیا لکھا ہے آگے قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح: مجنوں اور ناقہ کی کشمکش کا واقعہ یہ ہے کہ مجنوں ناقہ پر سوار ہو کر لیلےٰ کے پاس جا رہا تھا اور اونٹنی نئی بیائی ہوئی تھی۔ پس مجنوں تو لیلیٰ کی طرف جانا چاہتا تھا اور اونٹنی اپنے بچہ کی طرف جانا چاہتی تھی۔ پس اگر ذرا سی دیر کے لئے بھی مجنوں اس کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا لیتا تھا تو اونٹنی فوراً گھوم جاتی اور پیچھے لوٹ جاتی تھی۔ غفلت کی وجہ یہ تھی کہ مجنوں کے رگ وپے میں لیلیٰ کی محبت عشق اور اس کی محبت کا جنون سمایا ہوا تھا۔ اس لئے یہ نا ممکن تھا کہ وہ اس کی طرف سے توجہ نہ ہٹائے کیونکہ نگرانی کرنے والی عقل ہے اور عقل کو لیلیٰ کی محبت کا جنوں کھو چکا تھا تو نگرانی کیسے ہو سکتی تھی۔ لہٰذا غفلت لازم تھی۔ مجنون کی تو یہ حالت تھی مگر ناقہ کی حالت اس لئے خلاف تھی کیونکہ وہ نہایت چوکنی اور مستعد تھی اس لئے جب وہ اپنی مہار کو سست پاتی تو سمجھ جاتی۔ کہ وہ غافل اور متحیر ہو گیا ہے پس وہ فوراً مڑتی اور اپنے بچہ کی طرف رخ کرتی تھی۔ جب مجنوں کو ہوش آتا تھا تو دیکھتا تھا کہ اونٹنی اس مقام سے جہاں وہ پہنچ چکی تھی کوسوں پیچھے نکل گئی ہے غرض کہ ان باتوں کے سبب تین روز کے راستہ میں مجنوں کو برس ہو گئے۔ پس اس نے مجبور ہو کر کہا کہ اے ناقہ میں لیلیٰ پر عاشق ہوں اور تو اپنے

بچہ پر اس لئے ہم دونوں میں تضاد ہے اور ہم دونوں اس قابل نہیں ہیں کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہیں اور چونکہ تیری محبت اور اطاعت میرے موافق نہیں ہے اس لئے تجھ سے جدائی لازم ہے۔ اب مولانا اس قصہ کو یہاں چھوڑتے ہیں اور انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجنوں اور اس کے ناقہ کی طرح جسم اور جان بھی دو بے جوڑ ساتھی اور ایک دوسرے کے لئے راہزن ہیں۔ اس لئے وہ جان سرگشتہ تیہ ضلالت ہوتی ہے جو ناقہ تن سے اتر جائے اور جسم کو نہ چھوڑ دے۔ (جسم سے مراد بدن نہیں بلکہ نفس ہے) ان دونوں کے بے جوڑ اور ایک دوسرے کے لئے راہزن ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جان تو عالم بالا کی مفارقت میں مری جا رہی ہے اور جسم کانٹوں کے درخت یعنی دنیا کی محبت میں اونٹنی کی طرح اس کا مزاحم ہے اور جان تو عالم علوی کی طرف پرواز کرنا چاہتی ہے) اور جسم عالم ناسوت میں پنجے گڑوائے ہوئے ہے اور اسے چھوڑنا ہی نہیں چاہتا۔ اس مضمون کو ختم کر کے مولانا پھر قصہ مجنوں کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجنوں بے فاقہ سے کہا کہ اے عاشق وطن اونٹنی جب تک تو میری ساتھ رہے گی اس وقت تک میری جان لیلیٰ سے دور رہے گی۔ تیری اس قسم کی حرکتوں سے میرا وقت برباد ہو گیا۔ اور میری اور اس دشت کی وہ حالت ہوئی جو وادی تیہ اور قوم موسیٰ کی برسوں رہی تھی۔ چنانچہ یہ راستہ وصال تک صرف دو قدم تھا مگر میں اس راہ اور تیرے پھندے میں برسوں سے پھنسا ہوا ہوں۔ راستہ نزدیک ہے مگر مجھے بہت دیر ہو گئی پس میرا تو ایسی سواری سے جی بھر گیا اور مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے کو اونٹنی پر سے اوندھے منہ گرا دیا۔ اور کہا کہ میں تو غم سے جل گیا آخر کوئی حد بھی ہو کہاں تک جلوں غرض کہ اس پر وہ کشادہ بیابان تنگ ہو گیا۔ اور اس نے اپنے کو اس پتھریلی زمین پھینک دیا اور اس سختی سے ٹپکا کہ اس کا جسم پارہ پارہ ہو گیا۔ جبکہ اس نے اپنے کو اس سختی کے ساتھ نیچے گرایا تو تقدیر الٰہی سے اس کا پاؤں بھی ٹوٹ گیا۔ مگر اس نے ہمت نہیں ہاری اور اپنے پاؤں کو باندھا اور کہا کہ میں اس کے چوگاں کے لئے گیند ہو جاؤں گا۔ اور لڑھکتا ہوا جاؤں گا غرض وہاں تک ضرور پہنچوں گا۔ اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔ شیخ سنائی اسی لئے اس سوار کو ملامت کرتے ہیں جو جسم سے نیچے نہیں اترتا۔ یعنی خواہشات نفسانیہ کو نہیں چھوڑتا۔ کیونکہ جب مجنوں کی عشق لیلیٰ میں یہ حالت ہے کہ اس نے اونٹنی کو مانع وصال سمجھ کو چھوڑ دیا اور اس تک وصول کے لئے اپنی مقدور بھر سعی کی۔ تو عشق حق سبحانہ عشق لیلیٰ سے کم نہیں کہ اس کے لئے سواری جسم کو نہ چھوڑا جاوے بلکہ یہ تو اس سے بدر جہا بڑھ کر ہے۔ لہٰذا اس کے لئے گیند بن جانا اس سے کہیں اولیٰ ہے پس تم کو چاہئے کہ گیند بن جاؤ اور چوگان عشق حق سے پہلوئے صدق پر لڑھکتے ہوئے اس کی طرف چلو اس لئے کہ ناقہ تن پر سوار رہ کر سعی خود ہماری رفتار ہے اور اس سواری سے اتر کر اور ہوائے نفسانی سے قطع تعلق کر کے چلنا جذب خداوندی ہے اور ایسی رفتار جنس رفتار سے بالکل جداگانہ ہے۔ کیونکہ یہ کوشش وسعی انسان وجن سے بالاتر ہے (خلاصہ یہ کہ اس اعلیٰ سیر کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے۔ کیونکہ یہ عجیب رفتار ہے اور انسان وغیرہ کی اختیاری سیر سے اسے کوئی نسبت نہیں۔ گو یہ سیر فی نفسہ اختیاری نہیں مگر اس کے مبادی اختیاری ہیں لہٰذا ان کو اختیار کرنا چاہئے) اور ایسی سیر اثر ہے حق سبحانہ کے جذبہ خاص کا اور اس جذب عام کے مماثل نہیں ہے۔ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت نے عام لوگوں کے لئے قائم کیا ہے۔ مراد اس سے شریعت ہے۔ جس کا تعلق افعال اختیاریہ سے ہے اور چونکہ افعال اختیاریہ کا صدور بھی بتوفیق الٰہی ہی ہے اس لئے اس کو بھی جذب کہا ہے مگر یہ جذب عام ہے کیونکہ اس کا تعلق خواص اور عوام دونوں سے ہے۔ برخلاف اس

جذب خاص کے جس کا تعلق صرف خواص سے ہے اچھا اب اس غلام کی خاطر اس قصہ کو مختصر کرو کیونکہ اس نے بادشاہ کی حضور میں عرض لکھی ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

شرح شبّیری

نبشتن آں غلام قصہ شکایت نقصان اجرے سوی بادشاہ

غلام کا وظیفہ کی کمی کی شکایت۔ شاہ کو لکھنے کا قصہ

می فرستد پیش شاہ نازنیں	رقعۂ پر جنگ و پر ہستی و کیں
نازک مزاج شاہ کی پیشی میں روانہ کرتا ہے	ایک رقعہ جنگ اور خود بینی اور کینہ سے بھرا ہوا

یعنی ایک رقعہ لڑائی اور دعویٰ اور کینہ سے بھرا ہوا (وہ غلام) بادشاہ نازنین کے پاس بھیجتا ہے۔ مطلب یہ کہ اس غلام نے ایک رقعہ جو کہ بہت ہی کینہ اور شکوہ و شکایت سے بھرا ہوا تھا بادشاہ کے پاس بھیجا۔ آگے مولانا انتقال فرماتے ہیں کہ۔

ہست لائق شاہ رانگہ ببر	کالبدمہ است اندر وے نگر
کہ بادشاہ کے مناسب ہے پھر لے جا	جسم رقعہ ہے اس کو دیکھ لے

یعنی جسم ایک خط ہے اس کے اندر دیکھ لے کہ بادشاہ کے لائق (بھی) ہے؟ پھر لے جانا۔ جسم سے مراد اخلاق جسمانی۔ مطلب یہ کہ تمہارے جو یہ اخلاق جسمانی ہیں یہ بھی ایک خط کے مشابہ ہیں اور تم ان کو شاہاں کے آگے پیش کرنے کے لئے لے جا رہے ہو۔ تو پہلے دیکھ لو کہ آیا بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کے قابل بھی ہیں یا نہیں۔ اگر قابل ہوں تو لے جاؤ ورنہ کیوں شرمندگی اٹھاتے ہو آگے اس نامہ کے دیکھنے کا اور امتحان کرنے کا طریق بیان فرماتے ہیں کہ۔

ہیں کہ حرفش ہست درخوردشہاں	گوشۂ رونامہ را بکشا بخواں
دیکھ لے کہ اس کی عبارت شاہوں کے مناسب ہے	گوشہ میں جا خط کو کھول پڑھ

یعنی ایک کونہ میں جا اور نامہ کو کھول کر پڑھ اور دیکھ کہ اس کے الفاظ بادشاہوں کے لائق ہیں؟ مطلب یہ کہ خط اچھی طرح جب سمجھ میں آیا کرتا ہے کہ جب اس کو علیحدگی میں بیٹھ کر اس کو غور سے دیکھا جاوے اسی طرح تم اس نامۂ اخلاق جسمانی کو علیحدگی میں یعنی خلوت میں جا کر دیکھو اور ان کے اندر غور کرو۔ اور دیکھو کہ یہ اس شاہنشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کی قابل ہیں یا نہیں۔

نامۂ دیگر نویس و چارہ کن	گر نباشد درخورآنرا پارہ کن
دوسرا خط لکھ اور تدبیر کر	اگر مناسب نہ ہو اس کو پھاڑ دے

یعنی اگر لائق نہ ہو تو اس کو پھاڑ ڈال اور دوسرا خط لکھ اور علاج کر۔ مطلب یہ کہ اگر تمہارے اخلاق اس قابل نہ ہوں اور وہ بادشاہ کی خدمت میں پیش ہونے کے قابل نہ ہوں تو ان کو زائل کر دو اور ان کی جگہ اخلاق حمیدہ پیدا

کرو۔ اور پھر ان اخلاق حمیدہ کو لے کر جاؤ۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

لیک فتح نامۂ تن زب مداں	ورنہ ہر کس سر دل دیدے عیاں
لیکن جسم کے خط کو کھولنا آسان نہ سمجھ	ورنہ ہر آدمی دل کا راز کھلم کھلا دیکھ لیتا

یعنی لیکن نامۂ تن کا کھولنا آسان مت جانو ورنہ ہر شخص دل کا بھید ظاہر طور پر دیکھ لیا کرتا۔

نامہ بکشادن چہ دشوارست وصعب	کار مردان است نے طفلان لعب
خط کو کھولنا بہت دشوار اور سخت ہے	بہادروں کا کام ہے نہ کہ کھلنڈرے بچوں کا

یعنی خط کو کھولنا کتنا ہی (یعنی بہت زیادہ) دشوار اور سخت ہے (یہ) کام مردوں کا ہے نہ کہ کھیل لڑکوں کا۔ مطلب یہ کہ اس نامہ اخلاق کو دیکھنا اور اس کا امتحان کرنا کوئی آسان بات نہیں ہے بہت دشوار کام ہے ورنہ اگر آسان ہوتا تو ہر شخص اپنی حالت باطنی کو دیکھ لیا کرتا مگر یہ تو بڑے مردان کار کا کام ہے کوئی لڑکوں کا کھیل نہیں ہے لہذا اچاہئے کہ جب اس کی ضرورت پڑے اور اخلاق لو امتحان کرو تو کسی شیخ مبصر سے مشورہ کرو اور اس سے پوچھ کر کام کرو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

جملہ برفہرست قانع گشتہ ایم	زانکہ در حرص و ہوا آغشتہ ایم
ہم سب فہرست پر قانع ہوگئے ہیں	کیونکہ حرص و خواہش سے آلودہ ہیں

یعنی ہم سب کے سب فہرست پر قانع ہوگئے ہیں اس لئے حرص و ہوا میں ملے ہوئے ہیں۔ (فہرست سے مراد اعمال ظاہرہ ہیں کہ جس طرح فہرست مضامین کتاب کی ایک مجمل اطلاع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اعمال ظاہرہ سے کچھ تھوڑی سی خبر اخلاق کی ہو جاتی ہے باقی جو امور کہ پوشیدہ ہیں اور جو ان کی حقیقت ہے اس کی اطلاع نہیں ہوتی) مطلب یہ کہ ہم لوگ اعمال ظاہرہ پر قانع ہوگئے ہیں اور ان کی حقیقت پر نظر نہیں کرتے اسی لئے ہم کو اپنے اعمال کی اور اخلاق کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی وہ اعمال بظاہر بہت عمدہ ہیں مگر جب ان کی اصلیت اور حقیقت پر نظر کی جاتی ہے تب حقیقت کھلتی ہے اور اعمال ظاہرہ پر قناعت کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم لوگ حرص و ہوا میں لگے ہوئے ہیں۔ اس لئے ہم کو حقیقت کی خبر نہیں ہوتی۔

باشد آں فہرست دامے عامہ را	تا چناں دانند متن نامہ را
وہ فہرست عوام کے لئے جال ہے	حتیٰ کہ خط کے مضمون کو ایسا ہی سمجھتے ہیں

یعنی وہ فہرست عوام کے لئے ایک جال ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ خط کے متن کو اسی طرح جانتے ہیں۔

مطلب یہ کہ فہرست میں جو سرنامہ اور سرخیاں عمدہ عمدہ لکھ رکھی ہیں اس سے عوام کو دھوکہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب بہت عمدہ ہے مگر مضمون کو جب دیکھا جاوے تو حقیقت کھلتی ہے اسی طرح ظاہر اعمال تو بہت ہی عمدہ ہیں نماز بھی ہے روزہ بھی ہے تمام باتیں ہیں لیکن جب حقیقت میں نظر کی تو کسی میں ریا ہے اور کسی میں عجب و کبر ہے۔ مگر عوام دھوکہ میں آجاتے ہیں اور وہ ظاہر اعمال ہی کو دیکھ کر معتقد ہو جاتے ہیں آگے فرماتے ہیں کہ۔

زیں سخن واللہ اعلم بالصواب	باز کن سرنامہ را گردن متاب
اس بات سے اور خدا صواب کو زیادہ جانتا ہے	خط کے عنوان کو کھول منہ کو نہ موڑ

یعنی سرنامہ کو پڑھواور اس بات سے گردن تابی مت کرو۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مطلب یہ کہ اپنے اخلاق کا امتحان پیش کرنے سے قبل کرلو۔ پھر پیش کرواور اس ہمارے قول سے گردن تابی مت کرواور نصیحت مانو۔ آگے حقیقت کی خدا کو خبر ہے آگے اس جانچ کی ترکیب بتاتے ہیں کہ۔

متن نامہ سینہ را کن امتحاں	ہست آں عنواں جو اقرار زباں
سینہ کے خط کے مضمون کو آزما لے	وہ عنوان مثلاً زبانی اقرار ہے
تا منافق وار بنود کار تو	کہ موافق ہست با اقرار تو
تا کہ تیرا کام منافقانہ نہ ہو	کہ وہ تیرے اقرار کے مطابق ہے

یعنی کہ وہ عنوان اقرار زبان کی طرح ہے تو سینہ کے نامہ کے متن کا امتحان کر کہ وہ تیرے اقرار کے موافق ہے؟ تا کہ تیرا کام منافقوں کی طرح نہ ہو۔ مطلب یہ کہ تم جو زبان سے اطاعت حق کا اقرار کر رہے ہو تو اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا وہ اقرار تمہارے قلب کے مطابق ہے یا نہیں اور وہ اقرار صرف زبان ہی سے ہے یا دل سے بھی ہے۔ پس اگر زبان اور دل کی ایک حالت ہے تب تو امتحان صحیح ہوا اور اگر دونوں میں اختلاف ہے اور اقرار لسانی قلب کے موافق نہیں ہے تو تم امتحان میں خام ہوئے اور تم پھر اپنی حالت کو درست کرو۔ آگے اسی کی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

زاں نباید کم کہ در وے بنگری	چوں جوالے بس گرانے می بری
کم از کم یہ ہو کہ اس کو دیکھ لے	جب کہ تو بہت بھاری بورا لے جا رہا ہے

یعنی جبکہ تم ایک بہت بھاری گون لے جا رہے ہو تو اس سے تو کم نہ ہونا چاہئے کہ تم اس کے اندر دیکھ لو۔

گر ہمی ارزد کشیدن را بکش	کہ چہ داری در جوال از تلخ وخوش
اگر لے جانے کے قابل ہے' لے جا	کہ تو اپنے بورے میں کیا چیز کڑوی اور کیا میٹھی رکھتا ہے

یعنی کہ تو گون میں کیا رکھتا ہے تلخ اور عمدہ سے اگر کھینچنے کے لائق ہو تو کھینچو۔

باز خر خود را ازیں بیگار و ننگ	ورنہ خالی کن جوالت راز سنگ
اس جھگڑے اور ذلت سے اپنے آپ کو بچا لے	ورنہ پتھر سے اپنے بورے کو خالی کر لے

یعنی ورنہ اپنی گون کو پتھروں سے خالی کرلو پھر اپنے کو اس بیگار سے اور شرم سے چھڑالو۔

سوئے سلطانان و شاہان رشید	در جوال آں کن کہ می باید کشید
بھلے ملوک اور شاہوں کی جانب	بورے میں وہ بھر لے جو جانا چاہیے

یعنی گون میں وہ چیز کر کہ جو بادشاہوں اور سلطانوں کی طرف لے جانے کے قابل ہو۔

زشت بنود کایں جوال پر زریگ	می کشی و باشد آں ہم مردہ ریگ
کیا یہ برا نہیں ہے کہ یہ ریت سے بھرا بورا	تو لے جائے اور وہ بھی حقیر و ناچیز ہو

یعنی کیا یہ برا نہیں ہے کہ یہ گون ریت سے بھری ہو۔ تم لے جارہے اور وہ بھی مال میراثی ہو۔

چوں نمی تانی کہ پر لعلش کنی	ہم تہی بہتر کہ ہم جنس تنی
اگر تو اس کو لعل سے نہیں بھر سکتا ہے	خالی ہونا بہتر ہے بہ نسبت اس کے تیرے جسم کی ہم جنس ہو

یعنی اگر تم اس کو لعل سے پر نہیں کرسکتے تو جنس تن سے ہونے سے خالی ہونا بہتر ہے (کہ ہم جنس تنی میں کہ بمعنی از او رتنی میں یا نسبت کی ہے عبارت یوں ہوگی کہ چوں پر لعلش نمی توانی کرد پس او از اشیاء ہم جنس تن خالی بہتر است) مطلب یہ کہ اگر تم کوئی گون بھر کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے چلے تو کم از کم یہ تو چاہئے کہ اس کو کھول کر دیکھو کہ اس کے اندر کیا ہے اگر وہ شے بادشاہوں کے پاس لے جانے کی ہو تو لے جاؤ ورنہ اگر اینٹ پتھر ہی بھرے ہوئے ہوں تو اس بیگار سے اور شرمندگی اٹھانے سے کیا فائدہ بہتر ہے کہ گون خالی کر دو اور کچھ بھی نہ لے جاؤ کہ ان اینٹ پتھروں کے لے جانے سے تو یہ بہتر ہے کہ کچھ بھی نہ لے جاؤ۔ اسی طرح اگر تمہارے اخلاق اس قابل نہیں کہ وہ درگاہ خداوندی میں پیش ہوسکیں یعنی اخلاق ذمیمہ ہوں تو اول تو یہ کرو کہ ان کو زائل کر کے اخلاق حمیدہ پیدا کر دو اور اگر یہ نہ کرسکو تو بس پھر بالکل خالی ہو جاؤ کہ نہ ذمیمہ ہوں نہ حمیدہ ہوں۔ اور وہ اس طرح ہوسکتا ہے کہ اخلاق ذمیمہ کو تو دور کر دو مگر ابھی اخلاص حمیدہ راسخ نہ ہوں تو یہی مرتبہ تم کو حاصل ہو جاوے گا۔ لہذا چاہئے کہ اول دیکھ لو اور امتحان کرلو اور پیش کرو آگے اسی پر ایک حکایت لاتے ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح: اب وہ ایک درخواست بادشاہ کے حضور میں پیش کرتا ہے۔ جو مخالفت اور خود بینی اور مضادت سے پر ہے یہاں تک بیان فرما کر اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جس طرح وہ غلام بادشاہ کی حضور میں رقعہ بھیجتا ہے یوں ہی تم بھی شہنشاہ حقیقی کے حضور میں ایک رقعہ لے جا رہے ہو اور وہ رقعہ قلب ہے۔ بس اول تم کو دیکھ لینا چاہئے کہ وہ اس شہنشاہ کے حضور میں پیش کرنے کے قابل بھی ہے یا نہیں۔ اس کے بعد لے جانا چاہئے۔ پس تم گوشۂ خلوت میں جاؤ اور اس رقعہ کو پڑھو اور دیکھو کہ اس کے الفاظ بادشاہوں کے مناسب ہیں یا نہیں۔ یعنی اپنے دل کا مطالعہ کرو اور دیکھو کہ اس کے صفات اس قابل ہیں کہ وہ مقبول و پسندیدہ حق سبحانہ ہوں یا نہیں۔ پس اگر وہ بادشاہوں کے حضور میں پیش کرنے کے قابل نہ ہو تو اسے چاک کر دو اور دوسرا رقعہ لکھو۔ یعنی اگر اس میں صفات ذمیمہ ہوں تو انہیں فنا کرو۔ اور صفات حمیدہ پیدا کرو۔ لیکن واضح رہے کہ اس خط کو کھولنا اور اس کے مضمون پر مطلع ہونا آسان کام نہیں ہے یعنی قلب کی حالت کو کما ہی جان لینا ہر شخص کا کام نہیں ہے ورنہ ہر شخص اسرار قلب کو معلوم کر لیتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس کا کھولنا اور اس کے مضمون و اسرار پر مطلع ہونا نہایت مشکل اور کٹھن ہے اور اہل اللہ کا کام ہے جو دیدۂ بصیرت رکھتے ہیں۔ کھیلنے والے بچوں کا کام نہیں کیونکہ صفات ذمیمہ اور حمیدہ میں بہت سے التباسات ہوتے ہیں جن کے سبب ناواقف لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں اور صفات ذمیمہ کو حمیدہ سمجھ جاتے ہیں۔ پس اس کے

لئے ضرورت ہے ایک ماہر فن شیخ کی جو اس کی حالت تم کو بتلائے عام لوگوں کی تو یہ حالت ہے کہ وہ فہرست یعنی اعمال ظاہرہ پر قانع ہیں کیونکہ وہ حرص و ہوا میں گرفتار ہیں جو مانع ہے اصلاح قلب سے اور یہ فہرست اعمال ظاہری ان کے لئے پھندا ہو گئی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ وہ حالت قلب سے بالکل ناواقف ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمارا دل بھی ایسا ہی ہے جیسے ہمارے افعال جب یہ حالت ہے تو ضرور اس خط کو کھولنا چاہئے اور اس بات سے اعراض نہ کرنا چاہئے اور اس کھولنے کا طریق وہ ہے جو اوپر بیان ہو چکا یعنی شیخ کے سامنے پیش کرنا تاکہ وہ پڑھ کر بتلائے ورنہ تم خود نہیں کھول کر پڑھ سکتے۔ یاد رکھو کہ اقرار زبان وغیرہ اصل مقصود نہیں ہیں بلکہ یہ تو اس مقصود کی فہرست اور عنوان ہیں اس لئے مقصود کو معلوم کرنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ حالت قلبیہ اقرار زبانی وغیرہ کے موافق ہے یا نہیں تاکہ تمہارا معاملہ منافقین کا سا نہ ہو۔ اور تم یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم کا مصداق نہ بنو۔ اب ہم اسی مضمون کو دوسرے عنوان سے بیان کرتے ہیں تاکہ خوب ذہن نشین ہو جاوے۔ اچھا سنو تمہارا دل ایک گون ہے جس کو تم شہنشاہ کی حضور میں ہدیہ لے جا رہے ہو اب جبکہ تم یہ بھاری گون بادشاہ کی حضور میں لے جا رہے ہو تو اور کچھ نہیں تو اتنا تو ضرور ہی ہونا چاہئے کہ تم اسے دیکھ لو کہ اس گون میں کیا چیز ہے۔ آیا کڑوی اور ناپسندیدہ ہے یا خوش مزہ اور پسندیدہ پھر اگر لے جانے کے قابل ہو تو لے جاؤ۔ ورنہ اپنی گون کو ان نکمے اینٹ پتھروں سے خالی کر دو اور اپنے کو اس بیگار اور شرمناک حرکت سے بچاؤ اور بجائے اس کے گون میں وہ شے بھرو جس کو بادشاہوں کے پاس لے جانا مناسب ہے تم خیال کرو کیا یہ بری بات نہیں ہے کہ تم اس ریت بھری گون کو بادشاہ کے حضور میں لے جا رہے ہو اور ریت بھی کیسا کہ نہایت بے وقعت ضرور بری بات ہے۔ پس تم ایسا ہرگز نہ کرو خلاصہ یہ کہ تمہارا دل ایک گون ہے۔ جس کو تم حق سبحانہ کے پاس ہدیہ لے جا رہے ہو اور اس کے صفات وہ اسباب ہے جو اس میں بھرا ہوا ہے۔ پس تم کو دیکھنا چاہئے کہ اس میں صفات حمیدہ ہیں یا ذمیمہ۔ اگر حمیدہ ہوں تو بہتر ہے اور اگر ذمیمہ ہیں تو ان کا لے جانا ہرگز مناسب نہیں۔ پس ان کو دور کرنا چاہئے اور ان کے بجائے عمدہ صفات پیدا کرنا چاہئیں۔ اچھا اگر تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کو عمدہ صفات سے پر کرو جو بمنزلہ لعل کے ہیں تو خالی ہی رکھو کیونکہ اس کے ان صفات رذیلہ سے پر نہ ہونے سے جو کہ از قسم صفات جسمانیہ ہوں یہ بہتر ہے کہ وہ بالکل خالی ہو کہ نہ اس میں صفات حمیدہ ہوں نہ ذمیمہ۔

فائدہ:۔ اس تقریر پر تنی میں یائے نسبت ہے اور موصوف اس کا صفات ہے)

شرح شبیری

حکایت آں فقیہ با دستار بزرگ و آنکہ دستارش بر بود

بانگ و نعرۂ فقیہ کہ بازش کن و بہ بیں کہ چہ می بری آنگاہ ببر

اس فقیہ کی حکایت جو بڑی پگڑی والا تھا اور اس کی جو پگڑی اچک لے گیا اور فقیہ کا پکارنا اور للکارنا کہ اس کو کھول اور دیکھ کہ کیا لے جا رہا ہے تب لے جا

در عمامہ خویش بر پیچیدہ بود	یک فقیہے ژندہا بر چیدہ بود
(اور) اپنی پگڑی میں لپیٹ لئے تھے	ایک فقیہ نے چیتھڑے چنے تھے

یعنی ایک فقیہ نے بہت سے چیتھڑے چن لئے تھے اور اپنے عمامہ میں لپیٹ لئے تھے۔

تا شود زفت و نماید آں عظیم	چوں در آید سوئے محفل در حطیم
تا کہ وہ موٹی ہو جائے اور بڑی نظر آئے	جب وہ حطیم میں مجلس میں آئے

یعنی تا کہ وہ عمامہ ڈبل ہو جاوے اور وہ بڑا دکھائی دے جبکہ وہ محفل کی طرف مجمع میں آوے۔ مطلب یہ کہ بہت سے چیتھڑے وغیرہ جمع کر کے پگڑی میں بھر لئے تھے تا کہ عمامہ بڑا سا ہو جاوے اور جب مجمع میں جاویں تو معلوم ہو کہ بہت بڑا عمامہ ہے تو یہ مولوی بھی خوب بڑھیا ہی ہوں گے۔

ژندہا از جامہ ہا پیراستہ	ظاہر دستار ازاں آراستہ
مختلف کپڑوں کے چیتھڑے جوڑے تھے	ان سے بظاہر پگڑی کو سجایا تھا

یعنی چیتھڑوں کو کپڑوں سے سنوارے ہوئے اور پگڑی کے ظاہر کو اس سے سنوارے ہوئے یعنی ان چیتھڑوں کے اوپر سے ایک کپڑا لپیٹ کر سب کو خوبصورت اور عمدہ بنا رکھا تھا۔

ظاہر دستار چوں حلہ بہشت	چوں منافق اندروں رسوا و زشت
پگڑی کا ظاہر بہشت کے جوڑے کی طرح تھا	باطن منافق کی طرح رسوا اور بھدا

یعنی پگڑی اوپر سے تو بہشت کے حلہ کی مانند تھی اور باطن منافق کی طرح رسوا اور برا تھا۔

پارہ پارہ دلق و پنبہ و پوستین	در دروں آں عمامہ بد دفین
ٹکڑے ٹکڑے گدڑی اور روئی اور پوستین	اس پگڑی کے اندر دفن تھے

یعنی گدڑی اور روئی کے اور پوستین کے ٹکڑے ٹکڑے اس عمامہ کے اندر مدفون تھے۔

روئے سوئے مدرسہ کردہ صبوح	تا بدیں ناموس یابد او فتوح
اس نے صبح صبح مدرسہ کا رخ کیا	تا کہ اس میں شان و شوکت کی وجہ سے نذرانے حاصل کرے

یعنی صبح کو مدرسہ کا قصد کئے ہوئے تھا تا کہ اس عزت سے کچھ فتوحات پاوے یعنی اس پگڑی کی عزت سے وہاں تنخواہ وغیرہ ملتی ہوگی صاحب منصب کو ظاہری عزت کی بھی ضرورت ہوتی ہے لہذا یہ بھی اسی لئے صبح ہی مدرسہ کو چلے جا رہے تھے تا کہ تنخواہ وغیرہ جو کچھ ملنا ہو ملے۔

در رہ تاریک مردے جامہ کن	منتظر استادہ بود از بہر فن
اندھیرے راستہ میں ایک کپڑے اتارنے والا شخص	فن دکھانے کے لئے منتظر کھڑا تھا

یعنی راہ تاریک میں ایک آدمی اچکا کام کے لئے منتظر کھڑا ہوا تھا یعنی کسی تاریک راہ میں کوئی اچکا بھی کھڑا تھا کہ کوئی ادھر کو آوے تو میں اس سے کچھ اچک لوں۔

در ربود او از سرش دستار را	پس دواں شد تا بسازد کار را
وہ اس کے سر سے پگڑی لے اڑا	پھر بھاگا تاکہ اپنا کام بنالے

یعنی وہ ان عالم کے سر پر سے پگڑی کو اچک کر بھاگا تاکہ کام بناوے مطلب یہ کہ وہ اچکا جو تاک میں کھڑا تھا جب یہ اس کے مقابل پہنچے تو ان کی پگڑی کو اس نے اچک لیا اور پھر لے کر بھاگا تاکہ کچھ کام چلاوے کیونکہ اوپر سے تو وہ پگڑی بہت خوبصورت تھی اس نے سمجھا کہ خوب قیمتی ہے لہٰذا اچک کر لے بھاگا۔

پس فقیہش بانگ برزد کائے پسر	باز کن دستار را آنگہ ببر
فقیہ نے اس کو آواز دی اے بیٹا!	پگڑی کو کھول، پھر لے جا

یعنی عالم نے اس کو آواز دی کہ اے صاحبزادے پگڑی کو کھول لے اس وقت لے جائیو۔

اینچنیں کہ چار پرہ مے پری	باز کن آں ہدیہ را کہ می بری
تو جو اس طرح چار پروں سے اڑ رہا ہے	اس تحفہ کو کھول جو تو لے جا رہا ہے

یعنی تو جو اس طرح چار پروں سے اڑا جا رہا ہے جس ہدیہ کو تو لے جا رہا ہے ذرا کھول کر تو دیکھ لے۔

باز کن آں را بدست خود بمال	انگہاں خواہی ببر کردم حلال
اس کو کھول اپنے ہاتھ سے ٹٹول	پھر چاہے لے جانا، میں نے معاف کر دیا

یعنی اس کو کھول لے اور ہاتھ سے ٹٹول لے اس وقت تو اگر چاہے تو لے جا۔ میں نے مباح کی۔ مطلب یہ کہ جب وہ اچکا لے کر پگڑی کو بھاگا تو عالم صاحب نے کہا کہ میاں ذرا اس کو کھول کر دیکھ لے پھر بھی اگر تیرے کام کی ہو اور تجھے پسند آوے تو لے جانا میں نے معاف کی مگر تو دیکھ تو لے کہ یہ کیا نور بھری ہے۔

چونکہ بازش کرد آنکو میگریخت	صد ہزارش ژندہ اندر رہ بریخت
جو بھاگ رہا تھا جس اس نے اس کو کھولا	لاکھوں چیتھڑے راستہ میں بکھر گئے

یعنی جب اس شخص نے جو کہ بھاگ رہا تھا اس کو کھولا تو لاکھوں چیتھڑے راہ میں گر پڑے۔

زاں عمامہ زفت نابایست او	ماند یک گز کہنہٗ در دست او
اس کی اس موٹی نابکار پگڑی سے	ایک گز پرانا (کپڑا) اس کے ہاتھ میں رہ گیا

یعنی اس کے ڈبل نالائق عمامہ میں سے ایک گز پرانا کپڑا اس کے ہاتھ میں رہ گیا۔ مطلب یہ کہ جب اس کو کھولا تو سارے چیتھڑے تو بکھر گئے اور وہ کپڑا جو اس پر لپٹا ہوا تھا ایک آدھ گز کا ٹکڑا اس اچکے کے ہاتھ میں رہ گیا۔

بر زمین زد خرقہ را کاے بے عیار	زین دغل مارا بر آوردی زکار
چیتھڑے کو زمین پر پٹخا کہ اے نالائق!	اس فریب سے تو نے ہمیں کام سے روک دیا

یعنی اس نے اس کپڑے کو زمین پر دے مارا اور بولا کہ اے مکار تو نے اس دھوکہ سے ہمیں کام سے نکالا مطلب یہ کہ جب اس کی یہ حالت دیکھی تو بہت خفا ہوا اور بولا کہ ارے مکار تو نے مجھے ان چیتھڑوں کو بھر کر دھوکہ دیا۔ اور میں کہیں اور جا کر کچھ مال اچکتا تو نے مجھے اس سے بھی رکھا۔

ایں چہ مکرست و چہ تزویرست وشید	کہ فگندی مرمرا در قید صید
یہ کیا مکر ہے اور کیا فریب ہے اور دغا ہے؟	کہ تو نے مجھے شکار کے پھندے میں پھنسا دیا

یعنی یہ کیا مکر اور دھوکہ اور دغا بازی ہے کہ تو نے مجھے شکار کی قید میں ڈالا۔ یعنی میں نے تجھے شکار کیا تھا مگر تیری اس مکاری نے مجھی کو قید میں ڈال دیا کہ اب میں خود ہی پچھتا رہا ہوں۔

شرم ناید مر ترا زیں ژندہا	از دغل بفگندیم اے پر دغا
ان چیتھڑوں سے تجھے شرم نہ آئی	فریب سے تو نے مجھے پھنسایا اے دغا باز!

یعنی تجھے ان گدڑوں سے شرم نہیں آتی تو نے مجھے دھوکہ میں ڈالا اے مکار۔ مطلب یہ کہ اب وہ اچکے صاحب خفا ہو رہے ہیں کہ ارے مکار تو نے اس کے اندر گودڑ بھر کر مجھے دھوکہ دیا اور مجھے دوسرے کام سے بھی رکھا اس کو سن کر وہ عالم صاحب جواب دیتے ہیں کہ۔

گفت بنمودم دغل لیکن ترا	از نصیحت باز گفتم ماجرا
اس نے کہا میں نے فریب کیا لیکن تجھے	خلوص سے میں نے قصہ بتا دیا

یعنی اس عالم نے کہا کہ لیکن میں نے مکر کو خیر خواہی سے تجھے بتا دیا اور اصلی بات کہدی۔ مطلب یہ کہ ان عالم صاحب نے کہا کہ اگرچہ اس سے تجھے دھوکا ہوا مگر میں نے پھر تجھے بتا تو دیا اور آگاہ تو کر دیا۔

بڑا افسوس لوگوں پر ہے کہ دھوکہ دیتے ہیں اور پھر اطلاع بھی نہیں کرتے کہ یہ دھوکہ ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ تم لوگ کسی کے بتانے پر مت رہو بلکہ خود عبرت حاصل کرو کیونکہ تمام چیزیں اپنے تغیرات میں تم کو ہوشیار کر رہی ہیں تم اس کون و فساد سے سبق لو۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح: اوپر چونکہ مولانا نے عوام کے اپنے ظاہری اعمال کی درستی سے اپنی صلاح قلب پر استدلال کرنے کا ذکر فرمایا تھا اس کے بعد اس استدلال کی غلطی ظاہر فرما کر ہدایت فرمائی تھی کہ خود دل کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کیسا ہے اس مناسبت سے یہ حکایت بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک فقیہہ نے بہت سے چیتھڑے جمع کر کے اپنے عمامہ میں لپیٹ رکھے تھے تاکہ وہ بڑا ہو جائے اور جب وہ حطیم میں آئے تو شاندار معلوم ہو اندرونی حالت تو یہ تھی مگر ظاہر دستار کو اعلیٰ قسم کے کپڑوں کے ٹکڑوں سے آراستہ کر رکھا تھا اس بناء پر ظاہر دستار کی تو ایسی حالت تھی جیسے جگہ بہشت ہو اور باطن میں ایسا برا تھا جیسا منافق کیونکہ اس میں گدڑی روو ڑاور

پوستین کے ٹکڑے مخفی تھے۔ غرض کہ وہ یہ دستار سر پر رکھ کر مدرسہ کو چلا۔ تا کہ ظاہری ٹیپ ٹاپ کی بدولت ان کے کچھ ہاتھ لگے راستہ میں اندھیرا تھا اور اس میں ایک اچکا کھڑا ہوا تھا کہ وہ آئے تو میں چالاکی سے اس کا عمامہ لے اڑوں۔ جب یہ پہنچے تو اسنے فوراً ان کے سر سے عمامہ اتارا اور لے اڑا تا کہ اس سے اپنا کام نکالے جب وہ لے کر چل دیا تو اس فقیہہ نے آواز دی کہ میاں ذرا اسے کھول کر دیکھ لو پھر لے جاؤ۔ تم یوں ہوا کے گھوڑے پر سوار جا رہے ہو ذرا اس ہدیہ کو جس کو تم لئے جا رہے ہو کھول کر تو دیکھ لو۔ میرے کہنے سے ذرا اسے کھولو اور ہاتھ سے مل کر دیکھو پھر اگر تمہارا جی چاہے تو لے جاؤ میری طرف سے اجازت ہے۔ جوں ہی اس بھاگنے والا نے کھولا اس کے کھولتے ہی سینکڑوں چیتھڑے اس میں سے راستہ میں نکل پڑے اور اس کے اتنے بڑے نازیا عمامہ میں سے صرف ایک گز پرانا کپڑا اس کے ہاتھ میں رہ گیا۔ اس نے اس کپڑے کو زمین پر پٹک دیا اور کہا کہ او نکمے تو نے مجھے اس فریب سے اور کام سے بھی کھویا ارے یہ کیسا مکر اور دھوکہ اور فریب تھا کہ تو نے مجھے اس شکار کا مقید کیا۔ یعنی اس عمامہ کے اڑانے کی فکر میں ڈالا اور دغا باز تجھے شرم نہیں آتی کہ یہ چیتھڑے جمع کر کے تو نے فریب سے مجھے شکست دی۔ اس نے کہا یہ ضرور ہے کہ میں تیرے دھوکہ کا باعث ہوا مگر خیر خواہی سے تجھ سے اس کی بھی حالت بھی بیان کر دی۔ اب یہاں سے ایک مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

شرح شبّیری

نصیحت دنیا مر اہل دنیا را بزبان حال و بیوفائی خود را وانمودن بوفا جویندگاں

زبان حال سے دنیاداروں کو دنیا کی نصیحت اور وفا کی جستجو کرنے والوں کو اپنی بے وفائی دکھانا

عیب خود را بانگ زد با جملہ گفت	ہمچنیں دنیا اگرچہ خوش شگفت
بلند آواز سے اس نے سب کو اپنا عیب بتا دیا	اسی طرح اگرچہ دنیا بہترین شگفتہ ہے

یعنی اسی طرح دنیا نے اگرچہ خوب عمدہ معلوم ہوتی ہے اپنے عیوب کو بآواز بلند سب سے کہہ دیا۔ مطلب یہ کہ اگرچہ ظاہر دنیا سے دھوکہ ہوتا ہے اور اس کی ظاہری حالت ایسی ہے کہ اس پر انسان فریفتہ ہو جاتا ہے مگر اس نے اپنی حالت سے اپنے عیوب اور فنا کو بالکل ظاہر کر دیا ہے۔

آں ذغل کون و نصیحت واں فساد	اندریں کون و فساد اے استاد
بناؤ فریب ہے اور بگاڑ نصیحت سمجھ	اے استاد! اس بناؤ اور بگاڑ میں

یعنی اے استاد اس وجود و عدم کے اندر وہ دھوکہ تو وجود ہے اور فساد کو نصیحت جانو۔ مطلب یہ کہ دنیا میں جو تغیرات وجود اور عدم کے ہو رہے ہیں ان تغیرات ہی سے دنیا نصیحت کر رہی ہے کہ اس میں وجود بمنزلہ اس دھوکہ کے ہے کہ اس سے آدمی فریب کھا جاتا ہے اور اس کا عدم بجائے نصیحت کے ہے کہ اس وقت اس شے کی اصل حالت معلوم ہوتی ہے اور اس کی ناپائیداری اور فنا آنکھ کے سامنے آ کر اس کی اصلیت کو ظاہر کر دیتا ہے۔

کون میگوید بیامن خوش پیم	واں فسادش گفت رومن لاشیم
بناؤ کہتا ہے آ جا میں مبارک قدم ہوں	اور بگاڑ نے اس سے کہا چلا جا میں کچھ نہیں ہوں

یعنی وجود تو کہتا ہے کہ آ میں خوش قدم ہوں اور وہ اس کا فساد کہتا ہے کہ جا میں لاشے ہوں مطلب یہ کہ وجود شے تو انسان کو اس پر فریفتہ کر دیتا ہے مگر پھر اس کا بگڑنا اور اس کا عدم اس کے لاشے ہونے کو بتلاتا ہے اور وجود کا تقاضا تو اس کی طرف میلان ہے مگر عدم اس کی طرف سے نفرت کو پیدا کرتا ہے۔ جس طرح کہ اس پگڑی کا ظاہر تو خوش رنگ اور دلربا تھا مگر وہ اندر سے جو نور بھری نکلی اس کو سب ناظرین ملاحظہ فرما ہی آئے ہیں پس دنیا بھی ظاہر میں بہت ہی دلفریب ہے مگر آخر میں جب اس کی اصلی حالت دکھلائی دیتی ہے اس وقت اس سے بالکل ہی نفرت ہو جاتی ہے۔ آگے اسی کی مثالیں دیتے ہیں کہ۔

اے زخوبی بہاران لب گزاں	بنگر آں سردی و زردی خزاں
اے بہاروں کی رونق سے ہونٹ کاٹنے والے!	خزاں کی سردی اور زردی کو دیکھ لے

یعنی اے وہ شخص جو کہ بہار کی خوبی کی وجہ سے لب کو کاٹ رہا ہے خزاں کی سردی اور زردی کو دیکھ۔ مطلب یہ کہ اول باغ میں بہار کی موسم میں سب پودے کس قدر خوش رنگ معلوم ہوتے تھے مگر انجام کار دیکھو کہ خزاں میں کس قدر برے ہو گئے ہیں۔

روز دیدی طلعت خورشید خوب	مگر او را یاد کن وقت غروب
تو نے دن میں سورج کا حسین چہرہ دیکھ لیا	غروب کے وقت اس کی موت کو یاد کر لے

یعنی دن کے وقت تو نے خورشید خوب کی چمک دیکھی ہے تو اس کی موت کو غروب کے وقت یاد کر۔ مطلب یہ کہ دیکھو آفتاب دن کو کس قدر خوبصورت ہوتا ہے مگر دیکھو آخر شام کو ہم سے غروب وفنا ہو جاتا ہے۔

بدر را دیدی بریں خوش چار طاق	حسرتش را ہم بہ بیں اندر محاق
تو نے حسین خیمہ پر چودھویں کے چاند کو دیکھ لیا	گھٹاؤ میں اس کی حسرت کو بھی دیکھ لے

یعنی تم نے بدر کو اس خوبصورت آسمان پر دیکھا ہے تو حالت محاق میں اس کی حسرت کو بھی دیکھ۔ مطلب یہ کہ دیکھو چاند بدر ہونے کی حالت میں آسمان پر کس قدر خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ مگر آخر دنوں میں جبکہ گھٹنا شروع ہو جاتا ہے اس کی کیا حالت ہو جاتی ہے کہ جسم بھی کم ہو جاتا ہے نور بھی کم ہو جاتا ہے تو دیکھو باوجود اس حسن وخوبی کے انجام یہ ہوا (چار طاق بڑے خیمہ کو کہتے ہیں اس لئے کہ اس کے چاروں طرف دروازے ہوتے ہیں اور چونکہ جو خیمہ بڑا ہوتا ہے وہ عادۃً بلند بھی ہوتا ہے لہذا آسمان کو چار طاق کہنے لگے ہیں) آگے اور مثال ہے کہ۔

کودکے از حسن شد مولائے خلق	بعد پیری شد خرف رسوائے خلق
ایک لڑکا حسن کی وجہ سے لوگوں کا آقا بنا	بڑھاپے کے بعد بڈھا بے عقل لوگوں میں ذلیل ہو گیا

یعنی ایک لڑکا حسن کی وجہ سے لوگوں کا آقا ہو گیا اور بڑھاپے کے بعد بڈھا خرانٹ لوگوں میں رسوا ہو گیا۔ مطلب یہ کہ دیکھو ایک لڑکا بچپن میں حسن وخوبی کی وجہ سے تمام لوگوں کو اپنے اوپر فریفتہ کئے ہوئے ہوتا ہے مگر انجام کار یہ ہوتا ہے کہ بڈھا ہو جاتا ہے اور پھر کوئی بھی نہیں پوچھتا بلکہ اور نفرت کرتے ہیں۔

گر تن سیمیں بتاں کردت شکار	بعد پیری بیں تنے چوں پنبہ زار
اگر چاندی جیسے بتوں کے جسم نے تیرا شکار کر لیا ہے	بڑھاپے کے بعد جسم کو دیکھ لے جو روئی کا کھیت ہے

یعنی اگر بتوں کے بدن سے میں نے تجھے شکار بنایا ہے تو بڑھاپے کے بعد دیکھ کہ ایک بدن روئی کے ڈھیر کی طرح ہے۔

اے بدیدہ لوتہائے چرب خیز	فضلۂ آنرا بہ بیں در آبریز
اے روغنی غذاؤں کے دیکھنے والے اٹھ	پاخانہ میں ان کا فضلہ دیکھ لے

یعنی اے وہ شخص جس نے کہ عمدہ عمدہ غذاؤں کو دیکھا ہے اٹھ ان کے فضلہ کو طہارت خانہ میں دیکھ (کہ کیسا عمدہ ہے)

مر خبث را گو کہ آں خوبیت کو	آں فریب وحسن و مرغوبیت کو
نجاست سے دریافت کر کہ وہ تیری خوبی کہاں ہے؟	وہ تیرا فریب اور حسن اور پسندیدگی کہاں ہے؟

یعنی نجاست سے کہہ کہ وہ تیری خوبی کہاں ہے اور وہ فریفتگی اور حسن اور مرغوبی تیری کہاں ہے۔

بر طبق کو عشوۂ و نزی و خوت	بر سبد کو جلوۂ و لغزی و بوت
طشت پر تیرا نازو انداز اور نرمی اور عادت کہاں ہے؟	چنگیری پر تیرا جلوہ اور انوکھا پن اور خوشبو کہاں ہے؟

یعنی طبق کے اوپر والا تیرا عشوہ اور نرمی اور خصلت کہاں ہے اور ٹوکرے کے اوپر والا جلوہ اور عمدگی اور خوشبو تیری کہاں ہے۔ مطلب یہ کہ طہارت خانہ میں جو اس عمدہ عمدہ غذا کا فضلہ پڑا ہے اس سے ذرا جا کر پوچھو تو کہ وہ جو تیری عمدگی اور دلفریبی طبق اور ٹوکرے میں رکھے ہوئے ہونے کے وقت تھی وہ اب کہاں گئی۔ اور کیا ہوئی تو وہ جواب دے گا کہ۔

گوید او آں دانہ بد من دام آں	چوں شدی تو صید شد دانہ نہاں
وہ کہتی ہے وہ دانہ تھا میں اس کا جال ہوں	جب تو شکار بن گیا' دانہ چھپ گیا

یعنی وہ کہتا ہے کہ وہ (حسن وخوبی) تو دانہ تھا اور میں اس کا جال تھا۔ جب تو شکار ہو گیا تو دانہ پوشیدہ ہو گیا۔ مطلب یہ کہ وہ کہتا ہے کہ ارے میاں مقصود تو تم کو اس گندگی میں پھنسانا تھا اس پھنسانے کے لئے وہ حسن وخوبی پیدا کر دی گئی تھی جس طرح کہ شکار کے لئے جال میں دانہ ڈال دیا کرتے ہیں تو جب شکار آ جاتا ہے تو دانہ تو اٹھا لیتے ہیں اور جال رہ جاتا ہے۔ بس اسی طرح وہ حسن وخوبی تو جاتی رہی اور میں جو بمنزلہ جال کے تھا رہ گیا ہوں۔ آگے اسی کی اور مثال ہے کہ۔

بس انامل رشک استاداں شدہ	در صناعت عاقبت لرزاں شدہ
بہت سی انگلیاں استادوں کے لئے باعث رشک ہوتی ہیں	دستکاری میں (لیکن) انجام کار وہ کانپتی ہیں

یعنی بہت سی انگلیاں صنعت میں رشک استادوں کی ہیں اور انجام کار لرزاں ہوگئی ہیں۔ یعنی دیکھو بہت سی انگلیاں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ ایسی ایسی صنعتیں کرتی ہیں کہ بڑے بڑے استاد نہیں کر سکتے مگر آخر پھر بیکار ہو جاتی ہیں۔

نرگس چشم خماری ہمچو جاں	آخرا عمش بین و آب از وے چکاں
جان جیسی مست آنکھ کی نرگس	بالآخر چندھی دیکھ لے اور ان میں سے پانی بہتا ہوا

یعنی خمار والی جان جیسی آنکھ کی نرگس کو آخر میں چندھا دیکھو کہ اس سے پانی ٹپک رہا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو وہ آنکھ جو کہ نرگس کی طرح تھی اور سینکڑوں کی جان کی برابر تھی اور مخمور رہا کرتی تھی آج چندھی ہوگئی ہے۔ اس میں سے پانی چل رہا ہے۔ خراب ہوگئی ہے۔ (اللھم احفظنا اللھم عافنا).

حیدرے کاندر صف شیران رود	آخر او مغلوب موشے می شود
وہ بہادر جو شیروں کی صفوں میں جاتا ہے	آخر میں وہ چوہے سے عاجز ہو جاتا ہے

یعنی وہ دلاور کہ جو شیروں کی صفت میں چلا جاوے آخر وہ ایک چوہے سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ یعنی ضعیفی میں کمزور سے کمزور شے سے مغلوب ہو جاتا ہے۔

طبع تیز و دور بین و محترف	چوں خر پیرش بہ بیں آخر خرف
پیشہ ور کی دور بین تیز طبیعت کو	بوڑھے گدھے کی طرح، بے عقل دیکھ لے

یعنی طبیعت تیز اور دور بیں اور حرفہ والی کو دیکھو اور آخر کار اس کو بڈھے گدھے کی طرح خرانٹ دیکھو۔ یعنی ایسے تیز و طباع لوگ جو مشہور زمانہ ہیں آخر کار ایک روز بڈھے گدھے کی طرح خرانٹ ہو جاتے ہیں۔

زلف و جعد مشکبار عقل بر	آخر او دم زشت پیر خر
مشکبار زلف اور ہوش ربا گھونگروالے بال	انجام میں بوڑھے گدھے کی بھدی دم ہیں

یعنی زلف اور گھونگر والے مشکبار عقل کو اڑانے والے بال آخر میں بڈھے گدھے کی خراب دم ہو جاتی ہے۔ یعنی ایسے ایسے خوبصورت بال آخر میں گدھے کی دم کی طرح لچے کھسیٹے ہوئے ہو جاتے ہیں۔

خوش بہ بیں کونش زاول باکشاد	و آخراں رسوائیش بین و فساد
اس کے بناؤ کو شروع میں پرلطف حسین دیکھ لے	اور اس کے آخر میں اس کی رسوائی اور فساد دیکھ لے

یعنی اول اس کے وجود کو جو کہ باکشادگی ہے دیکھو اور آخر میں اس کی رسوائی اور فساد کو دیکھو۔

زانکہ او بنمود پیدا دام را	پیش تو برکند سبلت خام را
کیونکہ اس نے جال کو ظاہر کر کے دکھا دیا	تیرے سامنے کچوں کی مونچھ نوچ دی

یعنی چونکہ اس نے جال کو ظاہر کر دکھلایا ہے اور تیرے آگے ہی خام (آدمی) کی مونچھ اکھاڑی ہے۔

پس مگو دنیا بہ تزویرم فریفت	ورنہ عقل من زدامش می شکیفت
پس تو نہ کہہ کہ دنیا نے مکر سے مجھے لبھایا	ورنہ میری عقل اس کے جال سے آرام پاتی!

یعنی پس یہ مت کہو کہ دنیا نے حیلہ بہانہ سے مجھے فریفتہ کرلیا ورنہ میری عقل تو اس کے جال سے صبر کرتی تھی۔ مطلب یہ کہ دیکھو ان مثالوں سے معلوم ہو گیا کہ دنیا نے اپنی حالت کو بالکل صاف طور پر ظاہر کر رکھا ہے تو اب تم یہ مت کہو کہ ہم کو دنیا نے فریفتہ کر رکھا ہے اور ہم مجبوراً اس کی طرف کھنچے جا رہے ہیں۔ کیونکہ اس نے تو صاف صاف حالت کو ظاہر کر دیا ہے پھر کیوں دھوکہ میں آتے ہو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

طوق زریں و حمائل بیں ہلہ	غل وزنجیرے شدست وسلسلہ
خبردار! سونے کے گردن بند اور پرتلوں کو دیکھ	طوق اور زنجیر اور بیڑی بن گیا

یعنی ہاں ذرا سونے کے ہار اور حمائل کو دیکھو کہ طوق و زنجیر ہو گئے ہیں اور سلسلہ مطلب یہ کہ یہ دنیا کی عمدہ عمدہ اشیاء آخر میں دیکھو کہ یہی طوق و زنجیر ہو جاتی ہیں۔

ہمچنیں ہر جزو عالم می شمر	اول و آخر درآرش در نظر
اسی طرح دنیا کے ہر جزو کو گن لے	اس کے اول اور آخر کو نظر میں لے آ

یعنی اسی طرح عالم کے ہر ہر جزو کو گن لو اور اس کے اول و آخر کو نظر میں لاؤ۔

ہر کہ آخر بیں تراو مسعود تر	ہر کہ آخر بیں ترا و مطرود تر
جو انجام کو زیادہ دیکھنے والا ہے وہ زیادہ نیک بخت ہے	جو چرکو زیادہ دیکھنے والا ہے' زیادہ مردود بنے

یعنی جو شخص کہ آخر بیں زیادہ ہے وہ نیک بخت زیادہ ہے اور جو آخور بیں زیادہ ہے وہ مردود زیادہ ہے۔

یعنی جو شخص کہ انجام کار دیکھنے والا ہے وہ تو مسعود ہے اور جو انجام بیں نہیں ہے وہ مطرود و مردود ہے۔

روئے ہر یک چوں مہ فاخر بہ بیں	چونکہ اول دیدہ شد آخر بہ بیں
فخر بھرے چاند کی طرح ہر ایک کا چہرہ دیکھ لے	جبکہ آغاز دیکھ لیا ہے' انجام (بھی) دیکھ لے

یعنی ہر ایک کے چہرہ کو مہ فاخر کی طرح دیکھو اور جبکہ اول دیکھا گیا تو آخر کو بھی دیکھو۔ مطلب یہ کہ ایک چہرہ ، جو چاند جیسا تھا اس کو اس حسن و خوبی کے وقت میں تو دیکھا ہی تھا اب اس کے انجام کو بھی ذرا ملاحظہ کرلو۔

تانباشی ہمچو ابلیس اعوری	نیم بیند نیم نے چوں ابتری
تاکہ تو شیطان کی طرح کانا نہ بنے	وہ آدھا دیکھتا ہے آدھا نہیں' ناقص کی طرح

یعنی تاکہ تو شیطان کی طرح کانا نہ ہو کہ آدھی چیز کو دیکھے اور آدھی کو ابتر کی طرح نہ دیکھے۔

دید طیں آدم و دینش ندید	اینجہاں دید آنجہاں بینش ندید
اس نے آدم کی مٹی کو دیکھا ان کے دین کو نہ دیکھا	اس جہان کو دیکھا ان کو اس جہان کا دیکھنے والا نہ سمجھا

یعنی ابلیس نے آدم علیہ السلام کی مٹی کو دیکھا اور ان کے دین کو نہیں دیکھا۔ اس جہاں کو تو دیکھا اور اس جہاں کے دیکھنے والے کو نہیں دیکھا۔ مطلب یہ کہ جب تم کسی شے کے اول کو دیکھو تو اس کے انجام کو بھی دیکھو تا کہ تم ابلیس کی طرح نہ ہو جاؤ کہ اس نے آدم علیہ السلام میں صرف مٹی ہی دیکھی کہ یوں کہا کہ خلقته من طين اور ان کے کمالات پر نظر نہیں کی کہ ان میں دو چیزیں تھیں ایک تو یہ جسم جو کہ اس جہان والا تھا اور ایک شے ایسی تھی کہ وہ اس جہان کو دیکھنے والی تھی تو شیطان نے اس کو نہیں دیکھا۔ آدھی چیز کو دیکھا اور آدھی کو نہیں دیکھا تو اگر تم بھی اول کو دیکھو گے اور انجام نہ دیکھو گے تو تم بھی اسی کی مثل ہو جاؤ گے۔

آگے فرماتے ہیں کہ انجام بینی ایسی شے ہے کہ اسی کی بدولت مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی گئی ہے فرماتے ہیں کہ۔

فضل مرداں بر زنان اے بوشجاع	نیست بہر قوت وکسب و ضیاع
اے بڑے بہادر! مردوں کی عورتوں پر فضیلت	طاقت اور کمائی اور جائیداد کی وجہ سے نہیں ہے

یعنی اے بوشجاع مردوں کو عورتوں پر جو فضیلت ہے وہ قوت اور کمائی اور کنبہ کی وجہ سے نہیں ہے۔

ورنہ شیر و پیل را بر آدمی	فضل بودے بہر قوت اے عمی
ورنہ شیر اور ہاتھی کو آدمی پر	فضیلت ہوتی ' اے میرے چچا! طاقت کی وجہ سے

یعنی ورنہ شیر اور ہاتھی کو آدمی پر قوت کی وجہ سے فضیلت ہوتی اے چچا۔

فضل مردان بر زن اے حالی پرست	زاں بود کہ مرد پایاں بیں تر است
اے موقع پرست! مردوں کی عورتوں پر فضیلت	اس لئے ہے کہ مرد انجام بین زیادہ ہے

یعنی مردوں کی فضیلت عورتوں پر اے حال پرست اس لئے ہے کہ مرد انجام بین ہے۔

مرد کاندر عاقبت بینی خم است	اوز اہل عاقبت چوں زن کم است
جو مرد انجام پر نظر رکھنے میں ٹیڑھا ہے	وہ انجام پر نظر رکھنے والوں سے عورت کی طرح کم ہے

یعنی مرد جو کہ انجام بینی میں ٹیڑھا ہے وہ اہل عاقبت سے عورت کی طرح کم ہے۔ مطلب یہ کہ اے شخص مردوں کو جو عورتوں پر فضیلت ہے وہ اسی انجام بینی کی وجہ سے ہے ورنہ اگر قوت کی وجہ سے ہوتی تو آدمی پر ہاتھی گھوڑے وغیرہ کو فضیلت ہوتی حالانکہ نہیں ہے پس معلوم کہ فضیلت اس انجام بینی ہی کی وجہ سے ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

از جہاں دو بانگ می آید بضد	تا کدامی راتو باشی مستعد
دنیا سے دو مختلف آوازیں آتی ہیں	دیکھنا ہے کہ تو کس کے لئے مستعد ہوتا ہے؟

یعنی جہان میں دو ضدیں آوازیں آتی ہیں تا کہ (دیکھا جاوے کہ) تو کس کے لئے مستعد ہوتا ہے۔

آں یکے بانگش نشور اتقیا	واں دگر بانگش فریب اشقیا
اس کی ایک آواز متقیوں کو جگانے والی ہے	اس کی دوسری آواز بدبختوں کے لئے فریب ہے

یعنی اس کی وہ ایک آواز تو متقیوں کا نشور ہے اور یہ دوسری اس کی آواز شقی لوگوں کا فریب ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا میں ضدیں بزبان حال اپنی حالت کے متعلق بیان کر رہی ہیں۔ ایک تو وہ آواز ہے کہ اس سے متقیوں کی ارواح کو تازگی ہوتی ہے اور وہ جو دوسری آواز ہے وہ بد بخت لوگوں کو فریب دینے والی ہے تو اب یہ دیکھا جاتا ہے کہ تم کس کے لئے مستعد ہوتے ہو۔ اور کس کو طلب کرتے ہو۔

بانگ خار و بانگ اشگوفہ شنو	بعد ازاں شو بانگ خارش را گرو
کانٹے کی آواز اور غنچہ کی آواز سن	اس کے بعد اس کے کانٹے کی آواز کا گرویدہ ہو جا

یعنی کانٹے کی آواز اور گلدستہ کی آواز سنو اور اس کے بعد اس کے خار کی آواز کا گروی ہو جا۔ مطلب یہ کہ تم دنیا میں برے بھلے سب کی حالت کو دیکھ رہے ہو گل و خار کی حالت کو بھی دیکھ رہے ہو۔ تو تم حالتیں تو دونوں کی دیکھو مگر پھر آخر کی آواز کے تابع ہو جاؤ کہ انجام کار وہی رہ جاوے گا اور گل تو فانی ہے اس کا اول تو خوش رنگ ہے مگر آخر اس کو بقا نہیں ہے اور خار کی جو حالت ہے وہ مستقل ہے آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

من شگوفہ خارم اے فخر کبار	گل بریزد من بمانم شاخ خار
اے بڑوں کے فخر! میں غنچہ کا کانٹا ہوں	پھول جھڑ جاتا ہے میں کانٹوں کی شاخ رہ جاتی ہوں

یعنی (خار کہتا ہے کہ) اے فخر کبار میں گلدستہ کا خار ہوں پھول تو گر جاوے گا اور میں شاخ خار رہ جاؤں گا (شگوفہ خار میں اضافت مقلوبی ہے) مطلب یہ کہ خار کہتا ہے کہ اے لوگو میں پھولوں کا خار ہوں تو یہ پھول تو گر گرا جاویں گے اور انجام کار میں ہی رہ جاؤں گا لہذا اسی سے دل لگانا چاہئے۔

بانگ اشگوفہ اش کہ اینک گلفروش	بانگ خار او کہ سوئے ما مکوش
اس کے غنچہ کی آواز ہے کہ یہ گلفروش ہے	اس کے کانٹے کی آواز ہے کہ ہماری جانب (آنے کی) کوشش نہ کر

یعنی اس کے گلدستہ کی آواز یہ ہے کہ یہ گلفروش ہے اور اس کے خار کی آواز ہے کہ ہماری طرف کو مت کوشش کرو۔ مطلب یہ کہ پھول تو اپنی خوشنمائی اور خوش رنگ کی طرف بلا رہا ہے اور کانٹا کہہ رہا ہے۔ کہ ذرا ہماری طرف مت آنا۔

ایں پذیرفتی بماندی زاں دگر	کہ محبّ از ضد محبوب است کر
تو نے اس کو قبول کر لیا یہ دوسری سے رہ گیا	کیونکہ عاشق معشوق کے مخالف سے بہرہ ہے

یعنی تو نے اس کو قبول کر لیا تو اس دوسرے سے رہ گیا کہ محبّ محبوب کی ضد سے بہرا ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ دو آوازیں ضدیں کی آ رہی ہیں پس اگر تم نے ایک کو قبول کر لیا تو دوسرا تم سے چھوٹ جاوے گا اور تم کو اس دوسرے کی اصلی حالت معلوم نہ ہوگی۔ حبک الشیٔ یعمی و یصم۔

آں یکے بانگ ایں کہ اینک حاضرم	بانگ دیگر بنگر اندر آخرم
ایک آواز یہ ہے کہ یہ میرا فی الحال ہے	دوسری آواز (ہے) میرے انجام کو دیکھ

یعنی ایک آواز تو یہ ہے کہ میں یہ حاضر ہوں اور دوسری آواز یہ ہے کہ میرے انجام میں دیکھ۔ مطلب یہ کہ عالم میں جو ضدین کی آوازیں آ رہی ہیں تو ایک تو اپنے اس وجود موجود کی طرف ہی اشارہ کر رہی ہے اور کہہ رہی ہے کہ جو ہے بس یہی ہے اور دوسری شے انجام کی طرف اشارہ کرتی ہے اور کہتی ہے کہ۔

حاضری ام ہست چوں مکر و کیں	نقش آخر ز آئینہ اول بہ بیں
میری موجودہ حالت مکر اور کینہ جیسی ہے	آغاز کے آئینہ میں انجام کا نقش دیکھ لے

یعنی کہ میری حاضری تو مکر و کمین کی طرح ہے نقش آخر کو آئینہ اول سے دیکھ لے۔ مطلب یہ کہ وہ شے کہہ رہی ہے کہ میرا یہ وجود تو اس وقت مکر و کمین ہے کہ گھات میں ہے ایک دم آ ہی پڑے گی۔ لہٰذا اسی وقت انجام کو دیکھ لو تو اچھی بات ہے۔

چوں یکے زیں دو جوال اندر شدی	آں دگر را ضد و نادر خور شدی
جب تو نے ان دونوں میں سے ایک کو پسند کر لیا	دوسری کا مخالف اور ناقابل بن گیا

یعنی جبکہ ان دونوں میں سے تو ایک کے اندر چلا گیا تو اس دوسری ضد کے تو نامناسب ہو گیا۔ مطلب یہ کہ ان ضدین میں سے اگر تم نے ایک کو لے لیا تو پھر دوسری سے تم کو مناسبت نہ رہے گی بلکہ جس کو اختیار کر لیا ہے اسی کے ہو رہو گے جیسا کہ ظاہر ہے۔

اے خنک آنکو ز اول آں شنید	کش عقول و مسمع مرداں شنید
مبارک ہے وہ کہ جس نے پہلے وہ سن لی	جس کو مردوں کی عقلیں اور کان سن چکے ہیں

یعنی اچھا ہے وہ شخص جس نے کہ اول شے کو سن لیا جس کو کہ مردوں کے کان اور عقلیں سنتی ہیں۔

خانہ خالی یافت جا را او گرفت	غیر آنش کژ نماید یا شگفت
اس نے خالی گھر پایا جگہ پر قبضہ کر لیا	اس کے علاوہ اس کو ٹیڑھی نظر آئے گی یا عجیب

یعنی گھر کو خالی پایا تو اس نے جگہ کو لے لیا اور اس کے علاوہ کج دکھائی دیتا ہے۔ یا عجیب۔ مطلب یہ کہ جبکہ ایک مرتبہ قلب خالی تھا تو اس میں یک شے نے جگہ پکڑ لی اور وہ ایک شے اس میں جانشین ہو گئی تو اب اس کے علاوہ جو شے بھی ہے وہ کج معلوم ہوتی ہے۔ اگر پہلے اچھی شے نے جگہ پکڑی لی تو دوسری بری چیزیں بری معلوم ہوتی ہیں اور اگر بری شے نے جگہ پکڑ لی تو اچھی چیزیں بری معلوم ہونے لگیں گی۔ آگے اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

کوزۂ نو کو بخود بولے کشید	آں خبث را آب نتواند برید
وہ کورا پیالہ جس نے پیشاب جذب کر لیا	اس نجاست کو پانی ختم نہیں کر سکتا

یعنی نیا کوزہ جس نے کہ اپنے اندر پیشاب کو کھینچ لیا اس ناپاکی کو پانی قطع نہیں کر سکتا۔ مطلب یہ کہ اگر کسی نئے سکورہ کو پیشاب میں ڈال دو اور وہ پیشاب اس کے اندر خوب بس جاوے پھر اس کو نکالو تو خواہ کتنا ہی دھویا جاوے اس کے اندر سے وہ بدبو وغیرہ زائل نہ ہو گی اسی طرح اگر قلب میں کوئی بری شے جاگزیں ہو گئی تو وہ بھی

نہیں نکلتی اور اسی طرح ان دونوں میں ان کا عکس سمجھ لیا جاوے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

در جہاں ہر چیز چیزے می کشد	کفر کافر را و مرشد را رشد
دنیا میں ہر چیز ایک چیز کو کھینچتی ہے	کفر ' کافر کو' ہدایت' ہدایت یافتہ کو

یعنی دنیا میں ہر چیز ایک چیز کو کشش کرتی ہے کفر تو کافر کو کھینچتا ہے اور ہدایت والے کو ہدات مطلب یہ کہ دنیا میں ہر شے اپنے مناسب کو جذب کرتی ہے کفر کافر کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور ہدایت مومن اور ہدایت والے کو کشش کرتی ہے (مرشد بفتح سوم اسم مفعول)

کہربا ہم ہست و مقناطیس ہست	تا تو آہن یا کہی آئی بہ شست
کہربا بھی ہے اور مقناطیس بھی	تاکہ تو لوہا ہو یا گھاس جال میں آ جائے

یعنی کہربا بھی ہے اور مقناطیس بھی ہے تاکہ (دیکھا جاوے کہ) تو لوہا ہے یا کاہ ہے۔ کہ جال میں آوے گا۔

برد مقناطیس ارتو آہنی	در کہی برکہربا بر می تنی
اگر تو لوہا ہے تو مقناطیس لے گیا	اگر تو گھاس ہے تو کہربا پر چکر کاٹتا ہے

یعنی اگر تو لوہا ہے تو مقناطیس لے گیا۔ اور اگر گھاس ہے تو تو کہربا پر تنتا ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا میں دیکھو مقناطیس بھی ہے کہربا بھی ہر ایک اپنے مناسب کو کشش کرتا ہے۔ اسی طرح دنیا میں نیک و بدسب ہیں ہر ایک اپنے مناسب کی طرف کھینچ رہا ہے اور اسی کے پاس جا رہا ہے۔

آں یکے چوں نیست با اخیار یار	لاجرم شد پہلوئے فجار جار
جو شخص نیکوں کا دوست نہیں ہے	لامحالہ بدکاروں کے پہلو کا پڑوسی بنا

یعنی وہ ایک جو کہ نیکوں کا ساتھی نہیں ہے آخرکار وہ فاجروں کے پہلو کا پڑوسی ہوا۔

آں یکے را صحبت خار اختیار	لاجرم شد پہلوئے ہر خار خوار
ایک کو کانٹے کی صحبت پسند ہے	وہ لامحالہ ہر کانٹے کے پہلو میں ذلیل ہوا

یعنی اس ایک کے لئے کانٹے کی صحبت اختیار ہوئی تو آخرکار ہر ذلیل کانٹے کے پہلو میں ہوا۔

یعنی اگر کسی کو بدوں کی صحبت میسر آئی تو وہ اسی میں خوش ہے اور نیکوں سے وہ بچتا ہے اور اسی طرح اس کا عکس۔

ہست موسیٰ پیش قبطی بس ذمیم	ہست ہامان پیش سبطی بس رجیم
(حضرت) موسیٰ قبطی کے نزدیک برے ہیں	ہامان سبطی کے نزدیک سخت ملعون ہے

یعنی فرعونیوں کے سامنے تو موسیٰ علیہ السلام بہت مذموم ہیں اور موسیٰ والوں کے آگے ہامان قابل رجم ہے۔

جان ہامان جاذب قبطی شدہ	جان موسیٰ جاذب سبطی شدہ
ہامان کی جان قبطی کو کھینچنے والی بنی	(حضرت) موسیٰ کی جان سبطی کو کھینچنے والی بنی

یعنی ہامان کی جان قبطی کے لئے جاذب ہوئی اور موسیٰ علیہ السلام کی جان سبطی کے لئے جاذب ہوئی۔

معدۂ خر کہ کشد در اجتذاب	معدۂ آدم جذوب گندم آب
گدھے کا معدہ ہضم کرنے میں گھاس کو کھینچتا ہے	آدم کا معدہ گیہوں ، پانی کو کھینچنے والا ہے

یعنی گدھے کا معدہ جذب میں گھاس کو کھینچتا ہے اور آدمی کا معدہ گیہوں اور پانی کا جذب کرنے والا ہے۔ (گندم آب بحذف عاطف)

گر تو نشناشی کسے را از ظلام	بنگر او را کوش سازیدست امام
اگر اندھیرے کی وجہ سے تو کسی کو نہ پہچانے	اس کو دیکھ لے جس کو اس نے پیشوا بنایا ہے

یعنی اگر تو کسی کو ظلمتوں کی وجہ سے پہچان نہ سکے تو اس شخص کو دیکھ جس نے اس کو امام بنا رکھا ہے۔ مطلب یہ کہ جب معلوم ہوا کہ نیک نیکوں کی طرف جاتا ہے اور بدبدوں کی طرف تو اگر تم کسی کامل کو بوجہ ظلمتوں کے جو تمہارے قلب پر پڑی ہوئی ہیں نہ پہچان سکو تو تم یہ کرو کہ اس کے تابعین کو دیکھو کہ ان میں سے اکثر کی کیا حالت ہے جو اکثر حالت ہو بس وہی اس متبوع کی حالت سمجھو آگے اس کی وجہ بیان کرتے ہیں۔

زانکہ ہر کرہ پۓ مادر رود	تابداں جنستیش پیدا شود
کیونکہ جانور کا ہر بچہ ماں کے پیچھے چلتا ہے	حتیٰ کہ اس سے اس کی جنسیت ظاہر ہو جاتی ہے

یعنی اس لئے کہ ہر بچہ ماں کے پیچھے جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی جنسیت اس سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو ہر بچہ اپنی ماں کے پیچھے ہو لیتا ہے اور اسی کے پیچھے چلتا ہے کیونکہ اس کی ہمجنس وہی ہے تو اسی طرح جو نیک ہیں ان کے توابع بھی نیک ہی ہوں گے اور اسی مناسبت کی نظیر لاتے ہیں کہ۔

آدمی را شیر از سینہ رسد	شیر خر از نیم زیرینہ رسد
آدمی کو سینہ سے دودھ ملتا ہے	گدھے کا دودھ نچلے آدھے حصہ سے پہنچتا ہے

یعنی آدمی کو تو دودھ سینہ میں سے پہنچتا ہے اور گدھے کو نیچے کے آدھے جسم میں سے پہنچتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو انسان اشرف المخلوقات ہے لہٰذا اس کا دودھ تو سینہ میں سے آتا ہے اور گدھا جو ارذل ہے اس کو جسم زیرینہ میں سے ملتا ہے یہ بھی مناسبت پر دال ہے۔ آگے اسی مضمون بالا کے متعلق ایک سرخی لکھتے ہیں اس سرخی سے مقصود اسی مضمون کی تائید ہے اور وہ اوپر ہی کے متعلق ہے۔ اس کے آگے جو اشعار ہیں ان کا مضمون اس سرخی سے نہیں ملتا بلکہ وہ بھی اسی مضمون بالا ہی سے متعلق ہیں۔ اگرچہ اس سے قبل بھی مولانا نے ایسا کیا نہیں کہ سرخی کو ماقبل کے متعلق کیا ہو بلکہ حسب عادت مصنفین سرخی مابعد ہی کے متعلق ہوتی ہے۔ لیکن یہاں ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ سرخی سے اگلے اشعار میں سرخی کے مضمون سے کوئی ربط سمجھ میں نہیں آتا۔ اگر کسی صاحب کو کوئی اور توجیہ اس سے بہتر سرخی کو مابعد کے متعلق کرنے کی سمجھ میں آوے تو وہ اضافہ فرما دیں۔

بیان آنکہ عارف راغذائیست از نورِ حق کہ

ابیت عند ربی یطعمنی و یسقینی و قولہ صلی اللہ علیہ وسلم الجوع طعام اللہ یحیی بہ ابدان الصدیقین ای فی الجوع یصل طعام اللہ تعالیٰ عزو جل

اس کا بیان کہ خدا کو پہچاننے والے کی غذا اللہ کا نور ہے کیونکہ (حدیث میں ہے) میں اپنے خدا کے پاس رات گزارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے بھوک خدائی غذا ہے اس سے زندگی پاتے ہیں صدیقین کے بدن یعنی اللہ کا کھانا بھوک میں پہنچتا ہے

مطلب اس کا یہ ہے کہ اوپر جو بیان ہوا ہے وہ اس امر کا ہے ہر شے کو اپنے مناسب غذا ملتی ہے۔ عارف کو نور حق کی غذا ملتی ہے جیسا کہ دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے اور چونکہ اوپر ذکر تھا کہ "آدمی را شیر از سینہ رسد" الخ بس اسی کے مناسب فرماتے ہیں کہ عارف کی غذا نور حق ہے اور اس کے بھی مناسب ہے آگے اشعار میں بھی یہی مضمون ہے۔

عدل قسام است وقسمت کردنیست	اے عجب کہ جبر نے وظلم نیست
تقسیم کرنے والے کا انصاف ہے اور اس کی تقسیم ہے	یہ عجب بات ہے کہ نہ کوئی جبر ہے نہ کوئی ظلم ہے

یعنی عدل تقسیم کرنے والا ہے اور ایسا تقسیم کرتا ہے کہ تعجب ہے کہ نہ جبر ہے اور نہ ظلم ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو عدل نے ہر شے کو اس کے مناسب چیز دی ہے اور پھر عجب یہ کہ نہ جبر ہے نہ ظلم ہے۔ اپنے اختیار سے کوئی اچھی چیز کو لیتا ہے اور کوئی بری شے کو لیتا ہے چونکہ یہاں ممکن تھا کہ کسی کو یہ شبہ ہوتا کہ تمہیں کیا خبر شاید جبر وظلم ہی ہو اس شبہ کو کس خوبی سے رفع فرماتے ہیں کہ۔

جبر بودے کے پشیمانی بدے	ظلم بودے کے نگہبانی بدے
جبر ہوتا تو شرمندگی کب ہوتی؟	ظلم ہوتا تو حفاظت کہاں ہوتی؟

یعنی جبر ہوتا تو پشیمانی کب ہوتی اور ظلم ہوتا تو نگہبانی کب ہوتی۔ مطلب یہ کہ اگر جبر ہوتا اور کچھ اختیار نہ ہوتا تو پھر مافات پر پشیمانی کیوں ہوتی۔ کہ افسوس یہ کیوں کیا انسان سمجھتا ہے کہ میں تو مجبور محض تھا میں کیا کروں جو ایسا ہو گیا۔ پس اس پشیمان ہونے ہی سے معلوم ہوا کہ جبر نہیں بلکہ اختیار ہے کیونکہ دیکھو اگر کسی کے ہاتھ میں رعشہ ہو اور وہ کسی بڑے آدمی کے آگے ہلے تو کچھ پشیمانی نہیں ہوتی کیونکہ جانتا ہے کہ اس کے ہلنے میں میں مجبور ہوں اور ایک یہ کہ خود کسی بڑے آدمی کے آگے کھڑا ہو کر ہاتھ ہلانے لگے تو پھر پشیمان ہوگا۔ کہ میں نے ایسا کیوں کیا بڑی بے ادبی ہوئی پس اس پشیمان ہونے اور نہ ہونے سے معلوم ہوا کہ اول میں مجبور تھا۔ اور دوسرے میں اختیار سے کیا۔ اسی طرح جب اپنے کاموں پر پشیمانی ہوتی ہے تو پھر جبر محض کہاں ہے۔ علیٰ ہٰذا اگر ظلم ہوتا تو حق تعالیٰ نگہبانی کیوں فرماتے کہیں فرشتے مقرر ہیں اور کہیں اعضاء نگہبانی کے لئے دیئے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ ظلم بھی نہیں ہے بس نہ ظلم ہے اور نہ جبر ہے بلکہ ہر شے کو اس کے مناسب ہی شے دی گئی ہے خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

روز آخر شد سبق فردا بود	راز مارا روز کے گنجا بود
شام ہو گئی، سبق کل ہو گا	ہمارے راز کی دن میں گنجائش کہاں ہے؟

یعنی دن آخر ہو گیا سبق کل کو ہو گا اور ہمارے راز کے لئے دن کب گنجائش والا ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ بیان بہت طویل ہے دن اس بیان کے لئے کافی نہیں ہیں۔ لہٰذا اس کو ترک کرو۔ پھر دیکھا جاوے گا کبھی بیان کریں گے آگے ان سب کا ماحصل بیان کرتے ہیں کہ۔

حاصل آنکہ در دخول و در ایاب	در نگر واللہ اعلم بالصواب
خلاصہ یہ ہے کہ جانے اور آنے میں	غور کر لے اور اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے

یعنی حاصل یہ ہے کہ آنے میں اور جانے میں غور کرو واللہ اعلم بالصواب۔ مطلب یہ کہ ہر شے کے وجود و عدم میں غور کرو۔ اور اس سے عبرت حاصل کرو۔ باقی ٹھیک بات کی اللہ کو خبر ہے آگے مولانا پھر دنیاداروں کو خطاب فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح: بیان اس امر کا کہ عارف کو غذا نور حق سے ملتی ہے جیسا کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ارشاد نبوی ہے کہ ابیت عند ربی یطعمنی و یسقینی کہ میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں تو وہ مجھے کھلاتے پلاتے ہیں اور قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ بھوک خدا کا کھانا ہے کہ اس سے صدیقین کے ابدان زندہ رہتے ہیں یعنی بھوک میں اللہ کا کھانا پہنچتا ہے۔

جس طرح اس فقیہ نے ایک جہت سے اس اچکے کو دھوکہ میں ڈالا تھا اور ایک جہت سے اسے آگاہ کیا تھا یوں ہی دنیا بھی ہے کہ اگرچہ وہ اپنی خوبی سے دھوکہ دیتی ہے مگر اپنے ایوب کو بآواز بلند لوگوں سے بیان بھی کرتی ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ دنیا کی دو حالتیں ہیں۔ ایک بننا جس کو کون کہتے ہیں۔ دوسرے بگڑنا جسے فساد کہتے ہیں تو اس کا بناؤ تو دھوکا ہے اور بگاڑ نصیحت۔ چنانچہ اس کا بناؤ تو کہتا ہے کہ میں اچھا ہوں۔ تم میری طرف راغب ہو اور بگاڑ کہتا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں تم اس طرح کیوں متوجہ ہوتے ہو۔ جاؤ اپنا کام کرو۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ جو شخص خوبی بہار پر مٹا ہوا ہے اس سے کہہ دو کہ اے وہ شخص جو خوبی بہار کو دیکھ کر فرط لذت سے ہونٹ کاٹتا ہے تو دھوکا نہ کھا بلکہ سردی کے زمانہ اور موسم خزاں کی زردی کو بھی پیش نظر رکھ اور سمجھ کہ یہ حالت ہمیشہ نہ رہے گی بلکہ محض چند روزہ ہے علیٰ ہذا جو لوگ حسن آفتاب یا ماہتاب پر فریفتہ ہیں ان سے کہہ دو کہ تم خوشنما آفتاب کے عمدہ شکل کو دیکھتے ہو۔ مگر تم کو اس کی موت کو بھی یاد رکھنا چاہئے جو غروب کے وقت اسے حاصل ہو گی۔ یا تم نے اس خوشنما آسمان پر چودھویں رات کے چاند کو تو دیکھ لیا لیکن تم کو اس کے اس حسرت کو بھی دیکھنا چاہئے جو اس کو آفتاب کے ساتھ اجتماع کی حالت میں اپنے زوال نور پر ہو گی اور جو لوگ لڑکوں کے حسن پر مائل ہیں ان کو واضح ہو کہ ایک لڑکا جو اپنے حسن کے سبب مخلوق کا آقا اور حاکم بنا ہوا ہے۔ بڑھاپے کے وقت اس کی یہ گت بنے گی کہ اس کے حواس درست نہ رہیں گے اور یہی مخلوق اس کو بے قدر سمجھے گی۔ پس اگر تم کو ان سیم تن بتوں کے تن سیمین

نے پھانس لیا ہے تو تم کو اس کے آخری حالت پر غور کرنی چاہئے اور سوچنا چاہئے کہ یہ حسن بالکل ناپائیدار ہے۔ اور بڑھاپے کے بعد اس کی یہ حالت ہوگی کہ وہ روئی کا کھیت معلوم ہوگا اور جو شخص عمدہ غذاؤں پر فریفتہ ہے اس سے کہدو کہ اے وہ شخص جو مرغن غذاؤں کو مطمح نظر بنائے ہوئے ہے تو ذرا اٹھ اور پاخانہ جا کر ذرا ان کا فضلہ دیکھ اور اس پاخانہ سے کہہ کہ وہ تیری خوبی اور فریب اور حسن اور مرغوبی جو پہلے تھی اب کہاں ہے اور طباق میں جو تیرا ناز اور نرمی اور ایک خاص سرشت تھی یا ٹوکرے میں جو تیرا جلوہ اور نفاست اور بوتھی اب کہاں ہے۔ اس کا تجھے وہ یہ جواب دے گا کہ وہ حسن و خوبی ایک دانہ تھی اور میں ایک جال تھا اور مقصود تیرا پھانسنا تھا۔ جب تو پھنس گیا تو وہ دانہ پردہ عدم میں مستور ہوگا۔ جب یہ حالت ہے تو کیا یہ مناسب ہے کہ عمدہ غذاؤں کو مطمح نظر بنایا جاوے ہرگز نہیں۔ اور دیکھو بہت سی ایسی انگلیاں جن پر کاریگری میں استادوں کو رشک ہوتا تھا ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کانپنے لگیں اور کچھ بھی کام نہ دے سکیں۔ علیٰ ہذا بہت سی نشیلی آنکھیں جو نرگس کے مشابہ اور جان کی طرح محبوب تھیں دیکھ لو کہ وہ چندھی ہوگئیں اور ان سے پانی جاری ہوگیا نیز وہ بہادر جو شیروں کی صف میں گھس جانے والے ہیں ضعف سے ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ کمزور انہیں دبا لیتے ہیں نیز ایک پیشہ ور کی تیز اور دوربین طبیعت کی یہ حالت ہوتی ہے کہ بڈھے گدھے کی طرح مسلوب الحواس ہو جاتی ہے۔ ایضاً مشکبار اور عقل چھین لینے والے زلف و گیسو آخر میں بڈھے گدھے کی دم ہو جاتے ہیں۔ اب تم خوب غور کرو کہ ابتداء ان زلفوں اور گیسوؤں وغیرہ کا بناؤ نہایت خوش آئند ہے اور انجام ان کا بگاڑ اور خرابی ہے۔ پس چونکہ دنیا تم کو اپنا جال دکھا چکی ہے اور سینکڑوں ناقصوں کی تمہارے سامنے مونچھیں اکھیڑ چکی یعنی ان کو ذلیل و خوار کر چکی ہے۔ لہٰذا اب تم یہ نہ کہنا کہ مجھے دنیا نے اپنے مکر سے دھوکا دے لیا ورنہ میری عقل اس کے جال میں نہ آتی کیونکہ جب وہ اپنی حالت ظاہر کر چکی ہے تو پھر دھوکا کیسا۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب ہم مضمون سابق کی تکمیل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو لوگوں کو طوق زریں اور بدھیاں اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ مگر انجام ان کا یہ ہے کہ طوق و زنجیر ہو جاتے ہیں چنانچہ حق سبحانہ فرماتے ہیں۔ سیطوقون مابخلوا به یوم القیمۃ مقصہ کوتاہ تم دنیا کی ایک ایک چیز کو فرداً فرداً گن جاؤ اور ان کے ابتدا و انتہا پر نظر کرو۔ ہر ایک کا انجام تمہیں فساد ہی پاوے گا۔ پس جو لوگ آخرت کو دیکھتے ہیں وہ سعادت مند ہیں اور جو لوگ دنیا پر نظر کرتے ہیں اور آخرت سے غافل ہیں وہ مردود ہیں۔ پس تم دنیا کی ہر مرغوب چیز کا منہ ایسا سمجھو جیسے چاند کا لہٰذا تم اول ہی پر قناعت نہ کرو بلکہ اس کے آخر کو بھی دیکھو یعنی جس طرح چاند کا ایک حصہ منور ہوتا ہے اور دوسرا تاریک یوں ہی مرغوبات دنیویہ کی بھی ابتدا دلکش ہے مگر آخر خراب۔ پس تم صرف اول ہی پر قناعت نہ کرو بلکہ آخر کو بھی دیکھو تا کہ تم ابلیس کی طرح کانے نہ ہو۔ کیونکہ اس کی یہی حالت ہے کہ وہ آدھا حصہ دیکھتا ہے اور آدھے کو نہیں دیکھتا۔ چنانچہ اس نے آدم علیہ السلام کی مٹی تو دیکھی اور دین نہ دیکھا اور انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین کہدیا اور اس نے ان کی ناسوتیت تو دیکھی مگر ان کو غیب میں نہ دیکھا۔ دیکھو مردوں کو جو عورتوں پر فضیلت ہے وہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ ان میں قوت زیادہ ہے یا یہ ان سے زیادہ کما سکتے ہیں اور جائیدادیں پیدا کر سکتے ہیں ورنہ قوت کے اعتبار سے تو ہاتھی اور شیر کو انسان سے افضل ہونا چاہئے تھا بلکہ مردوں کو عورتوں پر اس لحاظ سے فضیلت ہے کہ مرد بہ نسبت عورتوں کے زیادہ انجام بین ہوتے ہیں۔ پس جو مرد عاقبت بینی میں ناقص ہیں وہ عاقبت بین لوگوں سے یوں ہی کم ہوں گے جیسے عورتیں مردوں سے ہے۔ الحاصل دنیا سے دو مختلف آوازیں نکلتی ہیں۔ دیکھئے تم کس کو سنتے اور کس

پر کار بند ہونے کے لئے مستعد ہوتے ہوان دونوں میں سے ایک آواز کی خاصیت تو یہ ہے کہ پرہیز گار اس سے زندہ ہوتے ہیں اور دوسری آواز سے بدبخت لوگ فریب کھاتے ہیں اور یہ دو آوازیں شگوفوں اور کانٹوں یعنی مطلوبات وھرد ب عنہا کی آوازیں ہیں۔ پس تم شگوفہ اور خار دونوں کی آوازیں سنو اسکے بعد خار کی آواز کے تابع ہو جاؤ اور شگوفہ کی آواز کو چھوڑ دو۔ خار تو کہتا ہے کہ خبردار پھول کے پاس نہ پھٹکنا کیونکہ یہ بے وفا ہے اور تھوڑے عرصہ میں گر جائے گا اور میں کانٹوں کی شاخ رہ جاؤں گا۔ اور شگوفہ کہتا ہے کہ دیکھ یہ گلفروش موجود ہے تو مجھے خریدلے مگر کانٹا روکتا ہے اور کہتا ہے کہ دیکھ ہماری طرف رخ نہ کرنا کیونکہ تجھے میں تو مطلوب نہیں بلکہ پھول مطلوب ہے اور پھول تھوڑے عرصہ میں فنا ہو جاوے گا اور میں رہ جاؤں گا پس تجھے خواہ مخواہ حسرت ہوگی۔ پس یہ دو آوازیں مختلف ہیں جن میں سے صرف تم ایک کو قبول کر سکتے ہو۔ اب اگر تم نے شگوفہ کی آواز کو قبول کر لیا تو کانٹے کی آواز کے قبول کرنے سے رہ گئے اور اگر کانٹے کی آواز قبول کر لی تو شگوفہ کی آواز قبول کرنے سے رہ گئے۔ کیونکہ جو آواز تم کو محبوب ہوگی دوسری آواز اس کی ضد ہوگی اور قاعدہ ہے کہ محب اپنے محبوب کی ضد سے بھرا ہوتا ہے لہذا وہ نتیجہ لازم ہے جو بیان کیا گیا ہے۔ جب یہ صورت ہے تو تم کو اس آواز کو قبول کرنا چاہئے جو مفید ہے اور ہم بتلا چکے ہیں کہ وہ کانٹے کی آواز ہے لہذا اسی کو قبول کرنا چاہئے۔ اب ہم اسی مضمون کو دوسرے عنوان سے بیان کرتے ہیں تا کہ خوب ذہن نشین ہو جاوے۔ سنو ہم نے بیان کیا ہے کہ اشیاء دنیویہ کی دو آوازیں ہیں ایک تو یہ کہ میں موجود ہوں اور میری موجودہ حالت لائق قبول ہے اس لئے مجھے قبول کر لو۔ اور دوسری آواز یہ ہے کہ میری موجودہ حالت سے دھوکہ نہ کھاؤ بلکہ میرے نتیجہ اور انجام کو دیکھو اور چونکہ میرا انجام اچھا نہیں ہے اس لئے مجھے قبول نہ کرو۔ میری موجودہ حالت مثل ایک فریب اور گھات کے ہے۔ لہذا تم کو مجھ سے بچتے رہنا چاہئے اور میرے نتیجہ کی صورت کو میری ابتداء کے آئینہ میں دیکھنا چاہئے۔ یہ تو اشیاء دنیویہ کی دو حالتیں تھیں۔ اب سمجھو کہ ابتدا و انتہا کی یہ آوازیں بمنزلہ دو گونوں کے ہیں۔ پس تم جس گون میں داخل ہو جاؤ گے دوسرے کے خلاف اور اس کے نا قابل ہو جاؤ گے۔ پس تم کو چاہئے کہ ان میں سے ایک کو خوب سمجھ کر اختیار کرو اور ہم تم کو بتلاتے ہیں کہ بڑے مزہ ہیں اس کے جس نے ابتداہی میں وہ آواز یعنی آواز انجام سن لی جس کو اہل اللہ کی عقول اور کانوں نے سنا ہے اور اس آواز نے خانہ دل کو اپنے مزاحم سے خالی پا کر اس میں گزر کیا اور اس کی ضد اس کو نا زیبا اور عجیب معلوم ہونے لگی۔ پس تم کو اسی آواز کو سننا چاہئے اور اسی گون میں داخل ہونا چاہئے۔ دیکھو اگر تم اس آواز کو ابتداءً نہ سنو گے اور اس کی ضد کو دل میں جگہ دو گے تو اس کا نکلنا نہایت دشوار ہوگا کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب نیا لوٹا پیشاب کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے تو اس ناپا کی کو پانی اس سے جدا نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کے لئے ضرورت ہوتی ہے کہ اسے آگ میں ڈالا جاوے۔ اس بناء پر اس کے دور کرنے کے لئے تم کو بھی مجاہدات شاقہ کی ضرورت ہوگی چونکہ یہاں کوزہ کے پیشاب کو جذب کر۔ نہ کا ذکر آ گیا اس لئے اب مولانا جذب کی بحث کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بیان بالا سے تم کو معلوم ہوا کہ کوزہ پیشاب کو جذب کرتا ہے مگر یہ امر کچھ کوزہ ہی کے ساتھ مختص نہیں بلکہ عالم کی تمام اشیاء میں تجاذب ہے اور عالم میں ہر چیز اپنے مناسب دوسری چیز کو کھینچتی ہے۔ چنانچہ کفر کافر کو کھینچتا ہے اور ہدایت مہتدی کو وھکذا القیاس جب یہ معلوم ہو چکا تو اب سمجھو کہ عالم میں کہربا بھی ہے اور مقناطیس بھی یعنی اچھے اور برے دونوں کے جاذب موجود ہیں اور مقصود اس کا یہ ہے کہ آدمی خواہ گھاس اور متمسکن ہو یا لوہا اور قسی القلب۔ بہرحال پھندے میں پھنس

جاوے پس اگر وہ لوہا ہوگا تو مقناطیس اسے کھینچ لے گا اور اگر گھاس ہوگا تو کہربا کو لپٹ جاوے گا چنانچہ دیکھ لو جو شخص کہ اچھے لوگوں کا دوست نہیں وہ بدکاروں کا ہمنشین ہے۔ اور جو شخص کہ کانٹوں یعنی برے لوگوں کی صحبت اختیار کرتا ہے وہ انہیں ذلیل کانٹوں کے پہلو میں جا کر بیٹھتا ہے اور اہل اللہ کے پاس نہیں جاتا برخلاف اس کے جو لوگ فجار سے متنفر ہیں وہ اہل اللہ کی صحبت اختیار کرتے ہیں اور ان کے ندیم اور جلیس ہیں غرض کہ جذب و انجذاب سے کوئی خالی نہیں بلکہ ہر ایک اپنے ہم جنس کو جاذب اور اس کی طرف منجذب ہے۔ نیز موسیٰ علیہ السلام قبطی کی نظر میں مذموم ہیں اس لئے وہ ان سے گریزاں ہے اور ہامان سبطی کی نظر میں نہایت مردود ہے اس لئے وہ اس سے گریزاں ہے اور ہاماں قبطی کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام سبطی کو اپنی جانب کھینچتے ہیں۔ علیٰ ہذا معدۂ خر گھاس کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور معدۂ انسان گیہوں کے عرق کو غرض کہ ہر چیز اپنی مجانس کو جاذب اور متضاد کو دافع ہے۔ جب یہ امر معلوم ہو گیا تو اب ہم تم کو ایک نہایت مفید اصول بتلاتے ہیں خوب غور سے سنو۔ وہ اصول یہ ہے کہ اگر تم کو اپنی تیرہ دروئی کے سبب کسی کی حالت نہ معلوم ہو تو یہ دیکھو کہ وہ کس کی طرف مائل ہے اور اس نے کس کو اپنا پیشوا بنا رکھا ہے۔ پس اگر اس نے کسی اچھے کو پیشوا بنا رکھا ہے تو سمجھو کہ وہ طبیعت سلیم رکھتا ہے اور اگر اس نے کسی برے کو پیشوا بنایا ہے تو سمجھو کہ فاسد المزاج ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ قاعدہ ہے کہ بچہ اپنی ماں کے پیچھے چلتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی جنس معلوم ہو جاتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ پیروی دلیل مجانست ہے پس ہمارا دعویٰ ثابت ہے نیز آدمی چونکہ شریف ہے اس لئے اس کو غذا بھی مقام شریف یعنی سینہ سے ملتی ہے اور گدھا چونکہ خسیس ہے اس لئے اس کو غذا بھی مقام خسیس یعنی نصف اسفل سے ملتی ہے یہ بھی ثبوت ہے ہمارے دعوے کا کیونکہ اس سے ثابت کہ انجذاب ہر شے کا اپنے مجانس اور مناسب کی طرف ہوتا ہے اور ہر شے اپنے مناسب کو جاذب ہے اب سمجھو کہ یہ عجیب بات ہے کہ باوجود اختلاف و تفاوت اغذیہ کے نہ جبر ہے اور نہ ظلم۔ بلکہ تقسیم کرنے والے کا سراسر عدل اور اس کی منصفانہ تقسیم ہے کیونکہ اگر جبر ہوتا تو متغذی کو تقویت غذا پر ندامت کیوں ہوتی۔ پس یہ ندامت خود دلیل ہے اس کی کہ وہ خود اس کا طالب ہے اور اگر ظلم ہوتا تو حفاظت چہ معنی دارد۔ کیونکہ ظلم مقتضی ہے ترک حفاظت کو پس حفاظت کیسی۔ اچھا اب دن ختم ہو گیا آگے کل پڑھنا ہمارے اسرار ایسے کہاں ہیں جو ایک دن میں ختم ہو جائیں۔ خلاصہ تمام گفتگو کا یہ ہے کہ تم کو چاہئے کہ جس چیز کو تم اختیار کرو اور جس کو چھوڑو اس کے نتیجہ کو دیکھ لو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شرح شبّیری

خطاب با مغروران دنیا و گرفتاران نفس

دنیا سے دھوکہ کھانے والوں اور نفس کے قیدیوں سے خطاب

اے بکردہ اعتماد و اثقی	بردم و بر چاپلوسی فاسقی
اے مضبوط بھروسہ کئے ہوئے	ایک فاسق کے فریب اور چاپلوسی پر

یعنی اے وہ شخص جو کہ ایک فاسق کے دھوکہ اور چاپلوسی پر مضبوط بھروسہ کئے ہوئے ہے۔

قبۂ برساختستی از حباب	آخر آں خیمہ است بروا ہی طناب
تونے بلبلے کا قبہ بنایا ہے	بلاشبہ وہ خیمہ کمزور رسیوں والا ہے

یعنی تونے ایک قبہ بلبلے کا بنایا ہے آخر کار وہ خیمہ بہت ہی کمزور طنابوں پر ہے۔ مطلب یہ کہ اے شخص تو نے جو دنیادار فاسق و فاجر کی باتوں پر بھروسہ کر رکھا ہے یہ اعتماد بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی بلبلہ کا خیمہ بنادے تو ظاہر ہے کہ وہ خیمہ بہت ہی کمزور اور واہی ہوگا۔ اسی طرح تمہارا یہ اعتماد بھی واہی اور بے بنیاد ہے۔

رزق چوں برق است اندر نور آں	راہ نتوانند دیدن رہرواں
مکر برق کی طرح ہے اس کی روشنی میں	راستہ چلنے والے راستہ نہیں دیکھ سکتے ہیں

یعنی مکر بجلی کی طرح ہے کہ اس کے نور میں راہ چلنے والے راہ نہیں چل سکتے۔ مطلب یہ کہ اس دنیا کا مکر و فریب ایسا ہے جیسا کہ بجلی کی چمک کہ بجلی کی چمک میں جس طرح کوئی راہرو راہ نہیں چل سکتا۔ اسی طرح اس مکر و فریب کے ذریعہ سے راہ حق طے نہیں ہو سکتی۔

ایں جہاں و اہل او بے حاصل اند	ہر دو اندر بیوفائی یک دل اند
یہ دنیا اور دنیا دار بے نتیجہ ہیں	بے وفائی میں دونوں ہم رائے ہیں

یعنی یہ جہان اور اس کے اہل سب بے حاصل ہیں اور دونوں بیوفائی میں ایک دل ہیں یعنی دنیا اور اہل دنیا سب کے سب بیوفا ہیں اور دونوں کی حالت یکساں ہے۔

زادۂ دنیا چو دنیا بیوفاست	گرچہ رو آرد بتو آں رو قفاست
دنیا کی پیداوار دنیا کی طرح بے وفا ہے	اگرچہ وہ تیری طرف رخ کرے وہ چہرہ گدی ہے

یعنی دنیادار دنیا ہی کی طرح بے وفا ہے اگرچہ وہ تیری طرف منہ لاوے وہ منہ گدی ہی ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح دنیا بے وفا ہے اسی طرح اہل دنیا بھی بے وفا ہیں اور اگرچہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا میں راہ راست پر چل رہے ہیں مگر جو دنیا میں راہ راست دکھلائی دیتی ہے وہ اصل میں اور حقیقت میں کج ہوتی ہے۔

اہل آں عالم چو آں عالم زبر	تا ابد در عہد و پیماں مستمر
اس جہان والے اس جہان کی طرح نیکی کی وجہ سے	ہمیشہ کے لئے عہد اور پیمان پر قائم ہیں

یعنی اس عالم والے اس عالم ہی کی نیکی کی وجہ سے ہمیشہ تک عہد و پیماں میں مستمر ہیں۔ مطلب یہ کہ اس جہان والے بے وفا نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنے عہد و پیماں میں پختہ ہوتے ہیں ان کو کسی سے حسد یا بے وفائی وغیرہ نہیں ہوتا۔ آگے اس کے نظائر فرماتے ہیں کہ۔

خود دو پیغمبر بہم کے ضد شدند	معجزات ہمدگر کے بستدند
دو پیغمبر آپس میں کب مخالف ہوتے ہیں؟	آپس میں ایک دوسرے کے معجزے کب چھینتے ہیں؟

یعنی دو پیغمبر کب آپس میں ضد ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کے معجزات کو کب لیا۔ مطلب یہ کہ دیکھو پیغمبر جو اس جہان والے ہیں ان کو آپس میں ضد نہیں ہوتی۔ اور ایک دوسرے کے معجزات پر حسد نہیں ہوتا کہ ایک یوں سمجھے کہ میں دوسرے کے معجزے لے لوں۔ بلکہ ہر شخص دوسرے کی خوشی کو اپنی خوشی پر مقدم اور دوسرے کی راحت کو اپنی راحت پر مقدم سمجھتا ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

کے شود پژمردہ میوہ آنجہاں	شادی عقبےٰ نگردد اندہاں
اس عالم کا پھل کب خراب ہوتا ہے؟	آخرت کی خوشی غم نہیں بنتی ہے

یعنی اس جہاں کے میوے پژمردہ کب ہوتے ہیں اور آخرت کی شادی غم کب ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ طاعات سے جو ثمرات ملتے ہیں وہ کبھی پژمردہ نہیں ہوتے۔ علیٰ ہذا وہاں کی خوشی کو غم زائل نہیں کر سکتا بلکہ ہمیشہ خوشی ہی رہتی ہے۔

نفس بے عہد است زاں رو کشتنی است	اودنی و قبلہ گاہ اودنی است
نفس بے وفا ہے اس لئے گردن زدنی ہے	وہ کمینہ ہے اور اس کا قبلہ گاہ (بھی) کمینہ ہے

یعنی نفس بے وفا ہے اس لئے قابل مار ڈالنے کے ہے۔ وہ کمینہ ہے اور اس کا قبلہ گاہ (یعنی دنیا) بھی کمینہ ہی ہے۔

نفسہا را لائق است ایں انجمن	مردہ را در خور بود گور و کفن
نفسوں کے لئے یہ انجمن مناسب ہے	گور و کفن مردے کے لئے مناسب ہوتا ہے

یعنی نفوس کیلئے یہی انجمن (یعنی دنیا) لائق ہے کہ گور و کفن مردہ ہی کے مناسب ہوا کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ گور و کفن مردہ ہی کے مناسب ہے زندہ کو کوئی گور و کفن نہیں دیتا اسی طرح یہ دنیا بھی نفس ہی کے مناسب ہے روح کا مسکن یہ نہیں ہے۔

نفس اگر چہ زیرک است و خوردہ داں	قبلہ اش دنیا است او را مردہ داں
نفس اگرچہ ذہین اور نکتہ داں ہے	اس کا قبلہ دنیا ہے اس کو مردہ سمجھ

یعنی نفس اگرچہ ہوشیار اور باریک باتوں کا جاننے والا ہو (لیکن) اس کا قبلہ (چونکہ) دنیا ہی ہے اس کو مردہ ہی جانو۔ مطلب یہ کہ نفس اگر چہ کتنا ہی ہوشیار اور چالاک ہو مگر چونکہ اس کا قبلہ وکعبہ دنیا ہے اس لئے وہ بمنزلہ مردہ ہی کے ہے۔ اس کی زیرکی اور ہوشیاری کو زندگی نہ کہیں گے کیونکہ اس کو حیات اصلی حاصل نہیں ہے تو وہ بمنزلہ مردہ ہی کے ہے۔ آگے بعض نفوس کو مستثنےٰ فرماتے ہیں کہ۔

آب وحی حق بدیں مردہ رسید	شد ز خاک مردۂ زندہ پدید
اللہ کے الہام کا پانی اس مردے کو پہنچا	مردہ خاک سے زندہ پیدا ہو گیا

یعنی وحی حق کا پانی جو اس مردہ کو پہنچا تو خاک مردہ سے زندہ ظاہر ہو گیا۔ مطلب یہ کہ اگر اس نفس کو وحی حق کا پانی مل گیا تو وہ بھی زندہ ہو گیا اور اس کو حیات ابدی حاصل ہو گئی۔

تا نیاید وحی زو غرہ مباش	تو بداں گلگونۂ طال بقاش
جب تک اللہ (تعالیٰ) کا الہام نہ آئے اس سے دھوکہ نہ کھا	"اس کی عمر دراز ہو" کے غازے سے

یعنی جب تک کہ حق تعالیٰ کی طرف سے وحی نہ آوے تو اس طال بقاش کے پوڈر سے مغرور مت ہو۔ (طال بقاش سے مراد نفس دعا ہے) مطلب یہ کہ لوگ جو تم کو دعائیں دیتے ہیں اور تمہاری تعریفیں کرتے ہیں تم اس سے مغرور مت ہو جانا بلکہ اپنی حالت کو وحی حق کے مطابق کرو۔ اگر اس کے مطابق ہے تو ٹھیک ہے اور اگر مطابق نہیں ہے تو بہتر نہیں ہے ان کی تعریفوں سے مغرور مت ہو بلکہ۔

بانگ و صیتے جو کہ آں خامل نشد	تاب خورشیدے کہ آں آفل نشد
وہ آواز اور شہرہ چاہ جو کبھی گمنام نہ ہو	اس سورج کی چمک (چاہ) جو کبھی غروب نہیں ہوتا ہے

یعنی وہ آوازہ اور ذکر خیر ڈھونڈو جو گمنام نہ ہو اور اس خورشید کی چمک (ڈھونڈو) جو کہ غروب نہ ہو۔ مطلب یہ کہ وہ اصلی حالات تلاش کرو جن کو زوال نہ ہو اور وہ ظاہر ہے کہ احوال باطن ہی ہیں آگے اضداد دنیا کی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

آں ہنر ہائے دقیق و قال و قیل	قوم فرعون اند اجل چو آب نیل
نازک ہنر اور قیل و قال	فرعون کی قوم ہیں موت دریائے نیل کی طرح ہے

یعنی دنیا کے دقیق ہنر اور قال و قیل قوم فرعون ہیں اور موت آب نیل کی طرح ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا کے بڑے بڑے دقیق ہنروں کی مثال قوم فرعون جیسی ہے کہ گمراہ و گمراہ کن ہیں اور ان کے لئے موت آب نیل کی طرح ہے کہ جس آب نیل نے ان سب کو ہلاک کر دیا تھا اسی طرح موت ان سب کو ہلاک کر دیتی ہے یہاں ایک تاریخی فائدہ بھی معلوم کرنا چاہئے کہ بظاہر آب نیل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوم فرعون دریائے نیل میں غرق ہوئے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ نیل تو مصر کے بالکل کنارہ ہی پر تھا اور فرعون نے بنی اسرائیل کو مصر سے بہت آگے نکل کر پایا ہے پھر قرآن شریف میں لفظ یم وغیرہ ہے۔ جس کے معنی دریا کے نہیں ہیں بلکہ فرعون سمندر میں غرق ہوا ہے اور اس کو آب نیل اس لئے کہا کہ قاعدہ ہے کہ جب پانی گہرا ہوتا ہے تو اس کا رنگ نیلا معلوم ہوا کرتا ہے اور اگر بہت ہی زیادہ گہرا ہو تو رنگ سیاہ معلوم ہوا کرتا ہے تو چونکہ جہاں یہ غرق ہوا ہے اس کا رنگ نیلا تھا اس لئے مولانا نے اور ایک جگہ شیخ سعدیؒ نے بھی آب نیل سے اس کو تعبیر کیا ہے۔ خوب سمجھ لو۔ چونکہ یہاں دنیا کے کاموں کو قوم فرعون سے مثال دی ہے اس لئے آگے فرماتے ہیں کہ۔

رونق و طاق و طرنب و سحر شاں	گرچہ خلقاں را کشد گردن کشاں
ان کی رونق اور شان و شوکت اور جادو	اگرچہ لوگوں کو زبردستی کھینچتے ہیں

یعنی ان کے جادو کی رونق اور ترق بھڑک اگرچہ مخلوق کو گردن کشاں کھینچ رہی ہیں۔ (مگر)

سحر ہائے ساحراں داں جملہ را	مرگ چوبے داں کہ آں شد اژدہا
سب کو جادو گروں کے جادو سمجھ	موت کو وہ عصا سمجھ جو اژدھا بنا

یعنی سب کو جادوگروں کا جادو جانو اور موت ایک لکڑی ہے جو کہ اژدہا ہو گئی۔

جادوئیہا را ہمہ یک لقمہ کرد	یک جہاں پر شب بداں را صبح خورد
(اس نے ان) سب جادوؤں کو ایک لقمہ بنا لیا	ایک دنیا رات سے بھری تھی جس کو صبح نے نگل لیا

یعنی تمام جادوؤں کو ایک لقمہ کر گیا ایک جہاں پر شب تھا اس کو صبح کھا گئی۔ مطلب یہ کہ چونکہ یہ کام قوم فرعون کی طرح ہے تو ان کی چمک دمک کو دیکھ کر تم ان پر فریفتہ مت ہو جانا۔ بلکہ ان کو صرف جادوگروں کا جادو سمجھو کہ انہوں نے نظر بندی کر رکھی ہے اس وجہ سے یہ اشیاء ذیشان اور پر رونق معلوم ہوتی ہیں ورنہ جس طرح وہ لاٹھی اژدہا بن کر سب کو ہضم کر گئی تھی اسی طرح موت ان سب چیزوں کو فنا کر دے گی۔ اور اس کے بعد پھر کوئی چیز باقی نہ رہے گی۔ اور پھر ایسی مثال ہو جاوے گی جیسے کہ رات کے بعد صبح آ دے تو رات کا کہیں نام و نشان نہیں رہتا۔ ایک دم غائب ہو جاتی ہے اسی طرح موت سے یہ سب چیزیں فنا ہو جاتی ہیں آگے ایک فائدہ استطرادا بیان فرماتے ہیں کہ۔

نور ازاں خوردن نشد افزون وبیش	بل ہماں سانست کو بودہ است پیش
اس کھانے سے نور افزوں اور زیادہ نہ ہوا	بلکہ اسی طرح سے ہے جیسا کہ پہلے تھا

یعنی نور اس کھالینے سے زیادہ نہیں ہوا بلکہ اتنا ہی ہے جتنا کہ پہلے تھا۔

در اثر افزوں شد و درذات نے	ذات را افزونی و آفات نے
اثر میں اضافہ ہوا ذات میں نہیں	ذات کے لئے بڑھاؤ اور گھٹاؤ نہیں ہے

یعنی اثر میں زیادتی ہوئی ذات میں نہیں ہوئی ذات کے لئے زیادتی کمی نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ نور نے جو صبح کو کھا لیا یا اژدہا نے ان سانپوں کو کھا لیا اس کھا لینے سے ان چیزوں میں کوئی زیادتی نہیں ہوئی اس لئے کہ منطق کا مسئلہ ہے کہ لا تشکیک فی الماھیات تو ذات میں زیادتی کمی نہیں ہوتی۔ یہ تو کل ذوات کے لئے تھا کہ کسی میں زیادتی کمی نہیں ہوتی۔ آگے خاص ذات حق کی نسبت فرماتے ہیں کہ۔

حق ز ایجاد جہاں افزوں نشد	انچہ اول آں نبود اکنوں نشد
دنیا کے پیدا کرنے سے اللہ (تعالیٰ) میں اضافہ نہیں ہوا	جو کچھ پہلے نہ تھا اب (بھی) نہ ہوا

یعنی حق تعالیٰ ایجاد جہان سے زیادہ نہیں ہوئے جو وہ اول نہیں تھے اب نہیں ہوئے۔

لیک افزوں شد اثر ز ایجاد خلق	درمیاں ایں دو افزونیست فرق
دنیا کو پیدا کرنے سے نشان میں اضافہ ہوا	ان دونوں اضافوں میں فرق ہے

یعنی لیکن ایجاد خلق سے اثر میں زیادتی ہو گئی ہے اور ان دونوں زیادتیوں میں بہت فرق ہے۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے تمام عالم کو پیدا کیا اس سے ذات حق میں (نعوذ باللہ) کوئی زیادتی نہیں ہوئی اور کوئی بات اس ایجاد خلق سے ذات حق میں ایسی پیدا نہیں ہو گئی کہ جو پہلے نہ تھی۔ بلکہ آلآن کما کان اس کی ذات میں کوئی زیادتی یا

کی ممکن ہی نہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ ہاں ایجاد خلق سے اثر ظاہر ہوا یعنی صفات حق کا ظہور ہو گیا جیسا کہ اظہر ہے اور ظہور اثر و صفات میں اور زیادتی فی الذات میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہاں وہ کہاں یہ اور چونکہ یہاں کہا تھا کہ لیک افزوں شد اثر تو آگے خود ہی افزونی اثر کے معنی بیان فرماتے ہیں کہ۔

شد افزونی اثر اظہار او	تا پدید آید صفات وکار او
نشان کی زیادتی اس (ذات) کا اظہار ہوئی	تاکہ اس کی صفت اور صنعت کا ظہور ہوئی

یعنی اثر کی زیادتی اس کا اظہار ہے تاکہ اس کی صفات اور کام ظاہر ہوں۔ مطلب یہ کہ افزونی اثر سے مراد اظہار اثر ہے تاکہ اس اظہار سے صفات حق ظاہر ہوں جیسا کہ ارشاد ہے۔ کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق تو دیکھئے ایجاد خلق سے مقصود معرفت تھی کہ عالم کو دیکھ کر استدلال وجود صانع پر کریں اور پھر معرفت حاصل ہو۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہست افزونی ہر ذات دلیل	کو بود حادث بعلتہا علیل
ہر ذات میں زیادتی دلیل ہے	کہ وہ حادث ہے (اور) علتوں کی وجہ سے ناقص ہے

یعنی ہر ذات کی زیادتی دلیل ہے کہ وہ حادث ہے اور علتوں کے ساتھ علیل ہے۔ مطلب یہ کہ ذات میں جو تغیر تبدل ہوتا ہے یہ تغیر تبدل اس امر پر دال ہے کہ وہ ذات حادث ہے اور معلل بعلت ہے۔ جب تو اس میں یہ تغیر تبدل ہو رہا ہے ورنہ ذات حق جو کہ قدیم ہے اس میں یہ تغیر وغیرہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ظاہر ہے چونکہ یہ مضامین مشکلہ دقیقہ ہو گئے تھے اس لئے آگے فرماتے ہیں کہ۔

نکتہ شد باریک اینجا اے رفیق	لیک بشنو تو مقالات دقیق
اے دوست! اس مقام پر نکتہ باریک ہو گیا	لیکن تو باریک باتیں سنتا رہ

یعنی اس جگہ اے ساتھی نکتے باریک ہو گئے لیکن تو باریک باتوں کو سن۔ مطلب یہ کہ یہ باتیں تو بہت باریک ہیں کہ سمجھ میں نہیں آتیں۔ تم ان کو تو چھوڑو اور دوسرے نازک اور لطیف مضامین سنو۔ جو سمجھ میں بھی آویں۔ آگے آیت فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ کی تفسیر کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ جب حق آیا تو باطل مٹ گیا اور اس کا ربط اوپر کے مضمون سے ہے کہ اوپر بیان کیا تھا کہ امور دنیا امور آخرت کے آگے بالکل ہیچ ہیں چونکہ مولانا کا ذہن اس مضمون کی طرف منتقل ہوا تھا اسی لئے فرمایا تھا کہ یہ باتیں بہت باریک ہو گئی ہیں ان کو چھوڑ کر اور نازک اور لطیف باتیں سنو ان سے وہی ترجیح الآخرۃ علی الدنیا کا مضمون بیان کرنا تھا اور اسی کے مناسب آگے مضمون ہے۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح: چونکہ مولانا ترک دنیا کی ترغیب دے رہے تھے اور بیچ میں تقسیم طعام و جذب وانجذاب

کی بحث استطراداً آ گئی تھی۔ اس لئے اس سے فارغ ہو کر پھر مضمون سابق کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اے وہ شخص جو اہل دنیا کی مکر اور ان کی چکنی چپڑی باتوں پر پورا بھروسہ کیے ہوئے ہے یاد رکھ کہ تو نے اپنے لئے بلبلہ کا خیمہ بنایا ہے اور یہ خیمہ آخر میں نہایت کمزور ثابت ہوگا کیونکہ یہ چاپلوسی محض فریب ہے اور فریب یوں ہی بے سود ہوتا ہے جیسے برق کہ گو وہ روشن ہوتی ہے مگر اس سے چلنے والو کو راستہ نہیں معلوم ہو سکتا۔ تجھے جاننا چاہئے کہ یہ عالم ناسوت اور اس کے وابستگان کسی مصرف کے نہیں اور دونوں بے وفائی میں متفق ہیں اور ابناء دنیا یوں ہی بے وفا ہیں جیسے خود دنیا اگر وہ تیری طرف متوجہ بھی ہوں تو بھی اس توجہ کو اعراض سمجھنا چاہئے کیونکہ یہ محض چند روزہ ہے اور انجام اس کا اعراض ہے برخلاف اہل دنیا کے اہل عقبیٰ اپنی نیکی سے عقبیٰ کی طرح اپنے عہد و پیماں پر ثابت قدم ہیں اور کبھی بیوفائی نہیں کرتے۔ اہل عقبیٰ کی وفاداری کا ثبوت تو یہ ہے کہ دو پیغمبر آپس میں کبھی مخالف نہیں ہوتے اور انہوں نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ ایک نے دوسرے کا معجزہ چھینا ہو۔ برخلاف اہل دنیا کے کہ وہ ایک دوسرے کی دولت کے درپے رہتے ہیں اور عقبیٰ کی وفاداری کا ثبوت یہ ہے کہ اس جہاں کے میوے پژمردہ نہیں ہوتے۔ اور اس کی خوشی مبدل بہ غم نہیں ہوتی۔ برخلاف دنیا کے کہ اس کو میووں اور اس کی خوشی میں یہ بات نہیں۔ پس تم دنیا اور اہل دنیا کو چھوڑو اور عقبیٰ اور اہل عقبیٰ سے تعلق پیدا کرو اور یاد رکھو کہ نفس بھی بدعہد اور بے وفا ہے اس لئے یہ بھی مارنے کے قابل ہے۔ پس تم اسے بھی مارو اور اس سے وابستگی نہ پیدا کرو۔ کیونکہ یہ خود بھی خسیس ہے اور اس کا مطمح نظر یعنی دنیا بھی خسیس ہے اس لئے شرفاء کو اس سے تعلق رکھنا اور اس کی اطاعت کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ اور نہ اس کے مطمح نظر یعنی دنیا سے تعلق رکھنا زیبا ہے کیونکہ یہ محفل تو انہیں لوگوں کے مناسب ہے جو غلبہ نفس سے سراپا نفس ہو گئے ہیں کیونکہ وہ مردہ ہیں اور یہ ان کے لئے بمنزلہ گور و کفن کے ہے۔ اور گور و کفن مردہ کے مناسب ہے نہ کہ زندہ کے یاد رکھو کہ نفس کتنا ہی دانا اور باریک بین ہو۔ لیکن چونکہ اس کا مطمح نظر دنیا ہے اس لئے وہ مردہ ہی ہے ہاں جبکہ وحی حق کا آب حیات اس تک پہنچتا ہے اور وہ مرجع نور الہام حق بنتا ہے اس وقت یہ مردہ مٹی سے زندہ ہو کر نکلتا ہے لیکن جب تک حق سبحانہ کی طرف سے وحی نہ آئے یعنی وہ محل انوار و الہامات نہ بنے اس وقت تک لوگوں کے اس کہنے سے کہ اس شخص کے بقا اور اس کا وجود بہت دنوں سے ہے دھوکہ نہ کھانا چاہئے اور ان لوگوں کے اس کی طرف وجود اور بقا کو منسوب کرنے سے اسے زندہ نہ سمجھنا چاہئے اس لئے کہ یہ حیات ظاہری محض ایک پاؤڈر ہے۔ جو عنقریب فنا ہونے والا ہے جس کے فنا ہونے کے بعد یہ شہرت بھی فنا ہو جائے گی۔ (پس گلگونہ طال بقاش میں اضافت بادنے ملابست ہے اور حاصل گلگونہ کہ منشاء قولہم طال بقاءہٗ ہے اور طال بقاءہ جملہ خبریہ ہے نہ کہ دعائیہ واللہ اعلم) پس تم کو وہ شہرت طلب کرنی چاہئے جو کبھی مضمحل نہ ہوگی اور وہ اسی وقت حاصل ہوگی جبکہ حیات ابدی حاصل ہو۔ لہٰذا حیات ابدی حاصل کرنی چاہئے۔ جو نور حق کے حصول سے حاصل ہوتی ہے پس تم کو اس آفتاب کی روشنی حاصل کرنی چاہئے جو کبھی غروب نہ ہوگا اور اس وجہ سے وہ روشنی بھی دائم رہے گی۔ تاکہ تم کو حیات دائم حاصل ہو اب ہم تم کو ان اشیاء دنیویہ کی حقیقت بتلاتے ہیں جو منشاء ہیں تمہارے دنیا کے ساتھ وابستگی کا سو سنو کہ وہ نازک پیشہ اور تحقیق علوم دنیویہ وغیرہ ہیں۔ نازک پیشوں اور تحقیقات علمیہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ بمنزلہ قوم فرعون کے ہیں اور موت آب نیل کی طرح ان کو فنا کر دینے والی ہے اور ٹیپ ٹاپ اور شان و شوکت اور ان کا افسوں یہ سب کو لوگوں کو

خواہی نخواہی اپنی طرف مائل کرتے ہیں لیکن ان سب کی مثال ایسی ہے جیسے ساحران فرعون کی جادوگریاں اور موت ایک لاٹھی ہے جو اژدہا بن کران سب جادوگریوں کو کھا جاتی ہے۔ اور اس کے ان سب کو نگل جانے کی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے ایک جہاں تاریکی شب سے پر ہو۔ اور صبح اس تمام تاریکی کو کھا جاوے۔ اب یہاں ہم تم کو ایک فائدہ زائد بتلانا چاہتے ہیں وہ یہ کہ گو نور اس تمام تاریکی کو کھا جاتا ہے جو تمام عالم کو پر کیے ہوئے تھی مگر نور میں اس کھانے سے کچھ بھی زیادتی نہیں ہوتی بلکہ وہ اسی طرح رہتا ہے جیسا کہ پہلے تھا اس کے اثر میں تو زیادتی ہوتی ہے مگر اس کی ذات میں کچھ زیادتی نہیں ہوتی کیونکہ نفس ذات قابل زیادت ونقص نہیں اگر کسی امر خارج کے سبب ذات میں اضافہ ہو تو وہ دوسری بات ہے دیکھو عالم کے پیدا کرنے سے حق سبحانہ کے اندر کوئی اضافہ نہیں ہوا اور جو وہ پہلے نہ تھے اس ایجاد سے وہ نہ ہو گئے مگر ایجاد عالم سے اثر میں بیشک زیادتی ہوئی لیکن اثر ذات کی زیادتی اور چیز ہے اور نفس ذات کی زیادتی اور شے ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ پس ایجاد عالم سے نفس ذات حق سبحانہ میں تو کوئی زیادتی نہ ہوئی۔ ہاں اس کے اثر میں زیادتی ہوئی اور وہ زیادتی اثر اس ذات کا ظہور ہے کہ ایجاد عالم سے افعال وصفات ظاہر ہوئیں اور ظہور افعال وصفات ظہور ذات ہے۔ ذات واجب سے ہم نے زیادتی کی اس لئے نفی کی کہ قبول زیارت کی صورت میں اس کا حادث ہونا لازم آوے گا۔ اس لئے کہ ہر ذات کی زیادتی دلیل ہے اس کی کہ وہ حادث اور معلول علل ہے کیونکہ افزونی ذات بختہ کے یہ معنی ہیں کہ اس کا کوئی جز پہلے معدوم ہو اور پھر موجود ہو جاوے۔ پس یہ جز لامحالہ حادث ہوگا اور جب ایک جز حادث ہوا تو کل بھی ضرور حادث ہوگا۔ نیز لازم ہے کہ وہ ذات قبل اس جزو کے ناقص ہو اور نقصان منافی ہے وجوب کے اس لئے لازم ہے کہ جس قدر ذات پہلے موجود تھی وہ بھی حادث ہو اور چونکہ ہر حادث معلول ہے اس لئے لازم ہے کہ وہ بھی معلول ہو۔ یہ ایک باریک بات ہے اور کچھ ضروری بھی نہیں اس لئے اس کو چھوڑ دینا چاہئے اور دیگر باریک اور مفید مضامین سننے چاہئیں۔

فائدہ:۔ واضح ہو کہ "ذات را" افزونے وآفات نے" ایک حکم عام ہے جو شامل ہے واجب وممکن دونوں کو اور یہ ایک دلیل مستقل سے ثابت ہے جس کو مولانا نے کسی وجہ سے بیان نہیں فرمایا۔ اور قبول زیارت سے لزوم حدوث یہ دلیل مختص ہے۔ ذات واجب تعالیٰ کے ساتھ اور ذوات ممکنہ کی عدم قبول زیادت سے اسے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ انکا عدم قبول زیادت دوسری دلیل سے ثابت ہے جس کو مولانا نے بیان نہیں فرمایا۔ اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے اور دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔

شرح شبّیری

تفسیر آیہ فاوجس فی نفسہ خیفۃً موسیٰ قلنا لاتخف انک انت الاعلیٰ

"پس موسیٰ اپنے دل میں ڈرے ہم نے کہا تو نہ ڈر یقیناً تو اعلیٰ ہے" آیت کی تفسیر

گفت موسیٰ سحر ہم حیراں کنی است	چوں کنی کایں خلق را تمیز نیست
(حضرت) موسیٰ نے کہا جادو بھی حیران کن ہے	میں کیا کروں ان میں تمیز نہیں ہے؟

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جادو بھی ایک حیران کن چیز ہے۔ تو میں کیونکر کروں کہ مخلوق کو تمیز نہیں ہے۔
مطلب یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے جادوگروں سے مقابلہ کیا تو وہ کہنے لگے کہ اے اللہ لوگوں کو تمیز تو ہے نہیں اور جس طرح معجزہ ایک حیران کن شے ہے اسی طرح سحر بھی ایک عجیب چیز ہے تو یہ لوگ دونوں کو ایک سمجھیں گے تو اب میں کیا کروں اور کس طرح ان لوگوں کے سامنے معجزہ اور سحر میں فرق دکھلاؤں۔ اس پر ارشاد حق ہوتا ہے۔

گف حق تمیز را پیدا کنم	عقل بے تمیز را بینا کنم
اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا میں تمیز پیدا کر دوں گا	بے تمیز عقل کو بصارت دے دوں گا

یعنی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمیز کو پیدا کر دوں گا اور بے تمیز کی عقل کو بینا کر دوں گا۔

چونکہ معجزہات را ظاہر کنم	عقل را در دیدنش فاخر کنم
جب تمہارے معجزوں کو ظاہر کروں گا	عقل کو ان کے دیکھنے میں قابل فخر بنادوں گا

یعنی میں جب آپ کے معجزات کو ظاہر کروں گا تو عقل کو ان کے دیکھنے کے لئے فخر والی کر دوں گا۔

دیدہ بخشم عقل بے تمیز را	کور سازم جاہل نا چیز را
بے تمیز عقل کو بینائی بخش دوں گا	ناچیز جاہل کو اندھا بنا دوں گا

یعنی میں عقل بے تمیز کو آنکھ بخش دوں گا اور جاہل بے قدر کو اندھا بنادوں گا۔ مطلب یہ کہ حکم حق ہوا کہ اے موسیٰ (علیہ السلام) میں جب آپ کے معجزات کو ظاہر کروں گا تو ان کو جادو سے الگ کرنے اور تمیز دینے کے لئے لوگوں کی عقول کو درست اور بینا کر دوں گا کہ وہ ان میں فرق کرلیں گے ہاں جو بالکل ہی جاہل ہوگا اور وہ اپنی اصلاح چاہے ہی گا نہیں جس کا ہم کو پہلے سے علم ہے تو اس کو ہم ہدایت نہ کریں گے بلکہ اور زیادہ اندھا بنادیں گے اور ارشاد ہے کہ۔

گرچہ چوں دریا برآورد ند کف	موسیا تو غالب آئی لا تخف
اگرچہ وہ دریا کی طرح جھاگ نکال رہے ہیں	اے موسیٰ! تم غالب آؤ گے خوف نہ کرو

یعنی اگرچہ یہ لوگ دریا کی طرح جھاگ لائے ہیں (مگر) اے موسیٰ تم ہی غالب آؤ گے ڈرومت۔
مطلب یہ کہ اگرچہ یہ ساحرین بے انتہا ہیں مگر ان سب پر تم اکیلے غالب آجاؤ گے لہذا کوئی خوف کی بات نہیں ہے۔

بود اندر عہد خود سحر افتخار	چوں عصا شد مار آنہا گشت عار
جادو اپنے زمانہ میں باعث فخر تھا	جب لاٹھی سانپ بنی وہ ذلت بن گیا

یعنی جادو اپنے زمانہ میں قابل فخر تھا (مگر) جب عصا سانپ ہوا تو وہ سب (سحر) قابل عار ہو گئے یعنی اس کے آگے سب بے قدر اور فضول ہو گئے۔

ہر کسے را دعوے حسن و نمک	سنگ مرگ آمد نمکہا را محک
ہر شخص کو حسن اور ملاحت کا دعویٰ ہے	موت کا پتھر ملاحتوں کی کسوٹی ہے

یعنی ہر شخص کو حسن و نمک کا دعویٰ ہے اور موت کا پتھر ان نمکوں کے لئے کسوٹی ہے۔ مطلب یہ کہ ہر شخص اپنے حسن و نمک پر فخر کرتا ہے مگر جب موت آتی ہے اس وقت سب کی حالت کھل جاتی ہے کہ کون حسین و نمکین ہے اور کون نہیں ہے۔ تو موت سب کے لئے کسوٹی کی طرح ہے۔

ہر دو را از بام بود افتاد طشت	سحر رفت و معجزہ موسیٰ گذشت
دونوں وجود میں مشہور ہو گئے	جادو چلا گیا اور (حضرت) موسیٰ کا معجزہ بھی گزر گیا

یعنی سحر گیا اور موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ گزر گیا اور دونوں کا طشت کوٹھے پر سے گر چکا تھا۔ یعنی دونوں مشہور ہو چکے تھے۔

بانگ طشت دین بجز رفعت نماند	بانگ طشت سحر جز لعنت نماند
دین کے طشت کی آواز بلندی کے سوا نہ رہی	جادو کے طشت کی آواز لعنت کے سوا نہ رہی

یعنی جادو کے طشت کی آواز تو بجز لعنت کے نہیں رہی اور دین کے طشت کی آواز بجز رفعت کے نہیں رہی۔ مطلب یہ کہ دونوں مشہور ہوئے مگر جادو کی شہرت کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس پر اور زیادہ لعنت ہوئی اور معجزہ موسوی کا یہ نتیجہ ہوا کہ آج تک دین کی رفعت ہو رہی ہے اور مرتبہ بڑھتا چلا جا رہا ہے تو دیکھو کہ اب دونوں کے فنا ہونے کے بعد موت کی کسوٹی نے دونوں کی اصلی حالت کو ظاہر کر دیا۔ آگے مولانا مدعیان کمال کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ۔

در صف آ اے قلب اکنوں لاف زن	چوں محک پنہاں شد است از مرد و زن
اے کھوٹے! میدان میں آ جا اب شیخی بگھار	جب مرد و زن سے کسوٹی چھپ گئی ہے

یعنی جب مرد و زن سب سے کسوٹی پوشیدہ ہو گئی ہے تو اے کھوٹے صف میں آ اور اب شیخی بگھار۔

می برندت از عزیزے دست دست	وقت لافستت محک چوں غائب است
تجھے لوگ عزت سے ہاتھوں ہاتھ لے جاتے ہیں	تیرے لئے شیخی بگھارنے کا وقت ہے جبکہ کسوٹی غائب ہے

یعنی جبکہ کسوٹی غائب ہے تو تیری شیخی کا وقت ہے کہ لوگ تجھے عزت سے ہاتھوں ہاتھ لے جا رہے ہیں۔

چوں محک آمد چرا گشتی کبود	ہر دمت عزے و نازے در فزود
جبکہ کسوٹی آ گئی تو کالا کیوں ہو گیا؟	ہر وقت تیری عزت اور ناز میں اضافہ ہوا

یعنی ہر دم تیری عزت اور ناز بڑھ رہا تھا۔ جب کسوٹی آ گئی تو تو زرد کیوں ہو گیا۔ (چونکہ موت کو اوپر کسوٹی سے تشبیہ دی تھی تو یہاں مدعی کمال کو زر قلب سے تشبیہ دی ہے اور کامل حقیقی کو زر خالص سے مطلب یہ کہ مولانا خطاب فرماتے ہیں کہ اے مدعی کمال ابھی موت جو تیری قلعی کھول دے گی ظاہر نہیں ہوئی اور ابھی تجھ تک نہیں پہنچی تو ایسے وقت میں تو خوب شیخی بگھار لے کہ اس وقت تو لوگ تجھے خوب عزت کی نظر سے دیکھیں گے اور ہاتھوں ہاتھ لے جاویں گے اس وقت تو یہ حالت ہو گی پھر خطاب فرماتے ہیں کہ میاں کھوٹے کچھ روز ہوئے تو تمہاری عزت و ناز بڑھتا چلا جا رہا تھا اور تم خوب سرخرو رہتے تھے۔ اب جو کسوٹی مرگ آئی تو تم زرد اور بے عزت کیوں

ہو گئے ہو یعنی وہ تمہارا سارا کمال کہاں جا تا رہا حقیقت کھلتے ہی سارے کمالات دیکھے تو سراسر عیوب تھے۔ آگے کاملین اصلی کا مقولہ بزبان زر خالص نقل فرماتے ہیں کہ۔

قلب می گوید ز نخوت ہر دمم	اے زر خالص من از تو کے کمم
کھوٹا تکبر سے ہر وقت مجھ سے کہتا ہے	اے خالص سونے ! میں تجھ سے گھٹیا کب ہوں؟

یعنی کھوٹا مجھ سے نخوت کی وجہ سے ہر دم کہہ رہا ہے کہ اے زر خالص میں تجھ سے کب کم ہوں۔ مطلب یہ کہ مدعیان کمال کاملین کی برابری کا دعویٰ کرتے ہیں تو۔

زر ہمی گوید بلے اے خواجہ تاش	لیک می آید محک آمادہ باش
سونا کہتا ہے ہاں، اے دوست!	لیکن کسوٹی آ رہی ہے تیار ہو جا

یعنی زر خالص کہتا ہے کہ ہاں بھائی (ٹھیک ہے) لیکن کسوٹی آتی ہے (کسے جانے کے لئے) آمادہ رہنا۔ مطلب یہ کہ کاملین اس کے جواب میں یہ فرماتے ہیں کہ ہاں بھائی تم میری بالکل برابر بلکہ مجھ سے بڑھے ہی ہوئے ہو مگر کسوٹی آنے والی ہے اس وقت سب کی حقیقت کھل جاوے گی تو ذرا تیار رہنا تاکہ کسوٹی پر رکھے جانے سے تمہارے کمالات خوب خوب ظاہر ہوں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

مرگ تن ہدیہ است بر اصحاب راز	زر خالص را چہ نقصان ست گاز
جسم کی موت راز والوں کا تحفہ ہے	خالص سونے کو قینچی سے کیا نقصان؟

یعنی بدن کی موت اصحاب راز کے لئے تو ہدیہ ہے۔ زر خالص کو قینچی سے کیا نقصان۔ مطلب یہ کہ ظاہری تن کی موت اولیاء اللہ کے لئے بطور ہدیہ کے ہے۔ تو بھلا ہدیہ سے کسی کو نقصان بھی پہنچا ہے ان کی مثال زر خالص جیسی ہے جیسا کہ ابھی معلوم ہوا۔ تو بھلا زر خالص کو اگر کاٹ دیا جاوے تو کیا اس میں کوئی نقصان آوے گا۔ ہرگز نہیں بلکہ اس سے تو اور بھی اس کا کمال ظاہر ہوگا کہ اوپر سے گرد وغیرہ بیٹھ گئی تھی اس لئے وہ چمک باقی نہ رہی تھی اور اب اندر سے چمکتا دمکتا نکل آیا۔ اسی طرح اس تن ظاہر کے ملنے کی وجہ سے کاملین کے نور روحانی پر ایک حجاب پڑ گیا تھا اور گرد بیٹھ گئی تھی موت کے بعد ان کے کمالات ظاہر ہوئے اور وہ نور روحانی چمکا۔ بخلاف کھوٹے سونے کے کہ اگر اس کو کاٹا جاوے تو اندر سے سیاہ نکلے گا اس لئے کہ اس کی ٹیپ ٹاپ تو اوپر ہی اوپر سے ہے اندر تو جیسے ہیں سب جانتے ہیں اسی طرح مدعیان کاذب بھی اول تو اپنے دعاوے باطلہ سے اپنے بازار کمال کو خوب رونق دیتے ہیں مگر جب موت آتی ہے اس وقت تمام کمالات زائل ہو کر اندر سے سیاہ باطن نکل آتے ہیں۔ والعیاذ باللہ اللھم احفظنا منہ آگے فرماتے ہیں کہ۔

قلب اگر در خویش آخر بیں بدے	آں سیہ کاخر شد او اول شدے
کھوٹا اگر اپنا انجام بیں ہوتا	جو سیاہ (روئی) آخر میں ہوئی شروع میں ہو جاتی

یعنی کھوٹا اگر اپنی حالت میں آخر میں ہوتا تو جو سیاہ کہ آخر میں ہوا ہے اول ہو جاتا۔

چوں شدے اول سیہ اندر لقا	دور بودے از نفاق و از شقا
اگر شروع میں سیاہ رو ہو جاتا' ملاقات کے وقت	نفاق اور بدبختی سے دور ہو جاتا

یعنی جب اول ہی لقا میں سیاہ ہو جاتا تو نفاق اور شقاوت سے دور ہو جاتا۔

کیمیائے فضل را طالب بدے	عقل او برزرق او غالب بدے
بزرگی کی کیمیا کا طالب ہوتا	اس کی عقل اس کے مکر پر غالب ہوتی

یعنی کیمیائے فضل کا طالب ہوتا تو اس کی عقل اس کے مکر پر غالب ہوتی۔ مطلب یہ کہ یہ مدعیان کاذب اگر اول ہی اپنے انجام میں نظر کرتے اور یہ جانتے کہ یہ ہمارا کمال ظاہری ایک دن کھلے گا اور پھر سب میں رسوائی ہو گی اور یہ سیاہی باطن ایک دن رنگ لانے والی ہے تو وہ اول ہی مجاہدات و ریاضات کر کے اپنے دعوے کمالات کو فنا کر دیتا تو آج اس نفاق و شقاوت سے چھوٹ کر کیمیائے فضل کا طالب ہوتا۔ تو فضل ہو جاتا اور مکر پر عقل غالب ہو جاتی۔ جیسا کہ زر خالص اول آگ میں پڑتا ہے تو اس پر جو میل کچیل مٹی وغیرہ لگ جاتی ہے وہ سب الگ ہو کر اندر سے چمکتا ہوا سونا نکل آتا ہے۔ اسی طرح کاملین اول میں مجاہدات و ریاضات سے رذائل نفس کو دور فرماتے ہیں جو کہ مٹی وغیرہ کی طرح تھے تب وہ آج کامل ہوتے ہیں۔ اور ان پر فضل حق مبذول ہوتا ہے مگر چوں کہ اس مدعی کاذب نے ایسا نہیں کیا لہذا یہ کورے کے کورے ہی رہے۔

چوں شکستہ دل شدے از حال خویش	جابرا شکستگاں دیدے بہ پیش
جب...... اپنی حالت پر رنجیدہ ہوتا	(دل) ٹوٹے ہوؤں کو جوڑنے والا' سامنے دیکھ لیتا

یعنی اگر اپنے حال پر شکستہ دل ہوتا تو شکستہ دلوں کے جوڑنے والے کو سامنے دیکھتا۔ مطلب یہ کہ اگر یہ کھوٹا شکستگی اختیار کرتا اور دعوے کو چھوڑتا تو حق تعالیٰ کسی شیخ کامل کو جو شکستہ دلوں کے جوڑنے والا ہوتا اس کے ہدایت کے لئے بھیج دیتے۔ اور یہ بھی کامل اصل ہوتا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

عاقبت را دید او اشکستہ شد	از شکستہ بند در دم بستہ شد
اس نے انجام کو دیکھا اور شکستہ (دل) ہوا	ٹوٹے کو جوڑنے والے کی طرف فوراً جڑ گیا

یعنی جس نے کہ انجام پر نظر کی وہ تو شکستہ ہو گیا بند شکستگی سے فوراً بستہ ہوا۔ مطلب یہ کہ جس نے انجام بینی اور شکستگی اختیار کر کے دعوے کو ترک کر دیا تو اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ آج وہ شکستگی سے چھوٹ گیا اور شیخ کامل نے آ کر اس کو بھی کامل بنا دیا۔

فضل مسہا را سوئے اکسیر راند	آں زر اندود از کرم محروم ماند
(اللہ کے) فضل نے تانبے کو کیمیا کی جانب روانہ کر دیا	وہ ملمع شدہ' کرم سے محروم ہو گیا

یعنی فضل نے تانبوں کو اکسیر کی طرف چلایا اور جھول والا کرم سے محروم رہا۔ مطلب یہ کہ جو اپنے کو ناقص کہہ

رہے تھے اور دعوے کمال نہ کر رہے تھے فضل حق نے ان کو تو شیوخ کے پاس پہنچا دیا۔ جو اکسیر کی طرح تھے اور یہ تانبے کی طرح تھے لہذا اکسیر سے ملنے سے یہ بھی سونا ہو گئے اور جو اول ہی سے مدعیان کمال تھے وہ ویسے کے ویسے ہی رہے اس لئے کہ جب وہ اول ہی سے مدعی کمال ہیں پھر ان کو کامل بنانے کی کوئی حاجت نہ سمجھی گئی مگر چونکہ اصل میں تو کامل نہ تھے لہذا فضل حق سے محروم رہے اور کوئی شیخ کامل نہ مل سکا جیسے کہ جھول چڑھا ہوا تانبا ہوتا ہے کہ اس کو سونا سمجھ کر کوئی اکسیر کے پاس نہیں لے جاتا کیونکہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو خود ہی سونا ہے مگر ایک دن وہ جھول بھی اتر جاتا ہے اور تانبا کا تانبا رہ جاتا ہے لہذا خدا کے لئے دعوے ترک کرو اور انکساری اور تواضع اور شکستگی اختیار کرو کہ فضل و کرم تم پر مبذول ہو۔ اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

اے زراندودہ مکن دعویٰ بہ بیں	کہ نماند مشتریت ایں چنیں
اے ملمع شدہ دعویٰ نہ کر دیکھ	کہ تیرا خریدار ہمیشہ ایسا اندھا نہ رہے گا

یعنی اے سونے کے جھول والے دیکھ دعویٰ مت کر کیونکہ تیرے خریدار اسی طرح اندھے نہ رہیں گے بلکہ۔

نور محشر چشم شان بینا کند	چشم بندی ترا رسوا کند
قیامت کا نور ان کی آنکھوں کو بینا کر دے گا	تیری نظر بندی کو رسوا کر دیگا

یعنی نور محشر ان کی آنکھ کو بینا کر دے گا اور تیری نظر بندی کو رسوا کر دے گا۔ مطلب یہ کہ اے مدعی کاذب آج تو ان لوگوں کو بہکا کر اپنے کمالات کا معتقد بنالے مگر یاد رکھ کہ ایک دن ان کی آنکھ بھی کھلنے والی ہے اور قیامت کے روز اصل حالات منکشف ہونے والے ہیں اس روز تیری اس نظر بندی کی حقیقت اور تیرا یہ دعویٰ کاذب ان کو معلوم ہوگا تو بہت فضیحتہ ہوگا۔ اور سب کے سامنے رسوائی ہوگی لہذا تم اول ہی سے اپنے انجام کو سوچ کر ترک دعویٰ کر دو کیونکہ انجام بینی میں بڑے بڑے فائدے ہیں اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

بنگر آنہا را کہ آخر دیدہ اند	حسرت جانہا و رشک دیدہ اند
ان کو دیکھ لے جنھوں نے آخرت کو مدنظر رکھا ہے	وہ جانوں کے لئے (باعث) حسرت اور آنکھوں کے لئے (باعث) رشک ہیں

یعنی آخر بیں لوگوں کو دیکھو کہ وہ جانوں کے محسود اور آنکھوں کے لئے قابل رشک ہیں۔ مطلب یہ کہ دیکھو جو حضرات انجام بیں ہیں۔ ان کو دیکھو کہ اس انجام بینی کی بدولت آج محسود ارواح مقدسہ اور قابل رشک ہو گئے ہیں تو اگر تم بھی انجام بیں ہو گے تم کو بھی یہ مرتبہ حاصل ہو جاوے گا۔

منگر آنہارا کہ حالے دیدہ اند	سر فاسد ز اصل سر ببریدہ اند
آنکھ نہ دیکھ کہ جنھوں نے موجود کو دیکھا ہے	فاسد راز اصل راز سے کتر لیا ہے

یعنی ان لوگوں کو مت دیکھو جنہوں نے کہ موجودہ حالت ہی پر نظر کی ہے اور سر فاسد کو اصلی سر سے قطع کر لیا ہے مطلب یہ کہ جو لوگ حالت موجودہ کو دیکھنے والے ہیں اور انہوں نے اس عالم سے قطع تعلق کر لیا ہے اور دنیا ہی

میں منہمک ہو گئے ہیں ان کو مت دیکھو اور ان جیسے مت بنو اس لئے کہ۔

پیش حالے بیں کہ در جہل است وشک	صبح صادق صبح کاذب ہر دو یک
موجود کو دیکھنے والے کے لئے جو نادانی اور شک میں ہے	صبح صادق اور صبح کاذب دونوں ایک ہیں

یعنی دیکھو موجودہ حالت کو دیکھنے والے کے سامنے جو کہ جہل وشک میں مبتلا ہے صبح صادق اور صبح کاذب دونوں ایک ہیں۔ (حالانکہ)

صبح کاذب صد ہزاراں کارواں	داد و برباد ہلاکت اے جواں
صبح کاذب نے لاکھوں قافلوں کو	اے جوان! ہلاکت سے برباد کیا ہے

یعنی اے جوان صبح کاذب نے لاکھوں قافلے برباد کر کے ہلاک کر ڈالے (صبح صادق سے مراد حق اور کاذب سے باطل) مطلب یہ کہ جو شخص انجام بیں نہیں ہے اور اس کی نظر صرف موجودہ حالت ہی پر ہے اس کے نزدیک حق و باطل دونوں ایک ہی ہیں۔ اس کو دونوں میں کچھ بھی تمیز نہیں ہوتی۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ باطل نے لاکھوں کو گمراہ کیا ہے جیسے کہ صبح کاذب کو اگر کوئی قافلہ صبح صادق سمجھ کر چل کھڑا ہو تو رہزن اس کو لوٹ لیتے ہیں۔ اور ہلاک ہو جاتا ہے اسی طرح باطل نے لاکھوں کو برباد کیا ہے تو اس کی خطا یہ ہے کہ ان دونوں میں یہ فرق وتمیز نہیں کرتا اور اگر خود تمیز نہیں تھی تو کسی ایسے کی تلاش کرتا جس کو تمیز ہوتی تو وہ تم کو بھی باتمیز کر دیتا لہذا اب جس طرح ہو سکے حق کو طلب کرو اور باطل کو ترک کرو اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

صبح صادق را طلب کن اے عزیز	تاز صدق او شوی صاحب تمیز
اے پیارے! صبح صادق کو طلب کر	تاکہ تو اس کی سچائی کے ذریعہ تمیز دار بن جائے

یعنی اے عزیز صبح صادق کو طلب کرتا کہ اس کے صدق کی بدولت تو صاحب تمیز ہو جاوے مطلب یہ کہ جب حق کو تلاش کر لو گے تو اس کی برکت سے تمہارے باطن میں ایک نور پیدا ہوگا اور وہ نور تم کو حق تک رہنما ہو جاوے گا اور جو چیزیں کہ باطل بصورت حق ہیں ان کو پہچان سکو گے ورنہ اگر وہ نور باطن حاصل نہ ہوگا تو ان کی پہچان ہونا بہت مشکل ہے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

نیست نقدے کش غلط انداز نیست	وائے آں جان کش محک وگاز نیست
کوئی کھرا ایسا نہیں ہے جس کے لئے غلطی میں مبتلا کرنے والا (سکہ) نہ ہو	اس جان پر مصیبت ہے جس کے پاس کسوٹی اور گاز نہیں ہے

یعنی کوئی نقد ایسا نہیں ہے کہ اس کا کوئی غلط انداز نہ ہو تو اس جان پر افسوس ہے جس کے پاس کسوٹی اور قینچی نہ ہو۔ مطلب یہ کہ ہر کھرے کی صورت میں کھوٹے اور حق کی صورت میں باطل ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔ پس ضرورت اس کی ہے کہ ان میں پہچان ہو اور شناخت کر کے باطل کو چھوڑا جاوے اور حق کو لیا جاوے مگر وہ شخص بڑا قابل حسرت ہے کہ جس کو اس کی پہچان کی کسوٹی یعنی نور باطن حاصل نہ ہو لہذا اول وہ نور حاصل کرو اور وہ حاصل

ہوتا ہے اہل نور کی خدمت سے لہذا کسی شیخ کامل کو تلاش کر کے اس کے قدموں میں جا پڑو تا کہ تم کو وہ نور باطن حاصل ہو جاوے اور تم بھی صاحب نور اور صاحب تمیز ہو جاؤ۔ آگے اس غلام کے قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ۔

باز رو سوئے غلام و کتبتش	کو سوئے شہ می نویسد نامہ خوش
غلام اور اس کے (رقعہ) لکھنے کی طرف واپس چل	کہ وہ عجیب رقعہ شاہ کو لکھتا ہے

یعنی پھر غلام اور اس کے خط (کے قصہ) کی طرف چلو۔ کہ وہ بادشاہ کو ایک خط خوش لکھ رہا ہے (خوش کہہ دینا بطور طعن کے ہے) مطلب یہ کہ اس کے قصہ کو بیان کرو۔ اتنا کہہ کر مولانا کو پھر جوش ہوا اور اوپر جو مدعی کے دعوے کی خرابی بیان فرمائی ہے آگے بھی اس کو زجر کے طور پر فرماتے ہیں کہ میاں اس دعوے کو ترک کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ ابھی اس غلام کا قصہ رہ گیا جوش میں اس مضمون کو بیان فرمانے لگے ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح: چونکہ اوپر عصائے موسیٰ کے سحر ہائے فرعون کو نگل جانے کا ذکر تھا اس مناسبت سے مولانا مضمون ذیل تحریر فرماتے ہی۔ اور کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے حق سبحانہ سے عرض کیا کہ اے اللہ جادو بھی دنگ کر دینے والی شے ہے، جس طرح کہ معجزہ پس ایسی حالت میں نہایت پریشان ہوں کہ کیا کروں جس سے لوگوں کو معجزہ اور جادو میں تمیز ہو جاوے کیونکہ ان لوگوں میں قوت ممیزہ نہیں ہے جو دونوں میں امتیاز کر سکتی ہے۔ اس کے جواب میں حق سبحانہ نے فرمایا کہ میں تمیز کو پیدا کر دوں گا اور ان کی غیر ممیز عقول کو بینا کر دوں گا تا کہ یہ معجزہ اور جادو میں امتیاز کر سکیں اور جبکہ میں آپ کے معجزے ظاہر کروں گا تو اس کے ساتھ عقول کو ان کے دیکھنے کا فخر بھی بخشوں گا اور میں عقول غیر ممیزہ کو چشم بصیرت عطا کروں گا لیکن یہ حکم کلی نہیں بلکہ اکثری ہے کیونکہ معاندوں کو بینا نہ کروں گا بلکہ ان کو اور اندھا کر دوں گا۔ پس آپ مطمئن رہیں اور کچھ خوف نہ کریں کیونکہ اگر یہ لوگ دریا کی طرح جوش زن ہیں مگر غالب آپ ہی ہوں گے جس سے معجزہ اور سحر کا فرق اہل بصیرت کے نزدیک واضح ہو جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور باوجودیکہ جادو اس وقت نہایت قابل فخر چیز تھا مگر جب لاٹھی اژدھا بنی تو وہ سب کا سب بجائے موجب افتخار ہونے کے موجب ننگ و عار ہو گیا۔ اب سمجھو کہ دنیا میں ہر شخص اپنے حسن و خوبی معنوی کا مدعی ہے لیکن موت کی کسوٹی ان کی تمام ادعائی محاسن کی قلعی کھول دینے والی ہے کو لوگوں کے ادعائی محاسن صورت میں محاسن حقیقیہ کے مشابہ ہوں مگر دونوں میں بہت فرق ہے دیکھو سحر فرعونی اور معجزۂ موسیٰ متشابہ تھے مگر دونوں میں بہت فرق تھا چنانچہ جادو بھی فنا ہو گیا اور معجزۂ موسیٰ بھی گزر گیا اور بام ہستی سے ہر ایک کا طشت گرا یعنی دونوں نے شہرت حاصل کی مگر باوجود اس تشابہ و اشتراک کے دونوں میں ایک بڑا مابہ الامتیاز یہ ہے کہ طشت سحر کی آواز تو لعنت اور پھٹکار رہی اور طشت دین کی آواز رفعت و منزلت رہی غرض کہ ایک نے اپنا برا اثر چھوڑا اور ایک نے اچھا پس اس تفاوت آثار سے تفاوت حقائق ہر دو بخوبی معلوم ہو سکتا ہے اب مولانا غیبت سے خطاب کی طرف التفات فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ او کھوٹے سونے یعنی مدعی حسن و کمال موت کی کسوٹی ہنوز مخفی ہے

اس لئے تو کھروں کی صف میں کھڑا ہو کر خوب شیخیاں بگھار لے۔ چونکہ ابھی کسوٹی سامنے نہیں ہے۔ اس لئے ابھی وقت ہے کہ تو شیخیاں مار لے اور لوگ تیری قدر کر کے تجھے ہاتھوں ہاتھ لے جائیں اور ہر وقت تیری عزت اور ناز بڑھتا رہے۔ لیکن جب کسوٹی آئے گی اس وقت پوچھا جاوے گا کہ آپ تو کھرے ہونے کے مدعی تھے اب سیاہ کیوں ہو گئے۔ اصلی سونا کہتا ہے کہ کھوٹا سونا مجھ سے ہر دم کہتا ہے کہ زر خالص میں تجھ سے کب کم ہوں۔ تم پوچھو گے کہ خالص سونا اس کا کیا جواب دیتا ہے پس میں کہتا ہوں کہ اس کا وہ یہ جواب دیتا ہے کہ بجا ارشاد ہے۔ لیکن کسوٹی آتی ہے ذرا اس پر کسے جانے کیلئے تیار رہئے۔ اس وقت آپ کو اپنے دعوے کی حقیقت معلوم ہوگی۔ غرض کہ موت ناقصین کے لئے مضر ہے کیونکہ ان کے نقصان کو ظاہر کرتی ہے برخلاف کل اہل اللہ کے کہ ان کے لئے ہدیہ کی طرح نافع ہے اور جس طرح سونے کو قینچی سے کچھ نقصان نہیں ہوتا بلکہ فائدہ ہوتا ہے کہ اس کا کمال ظاہر ہوتا ہے یوں ہی اہل اللہ کو موت سے ضرر نہیں ہوتا بلکہ نفع پہنچتا ہے اس کھوٹے سونے (مدعی کمال) نے سخت غلطی کی کہ انجام کو نہ سوچا اگر وہ اپنے انجام کو دیکھتا تو وہ بجائے آخر میں سیاہ ہونے کے اول ہی سیاہ ہو جاتا یعنی جو کھوٹ اس کا موت کے بعد ظاہر ہوا ہے اس کو اول ہی ظاہر کر دیتا۔ اور جب وہ اپنا کھوٹ اول ہی ظاہر کر دیتا تو نفاق اور محرومی سے دور رہتا اور فضل حق سبحانہ کا طالب ہوتا جو کیمیا کی طرح قلب ماہیت کرنے والا ہے اور اس کی عقل اس کے مکر پر غالب ہوتی اور جب وہ اپنی حالت کی خرابی کو دیکھ کر شکستہ دل ہوتا تو وہ اپنے سامنے کوئی ٹوٹوں کا جوڑنے والا دیکھتا یعنی کوئی شیخ اسے ملتا اور اس کی اصلاح کرتا جو شخص انجام بیں ہوتا ہے وہ شکستگی اور عجز و نیاز اختیار کرتا ہے اور ایسی حالت میں عادت اللہ جاری ہے کہ کوئی ٹوٹے کا درست کرنے والا یعنی شیخ کامل اسے ملتا ہے۔ جو اسکی اصلاح کرتا ہے لہذا وہ شیخ اسے بھی ملتا اور اس کی حالت درست کر دیتا۔ کرم حق سبحانہ تانبے کی مانند ناقصین اور مظہرین نقصان ہی کو شیخ کامل تک پہنچاتا ہے جو کہ بمنزلہ کیمیا کے ہے اور وہ ناقصین جو اس تانبے کی طرح جس پر سونے کا جھول پھرا ہوا ہے۔ مظہر کمال ہیں۔ وہ اس عنایت سے محروم رہتے ہیں۔ پس اے سونے کے جھول والے تانبے کی طرح ناقص مظہر کمال تو یاد رکھ کہ تیرے خریدار اور قدر دان ہمیشہ یوں ہی اندھے نہ رہیں گے۔ جس طرح کہ وہ اب ہیں۔ بلکہ نور محشر ان کی آنکھیں روشن کریگا اور تیری نظر بندی کی قلعی کھولے گا۔ اس لئے تو اپنی اس روش کو چھوڑ اور ان لوگوں پر نظر کر جنہوں نے نتیجہ پر نظر کی ہے اور اس سبب سے ارواح کے لئے موجب حسرت اور آنکھوں کے لئے موجب رشک ہو گئے ہیں۔ اور ان پر نظر مت کر جنہوں نے حالت موجودہ ہی پر نظر کی ہے اور عقل معاش کا تعلق عقل معاد سے منقطع کر دیا ہے اس لئے جو لوگ حالت موجودہ ہی پر نظر کی ہے اور عقل معاش کا تعلق عقل معاد سے منقطع کر دیا ہے۔ اس لئے جو لوگ حالت موجودہ ہی پر نظر کرتے ہیں وہ جہل اور شک میں مبتلا ہیں۔ ان کے نزدیک صبح صادق اور صبح کاذب دونوں یکساں ہیں۔ یعنی حق و باطل مشابہ بحق میں ان کو کوئی امتیاز نہیں پس ایسوں کی تقلید کرنے والے کی بھی یہی حالت ہوگی اور وہ صبح کاذب کو صبح صادق سمجھ جاوے گا یعنی باطل مشابہ بحق کو حق سمجھ جاوے گا جس کا انجام ہلاکت ہوگا۔ یاد رکھو کہ صبح کاذب نے ہزاروں قافلوں کو برباد کر دیا ہے اور باطل مشابہ حق سے دھوکہ کھا کر لاکھوں آدمی تباہ ہو چکے ہیں پس تم اس سے دھوکہ نہ کھانا اور باطل کو حق نہ سمجھنا۔ بلکہ اصلی حق کو طلب کرنا تاکہ اس کی اصلیت کے سبب تم صاحب رشد ہو جاؤ دیکھو جو نقد بھی ہے اس کے لئے اس کا ایک شبیہ بھی ہے جو لوگوں کو

اپنے ظاہر سے دھوکہ دیتا ہے اور ہر حق کے مقابلہ میں ایک باطل بھی ہے جو صورت میں اس کے مشابہ ہے پس ایسی حالت میں سخت ضرورت ہے قوت ممیزہ کی اور بڑی خرابی ہے اس کے لئے جس کے پاس قوت ممیزہ کی کسوٹی اور قینچی نہ ہو کیونکہ وہ ضرور دھوکہ کھا جاوے گا۔ اچھا اب غلام اور اس کی تحریر کی طرف لوٹنا چاہئے۔ اچھا سنو کہ اب وہ بادشاہ کو ایک بظاہر اعلیٰ درجہ کی عرضی لکھ رہا ہے یہاں تک بیان فرما کر مولانا کو پھر جوش ہوتا ہے اور اس قصہ کو چھوڑ کر پھر مدعیان باطل کی خبر لیتے ہیں۔

شرح شبّیری

زجر کردن مدعی را از دعویٰ وامر کردن او را بمتابعت انبیاء و اولیاء

جھوٹے مدّعی کو دعوے سے باز رکھنا اور انبیاء اور اولیاء کی پیروی کا حکم دینا

دین احمد را بفن درہم زدم	بو مسیلم گفت من خود احمدم
میں نے احمدؐ کے دین کو تدبیر کے ذریعہ تباہ کر دیا	مسیلمہ (کذاب) بولا میں خود پیغمبر ہوں

یعنی بو مسیلم نے کہا کہ میں خود احمد (صلے اللہ علیہ وسلم کی طرح) ہوں اور میں نے دین احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چالاکی سے درہم برہم کر دیا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو مسیلمہ کذاب نے دعویٰ نبوت کیا اور کہا کہ میں خود پیغمبر ہوں مجھے کسی کی اتباع کی حاجت نہیں ہے اور خاص کر اس دین کا اتباع کو کیا کروں گا جس کو میں نے چالاکی سے بہت سا ضرر پہنچایا ہے کہ ادھر سے لوگوں کو بہکا بہکا کر مرتد کر دیا ہے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

غرۂ اول مشو آخر نگر	بو مسیلم را بگو کم کن بطر
ابتداء سے دھوکہ نہ کھا انجام کو دیکھ	مسیلمہ (کذاب) سے کہدے کہ اکڑ نہیں!

یعنی مسیلمہ کذاب سے کہدو کہ اکڑ مت موجودہ حالت پر مغرور مت ہو انجام کو دیکھ۔

پس روے کن تا رود در پیش شمع	ہیں قلاوزی مکن از حرص جمع
اتباع کر تاکہ تو شمع کے آگے چلے	(دولت) جمع کرنے کے لالچ سے رہنمائی اختیار نہ کر

یعنی ہاں جماعت کی بڑھانے کی حرص سے رہبری مت کر اتباع اختیار کر تا کہ شمع کے آگے آگے چلے۔

کایں طرف دانہ است یا خود دامگاہ	شمع مقصد را نماید ہمچو ماہ
کہ اس جانب دانہ ہے یا جال کی جگہ	شمع ' مقصد کو چاند کی طرح روشن کر دیتی ہے

یعنی شمع چاند کی طرح مقصود کو دکھلا دیتی ہے کہ اس طرف دانہ ہے یا جال ہے۔

دیدہ گردد نقش باز و نقش زاغ	گر بخواہی ور نخواہی با چراغ
باز کی صورت اور کوے کی صورت نظر آ جاتی ہے	خواہ تو چاہے یا نہ چاہے چراغ کے ہوتے ہوئے

یعنی خواہ تم چاہو یا نہ چاہو چراغ کے ساتھ تو باز کا نقش اور کوے کا نقش ظاہر ہو ہی جاوے گا۔ مطلب یہ کہ مولانا

فرماتے ہیں کہ بومسیلم جو اتباع احمد صلے اللہ علیہ وسلم سے عار کرتا ہے اسی سے کہہ دو کہ ارے تو اس حالت موجودہ کو مت دیکھ بلکہ انجام پر نظر کر کہ اس وقت تو بے شک تیری قدر ہو رہی ہے اور تیرا بازار خوب گرم ہے مگر انجام کار جو نتیجہ ہوگا وہ ظاہر ہے کہ دین احمد صلے اللہ علیہ وسلم کو عروج اور ترقی ہوگی اور تجھے ذلت وخواری ہوگی لہٰذا انجام کو سوچ کر اس حرص سے کہ کچھ لوگ اتباع کر لیں گے تو خوب تعریفیں ہوا کریں گی اور ہم بھی بڑے لوگوں میں شمار ہونے لگیں گے۔ متبوع مت بن کہ اس میں بڑی بڑی خرابیاں ہیں تو تو اتباع اختیار کر لے تا کہ شمع ہدایت تیرے آگے آگے ہو اور تو اس کا اتباع کرتا ہوا حق وباطل کو اور نافع ومضر کو دیکھتا ہوا چلا جاوے جیسے کہ شمع ہوتی ہے کہ جب آگے شمع چلتی ہے تو راستہ صاف معلوم ہو جاتا ہے اور ہر چیز متمیز ہوتی ہے تو راستہ کو پہچان کر چلتے ہیں اسی طرح اس شمع ہدایت کے اتباع سے تم بھی بے خوف وخطر راہ حق طے کر سکو گے اور حق وباطل میں تمیز ہو جاوے گی بومسیلمہ سے مراد یہاں مولانا کی مطلق مدعی کاذب ہے تو مقصود مولانا کا یہ ہے کہ اے مدعی کمال اپنے شیخ سے الگ ہو کر مستقلاً اس راہ میں قدم مت رکھو اور ابھی متبوع مت بنے جاؤ۔ بلکہ کچھ روز تابع بن لو اس کے بعد خود ہی متبوع بن جاؤ گے پھر تو تم بچو گے اور لوگ تم کو بڑا مانیں گے اور بے اتباع کے تو یوں ہی رہو گے۔ حضرت حافظؒ اسی کو فرماتے ہیں کہ

در مکتب حقائق پیش ادیب عشق   ہاں اے پسر بکوش کہ روزے پدر شوی

مگر ہاں یہ یاد رہے کہ اگر اتباع اس نیت سے ہوا کہ ہم بڑے بن جاویں تب بھی نہ ہوگا بس اتباع محض ہو کہ جس سے مقصود رضائے حق اور کوئی مقصود نہ ہو۔ اور یہ مذہب ہو کہ۔

فراق ووصل چہ باشد رضائے دوست طلب   کہ حیف باشد از وغیرہ او تمنائے

بس اتباع شیخ سے مقصود یہی ہو کہ یہ اللہ والے ہیں۔ ان کے اتباع سے خدا راضی ہوگا۔ جب یہ نیت خالص ہوگی بس ایک وہ دن آوے گا کہ تم کامل بن جاؤ گے اور لوگ خود بخود تمہارا اتباع کریں گے اور پھر تم سچے صاحب کمال ہو گے چونکہ مصرع دیدہ گرد نقش باز ونقش زاغ میں حق کو باز سے اور باطل کو زاغ سے تشبیہ دی ہے تو آگے اہل حق اور اہل باطل کو بھی ان ہی باز وزاغ سے تشبیہ دے کر اہل باطل کی قلعی کھولتے ہیں کہ۔

بانگ بازاں سپید آموختند	گرچہ ایں زاغاں دغل افروختند
سفید بازوں کی بولی سیکھ لی ہے	اگرچہ ان کوؤں نے مکر (کا چراغ) روشن کیا ہے

یعنی اگرچہ ان کوؤں نے کھوٹ کو روشن کیا ہے اور سپید بازوں کی آواز انہوں نے سیکھ لی ہے (مگر)

راز ہد ہد کو و پیغام سبا	بانگ ہد ہد گر بیاموزد قطا
ہد ہد کا راز اور سبا کا پیغام کہاں ہے؟	کونج اگر ہد ہد کی بولی سیکھ لے

یعنی اگر قطا ہد ہد کی آواز سیکھ لے تو ہد ہد والا راز اور سبا کا پیام کہاں ہے۔ (قطا ایک جانور سنگخوار ہوتا ہے)

مطلب یہ کہ اگرچہ ان مدعیان کاذب نے کاملین کی باتیں سیکھ لی ہیں اور ان کے ملفوظات یاد کر کے لوگوں کو بہکاتے ہیں کہ ان باتوں کو سن کر ان کو بھی بزرگ سمجھا جاتا ہے مگر تم یوں تو دیکھو کہ ان کے پاس صرف زبانی جمع خرچ ہی ہے یا کچھ باطن میں بھی رکھتے ہیں اس کی ایسی مثال سمجھو کہ اگر ہد ہد کی بولی کی قطا جو سنگخوار جانور ہے نقل

اتار لے اور اسی طرح بولنے لگے تو اس بولنے سے اس کو ہد ہد نہ سمجھنا چاہئے۔ بلکہ یہ دیکھو کہ اس کو پیام سلیمانی بھی یاد ہے یا نہیں جو انہوں نے سبا میں بھیجا تھا پس اگر وہ یاد نہیں ہے تو معلوم ہو گیا کہ یہ ہد ہد نہیں۔ اسی طرح اگر ان صاحب ملفوظات میں کچھ باطنی کمال بھی ہو جو پیام سلیمانی کے مشابہ ہے تب تو ان کو اہل اللہ سمجھو ورنہ سمجھ لو کہ مدعی کاذب ہے۔ اور اس سے الگ رہو۔ اور یہ بات کہ ان میں کمال باطنی بھی ہے یا نہیں۔ خود ان کے پاس بیٹھنے سے اور ان کے پاس رہنے والوں کی حالت کو دیکھنے سے صاف معلوم ہو جاوے گا۔ پس تم کو چاہئے کہ۔

بانگ بر رستہ زبر بستہ بداں	تاج شاہاں راز تاج ہدہداں
کھلے ہوئے پروں کی آواز کو بندھے ہوئے پروں کی آواز سے پہچان لے	شاہوں کے تاج کو ہد ہد کے تاج سے (ممتاز کر لے)

یعنی چھوٹے ہوئے کی آواز میں اور بندھے ہوئے کی آواز میں اور تاج شاہی اور تاج ہد ہد میں تمیز کرو۔ مطلب یہ کہ دیکھو جو شخص ہوا و ہوس کا قیدی ہے اور جو اس سے چھوٹا ہوا ہے دونوں کی حالت میں فرق کرو اور پہچانو کہ یہ کیسا ہے۔ علیٰ ہذا ہد ہد کا بھی تاج ہوتا ہے اور شاہی تاج بھی ہوتا ہے مگر دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسی طرح کاملین اور مدعیان کاذب میں بالکل ظاہر فرق ہے جو اوپر بھی بیان ہوا اور بارہا پہلے بھی بیان ہو چکا ہے لہٰذا ان دونوں میں تمیز پیدا کرو اور حق و باطل کو تمیز کر کے حق کی طرف چلو آگے فرماتے ہیں کہ ہم جو تم کو منع کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ۔

حرف درویشاں و نکتہ عارفاں	بستہ اند ایں بیحیایاں برزباں
فقیروں کے لفظ اور عارفوں کے نکتے	ان بے حیاؤں نے زبان پر باندھ لئے ہیں

یعنی درویشوں کے ملفوظات اور عارفین کے نکتے ان بے حیاؤں نے زبان پر باندھ رکھے ہیں۔

ہر ہلاک امت پیشین کہ بود	زانکہ جندل را گماں بردند عود
پہلی امتوں کی جو تباہی ہوئی	اس لئے ہوئی کہ جندل (پتھر) کو انہوں نے اگر سمجھا

یعنی ہر پہلی امت ہلاک جو ہوئی ہے اسی لئے کہ انہوں نے پتھر کو عود سمجھ لیا مطلب یہ کہ دیکھو ان مدعیان کاذب نے بزرگوں کے ملفوظات اور نکات یاد کر لئے ہیں جس سے یہ بھی کاملین معلوم ہوتے ہیں مگر تم ان میں اور کاملین اصلی میں امتیاز کرو اور ان کو ترک کر کے کاملین اصلی کا اتباع کرو۔ اس لئے کہ پہلی امتیں جس قدر ہلاک ہوئی ہیں وہ اسی لئے ہلاک ہوئی ہیں کہ انہوں نے حق و باطل میں نافع اور مضر میں امتیاز نہ کیا۔ تو اگر تم بھی امتیاز نہ کرو گے تو کہیں تم بھی ہلاک نہ ہو جاؤ اس لئے ہم تم کو روکتے ہیں اور ان کاذبین کے اتباع سے منع کرتے ہیں اب یہاں یہ شبہ ہوا کہ جب ان پہلی امتوں کو دھوکہ ہوا اور وہ سمجھ ہی نہ سکے تو ان کو معذور سمجھنا چاہئے تھا اور معذور سمجھ کر ان کو ہلاک نہ کیا جاتا آگے اس کا جواب دیتے ہیں کہ۔

بود شان تمیز کان مظہر کند	لیک حرص و آز کور و کر کند
ان میں قوت تمیز تھی جو ظاہر کر دیتی ہے	لیکن حرص اور لالچ اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے

یعنی ان کو تمیز بھی جو ظاہر کر دیتی لیکن حرص اور لالچ اندھا اور بہرا کر دیتی ہے۔

کوری کوراں ز رحمت دور نیست	کوری حرص است کاں معذور نیست
اندھوں کا اندھا پن رحمت (خداوندی) سے دور نہیں ہے	لالچ کا اندھا پن ہے جو باعث عذر نہیں ہے

یعنی اندھوں کی کوری تو رحمت سے دور نہیں ہے اور جو کوری کہ معذور نہیں ہے وہ کوری حرص ہے مطلب یہ کہ ان لوگوں کو فطرۃً تمیز بین الحق والباطل کی استعداد تھی مگر انہوں نے اس استعداد کو خود خراب کر لیا اور حرص وہوا میں پھنس کر بالکل اندھے اور بہرے بن گئے کہ نہ تو خود دیکھ سکے اور جو کسی دوسرے نے جیسے انبیاء علیہم السلام نے دکھانا چاہا تو ان کے کلام کو سن بھی نہ سکے تو چونکہ اس کوری کو انہوں نے خود اپنے ہاتھوں لیا ہے لہٰذا یہ معذور نہیں ہو سکے اور اس کی مثال ظاہر میں دیکھ لو کہ اگر کوئی شخص قدرۃً اندھا ہو جاوے اس پر تو لوگوں کو ترس آتا ہے اور ہر شخص اس کو ضرر سے بچانے کی فکر میں ہوتا ہے مگر جو کسی کو حرص کی وجہ سے اندھوں کی طرح اپنے ضرر میں جاتے دیکھتے ہیں تو اس پر کسی کو رحم نہیں آتا بلکہ اور غصہ آتا ہے تو اسی طرح اگر ان کو حق تعالیٰ کی طرف سے فطرۃً بھی استعداد قبول حق اور تمیز بین الحق والباطل کی عطا نہ ہوتی تب تو معذور سمجھے جا سکتے تھے مگر اب تو خود ان ہی کی خطا ہے پھر خود کردہ را علاجے نیست۔ اور ایک مثال ہے کہ۔

چار میخ شہ ز رحمت دور نے	چار میخ حاسدے مغفور نے
بادشاہ کی سزا شفقت سے دور نہیں ہے	حسد کی سزا معافی کے قابل نہیں ہے

یعنی شاہی عقوبت تو رحمت سے دور نہیں ہے اور حاسدی کی عقوبت معاف کی گئی نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو اگر کوئی شخص عقوبت شاہی میں مبتلا ہو اور اس کی وجہ سے اس کو تکلیف ہو تو سب کو اس پر رحم آتا ہے اور اگر کوئی شخص حاسد ہو اور حسد کی وجہ سے اس کو تکلیف ہو تو کسی کو بھی رحم نہیں آتا۔ بلکہ اور غصہ آتا ہے اسی طرح اگر کسی شخص کو حق تعالیٰ ہی کی طرف سے استعداد نہ ملتی وہ تو معذور ہو سکتا تھا مگر ان لوگوں نے تو خود اس استعداد کو خراب کیا ہے لہٰذا بجائے معذور ہونے کے مجرم قرار دیئے جائیں گے اور فرماتے ہیں کہ۔

ماہیا آخر نکو بنگر بہ شست	بدگلوئی چشم آخر بینت بست
اے مچھلی! کانٹے کو اچھی طرح دیکھ لے	حلق کی برائی نے تیری انجام کو دیکھنے والی آنکھ بند کر دی ہے

یعنی اے مچھلی تو آخر شست کو اچھی طرح دیکھ بدگلوئی نے تیری چشم انجام بین کو بند کر دیا ہے۔ (ماہی سے مراد انسان مکلف ہے) مطلب یہ کہ اے انسان مکلف تو جس کام میں لگ رہا ہے اس کو غور سے دیکھ اور سمجھ کہ اس کا انجام کیا ہے۔ کمبخت تیری حرص نے تجھے اندھا کر دیا ہے۔ اس لئے تجھے جال نظر نہیں آتا لہٰذا آنکھ کھول اور جال کو دیکھ کر اس سے بچ اسی کو فرماتے ہیں کہ

با دو دیدہ اول و آخر بہ بیں	ہیں مباش اعور چو ابلیس لعیں
دونوں آنکھوں سے اول اور آخر کو دیکھ لے	خبردار! ملعون شیطان کی طرح کانا نہ بن

یعنی دونوں آنکھوں سے اول اور آخر کو دیکھ ہاں ابلیس لعین کی طرح کانا مت بن۔

اعور آں باشد کہ حالے دید و بس	چوں بہائم بے خبر از پیش و پس
کانا وہ ہے جو صرف موجود کو دیکھے	جانوروں کی طرح آگے اور پیچھے سے بے خبر ہو

یعنی کانا تو وہی ہوتا ہے جس نے کہ صرف موجودہ حالت کو دیکھا اور جانوروں کی طرح آگے پیچھے سے بے خبر ہے۔

چوں دو چشم گاؤ در جرم تلف	ہمچو یک چشم ست کش نبود شرف
بیل کی دونوں آنکھیں پھوڑ دینے کی سزا میں	(انسان کی) ایک آنکھ کی طرح ہیں کیونکہ ان میں شرافت نہیں ہے

یعنی جیسے کہ بیل کی دونوں آنکھیں تلف کے جرم میں بجائے ایک آنکھ کے ہیں کیونکہ اس کو شرف نہیں ہوتا۔

نصف قیمت ارزد آں دو چشم او	کہ دو چشمش راست مسند چشم تو
اس کی وہ دونوں آنکھیں آدھی قیمت کے لائق ہیں	کیونکہ اس کی دونوں آنکھوں کا سہارا تیری آنکھ ہے

یعنی اس کی وہ دونوں آنکھیں نصف قیمت کے برابر ہوتی ہیں کیونکہ اس کی دونوں آنکھوں کے لئے سہارا تیری آنکھ ہے۔

ور کنی یک چشم آدم زادۂ	نصف قیمت لازم است از جادۂ
اگر تو انسان کی ایک آنکھ نکال دے	مذہب کی رو سے آدھی قیمت لازم ہے

یعنی اور اگر تو کسی آدمی کی آنکھ پھوڑ دے تو شریعت سے نصف قیمت لازم آوے گی۔

زانکہ چشم آدمی تنہا بخود	بے دو چشم یار کارے می کند
کیونکہ انسان کی آنکھ اکیلی خود	یار کی دو آنکھوں کے بغیر کام کرتی ہے

یعنی اس لئے کہ آدمی کی آنکھ خود مستقلاً بے ساتھی کی دو آنکھوں کے کام کرتی ہے۔

چشم خر چوں اولش بے آخرست	گر دو چشمش یار کارے می کند
کیونکہ انسان کی آنکھ اکیلی خود	یار کی دو آنکھوں کے بغیر کام کرتی ہے
چشم خر چوں اولش بے آخراست	گر دو چشمش ہست حکمش اعور است
گدھے کی آنکھ کا آغاز چونکہ بغیر انجام (کے دیکھنے کے ہے)	اگرچہ اس کی دونوں آنکھیں ہیں (لیکن) کانے کے حکم میں ہے

یعنی گدھے کی آنکھ جب اس کا اول بے آخر کے ہے تو اگر اس کی دونوں آنکھیں ہوں (تب بھی) وہ حکماً کانا ہی ہے مطلب یہ ہے کہ اے انسان مکلف اپنی دونوں آنکھیں ظاہری اور باطنی کھولو اور موجودہ حالت اور انجام کار دونوں پر نظر کرو۔ ابلیس کی طرح کانے مت ہو جاؤ۔ کیونکہ کانا وہ ہے کہ جو صرف حالت موجودہ پر نظر کرے۔ اور انجام کو نہ دیکھے تو چونکہ ابلیس نے آدم علیہ السلام میں صرف آب وگل پر نظر کی اور ان کے مرتبہ پر نظر نہ کی۔ اس لئے وہ بھی کانا ہی ہوا لہذا تم ایسے کانے مت بنو بلکہ دونوں آنکھوں سے دیکھ کر انجام پر بھی نظر کرو اور دوسری مثال ہے کہ دیکھو بہائم جو کہ انجام بینی سے بے خبر ہوتے ہیں وہ بھی کانے ہی ہیں دلیل اس کی یہ ہے کہ

مسئلہ ہے کہ اگر کوئی شخص گائے بیل کی دونوں آنکھیں پھوڑ دے تو نصف دیت لازم آتی ہے اور انسان کی ایک آنکھ پھوڑ دے تب بھی نصف دیت لازم آتی ہے تو اس کی دونوں آنکھیں اس کی ایک آنکھ کے برابر ہوئیں اور وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ اپنی دونوں آنکھوں سے بھی بے مدد انسان کے کام نہیں لے سکتا۔ اور انجام کو سوچ کر راستہ نہیں چل سکتا۔ بلکہ جدھر منہ اٹھے گا چل دے گا۔ لہٰذا اس کی دونوں آنکھیں بمنزلہ ایک کے ہوئیں۔ اور بجائے دوسری آنکھ کے چشم انسان اس کے ساتھ ہے۔ تو بس اسی طرح جب انسان بھی انجام بینی کو ترک کر دے اور صرف حالت موجودہ ہی کو دیکھے تو وہ بہائم کی طرح ہوا اور بہائم باوجود دو آنکھیں ہونے کے کانے ثابت ہو چکے ہیں لہٰذا اس حالت میں انسان بھی کانا ہی ہوگا تو تم کو چاہئے کہ ایسے کانے نہ بنو بلکہ دونوں آنکھیں کھول کر انجام پر نظر کرو اور حق و باطل میں تمیز کرو۔ اور مولانا نے جو گائے بیل کی آنکھوں میں نصف دیت کی دلیل بیان فرمائی ہے یہ علت نہیں ہے بلکہ محض ایک نکتہ ہے تو پس اب حاصل یہ ہوا کہ تم کو چاہئے کہ انجام بینی اختیار کر کے اپنی حالت میں غور کرو اور پھر حق کو حاصل کر کے باطل پر لات مارو۔ اور حق حاصل ہوتا ہے کسی محقق شیخ کامل کے اتباع سے لہٰذا اتباع شیخ کرو۔ کہ اسی سے کام بنے گا خوب سمجھ لو۔ آگے پھر قصہ غلام کی طرف رجوع ہے فرماتے ہیں کہ۔

این سخن پایاں ندارد آں خفیف	می نویسد رقعہ در طمع رغیف
اس بات کا خاتمہ نہیں ہے، وہ بے عقل	روٹی کے لالچ میں رقعہ لکھ رہا ہے

یعنی اس بیان کی تو کہیں انتہا نہیں ہے اور وہ خفیف الحرکات روٹی کی حرص میں خط لکھ رہا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ بیان تو ختم نہ ہوگا سلسلہ چلتا ہی رہے گا اور اس کا قصہ رہ جاوے گا۔ لہٰذا ہم اول اس کے قصہ کو بیان کرتے ہیں۔ آگے قصہ بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح: مسیلمہ کذاب نے کہا تھا کہ میں خود احمد یعنی ان کی طرح متبوع ہوں مجھے ان کے اتباع کی ضرورت نہیں اور میں نے دین احمد کو تباہ کر دیا۔ اور بہت سے لوگوں کو اس سے مرتد کر دیا ہے مگر اس سے کہہ دو کہ اکڑ مت اور ابتدا پر مت پھول انجام کو دیکھ یہ تیری تلبیس قائم رہنے والی نہیں ہے۔ دین احمد صلی اللہ علیہ وسلم تو عروج ہی پاوے گا مگر تو خود برباد ہو جائے گا۔ تو جماعت بڑھانے کے لئے رہنما نہ بن بلکہ تو پیچھے چل تاکہ شمع نبوت تیرے آگے آگے چلے اس سے تو بے خطر ہو جاوے گا اور راستہ کے مہالک سے بے تکلف محفوظ رہے گا۔ کیونکہ شمع کی خاصیت ہے کہ وہ چاند کی طرح خود بخود مقصد کو واضح کرتی ہے اور بتلاتی ہے کہ اس طرف دانہ ہے یا جال لگا ہوا ہے۔ یعنی نفع ہے یا ضرر اور چراغ کی خاصیت ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے چار و ناچار باز اور کوے میں امتیاز ہوتا ہے علیٰ ہٰذا مدعیان کمال کو چاہیے کہ وہ شیخ کا اتباع کریں اور ان کی ہمسری نہ کریں اس سے ان کو فائدہ یہ ہوگا کہ استبداد کے برے نتائج سے محفوظ رہیں گے اور بدوں کاوش کے نفع و ضرر اور خیر و شر پر مطلع ہوں گے اب مدعیان باطل کی قلعی کھولتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگرچہ ان کووں کی طرح حریص مدعیان کمال نے مکر کو رونق دی ہے اور سفید بازوں کی مانند اہل اللہ کی بولی سیکھ کر حقائق و معارف بگھارتے

ہیں مگر اس سے وہ اہل اللہ نہیں ہو سکتے کیونکہ ان میں وہ صفات نہیں جو اہل اللہ میں ہوتے ہیں دیکھو اگر مرغ سنگخوار ہدہد کی بولی سیکھ لے تو اس سے وہ ہدہد نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے پاس وہ راز سلیمان کہاں ہے۔ جس کا وہ حامل تھا یعنی وہ پیغام سبا کہاں ہے پس تم کو پابند دام ہوا و ہوس اور اس سے آزاد لوگوں کی آوازوں اور تاج شاہی اور تاج ہدہد میں فرق کرنا چاہئے اور اشتراک اصوات و تیجان فی بعض الصفات سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے دیکھو ان کے پاس کچھ بھی باطنی دولت نہیں بلکہ صرف اتنی بات ہے کہ ان بے حیاؤں نے فقراء و عرفاء کے ملفوظات اور نکتے رٹ رکھے ہیں۔ ہم تم کو ان سے بچنے کی اس لئے ترغیب دیتے ہیں کہ ایسے لوگوں کے دھوکے میں آ جانا نہایت خطرناک ہے۔ پہلی امتیں جس قدر ہلاک ہوئی ہیں اسی وجہ سے ہوئی ہیں کہ انہوں نے پتھروں کو عود یعنی نااہل کو اہل سمجھ لیا اور ان کا اتباع شروع کر دیا۔ تم کو شاید شبہ ہو کہ جب یہ جرم غلط فہمی سے کیا گیا تو ہلاک کیوں ہوئے اس کا جواب یہ ہے کہ وہ معذور نہ تھے کیونکہ ان کو فطرۃً اس قدر قوت ممیزہ عطا ہوئی تھی کہ وہ انبیا کے کمالات اور مدعیان کمال کے فریب کو ظاہر کر دیتی۔ مگر حرص جاہ و مال وغیرہ کی خاصیت ہے کہ وہ اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے نہ حق کو دیکھنے دیتی ہے اور نہ سننے دیتی ہے۔ اس نے ان کو اندھا اور بہرا بنا رکھا تھا اس لئے وہ عفو کے مستحق نہ تھے کیونکہ جو لوگ فطرۃً قوت ممیزہ اور بصیرت نہیں رکھتے وہ بیشک رحمت کے مستحق ہیں۔ مگر جو اندھا پن حرص سے پیدا ہوا ایسا اندھا پن عذر نہیں۔ اور حق سبحانہ کا شکنجہ یعنی فطرۃً قدرت ممیزہ کی کمی تو رحمت حق سے دور نہیں ہے لیکن حسد کا شکنجہ جس میں آدمی باختیار خود پھنستا ہے مستحق معافی نہیں ہے۔ اری مچھلی (مکلف) تو ذرا کانٹے کو بھی غور سے دیکھ لے اور سمجھ لے کہ یہ غذا جس کے حاصل کرنے کے لئے تو جا رہی ہے تیری جان لے کر رہے گی۔ مگر تو دیکھے کیونکر تیری انجام بیں آنکھ کو تیرے چٹورپن نے بند کر رکھا ہے۔ تو اسے چھوڑ اور دونوں آنکھیں کھول اور حالت موجودہ اور انجام دونوں کو دیکھ۔ اور ابلیس ملعون کی طرح کانی نہ بن۔ جو شخص صرف موجودہ حالت پر نظر کرتا ہے اور جانوروں کی طرح آگے پیچھے کی خبر نہیں رکھتا وہ کانا ہے جیسے ابلیس اور اس کے متبعین۔ دیکھو چونکہ بیل کی دو آنکھیں حق وجوب ضمان تلف میں مثل آدمی کے ایک آنکھ کے ہیں (نقلہ القہستانی عن فخر القضاۃ کذا فی الشامیہ) کیونکہ انہیں شرف استبداد حاصل نہیں جو کہ آدمی کی آنکھ کو ہے اس لئے اس کی دونوں آنکھوں کا معاوضہ اس کی قیمت کا نصف ہے۔ کیونکہ اس کی دونوں آنکھیں راہ بینی میں مستقل نہیں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں بلکہ ان کا اعتماد آدمی کی آنکھ پر ہے اور وہ محتاج ہیں آدمی کی آنکھ کے (او رھذا التعلیل صاحب الہدایۃ لوجوب ربع القیمۃ فی فقاعین واحدۃ اللبقرۃ والحمار و نحو ھما و قال لانہ انما یمکن اقامۃ العمل بھا باربعۃ اعین و عینا ھا عینا المستعمل فکانھا ذوات اعین اربعۃ فیجب الربع بفوات احد ھما و مقتضی ھذا التعلیل ان یجب فی العینین نصف القیمۃ کما قال بہ فخر القضاۃ فیمکن ان یکون مولانا رضی اللہ عنہ سلک ھذا الملک و رحجہ باجتھادہ) اور اگر آدمی کی ایک آنکھ پھوڑ دی جاوے تو بحکم شریعت ایک آنکھ کا معاوضہ نصف قیمت (یعنی دیت) ہوگا کیونکہ آدمی کی آنکھ مستقل بنفسہ ہے۔ اور بدوں معاون کی آنکھوں کے کام کرتی ہے نیز جانوروں کی آنکھیں حالت موجودہ کو دیکھتی ہیں اور انجام کو نہیں دیکھتیں برخلاف آدمی کے اس لئے ان کی دونوں آنکھیں مثل ایک آنکھ کے ہیں۔ اور وہ دو آنکھوں کے باوجود بھی حکم میں کانے کے ہیں۔ (یہ ایک نکتہ ہے نہ کہ علت اس لئے اس کا اطراد ضروری نہیں اب یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس تعلیل کا مقتضا تو یہ ہے

کہ سب جانوروں کا حکم ایک ہو۔ حالانکہ ایسا نہیں) خلاصہ یہ ہے کہ گائے بیل اور گدھے کیلئے صرف دو ظاہری آنکھیں ہیں جو انسان کی بمنزلہ ایک ظاہری آنکھ کے ہیں۔ اسلئے وہ انسان کے مقابلہ میں کانے ہیں اور انسان کیلئے دو ظاہری آنکھیں ہیں اور ایک چشم باطنی ہے پس چونکہ اس کی دونوں ظاہری آنکھیں آپس میں تو مقصد میں متحد ہیں اور چشم باطن کے مخالف کیونکہ وہ دونوں اول میں ہیں اور چشم باطن آخر میں۔ اس لئے اس کی دونوں ظاہری آنکھیں حکم میں ایک آنکھ کے ہیں اور دوسری آنکھ اس کی چشم باطن ہے۔ پس جس کی چشم باطن کور ہے وہ کانا ہوگا اس شخص کے مقابلہ میں جس کی دونوں آنکھیں ظاہری و باطنی سالم ہیں۔ خیر یہ گفتگو تو ختم ہی نہ ہوگی اب سنو کہ وہ خفیف الحرکۃ غلام روٹی کی طمع میں عرضی لکھتا ہے۔

شرح شبّیری

بقیہ قصہ آں نوشتن غلام رقعہ رابطلب اجرے

روزی کی طلب میں غلام کے رقعہ لکھنے کے قصہ کا بقیہ

رفت پیش از نامہ پیش مطبخی	کاے بخیل از مطبخ شاہ سخی
وہ رقعہ لکھنے سے پہلے داروغۂ مطبخ کے پاس گیا	کہ اے سخی بادشاہ کے مطبخ سے بخل کرنے والے؟

یعنی وہ غلام رقعہ (بھیجنے) سے پہلے داروغۂ باورچی خانہ کے پاس گیا (اور اس سے بولا) کہ اے شاہ سخی کے مطبخ میں بخیل۔

دور از و وز ہمت او کایں قدر	از جرے ام آیدش اندر نظر
اس کی اور اسکی شان سے دور ہے کہ اس قدر	میری روزی پر اس کو دھیان ہو

یعنی اس (بادشاہ) سے اس کی ہمت سے یہ امر بہت بعید ہے کہ میرے وظیفہ میں سے اتنی ہی چیز اس کی نظر میں آوے۔ مطلب یہ کہ اس غلام نے داروغۂ مطبخ سے جا کر کہا کہ ارے یہ سارا تیرا فساد ہے تو ہی بخل کرتا ہے اور تو نے بے حکم شاہی میرا وظیفہ کم کیا ہے ورنہ بادشاہ سلامت سے تو یہ بہت ہی بعید ہے کہ وہ اتنی ذرا سی بات کی طرف نظر کریں کیونکہ کھانے میں انتہائی بات ہے کہ چار پانچ روپیہ صرف ہوتے ہوں گے پھر بادشاہ کو اور چار پانچ روپیہ کی پرواہ ہو ہو نہیں سکتا۔ ضرور اس میں کچھ تیری سازش ہے۔

گفت بہر مصلحت فرمودہ است	نے برائے بخل و نے تنگی دست
اس نے کہا مصلحت کی بناء پر حکم فرمایا ہے	نہ کہ بخل اور تنگدستی کی وجہ سے

یعنی داروغۂ مطبخ نے کہا کہ مصلحت کی وجہ سے (ایسا) حکم دیا ہے۔ نہ بخل اور نہ تنگدستی کی وجہ سے۔

گفت دہلیزیست واللہ ایں سخن	پیش شہ خاکست ہم زر کہن
اس نے کہا خدا کی قسم یہ بات باہری ہے	بادشاہ کے سامنے تو پرانا سونا بھی مٹی ہے

یعنی غلام بولا کہ یہ بات تو واللہ ایک سطحی بات ہے (کیونکہ) بادشاہ کے آگے تو خالص سونا بھی خاک ہے۔ مطلب یہ کہ اس غلام نے کہا کہ میاں مصلحت کا ہونا اور اس وجہ سے میرے وظیفہ میں کمی کرنا یہ تو ایک فضول بات ہے بھلا بادشاہ کو جس کے آگے خزانوں کی بھی کوئی قدر نہیں وہ اتنی ذرا سی بات پر نظر کرے سمجھ میں نہیں آتا۔ ضرور اس میں تمہاری شرارت ہے۔

مطبخی دہ گونہ حجت بر فراشت	او ہمہ رد کرد از حرصے کہ داشت
مطبخ کے داروغہ نے دس دلیلیں اٹھائیں	اس نے اس حرص کی وجہ سے جو اس میں تھی سب کو رد کر دیا

یعنی داروغۂ مطبخ نے دس طرح پر حجت پیش کی اس نے سب کو رد کر دیا اس حرص کی وجہ سے جو کہ رکھتا تھا۔ مطلب یہ کہ داروغہ مطبخ نے ہر چند چاہا کہ کسی طرح یہ سمجھ جاوے اور مجھ پر الزام نہ رکھے مگر بھلا وہ سمجھنے والا کب تھا اس نے ایک نہ مانی اور دارغہ ہی کی شرارت بتاتا رہا۔

چوں جرے کم آمدش در وقت چاشت	زد بسے تشنیع و او سودے نداشت
ناشتہ کے وقت جب اس کو کم خوراک ملی	اس نے بہت لعن طعن کی کوئی فائدہ نہ ہوا

یعنی جب چاشت کے وقت اس کا ناشتہ کم آیا تو بہت برا بھلا کہا (مگر) کوئی فائدہ نہ ہوا۔ مطلب یہ کہ چونکہ وہ لوگ تو مامور تھے اس لیے اس کے برا بھلا کہنے سے وہ خلاف ورزی حکم کی نہ کر سکے اور برابر کھانا کم ہی دیتے رہے سو جب چاشت کے وقت ناشتہ بھی اس کو کم ملا تو بہت برا بھلا کہا اور بولا کہ۔

گفت قاصد می کنید اینہا شما	گفت نے کہ بندہ فرمانیم ما
اس نے کہا یہ سب کچھ تم قصداً کرتے ہو	اس نے کہا نہیں ہم حکم کے غلام ہیں

یعنی وہ غلام کہنے لگا کہ تم لوگ یہ باتیں قصداً کرتے ہو تو داروغہ نے کہا کہ نہیں ہم تو حکم کے تابع ہیں۔

ایں مگیر از فرع ایں از اصل گیر	بر کماں کم زن کہ از بازو ست تیر
یہ شاخ کی جانب سے نہ سمجھ جڑ کی جانب سے سمجھ	کمان پر طعنہ زنی نہ کر تیر بازو سے چلا ہے

یعنی اس کو فرع سے مت سمجھو اس کو اصل سے سمجھو کمان پر (طعن) مت مارو کہ تیر بازوں سے ہے۔ مطلب یہ کہ ہماری اور بادشاہ کی مثال تو فرع اور اصل یا کمان اور بازو جیسی ہے۔ تو اس کمی کو تم فرع سے یعنی ہماری طرف سے مت سمجھو بلکہ سچ جانو کہ حکم شاہی اسی طرح ہے۔ دیکھو اگر کسی شخص کے تیر لگے اور وہ اس لگنے کا الزام کمان پر رکھے اور اس سے لڑنے لگے تو اس کی سخت غلطی ہے بلکہ تیر جو چلا ہے وہ تو بازو کی وجہ سے چلا ہے لہذا بازو سے کہو جو کہنا ہے اسی طرح خود بادشاہ سے جا کر عرض کرو ہمارے کیوں سر ہوتے ہو یہاں جو کہا ہے کہ "ایں مگیر از فرع الخ" آگے اس سے مولانا انتقال فرماتے ہیں کہ۔

ما رمیت اذ رمیت ابتلا است	بر نبی کم نہ گنہ کاں از خداست
جبکہ تو نے پھینکا تو نے نہیں پھینکا" آزمائش ہے	نبی پر الزام نہ دھر وہ خدا کی جانب سے ہے

یعنی مارمیت اذرمیت امتحان ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر الزام مت رکھو کیونکہ وہ تو خدا کی طرف سے ہے۔ مطلب یہ کہ حضورؐ نے جو رمی فرمائی تھی اور وہ تمام لشکر کفار میں پہنچ گئی تھی یہ ایک امتحان تھا کہ دیکھیں کون تو حق تعالیٰ کی طرف سے اس کو سمجھتا ہے اور کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے منسوب کرتا ہے تو اس رمی کے اصلی رامی تو حق تعالیٰ ہی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو محض ایک واسطہ تھے جیسا کہ ظاہر ہے خود ارشاد ہے کہ مارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمی' غرضکہ جو کام ہو اس میں نظر حق تعالیٰ کی طرف ہونی چاہئے کہ وہی اصل ہیں مخلوق کی طرف جو کہ فرع ہے ہرگز نظر مت کرو۔

آب از سر تیرہ است اے خیرہ چشم	پیشتر بنگر یکے بکشائے چشم
اے اندھے! پانی اصل سے گدلا ہے	آگے کو دیکھ ذرا آنکھ کھول

یعنی پانی منبع ہی سے خراب ہے اے خیرہ چشم تو منبع کو دیکھ ذرا آنکھ کھول۔ مطلب یہ کہ نالوں میں جو پانی آ رہا ہے یہ ایک منبع سے آ رہا ہے اور چونکہ وہیں سے گدلا ہے اس لئے ان نالوں میں بھی گدلا ہی ہے پانی کے گدلا ہونے میں نالوں کا کوئی قصور نہیں ہے لہٰذا جو کام بھی ہو اس میں نظر کو فروع سے آگے بڑھا کر اصل اور مبدا پر نظر کرنی چاہئے اسی طرح یہاں داروغہ نے کہا کہ ہم تو بندۂ فرمان ہیں ہم کو تو جیسا حکم ملا ہے ویسا کرتے ہیں اس حکم کے ذمہ دار تو حضور بادشاہ سلامت ہیں جو کچھ الزام وغیرہ اگر آ سکتا ہے تو ان ہی پر آ سکتا ہے ہم تو بالکل بری الذمہ ہیں غرضکہ جب اس غلام نے داروغہ کی یہ باتیں سنیں تو بہت جھلایا اور اس جھنجھلاہٹ میں یہ کہا کہ۔

شد ز خشم و غم دروں بقعۂ	سوئے شہ بنوشت خشمیں رقعۂ
غم و غصہ سے وہ گھر میں گیا	غصہ سے بھرا خط بادشاہ کو لکھا

یعنی غصہ اور غم کی وجہ سے ایک کوٹھڑی کے اندر گیا اور بادشاہ کو ایک غصہ کا بھرا ہوا رقعہ لکھا۔

اندراں رقعہ ثنائے شاہ گفت	گوہر جود و ثنائے شاہ سفت
اس نے اس رقعہ میں بادشاہ کی تعریف کی	بادشاہ کی بخشش اور سخاوت کے موتی پروئے

یعنی اس رقعہ میں بادشاہ کی تعریف لکھی اور بادشاہ کے جود و سخا کے موتی پروئے۔

کائے ز بحر و ابر افزوں کف تو	در قضائے حاجت حاجات جو
اے وہ کہ تیری ہتھیلی سمندر اور ابر سے بڑھی ہوئی ہے	ضرورت پورا کرنے میں ضرورتوں کی جستجو کرنے والا ہے

یعنی کہ اے وہ ذات کہ بحر و ابر سے محتاجوں کی حاجت پوری کرنے میں آپ کا ہاتھ زیادہ ہے۔

زانکہ ابر انچہ دہد گریاں دہد	کف تو خنداں پیاپے خواں دہد
اس لئے کہ ابر جو کچھ دیتا ہے روتے ہوئے دیتا ہے	تیری ہتھیلی مسکراتی ہوئی پے در پے خوان دیتی ہے

یعنی اس لئے کہ ابر تو جو دیتا ہے روتا ہوا دیتا ہے اور آپ کا ہاتھ ہنستا ہوا پے در پے خواں (نعمت) دیتا ہے۔

ظاہر رقعہ اگرچہ مدح بود	بوئے خشم از مدح اثر ہا می نمود
اگرچہ رقعہ بظاہر تعریف تھا	غصہ کی بو تعریف (میں) سے آثار ظاہر کر رہی تھی

یعنی رقعہ ظاہراً تو مدح تھا۔ مگر غصہ کی بو مدح سے بہت سے آثار دکھلا رہی تھی۔ مطلب یہ کہ داروغہ کی باتوں سے جھلا کر اپنی کوٹھڑی میں جہاں رہتا تھا گیا اور وہاں جا کر بادشاہ کو ایک بہت ہی جلا بھنا پرچہ لکھا۔ گو اول اس میں القاب و آداب لکھے اور بادشاہ کی تعریفیں کیں اور خوب ہی خوشامدانہ القاب وآداب لکھے مگر اس مدح میں سے بھی بوئے خشم آ رہی تھی اور صاف معلوم ہو رہا تھا کہ یہ مدح اور القاب ہرگز دل سے نہیں ہیں بلکہ ان میں غصہ اور حسد وغیرہ پنہاں ہیں کیونکہ کاتب کے مافی الضمیر کا اثر مکتوب میں ضرور آتا ہے۔ جیسا کہ مشاہد ہے آگے مولانا استقلال فرماتے ہیں کہ۔

زاں ہمہ کار تو بے نور ست و زشت	کہ تو دوری دور از نور سرشت
اس لئے تیرے تمام کام بے رونق اور بھدے ہیں	کیونکہ تو فطری نور سے بہت دور ہے

یعنی تیرے سارے کام اسی لئے بے نور اور برے ہیں کہ تو نور ازلی سے بے حد دور ہے۔ مطلب یہ کہ چونکہ تمہارے قلب میں نور نہیں ہے اور تمام کدورات سے تمہارا قلب بھرا ہوا ہے اس لئے تمہارے سارے کام مکدر اور بے نور ہی ہوتے ہیں خواہ تم کتنا ہی اخلاص ظاہر کرو مگر تمہاری اندرونی حالت اور کدورت صاف تمہارے اعمال سے ظاہر ہوتی ہے۔

رونق کار خساں کاسد شود	ہمچو میوہ تازہ زو فاسد شود
کمینوں کے کام کی رونق کھوٹی ہوتی ہے	جس طرح تازہ پھل جلد بگڑ جاتا ہے

یعنی کمینوں کے کام کی رونق بے نور ہوتی ہے جیسے کہ میوہ تازہ کہ جلدی ہی بگڑ جاتا ہے۔

رونق دنیا برآرد زو کساد	زانکہ ہست از عالم کون و فساد
دنیا کی رونق جلد کھوٹ ظاہر کر دیتی ہے	کیونکہ وہ بننے اور بگڑنے والے جہان کی ہے

یعنی دنیا کی رونق اس لئے بے نوری کو نکالتی ہے کہ وہ عالم کون وفساد سے ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ غیر مخلصین کے اعمال بالکل بے رونق اور بے نور ہوتے ہیں کیونکہ ان میں اول ہی سے اخلاص نہیں ہوتا جو بجائے خود ایک بہت بڑا فساد ہے اور اسی سے ساری خرابیاں واقع ہوتی ہیں جیسے کہ تازہ میوہ ہوتا ہے کہ بوجہ مادۂ فساد ہونے کے جلدی ہی بگڑ جاتا ہے اسی طرح بوجہ اخلاص نہ ہونے کے ان اعمال میں بھی رونق نہیں ہوتی اور بالکل بے نور ہوتے ہیں اور کام کرنے میں صاف معلوم ہوتا ہے کہ بالکل بھی اخلاص کا نام نہیں ہے۔ اسی لئے فرماتے ہیں کہ۔

خوش نگردد از مدیح سینہا	چونکہ در مداح باشد کینہا
سینے تعریف سے خوش نہیں ہوتے ہیں	جبکہ تعریف کرنے والے کینے ہوں

یعنی اس تعریف سے سینے خوش نہیں ہوتے جبکہ مداح میں کینے بھرے ہوں۔ مطلب یہ کہ دیکھو جس طرح اخلاص اور عدم اخلاص کا پتہ لگ جاتا ہے اور جو کام دل سے کیا جاوے اور جو بے دلی سے کیا جاوے ان میں امتیاز ہو جاتا ہے بس اسی طرح اگر کوئی کینہ ور بظاہر مدح بھی کرنے لگے تو اس مدح سے ممدوح کا قلب خوش نہیں ہوتا بلکہ ان کینوں کا اثر صاف اس مدح میں معلوم ہوتا ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

اے دل از کین و کراہت پاک شو	وانگہاں الحمد خواں چالاک شو
اے دل! کینہ اور نفرت سے پاک ہو جا	پھر تعریف کر اور تیز ہو جا

یعنی ارے دل (پہلے) کینوں سے اور کراہت سے تو پاک ہو جا اس وقت الحمد پڑھ اور چالاک ہو۔

بر زباں الحمد و اکراہ دروں	از زباں تلبیس باشد یا فسوں
زبان پر تعریف اور اندر نفرت	زبان کا فریب ہو گا یا مکر

یعنی زباں پر الحمد اور دل میں اکراہ یا تو زباں سے دھوکہ دینا ہے یا کوئی فسون ہے۔ مطلب یہ کہ مولانا عابد اور قاری قرآن کو خطاب فرماتے ہیں کہ میاں تم جو الحمد پڑھ رہے ہو اور تمہارا دل اندر سے گھبرا رہا ہے اور دل نہیں چاہتا تو ایسے وقت الحمد پڑھنے سے بجائے ثواب کے شاید اور الٹا عذاب ہو تو اول اس اکراہ وغیرہ کو قلب سے صاف کرو اور قلب کو ان رذائل سے پاک کرو پھر الحمد پڑھو تب وہ کام کی ہوگی ورنہ صرف زباں سے پڑھنا تو ایسا ہے کہ جیسے کوئی کسی کو دھوکہ دیتا ہے یا کوئی عمل وغیرہ پڑھا کرتے ہیں کہ اس وقت حمد حق منظور نہیں ہوتی بلکہ صرف اس کا وہ خاص اثر جو عمل سے مقصود ہے منظور ہوتا ہے مگر اس وقت تو تم تلاوت کر رہے ہو اور مقصود حمد حق ہے پھر جب دل میں تو اکراہ بھرا ہوا ہے تو وہ حمد کہاں رہی صرف زبانی جمع خرچ ہو گیا۔ لہٰذا الحمد پڑھتے ہو تو دل سے پڑھو اور جی لگا کرتا کہ کارآمد بھی ہو۔ کیونکہ حق تعالیٰ تو دل کو دیکھتے ہیں ان کے یہاں صرف ظاہر کا عمل معتبر نہیں ہے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

وانگہاں گفتہ خدا کہ ننگرم	من بظاہر من بباطن ناظرم
تب ہی خدا نے فرمایا ہے کہ میں نہیں دیکھتا ہوں	ظاہر کو میں باطن کو دیکھنے والا ہوں

یعنی اور پھر حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں ظاہر کو نہیں دیکھتا میں باطن کو دیکھتا ہوں۔ مطلب یہ کہ اول تو خود بھی حق تعالیٰ کے سامنے ایسا کرنا عقل سلیم کے خلاف ہے کیونکہ خدا کے ساتھ دھوکہ کرنے کو تو کوئی بھی اچھا نہیں کہہ سکتا اور پھر اوپر سے ایک اور بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ ظاہر کو دیکھتے نہیں صرف باطن پر نظر فرماتے ہیں اور تمہارے باطن کی یہ حالت ہے کہ اس میں اخلاص کا کہیں نام و نشان نہیں ہے۔ صرف زبان ہی سے کلمات حمد نکل رہے ہیں تو بتاؤ کہ پھر بھلا کس طرح تمہارا عمل قبول ہو سکتا ہے۔ جبکہ خود تمہارا عمل ہی تمہارے عدم اخلاص کی گواہی دے رہا ہے تو اسی طرح اس غلام نے جو رقعہ لکھا اور اس میں شروع میں بادشاہ کی جو تعریفیں کیں صاف اس کی ناگواری اور غصہ ٹپک رہا تھا آگے ایک حکایت لاتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص عراق گیا جب وطن واپس آیا تو بہت بری حالت ہو رہی تھی پھٹے کپڑے ٹوٹے ہوئے جوتے غرض ایک عجیب ہیئت کذائی سے وطن تشریف لائے تو دوستوں نے عزیز و

اقارب نے سفر کے حالات دریافت کئے تو آپ فرمانے لگے کہ وہاں جب میں پہنچا تو میں مقرب شاہی ہو گیا۔ اور میری بادشاہ نے بے حد تعظیم و تکریم کی اور بے حد انعامات دیئے اور خلعتیں مرحمت کیں مگر اس کی ظاہری حالت اس کے کذب پر پوری طرح دلالت کر رہی تھی اور معلوم ہو رہا تھا کہ یہ ساری باتیں غلط ہیں۔ تو جس طرح اس کی حالت بالکل صاف طور پر اس کے کذب پر دلالت کر رہی تھی اسی طرح غیر مخلص کی حمد بھی اس کے عدم اخلاص پر پوری طرح دلالت کرتی ہے اور صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تمام حمد و نعت دل سے نہیں ہے لہذا زبان کے ساتھ دل کو بھی شریک کرنا ضروری ہے تاکہ وہ عمل مقبول ہو سکے خوب سمجھ لو آگے حکایت بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح:۔ قبل اس کے کہ وہ درخواست لکھے داروغہ مطبخ کے پاس گیا اور کہا کہ اے وہ شخص جو بادشاہ کے باورچی خانہ کے متعلق بخل کرتا ہے حاشا کہ بادشاہ اور اس کی ہمت عالی ایسی ہوں کہ ان کی نظر میں میری ذرا سی خوراک آئے اور وہ اس کے کم کرنے کا حکم دیں پس ضرور یہ خود آپ کی کارروائی ہے اس نے جواب دیا کہ یہ صحیح ہے کہ بادشاہ کی نظر میں اس کی کچھ وقعت نہیں مگر اس نے مصلحۃً یہ حکم دیا ہے نہ کہ بخل یا تنگدستی کے سبب۔ اس نے کہا کہ یہ محض آپ کی بناوٹ ہے۔ بادشاہ کے نزدیک تو سونا بھی خاک کی برابر ہے وہ ہرگز ایسا حکم نہیں دے سکتا داروغہ مطبخ نے متعدد دلائل پیش کیے مگر اس نے اپنی حرص کے سبب ایک کو بھی تسلیم نہ کیا۔ اور سب کو رد کر دیا جب چاشت کے وقت اس کو خوراک کم ملی تو اس نے اس وقت بھی بہت برا بھلا کہا۔ مگر اس کا بھی کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ اس نے کہا کہ آپ لوگ بقصد و ارادہ خود ایسا کرتے ہیں۔ داروغہ نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ ہم کو حکم ملا ہے اور ہم اس کی تعمیل کرتے ہیں اس کو آپ ہم متبعین کا قصور نہ سمجھیں۔ بلکہ اس کا منشا اصل بادشاہ ہیں اور ہم کو ملامت نہ کیجئے بلکہ جو کچھ کہنا ہو بادشاہ کو کہئے۔ ہماری تو ایسی مثال ہے جیسے تیر اور بادشاہ کی ایسی جیسے بازو۔ پس تیر کو نہ مارے کیونکہ یہ تو بازو کا مقصور ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ رمی جو ما رمیت اذ رمیت میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے ان سے سلب کی گئی یہ ایک آزمائش ہے کہ دیکھیں کون اس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سمجھتا ہے اور کون خدا کی طرف سے۔ پس تم کو اس رمی میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قصور نہ بتلانا چاہئے جس طرح اس غلام نے داروغہ مطبخ کو قصوروار ٹھہرایا ہے۔ کیونکہ یہ فعل خدا کی طرف سے ہے جس طرح کہ غلام کا وظیفہ بند کرنا بادشاہ کی طرف سے تھا اور یہ پانی اپنے منبع ہی سے گدلا نکلا ہے اس میں نہر کا قصور نہیں پس اپنی نظر کو نہر ہی تک محدود نہ رکھنا چاہئے بلکہ ذرا آنکھ کھولنی چاہئے۔ اور نظر کو آگے بڑھانا چاہئے اس مضمون استطرادی کو ختم کر کے مولانا پھر قصہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب اس نے داروغہ مطبخ کی یہ گفتگو سنی تو غم و غصہ میں بھرا ہوا مکان پر گیا اور بادشاہ کو ایک غضب آلود رقعہ لکھا۔ اس رقعہ میں اولاً اس نے بادشاہ کی تعریف کی اور بادشاہ کی تعریف اور اس کے سخاوت کے موتی پروئے۔ اور لکھا کہ اے بادشاہ جس کا ہاتھ طالب حاجت کی حاجت برآری میں سمندر اور ابر سے بڑھا ہوا ہے کیونکہ ابر جو کچھ دیتا

ہے رد کر دیتا ہے اور آپ کا ہاتھ ہنستا ہوا پیہم خوان نعمت سامنے رکھتا ہے۔ غلام کا مقولہ تو ختم ہو گیا اب مولانا فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ رقعہ سراپا تعریف تھا۔ مگر اس تعریف سے غصہ کے آثار ظاہر ہوتے تھے۔ اس مضمون سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمہارے کام اسی لئے بے رونق اور برے ہیں کہ تم نور باطن سے بہت دور اور ذلیل ہو اور قاعدہ ہے کہ ذلیل اور بے نور لوگوں کے افعال کی رونق بہت جلد بے رونقی سے مبدل ہو جاتی ہے۔ جس طرح کہ تازہ میوہ بہت جلد بگڑ جاتا ہے کیونکہ جس طرح اس میوہ کے اندر مادہ فساد موجود ہوتا ہے اور آخر میں اپنا رنگ لاتا ہے یوں ہی ان میں بھی مادۂ فساد موجود ہوتا ہے اور اپنا اثر دکھلاتا ہے علیٰ ہذا رونق دنیا بھی بہت جلد مبدل بہ بے رونقی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ عالم کون وفساد ہے اور ایک روز اس کا بگڑنا لازم ہے۔ اب مولانا پھر مضمون سابق کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ گو وہ رقعہ بظاہر تعریف تھا لیکن چونکہ منشاء اس کا غصہ تھا اس لئے اس سے بادشاہ کو کوئی خوشی حاصل نہ ہو سکتی تھی کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب تعریف کرنے والے کے دل میں عداوت ہو تو اس تعریف سے جی خوش نہیں ہو سکتا اب پھر انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب یہ اصول معلوم ہو گیا تو اے دل اول تجھے اس کینہ اور نفرت کو دور کرنا چاہئے جو تجھے حق سبحانہ اور اس کے افعال سے ہے اس کے بعد الحمد پڑھ اور چست ہو ورنہ زبان پر تو الحمد ہو اور دل میں نفرت تو یہ تو یا زبان کا دھوکہ دیتا ہے یا اس کا منتر ہے جس کا حق سبحانہ پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ وہ کہہ بھی چکا ہے کہ ہم ظاہر کو نہیں دیکھتے بلکہ دل کو دیکھتے ہیں اور پر ہم نے کہا تھا کہ محض زبانی تعریف جب تک وہ دل سے نہ نکلے کوئی شے نہیں اس مضمون کے مناسب اب ہم ایک حکایت سناتے ہیں۔

شرح شبیری

حکایت آں مداح از جہت ناموس شکر ممدوح می کرد و بوئے اندوہ وغم اندرون او از خلاقت دلق او ظاہر می نمود کہ آں شکر ہا ہمہ لافست و دروغ

اس تعریف کرنے والے کی حکایت جو آبرو کی خاطر ممدوح کا شکریہ ادا کرتا تھا اور اس کے باطنی رنج و غم کی بو اس کی گدڑی کے پرانے ہونے کی وجہ سے ظاہر ہو رہی تھی کہ وہ تمام شکریے شیخی اور جھوٹ ہیں

آں یکے بادلق آمد از عراق	باز پرسیدند یاران از فراق
ایک شخص عراق سے گدڑی پہنے ہوئے آیا	دوستوں نے جدائی (کے دور) کا حال دریافت کیا

یعنی وہ ایک شخص گدڑی باز عراق سے واپس آیا تو دوستوں نے (زمانہ) فراق کے حالات دریافت کئے یعنی لوگوں نے پوچھا کہ کہو جی سفر میں کیا کیا گزری کس کس طرح رہے۔

گفت آرے بد فراق الاسفر	بود برمن بس مبارک مژدہ ور
اس نے کہا ہاں جدائی تو تھی لیکن سفر	میرے لئے بہت مبارک اور خوشخبری دینے والا تھا

یعنی کہنے لگا کہ ہاں فراق تو تھا مگر سفر میرے لئے تو بڑا مبارک خوشخبری والا تھا۔ مطلب یہ کہ آپ نے جواب دیا کہ سفر میں صرف ایک امر تو شاق تھا کہ سب سے جدائی تھی بس اس کا تو غم رہتا تھا ورنہ یہ سفر تو میرے لئے بڑا مبارک سفر تھا اس لئے کہ۔

کہ خلیفہ داد دہ خلعت مرا	کہ قرینش باد صد مدح و ثنا
کیونکہ خلیفہ نے دس شاہی جوڑے مجھے عطا کئے	خدا کے سینکڑوں مدح و ثنا اس کی ساتھی بنیں

یعنی کہ خلیفہ نے مجھے دسیوں خلعتیں عطا فرمائیں سینکڑوں مدح و ثنا اس کی ساتھی رہے۔

شکر ہاؤ حمد ہا برمے شمرد	تا کہ شکر از حد و اندازہ ببرد
شکریے اور تعریفیں شمار کرتا تھا	حتیٰ کہ شکر حد اور اندازے سے بڑھا دیا

یعنی شکریے اور تعریفیں کرتا رہا یہاں تک کہ شکر کو حد اور اندازہ سے گزار دیا۔ مطلب یہ کہ کہنے لگا کہ میں جو عراق میں پہنچا تو خلیفہ نے مجھے دسیوں تو خلعتیں عطا فرمائیں اور بے حد انعامات عطا کئے اور بڑی عزت و منزلت کی اور وہ ایسے ہیں اور ایسے ہیں غرض حد سے زیادہ خلیفہ کی تعریف شروع کردی۔ کہ اس نے مجھے یوں انعام دیئے اور یوں خلعتیں عطا کیں۔

پس بگفتندش کہ احوال نژند	بر دروغ تو گواہی می دہند
تو لوگوں نے اس سے کہا کہ تیرے خراب احوال	تیرے جوٹ پر گواہی دے رہے ہیں

یعنی اس پر لوگوں نے اس سے کہا کہ گدڑی کی حالت تو تیرے جھوٹ پر گواہی دے رہی ہے۔

تن برہنہ سر برہنہ سوختہ	شکر را دزدیدہ یا آموختہ
بدن ننگا سر ننگا جلا بھنا	تو نے شکر کو چرایا ہے یا سیکھا ہے

یعنی بدن ننگا سر ننگا جلا بھنا تو شکر تو چرالیا ہے یا سیکھ لیا ہے۔

کو نشاں شکر و حمد میر تو	برسر و برپائے بے توقیر تو
تیرے امیر کے شکر اور تعریف کا نشان کہاں ہے؟	تیرے بے توقیر سر اور پاؤں پر

یعنی تیرے سر اور پائے بے توقیر پر تیرے ممدوح اور حمد کا نشان کہاں ہے۔

گر زبانت حمد آں شہ می تند	ہفت اندامت شکایت میکند
اگر تیری زبان اس بادشاہ کی تعریف کرتی ہے	تیرے ساتوں اعضاء شکایت کر رہے ہیں

یعنی اگر تیری زبان اس بادشاہ کی حمد کرتی ہے تو تیرے ساتوں اعضاء تیرے جسم کی شکایت کرتے ہیں۔

در سخائے آں شہ و سلطان جود	مر ترا کفشے و شلوارے نبود
اس سخاوت کے بادشاہ اور سلطان کی بخشش میں	تیرے لئے جوتا اور شلوار نہ تھی

یعنی اس بادشاہ اور سلطان جود کی سخا میں تیرے لئے ایک جوتہ اور ایک پاجامہ نہیں تھا۔ مطلب یہ کہ اس کی باتیں سن کر لوگوں نے کہا کہ میاں تمہاری حالت تو کہ سر ننگے پاؤں وہاں سے آئے ہو تم کو جھوٹا ثابت کر رہی ہے کیونکہ جیسے تم اپنے ممدوح کی تعریف کر رہے ہو اس کا اثر بھی تو کچھ تمہارے اعضاء پر ہونا چاہئے کہ عمدہ عمدہ لباس ہوتے ان خلعتوں میں سے کوئی خلعت پہنے ہوئے ہوتے اب تو تیری زبان تو تعریف کر رہی ہے مگر اور سارے اعضاء انکار کر رہے ہیں بھلا ایسا بھی کیا تھا کہ خزانہ شاہی میں تیرے لئے ایک جوڑا جوتہ اور ایک پائجامہ نہیں تھا کہ جو تجھے دیدیتے۔ اور تو ان کو پہن لیتا۔ تو چیتھڑے لگا کر یہاں نہ آتا مطلب یہ کہ وہاں تو یہ سب چیزیں ہیں مگر حضرت بادشاہ تک تمہاری رسائی ہی نہیں ہوئی ہے اور یہ تمہارے سارے شکریے اور حمد ایسے ہیں جیسے کہ تم نے سبق پڑھ لیا ہے کہ بس آموختہ سا پڑھ دیا اور نہ حقیقت ان کی کچھ بھی نہیں اس کو سن کر وہ بات بناتا ہے کہ۔

گفت من ایثار کردم انچہ داد	میر تقصیرے نکرد از افتقاد
اس نے کہا جو کچھ اس نے دیا میں نے خیرات کر دیا	بادشاہ نے دلجوئی میں کوئی کمی نہیں کی

یعنی کہنے لگا کہ جو کچھ بادشاہ سلامت نے عطا کیا تھا میں نے سب لٹا دیا اور نہ بادشاہ نے خبر گیری میں کمی نہیں کی۔

بستدم جملہ عطا ہا از امیر	بخش کردم بر یتیم و بر فقیر
میں نے بادشاہ سے سب عطیات لے لئے	میں نے یتیم اور فقیر کو بخش دیئے

یعنی میں نے تمام انعامات بادشاہ سے تو لے لئے (مگر) یتیموں اور فقیروں کو بخش دیئے۔

مال دادم بستدم عمر دراز	در جزا زیرا کہ بودم پاکباز
میں نے مال دے کر دراز عمر خرید لی	بدلے میں کیونکہ میں پاکباز ہوں

یعنی میں نے مال تو دیدیا اور بدلے میں عمر دراز لے لی۔ کیونکہ میں ایک پاکباز شخص تھا۔ مطلب یہ کہ ان لوگوں کی باتیں سن کر بولے کہ ہاں بے شک مجھ پر اب تو کوئی اثر نہیں رہا اور میری یہ حالت ہوگئی مگر اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ بادشاہ نے انعامات نہیں کئے بلکہ بادشاہ نے تو انعامات کئے تھے مگر چونکہ میں بھی خود سخی تھا (بلکہ بادشاہ سے بھی زیادہ سخی تھے) اس لئے بادشاہ سے لے کر میں نے فقیروں مسکینوں کو بخش دیئے۔ اپنے پاس نہیں رکھے اور بجائے مال وزر کے ان سے دعائیں لے لیں۔ کہ جب ان کو مال ملا تو انہوں نے درازی عمر و ترقی درجات کی دعائیں دیں اس کو سن کر ان لوگوں نے جواب دیا کہ۔

پس بگفتندش مبارک مال رفت	چیست اندر باطنت ایں دود و تفت
تو انہوں نے کہا مبارک ہو مال چلا گیا	یہ دھواں اور شورش تیرے اندر کیسی ہے؟

یعنی پھر اس سے لوگوں نے کہا کہ مبارک ہو کہ مال گیا (مگر) آپ کے باطن میں یہ تیز دھواں کیا ہے۔

صد کراہت در درون تو چو خار	کے بود اندہ نشاں ابتشار
تیرے اندر سینکڑوں ناگواریاں کانٹے کی طرح ہیں	غم' بشارت حاصل کرنے کی نشانی کب ہوتا ہے؟

یعنی سینکڑوں کراہتیں تیرے اندر کانٹے کی طرح بھری ہوئی ہیں تو غم بشاشت کی نشانی کب ہوتا ہے۔

کو نشان عشق و ایثار و رضا	گر درست است انچہ گفتی ما مضی
عشق اور ایثار اور رضا کا نشان کہاں ہے؟	اگر وہ قصہ سچا ہے جو تو نے سنایا ہے

یعنی عشق اور ایثار اور رضا کی نشانی کہاں ہے اگر جو تم ما مضے (قصہ) کو بیان کر رہے ہو وہ سچ ہے۔

خود گرفتم مال گم شد میل کو	سیل اگر بگذشت جائے سیل کو
میں نے مانا مال چلا گیا (خیرات کرنے کا) میلان کہاں ہے؟	سیلاب اگر گزر گیا ہے، سیلاب کی جگہ کہاں ہے؟

یعنی میں نے مان لیا کہ مال جاتا ہے (مگر) میل کہاں ہے سیل اگر گزر گیا تو جائے سیل کہاں ہے۔

چشم تو گر بد سیاہ و جانفزا	گر نماند او جانفزا ازرق چرا
اگر تیری آنکھ کالی اور جانفزا تھی	اگر وہ جانفزا نہیں رہی تو نیلی کیوں ہے؟

یعنی اگر تیری آنکھ سیاہ اور جانفزا تھی اگر جانفزا نہیں رہی تو کرنجی کیوں ہوگئی۔

کو نشاں پاکبازی اے ترش	بوئے لاف کژ ہمی آید خمش
اے ترش رو! پاکبازی کا نشان کہاں ہے؟	بیہودہ شیخی کی بو آ رہی ہے چپ رہ

یعنی اے ترش (رو) پاکبازی کی نشانی کہاں ہے۔ بس چپ رہ فضول شیخی کی بو آ رہی ہے۔

صد نشاں باشد دروں ایثار را	صد علامت ہست نیکو کار را
باطن میں ایثار کے سینکڑوں نشان ہوتے ہیں	نکوکار کی سینکڑوں علامتیں ہیں

یعنی ایثار کے لئے تو قلب میں سینکڑوں نشانیاں ہوتی ہیں اور نیکوکار کے لئے سو علامتیں ہوتی ہیں۔

مال در ایثار گر گردد تلف	در دروں صد زندگی آید خلف
ایثار کرنے میں اگر مال ختم ہو جائے	(بدلہ میں) باطن میں سینکڑوں زندگیاں آ جاتی ہیں

یعنی مال اگر ایثار میں تلف ہو جاوے تو بدلے میں سینکڑوں زندگی باطن میں آ جاتی ہیں۔

در زمین حق زراعت کردنے	تخمہائے پاک و آنگہ دخل نے
اللہ (تعالیٰ) کی زمین میں کھیتی کرنا	بیج پاک، اور پھر پیداوار نہ ہو؟

یعنی حق تعالیٰ کی زمین میں زراعت کرنا اور تخم عمدہ اور آمدنی نہ ہو (محال ہے)

گر نگردد زرع جاں یک دانہ صد	صحن ارض اللہ واسع کے بود
اگر جان کی کھیتی میں ایک دانہ سو نہ بنیں	(تو) اللہ (تعالیٰ) کی زمین کی فضا وسیع کب نہ ہو

یعنی اگر روحانی کھیتی میں ایک دانہ کے سو دانے نہ ہوں۔ تو حق تعالیٰ کی زمین کا صحن واسع کب ہو۔ مطلب یہ کہ

جب اس نے بہت شیخی بگھاری کہ مجھے یوں خلعت وغیرہ ملی تھیں مگر میں چونکہ ایک سخی شخص تھا میں نے سب تقسیم کر دیں اس لئے میرے پاس کچھ نہ رہا۔ اور میں مفلس کا مفلس ہی رہ گیا۔ تو لوگوں نے اس سے کہا کہ میاں اس طرح مال کا خرچ کر دینا اور خیرات کر دینا تو مبارک ہو اور خداوند کریم ہمیشہ اس کی توفیق دے مگر یہ تو بتاؤ کہ یہ خیرات کر کے اور کسی کو چیز دیکر تو دل میں خوشی اور بشاشت ہوتی ہے اور ایثار و خیرات سے تو حب حق قلب میں جاگزیں ہوتی ہے اور اگر چہ مال پاس نہیں ہوتا مگر فرحت ایسی ہوتی ہے کہ وہ مال کی موجودگی میں بھی شاید نہ ہوتی۔ اس لئے خدا کی راہ میں خرچ کرنا تو قرب حق اور حب حق کو زیادہ کرتا ہے۔ پھر اس کے سامنے مال و دولت ظاہری کیا چیز ہیں جب دل میں حب حق ہو اس کی فرحت بے حد ہوتی ہے تو ہم نے مانا کہ مال تو نہ رہا مگر ایثار کا جو اثر فرحت ہے وہ تو ہونا چیسے کہ مثلاً کسی جگہ پانی کی رو آوے تو پھر اگر وہاں رو موجود نہ رہے مگر اس کا نشان اور اثر تو موجود رہتا ہے علی ہذا اگر مثلاً جوانی میں کسی کی آنکھ بہت ہی دلربا اور نفیس ہو اور بڑھاپے میں وہ دلربائی اس میں نہ رہے تو یہ بھی تو نہیں کہ کرنجی ہو جاوے ہاں وہ دلربائی نہ سہی وہ ادائیں نہ سہی مگر پتلی سیاہ تو رہے اسی طرح مال نہیں رہا تو اس کا اثر تو رہے اس لئے کہ مشاہد ہے کہ اگر کسی کو احسان کے طور پر مال دیا جاتا ہے معطی کو بے حد فرحت ہوتی ہے پھر تجھے غم کیوں ہے معلوم ہوتا ہے کہ ساری باتیں تیری شیخی پرمبنی ہیں نہ تجھے کچھ ملا ہے اور نہ تو نے کسی کو کچھ دیا ہے۔ بھلا خدا کی زمین میں کوئی زراعت کرے اور بیج بھی عمدہ ہو اور پھر اس سے آمدنی نہ ہو اور ایک دانہ کے سو دانے نہ ہوں یہ کب ممکن ہے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں وارض اللہ واسعہ جس کے معنی اعتبار کے طور پر یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ارض سے مراد قلب مومن لیا جاوے تو بھلا قلب میں کھیتی کی جاوے کہ ایثار اور سخاوت کی جاوے اور اعمال حسنہ اس میں تخم ہوں اور پھر اس کا اثر نہ ہو کیسے مان لیا جاوے کیونکہ وہ تو ارض واسعہ ہے پھر اس میں تو ایک ایک دانہ کے سو سو گنا ضروری ہیں اور تیرے اندر سو تو سو ایک بھی موجود نہیں لہٰذا پس چپ رہو اور بیہودہ مت بکو کہ فضول ہے معلوم ہو گیا کہ آپ کی ساری باتیں غلط ہیں تو دیکھو جس طرح اس کی باتوں سے اور بادشاہ کی تعریف کرنے سے بس صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ جھوٹا ہے اسی طرح اگر حمد حق کی جاوے اور قلب میں کراہت بھری ہوئی ہو تو اس کا بھی کوئی اثر معتد بہ نہیں ہوتا اگر چہ بیکار وہ بھی نہ ہو۔ مگر پوری پوری کارآمد نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہے آگے مولانا انتقال فرماتے ہیں کہ۔

اصل ارض اللہ قلب عارفست	لا مکانست و ندارد فوق و پست
اللہ (تعالیٰ) کی زمین کی اصل عارف کا دل ہے	جو لامکان ہے اور بلندی و پستی نہیں رکھتا ہے

یعنی اصل خدا کی زمین تو عارف کا قلب ہے جو لامکانی ہے اور اوپر نیچے نہیں رکھتا۔ (قلب سے مراد یہ قلب صنوبری نہیں ہے بلکہ وہ مراد ہے جو لطائف میں سے ہے تو)۔

گر نروید خوشہ از روضات ہو	پس چہ واسع باشد ارض اللہ بگو
اگر اللہ (تعالیٰ) کے باغوں سے کوئی خوشہ نہ پیدا ہو	تو بتا اللہ (تعالیٰ) کی زمین کیا وسیع ہوئی؟

یعنی اگر غیب کے باغوں میں سے خوشہ نہ اگے اللہ کی زمین بتاؤ تو کیا واسع ہوئی۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وارض اللہ واسعہ اور اصل خدا کی زمین قلب عارف ہے جو لامکانی ہے تو اگر اس میں خوشے نہ

جمیں اور غیب کے باغوں سے اس میں پھل نہ لگیں تو بھلا پھر خدا کی زمین واسع کہاں ہوئی۔ اور حق تعالیٰ واسع فرماتے ہیں تو معلوم ہوا کہ اگر اس میں کوئی کھیتی کریگا تو ضرور اس میں آمدنی ہوگی اور پھل پھول لگیں گے اس لئے کہ۔

چونکہ ایں ارض فنا بے ریع نیست	چوں بود ارض اللہ آں متوسع است
جبکہ یہ فانی زمین بغیر پیداوار کے نہیں ہے	تو اللہ (تعالیٰ) کی زمین کا کیا حال ہوگا' وہ بہت وسیع ہے

یعنی جبکہ یہ زمین فانی بے پیداوار کے نہیں ہے تو وہ خدا کی زمین جو وسیع ہے کیونکر (بے پیداوار کے) ہوگی (بلکہ)

ریع آنرا نے حدو نے عد بود	کمتریں دانہ دھد ہفصد بود
اس کی پیداوار کی حد و شمار نہیں ہے	معمولی دانہ ڈالے تو سات سو ہو جائیں

یعنی اس کی آمدنی کی نہ کوئی حد ہے اور نہ گنتی ہے گھٹیا سے گھٹیا دانہ دے اور سات سو ہو جاویں مطلب یہ کہ جب اس زمین فانی میں کاشت کرنے سے آمدنی ہوتی ہے اور ایک ایک دانہ سے بہت سے دانے اگتے ہیں تو بھلا زمین حق یعنی قلب میں کوئی کاشت کرے اور اعمال صالحہ کا بیج ڈالے اور پھر آمدنی نہ ہو غیر ممکن ہے ضرور آمدنی ہوگی بلکہ اس کی آمدنی تو ایسی ہوگی کہ جس کی کچھ انتہا ہی نہیں بے انتہا آمدنی ہے جو عمل صالح کی بادی النظر میں چھوٹا سا معلوم ہوتا ہے جزا کے اعتبار سے بہت بڑا ہے ہاں اخلاص ضروری ہے اگر اخلاص نہیں ہے تب تو شرط ہی موجود نہیں اور اذا فات الشرط فات المشروط۔ تو عدم اخلاص کے وقت میں اگر نہ ملے تو تعجب نہیں ہے آگے غیر مخلصین کو خطاب فرماتے ہیں کہ۔

حمد گفتی کو نشان حامدوں	نے بروںت ہست اثر نے اندروں
تو نے تعریف کی تعریف کرنے والوں کی علامت کہاں ہے؟	نہ تیرے اندر اثر ہے نہ باہر

یعنی (اے غیر مخلص) تو نے حمد (حق) کہی تو حمد کرنے والوں کی نشانی کہاں ہے نہ تو تیرے ظاہر پر اثر ہے اور نہ باطن میں مطلب یہ کہ اے مخلص تو حمد حق کر رہا ہے مگر اس کا اثر نہ تو تیرے ظاہر اعضاء پر ہے کہ ان کے افعال موافق حکم حق کے ہوتے اور نہ باطن میں اس کا اثر ہے کہ تقویٰ وغیرہ ہوتا غرضکہ جب اثر نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ تیرے تخم ہی میں خرابی تھی اور وہ خرابی عدم اخلاص تھی اسی وجہ سے اس تخم سے پیداوار نہیں ہوئی آگے عارف اور مخلص کی حمد کی حالت کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

حمد عارف مرخدا را راست است	کہ گواہ حمد او شد پاؤ دست
عارف کی حمد' اللہ (تعالیٰ) کے لئے درست ہے	کیونکہ ہاتھ پاؤں اس کی تعریف کے گواہ بن گئے ہیں

یعنی عارف کی حمد حق درست ہے کہ اس کی حمد کے ہاتھ پاؤں گواہ ہیں۔

از چہ تاریک جسمش بر کشید	وز تنگ زندان دنیا اش خرید
اندھیرے کنویں سے اس کے جسم کو نکال لیا	اور دنیا کے قید خانہ کی گہرائی سے اس کو نجات دیدی

یعنی اس حمد نے اس عارف کے جسم کو چاہ تاریک سے نکالا اور زندان دنیا سے اس کو خرید لیا۔

اطلس تقویٰ و نور موتلف	آیت حمدست او را بر کتف
تقوے کا اطلس اور مانوس نور	اس کے کندھے پر تعریف کرنے کی نشانی ہے

یعنی تقویٰ کا اطلس اور نور مجتمع اس کی حمد کی نشانی ہیں کندھے پر۔

وارہیدہ از جہاں عاریہ	ساکن گلزار و عین جاریہ
چند روزہ دنیا سے وہ نجات پا گیا	وہ باغیچہ اور جاری چشمہ کا ساکن ہے

یعنی وہ عارف جہاں مستعار سے چھوٹا ہوا ہے اور گلزار اور چشمہ جاری کا رہنے والا ہے۔

برسریر سرِ عالی ہمتش	مجلس و جاؤ مقام و رتبتش
اس کی ہمت بلند راز کے تخت پر ہے	وہ اس کی مجلس اور درجہ اور مقام اور مرتبہ ہے

یعنی اس کی مجلس اور جگہ اور مقام اور رتبہ اس کے عالی ہمت قلب کے تخت پر ہوتی ہیں۔

مقعد صدقیکہ صدیقاں درو	جملہ سرسبزند و شاد و تازہ رو
وہ سچائی کی ایسی نشست گاہ ہے کہ صدیق اس میں	سب خوشحال اور خوش اور تازہ رو ہیں

یعنی وہ مقعد صدق کہ اس میں صدیقین سارے سرسبز اور شاد اور تازہ رو رہتے ہیں۔

حمد شان چوں حمد گلشن از بہار	صد نشانے دارد و صد گیرو دار
رونق کی جگہ سے ان کی حمد گلشن کی حمد جیسی ہے	سینکڑوں نشان اور سینکڑوں نشان و شوکت رکھتی ہے

یعنی ان کی حمد ایسی ہے جیسی کہ گلشن کی حمد بہار کے ذریعہ سے کہ سو نشانیاں رکھتی ہے اور سو شور وغل۔

بر بہارش چشمہ و نخل و گیاہ	واں گلستان و نگارستان گواہ
اس کی رونق پر چشمہ اور کھجور اور گھاس	اور وہ باغ اور نگارخانہ گواہ ہے

یعنی اس کی بہار پر چشمہ اور نخل اور گھاس اور وہ گلستان اور نگارستان گواہ ہیں۔

شاہد شاہد ہزاران ہر طرف	در گواہی ہمچو گوہر بر صدف
ہر جانب ہزاروں گواہ موجود ہیں	گواہی میں ایسے ہیں جیسے کہ صدف میں موتی

یعنی گواہ کے گواہ بلبلیں ہر طرف ہیں جو گواہی میں مثل گوہر کے ہیں صدف پر۔ مطلب یہ کہ جو عارفین و مخلصین ہوتے ہیں وہ جو حمد حق کرتے ہیں تو ان کی حمد کی نشانیاں صاف طور پر پائی جاتی ہیں مثلاً ان کے اعضاء ظاہری سے مرضی حق کے مطابق افعال کا صدور اور دنیا سے الگ رہنا تقویٰ کا حاصل ہونا اس دنیا فانی سے قطع تعلق کر کے جہان باقی اور گلزار معارف میں قیام کرنا اور انکا رتبہ اور جگہ اور قیام قلب کے تخت پر ہونا یعنی قلب پر ان کا حاکم ہونا اور مقعد صدق میں جو کہ صدیقین کی جگہ ہے ان کی جگہ ہونا تو یہ ساری باتیں ان کی حمد کے بارآور اور مثمر ہونے پر ایسے گواہ ہیں جیسے کہ گلشن کی حمد

پر بہار گواہ ہوتی ہے کہ اس میں چشموں کا چلنا نخل و گیاہ کا جمنا پھول پھلواری اگنا بتا رہا ہے کہ گلشن حمد میں مشغول ہے اور پھر ان گواہوں پر گواہ بلبلیں ہیں کہ ان کے چہچہانے سے معلوم ہوتا ہے پھول کھل رہے ہیں جب تو یہ بھی بول رہی ہیں غرضکہ عرفاء اور مخلصین کی حمد بارآور ہوتی ہے اور اس پر جزاء مرتب ہوتی ہے کہ جس کا اثر ظاہر میں بھی صاف معلوم ہوتا ہے آگے پھر ان لوگوں کا قول نقل کرتے ہیں کہ جب اس شیخی باز نے شاہ عراق کے اکرام وغیرہ کا حال بہت زیادہ بیان کیا اور اس کی حالت سے اس کا کذب معلوم ہو رہا تھا جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے تو اب وہ لوگ اس سے پھر کہتے ہیں کہ۔

بوئے سربد بیاید از دمت	از سرور و تابداے لافی غمت
تیرے سانس میں سے لہسن کی بدبو آتی ہے	اے شیخی خورے! سر اور چہرے سے تیرا غم چمک رہا ہے

یعنی ارے شیخی باز تیری باتوں سے سربد کی بو آرہی ہے اور تیرے سر اور منہ سے تیرا غم چمک رہا ہے۔

بو شناسانند حاذق در مصاف	تو بجلدی ہاے و ہوکم کن گزاف
میدان جنگ میں ماہر بو سونگھنے والے ہیں	تو بہادری کے نعروں سے شیخی نہ مار

یعنی صف میں کامل بو کے پہچاننے والے موجود ہیں تو تو جلدی سے ہائے وہو اور شیخی مت کر۔ مطلب یہ کہ لوگوں نے کہا کہ میاں کیوں فضول شیخی بگھارتے ہو تمہاری حالت سے صریح معلوم ہو رہا ہے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو اور تمہارے اندر غم والم بھرا پڑا ہے شاید تمہارا یہ خیال ہوگا کہ میں سب کو بہکا لوں گا۔ تو سمجھ لو کہ اس مجمع میں عقلاء ایسے ایسے موجود ہیں کہ جو تمہاری حالت کو خوب پہچان سکتے ہیں تو انہوں نے پہچان لیا ہے کہ تم جھوٹے ہو اور بولے کہ۔

تو ملاف از مشک کان بوئے پیاز	از دم تو می کند مکشوف راز
تو مشک کی گپ نہ مار کیونکہ پیاز کی بدبو	تیرے سانس سے راز ظاہر کر رہی ہے

یعنی تو مشک سے شیخی مت مار کہ پیاز کی بو تیرے سانس سے راز کو کھول رہی ہے یعنی تو جو کہہ رہا ہے کہ میں نے مشک کھائی ہے یہ کہنا تیرا فضول ہے اس لئے کہ سانس کے ساتھ جو منہ میں سے پیاز کی بدبو چلی آرہی ہے وہ تم کو کاذب بتا رہی ہے۔

گلشکر خوردم ہمی گوئی و بو	می زند از سیر کہ یاوہ مگو
تو کہتا ہے میں نے گلقند کھایا ہے اور بو	لہسن کی پھیلی ہے بکواس نہ کر

یعنی تو کہتا ہے کہ میں نے گلشکر کھائی ہے اور بو سیر کی آرہی ہے تو بس بک بک مت کر مطلب یہ کہ اے شیخی باز تو جو کہہ رہا ہے کہ میں نے حمد حق کی ہے اور اس میں اخلاص تھا اور یوں عبادت کرتا ہوں وغیرہ وغیرہ تو سمجھ لے کہ عرفاء ایسے بھی موجود ہیں جو تیری چالاکیوں کو خوب جانتے ہیں اور وہ فوراً تیری باتوں ہی سے سمجھ لیتے ہیں کہ تو جھوٹا ہے اس لئے کہ اگر تو حمد حق کرتا تو کیا اس کا کوئی اثر بھی تیرے اندر موجود نہ ہوتا اس کے اثرات جو اوپر بیان کئے گئے ہیں تقویٰ وغیرہ کا ہونا جب یہ نہیں ہیں تو معلوم ہو گیا کہ تیری حمد کام ہی کی نہ تھی۔ جس کو عرفاء نے پہچان لیا آگے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

ہست دل مانندۂ خانہ کلاں	خانۂ دل رانہاں ہمسائگاں
دل بڑے گھر کے مشابہ ہے دل بڑے گھر کے مشابہ ہے	دل کے گھر کے چھپے ہوئے پڑوسی ہیں

یعنی دل ایک بڑے گھر کی طرح ہے اور خانۂ دل کے ہمسائے پوشیدہ ہیں۔

مطلع گردند بر اسرار ہا	از شکاف و روزن و دیوارہا
رازوں سے واقف ہو جاتے ہیں	روشن دان اور دیواروں کے شگاف سے

یعنی دیواروں سے اور شگاف سے اور روزن سے اسرار پر مطلع ہو جاتے ہیں۔

صاحب خانہ ندارد ہیچ سہم	از شکافے کہ ندارد ہیچ وہم
(جس سے) گھر والے کو کوئی خطرہ نہیں ہے	اس شگاف سے جس کو کوئی وہم (بھی) نہیں جاتا ہے

یعنی ایسے شگاف سے کہ گھر والے کو وہم اور خوف بھی نہیں ہوتا۔ مطلب یہ کہ دل ایک بڑے گھر کی طرح ہے اور اس کے ہمسائے پوشیدہ ہیں یعنی اہل اللہ کہ بظاہر تو الگ ہیں مگر جس طرح کہ ہمسایہ کو صاحب خانہ کے اکثر حالات کی خبر ہو جاتی ہے اسی طرح ان حضرات کو بھی اسرار قلوب پر بعض مرتبہ آگاہی خدا کے آگاہ کر دینے سے ہو جاتی ہے اور ہمسایہ جو صاحب خانہ کے حالات کو دیکھتا ہے تو کسی روزن وغیرہ ہی سے دیکھتا ہے اسی طرح ان کے دیکھنے کے لئے بھی روزن ہیں مگر وہ روزن ایسے ہیں کہ ان کی کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ یہ حضرات ان روزنوں کے ذریعہ سے اس طرح اسرار قلوب پر مطلع ہو جاتے ہیں کہ خود صاحب خانہ کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ کہ کدھر سے کس نے میرے گھر میں جھانک لیا اسی لئے کہا ہے کہ۔

پیش اہل دل نگہدارید دل تا نباشید از گماں بد خجل

اور حدیث میں ہے کہ **اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور الله** او کما قال آگے اس کی تائید کے لئے فرماتے ہیں کہ۔

میبرند از حال انسی خفیہ بو	از بنے بر خواں کہ دیو و قوم او
انسان کی حالت کو پوشیدہ طور پر سونگھ لیتی ہے	قرآن میں پڑھ لے کہ شیطان اور اس کی ذریت

یعنی قرآن شریف سے پڑھو کہ شیطان اور اس کی قوم انسان کی حالت سے چپکے ہی چپکے بولے جاتے ہیں۔

زانکہ زیں محسوس وزیں اشباہ نیست	از رہے کہ انس ازاں آگاہ نیست
کیونکہ ان محسوسات اور ان صورتوں میں سے نہیں ہے	اس راستہ سے جس سے انسان واقف نہیں ہے

یعنی اس راہ سے کہ انسان اس سے آگاہ نہیں ہے اس لئے کہ وہ راہ ان محسوسات میں سے اور ان امثال سے نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو قرآن شریف میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ **انه یراکم هو وقبیله من حیث لاترونهم** تو جب شیاطین اس طرح اسرار قلوب پر مطلع ہو جاتے ہیں کہ انسان کو خبر بھی نہیں ہوتی تو اگر عارفین اور مقبولان حق کو حق تعالیٰ کے اطلاع کر دینے سے اطلاع ہو جاوے تو کیا عجب ہے لہٰذا اے مدعی کاذب تجھے چاہئے کہ۔

بامحک اے قلب دوں لافے مزن	درمیان ناقداں زرقے متن
اے کمینے کھوٹے! کسوٹی سے گپ نہ مار	پرکھنے والوں میں مکاری نہ کر

یعنی پرکھنے والوں کے درمیان میں مکر کومت تن اور اے کمینے کھوٹے کسوٹی کے آگے شیخی مت مار (کیونکہ)

مر محک را راہ بود در نقد وقلب	کہ خدایش کرد امیر جسم وقلب
کسوٹی کے لئے کھرے اور کھوٹے میں راہ ہوتی ہے	کیونکہ خدا نے اس کو جسم اور دل کا حاکم بنایا ہے

یعنی کسوٹی (عارف) کو کھرے کھوٹے میں راہ ہوتی ہے کہ خدا نے اس کو جسم وقلب کا امیر بنایا ہے مطلب یہ کہ کاملین کے سامنے شیخی مارنا بالکل فضول ہے اس لئے کہ یہ کھرے کھوٹے کو خوب پہچانتے ہیں تمہاری فضول کی باتوں سے اور شیخی سے ان کو دھوکہ نہیں ہوسکتا۔ یہ پہچان لیں گے اور پھر مفت میں تمہاری رسوائی ہوگی لہٰذا جو سچی بات ہے اور اصلی حالت ہے اسی کو ان حضرات کے سامنے پیش کردو۔ مکر وتلبیس سے کام مت لو۔ کہ ان کے آگے کچھ نہ چلے گی۔

چوں شیاطین باغلیظہاے خویش	واقف انداز سرما وفکر وکیش
جبکہ شیاطین اپنی گندگیوں کے باوجود	ہمارے راز اور فکر اور مذہب سے واقف ہیں

یعنی جبکہ شیاطین باوجود اپنی غلیظی کے ہمارے اسرار اور افکار اور مذہب پر واقف ہوتے ہیں۔

مسلکے دارند در دیدہ دروں	ماز دزدیہائے ایشان سرنگوں
وہ باطن میں پوشیدہ راستہ رکھتے ہیں	ہم ان کی چوریوں کی وجہ سے اوندھے ہیں

یعنی وہ اندر ہی اندر پوشیدہ ایک راستہ رکھتے ہیں کہ ہم ان کی چوریوں کی وجہ سے سرنگوں ہوتے ہیں۔

دمبدم خبط وزیاں شان میرسد	رنج مے بینند زاں جاں وجسد
ہر گھڑی خبط اور نقصان پہنچتا ہے	اس سے روح اور جسم تکلیف پاتا ہے

یعنی ہر گھڑی ان کا نقصان اور خبط پہنچ رہا ہے کہ اس کی وجہ سے جسم وروح رنج دیکھتے ہیں۔

دمبدم خبط و زیانے می کنند	صاحب نقب وشگاف وروزنند
ہر گھڑی خبط اور نقصان کرتے ہیں	وہ کھڑکی کے سوراخ اور شگاف کے مالک ہیں

یعنی ہر گھڑی ایک خبط اور نقصان کرتے ہیں کہ وہ صاحب نقب وشگاف وروزن ہیں۔

پس چرا جانہائے روشن در جہاں	بے خبر باشند از حال نہاں
تو پھر روشن جانیں دنیا میں کیوں	پوشیدہ حال سے بے خبر ہوں گی؟

یعنی پھر ارواح روشن جہاں میں حال نہاں سے کیوں بے خبر ہوں گے۔

در سرایت کمتر از دیواں شدند	روحہا کہ خیمہ بر گردوں زدند
کیا سرایت کرنے میں شیطانوں سے کم ہوگئیں	وہ روحیں جنہوں نے آسمان پر خیمہ لگایا ہے؟

یعنی وہ ارواح جو کہ آسمان پر خیمہ لگادیں وہ سرایت میں شیاطین سے کم ہوگئیں۔ مطلب یہ کہ دیکھو ابھی

اوپر قرآن شریف سے معلوم ہو چکا ہے کہ شیاطین اسرار وقلوب پر آگاہ ہوتے ہیں اور اس طرح ان کو اسرار کی خبر ہو جاتی ہے کہ حضرت انسان کو ان کے خبر ہونے کی بھی خبر نہیں ہوتی اور پھر اس خبر ہونے سے انسان کو کیسے کیسے نقصان پہنچتے ہیں۔ کہ نقصان روحانی بھی ہوتے ہیں اور جسمانی بھی ہوتے ہیں تو بھلا جب شیاطین مطلع ہو سکیں تو وہ ارواح مقدسہ جو منور بنور اللہ ہیں کیوں مطلع نہ ہوں گی۔ ضرور مطلع ہو سکتی ہیں۔ اگر چہ کسی خاص وجہ سے مطلع نہ ہوں لیکن اطلاع ہو جانا بعید نہیں ہے۔ مطلع ہو سکتے ہیں لہذا اس کا یہ اثر ضروری ہے کہ ان کے آگے تلبیس مت کرو کہ ممکن ہے کہ تمہارے ان حالات پر ان کو حق تعالیٰ مطلع فرمادیں تو اس وقت تمہاری کیسی بے عزتی ہوگی لہذا تم پہلے سے کیوں نہ سچ بولو اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ حضرات اولیاء اللہ عالم الغیب ہوتے ہیں اور مولانا اس کے قائل ہیں۔ حاشا وکلا بلکہ مطلب صرف اس قدر ہے کہ ان حضرات میں حق تعالیٰ نے استعداد ایسی رکھی ہے کہ یہ مطلع ہو سکتے ہیں اور مطلع بھی حق تعالیٰ کے مطلع کرنے سے ہوں گے تو اس کا یہ اثر کہ کسی امر میں تلبیس نہ کرے ضروری ہے اس لئے کہ یہ تو خبر نہیں ہے کہ فلاں امر میں تو مطلع ہو جاویں گے اور فلاں میں نہیں۔ بلکہ ہر امر میں وجود وعدم مساوی درجہ میں ہیں لہذا ہر بات میں خوف کرتا رہے اور بچتا رہے خوب سمجھ لو۔ آگے فرماتے ہیں کہ

دیو دزدانہ سوئے گردوں شود	از شہاب محرق او مطعون شود
شیطان چوروں کی طرح آسمان کی جانب جاتا ہے	جلانے والے شہاب سے اس پر نیزہ لگتا ہے

یعنی دیو چوروں کی طرح آسمان کی طرف جاتا ہے تو شہاب جلا دینے والے سے وہ مارا جاتا ہے۔

سرنگوں از چرخ زیر افتد چناں	کہ شقی در جنگ از زخم سناں
آسمان سے ایسا اوندھا ہو کر نیچے گرتا ہے	جس طرح بدبخت جنگ میں نیزے کے زخم سے

یعنی وہ شیطان آسمان سے ایسا اوندھا نیچے کو گرتا ہے جیسا کہ کافر لڑائی میں بھالے کے زخم سے

آں ز رشک روحہائے دل پسند	از فلک شاں سرنگوں می افگنند
محبوب روحوں کے رشک کی وجہ سے	ان کو آسمان سے اوندھا پھینک دیتے ہیں

یعنی وہ روحہائے دل پسند کی غیرت کی وجہ سے ان کو فلک سے سرنگوں پھینک دیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ شیاطین جب آسمان پر چوری کرنے جاتے ہیں تو ان کو وہاں سے مار کر گرا دیا جاتا ہے یہ اسی لئے کہ ملائکہ کو غیرت آتی ہے کہ جو اسرار کہ ارواح مقدسہ کا حصہ ہیں۔ وہ ان اشقیا کو کیوں دیا جاوے۔ لہذا وہ سرنگوں نیچے کو پھینک دیتے ہیں تو پھر جب باوجود اس قدر شقاوت کے اور اس طرح پھینکے جانے کے بھی یہ مطلع ہو جاتے ہیں تو ارواح مقدسہ کیوں مطلع نہ ہو سکیں گی خوب سمجھ لو کہ یہاں مولانا کو صرف یہ مقصود ہے کہ حضرات اہل اللہ اسرار قلوب پر مطلع ہو سکتے ہیں۔ باقی یہ کہ آیا ہر وقت یا ہر شخص مطلع ہو سکتا ہے یہ ہرگز مقصود نہیں ہے اس لئے کہ خود مولانا کے کلام سے جابجا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے قائل نہیں ہیں اور پھر شریعت بھی اس کے قائل ہونے کی اجازت نہیں دیتی۔ لہذا یہ ہرگز مقصود نہیں کہ جس طرح شیاطین مطلع ہو جاتے ہیں اسی طرح یہ حضرات بھی مطلع ہو جاتے ہیں اور ان کا کشف بھی اختیاری ہے بلکہ تشبیہ صرف اس امر میں ہے کہ یہ بھی مطلع ہو سکتے ہیں جبکہ اور جس کو خداوند تعالیٰ

مطلع فرمادے خوب سمجھ لو پہلے بھی لکھا گیا ہے اور یہاں پھر لکھا جاتا ہے کہ مثنوی شریف سے تصوف کے مسائل نکالنا سخت غلطی ہے اس سے مسائل ثابت نہیں ہوتے بلکہ اس کے دیکھنے والے کو چاہئے کہ اول مسائل تصوف کے محققین سے معلوم کرے اس کے بعد مثنوی کو ان پر منطبق کر دے۔ سب سے اول شریعت ہے کہ جو امر اس کے خلاف ہوگا اگر اس کی کوئی تاویل نہ ہو سکے گی تو اس کو چھوڑ دیں گے اور شریعت کو لیں گے اسی طرح اگر کہیں اس میں فن کے خلاف کوئی بات ہوگی تو اس کے مضمون کو فن کے مسائل پر منطبق کیا جاوے گا اور اس میں تاویل کی جاوے گی اور یہاں تو تاویل بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ مولانا کا یہ مقصود ہرگز نہیں ہے کیونکہ وہ یہ تو نہیں فرماتے کہ تمام اسرار پر مطلع ہو جاتے ہیں اور ہر وقت مطلع ہو جاتے ہیں اور سب اہل اللہ مطلع ہو جاتے ہیں بلکہ وہ تو صرف اس قدر فرماتے ہیں کہ اہل اللہ اسرار پر مطلع ہو جاتے ہیں لہذا ان کے سامنے تلبیس مت کرو یہاں استبعاد ہوا کہ وہ کس طرح مطلع ہو جاتے ہیں تو اس استبعاد کو اس طرح دور فرمایا کہ میاں جب شیاطین تک مطلع ہو جاتے ہیں تو اگر اہل اللہ بھی مطلع ہو جاویں تو کیا عجب ہے تو اس سے ظاہر ہے کہ کسی بات سے بھی یہ نہیں نکلتا کہ مولانا اہل اللہ میں سے کسی کے بھی عالم غیب ہونے کے قائل ہیں خوب سمجھ لو۔ دھوکہ نہ ہو آگے فرماتے ہیں کہ۔

تو اگر شلی و لنگ و کور و کر	ایں گماں بر روحہائے مہ مبر
اگر تو لنجا اور لنگڑا اور اندھا اور بہرا ہے	تو بزرگ روحوں پر ایسا گمان نہ کر

یعنی تو اگر لنگڑا لنجا بہرا اندھا ہے تو ارواح مقدسہ پر یہ گمان مت لے جا۔

شرم دار و لاف کم زن جان مکن	کہ بسے جاسوس ہست آں سوئے تن
شرم کر اور شیخی نہ مار ہلاک نہ ہو	کیونکہ جسم کے ادھر بہت سے جاسوس ہیں

یعنی شرم کر اور شیخی مت مار اور جان کنی مت کر کہ بہت سے جاسوس تن سے اس طرف ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر تم کو اسرار پر اطلاع نہیں ہوتی اور تم اس سے بالکل بے بہرہ ہو تو اولیاء اللہ کو اپنا جیسا کیوں سمجھتے ہو کہ جیسے ہمیں معلوم نہیں ہو سکتا ان کو بھی معلوم نہ ہوگا۔ کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

تجھے چاہئے کہ ان کے آگے شیخی نہ مارے اور شرم کرے اور اس معلوم ہو جانے میں استبعاد ہی کیا ہے دیکھو طبیبان ظاہری جسم کے اندرونی حالات کو صرف نبض دیکھ کر یا صورت دیکھ کر معلوم کر لیتے ہیں۔ تو جب ان کو جسم کے حالات معلوم ہو جاتے ہیں تو اگر ان حضرات کو قلب کے حالات معلوم ہو جاویں تو کیا عجب ہے خوب سمجھ لو آگے اسی کو بیان فرماتے ہیں۔

شرح مبیبی

ترجمہ و تشریح:- یعنی ایک دلق پوش عراق سے آیا۔ دوستوں نے زمانہ مفارقت کی حالت پوچھی اس نے کہا کہ جدائی تو بیشک تھی مگر یہ سفر میرے لئے نہایت مبارک اور خوشخبری والا تھا کیونکہ بادشاہ نے مجھے دس خلعت دیئے ہیں خدا اسے مدح وثنا سے مقترن رکھے۔ غرض کہ اس نے اس کا شکر کیا اور تعریفیں کیں۔ یہاں تک کہ اس نے شکر اور تعریفوں کو حد سے بڑھا دیا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ تو اس قدر شکر اور تعریفیں کرتے ہیں مگر آپ کی تباہ حالت جھوٹ پر گواہی دیتی ہے کیونکہ بدن پر تمہارے کپڑا نہیں سر پر تمہارے ٹوپی تک نہیں جلے بھنے ہوئے ہو ایسی حالت میں یہ شکر یا تو تم نے کسی سے

چرایا ہے یا سیکھا ہے ذرا آپ اپنے سر پر یا پاؤں پر اپنے آقا کی شکر اور تعریف کی نشانی تو دکھایئے کہاں ہے۔ اگر تمہاری زباں بادشاہ کی تعریف کرتی ہے تو تمہارا کل جسم اس کی بزبان حال شکایت کرتا ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ اتنا سخی اور کریم بادشاہ تم پر سخاوت کرے اور نہ تمہارے پاؤں میں جوتہ ہے اور نہ ٹانگوں میں ازار۔ پس معلوم ہوا کہ آپ کا بیان محض غلط ہے اس نے جواب دیا کہ میری خستگی کا باعث یہ ہے کہ جو کچھ مجھے ملا تھا میں دوسروں کو دے چکا ہوں بادشاہ نے اپنی عنایت سے دینے میں کمی نہیں کی ہے بلکہ میں نے بادشاہ سے لے کر یتیموں اور فقیروں کو بانٹ دیا ہے اور میں نے مال دیکر اس کے معاوضہ میں عمر ابد لے لی ہے کیونکہ میں ایک پارسا شخص ہوں لہذا یہی میرے لئے زیبا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ مال کا جانا تو مبارک ہو مگر یہ تو فرمایئے کہ آپ کے اندر یہ غم کا تیر اور گرم دھواں کیسا ہے آپ کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹکنے والی سینکڑوں ناخوشیاں ہیں اور ایثار کے لئے بشاشت لازم ہے اور غم بشاشت کی نشانی ہو نہیں سکتا۔ تو کیسے کہا جاوے کہ آپ کو خوشی ہے اور جب خوشی نہیں تو کیسے مانا جاوے کہ آپ نے وہ تمام مال تقسیم کر دیا۔ جو کچھ آپ نے گذشتہ واقعہ کی نسبت بیان کیا ہے اگر وہ فی الحقیقت صحیح ہے تو عشق و رضا جو کہ منشاء پاکبازی ہیں ان کی نشانی اور اثر دکھلایئے کہاں ہے مال کو تو میں نے مان لیا کہ وہ تقسیم کرنے سے گم ہو گیا۔ مگر محبت الٰہی جو اس کا منشاء ہے وہ کہاں ہے اور اگر سیلاب گزر گیا ہے تو اس کا مقام کہاں ہے جس سے سیلاب کا پتہ چل سکے اور اگر تمہاری آنکھ سیاہ اور جانفزا تھی اور اب وہ جانفزا نہ رہی تو نہ سہی لیکن یہ تو بتاؤ کہ یہ کنجی کیوں ہے غرض کہ جب کسی شے کی بابت کوئی دعویٰ کیا جاتا ہے ایسی حالت میں اگر اس شے کے آثار و نشانات نہ موجود ہوں یا اس کی ضد کے نشانات موجود ہوں تو وہ قابل تسلیم نہیں ہوتا۔ پس آپ دکھلایئے کہ پاکبازی کی آپ کے اندر کون سی نشانی ہے۔ پس خاموش رہئے۔ آپ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ غلط ڈینگیں مارتے ہیں۔ جناب آپ نے دو دعوے کئے ہیں ایک ایثار کا اور ایک پاکبازی کا۔ ایثار کی بھی سینکڑوں علامتیں ہیں اور پارسا کی بھی اور ان دونوں کی نشانیوں میں سے آپ میں کوئی نشانی بھی نہیں پائی جاتی۔ پھر آپ کے دعووں کو سچا کیونکر مان لیا جاوے۔ سنئے اگر ایثار کرنے میں مال ضائع ہوتا ہے تو باطن میں سینکڑوں قسم کی زندگیاں اس کی جگہ پیدا ہو جاتی ہیں یعنی سینکڑوں ایسے کمالات باطنی حاصل ہوتے ہیں جن میں سے ہر ایک کو ایک حیات مستقل کہا جا سکتا ہے بھلا خدا کی زمین میں کوئی عمدہ بیج بوئے اور پیداوار نہ ہو اس کے معنی کیا ہیں جو کھیتی جان میں کی جاتی ہے اور اس میں نیکیوں کا بیج بویا جاتا ہے اگر اس میں ایک دانہ کے سو دانے اور ایک نیکی کے سو ثمرے نہ ہوں تو پھر خدا کی زمین وسیع کیونکر ہوگی۔

فائدہ:۔ اس میں اشارہ ہے آیہ کریمہ وارض اللہ واسعۃ کی طرف۔ گو اس آیہ میں نہ زمین سے مراد روح یا دل ہے اور نہ وسعت سے وسعت معنوی۔ بلکہ یہاں تو ظاہری ہی معنی مراد ہیں۔ مگر مولانا نے اعتبار کے طور پر ارض سے قلب یا روح مراد لی اور وسعت سے کثرت انبات) یہاں تک تو سائلوں کی گفتگو تھی اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ زمین معروف تو خدا کی زمین ہی ہے اس میں تو کلام ہی نہیں مگر اصل خدا کی زمین قلب عارف ہے جو اس متعارف زمین سے جداگانہ ہے کیونکہ یہ مکان ہے وہ لامکان اور اس میں بلندی و پستی ہے اس میں بلندی و پستی نہیں۔ پس جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ اصل خدا کی زمین قلب عارف ہے تو لازم ہے کہ اس کے باغات یعنی صفات محمودہ حق سبحانہ کے باغات ہوں۔ پس اگر خدا کے ان باغوں میں خوشہائے ثمرات محمودہ نہ پیدا ہوں تو تمہیں بتاؤ خدا کی زمین وسیع کیسے ہوگی۔

حالانکہ اس کو زمین کی بہ نسبت زیادہ واسع ہونا چاہئے کیونکہ حق سبحانہ اپنی زمین کو واسع فرما رہے ہیں اور ہم بتلا چکے ہیں کہ یہۂ میں ارض اللہ ہی ہے مگر اصل ارض اللہ قلب عارف ہے تو وہ بالا ولیٰ واسع ہوگی۔ اور جبکہ یہ ارض فانی بے خبر نہیں تو خدا کی زمین جو اس سے زیادہ وسیع ہے۔ بنجر کیسے ہوگی جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ اس کی پیداوار بے انتہا اور بے شمار ہے اور معمولی دانہ نیکی بوؤ تو اس کے سات سو ثمرات محمودہ پیدا ہوتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ دانہ اچھا اور جمنے کے قابل ہو۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ جب دل میں نیکی کا بیج بویا جاتا ہے تو اس سے سینکڑوں ثمرات محمودہ روح و قلب کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔ تو اے ناقص ہم تجھ سے پوچھتے ہیں کہ تو خدا کی تعریف تو کرتا ہے مگر حامدین کی نشانی یعنی آثار محمودہ تجھ میں کہاں ہیں۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ نہ تیرے دل میں کوئی اثر ہے نہ ظاہر میں پس معلوم ہوا کہ تیری تعریف کا بیج اچھا نہیں۔ اور وہ تعریف باقاعدہ نہیں۔ برخلاف عرفاء کے کہ یہ جو کچھ خدا کی تعریف کرتے ہیں وہ باقاعدہ ہوتی ہے کیونکہ ان کے اجزاء بدن ان کی تعریف کی باقاعدہ ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ تعریف ان کے جسم کے اندھیرے کنویں سے نکالتی ہے اور اس دنیا کے جیل خانہ سے رہائی دیتی ہے اور تقویٰ اور اس نور کا اطلس جو کہ اس کے ساتھ مجتمع اور ان کے رگ و ریشہ میں مخلوط ہو کر ان کے ظاہر جسم پر ظاہر ہوتا ہے ان کے شانہ پر ان کے حمد کی علامت ہوتا ہے یعنی ان کی دنیا سے بے تعلقی ہوا و ہوس سے تجرد تقویٰ اللہ اور نور حق سبحانہ یہ سب دلائل ہیں ان کے خلوص حمد کے۔ یہ لوگ اس جہان فانی سے آزاد اور گلزار معارف و حقائق اور ان کے جاری چشموں میں رہتے ہیں اور ان کی نشست گاہ اور جگہ اور مقام اور رتبہ قلب عالی ہمت کے تخت پر ہوتے ہیں یعنی یہ قلب کے بادشاہ ہوتے ہیں اور اس پر ان کا تسلط ہوتا ہے اور ان کا مقام وہ اعلےٰ مقام ہوتا ہے جس میں صدیق لوگ سرسبز اور شادکام اور ہشاش بشاش رہتے ہیں۔

فائدہ:۔ قولہ مقعد صدقیکہ الخ مقعد صدق کے اندر ولی محمد نے دو احتمال بیان کئے ہیں اول یہ کہ خبر ہو رقص کی جو بیت سابق میں واقع ہے۔ دوسرے یہ کہ صفت ہو سریر کی احتمال اول تو ایک درجہ میں صحیح ہے۔ مگر احتمال ثانی غلط ہے کیونکہ اگر مقعد صدق سریر کی صفت ہوگا تو لازم آئے گا کہ اسم ظرف صفت ہو حالانکہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہاں بدل یا بیان ہو سکتا ہے مگر اس وقت یہ خرابی ہے کہ تقدیر عبارت یہ ہوگی بر مقعد صدقیکہ صدیقان در و شادانند ولا یخفی مخالفتہ میرے نزدیک مقعد صدق خبر ہے مبتدا محذوف کی اے مقعد او مقعد صدقیست کہ الخ فتدبر) ان کی حمد خدا ایسی ہوتی ہے جیسے گلشن کی حمد خدا بہار کے ذریعہ سے کہ اس کی سینکڑوں نشانیاں اور شان و شوکت موجود ہیں کیونکہ اس کی بہار پر جو کہ اس کی حمد ہے۔ چشمے درخت نباتات پھولوں کے تختے اور مزین باغیچہ گواہ ہیں اور صرف یہی نہیں کہ اس کی حمد پر گواہ ہی موجود ہوں بلکہ ان گواہوں کے گواہ بھی ہیں اور وہ گواہوں کے گواہ ہر طرف سینکڑوں بلبلیں ہیں یعنی یہ سب اپنی گواہی میں ایسی ہی سچی ہیں جیسے موتی صدف پر گواہی دیتے ہیں۔

فائدہ:۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ شاہد شاہد ترکیب اضافی ہے نہ کہ توصیفی اور شاہد ثانی کے معنی گواہ کے ہیں۔ نہ کہ حاضر یا مشاہدہ کرنے والا محبوب۔ اور ہزاراں کے معنی عندلیباں ہے نہ کہ عدد علو کمالھم المحشون) یہاں تک عارفین کی حالت بیان کر کے پھر گفتگو کا رخ بدلتے ہیں اور مدعی ناقص کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اے شیخیاں مارنے والے مدعی گو تیری حالت ظاہری عرفاء کے مشابہ ہے مگر تیری گفتگو سے تیری بدباطنی کی بو آتی ہے اور تیرے چہرہ سے تیرا غم جھلکتا ہے تو یہ نہ سمجھنا کہ میں اپنی گفتگو سے

سب کو دھوکہ دے لوں گا۔ کیونکہ اس معرکہ میں ایسے ماہر لوگ بھی موجود ہیں جو بو کو پہچانتے ہیں پس جلدی سے فضول ہائے وہوست کر اور جوش وخروش مت دکھلا۔ اور تو مشک کھانے کا دعویٰ نہ کر کیونکہ تیری سانس سے تیری اندرونی حالت معلوم ہوتی ہے۔ تو مدعی ہے کہ میں نے گلقند کھائی ہے مگر تیرے منہ سے لہسن کی بدبو آ رہی ہے جو کہتی ہے کہ تو فضول بکواس مت کر تو یاد رکھ کہ دل کی ایسی مثال ہے جیسے ایک بڑی حویلی ہو۔ اور اس حویلی کے پاس کچھ پڑوسی رہتے ہیں جو کہ سوراخوں میں سے اور دیواروں پر سے اس کی اندرونی حالت معلوم کر لیتے ہیں اور اس شگاف سے مطلع ہوتے ہیں جس کا کسی کو خیال بھی نہیں ہوتا اور صاحب خانہ اس کو سمجھتا بھی نہیں دیکھو قرآن میں مذکور ہے کہ ابلیس اور اس کی ذریات آدمی کو مخفی حالت کو خفیہ طور پر معلوم کر لیتے ہیں اور اس راہ سے معلوم کرتے ہیں جس کا آدمی کو پتہ بھی نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ راستہ از قبیل محسوسات بحواس ظاہرہ واز قبیل اجسام نہیں ہوتا۔ جس کے احساس کا یہ عادی ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو اب ہم کہتے ہیں کہ تم مبصرین کے درمیان رہ کر قرب مت کرو۔ کیونکہ وہ فریب چلنے والا نہیں ہے اور اے کھوٹے سونے تو کسوٹی کے سامنے شیخی نہ مار کیونکہ یہ کسوٹی کھرے کھوٹے دونوں کی حالت کو جان لیتی ہے کیونکہ خدا نے اس کو جسم اور دل دونوں کا حاکم بنایا ہے کیونکہ جب شیاطین باوجود اپنی کثافت یا خباثت کے آدمی کے اسرار اور افکار وغیرہ معلوم کرتے ہیں اور باطن میں ان کے لئے ایک چور گلی بنی ہوئی ہے جس سے وہ چوری کرتے ہیں اور ہم ان کی چوری سے مغلوب ومعکوس ہیں اور ہم کو ان سے ہر دم ایک نیا جنون اور نقصان پہنچتا ہے اور ہمارے اجسام وارواح کو ان سے ہر دم تکلیف پہنچ رہی ہے اور ہر وقت وہ ہم کو ایک نیا جنون دیتے اور نیا نقصان پہنچاتے ہیں کیونکہ ان کے لئے ہمارے ارواح واجسام میں ایک مخفی نقب لگی ہوئی ہے اور مخفی روزن کھلا ہوا ہے جس سے وہ بیکار روائیاں کر سکتے ہیں۔ تو ارواح نورانیہ ہماری حالت خفیہ سے کیونکر ناواقف رہ سکتی ہیں اگر ایسا ہو تو لازم ہوگا کہ جو ارواح گردوں نشین ہیں اور رازہائے آسمانی کے جاننے والے ہیں وہ شیاطین سے بھی کم ہو جاویں حالانکہ وہ ہرگز ان سے کم نہیں اور دلیل اس کی یہ ہے کہ شیاطین آسمان پر جاتے ہیں تو وہ جلا دینے والے شہاب سے مارے جاتے ہیں جس سے وہ زمین پر یوں اوندھے منہ گرتے ہیں جیسے ایک بدبخت جنگ میں انی کا زخم کھا کر گرے۔ اور فرشتے ان کو ان ارواح طیبہ ومرغوبہ کے رشک کے سبب گراتے ہیں۔ کیونکہ اس سے ان کو غیرت ہوتی ہے کہ جو اسرار حصہ ہیں ارواح طیبہ کا ان میں شیاطین بھی شریک ہوں جب ان کی یہ حالت ہے تو پھر وہ کیونکر شیاطین سے کم ہو سکتے ہیں۔ ہم نے مانا کہ تو لنگڑا لُنجا اور اندھا اور بہرا ہے اور تجھے باطن سے کچھ واقفیت نہیں اور تو اس میں گھس نہیں سکتا مگر تجھے عالی مرتبہ ارواح پر ایسا گمان نہ کرنا چاہئے اور شرم کرنی چاہئے اور ان کے سامنے شیخی نہ مارنی چاہئے۔ اور ظاہر کو آراستہ کر کے فضول زحمت میں نہ پڑنا چاہئے۔ کیونکہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو جسم کے اندر کے حالات کے جاننے والے ہیں۔

فائدہ۔ واضح ہو کہ مولانا نے جو عرفاء کے حواس کے انقلاب ہونے کا دعویٰ کیا ہے اور اس پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ شیاطین جب اسرار قلوب پر مطلع ہو جاتے ہیں تو اہل اللہ کیوں نہ ہوں گے۔ اس سے مقصود محض دفع استبعاد ہے اہل اللہ کی اطلاع یابی سے اور یہ مقصود نہیں کہ جس طرح شیاطین کو بوجہ ایک خاص غرض یعنی امتحان عباد کے اختیار دیا گیا ہے کہ جب چاہیں مطلع ہو جائیں یوں ہی اہل اللہ کو بھی اختیار ہے کیونکہ یہ اہل فن کا مسلم مسئلہ ہے کہ کشف اہل اللہ اختیاری نہیں بلکہ جس وقت حق سبحانہ چاہتے ہیں اس وقت ان کو مطلع کر دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں اسے مطلع کرتے ہیں۔ پس نہ کشف حالات کے لحاظ سے عام ہے اور نہ افراد کے لحاظ سے یعنی نہ یہ ہی ہے کہ ہر کسی کو کشف ہو اور نہ یہ ہی کہ جسے کشف ہو اسے ہر حالت میں ہو اگر تم کو ہمارے اس بیان کی تائید خود مولانا ہی کے کلام سے مطلوب ہو تو سنو دفتر سوئم میں مولانا نے دقوقی کا قصہ لکھا ہے اس میں بیان کیا ہے کہ دقوقی نے اہل کشتی کے لئے اثنائے نماز میں دعا کی مقتدین کو جو عارفین کامل تھے۔ اتنا تو مکشوف ہو گیا کہ کسی نے

دعا کی ہے مگر یہ کسی کو معلوم نہ ہوا کہ دعا کرنے والا کون ہے چنانچہ نماز کے بعد انہوں نے آپس میں گفتگو کی اور ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ تم نے دعا کی تھی۔ ان سب نے انکار کیا اس وقت انہوں نے سمجھا کہ دعا کرنے والے دقوقی ہیں۔ نیز دقوقی کو اتنا بھی معلوم نہ ہوا کہ یہ کون لوگ ہیں علی ہذا مثنوی کے تتبع سے اور بھی اس کے نظائر ملیں گے۔ پس ناظر مثنوی کو چاہیے کہ مولانا کے ظاہر کلام سے دھوکہ نہ کھاوے۔ کیونکہ کبھی ان کے کلام سے وہ معنی مفہوم ہوتے ہیں جو ان کی مراد نہیں ہوتی۔ ایسے مقام پر قواعد شرعیہ اور اصول اہل فن اور خود مولانا کے دوسرے کلام کو پیش نظر رکھ کر معنی سمجھے ورنہ گمراہی کا اندیشہ ہے۔

شرح شبّیری

دریافتن طبیبان الٰہی امراض دل و دین را در سیمائے مرید و بیگانہ از لحن گفتار او و رنگ چشم او و بے اینہمہ نیز از راہ دل کہ انہم جواسیس القلوب فجالسوھم بالصدق

خدائی طبیبوں کا معلوم کر لینا دل اور دین کی بیماریوں کو مرید اور اجنبی کے چہرے سے اس کی بات کے لہجے اور آنکھوں کی رنگت سے اور اس کے بغیر بھی دل کے راستہ سے کیونکہ وہ دل کے جاسوس ہیں ان کی ہم نشینی سچائی سے کرو

این طبیبان بدن و انشور اند	بر سقام تو ز تو واقف تر اند
یہ بدن کے طبیب دانش مند ہیں	تیری بیماری پر تجھ سے زیادہ واقف ہیں

یعنی یہ طبیبان بدن عقلاء ہیں کہ تیری بیماریوں پر تجھ سے زیادہ واقف ہیں۔

تا ز قارورہ ہمی بینند حال	کہ ندانی تو ازاں رو اعتلال
حتیٰ کہ وہ قارورہ سے حال معلوم کر لیتے ہیں	کہ تو اس طریقہ سے بیماری کو نہیں سمجھ سکتا

یعنی یہاں تک کہ قارورہ سے حال کو دیکھ لیتے ہیں کہ تو اس طرح بیماری کو نہیں جانتا۔

ہم ز رنگ و ہم ز نبض و ہم ز دم	بو برند از تو بصد گونہ سقم
نبض سے بھی اور رنگت سے بھی اور سانس سے بھی	تیری ہر قسم کی بیماری کا پتہ لگا لیتے ہیں

یعنی رنگ سے بھی اور نبض سے بھی اور سانس سے بھی سینکڑوں قسم کی بیماریوں کو معلوم کر لیتے ہیں۔

پس طبیبان الٰہی در جہاں	چوں ندانند از تو اسرار نہاں
تو دنیا میں خدائی طبیب	منہ کی گفتگو کے بغیر تیری بیماری کو کیسے نہ جان جائیں گے؟

یعنی پس طبیبان الٰہی جہاں میں تیرے اسرار نہانی کو کیوں نہ جانیں گے مطلب یہ کہ جب طبیبان ظاہری تمہارا صرف قارورہ دیکھ کر یا نبض دیکھ کر تمہاری اندرونی حالت تک بتا دیتے ہیں جس کی خود تم کو بھی اکثر خبر نہیں ہوتی کہ ہم کو فلاں مرض ہے اور وہ صرف قارورہ سے بتا دیتے ہیں تو جو طبیبان الٰہی اولیاء اللہ اور عرفاء ہیں کیا وہ تمہارے اسرار نہانی پر مطلع نہیں ہو سکتے ہیں لیکن بعض مرتبہ کسی مصلحت خداوندی کے سبب مطلع نہیں ہوتے ورنہ ان میں استعداد اس کی ضرور ہے۔

صد سقم بینند در تو بید رنگ	ہم ز نبضت ہم ز چشمت ہم ز رنگ
بلاتوقف سینکڑوں بیماریاں دیکھ لیتے ہیں	(وہ) تیری نبض سے بھی، تیری آنکھوں سے بھی، رنگ سے بھی

یعنی تیری نبض سے اور تیری آنکھ اور رنگ سے (طبیبان ظاہری) سینکڑوں مرض غور اور دیکھ لیتے ہیں۔

کہ بدیں آیات شان حاجت بود	ایں طبیبان نو اموزند خود
کیونکہ ان کو ان علامتوں کی ضرورت ہوتی ہے	یہ طبیب خود نو آموز ہیں

یعنی یہ طبیب خودنو آموز ہیں۔ کہ ان کو ان علامات کی حاجت ہوتی ہے (ورنہ)

تا بقعر تار و پودت در روند	کاملان از دور نامت بشنوند
تیرے تانے بانے کی گہرائی میں اتر جاتے ہیں	کامل لوگ دور سے تیرا نام سنتے ہیں

یعنی کاملین تو دور سے تیرا نام سن لیں تو تمہاری اندرونی حالت تک پہنچ جاتے ہیں۔

دیدہ باشندت ترا با حالہا	بلکہ پیش از زادن تو سالہا
تجھے حالات میں دیکھتے رہے ہیں	بلکہ تیری پیدائش سے سالوں پہلے

یعنی بلکہ تمہاری پیدائش سے برسوں پہلے تجھے معہ تیرے احوال کے دیکھے ہوئے ہوتے ہیں۔

زانکہ پر بودند از اسرار ہو	حال تو دانند یک یک موبمو
کیونکہ ذات حق کے رازوں سے پر ہیں	وہ تیرا حال ایک ایک بال بال جانتے ہیں

یعنی تیرا حال ایک ایک ذرا ذرا جانتے ہیں اس لئے کہ اسرار حق سے پر ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ طبیبان ظاہری جو ان اولیاء اللہ کے آگے بالکل نوآموز اور طفل مکتب ہیں۔ جب یہ لوگ صرف نبض وغیرہ دیکھ کر اور چہرہ کا رنگ دیکھ کر اسرار اندرونی اور امراض اندرونی کو معلوم کر لیتے ہیں تو جو کاملین ہیں وہ تو اسرار پر کیوں نہ مطلع ہوں گے ان کی تو یہ شان ہوتی ہے کہ بے کسی علامت نبض وغیرہ کے صرف نام سن کر معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ شخص ایسا ہے اور اس کے اخلاق باطنی ایسے ہیں جیسا کہ بزرگوں کے قصص سے معلوم بھی ہوتا ہے کہ بعض بزرگوں نے صرف نام سن کر اخلاق بتا دیے ہیں بلکہ نام سننا تو الگ رہا بعض حضرات تو ایسے ہوئے ہیں کہ انہوں نے پیدائش سے پہلے ہی سب حالات بتا دیئے ہیں نام بھی صورت شکل بھی اخلاق بھی حالات بھی تو دیکھو بعض مرتبہ بعض بزرگوں کا کشف اس درجہ بڑھ گیا ہے کہ ان کو پیدائش سے قبل ہی تمام حالات کی اطلاع ہو گئی اور یہاں بھی تقریر بالا ہی سمجھ لینی چاہئے کہ یہ کشف نہ ہر وقت ہوتا ہے اور نہ ہر کسی کو ہوتا ہے۔ اور نہ ہر بات کا ہوتا ہے بلکہ جس کو خدا تعالیٰ چاہیں جس وقت چاہیں جس قدر چاہیں مطلع فرما دیں خوب سمجھ لو۔ آگے مولانا حضرت بایزیدؒ کا حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کی نسبت کشف کا قصہ بیان فرماتے ہیں یہاں جو کہا ہے کہ بلکہ پیش از زادن تو سالہا الخ اسی پر یہ قصہ لاتے ہیں کہ دیکھو حضرت بایزید بسطامیؒ نے حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کی پیدائش سے سالہا سال قبل ان کی پیدائش کی خبر دی تھی اور ان کے حالات بھی بتلائے تھے کہ وہ ایسے ہوں گے اور ایک ان ہی کا کیا سینکڑوں

قصے ایسے ہوئے ہیں کہ بزرگوں نے پیدائش سے قبل بتادیا ہے کہ اس طرح فلاں شخص ہوگا کیونکہ ان حضرات کو کہیں سے خود اطلاع تو نہیں ہوتی بلکہ حق تعالیٰ کے اطلاع کرنے سے اطلاع ہوتی ہے تو پس حق تعالیٰ کو جب کل علم ہے تو اس میں سے وہ جس قدر علم چاہیں ان حضرات کو عنایت کر دیں اس میں استبعاد اور استحالہ ہی کیا ہے خوب سمجھ لو اب قصہ سنو۔

شرح مبیبی

ترجمہ و تشریح: اب ہم تمہیں مضمون بالا دوسرے عنوان سے سمجھاتے ہیں سنو یہ طبیبان ظاہری صرف اہل علم ہیں اس پر ان کی یہ حالت ہے کہ تمہارے مرض سے تم سے زیادہ واقف ہیں کہ وہ لوگ قارورہ سے حالت معلوم کر لیتے ہیں۔ اور تم سے زیادہ واقف اس لئے ہیں کہ تم اپنے مرض کو اس جہت سے معلوم کر لیتے ہیں۔ اور تم سے زیادہ واقف اس لئے ہیں کہ تم اپنے مرض کو اس جہت سے معلوم نہیں کر سکتے نیز یہ لوگ نبض سے رنگ سے سانس سے تمہارے ہر قسم کے مرض کا پتہ لگا لیتے ہیں پس جب ان اطباء کی یہ حالت ہے تو طبیبان روحانی تمہاری حالت بدون بیان کئے کیوں نہ معلوم کر لیں گے یہ لوگ بھی تمہاری نبض سے آنکھ سے رنگ سے یعنی علامت و آثار ظاہرہ سے تمہارے سینکڑوں قسم کے امراض کو فوراً معلوم کر لیتے ہیں اور یہ حالت تو کشف کے لحاظ سے معمولی درجہ کے طبیبان روحانی کی ہے کہ ان کو علامت و آثار کی ضرورت ہے اور جو کشف میں کامل ہیں ان کی تو یہ حالت ہے کہ تمہارا نام سن کر تمہارا کچا چٹھا معلوم کر لیتے ہیں بلکہ تمہاری پیدائش سے برسوں پہلے سے تم کو تمہارے احوال کے ساتھ متصف دیکھتے ہیں اور تمہاری ذرا ذرا حالت جان لیتے ہیں کیونکہ وہ اسرار الٰہیہ سے پُر ہوتے ہیں۔

فائدہ:۔ مولانا کے اس کلام کو بھی ان کے کلام سابق کے مطابق سمجھنا چاہیے اور دھوکہ نہ کھانا چاہیے۔

شرح شبّیری

مژدہ دادن بایزید قدس سرہٗ از زادن ابوالحسن خرقانیؒ پیش از سالہا ونشان دادن صورت وسیرت او یک بیک ونوشتن تاریخ نویسیاں آں را جہت صدق او

(حضرت) بایزید قدس سرہٗ کا (حضرت) ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش کے بارے میں سالوں قبل خوشخبری دے دینا اور ان کی صورت اور سیرت کا پوری طرح نشان دے دینا اور ان کی تصدیق کے لئے تاریخ نویسوں کا اس کو لکھ لینا

آں شنیدی داستان بایزید	کوز حال بوالحسن پیشین چہ دید
تونے (حضرت) بایزیدؒ کا وہ قصہ سنا ہے	کہ انہوں نے (حضرت) ابوالحسن کا حال پہلے ہی کیا دیکھ لیا تھا؟

یعنی تم نے وہ بایزیدؒ کا قصہ بھی سنا ہے کہ انہوں نے حضرت ابوالحسن کے حالات پہلے ہی کیا دیکھ لئے تھے (یہاں ایک سوال کر کے کہ جس سے مخاطب کو توجہ قصہ کی طرف ہو جاوے آگے قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔)

روزے آں سلطان تقوی می گذشت	با مریداں جانب صحرا و دشت
ایک دن وہ شاہ تقویٰ جا رہے تھے	جنگل اور بیابان کی طرف مریدوں کے ساتھ

یعنی ایک دن وہ سلطان تقویٰ مریدوں کے ساتھ جنگل میں جا رہے تھے۔

بوئے خوش آمد مر او را ناگہاں	در سوا درے ز سوے خارقاں
اچانک ان کو ایک خوشبو آئی	رے کے اطراف میں خارقان کی جانب سے

یعنی ان کو اچانک رے کے علاقہ میں خارقان کی جانب سے ایک نہایت عمدہ خوشبو آئی۔

ہم بدانجا نالۂ مشتاق کرد	بوے را از باد استنشاق کرد
اسی جگہ انہوں نے مشتاقانہ نالہ کیا	ہوا سے خوشبو کو سونگھا

یعنی انہوں نے اسی جگہ ایک مشتاقانہ نالہ کیا۔ اور خوشبو کو ہوا سے سونگھا۔

بوئے خوش را عاشقانہ می کشید	جاں او از بادہ بادہ می چشید
خوشبو کو عاشقوں کی طرح سونگھتے تھے	ان کی جان ہوا میں سے شراب پی رہی تھی

یعنی (اس) عمدہ خوشبو کو عاشقوں کی طرح کھینچ رہے تھے اور ان کی جاں ہوا سے شراب چکھ رہی تھی مطلب یہ کہ ایک مرتبہ حضرت بایزید بسطامیؒ جنگل میں مریدوں کے ساتھ جا رہے تھے کہ یکا یک ان کو خارقان کی طرف سے ایک خوشبو نفیس آئی بس اس کو سونگھ کر ان کی یہ حالت ہوئی کہ جیسا کوئی کسی کا مشتاق لگا ہوتا ہے اور اس اشتیاق میں نالہ و فغاں کیا کرتا ہے ایسے ہی وہ بھی نالہ و فریاد کرنے لگے اور جیسا کوئی عاشق محبوب کی خوشبو کو سونگھا کرتا ہے اسی طرح وہ اس کو خوب زور زور سے سونگھتے تھے اور اس سونگھنے سے ان کی روح اس طرح مست ہوتی تھی جیسے کہ شراب پی کر انسان مست ہو جاتا ہے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کہ اس ہوا میں شراب ہے جس کو حضرت بایزیدؒ پی رہے ہیں اور مست ہو رہے ہیں۔ اب یہاں شبہ ہوا کہ بھلا تم جو کہتے ہو کہ جان او از باد بادہ می چشید تو بھلا کہیں ہوا میں بھی شراب ہوئی ہے۔ آگے ایک مثال سے اس کا جواب دیتے ہیں کہ۔

کوزۂ کو از یخ آبہ پر بود	چوں عرق بر ظاہرش پیدا شود
وہ پیالہ جو برف کے پانی سے بھرا ہو	جب بوندیں اس کے باہر نظر آتی ہیں

یعنی جو برتن کہ برف کے پانی سے بھرا ہو تو اس کے اوپر کس طرح پسینہ ظاہر ہوتا ہے۔

آں ز سردی باد آبے گشتہ است	از درون کوزہ نم بیروں نجست
تو ہوا ٹھنڈک سے پانی بن گئی ہے	پیالہ کے اندر سے نمی باہر نہیں آتی ہے

یعنی وہ سردی کی وجہ سے ہوا پانی ہو گئی ہے۔ برتن کے اندر سے نمی باہر نہیں آئی۔

باد بوی آور مر او را آب گشت	آب ہم او را شراب ناب گشت
خوشبو لانے والی ہوا ان کے لئے پانی بن گئی	پانی ان کے لئے خالص شراب بن گیا

یعنی خوشبو لانے والی ہوا ان کے لئے پانی ہو گئی تھی اور پانی ہی ان کے لئے شراب ناب ہو گیا تھا۔ مطلب یہ کہ دیکھو اگر کسی لوٹے وغیرہ میں برف کا پانی رکھا ہو تو اس برتن کے اوپر پسینہ سا آ جاتا ہے تو وہ پسینہ کیا ہوتا ہے اس لوٹے کے پاس جو ہوا تھی وہ سردی کی وجہ سے پانی ہو گئی ہے وہ پسینہ سا معلوم ہونے لگا ہے تو جس طرح یہاں

ہوا پانی ہوگئی اسی طرح اگر وہ ہوا جس میں سے ان کو خوشبو آ رہی تھی ان کے لئے قدرت حق سے پانی ہوگئی ہو اور پھر اس پانی میں شراب جیسی مستی آ گئی ہو تو تعجب ہی کیا ہے لہذا ہمارا یہ کہنا کہ جان اوز باد بادہ می چشید بالکل درست ہو گیا۔ غرضکہ حضرت بایزیدؒ اس خوشبو کو سونگھ سونگھ کر مست ہو رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے۔

یک مرید او را ازاں دم بر رسید	چوں درو آثار مستی شد پدید
ان کا ایک مرید اسی وقت پہنچا	جب ان میں مستی کے آثار ظاہر ہوئے

یعنی جب ان میں مستی کے آثار ظاہر ہونے لگے تو ان کا ایک مرید اسی وقت پہنچا۔

کہ برونست از حساب پنج و شش	پس بپرسیدش کہ ایں احوال خوش
جو پانچ (حواس) اور چھ (جہات) کے حساب سے باہر ہیں	تو اس نے دریافت کیا کہ یہ بہترین احوال

یعنی پوچھا کہ یہ عمدہ احوال جو کہ حواس خمسہ سے اور شش جہات سے باہر ہیں۔

می شود روئیت چہ حالست و نوید	گاہ سرخ و گاہ زرد و گہ سپید
آپ کا چہرہ ہو رہا ہے کیا حال اور کیا خوشخبری ہے؟	کبھی سرخ اور کبھی زرد اور کبھی سفید

یعنی آپ کا چہرہ کبھی تو سرخ اور کبھی زرد اور کبھی سفید ہوتا ہے یہ کیا حال ہے اور کیا خبر ہے یعنی ان کی اس حالت میں ایک مرید بھی ان کے پاس جا پہنچا اور اس نے اس حالت کو دیکھ کر عرض کیا کہ حضرت یہ احوال خوش جو اسباب طبعیہ سے باہر ہیں اور جن کی وجہ سے آپ کے چہرہ کا رنگ تک متغیر ہو رہا ہے۔ آخر کیا حالات ہیں اور کیا بات ہے جس کی وجہ سے آپ کی یہ حالت ہو رہی ہے اور عرض کیا کہ۔

بیشک از غیب ست و از گلزار کل	می کشی بوی و بظاہر نیست گل
بیشک وہ غیب سے اور (ذات) کل کے گلزار سے ہے	آپ خوشبو سونگھ رہے ہیں اور بظاہر پھول نہیں ہے

یعنی آپ خوشبو سونگھ رہے ہیں اور ظاہر میں کوئی پھول وغیرہ نہیں ہے تو ضرور گلزار غیب سے کوئی پھول ہے۔ مطلب یہ کہ آپ جو خوشبو سونگھ رہے ہیں تو ظاہر میں تو کوئی پھول وغیرہ ہے نہیں معلوم ہوتا ہے کہ گلزار غیب میں سے آپ کو خوشبو آ رہی ہے اور وہاں کے پھولوں کو سونگھ رہے ہیں اور عرض کیا کہ۔

ہر دم از غیبت پیام و نامۂ	اے تو کام جان ہر خود کامۂ
آپ کے لئے ہر وقت غیب سے نامہ اور پیام ہے	اے وہ کہ آپ ہر حاجت مند کی جان کا مقصود ہیں

یعنی اے وہ ذات کہ ہر طالب کے آپ مقصود ہیں اور آپ کے پاس غیب سے ہر دم پیام و نامہ آتے ہیں۔

می رسد اندر مشام توسفے	ہر دمے یعقوب دار از یوسفے
آپ کے دماغ میں راحت پہنچتی ہے	(حضرت) یعقوبؑ کی طرح ہر وقت ایک یوسف سے

یعنی وہ ہر دم یعقوب علیہ السلام کی طرح ایک یوسف سے تمہاری قوت شامہ میں ایک خوشبو آتی ہے۔

قطرۂ بربریز برمازاں سبو	شمہ زاں گلستاں باما بگو
اس ٹھیلا سے ایک قطرہ ہم پر گرا دیجئے	اس گلستان کا تھوڑا سا حال ہم سے کہہ دیجئے

یعنی ایک قطرہ اس گھڑے میں سے ہم پر ڈالئے اور اس گلستان کا کچھ (حال) ہم سے بیان کیجئے۔

خونداریم اے جمال مہتری	کہ لب ما خشک و تو تنہا خوری
اے بزرگی کے حسن! ہماری عادت نہیں ہے	کہ ہمارے لب خشک ہوں اور آپ تنہا پئیں

یعنی ہم اس کے عادی نہیں ہیں اے زینت سرداری کے کہ ہمارے لب خشک ہوں اور آپ اکیلے ہی اکیلے کھاویں۔

اے فلک پیمائے چست و چست خیز	زانچہ خوردی جرعۂ ما بریز
اے آسمان کو ناپنے والے چالاک اور سبک پرواز!	جو آپ نے پیا ہے (اس کا) ایک گھونٹ ہمیں دیدیجئے

یعنی اے فلک کے جلدی سے ناپنے والے اٹھئے اور جو کچھ آپ نے کھایا ہے اس میں کا ایک گھونٹ ہم پر ڈالئے۔ مطلب یہ کہ اس مرید نے عرض کیا کہ حضرت آپ کی تو وہ شان ہے کہ طالبین کے آپ ہی مقصود ہیں اور غیب سے آپ کو ہر دم نامہ و پیام آتے رہتے ہیں اور ہر دم آپ کو فیوض و برکات غیب سے پہنچتے ہیں۔ اور ہم لوگ اس کے عادی نہیں ہیں کہ آپ کو تو وہ فیوض ملیں اور ہم محروم رہیں بلکہ جناب کی عادت ہے کہ ہم کو بھی اس میں سے عطا ہوتے ہیں تو پس اس وقت بھی جو فیوض و برکات آپ پر فائض ہو رہے ہیں اس میں سے کچھ تھوڑا بہت حصہ تو غریبوں کو بھی عنایت ہو۔ کیونکہ آپ کی تو وہ شان ہے کہ۔

میر مجلس نیست در دوراں دگر	جز تو اے شہ در حریفاں درنگر
زمانہ میں کوئی دوسرا صدر محفل نہیں ہے	اے شاہ! آپ کے سوا دوستوں میں نظر فرمایئے

یعنی اے شاہ (دین) سوا آپ کے دنیا میں کوئی دوسرا میر مجلس نہیں ہے تو ذرا ساتھیوں میں نظر فرمائے۔ مطلب یہ کہ حضرت ہمارے لئے تو اب جہان میں کوئی کامل ہی نہیں ہے کہ اگر آپ سے نہ ملے گا تو اسی سے لے لیں گے۔ اس لئے آپ ہی سے مناسبت ہے۔ لہٰذا آپ ہی عنایت کیجئے اور عرض کیا کہ۔

کے تواں نوشید ایں مے زیردست	مے یقیں مر مرد را رسوا گرست
یہ شراب چھپا کر کب پی جا سکتی ہے؟	شراب یقیناً انسان کو رسوا کرنے والی ہے

یعنی اس شراب کو چھپا کر کب پی سکتے ہیں۔ شراب تو انسان کو یقیناً رسوا کرنے والی ہے۔

بوئے را پوشیدہ و مکنوں کند	چشم مست خویشتن را چوں کند
اپنی بو کو پوشیدہ اور مخفی کر لیتا ہے	اپنی مست آنکھ کا کیا کرے؟

یعنی بو کو پوشیدہ اور مکنون کر لے گا (مگر) اپنی چشم مست کو کیا کرے گا۔ مطلب یہ کہ اس مرید نے عرض کیا کہ حضرت یہ شراب عشق حق ایسی تو ہے نہیں کہ جس کو آپ پی لیں اور کسی کو خبر نہ ہو۔ کیونکہ شراب تو پینے والے کو رسوا کر ہی دیتی ہے کیونکہ

اگر اس کی بو کو منہ صاف کر کرا کے چھپا لیا مگر آنکھوں میں جو مستی بھری ہوئی اور قدم قدم پر جو گرے جاتے ہیں اس کو کہاں سے چھپاؤ گے علیٰ ہذا ہم نے مانا کہ آپ نے اس شراب حب حق کو کسی سے بیان نہ کیا کہ ہم پر کیا حالات ہیں مگر جو آثار کہ ظاہر و باہر ہیں ان کو کہاں سے چھپایئے گا اور شراب ظاہر کی بو تو چھپ بھی سکتی ہے اس کو تو صرف آثار ہی سے معلوم کریں گے مگر یہ تو وہ شراب ہے کہ اس کی تو بو بھی نہیں چھپتی بو سے بھی اور آثار سے بھی معلوم ہوئی جاتا ہے اس کو فرماتے ہیں کہ۔

خود نہ آں بو یست ایں کاندر جہاں	صد ہزاراں پردہ اش دارد نہاں
یہ وہ خوشبو بھی نہیں ہے کہ دنیا میں	لاکھوں پردے اس کو چھپا سکیں

یعنی یہ بو وہ نہیں ہے کہ دنیا میں اس کو لاکھوں پردے بھی چھپا سکیں۔ (بلکہ اس کی تو یہ حالت ہے کہ)

پر شد از تیزی او صحرا و دشت	دشت چہ کز نہ فلک ہم در گذشت
اس کی تیزی سے صحرا اور جنگل بھر گئے ہیں	جنگل کیا وہ تو نو آسمانوں سے گزر گئی ہے

یعنی اس کی تیزی سے جنگل اور میدان پر ہو گئے ہیں۔ اور جنگل تو کیا نو آسمانوں سے نکل گئی۔

ایں سر خم را بہ کہگل در مگیر	کایں برہنہ نیست خود پوشش پذیر
اس مٹکے کے سر کو کہگل سے بند کیجئے	یہ ننگا ڈھکے جانے کے قابل نہیں ہے

یعنی اس مٹکے کے سر کو کہگل سے مت بند کرو کہ یہ برہنہ کپڑے کو قبول کرنے والا نہیں ہے۔

مطلب یہ کہ حضرت یہ وہ شراب نہیں ہے کہ جس کی کسی شے کو بھی آپ چھپا سکیں اس کے تو آثار بھی اور بو بھی سب ظاہر ہو رہے ہیں۔ اور صاف معلوم ہو گیا کہ اس وقت کوئی خاص حالت ہے اور خاص واردات جناب پر ہو رہے ہیں۔ اس کو پوشیدہ کرنے کی آپ کوشش نہ کریں کہ یہ چھپنے والی چیز نہیں ہے۔ لہٰذا خدا کے لئے۔

لطف کن اے راز داں راز گو	انچہ بازت صد کردش باز گو
اے راز کو جاننے والے راز کو بتانے والے مہربانی کیجئے	جو آپ کے باز نے شکار کیا ہے بتا دیجئے

یعنی اے راز (حق) کے جاننے والے مہربانی فرما کر راز کو بیان کر دیجئے اور آپ کے باز نے جو شے شکار کی ہے اس کو بتا دیجئے۔ مطلب یہ کہ عالم غیب سے جو فیوض آپ کو ملے ہیں جنہوں نے آپ کو مست کر دیا ہے وہ ہم کو بھی بتا دیجئے کہ ہم بھی تو سنیں اور فیضیاب ہوں جب اس مرید نے اس قدر اصرار کیا تو حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ۔

گفت بوئے بوالعجب آمد بمن	ہمچنانکہ مر نبی را از یمن
(انہوں نے) فرمایا مجھے ایک عجیب خوشبو محسوس ہوئی ہے	جیسے کہ نبیؐ کو یمن سے (محسوس ہوئی تھی)

یعنی حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ ایک عجیب خوشبو مجھے آئی جیسی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یمن سے آئی تھی۔

کہ محمدؐ گفت بر دست صبا	از یمن می آیدم بوئے خدا
کہ محمدؐ نے فرمایا صبا کے ذریعہ	مجھے یمن سے خدا کی خوشبو آ رہی ہے

یعنی کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صبا کی معرفت مجھے یمن سے بوئے حق آ رہی ہے۔ مطلب یہ کہ حضرت نے جواب دیا کہ مجھے ایک عجیب طرح کی خوشبو آئی ہے جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آئی تھی کہ آپ نے فرمایا تھا کہ مجھے یمن کی طرف سے بوئے رحمٰن آ رہی ہے۔ اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ تو جیسی خوشبو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آئی تھی ویسی ہی مجھے ایک خوشبو آ رہی ہے۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

بوئے رامیں میرسد از جان ویس	بوئے رحمٰن میرسد ہم از اویسؓ
ویس کی جان سے رامین کی خوشبو آ رہی ہے	اویسؓ میں سے بھی خدا کی خوشبو آ رہی ہے

یعنی ویس کی جان سے رامین کی بو آ رہی تھی اور اویس سے بھی بوئے رحمٰن آ رہی تھی۔ یعنی اویسؓ سے اور (ان کے شہر) قرن سے ایک عجیب بو نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مست اور پر طرب کر دیا۔

از اویسؓ و از قرن بوی عجب	آں نبیؐ رامست کرد و پر طرب
اویسؓ اور قرن کی عجیب خوشبو نے	نبیؐ کو مست اور مسرور کر دیا

(رامین ایک عاشق کا نام ہے اور ویس معشوقہ کا نام مؤرخین نے لکھا ہے کہ اول رامین ویس پر عاشق ہو گیا تھا پھر جب ویس نے رامین کو دیکھا تو وہ بھی عاشق ہو گئی اسی لئے فرمایا ہے کہ بوئے رامین میرسد از جان ویس کیونکہ وہ بھی تو عاشق ہو گئی تھی) مطلب یہ کہ جس طرح کہ رامین کے جذب الفت کا اثر ویس میں ہوا تھا کہ اس میں سے رامین کے عشق کی خوشبو آنے لگی اور پھر وہ بھی عاشق ہو گئی۔ ایسے ہی حضرت اویس قرنیؓ کی حب حق کی خوشبو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے شہر کی طرف سے آئی تھی آگے حضرت اویس قرنیؓ کی خوشبو آنے کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

چوں اویس از خویش فانی گشتہ بود	آں زمینی آسمانی گشتہ بود
چونکہ اویسؓ اپنے آپ سے فانی ہو گئے تھے	وہ زمین آسمان بن گئی تھی

یعنی جبکہ حضرت اویسؓ اپنے سے فانی ہو گئے تھے تو وہ زمینی آسمانی ہو گئے تھے۔ مطلب یہ کہ چونکہ حضرت اویس قرنیؓ حب حق میں بالکل فنا ہو چکے تھے اور اپنے تمام ارادوں وغیرہ کو فنا کر کے چکے تھے اور عین مصطلحہ باری تعالیٰ کے ہو گئے تھے اس سے وہ بھی عالم بالا ہی میں سے ہو گئے تھے اور اس فنا کی وجہ سے ان میں سے بوئے حق آئی کہ وہ عین مصطلحہ ہو گئے تھے آگے اس کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں کہ۔

آں ہلیلہ پروریدہ در شکر	چاشنی تلخیش نبود دگر
ہڑ شکر میں مربیٰ بنائی ہوئی	اس میں پھر تلخی کا مزا نہیں ہوتا ہے

یعنی وہ ہلیلہ جو شکر میں مربیٰ بنائی جاوے اس کی تلخی کا مزہ پھر نہیں ہوتا۔

آں ہلیلہ رستہ از ما و منے	نقش دارد از ہلیلہ طعم نے
کیونکہ وہ ہڑ خودی اور انانیت سے نجات پا گئی ہے	صورت ہڑ کی مزا (ہڑ کا) نہیں ہے

یعنی وہ ہلیلہ اپنے وجود سے چھوٹ جاتا ہے تو ہلیلہ کی صورت تو رکھتا ہے مگر مزا نہیں (اسی طرح)

آں کسے کز خود بکلی در گذشت	ایں منی و مائی خود در نوشت
وہ شخص جو خودی سے پوری طرح گزر گیا	اس نے خودی اور انانیت کو لپیٹ دیا ہے

یعنی جو شخص کہ بالکل اپنے سے گزر گیا اپنی اس مستی کو اس نے لپیٹ دیا۔ مطلب یہ کہ دیکھو ہلیلہ اول کیسا کڑوا ہوتا ہے مگر جب اس کو شکر میں ڈال کر اس کا مربیٰ بناتے ہیں تو اس کی وہ تلخی کافور ہو جاتی ہے اور بوجہ شکر کے عین ہو جانے کے وہ بھی شیریں ہو جاتا ہے تو بس اسی طرح جو شخص کہ اپنی مرضیات کو اور ارادوں کو حق تعالیٰ کے ارادوں میں فنا کر دیتا ہے اور عین مصطلحہ ہو جاتا ہے۔ اس میں بھی وہ اور دوسرے آثار پیدا ہو جاتے ہیں تو بس حضرت اویس چونکہ فانی ہو چکے تھے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں سے بوئے حق آئی۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ایں سخن پایاں ندارد باز گرد	تا چہ گفت از وحی غیب آں شیر مرد
اس بات کا خاتمہ نہیں ہے واپس لوٹ	(بتا) اس شیر مرد نے غیبی وحی کے بارے میں کیا کہا!

یعنی اس مضمون کی تو کہیں انتہا نہیں ہے اب تم واپس ہو کر یہ بیان کرو کہ الہام غیب سے اس شیر مرد نے کیا بیان کیا۔ مطلب یہ کہ عین مصطلحہ کا بیان اور فنا کا بیان کرنے کی تو کہیں انتہا نہیں ہے۔ لہٰذا اس مضمون کو تو یہیں چھوڑو اب حضرت بایزید کا قصہ بیان کرو کہ آگے انہوں نے الہام غیب میں سے کیا کیا باتیں بیان فرمائیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح :۔ کیا تم نے شیخ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ سنا ہے کہ انہوں نے شیخ ابوالحسن خرقانی کی ولادت سے پہلے ان کا کیا حال دیکھا تھا اگر نہیں سنا تو اب سنو۔ واقعہ یہ ہے کہ سلطان تقوی بایزید علیہ الرحمۃ ایک مرتبہ اپنے مریدوں کے ساتھ جنگل کو جا رہے تھے۔ اتفاقاً ان کو رے کے علاقہ میں خارقان کی جانب سے ایک نہایت عمدہ خوشبو آئی اس کو سونگھتے ہی انہوں نے ایک مشتاقانہ نالہ کیا اور ہوا میں سے خوشبو کو سونگھنا شروع کی۔ اور اس بو کو عاشقوں کی طرح سونگھتے تھے اور ان کی جان ہوا میں شراب الٰہی پی رہی تھی۔ تم کو شاید تعجب ہو کہ ہوا میں سے شراب الٰہی پینا چہ معنی دارد۔ اس لئے ہم اس استبعاد کو دور کرتے ہیں سنو جس لوٹے میں برف کا پانی بھرا ہو اس کے اوپر کچھ قطرات پسینہ کی طرح نمودار ہو جاتے ہیں۔ ان کو جانتے ہو یہ کیا ہیں۔ سنو برف کی سردی سے وہ ہوا جو لوٹے کو محیط تھی پانی ہو گئی ہے۔ یہ اس کے قطرات ہیں اور یہ نہیں ہے کہ لوٹے کی تری باہر آ گئی ہو پس جب ہوا سردی پا کر پانی بن سکتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ جو ہوا خوشبو کی حامل تھی وہ پانی ہو گئی پس وہ پانی ایک خاص کیفیت سرور پیدا کرنے کے اعتبار سے شراب کا کام دیتا تھا اب کچھ استبعاد نہ رہا۔ خیر تو جبکہ ان کے اندر مستی ذوق و شوق پیدا ہوا ہوئی تو ایک مرید خدمت میں پہنچ گیا اور پہنچ کر دریافت کیا کہ یہ آپ کی عمدہ حالت جو کہ حواس پنجگانہ اور جہات ستہ سے بالاتر ہے اور جس کے اثر سے آپ کا چہرہ کبھی سرخ ہوتا ہے اور کبھی زرد کبھی سفید کیا حالت اور کیا خوشخبری ہے

فائدہ:- ایں احوال خوش مبتدا ہے اور کہ بردست الخ اس کی صفت اولیٰ اور گاہ سرخ الخ بحذف عاطف صفت ثانیہ ہے اور چہ حالتست الخ خبر ہے مبتدا کی) آپ بوسونگھتے ہیں اور بظاہر یہاں کوئی پھول یا کوئی اور خوشبودار شے بھی نہیں تو یقیناً یہ خوشبو غیبی اور اسی گلزار کی ہے جو اصل ہے تمام گلزاروں کی اور جس کو گلزار کل کہنا چاہئے پس اے وہ شخص جو ہر عاشق کی جان کا مقصود ہے اور جس کے پاس ہر دم غیب سے ایک نیا پیام اور نیا رقعہ پہنچتا ہے یعنی جو ہر دم حق سبحانہ سے تلقی فیض کرتا ہے اور جس کی مشام جان میں یعقوب کی طرح ایک عجیب وغریب یوسف یعنی مطلوب حقیقی کی بو پہنچ کر موجب شفائے امراض روحانیہ ہوتی ہے۔ آپ جس سبو سے شراب پی رہے ہیں اس کا کوئی قطرہ ہم پر بھی ڈال دیجئے اور اس گلستان کی کچھ حالت ہم سے بھی بیان فرما دیجئے کیونکہ اے سرداری کے شان وشوکت والے ہم اس کے عادی نہیں ہیں کہ ہم پیاسے ہوں اور آپ تنہا یہ شراب پئیں بلکہ ہمیشہ سے آپ ہمیں شریک کرتے آئے ہیں۔ لہٰذا ابھی شریک کیجئے۔ ہاں اے تیزی کے ساتھ اپنے عروج روحانی سے فلک کو طے کرنے والے آپ جلد اٹھیں اور جو شراب آپ نے پی ہے اس کا ایک گھونٹ ہم پر بھی ڈال دیں۔ اس زمانہ میں آپ کا ساکوئی اس بزم شراب کی مہتمم نہیں ہے۔ پس اے بادشاہ آپ ہم بادہ خواروں پر بھی نظر عنایت کیجئے آپ ہم سے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں مگر شراب کو کوئی چھپا نہیں سکتا۔ بلکہ شراب آدمی کو یقیناً مشہور کر دیتی ہے۔ فرض کرو کہ اگر شراب خوار بو چھپا بھی لے اور پوشیدہ بھی کرلے لیکن اپنی چشم مست کو کیا کریگا وہ تو ظاہر کر ہی دے گی۔ آپ ہم سے چھپانے کی ناحق کوشش کرتے ہیں یہ تو وہ بو نہیں ہے جسے ہزاروں پردے بھی چھپا سکیں کیونکہ اس کی تیزی سے دشت وبیابان پر ہیں۔ دشت و بیابان کیا چیز ہیں بلکہ یوں کہئے کہ فلک نہم سے تجاوز کر گئی ہے پس آپ اس خم کے منہ پر گارا نہ لگائیے کیونکہ یہ برہنہ لباس ہیں چھپنے کے قابل نہیں ہے۔ آپ خواہ اسے کتنے ہی لباس پہنائیں مگر یہ ننگی ہی رہے گی یعنی خواہ آپ اسے کتنا ہی چھپائیں مگر ظاہر ہی ہوگی پس اے محرم راز خداوندا اور اپنی تحقیق سے راز بیان کرنے والے جس راز کو آپ کے شہباز روح نے شکار کیا ہے" اس کو ہم سے بیان فرما دیجئے۔ بایزید علیہ الرحمۃ نے اس درخواست کے جواب میں فرمایا کہ مجھے یوں ہی ایک عجیب خوشبو آئی ہے۔ جس طرح کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یمن کی جانب سے چنانچہ آپ نے فرمایا تھا کہ بذریعہ صبا کے مجھے یمن سے حق سبحانہ کی بو آئی ہے۔ بات یہ ہے کہ جس طرح رامیں کی بو ویس سے آتی تھی یوں ہی حق سبحانہ کی بو اویس سے آتی تھی اور اس عجیب بو نے جو اویس اور ان کے وطن قرن سے آتی تھی۔ روح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مست اور پر جوش کر دیا تھا اور اویس سے بو آنے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے کو ذات حق میں فنا کر دیا تھا (جس طرح کہ ویس نے جو اول رامیں کا معشوقہ تھی رامیں پر عاشق ہو کر اپنے کو فنا کر دیا تھا) اور چونکہ وہ فانی ہو چکے تھے اس لئے وہ زمینی یعنی غیر حق سبحانہ سے آسمانی یعنی متحد مع الحق ہو گئے تھے۔ شاید اس انقلاب کے سمجھنے میں تمہیں کچھ دقت ہو اس لئے ہم ایک محسوس مثال سے سمجھاتے ہیں جب ہلیلہ کو شکر میں مربی کرلیا جاتا ہے تو اس کی صفت رذیلہ یعنی تلخی دور ہو جاتی ہے اور شیرینی کی صفت شریف اس میں سرایت کر جاتی ہے اس وقت وہ ہلیلہ جو وصف ہلیلویت سے الگ ہو چکی ہے صورۃً ہلیلہ ہوتی ہے مگر مزہ ہلیلہ کا اس میں نہیں ہوتا۔ پس یونہی جو آدمی اپنے کو فنا کر دیتا ہے اور خودی کو چھوڑ دیتا ہے تو وہ بایں معنی اپنی حقیقت سے خارج ہو کر حق سبحانہ کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے کہ گو اس کی صورت باقی رہتی ہے مگر صفات رذیلہ اس سے دور ہو جاتی ہیں جو منشا تھیں حق سبحانہ سے مغائرت کا اور وہ متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے یہ حقیقت ہے اس انقلاب کی اور یہ معنی ہیں فنا فی اللہ اور اتحاد مع اللہ کے۔ اچھا یہ گفتگو تو کبھی ختم ہی نہ ہو گی۔ اب لوٹنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ اس بہادر نے الہام غیبی کے متعلق کیا بیان کیا۔

شرح شبیری

جواب سلطان بایزید قدس سرہٗ در معنیٰ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ

انی لاجسد نفس الرحمن من قبل الیمن

شاہ بایزید قدس سرہ کا جواب آنحضورؐ کے قول کے ہم معنیٰ کہ میں یمن کی جانب سے خدائی سانس محسوس کر رہا ہوں

گفت زیں سو بوئے یارے میرسد	کاندریں دہ شہریارے میرسد
فرمایا اس طرف سے ایک دوست کی خوشبو آ رہی ہے	کیونکہ اس گاؤں میں ایک شاہ آئے گا

یعنی حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ اس طرف سے ایک یار کی بوآ رہی ہے کہ اس گاؤں میں ایک بادشاہ آوے گا۔

بعد چندیں سال میزاید شہے	میزند بر آسمانہا خر گہے
کچھ سال کے بعد ایک شاہ پیدا ہو گا	جو آسمانوں پر خیمہ زن ہو گا

یعنی اتنے سال کے بعد ایک شاہ صاحب پیدا ہوں گے جو کہ آسمانوں پر جائے قیام بناویں گے۔

رویش از گلزار حق گلگوں بود	از من او اندر مقام افزوں بود
اس کا چہرہ اللہ کے چمن کے پھول کی طرح ہو گا	وہ مرتبہ میں مجھ سے بڑھا ہوا ہو گا

یعنی ان کا چہرہ گلزار حق سے گلگوں ہوگا اور رتبہ میں وہ مجھ سے بھی زیادہ ہوں گے۔ مطلب یہ کہ حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ میاں اس گاؤں میں سے یعنی خارقان میں سے ایک دوست کی خوشبو آ رہی ہے اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس گاؤں میں سے یعنی خارقان میں سے ایک دوسرے کی خوشبو آ رہی ہے اور مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس گاؤں میں اتنے برس کے بعد ایک شاہ دین پیدا ہوگا جو کہ عالم بالا میں اپنی جائے قیام بناوے گا یعنی بہت بڑے بزرگ ہوں گے جن کے چہرہ پر نور حق ظاہر ہوگا۔ ان کا مرتبہ اور مقام میرے مرتبہ اور مقام سے بھی عالی ہوگا۔

چیست نامش گفت نامش بوالحسن	حلیہ اش وا گفت زابرو تا ذقن
اس کا نام کیا ہے؟ فرمایا اس کا نام ابوالحسن ہے	ان کا حلیہ ابرو سے ٹھوڑی تک صاف بتا دیا

یعنی (مرید نے عرض کیا کہ) ان کا اسم گرامی کیا ہے تو حضرت بایزیدؒ نے فرمایا کہ ان کا نام نامی ابوالحسن ہے اور حضرت بایزیدؒ نے ان کا حلیہ ابرو اور ٹھوڑی تک بیان کر دیا۔ (زابرو تا ذقن سے مراد یہ کہ تمام حلیہ ذرا ذرا کر کے بیان فرما دیا)۔

خد او و رنگ او و شکل او	یک بیک وا گفت از گیسو و رو
ان کا رخسار اور رنگ اور شکل	ایک ایک کر کے گیسو اور چہرے کے بارے میں بتا دیا

یعنی ان کا رخسار اور ان کا رنگ اور ان کی شکل ایک ایک کر کے ان کے گیسو اور رو کی حالت بیان فرما دی۔

حلیہائے روح او را ہم نمود	از صفات و از طریق و جائے بود
انہوں نے روح کے حالات بھی بتا دیئے	صفتوں اور راستہ اور جگہ اور رہائش کے اعتبار سے

یعنی ان کی روح کا حلیہ بھی دکھلایا صفات سے اور طریقہ سے اور جگہ سے اور بود و باش سے مطلب یہ کہ ان کے بدن کا سارا حلیہ بیان فرمایا کہ ایسے رخسار ہوں گے۔ ایسی آنکھ ناک ہوگی ایسے گیسو ہوں گے علی ہذا اور ان کی روح کا حلیہ بھی بیان فرمایا کہ ان میں اس قدر قوت روحانی ہوگی فلاں مرتبہ ولایت وغیرہ پر ان کا مقام ہوگا۔ غرض سارے حلیے بیان فرما دیئے آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

حلیۂ تن ہمچو تن عاریت است	دل بر آں کم نہ کہ آں یک ساعت است
جسم کا حلیہ جسم کی طرح عارضی ہے	اس سے دل نہ لگا کیونکہ وہ تھوڑی دیر کا ہے

یعنی تن کا حلیہ تو تن کی طرح عارضی ہے اس پر دل کو کم رکھ کہ وہ تو ایک گھڑی کا ہے۔

حلیۂ روح طبیعی ہم فناست	حلیۂ آن جاں طلب کاں بر سماست
طبیعی روح کا حلیہ بھی فانی ہے	اس جان کا حلیہ طلب کر جو آسمان پر ہے

یعنی روح طبعی کا حلیہ بھی فانی ہے اس روح کا حلیہ طلب کرو جو آسمان پر ہے۔ مطلب یہ کہ تم نے جو ان کے حلیہ تن کو سنا ہے اور ان کی روح طبعی کے حلیے سن کر خوش ہو رہے ہو۔ اسی میں مت لگ جانا کہ یہ تو فانی چیزیں ہیں اس روح مجرد کا حلیہ دیکھو کہ جو باقی ہے جس کا مرتبہ عالی اور مقام عالم بالا اور عالم غیب ہے غرض کہ ان اشیاء فانی میں مت لگو عالم غیب اور عالم بالا کی طرف متوجہ ہو۔ آگے پھر ان ہی کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

جسم او ہمچوں چراغے بر زمیں	نور او بالائے سقف ہفتمیں
اس کا وجود چراغ کی طرح زمین پر ہے	اس کی روشنی ساتویں چھت سے اوپر ہے

یعنی ان کا جسم تو چراغ کی طرح زمین پر ہوگا مگر ان کا نور ساتویں چھت کے اوپر ہوگا۔ مطلب یہ کہ ان کا جسم ظاہری تو زمیں پر ہوگا مگر ان کا نور باطن ساتویں آسمان سے بھی بالا ہوگا۔ جیسا کہ چراغ ہوتا ہے کہ وہ تو ایک جگہ رکھا رہتا ہے مگر اس کا نور تمام مکان کو روشن کیے ہوتا ہے۔ آگے اور اسی کے نظائر بیان فرماتے ہیں کہ۔

آں شعاع آفتاب اندر وثاق	قرص او اندر جہاں چار طاق
سورج کی شعاع گھر میں ہے	اس کی ٹکیہ آسمان کے جہان میں ہے

یعنی وہ آفتاب کی شعاع تو گھر میں ہے اور اس کی ٹکیہ جہاں چار طاق میں ہے (جہاں چار طاق سے مراد آسماں) مطلب یہ کہ دیکھو آفتاب کا نور تو کس قدر پھیلا ہوا ہوتا ہے مگر اس کا جسم ایک جگہ ہی ہوتا ہے۔

نقش گل در زیر بینی بہر لاغ	بوئے گل بر سقف و ایوان دماغ
پھول کا جسم تفریح کے لئے ناک کے نیچے ہے	پھول کی خوشبو دماغ کے محل اور چھت پر ہے

یعنی پھول کا نقش تو ناک کے نیچے ہوتا ہے اور پھول کی خوشبو محل دماغ کی چھت پر ہوتی ہے۔

مرد خفتہ در عدن دیدہ فرق	عکس آں بر جسم افتادہ عرق
(گھر میں) سویا ہوا عدن میں خوف دیکھتا ہے	اس (خوف) کے پرتو سے جسم کو پسینہ آتا ہے

یعنی انسان عدم میں سوتا ہوا ہوتا ہے تو خوف دیکھتا ہے اس کا عکس اس کے جسم پر پسینہ آجاتا ہے۔

پیرہن در مصر رہن یک حریص	پر شدہ کنعاں ز بوئے آں قمیص
لباس مصر میں ایک لالچی کے قبضہ میں ہے	اس قمیص کی خوشبو سے کنعان بھر گیا ہے

یعنی مصر میں لباس (یوسفی) ایک حریص (برادر یوسف) کے پاس تھا اور اس کرتہ کی خوشبو سے کنعاں بھرا ہوا تھا۔ مطلب یہ کہ دیکھو آفتاب کا جسم ایک جگہ ہے اور نور تمام عالم میں پھیلا ہوا ہے۔ علی ہذا پھول کو ناک کے نیچے رکھ کر سونگھتے ہیں اور اس کی خوشبو دماغ کے اعلیٰ حصہ تک پہنچتی ہے اور لیجئے ایک شخص سو رہا ہے اور خواب میں کوئی خوفناک واقعہ دیکھتا ہے تو جسم پر اس کے پسینہ آ جاتا ہے حالانکہ ظاہر جسم پر کوئی خوف وغیرہ نہیں ہے مگر خواب کا یہ اثر ہوتا ہے اور سنئے کہ پیراہن یوسفی (بھی مصر میں برادران یوسف علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام نے عنایت ہی کیا تھا مگر اس کی خوشبو کنعان میں پہنچ گئی۔ اسی طرح حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کا جسم اگرچہ خاک پر اور اس دنیا فانی میں ہوگا مگر ان کا نور روحانی ساتوں آسمان سے بھی بلند ہوگا غرض کہ ان کی پوری حالت کو بیان فرما دیا۔

بر بشتند آں زماں تاریخ را	از کباب آراستند آں سیخ را
اس وقت انہوں نے تاریخ لکھ لی	اس سیخ کو کباب سے آراستہ کر لیا

یعنی لوگوں نے اسی وقت تاریخ لکھ لی۔ اور کباب سے اس سیخ کو سنوار لیا۔ (سیخ را از کباب آراستن اے کار را بانجام رسانیدن) مطلب یہ کہ انہوں نے اسی وقت تاریخ وغیرہ لکھ لی اور کام بالکل ٹھیک کر لیا کہ کوئی کسر باقی نہ رہی تاریخ سنہ حلیہ حالات واقعات وغیرہ جو بیان کئے تھے سب لکھ کر رکھ لئے۔

چوں رسید آں وقت وآں تاریخ راست	زاں زمین آں شاہ پیدا گشت خاست
جب ٹھیک وہ وقت اور تاریخ آئی	اس زمین سے وہ شاہ پیدا ہو گئے اور اٹھے

یعنی جب ٹھیک وہ وقت اور تاریخ پہنچی تو اس زمیں سے وہ شاہ (دین) پیدا ہوئے اور اٹھے مطلب یہ کہ جب وہ تاریخ جس کو حضرت بایزیدؒ نے لکھوایا تھا پہنچی تو حضرت ابوالحسن خرقانی پیدا ہو گئے آگے ان کی پیدائش کے قصہ کو بیان فرماتے ہیں۔

ترجمہ تشریح: غرض تو بایزید علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ اس طرف میرے محبوب (حق سبحانہ) کی بو آتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس گاؤں میں ایک جلیل القدر ولی اللہ پیدا ہونے والے ہیں اتنے سال کے بعد ایک بزرگ پیدا ہوں گے اور آسماں پر خیمہ زن ہوں گے یعنی نہایت عالی مرتبت ہوں گے اور ان کا چہرہ گلزار حق سبحانہ سے گلگوں ہوگا۔ اور مجھ سے مقام میں بڑھ کر ہوں گے۔ کسی نے پوچھا کہ ان کا نام کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ابوالحسن نام بتلا کر آپ نے ابرو سے تھوڑی تک پورا حلیہ بھی بیان کر دیا اور ان کے رخسار رنگ، شکل، گیسو اور چہرہ کی تفصیلی کیفیت بیان کر دی۔ اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی روح کا حلیہ بھی بتلا دیا۔ یعنی اس کے صفات اور اس کا مسلک اور مقام بھی بیان کر دیا۔ یہاں سے مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اس بیان سے معلوم ہوا کہ نقشہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک جسم کا نقشہ دوسرا روح کا نقشہ۔ پس تم سمجھو کہ جس طرح جسم چندروزہ ہے یوں ہی اس کا نقشہ (حسن وغیرہ) بھی چندروزہ ہے۔ پس اس سے دل نہ لگاؤ۔ کیونکہ یہ تھوڑی دیر کا

مہمان ہے اور روحیں دو قسم کی ہیں ایک روح حیوانی دوسری روح انسانی۔ سو روح حیوانی کا نقشہ بھی فانی ہے اس سے بھی دل نہ لگانا چاہئے ہاں اس روح انسانی کا حلیہ باقی ہے جو آسمان پر ہے اور جس کو عالم بالا سے تعلق ہے لہذا اس جان کا حلیہ مطلوب ہونا چاہئے۔ خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب سنو کہ بایزید علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ ابوالحسن کا جسم تو چراغ کی طرح زمین پر ہوگا۔ اور اس کا نور ساتویں آسمان سے اوپر اس مضمون کو ہم دیگر چند مثالوں سے سمجھاتے ہیں۔ سنو قرص آفتاب آسمان پر ہوتی ہے مگر اس کی شعاعیں لوگوں کے گھروں میں۔ نیز صورت گل ناک سے نیچے ہوتی ہے مگر بو دماغ میں ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک شخص سوتا ہوتا ہے اور عدن میں دو ایک خوفناک منظر دیکھتا ہے مگر اس کے جسم پر پسینہ آجاتا ہے اور دیکھو پیرہن یوسفی مصر میں ایک شخص کے قبضہ میں تھا مگر کنعان اس کی بو سے مالا مال تھا ان تمام مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ذات شے کہیں اور ہو اور اس کا اثر کہیں اور یہ ممکن بلکہ واقع ہے۔ پس یہی حالت ابوالحسن کی ہوگی کہ گو وہ خود زمین پر ہوں گے مگر ان کے انوار عالم بالا پر ہوں گے۔ خیر تو جب انہوں نے ان کی تفصیل حال بیان کر دی تو لوگوں نے ان کی تاریخ ولادت لکھ لی۔ جو شیخ کی زبان سے سنی تھی پس جب وہ وقت اور تاریخ آئی تو اسی سر زمین سے جس سے شیخ نے ان کا پیدا ہونا بیان کیا تھا۔ ابوالحسن ظاہر ہوئے۔

شرح شبّیری

زادن شیخ ابوالحسن قدس سرہٗ خرقانی بعد از وفات شیخ بایزید روح اللہ روحہ بہماں تاریخ

حضرت ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ کا شیخ بایزیدؒ کی وفات کے بعد

اسی تاریخ کو پیدا ہونا اللہ تعالیٰ ان کی روح کو راحت پہنچائے

زادہ شد آں و نرد ملک باخت	از عدم پیدا شد و مرکب بتاخت
وہ شاہ پیدا ہو گئے اور سلطنت کی بازی کھیلی	عدم سے پیدا ہوئے اور سواری دوڑا دی

یعنی وہ شاہ (دین) پیدا ہوئے اور ملک کی بازی کھیلی عدم سے پیدا ہو کر مرکب کو چلایا۔ مطلب یہ کہ حضرت پیدا ہوئے اور ملک دین کے بادشاہ ہوئے یعنی شیخ طریقت ہوئے۔

از پس آں سالہا آمد پدید	بوالحسن بعد از وفات بایزید
اس کے سالوں بعد پیدا ہوئے	ابوالحسنؒ بایزیدؒ کی وفات کے بعد

یعنی ان برسوں کے بعد (جن کو حضرت بایزید نے فرمایا تھا) حضرت ابوالحسنؒ بعد وفات حضرت بایزیدؒ کے ظاہر ہوئے یعنی حضرت بایزیدؒ کی وفات کے اسی قدر مدت بعد جتنی کہ وہ بتلا گئے تھے حضرت ابوالحسنؒ پیدا ہوئے۔

جملۂ خوہائے او زامساک وجود	آنچناں آمد کہ آں شہ گفتہ بود
ان کی تمام عادتیں نہ دینے اور دینے میں	اسی طرح ثابت ہوئیں جیسا کہ ان شاہ نے فرمایا تھا

یعنی ان کی تمام خصلتیں سخاوت کی اور امساک کی اس طرح آئیں جیسی کہ اس شاہ (دین) نے بنائی تھیں ۔اب یہاں کسی کو شبہ ہو سکتا تھا کہ انہوں نے اس طرح کیسے بنا دیا اس شبہ زائل فرماتے ہیں کہ۔

لوح محفوظ است او را پیشوا	از چہ محفوظ است محفوظ از خطا
لوح محفوظ ان کی پیشوا ہے	کس چیز سے محفوظ؟ غلطی سے محفوظ ہے

یعنی لوح محفوظ ان کی پیشوا تھی اور محفوظ کس شے سے تھی خطا۔ محفوظ تھی۔

نے نجوم ست و نہ رمل ست و نہ خواب	وحی حق واللہ اعلم بالصواب
نہ نجوم ہے نہ رمل ہے اور نہ خواب	اللہ کا الہام ہے اور خدا زیادہ بہتر جانتا ہے

یعنی نہ کوئی نجوم تھا اور نہ رمل تھا اور نہ خواب تھا۔ (بلکہ) الہام حق تھا واللہ اعلم بالصواب مطلب یہ کہ انہوں نے ان کے قصہ کو نہ تو کسی رمل سے نہ نجوم سے نہ خواب وغیرہ کسی شے سے معلوم کیا تھا۔ بلکہ لوح محفوظ پر سے حق تعالیٰ نے ان کو بذریعہ الہام کے بتا دیا تھا۔ اس لئے ان کو معلوم ہو گیا تھا۔ اور مصرعہ از چہ محفوظ الخ جملہ معترضہ کے طور پر ہے کہ لوح محفوظ کو لوح محفوظ کیوں کہتے ہیں فرماتے ہیں کہ وہ خطا سے چونکہ محفوظ ہے اس لئے لوح محفوظ کہتے ہیں۔ غرض الہام حق سے ان کو معلوم ہو گیا تھا۔ باقی اگر اور کوئی بات ہو اس کو اللہ جانے ہمیں تو جس قدر معلوم تھا بیان کر دیا آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

از پئے روپوش عامہ در بیان	وحی دل گویند آں را صوفیاں
عوام سے روپوشی کے لئے بیان میں	اس کو صوفی دل کی وحی کہہ دیتے ہیں

یعنی عوام کے بتلانے کے لئے بیان میں صوفیہ اس کو وحی دل کہہ دیتے ہیں۔

وحی دل گیرش کہ منظر گاہ اوست	چوں خطا باشد کہ دل آگاہ اوست
اس کو دل کی وحی تسلیم کرلے کیونکہ وہ اس (خدا) کی نظرگاہ ہے	غلطی کیسے ہوگی کیونکہ دل اس سے باخبر ہے

یعنی اس کے دل کی لینے والی وحی جو اس کی منظر گاہ ہے۔ کیونکر غلط ہو سکتی ہے کہ دل اس سے آگاہ ہے۔

مومنا ینظر بنور اللہ شدی	از خطا و سہو ایمن آمدی
اے مومن! تو "وہ دیکھتا ہے اللہ کے نور سے" بن گیا ہے	تو غلطی اور بھول سے محفوظ ہو گیا ہے

یعنی اے مومن تو ینظر بنور اللہ ہو گیا ہے اور خطا اور سہو سے بے خوف ہو گیا ہے۔ مطلب یہ کہ اس الہام حق کو عوام کے سمجھانے کے لئے حضرات صوفیہ الہام قلب کہہ دیتے ہیں ورنہ اصل میں یہ الہام حق ہی ہوتا ہے جس میں کہ اگر کوئی مانع اور عارض نہ ہو تو خطا نہیں ہو سکتی اور سہو نہیں ہو سکتا ہاں عارض کے ہوتے ہوئے اگر خطا و سہو ہو وہ اور بات ہے ورنہ اس میں خطا و سہو ہرگز نہیں ہوتا۔ اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے حواس ظاہری کہ آنکھ دیکھتی ہے اور اگر کوئی عارض اور مانع نہ ہو تو عادت یہ ہے کہ اس کے دیکھنے میں خطا نہیں ہوتی لیکن اس میں بھی عارض ہو تو خطا ہو جاتی ہے مگر اس خطا کے ہو جانے سے کوئی اس کے ادراکات

کو غیر یقینی نہیں کہتا۔ بلکہ ادراکات یقینی ہی ہیں اور اس کا غلط ہو جانا عارض کے سبب سے کہا جاوے گا۔ اسی طرح ان حواس باطن میں بھی ہے کہ اگر عارض پیش نہ آوے تو بے شک ان میں غلطی نہیں ہوتی اسی لئے بعض صوفیہ نے ان کے ادراکات کو یقینی قرار دیا ہے مگر محققین صوفیاں ان کے ادراکات کو ظنی ہی کہتے ہیں کہ ان پر یقین کر کے کسی سے بدگمان ہو جانا یا کسی پر تہمت لگا دینا جائز نہیں فرماتے۔ خوب سمجھ لو۔ آگے اس غلام کے وظیفہ گم ہو جانے کے قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور اسی کے ذیل میں یہ مضمون بھی بیان فرما دیں گے کہ حضرات اہل اللہ کا وظیفہ اور ان کا کھانا دل و جان سے ہوتا ہے اور ان کی اصل غذا غیب سے ہوتی ہے۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح: وہ پیدا ہوئے اور پیدا ہو کر سلطان طریقت ہو گئے وہ عدم سے وجود میں آئے اور موجود ہو کر راہ سلوک کو طے کرنا شروع کر دیا۔ وہ بایزید علیہ الرحمہ کی وفات کے بھی چند سال بعد پیدا ہوئے مگر جو صفات شیخ نے بیان کی تھیں کہ ان میں اپنے محل پر بخل ہوگا جو محمود ہے اور اپنے موقع پر سخاوت ہوگی وہ سب اسی طرح ظاہر ہوئیں جس طرح انہوں نے بیان کی تھیں اور کیوں نہ ہوتیں وہ تو لوح محفوظ کے مطالعہ سے کہہ رہے تھے اور لوح محفوظ کو محفوظ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں غلطی نہیں ہو سکتی۔ تو ان کا بیان کیونکر غلط ہو سکتا تھا اور ان کا بیان وحی حق سبحانہ پر مبنی تھا نہ کہ نجوم یا رمل یا خواب پر پھر غلطی کیسے ہو سکتی تھی اس مقام پر ہم تمہیں ایک باریک بات پر مطلع کرتے ہیں وہ یہ کہ کشف و الہام بھی وحی ہے مگر عوام سے مخفی رکھنے کیلئے صوفیہ اس کو مطلق استعمال نہیں کرتے۔ بلکہ وحی دل کہتے ہیں تا کہ عوام دھوکہ میں نہ پڑ جائیں اور اس سے وہ وحی نہ سمجھ جائیں جو مخصوص ہے انبیاء کے ساتھ اور اہل اللہ کو نبی نہ سمجھ بیٹھیں یا ان سے بدظن نہ ہو جائیں۔ خیر تم اسے اس دل کی وحی مانو جو محل نظر حق سبحانہ ہے اور مطلق وحی نہ کہو۔ مگر اس سے اصل مقصود پر کچھ اثر نہیں پڑتا کیونکہ اس وقت بھی یہ یقینی ہی رہے گی کیونکہ وہ قلب عارف باللہ ہے اور صاحب قلب مومن ہے اور مومن ناظر بنور اللہ اور نظر بنور۔ اللہ خطا و سہو سے مامون ہے۔ اس لئے عارف خطا و سہو سے مامون ہے پھر غلطی کیونکر ہو سکتی ہے۔

فائدہ: تفصیل اس مقام کی یہ ہے کہ یقینیت و عدم یقینیت کشف و الہام غیر نبی اہل فن کے درمیان مختلف فیہ ہے کچھ لوگ انہیں یقینی کہتے ہیں اور کچھ لوگ یقینیت کا انکار کرتے ہیں۔ مولانا کی تحقیق مسلک اول کے موافق ہے اور وہ بھی یقینیت کا دعویٰ کرتے ہیں اس بناء پر وہ کہتے ہیں کہ کشف و الہام بھی حقیقۃً اقسام ہیں وحی کے۔ اس لئے ان پر وحی کا اطلاق فی نفسہ صحیح ہے۔ مگر صوفیہ لوگوں کو غلطی سے بچانے کے لئے اس کو مطلق استعمال نہیں کرتے۔ اور وحی دل کہتے ہیں جس سے وحی انبیاء اور وحی اہل اللہ میں تغایر نوعی مفہوم ہوتا ہے اور اہل اللہ پر دعویٰ نبوت کا شبہ نہیں ہوتا اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اچھا تم اس کو مطلق وحی نہ کہو بلکہ وحی دل ہی مانو۔ مگر یقینیت اس کی اس وقت بھی ہاتھ سے نہیں جاتی کیونکہ قلب عارف باللہ ہے اور صاحب قلب مومن اور مومن ناظر بنور اللہ اور نظر بنور اللہ میں خطا و سہو واقع نہیں ہو سکتے تو ہمارا مدعا ثابت ہے یہ تو حاصل ہے اس کلام کا اب ہم اس شبہ کو دفع کرنا مناسب سمجھتے ہیں جو سالکین مسلک یقینیت کشف و الہام پر وارد ہوتا ہے ان پر شبہ یہ ہوتا ہے کہ اس صورت میں ان کا نبی ہونا لازم آئے گا۔ اور لازم ہے کہ ان کے الہام و

کشف کا منکر کافر ہو جواب اس کا یہ ہے کہ الہام و کشف کا یقینی ہونا اور ان کا وحی حق ہونا نبوت کو مستلزم نہیں ہے نبوت ایک خاص منصب ہے۔ پس یہ ضروری نہیں کہ جس کو کشف والہام یقینی ہو اس کو یہ خاص منصب بھی عطا ہو۔ مثلاً بادشاہ اپنے وزیر سے بھی خطاب کرتا ہے اور ایک خادم سے بھی اور باوجودیکہ وہ خطاب دونوں کے لئے قطعی ہوتا ہے مگر اس سے وہ خادم وزیر نہیں ہو جاتا اور اس الہام و کشف کا منکر کافر اس لئے نہیں ہوتا کہ ان کے یقینیت کسی دلیل قطعی سے ثابت نہیں۔ چنانچہ مولانا نے جو دلیل بیان فرمائی ہے وہ بھی خطابی ہے نہ کہ برہانی۔ نیز خود ان قائلین کے فہم میں بھی نفس الامر میں غلطی کا احتمال موجود ہے اس لئے نہ دوسرے لوگ کشف والہام اہل اللہ کے انکار سے نفس الامر میں کافر ہو سکتے ہیں اور نہ قائلین بہ یقینیت کشف والہام کے نزدیک اور نہ وہ لوگ خود اپنے کشف والہام کے انکار سے کافر ہو سکتے ہیں) خیر یہ گفتگو تو ختم نہ ہوگی اور وہ جوان روٹی کی کمی سے کمزور ہو گیا ہے اس لئے اس گفتگو کو چھوڑ کر اس کی خبر لینی چاہئے۔

ف: واضح ہو کہ اس سخن پایاں ندارد لغ نسخۂ موجودہ میں سرخی آئندہ کے تحت میں تین شعروں کے بعد واقع ہے لیکن چونکہ مضمون کے لحاظ سے اس کا مقام پر ہونا مناسب نہیں تھا اس لئے اس مقام پر نقل کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالسرار خلص عبادہ)

شرح شبّیری

رجوع بحکایت کمی اجرائے آں غلام و دربیان اجرائے دل و جان صوفی از طعام اللہ تعالیٰ

اس غلام کی روزی کی کمی کی حکایت کی طرف رجوع اور اس کا بیان کہ صوفی کے دل و جان کی روزی خدائی کھانے سے ہوتی ہے

صوفیے از فقر چوں در غم شود	عین فقرش دایہ و مطعم شود
کوئی صوفی جب فقر سے رنجیدہ ہوتا ہے	اس کیلئے خود فقر دایہ اور کھانا کھلانے والا بن جاتا ہے

یعنی صوفی فقر سے کیوں غم میں ہو اس لئے کہ عین فقر اس کے لئے مربی اور کھانا کھلانے والا ہوتا ہے۔

زانکہ جنت از مکارہ رستہ است	رحم عاجز و اشکستہ است
کیونکہ بہشت تکالیف سے بنی ہے	رحم عاجز اور شکستہ (دل) کا حصہ ہے

یعنی چونکہ جنت ناگوار چیزوں سے بنی ہے تو رحم عاجز اور شکستہ حال کا حصہ ہوتا ہے۔

آنکہ سرہا بشکند او از علو	رحم حق و خلق ناید سوی او
وہ شخص جو تکبر سے سروں کو کچلتا ہے	اللہ اور مخلوق کا رحم اس کی جانب نہیں آتا ہے

یعنی جو شخص کہ سر کو غلو کی وجہ سے توڑے تو حق تعالیٰ کا اور مخلوق کا رحم اس کی طرف نہیں آتا مطلب یہ کہ اہل اللہ کو فقر سے اور دنیا کی کمی سے کچھ غم نہیں ہوتا بلکہ وہ فقر وغیرہ میں خوش رہتے ہیں کیونکہ حدیث میں ہے کہ حفت الجنة بالمکارہ کہ جنت کے چاروں طرف ناگوار اشیاء کی باڑ لگی ہوئی ہے کہ جو جنت میں جاوے اول ناگواریوں کو برداشت کرے تو جنت میں جانے کے لئے ان اشیاء کا گوارا کرنا شرط ہوا تو اہل اللہ کو دنیا کی کمی سے کیوں غم ہوگا وہ تو

جانتا ہے کہ اس کی کمی سے خدا کے یہاں کی نعمتیں نصیب ہوں گی لہذا یہ کمی اس کے لئے موجب فرح ہوتی ہے اور بجائے اس دنیوی فرحت کے یہ فرحت اس کو بے حد خوش کن ہوتی ہے مگر یہ تو اس کے لئے ہے جو اللہ والا ہو اور جس میں یہ صفت نہ ہو اس کو تو بس یہ دنیا ہی کی نعمتیں مایہ زندگی ہوں گی اور ان ہی کے پیچھے جان دے گا جیسا کہ وہ غلام تھا کہ ذرا سے وظیفہ کی کمی سے گھبرا گیا اور بادشاہ کو شکایت لکھی آگے اسی کے قصہ کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

ایں سخن پایاں ندارد واں جواں	از کم اجرائے نان شد ناتواں
اس بات کا خاتمہ نہیں ہے اور وہ جوان	روزی کے کم ہو جانے سے کمزور ہو گیا ہے

یعنی یہ باتیں تو انتہا نہیں رکھتیں اور وہ جوان وظیفہ کی کمی کی وجہ سے ناتواں ہو رہا ہے مطلب یہ کہ اس مضمون کی اور اولیاء اللہ کے طعام غیب سے کھانے کے مضمون کی تو کہیں انتہا نہیں ہے اس کو ترک کرو کہ وہ غلام وظیفہ کی کمی کی وجہ سے مرا جا رہا ہے اس کا قصہ بیان کرو۔ اتنا فرما کر آگے پھر وہی مضمون ارشاد فرماتے ہیں کہ۔

شاد آں صوفی کہ رزقش کم شود	آں شبہ در گردد و اویم شود
وہ صوفی خوش نصیب ہے جس کا رزق کم ہو جائے	وہ پوتھ موتی بن جائے اور وہ دریا ہو جائے

یعنی کیا اچھا ہے وہ صوفی کہ اس کا رزق کم ہو تو وہ پوتھ موتی ہو جاوے اور وہ شخص دریا ہو جاوے مطلب یہ کہ وہ اہل اللہ کیسے اچھے ہیں کہ ان کا اگر رزق دنیوی کم بھی ہو جاتا ہے تو ان کو کوئی غم نہیں ہوتا بلکہ ان کی وہ حالت جو مشابہ پوتھ کے تھی جو ایک سب سے ادنیٰ درجہ کی قسم موتیوں میں سے ہے مشابہ در اعلیٰ قسم کے موتی کے ہو جاتی ہے اور یہ شخص بوجہ اس کے کہ اس کے اندر وہ صفت ہوتی ہے دریا کے مشابہ ہو جاتا ہے کہ جیسے دریا میں موتی ہوتا ہے غرض کہ اس دنیوی رزق کی کمی سے اس کے مراتب اور عالی ہوتے ہیں کیونکہ یہ شخص ان پر صبر کرتا ہے ان کا حق ادا کرتا ہے اس کے درجے رہتے ہیں اور اس کے بدلہ میں رزق حقیقی اور رزق ابدی عالم غیب کا اور قرب حق تعالیٰ کا نصیب ہوتا ہے اور پھر یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

زاں جرائے خاص ہر کہ آگاہ شد	او سزائے قرب و اجرے گاہ شد
جو شخص اس خاص روزی سے واقف ہو گیا	وہ قرب کا مستحق اور روزی کا مقام بن گیا

یعنی اس خاص وظیفہ سے جو آگاہ ہوا وہ قرب (حق) کے لائق اور وظیفہ ملنے کی جگہ کے لائق ہو گیا۔ مطلب یہ کہ جو اس حق تعالیٰ کے جرا سے آگاہ ہو گیا اور جس کو وہ مل گئی اس کو تو قرب حق نصیب ہو گیا اور عالم غیب میں اس کا مقام ہو جاتا ہے۔

زاں جرائے روح چوں نقصاں شود	جانش از نقصان او لرزاں شود
جب روح کی روزی میں کمی آئے	اس کی کمی سے اس کی جان لرزنے لگے

یعنی اس روحانی وظیفہ میں سے اگر کم ہو جاوے تو اس کی جان اس کی کمی کی وجہ سے کانپ اٹھتی ہے۔

پس بداند کہ خطائے رفتہ است	کہ سمن زار رضا نشگفتہ است
وہ جانتا ہے کہ کوئی گناہ ہوا ہے	جس کی وجہ سے رضا کا باغیچہ نہیں کھلا ہے

یعنی وہ سمجھتا ہے کہ کوئی خطا ہوئی ہے کہ رضائے (حق) کا گلزار شگفتہ نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ جب کسی شخص کو روحانی وظیفہ مل جاتا ہے اور اس کی وجہ سے اس کو قرب نصیب ہو جاتا ہے پھر اگر اس میں ذرا سی بھی کمی آتی ہے تو یہ شخص کانپ اٹھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ضرور مجھ سے کوئی خطا ایسی سرزد ہوئی ہے کہ جس کی وجہ سے اس میں کمی آئی۔ بس یہ سمجھ کر اپنی خطا کی معافی میں لگتا ہے اور اس کا تدارک کرتا ہے اسی کو ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ۔

بار دل سالک ہزاراں غم شود گرز باغ دل خلالے کم بود

ہمچناں کاں شخص از نقصان کشت	رقعہ سوئے صاحب خرمن نوشت
جیسے کہ اس شخص نے کھیتی کی کمی کی وجہ سے	کھلیان کے مالک کو رقعہ لکھا

یعنی اسی طرح اس شخص نے وظیفہ کی کمی کی وجہ سے صاحب خرمن کو رقعہ لکھا تھا۔ مطلب یہ کہ جس طرح یہ شخص روحانی وظیفہ کی کمی کی وجہ سے کانپ جاتا ہے اور اپنی خطا پر نادم ہوتا ہے اسی طرح اس غلام نے بھی بادشاہ کو رقعہ لکھا جس میں اپنی حالت کا اظہار تھا اگرچہ وہ پشیمانی اور اپنی حالت کا مشاہدہ اس کو نہ تھا مگر خیر ادھر توجہ کرنے میں اس صوفی اور اللہ والے کے مشابہ ہو گیا آگے اس کے قصہ کی طرف رجوع فرما کر اس کو ختم فرماتے ہیں کہ۔

رقعہ اش بردند پیش میر راد	خواند او رقعہ جوابے وانداد
داتا حاکم کے پاس رقعہ لے گئے	اس نے رقعہ پڑھا کوئی جواب نہ دیا

یعنی اس کا رقعہ امیر سخی کے آگے لے گئے تو اس نے رقعہ کو پڑھا اور کوئی جواب نہیں دیا۔

گفت او را نیست الا درد قوت	پس جواب احمق اولیٰ تر سکوت
کہا اس کو محض روزی کا رنج ہے	تو خاموشی بیوقوف کے جواب میں زیادہ اچھی ہے

یعنی کہنے لگا کہ اس کو سوائے روزی کے غم کے اور کچھ نہیں ہے تو احمق کے جواب میں سکوت بہتر ہے۔ مطلب یہ کہ جب اس نے رقعہ لکھا تو اس کا رقعہ لوگ بادشاہ کی خدمت میں لے گئے بادشاہ نے رقعہ کو پڑھ کر اس کو تو کوئی جواب نہیں دیا ہاں اور لوگوں سے فرمایا کہ میاں دیکھو اس کو سوائے اپنی تنخواہ کے غم کے اور کوئی فکر ہی نہیں اس کو اس کا غم نہیں کہ ہم اس سے خفا ہیں عتاب شاہی کا خوف نہیں ذرا سی کمی روٹی میں آ گئی تو مرا جاتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بالکل بے وقوف اور احمق ہے۔ لہٰذا جواب الاحمق سکوت جواب جاہلاں باشد خموشی یہی بہتر ہے کہ اس نامعقول کو جواب ہی نہ دیا جاوے اسی لئے کوئی جواب اس کو نہیں دیا گیا۔ اور بادشاہ نے کہا کہ۔

نیستش درد فراق و وصل ہیچ	بند فرع است و نجوید اصل ہیچ
اس کو فراق اور وصل کا درد بالکل نہیں ہے	وہ شاخ کا پابند ہے جڑ کی تلاش بالکل نہیں کرتا ہے

یعنی اس کو (ہمارے) فراق و وصل کا بالکل غم نہیں فرع میں لگا ہوا ہے اصل کو تلاش نہیں کرتا۔

احمق است و مردہ ما و منے	کز غم فرعش فراغ اصل نے
بیوقوف ہے اور خودی اور انانیت کا مردہ ہے	کہ اس کو شاخ کے غم کی وجہ سے جڑ کی فرصت نہیں ہے

یعنی احمق ہے اور اپنی خودی میں مرا ہوا ہے کہ فرع کے غم کی وجہ سے اس کو اصل کی فراغت ہی نہیں۔ مطلب یہ کہ بادشاہ نے کہا کہ اس نالائق کو یہ فکر نہیں کہ مجھ پر عتاب شاہی ہو رہا ہے اس کی فکر کروں جو اصل ہے اگر بادشاہ راضی ہیں تو سب کچھ موجود ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ مگر یہ اس قدر احمق ہے کہ فرع میں ایسا لگ گیا کہ اصل کی اسے خبر ہی نہ رہی اور اس کو اتنی فرصت ہی نہیں جو اصل کی طرف توجہ کرے یہ ساری باتیں اس کو مقتضی ہیں کہ اس کو جواب نہ دیا جاوے مولانا نے اس قصہ کو اس پر شروع فرمایا تھا کہ حضور مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو میں اور بیان کرتا مگر چونکہ عوام کا فہم کم ہے اس لئے میں اور بیان نہیں کرتا احمقوں کے سامنے تو چپ رہنا ہی بہتر ہے۔ آگے یہ قصہ شروع فرمایا تھا یہاں آ کر مولانا کا مقصود قصہ سے حاصل ہو گیا کہ بے شک احمق کا جواب سکوت ہی ہے۔ آگے اس کا جو قصہ آوے گا وہ تتمیم قصہ ہوگا۔ اور دیگر فوائد اس میں ہوں گے۔ یہ مقصود یہاں تک ختم ہوا چونکہ یہاں فرمایا ہے کہ وہ غلام فرع میں لگا ہوا تھا اور اصل سے غافل تھا۔ اس پر آگے ایک مضمون بیان فرماتے ہیں کہ اہل دنیا بھی اصل کو چھوڑ کر فروع میں لگے ہوئے ہیں۔ اصل یعنی حق تعالیٰ کی طرف تو توجہ کرتے نہیں اس دنیا میں جو فرع ہے منہمک ہو رہے ہیں اس کو ایک مثال دیکر بیان فرماتے ہیں کہ۔

آسمانہا و زمیں یک سیب داں	کز درخت قدرت حق شد عیاں
آسمانوں اور زمین کو ایک سیب سمجھ	جو اللہ (تعالیٰ) کی قدرت کے درخت سے پیدا ہوا ہے

یعنی آسمانوں کو اور زمین کو ایک سیب (کی طرح) جانو جو کہ قدرت حق کے درخت سے ظاہر ہوا ہے۔

تو چو کرمے درمیاں سیب در	وز درخت و باغبانے بے خبر
تو کیڑے کی طرح سیب کے اندر ہے	درخت اور باغبان سے لاعلم ہے

یعنی تو ایک کیڑے کی طرح سیب کے اندر ہے اور درخت اور باغبان سے بے خبر ہے۔

آں یکے کرمے دگر در سیب ہم	لیک جانش از بروں صاحب علم
دوسرا کیڑا بھی سیب ہی میں ہے	لیکن اس کی جان باہر کی علم بردار ہے

یعنی ایک دوسرا کیڑا بھی سیب کے اندر ہی ہے لیکن اس کی جان باہر سے صاحب علم ہے۔

جنبش او واشگافد سیب را	برنتابد سیب آں آسیب را
اس کی حرکت سیب کو پھاڑ دیتی ہے	سیب اس صدمہ کو برداشت نہیں کر سکتا

یعنی اس کی جنبش سیب کو پھاڑ دے اور سیب اس قوت کی برداشت نہیں لا سکتا۔

بر دریدہ جنبش او پردہا	صورتش کرم است و معنی اژدہا
اس کی حرکت نے پردوں کو پھاڑ دیا	اس کی صورت کیڑے کی ہے اور باطن اژدہا ہے

یعنی اس کی جنبش نے پردوں کو پھاڑ دیا ہے۔ اس کی صورت تو کیڑے کی ہے اور حقیقۃً ایک اژدہا ہے۔ مطلب یہ کہ اس دنیا کی اور تمہاری اس میں انہماک کی اور غفلت عن الحق کی اور اہل اللہ کے اس سے الگ رہنے کی اور تعلق مع الحق کی ایسی

مثال ہے کہ جیسے ایک سیب ہے جو کسی باغبان کے لگائے ہوئے درخت میں سے گرا ہے۔ اس میں دو کیڑے ہیں ایک کی تو یہ حالت ہے کہ اس کو باہر کی کچھ خبر نہیں بس وہ اپنا عالم اور مقصود سب کچھ اس سیب ہی کو سمجھے ہوئے ہے۔ نہ اسے یہ خبر کہ یہ سیب کسی درخت پر سے گرا ہے تو وہ درخت کیسا ہے اور نہ اسے یہ خبر کہ وہ درخت کسی کے لگانے سے لگا ہے تو اس لگانے والے کی تلاش ضروری ہے۔ غرض اس کو سوائے سیب کے اور کسی کی خبر نہیں اور دوسرا کیڑا بھی صورت میں تو ویسا ہی اور اسی کا ہم جنس ہے مگر حالت اس کی یہ ہے کہ وہ درخت سیب سے واقف ہے اور اس درخت کے لگانے والے سے بھی اپنی استعداد کے موافق واقف ہے اور اسی وجہ سے اس کی یہ حالت ہے کہ اگر وہ ذرا سی جنبش بھی کرے تو سیب وغیرہ سب ہلاک ہو جاویں اور اس کی جنبش کی برداشت نہ کر سکیں۔ یہ قوت اس میں درخت سیب اور اس کے لگانے والے کی واقفیت ہی کی بدولت پیدا ہوئی ہے۔ بس اسی طرح یہ دنیا ایک سیب ہے اور اس کا درخت قدرت حق ہے اور اس درخت کا لگانے والا یعنی قدرت کا جاری کرنے والا حق تعالیٰ جل شانہ ہے اور اہل دنیا اور اہل اللہ دو کیڑوں کے مانند ہیں تو اہل دنیا نے تو صرف اس سیب ہی کو ماویٰ و ملجا قرار دے رکھا ہے اور اسی میں منہمک ہو کر اصل کو یعنی حق تعالیٰ کو چھوڑ رکھا ہے جس کا یہ سارا کرشمہ ہے ورنہ اگر وہ درخت نہ لگاتا یعنی قدرت کو ظاہر نہ فرماتے تو یہ سیب ہی کہاں سے لگتا۔ غرض وہ تو اصل سے غافل اور فرع میں لگا ہوا ہے اور حضرات اہل اللہ رہتے تو ہیں اسی دنیا میں مگر انہوں نے قدرت حق کا بھی مشاہدہ کیا ہے اور بقدر اپنی طاقت کے معرفت حق بھی حاصل کی ہے اس کی بدولت آج ان کی یہ شان ہے کہ تمام زمین و آسمان ان کی ایک حرکت کی تاب نہیں لا سکتے۔ بلکہ خود ان زمین و آسمان کا وجود ہی ان کی بدولت ہے۔ تو انہوں نے اصل کو لیا ہے اور فروع کو ترک کیا۔ اس کی برکت دیکھ لو یہ ہے کہ وہ ان فروع کو ترک کرتے ہیں اور یہ اور ان کو لپٹی جاتی ہیں۔ اور جو خود ان فروع ہی کی طرف رغبت کرتے ہیں ان کو اصل تو بوجہ ان کی غفلت کے ملتی ہی نہیں مگر جن کی طرف توجہ کی تھی یعنی فروع وہ بھی ڈھنگ سے نہیں ملتیں۔ بس لا الی ھٰؤلاء ولا الی ھٰؤلاء کے مصداق ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر یہ غلام بادشاہ کو راضی کر لیتا تو ساری چیزیں اس کی تھیں کہ اس کی رضا ہی اصل تھی مگر یہ فروع میں لگ گیا اور روٹی کے کم ہو جانے کے غم میں مرنے لگا تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عتاب شاہی سے بھی رہائی نہ ہوئی اور جس کی طلب میں لگا تھا وہ مقصود بھی پورا نہ ہو لہذا۔ چاہئے کہ فروع کو ترک کر کے اور انہماک دنیا سے الگ ہو کر متوجہ بحق ہو اور حق تعالیٰ کو راضی کرو کہ پھر سب کچھ تمہارا ہے چونکہ بیان کیا تھا کہ دونوں کرم صورۃً ایک سے ہوتے ہیں مگر معنیً ایک ان میں سے اژدہا ہوتا ہے جس سے مقصود یہ تھا کہ حضرات اہل اللہ بظاہر صورت تو مثل دیگر انسان کے ہوتے ہیں مگر قوت روحانی کے اعتبار سے ان سے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ آگے اسی کو ایک اور مثال سے واضح فرماتے ہیں کہ۔

اتشے کا ول ز آہن می جہد	او قدم بس ست بیروں می نہد
وہ چنگاری جو شروع میں لوہے سے نکلتی ہے	وہ باہر کو بہت سست قدم رکھتی ہے

یعنی جو آگ کہ اول لوہے سے نکلتی ہے وہ بہت ہی سست قدم باہر رکھتی ہے۔

دایہ اش پنبہ است اول لیک اخیر	میرساند شعلہا را تا اثیر
اس کی دایہ شروع میں روئی ہے لیکن آخر میں	وہ اپنے شعلے آسمان تک پہنچا رہی ہے

یعنی اس کی مربی اول تو روئی ہوتی ہے مگر آخر میں وہ (اپنے) شعلوں کو آسمان تک پہنچاتی ہے مطلب یہ کہ

دیکھو کہ جب چقماق کو لوہے پر مارتے ہیں تو اس سے کس قدر ضعیف اور ذرا سی چنگاری نکلتی ہے اس چنگاری کو روئی میں رکھ لیتے ہیں تو وہ روئی اس کو بڑھاتی ہے اور پالتی ہے یہاں تک کہ پھر اسی ذرا سی چنگاری کے شعلہ آسمان تک پہنچتے ہیں اور کسی کے روکے رک نہیں سکتے بس اسی طرح سمجھو کہ۔

آخر الامر از ملائک برتر است	مرد اول بستۂ خواب وخور است
آخر میں وہ ملائکہ سے برتر ہے	انسان شروع میں سونے اور کھانے کا پابند ہے

یعنی انسان اول خواب وخور کا مقید ہوتا ہے اور آخر میں فرشتوں سے بھی بڑھ جاتا ہے۔

شعلۂ و نورش برآید تا سہا	در پناہ پنبہ و کبریتہا
اس کا شعلہ اور نور سہا تک پہنچتا ہے	روئی اور گندھک کی پناہ میں

یعنی روئی کی اور گندھک کی پناہ میں اس کا شعلہ اور نور سہا تک پہنچ جاتا ہے۔

کندۂ آہن بسوزن میکند	عالم تاریک روشن میکند
لوہے کے گاڈر کو سوئی سے اکھاڑ دیتا ہے	تاریک جہان کو روشن کر دیتا ہے

یعنی عالم تاریک کو روشن کر دیتا ہے اور ایک لوہے کے ستون کو سوئی سے کھودتا ہے مطلب یہ کہ جس طرح وہ آگ روئی اور گندھک کی پرورش کرنے سے بڑھ گئی تھی اسی طرح انسان اول مقید خواب وخور کا ہوتا ہے اور دنیا ہی میں لگا ہوا ہوتا ہے مگر شیوخ اس کی تربیت کرتے ہیں اور اس کی روح کی پرورش کرتے ہیں اس کے بعد اس کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہی شخص قرب حق میں ملائک سے بھی بڑھ جاتا ہے اور ایک عالم اس کے نور سے روشن ہوتا ہے اور انسان ہو کر جو کہ ایک بہت ہی ضعیف شے ہے بڑے بڑے کام کرتا ہے جیسا کہ کوئی لوہے کے ستون میں سوئی سے سوراخ کرے تو بالکل خلاف قیاس بات ہے اسی طرح وہ بھی ایسے ایسے کام کرتا ہے کہ گمان میں بھی نہیں آسکتے جیسے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا اس کا مصداق ہونا ظاہر ہے اور حضرات اولیاء اللہ سے بھی ایسے ایسے کام ہونا مشاہد ہیں غرض کہ تربیت کے بعد حضرت انسان ہی جو بالکل ضعیف اور کمزور تھے ایسے ہو جاتے ہیں کہ پھر ان کا ہم پلہ کوئی نہیں رہتا۔ حالانکہ ان کا جسم بالکل اور لوگوں کی طرح ہوتا ہے صرف ان کو روحانی ترقی ہوتی ہے کہ اس کی برکت سے آج ان میں اس قدر قوت آجاتی ہے اسی لئے آگے روح اور جسم میں جو نسبت ہے اس کو بیان فرماتے ہیں تاکہ جسم کی تربیت کے انہماک سے الگ ہو کر روح کی تربیت کریں۔ فرماتے ہیں کہ۔

نے ز روح است ونہ از روحانی است	گرچہ آتش تیر ہیم جسمانی است
وہ نہ روح ہے اور نہ روحانی ہے	اگرچہ آگ بھی جسمانی ہے

یعنی اگرچہ تیز آگ بھی جسمانی ہے نہ روح سے ہے اور نہ روحانی سے ہے۔ (مگر)

جسم پیش بحر جاں چوں قطرۂ	جسم را نبود ازاں عز بہرۂ
جسم روح کے سمندر کے آگے قطرہ جیسا ہے	جسم کے لئے اس عزت میں کوئی حصہ نہیں ہے

یعنی جسم کو اس عزت سے کوئی حصہ نہیں ہوتا اور جسم بحر جان کے آگے ایک قطرہ کی طرح ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو آگ بھی ایک جسم ہی ہے کوئی روح وغیرہ نہیں ہے مگر اس کو جو عروج اور قوت اور عزت حاصل ہے جسم انسانی کو اتنی بھی قوت نہیں ہے بالکل ہی کمزور واقع ہوا ہے اور روح کے مقابلہ میں بالکل ایسا ہے جیسا کہ دریا کے آگے قطرہ پھر اس جسم کی پرورش میں لگنا اور روح کو ویسے ہی چھوڑ دینا کس قدر سخت غلطی ہے حالانکہ۔

جسم از جان روز افزوں می شود	چوں رود جان جسم بیں چوں می شود
جسم جان سے روزانہ بڑھوتری پاتا ہے	جب جان نکل جاتی ہے' دیکھ جسم کیسا ہو جاتا ہے؟

یعنی جسم جان ہی سے بڑھتا ہے اور جب جان جاتی رہتی ہے تو جسم کو دیکھ لو کہ کس طرح ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ جسم کی ترقی روح ہی سے ہے اگر روح نہ ہو تو جسم بھی بیکار محض ہے مگر تم ہو کہ اس اصل شے ہی کو چھوڑے ہوئے ہو اور اس جسم کی آرائش و زینت میں لگ رہے ہو سخت افسوس ہے اور ضعف جسم ہی کو بیان فرماتے ہیں کہ۔

حد جسمت یکدو گز خود بیش نیست	جان تو تا آسماں جولاں کنیست
تیرے جسم کی حد ایک دو گز سے زیادہ نہیں ہے	تیری جان آسمان تک چکر لگاتی ہے

یعنی تمہارے جسم کی مقدار ایک دو گز سے زیادہ نہیں ہے اور تمہاری جان آسمان تک جولانی کرنے والی ہے۔

تا بہ بغداد و سمرقند اے ہمام	روح را اندر تصور نیم گام
اے بزرگ! بغداد اور سمرقند تک	روح کے لئے تصور میں آدھا قدم ہے

یعنی اجی حضرت بغداد اور سمرقند تک روح کے لئے تصور میں آدھا قدم ہے مطلب یہ کہ دیکھو تمہارا جسم تو زیادہ سے زیادہ ایک دو گز کا ہوتا ہے۔ تو زمین سے ایک دو گز تک اس کا عروج ہے بخلاف روح کے کہ اس کا عروج آسمانوں تک ہے دیکھو تصور اشیاء بذریعہ روح کے ہی ہوتا ہے پھر لاکھوں کوس کا تصور ایک ذرا سی دیر میں ہو جاتا ہے اور روح ایک آدھے قدم میں لاکھوں کوس پہنچ جاتی ہے اور جسم کو ہرگز یہ قدرت نہیں اور سنو کہ۔

دو درم سنگ است پیہ چشم تاں	نور روحش تا عنان آسمان
تمہاری آنکھ کی چربی سات ماشے وزن کی ہے	اس کی روح کا نور آسمان کی فضا تک ہے

یعنی تمہاری آنکھ کی چربی دو درم کی برابر وزنی ہوگی اور اس کی روح کا نور آسمان تک ہے۔

نور بے ایں چشم می بیند بخواب	چشم بے ایں نور چہ بود جز خراب
نور اس آنکھ کے بغیر خواب دیکھتا ہے	آنکھ' اس نور کے بغیر سوائے خراب کے کچھ نہیں ہے

یعنی نور تو بے اس آنکھ کے بھی خواب میں دیکھ لیتا ہے اور آنکھ بے اس نور کے سوائے خراب کے اور کیا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو تمہاری آنکھ کی چربی جو کہ جسم ہے چار پانچ ماشہ کی ہوگی مگر اس کی روح کا نور دیکھو کہاں کہاں تک پہنچ رہا ہے۔ تو وہ جسم ضعیف اور روح قوی ہوئی۔ پھر اگر کہو کہ اچھا وہ نور روح کسی درجہ میں اس جسم کا محتاج

ہے اس کو بھی دیکھ لو کہ خواب میں وہ نور ہے اس آنکھ کے اشیاء کا ادراک کرتا ہے تو جس درجہ میں یہ اس نور روح کی محتاج ہوئی وہ نور اس کا محتاج نہیں ہے۔ اور اگر یہ نور نہ ہو تو آنکھ بیکار محض ہے اور سنو کہ۔

جاں زریش وسبلت تن فارغ است	لیک تن بے جان بود مردار و پست
جانؑ جسم کی داڑھی اور مونچھ سے بے نیاز ہے	لیکن جسمؑ جان کے بغیر مردار اور ذلیل ہوتا ہے

یعنی جان بدن کی داڑھی مونچھ سے فارغ ہے۔ لیکن تن بے جان کے مردار اور ذلیل ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ جان کو بدن کی ضرورت نہیں اور جو چیزیں بدن کو زینت دینے والی ہیں ان کی روح کو ضرورت نہیں ہے مگر جان نہ ہو تو بدن بالکل بیکار ہوتا ہے اور ساری زینت و آرائش کی چیزیں موجود مگر ایک روح کے نہ ہونے سے وہ ساری چیزیں بیکار ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ جسم و روح میں جسم فرع ہے اور روح اصل ہے۔

بارنامہ روح حیوانی است ایں	پیشتر رو روح انسانی بہ بیں
یہ روح حیوانی کی شان و شوکت ہے	آگے بڑھ روح انسانی کو دیکھ

یعنی یہ تو روح حیوانی کا ساز و سامان ہے آگے چل کر روح انسانی کو دیکھو۔ مطلب یہ کہ یہ جس قدر باتیں ہم نے بیان کی ہیں یہ تو ساری روح حیوانی اور روح طبی کی ہیں کہ اس کو جسم پر اس طرح فوقیت ہے پھر آگے چل کر ذرا روح انسانی کو دیکھو اور اس کی تربیت کسی شیخ کامل سے کراؤ تاکہ تم انسان کامل بن جاؤ اس طرح کی آرائش و آسائش کو چھوڑو۔ اور روح انسانی کی تربیت کرو۔

بگزر از انسان وہم از قال و قیل	تالب دریائے جان جبرئیل
انسان سے اور قال و قیل سے بھی آگے بڑھ	جبرئیلؑ کی جان کے دریا کے کنارے تک

یعنی انسان سے اور قیل و قال سے بھی گزر کر دریائے جان جبرئیل علیہ السلام کے کنارہ تک پہنچو۔

بعد ازانت جان احمدؐ لب گزد	جبرئیل از بیم تو واپس خزد
اس کے بعد احمدؐ کی روح تجھ پر تعجب کرے گی	جبرئیل تیری ہیبت سے پیچھے ہٹیں گے

یعنی اس کے بعد احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان تم کو بوسہ دے گی اور جبرئیل علیہ السلام تمہارے خوف سے واپس ہٹیں گے۔

گوید ار آیم بقدر یک کماں	من بسوئے تو بسوزم در زماں
(جبرئیل) کہیں گے اگر میں ایک کمان کی بقدر آؤں	تیری جانب تو فوراً جل جاؤں

یعنی جبرئیل علیہ السلام کہیں گے کہ اگر میں بقدر ایک کمان کے تمہاری طرف آؤں تو فوراً جل جاؤں۔ مطلب یہ کہ پھر روح انسانی کی تربیت کر کے تم ترقی کرو اور مرتبہ جبرئیل تک پہنچو اس وقت تم کو روح پر فتوح حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کرے گی اور اس تربیت سے تمہارے مرتبہ اس درجہ کو پہنچ جاوے گا۔ جہاں تک ملائک کی بھی رسائی نہیں جس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک انسان تھے کہ انما انا بشر مثلکم ارشاد حق ہے مگر چونکہ

آپ نے ترقی فرمائی تھی اس لئے آپ کو ایک درجہ ایسا ملا کہ جہاں جبرئیل علیہ السلام کو بھی یہی کہتے بنا۔

اگر یک سر موئے برتر پرم فروغ تجلی بسوزد پرم

تو اسی طرح تمہارا مرتبہ بھی ملائکہ سے بڑھ جاوے گا اور تم کو بھی قرب حق نصیب ہوگا غرض کہ ان فروع کو ترک کرو اور اصول کو حاصل کرو آگے پھر اسی غلام کے قصہ کی طرف رجوع فرماتے ہیں کہ۔

ایں بیاباں خود ندارد پاؤ سر	بے جواب نامہ خستہ است آں پسر
اس جنگل کا سر اور پاؤں نہیں ہے	وہ لڑکا بغیر جواب کے رنجیدہ ہے

یعنی یہ بیاباں تو نہ ابتدا رکھتا ہے نہ انتہا اور بے جواب خط کے وہ صاحبزادے صاحب ملول ہو رہے ہیں۔ مطلب یہ کہ میاں ارواح اور ان کی تربیت کا حال بیان کرنے کی تو کہیں انتہا نہیں۔ اور وہ غلام بادشاہ کے پاس سے جواب نہ آنے کی وجہ سے گھبرا رہا ہے۔ لہٰذا اس مضمون کو یہیں تک بیان کر کے کہ بقدر کافی بیان ہو گیا ہے اس غلام کا قصہ بیان کرو۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح: وہ غلام تو روٹی کی کمی سے ناتواں ہو گیا تھا مگر صوفیہ کرام کی حالت اس کے خلاف ہے کیونکہ صوفی فقر و فاقہ کی وجہ سے مغموم ہوتا ہے تو اس کا یہ فقر و فاقہ ہی اس کا مربی اور اس کے لئے غذائے روحانی کا سبب بن جاتے ہیں کیونکہ قاعدہ ہے کہ جنت عیش و راحت تکالیف ہی سے پیدا ہوتی ہے اور رحم عاجز اور مسکین ہی کا حصہ ہے اور جو لوگ کہ سرکش ہیں اور اپنی سرکشی سے لوگوں کے سر پھوڑتے ہیں ان پر نہ خدا کو رحم آتا ہے اور نہ مخلوق کو پس مزہ میں ہے وہ صوفی جس کا رزق کم ہو جاوے اور اس کی رزق کے سبب وہ بوتھ سے موتی اور قطرہ سے دریا یعنی ناقص سے کامل ہو جاوے۔ یاد رکھو کہ یہ کمی رزق وہ وظیفہ ہے کہ جو اس کی خاصیت اور اثر سے واقف ہو جاتا ہے وہ مستحق قرب الٰہی اور محل ثواب ہو جاتا ہے اور جب اس کے اس وظیفہ روحانی میں کمی ہو جاتی ہے اور اس کو روٹی زیادہ ملنے لگتی ہے تو اس کی جاں کانپ جاتی ہے اور سمجھتا ہے کہ ضرور مجھ سے کوئی قصور ہوا ہے جس کے سبب خوشنودی کا چمن زار نہیں کھلا ہے اور مجھ پر یہ عتاب ہوا ہے اور اس رزق کے اجراء کی یوں ہی درخواست کرتا ہے جس طرح اس غلام نے اپنے رزق کے کم ہونے کے سبب بادشاہ کو رقعہ لکھا تھا اب اس غلام کے قصہ کی طرف عود کرتے ہیں سنو جب اس نے بادشاہ کو رقعہ لکھا تو لوگ اس کا رقعہ بادشاہ کے پاس لے گئے اس نے رقعہ لے کر پڑھا اور خاموش ہو رہا اور یہ کہا کہ اس کو تو صرف روٹی کا غم ہے اس لئے یہ احمق ہے اور احمق کا جواب خاموشی ہی بہتر ہے اس کو فراق اور انقطاع وصل کا کچھ بھی خیال نہیں۔ اور یہ فرع میں الجھا ہوا ہے اور اصل کا طالب نہیں اس لئے یہ احمق ہے اور خودی سے مردہ ہے کیونکہ یہ فرع میں ایسا منہمک ہے کہ اصل کی طلب کی اسے فرصت ہی نہیں۔

اوپر چونکہ بیان کیا تھا کہ وہ غلام فرع میں منہمک ہے اور اصل کی خبر نہیں اس مناسبت سے فرماتے ہیں کہ عالم کو ایک سیب سمجھو جو کہ درخت قدرت حق سبحانہ سے پیدا ہوا ہے اور آدمی کو اس کے اندر ایک کیڑا تصور کرو۔ اب سمجھو کہ یہ کیڑے دو قسم کے ہیں ایک تو وہ ہیں جو ہمہ تن اس سیب (عالم) میں ہی مشغول ہیں اور ان کو درخت (قدرت حق سبحانہ) اور باغبان (حق سبحانہ) کی کچھ بھی خبر نہیں۔ اور دوسرے وہ ہیں جو ہیں تو سیب کے اندر مگر ان کی جان کو سیب سے باہر یعنی عالم غیب میں نہایت شان و

شوکت حاصل ہے اور وہ اسقدر عالی حوصلہ ہیں کہ ان کی حرکت سیب کو پھاڑے دیتی ہے اور سیب اس کے صدمہ کو دفع نہیں کر سکتا۔ بلآخر اس کی حرکت تمام پردوں کو پھاڑ ڈالتی ہے۔ اور وہ باہر نکل آتا ہے ایسا کیڑا اگرچہ صورت میں کیڑا ہے مگر ہمت وقوت کے لحاظ سے اژدہا ہے دیکھو جس طرح آگ جبکہ لوہے سے نکلتی ہے تو کمزور نکلتی ہے اور اولاً روئی اس کی تربیت کرتی ہے مگر آخر میں اپنے شعلوں کو آسمان تک پہنچا دیتی ہے یونہی آدمی بھی ابتداءً خواب وخور میں محبوس ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ ترقی کر کے آخر میں فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے اور روئی اور گندھک (یعنی مشائخ) کی حمایت وتربیت میں اس کا شعلہ اور نور آسمان تک پہنچتا ہے اور اس عالم تاریک سے ظلمت جہل وضلالت کو دور کر کے اس کو نور ہدایت سے منور کر دیتا ہے اور وہ کام کرتا ہے جو قیاس سے باہر ہیں گویا کہ لوہے کے ستون کو سوئی سے اکھیڑ ڈالتا ہے۔ اب سمجھو کہ روح سے جسم کو کیا نسبت ہے۔ سنو آگ اگرچہ ایک جسمانی شے ہے نہ روح ہے اور نہ روحانی مگر جو شان وشوکت اس کو حاصل ہے وہ بدن کو نہیں۔ تو اس کو روح سے کیا نسبت ہوسکتی ہے اس کے سامنے تو اس کی ایسی مثال ہے جیسے سمندر کے سامنے ایک قطرہ۔ نیز جسم کو جان سے ترقی ہوتی ہے اور جب جان نکل جاتی ہے تو دیکھو اس کی کیا حالت ہوتی ہے۔ برخلاف روح کے کہ وہ جسم کی اس درجہ محتاج نہیں ہے۔ اور دیکھو جسم زیادہ سے زیادہ ایک دو گز کا ہوتا ہے لیکن اس کی روح زمین سے آسمان تک جولانی کرتی ہے اور بغداد اور سمرقند تک کی مسافت اس کے لئے بمنزلہ نصف قدم کے ہے اور دیکھو تمہاری آنکھ کی چربی زیادہ سے زیادہ ۵ ماشہ کی ہوگی لیکن اس کی روح کا نور آسمان تک پہنچتا ہے پھر اس نور کو آنکھ کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ خواب میں اشیاء کا احساس بدوں آنکھ کے کرتا ہے۔ برخلاف آنکھ کے کہ اگر نور نہ ہو تو کسی کام کی بھی نہیں اور سنو جان کو جسم کی داڑھی مونچھ اور شان وشوکت کی کچھ حاجت نہیں برخلاف جسم کے کہ وہ بدوں جان کے مردہ اور محتقر ہے۔ یہ ڈاڑھی مونچھ وغیرہ اگر ساز وسامان ہے تو روح حیوانی کا اور روح انسانی کو اس سے کوئی تعلق نہیں پس جبکہ روح کا تفوق جسم پر ان وجوہ سے ثابت ہو گیا تو تم کو جسم کی فکر میں نہ پڑا رہنا چاہئے بلکہ اس کو چھوڑ کر روح انسانی کو مطمح نظر بنانا چاہئے اسی کی اصلاح کی فکر ہونی چاہئے اور اسی کی تربیت کی اور انسانیت اور قیل وقال سے ترقی کر کے جان جبریلی تک پہنچنا چاہئے۔ یعنی کمالات جبریلی حاصل کرنی چاہئیں جب تک اس مرتبہ پر پہنچ جاؤ گے تو اس وقت تم کو روح محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیار کرے گی اور اس مرتبہ پر پہنچا دے گی کہ جبریل تم سے خوف کریں گے اور تمہاری معیت فی السیر معنوی سے دست بردار ہو جاویں گے اور فرماویں گے کہ اگر میں تمہارے ساتھ ایک کمان کے برابر آگے چلوں تو تجلی حق سبحانہ مجھے فوراً جلا دے گی کیونکہ میری ترقی کے مدارج یہاں ختم ہو گئے ہیں اور اس مقام سے آگے بڑھنے کی مجھ میں استعداد نہیں۔ اچھا اس بیان کی نہ تو ابتداء ہے نہ انتہا سے چھوڑنا چاہئے کیونکہ وہ غلام بدوں جواب کے بہت پریشان ہے۔

شرح شبیری

آشفتن آں غلام از نارسیدن جواب نامہ از قبل شاہ

بادشاہ کی جانب سے رقعہ کا جواب نہ آنے سے اس غلام کا پریشان ہونا

چوں جواب نامہ نامد خیرہ گشت	وز غم او آب صافی تیرہ گشت
چونکہ رقعہ کا جواب نہ آیا وہ حیران ہو گیا	غم سے اس کا صاف پانی گدلا ہو گیا

یعنی جب پرچہ کا جواب نہ آیا پریشان ہوا اور اس کے غم کی وجہ سے آب صافی سیاہ ہو گیا۔ مطلب یہ کہ اس کے جواب کی فکر میں اس کا عیش مکدر ہو گیا۔

روز و شب بد در تفکر سرنگوں	نے قرار ماندو نے خواب از جنوں
دن رات فکر میں اوندھا تھا	پاگل پن سے نہ اس کے لئے سکون رہا اور نہ نیند

یعنی پگلے پن سے نہ اس کو چین رہی اور نہ نیند رہی رات دن سوچ میں سرنگوں رہتا تھا (اور وہ سوچ یہ تھی کہ)

یا خیانت کرد رقعہ بر زتاب	کاے عجب چونم نداد آں شہ جواب
یا غصہ کی وجہ سے رقعہ لے جانے والے نے خیانت کی ہے	کہ تعجب ہے شاہ نے مجھے جواب کیوں نہیں دیا

یعنی کہ تعجب ہے کہ بادشاہ نے جواب نہیں دیا (پھر خیال ہوتا کہ) یا نامہ بر نے حسد کی وجہ سے خیانت کی ہو۔

کو منافق بود و آبے زیر کاہ	رقعہ پنہاں کرد و ننمود او بشاہ
کیونکہ وہ منافق تھا اور گھاس کے تلے کا پانی	اس نے رقعہ چھپا لیا اور شاہ کو نہ دکھایا

یعنی اس نامہ بر نے پرچہ چھپا لیا ہو اور بادشاہ کی حضور میں پیش نہ کیا ہو کیونکہ وہ منافق اور چاہ خسپوش (مکار) تھا۔ یعنی کبھی بادشاہ کے جواب نہ دینے پر تعجب ہوتا پھر خیال ہوتا کہ بادشاہ تو ضرور جواب دیتا اس پرچہ لے جانے والے معلوم ہوتا ہے پرچہ ہی پیش نہیں کیا۔ پھر یہ خیال کرتا کہ۔

دیگرے جویم رسول ذوفنوں	رقعۂ دیگر نویسم ز آزموں
دوسرا ہنر مند قاصد تلاش کرتا ہوں	آزمائش کے لئے دوسرا رقعہ لکھتا ہوں

یعنی امتحاناً ایک دوسرا پرچہ لکھوں اور ایک دوسرا ہوشیار قاصد تلاش کروں۔ مطلب یہ کہ پھر یوں سوچتا کہ اچھا میں دوسرا پرچہ لکھ کر ایک اور قاصد کے ہاتھ بھیجوں تو معلوم ہو جائے گا کہ اگر اب جواب دیدیا تو اس نامہ بر نے پرچہ ہی نہ پہنچایا تھا اور اگر اب بھی جواب نہ دیا تو معلوم ہوگا کہ بادشاہ کو جواب دینا ہی منظور نہیں ہے امتحان ہی ہو جائے گا۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

عیب بنہادہ ز جہل آں بے خبر	بر امیر و مطبخی و نامہ بر
اس جاہل نے نادانی سے عیب دھرے	بادشاہ پر اور داروغۂ مطبخ پر اور رقعہ لے جانے والے پر

یعنی بادشاہ پر اور داروغہ مطبخ پر اور قاصد پر وہ بے خبر جہالت سے عیب لگا رہا تھا۔

کژ روی کردم چو اندر دیں شمن	ہیچ گرد خود نمی گردد کہ من
ٹیڑھی چال چلی ہے جیسے کہ بت پرست دین میں	اپنی کچھ خبر نہیں لیتا کہ میں نے

یعنی اپنے گرد بالکل نہیں پھرتا کہ میں نے ہی کجروی کی ہے جیسے کہ دین میں بت پرست (کجروی کرتا ہے) مطلب یہ کہ وہ سب کو الزام لگا رہا تھا کہ داروغہ نے خود بے حکم شاہی روٹی کم کردی اور نامہ بر نے پرچہ نہیں پہنچایا اور بادشاہ نے جواب نہیں دیا۔ غرض کہ ساری دنیا ملزم تھی مگر کمبخت خود اپنے اندر کی حالت کو نہ دیکھتا تھا کہ

میں ہی کجی کر رہا ہوں۔ اور یہ ساری میری ہی خطا ہے۔ آگے ایک عجیب قصہ بیان فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ہوا جو تخت سلیمانی کو اڑایا کرتی تھی۔ ٹیڑھی چلی حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کو کجروی سے روکا تو اس نے جواب دیا کہ حضرت آپ بھی کجروی نہ کریں۔ اگر آپ کجروی کرتے ہیں تو مجھ سے کیوں شکایت کرتے ہیں۔ پھر تاج ٹیڑھا ہو گیا۔ اس کو بار بار سیدھا کرتے تھے مگر وہ ٹیڑھا ہی ہو جاتا تھا اس سے جو کہا تو اس نے بھی وہی جواب دیا جو ہوا نے دیا تھا۔ اس پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے باطن کی طرف نگاہ کی تو ایک ایسا خیال دل میں پایا جو ان کے شایان شان نہ تھا۔ اگر چہ واقعہ میں خدانخواستہ گناہ نہ تھا مگر حسنات الابرار سیئات المقربین کا مصداق تھا۔ پس حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس وسوسہ کو قلب سے نکال دیا فوراً سب چیزیں درست ہو گئیں تو مولانا فرماتے ہیں کہ دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام کو قلب سے نکال دیا۔ فوراً سب چیزیں درست ہو گئیں تو مولانا فرماتے ہیں کہ دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام نے خود اپنے اندر نظر کی تو اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اپنی اندرونی حالت پر خبر پا کر اس کو دفع کر دیا اور سب کام بن گیا اسی طرح اس غلام کو چاہئے تھا بلکہ ہر انسان کو چاہئے کہ جب کوئی آفت آوے اپنے اندر نظر کر کے اپنی حالت کو دریافت کرے۔ حق تعالیٰ اس مصیبت کو بھی اکثر دور فرما دیتے ہیں مولانا ہی ایک دوسری جگہ اس مضمون کو فرماتے ہیں کہ۔

غم چو بینی زود استغفار کن　　غم بامر خالق آمد کارکن

غرضکہ جب کوئی امر کسی کی طرف سے پیش آوے انسان خود اپنی حالت میں غور کر کے اپنی باطنی حالت کو درست کر لے۔ ان شاء اللہ وہ مصیبت بھی جاتی رہے گی اور اگر بظاہر وہ مصیبت نہ بھی ٹلے تو یاد رکھو کہ اس طریقہ سے مصیبت مصیبت نہ رہے گی کیونکہ مصیبت جو مصیبت ہوتی ہے وہ قلب کی پریشانی کی وجہ سے ہوتی ہے اور اگر مصیبت میں بھی قلب مطمئن رہے تو وہ مصیبت ہی نہیں رہتی بلکہ اس میں بھی ایک قسم کی راحت ہوتی ہے اور یہ امر مشاہدہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اگر مصیبت کے وقت کسی وجہ سے قلب کو اطمینان ہو تو وہ مصیبت مصیبت ہی نہیں رہتی اس کی ایسی مثال سمجھو کہ ایک شخص کے زخم میں جراح شفیق نشتر لگا رہا ہے اور اس مریض کو اطمینان ہے کہ اس کے بعد مجھے صحت حاصل ہو جاوے گی تو طبعی کلفت کی تو اور بات ہے اس کا تو انکار نہیں اور نہ وہ مصیبت ہے باقی اس اطمینان کی وجہ سے وہ نشتر لگانا اس مریض کے لئے مصیبت نہ ہو گا بلکہ سبب راحت ہے کیونکہ اس کو ایک اطمینان حاصل ہے۔ بخلاف اس شخص کے کہ وہ زخمی ہے اور اس کے پھوڑے میں ایک دشمن نے آ کر چھری مار دی تو اس وقت بھی وہ زخم کٹ گیا اور پہلے شخص کا زخم بھی کٹا ہی تھا مگر اس کو اس کٹنے سے فرحت اور راحت ہوئی تھی اور یہ دوسرا اس کٹنے سے مصیبت میں مبتلا ہو گیا۔ بس فرق صرف اطمینان اور غیر اطمینان کا ہے۔ خوب سمجھ لو لہذا جب کوئی مصیبت آوے پس متوجہ بحق ہو جاؤ کہ اس کے بعد وہ مصیبت ان شاء اللہ مبدل بہ راحت ہو جائے گی اسی لئے کہتے ہیں کہ اہل اللہ پر مصیبت نہیں آتی اس کے یہی معنی ہیں کہ ان پر جو جسمانی تکالیف اور ظاہری مصائب آتے ہیں ان میں چونکہ ان کو تعلق حق کی وجہ سے اطمینان ہوتا ہے لہذا ان کے لئے وہ مصیبت نہیں ہوتی ہاں طبعی اثر ضرور ہوتا ہے لہذا ان کے لئے وہ مصیبت نہیں ہوتی ہاں طبعی اثر ضرور ہوتا ہے سو وہ مصیبت نہیں ہے جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا ہے۔ مضمون دور چلا گیا مقصود یہ ہے کہ جب کوئی ایذا کسی سے

دیکھو یا کوئی مصیبت آوے پس متوجہ بحق ہو جاؤ اور اپنی کوتاہیوں سے استغفار کرو۔ اور ان کا تدارک کرو کہ پھر انشاء اللہ اس سے چھوٹ جاؤ گے جیسا کہ اس حکایت سلیمانؑ سے معلوم ہوتا ہے اب حکایت سنو۔

شرح مبیبی

ترجمہ و تشریح: جب اس کے خط کا جواب نہ آیا تو متحیر ہوا اور غم سے اس کی آنکھوں کے سامنے یہ اندھیرا چھایا کہ صاف پانی مکدر معلوم ہونے لگا نہ اس کو چین تھا نہ نیند اور جنون سے رات دن متفکر رہتا تھا اور سوچتا تھا کہ تعجب ہے بادشاہ نے جواب کیوں نہ دیا پھر کہتا تھا کہ شاید غصہ سے نامہ برنے خیانت کی ہو۔ اور رقعہ کو چھپالیا ہو اور بادشاہ کو نہ دکھلایا ہو اس وجہ سے کہ وہ منافق اور مکار تھا۔ اچھا اب امتحان کے لئے دوسرا رقعہ لکھتا ہوں اور کوئی اور ہوشیار نامہ بر تلاش کرتا ہوں۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ اس احمق کو دیکھو کہ اپنی حماقت سے کبھی بادشاہ پر عیب لگاتا ہے کبھی داروغۂ مطبخ پر کبھی نامہ بر اور اپنی خبر نہیں لیتا اور یہ نہیں سمجھتا کہ میں نے دنیاوی لحاظ سے ٹیڑھی چال چلی تھی جیسے بت پرست دین کے اعتبار سے ٹیڑھی چال چلتا ہے اور یہ جو کچھ ہو رہا ہے اسی کا نتیجہ ہے۔ اب ہم اس موقعہ پر تمہیں ایک عبرت خیز قصہ سناتے ہیں۔

شرح شبّیری

کژ وزیدن باد بر تخت سلیمان علیہ السلام بسبب زلت او

ہوا کا تخت سلیمانی پر کج چلنا بسبب حضرت سلیمان علیہ السلام کی لغزش کے لغزش سے میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ یہ مراد ہے کہ وہ ان کے شایان شان نہ تھی کوئی معصیت نہ تھی خوب سمجھ لو

باد بر تخت سلیمانؑ رفت کژ	پس سلیمانؑ گفت بادا کژ مغژ
(حضرت) سلیمانؑ کے تخت پر ہوا ٹیڑھی چلی	(حضرت) سلیمانؑ نے فرمایا اے ہوا ٹیڑھی نہ چل

یعنی ہوا تخت سلیمانی پر کج چلی تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ہوا کج مت چل۔

باد ہم گفت اے سلیمانؑ کژ مرد	ور روی کژ از کژم خشمیں مشو
ہوا نے بھی کہا اے سلیمانؑ آپ ٹیڑھا نہ چلیں	اگر ٹیڑھا چلتے ہیں تو میرے ٹیڑھے پن پر غصہ نہ کریں

یعنی ہوا نے بھی کہا کہ اے سلیمان (علیک السلام) آپ بھی کج نہ چلئے اور اگر آپ کج چلتے ہیں تو میری کجی سے خفا نہ ہوجئے۔ مطلب یہ کہ ہوا ایک مرتبہ تخت سلیمانی کو اڑاتے وقت ٹیڑھی چلنے لگی تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اری ہوا کج کیوں چلتی ہے تو ہوا نے جواب دیا کہ حضرت آپ نے کیوں کجروی اختیار کر رکھی ہے۔ آپ بھی اس کو ترک کیجئے ورنہ میری کجی سے خفا کیوں ہوتے ہیں اور کہنے لگی کہ۔

ایں ترازو بہر ایں بنہاد حق	تا رود انصاف مارا در سبق
اللہ (تعالیٰ) نے یہ ترازو اسی لئے پیدا کی ہے	تاکہ ہمارا انصاف جاری رہے

یعنی حق تعالیٰ نے یہ ترازو اسی لئے رکھی ہے تا کہ سبقت میں ہمارا انصاف چلے۔ مطلب یہ کہ مکافات و مجازات کی جو حق تعالیٰ نے ترازو دنیا میں رکھی ہے یہ اسی لئے ہے تا کہ جو شخص جیسا کرے ویسا بھرے اور انصاف سے سب کام ہوتے رہیں۔ اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ۔

از ترازو کم کنی من کم کنم	تا تو با من روشنی من روشنم
تو ترازو سے کم کرے گا میں (بھی) کم کروں گا	جب تک تو میرے ساتھ روشن ہے میں (بھی) روشن ہوں

یعنی اگر تم ترازو سے کم کرو گے میں بھی کم کروں گا اور جب تک تم میرے ساتھ روشن ہو میں تم سے روشن ہوں۔ مطلب یہ کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم میرے کام کرنے میں اور میری طاعت میں کمی کرو گے میں بھی تمہارے کام کرنے میں اور تم کو بدلا دینے میں کمی کروں گا۔ اسی لئے اے سلیمان علیہ السلام چونکہ آپ کے قلب میں ایک ایسی بات ہے جو آپ کی شان کے لائق نہیں ہے اس لئے حق تعالیٰ نے مجھے بھی ٹیڑھا کر دیا ہے۔ یہ تو ہوا کا قصہ ہوا آگے تاج کا قصہ فرماتے ہیں کہ۔

ہمچنیں تاج سلیماںؑ میل کرد	روز روشن را برو چوں لیل کرد
اسی طرح (حضرت) سلیمانؑ کا تاج ٹیڑھا ہو گیا	اس نے روشن دن کو ان پر رات بنا دیا

یعنی اسی طرح تاج سلیمانی ٹیڑھا ہو گیا تو روز روشن کو ان پر رات کی طرح کر دیا۔ مطلب یہ کہ ایک مرتبہ اسی طرح تاج کج ہو گیا تو اس وجہ سے ان کا عیش مکدر ہو گیا اور انہیں فکر ہوئی کہ کیا بات ہے۔

گفت تاجا کژ مشو برفرق من	آفتابا گم مشو از شرق من
انہوں نے کہا اے تاج! میرے سر پر ٹیڑھا نہ ہو	اے آفتاب! میرے مشرق سے گم نہ ہو

یعنی آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے تاج میرے سر پر کج مت ہو اور اے آفتاب میرے مشرق سے گم مت ہو۔ مطلب یہ کہ آپ نے تاج کو حکم دیا کہ تو میرے سر پر ٹیڑھا مت ہوا جا اور اے راستی تو مجھے گم مت ہو۔ بلکہ میرے پاس رہ راستی کو آفتاب سے تشبیہ دیدی مگر یہ حالت تھی کہ۔

راست می کرد او بدست آں تاج را	باز کج می شد برو تاج اے فتیٰ
وہ ہاتھ سے اس تاج کو سیدھا کرتے تھے	اے نوجوان! تاج ان پر پھر ٹیڑھا ہو جاتا تھا

یعنی آپ اس تاج کو ہاتھ سے سیدھا فرماتے تھے مگر اے میاں وہ تاج پھر ٹیڑھا ہو جاتا تھا۔

ہشت بارش راست کرد و گشت کژ	گفت تاجا چیست آخر کژ مغژ
انہوں نے آٹھ مرتبہ سیدھا کیا وہ ٹیڑھا ہو گیا	انہوں نے کہا اے تاج! آخر کیا ہوا ہے؟ کجروی نہ کر

یعنی آپ نے اس کو آٹھ مرتبہ سیدھا کیا مگر وہ ٹیڑھا ہو گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے تاج آخر بات کیا ہے کج مت ہو۔ مطلب یہ کہ آپ بار بار اس کو سیدھا کرتے تھے مگر وہ ٹیڑھا ہی ہو جاتا تھا۔ تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ میاں کج مت ہو آخر تو جو کج ہوتا ہے اس کی وجہ کیا ہے اس کو سن کر وہ تاج جواب دیتا ہے کہ۔

گفت اگر صدرہ کنی تو راست من	کژ شوم چوں کژ روی اے مؤتمن
اس نے کہا کہ آپ مجھے سو بار سیدھا کریں گے	میں ٹیڑھا ہو جاؤں گا اے امانتدار! جب آپ کجروی کریں گے

یعنی تاج نے کہا کہ اگر تم مجھے سو مرتبہ بھی سیدھا کرو گے تو میں کج ہو جاؤں گا جبکہ آپ کج چلیں گے اے امانت دار مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ حضرت جب تک آپ کی اندرونی کجی نہ جاوے گی اس وقت تک اگر آپ مجھے سو مرتبہ بھی سیدھا کریں گے میں کج ہی ہو جاؤں گا یہ سن کر حضرت سلیمان علیہ السلام کو فکر ہوئی اور انہوں نے باطن، غور کیا اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

پس سلیمانؑ اندرونہ راست کرد	دل براں شہوت کہ بودش گشت سرد
تو (حضرت) سلیمانؑ نے باطن کو ٹھیک کر لیا	دل میں جو خواہش تھی دل اس سے ست پڑ گیا

یعنی پس سلیمان علیہ السلام نے باطنی حالت کو درست کیا تو جس خواہش پر کہ ان کا دل تھا سرد ہو گیا۔ مطلب یہ کہ انہوں نے اپنے باطن میں جو نظر کی تو ایک خواہش جو ان کے خلاف شان تھی اس کو انہوں نے درست کر لیا اور اس سے دستبردار ہو گئے اور دل سے اس کا خیال نکال دیا۔ پس اس کا یہ اثر ہوا کہ۔

بعد ازاں تاجش ہماں دم راست شد	آنچناں کہ تاج را می خواست شد
اس کے بعد ان کا تاج فوراً سیدھا ہو گیا	وہ جس طرح تاج چاہتے تھے ویسا ہو گیا

یعنی اس کے بعد ان کا تاج فوراً سیدھا ہو گیا اور جس طرح کہ آپ تاج کو چاہتے تھے (اسی طرح) ہو گیا۔

بعد ازانش کژ ہمی کرد او بقصد	تاج او می گشت تارک جو بقصد
اس کے بعد انہوں نے اس کو قصداً ٹیڑھا کیا	ان کا تاج قصداً سر کو تلاش کر لینے والا بن گیا

یعنی اس کے بعد اس کو آپ قصداً کج کرتے تھے (مگر) آپ کا تاج سر کا متلاشی قصداً ہو جاتا تھا۔ مطلب یہ کہ بعد اس وسوسہ کے نکل جانے کے پھر یہ حالت تھی کہ آپ تاج کو کج کرتے تھے۔ مگر وہ پھر سر پر سیدھا رکھا جاتا تھا اور ٹیڑھا نہ رہتا تھا۔

ہشت کرت کژ نہاد آں مہترش	راست می شد تاج بر فرق سرش
ان سردار نے اس کو آٹھ مرتبہ ٹیڑھا کیا	ان کے سر کی مانگ پر تاج سیدھا ہو جاتا تھا

یعنی ان حضرت نے اس کو آٹھ ہی مرتبہ کج رکھا (مگر) تاج ان کے سر کی مانگ پر سیدھا ہی ہو جاتا تھا۔ مطلب یہ کہ جس طرح بار بار وہ سیدھا کر رہے تھے اور وہ ٹیڑھا ہو جاتا تھا اسی طرح آپ نے پھر اس کو بار بار ٹیڑھا رکھ کر دیکھا مگر اب وہ باوجود ٹیڑھا رکھنے کے سیدھا ہو جاتا تھا۔

شاہ گفت اے تاج چونست ایں زماں	کژ کنم تو راست گردی ز امتحاں
شاہ نے فرمایا اے تاج! اس وقت کیا بات ہے؟	میں آزمائش کے لئے تجھے ٹیڑھا کرتا ہوں تو سیدھا ہو جاتا ہے

یعنی حضرت نے فرمایا کہ اے تاج اس وقت کیا (بات) ہے کہ میں تو کج کرتا ہوں اور تو آزمائش کے لئے سیدھا ہوتا ہے۔

تاج ناطق گشت اے شہ ناز کن	چوں فشاندی پر زگل پرواز کن
تاج نے کہا ہے شاہا ناز کیجئے	جبکہ آپ نے پروں کو مٹی سے صاف کر لیا ہے پرواز کیجئے

یعنی تاج گویا ہوا کہ حضرت اب ناز کیجئے اور جب آپ نے پروں کو مٹی سے صاف کرلیا تو پرواز کیجئے۔ مطلب یہ کہ جب باوجود ٹیڑھا کرنے کے وہ تاج سیدھا ہو جاتا تھا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ میاں یہ کیا بات ہے کہ میں تو تجھے ٹیڑھا کر رہا ہوں اور تو اب سیدھا ہو جاتا ہے اس پر تاج حکم حق سے گویا ہوا کہ حضرت اب وہ وقت ہے کہ جس قدر آپ ناز کریں بجا ہے۔ اس لئے کہ اب وہ حالت تو جاتی رہی ہے جس کی وجہ سے یہ کجی ہمارے اندر پیدا ہوئی تھی اب تو پھر آپ کی وہی شان موجود ہے۔ لہٰذا اب آپ عروج کیجئے۔ اور ترقی فرمایئے اب آپ کی وہی حالت پہلی ہوگئی ہے۔ لہٰذا اب کوئی فکر کی بات نہیں ہے تو دیکھو کہ ایک ذراسی بات جو فی نفسہ مباح تھی مگر شان نبوی کے شایاں نہ تھی اس لئے تمام چیزیں ان سے بدل گئیں پھر جو انہوں نے اندر نگاہ کی اور اس کا تدارک کر کے متوجہ بحق ہوئے تو پھر ساری چیزیں تابع ہوگئیں ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جس روز میرا گھوڑا سواری دینے میں سرکشی کرتا ہے یا گھر کے لوگ میرے کام میں سستی کرتے ہیں تو میں سمجھ لیتا ہوں کہ ضرور مجھ سے کوئی حق تعالیٰ کی نافرمانی ہوئی ہے پھر جو غور کرتا ہوں تو ایسا ہی ہوتا ہے جب اس سے توبہ کر لیتا ہوں تو پھر ساری چیزیں تابع ہو جاتی ہیں لہٰذا چاہئے کہ جب کوئی امر ناگوار پیش آوے فوراً اپنے نفس کی حالت کا تدارک کر کے متوجہ بحق ہو جاوے خوب سمجھ لو۔ چونکہ مولانا نے یہاں یہ تو فرما دیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے ایک لغزش جو ان کی شان کے مناسب نہ تھی ہوگئی تھی اس لئے یہ سارا قصہ ہوا مگر اس لغزش کو بتلایا نہیں کہ کیا تھی اس لئے آگے فرماتے ہیں کہ۔

نیست دستوری کزیں من بگذرم	پردہائے غیب ایں برہم درم
اجازت نہیں ہے میں اس سے آگے بڑھوں	اس کے غیب کے پردوں کو چاک کروں

یعنی مجھے اجازت نہیں ہے کہ میں اس سے آگے بڑھوں اور اس کے پردہائے غیب کو پھاڑوں۔ مطلب یہ کہ آگے اس بیان کرنے کی کہ وہ کیا بات تھی مجھے اجازت نہیں ہے اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کا واقعہ ہے اس میں اجازت حق نہیں ہے کہ اس سے زیادہ کہا جاوے۔ لہٰذا ہم اسی قدر بتاتے ہیں۔ آگے حق تعالیٰ سے دعا فرماتے ہیں کہ۔

بردہانم نہ تو دست خود بہ بند	مردہانم راز گفت ناپسند
میرے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیجئے بند کر دیجئے	میرے منہ کو ناپسندیدہ بات سے

یعنی اے اللہ میرے منہ پر آپ اپنا ہاتھ رکھ لیجئے اور میرے منہ کو ناپسندیدہ گفتگو سے بند کر دیجئے۔ مطلب یہ کہ اے اللہ جو بات کہ آپ کے نزدیک ناپسندیدہ ہو اگر کہیں وہ میرے منہ سے نکلنے لگے تو آپ کوئی بند تکوینی ایسا لگا دیجئے کہ میں اس کو بیان ہی نہ کر سکوں۔ اب آگے مولانا تفریع فرماتے ہیں کہ اے مخاطب جب تم کو یہ معلوم ہو گیا کہ اکثر آفات خود ہمارے نفس کے اعمال ہی کی بدولت پیدا ہوتی ہیں اور اکثر مصائب توجہ بحق سے دفع ہو جاتے ہیں تو اب تم کو چاہئے کہ۔

پس ترا ہم غم کہ پیش آید ز درد	بر کسے تہمت منہ بر خویش گرد
لہٰذا تجھے تکلیف سے جو بھی غم پیش آئے	کسی پر تہمت نہ رکھ اپنی پڑتال کر

یعنی پس تم کو جو غم کہ تکلیف کی وجہ سے پیش آوے تو کسی پر تہمت مت رکھو اپنے ہی اوپر پھرو۔

ظن مبر بر دیگرے اے دوست کام	آں مکن کہ می سگالید آں غلام
اے دوستوں کے ہموا! دوسرے پر بدگمانی نہ کر	وہ بدگمانی نہ کر جو اس غلام نے کی

یعنی کسی پر بدگمانی مت کرو اے طالب وہ مت کر جو وہ غلام سوچ رہا تھا۔

گاہ جنگش بارسول و مطبخی	گاہ خشمش با شہنشاہ سخی
کبھی اس کی قاصد اور داروغہ مطبخ سے لڑائی (ہوتی)	کبھی سخی بادشاہ پر اس کا غصہ (ہوتا)

یعنی کبھی تو اس کی لڑائی قاصد سے اور کبھی داروغہ سے اور کبھی شاہ سخی پر غصہ ہوتا تھا۔ مطلب یہ کہ جو مصیبت بھی پیش آوے اس میں اوروں کو الزام مت دو کہ تو نے کیا اور تیری وجہ سے ہوا بلکہ خود اپنی حالت میں غور کرو کہ ہم نے خدا کی کونسی نافرمانی کی ہے جس کی یہ سزا ملی ہے اور اس غلام کی طرح مت بنو کہ جس طرح اپنی خطا کو تو دیکھتا نہ تھا اور لوگوں پر الزام رکھتا تھا کہ اس نے یہ کیا اس نے وہ کیا حالانکہ ساری خطا خود اسی کی تھی ورنہ اگر خود اپنے اندر غور نہ کرو گے اور دوسروں کو الزام دیتے رہو گے تو تمہاری مثال فرعون جیسی ہو جاوے گی کہ اس نے اپنے گھر کے اندر کی تو خبر نہ لی کہ موسیٰ علیہ السلام کو خود میں اپنے ہی گھر میں پال رہا ہوں۔ اور دوسرے لوگوں پر الزام رکھتا تھا کہ یہ سب لوگ میرے دشمن کو پالتے ہیں اور اسی وجہ سے ان پر ظلم کرتا تھا اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

ہمچو فرعونے کہ موسیٰ ہشتہ بود	طفلگان خلق را سر می ربود
فرعون کی طرح کہ (حضرت) موسیٰ کو چھوڑ رکھا تھا	(اور) لوگوں کے بچوں کے سر کاٹتا تھا

یعنی جیسے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو تو چھوڑ رکھا تھا اور ساری دنیا کے بچوں کے سر لیتا تھا۔

آں عدو در خانۂ آں کور دل	او شدہ اطفال را گردن گسل
دشمن اس دل کے اندھے کے گھر میں ہے	وہ بچوں کی گردن کاٹنے والا بنا

یعنی وہ دشمن (موسیٰ علیہ السلام) تو اس کور دل کے گھر میں (موجود تھے) اور وہ (دوسرے) بچوں کی گردن توڑتا تھا۔

تو ہم از بیروں بدی بار دیگراں	واندروں خویش گشتہ بانفس گراں
تو بھی باہر سے دوسروں کے ساتھ بد بنا ہوا ہے	اور اندر مکروہ نفس سے خوش ہے

یعنی تو بھی باہر دوسروں کے ساتھ برا ہے اور اندر سے نفس گراں کے ساتھ خوش ہے۔

خود عدوت اوست قندش می دہی	وز بروں تہمت بہر کس می نہی
تیرا دشمن وہی ہے، تو اس کو شکر کھلا رہا ہے	اور باہر ہر شخص پر تہمت رکھتا ہے

یعنی تیرا دشمن خود (وہ) نفس ہی ہے تو اس کو شکر دے رہا ہے اور باہر سے ہر شخص پر تہمت رکھ رہا ہے۔

ہمچو فرعونے تو کور و کور دل	با عدو خوش بیگناہاں را مذل
تو فرعون کی طرح اندھا اور اندھے دل والا ہے	دشمن سے خوش، بے قصوروں کو ذلیل کرنے والا ہے

یعنی تو فرعون کی طرح اندھا اور کور دل ہے کہ دشمن کے ساتھ خوش ہے اور بیگناہوں کو ذلیل کرنے والا ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھو جیسے فرعون نے خود اپنے دشمن کو یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے گھر میں پال رکھا تھا اور ان کی پرورش کر رہا تھا اور دوسرے لوگوں کے بچوں کو قتل کرتا تھا اسی طرح اے طالب تیری حالت ہے کہ تو نے اپنے نفس کو تو خوب کھلا پلا کر پھلا رکھا ہے اور اس کو خوب پال رہا ہے اس کی حرکتوں پر اس کو بالکل بھی سرزنش نہیں کرتا بلکہ دوسروں پر الزام لگاتا ہے کہ تو نے یہ کیا اور تو نے مجھے اس مصیبت میں پھنسایا حالانکہ جس قدر نقصانات ہیں وہ سارے تیرے نفس سے تجھے پہنچ رہے ہیں اور اس حالت میں تو بالکل فرعون کی طرح ہے آگے فرعون کو خطاب کر کے سالک کو سناتے ہیں کہ۔

چند فرعونا کشی بے جرم را	می نوازی مرتن پر عزم را
اے فرعون! بے قصوروں کو کب تک قتل کریگا؟	تاوانوں بھرے جسم کو نوازتا رہے گا

یعنی اے فرعون بے جرموں کو کب تک قتل کرے گا اور اس تن کو جو تاوانوں سے بھرا ہوا ہے کب تک نوازے گا۔ مطلب یہ کہ میاں کب تک اوروں کو الزام دیتے رہو گے اور اس نفس کو جس کے ذمہ لاکھوں تاوان ہیں اور سینکڑوں الزام اس پر عائد ہیں کب تک بغل میں لئے پرورش کرتے رہو گے۔ چونکہ یہاں اس حالت کو حالت فرعون سے تشبیہ دی تھی اس لئے آگے فرماتے ہیں کہ۔

عقل او عقل بر عقل شاہاں می فزود	حکم حق بے عقل و کورش کردہ بود
اس کی عقل بادشاہوں کی عقل سے بڑھی ہوئی تھی	خدا کے حکم نے اس کو بے عقل اور اندھا کر دیا تھا

یعنی اس کی عقل بادشاہوں کی عقل سے (بھی) زائد تھی (مگر) حکم حق نے اس کو بے عقل اور اندھا کر رکھا تھا۔

مہر حق بر چشم و بر گوش و خرد	گر فلاطونست حیوانش کند
اللہ (تعالیٰ) کی مہر آنکھ پر اور کان پر اور عقل پر	خواہ افلاطون ہو اس کو جانور بنا دیتی ہے

یعنی حق تعالیٰ کی مہر آنکھ پر اور کان پر اور عقل پر اگر افلاطون ہو تو اس کو حیوان کر دیتی ہے۔ مطلب یہ کہ دیکھ فرعون جو اس قدر عاقل تھا کہ کوئی دوسرا اس کے مقابل کا عاقل نہ تھا تمام شاہان وقت سے زیادہ اس کو عقل تھی مگر اس معاملہ میں آ کر ایسا بے عقل ہو گیا تھا کہ اپنے دشمن کو خود پال رہا ہے اور خبر نہیں۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ حق تعالیٰ نے اس کے دل پر مہر فرما دی تھی کہ جس کی وجہ سے اسے اچھے برے کی بالکل بھی تمیز نہ رہی تھی۔ اور بالکل اندھا ہو گیا تھا اور وہ تو وہ حق تعالیٰ تو جس کے قلب پر مہر فرما دیں افلاطون بھی ہو تو جانور کی طرح بے عقل اور ناسمجھ ہو جاتا ہے۔ اللھم احفظنا ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذھدیتنا و ھب لنا من لدنک رحمہ انک انت الوھاب غرضکہ تم کو چاہئے کہ اور لوگوں پر الزام نہ رکھو بلکہ خود اپنے نفس کی حالت کا تدارک کرو۔

حکم حق بر لوح مے آید پدید	انچنانکہ حکم غیبی بایزید
اللہ (تعالیٰ) کا حکم لوح پر ظاہر ہو جاتا ہے	جس طرح کہ غیب کا حکم بایزیدؒ پر (ظاہر ہوا)

یعنی حق تعالیٰ کا حکم لوح پر اس طرح ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ حضرت بایزیدؒ کا حکم غیب۔ مطلب یہ کہ جس طرح کہ حق تعالیٰ نے ایک اپنا حکم حضرت بایزیدؒ کی زبانی ظاہر فرمایا اور وہ اسی طرح ہوا جس طرح کہ انہوں نے فرمایا تھا سرمو فرق نہ ہوا اسی طرح حق تعالیٰ کے تمام احکام بالکل صاف طور پر اور پورے پورے ظاہر ہوتے ہیں اور اسی لئے فرعون بھی موسیٰ علیہ السلام کو نہ پہچان سکا کیونکہ حکم حق یہی تھا کہ وہ نہ پہچان سکے آگے حضرت بایزیدؒ اور حضرت ابوالحسنؒ کا قصہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح: ایک مرتبہ ہوا سلیمان علیہ السلام کے تخت پر ٹیڑھی چلی تو آپ نے فرمایا کہ اے ہوا ٹیڑھی مت چل ہوا نے جواب دیا کہ اے سلیمان آپ بھی اپنی روش کو ٹھیک رکھئے اور اگر آپ اپنی روش ٹھیک نہ کریں تو میری کجروی کی بھی شکایت نہ کریں۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ حق سبحانہ نے یہ میزان مجازات اس لئے قائم کی ہے تا کہ ہمارے لئے انصاف جاری رہے اور فرمایا ہے کہ اگر تم اس ترازو میں کمی کرو گے تو جس قدر تم کمی کرو گے اتنی ہی ہم کمی کردیں گے۔ اور جب تک تم ہم سے صاف رہو گے ہم تم سے صاف رہیں گے۔ علی ہذا ایک مرتبہ سلیمان علیہ السلام کا تاج ٹیڑھا ہو گیا اور غم نے روز روشن کو ان کے لئے رات کر دیا۔ انہوں نے حکم دیا کہ اے تاج تو میرے سر پر ٹیڑھا مت ہو اور اے آفتاب راستی تو میری مشرق سے غروب مت ہو یہ کہہ کر انہوں نے اسے سیدھا کیا مگر وہ پھر ٹیڑھا ہو گیا پس یہ تو اسے سیدھا کرتے تھے اور وہ ٹیڑھا ہو جاتا تھا۔ غرض کہ آٹھ مرتبہ انہوں نے اسے سیدھا کیا مگر وہ ہر مرتبہ ٹیڑھا ہو گیا۔ بالآخر انہوں نے پھر کہا کہ آخر کیا بات ہے جو تو ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ اب ٹیڑھا نہ ہونا۔ تاج نے جواب دیا کہ حضور والا جبکہ آپ ٹیڑھے چلیں گے تو اگر آپ سو مرتبہ سیدھا کریں گے تو میں ٹیڑھا ہو جاؤں گا۔ اس پر سلیمان علیہ السلام نے اپنے باطن کو درست کیا اور جو فی نفسہ مباح مگر ان کی شان کے خلاف خواہش ان کو تھی اس سے ان کا دل سرد ہو گیا۔ اس کے بعد فوراً ہی تاج سیدھا ہو گیا۔ اور جس طرح چاہتے تھے اسی طرح ہو گیا۔ اس کے بعد اس کی یہ حالت تھی کہ وہ قصداً اسے ٹیڑھا کرتے تھے مگر وہ سیدھا ہو ہی جاتا تھا۔ غرضکہ آٹھ مرتبہ اسے ٹیڑھا کیا مگر ہر مرتبہ وہ ان کے سر پر سیدھا ہو گیا۔ سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اے تاج کیا بات ہے کہ میں امتحاناً تجھے ٹیڑھا کرتا ہوں اور تو سیدھا ہو جاتا ہے۔ تاج نے کہا کہ اس وقت حضور والا کو ناز کا حق حاصل ہے۔ آپ جس قدر چاہیں ناز کریں اور جبکہ آپ اپنے روحانی پروں سے مٹی علیحدہ کر چکے ہیں۔ تو جس طرح چاہیں اڑیں اب مولانا فرماتے ہیں کہ مجھے اجازت نہیں ہے کہ میں اس سے آگے بڑھوں۔ اور اسرار بیان کر کے پردہائے غیب کو چاک کروں۔ اے اللہ تو میرے منہ پر ہاتھ رکھ دے اور میرے منہ کو اس گفتگو سے روک دے جو تجھے ناپسند ہو۔ یعنی اگر میں غلطی سے کوئی ایسی بات کہنے لگوں جو تیری مرضی کے خلاف ہو تو تو مجھے باز رہنے کی توفیق دے اور میری اس خواہش میں مزاحمت کر۔ یہ فرما کر اب مضمون ارشادی کی

طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تمہیں یہ واقعہ معلوم ہوگیا تو اب تم کو جس تکلیف سے کوئی رنج پہنچے تو اپنے اوپر نظر کرو اور دوسروں کو الزام نہ دو۔ کیونکہ حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ ما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم اور دوسروں پر بدگمانی نہ کرو۔ جس طرح کہ وہ غلام کرتا تھا کہ کبھی قاصد سے لڑتا تھا کبھی داروغہ باورچی خانہ سے اور کبھی بادشاہ پر غضبناک ہوتا تھا۔ دیکھو جس طرح کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو تو گھر میں چھوڑ رکھا تھا اور دوسرے بچوں کے گلے کاٹتا تھا۔ دشمن تو اس بے بصیرت کے گھر میں موجود تھا اور دوسرے بچوں کی گردنیں توڑتا تھا۔ یوں ہی تم بھی دوسروں کے ساتھ تو بدسلوکی کرتے ہو اور نفس سے خوش ہو جو تمہارا اصلی دشمن ہے۔ دشمن تو تمہارا وہ ہے اسے تو تم اس کے مرغوبات عطا کرتے ہو اور باہر ہر شخص پر الزام لگاتے ہو۔ کہ اس نے میرے ساتھ یہ کیا وہ کیا۔ بس تم فرعون کی طرح اندھے اور بے بصیرت ہو کہ دشمن سے خوش ہو اور بے گناہوں کی تذلیل اور توہین کرتے ہو۔ فرعون سے کوئی کہے کہ ظالم تو بے گناہوں کو کب تک مارے گا اور کب تک اپنے قصوروار جسم کی خاطر کرے گا تو اس بے انصافی کو چھوڑ اور جو تیرا حقیقی دشمن ہے یعنی نفس اسے مار اب مولانا فرماتے ہیں کہ فرعون جو یہ حرکت کرتا تھا تو وہ دیوانہ نہ تھا بلکہ اس کی عقل اور بادشاہوں کی عقل سے بڑھی ہوئی تھی مگر تقدیر الٰہی نے اسے اندھا اور پاگل بنا رکھا تھا۔ اور اس کے دل پر مہر خدا لگی ہوئی تھی اور مہر حق کا قاعدہ ہے کہ جب یہ آنکھوں اور کانوں اور عقل پر لگ جاتی ہے تو افلاطون سے عاقل کو بھی جانور بنا دیتی ہے۔ (اللهم حفظنا منه) اور حکم الٰہی ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ جس طرح کہ بایزید علیہ الرحمہ کا حکم غیبی ظاہر ہوا۔

شرح شبّیری

شنیدن شیخ ابوالحسنؒ خرقانی خبر دادن بایزیدؒ را از بودن او و احوال او پیش از زادن او

حضرت ابوالحسنؒ کا حضرت بایزید کی پیشین گوئی کو سننا

بوالحسنؒ از مرد ماں آں را شنود	ہمچناں آمد کہ او فرمودہ بود
ابوالحسنؒ نے لوگوں سے یہ سنا	ایسا ہی ہوا جیسا کہ انہوں نے فرمایا تھا

یعنی جس طرح کہ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا تھا اسی طرح ہوا اور حضرت ابوالحسنؒ نے لوگوں سے اس کو سنا (کہ حضرت بایزیدؒ نے فرمایا تھا کہ)

درس گیرد ہر صباح از تربتم	کہ حسن باشد مرید و امتم
ہر صبح کو میری قبر سے تعلیم حاصل کرے گا	کہ ابوالحسنؒ میرا مرید و میرا امتی ہو گا

یعنی کہ حضرت حسن میرے مرید اور تابع ہوں گے اور میری قبر سے ہر روز فیض لیا کریں گے۔

بر سر خاکم شود پیرے بحق	ہر صباحے آید و خواند سبق
میری قبر پر' باخدا شیخ بن جائے گا	وہ ہر صبح کو آئے گا اور سبق حاصل کرے گا

یعنی ہر روز اگر فیض حاصل کریں گے اور میری خاک پر وہ ایک باخدا پیر ہوں گے۔ مطلب یہ کہ جب حضرت ابوالحسنؒ خرقانی پیدا ہوئے تو انہوں نے لوگوں سے سنا کہ حضرت بایزیدؒ یہ فرما گئے تھے کہ ابوالحسنؒ پیدا ہوں گے اور میری قبر سے فیض حاصل کیا کریں گے اور اسی طرح قبر ہی سے مستفیض ہوتے رہیں گے۔ ایک روز بڑے پایہ کے بزرگ اور شیخ طریقت ہو جاویں گے اس کو سن کر حضرت ابوالحسنؒ نے فرمایا کہ۔

گفت من ہم نیز خوابے دیدہ ام	وز روان شیخ ایں بشنیدہ ام
انہوں نے فرمایا میں نے بھی ایک خواب دیکھا ہے	اور شیخ کی روح سے یہ سنا ہے

یعنی حضرت ابوالحسنؒ نے فرمایا کہ میں نے بھی ان کو خواب میں دیکھا ہے اور حضرت شیخ کی روح سے میں نے یہی سنا ہے۔ مطلب یہ کہ حضرت ابوالحسنؒ نے فرمایا کہ ہاں میں نے بھی خواب دیکھا ہے کہ حضرت بایزیدؒ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ ہماری قبر پر آ کر فیض حاصل کرو تو دیکھو جس طرح حضرت بایزیدؒ نے فرمایا تھا کہ وہ پیدا ہوں گے اسی طرح سب ہوا۔ آگے حضرت ابوالحسنؒ کی حالت بیان فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے لوگوں سے سنا اور خود بھی خواب میں دیکھا تو ان کی یہ حالت تھی کہ۔

ہر صباحے تیز رفتے بے فتور	بر سر گورش نشستے با حضور
بلاناغہ ہر صبح کو تیزی سے جاتے	دل جمعی کے ساتھ ان کی قبر کے سرہانے بیٹھتے

یعنی بلاناغہ روزانہ جلدی سے تشریف لے جاتے اور ان کی قبر پر متوجہ ہو کر بیٹھتے۔

ہر صباحے رونہادے سوی گور	ایستادے تا ضحیٰ اندر حضور
ہر صبح قبر کی جانب روانہ ہوتے	حاضری میں چاشت تک کھڑے رہتے

یعنی ہر روز قبر کی طرف جاتے اور چاشت کے وقت تک حضور میں کھڑے رہتے۔

تا مثال شیخ پیشش آمدے	یا کہ بے گفتے شکالش حل شدے
حتیٰ کہ شیخ کی مثالی (صورت) ان کے سامنے آ جاتی	یا بغیر بات کے ان کا اشکال حل ہو جاتا

یعنی یہاں تک کہ شیخ کی صورت مثالیہ ان کے سامنے آتی اور بے گفتگو کے ان کے اشکالات حل ہو جاتے۔ مطلب یہ کہ ان کا یہ معمول ہو گیا کہ روزانہ بلاناغہ قبر پر تشریف لے جاتے اور وہاں دن چڑھے تک مراقب رہتے اس کے بعد شیخ کی صورت مثالیہ ان کے سامنے آتی اور اس وقت بلا گفتگو ظاہری کے ان کو فیض ہوتا اور جس قدر ان کو طریق میں اشکالات ہوتے سب بلا بولے چالے صورت دیکھ لینے سے ہی حل ہو جاتے۔ بس یہ حالت تھی کہ۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال از تو مشکل حل شود بے قیل و قال

غرضکہ اسی طرح وہ فیض حاصل کرتے رہے یہاں تک کہ ایک دن یہ ہوا کہ۔

تا یکے روزے بیامد با سعود	گورہا را برف نو پوشیدہ بود
یہاں تک کہ ایک روز وہ سعادتمندی سے آئے	قبروں کو نئے برف نے چھپا رکھا تھا

یعنی یہاں تک کہ ایک دن حضرت ابوسعودؒ تشریف لائے تو تمام قبروں کو تازہ برف سے ڈھکے ہوئے پایا۔

توئے بر تو برفہا ہمچوں علم	قبہ قبہ دید و شد جانش بہ غم
تہ بہ تہ پہاڑ جیسے برف کے	تودے دیکھے اور غم سے ان کی جان غمگین ہو گئی

یعنی برف کے تودے کے تودے جھنڈوں کی طرح قبہ قبہ دیکھے۔ تو ان کی جان غمگین ہوئی۔ مطلب یہ کہ ایک دن جو تشریف لے گئے تو دیکھا کہ تمام قبروں پر برف جم رہا ہے اب جو ساری قبریں یکساں ہو گئیں تو شیخ کی قبر کو پہچان نہ سکے اب ان کو بڑی فکر ہوئی اور غم ہوا کہ اب کس طرح فیض حاصل کروں گا۔ قبر ہی کا پتہ نہیں یہ اسی فکر و غم میں تھے کہ۔

بانگش آمد از حظیرہ شیخ حی	ھا انا ادعوک کی تسعیٰ الی
ان کو زندہ شیخ کے حظیرے سے آواز آئی	ہاں میں تجھے پکار رہا ہوں تاکہ دوڑ کر میرے پاس آئے

یعنی شیخ زندہ کے مقبرہ سے ان کو آواز آئی ارے میں تم کو بلا رہا ہوں تاکہ تم میری طرف آؤ۔ (اور آواز آئی کہ)

ہیں بیا ایں سو بر آوازم شتاب	عالم ار برفست روی ازمن متاب
ہاں ، میری آواز پر جلد ادھر آ جا	دنیا اگرچہ برف ہے مجھ سے منہ نہ موڑ

یعنی ہاں اس طرف آؤ میری آواز پر دوڑ و اگر تمام عالم پر از برف ہو جاوے تم مجھ سے روگردانی مت کرو۔ مطلب یہ کہ جب یہ حیرت میں تھے اور سوچ رہے تھے کہ شیخ کی قبر کونسی ہے۔ عین اسی حالت میں ان کو حضرت شیخ کے مقبرہ میں سے آواز آئی وہ شیخ جو کہ حیات روحانی سے زندہ تھے انہوں نے آواز دی کہ میاں اگر تمام عالم میں برف ہی برف ہو اور سارا عالم ظاہر میں یکساں ہو جاوے تو تم کو کیا پرواہ ہے تم نور بصیرت سے میری قبر کو پہچان کر اس کے پاس آ جاؤ اور مجھ سے فیض حاصل کرو اب تم میری آواز پر چلے آؤ کہ میری قبر تک پہنچ جاؤ گے۔ بس اس آواز کو سننا تھا کہ ان کی حالت ہی بدل گئی اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

حال اوزاں روز شد خوب و بدید	آں عجائب را کہ اول می شنید
اس روز سے ان کی حالت خوب ہو گئی اور انہوں نے دیکھے	وہ عجائب ، جو پہلے سنے تھے

یعنی ان کی حالت اسی روز سے اچھی ہو گئی اور انہوں نے ان عجائب کو دیکھ لیا جن کو کہ اول سنتے تھے۔ مطلب یہ کہ اس روز کچھ ایسا فیض تھا کہ جس سے ان کو وہ نور بصیرت حاصل ہوا کہ جو باتیں اب تک شیخ سے سنا کرتے تھے آج خود ان کی آنکھوں کے سامنے موجود تھیں اور یہ خود ان باتوں کو دیکھ رہے تھے۔ یعنی بس اسی روز سے کامل ہو گئے۔ آگے اس غلام کے قصہ کی طرف رجوع فرما کر اس کو پورا ہی فرماتے ہیں کہ۔

باز باید گشت سوی آں غلام	کرد باید آں حکایت را تمام
اس غلام کی طرف لوٹنا چاہیے	اس حکایت کو پورا کرنا چاہیے

یعنی پھر اس غلام کی طرف واپس ہونا چاہئے اور اس حکایت کو پورا کر دینا چاہئے (آگے حکایت کو پورا فرماتے ہیں)

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح۔ اوپر مولانا نے فرمایا تھا "آنچناں کہ حکم غیبی بایزید" اس مناسبت سے پھر قصۂ بایزید رحمۃ اللہ کی طرف عود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہی ہوا جو انہوں نے کہا تھا اور ابوالحسنؒ نے بھی لوگوں سے اس قصہ کو سنا کہ شیخ نے فرمایا تھا کہ ابوالحسنؒ پیدا ہوں گے اور ہمارے مرید اور ہماری جماعت کے آدمی ہوں گے اور ہماری قبر سے ہر روز تعلیم حاصل کریں گے وہ ہر روز ہماری قبر پر آ کر سبق لیں گے۔ اور بلا آخر شیخ باخدا ہوں گے۔ یہ سن کر انہوں نے فرمایا کہ میں نے بھی ان کو خواب میں دیکھا ہے اور شیخ کی روح سے یہ بھی سنا ہے جو تم کہتے ہو القصہ وہ ہر صبح کو قبر پر بلا ناغہ جاتے اور قبر کے پاس باحضور قلب بیٹھ جاتے اور ہر صبح کو قبر کی طرف جاتے اور دن چڑھے تک ان کی حضور میں کھڑے رہتے یہاں تک کہ شیخ کی صورت مثالیہ ان کے سامنے آتی اور تعلیم دیتی۔ یا بدوں گفتگو ہی کے ان کی مشکلیں حل ہو جاتیں۔ یعنی افاضہ کی صورتیں مختلف تھیں کبھی بتوسط صورت مثالیہ افاضہ ہوتا تھا اور کبھی بلا توسط یہ ہی طریقہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ وہ ایک روز بہت سے خوش نصیبوں کے ساتھ متلبس آئے اور قبروں کو تازہ برف سے چھپا ہوا پایا اور دیکھا کہ پہاڑ کی مثل برف کے تودے لگے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر ان کی جان غمگین ہو گئی کیونکہ شیخ کی قبر ان کو معلوم نہ ہو سکی کہ آخر شیخ زندہ بحیات روحانی کے مقبرہ سے آواز آئی کہ ارے میں تجھے بلاتا ہوں تا کہ تو میری طرف چلا آئے۔ تو میری آواز پر چلا آ اور دنیا اگر پر برف ہو جاوے تو تو مجھ سے نہ پھر اس روز سے ان کی حالت اچھی ہو گئی اور انہوں نے وہ عجائب دیکھ لیے جن کو پہلے سنا کرتے تھے۔ اچھا اب اس غلام کی طرف لوٹنا چاہئے اور اس حکایت کو پورا کرنا چاہئے۔

شرح شبّیری

رقعۂ دیگر نوشتن آں غلام پیش شاہ چوں جواب رقعۂ اول نیامد

جبکہ پہلے رقعہ کا جواب نہ آیا اس غلام کا بادشاہ کو پیش کرنے کیلئے دوسرا رقعہ لکھنا

نامۂ دیگر نوشت آں بدگماں	پر ز تشنیع و نفیر و پرفغاں
اس بدگمان نے دوسرا رقعہ لکھا	ملامت اور فریاد اور شور سے بھرا ہوا

یعنی اس بدگماں نے ایک دوسرا پرچہ لکھا جو کہ طعن و تشنیع سے اور نالہ وزاری سے بھرا ہوا تھا (اور اس میں یہ لکھا کہ)

کہ یکے رقعہ نوشتم پیش شاہ	اے عجب آنجا رسید و یافت راہ
کہ میں نے بادشاہ کے حضور میں ایک رقعہ لکھا	تعجب ہے' وہ وہاں پہنچا اور باریاب ہوا

یعنی میں نے ایک رقعہ حضور شاہی میں (پہلے بھی) لکھا تھا (مگر) تعجب ہے کہ وہ وہاں پہنچا اور اس نے راہ پائی (لیکن جواب نہیں ملا) مطلب یہ کہ آپ نے لکھا کہ حضور میں ایک رقعہ اس سے قبل بھی لکھ چکا ہوں اور یقین

ہے کہ وہ ضرور پہنچا ہوگا مگر تعجب ہے جواب سے محروم ہوں۔

آں دگر را خواند ہم آں خوب خد	ہم ندادا و را جواب و تن بزد
اس حسین چہرے والے نے دوسرا بھی پڑھا	اس کا بھی جواب نہ دیا اور چپ رہا

یعنی اس خوب خد نے اس دوسرے کو بھی پڑھ لیا اور جواب نہ دیا (بلکہ) چپ ہو رہا۔

خشک می آورد او راشہر یار	او مکرر کرد رقعہ پنج بار
اس کے ساتھ شاہ نے خشکی برتی	اس نے پانچ مرتبہ رقعے مکرر کئے

یعنی بادشاہ اس کو سکھا رہا تھا اور اس نے پانچ مرتبہ رقعہ بھیجا۔ مطلب یہ کہ اس بادشاہ نے اس دوسرے رقعہ کو بھی پڑھ کر رکھ دیا اور چپ ہو رہا اس غلام نے یکے بعد دیگرے پانچ رقعے بھیجے مگر بادشاہ نے بھی جواب ہی نہ دیا۔ یوں ہی انتظار میں اس کو سکھاتا رہا۔

گفت حاجب آخر او بندہ شماست	گر جوابش بر نویسی ہم رواست
حاجب نے کہا آخر وہ آپ کا غلام ہے	اگر اس کو جواب لکھ دیں تو بھی مناسب ہے

یعنی دربان نے عرض کیا کہ آخر وہ غلام شاہی ہی ہے اگر آپ اس کا جواب لکھ دیں تو کچھ حرج تو نہیں ہے۔

از شہی تو چہ کم گردد اگر	بر غلام و بندہ اندازی نظر
آپ کی بادشاہی میں کیا کمی آ جائے گی اگر	غلام اور بندہ پر آپ نظر (کرم) کریں

یعنی آپ کی بادشاہت میں سے کیا کم ہو جاوے گا۔ اگر آپ اپنے غلام اور سیوک پر نظر ڈال دیں گے مطلب یہ کہ خادم خاص نے عرض کیا کہ حضور اگر اس کے رقعہ کا جواب دیدیں تو کیا حرج ہے۔ آخر تو حضور کا غلام ہی ہے خواہ وظیفہ پورا نہ کیا جاوے۔ مگر جواب تو دیدیا جاوے اس پر بادشاہ نے جواب دیا کہ۔

گفت ایں سہل ست اما احمق ست	مرد احمق زشت و مردود حق ست
اس نے کہا یہ آسان ہے لیکن وہ احمق ہے	احمق انسان برا اور خدا کا مردود ہے

یعنی بادشاہ نے کہا کہ یہ تو آسان بات ہے لیکن وہ احمق ہے اور احمق آدمی برا اور حق تعالیٰ کے نزدیک مردود ہے۔ مطلب یہ کہ بادشاہ نے کہا کہ یہ بات تو کچھ بھی نہیں ذرا سی بات ہے مگر وہ ہے احمق۔ مولانا دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ احمق آدمی تو خدا کے نزدیک بھی مردود ہوتا ہے کیونکہ جو احمق ہوگا۔ وہ حق تعالیٰ کو چھوڑ کر غیر میں لگے گا۔ تو ظاہر ہے کہ مردود ہوگا۔ غرض کہ بادشاہ نے کہا کہ وہ ہے احمق اور۔

گرچہ آمرزم گناہ و زلتش	ہم کند در من سرایت علتش
اگر میں اس کی خطا اور لغزش معاف کروں گا	مجھ میں بھی اس کی بیماری سرایت کر جائے گی

یعنی اگرچہ میں اس کی خطا اور لغزش کو معاف کر دوں (مگر) اس کی بیماری مجھ میں سرایت کر جاوے گی

مطلب یہ کہ یہ بہت آسان بات ہے کہ میں اس کی خطا معاف کر کے پھر اس کو مقرب بنالوں مگر مجھے خوف ہے کہ اس کی یہ حماقت کہیں میرے اندر سرایت نہ کر جاوے اس لئے کہ۔

صد کس از گرگیں ہمہ گرگیں شوند	خاصہ ایں گر خبیث عقل بند
خارشی سے سو شخص سب خارشی ہو جاتے ہیں	خصوصاً بے عقل خبیث کی خارش

یعنی ایک خارشی سے سو آدمی سارے خارشی ہو جاتے ہیں۔ خاص کر یہ خبیث خارشت جو عقل کو بند کر دینے والی ہے۔ مطلب یہ کہ بادشاہ نے کہا کہ دیکھو ایک آدمی خارشتی آجاوے تو اگر وہاں اور سو تندرست ہوں گے۔ سب اس ایک کی وجہ سے خارشتی ہو جاویں گے۔ اسی طرح مجھے خوف ہے کہ اس کی یہ حماقت کہیں مجھے نہ لگ جاوے۔ مولانا دوسرے مصرعہ میں فرماتے ہیں کہ وہ خارشت ظاہری تو لگتی ہی ہے مگر خاص کر یہ خارشت بے عقلی کی تو بہت ہی جلدی لگتی ہے اس سے تو بہت ہی بچنا چاہئے اور فرماتے ہیں کہ۔

گر کم عقلی مبادا گبر را	شومیش بے آب دارد ابر را
بے عقلی کی خارش خدا کرے کافر کو (بھی) نہ ہو	اس کی نحوست ابر کو بے پانی کا بنا دیتی ہے

یعنی کم عقل کی خارشت تو خدا کرے کافر کو بھی نہ ہو کہ اس کی نحوست ابر کو بھی خشک کر دیتی ہے۔

نم نبارد ابر از شومی او	شہر شد ویرانہ از بومی او
اس کی بدبختی سے ابر بارش نہیں برساتا ہے	اس کے الو پن سے شہر ویرانہ ہو جاتا ہے

یعنی ابر سے پانی اس کی نحوست کی وجہ سے نہیں برستا اور اس کی نحوست سے شہر ویرانہ ہو جاتا ہے مطلب یہ کہ یہ حماقت کی خارشت تو خدا کسی دشمن کو بھی نہ دے کیونکہ اس کی وہ نحوست ہے کہ ابر میں پانی نہ رہے اور آبادیاں ویران ہو جاویں اب کوئی کہتا ہے کہ بھلا آبادیاں ویران کہاں ہوتی ہیں تو آگے اس کی ایک نظیر بیان فرماتے ہیں کہ۔

از گر آں احمقاں طوفان نوحؑ	کرد ویراں عالمے را در فضوح
ان احمقوں کی خارش کی وجہ سے (حضرت) نوحؑ کے طوفان نے	رسوائی میں ایک جہان کو ویران کر دیا

یعنی ان احمقوں کی خارشت سے طوفان نوح آیا کہ اس نے ایک عالم کو رسوائی میں تباہ کر دیا۔ مطلب یہ کہ قوم نوح کی حماقت ہی کی بدولت طوفان آیا کہ اس نے ایک عالم کو برباد اور تباہ کر دیا۔ تو دیکھو اس حماقت ہی نے شہروں کو برباد کیا یا نہیں۔ آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عاقل کی تعریف فرمانا اور احمق کی برائی فرمانے کو بیان فرماتے ہیں۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح: خیر تو اس بدگمان نے دوسرا رقعہ لکھا جو کہ طعن و تشنیع اور نالہ وزاری سے لبریز تھا اور یہ لکھا کہ اس سے پیشتر بھی میں نے ایک رقعہ لکھا تھا لیکن یقین ہے کہ وہ حضور تک نہیں پہنچا۔ اگر پہنچ گیا ہو تو سخت حیرت ہے کہ جواب کیوں نہیں ملا۔ یہ رقعہ لکھ کر اس نے دوسرے نامہ بر کو بلایا۔ اس نے اس کا بھی جواب نہ دیا۔ اس نے پانچ رقعے یکے بعد دیگرے لکھے مگر بادشاہ

اس سے رکھائی ہی برتتے رہے۔ دربان نے عرض کیا کہ آخر تو وہ حضور کا غلام ہی ہے اگر آپ جواب لکھ دیں تو کیا مضائقہ ہے اور اگر حضور اپنے غلام پر نظر عنایت فرماویں تو حضور کے مرتبہ عالی میں کیا کمی آجائے گی۔ بادشاہ نے کہا کہ بات تو کچھ بھی نہیں مگر وہ احمق ہے اب مولانا فرماتے ہیں کہ احمق برا شخص اور مردود حق سبحانہ ہے (یہ مصرع جملہ معترضہ ہے اور بادشاہ کا مقولہ نہیں کیونکہ یہ شخص بدیں معنی احمق تھا کہ بادشاہ سے غافل اور روٹی کی فکر میں تھا اور مردود حق وہ احمق ہے جو خدا سے غافل اور دنیا میں منہمک ہو۔ ہاں اگر یوں کہا جاوے کہ یہ احمق ہے اس لئے کہ شاکر نعمت نہیں۔ اور جو بندوں کا شکر نہ کرے وہ خدا کا شکر نہیں کر سکتا اس لئے یہ احمق اور مردود حق ہے تو گنجائش ہے واللہ اعلم۔ اس کے بعد مولانا بادشاہ کی گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس نے کہا کہ) اگر میں اس کا قصور اور اس کی لغزش معاف کرتا ہوں اور پھر اس کو مقرب بناتا ہوں تو اس کی حماقت مجھ میں اثر کر جائے گی۔ کیونکہ ایک خارشتی اونٹ سب کو خارشتی کر دیتا ہے۔ لہذا اس سے بچنا چاہئے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ خاص کر یہ خبیث مرض خارش احمقی جو کہ عقل کو قید کر دیتا ہے یہ تو بالا وٹی خارشتی بنا دے گا اور اس سے تو بالا ولی بچنا چاہئے۔ یہ حماقت کی کھجلی تو وہ بلا ہے کہ خدا کا فر کو بھی نہ دے۔ اس کی نحوست سے ابر کا پانی خشک ہو جاتا ہے اور اس کی نحوست سے ابر سے پانی نہیں برستا اور اس کے الو پن سے شہر در ملک ویران ہو جاتے ہیں۔ دیکھو احمقوں ہی کی کھجلی کی وجہ سے طوفان نوح نے دنیا کو اجاڑ دیا تھا۔

ستودن پیغمبر علیہ السلام عاقل را ونکو ہیدن احمق را

پیغمبر علیہ السلام کا عقلمند کی تعریف کرنا اور احمق کی مذمت کرنا

گفت پیغمبر کہ احمق ہر کہ ہست	او عدو ما وغول رہزن ست
پیغمبرؐ نے فرمایا احمق جو بھی ہے	وہ ہمارا دشمن اور بھٹکانیوالا چھلاوا ہے

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص احمق ہے وہ ہمارا دشمن اور شیطان راہزن ہے۔

ہر کہ او عاقل بود او جان ماست	روح او و ریح او ریحان ماست
جو بھی عقلمند ہے وہ ہماری جان ہے	اس کی روح اور اس کی ہوا ہماری خوشبو ہے

یعنی جو شخص کہ عاقل ہے وہ ہمارا پیارا ہے اس کی روح و ریح ہمارے لئے خوشبو ہے مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ احمق تو شیطان اور ہمارا دشمن ہے اور عاقل ہمارا دوست ہے۔ اور وہ ہمارے لئے موجب فرحت ہے یہ مضمون احادیث کے مضامین سے تو نکلتا ہے ورنہ حدیث میں یہ الفاظ کہیں نظر سے نہیں گزرے اور فرماتے ہیں کہ۔

عقل دشنام دہد من راضیم	زانکہ فیضے دارد از فیاضیم
عقل مجھے گالی دے میں خوش ہوں	کیونکہ میری فیاضی سے فیض پا چکی ہے

یعنی عاقل مجھے برا کہے تب بھی میں راضی ہوں اس لئے کہ وہ میری فیاضی میں سے ایک فیض رکھتا ہے۔

نبود آں دشنام او بے فائدہ	نبود آں مہمانیش بے مائدہ
اس کی وہ گالی بے فائدہ نہ ہو گی	اس کی وہ مہمانی بغیر دستر خوان کے نہ ہو گی

یعنی اس کا وہ برا کہنا بھی بے مصلحت کے نہ ہوگا۔ اور اس کی وہ مہمانی بھی بے مائدہ کے نہ ہوگی۔ مطلب یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر عاقل آدمی بظاہر کوئی کلمہ خلاف ادب بھی کہہ دے گا تب بھی مجھے وہ ناگوار نہ ہوگا۔ اس لئے کہ اس میں بھی مصلحت ہوتی ہے۔ جیسے کہ حضرات اہل اللہ کے بعض کلمات ظاہر میں خلاف ادب ہیں مگر ان کی حقیقت ادب محض ہے اسی کو فرماتے ہیں کہ۔

گفتگوئے عاشقاں در کار رب　　جوشش عشق است نے ترک ادب

تو دیکھو چونکہ عاقل اگر بظاہر بے ادبی بھی کرے تو وہ بھی ناگوار نہیں ہوتی جبکہ اس کا عاقل ہونا مسلم ہو جاوے اور وجہ اس کی یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ وہ ہمارے فیض سے مستفیض ہوتا ہے اس لئے وہ جو کلمہ بظاہر خلاف بھی کہتا ہے وہ بھی حقیقت میں ادب ہی ہوتا ہے اور اس میں بھی کوئی مصلحت ہوتی ہے جیسا کہ حضرات اہل اللہ کے تذکروں سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ خوب سمجھ لو۔ یہ تو عاقل کی حالت ہوئی۔

احمق ار حلوانہد اندر لبم	من ازاں حلوای او اندر تبم
احمق اگر میرے ہونٹوں پر حلوہ رکھے	میں اس کے حلوے سے بخار میں ہوں

یعنی (اور فرمایا کہ) احمق آدمی اگر حلوا کھلا دے تو میں اس کے حلوے کی وجہ سے بخار میں ہوں۔ مطلب یہ کہ اگر احمق تعریف بھی کرے تو اس کی تعریف بھی قابل اعتبار نہیں جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ جاہل کی تعریف سے بھی اللہ بچاوے تو دیکھو احمق تعریف بھی کرتا ہے اور ادب بھی کرے تو وہ بھی الٹا ہی ہوتا ہے۔ آگے احمق کے ادب اور تعریف کی مثال دیتے ہیں کہ۔

ایں یقیں داں گر لطیف و روشنی	نیست بوس کون خررا چاشنی
اگر تو پاکیزہ اور روشن ہے تو یقین کر	گدھے کی مقعد کو بوسہ دینے میں کوئی لطف نہیں ہے

یعنی اگر تم نفیس الطبع اور روشن ضمیر ہو تو یقین جانو کہ کون خر کے بوسہ دینے میں کوئی مزا نہیں ہے (بلکہ)

سبلتت گندہ کند بے فائدہ	جامہ از دیگش سیہ بے مائدہ
بے فائدہ تیری مونچھوں کو گندہ کر دے گا	بغیر دسترخوان کے اس کی دیگ سے تیرے کپڑے سیاہ ہو جائیں گے

یعنی تیری موچھوں کو فضول گندی کر دے گی (تو اسی طرح) اس (احمق) کی ہنڈیا سے کپڑے ہی سیاہ ہوں گے۔ بے کھانے کے۔ مطلب یہ کہ میاں دیکھو اگر کوئی گدھے کی کون کا بوسہ لے تو کیا حاصل ہوگا۔ بس سمجھ لو کہ کیا مزا آوے گا۔ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) فرماتے ہیں کہ تمہاری موچھیں خراب ہو جاویں گی۔ اور تو کچھ مزا آوے گا نہیں تو بس اسی طرح جاہل کے ادب سے بھی کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ اس کے ادب سے جو ہنڈیا کی طرح کچھ راحت تو جو کھانے کی طرح سے ملے گی نہیں بجز کلفت کے جو ہنڈیا کی سیاہی کی طرح ہے۔ غرض کہ کوئی حاصل نہ ہوگا چونکہ یہاں کہا تھا کہ جاہل کا ادب بے مائدہ ہے تو کسی حریص کو شبہ ہوا کہ عاقل کے ادب میں خوب پلاؤ زردے ملتے ہوں گے اس لئے آگے مائدے سے مراد متعین فرماتے ہیں کہ۔

نور عقل ست اے پسر جاں راشراب	مائدہ عقلست نے نان و کباب
اے بیٹا! جان کی شراب عقل کا نور ہے	دستر خوان عقل ہے نہ روٹی اور کباب

یعنی مائدہ سے مراد عقل ہے نہ کہ کباب اور روٹی اور اے صاحبزادے نور عقل کا جان کے لئے بمنزلہ پانی کے ہے مطلب یہ کہ مائدہ سے مراد تو عقل ہے اور اس کا نور بمنزلہ پانی کے ہے تو مطلب یہ ہے کہ احمق کا ادب بے فائدہ اور بے عقلی سے ہوگا اور اس کا تکلیف دہ ہونا ظاہر ہے آگے فرماتے ہیں کہ۔

از جزآں جاں نیابد پرورش	نیست غیر نورؔ آدم را خورش
اس کے سوا سے جان پرورش نہیں پاتی ہے	انسان کی خوراک نور کے سوا نہیں ہے

یعنی انسان کے لئے تو سوائے نور عقل کے اور کوئی غذا ہی نہیں اس کے علاوہ اور کسی شے سے روح پرورش نہیں پاتی۔ مطلب یہ کہ انسان کے لئے اصلی غذا جو کہ اس کی روح کو تر و تازہ رکھتی ہے وہ غذا نور عقل ہی ہے کہ اس کی روح اس سے تر و تازہ رہتی ہے۔ روحانی غذا یہی ہے اور غذائے ظاہری تو خود فانی ہے۔ باقی غذا جو ہمیشہ کام آوے گی اور وہی قابل اعتبار ہے غذائے روحانی ہی ہے۔ بس جب اصل غذا یہ ہے تو فرماتے ہیں کہ۔

کایں غذای خربود نے آن حر	زیں خورشہا اندک اندک باز بر
کیونکہ یہ گدھے کی خوراک ہیں نہ کہ شریف کی ملکیت	ان کھانوں سے آہستہ آہستہ جدا ہو جا

یعنی ان (دنیوی) غذاؤں سے رفتہ رفتہ قطع تعلق کرو۔ کہ یہ تو گدھوں کی غذا ہے نہ آزاد انسان کی۔

لقمہای نور را آکل شوی	تا غذای اصل را قابل شوی
نور کے لقمے کھانے والا بن جائے	تاکہ تو اصلی غذا کے قابل ہو جائے

یعنی تاکہ تم اصلی غذا کے قابل ہو جاؤ اور نور کے لقموں کے کھانے والے ہو جاؤ۔ مطلب یہ کہ ان لذات دنیویہ میں انہماک کو آہستہ آہستہ ترک کردو کیونکہ اس میں انہماک اور اسی کو مقصود سمجھ لینا تو حیوانات کا کام ہے۔ انسان کی اصلی غذا تو نور ہے لہٰذا تم جب اس میں انہماک کو ترک کردو گے تو تم اس نور کے قابل ہو جاؤ گے اور اس لائق ہو جاؤ گے کہ وہ نور تم کو مل سکے اور تم اس سے فیض حاصل کرسکو اور فرماتے ہیں کہ۔

فیض آں جانست کایں جاں جاں شدہ است	عکس آں نورست کایں ناں ناں شدہ است
اسی جان کا فیض ہے کہ یہ جان، جان بنی ہے	اسی نور کا پرتو ہے کہ یہ روٹی روٹی بنی ہے

یعنی یہ روٹی جو روٹی ہوئی ہے یہ اسی نور کا عکس ہے اور یہ جان جو جان ہوئی ہے یہ اسی جان کا پرتو ہے مطلب یہ کہ میاں لذات دنیویہ جو لذیذ معلوم ہو رہی ہیں۔ یہ اسی نور کا عکس ہے۔ ورنہ ان میں مقبولیت ذاتی نہیں ہے اور یہ روح طبی جو روح بنی ہے یہ اسی اصل کا سایہ ہے جو اس پر پڑا ہے ورنہ نہ یہ روح اصلی ہے اور نہ یہ لذات اصلی لذات ہیں جیسا کہ ظاہر ہے۔ لہٰذا ان میں انہماک کو ترک کر کے ان کو حاصل کرو تو پھر یہ ہوگا کہ۔

چوں خوری یکبار از ماکول نور	خاک ریزی برسرنان تنور
اگر تو ایک بار نور کی غذا کھا لے گا	تنور کی روٹی پر خاک ڈال دے گا

یعنی جب تم ایک مرتبہ غذائے نور میں سے کھالو گے تو تنور کی روٹی پر خاک ڈال دو گے۔ مطلب یہ کہ اگر ایک مرتبہ بھی اس اصل غذا کا۔ تو پھر تو تم ان لذات دنیا پر لات مارو گے اور یہ تمہاری نظر میں بالکل ہیچ ہو جاویں گی۔ اور بزبان حال ان لذات دنیویہ سے تم یہ کہو گے کہ۔

عقل شیدا شد چہ خوانی ترہات	راہ پیدا شد چہ پائے بے ثبات
(تو کہے گا) عقل عاشق ہوگئی ہے تو کیا بکواس کرتا ہے؟	راستہ پیدا ہو گیا تو کمزور پاؤں کیا ہے؟

یعنی عقل شیدا ہو چکی ہے (اے لذات دنیا) اب تم کیا بیہودہ بکتی ہو اور راستہ ظاہر ہو چکا ہے۔ اب تو اے بے ثبات کیا قائم ہوتی ہے۔ مطلب یہ کہ تم کو جب اس کا چسکا پڑ جاوے گا اور ایک مرتبہ مزا چکھ لو گے تو پھر تو ان لذات کو کہو گے کہ اب تو ہم کو راستہ مل گیا ہے اور ہمیں اصل شے مل گئی اب اپنی اس ملمع سازی کو الگ ہی رکھو پھر تو اگر کوئی تم سے کہے بھی کہ اس میں لگو تب بھی انکار ہی کرو گے۔ پس ایک دفعہ مزا چکھ لو پھر دیکھو کیا لطیف رہتے ہیں۔ آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

عقل دو عقل است اول مکسبی	کہ درآموزی چو در مکتب صبی
عقل کی دو قسمیں ہیں ایک کسبی	جو کہ مکتب میں بچوں کی طرح تو سیکھتا ہے

یعنی عقل کی دو قسمیں ہیں ایک تو عقل مکتسب جس کو کہ تم مکتب میں بچہ کی طرح سیکھتے ہو۔

از کتاب و اوستا و فکر و ذکر	از معانی و زعلوم خوب و بکر
کتاب اور استاد اور غور اور یاد سے	معانی سے اور عمدہ اور تازہ علوم سے

یعنی کتاب سے اور استاد سے اور یاد کرنے سے اور سوچنے سے اور نئے اور عمدہ معانی اور علوم سے۔

عقل تو افزوں شود بر دیگراں	لیک تو باشی زحفظ آں گراں
تیری عقل دوسروں سے بڑھ جاتی ہے	لیکن تو ان کو یاد کرنے سے بوجھل ہو جاتا ہے

یعنی تمہاری عقل دوسرے لوگوں پر زیادہ ہو جاتی ہے۔ لیکن تم اس کی حفاظت سے مصیبت میں رہتے ہو۔

لوح حافظ باشی اندر دور وگشت	لوح محفوظ اوست کوزیں درگذشت
دور اور گشت میں تو حفاظت کرنے والی تختی ہو گا	لوح محفوظ وہ ہے جو اس سے گزر گیا

یعنی تو ایک حفاظت کرنے والی تختی (کی طرح) چلنے پھرنے میں رہتا ہے اور لوح محفوظ وہ ہے جو اس سے گزر گیا۔

عقل دیگر بخشش یزداں بود	چشمہ آں درمیان جاں بود
دوسری عقل اللہ (تعالیٰ) کی بخشش ہوتی ہے	اس کا سرچشمہ جان کے اندر ہوتا ہے

یعنی دوسری عقل وہی ہوتی ہے کہ اس کا چشمہ جان کے اندر ہوتا ہے۔

نے شود گندہ نہ دیرینہ نہ زرد	چوں زسینہ آب دانش جوش کرد
نہ گندہ ہوتا ہے نہ پرانا نہ زرد	جب سینہ سے عقل کا پانی جوش مارتا ہے

یعنی جب سینہ میں سے پانی نے اور عقل نے جوش کیا تو نہ تو وہ گندہ ہوا اور نہ پرانا ہوا اور نہ خراب ہو۔

کو ہمی جوشد زخانہ دمبدم	وررہ نبعش بود بستہ چہ غم
کیونکہ وہ گھر (دل) میں سے ہر وقت جوش مار رہا ہے	اگر اس کے ابلنے کا راستہ بند ہو جائے تو کیا فکر ہے؟

یعنی اگر اس کے ابلنے کے راستہ بند ہو جاویں تو کیا غم ہے کیونکہ وہ تو گھر میں ہی سے ہر گھڑی جوش مارتا ہے۔

کاں رود در خانۂ از کویہا	عقل تحصیلی مثال جویہا
جو گھر (دل) تالابوں میں سے پہنچتی ہے	تحصیلی عقل نہروں کی طرح ہے

یعنی عقل مکتسب تو ان ندیوں کی مثل ہے جو کسی گڑھے میں سے گھروں میں جاری ہوں۔

از درون چشمہ کے بند دورا	راہ آبش بستہ شد شد بینوا
چشمہ کے اندر سے اس کو کون بند کر سکتا ہے؟	اگر اس کے پانی کا راستہ بند ہو جائے تو وہ مفلس بن جاتا ہے

یعنی اس کے پانی کا راستہ بند ہو گیا تو وہ مفلس اور پیاسی اور خراب اور بے نوارہ گئی۔

تا رہی از منت ہرنا سزا	از درون خویشتن جو چشمہ را
تاکہ تو ہر نالائق کے احسان سے نجات پا لے	اپنے اندر چشمہ کی تلاش کر

یعنی اپنے اندر سے چشمہ کو تلاش کرتا کہ ہر نالائق کی خوشامد سے چھوٹ جاوے۔ مطلب یہ کہ مولانا فرماتے ہیں کہ عقل کی جو ہم نے مدح کی ہے اور عاقل کی تعریف خود حضورؐ نے بھی کی ہے تو سمجھو کہ عقل کی بھی دو قسمیں ہیں ایک تو عقل کسبی اور ایک عقل وہبی عقل کسبی تو وہ ہے جو کہ کتابیں پڑھنے سے مولوی صاحب سے سبق پڑھ کر مکتب میں قاعدہ یاد کر کے مطالب و معانی کو سوچ حاصل کی جاوے۔ اور پھر دوسروں پر اس مشقت اور محنت سے بڑھا جاوے کہ لوگ کہیں کہ فلاں مولوی صاحب اچھے ہیں اور ان کی استعداد اچھی ہے وغیرہ ذلک تو یہ شخص تو لوح حافظ ہے کہ اس کا جو علم ہے اس کا خود حافظ ہے کہ کتابیں دیکھتے رہو اوروں کو پڑھاتے رہو۔ تب تو یہ موجود ہے اور علم ہے ورنہ اگر ذرا اس کی حفاظت سے غافل ہوئے اور یہ روانہ ہوا تو اس کی حفاظت کی وجہ سے تو انسان کو بڑی بڑی دقتیں اٹھانا پڑتی ہیں تب یہ رہتا ہے اور اسی سے وہ عقل کسبی بھی رہتی ہے اور جب یہ جاتا رہا تو وہ بھی روانہ ہوگئی۔ دوسری عقل وہبی ہے جو کہ بذریعہ علوم وہبیہ کے حاصل ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کی عطاء ہوتی ہے اور کسب وغیرہ کو اس میں مطلق دخل نہیں ہوتا۔ اس کی یہ حالت ہے کہ ہر دم قلب کے اندر سے چشمہ کی طرح ابلتے رہتے ہیں اور اگر ظاہری ذرائع تحصیل علوم کے مفقود بھی ہو جاویں تب بھی وہ علوم وہبیہ زائل نہیں ہوتے اور ان کی وجہ سے جو عقل حاصل ہوئی تھی وہ بھی زائل نہیں ہوتی بلکہ ہر دم اس

میں تو ترقی ہی ہوتی رہتی ہے۔علم مکتسب اور عقل مکتسب کی تو ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک ندی میں سے نالہ وغیرہ کا پانی لایا جاوے سو اگر اس ندی اور نالہ کے درمیان میں کوئی حائل آ جاوے اور وہ نالہ جس میں سے پانی آتا تھا بند ہو جاوے تو وہ نالہ خشک رہ جاوے۔ اور پانی کا اس میں ایک قطرہ بھی نہ رہے اسی طرح اگر علوم ظاہری کے تحصیل کے ظاہری ذرائع بند ہو جاویں تو یہ بھی روانہ ہو جاوے اور عقل وہبی اور علم وہبی کی مثال چشمہ جیسی ہے کہ جو زمین میں سے ابل رہا ہے اس کا پانی نہ کبھی ختم ہوتا ہے اور نہ خراب ہوتا ہے۔ اگر اس کو پڑھانے والے میسر نہ ہوں اور کتب بینی کا وقت نہ ملے تب بھی اس میں کمی نہیں آتی۔ کیونکہ نہ وہ ظاہری ذرائع سے حاصل ہوا اور نہ ان کے مفقود ہونے سے وہ کم ہو سکتا ہے لہذا اب تم کو چاہئے کہ کوشش کر کے اس عقل وہبی اور علم وہبی کو حاصل کرو اور وہ حاصل ہوتا ہے ذکر اللہ سے اور صحبت شیخ سے۔ لہذا کسی شیخ کامل محقق متبع سنت کی صحبت اختیار کرو اور اس سے فیض حاصل کر کے ان علوم کو حاصل کرو تا کہ پھر ہمیشہ خوش و خرم رہو اور حیات ابدی اور غذائے روحانی تم کو مل جاوے خوب سمجھ لو۔ اوپر عقل کی مدح اور بے عقلی کی مذمت کی ہے۔ تو آگے ایک عاقل شخص کا قصہ بیان فرماتے ہیں جس سے عقل کی خوبی کا اندازہ ہوتا ہے۔

قصہ شخصیکہ با شخصے مشورت می کرد او گفت مشروت با دیگرے کن کہ من عدو توام

اس شخص کا قصہ جو ایک شخص سے مشورہ کرتا تھا اس نے کہا کہ کسی دوسرے سے مشورہ کر کیونکہ میں تیرا دشمن ہوں

مشورت می کرد شخصے با کسے	کز تردد و ارہد و ز حبسے
ایک شخص ایک شخص سے مشورہ کرتا تھا	تاکہ تردد اور بندش سے چھوٹ جائے

یعنی ایک شخص دوسرے سے مشورہ کرتا تھا تا کہ تردد اور قید (فکر) سے چھوٹ جاوے۔

گفت اے خوش نام غیر من بجو	ماجرائے مشورت با او بگو
اس نے کہا اے نیک نام میرے غیر کو تلاش کر	مشورے کا معاملہ اس سے کہہ

یعنی اس مشیر نے کہا کہ اے اچھے نام والے میرے سوا کسی کو ڈھونڈھ اور مشورہ کا قصہ اس سے بیان کر

من عدوم مر ترا با من میپچ	نبود از رای عدو پیروز ہیچ
میں تیرا دشمن ہوں مجھ سے نہ الجھ	دشمن کی رائے سے کوئی کامیاب نہیں ہوا ہے

یعنی میں تیرا دشمن ہوں میرے ساتھ مت لپٹ (کیونکہ) دشمن کی رائے سے کوئی فلاح نہیں ہوتا۔

رو کسے جو کہ ترا او ہست دوست	دوست بہر دوست لاشک خیر جوست
جا کسی ایسے کو تلاش کر جو تیرا دوست ہو	بے شبہ دوست، دوست کا خیر خواہ ہے

یعنی جا اس شخص کو تلاش کر جو کہ تیرا دوست ہو (کیونکہ) دوست دوست کا بے شک خیر خواہ ہوتا ہے۔

من عدوم چارہ نبود کز منی	کژ روم باتو نمایم دشمنی
میں دشمن ہوں لامحالہ میں خودی کی وجہ سے	ٹیڑھا چلوں گا، تجھ سے دشمنی کروں گا

یعنی میں تو دشمن ہوں تو مجھ سے کچھ بعید نہیں ہے کہ نفسانیت کی وجہ سے تیرے ساتھ کج روی اور دشمنی کروں۔

جستن از غیر محل نا جستنی ست	حارسی از گرگ جستن شرط نیست
بے موقع تلاش کرنا تلاش نہ کرنا ہے	بھیڑیے سے رکھوالی چاہنا مناسب نہیں ہے

یعنی بھیڑیے سے نگہبانی کو تلاش کرنا مناسب نہیں ہے اور غیر محل سے ڈھونڈھنا (گویا کہ) نہ ڈھونڈھنا ہے۔
مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ تم اگر یہ چاہو کہ گرگ پاسبانی کرے تو اس سے یہ امید رکھنا بالکل فضول ہے۔ اسی طرح جس چیز کا جو محل ہے اس کو علاوہ اور کہیں سے اس کو طلب کرنا ایسا ہے کہ گویا بالکل تلاش ہی نہیں کیا۔ تو چونکہ میں تیرا دشمن ہوں میں تیرے لئے محل خیر خواہی نہیں ہوں۔ مجھ سے خیر خواہی کا امیدوار ہونا سخت غلطی ہے اور اس نے کہا کہ۔

من تراکے رہ نمایم رہزنم	من ترا بے ہیچ شکے دشمنم
میں کب تیری رہنمائی کروں گا میں رہزن ہوں	میں بلاشبہ تیرا دشمن ہوں

یعنی میں تیرا بلاشبہ وشک دشمن ہوں۔ میں تجھے راہ کب دکھلاؤں گا میں تو رہزنی کروں گا۔ آگے مولاناؒ فرماتے ہیں کہ۔

ہست در گلخن میان بوستاں	ہر کہ باشد ہمنشین دوستاں
بھٹی میں (بھی) باغ میں ہے	جو دوستوں کا ہم نشین ہو

یعنی جو شخص کہ دوستوں کا ہم نشین ہو وہ بھاڑ میں باغ کے اندر ہے مطلب یہ کہ جو دوستوں میں بیٹھنے والا اور ان کا ہمنشین ہے وہ اگر بظاہر کلفت میں بھی ہے تب بھی اس کو اطمینان باطن ایسا حاصل ہے کہ گویا کہ وہ باغ میں موجود ہے۔

ہست او در بوستاں در گولخن	ہر کہ با دشمن نشیند در زمن
وہ باغ میں (بھی) بھٹی میں ہے	جو زمانہ میں دشمن کا ہم نشین ہو

یعنی جو شخص کہ زمانہ میں دشمن کے ساتھ بیٹھے وہ باغ میں ہوتے ہوئے بھاڑ میں ہے۔ مطلب یہ کہ جس کے ہمنشین اس کے دشمن ہوں اس کو بظاہر اگر اطمینان بھی حاصل ہو تب بھی وہ گویا کہ مصیبت ہی میں ہے۔
آگے نصیحت فرماتے ہیں کہ۔

تا نگردد دوست خصم و دشمنت	دوست راما زار ازما و منت
تاکہ دوست تیرا مخالف اور دشمن نہ بنے	دوست کو تو تو میں میں سے نہ ستا

یعنی دوست کو بوجہ کبر ومنی کے ستاؤ مت تاکہ دوست تمہارا مقابل اور دشمن نہ ہو جاوے۔

یا برائے راحت جان خودت	خیر کن باخلق از بہر ایزدت
یا خود اپنی جان کے آرام کے لئے	اپنے خدا کے لئے لوگوں سے بھلائی کر

یعنی مخلوق کے ساتھ اپنے خدا کے واسطے بھلائی کر یا اپنی جان کی راحت کے لئے کر۔

تا ہمہ را دوست بینی در نظر	در دلت ناید زکیں ناخوش صور
تا کہ تو نگاہ سے سب کو دوست دیکھے	تا کہ تیرے دل میں کینہ سے برے خیالات نہ آئیں

یعنی تا کہ تو نظیر میں سب کو دوست دیکھے اور تیرے دل میں کینہ کی وجہ سے کوئی بری صورت نہ آوے۔ مطلب یہ کہ لوگوں کے ساتھ بھلائی کر دیا تو یہ سمجھ کر کہ ثواب ملے گا اور خدا راضی ہوگا یا یہ سمجھ کر کہ اگر ہم بھلائی کریں گے تو لوگ ہمارے دوست رہیں گے اور ہمیں راحت رہے گی۔ غرض ہر طرح بھلائی کرنا ضروری ہے پھر جب بھلائی کرو گے تو سب کے سب تم کو دوست ہی دوست نظر آویں گے اور کوئی بھی دشمن نہ رہے گا۔

چونکہ کردی دشمنی پرہیز کن	مشورت بایار مہر انگیز کن
جب تو نے دشمنی کی تو احتیاط برت	مشورہ محبت بھرے دوست سے کر

یعنی جبکہ تو نے دشمنی کر لی تو بچ اور مشورہ کسی محبت والے دوست سے کر (ان سب باتوں کو سن کر وہ مستشیر بولا کہ)

گفت من دانم ترا اے بوالحسن	کہ توئی دیرینہ دشمن دار من
اس نے کہا اے بوالحسن میں تجھے جانتا ہوں	کہ تو میرا پرانا دشمن ہے

یعنی اس مستشیر نے کہا کہ اے بوالحسن میں جانتا ہوں کہ تو مجھ کو پرانا دشمن رکھنے والا ہے۔

لیک مرد عاقلی و معنوی	عقل تو نگذاردت کہ کجروی
لیکن تو عقلمند آدمی ہے اور بامعنی ہے	تیری عقل تجھے اجازت نہ دیگی کہ تو ٹیڑھا چلے

یعنی لیکن تو ایک عاقل اور صاحب باطن آدمی ہے تو عقل تجھے نہیں چھوڑتی ہے کہ تو کج چلے۔

طبع خواہد تا کشد از خصم کیں	عقل برنفس ست بند آہنیں
طبیعت کا تقاضہ ہے کہ دشمن سے بدلہ لے	(لیکن) عقل نفس پر لوہے کی زنجیر ہے

یعنی طبیعت چاہتی ہے کہ مقابل سے کینہ نکالے (مگر) عقل نفس پر ایک قید سخت ہے۔

آید و منعش کند دادا ردش	عقل چوں شحنہ است در نیک وبدش
وہ (عقل) آتی ہے اور اس کو منع کرتی ہے اس کو روکتی ہے	عقل اس کیلئے اچھے اور برے میں کوتوال کی طرح ہے

یعنی آتی ہے اور اس کو روکتی ہے اور باز رکھتی ہے اور عقل نفس کے نیک و بد میں کوتوال کی طرح ہے۔ مطلب یہ کہ اس مستشیر نے کہا کہ یہ تو مجھے معلوم ہے کہ تو میرا ایک "مدت سے دشمن ہے مگر ساتھ ہی اس کے یہ بھی جانتا ہوں کہ تو ایک عاقل شخص ہے طبعی تقاضا تو تجھے بھی ضرر رسانی کا ہوتا ہے مگر تیری عقل اس تقاضا پر نفس کو عمل نہیں کرنے دیتی اور روک لیتی ہے۔ لہٰذا اگر تو مجھے مشورہ دے گا تو باوجود دشمن ہونے کے اس میں کوئی ایسی بات عمداً نہیں کہہ سکتا جو مجھے ضرر رساں ہو تیری عقل جو نفس پر حاکم ہے وہ تجھے ہرگز ایسا نہ کرنے دے گی۔ قصہ تو ختم ہوا اب آگے مولانا فرماتے ہیں کہ۔

عقل ایمانی چو شحنہ عادل ست	پاسبان و حاکم شہر دل ست
ایمانی عقل: منصف کوتوال کی طرح ہے	دل کے شہر کی محافظ اور حاکم ہے

یعنی عقل ایمانی عادل کوتوال کی طرح ہے کہ شہر دل کی حاکم اور پاسبان ہے۔

ہمچو گربہ باشد او بیدار ہوش	دزد در سوراخ ماند ہمچو موش
وہ بلی کی طرح ہوشیار رہتی ہے	چور سوراخ میں چوہے کی طرح گھسا رہتا ہے

یعنی بلی کی طرح وہ بیدار ہوش رہتی ہے اور چور چوہے کی طرح سوراخ میں رہتا ہے۔ مطلب یہ کہ عقل ایمانی دل کی حاکم اور اس کو بری باتوں سے روکنے والی ہے جیسا کہ حاکم عادل ہوتا ہے کہ وہ سب کو برے کاموں سے باز رکھتا ہے اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ بلی جس طرح بلی کے ڈر کے مارے چوہے نہیں نکلتے۔ بلکہ سوراخ کے اندر ہی گھسے رہتے ہیں اسی طرح عقل ایمانی کے ہوتے ہوئے ملکات ذمیمہ سب مضمحل اور مثل فانی کے ہوجاتے ہیں اور ان میں کوئی زور نہیں رہتا۔

در ہر آنجا کہ برآرد موش دست	نیست گربہ در بود او مردہ است
جس جگہ چوہا پنجہ نکالے	(وہاں) بلی نہیں ہے اگر ہو تو وہ مردہ ہے

یعنی جس جگہ کہ چوہے ہاتھ نکالیں تو (معلوم ہوا کہ وہاں) بلی نہیں ہے اور اگر ہے تو وہ مردہ ہے۔ مطلب یہ کہ جہاں دیکھو کہ اخلاق ذمیمہ کا غلبہ ہے وہاں سمجھ لو کہ یا تو عقل ایمانی اور نور ایمانی بالکل ہی نہیں ہے اور اگر ہو گی بھی تو سمجھ لو کہ بالکل مردہ اور مضمحل اور کمزور ہے کہ جس کا کوئی اثر ہی نہیں ہے۔ یہاں تو عقل ایمانی کو گربہ سے تشبیہ دی تھی آگے ترقی کر کے فرماتے ہیں کہ۔

گربۂ چہ شیر و شیر افکن بود	عقل ایمانی کہ اندر تن بود
بلی کیسی؟ شیر اور شیر کو پچھاڑنے والی ہوتی ہے	وہ ایمانی عقل جو جسم میں ہوتی ہے

یعنی بلی کیا وہ تو شیر شیر کو کو پچھاڑنے والی وہی ہے وہ عقل ایمانی جو کہ بدن کے اندر ہو۔ مطلب یہ کہ اگر انسان کے اندر عقل ایمانی اور نور ایمانی ہو تو اس کی تو مثال شیر جیسی ہے اور شیر بھی ایسا قوی کہ جو شیروں کو پچھاڑ دے تو عقل ایمانی اور نور ایمانی کے آگے بڑے بڑے رذیلہ کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے اس کے ہوتے ہوئے ان چیزوں کا تو کہیں پتہ ہی نہیں رہتا۔ اور اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ۔

غرۂ او حاکم درندگاں	نعرۂ او مانع چرندگاں
اس کی غراہٹ درندوں کی حاکم ہے	اس کا نعرہ چرندوں کے لئے مانع ہے

یعنی اس کی غرغراہٹ درندوں کی حاکم ہوتی ہے اور اس کا نعرہ چرندوں کو روکنے والا ہوتا ہے (درندگان سے مراد قوائے غضبیہ ہیں اور چرندگان سے مراد قوائے شہویہ ہیں) مطلب یہ کہ اس عقل ایمانی کی یہ شان ہوتی ہے کہ اس کے آگے نہ قوائے غضبیہ کا زور چلتا ہے اور نہ قوائے شہویہ کوئی چیز رہتے ہیں بلکہ سب مضمحل الوجود اور فانی ہوجاتے ہیں۔

شہر پر دزد است و پر جامہ کنے	خواہ شحنہ باش گو و خواہ نے
شہر چوروں اور کپڑے اتارنے والوں سے بھرا ہے	کہہ دو خواہ کوتوال ہو یا نہ ہو

یعنی شہر چوروں اور اچکوں سے بھرا ہوا ہے خواہ کوتوال ہو اور خواہ نہ ہو۔ مطلب یہ کہ اخلاق ذمیمہ ہر شخص کے اندر موجود ہیں۔ خواہ نور ایمانی اور عقل ایمانی اس کے اندر ہو یا نہ ہو۔ ہاں اس قدر فرق ہے کہ اگر نور و عقل ایمانی ہوگا تو وہ اخلاق ذمیمہ سب دبے رہیں گے اور اگر نہ ہوگا تو شور کریں گے ورنہ کوئی اس سے خالی نہیں ہے۔

عقل درتن حاکم ایماں بود	کہ زبیمش نفس در زنداں بود
عقل بدن میں ایمان کا حکم دینے والی ہے	جس کے ڈر سے نفس قید خانہ میں ہوتا ہے

یعنی عقل بدن میں حاکم ایمانی ہوتا ہے کہ اس کے خوف کی وجہ سے نفس قید خانہ میں ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر عقل ہے تو پھر نفس کا قابو اور زور نہیں چل سکتا۔ بالکل مغلوب اور مضمحل رہتا ہے اب چونکہ عقل کی تعریف کی تھی اور نفس کشی کے لئے عقل کی ضرورت تھی اور وہ بدوں اذن و مدد حق کے چل نہیں سکتی تو اب آگے مضطر ہو کر مناجات کرنے لگے کہ۔

عقل عقل و جان جاں اے جاں توئی	عقل و جان خلق را سلطاں توئی
اے جان! عقل کی عقل اور جان کی جان تو ہے	تو ہی مخلوق کی عقل اور جان کا بادشاہ ہے

یعنی اے جان عقل العقل اور روح الروح آپ ہی ہیں اور مخلوق کی عقل اور جان کے آپ ہی سلطان ہیں۔

عقل کل سرگشتۂ و حیران تست	کل موجودات در فرمان تست
عقل کل تیرے بارے میں حیران اور پریشان ہے	تمام موجودات تیرے حکم میں ہیں

یعنی عقل کل آپ ہی کی سرگشتہ اور حیران ہے اور کل موجودات آپ ہی کے حکم میں ہیں۔ مطلب یہ کہ اے الٰہ العالمین آپ ہی عقل العقل ہیں اور آپ ہی روح الروح ہیں آپ کے آگے یہ تمام عقول اور مخلوقات بالکل ہیچ ہیں۔ آپ کی مدد سے کچھ ہو سکتا ہے ورنہ ہم تو بالکل بیکار اور محض فضول ہیں آپ مدد فرمایئے اور عقل ایمانی نصیب فرمایئے۔ تاکہ نفس سرکش کچھ زیر ہو۔ والسلام۔

شرح حبیبی

ترجمہ و تشریح۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص احمق ہو وہ ہمارا دشمن اور شیطان مضل ہے اور جو عاقل ہو وہ ہمارا پیارا ہے اس کی بو ہمارے لئے شراب کی طرح سرور پیدا کرنے والی ہے عاقل اگر بالفرض محال مجھے گالی بھی دے تو میں اس سے بھی خوش ہوں۔ کیونکہ وہ میرے فیض سے مستفیض ہے اس لئے اس کی گالی میں بھی کوئی مصلحت ہوگی اور یہ دعوت اس کی بدوں کھانے کے نہیں ہوگی۔ اور احمق اگر مجھے حلوا بھی کھلائے تو مجھے حلوے سے بھی بخار چڑھتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ عاقل کی ظاہری مضرت میں بھی نفع ہے اور احمق کے ظاہری نفع میں بھی نقصان ہے احمق کے نفع ظاہری سے خوش ہونا ایسا ہے جیسا کہ بوسہ کون خر سے استلذاذ اور اگر تم پاک طبع اور صاف باطن ہو تو سمجھ لو کہ بوسہ کون خر میں کوئی لذت نہیں۔ بلکہ فضول تمہاری مونچھیں نجاست آلود ہوتی

ہیں۔ اور اس دیگ سے تمہارے کپڑے ہی سیاہ ہوتے ہیں۔ کھانا نہیں ملتا۔ پس یہی حالت احمق کی ہے کہ اس سے فائدہ نہیں ہوتا۔ بلکہ نقصان ہوتا ہے۔ ہمارے قول "جامہ از دیگش سیہ بے مائدہ کو دیکھ کر شاید کوئی سطحی نظر والا یوں کہے کہ احمق تو لوگوں کو خوب کھلاتے پلاتے ہیں۔ پھر آپ کا یہ قول کیونکر صحیح ہے۔ اس لئے ہم اس کا جواب دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جناب روٹی اور کباب وغیرہ غذا نہیں ہے۔ اصل غذا تو عقل ہے اور جان کی شراب تو نور عقل ہے نہ کہ شراب متعارف۔ پس اگر یہ ملے بھی تو کیا ہوا کیونکہ آدمی کی غذا تو نور عقل ہی ہے اور وہ اسی سے پرورش پاتا ہے نہ کہ کسی اور شے سے۔ پس روٹی و کباب وغیرہ کا ملنا غذا کا ملنا نہ ہوگا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ جب تمہیں معلوم ہو گیا کہ آدمی کا کھانا پینا اور عقل نور عقل ہے تو ان حسی غذاؤں کو رفتہ رفتہ کم کرو۔ کیونکہ یہ انسانوں کی غذائیں نہیں ہیں۔ بلکہ یہ تو جانوروں کی غذائیں ہیں تا کہ تم اصلی غذا کے قابل ہو جاؤ اور نور کے لقمے کھانے لگو دیکھو روٹی جو روٹی ہوتی ہے یہ بھی اسی نور کا پرتو ہے اور یہ روٹی جو جان کی طرح مرغوب ہوتی ہے یہ بھی اسی نور کا فیض ہے جو کہ بمنزلہ جان کے ہے۔ تم اب تک اس غذا کی اس لئے قدر کرتے ہو کہ تم نے وہ غذا نہیں کھائی۔ لیکن اگر ایک مرتبہ نور کا لقمہ کھا لو تو نان تنوری پر خاک ڈال دو اور کہو کہ اب مجھ پر عقل عاشق ہو گئی ہے تو کیا چکنی چپڑی باتیں بنا کر مجھے دھوکہ دیتی ہے اور مجھے راستہ مل گیا ہے اب میرے سامنے تجھ کمزور پاؤں کی کیا حقیقت ہے۔ لیکن اس مقام پر تم کو یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ یہ تعریف مطلق عقل کی نہیں ہے بلکہ عقلیں دو قسم کی ہیں ایک تو کسبی جس کو تم مدارس میں بچوں کی طرح حاصل کرتے ہو۔ پس کتاب سے استاد سے غور و خوض سے اچھوتے اور نادر مضامین اور علوم سے تم کو اوروں سے زیادہ عقل حاصل ہو جاتی ہے لیکن تم کو اس کا محفوظ رکھنا مشکل ہوتا ہے (کیونکہ اگر وہ اسباب نہ رہیں جن سے یہ عقل حاصل ہوتی ہے تو وہ بھی نہ رہے گی اس لئے ان اسباب کے محفوظ رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ان کا محفوظ رکھنا دشوار ہے اس لئے عقل کا محفوظ رکھنا بھی مشکل ہوتا ہے) اور اس وقت تم لوح حافظ ہوتے ہو اور وہ لوح نہیں ہوتی جس کے علوم کا خدا حافظ ہے۔ کیونکہ لوح محفوظ وہ ہے جس نے ان علوم کو چھوڑ دیا ہو۔ بایں معنی کہ ان کو درجہ مقصودیت میں نہ رکھا ہو۔ خواہ دوسرے مقصد کے حاصل کرنے کے لئے ان میں مشغول ہو۔ جیسے علوم شرعیہ کہ اہل اللہ ان میں طلب رضائے حق سبحانہ کے لئے مشغول رہتے ہیں۔ ایک عقل تو یہ تھی دوسری عقل وہ ہے جو موہوب من اللہ ہو۔ اور اس کا چشمہ روح کے اندر ہو۔ اس کی حالت یہ ہے کہ جب دوسری عقل وہ ہے جو موہوب من اللہ ہو۔ اور اس کا چشمہ روح کے اندر ہو۔ اس کی حالت یہ ہے کہ جب سینہ سے یہ چشمہ علوم جوش زن ہوتا ہے تو اس میں کوئی تغیر نہیں آتا۔ نہ وہ سڑتا ہے نہ کہنہ ہوتا ہے نہ زرد ہوتا ہے اور اگر دیگر علوم کے حصول کے ذرائع بند ہو جائیں تو اسے کچھ فکر نہیں ہوتی کیونکہ علوم کا چشمہ تو خود اس کے گھر میں موجود ہے۔ جو ہر وقت ابلتا رہتا ہے جب دونوں عقلوں کی تفصیل معلوم ہو گئی تو اب سمجھو کہ وہ تعریف عقل کسبی کی نہ تھی بلکہ عقل وہبی کی تھی عقل کسبی تو ایسی ہے جیسے ندیاں جو گھروں میں خارجی گڑھوں سے آتی ہیں۔ اب اگر آمد کا راستہ بند ہو جاوے تو گھر بے سامان رہ جاتا ہے اور پیاسا سخت خستہ اور سینکڑوں پریشانیوں میں مبتلا رہ جاتا ہے۔ برخلاف عقل وہبی کے کہ چونکہ اس کا چشمہ خود اپنے ہی اندر سے نکلتا ہے۔ اس لئے وہ مسدود نہیں ہو سکتا۔ پس تم اس چشمہ کو اپنے اندر تلاش کرو تا کہ ان نالائقوں کے احسان سے بچ جاؤ۔ جن کا تم کو عقل کسبی کی تحصیل کے لئے ممنون ہونا پڑتا ہے۔ اب مولانا دوسرے عنوان سے عقل کی فضیلت بیان فرماتے ہیں۔

ایک شخص دوسرے شخص سے اس لئے مشورہ کرنا چاہتا تھا کہ تردد اور اس کی قید سے آزاد ہو جاوے اس نے کہا کہ آپ مشورہ کا قصہ مجھ سے نہ کہیں بلکہ کسی اور سے مشورہ کریں میں تمہارا دشمن ہوں مجھے نہ لپٹو۔ کیونکہ دشمن کی رائے سے کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی اور اسے تلاش کرو جو تمہارا دوست ہو کیونکہ دوست بیشک دوست کا خیر خواہ ہوتا ہے نہ کہ دشمن۔ میں دشمن ہوں اس لئے میں مجبور ہوں گا کہ

نفسانیت سے غلط روش اختیار کروں اور تم سے دشمنی کروں۔ بھیڑیے کو چوپان بنانا نامناسب ہے اور بے موقع کسی شے کو تلاش کرنا بمنزلہ نہ تلاش کرنے کے ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ میں تمہارا دشمن ہوں۔ پس میں تو تمہارا راہزن ہوں رہنما کیسے ہوسکتا ہوں۔ اب میں تم کو ایک مفید نصیحت کرتا ہوں۔ سنو۔ قاعدہ ہے کہ جو شخص دوستوں میں ہوتا ہے وہ تکلیف میں بھی راحت میں ہوتا ہے اور جو دشمنوں میں پھنسا ہوا ہے وہ راحت میں بھی تکلیف میں ہے۔ جب یہ معلوم ہوگیا تو اب تم کو چاہئے کہ اول تو غرض نفسانی سے دوست کو تکلیف نہ پہنچاؤ تا کہ وہ تمہارا دشمن نہ ہو جاوے۔ اور جہاں تک ہوسکے لوگوں کے ساتھ احسان کرو۔ خواہ خدا کے لئے خواہ خود اپنی راحت کے لئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سب تمہیں دوست نظر آئیں گے اور کسی کی دشمنی کے ناخوش خیالات تمہارے دل میں نہ آئیں گے۔ لیکن جبکہ تم ایسا نہ کرو اور لوگوں سے دشمنی پیدا کرلو تو اب تمہارا فرض ہے کہ دوستوں سے مشورہ کرو اور دشمن سے بچو یہ سن کر اس نے جواب دیا کہ یہ میں بھی جانتا ہوں کہ آپ میرے پرانے دشمن ہیں مگر اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ عاقل اور حقیقت شناس ہیں۔ اس لئے اگر تم غلط روی کرنا بھی چاہو گے تو تمہاری عقل مانع ہوگی۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ نفس چاہتا ہے کہ دشمن سے دشمنی نکالے۔ لیکن عقل اس کے لئے ایک سخت مزاحم ہے وہ آ کر اسے روکتی اور اس فعل سے باز رکھتی ہے کیونکہ وہ بھلائی برائی میں بمنزلہ کوتوال کے ہے۔ جس کا کام شریروں کو شرارت سے روکنا ہے۔ ہم اس مضمون کو کسی قدر وضاحت کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ سنو عقل سے مراد ہماری وہ عقل ہے جو منور بنور ایمان ہو اور کوتوال سے مراد منصف کوتوال ہے تو حاصل یہ ہوا کہ عقل ایمانی ایک منصف کوتوال ہے جو کہ شہر قلب کا حاکم اور اس کا محافظ ہے اور یہ کوتوال بلی کی طرح چوکنا رہتا ہے اس لئے چور (نفس) اس کے سامنے چوہے کی طرح بل میں گھسا رہتا ہے پس اگر کسی جگہ یہ چوہا (نفس) دست درازی کرے اور شورش کرے تو سمجھ لو کہ وہاں بلی (عقل ایمانی) نہیں ہے یا ہے مگر وہ ہے۔ ہم نے عقل ایمانی کو جو کہ انسان کے اندر ہے بلی کہا ہے مگر اس کے سامنے بلی کی کیا حقیقت ہے وہ تو ایک شیر ہے اور شیر بھی ایسا جو اور شیروں پر غالب ہے۔ ان کی غرش درندوں (قوئ غضبیہ) پر حاکم ہے اور اس کا نعرہ چرندوں (قوائے شہوانیہ) کو چرنے سے روکنے والا ہے۔ لیکن اے سالک تو ہمارے اس بیان سے دھوکہ نہ کھانا اور یاد رکھنا کہ خواہ اس شہر باطن میں کوتوال عقل ایمانی ہو یا نہ ہو۔ یہ شہر چوروں اور کپڑے اتارنے والوں سے ہر حالت میں بھرا ہوتا ہے اور ان سے خالی نہیں ہوتا۔ ہاں اتنی بات ہے کہ عقل سلطان ایمان کی طرح سے جسم میں حاکم ہوتی ہے۔ جس کے خوف سے نفس محبوس ہوتا ہے مگر مرتا نہیں اس لئے ان چوروں سے کبھی غافل نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ کبھی کبھی غفلت کے سبب چور جیل خانہ میں سے نکل جاتے ہیں اور نکل کر نقصان پہنچاتے ہیں۔ اب مولانا مناجات فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ عقل بھی بدوں تیری اعانت کے کچھ نہیں کرسکتی۔ اور نہ روح ہی کچھ کرسکتی ہے۔ پس تو عقل کی عقل اور روح کی روح ہے۔ یعنی مخلوق کی عقول اور ان کی ارواح پر تو حاکم ہے اور عقل کل یعنی عقل ایمانی بھی تیری عظمت وجلال کے سامنے سرگشتہ اور متحیر ہے خلاصہ یہ ہے کہ تمام مخلوقات تیری ہی محکوم ہیں۔ تو جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے۔

تم النصف الاول من السفر الرابع للكتاب والله اعلم بالصواب

تمام شد ربع ثانی از کلید مثنوی دفتر چہارم

فالحمد لله ثم الحمد لله

احقر شبیر علی عفی عنہ تقبل اللہ

کلید مثنوی ربع ثالث شرح دفتر چہارم

شرح حبیبی

میر گردانیدن رسول علیہ السلام جوان ہذیلی را بر سریہ کہ دراں پیراں و جنگ آموزدگان بودند

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بنی ہذیل کے ایک نوجوان کو اس لشکر کا سردار بنانا جس میں بوڑھے اور جنگ آزمودہ تھے

یک سریہ می فرستادے رسولؐ	بہر جنگ کافرو دفع فضول
آنحضورؐ ایک لشکر بھیج رہے تھے	کافر (لوگوں) سے جنگ اور فضول (لوگوں) کو دفع کرنے کے لئے
یک جوانے را گزید او از ہذیل	میر لشکر کردش و سالار خیل
آپ نے (بنی) ہذیل کے ایک جوان کو منتخب فرمایا	اس کو لشکر کا امیر اور لشکر کا سپہ سالار بنا دیا
اصل لشکر بیگماں سرور بود	قوم بے سر درتن بے سر بود
یقیناً سردار لشکر کی بنیاد ہوتا ہے	بغیر سردار کی قوم بے سر کا جسم ہوتی ہے
ایں ہمہ کہ مردہ و پژمردۂ	زاں بود کہ ترک سرور کردۂ
یہ جو تو بالکل مردہ اور پژمردہ ہے	اس لئے ہے کہ تو نے سردار کو چھوڑ دیا ہے
از کسل و زبخل و زما و منی	می کشی سرخویش را سر میکنی
سستی اور بخل اور خودی و انانیت کی وجہ سے	تو سرکشی کرتا ہے اپنے آپ کو سردار بناتا ہے
ہمچو استورے کہ بگیریزد زبار	او سر خود گیرد اندر کوہسار
اس گدھے کی طرح جو بوجھ سے بھاگے	اور پہاڑ کا راستہ لے لے
صاحبش درپے دواں کاے خیرہ سر	ہر طرف گرگے ست اندر قصد خر
اس کا مالک پیچھے دوڑے کہ اے سرکش!	ہر طرف گدھے کی تلاش میں بھیڑیئے ہیں

یہ ربع ثالث کلید مثنوی دفتر چہارم کا شرح شبیری سے خالی ہے۔ اسی طرح ربع رابع بھی۔ ان دونوں ربع میں صرف شرح حبیبی ہے اسی طرح دفتر پنجم کا ربع ثانی وثالث ورابع۔ اس کا صرف ربع اول دونوں شرحوں پر مشتمل ہے جس کی وجہ یہ ہوئی کہ دفتر چہارم کے ربع ثالث ورابع کے اور اسی طرح دفتر پنجم کے ربع ثانی وثالث ورابع کے درس کا

اتفاق نہیں ہوا۔ چنانچہ یہ امر تمہید کلید مثنوی دفتر خامس کے ایک منبیہ سے اجمالاً ظاہر ہے اور شرح شبیری درس ہی کے تابع تھی۔ اسی بناء پر تناسب حجم کے لحاظ سے میں مہتممان طبع کو مشورہ دیتا ہوں کہ چہارم کے ان دونوں ربع کو اور اسی طرح

گر زچشمم ایں زماں غائب شوی	پیشت آید ہر طرف گرگ قوی
اگر تو اس وقت میری نظر سے غائب ہو گا	ہر جانب قوی بھیڑیا تیرے سامنے آئے گا
استخوانت رابخاید چوں شکر	کہ نہ بینی زندگانی را دگر
شکر کی طرح تیری ہڈیاں چبا لے گا	حتیٰ کہ تو دوبارہ زندگی نہ دیکھے گا
آں مکن آخر بمانی از علف	آتش از بے ہیزمی گردد تلف
وہ نہ کر بالآخر تو گھاس سے (محروم) رہ جائے گا	بغیر ایندھن کے آگ جا ہو جاتی ہے
ہیں بمگریز از تصرف کردنم	وزگراں باری کہ جان تو منم
خبردار! میرے کام میں لگانے سے نہ بھاگ	اور بوجھ لادنے سے کیونکہ میں تیری جان ہوں
تو ستوری ہم کہ نفست غالب ست	حکم غالب را بود اے خود پرست
تو بھی گدھا ہے کیونکہ تیرا نفس غالب ہے	اے نفس پرست! حکم غالب پر لگتا ہے
خرنخواندت اسپ خواندت ذوالجلال	اسپ تازی راعرب گوید تعال
اللہ تعالیٰ نے تجھے گھوڑا کہا ہے گدھا نہیں کہا	عربی گھوڑے کو عرب "تعال" کہتے ہیں
میر آخر بود حق را مصطفیٰ	بہر استوران نفس پر جفا
آنحضورؐ اللہ (تعالیٰ) کے میر اصطبل ہیں	ظالم نفس کے گھوڑوں کے لئے
قل تعالوا گفت از جذب کرم	تا ریاضت تاں دہم من رائضم
کرم کے جذبہ سے (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہہ دے کہ آؤ"	تا کہ میں تم سے ریاضت کراؤں میں ریاضت کرانے والا ہوں
نفسہا را تامروض کردہ ام	زیں ستوراں بس لگدہا خوردہ ام
میں نے جب سے نفسوں کو مرتاض بنایا ہے	ان گھوڑوں کی بہت سی دولتیاں کھائی ہیں
ہر کجا باشد ریاضت بارۂ	از لگدہایش نباشد چارۂ
جہاں کہیں ریاضت کرانے والا ہوا ہے	اس کے لئے دولتیوں سے مفر نہیں ہے
لاجرم اغلب بلا بر انبیاست	کہ ریاضت دادن خاماں بلاست
لامحالہ کڑی آزمائش نبیوں کی ہے	کیونکہ اناڑیوں کو ریاضت کرانا ہی مصیبت ہے

سکسکانید از دمِ یرغا روید	تا یواش مرکبِ سلطاں شوید
تم سست رفتار گھوڑے ہو میری تعلیم سے تیز چلو	تاکہ نرم رفتار اور شاہ کی سواری بن جاؤ
قل تعالوا قل تعالوا گفت حق	اے ستوران ملول اندر سبق
اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا کہہ دے آ جاؤ کہہ دے آ جاؤ	اے گھڑ دوڑ میں عاجز گھوڑو!
قل تعالوا قل تعالوا گفت رب	اے ستوران رمیدہ از ادب
اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا کہہ دے آ جاؤ کہہ دے آ جاؤ	اے ادب سے بھاگے ہوئے گھوڑو!
قل تعالوا قل تعالوا گفت ے	اے ستوران فسردہ رگ و پے
اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا کہہ دے آ جاؤ کہہ دے آ جاؤ	اے سست رگ اور پٹھوں والے گھوڑو!
گر نیایند اے نبیؐ غمگیں مشو	زاں دو بے تمکیں تو پر از کیں مشو
اے نبیؐ! اگر وہ نہ آئیں تو غم زدہ نہ ہو	ان دو (چار) بے وقعت کی وجہ سے غصہ میں نہ بھر
گوش بعضے زیں تعالوا ہا کرست	ہر ستورے را اصطبلے دیگرست
بعض لوگ ان آ جاؤ (کی آوازوں) سے بہرے ہیں	ہر گھوڑے کا دوسرا اصطبل ہے
منہزم گردند بعضے زیں ندا	ہست ہر اسپے طویلہ او جدا
بعض لوگ اس آواز سے پیچھے ہٹ گئے	ہر گھوڑے کا اصطبل جدا ہے
منقبض گردند بعضے زیں قصص	زانکہ ہر مرغے جدا دارد قفص
بعض لوگ ان قصوں سے تنگدل ہوئے	کیونکہ ہر پرند کا پنجرہ علیحدہ ہے
خود ملائک نیز ناہمتا بدند	زیں سبب بر آسماں صف صف شدند
ملائک بھی (رتبہ میں) یکساں نہیں تھے	اسی وجہ سے آسمان پر صف صف ہو گئے
کودکاں گرچہ بیک مکتب درانند	در سبق ہر یک زیک بالاترانند
بچے اگرچہ ایک ہی مکتب میں ہیں	مقابلہ میں ایک دوسرے سے بڑھے ہوئے ہیں
مشرقی و مغربی را حسہاست	منصب دیدار حس چشم راست
مشرق اور مغرب والوں کی (مختلف) حسیں ہیں	دیکھنے کی حس کا مقام آنکھ کا ہے
صد ہزاراں گوشہا گر صف زنند	جملہ محتاجاں چشم روشن اند
اگر لاکھوں کان صف باندھیں	سب روشن آنکھ کے محتاج ہیں

بازصف گوشہارا منصبے	درسماع جاں و اخبار نبے
پھر کانوں کی صف کا ایک مقام ہے	قرآن کی روح اور قصوں کے سننے کے لئے
صد ہزاراں چشم راآں راہ نیست	ہیچ چشمے از سماع آگاہ نیست
لاکھوں آنکھوں کو وہ راستہ (حاصل) نہیں ہے	کوئی آنکھ سننے سے واقف نہیں ہے
ہمچنیں ہرحس یک یک می شمر	ہر یکے معزول ازاں کار دگر
اسی طرح ایک ایک حس کو گن لے	ہر ایک دوسرے کے کام سے جدا ہے
پنج حس ظاہر و پنج اندرون	درصف اند اندر مقام الصافون
پانچ ظاہری حواس اور پانچ باطنی	صف باندھنے والے فرشتوں کے قیام میں صف بستہ ہیں
ہرکسے کوازصف دیں سرکش ست	میرودسوی صفے کاں ناخوش ست
جو شخص دین کی صف سے سرکشی کرتا ہے	وہ بری صف کی جانب چلا جاتا ہے
توز گفتار تعالوا کم مکن	کیمیای بس شگرف ست ایں سخن
آپ "آ جاؤ" کہنے میں کمی نہ کریں	یہ کلمہ بہت عجیب کیمیاء ہے
گرمسے گردد ز گفتارت نفیر	کیمیا راہیچ ازوے وامگیر
اگر کوئی تانبا آپ کے قول سے متنفر ہو	کیمیاء کو اس سے نہ ہٹایئے
ایں زماں کرست نفس ساحرش	گفت تو سودش کند در آخرش
اس وقت اس کا جادو اگر نفس بہرا ہے	اس کے آخر میں آپ کی گفتگو اس کو فائدہ دے گی
قل تعالواقل تعالوا اے غلام	ہیں کہ ان اللہ یدعوا بالسلام
آپ آ جاؤ آ جاؤ کہیے! اے لڑکے!	آگاہ کہ بیشک اللہ (تعالیٰ) سلامتی کی طرف بلاتا ہے
خواجہ باز آ ازمنی و ازسری	سرورے جوکم طلب کن سروری
اے صاحب! خودی اور سرداری سے باز آ جا	کوئی سردار تلاش کر لے سرداری کا طالب نہ بن

اوپر سے مولانا فضیلت عقل بیان فرمارہے تھے۔اس بیان سے بھی یہی مقصود ہے جب مقصود کلام معلوم ہوگیا تو اب حل کلام سنو۔مولانا فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی سرکوبی اوران کی بیہودگی دفع کرنے کے لئے ایک دستہ فوج روانہ فرمانا چاہتے تھے۔اس کی افسری کے لئے آپ نے قبیلہ ہذیل کے ایک جوان کو منتخب کیا اور اس کو اس لشکر کا افسر اوراس گروہ کا سردار مقرر فرمایا اور سردار مقرر کرنے کی وجہ یہ تھی کہ لشکر کی قوت کا مدار افسر ہی پر ہوتا ہے اور جو جماعت بے سردار ہو

وہ ایسی ہے جیسے بے سر کا جسم جو کسی کام کا نہیں ہوتا۔ یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے مخاطب کا نا سن کان تو جو مردہ اور پژمردہ ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ تو کسی سردار کا ماتحت اور کسی شیخ کا دامن تھامے ہوئے نہیں ہے بلکہ کاہلی اور بخل اور نفسانیت کے سبب سرکشی کرتا ہے اور خود اپنے کو اپنا ہی یا دوسروں کا بھی سردار بناتا ہے۔ یعنی تیری خودسری کا منشاء تین امور ہیں اول کاہلی کیونکہ کسی کا مطیع ہو کر کام کرنا پڑے گا جو کہ عدم اطاعت کی حالت میں نہیں کرنا پڑتا۔ دوم بخل کیونکہ اطاعت کی صورت میں مطلوبات حسیہ کو چھوڑنا پڑے گا۔ جن کو عدم اطاعت کی صورت میں نہیں چھوڑنا پڑتا۔ تیسری خودی کیونکہ اطاعت کی صورت میں اپنے کو مٹانا پڑے گا جو کہ عدم اطاعت کی صورت میں نہیں کرنا پڑتا) پس تیری ایسی مثال ہے جیسے ایک گھوڑا بوجھ کے خوف سے پہاڑوں میں بھاگ جاوے اور خودسر ہو جاوے اور اسکا مالک اس کے پیچھے دوڑتا ہو اور کہتا ہو کہ ارے دیوانہ پہاڑوں میں ہر طرف بھیڑیے ہیں۔ جو تجھ سے گدھوں کے فکر میں ہیں پس اگر تو اس وقت میری نظر سے غائب ہو جاوے گا تو ہر طرف تجھے ایک مضبوط بھیڑیئے کا سامنا ہوگا اور وہ تجھے شکر کی طرح سے یوں مزہ لے لے کر کھاوے گا کہ پھر تجھے زندگی کی صورت نظر نہ آئے گی اگر یہ بھی نہ ہو تو کم سے کم یہ تو ہوگا کہ تجھے چارہ نہ ملے گا اور تو بدوں غذا کے مرجاوے گا۔ جیسے بے ایندھن کے آگ فنا ہو جاتی ہے۔ دیکھ تو میرے تصرف کرنے سے اور بوجھ کی گرانی سے نہ بھاگ۔ کیونکہ میں تیری جان کا محافظ ہوں۔ اس لئے گویا کہ تیری جان ہوں اور میرا تصرف تیرے اندر ایسا ہے جیسا جان کا تصرف جسم میں اس لئے مجھ سے بھاگنا گویا کہ اپنی جان سے بھاگنا ہے۔ پس تو بھی ایک گھوڑا ہے کیونکہ تیرا نفس تجھ پر غالب ہے جو کہ سرکشی اور قابلیت تربیت واصلاح میں گھوڑے کے مشابہ ہے اور حکم غالب پر ہوتا ہے اس لئے تو گھوڑا ہی ہے ہم نے تجھے گھوڑا کہا اور گدھا نہیں کہا اس کی وجہ یہ ہے کہ حق سبحانہ نے تجھے گدھا نہیں کہا بلکہ گھوڑا کہا ہے۔ (اور منشاء اس کا وہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ گھوڑا گو سرکش ہوتا ہے مگر قابل تربیت واصلاح ہوتا ہے برخلاف گدھے کے) رہی یہ بات کہ حق سبحانہ نے تجھے گھوڑا کیسے کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ عرب جب عربی گھوڑے کو بلاتے ہیں تو کہتے ہیں تعال تعال اور حق سبحانہ نے جب تجھ کو بلایا ہے تو لفظ تعال استعمال کیا ہے اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان گھوڑوں یعنی نفوس ظالمہ کے سدھانے کے لئے سردار مقرر کئے گئے ہیں اس لئے اس نے جذب کے سبب جس کا منشا فضل محض ہے۔ ان سے فرمایا ہے کہ اپنے گھوڑوں سے کہہ دو تعالوا اتل ما حرم علیکم جس کا حاصل یہ ہے کہ تم میری طرف آؤ تاکہ میں تمہیں سدھاؤں کیونکہ میں تمہارا سدھانے والا ہوں چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان گھوڑوں کے سدھانے کی خدمت تفویض ہوئی تھی۔ اس لئے آپ نے انہیں مہما امکن سدھایا اور یہ فرمایا کہ جس وقت سے میں نے اصلاح نفوس اور ان کو شائستہ کرنے کی خدمت انجام دینی شروع کی ہے۔ اس وقت سے اس وقت تک میں ان گھوڑوں کی بہت سی لاتیں کھا چکا ہوں۔ اور ایسا ہونا بھی چاہئے تھا کیونکہ قاعدہ ہے کہ جہاں کہیں زیر تربیت گھوڑا ہوتا ہے اس کی لاتیں کھانی پڑتی ہیں۔

فائدہ:۔ ریاضت بارہ بمعنی بارۂ ریاضت۔ اے اسپیکہ مروض کردہ میشود پس بارہ بمعنی اسپ ہے اور اضافت مقلوبی یا دنی ملابست ہے۔ اور محشین نے بارہ کے معنی خو خصلت یا دوست یا طرز وروش کے لئے ہیں اے کسیکہ دوست ریاضت کردن یا خو خصلت اور ریاضت کردن یا طرز وروش اور ریاضت کردن باشد واللہ اعلم) یہ ہی وجہ ہے کہ زیادہ مصیبت انبیاء کو ہے کیونکہ ان کو ناقصین کے شائستہ کرنے کی خدمت سپرد ہوتی ہے اور ناقصین کو شائستہ کرنا ایک مصیبت ہے نیز آپ نے فرمایا ہے کہ اے

گھوڑو تم بے راہ ہو آؤ مجھ سے تعلیم حاصل کرو۔ تا کہ اول تم رہوار ہو جاؤ اور اس کے بعد شاہی سواری کے لائق ہو جاؤ یعنی اس وقت تم گمراہ ہو۔ میری تعلیم سے اول تم مطلق مومن یا مومن کامل ہو گے اس کے بعد تم مومن کامل یا اکمل ہو جاؤ گے۔

فائدہ:۔ تحقیق اختلاف احوال پر مبنی ہے اور مرکب سلطان عطف تفسیری ہے۔ یوں کے لئے) اے سبقت الی العاقبۃ سے دل تنگ گھوڑو۔ اور اے شائستگی سے بھاگے ہوئے گھوڑو اور اے رگ دبے نخرے ہوئے گھوڑو میں تمہیں اس لئے بلاتا ہوں کہ حق سبحانہ نے مجھے حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ تم ان سے کہو کہ آؤ اور شائستگی سیکھو۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا ہے کہ اگر یہ نہ آئیں تو آپ رنج نہ کریں اور ان چند بیہودہ لوگوں کے نہ آنے سے مکدر نہ ہوں اور یہ نہ آنے والے تین قسم کے لوگ ہیں۔ کچھ تو بہرے ہیں اس لئے وہ سنتے ہی نہیں اور کچھ سنتے ہیں مگر سن کر بھاگتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو بھاگتے تو نہیں مگر منقبض ہوتے ہیں۔ اور بشاشت کے ساتھ آپ کی دعوت کو قبول نہیں کرتے۔ (میرے نزدیک بہرے لوگ تو وہ ہیں جو نہ آپ کی موافقت کرتے ہیں اور نہ مخالفت اور بھاگنے والے وہ ہیں جو مزاحمت کرتے ہیں اور منقبض وہ لوگ ہیں جو کسی غرض دنیوی سے آپ کی دعوت کو قبول فرماتے ہیں) اور وجہ اس اختلاف کی یہ ہے کہ ان گھوڑوں میں سے ہر ایک کے لئے جدا اصطبل اور ان جانوروں میں سے ہر ایک کے لئے علیحدہ پنجرہ ہے۔ یعنی ہر ایک کے لئے ایک جداگانہ حالت مقدر ہے جس پر وہ بااختیار خود قائم رہے گا۔ اور اس سے آگے نہ بڑھے گا اور یہ اختلاف احوال کچھ انسانوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ فرشتے بھی سب یکساں نہیں ہیں۔ اسی سبب سے ان کے مراتب میں بھی اختلاف ہے کہ کچھ اگلی صف میں ہیں اور کچھ اس سے پچھلی میں وھکلذا. ہم اس مضمون کو ایک مثال حسی سے ثابت کرتے ہیں۔ دیکھو لڑکے ایک مکتب میں ہوتے ہیں اور سب تحصیل علم میں مشغول ہوتے ہیں اور اپنی مقدور بھر اس میں کمی نہیں کرتے۔ مگر سبق میں پھر بھی ایک دوسرے سے آگے پیچھے ہوتے ہیں اس کی وجہ نقصان و کمال استعداد فطری ہی ہے۔ علی ہذا تمام اہل مشرق و مغرب متعدد حواس رکھتے ہیں مگر دیکھنا آنکھ ہی کا کام ہے چنانچہ اگر لاکھوں کان بھی مجتمع ہو جاویں تو دیکھا منہ دیکھ سکیں گے اور اس میں آنکھ ہی کے محتاج رہیں گے۔ علی ہذا کانوں کی صف کا استماع حال و اخبار قرآنیہ کے بارہ میں ایک خاص منصب ہے۔ جس تک لاکھوں آنکھوں کی رسائی نہیں۔ کیونکہ کوئی آنکھ سننا نہیں جانتی پس تم اسی طرح ایک ایک حس کو گن جاؤ اور اس کو دوسری حس کے کام سے معزول سمجھو غرض کہ پانچ حواس ظاہری ہیں اور پانچ باطنی اور سب کے سب ایک ایک صف میں صف بستہ کھڑے ہیں۔ یہ تفاوت و اختلاف کیوں ہے محض اختلاف استعدادات کے سبب بس یہی حالت لوگوں کی ہے اور وہ مختلف صفوں میں کھڑے ہیں اور اپنی صف کے علاوہ دوسری صف سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے اسی لئے جو شخص صف اہل دین سے برگشتہ ہے وہ اسی صف میں جائے گا جو اچھی نہیں ہے۔ یعنی صف اہل دنیا میں مگر تم بلانے میں کمی نہ کرو اور آؤ آؤ کہے جاؤ کہ یہ کلام عجیب کیمیا اثر ہے۔ پس اگر تانبا (ناقصین) آپ کے اس قول سے بھاگے تو آپ اس کیمیا اثر کلام سے اس سے دریغ نہ کریں کیونکہ گو اس کا نفس جادو گر اس وقت بھرا ہے لیکن ایک وقت میں اسے فائدہ دے گا۔ (خواہ اس کے بعض افراد ہی کو دے مگر دے گا ضرور یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کے کسی فرد کو بھی مفید نہ ہو) پس آپ انہیں ہدایت کی طرف بلائیے۔ دیکھئے ہم انہیں سلامتی کے ساتھ بلاتے ہیں اس لئے آپ بھی ہمارا اتباع کیجئے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ اے شخص جب تجھے یہ مضمون معلوم ہو گیا تو تو خودی اور سرداری سے باز آ اور سرداری طلب مت کر بلکہ کوئی سردار ڈھونڈ اور اس کا اتباع کر خیر یہ مضمون تو استطراد تھا اب اصل قصہ سنو۔

اعتراض کردن معترضے بر رسول صلی اللہ علیہ وسلم بر امیر گردانیدن آں ہذیلی را بر سریہ

ایک معترض کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ان ہذیلی کو لشکر کا سردار بنانے پر اعتراض کرنا

چوں پیغمبرؐ سرورے کرد از ہذیل	از برائے لشکر منصور خیل
جب پیغمبرؐ نے ہذیل میں کا سردار بنایا	فتح مند گروہ کے لشکر کے لئے
بوالفضولے از حسد طاقت نداشت	اعتراض ولا نسلم برفراشت
ایک بیہودہ حسد کی وجہ سے برداشت نہ کر سکا	اعتراض اور" ہم نہیں مانتے" کا اعلان کیا
خلق را بنگر کہ چوں ظلمانی اند	در متاع فانیے چوں فانی اند
لوگوں کو دیکھ کس قدر اندھیرے میں ہیں	فانی اسباب پر کس قدر مرمٹنے والے ہیں
از تکبر جملہ اندر تفرقہ	مردہ از جاں زندہ اندر محرقہ
تکبر کی وجہ سے سب تفرقہ میں ہیں	روح کے اعتبار سے مردہ ہیں جلانے والی (چیز) کے بارے میں زندہ ہیں
ایں عجب کہ جاں بزنداں اندرست	وانگہے مفتاح زندانش بدست
یہ تعجب ہے کہ جان قید خانہ میں ہے	جبکہ قید خانہ کی کنجی اس کے ہاتھ میں ہے
پای تا سر غرق سرگیں آبخواں	می زند بردامنش جوی رواں
وہ جوان سر سے پاؤں تک گوبر میں غرق ہے	(حالانکہ) جاری نہر اس کے دامن سے ٹکرا رہی ہے
دائماً پہلو بہ پہلو بے قرار	پہلوی آرامگاہ و پشت وار
ہمیشہ ہر کروٹ پر بیقرار ہے	(حالانکہ) آرام کی جگہ اور سہارے کے پہلو میں ہے
نور پنہان ست وجست و جو گواہ	کز گزافہ دل نمی جوید پناہ
نور پوشیدہ ہے اور جستجو گواہ ہے	کیونکہ دل خواہ مخواہ پناہ کا جویاں نہیں ہے
گر نبودے حبس دنیا را مناص	نے بدے وحشت نہ دل جستے خلاص
اگر دنیا کی قید سے بچاؤ کا راستہ نہ ہوتا	نہ (دنیا سے) وحشت ہوتی نہ دل نجات چاہتا
وحشتت ہمچوں موکل می کشد	کہ بجوائے ضال منہاج رشد
وحشت تجھے سپاہی کی طرح کھینچتی ہے	کہ اے گمراہ ہدایت کا راستہ تلاش کر لے
ہست منہاج و نہاں در مکمن ست	یافتش رہن گزافہ جستن ست
راستہ موجود ہے اور چھپنے کی جگہ میں پوشیدہ ہے	اس کا حصول الکل پچو تلاش پر موقوف ہے

تفرقہ جویای جمع اندر کمیں	تو دریں طالب رخ مطلوب بیں
پھوٹ مخفی طور پر اتحاد کی جویاں ہے	تو اس طالب میں مطلوب کا چہرہ دیکھ لے
مردگان باغ برجستہ زبن	کاں دہندہ زندگی رافہم کن
باغ کے مردہ (بیج) جڑ سے اگ پڑتے ہیں	کہ اس زندگی بخشنے والے کو سمجھ لے
چشم ایں زندانیاں ہردم بدر	کے بدے گرنیستے کس مژدہ در
ان قیدیوں کی نگاہ ہر وقت دروازے پر	کیوں ہوتی' اگر کوئی خوشخبری دینے والا نہ ہوتا؟
صد ہزار آلودگان آب جو	کے بدندے گرنبودے آب جو
لاکھوں آلودہ' پانی تلاش کرنے والے	کب ہوتے' اگر نہر کا پانی نہ ہوتا
برزمیں پہلوت را آرام نیست	زانکہ در خانہ لحاف و بستریست
زمین پر تیرے پہلو کو آرام نہیں ہے	کیونکہ گھر میں لحاف اور بستر ہے
بے مقر گاہے نباشد بے قرار	بے خمار اشکن نباشد ایں خمار
سکون کی جگہ کے بغیر' کوئی بے قرار نہیں ہوتا ہے	یہ خمار' بغیر خمار اتارنے والی چیزوں کے نہیں ہوتا ہے
گفت نے نے یا رسول اللہ مکن	سرور لشکر مگر شیخ کہن
اس نے کہا نہیں' نہیں اے اللہ کے رسول نہ بنائیے	لشکر کا سردار سوائے پرانے بوڑھے کے
یا رسول اللہ جواں ار شیر زاد	غیر مرد پیر سر لشکر مباد
اے رسول اللہ' جوان خواہ شیر کا بچہ ہو	بوڑھے شخص کے سوا لشکر کا سردار نہ ہونا چاہیے
ہم تو گفتستی و گفت تو گوا	پیر باید پیر باید پیشوا
آپ ہی نے یہ کہا ہے اور آپ کا فرمانا گواہ ہے	(کہ) پیشوا بوڑھا چاہیے' بوڑھا
یا رسول اللہ دریں لشکر نگر	ہست چندیں پیر از وے پیشتر
اے رسول اللہ! اس لشکر کو دیکھئے	بہت سے بوڑھے ہیں اور اس سے بڑھ کر (ہیں)
زیں درخت آں برگ زردش را مبیں	سیبہائے پختۂ او را بچیں
اس درخت کو اس کے زرد پتوں سے نہ دیکھئے	اس کے پختہ سیب چن لیجئے
برگہای زرد او خود کے تہی ست	ایں نشان پختگی و کاملی ست
اس کے زرد پتے بھی کب بیکار ہیں؟	یہ پختگی اور کمال کی علامت ہیں

برگ زرد و ریش و آں موی سپید	بہر عقل پختہ می آرد نوید
داڑھی کے پیلے پتے اور وہ سفید بال	عقل کے پختہ ہونے کی بشارت دیتے ہیں
برگہائے نو رسیدہ سبز فام	شد نشان آنکہ آں میوہ است خام
نئے اگے ہوئے سبز پتے	اس کی نشانی ہیں کہ پھل کچا ہے
برگ بے برگی نشان عارفی ست	زردی زر سرخروئی صیرفی ست
بے سروسامانی کا سامان' شناسائی کی نشانی ہے	سونے کی زردی صراف کی سرخروئی ہے
آنکہ او گل عارض ست و نو خط ست	او بمکتب گاہ مخبر نوخط ست
وہ شخص جو پھول کے سے رخسار والا اور سبزہ آغاز ہے	وہ درسگاہ میں نوآموز ہونے کی خبر دینے والا ہے
حرفہای خط او کژمژ بود	مزمن عقل ست اگر تن می دود
اس کی تحریر کے حروف ٹیڑھے میڑھے ہونگے	عقل کا اپاہج ہے' اگرچہ جسم دوڑ رہا ہے
پای پیر از سرعت ارچہ باز ماند	یافت عقل او دو پر براوج راند
بوڑھے کے پاؤں اگرچہ تیز روی سے عاجز ہیں	اس کو عقل کے دو پر حاصل ہوگئے ہیں' بلندی پر اڑتا ہے
گر مثل خواہی بجعفرؓ درنگر	داد حق برجای دست و پاش پر
اگر تو مثال چاہتا ہے' جعفرؓ کو دیکھ لے	اللہ (تعالیٰ) نے ان کو ہاتھ پاؤں کی بجائے پر دیدیے ہیں
گر ز اسرار سخن بوے بری	من سخن گویم چو زر جعفری
اگر تو کلام کے راز سمجھ سکے	(تو) میں جعفری سونے کی سی بات کروں
بگذر از زرگایں سخن شد محتجب	ہمچو سیماب ایں دلم شد مضطرب
سونے کی بات چھوڑ کیونکہ یہ بات چھپ گئی	میرا یہ دل پارے کی طرح بے قرار ہو گیا
زاندرونم صد خموشی خوش نفس	دست برلب می زند یعنی کہ بس
میرے اندر سے سو خاموشیاں ' خوشبودار	ہونٹ پر ہاتھ رکھتی ہیں' یعنی کہ بس
خامشی بحرست و گفتن ہمچو جو	بحر می جوید ترا جو را مجو
خاموشی سمندر ہے اور گفتگو نہر کی طرح ہے	تجھے سمندر تلاش کر رہا ہے" تو نہر کی تلاش نہ کر
از اشارتہای دریا سرمتاب	ختم کن واللہ اعلم بالصواب
دریا کے اشاروں سے منہ نہ موڑ	ختم کر دے اور خدا بہتر جانتا ہے

ہمچنیں پیوستہ کرد آں بے ادب	پیش پیغمبرؐ سخن زاں سرد لب
اسی طرح مسلسل وہ بے ادب کرتا رہا	بات پیغمبرؐ کے سامنے ٹھنڈے ہونٹوں سے
دست می دادش سخن او بے خبر	کہ خبر ہرزہ بود پیش نظر
باتیں اس کے ہاتھ آتی رہیں وہ بے خبر تھا	کہ مشاہدہ کے سامنے خبر بیکار ہوتی ہے
ایں خبرہا از نظرہا نائب ست	بہر حاضر نیست بہر غائب ست
یہ خبریں مشاہدوں کے بعد ہیں	یہ مشاہدہ کے لئے نہیں ہیں، غائب کے لئے ہیں
ہر کہ او اندر نظر موصول شد	ایں خبرہا پیش او معزول شد
جو شخص مشاہدہ میں پہنچ گیا	یہ خبریں اس کے لئے بیکار ہو گئیں
چونکہ با معشوق گشتی ہم نشیں	دفع کن دلالگاں را بعد ازیں
جب تو معشوق کا ہم نشین بن گیا	اس کے بعد دلالہ (عورتوں) کو دفع کر
ہر کہ از طفلی گذشتہ و مرد شد	نامۂ و دلالہ بروے سرد شد
جو شخص بچپنے سے نکل گیا اور جوان ہو گیا	خط اور دلالہ اس کے لئے بے ضرورت بن گئے
نامہ خواند از پے تعلیم را	حرف گوید از پئے تفہیم را
خط پڑھتا ہے سکھانے کے لئے	بات کرتا ہے سمجھانے کے لئے
پیش بینایاں خبر گفتن خطاست	کاں دلیل غفلت و نقصان ماست
دیکھنے والوں کو خبر سنانا غلطی ہے	کیونکہ وہ ہماری جہالت اور کمی کی دلیل ہے
پیش بینا شد خموشی نفع تو	بہر ایں آمد خطاب انصتوا
صاحب بصیرت کے سامنے چپ رہنا تیرے لئے مفید ہے	اس لئے حکم ہوا ہے، خاموش رہو
گر بفرماید بگو بر گوئی خوش	لیک اندک گو دراز اندر مکش
اگر وہ حکم دے کہ بول (تو) اچھی بات کر	لیکن بات کو طول نہ دے
ور بفرماید کہ اندر کش دراز	ہمچناں شیریں بگو با امر ساز
اگر وہ حکم دے کہ تفصیل کر	اسی طرح عمدہ بات کر، حکم مان
ہمچناں کہ من دریں زیبا فسوں	با ضیاء الحق حسام الدین کنوں
جیسا کہ میں اس حسین کلام کے معاملہ میں	اب ضیاء الحق حسام الدین کے ساتھ ہوں

چونکہ کوتہ می کنم من از رشد	او بصد نوعم بگفتن می کشد
جب میں بھلائی کے ساتھ مختصر کرتا ہوں	وہ سینکڑوں طرح سے بولنے پر مجبور کرتے ہیں
اے حسام الدین ضیاء ذوالجلال	چونکہ می بینی چہ می جوئی مقال
اے حسام الدین آپ اللہ (تعالیٰ) کا نور ہیں	جبکہ آپ مشاہدہ کرتے ہیں بات کی جستجو کیوں کرتے ہیں؟
ایں مگر باشد زحب مشتہیٰ	اسقنی خمراً و قل لی انھا
یہ شاہد محبوب کی محبت کی وجہ سے ہے	مجھے شراب پلا اور مجھ سے کہہ کہ یہ ہے
بر دہان تست ایں دم جام او	گوش می گوید کہ قسم گوش کو
اس وقت آپ کے منہ سے اس کا جام لگا ہے	کان کہتا ہے کہ کان کا حصہ کہاں ہے؟
قسم تو گرمی ست نک گرمیت ہست	گفت حرص من ازیں افزوں ترست
تیرا حصہ گرمی ہے یہ تجھ میں گرمی ہے	اس نے کہا میری حرص اس سے بڑھی ہوئی ہے

غرض کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہذیلی کو اپنے مظفر و منصور لشکر کا سپہ سالار بنایا تو ایک بیہودہ کو مارے حسد کے تاب نہ رہی اور اس نے آپ کی مزاحمت اور سرکشی کا جھنڈا بلند کیا یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لوگوں کو کہ چونکہ یہ بے نور ہیں اس لئے ایک فانی سامان (جاہ) پر کیسے مٹے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ تکبر کے سبب آپس میں ایک دوسرے سے جدا ہیں اور ہر شخص اپنے نفع کا خواہاں ہے اور دوسرے کے فائدہ کو نہیں دیکھ سکتا۔ اور جو حقیقت میں جان ہے یعنی ہدایت اس سے انہیں موت آتی ہے اور جو آگ انہیں جلا کر خاک کر دینے والی ہے یعنی ضلالت اس میں یہ لوگ زندہ اور خوش و خرم ہیں۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ تعجب ہے کہ اس جیل خانہ کی کنجی ان کے قبضہ میں ہے مگر یہ اس جیل خانہ ضلالت میں محبوس ہیں اور ہدایت کی ندی ان سے ملی ہوئی چل رہی ہے مگر یہ نجاست ضلالت میں سرتا پا غرق ہیں اور بے چینی سے کروٹیں بدلتے ہیں حالانکہ آرامگاہ اور گاؤ تکیہ ان کے پاس موجود ہے کیونکہ نور ہدایت جو کہ آرام گاہ ہے فی نفسہ موجود اور تیسیر الحصول ہے مگر مخفی ہے اور دلیل اس کے وجود کی اس کی جستجو و طلب قلب ہے کیونکہ اگر دل کا مزاج فاسد نہ ہو گیا ہو بلکہ ضرور کوئی ایسی شئے ہے جو اس کو اس تکلیف سے بچا سکتی ہے کیونکہ اگر اس قید سے رہائی کی کوئی صورت نہ ہوتی تو نہ دل اس سے متوحش ہوتا اور نہ چھوٹنے کی خواہش کرتا۔ پس ثابت ہوا کہ کوئی ایسی شئے ضرور ہے جو اسے اس قید سے چھڑا سکتی ہے اور وہ راہ ہدایت ہے اور یہ تیری وحشت تجھ پر حق سبحانہ کی طرف سے مسلط کی گئی ہے تاکہ تقاضا کرے کہ اے گمراہ راہ ہدایت تلاش کر۔ پس یہ راہ ضرور موجود ہے مگر مخفی ہے اور اس کے پانے کا طریقہ یہ ہے کہ اٹکل پچو ڈھونڈنا شروع کر دیا جاوے۔ اس طرح وہ ضرور مل جاوے گا۔

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید خیرہ یوسف دار می باید دوید

تمہارا توحش طالب جمعیت ہے پس تم کو اس طالب (توحش) میں اس کے (مطلوب جمعیت) کا مشاہدہ کرنا

چاہئے اور اس کے وجود سے اس کے وجود پر استدلال کرنا چاہئے۔ نیز باغ کے خشک درخت جڑوں سے پھوٹ کر کہتے ہیں کہ تم اس سے زندگی عطا کرنے والے کا پتہ چلاؤ۔ کیونکہ کوئے حیات بخش تھا تو ہم زندہ ہوئے ورنہ ہم زندہ کیونکر ہو سکتے تھے۔ اسی طرح توقع رہائی وجود رہائی پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ اگر رہائی کا وجود ہی نہ ہوتا اور رہائی کی خوشخبری دینے والے کے آنے کی امید ہی نہ ہوتی تو بھلا کہیں قیدیوں کی آنکھیں دروازہ کو لگی ہوتیں کبھی نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ دل کی توقع بدلالت کی دلیل ہے۔ اس کے وجود کی اور اس کی توقع کی دلیل اس کی بے چینی ہے کیونکہ جب تک کسی شئے کی توقع نہیں ہوتی اس وقت تک اس کے لئے بے چینی بھی نہیں ہوتی۔ چنانچہ تم کو زمین میں چین اسی لئے نہیں آتا کہ تمہارے گھر میں لحاف اور بستر موجود ہے اور تمہیں ان سے تمتع کی امید ہے ورنہ تمہاری یہ حالت نہ ہوتی۔ کیونکہ کوئی شخص بدوں آرام دہ شئے کے توقع کے بے قرار نہیں ہوتا۔ اور یہ نشہ بدوں اس کے آثار کے امید کے نہیں ہوتا خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب ہم پھر مضمون سابق کی طرف عود کرتے ہیں سنو۔ اس نے کہا ہرگز ایسا نہ ہونا چاہئے اور کسی سن رسیدہ شخص کے سوا آپ کسی کو سپہ سالار نہ بنائیں۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر جوان شیر کا بچہ بھی ہو تب بھی سپہ سالار بوڑھا ہی ہونا چاہئے میں اپنے بیان کی تائید میں خود حضورؐ ہی کا ارشاد پیش کرتا ہوں۔ حضور نے فرمایا ہے کہ مقتدا بوڑھا ہونا چاہئے پس آپ اس لشکر کو ملاحظہ فرمایئے۔ اس میں اتنے بوڑھے لوگ موجود ہیں ان میں سے جس کو حضورؐ چاہیں سپہ سالار بنا دیں۔ آپ ان درختوں کے زرد پتے نہ دیکھئے بلکہ ان کے پختہ سیبوں سے متمتع ہوجئے۔ نیز ان کے زرد پتے بھی میرے دعویٰ پر دلالت سے خالی نہیں ہیں کیونکہ یہ دلیل ہیں ان کی پختگی اور کمال کی یعنی ان کی داڑھی اور سر کے سفید بال ان کی عقلوں کی دلیل ہیں۔ برخلاف اس کے سبز رنگ اور نئے پتے یعنی سیاہ بال اور خط نو دلیل ہے اس بات کی کہ میوۂ عقل خام ہے اور گو وہ بے سروسامان ہیں کیونکہ ان میں لطافت وغیرہ کچھ نہیں مگر ان کا یہ سامان بے سامانی ہے ان کے عاقل و عارف باحوال امور ہونے کی علامت ہے اور گو ان کے پتے زرد ہیں مگر یہ زردی خود حضور کی سرخروئی کا سبب ہے جس طرح کہ سونے کی زردی صراف کی سرخروئی کا سبب ہوتی ہے کیونکہ وہ شاہد ہے اس کے تبصر اور تنقید کے صواب ہونے پر۔

فائدہ:۔ ولی محمد نے برگ بے برگی کو انتقال قرار دیا ہے اور مطلب کی تقریر یوں کی ہے "عارف کامل آنست کہ از ہمہ رنگہا بیرنگ بود و ہیچ وصلے و کمالے مقید نباشد چنانچہ گفتہ اند کہ بعضے بصفات چوں توکل و تسلیم و عشق و محبت نشان ندانند و بعضے بے نشان اند و کمال در بے نشانی است اھ" لیکن میں اس مضمون کو نہیں سمجھ سکا و مع ھذا دوسرے مصرع کی تقریر نہیں کی اور نہ اس کا پہلے مصرع کے ساتھ ربط بتلایا) اور جو لوگ گل رخسار ہیں اور ابھی سبزہ آغاز ہوا ہے وہ واقفیت اور دانش کے لحاظ سے طفل کتب اور نو آموز ہے۔ اس کے حروف (تدابیر) ٹیڑھے ویڑھے ہوں گے اور اگرچہ اس کا جسم دوڑا کرتا ہے مگر اس کی عقل اپاہج ہے اور کچھ کام نہیں کر سکتی اور بڈھے کے پاؤں تو ضرور رہ جاتے ہیں اور وہ بخوبی حرکت نہیں کر سکتا۔ لیکن ان کے معاوضہ میں اس کی عقل کو دو پر مل جاتے ہیں اور وہ بلند پرواز ہو جاتی ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں اگر تم اس کی نظیر چاہتے ہو تو جعفر بن ابی طالبؓ کو دیکھو کہ جب غزوۂ موتہ میں ان کے ہاتھ پاؤں کٹ گئے اور وہ شہید ہو گئے تو حق سبحانہ نے جنت میں ان کو ان کے ہاتھ پاؤں کے معاوضہ میں پر عطا فرمائے۔

فائدہ:۔ پاؤں کٹنے کا ثبوت نہیں ہے غالباً مولانا نے پاؤں کو استطراداً اور عرف کے طور پر ذکر کر دیا ہے واللہ

علم) اگر تم کچھ بھی رمزشناس ہوتو میں تم سے ایسی کھری کھری باتیں بیان کروں جیسا کھرا سونا جو جعفر بن یحیٰی برکی کی طرف منسوب ہے۔اچھا اس زر جعفری کی کھری بات کو چھوڑ دو کیونکہ وہ میری زبان پر آ کر پھر دل میں چھپ گئی اور میرا دل قصداً اظہار اسرار الٰہیہ سے پارہ کی طرح مضطرب ہو گیا اور بہت سے خوش کلام تقاضائے خموشی میرے منہ پر ہاتھ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آگے نہ بولنا اب مولانا خود اپنے کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ دیکھ خاموشی ایک دریا ہے اور تکلم اس کی ندی (کیونکہ تکلم خاموشی سے یوں ہی پیدا ہوتا ہے جس طرح دریا سے ندی۔ کیونکہ خاموشی کی حالت میں گویائی کا ذخیرہ جمع ہوتا ہے اس کے بعد تکلم کی نوبت آتی ہے) اور جبکہ خود بحر تیرا طالب ہے تو تو ندی کا طالب نہ ہو اور اس بحر خاموشی کے اشاروں سے سرکشی مت کر اور گفتگو کو ختم کر۔ خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب اصل قصہ سنو وہ بے ادب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے برابر ایسی ہی باتیں کرتا رہا اور یہ باتیں برابر اس کی زبان سے نکلتی رہیں۔ مگر اسے یہ خبر نہ تھی کہ آپ حقائق کا مشاہدہ فرما رہے تھے اور مشاہدہ کے مقابلہ میں خبر محض فضول ہے۔ خبریں تو مشاہدہ کے قائم مقام ہیں۔ اور حاضر کے لئے نہیں بلکہ غائب کے لئے ہیں اور جو شخص مشاہدہ تک پہنچ جاتا ہے اس کے سامنے خبریں اپنے منصب سے علیحدہ ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ ان کا منصب تو ناواقف کو واقف کرتا ہے اور وہ خود واقف ہے اسے یہ کیا واقف کر سکتی ہیں نیز مخبر عنہ کی ایسی مثال ہے جیسے معشوق اور خبر کی ایسی مثال ہے جیسے دلالہ۔ پس جبکہ تم معشوق کے ساتھ ہمنشیں ہو تو کٹنیوں کو الگ کر دو کیونکہ اب وہ بیکار ہیں۔ یعنی جب تم مشاہدہ حاصل کر لو تو خبروں کو چھوڑ دو۔ اس لئے کہ اس وقت وہ کچھ کارآمد نہیں ہیں۔ نیز جو شخص بچپن سے گزر کر مرد ہو جاتا ہے نامہ اور دلالہ اس کی نظر میں بے وقعت ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ محبوب اس سے خود ملتے ہیں اور اسے وسائط کی ضرورت نہیں ہوتی۔ چنانچہ مولانا فرماتے ہیں۔

داردے مردی کن وانگہ بجو تابروں آیند صد گون خوبرو

نیز جو شخص نامہ پڑھتا ہے وہ تحصیل علم کے لئے پڑھتا ہے اور جو شخص بات کہتا ہے وہ سمجھانے کے لئے کہتا ہے۔ پس اگر علم و فہم کا مضمون پیشتر سے حاصل ہو تو لامحالہ وہ نامہ اور سخن فضول ہوں گے پس یہی حالت خبر اور مشاہدہ کی ہے ان وجوہ سے حقائق کے مشاہدہ کرنے والوں کے سامنے خبریں بیان کرنا بڑی غلطی ہے کیونکہ یہ ہماری غفلت اور نقصان کی دلیل ہے۔ بلکہ مشاہدہ کرنے والوں کے سامنے تو چپ ہی رہنے میں فائدہ ہے اسی لئے حق سبحانہ نے فرمایا ہے کہ اذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون وجہ استدلال بآیۃ کریمہ یہ ہے کہ مقصود امر یہ ہے کہ جب ہمارے رسول تبلیغ کریں تو تم لوگ چپکے رہو اور سنو کیونکہ واقف کا منصب بولنا ہے اور ناواقف کا منصب سننا اور صاحب نظر واقف ہوتا ہے اور غیر صاحب نظر اس کے مقابلہ میں ناواقف لہٰذا بولنا صاحب نظر کا کام ہوگا اور دوسروں کا کام سننا اور خاموش رہنا وھو المدعی۔ ہاں اگر بینا خود حکم دے تو بولو لیکن اس وقت بھی زیادہ گفتگو نہ کرو بلکہ مختصر کلام کرو لیکن اگر وہ تطویل کلام کا بھی حکم دے تو اس کی تعمیل کرو۔ اور خوب بیان کرو جیسا کہ ضیاء الحق حسام الدین کے ساتھ میرا معاملہ ہے۔ کیونکہ جب میں اپنی سلامتی طبع کی بناء پر گفتگو کو مختصر کرنا چاہتا ہوں تو وہ مجھے سینکڑوں طرح سے تطویل کلام پر مجبور کرتے ہیں اور میں تطویل کلام کرتا ہوں اب حسام الدین کو خطاب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ جو مجھے کلام پر مجبور کرتے ہیں اس کی وجہ کیا ہے کیونکہ

آپ تو حقائق کا مشاہدہ فرماتے ہیں پھر کلام کی آپ کو کیا ضرورت ہے۔ ہاں میں سمجھا معلوم ہوتا ہے کہ مطلوب کی محبت اس کا منشا ہے اور یہ ایسا ہے کسی شاعر نے کہا ہے کہ اسقنی خمرا و قل لی انها الخمر یعنی مجھے شراب پلا بھی اور یہ بھی کہہ کہ شراب کا پیالہ تیرے منہ سے لگا ہوا ہے کیونکہ کان کہتے ہیں کہ ہمارا حصہ کہاں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ تیرا حصہ گرمی شراب ہے اور گرمی شراب تجھ تک بھی پہنچے گی تو وہ کہتا ہے کہ میں صرف اتنی ہی پر قناعت نہیں کرتا بلکہ میں تو اپنا مخصوص حصہ یعنی سماع ذکر محبوب لینا چاہتا ہوں۔

فائدہ:۔ مولانا نے وصول مطلوب کے بعد وسائل کو بیکار قرار دیا ہے بعض ناقصین مدعیان کو ایسے مضامین سے دھوکہ ہو گیا ہے اور انہوں نے ان مضامین سے نتیجہ نکالا ہے کہ اہل اللہ سے تکالیف شرعیہ ساقط ہو جاتی ہیں۔ اور اتباع انبیاء کی ان کو حاجت نہیں رہتی۔ کیونکہ یہ نامہ و دلالہ کی طرح وسائل ہیں اور وصول الی المطلوب کے بعد وسائل ناقابل التفات ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس غلطی کا دفع کرنا ضروری ہے۔ تکالیف شرعیہ و طاعت انبیاء کو نامہ و دلالہ کی طرح وسائل غیر مقصودہ سمجھنا سخت غلطی ہے بلکہ یہ خود مقصود ہیں اور وسائل ہونے کی جہت ان میں اس قدر مضمحل ہے کہ گویا کہ ہے ہی نہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ استرضاء و طاعت مطلوب عین مطلوب ہے۔ اور تکالیف شرعیہ مطلوب حقیقی کے احکام ہیں پس ان پر کاربند ہونا عینہ استرضاء و طاعت مطلوب ہوگا جو کہ عین مطلوب ہے۔ رہی یہ بات کہ یہ وسائل قرب ہیں۔ سو وسیلہ ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک مطلوب دوسرے مطلوب کا وسیلہ ہو جائے۔ مثلاً معشوق کی باتیں سننا ایک مقصود ہے اس کو دیکھنا دوسرا مطلوب ہے۔ اور ہمنشینی ان دونوں کا وسیلہ ہے مگر فی نفسہ مقصود بھی ہے اور چونکہ اطاعت انبیاء بھی تکلیف شرعی ہے کیونکہ حق سبحانہ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول الخ فرماتے ہیں لہٰذا وہ بھی عین مقصود ہوگی اور وسیلہ ہونے کے سبب محتمل السقوط نہ ہوگی۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ ایسے مضامین سے سقوط تکالیف شرعیہ پر جن میں اطاعت انبیاء بھی داخل ہے۔ استدلال صحیح نہیں بلکہ ان سے بعض احوال و مواجید غیر مقصودہ کے ناقابل التفات ہونے پر استدلال ہو سکتا ہے اور یہ استدلال بیشک صحیح ہے واللہ اعلم۔

ف ۲: پیش بینایاں خبر گفتن خطاست الخ سے مولانا کا مقصود تعلیم ادب مع الشیخ ہے اور یہ بتلانا مقصود ہے کہ شیخ کے ساتھ مرید کو کیا برتاؤ کرنا چاہئے۔

جواب گفتن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آں اعتراض کنندرا

اس اعتراض کرنے والے کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا

در حضور مصطفائی قند خو	چوں زحد برد آں عرب آں گفتگو
شیریں مزاج مصطفیٰ کے دربار میں	جب اس عرب نے وہ گفتگو حد سے بڑھا دی
آں شہ و النجم و سلطان عبس	لب گزید آں سردم را گفت بس
والنجم کے شاہ اور عبس کے سلطان نے	ہونٹ دبایا اس سرد لب سے کہا کہ بس

دست می زد بہر منعش بردہاں	چند گوئی پیش دانای نہاں
اس کو روکنے کے لئے منہ پر ہاتھ رکھا	واقف اسرار کے سامنے کتنا بولے گا؟
پیش بینا بردۂ سرگین خشک	کہ بخر ایں رابجای ناف مشک
تو خشک گوبر صاحب بصیرت کے سامنے لے جاتا ہے	کہ اس کو مشک کے نافہ کی جگہ خرید لے
بعر را اے گندہ مغز گندہ مخ	زیر بینی بنہی و گوئی کہ اخ
اے بدماغ گندہ مغز مینگنی کو	ناک کے نیچے رکھتا ہے اور کہتا ہے آ خاخا
اخ اخے برداشتی اے گیج وکاج	تاکہ کالای بدت یابد رواج
اے احمق بھینگے! تو آخا خا کرتا ہے	تاکہ تیرا خراب مال چالو ہو جائے
اخ اخے برداشتی اے خشک مغز	تانمائی پشک دوں را مشک نغز
اے خشک دماغ تو آخا خا کرتا ہے	تاکہ تو کمتر مینگنی کو عمدہ مشک ظاہر کرے
تا فریبی آں مشام پاک را	آں چرندہ گلشن افلاک را
تو پاک دماغ کو کب تک دھوکا دیگا؟	آسمانوں کے گلشن کے چرنے والے کو
حلم او خود را اگرچہ گول ساخت	خویشتن را اندکے باید شناخت
اس کی بردباری نے اگرچہ اپنے آپ کو بھولا بنا لیا ہے	(مگر) تھوڑا اپنے آپ کو پہچاننا چاہیے
دیگ را گر باز ماند امشب دہن	گربہ راہم شرم باید داشتن
اگر آج کی رات دیگ کا منہ کھلا رہ گیا ہے	بلی کو بھی شرم کرنی چاہیے
خویشتن گر خفتہ کرد آں خوب فر	سخت بیدار ست دستارش مبر
اگر اس عالیشان نے اپنے آپ کو سویا ہوا بنا لیا ہے	وہ خوب بیدار ہے اس کی پگڑی نہ اتار
چند گوئی اے لجوج بے صفا	ایں فسون دیو پیش مصطفیٰ
اے بدباطن جھگڑالو! تو کب تک پڑھے گا؟	یہ شیطانی منتر مصطفیٰ کے روبرو
صد ہزاراں حلم دارند ایں گروہ	ہر یکے حلمے ازانہا صد چو کوہ
یہ لوگ لاکھوں بردباریاں رکھتے ہیں	ان میں سے ہر بردباری سو پہاڑوں جیسی ہے
حلم شاں بیدار را ابلہ کند	زیرک صد چشم را اکمہ کند
ان کی بردباری بیدار (مغز) کو بیوقوف بنا دیتی ہے	سو آنکھوں والے ہوشیار کو اندھا کر دیتی ہے

حلم شاں ہمچوں شراب خوب و نغز	نغز نغزک بر رود بالای مغز
ان کی برد باری عمدہ اور بہتر شراب کی طرح ہے	جو مدگی مدگی میں دماغ پر چڑھ جاتی ہے
مست را بیں زاں شراب پر شگفت	ہمچوں فرزیں مست کژ رفتن گرفت
اس عجیب شراب سے مست کو دیکھ	فرزین کی طرح مست اور ٹیڑھا چلنا شروع کر دیا
مرد بر نازاں شراب زود گیر	درمیان راہ می افتد چو پیر
اس زود اثر شراب سے جوان انسان	بوڑھے کی طرح راستہ میں گر پڑتا ہے
خاصہ ایں بادہ کہ از خم نبیؐ ست	نے مئی کہ مستی او یک شبی ست
خصوصا یہ شراب جو کہ نبیؐ کے مٹکے کی ہے	نہ کہ وہ شراب جس کا نشہ ایک رات کا ہے
آنکہ اصحاب کہف از نقل و نقل	سہ صد و نہ سال گم کردند عقل
وہ (شراب) کہ اصحاب کہف نقل اور سفر سے	تین سو نو سال تک اپنی عقل کھو بیٹھے
زاں زنان مصر جامے خوردہ اند	دستہا را شرحہ شرحہ کردہ اند
اس (شراب) سے مصری عورتوں نے ایک جام پیا ہے	انہوں نے ہاتھوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے
ساحراں ہم سکر موسیٰؑ داشتند	دار را دلدار می پنداشتند
جادو گر بھی (حضرت) موسیٰؑ کا نشہ رکھتے تھے	انہوں نے سولی کو پیارا سمجھا
جعفرؓ طیار زاں مے بود مست	زاں گروی کرد بیخود پا و دست
(حضرت) جعفر طیارؓ اسی شراب سے مست تھے	اسی لئے بیخودی سے ہاتھ پاؤں قربان کرتے تھے

جبکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حضور میں اس عرب نے گفتگو کو حد سے زیادہ بڑھا دیا۔ تو اس شہ والنجم اور سلطان عبس نے دانتوں کے تلے ہونٹ دبا لیا جس میں اشارہ تھا کہ بس گفتگو کو ختم کرو۔ نیز آپ نے اس کے روکنے کے لئے اپنے منہ پر ہاتھ رکھا۔ اب مولانا کی اس کی گستاخی پر غصہ آتا ہے اور اسے مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ آخر تو واقف اسرار کے سامنے کب تک بولے جاوے گا۔ بس چپ رہ تو ایک صاحب بصیرت کے سامنے خشک مینگنی لایا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مشک ہے اسے خرید لو اور اے گندہ مغز تو مینگنی کو ناک سے لگا کر چھینکتا ہے تا کہ یہ تیرا برا سودا مشک کے دھوکے میں نکل جاوے آخر تو ایک مشام صحیح کو اور گلشن افلاک یعنی باغ غیبی کے گل و ریحان چرنے والے کو کب تک دھوکہ دے گا۔ خلاصہ یہ کہ تیری باتیں واقع میں اچھی نہیں ہیں مگر تو انہیں ایک عمدہ عنوان سے بیان کر کے دھوکہ دیتا اور تلبیس کرنا چاہتا ہے۔ لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب بصیرت ہیں وہ تیرے دھوکہ کو سمجھتے ہیں اس لئے دھوکہ نہ کھاویں گے۔ پس تو ان کو دھوکہ دینے کی کوشش نہ کر اور اگر انہوں نے اپنے کو حلم سے بھولا

بنالیا ہے اور تجھ پر ظاہر نہیں کرتے کہ ہم تیری چالاکیوں کو سمجھتے ہیں تو تجھے یہ نہ چاہئے کہ یوں بیباکانہ اور فریب آمیز گفتگو کرے بلکہ اپنے کو سمجھنا چاہئے اور جاننا چاہئے کہ ان کے سامنے میری کیا حیثیت اور میرا کیا فرض ہے اگر ہانڈی کا منہ کھلا ہوا ہے تو بلی کو شرم کرنی چاہئے اور بیباکانہ اس میں منہ نہ ڈال دینا چاہئے اور اگر انہوں نے اپنے کو سوتا بنالیا ہے تو اس سے دھوکہ کھا کر ان کی پگڑی نہ اتارنی چاہئے کیونکہ وہ بالکل جاگتے ہیں اور وہاں نیند کا نام بھی نہیں ہے۔ بس تو اے تیرہ باطن جھگڑالو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر شیطانی منتر پھونک کر ان کو شیشے میں اتارنے کی کب تک کوشش کرتا رہے گا۔ بس ختم کر اور یہ نہ سمجھ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری بناوٹ کو سمجھتے نہیں وہ ضرور سمجھتے ہیں مگر اپنے حلم سے تجھ پر ظاہر نہیں کرتے کیونکہ یہ حضرات نہایت حلیم ہوتے ہیں اور لاکھوں ایسے حلم رکھتے ہیں جن میں کا ہر حلم سو پہاڑوں سے زیادہ باوقار اور غیر متزلزل ہے اور اس درجہ حلیم ہوتے ہیں کہ ان کا حلم ایک بیدار مغز کو احمق بنا دیتا ہے اور اعلیٰ درجہ کے مردم شناس کو مادرزاد اندھا کر دیتا ہے یعنی یہ لوگ اس قدر حلیم ہوتے ہیں کہ بڑے بڑے عقلاء کو ان کے بھولے پن کا یقین ہو جاتا ہے اور وہ نہیں سمجھ سکتے کہ یہ فی الواقع بھولے نہیں ہیں بلکہ غایت حلم سے انہوں نے اپنے کو بھولا بنا رکھا ہے اس لئے ان کا حلم دوسروں کے حق میں ایسا ہوتا ہے جیسی اعلیٰ درجہ کی شراب معروف جو رفتہ رفتہ دماغ میں اپنا اثر کرتی ہے دیکھو جو شخص اس شراب متعارف سے مست ہوتا ہے اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ اس عجیب شراب کے اثر سے فرازین کی طرح مست ہو جاتا ہے اور ٹیڑھی چال چلتا ہے اور ایک جوان آدمی اس تیز شراب سے بڈھوں کی طرح راستہ میں گر جاتا ہے۔ پس جبکہ عام شراب یہ حالت کر دیتی ہے تو خاص کر وہ شراب جس کا خم نبی ہو۔ (یعنی شراب کمالات نبویہ خواہ وہ کمالات ظاہری ہوں جیسے حسن یوسف وغیرہ یا باطنی جیسے حلم وغیرہ) اور وہ عام شراب نہ ہو جس کی مستی صرف ایک رات رہتی ہے۔ اس کی مستی کا تو کہنا ہی کیا ہے وہ وہ شراب ہے جس کو پی کر اصحاب کہف کھانے پینے چلنے پھرنے وغیرہ سے تین سو نو برس تک بے خبر رہے تھے۔ اور اس شراب کا ایک جام زنان مصر نے پی لیا تھا تو ہاتھوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اور ساحروں نے موسیٰ علیہ السلام کے کمالات کی شراب پی تھی تو اتنے مست ہوئے تھے کہ سولی ان کی نظروں میں محبوب ہو گئی تھی اور جعفر رضی اللہ عنہ طیار شراب کمالات مصطفوی سے مست تھے تو انہوں نے اپنے ہاتھ پاؤں کٹوا دئے تھے اور کفار کے پاس ان کو محبوس کر دیا تھا۔

فائدہ:۔ ہماری اس تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ مولانا کا کلام اول سے آخر تک منسق الانتظام ہے اور ان تکلفات کی حاجت نہیں جو محشین نے مغز سخن تک نہ پہنچنے کے سبب کئے ہیں۔

(تنبیہ) زنان مصر بادۂ حسن یوسف سے مست تھیں مگر وہ حسن بازاری حسن نہ تھا بلکہ کمالات نبوۃ میں سے تھا کیونکہ اول تو خود حسن ظاہری ہی خوارق میں سے تھا۔ دوسرے کمالات باطنیہ نے اسے اور بھی دلکش بنا دیا تھا اور اس کی حالت ایسی تھی جیسے حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

روئے خوب ست وکمال ہنر و دامن پاک　　لاجرم ہمت پاکاں دو عالم با اوست

پس اب زنان مصر کے بادۂ خم نبی سے مست ہونے پر کوئی شبہ نہ رہا۔ واللہ اعلم)

قصہ سبحانی ما اعظم شانی گفتن بایزید قدس سرہ واعتراض مریدان

وجواب او مر ایشاں را نہ بطریق گفت زباں بلکہ از راہ عیاں

حضرت بایزید قدس سرہ کے سبحانی ما اعظم شانی کہنے کے قصہ اور مریدوں کا اعتراض اور ان کو ان کا جواب زبانی گفتگو سے نہیں بلکہ مشاہدہ کے راستہ سے

بامریداں آں فقیر محتشم	بایزیدؒ آمد کہ نک یزداں منم
وہ معزز درویش مریدوں کے سامنے	بایزیدؒ آئے کہ یہ میں خدا ہوں
گفت مستانہ عیاں آں ذوفنوں	لا الٰہ الا انا ھا فاعبدون
اس صاحب کمالات نے مستی کی حالت میں کھلم کھلا کہا	کوئی معبود نہیں مگر میں خبردار! پس میری عبادت کرو
چوں گذشت آنحال گفتندش صباح	تو چنیں گفتی و ایں نبود صلاح
جب وہ حالت گزر گئی، صبح کو انہوں نے ان سے کہا	آپ نے ایسا کہا ہے اور یہ ٹھیک نہیں ہے
گفت ایں بار ار کنم ایں مشغلہ	کاردہا درمن زنند آں دم ہلہ
فرمایا اب کی بار اگر میں یہ کام کروں	خبردار! فوراً میرے چھریاں گھونپ دینا
حق منزہ از تن و من باتنم	چوں چنیں گویم بباید کشتنم
اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے اور میں مجسم ہوں	جب میں ایسا کہوں مجھے قتل کر دینا چاہیے
چوں وصیت کرد آں آزاد مرد	ہر مریدے کاردے آمادہ کرد
جب اس آزاد مرد نے (یہ) وصیت کی	ہر مرید نے ایک چھری تیار کر لی
مست گشت او باز ز استغراق زفت	آں وصیتہاش از خاطر برفت
وہ پھر بھاری استغراق سے مست ہو گئے	وہ وصیتیں دل سے نکل گئیں
عشق آمد عقل او آوارہ شد	صبح آمد شمع او بیچارہ شد
عشق آیا تو ان کی عقل بھاگ گئی	صبح ہو گئی تو ان کی شمع بے کار ہو گئی
عقل چوں شحنہ است چوں سلطاں رسید	شحنۂ بے چارہ در کنجے خزید
عقل کوتوال ہے، جب شاہ آیا	بے چارہ کوتوال کونے میں جا گھسا

عقل سایہ حق بود حق آفتاب	سایہ را با آفتاب او چہ تاب
عقل اللہ (تعالیٰ) کا سایہ ہے اللہ سورج ہے	سایہ کی اس کے سورج کے سامنے کیا مجال ہے
چوں پری غالب شود برآدمی	گم شود از مرد وصف مردمی
جب جن کسی آدمی پر چڑھ جاتا ہے	آدمی سے آدمیت کی صفت گم ہو جاتی ہے
ہرچہ گوید آں پری گفتہ بود	زیں سری ورزاں سری گفتہ بود
وہ جو کچھ کہتا ہے، جن کی گفتگو ہوتی ہے	اس جانب کی، اگرچہ اس جانب سے کہا گیا ہو
چوں پری را ایں دم وقانوں بود	کردگار آں پری خود چوں بود
جب پری کو یہ طاقت اور قاعدہ حاصل ہے	(تو) اس جن کا خدا خود کیسا ہو گا؟
اوی او رفتہ پری خود او شدہ	ترک بے الہام تازی گوشدہ
اس کی ماہیت چلی گئی وہ خود جن بن گیا	ترک بغیر الہام کے عربی بولنے والا بن گیا
چوں بخود آید نداند یک لغت	چوں پری راہست ایں ذات وصفت
جب وہ ہوش میں آتا ہے ایک لغت نہیں جانتا	جبکہ یہ ذات اور صفت جن کی تھی
پس خداوندی پری و آدمی	از پری کے باشدش آخر کمی
تو جن و انس کا خدا	آخر وہ جن سے کب کم ہو گا؟
شیرگیر از شیر کے ترسد بگو	شرح راہ از کور کے پرسد بگو
بتا، نیم مست شیر سے کب ڈرتا ہے؟	بتا راستہ کی تفصیل اندھے سے کون پوچھتا ہے؟
شیر گیر ار خون نر شیر خورد	تو بگوئی او نکرد آں بادہ کرد
نیم مست اگر نر شیر کا خون پی جائے	تو کہے گا (یہ کام) اس نے نہیں کیا، شراب نے کیا ہے
ور سخن پردازد از راز کہن	تو بگوئی بادہ گفتہ است ایں سخن
اگر وہ پرانے راز کی بات کہے	تو کہے گا یہ بات شراب نے کہی ہے
بادہ رامی بود گر ایں شر و شور	نور حق را نیست آں فرہنگ وزور
اگر شراب میں یہ شور و شر ہوتا ہے	تو کیا اللہ (تعالیٰ) کے نور میں یہ لیاقت اور طاقت نہ ہوگی؟
کہ ترا از تو بکل خالی کند	تو شوی پست او سخن عالی کند
کہ وہ تجھے، تجھ سے بالکل خالی کر دے	تو مغلوب ہو جائے (اور) وہ بلند بات کرے

گرچہ قرآں از لب پیغمبر است	ہر کہ گوید حق نگفت او کافر ست
قرآن اگرچہ پیغمبر کے لبوں سے ہے	(لیکن) جو یہ کہے کہ اللہ (تعالیٰ) نے نہیں فرمایا وہ کافر ہے
چوں ہمای بے خودی پرواز کرد	کرد آں سخن را بایزیدؒ آغاز کرد
جب بیخودی کے ہما نے پرواز کی	وہ بات بایزیدؒ نے شروع کر دی
عقل را سیل تحیر در ربود	زاں قوی تر گفت کاول گفتہ بود
عقل کو تحیر کا سیلاب بہانے گیا	اس سے زیادہ سخت بات کہی جو پہلے کہی تھی
نیست اندر جبہ ام الا خدا	چند جوئی بر زمین و بر سما
(کہا) میرے جبہ میں خدا کے سوا (کوئی) نہیں ہے	تو آسمان اور زمین میں کب تک تلاش کرے گا؟
آں مریداں جملہ دیوانہ شدند	کاردہا بر جسم پاکش می زدند
وہ سب مرید پاگل بن گئے	ان کے پاک جسم میں چھریاں گھونپ رہے تھے
ہر یکے چوں ملحداں گرد کوہ	کارد می زد پیر خود را بے ستوہ
گرد کوہ کے بے دینوں کی طرح ہر ایک	اپنے پیر کے بے دھڑک چھری گھونپتا تھا
ہر کہ اندر شیخ تیغے می خلید	باز گونہ از تن خود می درید
جو شخص شیخ کے اندر تلوار گھساتا تھا	وہ الٹا اپنے جسم کو پھاڑتا تھا
یک اثر نے بر تن آں ذوفنوں	واں مریداں خستہ و غرقاب خوں
اس ہنر مند کے جسم پر ایک نشان نہ تھا	اور وہ مرید زخمی اور خون میں غرق تھے
ہر کہ او سوی گلویش زخم برد	حلق خود ببریدہ دید و زار مرد
جس نے ان کے گلے پر زخم لگایا	اس نے اپنا گلا کٹا ہوا پایا اور بری طرح مرا
وانکہ او را زخم اندر سینہ زد	سینہ اش بشگافت و شد مردہ ابد
اور جس نے ان کے سینہ پر زخم لگایا	اس کا سینہ چرا اور ہمیشہ کے لئے مردہ ہو گیا
وانکہ آگہ بود زاں صاحبقراں	دل ندادش کہ زند زخم گراں
اور جو شخص اس اقبال مند سے واقف تھا	اس کے دل نے اس کو اجازت نہ دی کہ کاری زخم لگائے
نیم دانش دست او رابستہ کرد	جاں ببرد الا کہ خود را خستہ کرد
تھوڑی سی عقل نے اس کے ہاتھ باندھ دیئے	اس نے جان بچا لی مگر اپنے آپ کو زخمی کر لیا

روز گشت و آں مریداں کاستہ	نوحہا از جان شاں برخاستہ
دن نکل آیا اور وہ نیم مردہ مرید	ان کی جان سے نوحے بلند ہوئے
پیش او آمد ہزاراں مرد و زن	کاے دو عالم درج در یک پیرہن
ہزاروں مرد و زن ان (شیخ) کے پاس آئے	کہ اے (وہ شیخ) کہ دونوں جہان ایک لباس میں ہیں
ایں تن تو گرتن مردم بدے	چوں تن مردم زخنجر گم شدے
اگر یہ آپ کا جسم انسان کا جسم ہوتا	انسانوں کے جسم کی طرح خنجر سے فنا ہو جاتا
باخودے با بے خودے دوچار زد	باخود اندر دیدۂ خود خار زد
خودی والے نے جب فانی کا مقابلہ کیا	تو اس نے خود اپنی آنکھ میں کانٹا چبھویا
اے زدہ بر بے خوداں تو ذوالفقار	برتن خود می زنی آں ہوشدار
اے وہ کہ تونے فانیوں پر تلوار چلائی	سمجھ لے تو اپنے جسم پر مار رہا ہے
زانکہ بے خود فانی ست و ایمن ست	تا ابد در ایمنی او ساکن ست
کیونکہ بے خود فانی ہے اور محفوظ ہے	وہ ہمیشہ کے لئے امن میں مقیم ہے
نقش او فانی و او شد آئینہ	غیر نقش روی غیر آنجای نہ
اس کی صورت فنا ہو گئی ہے اور وہ آئینہ بن گیا ہے	سوائے غیر کی صورت کے اس میں کچھ نہیں ہے
گر کنی تف سوی روی خود کنی	ور زنی بر آئینہ بر خود زنی
اگر تو تھوکے گا تو اپنے منہ پر تھوکے گا	اگر آئینہ پر حملہ کرے گا اپنے اوپر کرے گا
ور بہ بینی روی زشت آنہم توئی	ور بہ بینی عیسیٰؑ مریم توئی
اگر تو نے بھدا چہرہ دیکھے گا وہ بھی تو ہی ہے	اگر تو عیسیٰ ابن مریم کو دیکھے گا تو ہی ہے
او نہ اینست و نہ آں او سادہ است	نقش تو در پیش تو بنہادہ است
وہ نہ یہ ہے نہ وہ ہے وہ صاف ہے	اس نے تیری صورت تیرے سامنے کر دی ہے
چوں رسید اینجا سخن لب در بہ بست	چوں رسید اینجا قلم درہم شکست
جب بات یہاں پہنچی ہونٹوں نے دروازہ بند کر دیا	جب قلم یہاں پہنچا ٹوٹ گیا
لب بہ بند ارچہ فصاحت دست داد	دم مزن واللہ اعلم بالرشاد
ہونٹ بند کر لے اگرچہ فصاحت حاصل ہو	دم نہ مار اور اللہ بھلائی کو زیادہ جانتا ہے

بر کنار بامی اے مست مدام	پست بنشیں یا فرود آ والسلام
اے شراب سے مست! تو بالاخانہ کے کنارے پر ہے	نیچے ہو کر بیٹھ یا نیچے اتر آ والسلام
ہر زمانیکہ شدی تو کامراں	آں دم خوش را کنار بام داں
جس وقت تو کامیاب ہو	اس اچھے وقت کو بالاخانہ کا کنارہ سمجھ
بر زمان خوش ہراساں باش تو	ہمچو گنجش خفیہ کن نے فاش تو
تو اچھے وقت پر خوفزدہ رہ	اس کو خزانہ کی طرح چھپا ظاہر نہ کر
تا نیاید بر ولا ناگہ بلا	ترس ترساں رود راں مکمن ہلا
تاکہ دوستی پر اچانک کوئی بلا نازل نہ ہو جائے	خبردار! اس مخفی مقام پر ڈرتا ڈرتا چل
ترس جاں در وقت شادی از زوال	زاں کنار بام غیب ست ارتحال
خوشی کے وقت زوال کی وجہ سے جان کا خوف	اس غیب کے بالاخانہ کے کنارے سے ہٹ جاتا ہے
گر نمی بینی کنار بام راز	روح می بیند کہ ہستش اہتزاز
اگر تو اسرار کے بالاخانہ کا کنارہ نہیں دیکھ رہا ہے	روح دیکھتی ہے کیونکہ اسی کو خوشی ہے
ہر نکالے ناگہاں کاں آمدہ ست	بر کنار کنگرہ شادی بدست
جو عذاب اچانک آیا ہے	وہ خوشی کے کنگرے کے کنارے سے آیا ہے
جز کنار بام خود نبود سقوط	اعتبار از قوم نوحؑ و قوم لوطؑ
گرنا بالاخانہ کے کنارے سے ہی ہوتا ہے	قوم نوحؑ اور قوم لوطؑ سے عبرت حاصل کر لے
اعتبارے گیر تا یابی صفا	از درون انبیا و اولیا
تاکہ تجھے (باطن) کی صفائی حاصل ہو عبرت حاصل کر لے	انبیاء اور اولیاء کے باطن سے

مولانا مضمون بالا کی مناسبت سے جس میں مستی بادۂ خم نبی کا ذکر تھا بایزید بسطامی قدس سرہٗ کے سکر کا تذکرہ فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک روز اس باشوکت فقیر بایزید نے اپنے مریدوں سے کہا کہ میں خدا ہوں اور فرط مستی میں انہوں نے صاف طور پر فرمایا کہ دیکھو خدا میں ہی ہوں پس تم میری عبادت کرو (یہ تحصیل ہے ان کے الفاظ کا اور اصل الفاظ ان کے سبحانی ما اعظم شانی تھے) خیر جب یہ حالت گزر گئی تو مریدوں نے صبح کے وقت کہا آپ ایسا فرماتے تھے اور یہ ٹھیک نہیں ہے (اس سے اس زمانہ کے صوفیہ کا مذاق معلوم ہو سکتا ہے کہ کس قدر متبع شریعت تھے) یہ سن کر انہوں نے فرمایا کہ اگر اب کے میں ایسے الفاظ کہوں تو تم میرے چھریاں مارنا اور مجھے مار ڈالنا۔ واقعی میری یہ حرکت نہایت بری ہے

بھلا کجا میں اور کجا حق سبحانہ میں مجسم ہوں اور خدا جسم سے منزہ۔ یہ کھلی دلیل ہے میرے دعوے کے بطلان کی پس اگر میں اب کے یہ دعویٰ کروں تو مجھے فوراً مار ڈالنا چاہیئے۔ (چہ منصف بزرگان دین بودہ اند، صوفیہ حال کے غور کرنے کا مقام ہے) پس جبکہ انہوں نے یہ ہدایت فرما دی تو مریدوں نے چھریاں تیار رکھیں اس کے بعد وہ استغراق و بیخودی سے دوبارہ مست ہوئے اور بہت مست ہوئے اور وہ ہدایتیں سب بھول گئے کیونکہ عشق کا غلبہ ہوا تو عقل کھوئی گئی اور صبح عشق کے سامنے شمع عقل مغلوب ہوگئی اور کیوں نہ ہوتی بات یہ ہے کہ عقل بمنزلہ کوتوال کے ہے اور عشق بمنزلہ بادشاہ کے اور قاعدہ ہے کہ جب بادشاہ آتا ہے تو کوتوال کونوں میں چھپتا پھرتا ہے اس لئے عقل کے لئے اختفا لازم تھا نیز عقل حق سبحانہ کے لئے مثل سایہ ہے اور حق سبحانہ اس کے لئے مثل آفتاب ہیں۔ کیونکہ جس طرح سایہ کے وجود میں آفتاب کو دخل ہے بایں معنی کہ اس کی بقا موقوف ہے۔ احتجاب شمس پر یوں ہی عقل کی بقا بھی موقوف ہے احتجاب حق سبحانہ پر کما یدل علیہ قولہ صلی اللہ علیہ وسلم **حجابه النور لو كشفه لاحرقت سبحات وجهه ما انتهى اليه بصره من خلقه** پس جبکہ عقل مثل سایہ کے ہے اور حق سبحانہ اس کے لئے مثل آفتاب کے۔ تو تجلیات ربانیہ کے سامنے عقل کی بقا ناممکن ہے کیونکہ سایہ کی کیا تاب ہے کہ آفتاب کے سامنے باقی رہ سکے۔ (**هذا ما افاد شيخنا و مولانا مجدد الملة والدين فاضت انهار فيوضهم ولله دره**) یہاں تک مولانا نے شیخ رحمہ اللہ سے ان الفاظ کے صادر ہونے کا عذر بیان کیا تھا۔ اب ترقی فرماتے ہیں اور یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ وہ ان کے الفاظ کے قائل ہی نہ تھے اور قائل ان کے فی الحقیقت حق سبحانہ تھے اور حضرت شیخ ایسے تھے جیسے فونوگراف ہوتا ہے چنانچہ فرماتے ہیں دیکھو جب آدمی پر جن چڑھ جاتا ہے تو اس سے آدمیت کی صفت جاتی رہتی ہے اور اس وقت جو افعال اس سے صادر ہوتے ہیں وہ اس آدمی کے نہیں ہوتے بلکہ اس جن کے ہوتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتا ہے وہ حقیقت میں وہ نہیں کہتا بلکہ جن کہتا ہے چنانچہ وہ عالم شہادت و عالم غیب دونوں کی باتیں کرتا ہے جو یہ نہیں کر سکتا۔ پس جب جن میں یہ قوت اور اس کا یہ قاعدہ ہے کہ جب وہ سوار ہوتا ہے تو آدمی کو کالعدم کر دیتا ہے تو حق سبحانہ جو کہ خالق جن و پری ہیں ان کی کیا حالت ہوگی اور ان کے متجلی ہونے کے وقت آدمی اپنی حالت پر کیونکر قائم رہ سکتا ہے اور ان افعال کو جو اس وقت اس سے صادر ہوں کیسے اس کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ دیکھو جب جن کا غلبہ ہوتا ہے آدمی سے آدمیت جاتی رہتی ہے اور وہ جن ہو جاتا ہے چنانچہ ایک ترکی بدوں الہام کے عربی بولنے لگتا ہے اور یہ صاف دلیل ہے اس بات کی کہ وہ ترک ترک نہیں رہا۔ بلکہ جن ہو گیا۔ کیونکہ جب وہ ہوش میں آتا ہے تو ایک لفظ بھی نہیں جانتا ہوتا۔ پس اگر یہ ترک بھی عربی بولتا ہوتا تو اب کیوں نہ بولتا تو معلوم ہوا کہ اس وقت وہ ترک نہ رہا تھا بلکہ جن ہو گیا تھا (اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کی حقیقت بدل گئی تھی بلکہ یہ مطلب ہے کہ وہ اپنی حالت پر باقی نہ رہا تھا بلکہ افعال کے صدور میں جن کا آلہ ہو گیا تھا) پس جبکہ پری کی ایسی ذات ہے اور اس کی یہ صفت ہے جو ابھی بیان کی گئی تو رب الجنۃ والناس جنات سے کیسے کم ہو سکتا ہے اور وہ اپنی تجلی سے آدمی کو معطل اور اپنے افعال کا آلہ کیوں نہیں بنا سکتا۔ اب ہم اس مضمون کو ایک اور عنوان سے سمجھاتے ہیں سنو دیکھو مست شیر سے نہیں ڈرتا اس کی وجہ کیا ہے وہ ہی نشہ پس یہ نہ ڈرنا منسوب ہوگا نشہ کی طرف نہ کہ اس شخص کی طرف۔ علیٰ ہذا اندھے سے کوئی رستہ نہیں پوچھتا بلکہ بینا سے پوچھتا ہے حالانکہ دونوں میں کچھ فرق نہیں بجز بینائی و عدم بینائی کے تو معلوم ہوا کہ سوال سائل

ذات سے نہیں ہے بلکہ صفت بینائی سے ہے۔ گو بظاہر اس شخص سے ہے۔ نیز اگر کوئی شیر نر کو مار ڈالے تو تم کہتے ہو کہ یہ اس کا فعل نہیں بلکہ شراب کا فعل ہے اور اگر وہ اپنے پرانے راز بیان کرنا شروع کرتا ہے جیسا کہ مستوں کا قاعدہ ہے کہ نشہ کی حالت میں دل کا بھید کہہ دیتے ہیں تو تم کہتے ہو کہ یہ شخص باتیں نہیں کرتا بلکہ شراب کر رہی ہے پس جبکہ شراب میں یہ شور و شر ہے تو نور حق سبحانہ میں اتنی دانائی اور قوت کیوں نہ ہوگی کہ تجھے تجھ سے خالی اور معطل کردے خود اونچے درجہ کی باتیں کرے جیسے سبحانی ما اعظم شانی وغیرہ شاید تم کو شبہ ہو کہ گو منشا اس کے صدور کا حق سبحانہ ہوں مگر جبکہ ان کا صدور ان کی زبان سے ہے تو اس کو حق سبحانہ کا کلام کیونکر کہہ سکتے ہیں اس لئے اس کا جواب یہ ہے کہ پھر قرآن کا ظہور بھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ہوا ہے اس کو بھی کلام اللہ نہ کہو۔ حالانکہ اگر کوئی کہے کہ یہ خدا کا کلام نہیں تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ پس ان الفاظ کا ظہور شیخ کی زبان سے ان کے حق سبحانہ کی طرف نسبت کرنے سے کیسے مانع ہو جاوے گا۔

خیر تو جبکہ ہمارے بیخودی اپنے آشیانہ سے اڑ کر بایزید علیہ الرحمۃ کے سر پر بیٹھا یعنی۔ آخری ہوئی تو انہوں نے پھر وہی باتیں کرنی شروع کیں اور چونکہ ان کی عقل کو حیرت عشق کا سیلاب بہا لے گیا تھا اس لئے پہلے سے زیادہ زور سے کہیں اور کہا کہ میرے جبہ میں بجز خدا کے اور کوئی نہیں پس تم خدا کو اس جگہ میں ڈھونڈو زمین و آسمان میں کہاں تک ڈھونڈو گے یہ سن کر تمام مرید دیوانہ ہو گئے اور ان کے جسم پاک پر چھریاں مارنے لگے اور ہر ایک اپنے پیر کو یوں بے خوف چھرے مارتا تھا جیسے گروکوہ (نام پہاڑ) کے بددین بے دردی کے ساتھ مسلمانوں پر چھری چلاتے ہیں مگر جو شخص شیخ کے جسم میں تلوار وغیرہ چبھوتا تھا وہ الٹا اپنا ہی جسم پھاڑتا تھا بایزیدؒ کے جسم پر کچھ اثر نہ ہوتا تھا اور مرید زخمی اور خوں میں شرابور ہو رہے تھے اور جس نے ان کے گلے پر زخم لگانا چاہا اس نے اپنا ہی گلا کاٹ لیا اور مر گیا۔ اور جس نے ان کے سینہ میں زخم لگایا خود اس کا سینہ چاک ہو گیا۔ اور مردۂ ابدی ہو گیا۔ اور جو لوگ اس اقبال مند سے واقف تھے ان کے دل نے گوارا نہ کیا کہ کوئی کاری زخم لگائیں بلکہ صرف خفیف زخموں پر اکتفا کیا ان کی ادھوری عقل نے ان کے ہاتھ کو باندھ دیا اس لئے ان کی جان تو بچ گئی مگر اپنے کو زخمی کر لیا۔ (ادھوری عقل اس واسطے کہا کہ عقل کامل کا مقتضا تو یہ تھا کہ بالکل تعرض نہ کرتے اور انہیں غیر مکلف سمجھ کر معذور قرار دیتے اور نرا جنون یہ تھا کہ کاری زخم لگاتے مگر انہوں نے بین بین ایک روش اختیار کی اس لئے نہ وہ پورے عاقل تھے اور نہ پورے دیوانے) القصہ دن ہوا اور غم سے گھلے ہوئے مریدوں کی جان سے گریہ و زاری کا شور بلند تھا۔ اسی حالت میں ہزاروں آدمی ٹوٹ پڑے اور آ کر یوں خطاب کیا کہ اے مجمع کمالات آج معلوم ہوا کہ آپ عام آدمیوں کا سا جسم نہیں رکھتے اس لئے کہ اگر آپ کا جسم عام آدمیوں کا سا ہوتا تو اوروں کی طرح آپ کا جسم بھی خنجر سے معدوم ہو جاتا اب مولانا فرماتے ہیں کہ جب کوئی ہوشیار کسی مست سے بھڑتا ہے تو وہ اپنی آنکھ میں کانٹا چبھوتا اور اپنے کو ضرر پہنچاتا ہے پس اے وہ شخص جو سرمستان بادۂ عشق الٰہی پر تلوار چلاتا ہے یاد رکھ کہ یہ تلوار تو خود اپنے مارتا ہے کیونکہ بدمست تو فانی فی اللہ ہے اس لئے وہ لوگوں کے ضرر سے محفوظ اور ہمیشہ بے خوفی میں سکونت پذیر ہے اس کی ہستی فنا ہو چکی ہے اور اب وہ آئینہ بن گیا ہے۔ پس جو کچھ تجھے دکھلائی دیتا ہے وہ خود تیری تصویر ہے اور کچھ نہیں۔ پس اگر تو پھونک مارے گا تو خود اپنے اوپر مارے گا اور اگر آئینہ کو مارے گا تو خود اپنے کو مارے گا اور اگر اس کو برا سمجھے گا تو اپنی ہی تصویر کو برا سمجھے گا اور اگر عیسیٰ مریم کی شکل سمجھے گا تو وہ بھی خود تو ہی ہوگا۔ کیونکہ وہ ان نقوش برائی و بھلائی سے سادہ

ہے جن کا تجھے احساس ہوتا ہے۔ اور جو نقش برا یا بھلا اس میں تجھے دکھلائی دیتا ہے وہ خود تیری تصویر ہے جس کو اس نے تیرے سامنے پیش کر دیا ہے۔ رہی اس کی ذاتی خوبی سو وہ تیرے احاطۂ ادراک سے خارج ہے۔

فائدہ:۔ جاننا چاہئے کہ مریدوں کے حملوں کا خود ان پر منعکس ہو جانا یہ جناب شیخ کی کرامت تھی اور حق سبحانہ کی جانب سے تنبیہ تھی اس امر پر کہ اہل اللہ کو نقصان پہنچانے سے ان کا ضرر نہیں ہوتا بلکہ خود ضرر پہنچانے والے کا ضرر ہوتا ہے اور اس واقعہ سے اس امر معنوی کو حسی کر کے دکھلانا مقصود تھا اور یہ مقصود نہیں کہ اہل اللہ کو جسمانی ضرر پہنچ ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ یہ تو نصوص قطعیہ اور اخبار متواترہ کے خلاف ہے) جب گفتگو یہاں تک پہنچ گئی تو منہ بند ہو گیا اور جب قلم یہاں تک پہنچ گیا تو ٹوٹ گیا۔ اور یہ اشارہ تھا اس امر کی طرف کہ گو تم کو فصاحت حاصل ہے مگر منہ بند کرو اور دم نہ مارو کیونکہ اسرار الٰہیہ کا افشا مناسب نہیں واللہ اعلم بالصواب۔ چونکہ مولانا شیخ ہیں اس لئے اب تربیت سالک کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ گو شیخ بایزید سے سکر اور غلبۂ حال میں وہ کلمات صادر ہوئے جن کا صدور بالاختیار جائز نہیں مگر تم دھوکہ نہ کھانا اور ان کی تقلید نہ کرنا اور تم کو اگر قدرے ذوق و شوق و مستی حاصل ہو تو خوشی میں آپے سے باہر نہ ہو جانا اور شطحیات وغیرہ زبان سے نہ نکالنے لگنا۔ دیکھو تو لب بام پر ہے۔ پس اس حالت میں تجھے نہایت احتیاط رکھنی چاہئے۔ اور یا تو منڈیرے سے نیچے بیٹھنا چاہئے یا کوٹھے پر سے اتر آنا چاہئے۔ ان ہی دو صورتوں میں سلامتی ہے ورنہ گر پڑنے کا اندیشہ ہے خلاصہ یہ کہ سالک کے لئے دو صورتیں حفاظت کی ہیں۔ تو ذوق و مستی کی حالت میں احتیاط تام رکھے اور کوئی ایسی بات نہ کرے جو نازیبا ہو اور اس میں کے اختیار کو دخل ہو۔ اور یا اس طریق ہی کو چھوڑ دے اور عامیانہ اسلام پر قناعت کرے کیونکہ اس میں تو عنادہی کا خطرہ ہے اور سلوک میں بے احتیاطی کا انجام کفر ہے اسی لئے کسی بزرگ نے فرمایا ہے۔ انتم تخشون المعصیة و نحن نخشی الکفر دیکھو جب تم کو دولت باطنی حاصل ہو جاوے تو اس عمدہ حالت کو اب بام سمجھو اور اس عمدہ وقت کی طرف سے ہر وقت کھٹکتے رہو۔ کہ ایسا نہ ہو یہ زائل ہو جاوے۔ اور خزانہ کی طرح اسے مخفی رکھو اور اسرار الٰہیہ کو شطحیات سے ظاہر نہ کرو تا کہ تمہاری محبت حق سبحانہ پر کوئی آفت نہ آ جاوے اور تم مردود نہ ہو جاؤ اس خطرہ کے مقام میں تمہیں ڈرتے ڈرتے چلنا چاہئے اور اپنی زبان اور دیگر افعال کی سخت حفاظت کرنی چاہئے یہ تمہارا خوشی کے وقت اس کے زوال سے ڈرنا اور اس کی حفاظت کی امکانی تدبیر کرنا یہ اس مخفی لب بام سے الگ ہونا ہے تم یہ نہ کہنا کہ ہم کو تو کنارۂ بام نظر نہیں آتا تو بچیں کیونکر اس لئے کہ یہ مسلم ہے کہ تم اس مخفی بام کے کنارہ کو نہیں دیکھتے مگر تمہاری روح دیکھتی ہے اور خوشی اسی کو حاصل ہے۔ اس لئے اسی کے دیکھنے کی ضرورت ہے اور اسی کے بچنے کی ہم تمہیں اس لئے متنبہ کرتے ہیں کہ خوشی بہت خطرناک چیز ہے اور جب یہ حاصل ہوتی ہے تو آدمی سے انجام بینی کی صفت جاتی رہتی ہے۔ دیکھ لو جتنی پہلے امتیں غارت ہوئی ہیں سب اسی لئے غارت ہوئی ہیں کہ وہ خوشی کے لب بام پر کھڑی تھیں اور کنار بام پر سے آدمی ضرور گرتا ہے اگر باور نہ ہو تو قوم نوح علیہ السلام اور قوم لوط علیہ السلام کی حالت کو دیکھ لو اور ان سے عبرت پکڑو اور ضرور عبرت پکڑو تا کہ انبیاء و اولیاء کے قلوب صافیہ سے صفائی کا کچھ حصہ تم کو بھی مل جاوے اب مولانا پھر اصل قصہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

سبب فصاحت و بسیار گفتن آں فضول نزد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس بیہودہ کے بہت بولنے اور زبان درازی کا سبب

پیر تو مستی بیحد نبیؐ	چوں بزدہم مست وخوش گفت آں غبی
نبی کی لامحدود مستی کا عکس	جب پڑا وہ غبی بھی مست اور خوش (گفتار) بن گیا
لاجرم بسیار گوشد از نشاط	مست ادب بگذاشت وآمد در خباط
لامحالہ وہ سرور کی وجہ سے بہت بولنے والا بن گیا	مست نے ادب (کا دامن) چھوڑ دیا اور دیوانگی میں مبتلا ہو گیا
نے ہمہ جا بے خودی شری کند	بے ادب را بے ادب تر می کند
مستی ہر جگہ شر (پیدا) نہیں کرتی ہے	بے ادب کو زیادہ بے ادب بنا دیتی ہے
گر بود عاقل نکو فری شود	ور بود بدخوی بد تر می شود
اگر وہ سمجھدار ہو تو اچھی شان وشوکت والا بن جاتا ہے	اگر وہ بدعادت ہوتا ہے تو اور زیادہ برا بن جاتا ہے
بر لبیب آید لباب کاس او	وز غبی کم گردد استیناس او
اس کا جام سمجھدار کے لئے مغز ہے	اگر غبی ہے تو اس کی محبت کم ہو جاتی ہے
بے خود از مے باادب گردد تمام	باخود از مے بے ادب گردد مدام
فانی' شراب سے مکمل باادب بن جاتا ہے	خودی والا شراب سے ہمیشہ بے ادب بنتا ہے
لیک اغلب چوں بدند و ناپسند	بر ہمہ مے را محرم کردہ اند
لیکن اکثر لوگ برے اور ناپسند ہیں	(اس لئے) سب پر ہی شراب کو حرام کر دیا ہے
حکم غالب راست چوں اغلب بدند	تیغ را از دست رہزن بستد ند
حکم اکثریت پر لگتا ہے چونکہ اکثر بد ہیں	انہوں نے تلوار' ڈاکو کے ہاتھ سے لے لی ہے

منشا اس کی گستاخی کا یہ تھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مستی کا پرتو اس پر پڑا تو وہ بھی مست ہو گیا اس لئے لامحالہ اس نے فرط نشاط سے بکواس شروع کر دی اور ادب کو چھوڑ دیا اور لڑکھڑانے لگا اس پر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ اس سے معلوم ہوا کہ مستی بری چیز ہے اور جب بری چیز ہے تو انبیاء و اولیاء کو کیوں ہوتی ہے۔ اس لئے کہ مستی خود بری چیز نہیں اور وہ ہر جگہ برا اثر پیدا نہیں کرتی۔ بلکہ جو طبعاً بے ادب ہوتا ہے اس کی اس صفت کو خوب ظاہر کر دیتی ہے۔ پس اگر کوئی عاقل ہو تو اس کو بہت اچھا بنا دیتی ہے۔ اور اگر کوئی بدخصلت ہو تو اس کی بدخوئی ظاہر کر دیتی ہے۔ اور اس کے ساغر کا جوہر اور وصف اعلیٰ دانا ہی کو ملتا ہے اور وہ کودن سے وحشت کرتی ہے اس

لئے اس کو اپنا جوہر نہیں دیتی۔ اور یہ شراب باطنی ایسی ہی ہے جیسے شراب ظاہری چنانچہ جو بے نفس اور شائستہ و مہذب ہوتے ہیں وہ اس سے اور شائستہ ہو جاتے ہیں اور جو شریر اور اوباش ہوتے ہیں وہ ہمیشہ بیہودہ ہو جاتے ہیں اس پر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ شائستہ لوگوں کے لئے شراب پینا جائز ہونا چاہئے کیونکہ ان کے پینے میں کوئی مفسدہ نہیں کیونکہ عام حالت یہ ہے کہ لوگ برے اور نامرضی الاخلاق ہیں۔ اس لئے شریعت نے حرمت کے قانون کو عام کر دیا۔ اور مہذب اور غیر مہذب سب کے لئے ناجائز کر دیا کیونکہ اعتبار اکثر کا ہوتا ہے اور اکثر لوگ برے ہیں۔ اس لئے ان ڈکیتوں کے ہاتھ سے یہ تلوار لے لی گئی اور شراب کو ان کے لئے ناجائز کیا گیا۔ اور اچھے لوگ چونکہ کم تھے والنادر کالمعدوم اس لئے قانون کو عام رکھا گیا اور کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔

فائدہ: بے خود از مے الخ اور برہمہ مے را محرم کردہ اند میں علامہ بحر العلوم نے مے عشق و مستی عشق مراد لی ہے اور اس کے حرام کرنے کے معنی یہ بتلائے ہیں کہ صوفیہ اسے نقص اور عیب سمجھتے ہیں لیکن صاحب ذوق سلیم جانتا ہے کہ یہ بیان بالکل خلاف تحقیق ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مستی عشق کے اندر چار احتمال ہیں یا تو خود عشق مراد ہو یا اس کا سرور یا وہ بے خودی جو شطحیات سے خالی ہو۔ یا وہ بے خودی جس سے شطحیات صادر ہوں۔ اول و ثانی تو یقیناً مراد نہیں ہو سکتے رہے ثالث و رابع سو وہ بھی مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ مولانا مے کو حرام بتا رہے ہیں اور بے خودی خواہ اس سے شطحیات صادر ہوں یا نہ ہوں مے نہیں بلکہ اثر مے ہے دوسرے گو سکر باضافت فی الصحو نقص ہو لیکن وہ بھی کمال ہے نہ کہ عیب لہٰذا اسے عیب کہنا ٹھیک نہیں۔ تیسرے محرم کردہ اند بمعنی عیب میگویند ایک ایسا استعمال ہے جس سے معنی مقصود کی طرف ذہن منتقل نہیں ہو سکتا۔ پھر وجہ اس کی مولانا نے یہ بیان کی ہے کہ اغلب بدو ناپسند ہستند اور قلت و کثرت اس شراب کے پینے والوں میں دیکھی جائے گی۔ نہ کہ مجموعہ شاربین وغیر شاربین میں اور شراب عشق کے پینے والے اہل اللہ ہی ہیں پس ان کی نسبت یہ کہنا کہ اغلب بدو ناپسند ہستند کیسے صحیح ہو سکتا ہے اور ان کو رہزن کیسے کہا جا سکتا ہے۔ و ان تاملت فی سباق الکلام ظہر لک وجوہ آخر فتامل

فائدہ ۲: شراب ظاہری کی حرمت سے کسی کو شراب باطنی کی حرمت کا شبہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ اسکے پینے والے کل مہذب ہوتے ہیں۔

بیان کردن رسول علیہ السلام سبب تفضیل واختیار کردن او آں ہذیلی را با میری وسر لشکری بر پیران کاردیدہ وکار آزمودہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس ہذیلی کو امیری اور سرداری کے لئے ماہر اور تجربہ کار بوڑھوں پر فضیلت دینے اور چن لینے کے سبب کا بیان کرنا

گفت پیغمبرؐ کہ اے ظاہر نگر	تو مبیں او را جوان و بے ہنر
پیغمبرؐ نے فرمایا اے ظاہر بیں!	تو اس کو جوان اور بے ہنر نہ سمجھ

اے بسا ریش سیاہ و مرد پیر	وے بسا ریش سفید و دل چو قیر
بہت سے کالی داڑھی والے ہیں اور بوڑھے ہیں	بہت سے سفید داڑھی والے ہیں اور سیاہ دل ہیں
عقل او را آموز دم بارہا	کرد پیری آں جواں در کارہا
میں نے بارہا اس کی عقل آزمائی ہے	کاموں میں اس جوان نے بوڑھا پن دکھایا ہے
پیر پیر عقل باشد اے پسر	نے سفیدی موی اندر ریش و سر
اے بیٹا! بوڑھا عقل کا بوڑھا ہوتا ہے	نہ کہ سر اور داڑھی کے بالوں میں سفیدی
از بلیس او پیر تر خود کے بود	چونکہ عقلش نیست او لاشی بود
وہ (نوجوان) شیطان سے زیادہ بوڑھا کب ہو سکتا تھا؟	چونکہ اس میں عقل نہیں ہے وہ لاشی ہے
طفل گیرش چوں بود صاحب کمال	پیر باشد در ہنر آں خوشخصال
اس کو بچہ سمجھ جب وہ صاحب کمال ہو	وہ خوش خصلت ہنر میں بوڑھا ہوگا
طفل گیرش چوں بود عیسیٰ نفس	پاک باشد از غرور و از ہوس
اس کو بچہ سمجھ جب وہ (حضرت) عیسیٰ والی باتوں والا ہو	تو وہ غرور اور ہوس سے پاک ہو گا
آں سفیدی مو دلیل پختگی ست	پیش چشم بستہ کش کوتہ تگی ست
بالوں کی سفیدی پختگی کی دلیل ہے	بند آنکھ کے لئے جو کوتاہ رفتار ہے
آں مقلد چوں نداند جز دلیل	در علامت جوید او دائم سبیل
وہ مقلد چونکہ دلیل کے علاوہ کچھ نہیں جانتا	تو وہ ہمیشہ علامتوں میں راستہ تلاش کرتا ہے
بہر او گفتیم کایں تدبیر را	چونکہ خواہی کرد بگزیں پیر را
اس کے لئے ہم نے کہا ہے کہ اس تدبیر کو	جب تو اختیار کرے، بوڑھے کو منتخب کر
لیک پیر عقل نے پیر مسن	می نداند ممتحن از ممتحن
لیکن عقل کا بوڑھا، نہ کہ عمر کا بوڑھا	جو امتحان دینے والے اور امتحان لینے والے میں امتیاز نہ کر سکے
آنکہ او از پردۂ تقلید جست	او بنور حق بہ بیند ہرچہ ہست
وہ شخص جو تقلید کے پردے سے نکل گیا	وہ ہر موجود کو اللہ کے نور سے دیکھتا ہے
نور پاکش بے دلیل و بے بیاں	پوست بشگافد درآید درمیاں
اس کا پاک نور بغیر دلیل اور بغیر بیان کے	کھال پھاڑتا ہے اور اندر گھس جاتا ہے

پیش ظاہر بیں چہ قلب و چہ سرہ	اوچہ داند چیست اندر قوصرہ
ظاہر بیں کے سامنے کیا کھوٹا اور کیا کھرا	وہ کیا جانے ٹوکری میں کیا ہے؟
اے بسا زر سیہ کردہ بدود	تا رہد از دست ہر دزد حسود
بعض اوقات سونا دھوئیں سے سیاہ کیا ہوا ہوتا ہے	تاکہ ہر حاسد چور کے ہاتھ سے محفوظ رہے
اے بسا مسہائے اندودہ بزر	تا فروشد آں بعقل مختصر
بہت سے سونے کا ملمع کئے ہوئے تانبے ہیں	تاکہ ان کو کوتاہ عقل کے ہاتھ فروخت کر دے
ماکہ باطن بین جملہ کشوریم	دل بہ بینیم و بظاہر ننگریم
ہم جو کہ تمام عالم کے باطن کے دیکھنے والے ہیں	ہم دل کو دیکھتے ہیں ظاہر کو نہیں دیکھتے ہیں
قاضیانے کہ بظاہر می تنند	حکم براشکال ظاہر می کنند
وہ قاضی جو ظاہر پر نظر رکھتے ہیں	وہ ظاہری شکلوں پر حکم لگاتے ہیں
چوں شہادت گفت و ایمانش نبود	حکم او مومن کنند ایں قوم زود
جب (کلمہ) شہادت پڑھ لیا اور اس میں ایمان نہ تھا	یہ لوگ بہت جلد اس پر مومن (ہونے کا) حکم لگا دیتے ہیں
بس منافق کاندریں ظاہر گریخت	خون صد مومن بہ پنہانی بریخت
بہت سے منافق ہیں جنہوں نے اس ظاہر میں پناہ پکڑ لی	در پردہ انہوں نے سینکڑوں مسلمانوں کی خونریزی کی
جہد کن تا پیر عقل و دیں شوی	تا چو عقل کل تو باطن بیں شوی
کوشش کرتا کہ عقل اور دین کا بوڑھا بنے	تاکہ تو عقل کل کی طرح باطن بین بن جائے
از عدم چوں عقل زیبا روکشاد	خلعتش داد و ہزاراں نام داد
جب حسین عقل، عدم سے رونما ہوئی	(قدرت) نے اس کو خلعت بخشی اور ہزاروں نام دیئے
کمتریں زاں نامہائے خوش نفس	اینکہ نبود ہیچ او محتاج کس
ان بہترین ناموں میں سے کمترین نام	یہ ہے کہ وہ کسی کی محتاج نہ ہو گی
گر بصورت وانماید عقل رو	تیرہ باشد روز پیش او روشن بود
اگر حماقت کی تصویر پیدا ہو جائے	رات کی تاریکی اس کے مقابلہ میں روشن ہو گی
کوز شب مظلم تر و تاری ترست	لیک خفاش شقی ظلمت خورست
کیونکہ وہ رات سے زیادہ تاریک اور کالی ہے	لیکن بدبخت چمگادڑ تاریکی خور ہے

ورنہ خفاشے بمانی بے فروز	اندک اندک خوی کن با نور روز
ورنہ تو نور سے محروم چمگادڑ بنا رہے گا	دن کے نور کی آہستہ آہستہ عادت ڈال
دشمن ہر جا چراغ مقبلے ست	عاشق ہر جا شکال و مشکلے ست
اس جگہ کی دشمن ہے جہاں کسی بختاور کا چراغ ہے	وہ ہر ایسی جگہ کا عاشق ہے جہاں اشکال اور مشکل ہے
تا کہ افزوں تر نماید حاصلش	ظلمت اشکال ازاں جو دیدلش
تا کہ اس کی آمدنی زیادہ رونما ہو	اسکا دل اندھیرے کے اشکال کی جستجو میں اس لئے ہے
وز نہاد زشت خود غافل کند	تا ترا مشغول آں مشکل کند
اور اپنی بری فطرت سے غافل کر دے	تاکہ تجھے اس مشکل میں مشغول کر دے

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ظاہر بیں تو اس کو جوان اور بے ہنر نہ سمجھ کیونکہ ایسا بہت ہوتا ہے کہ داڑھی سیاہ ہوتی ہے اور آدمی بڈھا ہوتا ہے اور ایسا بھی بہت ہوتا ہے کہ ڈاڑھی سفید ہوتی ہے اور دل قیر کی طرح سیاہ ہوتا ہے اور نور باطن حاصل نہیں ہوتا ہے۔ جو کمال عقل کا سبب ہے۔ پس ڈاڑھی کی سفیدی اور سیاہی نقصان و کمال عقل کی دلیل نہیں ہو سکتی۔ میں نے اس جوان کو بارہا آزمایا ہے اور دیکھا ہے کہ اس نے بہت سے کاموں میں بوڑھا پن کیا ہے۔ تو جو معمر شخص کو پسند کرتا ہے یہ تیری غلطی ہے کیونکہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے اور ہر معمر کارآمد اور مفید نہیں ہوتا۔ دیکھ لے ابلیس سب سے زیادہ معمر ہے اور کوئی اس سے زیادہ معمر نہیں ہو سکتا مگر چونکہ عاقل نہیں اس لئے کسی کام کا بھی نہیں پس معلوم ہوا کہ فی نفسہ معمر ہونا کوئی چیز نہیں بلکہ عاقل ہونے کی ضرورت ہے تو اس ہذلی کو جوان کہتا ہے ہم کہتے ہیں کہ یہ جوان بھی نہ سہی بلکہ بچہ سہی لیکن چونکہ صاحب کمال ہے اس لئے وصف و کمال کے لحاظ سے بڈھا ہے اور اگر یہ بچہ بھی ہو تو چونکہ مسیح دم ہے اس لئے غرور اور ہوا و ہوس سے پاک ہوگا اور یہ عین عقل ہے لہذا عاقل ہوگا پس ثابت ہوا کہ ڈاڑھی کی سفیدی کوئی چیز نہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ یہ شخص کے لئے جس آنکھیں بند ہوں اور جو کہ دور بیں نہ ہو کمال کی دلیل ہے اور چونکہ ایسا شخص مقلد ہے اور مقلد کا سہارا رہ نمائی ہے اس لئے اسے ہمیشہ علامت کی ضرورت ہوتی ہے اس کے لئے ہم نے کہا تھا کہ جب تم کو پیشوا کرنا ہو تو بڈھے کو کرو مگر مراد ہماری پیر عقل ہے نہ کہ پیر سال لیکن مقلد کو ناقص اور کامل میں امتیاز نہیں ہوتا اس لئے اس کے واسطے تو یہی ہے کہ وہ معمر کو اختیار کرے کیونکہ پختگی عقل کا بصیرت سے تو اس کو جوان کی نسبت علم ہے نہ بڈھے کی رہی علامت پختگی سو وہ بڈھے میں موجود ہے نہ کہ جوان میں اس لئے اس کے لحاظ سے بڈھے کو ترجیح ہے اور جو لوگ حجاب تقلید سے نکل کر محقق و صاحب بصیرت ہو گئے ہیں وہ حق سبحانہ کے نور سے جو کہ ان کو حاصل ہے امر واقعی کو معلوم کر لیتے ہیں۔ ان کے لئے علامت کی ضرورت نہیں کیونکہ نور حق سبحانہ کی یہ خاصیت ہے کہ وہ بدوں دلیل اور بیان کے کھال کے اندر گھس کر باطنی حالت معلوم کر لیتا ہے۔ برخلاف ظاہر بیں کے کہ اس کے نزدیک کھوٹا اور کھرا دونوں برابر ہیں وہ کیا جانے کہ بھید جسم کے اندر کیا ہے اس لئے اس کے واسطے دلیل و

علامت کی ضرورت ہے دیکھو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی مصلحت سے آدمی کے ظاہر و باطن میں مخالفت ہوتی ہے کبھی باطن اچھا ہوتا ہے اور ظاہر برا اور اس کی مثال تو ایسی ہوئی ہے جیسے کوئی شخص سونے کو چوروں سے بچانے کے لئے دھوئیں میں رنگ لے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ظاہر اچھا ہوتا ہے اور باطن برا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص تانبے پر سونے کا ملمع کردے تاکہ وہ اس کو کسی کم علم کے ہاتھ بیچ دے۔ پس ہم لوگ جو تمام عالم کی باطنی حالت باعلام الٰہی جان سکتے ہیں دل کو دیکھتے ہیں اور ظاہر کو نہیں دیکھتے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ قضاۃ چونکہ باطنی حالت کے معلوم کرنے سے عاجز ہیں اس لئے ظاہر کو دیکھتے ہیں اور شکل ظاہری پر حکم لگاتے ہیں چنانچہ جب کسی نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا اور اپنا ایمان ظاہر کردیا تو اس پر مومن کا حکم کرتے ہیں اور اس کو ظاہر و باطن میں مسلمان سمجھتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ایسے منافقوں نے جو کسی مصلحت دنیوی کے بناء پر ظاہری کفر سے بھاگ کر ظاہر اسلام میں داخل ہوگئے ہیں مخفی طور پر سینکڑوں مسلمانوں کا خون کردیا ہے۔ خواہ انہیں قتل کر کے خواہ ان کو دین سے برگشتہ کر کے۔ جیسا کہ عبداللہ بن سبا اور اس کے متبعین نے کیا۔ بس تم کوشش کرو کہ شیخ عقل و دین ہوجاؤ۔ تاکہ اہل اللہ کی طرح باطن بین ہوجاؤ۔ اور منافقین کے ضرر سے محفوظ ہوجاؤ۔ دیکھو جب عقل جمیل پردۂ غیب سے جلوہ نما ہوتی ہے تو آدمی کو معزز و ممتاز کرتی اور اسے نہایت نامور کردیتی ہے۔ معمولی حالت اس کی یہ ہوتی ہے کہ وہ شخص بینا ہوجاتا ہے اور اندھوں کی طرح دوسروں کا محتاج نہیں ہوتا۔ عقل کی تو یہ شان ہے کہ اگر وہ متشکل اور ظاہر ہو تو اس کے نور کے مقابلہ میں روز روشن تاریک معلوم ہو اور حمق اور بے عقلی کی حالت یہ ہے کہ اگر اس کی صورت ظاہر ہو تو تاریکی شب اس کے سامنے منور معلوم ہو کیونکہ وہ رات سے بھی زیادہ تاریک اور مظلم ہے۔ شاید کوئی سوال کرے کہ پھر آدمی اسے کیوں پسند کرتے ہیں۔ اور اسے کیوں نہیں چھوڑنا چاہتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ خفاش ہیں اور بدبخت خفاش ظلمت خوار ہی ہوتا ہے اور ظلمت ہی اس کی غذا ہوتی ہے پھر اسے کیسے چھوڑ دے۔ اب فرماتے ہیں کہ اے خفاش صفت تو نور عقل سے جو کہ نور روز سے مشابہ ہے رفتہ رفتہ مناسبت پیدا کرلے ورنہ تو خفاش صفت ہی رہے گا اور جہاں کوئی اشکال اور مشکل ہوگی تو اسی کا عاشق رہے گا۔ اور جہاں چراغ ولایت ہوگا تو اس کا دشمن ہوگا کیونکہ اشکال و مشکل میں تو ظلمت جہل ہے اور تو ظلمت پر عاشق ہے اس لئے تو اشکال کا عاشق ہوگا اور چراغ ولایت میں روشنی علم ہے اور تو روشنی کا دشمن ہے اس لئے اس چراغ سے متنفر ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ تو استدلالیات ہی میں گرفتار رہے گا اور کشفیات سے تجھے بے مناسبتی رہے گی۔ اب ہم تم کو اس کا راز بتلاتے ہیں کہ وہ ظلمت اشکال پر کیوں عاشق ہے سنو اس کا دل ظلمت اشکال کا اس لئے طالب ہے کہ اس کو اس کا مایۂ علم و عقل زیادہ معلوم ہو کیونکہ جب وہ کسی بات میں اشکال یا اس کا جواب پیدا کریگا تو لوگ سمجھیں گے کہ بڑا عاقل اور فہیم ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ تم کو سوال و جواب میں الجھا کر اپنی سرشت بد سے غافل کردے اور تم اس کی باطنی حالت میں غور نہ کرسکو۔

علامت عاقل تام و نیم عاقل و مرد تمام و نیم مرد و علامت شقی مغرور لاشیئی

مکمل عاقل اور آدھے عقلمند اور مکمل انسان اور آدھے انسان کی علامت اور بے وجود مغرور بدبخت کی علامت

عاقل آں باشد کہ با او مشعلہ است	او دلیل و پیشوائی قافلہ است
عقلمند وہ ہے جس کے پاس مشعل ہے	وہ قافلہ کا رہنما اور پیشوا ہے

پیرو نور خودست آں پیش رو	تابع خویش ست آں بیخویش رو
وہ پیشوا اپنے نور کا پیرو ہے	وہ بے اختیار چلنے والا اپنے نور کا تابع ہے
مومن خویش ست وایماں آورید	ہم بداں نورے کہ جانش زاں چرید
وہ اپنے اوپر ایمان رکھتا ہے اور ایمان لایا ہے	اس نور پر جس سے اس کی روح نے غذا حاصل کی ہے
دیگرے کہ نیم عاقل آمد او	عاقلے رادیدہ خود داند او
دوسرا وہ جو آدھا عقلمند ہے	(اور) کسی عقلمند کو اپنی آنکھ سمجھتا ہے
دست دروے زد چوکور اندر دلیل	تابد و بینا شد و چست و جلیل
اس نے اس پر اس طرح ہاتھ رکھا ہے جیسا کہ اندھا راہبر پر رکھتا ہے	حتی کہ وہ اس کے ذریعہ بینا اور چست اور بڑا بن گیا ہے
واں خرے کز عقل جو سنگے نداشت	خود نبودش عقل و عاقل راگذاشت
وہ گدھا جو ایک جو برابر عقل نہیں رکھتا	اس میں خود عقل نہ تھی اور عقلمند کو بھی چھوڑ دیا
رہ نداند نے قلیل و نے کثیر	می نجوید ہم نذیر وہم بشیر
وہ راستہ نہیں جانتا ہے نہ تھوڑا نہ بہت	نذیر اور بشیر کو بھی نہیں تلاش کرتا ہے
غرقہ اندر غفلت و در قال و قیل	ننگش آید آمدن خلف دلیل
غفلت اور بحث و مباحثہ میں غرق ہے	اس کو راہنما کے پیچھے چلنے میں شرم آتی ہے
می رود اندر بیابان دراز	گاہ لنگاں آئس و گاہے بتاز
وہ لمبے جنگل میں چلا جا رہا ہے	کبھی مایوس لنگڑاتا ہوا اور کبھی دوڑتا ہوا
شمع نے تا پیشوای خود کند	نیم شمعے نے کہ نورے گد کند
شمع نہیں ہے کہ اس کو اپنا پیشوا بنا لے	آدھی شمع (بھی) نہیں ہے کہ نور مانگ لے
نیست عقلش تادم زندہ زند	نیم عقلے نے کہ خود مردہ کند
اس میں عقل نہیں ہے کہ زندہ ہونے کا دم بھرے	آدھی عقل (بھی) نہیں ہے کہ اپنے آپ کو مردہ بنا لے
مردۂ آں عاقل آید او تمام	تا بر آید از نشیب خود بہام
وہ بالکلیہ اس عقلمند کا مردہ بن جائے	تا کہ اپنی پستی سے بالاخانہ پر پہنچ جائے
عقل کامل نیست خود را مردہ کن	در پناہ عاقل زندہ سخن
پوری عقل نہیں ہے (تو) اپنے آپ کو مردہ بنا لے	زندہ دم عقلمند کی پناہ میں

زندہ نے تا ہمدم عیسیٰ بود	مردہ نے تا دمگہ عیسیٰ شود
نہ وہ زندہ ہے کہ (حضرت) عیسیٰ کا ہم مشرب ہو	مردہ (بھی) نہیں ہے کہ (حضرت) عیسیٰ کی پھونک کا اہل ہو
زندہ نے و مردہ نے لاشیٔ بود	غورہ باشد نے عنب نے مے بود
نہ زندہ ہے نہ مردہ وہ کچھ نہیں ہے	کچا انگور ہے نہ انگور ہے نہ شراب
غورۂ کز غورگی در نگذرد	سنگ بست و خام و ترش و رد بود
کچا انگور جو کچے پن سے آگے نہ بڑھے	وہ پتھرا گیا ہے اور کچا اور کھٹا اور مردود ہوتا ہے
جان کورش گام ہر سوی نہد	عاقبت نجہد و لے برمی جہد
اس کی اندھی روح ہر جانب قدم بڑھاتی ہے	عاقبت کی کوشش نہیں کرتی ہے لیکن تڑپتی رہتی ہے
سود ندہد برجہیدن آں زماں	زانکہ نازل شد بلا از آسماں
اس وقت اچھلنا کودنا فائدہ نہیں دیتا ہے	کیونکہ آسمان سے بلا اتر چکی ہے

یہاں سے مولانا عاقل کامل اور عاقل ناقص اور احمق کی حالت بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عاقل کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی مشعل لئے ہوئے ہو کیونکہ وہ اپنا رہبر خود ہوتا ہے اور دوسروں کا مقتدا اور پیشوا ہوتا ہے اور دوسرے لوگ اس کے سہارے پر چلتے ہیں یہ پیشرو خود اپنے نور کا پیرو ہوتا ہے اور یہ خودی کو چھوڑ کر چلنے والا خود اپنا تابع ہوتا ہے اس لئے گویا کہ وہ خود اپنے اوپر ایمان لاتا اور اسی نور پر ایمان رکھتا ہے جس سے اس کی جان متغذی ہے (یہ شان اصالۃً تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہے اور ان کے توسط سے اولیاء اللہ کو بھی اس کا ایک معتد بہ حصہ حاصل ہو جاتا ہے اس لئے وہ بھی ان ہی کے ساتھ ملحق ہیں اور چونکہ انبیاء کی طرح اولیاء اپنے اوپر ایمان نہیں رکھتے بلکہ ان کا ایمان انبیاء ہی پر ہوتا ہے اس لئے ہم نے مومن خویش ست الخ کو حقیقت پر محمول نہیں کیا بلکہ تشبیہ پر محمول کیا اور مقصود یہ ہے کہ ان کو استقلالی شان حاصل ہوتی ہے۔ جیسے مومن بنفسہ کو ہوتی ہے مگر علی تفاوت درجات کمال العقل۔ پس انبیاء کو استقلال اتم واکمل حاصل ہوگا اور اولیاء کو اس سے کم اور جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ مومن خویش ست سے بیان استقلال مقصود ہے نہ کہ معنی حقیقی تو معنی حقیقی سے سکوت ہوگا اور یہ شبہ نہ واقع ہوگا کہ اس سے لازم ہے کہ یا تو انبیاء بھی مومن بنفسہ نہ ہوں یا اولیاء بھی مومن بنفسہ ہوں کیونکہ عاقل دونوں ہیں اور دونوں کو مومن خویش است کہا ہے پس اگر مومن خویش است الخ کے یہ معنی ہیں کہ وہ حقیقۃً اپنے اوپر ایمان رکھتے ہیں تو لازم ہے کہ اولیاء بھی مومن بانفسہم ہوں اور اگر یہ معنی ہیں کہ وہ مجازاً اپنے اوپر ایمان رکھتے ہیں تو لازم کہ انبیا بھی مومن بانفسہم نہ ہوں اور محصل دفع شبہ یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ علی تفاوت درجات الاستقلال مستقل ہیں جیسے کہ مومن بنفسہ مستقل ہوتا ہے گو دونوں استقلالوں میں فی الجملہ فرق بھی ہے کہ اول کیلئے اتمیت لازم نہیں اور دوسرے کے لئے لازم ہے۔ رہی یہ بات کہ وہ حقیقۃً کس پر ایمان رکھتے ہیں اس سے کوئی بحث نہیں خواہ اپنے اوپر ایمان رکھتے ہوں یا دوسرے پر اب شبہ نہ رہا۔ خود اپنے اوپر ایمان لانے کی ایک مختصر اور واضح توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ انبیاء کا اپنے اوپر ایمان

لانا تو ظاہر ہے دے ہے اولیاء سوان کا ایمان انبیاء پر ہے اور مولانا نے ارواح انسانیہ کا اتحاد ثابت کیا ہے جس کی تفصیل گزر چکی تو ان کا انبیاء پر ایمان لانا اتحاد کی بناء پر گویا کہ خود اپنے ہی اوپر ایمان لانا ہے) اور دوسرا شخص جو نیم عاقل ہے اس کی حالت یہ ہے کہ وہ عاقل کو اپنی آنکھ جانتا ہے اور اس کے سہارے پر چلتا ہے اور اس کو یوں پکڑ لیتا ہے جیسے اندھا اپنے رہبر کو پکڑ لیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کی بینائی سے بینا ہو جاتا ہے۔ اور تیز رو اور بڑا شخص ہو جاتا ہے اور تیسرا شخص وہ ہے جو احمق ہو اور عقل بالکل نہ رکھتا ہو اور باوجود ذاتی عقل نہ ہونے کے عاقل کو بھی چھوڑ دیتا ہو اس کی حالت یہ ہے کہ وہ بالکل راستہ نہیں جانتا اور اس بشیر و نذیر (شیخ) کو نہیں ڈھونڈتا۔ جو اس کو منافع سے مطلع کرے اور مضار سے ڈرائے بلکہ وہ غفلت اور فضولیات میں منہمک ہوتا ہے اس کو شرم آتی ہے کہ کسی رہبر کے پیچھے چلے اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ مسافت طویلہ راہ خدا میں کبھی تو لنگڑا اور مایوس چلتا ہے اور کبھی دوڑ کر یعنی وہ خود رائی سے اس کو طے کرنا چاہتا ہے پس کبھی تو بے قاعدہ چلتا ہے اور کبھی باقاعدہ نہ اس کے پاس شمع عقل کامل ہوتی ہے کہ اسے پیشوا بنائے اور نہ نیم شمع یعنی نیم عقل کہ وہ صاحب شمع یعنی شیخ عاقل کو رہبر بنائے اور اس سے نور حاصل کرے۔ اور نہ تو اس کو عقل کامل ہوتی ہے کہ وہ زندوں کی سی پھونک مارے اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرح روحانی مردوں کو زندہ کردے۔ اور نہ عقل ناقص ہوتی ہے کہ اپنے کو مردہ کر لے اور شیخ عاقل کے سامنے اپنے کو کامل مردہ بنالے تا کہ وہ حضیض ناسوت سے اوج ملکوت تک پہنچ جاوے پس اگر تم کو عقل کامل حاصل نہ ہو تو اپنے کو ایک زندہ نخن عاقل کی پناہ میں مردہ کر لو خیر یہ مضمون تو جملہ معترضہ کے طور پر تھا اب ہم احمق کی حالت بیان کرتے ہیں سنو وہ نہ تو زندہ بحیات روحانی ہے کہ اس کی پھونک میں بھی دم عیسیٰ کا اثر ہو اور وہ روحانی مردوں کو جلا سکے اور نہ مردہ ہی ہے کہ کوئی عیسیٰ نفس شیخ کامل اسے پھونک مار کر زندہ کردے اور وہ اس کی پھونک کا محل بن جاوے۔ (پھونک سے مراد فیض تعلیم وصحبت ہے) غرضکہ نہ وہ زندہ ہے اور نہ مردہ بلکہ محض بیچ ہے اور وہ ایک کچا انگور ہے نہ پختہ ہے جو مے یعنی کامل بن سکے اور نہ خود مے یعنی کامل ہے اور قاعدہ ہے کہ جو کچا انگور ایسا ہو کہ وہ اپنے غورہ پن کو نہ چھوڑے تو وہ ٹھٹھرا ہوا اور کچا اور کھٹا اور نکما پھینکنے کے قابل ہوتا ہے لہٰذا ایسا احمق بھی محض نکما ہے۔ نیز اس کی یہ حالت ہے کہ وہ اٹکل پچو ہر طرف چلتا ہے مگر وہ اس دام ضلالت سے نکل نہیں سکتا۔ ہاں کودتا پھاندتا بہت ہے مگر اس وقت اس کا یہ کودنا پھاندنا کچھ کام نہیں آتا کیونکہ آسمان سے بلا نازل ہو چکتی ہے یعنی وہ بلائے حماقت میں گرفتار ہوتا ہے (گو یہ بلائے احمقی اختیاری ہے مگر اس کو آسمان سے نازل ہونے والا اس لئے کہا گیا کہ قضائے آسمانی کو بھی اس میں گونہ دخل ہے۔)

قصۂ آبگیر وصیاداں وآں سہ ماہی یکے عاقل ویکے نیم عاقل وآں دیگر مغرور ابلہ مغفل لاشئی وعاقبت ایشان

تالاب اور شکاریوں اور تین مچھلیوں کا قصہ جو ایک عقلمند اور ایک ناقص العقل اور ایک دوسری مغرور بے وقوف غافل لاشئی تھی اور ان کا انجام

که در و سه ماہی اشگرف بود	قصہ آں آبگیرست اے عنود
جس میں تین بڑی مچھلیاں تھیں	اے سرکش ! اس تالاب کا قصہ ہے

در کلیلہ خواندہ باشی لیک آں	قشر افسانہ بود ویں مغز جاں
تو نے کلیلہ میں پڑھا ہو گا لیکن وہ	قصہ کا چھلکا تھا اور یہ روح کا مغز ہے
چند صیادے سوی آں آبگیر	برگذشتند و بدیدند آں ضمیر
اس تالاب کی جانب چند شکاری	گزرے اور اس راز کو سمجھ گئے
پس شتابیدند تادام آورند	ماہیاں واقف شدند و ہوشمند
وہ دوڑے تاکہ جال لائیں	مچھلیاں باخبر اور آگاہ ہو گئیں
آنکہ عاقل بود عزم راہ کرد	عزم راہ مشکل ناخواہ کرد
جو سمجھدار تھی اس نے سفر کی ٹھانی	ناپسند مشکل راستہ کا ارادہ کر لیا
گفت باانہا ندارم مشورت	کہ یقیں سستم کنند از مقدرت
کہنے لگی میں ان سے مشورہ نہ کروں گی	کیونکہ وہ یقینا طاقت میں مجھے سست کر دیں گی
مہرزاد و بود شاں برجاں زند	کاہلی و جہل شاں برمن زند
جائے پیدائش اور قیام کی محبت ان کی جان پر اثر کریگی	ان کی سستی اور نادانی مجھ پر اثر کریگی
مشورت بازندۂ باید نکو	کہ ترا زندہ کند آں زندہ کو
مشورے کے لئے نیک اور زندہ (دل) چاہیے	کہ تجھے زندہ کردے وہ زندہ کہاں ہے؟
اے مسافر با مسافر رائے زن	زانکہ پایت لنگ دارد رائے زن
اے مسافر! مسافر سے مشورہ کر	عورت کی رائے تیرا پاؤں لنگڑا کر دے گی
ازدم حب الوطن بگذر مایست	کہ وطن آنسوست جاں ایں سوی نیست
وطن کی محبت کے دھوکے سے نکل جا نہ ٹھہر	اے جان! وطن ادھر ہے ادھر نہیں ہے
گر وطن خواہی گزر آں سوی شط	ایں حدیث راست را کم خواں غلط
اگر تو وطن چاہتا ہے (نہر کے) اس کنارے پر چلا جا	اس صحیح حدیث کو غلط نہ پڑھ

چونکہ اوپر نزول بلائے آسمانی کے وقت سعی کا بیکار ہونا بیان فرمایا تھا اس لئے اب اس کے مناسب ایک قصہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک تالاب کا قصہ ہے کہ اس میں تین عجیب مچھلیاں تھیں۔ تم نے اس قصہ کو کلیلہ دمنہ میں پڑھا ہو گا لیکن وہ قصہ کا پوست ہے جس عنوان سے ہم بیان کرتے ہیں وہ مغز جان ہے اس لئے اس مقام پر اس کا ذکر لغو نہیں ہے۔ پس تم اسے غور سے سنو اور کلیلہ دمنہ میں پڑھ لینے کی بناء پر بے توجہی نہ کرو۔ خیر قصہ یہ ہے کہ چند شکاری اس تالاب کی طرف آنکلے اور اس کے پانی میں مخفی مچھلیوں کو دیکھا۔ یہ دیکھ کر وہ جال لینے دوڑے۔

مچھلیاں ان کے اس ارادہ پر مطلع اور خبردار ہو گئیں پس ان میں جو مچھلی عاقل تھی اس نے تو وہاں سے چل دینے کا پختہ ارادہ کر لیا یعنی اس راستہ کا قصد کر لیا جو کٹھن تھا اور جس پر چلنے کی خواہش نہ ہوتی تھی اور دل میں کہا کہ میں ان مچھلیوں سے اس معاملہ میں مشورہ نہیں کرتی کیونکہ یہ امر یقینی ہے کہ یہ مجھے اپنی مقدور بھر ڈھل مل کریں گی۔ اور پیدائش وسکونت کی محبت ان کے دل میں اثر کرے گی۔ اور وہ مجھے سفر سے مانع ہوں گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی کاہلی اور جہالت کا اثر مجھ پر پڑے گا اب مولانا انتقال فرماتے اور مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مشورہ کے لئے زندہ دل اور اچھے شخص کی ضرورت ہے جو کہ تمہیں زندہ کر دے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ کہاں ہیں یعنی بہت کم ہیں اور عام حالت تو خراب ہی ہے خیر تم چونکہ عالم ناسوت سے عالم ملکوت کا سفر کرنا چاہتے ہو۔ اس لئے ایسے ہی لوگوں سے مشورہ کرو کیونکہ جو لوگ عورتوں کی طرح خانہ ناسوت میں محبوس ہیں ان کی رائے تمہارے پاؤں توڑ دے گی۔ یعنی اس سے مانع ہوگی۔ دیکھو تم حب الوطن من الایمان کے فریب میں نہ آ جانا اور عالم ناسوت کو وطن سمجھ کر اس میں نہ رہ پڑنا۔ بلکہ اس سے گزر جانا۔ کیونکہ وطن اصلی تو عالم غیب ہے کیونکہ تمہاری حقیقت روح ہے اور روح ناسوتی نہیں ہے پس اگر وطن مطلوب ہے تو دریائے ناسوت کے اس پار پہنچ جاؤ اور اس صحیح حدیث حب الوطن من الایمان کو غلط مت پڑھو۔ یعنی اس کو عالم ناسوت پر محمول نہ کرو۔

سر حدیث حب الوطن من الایمان و کژ خواندن شخصے دعای استنشاق راکه اللهم ارحنی رائحة الجنة بجائے ورد استنجا که اللهم اجعلنی من التوابین و اجعلنی من المتطهرین وشنیدن عزیزے وطاقت نیاوردن وباز نمودن

اس حدیث کا راز کہ وطن کی محبت ایمان سے ہے اور ایک شخص کا ناک میں پانی دینے کے وقت کی دعا کو بے موقع پڑھنا جو کہ اے اللہ مجھے جنت کی خوشبو سونگھا دے استنجے کی دعا کی جگہ جو کہ "اے اللہ مجھے توبہ کرنے والوں میں سے کر دے اور مجھے پاکی حاصل کرنے والوں میں سے کر دے" ہے اور ایک دوست کا سننا اور صبر نہ کر سکنا اور بتانا

در وضو ہر عضو را وردے جدا	آمدہ است اندر خبر بہر دعا
وضو کرنے میں ہر عضو کا جدا وظیفہ	حدیث میں دعا کے لئے آیا ہے
چونکہ استنشاق بینی می کنی	بوی جنت خواہ از رب غنی
جب تو ناک میں پانی دے	بے نیاز رب سے جنت کی خوشبو چاہ
تا تر اآں بو کشد سوی جناں	بوی گل باشد دلیل گلستاں
تاکہ وہ خوشبو تجھے جنتوں کی طرف کھینچے	پھول کی خوشبو چمن کی رہنما ہوتی ہے
چونکہ استنجا کنی ورد و سخن	ایں بود یارب توزینم پاک کن
جب تو استنجا کرے وظیفہ اور کلام	یہ ہوگا کہ اے خدا تو مجھے اس سے پاک کر

دست من اینجا رسید ایں بشست را	دستم اندر شستن جانست ست
میرا ہاتھ یہاں پہنچا اس کو دھو دیا	روح کے دھونے میں میرا ہاتھ کوتاہ ہے
اے ز تو کس گشتہ جان ناکساں	دست فضل تست در جانہا رساں
اے (خدا) تجھ سے نالائقوں کی جان لائق بن گئی ہے	تیرے کرم کا ہاتھ روحوں تک پہنچنے والا ہے
حد من ایں بود کردم من لئیم	زاں سوی حد را نقی کن اے کریم
مجھ کمینے کی یہی حد تھی جو کر لی	حد کی اس جانب کو اے کریم تو پاک کر دے
از حدث شستم خدایا پوست را	از حوادث تو بشو ایں دوست را
اے خدا میں نے ناپاکی سے کھال کو دھو لیا	تو اس دوست کو حوادث (زمانہ) سے دھو دے
آں یکے در وقت استنجا بگفت	کہ مرا بابوی جنت دار جفت
ایک شخص نے استنجے کے وقت کہا	مجھے جنت کی خوشبو کا جوڑی دار بنا دے
گفت شخصے خوب ورد آوردۂ	لیک سوراخ دعا گم کردۂ
ایک شخص نے کہا تو نے بہت اچھا وظیفہ پڑھا	لیکن تو نے دعا کے سوراخ کو گم کر دیا ہے
ایں دعا چوں ورد بینی بود چوں	ورد بینی را تو آوردی بکوں
یہ دعا جبکہ ناک کا وظیفہ تھا کیوں	تو ناک کے وظیفہ کو مقعد میں لے آیا؟
رائحہ جنت ز بینی یافت حر	رائحہ جنت کے آید از دبر
آزاد آدمی جنت کی خوشبو ناک کے ذریعہ پاتا ہے	مقعد سے جنت کی خوشبو کب آتی ہے؟
اے تواضع بردہ پیش ابلہاں	وے تکبر کردہ تو پیش شہاں
اے بے وقوفوں کے سامنے تواضع کرنے والے!	اے شاہوں کے سامنے تکبر کرنے والے!
آں تکبر بر خساں خوب ست و چست	ہیں مرو معکوس عکسش بند تست
تکبر کمینوں کے ساتھ اچھا اور بھلا ہے	خبردار! الٹا نہ چل اس کا الٹا تیری بیڑی ہے
از پے سوراخ بینی رست گل	بو وظیفہ بینی آمد اے عتل
پھول ناک کے سوراخ کے لئے اگا ہے	اے بدخو! سونگھنا ناک کا کام ہے
بوی گل بہر مشام ست اے دلیر	جای آں بو نیست ایں سوراخ زیر
اے دلیر! پھول کی خوشبو دماغ کے لئے ہے	یہ نچلا سوراخ اس خوشبو کی جگہ نہیں ہے

کے ازینجا بوی خلد آید ترا	بوز موضع جو اگر باید ترا
تجھے جنت کی خوشبو اس جگہ سے کب آئے گی؟	اگر تجھے (خوشبو) چاہیے تو اس کو جگہ سے تلاش کر
ہمچنیں حب الوطن باشد درست	تو وطن بشناس اے خواجہ نخست
اسی طرح سے وطن کی محبت درست ہے	اے خواجہ! تو پہلے وطن کو پہچان

چونکہ اوپر حدیث حب الوطن من الایمان کے غیر محل سے متعلق کرنے کی ممانعت کی تھی اور محل سے متعلق کرنے کی ترغیب دی تھی اس لئے اب اس مضمون کو ایک قصہ سے واضح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اولاً یہ سمجھ لو کہ وضو میں ہر عضو کے لئے ایک جداگانہ وظیفہ دعا کے لئے۔ حدیث میں آیا ہے چنانچہ حکم ہے کہ جب تم ناک میں پانی دو تو حق سبحانہ سے بوئے جنت کی درخواست کرو اور کہو اللھم ارحنی من رائحة الجنة تاکہ حق سبحانہ تم کو جنت کی بو سنگھادیں اور وہ بو تمہیں جنت میں لے جاوے کیونکہ قاعدہ ہے کہ بوئے گل گلستاں کی طرف رہبر ہوتی ہے۔ اسی طرح بوئے جنت کی طرف رہنمائی کرے گی۔ اور حکم ہے کہ جب استنجا کرو تو تمہارا وظیفہ اور کلام یہ ہونا چاہئے کہ اے اللہ تو مجھے نجاست سے پاک کر۔ میرا ہاتھ تو یہیں تک پہنچتا ہے۔ سو اس نے اس مقام کو دھوڈالا لیکن میرا ہاتھ میری جان کو دھونے سے عاجز ہے۔ پس اے وہ ذات جو نالائقوں کو لائق بناتی ہے۔ تیرا دست قدرت جانوں تک پہنچتا ہے پس تو میری جان کو پاک کردے مجھ نالائق کی رسائی تو یہیں تک تھی اس لئے میں نے اسی کو پاک کرلیا۔ پس اس مقام سے ادھر جو شے ہے یعنی روح تو اسے پاک کردے اور اے اللہ میں کھال کو تو دھو چکا ہوں۔ مگر تو میرے دل و جان کو دھودے۔ جو میرے دوست ہیں خیر یہ تو تمہید تھی اب اصل مطلب سنو۔ ایک شخص استنجے کے وقت کہہ رہا تھا کہ اے اللہ تو مجھے بوئے جنت سے پیوستہ رکھ۔ کسی شخص نے اس دعا کو سن کر کہا کہ میاں دعا تو تم نے اچھی کی۔ لیکن اس دعا کا سوراخ بھول گئے بھائی یہ دعا تو سوراخ بینی کی تھی۔ تم نے سوراخ مقعد پر اسے کیوں پڑھا جنت کی بو تو ناک سے محسوس ہوتی ہے پاخانہ کے مقام سے تو جنت کی بو نہیں آتی۔ اب مولانا یہاں سے ایک استطرادی مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جو احمقوں کے سامنے تواضع کرتا ہے اور اہل اللہ سے تکبر کرتا ہے تو محل تواضع و تکبر بھول گیا۔ تکبر تو کمینوں کے مقابلہ میں عمدہ اور موزوں ہے تو ٹیڑھا مت چل یہ تیرا ٹیڑھا چلنا تیرے لئے بیڑی ہے جو تجھے نفس کے قبضہ سے نہ نکلنے دے گی۔ اس مضمون استطرادی کو ختم کر کے پھر اصل قصہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس شخص نے کہا کہ پھول تو سوراخ بینی کے لئے اگا ہے اور بو تو ناک کا حق ہے اور بوئے گل تو قوت شامہ کے لئے ہے یہ نیچے کا سوراخ اس بو کا محل نہیں تو سوچ تو سہی کہیں جنت کی بو تجھے پاخانہ کے مقام سے آسکتی ہے ہرگز نہیں۔ پس تو اس بو کو اس کے محل سے طلب کر اب مولانا فرماتے ہیں کہ یوں ہی حب الوطن من الایمان نہایت صحیح ہے مگر تم کو پہلے وطن کو پہچاننا چاہئے کہ کون ہے اور پھر وطن کی محبت کرنی چاہئے۔

واقف شدن آں ماہی عاقل و سفر پیش گرفتن بے مشورت بادیگراں از حکمت

عقلمند مچھلی کا واقف ہو جانا اور دانائی سے دوسروں کے مشورے بغیر روانہ ہو جانا

گفت آں ماہی زیرک رہ کنم	دل زرای و مشورت شاں بر کنم
اس عقلمند مچھلی نے کہا میں سفر کر جاؤں	ان کے مشورے اور رائے پر دل نہ جماؤں
نیست وقت مشورت ہیں راہ کن	چوں علیؓ تو آہ اندر چاہ کن
خبردار! مشورے کا وقت نہیں ہے سفر کر جا	(حضرت) علیؓ کی طرح تو کنویں میں آہ کر
محرم آں راہ کمیاب ست و بس	شب روی پنہاں روی کن چوں عسس
اس راستہ کا محرم بالکل نایاب ہے	رات کو چلنا اور پوشیدہ چلنا کوتوال کی طرح (اختیار) کر
سوی دریا عزم کن زیں آبگیر	بحر جو و ترک ایں گرداب گیر
اس تالاب سے دریا کی جانب ارادہ کر	سمندر کی تلاش کر اور اس بھنور کو چھوڑ دے
سینہ را پا ساخت وی رفت آں حذور	از مقام باخطر تا بحر نور
وہ محتاط سینہ کو پاؤں بنا کر جا رہی تھی	پرخطر مقام سے نور کے سمندر کی جانب
ہمچو آہو کز پئے او سگ بود	می دود تا در تنش یک رگ بود
اس ہرن کی طرح کتا جس کے درپے ہو	وہ دوڑتا ہے جب تک اس کے بدن میں ایک رگ ہو
خواب خرگوش و سگ اندر پے خطاست	خواب خود در چشم ترسندہ کجاست
خرگوش کی نیند اور کتا درپے غلط ہے	ڈرنے والے کی آنکھ میں نیند کہاں ہوتی ہے؟
رفت آں ماہی رہ دریا گرفت	راہ دور و پہنہ پہنا گرفت
وہ مچھلی چلی گئی، دریا کی راہ لی	دراز اور چوڑے سے چوڑا راستہ اختیار کیا
رنجہا بسیار دید و عاقبت	رفت آخر سوی امن و عافیت
وہ بہت سی تکلیفوں سے دور ہوئی، انجام کار	امن اور عافیت کی جانب چلی گئی
خویشتن افگند در دریای ژرف	کہ نیا بد حد آں را ہیچ طرف
اس نے اپنے آپ کو گہرے دریا میں ڈال دیا	جس کے کنارے کو کوئی آنکھ نہیں پاتی ہے
پس چو صیاداں بیاورند دام	نیم عاقل را ازاں شد تلخ کام
پھر جب شکاری جال لے آئے	اس سے نیم عاقل کو ناگواری ہوئی

گفت آہ من فوت کردم وقت را	چوں نگشتم ہمرہ آں رہنما
بولی ہائے میں نے وقت گنوا دیا	میں اس رہنما کی ساتھی کیوں نہ بنی؟
ناگہاں رفت او ولیکن چوں برفت	می ببایستم شدن درپے بہ تفت
وہ اچانک چلی گئی، لیکن چونکہ وہ چلی گئی ہے	مجھے (بھی) جلد اس کے پیچھے جانا چاہیے تھا
ایں زماں سودے ندارد حسرتم	چوں کنی چوں فوت شد آں فرصتم
اب میری حسرت مفید نہیں ہے	کیا کروں جب کہ وہ موقع جاتا رہا؟
برگذشتہ حسرت آوردن خطاست	باز ناید رفتہ یاد آں ہباست
گذشتہ پر حسرت کرنا غلطی ہے	گیا (وقت) نہیں لوٹتا ہے اس کی یاد بیکار ہے

اب مولانا مچھلیوں کے قصہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عاقل مچھلی نے کہا کہ مجھے چل دینا چاہیے اور ان سے مشورہ اور رائے لینے کا خیال چھوڑ دینا چاہیے اور اپنے نفس سے خطاب کر کے کہا کہ اب مشورہ کا وقت نہیں ہے پس تھے راستہ پر پڑلینا چاہیے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرح کنوئیں میں اظہار غم کرنا چاہیے (مشہور ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اسرار بیان فرماتے تھے تو وہ نہ ضبط کر سکتے تھے اور نہ کسی سے کہہ سکتے تھے اس لئے کنوئیں میں منہ ڈال کر اپنے دل کا بخار نکالتے تھے مگر یہ واقعہ ثابت نہیں۔ مولانا نے بناء بر شہرت لکھ دیا ہے دھوکہ نہ کھانا چاہیے) کیونکہ اس اظہار غم کے محرم کمیاب ہیں اور اب تجھ کو صرف یہ چاہیے کہ کسی کو راز دار نہ بنائے اور کوتوال کی طرح رات کو اور تنہا چلے یعنی سفر مخفی اور بلا مشورہ اختیار کرے تاکہ کوئی مزاحم نہ ہو اور چاہیے کہ اس تالاب کو چھوڑ کر دریا کا عزم کرے اور اس گرداب کو چھوڑے اور دریا کو طلب کرے یہ سوچ کر اس ہوشیار مچھلی نے اپنے سینہ کو پاؤں بنایا اور سینہ کے بل اس خوفناک مقام سے بحر نور میں چل دی۔ (بحر نور سے مراد بحر حقیقت و معرفت نہیں ہے کما وہم بلکہ دریائے متعارف ہے اور توجیہ اضافت یہ ہے کہ مصائب وبلایا کو ظلمت سے تشبیہ دی جاتی ہے اس کے مقابلہ میں راحت و آسائش نور سے مشابہ ہوں گے اور معنی بحر نور دریائے موجب راحت ہوں گے واللہ اعلم) اور وہ یوں دوڑی جس طرح وہ ہرن جس کے پیچھے کتا لگا ہوا ہو اس وقت تک دوڑتا ہے جب تک کہ اس میں ذرا سی بھی قوت باقی ہوتی ہے اور دوڑنا بھی چاہیے کیونکہ ایسی حالت میں غفلت کی نیند سونا جبکہ کتا پیچھے لگا ہو سخت غلطی ہے اس کے علاوہ دوڑنے والے کو نیند آ بھی تو نہیں سکتی۔ پھر سو کیونکر سکتا ہے خیر تو وہ مچھلی چل دی اور دریا کا راستہ لیا اور بہت لمبا چوڑا راستہ اختیار کیا۔ گو اسے راستے میں بہت کچھ تکلیفیں ہوئیں مگر بالآخر وہ امن و عافیت کے مقام پر پہنچ گئی۔ اس نے اپنے کو ایسے گہرے سمندر میں ڈال دیا جس کے کنارہ کو کوئی نظر نہیں محسوس کر سکتی تھی۔ پس جبکہ شکاری لوگ جال لے آئے تو نیم عاقل مچھلی کی زندگی تلخ ہوگئی اور اس نے کہا کہ افسوس میں نے وقت کھو دیا میں اس راہبر کے ہمراہ کیوں نہ چلی گئی یہ مسلم ہے۔ وہ بدوں کہے اچانک چلی گئی لیکن جب وہ چلی گئی تھی اور مجھے معلوم ہو گیا تھا تو فوراً ہی مجھے بھی اس کے پیچھے چل دینا چاہیے تھا۔ خیر اب پچھتانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ جب وقت نکل گیا تو اب کیا ہو سکتا ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ گذشتہ پر

پچھتانا سخت غلطی ہے کیونکہ وہ تو اب واپس ہو نہیں سکتا۔ اس لئے کہ وہ تو اب معدوم ہو چکا پھر لوٹ کیسے سکتا ہے لہٰذا اس پچھتاوے کو چھوڑنا چاہئے اور آئندہ کی فکر کرنی چاہئے اس کے بعد مولانا اس کے متعلق ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں۔

قصہ آں مرغ گرفتہ کہ وصیت کرد کہ بر گذشتہ پشیمانی مخور وسخن محال باور مکن و در تدارک وقت، اندیش و روزگار مبر در پشیمانی

اس پھنسے ہوئے پرند کا قصہ جس نے وصیت کی کہ گذشتہ پر پشیمان نہ ہو اور ناممکن بات کا یقین نہ کر اور موجود وقت کی اصلاح کر اور پشیمانی میں وقت ضائع نہ کر

آں یکے مرغے گرفت از مکر ودام	مرغ او را گفت کاے خواجہ ہمام
ایک شخص نے ایک پرند مکر اور جال سے پکڑ لیا	اس سے پرند نے کہا اے خواجہ بزرگ!
تو بسے مرغے ضعیفے ہمچو من	صید کردہ خوردہ گیر اے نیک ظن
تو نے مجھ جیسے ایک کمزور پرند کو	شکار کر لیا، فرض کر کھا لیا، اے نیک گمان!
تو بسے گاواں و میشاں خوردۂ	تو بسے اشتر بقرباں کردۂ
تو نے بہت سی گائیں اور بھیڑیں کھائی ہیں	تو نے بہت سے اونٹ قربان کئے ہیں
تو نگشتی سیر زانہا در زمن	ہم نگردی سیر از اجزای من
تو زمانہ میں ان سے پیٹ بھرا نہ بنا	میرے اجزاء سے بھی تیرا پیٹ نہ بھرے گا
مر مرا آزاد گرداں از کرم	اے جواں مرد کریم محتشم
کرم کر کے مجھے آزاد کر دے	اے شریف! معزز جوان شخص!
ہل مرا تا کہ سہ پندت بردہم	تا بدانی زیرکم یا ابلہم
مجھے چھوڑ دے تاکہ تجھے تین نصیحتیں کر دوں	حتیٰ کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ میں عقلمند ہوں یا بیوقوف ہوں
اول آں پندے دہم بردست تو	بدہمت اے جان ودل سرمست تو
ان میں کی پہلی نصیحت میں تیرے ہاتھ پر (بیٹھے ہوئے)	تجھے کروں گا اے وہ کہ دل و جان تیرے شیدائی ہیں
بر سر دیوار بدہم ثانیش	تا شوی زاں پند شاد وخوب وکش
ان میں سے دوسری دیوار پر (بیٹھ کر) کروں گا	تاکہ تو اس نصیحت سے خوش اور بھلا اور نازاں ہو
واں سوم پندت دہم من بر درخت	کہ ازیں سہ پند گردی نیک بخت
میں تیسری نصیحت تجھے درخت پر پہنچ کر کروں گا	تاکہ تو ان تینوں نصیحتوں سے نیک بخت بن جائے

انچہ بردست ست اینست آں سخن — کہ محالے راز کس باور مکن

جو ہاتھ پر (بیٹھے ہوئے کرنی ہے) وہ یہ بات ہے — کہ ناممکن (بات) پر کسی کا یقین نہ کر

برکفش چوں گفت اول پندرفت — گشت آزاد و برآں دیوار رفت

اس کے ہاتھ پر (بیٹھے ہوئے) جب پہلی (نصیحت) کہہ دی اڑ گیا — آزاد ہوگیا اور دیوار پر جا بیٹھا

گفت دیگر برگذشتہ غم مخور — چوں زتو بگذشت زاں حسرت مبر

دوسری نصیحت کی کہ گزری ہوئی (بات) پر غم نہ کر — جب تجھ سے گزر گئی اس پر حسرت نہ کر

بعدازاں گفتش کہ در جسمم کتیم — دہ درم سنگ ست یک در یتیم

اس کے بعد اس نے اس سے کہا کہ میرے جسم میں چھپا ہوا — دس درہم کے وزن کا ایک نادر موتی ہے

دولت تو بخت فرزندان تو — بود آں گوہر بحق جان تو

تیری دولت تیری اولاد کا نصیبہ — تھا وہ موتی تیری جان کی قسم!

فوت کردی در کہ روزیت نبود — کہ نباشد مثل آں در در وجود

تو نے وہ موتی کھو دیا چونکہ تیرے مقدر میں نہ تھا — کہ جس موتی کی مثال وجود میں نہ ہوگی

آنچناں کہ وقت زادن حاملہ — نالہ دارد خواجہ شددر غلغلہ

جس طرح حاملہ (عورت) جننے کے وقت — فریاد کرتی ہے (وہ شکاری) خواجہ شور کرنے لگا

گشت غمناک وہمی گفت آہ آہ — ایں چرا کردم کہ شد کارم تباہ

غمگین ہو گیا اور کہتا تھا ہائے ہائے — یہ میں نے کیوں کیا؟ کہ میرا کام برباد ہوگیا

من چرا آزاد کرم مر ترا — زیں حیل از راہ بردی مر مرا

میں نے تجھے کیوں آزاد کیا؟ — تو نے ان حیلوں سے مجھے گمراہ کر دیا

مرغ گفتش نے نصیحت کردمت — کہ مبادا برگذشتہ دی غمت

پرندنے اس سے کہا کہ میں نے تجھے نصیحت نہیں کر دی؟ — کہ کل کی گذشتہ (بات) پر غمگین نہ ہو

چوں گذشت ورفت غم چوں میخوری — یانکردی فہم پندم یا کری

جبکہ رفت و گذشت ہو گئی تو کیوں غم کرتا ہے؟ — یا تو میری نصیحت نہیں سمجھا ہے یا تو بہرا ہے

واں دوم پندت بگفتم کز ضلال — ہیچ تو باور مکن قول محال

میں نے دوسری نصیحت تجھے کی کہ گمراہی سے — تو بھی ناممکن (بات) کا یقین نہ کرنا

من نیم خود سہ درم سنگ اے اسد	دہ درم سنگ اندر دنم چوں بود
میں خود تین درہم بھر نہیں ہوں! اے شیر!	دس درہم کا وزن میرے اندر کیسے ہوگا؟
خواجہ باز آمد بخود گفتا کہ ہیں	باز گو پند سوم اے نازنیں
خواجہ ہوش میں آیا! بولا کہ ہاں	اے نازنیں! تیسری نصیحت کر
گفت آرے خوش عمل کردی بداں	تا بگویم پند ثالث رائگاں
اس نے کہا ہاں تو نے ان (دو) پر اچھا عمل کیا	تاکہ میں فضول تیسری نصیحت کروں
ایں بگفت و برپرید و شاد رفت	سوی صحرا سرخوش و آزاد رفت
اس نے یہ کہا اور اڑ گیا اور خوش (ہو کر) چل دیا	مست اور آزاد جنگل کی جانب چلا گیا
پند گفتن باجہول خوابناک	تخم افگندن بود در شورہ خاک
نادانٔ جاہل کو نصیحت کرنا	شوری زمین میں بیج بونا ہوتا ہے
چاک حمق و جہل نہ پذیرد رفو	تخم حکمت کم دہش اے پند گو
حماقت اور نادانی کا چاک رفو کے قابل نہیں ہے	اے نصیحت کرنے والے! اس میں دانائی کا بیج نہ بو
زانکہ جاہل جہل را بندہ بود	چونکہ تو پندش دہی او نشنود
کیونکہ جاہل جہل کا غلام ہوتا ہے	جب تو اسے نصیحت کرے گا وہ نہ سنے گا

ایک شکاری نے فریب اور جال سے ایک پرندہ پکڑا اس پرندہ نے اس سے کہا کہ جناب میں نے مانا کہ آپ نے مجھ سے کمزور جانور کو پکڑ کر کھا لیا لیکن آپ خیال فرمائیں کہ آپ نے بہت سی گائیں اور بہت سے بھیڑیں چٹ کر لی ہیں۔ مگر ہنوز آپ کا پیٹ نہیں بھرا۔ پس ضرور ہے کہ مجھے کھا کر بھی آپ کا پیٹ نہ بھرے گا۔ پس میرے نزدیک بہتر رائے یہ ہے کہ آپ مجھے براہ کرم آزاد کر دیں اور چھوڑ دیں تاکہ میں آپ کو تین نصیحتیں کروں اور اس سے آپ کو معلوم ہو جاوے کہ میں دانا ہوں یا بیوقوف۔ لیکن شرط یہ ہے کہ پہلی نصیحت تو آپ کے ہاتھ پر بیٹھا ہوا کروں گا اور دوسری دیوار پر تاکہ آپ اس سے شاداں و فرحاں ہوں اور تیسری نصیحت میں آپ کو درخت پر بیٹھ کر کروں گا۔ ان تین نصیحتوں سے آپ خوش اقبال ہو جاویں گے اس رائے کو شکاری نے منظور کر لیا اور پرندہ نے کہا کہ پہلی نصیحت جو آپ کے ہاتھ پر بیٹھے ہوئے ہے یہ ہے کہ محال بات کوئی کہے تم اس کا یقین نہ کرنا۔ جبکہ اس نے اس کے ہاتھ پر بیٹھ کر یہ پہلی نصیحت کر دی تو اب وہ حسب الشرط آزاد ہو گیا۔ اور دیوار پر جا بیٹھا اور وہاں بیٹھ کر کہا کہ دوسری نصیحت یہ ہے کہ گذشتہ پر افسوس نہ کرنا اور جو بات تمہارے ہاتھ سے نکل جاوے اس پر پچھتانا مت۔ یہ کہہ کر اس نے کہا کہ میرے پیٹ میں دس درم وزن کا ایک موتی پوشیدہ ہے اور تمہاری جان

کی قسم وہ تمہاری دولت اور تمہارے بال بچوں کی خوش اقبالی کا ذریعہ تھا مگر افسوس کہ تمہارے ہاتھ سے وہ موتی نکل گیا کیونکہ تمہاری قسمت ہی میں نہ تھا۔ جو کہ عالم وجود میں اپنا نظیر نہیں رکھتا۔ یہ سنتے ہی اس شکاری نے یوں آہ وزاری شروع کی جیسے دردزہ کے وقت حاملہ عورت کیا کرتی ہے اور بہت غمگین ہوا اور کہا کہ ہائے ہائے میں نے یہ کام کیوں کیا۔ جس سے میرا کام بگڑ گیا اور میں نے تجھے کیوں آزاد کر دیا۔ کمبخت تو نے مجھے چال کر کے راہ راست سے بھٹکا دیا۔ پرندہ نے کہا کہ کیا میں نے آپ کو نصیحت نہ کی تھی کہ گزشتہ کا تم کو افسوس نہ کرنا چاہئے جبکہ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا تو اب کیوں غم کرتے ہو۔ اب دو حالتیں ہیں یا تو تم نے میری نصیحت کو سمجھا نہیں یا تم بہرے ہو۔ خیر دوسری نصیحت میں نے آپ کو یہ کی تھی کہ اپنی غلطی سے تم محال بات کبھی نہ ماننا مگر تم نے اس کے بھی خلاف کیا کیونکہ میرا کل وزن تین درم نہیں تو دس درم وزن کا موتی میرے اندر کیسے ہو سکتا ہے یہ سن کر اس کو ہوش آیا اس نے کہا کہ اچھا اب تیسری نصیحت بھی کر دے اس نے کہا کہ بجا ہے۔ آپ نے ان دو نصیحتوں پر خوب عمل کیا ہے کہ میں تیسری نصیحت کر کے کھوؤں۔ یہ کہہ کر خوش خوش اڑ گیا اور مزہ سے آزادانہ جنگل کی طرف چل دیا۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ جاہل اور اونگھنے والے (بے رغبت) آدمی کو نصیحت کرنا شورہ خاک میں بیج ڈالنا یعنی فضول ہے۔ حماقت اور جہالت کا چاک رفو نہیں کیا جا سکتا اور وہ شورہ زمین ہے اس لئے اے نصیحت گر ایسے کو نصیحت کا بیج نہ دے کیونکہ جاہل آدمی جہل کا غلام ہوتا ہے اور جب تم اسے نصیحت کرتے ہو تو وہ اسے نہیں سنتا۔

چارہ اندیشیدن آں ماہی نیم عاقل وخود را مردہ کردن

اس ناقص عقل والی مچھلی کا تدبیر سوچنا اور خود کو مردہ بنا لینا

نیم عاقل گفت دروقت بلا	چونکہ ماند از سایۂ عاقل جدا
مصیبت کے وقت نیم عاقل نے کہا	چونکہ وہ عقلمند کے سایہ سے جدا ہو گئی تھی
کو سوی دریا شد و از غم عتیق	فوت شد از من چناں نیکو رفیق
کہ وہ دریا کی جانب چلی گئی اور غم سے آزاد ہو گئی	مجھ سے ایسا اچھا ساتھی چھوٹ گیا
لیک زاں نندیشم و برخود زنم	خویشتن را ایں زماں مردہ کنم
لیکن میں اس میں نہیں پڑتی ہوں اور خود تکلیف برداشت کرتی ہوں	اس وقت اپنے آپ کو مردہ بناتی ہوں
پس برآرم اشکم خود بر زبر	پشت زیرد می روم برآب بر
پس میں اپنا پیٹ اوپر کو کرتی ہوں	پشت نیچے کو اور پانی کے اوپر آ جاتی ہوں
می روم بروے چنانکہ خس رود	نے بسباحی چنانکہ کس رود
اس پر اس طرح چلوں جیسے کہ تنکا چلتا ہے	نہ کہ تیراکی سے جیسے کہ انسان چلتا ہے

مردہ گردم خویش بسپارم بآب	مرگ پیش از مرگ امن ست از عذاب
میں اپنے آپ کو مردہ بناتی ہوں اور پانی کے سپرد کرتی ہوں	مرنے سے پہلے مر جانا عذاب سے امن ہے
مرگ پیش از مرگ امن ست اے فتیٰ	اینچنیں فرمودہ مارا مصطفیٰؐ
اے نوجوان! مرنے سے پہلے مر جانا امن ہے	مصطفیٰؐ نے ہم سے ایسا ہی فرمایا ہے
گفت موتو اکلکم من قبل ان	یاتی الموت بموتوا بالفتن
فرمایا تم سب مر جاؤ اس سے پہلے کہ	موت آئے (اور) فتنوں سے مرو
ہمچناں مرد و شکم بالا فگند	آب گہ بردش نشیب و گہ بلند
اسی طرح مردہ ہو گئی اور پیٹ اوپر کر لیا	پانی کبھی اس کو نیچے لے جاتا کبھی اوپر
ہر یکے زاں قاصد بس غصہ خورد	کہ دریغا ماہی مہتر بمرد
ان ارادہ کرنے والوں میں سے ہر ایک بہت رنج کرتا تھا	کہ افسوس بڑی مچھلی مر گئی
شادی شد او زاں گفت دریغ	پیش رفت ایں بازیم رستم زتیغ
اس افسوس کی گفتگو سے وہ خوش ہوتی تھی	میری یہ چال چل گئی میں تلوار سے بچ گئی
پس گرفتش یک صیاد ارجمند	پس بروتف کرد و بر خاکش فگند
پھر اس کو ایک بڑے شکاری نے پکڑ لیا	پھر اس پر تھوکا اور زمین پر پھینک دیا
غلط غلطاں رفت پنہاں اندر آب	ماند آں احمق ہمی کرد اضطراب
وہ لوٹتی پوٹتی چپکے سے پانی میں چلی گئی	وہ احمق رہ گئی جو تڑپتی تھی
از چپ و از راست می جست آں سلیم	تا کہ بجہد خویش برہاند گلیم
وہ بیوقوف دائیں اور بائیں سے کودتی تھی	تاکہ (دریا میں) کود پڑے اپنی گدڑی چھڑا لے
دام افگندند و اندر دام ماند	احمقی اور اوراں آتش نشاند
انہوں نے جال پھینکا اور وہ جال میں رہ گئی	بیوقوفی نے اس کو اس آگ میں بٹھا دیا
بر سر آتش بہ پشت تابہٗ	با حماقت گشت او ہمخوابہٗ
آگ پر توے کی پشت پر	وہ حماقت سے ہمخواب ہو گئی
او ہمی جو شیدا ز تف سعیر	عقل می گفتش الم یاتک نذیر
وہ آگ کی گرمی سے ابل رہی تھی	عقل اس سے کہتی تھی کیا تیرے پاس کوئی ڈرانے والا تھا

اوہمی گفت از شکنجہ وزلا	ہمچو جان کافراں قالوا بلیٰ
وہ شکنجہ اور بلا میں سے کہتی تھی	کافروں کی روح کی طرح "کیوں نہیں"
بازمی گفت او کہ گرایں بار من	وارہم از محنت گردن شکن
پھر وہ کہتی تھی کہ اگر اب کی بار میں	گردن توڑ مصیبت سے چھوٹ جاؤں
من نسازم جز بدریائی وطن	آ بگیرے را نسازم من سکن
میں دریا کے سوا وطن نہ بناؤں گی	میں کسی تالاب کو آرام گاہ نہ بناؤں گی
آب بیحد جویم و ایمن شوم	تا ابد درامن ودر صحت روم
لامحدود پانی تلاش کروں گی، امن سے ہو جاؤں گی	ہمیشہ کے لئے امن اور صحت میں چلی جاؤں گی
ہمچنیں می کرد باخود عہد ہا	کز چنیں ورطہ اگر گردم رہا
وہ اپنے آپ سے ایسے عہد کرتی تھی	کہ اگر اس ہلاکت سے میں رہا ہو جاؤں
دامن عاقل بگیرم روز و شب	تا نیفتم در چنیں رنج و تعب
دن رات عقلمند کا دامن پکڑے رہوں گی	تاکہ ایسی تکلیف اور مصیبت میں نہ پھنسوں

اب مولانا پھر قصہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جب وہ نیم عاقل مچھلی سایہ عاقل سے جدا رہ گئی تو اس نے مصیبت کے وقت کہا کہ وہ تو دریا کی طرف چل دی اور غم سے آزاد ہو گئی اس لئے اسے تو فائدہ ہوا مگر میرا یہ نقصان ہوا کہ میرا ایک بہتر ساتھی جاتا رہا لیکن اب میں اس کا خیال ہی چھوڑتی ہوں اور بطور خود ہی کوئی تدبیر کرتی ہوں خیر اس وقت رہائی کی تدبیر یہ ہے کہ میں اپنے کو مردہ کرلوں اور صورت اس کی یہ ہے کہ اپنا پیٹ اوپر کرلوں اور کمرے نیچے اور پانی پر تیرنے لگوں اور اس پر یوں تیروں جیسا کہ تنکا بلا اختیار و شعور تیرتا ہے نہ کہ ایسا تیرنا جیسا کہ آدمی تیرتا ہے۔ غرضکہ میں مردہ ہو جاؤں اور اپنے کو پانی کے حوالہ کردوں اور اپنی حس و حرکت سے کچھ کام نہ لوں۔ بلکہ محض اس کے تابع ہو جاؤں کیونکہ مرنے سے پہلے مرنا عذاب سے نجات دینے والا ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ واقعی مرنے سے پہلے مرنا موجب امن ہے اس لئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی فرمایا ہے اور کہا ہے کہ تم سب اس سے پہلے مرجاؤ کہ تمہیں موت آئے۔ یعنی تم فتنوں میں مبتلا ہو کر مرو۔ یعنی تم اپنی زندگی ہی میں اپنی خواہشات کو فنا کردو اور مرضی حق سبحانہ کے تابع ہو جاؤ ورنہ فتنوں میں مبتلا ہو کر مرو گے۔ غرضکہ وہ یوں ہی مرگئی اور اپنا پیٹ اوپر کرلیا اور بالکل بے حس و حرکت ہو گئی پس کبھی پانی اس کو نیچے لے جاتا کبھی اوپر لاتا تھا۔ یہ دیکھ کر ان شکاریوں کو بہت رنج ہوا اور کہا کہ ہائے افسوس بڑی اعلیٰ درجہ کی مچھلی مرگئی۔ وہ مچھلی اس افسوسناک گفتگو سے خوش ہوتی تھی اور کہتی تھی کہ میری چال چل گئی اور میں خنجر سے بچ گئی۔ اس کے بعد ایک شکاری نے اسے اٹھایا اور تھوک کر اسے زمین پر پھینک دیا۔ پس وہ تو چپکے چپکے لڑھکتی ہوئی پانی میں پہنچ گئی مگر

جو مچھلی احمق تھی وہ تڑپتی رہی وہ احمق کبھی ادھر اچھلتی تھی اور کبھی ادھر اور مقصود یہ تھا کہ اس مصیبت سے نکل جاوے اور اپنا کمل چھڑائے مگر کہاں نکل سکتی تھی آخر انہوں نے جال پھینکا اور وہ جال میں آ گئی۔ دیکھو احمق نے اسے اس مصیبت میں پھنسایا اگر وہ بھی اپنے ساتھیوں کی موافقت کرتی تو کبھی مصیبت میں نہ پھنستی اور حماقت ہی کے سبب آگ کے اوپر توے کی پشت سے ہم خواب ہوئی یعنی بھونی گئی وہ آگ کی گرمی سے جوش کھاتی تھی مگر عقل اس سے کہتی تھی کہ تیرے پاس کوئی ڈرانے والا نہ پہنچا تھا یعنی کیا ایسے واقعات نہ پیش آئے تھے جن سے تو متنبہ ہوتی اس کا جواب وہ اس شکنجہ اور اس مصیبت میں سے وہ دیتی تھی جو کفار دیں گے یعنی کیوں نہیں ضرور آیا تھا خیر تو وہ کہتی تھی کہ اگر میں اب کے اس گردن شکن تکلیف سے بچ جاؤں تو اب دریا ہی میں رہوں گی اور تالاب میں کبھی نہ رہوں گی اور بہت سا پانی تلاش کر کے بے کھٹکے ہو جاؤں گی اور ہمیشہ کے لئے چین اور سکھ میں چلی جاؤں گی غرضکہ وہ اسی قسم کی اپنے سے عہد کر رہی تھی کہ اگر اب کے اس پھندے سے نکل جاؤں تو رات دن عاقل کا دامن تھامے رہوں گی تا کہ میں اس کو چھوڑ کر پھر مصیبت میں نہ پڑ جاؤں۔

بیان آنکہ عہد کردن احمق وقت گرفتار و ندم ہیچ سود ندارد کہ ولو ردوا لعادوا لما نھوا عنہ وانھم لکاذبون ہیچ کاذب وفا ندارد

اس کا بیان کہ احمق کا گرفتاری کے وقت عہد کرنا اور نادم ہونا کچھ مفید نہیں ہوتا کیونکہ وہ اگر واپس بھیج دیئے جائیں تو وہ ممنوعات کو دوبارہ عمل میں لائیں گے اور وہ بیشک جھوٹے ہیں" کوئی جھوٹا وفا نہیں کرتا ہے

عقل می گفتش حماقت با تو است	با حماقت عہد را آید شکست
عقل اس سے کہتی تھی حماقت تیرے ساتھ ہے	حماقت کے ہوتے ہوئے عہد ٹوٹ جاتا ہے
عقل را باشد وفای عہدہا	تو نداری عقل روائے خربہا
عہدوں کی وفا عقل کے لئے ہے	تجھ میں عقل نہیں ہے اے گدھے کی قیمت بھرا! تو جا
چونکہ عقلت نیست نسیاں میر تست	دشمن و باطل کن تدبیر تست
چونکہ تجھے عقل نہیں ہے، بھول تیرے اوپر حکمراں ہے	وہ تیری تدبیر کو باطل کرنے والی اور دشمن ہے
از کمی عقل پروانہ خسیس	یاد نارد ز آتش و سوز و حسیس
کمینہ پروانہ عقل کی کمی کی وجہ سے	آگ اور سوزش اور آگ بھڑکنے کی آواز کو یاد نہیں کرتا ہے
چونکہ پرش سوخت توبہ می کند	آز و نسیانش بر آتش می زند
جب اس کے پر جلے توبہ کرتا ہے	حرص اور اس کی بھول آگ میں جھونک دیتی ہے
ضبط و درک و حافظی و یادداشت	عقل را باشد کہ عقل آنرا فراست
ضبط اور سمجھ اور نگہداشت اور یاد داشت	عقل میں ہوتی ہے کیونکہ عقل نے ان کو بلند کیا ہے

چونکہ گوہر نیست تابش چوں بود	چوں مذکر نے ایابش چوں بود
جب جوہر نہیں ہے تو چمک کیسے ہو؟	جبکہ یاد دلانے والا نہیں ہے اس کی واپسی کیسے ہو؟
ایں تمنا ہم زبے عقلی اوست	کہ نہ بیند کاں حماقت را چہ خوست
یہ تمنا بھی اس کی بے عقلی سے ہے	کیونکہ وہ نہیں دیکھتا کہ حماقت کی خصلت کیا ہے؟
آں ندامت از نتیجہ رنج بود	نے زعقل روشن چوں گنج بود
وہ ندامت تکلیف کا نتیجہ تھی	نہ کہ روشن عقل کی وجہ سے جو خزانہ ہوتی ہے
چونکہ شد رنج آں ندامت شد عدم	می نیرزد خاک آں توبہ و ندم
جب تکلیف ختم ہوئی وہ ندامت ختم ہوگئی	وہ توبہ اور ندامت خاک کے برابر بھی نہیں ہے
آں ندم از ظلمت غم بست بار	پس کلام اللیل یمحوہ النہار
اس ندامت نے اس غم کی تاریکی کی وجہ سے بوجھ اٹھایا ہے	تو رات کی بات کو دن مٹا دیتا ہے
چوں برفت آں ظلمت و غم گشت خوش	ہم رود از دل نتیجہ و زادہ اش
جب وہ تاریکی ختم ہوئی اور غم خوشی بن گیا	دل سے اس کا نتیجہ اور پیداوار بھی چلی جاتی ہے
می کند او توبہ و پیر خرد	بانگ لوردو ولعادوا می زند
وہ توبہ کرتا ہے اور بوڑھی عقل	پکارتی ہے اگر وہ لوٹائے گئے تو پھر وہی کریں گے"

وہ مچھلی نادم ہو رہی تھی مگر عقل اس سے کہہ رہی تھی کہ حماقت تیرے ساتھ ہے اور حماقت کے ساتھ عہد کا ٹوٹنا لازم ہے۔ پس تیری یہ ندامت قائم رہنے والی نہیں ہے۔ وفائے عہد تو عقل کا کام ہے اور عقل تجھے ہے نہیں تو وفائے عہد کیونکر ممکن ہے اور عقل ہی کو اپنے پیمان یاد رہتے ہیں اور وہی پردۂ نسیان کو چاک کرتی ہے نہ کہ حماقت۔ پس چونکہ تجھے عقل نہیں ہے اس لئے نسیان تجھ پر حاکم اور تیری تدبیر کا باطل کرنے والا اور اس کا دشمن ہے۔ دیکھو عقل کے نہ ہونے سے پروانہ کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اس کو آگ اور اس کی سوزش اور اس کی آواز یاد نہیں رہتی۔ جب اس کے پر جلتے ہیں اس وقت وہ توبہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اب اس کے پاس نہ پھٹکوں گا مگر نسیان اسے پھر آگ سے بھڑا دیتا ہے اور وجہ اس کی یہی ہے کہ ضبط اور ادراک محفوظ رکھنا اور یادداشت عقل کا کام ہے کیونکہ عقل ہی ان کو رفعت دیتی ہے اور عقل ہے نہیں تو یہ باتیں کیونکر ہو سکتی ہیں۔ اس لئے کہ یہ امور تو عقل کے تابع ہیں پس جبکہ متبوع ہی نہ ہو تو توابع کیونکر ہو سکتے ہیں۔ مثلاً جب موتی ہی نہ ہو تو اس کی چمک کیسے ہو سکتی ہے۔ اسی طرح جبکہ عقل نہ ہو جو یاد دلانے والی ہے تو اس کا اس فعل سے رجوع کیونکر ہو سکتا ہے۔ خیر تو اس مچھلی کی یہ تمنا بھی اس کی بے عقلی سے ناشی ہے کیونکہ وہ نہیں جانتی کہ حماقت کی عادت کیا ہے۔ حماقت کی عادت یہ ہے کہ وہ عہد کو بھلا دیتی ہے پس اگر وہ یہ جانتی تو عہد بھی نہ کرتی کیونکہ سمجھتی کہ ایسی حالت میں عہد کرنا فضول ہے۔ رہی یہ بات کہ

ندامت کیوں نہیں رہتی سو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ندامت اثر ہے تکلیف کا اور روشن اور خزانہ کی طرح قابل قدر عقل کا نتیجہ نہیں ہے۔ لہٰذا جبکہ تکلیف نہیں رہتی تو ندامت بھی نہیں رہتی۔ پس ایسی توبہ اور ندامت خاک کی برابر بھی نہیں ظلمت غم سے بیس مرتبہ ندامت ہوتی ہے لیکن جب وہ ظلمت نہیں رہتی تو وہ ندامت بھی نہیں رہتی۔ اور اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے ہارون الرشید کی کنیزک نے کہا تھا کہ رات کی بات رات گئی اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ دن رات کی بات کو مٹا دیتا ہے اور جبکہ ظلمت غم جاتی رہی اور خوشی حاصل ہوگئی تو دل سے اس کا اثر جو اس سے پیدا ہوا تھا یعنی ندامت وہ بھی جاتا رہتا ہے۔ پس وہ پچھلی توبہ کرتی ہے مگر عقل تجربہ کار کہتی ہے کہ اگر پھر اس کو راحت ہو جاوے تو یہ پھر غافل ہو جاوے گی جیسے کہ حق سبحانہ کفار کی نسبت فرماتے ہیں کہ وہ دوزخ میں اپنے ناشائستہ افعال سے توبہ کریں گے اور کہیں گے کہ اگر ہم کو دنیا میں بھیج دیا جاوے تو ہم معاصی کا ارتکاب نہ کریں گے لیکن ان کا یہ بیان بالکل غلط ہے اگر ان کو پھر دنیا میں بھیج دیا جاوے تو یہ پھر معاصی کا ارتکاب کریں گے۔

در بیان آنکہ وہم قلب عقل ست وستیزۂ اوست و با او ماند و او نیست

اس کا بیان کہ وہم عقل کا کھوٹا سکہ اور اس کا مخالف ہے اور اس کے مشابہ ہے اور وہ نہیں ہے

عقل ضد شہوت ست اے پہلوان	آنکہ شہوت می تند عقلش مخواں
اے بہادر! عقل، شہوت کی ضد ہے	جو شہوت کا چکر کاٹے اس کو عقل نہ کہہ
وہم خوانش آنکہ شہوت را گداست	وہم قلب و نقد زر عقلہاست
اس کو وہم کہہ جو شہوت کا بھکاری ہے	وہم کھوٹا ہے اور عقلیں خالص سونا ہیں
بے محک پیدا نگردد وہم و عقل	ہر دو را سوی محک کن زود نقل
وہم اور عقل میں بغیر کسوٹی کے امتیاز نہیں ہوتا ہے	دونوں کو بہت جلد کسوٹی کی طرف نقل کر
ایں محک قرآن و حال انبیا	چوں محک مر قلب را گوید بیا
یہ کسوٹی قرآن اور انبیا کی سیرت ہے	کیونکہ کسوٹی کھوٹے کو کہتی ہے، آ جا
تا بہ بینی خویش راز آسیب من	کہ نہ اہل فراز و شیب من
تاکہ میری ضرب سے تو اپنے آپ کو دیکھ لے	کہ تو میرے نشیب و فراز کا اہل نہیں ہے
عقل را گر ارہ سازد دو نیم	ہمچو زر باشد در آتش او بسیم
اگر آرہ، عقل کے دو ٹکڑے کر دے	وہ سونے کی طرح آگ میں مسکرانے والی ہوگی

اور چونکہ بیان کیا تھا کہ عقل یہ کہتی وہ کہتی ہے اس لئے اب عقل کی حالت بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم جانتے ہو عقل کیا چیز ہے۔ عقل مخالف ہے خواہشات نفسانیہ کی پس جو قوت مدرکہ خواہشات نفسانیہ کے تابع ہوا سے عقل نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ جو شہوات کی مزاحمت نہ کرے اور ان کو آزاد چھوڑ دے اسے وہم کہنا چاہئے اب سمجھو کہ وہم ایک کھوٹا سونا ہے اور

کھرا سونا زرعقول ہے۔ رہی یہ بات کہ کھرا کھوٹا کیونکر معلوم ہو اس کے لئے ہم کہتے ہیں کہ یہ بات بدوں کسوٹی کے نہیں معلوم ہو سکتی۔ اور بدوں کسوٹی کے وہم و عقل میں امتیاز نہیں ہو سکتا۔ پس تم کو چاہیے کہ دونوں کو کسوٹی کے پاس لے جاؤ اور اس سے جانچو شاید تم کہو کہ کسوٹی کیا چیز ہے اس لئے ہم یہ بھی بتائے دیتے ہیں سنو۔ کسوٹی قرآن اور احوال انبیاء ہیں پس دونوں کے اقتضاءات کو ان سے ملا کر دیکھو جس کے اقتضاءات ان سے مل جاویں وہ عقل ہے اور جس کے نہ ملیں وہ وہم ہے یہ کسوٹی معروف کسوٹی کی طرح کھوٹے سونے (وہم) کو دعوت دیتی ہے کہ تو آ تا کہ تجھے میری تاثیر سے معلوم ہو کہ تیرا دعویٰ زری جھوٹا ہے اور تو میری جانچ کے قابل نہیں اور تو میرے امتحان میں پورا نہیں اتر سکتا۔ رہی عقل سو اس کی یہ حالت ہے کہ کسوٹی تو کسوٹی اگر اسے آرہ سے بھی دو ٹکڑے کر دیا جاوے تو وہ یوں ہی خنداں رہے گی جیسے آگ میں سونا۔

مجاوبات موسیٰ کہ صاحب عقل بود با فرعون کہ صاحب وہم بود

(حضرت) موسیٰ کے جو عقلمند تھے فرعون کے ساتھ سوال و جواب جو وہمی تھا

وہم مر فرعون عالم سوز را	عقل مر موسیٰ جاں افروز را
عالم سوز فرعون کے لئے وہم ہے	جان کو منور کرنے والے موسیٰ کے لئے عقل ہے
رفت موسیٰ بر طریق نیستی	گفت فرعونش بگو تو کیستی
(حضرت) موسیٰ فنا (کے مقام) کے طریقہ پر روانہ ہوئے	فرعون نے ان سے کہا، بتا تو کون ہے؟
گفت من عقلم رسول ذوالجلال	حجۃ اللہ ام امانم از ضلال
انہوں نے کہا میں عقل ہوں، ذوالجلال کا رسول ہوں	میں اللہ کی حجت ہوں، گمراہی سے امن (دلانے والا ہوں)
گفت نے خامش رہا کن ہائے وہوی	نسبت و نام قدیمت را بگوی
اس نے کہا چپ، ہائے و ہو ختم کر	اپنا پہلا نام اور نسبت بتا
گفت کہ نسبت مرا از خاکدانش	نام اصلم کمترین بندگانش
فرمایا میری نسبت اس کے خاکداں سے ہے	میرا اصلی نام "اس کا کمترین بندہ" ہے
بندہ زادہ آں خداوند وحید	زادہ از پشت جواری و عبید
اس خدائے واحد کا غلام زادہ ہوں	لونڈیوں اور غلاموں کی پشت سے پیدا ہوا ہوں
نسبت اصلم زخاک و آب و گل	آب و گل را داد یزداں جان و دل
میری اصل کی نسبت خاک اور پانی اور مٹی سے ہے	پانی اور مٹی کو خدا نے جان و دل عطا فرما دیا ہے
مرجع ایں جسم خاکم ہم بخاک	مرجع تو ہم بخاک اے سہمناک
میرے اس خاکی جسم کا مرجع خاک ہے	اے ظالم! تیرا مرجع بھی خاک ہے

اصل ما و اصل جملہ سرکشاں	ہست از خاکے و آنرا صد نشاں
ہماری اصل اور سب متکبروں کی اصل	خاک سے ہے اور اس کی سو نشانیاں ہیں
نے مدد از خاک می گیرد تنت	از غذای خاک فربہ گردنت
کیا تیرا جسم خاک سے مدد حاصل نہیں کرتا ہے؟	خاکی غذا سے تیری گردن موٹی ہے
چوں رود جاں می شود او باز خاک	اندراں گور مخوف سہمناک
جب روح نکل جائے گی وہ پھر خاک ہو جائے گا	خوفناک ڈراؤنی قبر میں
ہم تو وہم ما وہم اشباہ تو	خاک گردند و نماند جاہ تو
تو بھی اور ہم بھی اور تجھ جیسے بھی	خاک ہو جائیں گے اور تیرا رتبہ نہ رہے گا
گفت غیر ایں نسبت نامیت ہست	مر ترا آں نام خود اولیٰ ترست
اس نے کہا اس نسب کے علاوہ تیرا ایک اور نام ہے	وہ نام تیرے لئے زیادہ بہتر ہے
بندۂ فرعون و بندۂ بندگانش	کہ ازو پرورد اول جسم و جانش
فرعون کا غلام اور اس کے غلاموں کا غلام	جس سے شروع میں اس کے جسم و جان نے پرورش پائی
بندۂ باغی و طاغی و ظلوم	خزیں وطن بگریختہ از فعل شوم
تو ظالم اور سرکش باغی غلام ہے	برے کام کی وجہ سے تو اس وطن سے بھاگا ہے
خونی و غداری و حق ناشناس	ہم بریں اوصاف خود می کن قیاس
تو خونی ہے اور غدار ہے اور حق کو نہ پہچاننے والا ہے	اس پر اپنے اوصاف کو قیاس کر لے
در غریبی خوارد درویش و خلق	کہ ندانستی سپاس ماوحق
تو پردیس میں ذلیل ا ور محتاج اور شکستہ حال رہا	کیونکہ تو حق اور ہماری شکر گزاری کو نہ سمجھا
گفت حاشا کہ بود باآں ملیک	درخداوندی کس دیگر شریک
انہوں نے فرمایا خدا بچائے کہ اس مالک کے ساتھ ہو	کوئی دوسرا شریک خدائی میں
واحد اندر ملک اورا یار نے	بندگانش راجز او سالار نے
وہ سلطنت میں اکیلا ہے اور اس کا کوئی مددگار نہیں ہے	اس کے بندوں کا اس کے علاوہ سردار نہیں ہے
نیست خلقش را دگر کس مالکے	شرکتش دعویٰ کند جز ہالکے
اس کی مخلوق کا کوئی دوسرا شخص مالک نہیں ہے	اس کی شرکت کا (کون) دعویٰ کرے سوائے برباد ہونے والے کے

نقش او کردہ است و نقاش من اوست	غیر اگر دعویٰ کند او ظلم جوست
اس نے صورت بنائی ہے اور میرا صورتگر وہی ہے	غیر اگر دعویٰ کرے تو وہ ظالم ہے
تو نتانی ابروئے من ساختن	چوں توانی جان من بشناختن
تو میری ابرو (بھی) نہیں بنا سکتا	تو میری جان کو کیسے پہچان سکتا ہے؟
بلکہ آں غدار و آں طاغی توئی	کہ کنی باحق تو دعویٰ دوئی
بلکہ تو وہ غدار اور سرکش ہے	جو خدا کے ساتھ دوئی کا دعویٰ کرتا ہے
گر بکشتم من عوانے را بسہو	نے برائی نفس کشتم نے بلہو
اگر میں نے ایک ظالم کو بھولے سے مار ڈالا	تو نفس کے لئے نہیں مارا نہ کھیل سے
من زدم مشتے ونا گہ اوفتاد	آنکہ جانش خود نہ بد جانے بداد
میں نے ایک مکا مارا اچانک گر پڑا	جس میں خود جان نہ تھی اس نے جان دیدی
من سگے کشتم تو مرسل زادگاں	صد ہزاراں طفل بے جرم وزیاں
میں نے ایک کتے کو مارا، تونے رسول کی اولاد کے	لاکھوں بے خطا اور بے قصور بچے
کشتۂ و خون شاں در گردنت	تا چہ آید برتو زیں خود خوردنت
قتل کئے ہیں اوران کا خون تیری گردن پر ہے	دیکھ تیری خون آشامی کا کیا وبال تجھ پر آئے گا؟
کشتہ ذریت یعقوبؑ را	برامید قتل من مطلوب را
تو نے (حضرت) یعقوبؑ کی اولاد کو قتل کیا ہے	میرے قتل کی امید پر جو (تیرا) مقصود تھا
کوری تو حق مرا خد برگزید	سرنگوں شد انچہ نفست می پزید
تیرے اندھے پن کے لئے خدا نے مجھے چن لیا	تیرا نفس جو (خیال) پکا رہا تھا وہ اندھا ہو گیا
گفت اینہا را بہل بے ہیچ شک	ایں بود حق من و نان و نمک
اس (فرعون) نے کہا ان (باتوں) کو چھوڑ، بلاشک	میرا اور نان و نمک کا یہی حق تھا
کہ مرا پیش حشر خواری کنی	روز روشن بردلم تاری کنی
کہ تو مجمع کے سامنے میری توہین کرے	اور روشن دن کو میرے دل پر تاریک کر دے
گفت خواری قیامت صعب تر	گر نداری پاس من در خیر و شر
(موسیٰ نے) فرمایا کہ قیامت کی ذلت بہت سخت ہے	اگر تو اچھائی اور برائی میں میرا لحاظ نہ کریگا

زخم کیکے رانمی تانی کشید	زہر مارے راتو چوں خواہی چشید
جب تو ایک مچھر کا زخم برداشت نہیں کر سکتا	سانپ کے زہر کو کیسے چکھے گا؟
ظاہراً کار تو ویراں می کنم	لیک خارے را گلستان
میں بظاہر تیرا کام تباہ کر رہا ہوں	لیکن میں کانٹے کو گلستان بنا رہا ہوں

مولانا نے اوپر عقل اور وہم کا تشابہ بیان کیا تھا اور امتیاز کے لئے کسوٹی کی ضرورت بتلائی تھی اب دونوں کے امتیاز کو ایک مثال سے ظاہر فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہم تو فرعون عالم سوز کے لئے حاصل تھا اور عقل موسیٰ علیہ السلام کے لئے جو کہ جان کو منور کرنے والے ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا اور کہا کہ بتلاؤ تم کون ہو اس پر انہوں نے طریق فنا اختیار کیا کہا میں اپنی ذات سے کچھ نہیں ہوں۔ ہاں حق سبحانہ کا صاحب عقل رسول اور اس کے بندوں پر اس کی حجت اور ان کے لئے گمراہی سے امان ہوں یہ سن کر فرعون نے کہا کہ بس چپ رہو اور ان فضولیات کو ختم کرو۔ اور اپنا پرانا نسب اور نام بیان کرو۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ آپ بڑا نسب یہ سمجھیں کہ میں خاک سے پیدا ہوا ہوں اور میرا اصلی نام خدا کا ایک ادنیٰ غلام ہے میں اس خدائے یکتا کے بندہ کا بیٹا ہوں اور اس کے غلاموں اور لونڈیوں سے پیدا ہوا ہوں۔ اصل نسب یہ ہے کہ میں خاک اور آب وگل سے پیدا ہوا ہوں اور حق سبحانہ نے آب وگل کو دل وجان عطا فرمائے ہیں یہ تو میری ابتدائی حالت تھی اب انتہائی حالت بتاتا ہوں میرا یہ جسم خاکی خاک ہی میں لوٹ بھی جاوے گا۔ اور صرف میں ہی نہیں بلکہ تو بھی خاک ہی میں لوٹے گا۔ غرض کہ ہم مطیعین حق سبحانہ اور تم سب سرکشوں کی اصل خاک ہے اور اس کی سینکڑوں علامتیں ہیں۔ دیکھو کیا تمہارا جسم خاک سے مدد نہیں لیتا اور غذائے خاکی سے تمہاری گردن موٹی نہیں ہوتی ضرور ہوتی ہے پس یہ کھلی علامت ہے تمہارے خاکی ہونے کی۔ جب تمہارا خاکی ہونا ظاہر ہو گیا تو اب میں کہتا ہوں کہ وہ روح ہے جس نے اس کو خاک سے علیحدہ کر رکھا ہے۔ جب وہ چلی جائے گی تو پھر یہ جسم ڈراؤنی قبر میں جا کر خاک میں مل جاوے گا اور ہم کو بھی اسی پر قیاس کر لو۔ پس ثابت ہوا کہ تو اور ہم اور تیرے تمام اشباہ وامثال خاک ہو جائیں گے اور تیرا جاہ قائم نہ رہے گا۔ یہ سن کر فرعون نے کہا کہ نہیں اس نسب کے علاوہ تمہارا ایک اور نام بھی ہے اور تمہارے لئے اس نام کا لینا زیادہ اولیٰ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تو وہ عبد فرعون اور اس کے غلاموں کا غلام ہے جس نے اس (فرعون) کے ذریعہ سے ابتداء سے اپنے جسم وجان کو پالا ہے اور تو اس کا ایک باغی اور سرکش اور ظالم غلام ہے جو اپنے منحوس فعل کے سبب اس کے پاس سے بھاگ گیا ہے اور بے وفا اور ناحق شناس ہے۔ یہ تیرے مختصر اوصاف ہیں تو اپنے دیگر اوصاف کو بھی انہیں پر قیاس کر لے۔ مثلاً تو غریب الوطنی میں ذلیل اور محتاج اور چیتھڑوں لگا ہے جس نے ہمارا شکر اور حق نہیں پہچانا اور اس کی بدولت اس حال کو پہنچا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا حاشا کہ اس شہنشاہ حقیقی کے ساتھ اس کی خدائی میں کوئی اور شریک ہو وہ اپنے ملک میں یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور وہی اپنے بندوں کا حاکم ہے اس کے سوا کوئی اور حاکم نہیں اپنی مخلوق کا وہی مالک ہے اس کے سوا کوئی مالک نہیں اس کی شرکت کا کون دعویٰ کر سکتا ہے۔ بجز اس کے جو تباہ اور برباد ہونے والا ہو

میری تصویر اسی نے بنائی ہے اور میرا مصور وہی ہے اگر کوئی اور اس امر کا دعویٰ کرے تو وہ ظالم ہے تو میرا ایک ابرو نہیں بنا سکتا۔ پھر تو میری جان کا پیدا کرنا کیا جانے اور تو جو مجھے غدار وغیرہ کہتا ہے تو میری نسبت تو یہ الزام غلط ہے ہاں تو خود غدار اور سرکش ہے کہ حق سبحانہ کے ساتھ مشارکت کا مدعی ہے رہا یہ الزام کہ میں نے ایک پولیس مین کو قتل کیا یہ الزام ایک حد تک صحیح ہے۔ لیکن مجھ سے زیادہ اس جرم کا تو مجرم ہے کیونکہ اگر میں نے ایک پولیس مین کو خطاءً مار ڈالا ہے تو در حقیقت میں نے کوئی جرم نہیں کیا کیونکہ میں نے اسے نہ کسی خواہش نفسانی کی بناء پر مارا ہے اور نہ فضول مارا ہے۔ بلکہ حقیقت اس کی یہ ہے کہ میں نے اس کے ایک گھونسہ مارا تھا اس سے وہ دفعۃً گر گیا۔ اور جس میں خود ہی جان نہ تھی۔ اس مردہ (روحانی) نے جان دیدی۔ خلاصہ یہ کہ میرا قصد اس کے قتل کا نہ تھا بلکہ وہ قتل اتفاقی تھا۔ پھر وہ چنداں معصوم الدم بھی نہ تھا کیونکہ کافر تھا۔ پس اگر میں نے ایک کتے کو خطاءً مار ڈالا تو کوئی جرم نہیں کیا۔ تو نے تو لاکھوں پیغمبر زادوں کو بے جرم اور بے قصور قتل کیا ہے اور تیری گردن پر ان کا خون ہے دیکھیے اس قدر خونخواری کا تجھ پر کیا وبال پڑتا ہے۔ تو نے اولاد یعقوب علیہ السلام کو قتل کیا ہے اس امید پر کہ تو مجھے جس کا قتل تجھے مقصود بالذات ہے قتل کر دے لیکن تیری آنکھوں میں خاک جھونک کر حق سبحانہ نے محفوظ رکھا اور برگزیدہ کیا اور جو خیالات تیرا نفس پکار رہا تھا ان کو منقلب کر دیا اس پر فرعون نے جواب دیا کہ ان باتوں کو چھوڑ اور یہ بتا کہ کیا میرا اور میرے نان و نمک کا یہی حق ہے کہ تو مجھے میری جماعت کے روبرو ذلیل کرتا ہے اور روز روشن کو مجھ پر تاریک کرتا ہے۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ اس ذلت سے کیا ڈرتا ہے قیامت کی رسوائی سے ڈر وہ زیادہ سخت ہے۔ جو تجھے لامحالہ حاصل ہوگی۔ اگر تو بھلائی اور برائی میں میرا لحاظ نہ رکھے گا۔ اور میری اطاعت نہ کرے گا تو غور تو کر کہ جب تو ایک پسو کے ڈنک کی تکلیف یعنی معمولی ذلت نہیں برداشت کر سکتا تو سانپ کا زہر (اتنی بڑی رسوائی) کیونکر پی سکتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ میں بظاہر تیرا بنا بنایا کھیل بگاڑ رہا ہوں لیکن حقیقت میں کانٹے کو گلستاں اور تجھ ناقابل کو قابل بنا رہا ہوں۔

بیان آنکہ عمارت در ویرانی است و جمعیت در پریشانی و درستی در شکستگی و مراد در بے مرادی و وجود در عدم وعلیٰ ھٰذا البقیۃ الاضداد والازواج

اس کا بیان کہ تعمیر تخریب میں اور دل جمعی پریشانی میں اور درستی شکستگی میں اور مراد بے مرادی میں اور وجود عدم میں ہے اسی پر بقیہ ضدوں اور جوڑوں کو قیاس کر

آں یکے آمد زمیں رامی شگافت	ابلہے فریاد کرد و بر نتافت
ایک شخص آیا زمین کھودنے لگا	ایک احمق نے شور کیا اور برداشت نہ کر سکا
کایں زمیں را از چہ ویراں می کنی	می شگافی و پریشاں می کنی
کہ تو اس زمین کو کیوں ویران کرتا ہے؟	کھود رہا ہے اور بکھیر رہا ہے
گفت اے ابلہ برو بر من مراں	تو عمارت از خرابی باز داں
اس نے کہا اے احمق! جا مجھ پر (حکم) نہ چلا	(پہلے) تعمیر اور تخریب کے فرق کو سمجھ لے

کے شود گلزار و گندم زار ایں	تانگردد زشت وویراں ایں زمیں
یہ چمن اور گیہوں کا کھیت کب بن سکتی ہے؟	جب تک یہ زمین بدنما اور ویران نہ ہو
کےشود بستان وکشت وبرگ وبر	تانگردد نظم او زیر و زبر
باغ اور کھیتی اور پتے اور پھل کیونکر ہوں	جب تک اس کی ترتیب زیر و زبر نہ ہو
تانہ بشگافی بہ نشتر ریش چغز	کے شود نیکوو کے گردید نغز
جب تک تو نشتر سے بدزخم کو نہ چیرے	وہ اچھا اور شفایاب کب ہو سکتا ہے؟
تانسوزد خلطہایت از دوا	کے رود سوزش کجا یا بد شفا
جب تک دوا سے تیری رطوبتیں نہ جلیں	اس کو فائدہ کب ہوسکتا ہے اور شفایاب کب ہوسکتا ہے؟
پارہ پارہ کردہ درزی جامہ را	کس زند آں درزی علامہ را
درزی نے کپڑے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا	اس ماہر درزی کو کون مارتا ہے؟
کہ چرا ایں اطلس برگزیدہ را	بردریدی چہ کنم بدریدہ را
کہ اس منتخب اطلس کو کیوں	تو نے پھاڑا؟ میں پھٹے ہوئے کا کیا کروں؟
ہر بنائے کہنہ کا باداں کنند	نے کہ اول کہنہ را ویراں کنند
جس پرانی بنیاد کو آباد کرتے ہیں	کیا پہلے پرانے کو ویران نہیں کرتے ہیں؟
ہمچنیں نجار واحداد و قصاب	ہست شاں پیش ازعمارتہا خراب
اسی طرح بڑھئی اور لوہار اور قصائی	تعمیرات سے پہلے ان کی تخریب ہے
آں ہلیلہ واں بلیلہ کوفتن	زاں تلف کردند معموری تن
ہیڑ اور بہیڑے کا کوٹنا	اس بربادی سے (لوگوں نے) جسم کی تعمیر کی ہے
تانکوبی گندم اندر آسیا	کے شود آراستہ زاں خوان ما
جب تک تو گیہوں کو چکی میں نہ پیسے گا	اس سے ہمارا دستر خوان کب آراستہ ہو گا

اب مولانا مضمون سابق کو امثلہ سے واضح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک شخص زمین کو (ہل وغیرہ سے) پھاڑ رہا تھا ایک احمق کو دیکھ کر تاب نہ رہی اور چلا اٹھا کہ ارے زمین کو کیوں خراب کر رہا ہے اور اسے کیوں پھاڑتا اور پراگندہ کرتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ او بیوقوف جا اپنا کام کر اور مجھ سے مت الجھ پہلے تو یہ سیکھ کہ سنوارنا کسے کہتے ہیں اور بگاڑنا کسے۔ بھلا تو یہ تو بتا کہ جب تک یہ زمین خراب اور ویران نہ ہوگی اس وقت تک باغ اور گیہوں کا کھیت کیسے بن سکتی

ہے اور جب تک یہ زمین تلپٹ نہ ہوگی اس وقت تک اس سے باغ اور کھیتی اور پتے اور پھل کیسے پیدا ہو سکتے ہیں اور جب تک تو نشتر سے منہ بند زخم کو نہ چیرے گا اس وقت تک وہ کیسے اچھا ہو سکتا ہے۔ اور جب تک دوا سے تیری اخلاط فاسدہ فنا نہ ہوں گی اس وقت تک تیری تکلیف کیونکر دور ہوگی اور تجھے شفا کیسے حاصل ہوگی دیکھ درزی کپڑے کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا ہے لیکن کبھی کوئی شخص اس درزی کامل سے یہ کہتا ہے کہ تو نے اس اعلیٰ درجہ کے اطلس کو کیوں پھاڑا اب میں اس پھٹے ہوئے کو کیا کروں اور دیکھ جس پرانی عمارت کو تعمیر کرتے ہیں کیا اول اسے گراتے نہیں ہیں ضرور گراتے ہیں علیٰ ہذا بڑھئی لوہار قصاب سب یہی کرتے ہیں کہ اصلاح سے پہلے افساد کرتے ہیں۔ علیٰ ہذا ہلیلہ و بلیلہ کو کوٹ کر ان کے جسم کو خراب کرتے ہیں اور پھر ان کو تلف کر کے جسم کی اصلاح کرتے ہیں اور دیکھ جب تک گیہوں کو چکی میں نہ پیسا جاوے اس وقت تک ہمارا دستر خوان کھانوں سے کیونکر مالا مال ہو سکتا ہے۔ ان تمام وجوہ سے معلوم ہوا کہ اصلاح سے پہلے افساد ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ظاہر اکار تو ویران میکنم الخ نہایت درست ہے۔

جواب دادن موسیٰ علیہ السلام فرعون را در تہدید او

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کو جواب دینا اس کی دھمکی کے بارے میں

ایں تقاضا کرد آں نان و نمک	کہ ز شستت وار ہانم اے سمک
اس نان و نمک نے یہ چاہا	کہ اے مچھلی! تجھے میں کانٹے سے بچا دوں
گر پذیری پند موسیٰ وارہی	از چنیں شست بدنا منتہی
اگر تو موسیٰ کی نصیحت کو قبول کرلے گا تو نجات پا جائیگا	ایسے برے ختم نہ ہونے والے کانٹے سے
بسکہ خود را کردۂ بندہ ہوا	کرمکے را کردۂ تو اژدہا
تو نے اپنے آپ کو خواہش کا ایسا غلام بنا لیا ہے	(کہ) تو نے کیڑے کو اژدھا بنا لیا ہے
اژدہا را اژدہا ' آوردہ ام	تا باصلاح آورم من دمبدم
میں اژدہے کے لئے اژدہا لایا ہوں	تاکہ میں اصلاح کے لئے ہر وقت کام میں لاؤں
تادم آں ازدم ایں بشکند	مار من آں اژدہا را برکند
تاکہ اس کی پھنکار کو اس کی پھنکار دبا دے	میرا سانپ اس اژدھے کو برباد کر دے
گر رضا دادی رہیدی از دو مار	ورنہ از جانت برآرد آں دمار
اگر تو راضی ہوگیا ' تو دونوں سانپوں سے بچ گیا	ورنہ وہ تیری جان کو ہلاک کر دے گا

اب پھر موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ تو جو مجھے اپنے احسانات یاد دلاتا ہے اس کے متعلق یہ ہے کہ تیرے احسانات ہی کا سبب ہے کہ میں تجھے اس پھندے سے

چھڑانا چاہتا ہوں۔ پس اگر تو میری نصیحت مان لے گا تو اس لانہایت اور برے پھندے سے نجات پا جاوے گا۔ ورنہ ہمیشہ اس میں محبوس رہے گا۔ چونکہ تو نے اپنے کو اپنی خواہشات نفسانیہ کا غلام بنا دیا ہے اور اپنے کیڑے کی طرح ضعیف نفس اژدہا بنا لیا ہے اس لئے میں بھی اس اژدہائے نفس کے مقابلہ کے لئے ایک اژدہائے عصا لایا ہوں تاکہ میں ہر وقت اس کی اصلاح کرتا رہوں۔ اور اس کی شوکت وقوت کو اس کے ذریعہ سے توڑتا رہوں۔ اس وقت تو دو اژدھوں کے درمیان میں پھنسا ہوا ہے۔ ایک اژدہائے نفس ہے اور دوسرا اژدہا عصا پس اگر تو میری اطاعت پر رضامند ہو جاوے تو تو ان دونوں سے بچ جاوے گا۔ ورنہ یہ دونوں تجھے ہلاک کر ڈالیں گے۔

جواب فرعون موسیٰ علیہ السلام را وتہدید او

فرعون کا حضرت موسیٰ کو جواب دینا اور اس کی دھمکی

گفت الحق سخت استا جادوئی	کہ درافگندی بمکر اینجا دوئی
اس نے کہا یقیناً تو جادو کا بڑا استاد ہے	کہ تو نے مکر سے یہاں اختلاف پیدا کر دیا
خلق یک دل را تو کردی دو گروہ	جادوئی رخنہ کند در سنگ و کوہ
تو نے ایک دل مخلوق کو دو گروہ کر دیا	تیری جادوگری پتھر اور پہاڑ میں شگاف ڈالتی ہے

نفی کردن موسیٰ علیہ السلام جادوئی وسحر را از خود

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے بارے میں سحر اور جادوگری کا انکار کرنا

گفت ہستم غرق پیغام خدا	جادوئی کہ دید با نام خدا
انہوں نے فرمایا میں خدا کے پیغام میں مستغرق ہوں	خدا کے نام کے ساتھ جادوگری کس نے دیکھی ہے؟
غفلت و کفرست مایہ جادوئی	مشعلہ دینست جان موسوئی
جادوگری کا (اللہ سے) غفلت اور کفر پر ہے	موسیٰ کی جان دین کی مشعل ہے
من بجادویاں چہ مانم اے وقیح	کز دمم پر رشک می گردد مسیح
اے بے شرم! میں جادوگروں سے کیسے مشابہ ہوں؟	کہ میرے دم سے مسیح پر رشک بنتے ہیں
من بجادویاں چہ مانم اے جنب	کہ ز جانم نور می گیرد کتب
اے ناپاک! مجھے جادوگروں سے کیا مشابہت ہے؟	میری جان سے کتابیں نور حاصل کرتی ہیں
من بجادویاں چہ مانم اے خبیث	کز خدا نازل شود بر من حدیث
اے خبیث! مجھے جادوگروں سے کیا مشابہت ہے؟	کیونکہ خدا کی جانب سے مجھ پر کلام نازل ہوتا ہے

چوں تو باپر ہوا بری پری | لاجرم بر من گماں آں می بری

تو چونکہ ہوس کے پردوں سے اڑتا ہے | لامحالہ مجھ پر بھی وہی گمان کرتا ہے

ہر کرا افعال دام و دد بود | بر کریمانش گمان بدبود

جس کے چرندوں اور درندوں کے کام ہوں | اس کا بھلوں کے بارے میں برا گمان ہوتا ہے

چوں تو جزو عالمی پس اے مہیں | کل رابر وصف خود بینی غوی

چونکہ تو دنیا کا جزو ہے اس لئے اے ذلیل! | تو مجموعہ کو اپنی صفت کے مطابق گمراہ سمجھتا ہے

گر تو برگردی و برگردد سرت | خانہ را گردندہ بیند منظرت

اگر تو چکر کاٹے اور تیرا سر چکرائے | تیری آنکھ، گھر کو گھومنے والا دیکھے گی

ور تو در کشتی روی بریم رواں | ساحل یم را ہمی بینی دواں

اگر چلتے. دریا پر تو کشتی میں چلے | دریا کے کنارے کو دوڑتا ہوا دیکھے گا

گر تو باشی تنگدل از ملحمہ | تنگ بینی جملہ دنیا راہمہ

اگر تو جنگ سے تنگدل ہے | تو پوری دنیا کی فضا کو تنگ سمجھے گا

ور تو خوش باشی بکام دوستاں | اینجہاں بنمایدت چوں گلستاں

اگر تو دوستوں کے مقصد کے مطابق خوش ہے | یہ دنیا تجھے چمن جیسی نظر آئے گی

اے بسا کس رفتہ تا شام و عراق | او ندیدہ ہیچ جز کفر و نفاق

بہت سے انسان شام اور عراق گئے | انہوں نے کفر اور نفاق کے سوا کچھ نہ دیکھا

وے بسا کس رفتہ تا ہند و ہرے | او ندیدہ جز مگر بیع و شرے

بہت سے لوگ ہندوستان اور ہرات تک گئے | انہوں نے سوائے خرید و فروخت کے کچھ نہ دیکھا

وے بسا کس رفتہ ترکستان و چیں | او ندیدہ ہیچ جز مکر و کمیں

بہت سے لوگ چین اور ترکستان گئے | انہوں نے مکر اور گھات کی جگہ کے علاوہ کچھ نہ دیکھا

طالب ہر چیز اے یار رشید | جز ہماں چیزے کہ میجوید ندید

اے بھلے دوست! ہر چیز کے طلبگار نے | اسی چیز کو دیکھا جس کو وہ تلاش کرتا تھا

چوں ندارد مدرکے جز رنگ و بو | جملہ اقلیمہا راگو بجو

جبکہ اس کا محسوس سوائے رنگ و بو کے کچھ نہیں ہے | کہہ دے کہ سارے ممالک ڈھونڈ لے

گاو در بغداد آمد ناگہاں	بگذرد او زیں سراں تا آں سراں
بیل اچانک بغداد میں آ گیا	اس جانب سے اس جانب گزر گیا
از ہمہ عیش و خوشیہا و مزہ	او نہ بیند جز کہ قشر خربزہ
تمام عیش اور خوشیوں اور مزے میں	وہ سوائے خربوزے کے چھلکے کے نہیں دیکھتا ہے
کہ بود افتادہ در راہ یا حشیش	لائق سیران گاوی یا خریش
جو راستہ میں پڑا ہو یا گھاس	جو گائے کی رفتار اور اس کی حماقت کے لائق ہے
خشک بر میخ طبیعت چوں قدید	بستہ اسباب و جانش لا یزید
وہ طبیعت کی میخ پر گوشت کے ٹکڑے کی طرح خشک ہے	وہ اسباب سے وابستہ ہے اس کی جان میں اضافہ نہیں ہوتا ہے
واں فضای خرق اسباب و علل	ہست ارض اللہ اے صدر اجل
اسباب اور علتوں کی شکست کی فضا	اے صدر اعظم! اللہ کی زمین ہے
ہر زماں مبدل شود چوں نقش جاں	نو بنو بیند جہانے در عیاں
جبکہ روح کا نقش ہر وقت تبدیل ہوتا رہتا ہے	تو وہ مشاہدہ میں ایک تازہ بتازہ جہان دیکھتا ہے
گر بود فردوس و انہار بہشت	چوں فسردہ یک صفت شد گشت زشت
خواہ فردوس اور جنت کی نہریں ہوں	جب ٹھٹھر کر ایک صفت بن جائیں تو بری ہیں
اے زغفلت از مسبب بے خبر	بندۂ اسباب گشتی ہمچو خر
اے وہ کہ غفلت کی وجہ سے سبب پیدا کرنے والے سے بے خبر ہے	تو گدھے کی طرح اسباب کا بندہ بن گیا ہے
لاجرم اعمیٰ دل و سرگشتۂ	مضطرب احوال و مضطر گشتۂ
لامحالہ تو دل کا اندھا اور دیوانہ ہو گیا ہے	پریشان حال اور مجبور ہو گیا ہے
چشم بکشا و مسبب رانگر	تا شوی فارغ ز اسباب
آنکھ کھول اور سبب پیدا کرنے والے کو دیکھ	تاکہ تو نقصان کے اسباب سے نجات پا جائے

یہ سن کر فرعون نے کہا کہ واقعی بات یہ ہے کہ تو نہایت کامل جادوگر ہے تو نے اپنے مکر سے ہمارے لوگوں میں تفرقہ ڈال دیا۔ لوگ متحد و متفق تھے تو نے ان کو دو گروہ کر دیا اور تجھ سے یہ کچھ بعید نہیں کیونکہ جادوگر تو پتھر اور پہاڑ میں روزن کر دیتا ہے اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں پیغام خداوندی میں غرق ہوں اور ہر دم مجھ پر وحی آتی رہتی ہے ایسی حالت میں جادوگر کیسے ہو سکتا ہوں کیونکہ جادوگری تو نام خدا سے بھی ضد ہے چہ جائیکہ پیغام خدا کے ساتھ جمع ہو جادوگری کا مادہ تو

غفلت از خدا اور کفر ہے۔ پس میں جادوگر کیسے ہوسکتا ہوں کیونکہ میری جان تو مشعل دین ہے او بے شرم تو سوچ تو سہی کہ میں جادوگروں سے کیا مناسبت رکھتا ہوں۔ کیونکہ میری شان تو احیائے ارواح میں ایسی ہے کہ اس پر دیگر کاملین کو جو اپنے اندر صفت احیاء ارواح رکھتے ہیں رشک ہوتا ہے اور او ناپاک میں جادوگروں سے کیا مشابہ ہوسکتا ہوں۔ کیونکہ میری جان سے تو آسمانی کتابوں کو نور حاصل ہوتا ہے۔ یعنی میری جان ہی ان کے نزول اور ان کی رونق ورواج کا سبب ہے اور او خبیث مجھ میں جادوگروں کی کیا بات ہوسکتی ہے کیونکہ مجھ پر تو خدا کا کلام نازل ہوتا ہے جو منافی ہے جادوگری کے۔ بات یہ ہے کہ چونکہ تو خواہشات نفسانیہ کے پروں سے اڑتا ہے اس لئے تو مجھ پر بھی یہ گمان کر ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جس کسی کے افعال چوپایوں اور درندوں کے سے ہوتے ہیں وہ اچھے لوگوں پر بھی بدگمانی کرتا ہے اور راز اس کا یہ ہے کہ تو عالم کا ایک جزو ہے اس لئے جو صفت تیری ہوتی ہے تو بقیہ عالم کو بھی اسی صفت پر سمجھتا ہے کیونکہ تو سمجھتا ہے کہ ایک شے کے تمام اجزاء میں آپس میں تشابہ ہوتا ہے اب ہم مضمون بالا کو دوسری مثالوں سے سمجھانا چاہتے ہیں۔ دیکھ جب تو گھومتا ہے یا تیرا سر چکراتا ہے تو تجھے گھر گھومتا دکھائی دیتا ہے۔ اور اگر کشتی میں سوار ہو کر دریا پر چلتا ہے تو دریا کے کنارہ کو دوڑتا ہوا دیکھتا ہے اور اگر تو کسی سخت مصیبت سے تنگ دل ہوتا ہے تو تجھے تمام دنیا تنگ نظر آتی ہے کما قال سبحانہ تعالیٰ وضاقت علیہم الارض بما رحبت علیٰ ہذا اگر تو خوش ہوتا ہے جیسا کہ تیرے دوست تیرے لئے چاہتے ہیں تو یہ تمام دنیا تجھے گلزار معلوم ہوتی ہے علیٰ ہذا بہت سے لوگ شام و عراق تک کا دور و دراز سفر کرتے ہیں مگر اس طویل سفر میں انہیں بجز کفر ونفاق کے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ اور بہت سے لوگ ہندوہرات کی مسافت طویلہ قطع کرتے ہیں مگر انہیں صرف بیع وشریٰ ہی دکھائی دیتی ہے اور کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ اور بہت سے لوگ ترکستان اور چین کا سفر کرتے ہیں مگر انہیں بجز مکر وفریب کے اور کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ کیونکہ وہ خود ان صفات کے ساتھ موصوف ہوتا ہے اور ان ہی کو طلب کرتا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو شخص جس چیز کا طالب ہوتا ہے وہ اپنے مطلوب ہی کو دیکھتا ہے اور اس کے سوا اسے کچھ نظر نہیں آتا۔ چنانچہ جو شخص صرف رنگ و بو کا ادراک کرتا ہے خواہ وہ تمام دنیا میں گھوم جاوے مگر اسے وہی دکھلائی دے گا۔ دیکھو ایک گائے بغداد سے پر از عجائب وغرائب شہر میں آتی ہے اور اس سرے سے اس سرے تک چلی جاتی ہے لیکن تمام عیشوں اور خوشیوں اور مزوں وغیرہ کو چھوڑ کر اس کی نظر صرف خربوزہ کے چھلکوں پر پڑتی ہے جو کہ راستہ میں پڑے ہوتے ہیں یا گھاس وغیرہ پر پڑتی ہے جو کہ گائے یا اس کی حماقت کی رفتار کے مناسب ہے۔ یعنی جس کے لئے اس کی رفتار ہوتی ہے اور مولانا نے بیان فرمایا تھا کہ جب کوئی ایک مطلوب کو مطمح نظر بنا لیتا اور اس کا پابند ہو جاتا ہے تو اس کی نظر سے مطلوب کے علاوہ اور اشیاء غائب ہو جاتے ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ جب کوئی اسباب کو اپنا مطمح نظر بنالے تو مسبب سے غافل ہو جائے اس لئے مولانا یہاں سے اسباب کو مطمح نظر بنا لینے کی مذمت کرتے ہیں اور مسبب کو مطمح نظر بنانے کی ترغیب دیتے ہیں۔ آدمی صور نوعیہ کی کھونٹی پر لٹکا ہوا خشک گوشت کی طرح سوکھ جاتا ہے اور پابند اسباب ہوتا ہے اور اس کی جان کوئی ترقی نہیں کرتی۔ حالانکہ خرق اسباب وعلل کا میدان خدا کی ایک کشادہ زمین ہے۔ جس میں وہ غیر متناہی یعنی لاتقف عند حد ترقی کرسکتی ہے اس لئے اس کو ترقی کرنی چاہئے کیونکہ جس وقت جان کی صورت ہر وقت بدلتی رہتی ہے اور وہ ہر آن ترقی کرتی رہتی ہے اس وقت اس کو ہر دم ایک نیا عالم نظر آتا ہے۔ یعنی علوم جدیدہ اور واردات غریبہ اس پر فائض ہوتے ہیں اور یہ حالت اس کی نہایت اچھی ہوتی ہے لیکن اگر وہ ایک ہی صفت پر جم کر رہ جاوے اور ترقی نہ کرے تو کسی کام کی بھی نہیں۔

کیونکہ قاعدہ ہے کہ اگر فردوس بریں اور جنت کی نہریں بھی ایک صفت پر جم کر رہ جاویں تو ان سے بھی جی بھر جاتا ہے اور بری معلوم ہونے لگتی ہیں۔ پس اے وہ شخص جو اپنی غفلت کے سبب مسبب سے غافل ہو گیا ہے اور بندۂ اسباب ہو گیا ہے جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ کور دل، حیران اور پراگندہ حال اور بے چین ہو گیا ہے اور سکون قلب تیرا جاتا رہا ہے۔ تو آنکھ کھول اور مسبب کو دیکھ تا کہ تو اسباب ضرر سے مطمئن رہے اور کوئی مضرت دینی مجھے لاحق نہ ہو۔

بیان آنکہ ہر حس مدرک را از آدمی نیز مدرکاتے دیگرست کہ از مدرکات آں حس دیگر بے خبرست چنانکہ ہر پیشہ ور استاد اعجمی از کار اوستاد دیگرے بے خبرست و بے خبری او از انکہ وظیفۂ او نیست، دلیل نبود کہ آں مدرکات نیست

اس کا بیان کہ انسان کی ہر ادراک کرنے والی حس کے معلومات دوسرے ہیں جن کی دوسری حس کو خبر نہیں ہے جیسا کہ ہر عجمی پیشہ ور استاد دوسرے استاد کے کام سے بے خبر ہے اور اس کی بے خبری اس لئے ہے کہ یہ اس کا کام نہیں ہے اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ مدرکات نہیں ہیں

چنبرہ دید جہاں ادراک تست	پردۂ پاکاں حس ناپاک تست
دنیا کو دیکھنے کا دائرہ تیرا ادراک ہے	تیری ناپاک حس، پاک لوگوں کا پردہ ہے
مدتے حس را بشوز آب عیاں	اینچنیں داں جامہ شوی صوفیاں
مشاہدہ کے پانی سے حس کو ایک مدت تک دھوتا رہ	صوفیوں کی جامہ شوئی اسی طرح کی سمجھ
چوں شدی تو پاک پردہ بر کند	جان پاکاں خویش را بر تو زند
جب تو پاک ہو جائے گا پردہ اٹھ جائے گا	پاک لوگوں کی جان اپنے آپ کو تجھ پر نمایاں کر دیگی
جملہ عالم گر بود نور و صور	چشم را باشد ازاں خوبی خبر
تمام عالم اگر نور اور صورتیں ہو گا	آنکھ کو اس خوبی کی خبر ہو جائے گی
چشم بستی گوش می آری بہ پیش	تا نمائی زلف و رخسارہ بتیش
(اگر) تو آنکھ بند کر لے ذکان کو سامنے لائے	تا کہ تو اس کو کسی بت کی زلف اور رخسارہ دکھائے
گوش گوید من بصورت نگروم	صورت ار بانگے زند من بشنوم
کان کہے گا میں صورت پر مائل نہیں ہوتا ہوں	صورت اگر پکارے میں سنوں گا
گوش گوید من بصورت ننگرم	حس چشم ست آں زدیدن قاصرم
کان کہے گا میں صورت کو نہیں دیکھتا ہوں	وہ آنکھ کی حس ہے، میں دیکھنے سے قاصر ہوں
عالمم من لیک اندر فن خویش	فن من جز حرف و صوتے نیست بیش
میں عالم ہوں، لیکن اپنے فن میں	میرا فن، حرف اور آواز سے زیادہ نہیں ہے

ہیں بیانبنی بجیں ایں خوب را	نیست بینی درخور ایں مطلوب را
ہاں ناک تو آ اس حسین کو دیکھ	ناک (بھی) اس مقصد کے لائق نہیں ہے
گر بود مشک و گلابے بو برم	فن من اینست و علم و مجرم
اگر مشک اور گلاب ہو میں سونگھ لوں گی	میرا فن اور علم اور تجربہ یہ ہے
کے بہ بینم من رخ آں سیم ساق	ہیں مکن تکلیف مالیس یطاق
میں اس چاندی کی سی پنڈلی والے کا چہرہ کب دیکھ سکتی ہوں؟	خبردار! جس چیز کی طاقت نہ ہو اس کی تکلیف نہ دے
باز حس کژ نہ بیند غیر کژ	خواہ کژ غو پیش او یا راست غو
پھر ٹیڑھی حس سوائے ٹیڑھے کے نہ دیکھے گی	خواہ تو اس کے سامنے ٹیڑھا چلے یا سیدھا چلے
چشم احول از یکے دیدن یقیں	ناظر شرک است نہ توحید بیں
بھینگے کی آنکھ ایک دیکھنے سے یقینا (قاصر ہے)	وہ شرک کو دیکھنے والی ہے' نہ کہ توحید کو
تو کہ فرعونی ہمہ مکری و زرق	مر مرا از خود نمیدانی تو فرق
تو جو فرعون ہے' مجسم مکر اور فریب ہے	تو مجھ میں اور اپنے آپ میں فرق نہیں سمجھتا ہے
منگر از خود در من اے کژباز تو	تا یکے تو را نہ بینی تو دو تو
اے ٹیڑھے کام والے! مجھے اپنی ذات سے نہ دیکھ	تاکہ تو ایک کو دو نہ دیکھے
بنگر اندر من زمن یک ساعتے	تاورای کون بینی ساحتے
تھوڑی دیر کے لئے مجھے میری ذات سے دیکھ	تاکہ تو دنیا سے آگے ایک میدان دیکھے
وارہی از تنگی وازننگ و نام	عشق اندر عشق بینی والسلام
تو تنگی اور ننگ و نام سے نجات پا جائے گا	عشق میں عشق دیکھے گا والسلام
پس بدانی چونکہ رستی از بدن	گوش و بینی چشم می تاند شدن
جب تو جسم سے نجات پا جائے گا تو جان لے گا	کہ کان اور ناک' آنکھ بن سکتے ہیں
راست گفتست آں شہ شیریں زباں	چشم گردد موبموی عارفاں
اس شیریں زبان شاہ نے سچ فرمایا ہے	عارفوں کا بال بال' آنکھ بن جاتا ہے
جسم راچشمے نبود اول یقیں	در رحم بود او جنین گوشتیں
یقینا شروع میں جسم میں آنکھ نہ تھی	وہ رحم (مادر) میں گوشت کا لوتھڑا تھا

علت دیدن مداں پیہ اے پسر	ورنہ خواب اندر ندیدے کس صور
اے بیٹا! آنکھ کی چربی کو دیکھنے کا سبب نہ سمجھ	ورنہ خواب میں کوئی شخص صورتیں نہ دیکھتا
آں پری ودیوی بیند شبیہ	نیست اندر دیدگان ہر دو پیہ
پری اور دیو صورت دیکھتے ہیں	دونوں کی آنکھوں میں چربی نہیں ہے
نور را با پیہ خود نسبت نبود	نسبتش بخشید خلاق ودود
روشنی کو چربی سے کوئی نسبت نہ تھی	خلاق ودود نے اس کو نسبت عطا کی ہے
آدم ست از خاک کے ماند بخاک	جنی است از نار بے ہیچ اشتراک
آدم خاک سے (بنے) ہیں خاک سے مشابہ کہاں ہیں؟	بغیر مناسبت کے جن آگ سے (پیدا ہوئے) ہیں
نیست خود مانند آتش آں پری	گرچہ اصلش اوست چوں می بنگری
پری ' آگ کے مشابہ نہیں ہے	اگرچہ اس کی اصل وہ ہے جب تو غور کرے گا
مرغ از بادست کے ماند بباد	نامناسب راخدا نسبت بداد
پرندہ ہوا سے (پیدا ہوا) ہے وہ کب ہوا سے مشابہ ہے؟	غیر مناسب کو خدا نے نسبت عطا کر دی ہے
نسبت ایں فرعہا با اصلہا	ہست بیچوں ارچہ دادش وصلہا
ان فروع کی اصول سے نسبت	بے نظیر ہے اگرچہ (خدا نے) جوڑ ملا دیئے ہیں
آدمی چوں زادۂ خاک وہباست	ایں پسر را با پدر نسبت کجاست
آدمی خاک اور ذروں سے پیدا ہوا ہے	اس بیٹے کو باپ سے کہاں مناسبت ہے؟
نسبتے گر ہست مخفی از خرد	ہست بیچون وخرد کے پے برد
اگر کوئی مناسبت ہے تو عقل سے مخفی ہے	وہ بے کیفیت ہے اور عقل اس کو کب پا سکتی ہے؟
بادرا بے چشم اگر بینش نداد	فرق چوں میکرد اندر قوم عاد
اگر اس نے ہوا کو بغیر آنکھ کے بینائی عطا نہیں کی ہے	تو اس نے قوم عاد میں فرق کیسے کیا؟
چوں ہمی دانست مومن از عدو	چوں ہمی دانست مے را از کدو
اس نے مومن کو دشمن سے کیسے ممتاز کر لیا؟	اس نے شراب اور کدو میں فرق کیسے کر لیا؟
آتش نمرود را گر چشم نیست	با خلیلش چوں تجشم کردنی ست
نمرود کی آگ میں اگر آنکھ نہیں ہے	اس کے خلیل کے ساتھ اس کو کیوں تکلف ہوا؟

گر نبودے نیل را آں نور دید	از چہ قبطی راز سبطی می گزید
اگر دریائے نیل میں دیکھنے کی روشنی نہ ہوتی	تو قبطی کو سبطی سے کیسے منتخب کرتی؟
گر نہ کوہ و سنگ بادیدار شد	پس چرا داؤدؑ را او یار شد
اگر پہاڑ اور پتھر دیکھنے والے نہ تھے	تو وہ (حضرت) داؤدؑ کے دوست کیوں بنے؟
ایں زمیں را گر نبودے چشم جاں	از چہ قاروں را فرو خورد آنچناں
اگر اس زمین کے جان کی آنکھ نہ ہوتی	تو قارون کو اس طرح کس وجہ سے نگل گئی؟
گر نبودے چشم دل حنانہ را	چوں بدیدے ہجر آں فرزانہ را
اگر (اسطوانہ) حنانہ کے دل کی آنکھ نہ ہوتی	تو ان عقلمند کے ہجر کو کیسے دیکھ لیتی؟
سنگریزہ گر نبودے دیدہ ور	چوں گواہی دادے اندر مشت در
اگر پتھر کے ٹکڑے بینا نہ ہوتے	تو مٹھی میں گواہی کیسے دیتے؟
اے خرد برکش تو پر و بالہا	سورہ برخواں زلزلت زلزالہا
اے عقل تو بال و پر کھول لے	سورۂ زلزلت زلزالہا پڑھ
در قیامت ایں زمیں بر نیک و بد	کے زنادیدہ گواہیہا دہد
نیک اور بد پر یہ زمین قیامت میں	بغیر دیکھے گواہی کب دے گی؟
کہ تحدث حالہا و اخبارہا	تظہر الارض لنا اسرارہا
کیونکہ وہ اپنی حالت اور خبریں بتائے گی	زمین ہمارے لئے اپنے راز ظاہر کرے گی
ایں فرستادن مرا پیش تو میر	ہست برہانے کہ بد مرسل خبیر
مجھ حاکم کے سامنے مجھے بھیجا	اس کی دلیل ہے کہ بھیجنے والا باخبر ہے
کہ چنیں دارو چناں ناسور را	ہست در خوراز پے تیسور را
کیونکہ ایسے زخم کے لئے ایسی ہی دوا	سہولت کے لئے مناسب ہے
واقعاتے دیدہ بودی پیش ازیں	کہ خدا خواہد مرا کردن گزیں
تو نے اس سے پہلے واقعات دیکھ لئے تھے	کہ خدا مجھے برگزیدہ بنائے گا
من عصا و نور بگرفتہ بدست	شاخ گستاخ ترا خواہم شکست
میں لاٹھی اور نور کو ہاتھ میں لے کر	تیرے گستاخ سینگ کو توڑ ڈالوں گا

واقعاتے سہمگیں از بہر ایں	گونہ گونہ می نمودت رب دیں
اس لئے خوفناک واقعات	دین کے رب نے طرح طرح کے تجھے دکھائے
درخور سر بد و طغیان تو	تابدانی کوست در خوردان تو
تیرے برے عقیدے اور سرکشی کے مناسب	تاکہ تو سمجھ جائے کہ وہ تیرے مناسب ہیں
تابدانی کو حکیم ست و خبیر	مصلح امراض درماں ناپذیر
تاکہ تو سمجھ لے کہ وہ دانا اور باخبر ہے	ناقابل علاج مرضوں کا مصلح ہے
تو بتاویلات می گشتی ازاں	کور و کر کایں ہست از خواب گراں
تو تاویلوں کے ذریعہ ان سے ہٹتا تھا	اندھا اور بہرا' کہ یہ گہری نیند کی وجہ سے ہیں
واں طبیب و آں منجم در لمع	دید تعبیرش بپوشید از طمع
اور اس طبیب اور نجومی نے روشنی میں	اس کی تعبیر دیکھ لی (اور) لالچ کی وجہ سے چھپائی
گفت دور از دولت واز شاہیت	کہ درآید غصہ در آگاہیت
اس نے کہا کہ تیری حکومت اور شاہی سے دور	کہ کوئی ناگواری تیرے علم میں آئے
از غذای مختلف یا از طعام	طبع شوریدہ ہمی بیند منام
مختلف غذا یا کھانے کی وجہ سے	پریشان طبیعت خواب دیکھتی ہے
زانکہ دیداو کہ نصیحت جو نہ	تند و خونخواری و مسکیں خو نہ
کیونکہ اس نے دیکھا کہ تو نصیحت کا جویاں نہیں ہے	تو بدمزاج اور خونخوار ہے مسکین طبیعت نہیں ہے
پادشاہاں خوں کنند از مصلحت	لیک رحمت شاں فزونست از عنت
بادشاہ کسی مصلحت سے خون کر دیتے ہیں	لیکن ان کی محبت' غصہ سے بڑھی ہوئی ہوتی ہے
شاہ را باید کہ باشد خوی رب	رحمت او سبق گیرد بر غضب
بادشاہ کو چاہیے کہ خدائی کا مزاج کا ہو	اس کی رحمت غصہ پر سبقت کرے
نے غضب غالب بود مانند دیو	بے ضرورت خوں کند از بہر ریو
نہ دیو کی طرح اس پر غصہ غالب ہو	(اور) مکر کے لئے بے ضرورت خون بہائے
نے حلیمی مخنث وار نیز	کہ شود زن روسپی زان و کنیز
ہیجڑے کی سی بردباری بھی نہ ہو	کہ اس سے بیوی اور باندی بدکار ہو جاتی ہے

دیو خانہ کردہ بودی سینہ را	قبلۂ سا زیدہ بودی کینہ را
تونے سینہ کو شیطان کا گھر بنا لیا تھا	تونے کینہ کو قبلہ بنا لیا تھا
شاخ تیزت بس جگر ہارا کہ خست	نک عصایم شاخ شوخت را شکست
تیرے تیز سینگ نے بہت سے جگروں کو خستہ کیا ہے	اب میری لاٹھی نے تیرے شوخ سینگ کو توڑا ہے

چشم دید جہاں الخ سے چشم احوال از یکے دیدن الخ تک دونوں احتمال رکھتا ہے۔ یہ بھی کہ مولانا کا مقولہ ہو اور یہ بھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خطاب ہو فرعون کو۔ دوسری صورت میں آنچنیں واں جامہ شوئی صوفیاں مولانا کا مقولہ اور جملہ معترضہ ہوگا۔ میرے نزدیک شق ثانی راجح ہے۔ اس لئے میں اسی کو اختیار کرتا ہوں اب حل سنو۔ اوپر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو غلط بین بتلایا تھا اب اس غلط بینی کے منشاء کو متعین فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیرے عالم کو علی ما ہو علیہ دیکھنے سے مانع تیری حس جسمانی ہے اور تو جو پاکوں کو علی ما ہم علیہ نہیں دیکھ سکتا۔ بلکہ ان کو اپنا ہی سا جانتا ہے اس کی وجہ بھی تیری یہ ناپاک حس ہی ہے۔ پس کچھ دنوں تو اپنے کو مشاہدہ کا خوگر بنا اور چشم باطن سے کام لینے کی کوشش کر اس پانی سے تیرے حواس جسمانیہ دھل کر پاک صاف ہو جائیں گے اب مولانا جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ صوفی لوگ اپنا جامۂ حس اسی طرح دھوتے ہیں جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو ہدایت کی تھی۔ اس کے بعد پھر مضمون سابق کو بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں جب یہ پاک صاف ہو جائیں گے تو جو حجاب اس وقت تیرے اور پاکوں کے درمیان حائل ہے جو تجھے ان کو دیکھنے سے مانع ہے وہ اٹھ جاوے گا اور ارواح پاکاں اپنے کو تیرے سامنے کر دیں گی اور تو ان کو دیکھ سکے گا۔ موجودہ حالت میں جو تو عالم کو علی ما ہو علیہ نہیں دیکھ سکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ تو تمام عالم کو ایسے حواس سے محسوس کرنا چاہتا ہے جن سے اس کا ادراک نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً تو اس کو چشم ظاہر سے دیکھنا چاہتا ہے اور یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ چشم ظاہر سے تو عالم کی خوبی وغیرہ اس وقت معلوم ہو سکتی ہے جبکہ وہ سب نور اور صور بن جاوے۔ کیونکہ آنکھ انہی کا ادراک کرتی ہے اور یہ ہو نہیں سکتا تو تمام عالم تجھے دکھلائی بھی نہیں دے سکتا۔ ایسی حالت میں تیری ایسی مثال ہے جیسے کوئی آنکھ بند کر کے کان سامنے کر دے تا کہ اس کو زلف اور رخسارہ بت کا دکھلا دے (کیونکہ چشم ظاہر سے چشم باطن کی مدرکات کو دیکھنے کی کوشش کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ مبصرات کو کان سے معلوم کرنا) اور اس وقت کان اس کو یہ جواب دے کہ مجھے صورت کی طرف کوئی میلان نہیں اس لئے میں اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر صورت کوئی آواز نکالے تو میں سن سکتا ہوں رہا دیکھنا سو وہ آنکھ کا کام ہے میں اس سے قاصر ہوں میں جاننے والا ہوں لیکن اپنے کام کا اور میرا کام حروف اور آوازوں کا سننا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں اس پر وہ ناک کو پکارے اور کہے کہ اے ناک تو آ اور اس حسین کو دیکھ حالانکہ ناک بھی اس مطلوب سے مناسبت نہیں رکھتی۔ اس لئے وہ یہ جواب دے کہ میں یہ کام نہیں کر سکتی ہاں اگر مشک اور گلاب ہو تو میں اسے سونگھ سکتی ہوں کیونکہ میرا کام اور میرا فن اور میری صفت باطنیہ یہ ہی ہے میں اس حسین کا چہرہ کیسے دیکھ سکتی ہوں۔ آپ مجھے اس کام کا مکلف نہ بنائیے جس کی مجھ میں طاقت نہیں خلاصہ یہ کہ ہر چیز کا ادراک کرنے کے لئے اس حالت کی ضرورت ہے جو اس کے مناسب ہو۔ لیکن اتنی بات بھی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ اس کی ضرورت ہے کہ وہ سالم من الآفۃ ہو کیونکہ بھینگی آنکھ ضرور غلط بین ہوگی۔ خواہ مبصر اس کے سامنے ٹیڑھا چلے یا سیدھا اور بھینگی آنکھ بالیقین

ایک نہیں دیکھ سکتی بلکہ وہ ایک سے زائد دیکھے گی اور ایک نہ دیکھے گی جب یہ معلوم ہو گیا تو اے فرعون چونکہ تو سراپا مکر اور فریب ہے اور اس لئے تیری حس باطن ماؤف ہے لہذا تو مجھے بھی اپنا ہی سا جانتا ہے اور مجھ میں اور اپنے میں فرق نہیں کرتا پس تجھے راست بینی درکار ہے تو اے غلط رو تو مجھ اپنی خودی کو قائم رکھ کر مت دیکھ تا کہ تو غلط بینی سے محفوظ رہے اور اکہرے کو دوہرا نہ دیکھے بلکہ اپنے کو مجھ میں فنا کر اور پھر مجھے دیکھ اس وقت تجھے میری حقیقت بھی معلوم ہو گی اور تو اس عالم کے علاوہ جس کو تو اب دیکھ رہا ہے ایک نہایت فراخ میدان (عالم غیب) دیکھے گا اور اس وقت تو اس عالم ناسوت سے جو کہ تنگ ہے اور ننگ و نام سے چھوٹ جاوے گا۔ اور عشق ہی عشق تجھے نظر آئے گا اور تو علائق جسمانیہ سے علیحدہ ہو جاوے گا۔ پس جبکہ تو علائق جسمانیہ سے آزاد ہو جاوے گا اس وقت تو دیکھے گا کہ کان اور ناک کا آنکھ بن جانا ممکن ہے اور یہ ممکن ہے کہ کان اور ناک وہ کام دیں جو آنکھ دیتی ہے اور جن حواس سے تو اس وقت عالم کو دیکھنا چاہتا ہے مگر نہیں دیکھ سکتا۔ اس وقت تو انہیں حواس سے اسے دیکھ سکے گا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو فرمایا ہے کہ گوش و بینی چشم می تاند شدن یہ نہایت صحیح ارشاد ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ عارفوں کا بال بال آنکھ کا کام دیتا ہے۔ (مگر ہر وقت اور ہر حال میں نہیں بلکہ جب حق سبحانہ چاہتے ہیں کیونکہ یہ ایک کرامت ہے اور کرامت اہل اللہ کی اختیاری نہیں ہوتی) اگر کسی عقل پرست کو یہ امر مستبعد معلوم ہو تو ہم اس کو دلیل سے بھی ثابت کرتے ہیں دیکھو یہ بات یقینی ہے کہ ابتداءً جسم کے لئے آنکھیں نہ تھیں بلکہ وہ رحم کے اندر ایک مضغۂ گوشت تھا اس کی نسبت کوئی عاقل محض اپنی عقل سے اور مشاہدہ سے قطع نظر کر کے یہ حکم نہیں لگا سکتا تھا کہ یہ دیکھ سکتا ہے مگر قدرت حق سبحانہ سے وہ بینا ہو گیا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ وہ دیکھنے ضرور لگا مگر آنکھوں ہی سے تو دیکھتا ہے اور کسی جزو سے تو نہیں دیکھتا۔ پس اہل اللہ بدوں آنکھوں کے کیسے دیکھ سکتے ہیں تو اس کا جواب ہے کہ رطوبت چشم علت ابصار نہیں علت ابصار تو قدرت و مشیت حق سبحانہ ہے اور یہ ایک طریق عادی ہے۔ پس حق سبحانہ قادر ہیں کہ اس کے لئے دوسرا طریق بھی تجویز کر دیں۔ جس طرح یہ طریق تجویز کیا تھا۔ رہی یہ بات کہ رطوبت چشم علت نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر علت ہوتی تو کوئی شخص خواب میں صور اشیاء کو نہ دیکھ سکتا۔ کیونکہ یہ ابصار بالضرورۃ رطوبت چشم کے ذریعہ سے نہیں ہوتا اور دیکھو جنات اور شیاطین مبصرات کو دیکھتے ہیں لیکن ان کی آنکھوں میں رطوبت معلومہ نہیں ہے جس کو علت ابصار سمجھا جاتا ہے اچھا اسے بھی چھوڑو ہم کہتے ہیں کہ رطوبت اور نور میں کونسا علاقہ ذاتیہ ہے جس کی بناء پر یہ رطوبت بالذات اس نور کو مقتضی ہے۔ یقیناً کوئی نہیں پس لامحالہ یہی کہا جاوے گا کہ حق سبحانہ نے ان میں علاقہ پیدا کیا پس جس نے نور اور رطوبت میں محض اپنی قدرت و مشیت سے بلا رطوبت کے اقتضائے ذاتی کے یہ علاقہ پیدا کیا وہ اس نور اور دیگر اشیاء میں بھی علاقہ پیدا کر سکتا ہے پھر استبعاد کیوں ہے اور یہ کچھ نور اور رطوبت ہی پر منحصر نہیں بلکہ جو چیز جس چیز سے مناسبت اور تعلق رکھتی ہے اس کو اس سے ذاتی کوئی بھی مناسبت نہیں بلکہ محض عطائی اور وہبی ہے دیکھو بنی آدم منی سے پیدا ہوئے مگر ان میں اور منی میں کیا مناسبت ہے اور کون عاقل حکم کر سکتا ہے کہ اس سے بنی آدم پیدا ہو سکتے ہیں۔ علیٰ ہذا جنات آگ سے پیدا ہوئے مگر ان میں کوئی ایسا اشتراک نہیں جس کی بناء پر عقل حکم لگا سکے کہ اس سے جنات پیدا ہو سکتے ہیں کیونکہ جن آگ سے کچھ بھی میل نہیں کھاتے حالانکہ اگر تم دیکھو گے تو تمہیں معلوم ہو گا کہ وہ آگ سے ہی پیدا ہوئے ہیں علیٰ ہذا پرندے ہوا سے پیدا ہوئے ہیں لیکن بھلا ان میں اور ہوا میں کونسی مشابہت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ باوجودیکہ ان میں کوئی مناسبت نہیں تھی مگر خدائے تعالیٰ نے ان میں تعلق پیدا کر

دیا۔ پس ان فروع کو اپنے اصول کے ساتھ یہ تعلق کسی ایسی علت پر مبنی نہیں جو اصول کی ذات میں موجود اور اس تعلق کو مقتضی ہو بلکہ محض وہب وعطائے حق سبحانہ ہے اگر چہ یہ تعلق فروع کو ان کے اصول کے ساتھ جوڑتا ہے۔ اگر ہمارا یہ بیان صحیح نہیں تو بتلاؤ کہ آدمی جو خاک سے پیدا ہوا ہے ان دونوں باپ بیٹوں یعنی خاک اور انسان میں کونسی نسبت ہے اور اگر واقع میں کوئی ایسی نسبت ہو بھی جو عقول سے مخفی ہے تو اس کا وجود ہمیں مضر نہیں۔ کیونکہ عقل اس کی کیفیت نہیں معلوم کر سکتی۔ اور اس کا پتہ نہیں چلا سکتی۔ جب یہ صورت ہے تو ممکن ہے کہ جو نسبت ذاتیہ رطوبت چشم اور نور میں ہے ممکن ہے کہ وہ نسبت اوروں میں بھی ہو گو ہم نہیں جانتے پس بدوں آنکھ کے ابصار کے انکار کی کون سی وجہ ہے۔ اور صرف ممکن ہی نہیں بلکہ واقع بھی ہے کیونکہ ہوا آگ، پانی مٹی بدوں آنکھ کے دیکھتے ہیں چنانچہ اس دعوے کو ہم دلیل سے ثابت کریں گے اور یہ تم کو مسلم ہے کہ ابصار چشم مبنی ہے اس مناسبت ذاتیہ پر جو رطوبت اور ابصار کے درمیان میں ہے اور بدوں اس مناسبت کے ابصار نہیں ہو سکتا تو لازم ہے کہ اشیاء مذکورہ اور ابصار میں بھی وہ مناسبت موجود ہو وہوالمدعیٰ۔ اب سنو اشیاء مذکورہ بدوں آنکھ کے کیونکر دیکھتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر ہوا بدوں آنکھ کے نہ دیکھتی ہوتی تو قوم عاد کے افراد میں کیونکر امتیاز کرتی اور مومن و کافر میں کیسے امتیاز کرتی اور بھلے برے کو کیونکر پہچانتی۔ علیٰ ہذا اگر آگ نہ دیکھتی ہوتی تو آتش نمرود کے حضرت ابراہیمؑ کو جلانے میں کیوں تکلف ہوتا اور اگر پانی بدوں آنکھ کے نہ دیکھتا تو آب نیل قبطی اور سبطی میں کیونکر تمیز کرتا اور اگر مٹی بدوں آنکھ کے نہ دیکھتی تو پہاڑ اور پتھر داؤد علیہ السلام کے دوست کیوں ہوتے۔ علیٰ ہذا اگر زمین کی باطنی آنکھیں نہ ہوتیں تو قارون کو کیسے نگل لیتی اور اگر ستون حنانہ کے آنکھ نہ ہوتی تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت کو کیونکر دیکھتا۔ علیٰ ہذا اگر کنکریوں کے آنکھیں نہ ہوتیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹھی میں ان کے صدق کی گواہی کیونکر دیتیں۔ پس اے عقل محجوب تو اپنے پروبال سمیٹ لے اور اپنی ذاتی پرواز کو چھوڑ کر سورۂ اذا زلزلت الارض زلزالھا پڑھ اور اس سے معلوم کر کہ زمین قیامت میں اچھی بری باتوں کی شہادت دے گی اور بدوں دیکھے کیسے شہادت دے سکتی ہے اس لئے معلوم ہوا کہ وہ بدوں آنکھ کے دیکھتی ہے۔ چنانچہ حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ زمین اپنے حالات اور اپنے واقعات بیان کرے گی اور ہم سے اپنے اسرار ظاہر کرے گی۔

فائدہ:۔ بحر العلوم نے "اے خرد برکش تو پروبال الخ" کے معنی ان الفاظ سے بیان کئے ہیں اے خرد ناقص اگر تر اور ادراک زمین خلجان رونماید زود پرواز نمودہ سورۂ زلزال بخواں مگر مجھے یہ توجیہ اچھی نہ معلوم ہوئی اس لئے میں نے مذکورۂ بالا توجیہ اختیار کی۔ واللہ اعلم) یہاں تک مولانا اپنے تائیدی مضمون کو ختم کر کے پھر گفتگوئے موسیٰ علیہ السلام کی طرف رجوع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ میرا تجھ سردار کے پاس رسول بنا کر بھیجنا خود دلیل ہے اس بات کی کہ بھیجنے والا اس سے خوب واقف ہے کہ ایسی دوا ایسے ناسور کے شفا کے لئے نہایت مناسب ہے۔ اور مجھ سے قاہر تجھ سے شریر کے لئے نہایت موزوں ہے اور یہ امر خود ایک بھاری دلیل ہے میرے دعویٰ رسالت کے صدق اور تیرے دعویٰ جادوگری کے کذب کی نیز اس سے پہلے تو نے ایسے واقعات دیکھے تھے کہ جو دلیل تھے اس امر کی کہ خدا مجھے اپنے تقرب و رسالت کے لئے منتخب کرے گا۔ اور میں عصا اور نور ہاتھ میں لے کر تیری شاخ گستاخ کو توڑوں گا یعنی تجھ شریر ومفسد کو تباہ و برباد کروں گا۔ یہ بھی دلیل ہے میرے صدق اور تیرے کذب کی اور یہ خوفناک واقعات حق سبحانہ نے طرح طرح سے اور تیری خوئے بد اور سرکشی کے مناسب اس لئے بھی دکھلائے تھے تا کہ تجھے معلوم ہو جاوے کہ وہ تیرے مناسب امر کو خوب جانتا ہے اور تا کہ

تجھے معلوم ہو جاوے کہ وہ حکیم اور خبیر اور ان امراض کا مصلح ہے جو نا قابل علاج ہیں لیکن تو ان میں تاویلیں کر کے ان سے اندھا بہرا بنتا تھا اور سمجھتا تھا کہ یہ نیند کا اثر ہے اور واقعات مذکورہ اضغاث احلام ہیں۔ اور طبیب اور منجم بھی واضح طور پر ان کی تعبیر جانتے تھے مگر طمع جان کی وجہ سے چھپاتے تھے اور کہتے تھے کہ حضور کی دولت اور حکومت یعنی خود حضور سے یہ بات دور رہے کہ کوئی رنج وہ بات حضور کے علم میں آوے۔ بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ مختلف غذاؤں یا کھانوں سے طبیعت پراگندہ ہو کر خواب پراگندہ دکھتی ہے اور یہ وہ اس لئے کہتے تھے کہ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ تو طالب نصیحت نہیں ہے بلکہ تند خو اور خونخوار ہے اور مسکین خصلت نہیں ہے یہ ضرور ہے کہ بادشاہ بمصلحت خون کرتے ہیں لیکن ان کی رحمت ان کی سرکشی پر غالب ہوتی ہے اور بادشاہ کو ایسا ہی ہونا چاہئے کہ خدا کی خصلت اپنے اندر رکھتا ہو یعنی اس کی رحمت اس کے غضب سے زائد ہو۔ اور شیاطین و جنات کی طرح اس کا غصہ غالب نہ ہو کہ ناحق خون کرے اور نہ اس کے اندر مخنث کا سا حلم ہو کہ بیوی اور لونڈی فاحشہ ہو جاوے مگر اسے پرواہ نہ ہو خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب سن کہ تو نے اپنے سینہ کو شیطان خانہ بنا رکھا تھا اور کینہ کو اپنا مطمح نظر بنا رکھا تھا تیرے نیزہ کی انی نے بہت سے جگروں کو زخمی کر رکھا تھا اس لئے میرے عصا نے تیری شاخ گستاخ کو توڑا۔

حملہ آوردن ایں جہانیان و تاختن بردن بر اں جہانیان تا سنور دژ کہ سرحد غیب ست و غفلت ایشاں از کمین کہ چوں غازی بغزا نرود کافر تاختن آرد

اس دنیا والوں کا حملہ کرنا اور غارتگری کرنا اس جہان والوں پر قلعہ کی سرحد تک جو کہ غیب کی سرحد ہے اور ان کا کمین گاہ سے غافل ہونا کیونکہ غازی جب جہاد نہیں کرتا ہے کافر حملہ کر دیتا ہے

حملہ بردند اسپہ جسمانیاں	جانب قلعہ و دژ روحانیاں
جسم والوں کی فوج نے حملہ کیا	روحانیوں کے قلعہ کی جانب
تا فرو گیرند در بندان غیب	تا کسے ناید ازاں سو پاک جیب
تا کہ غیب کے دروازوں پر قبضہ کر لیں	تا کہ کوئی پاک دل اس جانب سے نہ آئے
غازیاں حملہ غزا چوں کم برند	کافراں برعکس حملہ آورند
غازی جب جہاد کا حملہ نہیں کرتے ہیں	تو کافر پلٹ کر حملہ کرتے ہیں
غازیان غیب چوں از حلم خویش	حملہ ناوردند بر تو زشت کیش
غیب کے غازیوں نے جب اپنی بردباری کی وجہ سے	تجھ بد مذہب پر حملہ نہیں کیا
حملہ بردی سوی دربندان غیب	تا نیایند ایں طرف مردان غیب
تو نے غیب کے دروازوں پر حملہ کیا	تا کہ غیب کے جوانمرد ادھر نہ آئیں
چنگ در صلب و رحمہا در زدی	تا کہ شارع راگیری از بدی
تو نے پشتوں اور رحموں پر دست درازی کی	تا کہ شرارت سے راستہ روک دے

چوں بگیری شہرہے کہ ذوالجلال	برکشادست از برای انتسال
تو اس شاہراہ کو کیسے بند کر سکتا ہے جس کو خدا نے	نسل بڑھانے کیلئے کھولا ہے؟
سدشدی در بند ہا را اے لجوج	کوری تو کرد سرہنگے خروج
اے جھگڑالو! تو دروازے کی بندش بنا	تیرے اندھے پن سے ایک سپاہی نکل آیا
نک منم سرہنگ و ہنگت بشکنم	نک بنامش نام و ننگت بشکنم
اب میں سپاہی ہوں اور تیرے ارادہ کو شکست دوں گا	اب اس کے نام پر تیرے نام و ننگ کو شکست دوں گا
تو ہلادر بند ہا را سخت بند	چندگاہے بر سبال. خود بخند
خبردار! تو دروازوں کو سخت بند کر دے	تھوڑی دیر اپنی موچھوں پر ہنس لے
سبلت رابرکند یک یک قدر	تابدانی کالقدر یعمی البصر
تقدیر تیری موچھ کو ایک ایک کر کے اکھاڑ دے گی	تاکہ تو جان لے کہ تقدیر آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے
سبلت تو تیز تر یا آن عاد	کہ ہمی لرزید از دم شاں بلاد
تیری موچھ زیادہ نوکیلی ہے یا (قوم) عاد کی	جن کے دم سے شہر لرزاں تھے
تو ستیزہ روتری یا آں ثمود	کہ نیامد مثل ایشاں در وجود
تو زیادہ لڑاکو ہے یا ثمود	کہ ان جیسا پیدا نہ ہوا
صد ازینہا گر بگویم تو کری	بشنوی و ناشنودہ آوری
اگر اس قسم کی سینکڑوں باتیں کہوں گا تو بہرا ہے	تو سنی ہوئی (بات) کو ان سنی کر دے گا
توبہ کردم از سخن کانگیختم	بے سخن من داردیت آمیختم
جو باتیں میں نے اٹھائیں ان سے توبہ کرتا ہوں	بغیر کہے ہوئے میں تیری دوا گھولتا ہوں
کہ نہم برریش خامت تا پزد	تابسوزد ریش و ریشت تا ابد
تیرے کچے زخم پر رکھوں تاکہ وہ پک جائے	تاکہ ہمیشہ کیلئے زخم اور تیری داڑھی جل جائے
تابدانی کو خبیرست اے عدو	می دہد ہر چیز را در خورد او
اے دشمن! تاکہ تو جان لے کہ وہ جانکار ہے	ہر چیز کو اس کے مناسب حال عطا کرتا ہے
کے کژی کردی و کے کردی تو شر	کہ ندیدی لائقش در پے اثر
تو نے کب کجی برتی ہے اور تو نے کب شر پھیلایا ہے؟	کہ اس کے مناسب اس کے بعد تو نے اثر نہ دیکھا ہو

مصرع اول	مصرع دوم
کے فرستادی دمے برآسماں	نیکیے کز پے نیامد مثل آں
تھوڑی دیر کے لئے تونے آسمان پر کب بھیجی ہے؟	نیکی کہ اس کے بعد اس جیسی نہ آئی ہو
گر مراقب باشی و بیدار تو	ہر دمے بینی جزای کار تو
اگر تو نگراں اور بیدار ہو جائے	ہر وقت اپنے کام کا بدلہ دیکھے
چوں مراقب باشی و گیری رسن	حاجتت ناید قیامت آمدن
جب تو نگراں ہو گا اور رسی کو پکڑ لے گا	تجھے قیامت کے آنے کی ضرورت نہ رہے گی
آنکہ رمزے رابد اند او صحیح	حاجتش ناید کہ گویندش صریح
جو اشارے کو صحیح سمجھ لے	اس سے صاف کہنے کی ضرورت نہیں ہے
ایں بلا از کودنی آید ترا	کہ نکردی فہم نکتہ و رمز را
یہ مصیبت بیوقوفی سے تجھ پر آئی ہے	کیونکہ تو اشارے اور نکتہ کو نہ سمجھا
از بدی چوں دل سیاہ و تیرہ شد	فہم کن اینجا نشاید خیرہ شد
جب گناہ کی وجہ سے دل سیاہ اور کالا ہو گیا	سمجھ لے اس جگہ بے باکی مناسب نہیں ہے
ورنہ خود تیرے شود آں تیرگی	در رسد در تو جزای خیرگی
ورنہ وہ سیاہی خود تیر بن جائے گی	تجھے بے باکی کی سزا ملے گی
ور نیاید تیرت از بخشایش ست	نے پے نادیدن آلایش ست
اگر تجھے تیر نہ لگے تو یہ بخشش ہے	نہ کہ گناہ کو نہ دیکھنے کی وجہ سے ہے
پس مراقب باش گر دل بایدت	کز پے ہر فعل چیزے زایدت
اگر تجھے دل (کی سلامتی) چاہیے تو نگراں بن	اس لئے کہ ہر کام کے بعد تجھ میں کچھ پیدا ہوتا ہے
ور ازیں افزوں ترا ہمت بود	از مراقب کار بالاتر رود
اگر تجھ میں اس سے زیادہ ہمت ہے	نگرانی کرنے والے سے کام بالاتر ہو جائے گا

موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دیکھ میں تیری سرکوبی کے لئے موجود ہوں گو تم لوگوں نے قلعۂ عالم غیب پر حملہ کیا تھا تا کہ تم اس پر قبضہ کرلو اور وہاں سے کوئی مقدس شخص تمہاری سرکوبی کے لئے نہ آ سکے۔ اور وجہ اس جرأت کی یہ تھی کہ قاعدہ ہے کہ جب غازی لوگ حملہ غازیانہ کم کر دیتے ہیں تو الٹے کافران پر حملہ کرتے ہیں اسی طرح چونکہ غازیان ربانی نے اپنے حلم سے تجھ بدکیش پر حملہ چھوڑ رکھا تھا اور کوئی نبی تیری سرکوبی کے لئے نہیں آیا تھا۔ لہذا تو نے قلعۂ غیبی پر حملہ کیا تا کہ اہل اللہ کی

جماعت تیری سرکوبی کے لئے نہ آ سکے یعنی تو نے صلب آبا اور رحم امہات پر تسلط کرنا چاہا تا کہ تو اپنی شرارت سے اس راہ پر قبضہ کر لے اور تو نے مردوں کو عورتوں سے مقاربت کرنے کی ممانعت کر دی اور جو بچے پیدا ہو چکے تھے ان کو قتل کرانا شروع کیا۔ لیکن تو اس راہ پر کیسے تسلط کر سکتا تھا جس کو اس عظیم الشان شہنشاہ نے افزائش نسل آدم کے لئے کھول رکھا ہے گو تو ان قلعوں کی دیوار بن گیا اور ان کے سپاہیوں کی مزاحمت کی مگر تیری آنکھوں میں خاک جھونک کر ایک سپاہی نکل ہی آیا۔ دیکھ وہ سپاہی میں ہوں اور تیری شوکت وقوت کو توڑ پھوڑ کر رکھ دوں گا اور خدا کا نام لے کر تیرے نام ونگ کے پرزے اڑا دوں گا دیکھ جہاں تک تجھ سے ہو سکے تو اپنی حفاظت کے لئے قلعوں کو بند کر لے اور جتنی تدبیریں تجھ سے اپنے بچاؤ اور میری مدافعت کی ہو سکیں کر لے۔ اور کچھ دنوں تک اپنے ساتھ تمسخر کر لے تو کیا موچھوں پر تاؤ دیتا ہے تقدیر الٰہی تیری مونچھ کا ایک ایک بال اکھاڑ ڈالے گی۔ یہاں تک کہ تجھے معلوم ہو جائے گا کہ تقدیر الٰہی اندھا کر دیتی ہے تیری موچھیں کچھ قوم عاد کی موچھوں سے تیز نہیں ہیں۔ جس کے سانس سے شہر تھرا جاتے تھے۔ (مبالغہ ہے قوت وشوکت میں حقیقت مراد نہیں) پس جب وہ ہلاک ہو گئی تو تو کیا ہے اور تو بتلا کہ تو لڑا کا ہے یا قوم ثمود زیادہ لڑا کا تھی جس کے مثل کوئی قوم عالم وجود میں نہیں آئی یقیناً وہی زیادہ لڑ کا ہے تو جب وہ ہلاک کر دی گئی تو تیری کیا ہستی ہے خیر مجھے اس گفتگو ناصحانہ کو چھوڑنا چاہئے کیونکہ بیکار ہے یہ تو کیا اگر سینکڑوں ایسی باتیں بیان کروں گا تب بھی تو بہرا ہی رہے گا۔ یعنی سنے گا مگر ان کو یوں اڑا دے گا جیسا کہ سنا ہی نہیں اچھا اب تک جو گفتگو میں نے کی ہے اس سے توبہ کرتا ہوں اور بلا کچھ کہے سنے تیرے لئے دوا تیار کرتا ہوں تا کہ اس کو تیرے کچے پھوڑے پر لگاؤں تا کہ وہ پک جاوے اور تا کہ وہ پھوڑا اور تیری داڑھی دونوں ہمیشہ کے لئے جل جاویں یعنی تو ہمیشہ کے لئے ملیامیٹ ہو جاوے اور یہ تدبیر اس لئے کرتا ہوں تا کہ تجھے معلوم ہو جاوے کہ حق سبحانہ واقف امور ہیں اور ہر چیز کو وہی عطا کرتے ہیں جو اس کے مناسب ہے اور چونکہ تیری سرکشی اور طغیانی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ اس کا اس کے سوا کوئی علاج ہی نہ تھا اس لئے اس طرح اس کا علاج کیا گیا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ حق سبحانہ ہر چیز کو وہی عطا کرتے ہیں جو اس کے مناسب ہے ورنہ سوچ کر بتاؤ کہ تم نے کب کجی اور شرارت کی ہے کہ اس کے مناسب اثر تم نے نہیں دیکھا۔ اور کون سی نیکی تم نے آسمان پر بھیجی ہے جس کے بعد کوئی اچھا اثر آسمان سے نہیں آیا اگر تم اپنے افعال کی نگرانی کرو گے اور متنبہ رہو گے تو ہر وقت تم اپنے کام کا خواہ اچھا ہو یا برا بدلہ دیکھو گے۔ اور جب تم اپنے افعال کی نگرانی اور اپنی حالت پر غور کرو گے اور اس رسی کو مضبوط پکڑے رہو گے تو تمہیں اپنے افعال کے بدلے معلوم کرنے کے لئے قیامت کی ضرورت نہ ہوگی۔ بلکہ دنیا ہی میں معلوم ہو جاوے گا اور ضرورت قیامت کی ہم نے اس لئے نفی کی ہے کہ یہاں تو افعال کی جزائیں اشارۃً معلوم کرائی جاتی ہیں اور قیامت میں صراحۃً دکھلائی جاویں گی اور قاعدہ ہے کہ جو اشارہ کو سمجھ سکے اس کے لئے صریح کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لہٰذا جب جزاؤں کو یہاں سمجھ جاوے تو اس کو اس کام کے لئے قیامت کی ضرورت نہ رہے گی۔ گو اور وجوہ سے ضرورت ہو یہ مصیبت جو تجھ پر پڑتی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ تو نکتہ اور رمز کو نہیں سمجھتا۔ اور اپنے افعال ناشائستہ نہیں چھوڑتا ورنہ کوئی مصیبت نازل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حق سبحانہ فرماتے ہیں ما اصابکم من مصیبة فبما کسبت ایدیکم و یعفوعن کثیر۔ لیکن اگر کسی کو مصائب انبیاء سے شبہ ہو تو اس کا جواب

یہ ہے کہ انبیاء سے گناہ تو نہیں ہوتے مگر لغزشیں جن کو خطأ اجتہادی کہتے ہیں ان سے بھی صادر ہوتی ہیں اور ان پر خطاء اجتہادی پر بھی تنبیہ ہوتی ہے پس نہ ان کے عصمت پر حرف آیا اور نہ آیت کے عموم میں خلل آیا اور جن مصائب کا منشا خطأ اجتہادی بھی نہیں ہے وہ گو بصورت مصیبت ہی ہیں مگر بمعنی رحمت ہیں لہذا آیت میں داخل ہی نہیں۔ برائی کا چونکہ خاصہ ہے کہ اس سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اس لئے اپنے افعال کی جزا کو سمجھنا چاہئے اور گستاخ نہ ہونا چاہئے ورنہ یہ تیرہ درونی خود ایک تیر بلا ہو کر تیرے لگے گی۔ اور تجھ کو اس بے باکی کا بدلا ملے گا۔ لیکن بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ گناہ پر تیر بلا نہیں لگتا اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ وہ گناہ حق سبحانہ کی نظر سے مخفی ہو جاتا ہے بلکہ اس کی وجہ محض لطف اور فضل ہوتا ہے۔ اسی لئے یعفو عن کثیر فرمادیا ہے اور تم چاہتے ہو کہ تم اہل دل ہو جاؤ تو تم کو اپنے افعال کی نگرانی کرنی چاہئے اس سے تم اہل دل ہو جاؤ گے کیونکہ ہر فعل سے ایک نتیجہ پیدا ہوتا ہے اور اس فعل کا نتیجہ یہ ہی ہے اور اگر مزید ترقی کا ارادہ ہو تو اس واقعہ ہی سے تم کو ترقی بھی ہو سکتی ہے کیونکہ یہ اصل الاصول ہے تمام ترقیات اور مدارج عالیہ کا۔

بیان آنکہ تن خاکی آدمی زاد ہمچو آہن نیکو جوہر قابل آئینہ شدن ست تا در دنیا بہشت و دوزخ و قیامت وغیرہا معائنہ بنماید نہ بطریق خیال بل بعیاں

اس کا بیان کہ آدمی کا خاکی جسم اس لوہے کی طرح ہے جو عمدہ جوہر والا آئینہ بننے کے قابل ہے تاکہ دنیا میں بہشت اور دوزخ اور قیامت وغیرہ کا معائنہ کرلے محض خیالی طریقہ پر نہیں بلکہ مشاہدہ کے طریقہ پر

پس چو آہن گرچہ تیرہ ہیکلی	صیقلی کن صیقلی کن صیقلی
پس اگرچہ تو لوہے کی طرح کالی شکل والا ہے	صیقل کر، صیقل کر، صیقل
تا دلت آئینہ گردد پر صور	اندر و ہر سو ملیحے سیم بر
تاکہ تیرا دل صورتوں بھرا آئینہ بن جائے	جس میں ہر جانب چاندی کے جسم کا حسین ہو
آہن ارچہ تیرہ و بے نور بود	صیقلی آں تیرگی از وے زدود
لوہا اگرچہ کالا اور بے نور تھا	صیقل کرنے نے اس کی کالک صاف کر دی
صیقلی دید آہن و خوش کرد رو	تا کہ صورتہا تواں دید اندر رو
لوہے نے صیقل حاصل کی اور چہرہ حسین کر لیا	یہاں تک کہ اس میں صورتیں دیکھی جا سکتی ہیں
گر تن خاکی غلیظ و تیرہ است	صیقلش کن زانکہ صیقل گیرہ است
اگر خاکی جسم غلیظ اور کالا ہے	اس کو صیقل کر وہ صیقل کو قبول کر لینے والا ہے
تا درو اشکال غیبی رو دہد	عکس حورے و ملک در وے جہد
تاکہ اس میں غیبی صورتیں نظر آئیں	حور اور فرشتے کا عکس اس میں جھلکے

صیقل عقلت بداں دادست حق	کہ بدو روشن شود دل را ورق
تجھے اللہ (تعالیٰ) نے عقل کا صیقل اس لیے دیا ہے	تاکہ اس کے ذریعہ دل کا ورق روشن ہو
صیقلی رابستہ اے بے نیاز	واں ھوا را کردۂ دو دست باز
اے لاپروا! تو نے صیقل کو بند کر دیا ہے	اور خواہش کے دونوں ہاتھ کھول دیے ہیں
گرھوا رابند بنہادہ شود	صیقلے رادست بکشادہ شود
اگر خواہش پر بند باندھ دیا جائے	صیقل کے ہاتھ کھل جائیں گے
آہنے کائینہ غیبی بدے	جملہ صورتہا در و مرسل شدے
جو لوہا غیب کا آئینہ بن جائے	تمام صورتیں اس میں بھیج دی جاتی ہیں
تیرہ کردی زنگ دادی در نہاد	ایں بود یسعون فی الارض الفساد
تو نے کالا کر لیا طبیعت پر زنگ چڑھا دیا	"وہ زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں" کے یہی معنی ہیں
تاکنوں کردی چنیں اکنوں مکن	تیرہ کردی آب را افزوں مکن
تو نے اب تک ایسا کیا، اب نہ کر	تو نے پانی کو گدلا کر دیا، زیادہ نہ کر
برمشوراں تا شود ایں آب صاف	و اندرو بیں ماہ و اختر در طواف
اس کو نہ ہلا تاکہ پانی صاف ہو جائے	اور اس میں تو چاند اور ستارے گھومتے دیکھے
زانکہ مردم ہست ہمچوں آبجو	چوں شود تیرہ نہ بینی قعر او
کیونکہ انسان نہر کے پانی کی طرح ہے	جب وہ گدلا ہو جاتا ہے تو نہیں دیکھتا ہے
قعر جو پرگوہر ست و پرزدر	ہیں مکن تیرہ کہ ہست آں صاف وحر
نہر کی تہ موتیوں اور گوہر بھری ہے	خبردار اس کو گدلا نہ کر وہ صاف اور پاک ہے
جان مردم ہست مانند ھوا	چوں بگرد آمیخت شد پردہ سما
انسانوں کی جان ہوا کی طرح ہے	جب وہ گرد آلود ہو گئی تو آسمان کا پردہ بن گئی
مانع آید او زدید آفتاب	چونکہ گردش رفت شد صافی وتاب
وہ سورج کو دیکھنے سے منع ہوتی ہے	جب اس کی گرد جاتی رہی اور صاف اور خالص بن گئی
حاصل آنکہ کم مکن اے بے سرور	صیقلی واللہ اعلم بالصدور
اے ناخوش! خلاصہ یہ ہے کہ کم نہ کر	صیقل کو اور خدا سینوں کو زیادہ جانتا ہے

یہ مضمون بھی تتمہ ہے ماقبل کا چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ تو لوہے کی طرح سیاہ ہے لیکن تجھے چاہئے کہ اپنے کو خوب صیقل کرے تا کہ تیرا دل صورتوں سے لبریز آئینہ ہو جاوے اور اس میں ہر طرف واردات غیبیہ جو بانمک حسینوں کی طرح محبوب دمرغوب ہیں جلوہ گر ہوں۔ تو لوہے کی حالت سے عبرت پکڑ اور سمجھ کہ گو وہ پہلے سیاہ اور بے نور تھا مگر صیقلی نے اس کو صاف اور شفاف کر دیا اور وہ لوہا صیقل ہو کر خوبصورت ہو گیا اور یہ حالت ہو گئی کہ اس میں صورتیں دیکھ سکتے ہیں پس یوں ہی اگر تیرا جسم خاکی بھی کثیف اور تاریک ہے تو تو اسے صیقل کر کے صاف کر لے کیونکہ وہ صیقل ہونے کے قابل ہے اور صیقل ہو سکتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس میں اشکال غیبی ظاہر ہوں گی۔ اور حوروں اور فرشتوں کی صورتیں اس میں منعکس ہوں گی کیونکہ جنت اور عالم ملکوت تجھ پر منکشف ہوگا حق سبحانہ نے تجھے عقل جو آئینہ جسم و قلب کا صیقل گر ہے اس لئے دی تھی کہ وہ ورق دل کو صیقل کرے اور وہ صاف و شفاف ہو جاوے لیکن تو نے یہ کیا کہ اس صیقل گر کو باندھ دیا اور ہوا جو کہ اس آئینہ کو اور زنگ آلود کرنے والی ہے اس کے ہاتھ کھول دیئے اب تو ہی انصاف کر کہ تیرا یہ فعل کہاں تک مناسب ہے۔ پس ضرورت ہے کہ صیقل گر کے ہاتھ کھولے جائیں اور اگر ہوائے نفسانی کے ہاتھ بند ہیں تو اس صیقل گر کے ہاتھ کھل سکتے ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہوا کے ہاتھ باندھے جائیں تو غور کر کہ وہ لوہا جو صورت غیبیہ کا آئینہ ہوتا اور تمام صورتیں اس میں آتیں بشرطیکہ وہ صاف ہوتا تو نے اسے مکدر کر دیا اور مکدر بھی ایسا کہ زنگ کو اس کی ذات میں داخل کر دیا۔ بڑے غضب کی بات ہے اور یہ حقیقی مصداق ہے۔ یسعون فی الارض فسادا کا (گو آیت کریمہ میں یہ معنی مراد نہیں) کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ "اصل" ارض اللہ قلب عارفست" اور اس کا سیاہ کرنا اس کا فساد ہے۔ پس جو لوگ دل کو سیاہ کرتے ہیں وہ بہت بڑے ساعی فی الارض بالفساد ہیں۔ خیر گذشتہ را صلوات۔ گو اب تک تو نے اسے سیاہ کیا مگر اب ایسا مت کر اور گو تو نے اس وقت تک اس آب صاف کو مکدر کیا مگر اس سے زیادہ نہ کر۔ اور اب اسے مت ہلا بلکہ چھوڑ دے تا کہ گرد و غبار تہ نشین ہو جاوے اور وہ پانی صاف ہو جاوے۔ یعنی اب کوئی ایسی حرکت نہ کر جس سے اس کی تیرگی بڑھے بلکہ وہ تدبیر کر جس سے یہ تیرگی دفع ہو پس تو یہ کر اور اس میں صور غیبیہ کے چاند تارے دیکھ لے ہم تجھے قلب کے مکدر کرنے سے اس لئے روکتے ہیں کہ قلوب انسانیہ ایسے ہیں جیسے ندی کا پانی جس کا قاعدہ ہے کہ جب وہ تاریک ہو جاتا ہے تو اس کی تہ نہیں دکھلائی دیتی اور اس کی تہ میں جواہر اور موتی بھرے پڑے ہیں۔ پس اس کو مکدر نہ کرنا چاہئے کیونکہ اب تک وہ صاف و شفاف ہے اس کے مکدر کرنے سے وہ جواہر مخفی ہو جاویں گے اسی طرح دل جواہر کمالات سے پر ہیں پس انہیں سیاہ نہ کرنا چاہئے ورنہ وہ کمالات مخفی ہو جاویں گے۔ علیٰ ہذا جان انسانی ہوا کے مشابہ ہے اور ہوا جبکہ گرد کے ساتھ مخلوط ہو جاتی ہے تو آسمان کا پردہ بن جاتی ہے اور آفتاب کے دیکھنے سے مانع ہوتی ہے لیکن جبکہ اس کی گرد فنا ہو جاتی ہے تو وہ صاف اور خالص ہو جاتی ہے پس یہی حالت روح کی ہے کہ جب وہ ظلمات معاصی سے تاریک ہو جاتی ہے تو آفتاب حقیقی کے لئے پردہ ہو جاتی ہے اور علی حسب تفاوت مراتب ظلمات معرفت الٰہی سے مانع ہوتی ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ جہاں تک ممکن ہو صیقلی میں کمی نہیں کرنی چاہئے اور جہاں تک ممکن ہو تصفیۂ باطن میں جدوجہد کرنی چاہئے۔

باز گفتن موسیٰ اسرار فرعون را و اقعات او بظہر الغیب تا مخبری حق ایماں آورد و قصۂ آں زنگی کہ بر آئینہ رید

حضرت موسیٰ کا فرعون کے راز اور واقعات کو غائبانہ بتادینا تا کہ اللہ کے باخبر ہونے پر ایمان لے آئے اور اس حبشی کا قصہ جس نے آئینہ پر پاخانہ پھیر دیا

باکمال تیرگی حق واقعات	می نمودت تا روی راہ نجات
باوجود مکمل کالے پن کے اللہ (تعالیٰ) واقعات	تیرے لئے رونما کرتا ہے تاکہ تو نجات کا راستہ چلے
ز آہن تیرہ بقدرت می نمود	واقعاتے کہ در آخر خواست بود
قدرت کے ذریعہ کالے لوہے سے رونما کئے	وہ واقعات جو آخیر میں ہونے والے تھے
تا کنی کم تر تو آں ظلم و بدی	آں ہمی دیدی و بدتر می شدی
تاکہ تو ظلم اور برائی نہ کرے	تو نے وہ دیکھے اور بدتر ہو گیا
نقشہائے زشت خوابت می نمود	می رمیدی زاں و آں نقش تو بود
خواب تجھے بری صورتیں دکھاتے تھے	تو ان سے نفرت کرتا تھا اور وہ تیری حالت تھے
ہمچو آں زنگی کہ در آئینہ دید	روی خود را زشت و بر آئینہ رید
اس حبشی کی طرح جس نے آئینہ میں دیکھا	اپنا بدنما چہرہ اور آئینہ پر پاخانہ پھر دیا
کہ چہ زشتی لائق اینی و بس	زشتیم آن تواست اے کور خس
کہ تو کیا بدنما ہے؟ تو بس اسی کے لائق ہے	اے اندھے کمینے! میری بدنمائی تیری ملک ہے
ایں جفا بر روی زشتت می کنی	نیست بر من زانکہ ہستم روشنی
یہ ظلم تو اپنے بدنما چہرے پر کر رہا ہے	مجھ پر نہیں ہے کیونکہ میں تو روشن ہوں
گاہ می دیدی لباست سوختہ	گہ دہان و چشم تو بر دوختہ
کبھی تو نے اپنا لباس جلا ہوا دیکھا	کبھی اپنا منہ اور آنکھیں سلی ہوئی
گاہ حیواں قاصد خونت شدہ	گہ سر خود را بدندان ددہ
کبھی جانور تیرے خون کے درپے ہوا	کبھی اپنے سر کو درندہ کے دانتوں میں (دیکھا)
گہ نگوں اندر میان آب ریز	گہ غریق سیل خوں آمیز تیز
کبھی بہت الٹا میں اوندھا	کبھی خون ملے ہوئے تیز بہاؤ میں

گہ زبامے اوفتادہ گشتہ پست	گاہ در اشکنجہ و بستہ دو دست
کبھی بالا خانہ سے گرا ہوا دبا ہوا	کبھی شکنجے میں دونوں ہاتھ بندھے ہوئے
گا ہدیدہ خویش در زنجیر و غل	گاہ مغزت راز دندے چوں دہل
کبھی اپنے آپ کو زنجیر اور طوق میں دیکھا	کبھی تیرے سر کو ڈھول کی طرح پیٹتے تھے
گہ ندات آمد ازیں چرخ نقی	کہ شقی وکہ شقی و کہ شقی
کبھی اس صاف آسمان سے آواز آئی	کہ تو بدبخت ہے تو بدبخت ہے تو بدبخت ہے
گہ ندات آمد صریحاً از جبال	کہ برو ہستی ز اصحاب شمال
کبھی تجھے پہاڑوں سے صاف آواز آئی	کہ جا تو بائیں جانب والوں میں سے ہے
گہ ندامی آمدت از ہر جماد	تابد فرعون در دوزخ فتاد
کبھی تجھے ہر بے جان کی جانب سے آواز آئی	کہ فرعون ہمیشہ کیلئے دوزخ میں گر گیا
گہ خطاب آمد ترا از ہر نبات	گشت مطرود ابد فرعون و مات
کبھی تجھے ہر پودے سے آواز آئی تھی	کہ فرعون ہمیشہ کے لئے مردود ہوگیا اور مر گیا
زیں بترہا کہ نمی گویم ز شرم	تا نگردد طبع معکوس تو گرم
اس سے بھی بدتر جو کہ میں شرم سے نہیں کہتا ہوں	تاکہ تیری اوندھی طبیعت غضبناک نہ ہو
اند کے گفتم بتو اے ناپذیر	زاند کے دانی کہ ہستم من خبیر
اے نہ قبول کرنے والے! میں نے تھوڑی باتیں کہی ہیں	تھوڑی باتوں سے تو جان لے کہ میں باخبر ہوں
خویشتن را کور کردی و مات	تا نیندیشی ز خواب و واقعات
تو نے اپنے آپ کو اندھا اور مردہ بنا لیا	تاکہ خواب اور واقعات کو نہ سوچے
چند بگریزی نک آمد پیش تو	کوری ادراک مکر اندیش تو
تو کتنا گریز کرے گا اب تیرے آگے آگئی	تیرے مکر کے منصوبے باندھنے والے ذہن کی بے بصیرتی

یہاں سے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ حق سبحانہ باوجود تیرے کمال سیاہ دلی کے تجھے واقعات دکھلاتے تھے تاکہ تو راہ نجات پر چلے۔ اور تجھے تیرے غیر مصفا لوہے یعنی سیاہ دل سے اپنی قدرت کاملہ سے وہ واقعات دکھلاتے تھے جو آخر میں ہونے

والے ہیں تاکہ تو متنبہ ہوکر ظلم اور برائی کو کم کرے مگر تو دیکھتا تھا اور بگڑتا تھا تیرے خواب تجھے بری بری شکلیں دکھلاتے تھے مگر تو ان سے بھاگتا تھا حالانکہ وہ خود تیری ہی صورتیں تھیں اس لئے تیری مثال ایسی تھی جیسے زنگی جس نے آئینہ میں اپنا منہ برا دیکھا اور آئینہ پر تھوک دیا۔ اور کہا کہ تو نہایت برا ہے لہٰذا اسی کے لائق ہے مگر آئینہ کہتا تھا کہ میری برائی حقیقت میں میری نہیں بلکہ تیری ہے اس لئے یہ ظلم تو خود اپنے منہ پر کرتا ہے اور مجھ پر نہیں کرتا۔ کیونکہ میں تو روشن ہوں کبھی تو اپنے لباس کو جلا ہوا دیکھتا تھا۔ جس میں اشارہ تھا اس امر کی طرف کہ تیرا لباس تقویٰ فنا ہو چکا ہے۔ کبھی تو اپنے منہ اور آنکھ کو سیاہ ہوا دیکھتا تھا جس میں اشارہ تھا اس طرف کہ تو حق گو اور حق بین نہیں۔ کبھی دیکھتا تھا کہ کوئی جانور تیرے خون کے درپے ہے اور کبھی دیکھتا تھا کہ تیرا سرایک درندہ کے منہ میں ہے یہ جانور اور درندہ خوئی بہیمیہ وسبعیہ تھیں کبھی دیکھتا تھا کہ میں پاخانہ کے چوبچہ میں پڑا ہوں۔ جس میں اشارہ تھا اس طرف کہ تو نجاسات معاصی میں آلودہ ہے اور کبھی دیکھتا تھا کہ میں ایک تیز خون آمیز سیلاب میں ڈوب گیا ہوں۔ جس میں اشارہ تھا اس طرف کہ تیرا خون ناحق تیری ہلاکت کا سبب ہے کبھی دیکھتا تھا کہ میں نئے کوٹھے سے گر کر نیچے آ گیا ہوں جس میں اشارہ تھا اس طرف کہ تو عالم بالا کو چھوڑ کر دنیا میں پھنس گیا ہے کبھی دیکھتا تھا کہ شکنجہ میں تیرے ہاتھ پاؤں پھنسے ہوئے ہیں اور کبھی دیکھتا تھا کہ میں طوق وزنجیر پہنے ہوئے ہوں کبھی دیکھتا تھا کہ میرا سرڈھول کی طرح کوٹا جارہا ہے ان امور میں اشارہ تھا تیرے افعال کی جزا کی طرف یہ تو خواب کے واقعات تھے مگر صرف انہی پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ بلکہ واقعات بیداری کے ذریعہ سے بھی متنبہ کیا گیا۔ چنانچہ کبھی آسمان سے ندا آتی تھی کہ تو شقی ہے کبھی پہاڑوں سے صاف آواز آتی تھی کہ تو دوزخی ہے کبھی دیگر جمادات سے ندا آتی تھی کہ اے فرعون تو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں جا گرا۔ کبھی نباتات کہتے تھے کہ فرعون ہمیشہ کے لئے درگاہ الٰہی سے مردود ہو گیا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ ان سے بڑے بڑے اور واقعات ہیں جن کو میں شرم کی بنا پر اور اس لئے نہیں کہتا کہ تیری اوندھی طبیعت تیز نہ ہو جاوے اور تجھے غصہ نہ آ جاوے تو میری نصیحت کو بالکل ہی سننا چھوڑ دے مختصر طور پر اس لئے بیان کر دیا ہے تاکہ اس مختصر بیان سے تجھے معلوم ہو جاوے کہ میں تیرے واقعات کو جانتا ہوں اور اس سے تجھے معلوم ہو جاوے کہ میں نبی ہوں۔ خیر یہ سب واقعات تجھ پر گزرتے تھے مگر تو اندھا بن جاتا تھا اور اپنے کو مغلوب کر لیتا تھا تاکہ تو خواب اور واقعات بیداری سے سوچ میں نہ پڑ جاوے لیکن تو کب تک بھاگ سکتا تھا آخر وہ واقعات تیرے مکار اور اک کے منشا کے خلاف تیرے سامنے آ گئے۔

در بیان آنکہ در توبہ واستغفار باز ست از کرم حق

اس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے توبہ اور معافی کا دروازہ کھلا ہوا ہے

ہیں مکن زیں پس فرا گیر احتراز	کہ ز بخشایش در توبہ است باز
خبردار! اس کے بعد نہ کر بچاؤ اختیار کر	کیونکہ بخشش سے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے
توبہ را از جانب مغرب درے	باز باشد تا قیامت بر ورے
مغرب کی جانب سے توبہ کا دروازہ	کھلا ہوا ہے مخلوق پر قیامت تک

تاز مغرب برزند سر آفتاب	باز باشد آں درازوے رومتاب
جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع کرے	وہ دروازہ کھلا ہوا ہے اس سے رو گردانی نہ کر
ہست جنت راز رحمت ہشت در	یک درتوبہ است زاں ہشت اے پسر
(خدا کی) رحمت سے جنت کے آٹھ دروازے ہیں	ان آٹھ میں سے اے بیٹا! ایک توبہ کا دروازہ ہے
آں ہمہ گہ باز باشد گہ فراز	واں در توبہ نباشد جز کہ باز
وہ سب کبھی کھلتے ہیں کبھی بند ہوتے ہیں	اور توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہتا ہے
ہیں غنیمت دار در بازست زود	رخت آنجاکش بکوری حسود
خبردار! غنیمت سمجھ دروازہ کھلا ہوا ہے جلد	سامان وہاں لے جا حاسد کی آنکھ میں دھول جھونک کر
پیش ازاں کز قہر در بستہ شود	بعد ازاں زاری تو کس نشنود
اس سے پہلے کہ قہر کی وجہ سے دروازہ بند ہو جائے	اس کے بعد تیری (آہ و) زاری کوئی نہ سنے گا
بازگرد از کفر وایں در بازیاب	تانگردی از شقاوت ردباب
کفر سے پلٹ جا اور اس دروازہ کو حاصل کر لے	تاکہ تو بدبختی سے مردود بارگاہ نہ بنے

خیر جو کچھ ہو چکا وہ تو ہو چکا اب ایسی باتیں مت کر اور ان سے بچ۔ کیونکہ بخشش خداوندی سے ہنوز در توبہ کھلا ہوا ہے اور مغرب کی جانب سے یہ توبہ کا دروازہ مخلوق کے لئے قیامت تک کھلا رہے گا یعنی جب تک کہ آفتاب مغرب سے نکلے اس وقت تک کھلا رہے گا تو اس سے اعراض مت کر بلکہ اس سے فائدہ اٹھا۔ دیکھ جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور ان آٹھ میں سے ایک در توبہ ہے پس بقیہ سات کبھی بند ہوتے ہیں اور کبھی کھلے ہوئے لیکن در توبہ ہمیشہ کھلا ہوا ہوتا ہے پس چونکہ یہ دروازہ کھلا ہوا ہے اس لئے اس کو غنیمت جان اور اس کے ذریعہ سے جنت میں پہنچ جا۔ گو حاسدوں یعنی نفس وشیطان کو ناپسند ہو اور یہ کام اس کے بند ہونے سے پہلے ہی ہو جانا چاہئے کیونکہ اس کے بعد تیری آہ وزاری کوئی نہ سنے گا اور وہ دروازہ نہ کھل سکے گا۔ پس تو کفر سے باز آ اور اس کھلے ہوئے دروازہ سے فائدہ اٹھا تا کہ تو اس کے بند ہونے کے بعد اپنی بدبختی کے سبب اس دروازہ سے واپس نہ لوٹا دیا جاوے یا مردود درگاہ حق سبحانہ نہ ہو جاوے۔

فائدہ:۔ مولانا کے ظاہر بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ باب توبہ جس کے کھلے ہونے تک توبہ قبول ہوتی ہے اور وہ در توبہ جو جنت کا دروازہ ہے دونوں ایک ہیں۔ دو نہیں ہیں لیکن حدیث ان اللہ جعل بالمغرب بابا عرضہ مسیرۃ سبعین عاما للتوبۃ لا مالم تطلع الشمس من قبلہ الخ کے ظاہر سے اس کا باب جنت کے مغائر ہونا مفہوم ہوتا ہے۔ فتدبر واللہ اعلم۔

فائدہ ۲:''توبہ را از جانب مغرب درے الخ'' سے آخر ابیات تک ممکن ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہو۔ اور مخاطب فرعون ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ مولانا کا مقولہ ہو اور مخاطب عام ہو واللہ اعلم۔

گفتن موسیٰ علیہ السلام مرفرعون را کہ از من یک پند قبول کن و چہار فضیلت عوض بستان و پرسیدن فرعون کہ آں چہار کدام ست

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے کہنا کہ میری ایک نصیحت مان لے اور بدلے میں چار فضیلتیں حاصل کر لے اور فرعون کا دریافت کرنا کہ وہ چار کیا ہیں؟

ہیں زمن بپذیر یک چیز و بیار	پس زمن بستاں عوض آں را چہار
آگاہ! میری ایک بات مان لے اور بجا لا	پھر مجھ سے اس کے بدلے میں چار لے لے
گفت اے موسیٰ کدام ست آں یکے	شرح کن با من ازاں یک اندکے
اس نے کہا اے موسیٰ! وہ ایک کیا ہے؟	اس ایک کی میرے لئے تھوڑی سی تشریح کر دے
گفت آں یک کہ بگوئی آشکار	کہ خدائی نیست جز از کردگار
فرمایا وہ ایک یہ ہے کہ تو علی الاعلان کہہ دے	کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی خدا نہیں ہے
خالق افلاک و انجم برعلا	مردم و دیو و پری و مرغ را
جو آسمانوں کو اور بلندی پر ستاروں کو پیدا کرنے والا ہے	اور انسانوں اور دیو اور پری اور پرندوں کو
الق دریا و کوہ و دشت و تیہ	ملکت او بے حد و او بے شبیہ
دریا اور پہاڑ اور جنگل اور میدان کا پیدا کرنے والا ہے	اس کی سلطنت لامحدود ہے اور وہ بے مثال ہے
حافظ ہر چیز و ہر کس ہر مکاں	رازق ہر جانور اندر جہاں
وہ ہر چیز اور ہر شخص اور ہر جگہ کا نگہبان ہے	دنیا میں ہر جاندار کو رزق دینے والا ہے
ہم نگہدارندۂ ارض و سما	ہم پدید آرندۂ گل از گیا
زمین اور آسمان کا محافظ بھی ہے	گھاس سے پھول پیدا کرنے والا بھی ہے
مطلع او بر ضمیر بندگاں	حاکم و جبار برگردن کشاں
وہ بندوں کے دل کی بات سے باخبر ہے	وہ متکبروں پر حاکم اور زبردست ہے
اوست بر ہر بادشاہے بادشاہ	حکم اورا یفعل اللہ ما یشاء
وہی ہر بادشاہ کا بادشاہ ہے	اس کا حکم ہے، اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے
گفت اے موسیٰ کدام ست آنچہار	کہ عوض بدہی مرا بر گو بیار
اس نے کہا اے موسیٰ! وہ چار کیا ہیں؟	کہ تو بدلے میں دے گا مجھے بتا لا

تابود کز لطف آں وعدہ حسن	سست گردد چار میخ کفر من
ہو سکتا ہے کہ اس اچھے وعدے کی خوبی سے	میرے کفر کی سزا سست پڑ جائے
بو کہ زاں خوش وعدہائے مغتنم	بر کشاید قفل کفر صد منم
ہو سکتا ہے کہ اچھے مغتنم وعدوں کی وجہ سے	میرے کفر کا سینکڑوں من کا قفل کھل جائے
بو کہ از تاثیر جوی انگبیں	شہد گردد در تنم ایں زہر کیں
ہو سکتا ہے کہ شہد کی نہر کی تاثیر سے	یہ کینہ کا زہر میرے جسم میں شہد بن جائے
یا ز عکس جوی آں پاکیزہ شیر	پرورش یابد دمے عقل اسیر
یا اس دودھ کی پاکیزہ نہر کے عکس سے	تھوڑی دیر کے لئے قیدی عقل پرورش پا لے
یا بود کز عکس آں جوہائے خمر	مست گردم بو برم از ذوق امر
یا شاید شراب کی ان نہروں کے پرتو سے	میں مست ہو جاؤں حکم خداوندی کا ذوق حاصل کر لوں
یا بود کز لطف آں جوہائے آب	تازگی یابد تن شورہ خراب
یا شاید ان پانی کی نہروں کی لطافت سے	برباد بنجر جسم تازگی حاصل کر لے
شورہ ام راسبزۂ پیدا شود	خار زارم جنۃ الماویٰ شود
میری شور زمین میں سبزہ پیدا ہو جائے	میرا کانٹوں کا کھیت جنت الماویٰ بن جائے
بو کہ از عکس بہشت و چار جو	جاں شود از یاری حق یار جو
ہو سکتا ہے کہ بہشت اور چاروں نہروں کے پرتو سے	جان اللہ کی مدد کی خواستگار بن جائے
آنچناں کز عکس دوزخ گشتہ ام	آتش و در قہر حق آغشتہ ام
جیسا کہ میں دوزخ کے عکس سے بن گیا ہوں	آگ اور اللہ (تعالیٰ) کے قہر میں ڈوبا ہوا ہوں
کہ ز عکس نار دوزخ ہمچو مار	گشتہ ام بر اہل جنت زہر بار
کہ دوزخ کی آگ کے عکس سے سانپ کی طرح	جنتیوں پر زہر برسانے والا بن گیا ہوں
کہ ز عکس جوشش آب حمیم	آب ظلمم کرد خلقاں را رمیم
کہ گرم پانی کے جوش کے عکس سے	میرے ظلم کے پانی نے مخلوق کو بوسیدہ بنا دیا ہے
من ز عکس زمہریرم زمہریر	یا ز عکس آں سعیرم چوں سعیر
میں زمہریر کے عکس سے ' زمہریر ہوں	یا دوزخ کے عکس سے دوزخ جیسا ہوں

دوزخ درویش مظلوم کنوں	وای آنکہ یا بمش ناگہ زبوں
میں اب مظلوم فقیر کی دوزخ ہوں	اس پر افسوس ہے جس کو میں کمزور پاؤں
موسیا باشد کہ بکشائیم در	وز فضیلتہات گردم باخبر
اے موسیٰ! ہو سکتا ہے کہ تو مجھ پر دروازہ کھول دے	اور تیری فضیلتوں سے میں باخبر ہو جاؤں
موسیا باشد کہ یابم ما منے	وارہم از کثرت ماو منے
اے موسیٰ! ہو سکتا ہے کہ میں امن کی جگہ پالوں	میں تکبر اور خودی کی کثرت سے چھوٹ جاؤں
ہیں بگو با من کدامست آں چہار	کہ عوض خواہیم دادن بر شمار
ہاں بتا مجھے وہ چار کیا ہیں؟	جو مجھے تو بدلے میں دے گا شمار کر

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ تو میری ایک بات مان لے اور اس کو عمل میں لا۔ اس کے بعد اس کے عوض میں مجھ سے چار چیزیں لے لے۔ اس پر اس نے کہا کہ وہ ایک چیز کیا ہے اس کی کسی قدر تفصیل بیان کر آپ نے فرمایا کہ وہ ایک بات یہ ہے کہ تو علی الاعلان اس کا اقرار کر کہ خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ وہ بلندی پر افلاک اور ستاروں اور پستی میں انسانوں شیاطین جنات اور جانوروں کا پیدا کرنے والا ہے نیز دریاؤں پہاڑوں اور جنگلوں اور بیابانوں کا بھی خالق ہے۔ اس کی سلطنت غیر محدود ہے اور وہ بے نظیر و بے مثل ہے وہ ہر شخص اور ہر مکان کا نگہبان ہے اور عالم میں ہر جاندار کو رزق دینے والا ہے۔ نیز وہ آسمانوں اور زمینوں کا محافظ ہے اور نباتات میں پھول پیدا کرنے والا ہے۔ اپنے بندوں کے دلوں کی باتوں پر مطلع ہے۔ سرکشوں پر حاکم اور ان کی سرکوبی کرنے والا ہے وہ ہر بادشاہ کا بادشاہ ہے حکم اسی کا ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی اس کی مزاحمت نہیں کر سکتا۔ یہ سن کر اس نے کہا کہ اچھا وہ چار چیزیں بھی بیان کر جو مجھے معاوضہ میں ملیں گی تاکہ شاید اس عمدہ وعدہ کے سبب میرے کفر کا شکنجہ ڈھیلا ہو جاوے۔ اور میں اس سے نکل سکوں اور ممکن ہے کہ ان اچھے اور متضمن وعدوں کے سبب مجھ سے اور سینکڑوں کے کفر کا قفل بھی کھل جاوے۔ اور وہ مسلمان ہو جائیں اور ممکن ہے کہ جنت کی جوئے شہد سے یہ عداوت کا زہر میرے جسم میں شہید ہو جاوے۔ اور میں تیرا دوست ہو جاؤں یا اس کی جوہائے شیر کے پرتو سے میری پابند نفس عقل پرورش پائے یا اس کی جوہائے شراب کے پرتو سے میں مست ہو جاؤں۔ اور حکم حق کی چاشنی سے واقف ہو جاؤں۔ یا ممکن ہے کہ اس کی پانی کی ندیوں کے لطف سے میرا تن جو شور زمین کی مانند اور ویران ہے تازگی حاصل کرلے اور میری اس زمین شور میں سبزۂ معرفت حق سبحانہ پیدا ہو جاوے اور میرا یہ کانٹوں کا کھیت یعنی جسم جنت الماویٰ بن جاوے اور ممکن ہے کہ اس بہشت اور اس کی چاروں مذکورہ بالا نہروں کے پرتو سے جان اعانت حق سبحانہ کو اپنا معین بنانے کی طالب ہو جس طرح کہ اب میں دوزخ کے عکس سے آگ بن رہا ہوں اور قہر سے مخلوط ہوں اور جیسا کہ آتش دوزخ کے پرتو سے سانپ کی طرح مستحقین جنت پر زہر اگل رہا ہوں اور جیسا کہ دوزخ کے گرم پانی کے جوش کے اثر سے میرے آب ظلم نے مخلوق کو غرق کر کے بوسیدہ کر دیا ہے یا جس طرح کہ دوزخ کے طبقہ زمہریر کے اثر سے کرۂ زمہریر اور دل سرد ہو رہا ہوں یا جیسا کہ دوزخ کے اثر سے دوزخ کی مانند ہو رہا

ہوں اور مظلوم غریبوں کے لئے دوزخ بن رہا ہوں اور بزبان حال کہتا ہوں کہ خرابی ہے اس کے لئے جس کو میں مغلوب پاؤں کیونکہ وہ میرے پنجہ قہر سے بچ نہیں سکتا اور اے موسیٰ ممکن ہے کہ تو وعدوں کی تفصیل سے میرے لئے ہدایت کا دروازہ کھول دے۔ اور میں تیری فضیلتوں سے واقف ہو جاؤں اور ممکن ہے کہ مجھے جائے امن مل جاوے اور میں اپنی کثرت نفسانیت سے نجات پاؤں۔ اچھا تو اب بیان کر دے کہ وہ چار لباس جو تو مجھے معاوضہ میں دے گا وہ کیا ہیں اور انہیں گن۔

شرح کردن موسیٰ آں چار فضیلت راجہت پامردی ایمان فرون

حضرت موسیٰ کا ان چار فضیلتوں کی تشریح کرنا جو فرعون کے ایمان کا بدلہ ہوں گی

گفت موسیٰ کاولین آں چہار	صحتے باشد تنت را پائیدار
(حضرت) موسیٰ نے فرمایا ان چاروں میں سے پہلی یہ ہے	کہ تیرے جسم کو پائیدار صحت حاصل ہو گی
ایں عللہائی کہ در طب گفتہ اند	دور باشد از تنت اے ارجمند
وہ بیماریاں جو طب میں مذکور ہیں	اے بااقبال! تیرے جسم سے دور ہوں گی
ثانیاً باشد ترا عمر دراز	کہ اجل داروز عمرت احتراز
دوسرے تیری عمر دراز ہو گی	کیونکہ موت تیری عمر سے احتراز کرے گی
ویں نباشد بعد عمر مستوی	کہ بناکام از جہاں بیروں روی
ایک ہموار عمر کے بعد یہ نہ ہو گا	کہ تو دنیا سے ناکام جائے
بلکہ خواہان اجل چوں طفل شیر	نے زرنجے کہ ترا دارد اسیر
بلکہ موت کا خواہاں ہو کر جس طرح دودھ پیتا بچہ	نہ کہ کسی بیماری کی وجہ سے جس نے تجھے قیدی بنا لیا ہو
مرگ جوباشی ولے نز عجز و رنج	بلکہ بینی در خراب خانہ گنج
تو موت کا جویاں ہو گا لیکن عجز اور تکلف کی وجہ سے نہیں	بلکہ تو گھر کی ویرانی میں خزانہ دیکھے گا
پس بدست خویش گیری تیشۂ	می زنی برخانہ بے اندیشۂ
تو اپنے ہاتھ میں کدال لے گا	بے تامل گھر پر مارے گا
کہ حجاب گنج بینی خانہ را	مانع صد خرمن ایں یک دانہ را
کیونکہ تو گھر کو خزانہ کا پردہ سمجھے گا	ایک دانہ کو سو کھلیانوں کا مانع (سمجھے گا)
پس در آتش افگنی ایں دانہ را	پیش گیری تیشۂ مردانہ را
تو اس دانہ کو آگ میں پھینک دے گا	مردانہ کدال کو سامنے رکھے گا

برکنی ایں خانۂ تن بے دریغ	تابروں آید مہت از زیر میغ
بے تامل اس جسم کے گھر کو اکھاڑ دے گا	تاکہ تیرا چاند ابر کے نیچے سے نکل آئے
اے بیک برگے زباغے ماندۂ	ہمچو کرمے برگش از رز راندۂ
اے وہ! جو ایک پتے کی وجہ سے ایک باغ سے محروم ہو گیا ہے	اس کیڑے کی طرح جس کو ایک پتے نے انگور سے ہٹا دیا ہے
چوں کرم ایں کرم را بیدار کرد	اژدہای جہل را ایں کرم خورد
جب اللہ کے کرم نے اس کیڑے کو بیدار کر دیا	اس کیڑے نے جہل کے اژدہے کو نگل لیا
کرم کرمے شد پراز میوہ درخت	ایں چنیں تبدیل کرد او نیک بخت
کیڑا انگور کی بیل میوہ بھرا درخت بن گیا	اس نیک بخت نے اس طرح تبدیلی کر لی

تفسیر کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف

میں چھپا ہوا خزانہ تھا تو میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق پیدا کی تاکہ میں پہچانا جاؤں کی تفسیر

خانہ برکن کز عقیق ایں یمن	صد ہزاراں خانہ شاید ساختن
گھر کھود ڈال یمن کے اس عقیق	لاکھوں گھر بنائے جا سکتے ہیں
گنج زیر خانہ است و چارہ نیست	از خرابی ہیں میندیش و مایست
خزانہ گھر کے نیچے ہے اور کوئی تدبیر نہیں ہے	ویرانی کی فکر نہ کر اور نہ ٹھہر
کہ ہزاراں خانہ از یک نقد گنج	می تواں کردن عمارت نے زرنج
ایک نقد خزانے سے ہزاروں گھر	تکلیف کے بغیر تعمیر کئے جا سکتے ہیں
عاقبت ایں خانہ خود ویراں شود	گنج از زیرش یقیں عریاں شود
انجام کار یہ گھر خود ویران ہو گا	خزانہ یقینا اس کے نیچے سے ظاہر ہو گا
لیک آں تو نباشد زانکہ روح	مزد ویراں کردنستش آں فتوح
لیکن وہ تیری ملکیت نہ ہو گا کیونکہ روح کے لئے	وہ نذرانہ اس (جسم) کو ویران کرنے کی مزدوری ہے
چوں نکرد آں کار مزدش ہست لا	لیس للانسان الا ما سعیٰ
جب وہ کام نہ کیا' اس کی مزدوری معدوم ہے	انسان کے لئے وہی ہے جو اس نے کوشش کی
دست خائی بعد ازاں تو کاے دریغ	ایں چنیں ماہے بد اندر زیر میغ
اس کے بعد تو ہاتھ کاٹے گا کہ ہائے افسوس	ابر کے نیچے ایسا عمدہ چاند تھا

من نکردم انچہ گفتند از بہی	گنج رفت و خانہ و دستم تہی
جو بھلائی کی بات انہوں نے کہی میں نے نہ کی	خزانہ گیا اور گھر (بھی) اور میرا ہاتھ خالی ہے
مانع صد خرمن ایں یک دانہ بود	حائل گنج و حجاب ایں خانہ بود
سینکڑوں کھلیانوں کے لئے ایک دانہ مانع تھا	خزانہ میں حائل اور پردہ یہ گھر تھا
خانہ را اجرت گرفتی و کرے	نیست ملک تو بہ بیعے یا شرے
تونے گھر اجرت اور کرایہ پر لیا ہے	خرید و فروخت کے ذریعہ تیری ملکیت نہیں ہے
ایں کرے رامد تے او تا اجل	تا دریں مدت کنی دروے عمل
اس کرایہ کی مدت موت تک ہے	تاکہ تو اس مدت میں اس میں کام کرے
پارہ و دزی میکنی اندر دکاں	زیر ایں دکان تو مدفوں دو کاں
تو دکان میں چیتھڑے سی رہا ہے	اس دوکان کے نیچے دوکانیں مدفون ہیں
ہست ایں دکاں کرائی زود باش	تیشہ بستان و تکش رامی تراش
یہ دوکان کرایہ کی ہے جلدی کر	کدال لے اور اس کی تہ کو کھود
تا کہ تیشہ ناگہاں برکاں نہی	از دکان و پارہ دوزی وارہی
تاکہ تو کدال اچانک کان پر رکھدے	دکان اور چیتھڑے سینے سے نجات پا جائے
پارہ دوزی چیست خورد آب دناں	میزنی ایں پارہ بردلق گراں
چیتھڑے سینا کیا ہے؟ روٹی پانی کی خوراک	بھاری گدڑی پر تو یہ پیوند لگا رہا ہے
ہر زماں می درد ایں دلق تنت	پارہ بروے می زنی زیں خوردنت
یہ تیرے جسم کی گدڑی ہر وقت پھٹی رہتی ہے	تو اس خوراک سے اس پر پیوند لگاتا ہے
اے ز نسل بادشاہ کام یار	با خود آ زیں پارہ دوزی ننگ دار
اے بامقصد بادشاہ کی نسل سے	ہوش میں آ اس چیتھڑے سینے سے شرم کر
پارۂ برکن ازیں قعر دوکاں	تا بر آرد سر بہ پیش تو دوکاں
اس دکان کی تہ سے ٹکڑا ہٹا	تاکہ تیرے سامنے دوکانیں رونما ہوں
پیش ازاں کایں مہلت خانہ کرے	آخر آید تو نخوردہ زو برے
اس سے قبل کہ گھر کی کرایہ داری کا وقت	ختم ہو (اور) تونے اس سے کوئی پھل نہ کھایا ہو

پس ترا بیروں کند صاحب دکاں	ایں دکان را بر کند از روی کاں
پس تجھے دکان کا مالک نکال دے	اس دوکان کو کان کے منہ پر سے اکھاڑ دے
توز حسرت گاہ برسری زنی	گاہ ریش خام خود بر می کنی
تو کبھی حسرت سے سر پیٹے گا	کبھی اپنی بیوقوفی کی داڑھی نوچے گا
کاے دریغا آں من بود ایں دکاں	کور بودم برنخوردم زیں مکاں
کہ ہائے افسوس! یہ دکان میرے قبضہ میں تھی	میں اندھا تھا میں نے اس جگہ سے نفع حاصل نہ کیا
اے دریغا گنج را بگذاشتم	آب حیواں را بخاک انباشتم
ہائے افسوس! میں نے خزانہ ضائع کر دیا	آب حیات کو مٹی سے ڈھک دیا
اے دریغا بود ما را برد باد	تا ابد یا حسرتا شد للعباد
ہائے افسوس! ہمارا وجود برباد ہو گیا	قیامت تک "بندوں کے لئے حسرت ہے" رہ گیا

غرہ شدن آدمی بہ ذکاوت و تصورات طبع خویش و طلب نا کردن غیب کہ علم انبیاست علیہم السلام

انسان کا اپنی ذہانت اور اپنے طبعی تصورات سے دھوکے میں پڑنا اور علم غیب طلب نہ کرنا جو انبیاء علیہم السلام کا علم ہے

دیدم اندر خانہ من نقش و نگار	بودم اندر عشق خانہ بے قرار
میں نے گھر میں نقش و نگار دیکھے	میں گھر کے عشق میں بے قرار تھا
ماندہ ام در خانہ حیران و نزار	لابد از معنیٰ شدم من عور و زار
میں گھر (کے معاملہ) میں حیران اور کمزور بن گیا	لامحالہ میں حقیقت سے خالی اور بدحال رہ گیا
عشق خانہ در دل من کار کرد	لاجرم از گنج ماندم دور و فرد
گھر کی محبت میرے دل میں کام کر گئی	میں لامحالہ خزانہ سے دور اور تنہا رہ گیا
بودم از گنج نہانی بے بر	ورنہ دستنبوی من بودے تبر
میں پوشیدہ خزانے سے بے خبر تھا	ورنہ تبر میرے ہاتھ کا گلدستہ ہوتا
آہ اگر داد تبر را دادمے	ایں زماں غم را تبرا دادمے
افسوس! اگر میں تبر کی قدر کر لیتا	اس وقت میں غم پر تبرا پڑھ دیتا

چشم را بر نقش می انداختم	ہمچو طفلاں عشقہامی باختم
میں نے نقش (و نگار) پر آنکھ جما دی	بچوں کی طرح محبت کرنے لگا
بس نکو گفت آں حکیم کامیار	کہ تو طفلی خانہ پر نقش و نگار
اس ماہر اور دانا نے بہت اچھا کہا ہے	کہ تو بچہ ہے (اور) گھر نقش و نگار سے بھرا ہوا ہے
در الٰہی نامہ بس اندرز کرد	کہ برآر از دودمان خویش گرد
الٰہی نامہ میں اس نے نصیحت کی ہے	کہ اپنے خاندان کو برباد کر

اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ چاروں میں پہلی چیز یہ ہے کہ تو ہمیشہ تندرست رہے گا اور تیرے جسم سے وہ تمام بیماریاں دور رہیں گی جو طب میں بیان کی گئی ہیں۔ دوسرے تیری عمر نہایت دراز ہوگی۔ کیونکہ موت کو تیری عمر کے فنا کرنے سے اس عرصہ دراز تک احتراز ہوگا۔ اور جب یہ عمر مستوی (یعنی وہ عمر جس کے اجزاء راحت میں تمام یکساں ہیں اور جس میں یہ بات نہیں کہ کبھی تکلیف ہو کبھی راحت) ختم ہو جاوے گی تو یہ نہ ہوگا کہ تو اس جہاں سے ناخوش جاوے بلکہ تو موت کا یوں ہی طالب ہوگا جس طرح بچہ دودھ کا ہوتا ہے مگر یہ خواہش کسی ایسی تکلیف کی بناء پر نہ ہوگی جس نے تجھے متقید کر رکھا ہو۔ اور تو موت کا خواہاں ہوگا مگر مجبوری اور تکلیف سے نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہوگی کہ تو اپنے خانہ تن کی ویرانی میں ایک خزانہ دیکھے گا پس اس خزانہ کے ملنے کی توقع میں اس کی ویرانی کا خواہاں ہوگا اور اپنے ہاتھ میں تبر لے کر اس گھر پر بے کھٹکے بجانا شروع کرے گا۔ (مقصود یہ ہے کہ تو اس کی ویرانی کا بخوشی خواہاں ہوگا یعنی موت کا متمنی ہوگا۔ جیسا کہ وہ صاحب خانہ اپنے گھر کی تباہی کا بخوشی خواہاں ہوتا ہے جس کے گھر میں خزانہ ہوتا ہے اور خود اپنی خوشی سے اسے ویران کرتا ہے اور یہ معنی نہیں کہ تو خودکشی کرے گا کما یتوھم من الظاھر الکلام یا تیشہ مجاہدات و ریاضات سے اپنے خانہ ہوائے نفس کو ویران کرے گا۔ کما توھم فافھم) کیونکہ تو اس گھر کو اس گنج یعنی حق سبحانہ کا پردہ دیکھے گا اور اس معمولی شے کو ایک نہایت عظیم الشان دولت کا مانع سمجھے گا۔ اس لئے تو اس معمولی شئے (تن) کو چولہے میں ڈالے گا اور تیشہ مردانہ لے کر اس مکان کی تخریب کے لئے آگے بڑھے گا۔ اور اس کو بلا کسی پچھتاوے کے کھود ڈالے گا۔ یعنی اس کے فنا ہونے کو بخوشی منظور کرے گا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ اس ابر کے نیچے سے تیرا چاند نکلے گا اور تجھے مطلوب حقیقی کا وصل عریاں حاصل ہوگا۔ یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔ اے وہ شخص جو ایک پتے (جسم) میں مشغول ہو کر ایک باغ (حق سبحانہ) سے غافل ہے۔ تیری ایسی مثال ہے جیسے ایک کیڑا جس کو ایک پتے نے اپنے اندر مشغول کر کے انگور سے دور کر دیا ہو اب مولانا جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہیں لیکن کرم حق سبحانہ اس کیڑے کو ہوشیار کر دیتا ہے تو یہ کیڑا اپنے جہل کے اژدھے کو کھا جاتا ہے یعنی اس کا جہل فنا ہو جاتا ہے اور اس وقت وہ کیڑا دہ کیڑا ہو جاتا ہے جو میوۂ درخت سے سیر ہوتا ہے اور وہ خوش نصیب اس طرح پتے کو میوہ سے بدل دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ گو آدمی کیڑے کی مانند ہے اور لذائذ جسمانیہ میں معروف ہے لیکن جب فضل حق سبحانہ شامل حال ہوتا ہے تو وہ متنبہ ہو کر ان کو چھوڑتا اور مشغول بحق سبحانہ ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے رگ و ریشہ میں ذکر حق سما جاتا ہے اور وہ متخلق باخلاق اللہ ہو جاتا ہے خیر یہ تو جملہ معترضہ

تھا اب ہم مضمون سابق کو تمام کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے منہمک فی اللذات الجسمانیہ تو اس خانہ جسم کو ویران کر اور عقیق یمنی کا خزانہ جو اس میں مستور ہے اسے نکال لے اور گھر کی بربادی کا کچھ خیال نہ کر کیونکہ اس عقیق یمنی کے خزانہ (حق سبحانہ) کے ذریعہ سے ایسے لاکھوں گھر بن سکتے ہیں۔ دیکھ خزانہ اس گھر کے نیچے مدفون ہے اور گھر ایک دن لامحالہ برباد ہو گا۔ پس تو اس کے ڈھانے میں سوچ بچار اور توقف مت کر۔ کیونکہ ہم بتلا چکے ہیں کہ اس ایک خزانہ کے مل جانے سے بے زحمت ایسے سینکڑوں مکان بنائے جاسکتے ہیں۔ (مقصود یہ ہے کہ جب حق سبحانہ تجھے مل جاویں گے تو وہ تیرے لئے ایسے سینکڑوں جسم بنا سکتے ہیں گو بوجہ ضرورت نہ ہونے کے نہ بناویں اس کے یہ معنی نہیں کہ تجھے قدرت حاصل ہو جاوے گی کہ تو جس تن مثالی کو چاہے اختیار کر لے اور اس میں متمثل ہو جائے۔ کما توھم) آخر یہ گھر جس کو تو بچانا چاہتا ہے ایک روز ضرور ویران ہو گا۔ اور اس کے نیچے سے وہ خزانہ ضرور نکلے گا۔ لیکن اگر خود تو نے اسے ویران نہ کیا تو تجھے وہ خزانہ نہ مل سکے گا کیونکہ یہ دولت تو روح کے لئے اس کے اس گھر کو ویران کرنے کا معاوضہ ہے اور جبکہ اس نے وہ کام نہیں کیا تو اجرت بھی اس کو نہ ملے گی اس لئے کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جس کے لئے وہ کوشش کرتا ہے۔ پس اس وقت تو غم و غصہ سے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا کہ ہائے افسوس ایسا چاند اس ابر کے نیچے تھا اور لوگوں نے مجھ سے کہا تھا کہ اس ابر میں ایک چاند مستور ہے پس تو اس ابر کو الگ کرتا کہ چاند نکل آئے۔ لیکن جو بھلائی کی بات انہوں نے مجھ سے بیان کی تھی وہ میں نے نہیں کی اور خزانہ بھی جاتا رہا اور میرا گھر بھی گیا اور میں بالکل خالی ہاتھ رہ گیا۔ ہائے افسوس کہ ایک معمولی شئے اتنی بڑی دولت سے مانع ہو گئی تھی اور خزانہ کا پردہ اور اس کے اور میرے درمیان حائل یہ گھر ہو گیا تھا اب مولانا اس کا افسوس نقل کر کے دوسرے عنوان سے نصیحت فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے شخص یہ گھر خرید فروخت وغیرہ کے ذریعہ سے تیری ملک نہیں ہے بلکہ تو نے کرایہ پر لے رکھا ہے اور اس اجارہ کی ایک مدت ہے اور وہ مدت موت تک ہے اور مقصود اس کرایہ پر دینے کا یہ ہے کہ تو کام کرے۔ مگر تو بجائے کام کے اس دوکان میں بیٹھا ہوا گدڑی میں پیوند لگا رہا ہے۔ حالانکہ اس مکان کے اندر ایک خزانہ بھی مستور ہے۔ ارے بے خبر یہ دوکان کرایہ کی ہے تو جلدی کر اور تیشہ لے کر اس دوکان کو کھود ڈال یعنی مجاہدات و ریاضات سے ہوائے نفسانی کو فنا کر دے تا کہ تیرا یہ تیشہ کان نقد تک پہنچے۔ اور دولت باطنی تجھے نصیب ہو اور تو اس پارہ دوزی سے نجات پاوے جانتے ہو کہ پارہ دوزی (یعنی پیوند لگانا) کیا چیز ہے۔ ضرورت سے زیادہ کھانا پینا جسے تن پروری کہتے ہیں پس تو جسم کی بھاری گدڑی پر غذائے زائد کے پیوند لگا رہا ہے اور ہر وقت تیری یہ گدڑی پھٹتی ہے اور جسم تحلیل ہوتا ہے اور اس کے ذریعہ سے قوائے شہوانیہ و غضبیہ میں فتور آتا ہے مگر تو کھانا کھا کر پھر اس کی تکمیل کر دیتا ہے اور اس میں پیوند لگا دیتا ہے اور شکست نہیں ہونے دیتا۔ ارے بھلے مانس تجھے معلوم بھی ہے کہ تو کون ہے تو ایک فیروز مند روحانی بادشاہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے اور ایک شاہزادہ ہے پس تو ہوش میں آ اور عالی ہمتی اختیار کر اور اس پیوند لگانے یعنی تن پروری سے شرم کر تو اس دوکان جسم کی تہہ کا ایک ٹکڑا اڑا دے تا کہ سونے چاندی کی کانیں تیرے لئے ظاہر ہوں اور یہ کام اس وقت سے پہلے کر لے کہ اس کرایہ کے مکان کی میعاد ختم ہو اور مالک دوکان تجھ کو نکال باہر کرے اور دوکان کو کھود کر وہ اس خزانہ کو جو اس میں مدفون ہے نکال لے اور تو حسرت سے کبھی اپنا سر پیٹے اور کبھی داڑھی نوچے اور کہے کہ ہائے افسوس یہ دوکان میرے قبضہ میں تھی مگر میں اندھا تھا اس لئے اس سے فائدہ نہ اٹھا سکا۔ ہائے افسوس کہ میں نے اتنا عظیم الشان خزانہ چھوڑ دیا۔ اور گویا کہ آب

حیات کو خاک سے پُر کر دیا۔ ہائے افسوس ہماری ہستی برباد ہوگئی اور ہم لوگوں کے لئے قیامت کے لئے پچھتاوا باقی رہ گیا۔ میں نے اس مکان کو نقش و نگار سے آراستہ دیکھا اور اس کے عشق میں بے قرار ہو گیا اور اس کی خوبی میں متحیر رہ گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی حقیقت اور باطن کے علم سے معرا رہا۔ اور اس کے عشق نے میرے دل پر اثر کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں خزانہ سے دور اور جدا رہ گیا۔ مجھے خبر نہ تھی کہ اس میں ایسا خزانہ مستور ہے ورنہ کلہاڑا میرے ہاتھ میں ہوتا اور میں اسے کھود ڈالتا۔ افسوس اگر میں اس پر خوب کلہاڑا بجاتا تو اس وقت غم پر لعنت بھیجتا مگر میں تو اس کے نقش و نگاری کو دیکھتا تھا اور بچوں کی طرح ان پر عاشق تھا۔ اسے کھودتا کیونکر افسوس صد افسوس اب مولانا فرماتے ہیں کہ واقعی حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ اے شخص تو بچہ ہے اور مکان جسم مزین ہے مجھے اندیشہ ہے کہ تو اس پر فریفتہ نہ ہو جاوے اس لئے انہوں نے الٰہی نامہ میں بہت نصیحت کی ہے اور فرمایا ہے کہ اپنے کو مٹا دے۔

تمامی شرح کردن موسیٰ علیہ السلام با فرعون فضیلت چہارگانہ

حضرت موسیٰ کا فرعون سے چاروں فضیلتوں کی تشریح کو مکمل کرنا

بس کن اے موسیٰ بگو وعدہ سوم	کہ دل من زاضطرابش گشت گم
اے موسیٰ بس کر تیسرا وعدہ بتا	کیونکہ میرا دل اس کی پریشانی سے گم ہو گیا ہے
گفت موسیٰ آں سوم ملک دو تو	دو جہانے خالص از خصم و عدو
حضرت موسیٰ نے فرمایا وہ تیسری دوہری حکومت ہے	دو جہان کی جو دشمن اور مخالف سے خالی ہے
بیشتر زاں ملک کا کنوں داشتی	کاں بد اندر جنگ وایں در آشتی
اس سلطنت سے بڑھ کر جو تو اس وقت رکھتا ہے	کیونکہ وہ جنگ میں ہے اور یہ صلح میں ہے
آنکہ در جنگت چناں ملکے دہد	بنگر اندر صلح خوانت چوں نہد
وہ خدا جو جنگ میں تجھے ایسا ملک عطا کر دیتا ہے	غور کر لے صلح میں تیرے سامنے کیسا دسترخوان بچھائے گا؟
آں کرم کاندر جفا آنہات داد	در وفا بنگر چہ باشد افتقاد
جس کرم نے ظلم میں تجھے وہ کچھ دیا	غور کر وفاداری میں اس کی دلجوئی کیسی ہو گی؟
گفت اے موسیٰ چہارم چیست زود	باز گو صبرم شد و حرصم فزود
اس نے کہا اے موسیٰ! چوتھی کیا ہے؟ جلد	کہہ دے میرا صبر جاتا رہا اور حرص بڑھ گئی ہے
گفت چارم آنکہ مانی تو جواں	موی ہمچوں قیر و رخ چوں ارغواں
فرمایا چوتھی یہ ہے کہ تو جوان رہے گا	بال تارکول کی طرح اور چہرہ گل بابونہ کی طرح (رہے گا)

رنگ و بو در پیش ما بس کاسدست	لیک تو پستی سخن کردیم پست
رنگ و بو ہمارے سامنے بہت بے قیمت ہیں	لیکن تو گھٹیا ہے (اس لئے) ہم نے گھٹیا بات کی
افتخار از رنگ و بو و از مکاں	ہست شادی و فریب کودکاں
رنگ و بو اور مکان پر فخر کرنا	بچوں کی خوشی اور دھوکا ہے

بیان ایں خبر کہ کلموا الناس علیٰ قدر عقولھم لا علیٰ قدر عقولکم حتیٰ لا یکذب اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اس حدیث کی تفصیل کہ لوگوں سے ان کی عقلوں کے انداز سے بات کیا کرو نہ کہ اپنی عقلوں کے انداز سے تا کہ اللہ اور اس کا رسول جھٹلا نہ دیا جائے

چونکہ با کودک سروکارم فتاد	ہم زبان کودکاں باید کشاد
چونکہ میرا واسطہ بچے سے پڑ گیا	مجھے بھی بچوں کی زبان کھولنی چاہیے
کہ برو کتاب تا مرغت خرم	یا مویز و جوز و فستق آورم
کہ مدرسہ جا تیرے لئے پرند خرید دوں گا	یا منقیٰ یا اخروٹ یا پستہ لا دوں گا
جز شباب تن نمیدانی بگیر	ایں جوانی را بگیر اے خر شعیر
جسم کی جوانی کے علاوہ تو کچھ نہیں سمجھتا ہے، لے لے	اس جوانی کو اے گدھے! جو لے لے
ہیچ آژنگے نیفتد بر رخت	تازہ ماند ایں شباب فرخت
تیرے چہرے پر کوئی جھری نہ پڑے گی	یہ تیری مبارک جوانی تازہ رہے گی
نے نژند پیریت آید برو	نے قد چوں سرو تو گردد دوتو
نہ اس پر تیرے بڑھاپے کی ذلت آئے گی	نہ تیرا سرو جیسا قد ٹیڑھا ہو گا
نے شود زور جوانی از تو کم	نے بدنداں خللہا یا الم
تجھ میں سے جوانی کا زور نہ گھٹے گا	نہ دانتوں میں کوئی خرابی اور تکلیف (آئیگی)
نہ کمی در شہوت و طمث و بعال	کہ زناں را آید از ضعفت ملال
نہ شہوت اور جماع اور مباشرت میں کمی آئے گی	کہ عورتوں کو تیری کمزوری سے تکلیف ہو
نے شود مویت سفید و پشت خم	لیک خوشتر لحظہ لحظہ دم بدم
نہ تیرے بال سفید ہوں گے اور نہ کمر جھکے گی	بلکہ لحظہ بہ لحظہ اور دم بدم بہتر ہو گا

آنچنا بکشایدت فرشباب	کہ کشود آں مژدہ بر عکاشہ باب
تجھ پر جوانی کی شان و شوکت اس طرح کشادہ ہو گی	جس طرح (خدمت) عکاشہ پر اس خوشخبری نے دروازہ کھولا تھا

معنی حدیث من بشرنی بخروج الصفر بشرفید خول الجنۃ و لسبق عکاشت

اس حدیث کا مطلب کہ جو مجھے صفر کے نکل جانے کی خوشخبری دے

گا میں اس کو جنت کی خوشخبری دے دے اور حضرت عکاشہ کی بہن

احمدؐ آخر زماں را انتقال	در ربیع الاول آمد بے جدال
(نبی) آخر الزماں احمد کا انتقال	بلا اختلاف ربیع الاول میں ہوا ہے
چوں خبر یابد دلش زیں وقت نقل	عاشق آں وقت گردد او بعقل
جب آپ کا دل انتقال کے وقت سے باخبر ہو گیا	آپ دل و جان سے اس وقت کے مشتاق ہو گئے
چوں صفر آمد شود شاد از صفر	کز پس ایں ماہ می سازم سفر
جب (ماہ) صفر آیا آپ صفر سے خوش ہوئے	کہ اس مہینہ کے بعد میں سفر کروں گا
ہر شبے تا روز از شوق ھدے	او رفیق راہ اعلیٰ می زدے
راہ یابی کے شوق سے ہر شب کو دن نکلنے تک	آپ راہ اعلیٰ کے رفیق کا نعرہ لگاتے تھے
گفت ہر کس کہ مرا مژدہ دہد	چوں صفر پای از جہاں بیروں نہد
فرمایا جو شخص مجھے خوشخبری دے گا	جب صفر (کا مہینہ) دنیا سے باہر پاؤں نکالے گا
کہ صفر بگذشت و شد ماہ ربیع	مژدہ در باشم مر او را و شفیع
کہ صفر گزر گیا اور ربیع کا مہینہ ہو گیا	میں اس کو خوشخبری دینے والا اور سفارش کرنے والا بنوں گا
چوں صفر بر بست رخت و ماہ نو	گشت پیدا بر فلک با تاب وضو
جب صفر نے سامان باندھ لیا اور نیا چاند	رونق اور نور کے ساتھ آسمان پر نمودار ہو گیا
گفت عکاشہ صفر بگذشتہ و رفت	گفت جنت مر ترا اے شیر زفت
(حضرت) عکاشہ نے عرض کیا صفر گزر گیا اور چلا گیا	(آنحضورؐ نے) فرمایا اے بہادر شیر! تیرے لئے جنت ہے
دیگرے آمد کہ بگذشت آں صفر	گفت عکاشہ ببرد از مژدہ بر
دوسرے آئے کہ صفر گزر گیا	فرمایا عکاشہ خوشخبری کا پھل لے گئے

بس رجال از نقل عالم شادماں	وز بقائیش شادماں ایں کودکاں
بہت سے انسان دنیا سے انتقال کرنے پر خوش ہیں	اور اس میں باقی رہنے سے یہ بچے خوش ہیں
چونکہ آب خوش ندید آں مرغ کور	پیش او کوثر نماید آب شور
چونکہ اس اندھے پرند نے عمدہ پانی نہیں دیکھا ہے	اس کو کوثر کھاری پانی نظر آتا ہے
ہمچنیں موسیٰ کرامت می شمرد	ہم بدینسار بے قدم رہ می سپرد
(حضرت) موسیٰ اس طرح سے انعام شمار کر رہے تھے	اسی طرح بغیر قدم کے راستہ طے کر رہے تھے
کہ نہ گردد وصاف اقبال تو درد	ہم نگردد اطلس بخت تو برد
کہ تیرا صاف اقبال تلچھٹ نہ بنے گا	تیرے نصیب کا اطلس برد نہ بنے گا
ہرچہ خواہی یابی از بخت جواں	شادماں مانی نگردی ناتواں
قوی نصیبہ سے تو جو چاہے گا پائے گا	تو خوش رہے گا کمزور نہ بنے گا
گفت احسنت نکو گفتی ولیک	تا کنم من مشورت با یارک نیک
فرعون نے کہا بہت اچھا تو نے عمدہ بات کہی لیکن	میں اچھے دوست سے مشورہ کر لوں

فرعون نے کہا کہ خیر تقریر کو طول نہ دے اور تیسرا وعدہ بیان کر کیونکہ اضطراب شوق سے میرے حواس ٹھکانے نہیں اس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تیسری چیز دوہرا ملک ہے۔ یعنی دونوں جہانوں دنیا و عقبیٰ کی شاہی تجھ کو دی جائے گی جس میں کسی مخالف اور دشمن کی مزاحمت کا اندیشہ نہ ہوگا اور یہ ملک اس ملک سے کہیں زیادہ ہوگا جو کہ اب تک تجھ کو حاصل تھا کیونکہ یہ تو جنگ کی حالت میں ملا ہے اور وہ صلح کی حالت میں ملے گا۔ پس تو غور کر کہ جو جنگ کی حالت میں تجھے اتنا ملک دے دے وہ صلح کی حالت میں کس قدر انعام کرے گا اور جس کے فضل نے تیرے ظلم کی حالت میں تجھے اس قدر دیا اس کی عنایت وفا کی حالت میں کس درجہ ہوگی یہ سن کر اس نے کہا کہ اب چوتھی شے بھی جلدی سے بتلا دے کیونکہ اب مجھے تاب نہیں اور میری حرص بڑھ گئی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ چوتھی چیز یہ ہے کہ تو جواں رہے گا اور تیرے بال قیر کی طرح کالے رہیں گے اور رخ ارغوان کی طرح سرخ رہے گا گو رنگ و بو ہمارے نزدیک نہایت حقیر ہے اس لئے محل انعام میں اس کا ذکر میں علو ہمت کے خلاف سمجھتا ہوں۔ مگر چونکہ تو پست حوصلہ ہے اس لئے گفتگو بھی میں نے عالی نہیں کی۔ رنگ و بو اور مکان پر فخر تو بچوں کی خوشی اور ان کا بہکانا ہے۔ لیکن چونکہ مجھے ایک نادان سے پالا پڑا ہے اس لئے باتیں بھی اسی ڈھب کی کرتا ہوں اور جبکہ بچوں سے کہتے ہیں کہ تو مکتب میں جا میں تجھے مرغی لے دوں گا یا مویز اور اخروٹ اور پستہ لا دوں گا کیونکہ وہ انہیں چیزوں کو پسند کرتا ہے۔ اسی طرح چونکہ تو شباب جسمانی کے سوا دوسرا شباب روحانی جانتا ہی نہیں اس لئے میں کہتا ہوں کہ ایسی جوانی لے اس سے تیرے چہرے پر کوئی جھری نہ پڑے گی۔ اور یہ شباب تر و تازہ رہے گا۔ اور جا بڑھاپے کی خستگی تجھ پر واقع نہ ہوگی اور نہ تیرا سرو کا سا قد دوہرا ہوگا۔ اور نہ قوت جوانی کم ہوگی نہ تیرے دانتوں میں کوئی

نقص یا درد ہوگا اور نہ قوت باہ اور قوت مجامعت میں کمی ہوگی کہ تیری کمزوری سے عورتوں کو دل تنگی پیش آئے۔ نہ تیرے بال سفید ہونے لگے اور نہ کمر جھکے گی بلکہ دمبدم تیری حالت بہتر ہوگی اور شوکت جوانی تجھ پر فرحت کا دروازہ یونہی کھول دے گی جس طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشخبری نے عکاشہ پر کھولدیا تھا۔ (یہ نقل بالمعنے ہے لہٰذا اس تاویل کی ضرورت نہیں جوایوب نے کی ہے کہ حضرت موسیٰ کو یہ واقعہ وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوگیا تھا) اب مولانا فرماتے ہیں کہ جس واقعہ کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس میں کسی کا نزاع نہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ربیع الاول میں ہوا ہے۔ پس جبکہ آپ کو اس وقت انتقال کی خبر ہوئی ہے تو آپ بحکم عقل اس وقت پر عاشق ہو گئے اور جب ماہ صفر آیا تو آپ اس کے آنے سے بہت خوش ہوئے۔ بدیں خیال کہ اب زمانہ انتقال قریب آ گیا ہے اور اس مہینے کے بعد جہاں سے سفر کروں گا۔ آپ برات کو شوق راہ یا بی راہ عالم بالا سے اللھم الرفیق الاعلیٰ کا نعرہ لگاتے تھے چونکہ آپ کے شوق وذوق کی یہ حالت تھی اس لئے آپ نے فرمایا کہ جو شخص مجھے اس وقت جبکہ صفر رخصت ہو جاوے گا۔ یہ خوشخبری دے گا کہ ماہ صفر گزر گیا اور ربیع الاول آ گیا تو میں اس کو جنت کی خوشخبری دوں گا۔ اور حق سبحانہ سے اس کی شفاعت کروں گا۔ پس جبکہ ماہ صفر کا ٹانڈا بھانڈا لدگیا اور نیا چاند آسمان پر باآب وتاب ظاہر ہوا اس وقت عکاشہ نے کہا کہ حضور صفر گزر گیا اور رخصت ہوگیا آپ نے فرمایا کہ تجھے جنت ملے گی۔ ایک دوسرا آیا اس نے بھی کہا کہ وہ صفر گزر گیا آپ نے فرمایا کہ وہ خوشخبری عکاشہ لے گیا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ دیکھو بہت سے مردان خدا ہیں کہ اس عالم کے انتقال سے خوش ہوتے ہیں اور ایک یہ لونڈے اہل دنیا ہیں کہ اس کی بقا سے خوش ہوتے ہیں۔ ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ اور راز اس کا یہ ہے کہ ان اندھے جانوروں کو آب شیریں نصیب نہیں ہوا۔ اس لئے ان کو کھارا پانی ہی آب کوثر معلوم ہوتا ہے یعنی چونکہ ان کو اس عالم کی لذات نصیب ہی نہیں ہوئیں۔ اس لئے یہ لذات دنیویہ ہی کو لذات جانتے ہیں۔ خیر یہ مضمون تو استطراد تھا اب سنو کہ موسیٰ علیہ السلام یوں ہی انعامات بیان فرماتے رہے اور راہ ہدایت کو بدوں اقدام معروف کے طے کرتے رہے۔ اور فرماتے رہے کہ تیرے اقبال کی شراب صاف تلچھٹ نہ بنے گی۔ اور تیرے بخت کا اطلس چادر نہ ہوگا یعنی تیرے اقبال میں کبھی کمی نہ آنے گی۔ بلکہ تو جو چاہے گا تیرا بخت جوان تجھے دے گا اور تو ہمیشہ خوش وخرم رہے گا اور کبھی مضمحل نہ ہوگا۔ یہ سن کر اس نے کہا کہ یہ تو تو نے بہت اچھی باتیں کیں اور میں ماننے کے لئے تیار ہوں مگر اتنی مہلت چاہتا ہوں کہ اپنے دوست سے مشورہ کرلوں۔

مشورت کردن فرعون با آسیہ خاتون در ایمان آوردن بموسیٰ علیہ السلام وفرمودن آسیہ اورا بایمان آوردن

حضرت موسیٰ پر ایمان لانے میں حضرت آسیہ خاتون سے فرعون کا مشورہ کرنا اور حضرت آسیہ کا اس کو ایمان لانے کو کہنا

گفت جاں افشاں بریں اے دل سیہ	باز گفت او ایں سخن با آسیہ
انہوں نے فرمایا اے سیاہ دل! ان پر جان چھڑک دے	پھر اس نے یہ باتیں (حضرت) آسیہ سے کہیں

بس عنایتہاست متن ایں مقال	زود دریاب اے شہ نیکو خصال
اس گفتگو کا متن بہت سی عنایتیں ہیں	اے نیک خصلت شاہ! جلد حاصل کر لے
وقت کشت آمد زہے پر سود کشت	ایں بگفت و گریہ کرد و گرم گشت
کھیتی کا وقت آ گیا واہ واہ کس قدر نفع بھری کھیتی	یہ کہا اور رونے لگیں اور گرم ہو گئیں
برجہید از جا و گفتا بخ لک	آفتابے تاج گشتت اے کلک
جگہ سے کودیں اور کہا تجھے مبارک	اے گنجے! سورج تیرا تاج بن گیا ہے
عیب کل راخود بپوشاند کلاہ	خاصہ چوں باشد کلہ خورشید و ماہ
عیب! خود گنجے کو ٹوپی پہناتا ہے	خصوصاً جبکہ سورج اور چاند ٹوپی ہو
ہمدراں مجلس کہ بشنیدی تو ایں	چوں نگفتی آرے و صد آفریں
اسی مجلس میں جس میں تو نے یہ سنا تھا	تو نے ہاں اور صد آفریں کیوں نہ کہا؟
ایں سخن درگوش خورشید ار شدے	سرنگوں بربوی آں زیر آمدے
یہ بات اگر سورج کے کان میں پڑتی	اس کی تمنا میں اوندھا نیچے آ جاتا
ہیچ میدانی چہ وعدہ است و چہ داد	می کند ابلیس را حق افتقاد
تو کچھ جانتا ہے کہ کیسا وعدہ اور کس قدر سخاوت ہے	اللہ تعالیٰ شیطان کی دلجوئی کر رہا ہے
چوں بدیں لطف آں کریمت باز خواند	اے عجب چوں زہرہ ات برجائے ماند
جب اس کریم نے اس مہربانی سے تجھے بلایا ہے	تعجب ہے تیرا پتہ کس طرح جگہ پر رہا؟
زہرہ ات ندرید تا زاں زہرہ ات	بودے اندر ہر دو عالم بہرہ ات
تیرا پتہ نہ پھٹا تاکہ تیرے اس پتے سے	دونوں جہان میں تیرا حصہ ہوتا
زہرۂ کز بہر حق او بردرد	چوں شہیداں از دو عالم برخورد
وہ پتہ جو خدا کے لئے پھٹ جائے	وہ شہیدوں کی طرح دونوں جہان سے فائدہ اٹھاتا ہے
غافلی ہم حکمت ست و ایں عمیٰ	تا بماند لیک تا ایں حد چرا
غفلت اور یہ اندھا پن بھی حکمت ہے	تاکہ اس کا وجود رہے لیکن اس حد تک کیوں ہے؟
غافلی ہم حکمت ست و نعمت ست	تا نپرد زود سرمایہ زدست
غفلت بھی حکمت اور نعمت ہے	تاکہ ہاتھ سے سرمایہ جلد نکل جائے

لیک نے چنداں کہ ناسورے شود	زہر جان و عقل رنجورے شود
لیکن نہ اس قدر کہ ناسور بن جائے	ایک بیماری کی جان اور عقل کا زہر بن جائے
خود کہ یابد ایں چنیں بازار را	کہ بیک گل می خری گلزار را
ایسے بازار کو خود کون حاصل کر سکتا ہے؟	کہ تو ایک پھول کے بدلے میں چمن کو خرید لے
دانۂ را صد درختانت عوض	حبۂ را آیدت صد کاں عوض
ایک دانہ کا سو باغ تیرے لئے بدلہ ہوں	ایک رتی کا تیرے لئے سو کانیں بدلہ ہوں
کان للہ دادن آں حبہ است	تا کہ کان اللہ لہٗ آید بدست
اس رتی کا دینا ' اللہ کا ہو جانا ہے	تا کہ "اللہ اس کا ہو گیا" ہاتھ آ جائے
زانکہ ایں ہوی ضعیف بیقرار	ہست شد زاں ہوی رب پائدار
کیونکہ یہ کمزور بے قرار شخصیت	اللہ کی پائیدار شخصیت سے وجود میں آئی ہے
ہوی فانی چونکہ خود با او سپرد	گشت باقی دائم و ہرگز نمرد۔
جب فانی شخصیت نے اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیا	وہ ہمیشہ کے لئے باقی ہو گئی اور ہرگز نہ مرے گی
ہمچو قطرہ خائف از باد و ز خاک	کہ فنا گردد بدیں ہر دو ہلاک
اس قطرے کی طرح جو ہوا اور مٹی سے خائف ہے	کہ ان دونوں سے فنا (اور) ہلاک ہو جائے گا
چوں باصل خود کہ دریا بود جست	از تف خورشید و باد و خاک رست
جب وہ اپنی اصل میں جو کہ دریا تھی کود گیا	(تو) اس نے سورج کی گرمی اور ہوا اور خاک سے نجات پالی
ظاہرش گم گشت در دریا و لیک	ذات او معصوم و پابرجا و نیک
اس کا ظاہر دریا میں گم ہو گیا لیکن	اس کی ذات محفوظ اور قائم اور خوب ہے
ہیں بدہ اے قطرہ خود را بے ندم	تا بیابی در بہای قطرہ یم
اے قطرے! خود کو بغیر شرمندگی کے دیدے	تا کہ تو قطرے کے عوض سمندر حاصل کر لے
ہیں بدہ اے قطرہ خود را ایں شرف	در کف دریا شو ایمن از تلف
ہاں اے قطرے! اپنے آپ کو یہ شرف بخش	دریا کے ہاتھ میں پہنچ کر ہلاکت سے محفوظ ہو جا
خود کرا آید چنیں دولت بدست	قطرہ را بحرے تقاضا گر شدست
یہ دولت خود کس کو ہاتھ آتی ہے؟	کہ قطرے کے لئے سمندر تقاضا کرنے والا ہوا ہے

چوں تقاضا می کند دریا ترا	پس چہ استادی و درمادی ہلا
جب دریا تجھ پر تقاضا کر رہا ہے	تو پھر خبردار! تو کیوں کھڑا ہے اور عاجز ہے؟
اللہ اللہ زود بفروش و بخر	قطرۂ دہ بحر پر گوہر ببر
خدا کے لئے جلد بیچ اور خرید	قطرہ دیدے جواہر بھرا سمندر لے جا
اللہ اللہ ہیچ تاخیرے مکن	کہ زبحر لطف آمد ایں سخن
خدا کے لئے، بالکل تاخیر نہ کر	کیونکہ مہربانی کے سمندر سے یہ پیغام آیا ہے
اللہ اللہ زود بشتاب و بجو	چونکہ بحر رحمت ست ایں نیست جو
خدا کے لئے جلد دوڑ اور تلاش کر	کیونکہ یہ رحمت کا سمندر ہے، نہر نہیں ہے
اللہ اللہ گوی شو بیدست و پا	تاشود چوگان موسیٰ پاترا
خدا کے لئے بغیر ہاتھ پاؤں کی گیند بن جا	تاکہ موسیٰ کا بلا تیرا پاؤں بن جائے
اللہ اللہ تو گمان بد مبر	برچنیں انعام عام اے بے خبر
خدا کے لئے تو بدگمانی نہ کر	اے بے خبر! ایسے عام انعام پر
اللہ اللہ زود دریاب اے فتا	تانگردی در غلط بینی فنا
خدا کے لئے، اے نوجوان! جلد حاصل کر لے	تاکہ تو غلط بینی سے فنا نہ ہو جائے
اللہ اللہ ترک کن ہستی خود	چونکہ خواند ست برو اے معتمد
خدا کے لئے، اپنی ہستی کو چھوڑ دے	جب اس نے بلایا ہے اے معتمد! چلا جا
اللہ اللہ زود تر تعجیل کن	برفروز از ایں اشارت بے سخن
خدا کے لئے بہت جلد عجلت کر	اس بغیر کلام کے اشارے سے منور ہو جا
اللہ اللہ تاکنوں کژ باختی	گردن اندر معصیت افراختی
خدا سے ڈر! اب تک تو نے ٹیڑھی بازی چلی	تو نے گردن کو گناہ میں ابھارا
اللہ اللہ چوں عنایت در رسید	بے توقف دروے آمیز اے عنید
سبحان اللہ، جب اللہ کی مہربانی ہو گئی	اے سرکش! بغیر تاخیر کے اس سے وابستہ ہو جا
اللہ اللہ چونکہ عصیانات تو	درنمی نالد بردیت شکر گو
خدا کے لئے، جب تک تیرے گناہ	تیری رسوائی کا باعث نہیں بنے ہیں، شکر ادا کر

اللہ اللہ چوں زفضلت راہ داد	سر بخاک پای او باید نہاد
خدا کے لئے' جبکہ اس نے فضل کر کے تجھے راستہ دیا ہے	اس کی خاک پا پر سر رکھ دینا چاہیے
اللہ اللہ باچنیں کفر دو تو	چوں قبولت می کند اکرام او
تعجب ہے' ایسے دوہرے کفر کے ہوتے ہوئے	اس کا کرم تجھے کیوں قبول کر رہا ہے؟
لطف اندر لطف او گم می شود	کاسفلے بر چرخ ہفتم می شود
مہربانی اس کی مہربانی میں گم ہو رہی ہے	کہ ایک فرومایہ ساتویں آسمان پر جا رہا ہے
ہیں کہ یک بازے فتادت بوالعجب	ہیچ طالب ایں نیابد در طلب
آگاہ! ایک عجیب باز تیرے ہاتھ آ گیا ہے	اس کو کوئی طلب کرنے والا طلب سے نہیں پا سکتا
در پذیر ایں چار خلعت زود زود	تا بہ بینی در عوض صد عز و سود
ان چاروں خلعتوں کو جلد از جلد قبول کر لے	تاکہ تو بدلہ میں سینکڑوں عزتیں اور فائدے دیکھے
گفت باباماں بگویم اے ستیر	شاہ را لازم بود رای وزیر
اس نے کہا اے پردہ نشین! میں ہامان سے گفتگو کروں گا	کیونکہ بادشاہ کے لئے وزیر کی رائے ضروری ہے
گفت باہاماں مگو ایں راز را	کوز کم پیرے چہ داند باز را
اس نے کہا ہامان سے یہ راز نہ کہنا	کبڑی بڑھیا' باز کو کیا جانے؟

قصہ باز بادشاہ وکم پیرزن کہ درخانہ او بود

بادشاہ کے باز اور اس بڑھیا کا قصہ جس کے گھر میں وہ باز تھا

باز اسپیدے بکم پیرے دہی	او ببرد ناخنش بہر بہی
ایک سفید باز تو ایک بڑھیا کو دے رہا ہے	وہ بھلائی کے لئے اس کے ناخن تراش دے گی
ناخنے کہ اصل کارست و شکار	کوژ کم پیرے ببرد کور وار
وہ ناخن جو اصل کام اور (ذریعہ) شکار ہیں	کبڑی بڑھیا' اندھے پن سے کاٹ دے
کہ کجا بودست مادر تا ترا	ناخناں زینساں دراز ستاے کیا
کہ (تیری) ماں کہاں تھی کہ تیرے	ناخن اتنے لمبے ہیں' اے بھلے مانس!
ناخن و منقار و پرش را برید	وقت مہر ایں می کند زال پلید
ناخن اور اس کی چونچ اور اس کے پر کاٹ ڈالے	ناپاک بڑھیا محبت کے وقت ایسا ہی کرتی ہے

چونکہ تتماجش دہد او کم خورد	خشم گیرد مہر ہارا بردرد
جب وہ اس کو دلیا دیتی وہ نہ کھاتا	غصہ میں بھر جاتی ہے محبتوں کو چاک کر دیتی ہے
کہ چنیں تتماج پختم بہر تو	تو تکبر می نمائی و عتو
کہ میں نے تیرے لئے ایسا دلیا پکایا!	تو تکبر اور سرکشی کرتا ہے
تو سزائی. مرہماں ادبار را	نعمت و اقبال کے سازد ترا
تو اس بدبختی کے لائق ہے	نعمت اور خوش نصیبی تجھے کب موافق آ سکتی ہے؟
آب تتماجش دہد کایں را بگیر	گر نمی خواہی کو نوشی زاں فطیر
اس کو دلیے کا پانی دیتی ہے کہ یہ لے لے	اگر بے خمیر کی روٹی کھانا نہیں چاہتا ہے
آب تتماجش نگیرد طبع باز	زاں بتر رنجد شود خشمش دراز
باز کی طبیعت اس دلیے کے پانے کو قبول نہیں کرتی ہے	اس سے وہ اور زیادہ رنجیدہ ہوتی ہے اور اس کا غصہ بڑھ جاتا ہے
از غضب آں آش سوزاں بر سرش	زن فرو ریزد شود کل مغفرش
غصہ سے وہ جلتا ہوا دلیہ اس کے سر پر	عورت ڈال دیتی ہے' اس کی کھوپڑی گنجی ہو جاتی ہے
اشک ازاں چشمش فرو ریزد ز سوز	یاد آرد لطف شاہ دل فروز
سوزش سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑتے ہیں	دل کو منور کرنے والے بادشاہ کی مہربانی اس کو یاد آتی ہے
زاں دو چشم نازنین بادلال	کہ ز چہرہ شاہ دارد صد کمال
ان نازنین پُر غمزہ آنکھوں سے	جو شاہ کے چہرے کی وجہ سے سینکڑوں کمالات رکھتی تھیں
چشم مازاغش شدہ پرزخم زاغ	چشم نیک از چشم بد با درد و داغ
اس کی کج نہ ہونے والی آنکھ کوے کے زخم سے پر ہو گئی	اچھی آنکھ' بدنظر سے درد اور داغ والی (ہو گئی)
چشم دریا بسطے کز بسط او	ہر دو عالم می نماید تار مو
سمندر کی وسعت والی آنکھ جس کی کشادگی سے	دونوں جہاں ایک بال نظر آتے تھے
گر ہزاراں چرخ در چشمش رود	ہمچو چشمہ پیش قلزم گم شود
اگر ہزاروں آسمان اس کی آنکھ میں آئیں	چشمہ کی طرح سمندر میں گم ہو جائیں
چشم بگذشتہ ازیں محسوسہا	یافتہ از غیب بینی بوسہا
وہ آنکھ جو ان محسوسات سے آگے بڑھی ہوئی ہے	غیب بینی سے لذتیں محسوس کئے ہوئے ہے

خودنمی یا بم یکے گوشے کہ من ۔ نکتۂ گویم ازاں چشم حسن

میں خود ایسا کان نہیں پاتا ہوں ۔ کہ اس حسین آنکھ کا ایک نکتہ کہہ سکوں

می چکید آں آب محمود جلیل ۔ می ربودے قطرہ اش را جبرئیل

اس سے وہ قابل تعریف عظیم آنسو ٹپکتے ۔ کہ جبرئیل اس کے قطرے کو لے اڑتے

تا بمالد در برو منقار خویش ۔ گر دہد دستوریش آں خوب کیش

تاکہ اپنی چونچ اور پروں پر ملیں ۔ اگر وہ پاک خصلت ان کو اجازت دے

باز گوید خشم کم پیر ار فروخت ۔ فرو نور و صبر و حلمم را نسوخت

باز کہتا اگرچہ بوڑھی کا غصہ بھڑک اٹھا ہے ۔ میری شان وشوکت، نور اور صبر و علم کو نہیں جلا سکا

باز جانم باز صدصورت تند ۔ زخم برناقہ نہ بر صالحؑ زند

میری جان کا باز پھر سینکڑوں صورتیں حاصل کر لے گا ۔ وہ اونٹنی پر نہ (حضرت) صالحؑ پر زخم لگاتی ہے

صالحؑ اریکدم کہ آرد باشکوہ ۔ صد چناں ناقہ بزاید متن کوہ

(حضرت) صالحؑ اگر ایک پرشوکت پھونک ماردیں ۔ پہاڑ کی چٹان ایسی سینکڑوں اونٹنیاں جن دے

دل ہمی گوید خموش و ہوشدار ۔ ورنہ درانید غیرت پود و تار

دل کہتا ہے کہ چپ اور ہوش میں آ ۔ ورنہ غیرت (خداوندی) تانا بانا ادھیڑ دے گی

غیرتش راہست صد حلم نہاں ۔ ورنہ سوزیدے بیک دم صد جہاں

اس کی غیرت میں سینکڑوں علم پوشیدہ ہیں ۔ ورنہ ایک دم سے سینکڑوں جہان پھونک دے

نخوتشاہی گرفتش جای پند ۔ تا دل خود راز پند او کرد بند

شاہی تکبر نے اس کی نصیحت کے مقام پر قبضہ کر لیا ۔ حتیٰ کہ اس نے نصیحت کی جانب سے دل کو روک دیا

کہ کنم با رائے ہاماں مشورت ۔ کوست پشت ملک وقطب مقدرت

کہ میں ہامان کی رائے سے مشورہ کروں گا ۔ کیونکہ وہ سلطنت کی پشت اور اقتدار کا مدار ہے

مصطفیٰؐ را رای زن صدیق رب ۔ رای زن بوجہل راشد بولہب

(حضرت) مصطفیٰؐ کے مشیر اللہ کے صدیقؓ ہیں ۔ ابوجہل کا مشیر ابولہب ہوا

عرق جنسیت چنانش جذب کرد ۔ کاں نصیحتہا بہ پیشش گشت سرد

ہم جنس ہونے کی رگ نے اس کو ایسا کھینچا ۔ کہ وہ نصیحتیں اس کے لئے ٹھنڈی پڑ گئیں

جنس سوی جنس صد پرہ پرد	برخیالش پردہ ہا را بردرد
جنس جنس کی جانب سیکڑوں پروں سے اڑتی ہے	اس کے خیال پر سے پردے ہٹا دیتی ہے

قصہ آں زن کہ طفل او بر سر ناوداں غو یدہ بود و خطر افتادن داشت و از امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سوال کردن و چارہ جستن مادر او

اس عورت کا قصہ جس کا بچہ پرنالے پر چڑھ گیا تھا اور گرنے کا خطرہ رکھتا تھا اور اس کی ماں کا حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے سوال کرنا اور تدبیر چاہنا

یک زنے آمد بہ پیش مرتضٰی	گفت شد بر ناوداں طفلے مرا
ایک عورت (حضرت) مرتضٰیؓ کے پاس آئی	بولی میرا بچہ پرنالے پر چڑھ گیا ہے
گرش میخوانم نمی آید بدست	ورہلم ترسم کہ افتد او بہ پست
(اگر میں) اس کو بلاتی ہوں ہاتھ نہیں آتا ہے	اگر چھوڑتی ہوں ڈرتی ہوں کہ نیچے نہ گر پڑے
نیست عاقل تا کہ دریابد چوما	گر بگویم کز خطر سوی من آ
وہ سمجھدار نہیں ہے کہ ہماری طرح سمجھ جائے	اگر میں کہوں کہ خطرے سے میرے پاس آ جا
ہم اشارت را نمی داند بدست	ور بداند نشنود ایں ہم بدست
وہ ہاتھ کے اشارے کو بھی نہیں سمجھتا ہے	اگر جانتا بھی ہے نہیں سنتا ہے یہ بھی برا ہے
بس نمودم شیر و پستاں را بدو	او ہمی گرداند از من چشم و رو
میں نے اس کو دودھ اور چھاتی بہت دکھائی	وہ مجھ سے آنکھ اور منہ پھیر لیتا ہے
از برائے حق شمائید اے مہاں	دستگیر ایں جہان و آں جہاں
اے بزرگ! خدا کے لئے آپ ہیں	اس جہان اور اس جہان کے دستگیر
زود درماں کن کہ می لرزد دلم	کہ بدرد از میوۂ دل بگسلم
جلد تدبیر کیجئے کیونکہ میرا دل لرز رہا ہے	کہ تکلیف کے ساتھ میں دل کے میوے سے جدا ہو جاؤں
گفت طفلے را بر آور ہم زبام	تا بہ بیند جنس خود را آں غلام
فرمایا ایک بچہ کو کوٹھے پر لے جا	تاکہ وہ بچہ اپنے ہم جنس کو دیکھے
سوی جنس آید سبک زاں ناوداں	جنس بر جنس ست عاشق جاوداں
وہ فوراً پرنالہ سے اپنے ہم جنس کی طرف آ جائے گا	ہم جنس ہمیشہ ہم جنس پر عاشق ہوتا ہے

زن چناں کرد و چو دید آں طفل او	جنس خود خوش خوش بدو آورد رو
عورت نے ایسا ہی کیا اور جب اس بچے نے اس کو دیکھا	اس نے خوشی خوشی اپنے ہم جنس کی طرف رخ کر دیا
سوی بام آمد زمتن ناوداں	جاذب ہر جنس را ہم جنس داں
پرنالہ پر سے کوٹھے پر آ گیا	ہر جنس کو ہم جنس کا کھینچنے والا سمجھ
غژ غژاں آمد بسوی طفل طفل	وار ہید از اوفتادن سوی سفل
کھسکتا کھسکتا بچہ بچہ کی طرف آ گیا	نیچے گرنے سے نجات پا گیا
زاں بود جنس بشر پیغمبراںؑ	تا بجنسیت رہند از ناوداں
اسی لئے پیغمبر انسان کی جنس کے ہوتے ہیں	تاکہ جنسیت کی وجہ سے پرنالہ سے نجات پا جائیں
پس بشر فرمود خود را مثلکم	تا بجنس آیند و کم گردند گم
پس انہوں نے اپنے آپ کو تم جیسا انسان کہا	تاکہ ہم جنس کی طرف آ جائیں اور گم نہ ہوں
زانکہ جنسیت عجائب جاذبے ست	جاذبش جنس ست ہر جا طالبے ست
کیونکہ جنسیت عجیب جاذب ہے	جس جگہ کوئی طلبگار ہے جنس اس کی جاذب ہے
عیسیٰؑ و ادریسؑ برگردوں شدند	با ملائک چونکہ ہم جنس آمدند
حضرت عیسیٰ اور ادریسؑ آسمان پر چلے گئے	چونکہ وہ فرشتوں کے ہم جنس تھے
باز آں ہاروت و ماروت از بلند	جنس تن بودند ازاں زیر آمدند
پھر وہ ہاروت و ماروت بلندی سے	(چونکہ) جسم کے ہم جنس تھے نیچے آ گئے
کافراں ہم جنس شیطاں آمدہ	جان شاں شاگرد شیطاناں شدہ
کافر شیطان کے ہم جنس ہیں	ان کی جان شیطانوں کی شاگرد بن گئی
صد ہزاراں خوی بد آموختہ	دیدہائے عقل و دل بردوختہ
انہوں نے لاکھوں بری عادتیں سیکھ لیں	عقل اور دل کی آنکھیں بند کر لیں
کمتریں خوشاں بدستے ایں حسد	آں حسد کہ گردن ابلیس زد
حسد ان کی کم از کم عادت ہے	وہ حسد جس نے شیطان کی گردن مار دی
زاں سگاں آموختہ حقد و حسد	کہ نخواہد خلق را ملک ابد
انہوں نے ان کتوں سے کینہ اور حسد سیکھا	جو مخلوق کے لئے ابدی سلطنت نہیں چاہتے

ہر کرا دید او کمال از چپ وراست	از حسد قولنجش آمد درد خاست
وہ دائیں بائیں سے کسی کو صاحب کمال دیکھتا ہے	تو حسد کی وجہ سے اس کو قولنج کا درد ہوتا ہے
زانکہ ہر بدبخت خرمن سوختہ	می نخواہد شمع کس افروختہ
کیونکہ جس بدبخت کا کھلیان جل گیا ہو	وہ نہیں چاہتا ہے کہ کسی کی شمع روشن ہو
ہیں کمالے دست آور تا تو ہم	از کمال دیگراں نفتی بغم
خبردار! کمال حاصل کر تاکہ تو بھی	دوسروں کے کمال غم میں مبتلا نہ ہو
از خدامی خواہ دفع ایں حسد	تا خدایت وا رہا ندزیں حسد
اس حسد کا دفعیہ خدا سے چاہ	تاکہ خدا تجھے اس حسد سے نجات دیدے
مرترا مشغولیے بخشد دروں	کہ نہ پردازی ازاں سوی بروں
تجھے (اپنے) باطن کی معروفیت عطا کردے	تاکہ تو اس جانب سے باہر مشغول نہ ہو
جرعۂ مے را خدا آں می دہد	کہ بدو مست از دو عالم می رہد
خدا اس گھونٹ بھر شراب کو وہ عطا کر دیتا ہے	کہ اس کا مست دونوں عالم سے نجات پا جاتا ہے
خاصیت بنہادہ در کف حشیش	کو زمانے می رہاند از خودیش
ایک مٹھی بھنگ میں اس نے خاصیت رکھی ہے	کہ وہ اس کو تھوڑی دیر کے لئے خودی سے چھڑا دیتی ہے
خواب را یزداں بدانساں میکند	کز دو عالم فکر را بر می کند
نیند کو خدا ایسا کر دیتا ہے	کہ دونوں جہان کے فکر سے برطرف کر دیتا ہے
کرد مجنوں را ز عشق پوستے	کو نہ بشناسد عدو از دوستے
مجنوں کو کمال کے عشق سے ایسا کر دیا	کہ وہ دوست اور دشمن میں امتیاز نہیں کر سکتا
صد ہزاراں ایں چنیں می دارد او	کہ بر ادراکات تو بگمارد او
وہ اس طرح کی لاکھوں (بے خودیاں) رکھتا ہے	جو وہ تیرے محسوسات پر مسلط کر دیتا ہے
ہست میہای شقاوت نفس را	کہ زرہ بیروں بردآں نحس را
بدبختی کی شرابیں نفس کے لئے ہیں	جو اس منحوس کو گمراہ کر دیتی ہیں
ہست میہای سعادت عقل را	کہ بیابد منزل بے نقل را
نیک بختی کی شرابیں عقل کے لئے ہیں	کہ وہ نقل نہ ہونے والی منزل کو حاصل کر لیتی ہے

خیمۂ گردوں زسرمستی خویش	برکند زاں سو بگیرد راہ پیش
وہ اپنی سرمستی سے آسمان کے خیمہ کو	اکھاڑ دیتی ہے اور اس جانب آگے راستہ اختیار کرلیتی ہے
ہیں بہر مستی دلا غرہ مشو	ہست عیسیٰؑ مست حق خر مست جو
خبردار! اے دل ہر مستی سے دھوکا نہ کھا	(حضرت) عیسیٰ اللہ کے مست اور گدھا جو کا مست ہے
ایں چنیں مے را بجور زیں خنبہا	مستیش نبود زکوتہ دنبہا
ان مٹکوں سے ایسی شراب پی	اس کی مستی کوتاہ دم والوں کے لئے نہیں ہے
زانکہ ہر معشوق چوں خبے ست پر	آں یکے دردو دگر صافی چو در
کیونکہ ہر معشوق مٹکے کی طرح پر ہے	ایک تلچھٹ دوسرا موتی کی طرح صاف ہے
مے شناسا ہیں بچش با احتیاط	تا مئے یابی منزہ زاختلاط
اے شراب کے پہچاننے والے! احتیاط سے چکھ	تاکہ تو میل سے پاک شراب حاصل کر لے
مے شناسا ہیں بچش از روی ترش	آں مئے صافی کز گردی خمش
اے شراب کو پہچاننے والے! ترشروئی سے چکھ	اس صاف شراب کو جس سے تو خاموش ہو جائے
ہر دو مستی می دہندت لیک ایں	مستیت آرد کشاں تا رب دیں
تجھے دونوں مست کرتی ہیں لیکن یہ	مستی تجھے دین کے رب کی طرف کھینچ کر لاتی ہے
تا رہی از مکر و وسواس و حیل	بے عقال عقل در رقص اجمل
تاکہ تو مکر اور وسوسوں اور حیلوں سے نجات پا جائے	وہ عقل کی رسی کے بغیر اچھل کود میں ہے
انبیاء چوں جنس روح اند و ملک	مر ملک را جذب کردند از فلک
انبیاء چونکہ روح اور فرشتہ کے ہم جنس ہیں	فرشتہ کو آسمان سے کھینچ لیا
باد جنس آتش ست و یار او	کہ بود آہنگ ہر دو بر علو
ہوا آگ کی جنس اور اس کی یار ہے	کیونکہ دونوں کا قصد اوپر کی جانب ہے
چوں بہ بندی تو سر کوزہ تہی	درمیان حوض یا جوئے نہی
اگر تو خالی پیالہ کے سر کو باندھ دے	حوض یا نہر میں اس کو رکھے
تا قیامت او فرو ناید بہ پست	کہ دلش خالی ست در وے باد ہست
وہ قیامت تک نیچے کی جانب رخ نہ کرے گا	کیونکہ اس کا پیٹ خالی ہے اس میں ہوا ہے

میل بادش چوں سوی بالا بود	ظرف خود را ہم سوی بالا کشد
چونکہ اس کی ہوا کا میلان اوپر ہے	وہ اپنے برتن کو بھی اوپر کی جانب کھینچے گی
باز آں جانہا کہ جنس انبیاست	سوی ایشاں کش کشاں چوں سایہاست
پھر وہ جانیں جو انبیاء کی ہم جنس ہیں	وہ سایوں کی طرح ان کی جانب کشش میں ہیں
زانکہ عقلش غالب ست و بے زشک	عقل جنس آمد بخلقت با ملک
کیونکہ اس پر عقل غالب ہے اور بغیر شک کے	عقل خلقت میں فرشتے کی ہم جنس ہے
واں ہوای نفس غالب بر عدو	نفس جنس اسفل آمد شہ بدو
خواہش نفسانی دشمن پر غالب ہے	نفس اسفل کا ہم جنس ہے اس پر تلف ہے
بود قبطی جنس فرعون ذمیم	بود سبطی جنس موسیٰ کلیم
قبطی برے فرعون کا ہم جنس تھا	سبطی موسیٰ کلیم (اللہ) کا ہم جنس تھا
بود ہاماں جنس مر فرعون را	برگزیدش بردتا صدر سرا
ہامان فرعون کا ہم جنس تھا	اس نے اس کو منتخب کیا گھر کے بالانشین تک لے گیا
لاجرم از صدر در قعرش کشید	کہ ز جنس دوزخ اند آں دو پلید
لامحالہ اس نے اس کو بلندی سے گہرائی کی طرف کھینچا	کیونکہ وہ دونوں پلید دوزخ کے ہم جنس تھے
ہر دو سوزندہ چوں دوزخ ضد نور	ہر دو چوں دوزخ ز نور دل نفور
دونوں جلتے ہوئے دوزخ کی طرح نور کی ضد ہیں	دونوں دوزخ کی طرح دل کے نور سے متنفر ہیں
زانکہ دوزخ گوید اے مومن تو زود	برگذر کہ نورت آتش را ربود
کیونکہ دوزخ کہتی ہے اے مومن! جلد	گزر جا کیونکہ تیرے نور نے آگ کو ختم کر دیا

در بیان حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جز یا مومن فان نورک اطفاء ناری

آنحضورؐ کی حدیث کے بیان میں کہ اے مومن گزر جا کیونکہ تیرے نور نے میری آگ بجھادی

بگذر اے مومن کہ نورت می کشد	آتشم را چوں کہ دامن می کشد
اے مومن! گزر جا کیونکہ تیرا نور بجھاتا ہے	میری آگ کو جب وہ ناز سے چلتا ہے
می رمد آں دوزخی از نور ہم	زانکہ طبع دوزخستش اے صنم
وہ دوزخی بھی نور سے بھاگتا ہے	اے پیارے! کیونکہ اس کا مزاج دوزخی ہے

دوزخ از مومن گریزد آنچناں	کہ گریزد مومن از دوزخ بجاں
دوزخ' مومن سے اسی طرح بھاگتی ہے جس طرح	مومن دوزخ سے جان بچا کر بھاگتا ہے
زانکہ جنس نار نبود نور او	ضد نار آمد حقیقت نور جو
اس کا نور نار کا ہم جنس نہیں ہے	نور کے طالب کی حقیقت آگ کی ضد ہے
در حدیث آمد کہ مومن در دعا	چوں اماں خواہد ز دوزخ از خدا
حدیث (شریف) میں آیا ہے جبکہ مومن دعا میں	خدا سے دوزخ سے پناہ چاہتا ہے
دوزخ از وے ہم اماں خواہد بجاں	کہ خدایا دور دارم از فلاں
دوزخ اس سے (دل و) جان سے پناہ چاہتی ہے	کہ اے خدا! مجھے فلانے سے دور رکھ
جاذبہ جنسیت ست اکنوں بہ بیں	کہ تو جنس کیستی از کفر و دیں
جنسیت کی کشش ہے' اب تو دیکھ لے	کہ تو کفر اور دین میں سے کس کا ہم جنس ہے؟
گر بہاماں مائلی ہامانیی	ور بموسیٰ مائلی سبحانیی
اگر تو ہامان کی طرف مائل ہے ہامانی ہے	اگر تو موسیٰ کی طرف مائل ہے تو للہی ہے
ور بہر دو مائلی انگیختہ	نفس و عقلی ہر دو آں آمیختہ
اگر تو دونوں کی طرف مائل ہے' اکسایا ہوا ہے	تجھ میں نفس اور عقل دونوں ملے ہوئے ہیں
ہر دو در جنگند ہاں وہاں بکوش	تا شود بر نفس غالب عقل و ہوش
دونوں برسرپیکار ہیں ہاں ہاں کوشش کر	تاکہ عقل اور ہوش نفس پر غالب آ جائے
ساغر صدق از کف موسیٰ بنوش	تا شود غالب معانی بر نقوش
(حضرت) موسیٰ کے ہاتھ سے سچائی کا پیالہ پی	تاکہ معانی' نقوش پر غالب آ جائیں
در جہان جنگ شادی ایں بس ست	کہ بہ بینی بر عدو ہر دم شکست
لڑائی کی دنیا میں یہ خوشی کافی ہے	کہ تو ہر وقت دشمن پر شکست دیکھے
جہد کن تا خصمت اشکستہ شود	گرچہ فرعون دنی ایں نشنود
کوشش کر تاکہ تیرا دشمن شکست کھا جائے	خواہ کمینہ فرعون یہ نہ سنے
ایں حدیث آمد دراز اے ناگزیر	باز گو اضلال فرعون مشیر
یہ بات لمبی ہو گئی مجبوری تھی	فرعون کے مشیر کو گمراہ کرنے کی بات کر

غرض کہ فرعون گھر گیا اور اپنی بیوی آسیہ سے یہ ماجرا بیان کیا اس نے کہا کہ ارے اس وعدہ پر جان قربان کر دے۔ یہ گفتگو بہت سی عنایات کی شرح ہے اور وہ عنایات اس کے واسطے بمنزلہ متن کے ہیں۔ پس تو ان کو جلدی سے حاصل کر لے اور ہرگز مت چھوڑ اب زراعت آخرت کا وقت آیا ہے اور یہ زراعت نہایت ہی فائدہ مند ہے۔ اب تک جو وقت گزرا ہے سب بے سود گزرا ہے یہ کہا اور کہہ کر زار زار رونے لگی اور ایک جوش آ گیا۔ اس جوش میں اپنے مقام سے اچھل پڑی اور کہا کہ تجھے مبارک ہو۔ اے گنجے آفتاب۔ تیرا تاج ہو گیا یعنی اتنی بڑی دولت باطنی یا موسیٰ علیہ السلام نے تیری برائیوں کی پردہ پوشی کر لی۔ گنجے کے عیب تو ایک معمولی ٹوپی بھی چھپا سکتی ہے چہ جائیکہ وہ ٹوپی جو چاند سورج ہو۔ یعنی معمولی دولت باطنی یا شیخ بھی برائیوں کو ڈھک لیتی ہیں۔ چہ جائیکہ وہ دولت جو تجھے ملنے والی ہے یا خود موسیٰ علیہ السلام میں تو یہ کہتی ہوں کہ تو نے قبول دعوت کو مشورہ پر کیوں موقوف رکھا۔ اسی مجلس میں جس میں یہ بات سنی تھی خوشی سے اسے کیوں نہ قبول کر لیا۔ یہ بات کچھ ایسی ویسی تھی۔ یہ تو ایسی تھی کہ اگر سورج سی رفیع المرتبت مخلوق کے کان میں پڑتی تو سر کے بل اس کے قبول کے لئے آسمان سے زمین پر آ جاتا۔ تجھے معلوم ہے کہ یہ کیا وعدہ اور کیا عطا ہے۔ یوں کہئے کہ ابلیس پر حق سبحانہ رحمت فرما رہے ہیں۔ اور یہ کوئی معمولی کرم نہیں ہے مجھے تو حیرت یہ ہے کہ جب اس کریم نے غایت رحمت سے تجھے دعوت دی تھی تو خوشی سے تیرا پتا پھٹ کیوں نہ گیا۔ اور وہ برقرار کیسے رہا۔ تا کہ اس کے پھٹنے سے دونوں عالم کی دولت سے تجھے حصہ ملتا کہ دنیا میں نیک نامی ہوتی اور عقبیٰ میں نجات۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ جس کا پتا خدا کے لئے یعنی اس کی طلب میں مارے غم کے پھٹتا ہے وہ شہیدوں کی طرح دونوں عالم کے منافع سے متمتع ہوتا ہے۔ کیونکہ دنیا میں نیک نامی ہوتی ہے اور عقبیٰ میں نجات۔ لیکن غفلت اور نابینائی میں بھی ایک حکمت ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی باقی رہ سکے اور باقی رہ کر کسب معانی کر سکے۔ پس مطلق غفلت کی تو شکایت نہیں شکایت تو اس کی ہے کہ اتنی غفلت کیوں ہو۔ کہ ہزار تنبیہ کیا جائے تنبیہ ہی نہ ہو۔ یہ مسلم ہے کہ غفلت میں حکمت بھی ہے اور وہ ایک اعتبار سے نعمت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ سرمایہ وجود جس سے منافع اخرویہ حاصل کئے جا سکتے ہیں بہت جلد ہاتھ سے نہ جاتا رہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ناسور کی طرح ناقابل زوال ہو جاوے۔ اور روح وعقل بیمار کے لئے زہر ہو کر انہیں ہلاک کر دے۔ اس استطرادی مضمون کو ختم کر کے پھر گفتگوئے آسیہ کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آسیہ نے کہا کہ ایسا بازار کسے نصیب ہوتا ہے کہ ایک گل دے کر گلستان خرید لے تجھے تو ایک دانہ کے معاوضہ میں سو باغ اور ذرا سے سونے کے بدلے میں سو کانیں ملتی تھیں۔ ظالم تو نے لے کیوں نہ لیں۔ شاید تم کو تشبیہ گل و گلستاں وحبہ وکان ودانہ و باغات میں الجھن ہو اس لئے ہم کہتے ہیں کہ حبہ زر وغیرہ دینا اپنے کو خدا کے ہاتھ بیچ دینا اور اس کا ہو جانا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو اس کا معاوضہ ملتا ہے اور وہ معاوضہ یہ ہوتا ہے کہ خدا اس کا ہو جاتا ہے۔ اور خدا کا اس کا ہو جانا سینکڑوں باغوں وغیرہ کا ملنا ہے اور وجہ اس تشبیہ کی یہ ہے کہ جس طرح گل گلستان سے پیدا ہوتا ہے اور دانہ نخلستان سے اور حبہ زر کان سے یوں ہی یہ کمزور اور ناپائیدار ذات بھی اسی پروردگار کی باقی رہنے والی ذات سے موجود ہوتی ہے یہ تو وجہ تشبیہ تھی۔ اب خدا کا ہو جانے کا فائدہ سنو سو بات یہ ہے کہ جب آدمی اپنے کو خدا کے حوالہ کر دیتا ہے اور سراسر اس کا مطیع ہو جاتا ہے تو اب اس کو بقاء روحانی ابدی حاصل ہو جاتی ہے اور موت روحانی اس پر طاری نہیں ہوتی۔ اس وقت اس کی ایسی حالت ہوتی ہے جیسے ایک قطرہ کہ وہ ہوا اور خاک سے ڈرتا ہو کہ ایسا نہ ہو کہ میں

ان سے فنا اور ہلاک ہو جاؤں۔ لیکن جبکہ وہ اپنی اصل میں جو کہ دریا ہے مل جاتا ہے تو حرارت آفتاب اور ہوا اور خاک کی ضرر رسانی کے خوف سے نجات پا جاتا ہے اور گو اس کی صورت مٹ جاتی ہے لیکن اس کی ذات محفوظ اور برقرار اور اچھی حالت میں ہوتی ہے اب مولانا گفتگوئے آسیہ کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آسیہ نے کہا کہ اے قطرہ (فرعون) تو اپنے کو بدوں کسی پشیمانی کے دے ڈال تا کہ تو اس قطرہ کے معاوضہ میں دریا پائے یعنی اپنے کو فنا کر دے تا کہ خدا تجھے مل جاوے۔ اور اے قطرہ تو اپنے کو اس شرف یعنی فنا فی الحق سے مشرف کرتا کہ تو دریا (حق سبحانہ) کے ہاتھ میں جا کر فنائے روحانی سے محفوظ اور بے خوف ہو جائے ارے ایسی دولت عظمیٰ کس قطرہ کے ہاتھ آتی ہے کہ اس کا بحر طالب ہو یہ تجھ پر نہایت ہی شفقت ہے کہ تجھے اس اصرار کے ساتھ بلایا جا رہا ہے۔ پس جبکہ دریا خود تجھے طلب کرتا ہے پس تو کیا ٹھہرتا اور کیا عاجز ہوتا ہے۔ ارے اپنے کو جلدی بیچ دے۔ اور خدا کو اس کے معاوضہ میں لے لے۔ اور ایک قطرہ دیگر موتیوں سے بھرا ہوا صدر لے لے۔ ارے دیر مت کر کیونکہ دریائے لطف کی طرف سے تجھے دعوت دی جاتی ہے۔ ارے جلدی دوڑ اور اس دریا کو طلب کر کیونکہ وہ رحمت کا سمندر ہے اور کوئی معمولی ندی نہیں ہے ارے اگر تیرے ہاتھ پاؤں نہیں ہیں اور تو اپنی ذاتی سعی سے اس تک نہیں پہنچ سکتا تو تو چوگان موسیٰ کے لئے گیند ہو جا۔ وہ تیرا پاؤں ہو جاوے گا۔ یعنی اپنے کو حکم موسیٰ کا بالکل مطیع کر دے اور جو وہ کہیں وہ کر اس ذریعہ سے تجھے اس دریائے رحمت تک وصول ہو جاوے گا۔ ارے جن انعامات کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا ہے تو ان پر بدگمانی مت کر اور انہیں فریب اور دھوکہ مت سمجھ۔ ارے ان انعامات کو جلد حاصل کرتا کہ تو غلط بینی اور ان کو دھوکہ سمجھنے سے برباد نہ ہو جاوے ارے تو خودی کو چھوڑ دے اور جب حق سبحانہ تجھے بلاتے ہیں تو تو ضرور جا۔ ارے دیر مت کر اور جہاں تک ممکن ہو جلدی کر۔ اور اس بشارت سے خوش ہو اور کچھ چوں و چرا نہ کر ارے اب تک تو تو نے غلط روی اختیار کی ہے اور معصیت حق سبحانہ کے لئے گردن بلندی کی ہے مگر اب نہ کر۔ ارے چونکہ عنایت حق سبحانہ آ پہنچی ہے پس تو توقف مت کر اور اس سے مل جا ارے جبکہ وہ تیری نافرمانیوں سے تجھے شرمندہ نہیں کرتا تو تو اس کا شکر کر۔ ارے جبکہ وہ اپنے فضل سے تجھے اپنے تک رسائی کا راستہ دیتا ہے تو تو اس کے سامنے تذلل اور تمسکن اختیار کر۔ ارے تو دیکھ تو سہی کہ اس کا اکرام اس قدر کفر عظیم کے باوجود بھی تجھے کیونکر قبول کرتا ہے کیا یہ انعام قابل قدر نہیں۔ اب مولانا جوش میں آ کر فرماتے ہیں کہ تمام الطاف اس کے لطف کے سامنے ہیچ ہیں کیونکہ ایک خاکی فلک ہفتم پر پہنچ جاتا ہے اور ایک ناسوتی ملکوتی بن جاتا ہے۔ حالانکہ

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

اس عنایت سے بڑھ کر اور کیا عنایت ہو سکتی ہے اس جملۂ معترضہ سے فارغ ہو کر پھر گفتگوئے آسیہ کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آسیہ نے کہا کہ ارے ایک عجیب باز (یعنی انعامات عجیبہ) تیرے ہاتھ میں آ گیا ہے۔ پس تو اس باز یعنی ان چار خلعتوں کو جن کا تجھ سے وعدہ کیا جا رہا ہے جلد سے جلد قبول کر لے۔ تا کہ تجھے قبول کرنے کے معاوضہ میں اور سینکڑوں عزتیں اور منافع ملیں۔ یہ ساری تقریر سن کر اس نے کہا کہ اچھا میں یہ واقعہ ہامان سے بیان کروں گا۔ کیونکہ بادشاہ کے لئے وزیر سے مشورہ لے لینا ضروری ہے اس پر آسیہ نے کہا کہ اس راز کو ہامان سے بیان نہ کر۔ کیونکہ وہ اس کا اہل نہیں بھلا اندھی بڑھیا باز کی قدر کیا جانے چونکہ اس راز کا ہامان سے پالا پڑنے والا ہے جو کہ اس کا اہل نہیں اس لئے اس کی قدر

نہ کرے گا اس مناسبت سے مولانا ایک دوسرے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جب اہل اللہ کو نااہلوں سے پالا پڑتا ہے تو ان کو اپنے مذاق کے موافق بنانا چاہتے ہیں اور جبکہ وہ ان کے مذاق کے موافق نہیں بننا چاہتے تو انہیں اذیتیں دیتے ہیں جب یہ معلوم ہو چکا تو اب تفصیل سنو۔ مولانا اس مضمون کو ایک تمثیل کے پیرایہ میں بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر تم ایک سپید باز کو بڑھیا کے حوالہ کر دو تو وہ اس کے فائدہ کے زعم میں اس کے ناخن کاٹ ڈالے گی اور ان ناخنوں کو جو اس کے کام یعنی شکار کا مدار ہیں وہ کبڑی بڑھیا اندھوں کی طرح کاٹ دے گی اور یہ کہے گی۔ ارے تیری ماں کہاں تھی کہ تیرے ناخن اس قدر بڑھ گئے ہیں یہ کہہ کر وہ اس کے ناخن اور چونچ اور پر کاٹ ڈالے گی اور وہ ناپاک بڑھیا محبت کے وقت یہ برتاؤ کرے گی (بس یہی حالت اہل اللہ کی ہے کہ جب وہ نااہلوں میں پھنس جاتے ہیں تو وہ نااہل ان کو اپنے مذاق کے موافق بنانا چاہتے ہیں اور اس کو خیر خواہی سمجھتے ہیں) اور جبکہ وہ بڑھیا اس باز کو روٹی کے ٹکڑے ملا ہوا شوربا دے گی تو وہ نہ کھائے گا۔ اس پر وہ غصہ ہوگی اور اپنی تمام محبتوں کو بالائے طاق رکھ دے گی۔ اور کہے گی کہ میں نے تو تیرے لئے شوق سے یہ کھانا پکایا تھا تو تکبر اور سرکشی کرتا ہے۔ اور میری محبت کی قدر نہیں کرتا۔ بس تو اسی بدحالی کے مناسب ہے۔ اور تجھے نعمت اور خوش نصیبی راس نہیں۔ یہ کہہ کر وہ اس کو فقط شوربا دے گی۔ اور کہے گی کہ اچھا ٹکڑے نہیں کھاتا تو یہی پی لے۔ مگر وہ باز اس کے شوربے کو بھی نہ پئے گا اس سے وہ اور بھی غصہ ہوگی اور اس کی خفگی بڑھ جائے گی۔ اور غصہ سے وہ جلتا ہوا کھانا اس کے سر پر ڈال دے گی جس سے اس کا سر گنجا ہو جائے گا۔ (اسی طرح جب اہل اللہ نااہلوں کی موافقت نہیں کرتے تو یہ لوگ ان کو ستاتے اور تکلیف دیتے ہیں) اس برتاؤ پر اس باز یعنی اہل اللہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں گے۔ اور وہ اپنے بادشاہ کی عنایات کو یاد کرے گا۔ کن آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے ان نازک اور پرناز آنکھوں سے جو کہ مشاہدہ شہنشاہ حقیقی سے سینکڑوں کمال اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اس کی نہ بھٹکنے والی آنکھ کو دن (اہل دنیا) کی چونچوں کے زخموں سے لبریز ہو گئے اور ان کی اچھی آنکھ یعنی اس کی وہ دریا کی مانند فراخ آنکھ جس کی فراخی کے مقابلہ میں دونوں عالم ایک بال معلوم ہوتے ہیں ان کی نظر بد سے مبتلائے تکلیف ہوگی اس باز کی یہ حالت ہے کہ اگر اس کی دونوں آنکھوں میں ہزاروں سمندر سما جائیں تو یوں ہی گم ہو جائیں جیسے ایک چشمہ قلزم کے اندر اور اس کی آنکھ کی یہ حالت ہے کہ وہ ان محسوسات سے تجاوز کر کے غیب بینی کے بوسے لیتی ہے یعنی غیب بیں ہے یہ تو اس آنکھ کی سطحی تعریف ہے اور اس کی تعریف میں دقیق گفتگو اس لئے نہیں کرتا کہ مجھے کوئی شخص ایسا نہیں ملتا جس کو میں اس اچھی آنکھ کی ایک باریکی سنا سکوں پس وہ آنکھ جس کی یہ حالت ہے اس سے ستودہ صفت اور جلیل القدر آنسو ٹپکیں گے اور اس کو جبرئیل لے جائیں گے تا کہ اپنے پروں اور منہ پر ملیں۔ بشرطیکہ وہ باز اجازت دے (یہ عنوان ہے اور مقصود صرف اس کی عظمت کا اظہار ہے اور حقیقت مقصود نہیں) خیر جب کہ اس باز (اہل اللہ) کو اس قدر ستایا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ اگر بڑی بی (نااہلوں) کا غصہ بھڑکا ہوا ہے تو کیا مضائقہ ہے اس نے میرے صبر و حلم کے شاندار نور کو تو نہیں جلا دیا۔ میں صبر اور حلم اختیار کروں گا۔ اور یہ میرے جسم کو ضرر پہنچاتی ہے تو پہنچانے دو۔ کیونکہ میری جان کا باز پھر سینکڑوں جسم حاصل کر لے گا۔ (یعنی اگر مجھے ضرورت ہوگی تو حق سبحانہ مجھے سینکڑوں جسم دے سکتے ہیں) آخر یہ بڑی بی تاتہٗ (جسم) تن کو تو زخمی کرتی ہے۔ صالح (روح) کو تو ضرر نہیں پہنچاتی۔ پس صالح اگر ایک باشوکت لفظ (دعا) منہ سے نکال دیں گے تو پہاڑ سے سینکڑوں اونٹنیاں پیدا ہو جاویں گی یعنی روح اگر حق سبحانہ سے طالب جسم ہوگی تو اسے سینکڑوں جسم مل سکتے ہیں (مگر

بشرطیکہ کوئی حکمت مانع نہ ہو) مولانا یہاں تک پہنچ کر فرماتے ہیں کہ میرا دل کہتا ہے کہ چپ ہو اور ہوش میں آ ورنہ غیرت خداوندی تیرے پرزے اڑا دے گی اس کی غیرت اپنے اندر بہت سے تحمل حلم رکھتی ہے ورنہ اب تک کیا تھا ایک دم میں سینکڑوں جہان جل گئے ہوتے کیونکہ بہت سی ایسی باتیں ہو جاتی ہیں جو غیرت خداوندی کے خلاف ہوتی ہیں۔ اس مضمون کو ختم کر کے پھر قصۂ فرعون کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس کے دل کی اس جگہ کو جس میں نصیحت جاگزیں ہوتی نخوت شاہی نے گھیر لیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ اس نے اپنے گوش دل کو نصیحت کے سننے سے بند کر لیا تھا اور اس کو اپنے دل میں جگہ نہ دیتا تھا اور یہ ہی کہتا تھا کہ میں ہامان سے مشورہ کر لوں کیونکہ وہ میری سلطنت کا پشت و پناہ اور میری قدرت کا دارومدار ہے۔ اس نے ہامان کو مشورہ کے لئے منتخب کیا تھا اور ہونا بھی یہی چاہئے تھا کیونکہ آدمی جیسا خود ہوتا ہے ویسا ہی مشیر تلاش کرتا ہے چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشیر صدیق اکبر تھے اور ابوجہل کا مشیر ابولہب تھا۔ اور راز اس کے اس نصیحت آسیہ کو نہ سننے کا یہ تھا کہ ہامان اس کا ہم جنس تھا۔ اور رگ جنسیت اس کو یوں کھینچ رہی تھی کہ تمام نصیحتیں اس کی نظر میں بے وقعت تھیں کیونکہ قاعدہ ہے ایک جنس دوسری جنس کی طرف نہایت تیز دوڑتی ہے اور محض اس کے تصور سے یہ حالت ہوتی ہے کہ اس کے ملنے کے لئے سینکڑوں بیڑیوں کو توڑ کر نکل جاتا ہے اب ہم جذب جنس تجنس کے متعلق قصہ سناتے ہیں جس سے ہمارے بیان کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں ایک عورت آئی اور آ کر کہا کہ چھت کے پرنالہ پر میرا بچہ چلا گیا ہے اب اگر میں اسے بلاتی ہوں تو وہ میرے پاس نہیں آتا۔ اور اگر وہیں چھوڑتی ہوں تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں نیچے نہ گر جائے۔ اگر میں اس سے زبان سے کہتی ہوں کہ مقام خطر ہے ہٹ اور میری طرف آ۔ تو وہ ہماری آپ کی طرح سمجھدار نہیں کہ سمجھ کر چلا آئے۔ نیز وہ ہاتھ کے اشارہ کو بھی نہیں سمجھتا۔ کہ اشارہ ہی کر کے بلا لیا جاوے۔ اور اگر سمجھتا بھی ہو اور نہ آئے تب بھی برا ہے۔ میں نے اسے دودھ اور پستان بھی بہت دکھلائے۔ مگر وہ دیکھتا ہی نہیں بلکہ منہ موڑ لیتا ہے۔ ایسی حالت میں نہایت پریشان ہوں اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ آپ دین و دنیا میں خدا کے لئے ہمارے دستگیر ہیں۔ پس آپ ہی کوئی فوری تدبیر کیجئے۔ کیونکہ میرا کلیجہ کانپ رہا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اس تکلیف سے میری جان نکل جاوے۔ اور میں اپنے میوۂ دل یعنی اپنے بچہ سے جدا ہو جاؤں۔ (یا یہ معنی ہوں کہ تکلیف کے ساتھ میں اپنے بچہ سے قطع تعلق کروں یعنی وہ گر کر مر جاوے اور مجھ سے جدا ہو جاوے اور میں تکلیف میں مبتلا ہو جاؤں۔ واللہ اعلم) آپ نے فرمایا کہ اچھا یہ کرو۔ کہ ایک بچہ کو کوٹھے پر لے جاؤ تاکہ وہ اپنے ہم جنس کو دیکھے اور فوراً پرنالہ سے اپنے ہم جنس کی طرف چلا آئے۔ کیونکہ ایک جنس دوسری جنس پر عاشق ہے۔ چنانچہ عورت نے ایسا ہی کیا اور جبکہ لڑکے نے اپنا ہم جنس دیکھا تو خوشی خوشی اس کی طرف چلا آیا۔ اور پرنالہ پر سے کوٹھے پر آ گیا۔ اس سے تم سمجھ لو کہ ہر جنس کو اس کی جنس اپنی طرف جذب کرتی ہے۔ چنانچہ وہ لڑکا گھٹنوں چلتا ہوا دوسرے بچہ کی طرف چلا آیا اور نیچے گرنے سے بچ گیا۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر آدمی ہوتے ہیں تاکہ لوگ مجانست کے سبب ان کی طرف کھنچیں اور نادواں ضلالت سے رہائی پائیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انما بشر مثلکم اسی لئے فرمایا ہے تاکہ لوگ متنبہ ہوں اور اپنا ہم جنس سمجھ کر آئیں۔ اور تیہ ضلالت میں گم نہ ہوں (اس کا مطلب یہ نہیں کہ آیت قرآنی کا مقصود یہ ہے کیونکہ مقصود تو کفار کی ان ہی درخواستوں کا جواب ہے جو وہ آپ کا دعویٰ نبوت سن کر آپ سے کہا کرتے تھے اور اس طرح ان کو نبوت کی حقیقت سمجھانا اور ان کے اس خیال کی تردید ہے کہ وہ نبوت کو منافی بشریت سمجھتے تھے بلکہ مقصود مولانا

کا یہ ہے کہ اس عنوان میں یہ بھی ایک نکتہ ہے) کیونکہ مجانست ایک عجیب جذب کرنے والی شئے ہے اور جہاں کہیں بھی کوئی کسی چیز کا طالب ہے وہاں یہ مجانست ہی اس کی جاذب ہے۔ اسی لئے چونکہ عیسیٰ اور ادریس علیہما السلام وصفا ہم جنس ملائکہ تھے اس لئے آسمان پر گئے اور چونکہ ہاروت و ماروت اجسام اور نفوس کے ساتھ مجانست ومغی رکھتے تھے اس لئے اوپر سے نیچے آئے اور کافر چونکہ شیاطین سے مجانست ومغی رکھتے تھے اس لئے وہ شیاطین کے شاگرد ہوئے اور ہزاروں بری خصلتیں سیکھ لیں اور عقل اور دل کی آنکھیں بالکل بند کرلیں ان کی جو سب سے معمولی خصلت بد ہے وہ حسد ہے مگر یہ کمتری اضافی ہے نہ کہ حقیقی اس لئے کہ فی نفسہ تو وہ اتنی بڑی شئے ہے کہ اس نے ابلیس سے زہد کی گردن ماردی ہے۔ پس اولاً حسد ابلیس نے کیا تھا اور اس حاسد سے جس کی حالت یہ ہے کہ وہ کسی کے لئے ملک ابدی نہیں چاہتا اس لئے جدھر بھی وہ کسی کے اندر کوئی کمال دیکھتا ہے حسد سے اس پر قولنج کا دورہ پڑ جاتا ہے اور پیٹ میں درد اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ ان کتے حاسدوں نے یہ خصلت سیکھ لی اور وہ کسی کے لئے ملک ابدی کیوں نہیں چاہتا اور کسی کا کمال کیوں نہیں دیکھ سکتا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود بد قسمت اور محروم ہے اور قاعدہ ہے کہ کوئی بدنصیب خرمن سوختہ کسی کی شمع جلتی نہیں دیکھ سکتا۔ بلکہ چاہتا ہے کہ جس طرح میں غمگین ہوں یوں ہی اور بھی ہوں اور کوئی خوش نہ ہو۔ لیکن جو کوئی حسد کرے اس سے کہنا چاہئے کہ کمبخت تو کیوں حسد کرتا ہے تو بھی کمال حاصل کرتا کہ تو ان سا ہو جاوے۔ اور وہ تجھ سے۔ اور دوسروں کے کمال سے تجھے رنج نہ ہو ایک صورت تو دفع حسد کی یہ ہے مگر یہ مخصوص ہے اسی صورت کے ساتھ جہاں وہ کمال اختیاری ہو۔ اور اس کی تحصیل سے کوئی مانع بھی نہ ہو۔ اور دوسری تدبیر جو سب صورتوں کو شامل ہے وہ یہ ہے کہ خدا سے دعا مانگ کہ اے اللہ مجھ سے حسد کو دور کردے اور یہ دعا اس وقت تک کر کہ جب تک کہ خدا تجھے اس سے چھڑا دے اور تجھے باطنی مشغولی عطا فرمادے جس سے تو پرائی جانب مشغول ہی نہ ہو اس وقت حسد کا عادۃً اندیشہ نہ رہے گا اور جب تک یہ بات پیدا نہ ہو اس وقت تک بے فکر نہ ہونا چاہئے۔ (یہ تحدید وقت اس بناء پر نہیں کہ اس کے بعد اطمینان کامل ہو جاتا ہے اور حسد کا اندیشہ بالکل نہیں رہتا۔ بلکہ اس بناء پر ہے کہ اس وقت تک حسد کا احتمال غالب ہے اور بعد کو مغلوب ہو جاتا ہے۔ اس لئے اسی وقت اہتمام دعا کی زیادہ ضرورت ہے واللہ اعلم) چونکہ یہاں ضمناً مستی باطنی کا ذکر آ گیا تھا اس لئے اب مولانا یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ یہ مستی کہاں سے مل سکتی ہے۔ پس اولاً اس کے لئے ایک مضمون تمہیدی بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق سبحانہ نے شراب کے اندر خاصیت رکھی ہے کہ اس سے مست ہو کر آدمی کو دین و دنیا کی خبر نہیں رہتی۔ علیٰ ہذا ایک مٹھی بھنگ میں یہ اثر رکھا ہے کہ وہ ایک وقت محدود تک آدمی کو خود اس کے نفس سے بھی غافل کر دیتی ہے اور اسے اپنی بھی خبر نہیں رہتی۔ اسی طرح نیند کو حق سبحانہ نے ایسا بنایا ہے کہ وہ آدمی کو دین و دنیا کی فکر سے چھڑا دیتی ہے اور مجنوں کو عشق لیلیٰ کے ذریعہ سے ایسا بنا دیا کہ اس کو دوست دشمن میں امتیاز نہ رہا۔ ایک یہ کیا اس کے پاس ایسے سینکڑوں نسخے ہیں جن کو وہ تمہارے حواس پر مسلط کر کے تمہیں بے خود کرتا ہے۔ خیر یہ تو مستی ظاہری تھی اب سمجھو کہ مستی باطنی کی بھی یہ ہی حالت ہے کہ وہ آدمی کو بے ہوش کر دیتی ہے مگر دو قسمیں ہیں ایک مستی شقاوت دوسری مستی سعادت۔ مستی شقاوت تو نفس کے لئے ہوتی ہے جو کہ اس منحوس کو راہ راست سے بھٹکا دیتی اور اس کو اس سے بے خبر کر دیتی ہے اور مستی سعادت عقل کے لئے ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے آدمی مقام خلد کو حاصل کر لیتا ہے اور خیمہ گردوں کو اپنی مستی سے اکھاڑ کر دوسری طرف پہنچ جاتا ہے (یہ ایک عنوان ہے اور مقصود عروج روحانی اور تصرف حق کا بیان ہے یعنی اس کے ذریعہ سے آدمی نہایت عالی مرتبہ اور

مقرب عنداللہ ہو جاتا ہے) جب یہ معلوم ہو گیا کہ مستی باطنی بھی دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک مستی نفسانی و مستی شقاوت دوسری مستی عقل و مستی سعادت تو اے دل تو ہر مستی سے دھوکہ نہ کھانا۔ اور اسے کمال یہ سمجھنا کیونکہ دونوں مستیوں میں بہت فرق ہے۔ دیکھو عیسیٰ بھی مست ہیں اور ان کا گدھا بھی۔ مگر دونوں کی مستی میں بہت فرق ہے حضرت عیسیٰ شراب حب حق سبحانہ سے مست ہیں اور گدھا شراب عشق جو سے۔ پس یہی حالت عقل اور نفس کی اور اہل اللہ اور اہل دنیا کی ہے جب یہ مضمون تمہیدی معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ ایسی مستی جس کی صفت ہم نے "ہست میہائے سعادت" الخ میں بیان کی ہے اور جس کی طرف ہم نے "مرترا مشغولے بخشد وروں" الخ میں اشارہ کیا ہے تم کو اہل اللہ سے مل سکتی ہے۔ پس تم اس مستی کو ان خموں سے ڈھونڈو۔ اور لنڈوروں یعنی ناقصین و اہل دنیا سے یہ مستی عقل حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ان سے نہ طلب کرو۔ ہم نے تم کو اس لئے متنبہ کیا ہے کہ مستی دونوں میں ہے کیونکہ فی الجملہ دونوں مطلوب و معشوق ہیں اور ہر معشوق خم کی طرح شراب سے پر ہوتا ہے اس لئے التباس کا احتمال تھا پس تو دھوکہ نہ کھانا۔ اور دونوں کو ایک نہ سمجھنا۔ کیونکہ دونوں میں فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ ایک درد سے پر ہے اور دوسرا موتی کی طرح صاف شراب سے اور دونوں کو احتیاط سے چکھنا تا کہ تجھے ایسی شراب مل جاوے جو خالص ہو اور جس میں تلچھٹ یعنی شراب نفسانی کی آمیزش نہ ہو۔ یہ تو اجمالی تنبیہ تھی اب ہم کسی قدر تفصیلی تنبیہ کرتے ہیں۔ سن اس صاف شراب کو جس کو پی کر تو بالکل مدہوش ہو جاوے اس شخص سے چکھنا جو ترش رو یعنی ماسوی اللہ سے اعراض کئے ہوئے ہو اور کسی کو منہ نہ لگاتا ہو (الالحق) یہ مسلم ہے کہ دونوں شرابیں خواہ شراب نفس ہو یا شراب عقل تجھے مست کر دیں گی مگر پھر بھی دونوں کی مستی میں فرق ہے۔ شراب عقل کی مستی تجھے کھینچ کر حق سبحانہ تک پہنچا دے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو فکر اور وسواس اور تدبیروں کی پریشانی سے بچ جاوے گا اور تفویض کی شان تجھ پر غالب ہو گی اور تو بند عقل دنیوی سے آزاد ہو کر رقص جمل کرے گا۔ یعنی لذت روحانی سے مست ہوگا یہاں تک اس مضمون استطرادی کو ختم کر کے پھر مضمون جذب جنس متجنس کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ چونکہ انبیاء و صفا روح الامین اور فرشتہ یعنی جبرئیل کے ہم جنس ہوتے ہیں اس لئے اسے آسمان سے کھینچ لیتے ہیں۔ یعنی جبرئیل علیہ السلام کا ان کے پاس وحی لے کر آنا یہ نتیجہ ہے اس مجانست کا جو ان دونوں میں ہے (یہ ایک نکتہ ہے علت نہیں) انبیاء کے عالم سفلی ہونے سے کسی کو ان کے سفلیات کا ہم جنس ہونے کا شبہ نہ ہو۔ اس لئے کہ دیکھو ہوا چونکہ آگ کی جنس سے ہے۔ کیونکہ دونوں کا میلان اوپر کی جانب ہے۔ اس لئے جب تم کسی خالی لوٹے کا منہ بند کر کے حوض یا ندی میں رکھو گے تو وہ قیامت تک طبعاً نیچے نہ جائے گا۔ کیونکہ اس کا اندرون خالی ہے اور اس میں ہوا بھری ہے۔ اور وہ ہوا طبعاً اوپر کی طرف مائل ہے اور اپنے ساتھ اپنے ظرف کو بھی اوپر کی جانب لے جانا چاہتی ہے پس اسی طرح ارواح انبیاء گو قسراً و ضرورۃً عالم سفلی سے تعلق رکھتی ہیں مگر ہر وقت ان کی توجہ عالم بالا ہی کی طرف ہے اور وہ اپنے جسم کو بھی جو کہ ان کے لئے بمنزلہ ظرف کے ہے عالم بالا ہی کی طرف متوجہ کئے ہوئے ہوتے ہیں یعنی ان کا نفس بھی روح کا تابع ہوتا ہے اور ناسوت کی طرف ان کو بالذات توجہ نہیں ہوتی۔ اس شبہ کو دفع کر کے پھر اصل مضمون جذب کو بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ انبیاء کی حالت تو سن چکے۔ اب سنو کہ جو ارواح انبیاء سے مناسبت رکھتی ہیں وہ ان کی طرف یوں ہی کھنچتی ہیں جیسے اجسام کی طرف ان کے ظلال۔ ہم نے دیگر اشخاص کو جو انبیاء کی طرف کھنچتے ہیں۔ انبیاء کا ہم جنس اس لئے کہا ہے کہ ان کی عقول غالب ہیں۔ نفس پر اور اعتبار غالب کا ہے۔ لہٰذا وہ عقل ہوئے اور عقل فطرۃً جنس ملائک سے ہے اور ملائک جنس انبیاء

ہے۔ اس لئے وہ جنس انبیاء سے ہے برخلاف کفار کے کہ ان پر ہوائے نفس غالب ہے اس لئے وہ سراپا نفس ہیں اور نفس جنس سفلیات سے ہے تف ہے اس پر (یہ جملہ معترضہ ہے اظہار نفرت کے لئے) اس لئے وہ بھی سفلی ہیں۔ اور جنس انبیاء و ملائکہ سے نہیں اور قبطی فرعون کا ہم جنس ہے لہذا اس کی طرف منجذب ہے اور سبطی موسیٰ کا ہم جنس۔ اس لئے ان کی طرف منجذب ہے اور ہامان چونکہ فرعون کا ہم جنس تھا اس لئے فرعون نے اسے مشورہ کے لئے منتخب کیا اور اپنے قصر میں لے جا کر مسند وزارت پر بٹھلایا۔ ایک اثر تو مجانست کا یہ تھا دوسرا اثر یہ ہوا کہ وہ اس کو مسند وزارت سے قعر دوزخ میں لے گرا اور یہ قعر دوزخ میں کیوں گرے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ دونوں دوزخ کے جنس سے تھے۔ پس دونوں اپنے ہم جنس کی طرف منجذب ہو گئے یہ دوزخ کے ہم جنس اس لئے تھے کہ دونوں عالم سوز تھے جیسے دوزخ کفار سوز ہے اور دونوں نور ایمان کے یوں ہی مخالف تھے جیسے کہ دوزخ نور قلب سے بھاگتی ہے اور دوزخ کے نور قلب سے بھاگنے کی دلیل یہ ہے کہ وہ قیامت میں مومن سے کہے گی کہ اے مومن تو جلدی سے گزر جا کیونکہ تیرا نور میری آگ کو فنا کئے دیتا ہے ارے مومن جلدی گزر جا۔ کیونکہ جب تیرا نور چلتا ہے تو وہ میری آگ کو بجھائے دیتا ہے۔ پس جس طرح دوزخ نور سے بھاگتی ہے یوں ہی دوزخی (خواہ فرعون ہو یا ہامان یا کوئی اور) بھی اس سے بھاگتا ہے کیونکہ اس کی طبیعت دوزخ ہی کی سی ہے اور دوزخ مومن سے یوں ہی بھاگتی ہے جس طرح مومن دوزخ سے بھاگتا ہے۔ لہذا دوزخی بھی بھاگتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ مومن دوزخ سے کیوں بھاگتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا نور مخالف ہے نار دوزخ کے لہذا وہ اس سے بھاگتا ہے اور بھاگنا بھی چاہئے کیونکہ مومن طالب نور ہے اور طالب نور لامحالہ ہارب عن النار ہوگا۔ کیونکہ جس طرح مجانست مقتضی ہے تجاذب کو یوں ہی مضادت مقتضی ہے تنافر کو اور یہ ہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب مومن خدا سے دوزخ سے امان مانگتا ہے تو دوزخ اس سے امان مانگتی ہے اور کہتی ہے کہ اے اللہ تو مجھے اس شخص سے دور رکھنا۔ خلاصہ یہ کہ جاذب مجانست ہے اب تم یہ دیکھو کہ تم کفر و ایمان میں سے کس کے ہم جنس ہو۔ اگر بد دینوں کی طرف مائل ہو تو بد دین ہو اور اگر دینداروں کی طرف مائل ہو تو اللہ والے ہو اور اگر دونوں کی طرف مائل ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ نفس و عقل دونوں ملے ہوئے ہیں اور دونوں جنگ میں مصروف ہیں۔ جب عقل غالب ہوتی ہے تو دینداروں کی طرف میلان ہوتا ہے اور جب نفس غالب ہوتا ہے تو بد دینوں کی طرف جھکتے ہو ایسی حالت میں تم کو کوشش کرنی چاہئے کہ عقل نفس پر غالب ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ شراب صدق کا پیالہ کسی شیخ کے ہاتھ سے پیو اور اخلاص حاصل کر دیتا کہ تمہارا مقصود حاصل ہو اور معانی (اوصاف روح) کو نقوش (صفات جسم) پر غلبہ ہو۔ اگر نفس بالکل مغلوب نہ ہو نہ سہی حالت جنگ میں یہ خوشی بھی کافی ہے کہ دشمن کو ہر وقت نئی شکست ہو۔ پس تم کو شش کر دتا کہ تمہارا دشمن شکست کھا دے۔ اگرچہ فرعون اس نصیحت کو نہیں سنتا اور اپنی شرارت سے باز نہیں آتا بلکہ نفس ہی کو عقل پر غالب رکھنا چاہتا ہے۔ مگر تم سنو کیونکہ تم بہت لائق ہو۔ فرعون نالائق ہے۔ (اس عنوان میں عجیب لطافت ہے کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولانا بمنزلہ پدر مشفق کے ہیں اور اہل دنیا بمنزلہ اطفال کے۔ پس جس طرح باپ اپنے بچہ کو کسی کام کی ترغیب دیتا ہے تو کہتا ہے کہ تو بہت لائق ہے کہ کہنا مان لیتا ہے اور فلاں بچہ برا ہے کہ وہ کہنا نہیں سنتا اور یہ عنوان بہت موثر ہوتا ہے۔ اسی طرح مولانا نے بھی وہی عنوان اختیار کیا ہے) خیر یہ قصہ تو خواہ مخواہ طویل ہو گیا۔ اب ایک دوسرے فرعون کے گمراہ کرنے کا قصہ بیان کرنا چاہئے جو کہ مشورہ دینے والا ہے یعنی ہامان کا۔

مشورت کردن فرعون باوزیرش ہامان درایمان آوردن بموسیٰ علیہ السلام

فرعون کا حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانے کے بارے میں اپنے وزیر ہامان سے مشورہ کرنا

آں ستیزہ رو ببدبختی عاقبت	گفت با ہاماں برای مشورت
بالآخر اس سختی سے جھگڑا کرنے والے نے	مشورے کی غرض سے، ہامان سے کہا
وعدہای آں کلیم اللہؑ را	گفت ومحرم ساخت آں گمراہ را
کلیم اللہ کے وعدوں کو	اس گمراہ سے کہا اور اس کو راز دار بنا لیا
گفت باہاماں چو تنہالیش بدید	جست ہامان و گریباں رادرید
جب ہامان کو تنہا دیکھا اس سے کہا	ہامان اچھل پڑا اور گریبان پھاڑ لیا
بانگہازد گریہ ہا کرد آں لعیں	کوفت دستار و کلہ رابر زمیں
اس لعین نے نعرے لگائے اور رونے لگا	ٹوپی اور عمامہ کو زمین پر پٹخ دیا
کہ چگونہ گفت اندر روی شاہ	اینچنیں گستاخ آں حرف شاہ
کہ بادشاہ کے سامنے کیسے کہی؟	وہ بری بات ایسے گستاخ نے
جملہ عالم را مسخر کردہ تو	کار رابا بخت چوں زر کردہ تو
تو نے تمام دنیا کو تابع فرمان بنا لیا ہے	تو نے اقبال مندی سے کام کو سونے کی طرح کر لیا ہے
از مشارق وزمغارب بے لجاج	سوی تو آرند سلطاناں خراج
مشرقوں اور مغربوں سے بلا جھگڑے کے	بادشاہ تیرے پاس خراج لاتے ہیں
بادشاہاں لب ہمی مالند شاد	برستانہ خاک تو اے کیقباد
سب بادشاہ خوشی سے ہونٹ ملتے ہیں	اے عالی مقام! تیرے آستانہ کی خاک پر
اسپ باغی چوں بہ بیند اسپ ما	روبگر داند گریز و بے عصا
باغی گھوڑا جب ہمارے گھوڑے کو دیکھتا ہے	بغیر ڈنڈے کے رخ پھیر لیتا ہے، بھاگ جاتا ہے
تاکنوں معبود و مسجود جہاں	بودۂ گردی کمینہ بندگاں
اب تک تو عالم کا معبود اور مسجود	رہا ہے (اب) حقیر ترین بندہ بنے گا
در ہزار آتش شدن زیں خوشتر ست	کہ خداوندے شود بندہ پرست
ہزار آگوں میں ہونا اس سے بہتر ہے	کہ ایک آقا غلام پرست بنے

نے بکش اول مرا اے شاہ ہیں	تانہ بیند چشم من بر شاہ ایں
نہیں! اے بادشاہ! خبردار پہلے مجھے قتل کر دے	تاکہ میری آنکھ بادشاہ کی یہ حالت نہ دیکھے
خسروا اول مرا گردن بزن	تانہ بیند ایں مذلت چشم من
اے شاہ! پہلے مجھے قتل کر دے	تاکہ میری آنکھ یہ ذلت نہ دیکھے
خود نبودست و مبادا ایں چنیں	کہ زمیں گردوں شود گردوں زمیں
ہرگز ایسا نہیں ہوا ہے اور نہ ہو	کہ زمین آسمان بنے اور آسمان زمین
بندگانماں خواجہ تاش ماشوند	بیدلاماں دلخراش ماشوند
ہمارے غلام ' ہمارے ہمسر بنیں	ہم سے ڈرنے والے ہمارے دل کو چھیلنے والے بنیں
چشم روشن دشمنان و دوست کور	گشت مار اپس گلستاں قعر گور
دشمنوں کی آنکھ روشن ہو اور دوست اندھا ہو	تو ہمارے لئے چمن قبر کا گڑھا بن جائے

خیر تو اس شدت سے جھگڑالو اور سخت معاند نے انجام کار مشورہ کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وعدوں کو بیان کر دیا اور کہہ دیا اور اس گمراہ کو راز دار بنالیا اور جبکہ اس کو تنہا پایا تو اس سے سارا واقعہ کہہ دیا۔ یہ سن کر ہامان اچھلا کودا اور غم سے اپنا گریبان چاک کر لیا اور شور مچانا اور رونا دھونا شروع کر دیا اور ٹوپی اور عمامہ کو زمین پر پٹک دیا اور کہا کہ اس نے یہ بے ہودہ بات یوں گستاخانہ حضور کے سامنے کہی کیونکر مجھے تو اس کا ملال ہے۔ کیونکہ آپ کی تو یہ شان ہے کہ آپ نے تمام عالم کو مسخر کر لیا ہے اور اپنی خوش اقبالی سے ہر معاملہ کو اپنے لئے عمدہ اور مفید بنالیا ہے اور بادشاہ مشرق و مغرب سے بلا کسی حیل و حجت کے آپ کے پاس خراج لاتے ہیں اور سلاطین آپ کے آستانہ کی خاک کو بخوشی چومتے ہیں اور رعب کی یہ حالت ہے کہ اگر کوئی بغاوت کرتا ہے اور ہمارے مقابلہ کے لئے آتا ہے تو اس کا گھوڑا ہمارے کو دیکھتے ہی مڑ جاتا ہے اور ہم کو ڈنڈا لگانے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایسی حالت میں تو اس کا حضور کے سامنے یہ الفاظ زبان سے نکالنا ہی آپ کی سخت توہین ہے۔ چہ جائیکہ آپ اس کو مان لیں۔ میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ اب تک آپ ایک عالم کے معبود اور مسجود تھے پس کیا ایسی حالت میں آپ ایک ادنیٰ غلام بن سکتے ہیں۔ میرے نزدیک تو ہزار آتشوں میں چلا جانا اس سے بہتر ہے کہ ایک خدا اپنے بندہ کا بندہ ہو جاوے۔ پس میری رائے تو یہ ہے کہ آپ اس کی درخواست کو قبول نہ کریں اور اگر قبول کرنا ہی ہے تو پہلے مجھے مار ڈالئے تاکہ میں حضور کی یہ توہین اپنی آنکھ سے نہ دیکھوں اور اے بادشاہ آپ ضرور میری گردن ماردیں تاکہ میں بچشم خود یہ ذلت نہ دیکھ سکوں۔ یہ کبھی نہیں ہوا اور نوبت نہ ہو کہ زمین آسمان ہو جاوے اور آسمان زمین بن جاوے۔ یعنی ہمارے غلام ہمارے آقا ہو جائیں اور ہم ان کے غلام اور ہمارے دلدادہ ہمیں ستائیں اور ہم ستائے جائیں۔ اور ہمارے دشمنوں کی آنکھیں روشن ہوں اور دوست اندھے ہوں۔ ایسی حالت میں تو ہمارے لئے مر جانا ہی بہتر ہے اور گور کا گڑھا ہمارے لئے باغ کی طرح عمدہ مقام ہے۔

تزییف سخن ہامان با فرعون علیہ اللعنۃ

فرعون علیہ اللعنۃ کے ساتھ ہامان کی باتوں کی کمزوری

دوست از دشمن ہمی نشاخت او	نرد را کورانہ کژمی باخت او
وہ دوست کو دشمن سے نہ پہچانتا تھا	اس نے اندھے پن سے بازی الٹی چلی
دشمن تو جز تو نبود اے لعیں	بیگناہاں رامگو دشمن بکیں
اے ملعون! تیرا دشمن تیرے علاوہ کوئی نہیں ہے	کینہ سے بے قصوروں کو دشمن نہ کہہ
پیش تو ایں حالت بد دولت ست	کہ دوا دو اول و آخر لت ست
تیرے لئے یہ بری حالت دولت ہے	کہ جس کی ابتداء بھاگ دوڑ اور آخر لات ہے
گر ازیں دولت نتازی خز خزاں	ایں بہارت راہمی آید خزاں
اگر تو اس دولت سے آہستہ آہستہ نہ بھاگے گا	تیری اس بہار پر خزاں آ جائے گی
مشرق و مغرب چو تو بس دیدہ اند	کہ سر ایشاں زتن ببریدہ اند
مشرق و مغرب نے تجھ جیسے بہت دیکھے ہیں	جن کے سر دھڑ سے جدا کر دیئے ہیں
مشرق و مغرب کہ نبود برقرار	چوں کنند آخر کسے را پائیدار
مشرق و مغرب جو پائیدار نہیں ہیں	وہ کسی کو کیسے پائیدار بنا سکتے ہیں؟
تو بداں فخر آوری کز ترس و بند	چاپلوست گشت مردم روز چند
تو اس پر فخر کرتا ہے کہ خوف اور بندش سے	چند روز کے لئے انسان تیرے خوشامدی بن گئے ہیں
ہر کرا مردم سجودے می کنند	زہر اندر جان او می آگنند
جس شخص کو لوگ سجدے کرتے ہیں	اس کی جان میں زہر بھرتے ہیں
چونکہ برگردد ازو آں ساجدش	داند اوکاں زہر بود و موبدش
جب وہ سجدہ کرنے والا اس سے روگردانی کرتا ہے	وہ جان جاتا ہے کہ وہ اور اس کا سردار زہر تھا
اے خنک آں را کہ ذلت نفسہٗ	وای آں کز سرکشی شد چوں کہ او
مبارک باد ہے اس کے لئے جس کا نفس خاکسار بنا	اس پر افسوس جو سرکشی سے پہاڑ کی طرح بن گیا
ایں تکبر زہر قاتل داں کہ ہست	از مئے پر زہر گشت آں گیج و مست
اس تکبر کو زہر قاتل سمجھ کہ جو ہے	زہر بھری شراب (کی قسم) سے (جس سے) وہ احمق اور مست بنا ہے

چوں مئے پرزہر نوشدمد برے — از طرب یک دم بجنباند سرے

جب کوئی بدنصیب زہریلی ہوئی شراب پیتا ہے — تھوڑی دیر مستی سے جھومتا ہے

بعد یک دم زہر درجانش فتد — زہر در جانش کند داد و ستد

تھوڑی دیر کے بعد زہر اس کی جان میں اثر کرتا ہے — زہر اس کی جان میں لین دین شروع کر دیتا ہے

گرنداری زہریش را اعتقاد — گرچہ زہر آمد نگر در قوم عاد

اگر تو اس کے زہر پر اعتقاد نہیں رکھتا ہے — اگرچہ وہ زہر ہے، قوم عاد کو دیکھ لے

چونکہ شاہے دست یابد بر شہے — بکشدش یا باز دارد در چہے

جب کوئی بادشاہ کسی بادشاہ پر قابو پا لیتا ہے — اس کو قتل کر دیتا ہے یا اس کو کنویں میں قید کر دیتا ہے

وربیابد خستہ افتادہ راہ — مرہمش سازد شہ و بدہد عطا

اور اگر کسی زخمی کو راستہ میں پڑا ہوا دیکھتا ہے — بادشاہ اس کی مرہم (پٹی) کرتا ہے اور عطا کرتا ہے

گر نہ زہرست آں تکبر پس چرا — کشت شہ رابیگناہ و بے خطا

اگر وہ تکبر زہر نہیں ہے تو کیوں؟ — اس نے بادشاہ کو بے گناہ اور بے قصور مارا

ویں دگر را بے زخدمت چوں نواخت — زیں دو جنس زہر را باید شناخت

اس دوسرے کو بغیر کسی خدمت کے کیوں نوازا؟ — زہر کی ان دونوں قسموں کو پہچان لینا چاہیے

راہزن ہرگز گدائے را نزد — گرگ گرگ مردہ را ہرگز گزد

کسی ڈاکو نے کبھی کسی فقیر کو نہیں مارا — بھیڑیے نے کسی مردہ بھیڑیے کو کبھی نہیں پھاڑا

خضرؑ کشتی رابرائے آں شکست — تاتواند کشتی از فجار رست

(حضرت) خضرؑ نے کشتی اسی لئے توڑی — تاکہ کشتی ظالموں سے بچ جائے

چوں شکستہ می رہد اشکستہ شو — امن در فقرست اندر فقررو

جبکہ شکستہ کو نجات ملتی ہے، شکستہ ہو جا — امن فقر میں ہے فقر اختیار کر

آں کہے کو داشت از کاں نقد چند — گشت پارہ پارہ از زخم کلند

وہ پہاڑ جو نقدی کی چند کانیں رکھتا تھا — وہ کدال کی مار سے ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا

تیغ بہر اوست کو را گرد نیست — سایہ کافگندست بروے زخم نیست

تلوار اس کے لئے ہے جس کی (اونچی) گردن ہے — وہ سایہ جو پڑا ہوا ہے اس پر وار نہیں ہے

مہتری نفط ست و آتش اے غوی	اے برادر چوں آذری روی
اے گمراہ! سرداری مٹی کا تیل اور آگ ہے	اے بھائی! تو آگ پر کیوں چلتا ہے؟
ہر چہ او ہموار باشد باز میں	تیر ہارا کے ہدف گردد ببیں
جو چیز زمین سے ہموار ہو	وہ تیروں کا نشانہ کب بنتی ہے دیکھ لے
سر برآرد از زمیں آنگاہ او	چوں ہدفہا زخم یابد بے رفو
وہ زمین سے سر ابھارتی ہے تب وہ	نشانوں کی طرح نہ سلنے والے زخم پاتی ہے
نردبان خلق ایں ماومنی ست	عاقبت زیں نردباں افتادنی ست
یہ خودی اور تکبر مخلوق کے لئے سیڑھی ہے	انجام کار اس سیڑھی سے گر پڑنا ہے
ایں فروع ست و اصولش آں بود	کہ ترفع شرکت یزداں بود
یہ فروعی باتیں ہیں اور اس کی اصل یہ ہے	کہ تکبر اللہ کے ساتھ شرکت ہے
چوں نہ مردی و نہ گشتی زندہ زو	باغیی باشی بشرکت ملک جو
جبکہ تو فنا نہ ہوا اور اس کے ذریعہ زندہ نہ ہوا	تو باغی ہوگا، شرکت کے ذریعہ ملک کا جویاں ہوگا
چوں بدو زندہ شدی آں خود ویست	وحدت محض ست آں شرکت کے ست
جب تو اس کے ذریعہ زندہ ہو گیا وہ خود وہ ہے	خالص وحدت ہے یہ شرکت کب ہے؟
شرح ایں در آئینہ اعمال جو	کہ نیابی فہم ایں از گفتگو
اس کی تشریح اعمال کے آئینہ میں تلاش کر	کیونکہ گفتگو سے یہ سمجھ میں نہ آئے گا
گر بگویم انچہ دارم در دروں	بس جگرہا گردد اندر حال خوں
اگر میں وہ کہہ دوں جو دل میں رکھتا ہوں	تو بہت سے جگر فوراً خون ہو جائیں گے
بس کنم خود زیرکاں را ایں بس ست	بانگ دو کردم اگر در دہ کس ست
بس کرتا ہوں، عقلمندوں کے لئے یہ کافی ہے	میں نے دو صدائیں دیدیں اگر گاؤں میں کوئی ہے
حاصل آں ہاماں بداں گفتار بد	ایں چنیں راہے براں فرعون زد
خلاصہ یہ ہے کہ اس ہامان نے بری گفتگو کے ذریعہ	ایسا راستہ فرعون پر بند کر دیا
لقمۂ دولت رسیدہ تا دہاں	از گلوی او بریدہ ناگہاں
دولت کا لقمہ منہ تک پہنچ چکا تھا	اچانک اس کے گلے سے جدا کر دیا

خرمن فرعون را داد او بباد	ہیچ شہ را ایں چنیں صاحب مباد
اس نے فرعون کا کھلیان برباد کر دیا	(خدا کرے) ایسا وزیر کسی بادشاہ کا نہ ہو
از چنیں ہمراہ بد دوری گزیں	زینہار اللہ اعلم بالیقیں
ایسے برے ساتھی سے دوری اختیار کر	خبردار! اللہ یقینی باتوں کو زیادہ جانتا ہے

یہاں سے مولانا ہامان پر عتاب فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس نے جو موسیٰ علیہ السلام کو دشمن کہا ہے یہ اس کی غلطی ہے اور وہ دوست دشمن میں امتیاز نہیں کرتا۔ اس لئے اندھوں کی طرح غلط مہرے چل رہا ہے اور اوٹ پٹانگ باتیں کر رہا ہے۔ اس سے کوئی کہے کہ او ملعون تیرے سوا تیرا کوئی دشمن نہیں۔ پس تو عداوت سے اوروں کو دشمن نہ بتا تو اپنی اس بری حالت کو دوست سمجھتا ہے جس کے اول میں دوڑ دھوپ اور جانکاہی ہے اور آخر میں لاتیں تیری غلطی ہے۔ پس اگر تو اس دولت سے نہ بھاگے گا تو یاد رکھ کہ ایک دن تیری اس فرعونی بہار پر خزاں آئے گی۔ اور تو برباد ہوگا۔ اور تو مشرق و مغرب کے تسلط پر کیا نازاں ہے تجھ سے بہت سے لوگوں نے مشرق و مغرب کو حاکمانہ طور پر دیکھا ہے جن کا قضا و قدر نے سر اڑا دیا۔ اور آج ان کا نام و نشان بھی نہیں اور وہ باقی رہ بھی کیسے سکتے تھے کیونکہ مشرق و مغرب خود تو باقی رہنے والے ہیں ہی نہیں پھر وہ کسی کو قائم کیسے رکھ سکتے ہیں۔ نیز تو اس پر ناز کرتا ہے کہ لوگ تیرے خوف اور ضرر رسانی سے چند روز کے لئے تیری خوشامد کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی تیری غلطی ہے بلکہ اگر دل سے ہی کریں تب بھی کوئی قابل فخر بات نہیں کیونکہ لوگ جس کسی کو سجدہ کرتے ہیں وہ حقیقت میں اس کی تعظیم نہیں کرتے۔ بلکہ اس کو زہر دیتے ہیں۔ اور گو مسجود کو اس وقت اس کا پتہ نہیں چلتا لیکن جب اس کو سجدہ کرنے والے اس سے پھر جاتے اور الگ ہو جاتے ہیں خواہ دنیا میں اس سے متنفر ہو کر یا فرکریا عقبے میں اس کا ساتھ چھوڑ کر اس وقت اسے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ لوگ میرے لئے سم قاتل اور مجھے تنہا چھوڑ دینے والے تھے۔ اب مولانا یہاں سے مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ارے نہایت مزہ میں ہے وہ شخص جس کی طبیعت میں تکبر اور انقیاد ملحق ہو اور خرابی ہے اس کے لئے جو سرکشی سے پہاڑ کی طرح گردن بلند اور سخت ہو کہ اس پر اوامر الٰہیہ کا کچھ بھی اثر نہ ہوتا ہو۔ تم سمجھو کہ تکبر سم قاتل ہے اور ہامان اس زہر آلود شراب سے احمق اور مست بنا ہوا ہے لہذا گو اس وقت وہ خوش ہے اور اس کی ترنگ میں اسے آگا پیچھا کچھ نہیں سوجھتا مگر انجام اس کا ہلاکت ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی بدنصیب زہر آلود شراب سے مست ہوتا ہے تو کچھ دیر وہ مزہ میں سر ہلاتا اور جھومتا ہے مگر تھوڑی ہی دیر میں وہ زہر اس کی جان میں پھیل جاتا ہے اور لے دے شروع کر دیتا ہے۔ ہم نے تکبر کو زہر کہا ہے اگر تم کو باور نہیں تو ہم پوچھتے ہیں کہ اس نے قوم عاد میں زہریلا اثر کیوں دکھلایا اور اسے کیوں تباہ کیا اور تم کو معلوم ہے کہ جب ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر تسلط حاصل کرتا ہے تو اس کو یا قتل کرتا ہے یا قید کرتا ہے لیکن جب کسی زخمی اور شکستہ کو پاتا ہے تو اس کے زخموں کا علاج کرتا ہے اور دادو دہش کرتا ہے۔ پس اگر تکبر زہر نہیں ہے تو وہ کیوں مارا جاتا ہے اور بادشاہ اس کو بے قصور کیوں مارتا ہے اور بدوں کسی خدمت کے دوسرے کی کیوں عزت افزائی کرتا ہے۔ پس ان دو فعلوں سے تم معلوم کر سکتے ہو کہ تکبر زہر ہے اور حقیقت میں قاتل شاہ وہی ہے گو صورۃً قاتل بادشاہ ہو اور دیکھو کوئی ڈکیت کسی فقیر کو نہیں مارتا اور بھیڑیا دوسرے مردہ بھیڑیئے کو نہیں کاٹتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ شکستگی و فقر سبب نجات ہے۔ پس اس کی ضد تکبر و دولت ضرور ہو جب

ہلاکت ہوگی۔ علیٰ ہذا خضر علیہ السلام نے کشتی کو شکستہ کیا تھا تا کہ وہ فاسقوں اور بدکاروں کے پنجہ سے چھوٹ سکے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ شکستگی رہائی کا سبب ہے۔ پس جبکہ تم کو مذکورہ بالا امثلہ ونظائر سے معلوم ہو گیا کہ شکستہ نجات پاتا ہے پس تم سمجھو کہ راحت فقر میں ہے نہ کہ دولت میں اور چین شکستگی میں ہے نہ کہ تجبر میں لہذا دولت کو چھوڑو اور فقر میں پناہ لو اور دیکھو پہاڑ جس میں مختلف قسم کی دولت ہوتی ہے چاندی سونا لعل وغیرہ کسی کے صدمات سے پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ اس سے تم دولت مندوں کی حالت سمجھ سکتے ہو اور دیکھو تلوار اسی کے لئے ہے جو گردن کش ہے اور سایہ چونکہ خاکسار ہے اس لئے اسے کوئی ضرر نہیں۔ اس سے تم کو خاکساری کی فضیلت اور تکبر کی شامت معلوم ہو سکتی ہے۔ پس اے سردار تو یاد رکھ کہ سرداری لفظ اور آگ ہے پس تو آگ پر کیوں چلتا ہے اس سے بچ ورنہ جل جائے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔ اور تذلل اور تمسکن اختیار کر اس کے ذریعہ سے تو بلاؤں سے نجات پائے گا۔ تو دیکھ کہ اگر کوئی تیر انداز تیر مارنا چاہے تو جو چیز زمین سے ملی ہوئی اور اس کے برابر ہوگی تیروں کا نشانہ نہیں بن سکتی۔ لیکن اگر وہ ذرا زمین سے سر اٹھا دے تو فوراً اس کے تیر لگے گا یہ بھی دلیل ہے اس کی کہ خاکساری مفید ہے اور گردن کشی مضر۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ اور تکبر اور تجبر مضر ہے تو اب اس کو ایک سیڑھی فرض کرو اور سمجھو کہ انجام کار اس سے گرنا لازم ہے پس ایسی حالت میں جو زیادہ اونچے چڑھے گا اور زیادہ تکبر کرے گا وہ زیادہ احمق ہوگا کیونکہ اس کی ہڈیاں اوروں سے زیادہ ٹوٹیں گی۔ جو وجہ ہم تکبر کی برائی کی بیان کر چکے ہیں یعنی اس کا مضر ہونا سو وہ تو اس کا نتیجہ ہے اور ہمارا اس کی برائی پر اس کے مضرت سے استدلال اس کے نتیجہ کی برائی سے استدلال ہے۔ لیکن اصل اور منشاء اس کی برائی کا یہ ہے کہ تکبر کرنا اور عالی مرتبہ بننا اپنے کو خدا کا شریک بنانا ہے اور جبکہ تم اپنے کو مٹا نہ دو اور حق سبحانہ کی حیات سے زندہ نہ ہو جاؤ۔ یعنی اپنے کو اس کی رضا کا بالکل تابع اور اس کے افعال کا آلہ نہ بنا دو اس وقت تک تم ایک باغی ہو جو کہ دعویٰ شرکت حق سبحانہ کی بناء پر طالب ملک ہے۔ لیکن جبکہ تم اپنے کو اس کی رضا کا بالکل تابع بنا دو اور تمہاری یہ حالت ہو جاوے کہ گویا کہ تم اس کی حیات سے زندہ ہو اس وقت تم کچھ نہ ہو گے بلکہ وہی وہ ہوگا اور وحدت محضہ ہوگی دوئی ہو ہی گی نہیں پھر شرکت کیونکر ہو سکتی ہے۔ یہ مضمون باریک ہے اس لئے میں اس مضمون کو تمہیں الفاظ سے نہیں سمجھا سکتا۔ پس اگر تم کو اس کی شرح کی ضرورت ہو تو اعمال حسنہ کرو اور اپنے کو اس قابل بناؤ کہ حق سبحانہ بذریعہ کشف کے اس مسئلہ کی حقیقت تم پر منکشف کریں اور بدوں تحصیل ذوق ووجدان کے اس بحث میں نہ پڑنا ورنہ گمراہی کا اندیشہ ہے اس مضمون استطرادی کو بیان کر کے مولانا پھر مضمون سابق کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ گو میرے دل میں مذمت ہستی کی تفصیل بہت کچھ ہے لیکن اگر میں اسے بیان کروں تو بہت سے جگر خون ہو جائیں اور کلیجے پھٹ جائیں۔ اس لئے اسی قدر پر اکتفا کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ عاقلوں کے لئے اتنا بھی کافی ہے اور میں متنبہ کر چکا ہوں اگر کوئی سمجھدار ہو تو سمجھ لے۔ (بانگ دو اس آواز کو کہتے ہیں جو اہل قریہ کو متنبہ کرنے کے لئے اس وقت کی جاتی ہے جب کہ دشمن ان پر حملہ آور ہو) غرضکہ کہ ہامان شریر نے اس بیہودہ تقریر سے یوں فرعون کا راہ مارا جس کی تفصیل تم سن چکے ہو اور جو لقمہ دولت ایمان اس کے منہ تک پہنچ گیا تھا اس کو اس کے حلق میں سے نکال لیا اور خرمن فرعون کو ملیامیٹ کر دیا۔ خدا کرے کسی بادشاہ کا ایسا بدخواہ وزیر نہ ہو۔ پس تم کو اس قصہ سے عبرت حاصل کرنی چاہئے اور برے رفیق سے دور رہنا چاہئے۔ دیکھنا میری نصیحت کو بھولنا مت اور خبردار اس کے پاس نہ پھٹکنا۔ خیر فرعون کا واقعہ جس طرح ہم کو پہنچا تھا اس کو ہم نے بیان کر دیا۔ اور یقینی بات خدا ہی زیادہ جانتا ہے کہ واقعہ کیونکر ہے۔

نومید شدن موسیٰ از ایمان آوردن فرعون وجا یافتن سخن ہامان لعین در دل فرعون

حضرت موسیٰ کا فرعون کے ایمان لانے سے مایوس ہو جانا اور ملعون ہامان کی باتوں کا فرعون کے دل میں گھر کر لینا

گفت موسیٰ لطف بنمودیم و جود	خود خداوندیت را روزی نبود
(حضرت) موسیٰ نے فرمایا ہم نے مہربانی اور سخاوت کی	آقائی خود تیرے مقدر میں نہ تھی
آں خداوندی کہ نبود راستیں	مرورا نے دست داں نے آستیں
وہ آقائی جو سچی نہ ہو	سمجھ لے اس کے نہ ہاتھ ہوتا ہے نہ آستین
آں خداوندی کہ دزدیدہ بود	بے دل و بے جان و بے دیدہ بود
وہ آقائی جو چرائی ہوئی ہو	وہ بے دل اور بے جان اور بے آنکھ کی ہوتی ہے
آں خداوندی کہ دادندت عوام	باز بستانند از تو ہمچو وام
وہ آقائی جو تجھے عوام نے دی ہے	قرض کی طرح وہ تجھ سے واپس لے لیں گے
آں خداوندی تو از بندگی	کمترست ار باز دانی اندکی
تیری وہ آقائی غلامی سے	کمتر ہے اگر تھوڑا سا سمجھ لے
دہ خداوندی عاریت بحق	تا خداوندیت بخشد متفق
عارضی آقائی خدا کے سپرد کر دے	تا کہ وہ تجھے متفق آقائی عنایت کر دے

جب فرعون ہامان کے بہکانے میں آ گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات ماننے سے انکار کر دیا تو آپ نے فرمایا کہ ہم نے تو بہت عنایت اور بہت کچھ سخاوت کی تھی مگر تیری قسمت ہی میں نہ تھی ہم کیا کریں۔ دیکھ میں پھر کہتا ہوں کہ جھوٹی حکومت بالکل بے تکی ہے اور جو حکومت محض عارضی ہو اور اس لئے ایسی ہو جیسے چرائی ہوئی چیز کہ مالک اس کو چور سے واپس لے لیتا ہے۔ صورت حکومت ہے اور معنی حکومت اس میں بالکل نہیں تو اس حکومت پر مغرور نہ ہو جو تجھ کو عوام نے دے رکھی ہے۔ اس لئے کہ وہ تیرے مرنے کے وقت تجھ سے یوں واپس لے لیں گے جیسے قرض کو واپس لیتے ہیں پس اگر تو ذرا بھی سمجھے تو تجھے معلوم ہوگا کہ یہ تیری حکومت اس غلامی سے بھی کہیں کم ہے جس سے تو عار کرتا ہے۔ کیونکہ اس کا نتیجہ معزولی ہے اور اس کا نتیجہ شاہی لہذا تو غلامی اختیار کر اور اس عارضی حکومت کو خدا کے حوالہ کر تا کہ حق سبحانہ تجھے وہ حکومت عطا فرماویں جو متفق علیہ ہو اور کسی کو اس سے سرتابی کی گنجائش نہ ہو

منازعت کردن امیران عرب با رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کہ ملک را مقاسمہ کن تا نزاعے نباشد و جواب رسول ایشاں را کہ من مامورم دریں امارت و بحث ایشاں از طرفین

عرب کے سرداروں کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑنا کہ ملک بانٹ لیجئے تا کہ جھگڑا نہ ہو اور آنحضورؐ کا ان کو جواب دینا کہ میں اس حکومت میں اللہ کی جانب سے مقرر کیا گیا ہوں اور جانبین سے ان کی بحث

آں امیران عرب گرد آمدند	نزد پیغمبرؐ منازع می شدند
عرب کے سردار جمع ہوگئے	پیغمبرؐ کے پاس جھگڑا کرتے ہوئے آئے
کہ تو میری ہر یک از ماہم امیر	بخش کن ایں ملک وبخش خود بگیر
کہ آپ بھی سردار ہیں اور ہم میں سے بھی ہر ایک امیر ہے	اس ملک کو تقسیم کر لیجئے اور اپنا حصہ لے لیجئے
ہر یکے در بخش خود انصاف جو	تو زبخش مادو دست خود بشو
ہر ایک اپنے حصہ میں انصاف چاہتا ہے	آپ ہمارے حصہ سے اپنے دونوں ہاتھ دھو لیجئے
گفت میری مرمرا حق دادہ است	سروری و امر مطلق دادہ است
آپ نے فرمایا مجھے سرداری خدا نے عطا کی ہے	(اس نے) عام سرداری اور حکم عطا فرما دیا ہے
کایں قران احمدؐ ست و دور او	ہیں بگیرید امر او را اتقو
کیونکہ (فرمایا ہے) یہ احمدؐ کا زمانہ اور دور ہے	خبردار! اس کا حکم مانو اور تقوٰی اختیار کرو
قوم گفتندش کہ ماہم زاں قضا	حاکمیم و دادا میری ماخدا
قوم نے ان سے کہا کہ ہم بھی تقدیر سے	حاکم ہیں اور خدا نے ہمیں حکومت دی ہے
گفت لیکن مرمرا حق ملک داد	مرشمارا عاریۃ از بہر زاد
آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ (تعالیٰ) (نے) حکومت دی ہے	تمہارے پاس کھانے پینے کے لئے عارضی ہے
میری من تا قیامت باقی ست	میری عاریتی خواہد شکست
میری حکومت قیامت تک باقی رہنے والی ہے	عارضی حکومت ٹوٹ جائے گی
قوم گفتند اے امیر افزوں مگو	چیست حجت بر فزوں جوئی تو
لوگوں نے کہا اے امیر! زیادہ نہ کہہ	آپ کی بڑائی پر دلیل کیا ہے؟

سیل آمدن وقضیب انداختن امراء جہت دفع شدن

سیل وغالب شدن مصطفیٰ علیہ السلام برامیران

سیلاب کا آنا اور سیلاب روکنے کے لئے سرداروں اور لکڑی ڈالنا اور مصطفیٰ علیہ السلام کا سرداروں پر غالب آجانا

درزماں ابرے برآمد زامرمر	سیل آمد گشت آں اطراف پر
فوراً ' سخت حکم سے ایک ابر آیا	سیلاب آیا اور اطراف (پانی سے) پر ہو گئے

روبشہر آورد سیلے بس مہیب	اہل شہر افغاں کناں جملہ رعیب
ایک بہت خوفناک سیلاب نے شہر کا رخ کیا	شہر والے خوفزدہ ہو کر فریاد کرنے لگے
گفت پیغمبرؐ کہ وقت امتحاں	آمد اکنوں تانہاں گردد عیاں
پیغمبرؐ نے فرمایا کہ امتحان کا وقت	اب آ گیا تاکہ پوشیدہ (راز) ظاہر ہو جائے
ہر امیرے نیزۂ خود درفگند	تاشود در امتحاں آں سیل بند
ہر سردار نے اپنا نیزہ ڈال دیا	تاکہ آزمائش (کے وقت) میں سیلاب رک جائے
نیز ہارا ہمچو خاشاکے ربود	آب تیز سیل پرجوش و عنود
نیزوں کو تنکوں کی طرح (بہا) لے گیا	جوشیلے اور سرکش سیلاب کا تیز پانی
پس قضیب انداخت در وے مصطفیٰ	آں قضیب معجز فرماں رواں
پھر مصطفیٰ نے ایک شاخ اس میں ڈال دی	وہ شاخ جو (سیلاب کو) عاجز کرنے والی اور حاکم تھی
نیز ہا گم گشت جملہ وآں قضیب	بر سر آب ایستادہ چوں رقیب
سب نیزے گم ہو گئے اور وہ شاخ	نگراں کی طرح پانی پر کھڑی رہی
زاہتمام آں قضیب آں سیل رفت	روبگردانید و سوی بحر رفت
اس شاخ کے بندوبست سے وہ سیلاب روانہ ہو گیا	اس نے رخ موڑا اور سمندر کی طرف چلا گیا
چوں بدیدند از وے آں امر عظیم	پس مقر گشتند آں میراں زبیم
جب انہوں نے ان سے وہ بڑا کارنامہ دیکھا	وہ سردار ڈر سے اقرار کرنے والے بن گئے
جز سہ کس کہ حقد ایشاں چیرہ بود	ساحرش گفتند و کاہن از جحود
سوائے تین شخصوں کے جن کا کینہ غالب تھا	انہوں نے انکار سے ان کو جادوگر اور کاہن کہا
بود بوجہل لعیں و بولہب	واں سوم ہم بود بوسفیان حرب
ملعون ابوجہل تھا اور ابولہب	اور وہ تیسرا ابوسفیان بن حرب تھا
ملک بربستہ چناں باشد ضعیف	ملک بررستہ چناں باشد شریف
مارے باندھے کی سلطنت ایسی کمزور ہوتی ہے	آزاد سلطنت ایسی شریف ہوتی ہے
نیزہا را گر ندیدی یا قضیب	نام شاں بیں نام او بیں اے نجیب
اگر تو نے نیزے یا شاخ نہیں دیکھی ہے	اے شریف! ان کا نام اور ان کا نام دیکھ لے

نام شاں را سیل تیز مرگ برد	نام او و دولت تیزش نمرد
ان کے نام کو موت کا تیز سیلاب بہا لے گیا	اُن کا نام اور ان کی تیز حکومت نہیں مری ہے
پنج نوبت می زنندش بردوام	ہم چنیں ہر روز تار و ز قیام
ہمیشہ پانچ وقت ان کے نام پر نوبت بجتی ہے	اسی طرح قیامت تک ہر روز

چونکہ مولانا نے اوپر فرمایا تھا کہ فانی فی الحق کو ایسی حکومت ملتی ہے جس سے سرتابی کی کسی کو مجال نہیں ہو سکتی اس لئے مولانا اس کی تائید میں ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امراء ورؤساء عرب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جمع ہوئے اور یوں جھگڑنا شروع کیا کہ آپ بھی ایک امیر ہیں اور ہم بھی۔ لہذا ملک کو تقسیم کر لیجئے اور اپنا حصہ لے لیجئے ہم میں سے ہر ایک اپنے حصہ کے متعلق انصاف کا خواہاں ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا حصہ اسے مل جاوے۔ پس آپ ہمارے حصوں سے دست بردار ہو جایئے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارا دعویٰ غلط ہے حق سبحانہ کی جانب سے مجھے افسری اور سرداری وحکومت مطلقہ عطا ہوئی ہے اور فرمادیا ہے کہ یہ احمد کا زمانہ ہے۔ اس زمانہ میں بجز ان کے کسی کی حکومت نہیں ہو سکتی۔ پس تم اس حکم کو قبول کرو۔ اور اس کی مخالفت سے بچو ان لوگوں نے کہا کہ ہم بھی تو بحکم الٰہی ہی حاکم ہیں اور ہم کو بھی تو خدا ہی نے حکومت دی ہے پھر آپ ہماری حکومت کی نفی کیسے کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا بجا ہے لیکن مجھ میں اور تم میں اتنا فرق ہے کہ میری حکومت تو پائیدار اور ایسی ہے جیسے کسی کو کوئی شے ہبہ کر دی جائے اور تمہاری حکومت عارضی ہے تا کہ چند روز اس سے متمتع ہو لو۔ لہذا میری حکومت تو قیامت تک باقی رہے گی اور تمہاری ٹوٹ جائے گی۔ یہ سن کر لوگوں نے کہا کہ اچھا زیادہ باتیں نہ بنایئے کوئی واضح دلیل بیان کیجئے کہ آپ کو ہم سے زیادہ لینے کا کیا حق ہے۔ اتنے میں بقضائے الٰہی ایک ابر اٹھا اور برسنے لگا جس سے ایک ایسی رو آئی کہ آس پاس کے سارے مقامات میں پھیل گئی اور وہ نہایت خوفناک رو شہر کی جانب بڑھی یہ دیکھ کر تمام اہل شہر ڈر گئے اور آہ وزاری شروع کی۔ یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب امتحان کا وقت آ گیا ہے پس اب اپنی اپنی حکومت کے جوہر دکھلانے چاہئیں تا کہ حقیقت مخفیہ کا ظہور ہو۔ سن کر سب امیروں نے اپنے اپنے نیزے اس رو میں ڈال دیئے تا کہ اس معرکہ امتحان میں ان کو کامیابی ہو اور سیل بند ہو جاوے۔ لیکن اس پر جوش اور معاند سیلاب کا تیز پانی ان سب نیزوں کو خس و خاشاک کی طرح بہالے گیا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں ایک کھجور کی شاخ ڈالی یعنی وہ شاخ جو سیلاب کو عاجز کر دینے والی اور اس پر حاکم تھی۔ پس نیزے تو سارے گم ہو گئے اور وہ شاخ محافظ کی طرح پانی پر کھڑی رہی اور اس کے اہتمام سے اس عظیم الشان سیلاب نے اپنا رخ بدل دیا اور دریا کی طرف چلا گیا پس جبکہ ان لوگوں نے آپ کا اتنا بڑا تصرف دیکھا تو ڈر کے مارے سب کے سب مان گئے اور ایمان لے آئے۔ بجز تین شخصوں کے جن پر کینہ غالب تھا۔ ان لوگوں نے انکار کیا اور آپ کو کاہن اور ساحر کہا۔ ان تین میں ایک ابو جہل تھا دوسرا ابولہب (یہ دونوں تو کافر ہی رہے) اور تیسرے ابوسفیان بن حرب (یہ فتح مکہ میں مشرف باسلام ہو گئے تھے) اس سے آپ لوگوں کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ پابند ہوا لوگوں کی حکومت کس قدر کمزور ہے اور ہوا سے

آزاد لوگوں کی حکومت کس قدر اعلیٰ ہے۔ اگر کسی کو خلجان ہو کہ نہ ہم نے نیزے دیکھے اور نہ شاخ پھر ہم کو کیونکر اعتبار ہو۔ پس ہم ان سے کہیں گے کہ اگر تم نے نیزے اور شاخ نہیں دیکھے تو نہ سہی۔ ہم تمہارے لئے دوسرا معیار قائم کرتے ہیں۔ اچھا ان کا نام بھی دیکھ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاحم تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی پس تمہیں معلوم ہوگا کہ ان کے نام کو موت کا تیز سیلاب بہالے گیا۔ اور آپ کا نام اور آپ کی دولت تو یہ فنا نہیں ہوئی۔ چنانچہ اب تک آپ کی پنج وقتی نوبت بجتی ہے اور موذن پانچوں وقت اذان میں آپ کا نام لیتا ہے اور قیامت تک ہر روز یوں ہی بجتی رہے گی۔ پس اس واقعہ سے تم دونوں کی حکومتوں کا موازنہ کر سکتے ہو۔

فائدہ:۔ اس قسم کے بیانات سے ہمارے زمانہ کے مبتدعین کو دھوکہ ہو گیا ہے اور انہوں نے اہل اللہ کے لئے حکومت عامہ بدین نہج ثابت کی ہے کہ یہ حضرات تمام عالم میں با اختیار خود متصرف ہیں اور اس طرح ان لوگوں نے اہل اللہ کو متبوع اور حق سبحانہ کو ان کا تابع کر دیا ہے مگر یہ ان کی غلطی اور حقیقت ان کی حکومت عامہ کی یہ ہے کہ یہ حضرات فانی فی الحق اور اس کے تابع محض ہیں اور اپنی خواہش کو حق سبحانہ کی خواہش میں اور اپنے اختیار کو اس کے اختیار میں فنا کر چکے ہیں۔ لہذا حق سبحانہ کے لئے جو حکومت حقیقۃً حاصل ہے وہی حکومت ان کی طرف مجازاً منسوب ہے اور یہ نہیں کہ ان کے لئے حقیقۃً ایسی حکومت حاصل ہو کہ جو کچھ یہ چاہیں با اختیار خود کر لیں۔ فتدبر ولا تنزل

در تمامی حدیث موسیٰ علیہ السلام وتقریع وتوبیخ فرعون

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کی تکمیل اور فرعون کو ڈرانا اور دھمکانا

گر ترا عقل ست کردم لطفہا	ورخری آوردہ ام خر را عصا
اگر تجھ میں عقل ہے تو میں نے تجھ پر مہربانیاں کی ہیں	اور اگر تو گدھا ہے تو میں لاٹھی لایا ہوں
آنچناں زیں آخرت بیروں کنم	کز عصا گوش و سرت پرخوں کنم
تجھے اصطبل سے اس طرح نکالوں گا	کہ لاٹھی سے تیرے کان اور سر زخمی کر دوں گا
اندریں آخر خران و مرد ماں	می نیابند از جفای تو اماں
اس اصطبل میں گدھے اور انسان	تیرے ظلم سے امان نہیں پاتے ہیں
یک عصا آوردہ ام بہر ادب	ہر خرے را کو نباشد مستجب
سزا دینے کے لئے میں ایک لاٹھی لایا ہوں	ہر اس گدھے کے لئے جو کہا نہ مانے
اژدہائے می شود در قہر تو	کاژدہائے گشتۂ در فعل و خو
تجھے مغلوب کرنے میں ایسا اژدھا بنے گی	جیسا کہ تو کام اور عادت میں اژدھا بن گیا ہے
اژدہائے کوہی تو بے اماں	لیک بنگر اژدہائے آسماں
تو بے امان پہاڑی سانپ ہے	لیکن آسمانی اژدھے کو دیکھ

ایں عصا از دوزخ آمد چاشنی	برتو و برمومن آمد روشنی
یہ لاٹھی دوزخ کا مزا بنی ہے	تیرے لئے اور مومن کے لئے روشنی ہے
مرترا گوید کہ اے گبر دنی	کہ ہلا بگریز اندر روشنی
تجھ سے کہتی ہے کہ اے کمینے کافر	خبردار! روشنی میں بھاگ آ
ورنہ در مانی تو در زندان من	مخلصت نبود زدر بندان من
ورنہ تو میری قید میں رہے گا	تیرے لئے میری قید سے چھٹکارا نہیں ہے
بازگرد از کفر سوی دین حق	ورنہ در نار ابد مانی خلق
کفر سے دین حق کی طرف آ جا	ورنہ ابدی آگ میں بدحال ہو گا
بازگرد اے گمرہ بدبخت دوں	ورنہ در دوزخ در افتی سرنگوں
اے کمینے بدبخت گمراہ! باز آ	ورنہ تو اوندھا دوزخ میں گرے گا
ایں عصائے بود ایندم اژدہاست	تانگوئی دوزخ یزداں کجاست
یہ لاٹھی تھی اب اژدہا ہے	تاکہ تو نہ کہہ سکے کہ اللہ (تعالیٰ) کی دوزخ کہاں ہے؟

یہاں سے پھر قصہ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی طرف عود فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ دوحال سے خالی نہیں یا تو عقلمند ہے یا گدھا۔ پس میں دونوں شقوں پر کلام کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اگر تو عقل رکھتا ہے تو میں نے تجھ پر عنایتیں کی ہیں اور چار وعدے کئے ہیں ان کو قبول کر اور اگر تو گدھا ہے تو گدھے کے لئے میرے پاس لاٹھی ہے اس کے ذریعہ سے میں تجھے اس آخور یعنی دنیا سے یوں مار کر نکال دوں گا کہ تیرا سر اور کان لہولہان کر دوں گا۔ چونکہ اس آخور میں گدھے اور آدمی یعنی اہل دنیا و اہل عقبیٰ دونوں تیرے ظلم سے مامون نہیں ہیں لہذا میں ایسے گدھے کی تادیب کے لئے جو کہ اچھا نہ ہو یہ لاٹھی لایا ہوں۔ یہ لاٹھی تجھے مغلوب کرنے کے لئے اژدہا بن جاوے گی کیونکہ تو افعال و اخلاق میں اژدہا ہے اور قاعدہ ہے کہ لوہے کو لوہا کاٹتا ہے یہ مسلم ہے کہ تو پہاڑی اور بہت بڑا اژدہا ہے جس سے پناہ نہیں مل سکتی۔ لیکن تو ذرا آسمانی اژدہے کے جوہر بھی دیکھ۔ یہ عصا تیرے لئے نمونہ دوزخ ہے اور مسلمانوں کے لئے راحت بخش یہ اژدہا تجھ سے بزبان حال کہتا ہے کہ او کافر دیکھ تو نور ایمان میں پناہ لے ورنہ تو میرے قید خانہ میں رہے گا اور اس قلعہ سے رہائی نہ پا سکے گا (مولانا نے اژدہے کے تسلط کو اس کا قید خانہ اور قلعہ قرار دیا ہے) پس اے فرعون تو کفر سے پھر کر دین حق سبحانہ کی طرف آ ورنہ تو آتش دوزخ میں ذلیل رہے گا اور اے بے نصیب کہنا مان۔ اور کفر سے پھر جا۔ ورنہ تو دوزخ میں سر کے بل گرے گا۔ تو یہ نہ سمجھنا کہ دوزخ کہاں ہے کیونکہ حق سبحانہ کی قدرت بہت وسیع ہے اس کے لحاظ سے دوزخ کا ہونا کچھ بھی مستبعد نہیں دیکھ یہ پہلے لکڑی تھی مگر اب اژدہا ہے جو کہ اپنی خونخواری اور آتش فشانی کے لحاظ سے دوزخ کا نمونہ ہے اور یہ انقلاب اسی لئے واقعہ ہوا ہے

کہ تو حق سبحانہ کی قدرت پر مطلع ہو اور دوزخ کے نمونہ کو آنکھ سے دیکھ لے اور یہ نہ کہے کہ دوزخ کہاں ہے۔

در بیان آنکہ شناسائے قدرت حق تعالیٰ انپرسد کہ بہشت کجاست و دوزخ چہ جاست؟

اس کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو پہچاننے والا یہ نہیں دریافت کرتا ہے کہ بہشت کہاں ہے اور دوزخ کس جگہ ہے؟

ظاہرست ایں دوزخ اما بر دلت	ہست پوشیدہ یقیں ز آب وگلت
یہ دوزخ ظاہر ہے لیکن تیرے دل پر	یقیناً تیرے آب و گل کی وجہ سے پوشیدہ ہے
ہر کجا خواہد خدا دوزخ کند	اوج را بر مرغ دام و فخ کند
خدا جس جگہ چاہے دوزخ (پیدا) کر دے	بلندی کو پرند کے لئے جال اور پھندا بنا دے
ہم ز دندانت برآرد درد ہا	تا بگوئی دوزخ ست و اژدہا
تیرے دانتوں میں درد پیدا کر دے	حتیٰ کہ تو کہنے لگے کہ دوزخ اور اژدہا ہے
یا کند آب دہانت را عسل	تا بگوئی کہ بہشت است وحلل
یا تیرے لعاب دہن کو شہد بنا دے	حتیٰ کہ تو کہنے لگے کہ بہشت اور جوڑے ہیں
از بن دنداں بر دیاند شکر	تا بدانی قوت حکم و قدر
دانتوں کی جڑ سے شکر پیدا فرما دے	تاکہ تو تقدیر اور حکم کی طاقت کو سمجھے
پس بدنداں بیگناہاں را مگز	فکر کن از ضربت نا محترز
پس بے گناہوں کو دانتوں سے نہ کاٹ	ناقابل بچاؤ ضرب کی فکر کر
نیل را بر قبطیاں حق خود کند	سبطیاں را از بلا محصوں کند
(دریا) نیل کو اللہ تعالیٰ قبطیوں کے لئے خود کر دیتا ہے	سبطیوں کو مصیبت سے بچا دیتا ہے
آب فرعون دردم خوں شود	بر کلیمے قند ناممنوں شود
پانی فوراً فرعون پر خون ہو جاتا ہے	کلیم (اللہ) پر بغیر منت شکر بن جاتا ہے
تا بدانی پیش حق تمیز ہست	درمیان ہوشیار راہ و مست
تاکہ تجھے معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں امتیاز ہے	راستہ کے ہوشیار اور مست کے درمیان
نیل تمیز از خدا آموختہ است	کہ کشاد آں را و ایں را سخت بست
(دریا) نیل نے تمیز خدا سے سیکھی ہے	کہ اس نے اس کو کھول دیا اور اس کو مضبوط باندھ دیا

لطف او عاقل کند مر نیل را	قہر او ابلہ کند قابیل را
اس کی مہربانی نیل کو سمجھدار بنا دیتی ہے	اس کا غصہ قابیل کو احمق بنا دیتا ہے
در جمادات از کرم عقل آفرید	عقل از عاقل بقہر خود برید
کرم سے جمادات میں عقل پیدا فرما دی	قہر سے عقلمند سے عقل منقطع کر دی
در جماد از لطف عقلے شد پدید	وز نکال از عاقلاں دانش رمید
جماد میں مہربانی سے عقل پیدا ہو گئی	عذاب سے عقلمندوں سے عقل بھاگ گئی
عقل چوں باراں بامر آنجا بریخت	عقل ایں سو خشم حق دید و گریخت
عقل حکم سے اس جگہ بارش کی طرح برسی	عقل نے اس جانب اللہ کی ناراضگی دیکھی اور بھاگ گئی
ابر و خورشید و مہ و انجم بلند	جملہ بر ترتیب آیند و روند
ابر اور سورج اور چاند اور تارے بلندی پر	سب ترتیب سے آتے جاتے ہیں
ہر یکے ناید مگر در وقت خویش	کہ نہ پس ماند ز ہنگام و نہ پیش
کوئی طلوع نہیں کرتا مگر اپنے وقت میں	کہ وقت سے نہ پیچھے رہتا ہے' نہ آگے
چوں نکردی فہم ایں را ز انبیا	دانش آوردند در سنگ و عصا
جب تو انبیا کے ذریعہ اس کو نہ سمجھا	انہوں نے پتھر اور لاٹھی میں عقل پیدا کر دی
تا جمادات دگر را بے لباس	چوں عصا و سنگ دانی از قیاس
تاکہ دوسرے جمادات کو بلاشبہ	قیاس سے لاٹھی اور پتھر کی طرح سمجھ لے
طاعت سنگ و عصا ظاہر شود	وز جمادات دگر مخبر شود
پتھر اور لاٹھی سے فرمانبرداری ظاہر ہو	تو وہ دوسرے جمادات کے بارے میں مخبر ہوتا ہے
کہ ز یزداں آگہیم و طائعیم	ماہمہ بے اتفاقی ضائعیم
کہ ہم خدا سے واقف اور فرمانبردار ہیں	موافقت کے بغیر ہم سب تباہ ہیں
ہمچو آب نیل دانی وقت غرق	کو میان ہر دو امت کرد فرق
نیل کے پانی کی طرح سمجھ لے غرق کرتے وقت	کہ اس نے دونوں گروہوں میں فرق کیا
چوں زمیں کش دانش آمد وقت خسف	در حق قاروں کہ قہرش کرد نسف
زمین کی طرح جس کو دھنسانے کے وقت عقل آ گئی	قارون کے بارے میں کہ اس کے قہر نے اس کو ہلاک کر دیا

پس دو نیمہ گشت بر چرخ و شگافت	چوں قمر کہ امر بشنید و شتافت
پھر آسمان پر دو ٹکڑے ہو گیا اور شق ہو گیا	چاند کی طرح کہ اس نے حکم سنا اور دوڑا
باخبر گشتہ ازاں شیخ و صبی	چوں ستوں نالید از ہجر نبیؐ
جس سے بوڑھے اور بچے باخبر ہو گئے	جس طرح ستون نبیؐ کے فراق میں رویا
مصطفیٰؐ راگفت ظاہر والسلام	چوں درخت وسنگ کاندر ہر مقام
مصطفیٰ کو واضح طور پر سلام کیا	جس طرح درخت اور پتھر نے ہر جگہ پر

یہاں سے مولانا مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صاحبو دوزخ کا وجود تو بالکل ظاہر ہے مگر تم پر جسمانیت غالب ہے اور تم منہمک فی الناسوت ہو اور عالم غیب سے تمہیں کچھ بھی واسطہ نہیں اس لئے تمہیں محسوس نہیں ہوتی۔ پس یہ دوزخ کا اخفا نہیں ہے بلکہ تمہارا اندھا پن ہے اور اس کی ایسی مثال ہے جیسے آفتاب نکلا ہو مگر اندھے کو دکھلائی نہ دے اور ایک وہ دوزخ کیا میں تو کہتا ہوں کہ حق سبحانہ جس جگہ چاہیں دوزخ پیدا کر سکتے ہیں۔ (مطلب یہ ہے کہ دوزخ کی حقیقت آلۂ تعذیب ہے اور حق سبحانہ جہاں چاہیں آلۂ تعذیب پیدا کر سکتے ہیں) اور وہ اوج کو جو کہ پرندوں کے لئے محل راحت ہے کہ وہ وہاں پہنچ کر جال سے بچ جاتے ہیں ان کے لئے جال اور موجب تکلیف بنا سکتے ہیں۔ نیز وہ دانتوں میں اس قدر تکلیف پیدا کر سکتے ہیں کہ آدمی بے ساختہ کہہ اٹھے کہ یہ تو دوزخ اور اژدہا ہے یا وہ تھوک کو شہد بنا سکتے ہیں جس سے آدمی کہہ اٹھے کہ یہ تو جنت و حلہائے بہشت یعنی ان کی طرح موجب راحت ہے اور وہ دانتوں میں سے شکر پیدا کر سکتے ہیں تاکہ تم کو حکم الٰہی کی قوت معلوم ہو اور تم جان لو کہ وہ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے پس تم کو دوزخ کے بارہ میں شبہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ اول تو صورت دوزخ بھی موجود ہے گو تم وجود مانع کی وجہ سے دیکھ نہیں سکتے اور اگر وہ نہ ہو تو اس کی حقیقت یعنی نفس ایلام کے وجود اور اس پر قدرت میں تو کچھ شبہ ہی نہیں اور تم کو چاہئے کہ بیگناہوں کو ایذا نہ پہنچاؤ اور اس سزا کا خیال رکھو جس سے بچنا ناممکن ہے اور تم یہ نہ سمجھنا کہ ہمارے مظالم کی حق سبحانہ کو کیا اطلاع ہوگی کیونکہ اس کی شان یہ ہے کہ نیل کو قبطیوں کے لئے خون کر دیتا ہے اور سبطیوں کو اس بلا اور دیگر بلاؤں سے محفوظ رکھا ہے اور اس کے حکم سے پانی فرعون کے لئے ذرا سی دیر میں خون ہو جاتا ہے اور موسیٰ کے لئے قند کامل بن جاتا ہے۔ یہ اسی لئے ہے تاکہ تجھے معلوم ہو جاوے کہ حق سبحانہ نیکوں اور بدوں کے درمیان تمیز رکھتے ہیں اور ان کو جانتے ہیں وہ تو اتنے ممیز ہیں کہ تمیز نہ رکھنے والوں کو تمیز رکھنے والا بنا دیتے ہیں۔ چنانچہ یہ تمیز کہ نیل نے ایک گروہ کو راستہ دیدیا اور دوسرے کو پکڑ لیا۔ اس کو خدا ہی نے دی ہے۔ اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور حق سبحانہ کی قدرت اور اس کے لطف و قہر کو بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کی عجیب شان ہے کہ جب وہ مہربانی کرتا ہے تو اپنی مہربانی سے دریائے نیل کو عاقل بنا دیتا ہے اور جب وہ قہر کرتا ہے تو اس کا قہر قابیل کو احمق بنا دیتا ہے اور اس سے عقل چھین لیتا ہے اور وہ اپنے کرم سے جمادات میں عقل پیدا کرتا ہے اور اپنے قہر سے عاقلوں سے عقل کا تعلق منقطع کر دیتا ہے اور جمادات میں اس کی مہربانی سے عقل نمودار ہو جاتی ہے اور اسی کے غضب سے عقلاء سے عقل رفو چکر ہو جاتی ہے کیونکہ تابع محض ہے جب اس کو حکم ہوتا ہے کہ کسی کو اپنے فیض سے

مالا مال کرے۔ تو اس پر مینہ کی طرح برس پڑتی ہے اور جبکہ کسی پر حق سبحانہ کا قہر دیکھتی ہے تو ڈر کے بھاگ جاتی ہے۔ اب ہم تم کو عقل جمادات کی دیگر مثالیں سناتے ہیں۔ دیکھو ابر اور خورشید اور ستارہ سب کی آمد و رفت ایک خاص قاعدہ اور تربیت کے اندر ہے اور ہر ایک اپنے ٹھیک وقت پر آتا ہے کہ نہ اپنے وقت مقرر سے پیچھے رہتا ہے اور نہ آگے آتا ہے۔ یہ کھلی دلیل ہے ان کی عقل کی لیکن جب تعقل جمادات کو تم نے انبیاء کے کہنے سے نہ سمجھا۔ تو اس کے لئے دوسری تدبیر کی گئی اور پتھر اور لاٹھی میں عقل پیدا کی گئی۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کے ہاتھ میں کنکریوں نے توحید اور نبوت کی شہادت دی اور داؤد علیہ السلام کے ساتھ پہاڑ ہمکلام ہوئے اور موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی اژدہا بنی اور مقصود یہ تھا کہ ان پر تم اور جمادات کو قیاس کر لو اور ان کی عقل و ادراک کا اعتراف کرو۔ اور پتھر اور عصا کی اطاعت ظاہر ہو کر دوسرے جمادات کی حالت کا پتہ دیدے۔ کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم حق سبحانہ سے واقف اور اس کے مطیع ہیں اور بدوں اس کی موافقت کے ہم محض ناکارہ اور بے پناہ ہیں اور تم دیگر جمادات کو بھی آب نیل کی مانند سمجھو۔ جس نے غرق کرنے کے وقت اتباع موسیٰ اور متبعین فرعون میں فرق کیا تھا۔ نیز تم ان کو اس زمین کی طرح جانو جس نے دھنسانے کے وقت قارون کے حق میں سمجھ سے کام لیا تھا جس کو اس کے قہر نے فنا کیا تھا نیز تم ان کو چاند کی شکل سمجھو جس نے امر حق سبحانہ سنا اور اس کی فوری اطاعت کی اور انگلی کے اشارہ سے دو ٹکڑے ہو گیا اور پھٹ گیا نیز تم ان کو ستون کی مانند سمجھو جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت میں رو دیا۔ جس سے بوڑھے اور بچے سب واقف ہو گئے۔ نیز تم ان کو درخت اور پتھر کی مانند جانو جنہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلم کھلا اسلام کیا۔

فائدہ:۔ ہمچو آب نیل الی آخر الابیات معطوف ہے چوں عصا و سنگ داری الخ پر۔

بحث کردن سنی و فلسفی و جواب دہری کہ منکر الوہیت است و عالم را قدیم داند

سنی اور فلسفی کا بحث کرنا اور اس دہریہ کا جواب دینا جو خدا کا منکر ہے اور عالم کو قدیم جانتا ہے

دی یکے می گفت عالم حادث است	فانی ست ایں چرخ و حقش وارث ست
کل ایک شخص کہتا تھا عالم نو پیدا ہے	یہ آسمان فانی ہے اور اللہ (تعالیٰ) اس کا مالک ہے
فلسفی گفتہ کہ چوں دانی حدوث	حادثی ابر چوں داند غیوث
فلسفی نے کہا تو نے اس کے نو پیدا ہونے کو کیسے جانا	بارشوں کو ابر کے حادث ہونے کا کیا علم؟
ذرۂ خود نیستی از انقلاب	تو چہ میدانی حدوث آفتاب
تو (اس) انقلاب کا ایک ذرہ (بھی) نہیں ہے	تو سورج کے پیدا ہونے کو کیا جانے؟
کرمکے کاندر حدث باشد دفیں	کے بداند آخر و بدو زمیں
وہ کیڑا جو غلاظت میں دفن ہے	وہ زمین کے انجام اور آغاز کو کیا جان سکتا ہے؟
ایں بتقلید از پدر بشنیدۂ	از حماقت اندریں پیچیدۂ
تو نے یہ باپ سے تقلیداً سنا ہے	بیوقوفی سے اس میں پھنسا ہوا ہے

چیست برہاں بر حدوث ایں بگو	ورنہ خامش کن فزوں گوئی مجو
یہ بتا! اس کے نو پیدا ہونے پر کیا دلیل ہے؟	ورنہ چپ ہو جا زیادہ باتیں نہ بنا
گفت دیدم اندریں بحر عمیق	بحث می کردند روزے دو فریق
اس نے کہا میں نے دیکھا اس گہرے سمندر میں	ایک روز دو فریق بحث کر رہے تھے
در جدال و در خصام و در شکوہ	گشتہ ہنگامہ براں دو کس گروہ
لڑائی اور جھگڑے اور شور میں	(اور) اس ہنگامہ میں ان دونوں پر مجمع ہو گیا تھا
سوی آں ہنگامہ گشتم من رواں	تا بیابم اطلاع از حال شاں
اس ہنگامہ کی طرف میں (بھی) روانہ ہو گیا	تاکہ ان کی حالت سے باخبر ہو سکوں
من بسوی جمع ہنگامہ شدم	اطلاع از حال ایشاں بستدم
میں ہنگامہ کے مجمع کی جانب چلا گیا	(اور) ان کے حال کی معلومات حاصل کیں
آں یکے می گفت گردوں فانی ست	بے گمانے ایں بنا را بانی ست
ایک کہتا تھا کہ آسمان فنا ہونے والا ہے	بلاشبہ اس بنا کا کوئی بنانے والا ہے
واں دگر گفت ایں قدیم و بے کیست	نیستش بانی و یا بانی ویست
دوسرے نے کہا یہ قدیم اور "کب سے ہے" کے بغیر ہے	اس کو کوئی بنانے والا نہیں ہے اور یا وہ خود بنانے والا ہے
گفت منکر گشتۂ خلاق را	روز و شب آرندہ ورزاق را
اس نے کہا تو پیدا کرنے والے کا منکر بن گیا	دن اور رات کو لانے والے اور رزق دینے والا کا
گفت بے برہاں نخواہم من شنید	انچہ گوئی آں بہ تقلیدے گزید
اس نے کہا میں بغیر دلیل کے نہ سنوں گا	تو جو کچھ کہتا ہے تو نے تقلید میں اختیار کیا ہے
ہیں بیاور حجت و برہاں کہ من	نشنوم بے حجت ایں را در زمن
خبردار حجت اور دلیل لا کیونکہ میں	اس کو زمانہ میں بغیر دلیل کے نہ سنوں گا
گفت حجت در درون جانم ست	در درون جاں نہاں برہانم ست
اس نے کہا دلیل میری جان کے اندر ہے	جان کے اندر میری دلیل چھپی ہوئی ہے
تو نمی بینی ہلال از ضعف چشم	من ہمی بینم مکن بر من تو خشم
آنکھ کی کمزوری سے تو چاند کو نہیں دیکھتا ہے	میں دیکھ رہا ہوں تو مجھ پر غصہ نہ کر

گفتگو بسیار گشت و خلق گیج	در سرو پایان ایں چرخ پسیج
بات لمبی ہو گئی اور لوگ حیران ہو گئے	اس بار ارادہ آسمان کی ابتداء اور انتہا میں
گفت یارا در درونم حجتے ست	بر حدوث آسمانم آیتے ست
اس نے کہا اے دوست! میرے دل میں ایک دلیل ہے	جو آسمان کے نو پیدا ہونے کی نشانی ہے
من یقیں دانم نشانش آں بود	مریقیں داں را کہ در آتش رود
مجھے یقین ہے اس کی علامت یہ ہے	کہ یقین رکھنے والا آگ میں گھسے
در زباں می ناید ایں حجت بداں	ہمچو حال و سر عشق عاشقاں
سمجھ لے یہ دلیل زبان پر نہیں آتی ہے	جیسے کہ عاشقوں کا حال ہے اور راز
نیست پیدا سر گفت و گوی من	جز کہ زردی و نزاری روی من
میری گفتگو کا راز ظاہر نہیں ہے	سوائے میرے چہرے کی زردی اور لاغری کے
اشک چوں بر رخ روانہ می رود	حجت حسن و جمالش می شود
جب آنسو رخ پر بہتے ہیں	اس کے حسن اور خوبصورتی کی دلیل ہوتے ہیں
گفت من ایںہا ندانم حجتے	کہ بود در پیش عامہ آیتے
اس نے کہا میں اس کو ایسی دلیل نہیں سمجھتا ہوں	جو عوام کے سامنے علامت بنے
گر بیاری من کنم آنرا قبول	ورنہ کوتاہ کن حدیث عرض وطول
اگر وہ تو بیان کرے تو میں مان جاؤں گا	ورنہ لمبی چوڑی بات کو مختصر کر
گفت چوں قلبے و نقدے دم زنند	کہ تو قلبی من نکویم وارجمند
اس نے کہا جب کھوٹا اور کھرا دعویٰ کریں	کہ تو کھوٹا اور میں اچھا اور مبارک ہوں
ہست آتش امتحان آخریں	کاندر آتش درفتند آں دو قریں
تو آخری آزمائش آگ ہے	کہ دونوں ساتھی آگ میں گریں
عام و خاص از حال شاں عالم شوند	از گمان و شک سوی ایقاں روند
عوام اور خواص ان کے حال سے باخبر ہو جائیں گے	گمان اور شک سے یقین کی جانب چلے جائیں گے
آب و آتش آمد اے جاں امتحاں	نقد و قلبے را کہ آں باشد نہاں
اے دوست! پانی اور آگ آزمائش ہیں	اس کھرے اور کھوٹے کے لئے جو پوشیدہ ہو

تا من و تو ہر دو در آتش رویم	حجت باقی حیراناں شویم
میں اور تو دونوں آگ میں گھسیں	باقی حیران لوگوں کے لئے دلیل بن جائیں
یا من و تو ہر دو در بحر اوفتیم	کیں در دعویٰ من و تو کوفتیم
یا میں اور تو دونوں دریا میں کودیں	کیونکہ میں نے اور تو نے دعویٰ کا دروازہ کھٹکھٹایا ہے
ہمچناں کردند در آتش شدند	ہر دو خود را برتف آتش زدند
انہوں نے ایسا ہی کیا اور آگ میں چلے گئے	دونوں نے اپنے آپ کو آگ کے شعلوں میں ڈال دیا
فلسفی را سوخت خاکستر بکرد	متقی را ساخت تازہ تر بکرد
اس نے فلسفی کو جلا دیا راکھ بنا دیا	متقی کو سنوار دیا ' تروتازہ کر دیا
آں خدا گوینده مرد مدعی	رست و سوزید اندر آتش آں دعی
وہ مرد مدعی خدا کا ماننے والا	بچ گیا اور وہ حرامزادہ آگ میں جل گیا
آزموده بشنو ایں اعلام را	کوری افزوں روان خام را
اس آزمائے ہوئے اعلان کو سن	جو کچی روحوں کے اندھے پن کو بڑھانے والا ہے
کہ نسوزیدست ایں نام از اجل	کش مسمیٰ صدر بوده است و اجل
کہ موت سے یہ نام نہ جلا	کیونکہ وہ نام والا صدر تھا اور بزرگ تھا
صد ہزاراں روح شد دلدادۂ	در ره او سربسر اوفتادۂ
لاکھوں روحیں دل دادہ ہیں	اس کے راستہ میں سر کے بل پڑی ہیں
صد ہزاراں خلق را در بادیہ	سرگروه و بے عصا زارادیہ
جنگل میں لاکھوں انسانوں کا	سرگروہ (بنا) اور بے سہارے کے لئے سیراب کرنے والا (بنا)
صد ہزاراں زیں رہاں اندر قرآں	بردریده پردهای منکراں
قرآن میں اس طرح کی لاکھوں بازیاں (مذکور) ہیں	جنہوں نے منکروں کے پردے چاک کئے ہیں
چوں گرو بستند غالب شد صواب	در دوام معجزات و در جواب
جب انہوں نے بازی لگائی ' سچی بات غالب آئی	معجزوں کے دوام اور جواب (کے بارے) میں
فہم کردم کانکہ دم زد از سبق	در حدوث چرخ پیروز ست و حق
میں سمجھ گیا کہ جس نے پہلے دعویٰ کیا	آسمان کے نو پیدا ہونے میں وہ کامیاب اور سچ ہے

حجت منکر ہمارہ زرد رو	یک نشاں برصدق ایں انکار کو
منکر کی دلیل ہمیشہ شرمندہ ہے	اس کے انکار کی سچائی پر ایک علامت بھی کہاں ہے؟
یک منارہ در ثنای منکراں	کو دریں عالم کہ تا باشد عیاں
منکروں کی تعریف میں ایک منارہ (بھی)	دنیا میں کہاں ہے؟ تاکہ بات واضح ہو
منبرے کو کہ درآنجا مخبرے	یاد آرد روزگار منکرے
کوئی منبر کہاں ہے کہ اس پر کوئی خبر دینے والا	منکر کے زمانے کو یاد کرے؟
روئے دینار و درم از نام شاں	تا قیامت می دہد از حق نشاں
دینار اور درہم کا رخ ان کے نام سے	قیامت تک حق کا نشان دے گا
سکۂ شاہاں ہمی گردد دگر	سکہ احمد بہ بیں تا مستقر
بادشاہوں کا سکہ بدل جاتا ہے	احمدؐ کے سکہ کو قیامت تک دیکھ
بررخ نقرہ دیا روی زرے	وانما بر سکہ نام منکرے
چاندی پر یا سونے پر	سکہ پر کسی منکر کا نام دکھا
بررخ سیم و زرے اندر جہاں	سکۂ بنما بنام منکراں
دنیا میں چاندی اور سونے پر	منکروں کے نام کا سکہ دکھا
خود بگیر ایں معجزہ چوں آفتاب	صد زبان و نام او ام الکتاب
اس سورج جیسے معجزے کو لے	جو سو زبانوں والا ہے اور اس کا نام قرآن ہے
زہرہ نے کس را کہ یک حرفے ازاں	یا بدزود یا فزاید درمیاں
کسی کی مجال نہیں ہے کہ اس میں سے ایک حرف	چرائے یا درمیان میں بڑھائے
یار غالب شو کہ تا غالب شوی	یار مغلوباں مشو ہیں اے غوی
غالب کا دوست بن تاکہ تو (بھی) غالب بن جائے	خبردار! اے گمراہ مغلوبوں کا یار نہ بن
حجت منکر ہمی آمد کہ من	غیر ایں ظاہر نمی بینم وطن
منکر کی دلیل یہ ہوئی کہ میں	اس ظاہر کے سوا میں اپنا وطن نہ دیکھتا ہوں
ہیچ نندیشد کہ ہر جا ظاہریست	آں ز حکمتہای پنہاں مخبریست
اس نے نہ سوچا کہ جہاں کہیں ظاہر ہے	وہ پوشیدہ حکمتوں سے آگاہ کرنے والا ہے

فائدہ ہر ظاہرے خود باطن ست	ہمچو نفع اندر دوا ہا کامن ست
ہر ظاہر کا فائدہ خود پوشیدہ ہے	جس طرح دواؤں کا فائدہ پوشیدہ ہے
ایں تفاوت حق نہاد اندر زماں	تا بد انند اہل عرفاں در جہاں
زمانہ میں یہ فرق اللہ (تعالیٰ) نے رکھا ہے	تاکہ اہل عرفان دنیا میں سمجھ لیں
عمر کرگس سہ ہزار و پانصد ست	مرکبوتر راچہ باشد زاں بدست
گدھ کی عمر ساڑھے تین ہزار (سال) ہے	کبوتر کو اس سے کیا ہاتھ آیا
می بمیرند از کبوتر صد ہزار	مرگ کرگس می نہ بینند آشکار
لاکھوں کبوتر مرتے ہیں	گدھ کی موت کو نہیں دیکھ سکتے ہیں
جملہ پندارند کرگس باقیست	نے غلط کردند یک کس باقیست
سب یقین کرتے ہیں کہ گدھ باقی ہے	نہیں، انہوں نے غلطی کی ایک ذات باقی ہے
چونکہ ظاہر بیں شدند از جہل خویش	می نہ بینند از عمی نے پس نہ پیش
وہ چونکہ اپنی نادانی سے ظاہر بیں بنے	اندھے پن سے نہ آگا دیکھتے ہیں نہ پیچھا
می نماند در جہاں یک تارمو	کل شی ھالک الا وجہہ
دنیا میں ایک بال بھی (باقی) نہ رہے گا	سوائے اس کی ذات کے ہر چیز فنا ہونے والی ہے
ہر چہ پیدا کرد بہر معنی ست	باطنش بنگر بریں ظاہر مایست
اس نے جو کچھ پیدا کیا کسی حکمت کے لئے ہے	اس کے باطن کو دیکھ ظاہر پہ نہ ٹھہر

تفسیر آیہ کریمہ ماخلقنا السمٰوات والارض و ما بینھما الا بالحق

نیافریدشاں از بہر ہمیں کہ شما می بینید بلکہ بر معنیٔ و حکمتے باقیہ کہ شما نمی بینید آں را

تفسیر آیت کریمہ "آسمانوں اور زمین اور ان دونوں میں جو کچھ ہے ہم نے نہیں پیدا کیا مگر حق کے ساتھ" ان کو صرف اسی لئے نہیں پیدا کیا جو کہ تم دیکھتے ہو بلکہ ایک معنیٰ اور باقی رہنے والی حکمت کی بنیاد پر جس کو تم نہیں دیکھتے ہو

ہیچ نقاشے نگارد زیں نقش	بے امید نفع بہر عین نقش
کوئی مصور عمدہ تصویر بناتا ہے	نفع کی امید کے بغیر محض تصویر کے لئے؟
بلکہ بہر میہمانان و کیاں	کہ بفرجہ وارہند از اندہاں
بلکہ مہمانوں اور بڑوں کے لئے	تاکہ مسرت کی وجہ سے غموں سے نجات پائیں

شادی بچگان و یاد دوستاں	دوستان رفتہ را از نقش آں
بچوں کی خوشی یا دوستوں کی یاد کے لئے	گزرے ہوئے دوستوں کو ان کی تصویر سے
ہیچ کوزہ گر کند کوزہ شتاب	بہر عین کوزہ نے از بہر آب
کوئی کمہار جلد سکورا بناتا ہے	محض سکورے کے لئے نہ کہ پانی کے لئے؟
ہیچ کاسہ گرکند کاسہ تمام	بہر عین کاسہ نے بہر طعام
کوئی پیالہ بنانے والا پیالہ مکمل کرتا ہے	محض پیالہ کی خاطر، نہ کہ کھانے کیلئے؟
ہیچ خطاطے نویسد خط بفن	بہر عین خط نہ بہر خواندان
کوئی خوشنویس ہنرمندی سے خط لکھتا ہے	محض خط کی خاطر، نہ کہ پڑھنے کے لئے؟
نقش ظاہر بہر نقش غائب است	واں برای غائب دیگر بہ بست
ظاہری نقش پوشیدہ نقش کے لئے ہے	وہ کسی دوسرے غائب کے لئے بنا ہے
تا سوم چارم دہم بری شمر	ایں فوائد رابمقدار نظر
تیسرے چوتھے دسویں تک شمار کر لے	ان فوائد کو نظر کے انداز کے مطابق
ہمچو بازیہای شطرنج اے پسر	فائدہ ہر لعب درثانی نگر
اے بیٹا! شطرنج کی بازیوں کی طرح	ہر چال کا فائدہ دوسری (چال) میں دیکھ
ایں نہادہ بہر آں لعب نہاں	واں برای آن وآں بہر فلاں
اس نے اس کے لئے پوشیدہ چال چلی	وہ اس کے لئے اور وہ فلاں کے لئے
ہمچنیں دیدہ جہات اندر جہات	درپے ہم تاری در بردو مات
اسی طرح غرضوں میں غرضیں	پے در پے یہاں تک کہ تو بازی جیت لے
اول از بہر دوم باشد چناں	کہ شدن برپایہای نرد باں
پہلی (چال) دوسری کے لئے ایسی ہے جیسا کہ	سیڑھی کے درجوں پر چڑھنا
واں دوم بہر سوم می داں تمام	تاری تو پایہ پایہ تا ببام
دوسری کو تیسری کے لئے پورا سمجھ لے	تاکہ تو سیڑھی بہ سیڑھی بالا خانہ تک پہنچ جائے
شہوت خوردن زبہر آں منی	واں منی از بہر نسل و روشنی
کھانے کی خواہش منی کے لئے ہے	اور منی نسل اور روشنی کے لئے ہے

کند بینش می نہ بیند غیر ایں	عقل او بے سیر چوں نبت زمیں
ناقص نظر اس کے سوا نہیں دیکھتی ہے	اس کی عقل زمین کی گھاس کی طرح ساکن ہے
بنت راچہ خواندہ چہ ناخواندۂ	ہست پای او بگل درماندۂ
گھاس کا کیا بلایا ہوا کیا نہ بلایا ہوا	اس کا پاؤں مٹی میں پھنسا ہے
گرسرش جنبد بباد تیز رو	تو بسر جنبانیش غرہ مشو
اگر تیز چلنے والی ہوا سے اس کا سر ہلے	تو اس کے سر ہلانے سے دھوکا نہ کھا
آں سرش گوید سمعنا یا صبا	پای او گوید عصینا خلنا
اس کا سر کہتا ہے ہم نے (باد) صبا کی اطاعت کی	اس کا پاؤں کہتا ہے ہم نے نافرمانی کی ہے ہمیں چھوڑ
چوں ندارد سیر میراند چوعام	برتوکل می نہد چوں کورگام
چونکہ چلنا نہیں جانتا ہے عوام کی طرح چلتا ہے	اندھے کی طرح توکل پر قدم رکھتا ہے
برتوکل تاچہ آید در نبرد	چوں توکل کردن اصحاب نرد
جنگ میں توکل سے کیا حاصل ہوتا ہے؟	جیسا کہ چوسر باز کا توکل کرنا
واں نظرہای کہ آں افسردہ نیست	جز رونده جز درنده پرده نیست
وہ نگاہیں جو ٹھٹھری ہوئی نہیں	وہی چلنے والی پردہ چاک کرنے والی ہیں
انچہ دردہ سال خواہد آمدن	ایں زماں بیند بچشم خویشتن
جو کچھ دس سال میں آئے گا	وہ اس وقت اپنی آنکھ سے دیکھ لیتا ہے
ہمچنیں ہرکس باندازِ نظر	غیب و مستقبل بہ بیند خیر و شر
اسی طرح ہر شخص نظر کے اندازے کے مطابق	غائب اور آنے والے خیر و شر کو دیکھ لیتا ہے
چونکہ سد پیش و سد پس نماند	شد گزارہ چشم و لوح غیب خواند
چونکہ آگے کی آڑ اور پیچھے کی آڑ نہیں رہی	وہ گزر جانے والی آنکھ بن گیا اور اس نے غیب کی تختی پڑھ لی
چوں نظر پس کرد تا بدو وجود	آخر و آغاز ہستی رونمود
جب اس نے پیچھے نظر کی وجود کی ابتداء تک	وجود کا آخر اور آغاز رونما ہو گیا
بحث املاک و زمیں با کبریا	در خلیفہ کردن بابای ما
خدا کے ساتھ ملکیتوں اور زمین کی بحث	ہمارے ابا جان کو خلیفہ بنانے میں

چوں نظر درپیش افگند او بدید	انچہ خواہد بود تا محشر پدید
اس نے جب نگاہ آگے ڈالی تو دیکھ لیا	ہر اس چیز کو جو حشر تک رونما ہو گی
پس زپس می بیند او تا اصل اصل	پیش می بیند عیاں تا رد زفصل
وپس وہ پیچھے کی جانب اصل کی اصل تک دیکھتا ہے	سامنے (کی) جانب قیامت تک واضح طور پر دیکھ لیتا ہے
ہر کسے اندازۂ روشندلی	غیب رابیند بقدر صیقلی
ہر شخص دل کے روشن ہونے کے اندازہ سے	صیقل کے بقدر غیب کو دیکھتا ہے
ہر کہ صیقل بیش کرد او بیش دید	بیشتر آمد بروصورت پدید
جس نے زیادہ صیقل کر لی اس نے زیادہ دیکھا	اس پر صورتیں زیادہ ظاہر ہوئیں
گرتو گوئی کاں صفا فضل خداست	نیز ایں توفیق صیقل زاں عطاست
اگر تو کہے کہ وہ (دل کی) صفائی خدا کی دین ہے	نیز اس صیقل کی توفیق اس کی عطا ہے
قدر ہمت باشد آں جہد و دعا	لیس للانسان الا ماسعیٰ
وہ کوشش اور دعا ہمت کے اندازے سے ہے	نہیں ہے انسان کے لئے مگر وہ جس کی وہ کوشش کرے
واھب ہمت خداوندست وبس	ہمت شاہی ندارد ہیچ خس
ہمت کا عطا کرنے والا صرف خدا ہے	کوئی ناچیز (انسان) شاہی کی ہمت نہیں رکھتا ہے
نیست تخصیص خدا کس رابکار	مانع طوع و مراد و اختیار
اللہ (تعالیٰ) کا کسی کو کسی کام کے لئے مخصوص کرنا	اطاعت اور مقصد اور اختیار کے لئے مانع نہیں ہے
لیک چوں رنجے دہد بد بخت را	اوبگزور اند بکفراں رخت را
لیکن جب وہ (اللہ تعالیٰ) کسی بدنصیب کو تکلیف دیتا ہے	تو وہ ناشکری کا راستہ اختیار کر لیتا ہے
نیک بختے راچو حق رنجے دہد	رخت را نزدیک تروامے نہد
جب اللہ کسی نیک بخت کو تکلیف دیتا ہے	وہ زیادہ نزدیک پڑاؤ کرتا ہے
بددلاں از بیم جاں درکار زار	کردہ اسباب ہزیمت اختیار
بزدلوں نے جنگ میں جان کے خوف سے	پسپائی کے اسباب اختیار کر لئے
پردلاں در جنگ ہم از بیم جاں	حملہ کردہ سوی صف دشمناں
بہادروں نے جنگ میں بھی جان کے خوف سے	دشمنوں کی صف پر حملہ کر دیا

رستماں را ترس و غم و اپیش برد	ہم زترس آں بددل اندر خویش مرد
بہادروں کو خوف اور غم نے آگے بڑھایا	بزدل خوف سے خود بخود مر گیا
چوں محک آمد بلا و بیم جاں	زاں پدید آمد شجاع از ہر جباں
جبکہ مصیبت اور جان کا خوف کسوٹی بنا	اس کی وجہ سے بہادر ہر بزدل سے عیاں ہو گیا
حاصل آں کز وسوسہ ہر سو گسیخت	از فنا ہم در قضا باید گریخت
خلاصہ یہ ہے کہ جو (شیطانی) وسوسے ہر جانب سے جدا ہو گیا	اس کو قضا (خداوندی) سے قضا کی جانب بھاگنا چاہیے

اب مولانا تعقل جمادات کی تائید کے لئے ایک حکایت بیان کرتے ہیں جس سے آگ کا محق و مبطل کو پہچاننا ظاہر ہوتا ہے۔ جب یہ معلوم ہو چکا تو اب حل سنو۔ مولانا فرماتے ہیں کہ کل ایک شخص کہہ رہا تھا کہ عالم حادث اور یہ آسمان مع مافیہا فنا ہو جاوے گا اور اس کے فنا کے بعد ایک خدا باقی رہ جاوے گا۔ جس طرح کہ وارث اپنے مورث کی موت کے بعد باقی رہتا ہے۔ یہ سن کر ایک فلسفی دہریئے نے کہا کہ تجھے اس کا حدوث کیونکر معلوم ہوا تو تو اسی سے پیدا ہوا ہے اور یہ تو تجھ سے پہلے سے ہے پھر تو کیسے کہہ سکتا ہے کہ یہ حادث ہے اور ایک وقت میں معدوم تھا بعد کو موجود ہوا ہے۔ بھلا کہیں ابر کے حدوث کو بارشیں بھی جان سکتی ہیں اور تو اپنے تقلب احوال کے سبب (مثلاً یہ کہ پہلے معدوم تھا اب موجود ہے پھر معدوم ہو جائے گا وغیرہ وغیرہ) ایک ذرہ کی مثل بھی نہیں۔ پس تو اس عالم کے حدوث کو کیا جان سکتا ہے۔ جس سے تجھ کو اس سے بھی کم نسبت ہے جو ذرہ کو آفتاب سے اور جو کیڑا پاخانہ میں رہتا ہو وہ زمین کی ابتدا وانتہا کو کیا جان سکتا ہے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ تو نے مقلدانہ اپنے باپ سے سنا ہے اور اپنی نادانی سے اس کا معتقد ہو گیا ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو اس عالم کے حدوث کی دلیل بیان کر اور اگر دلیل بیان نہیں کر سکتا تو چپ رہ اور فضول باتیں نہ کر۔ اس نے کہا کہ اور تو میں کچھ جانتا نہیں۔ اتنا جانتا ہوں کہ اس گہرے سمندر (مسئلہ حدوث وقدم عالم) میں ایک روز دو شخصوں سے مباحثہ ہو رہا تھا اور دونوں لڑ جھگڑ رہے تھے اور ہر ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور ان دونوں کے گرد بہت سے لوگوں کا جمگھٹ تھا۔ میں نے یہ ہنگامہ دیکھا تو میں بھی اس طرف چلا کہ دیکھوں کیا قصہ ہے۔ پس میں نے وہاں جا کر واقعہ معلوم کیا تو معلوم ہوا کہ ایک کہہ رہا ہے کہ آسمان مع مافیہا ایک روز فنا ہونے والا ہے اور یہ بنفسہ موجود نہیں ہے بلکہ اس عمارت کا ایک بنانے والا ہے جس نے اسے بنایا ہے دوسرا کہہ رہا تھا کہ نہیں بلکہ یہ قدیم ہے اور اس کی کوئی ابتدا یا انتہا نہیں نہ اس کا کوئی بانی ہے۔ اور اگر کوئی بانی ہے تو خود وہی ہے۔ (حاصل یہ کہ یہ بنفسہ موجود ہے نہ کہ بغیرہ) اس نے کہا کہ کیا غضب کرتا ہے کہ خالق عالم اور مصرف اللیل والنہار اور رزاق عالم کا انکار کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ اگر تم خالق ومصرف زماں و رزاق عالم کے وجود کے مدعی ہو تو اس کی دلیل بیان کرو۔ کیونکہ میں بدوں دلیل کے تمہارا ایمان نہیں بن سکتا۔ اور اس کو تقلیداً قبول نہیں کر سکتا۔ اگر تم کو مجھے اپنا ہم خیال بنانا ہے تو اس کی صرف یہ صورت ہے کہ اپنے دعوے کو دلیل سے ثابت کرو۔ کیونکہ میں کہہ چکا کہ میں بلا دلیل نہ مانوں گا۔ اس نے کہا کہ میرے دعوے کی دلیل میری جان میں ہے اور اس جان کے اندر وہ برہان مخفی ہے یعنی میں اس کے حدوث کو وجداناً وذوقاً جانتا ہوں اور تیری چشم باطن کمزور ہے اس لئے تو اس کے حدوث کو نہیں دیکھ سکتا مگر میں دیکھتا ہوں۔ پس تو مجھ پر غصہ نہ کر اور

خود اپنا قصور سمجھ۔ غرضکہ بہت دیر تک اسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی اور مخلوق اس فرمانبردار آسمان کی ابتدا و انتہا کے بارہ میں متحیر تھی اور کوئی فیصلہ نہ کرسکتی تھی۔ بالآخر اس نے پھر کہا کہ اگر تو نہیں مانتا تو نہ مان مگر میں سچ کہتا ہوں کہ میرے دل میں اس کی دلیل موجود ہے جو مجھ پر آسمان کے حدوث کو واضح کرتی ہے۔ اور مجھے اس کے حدوث کا پورا پورا یقین ہے اور جو اس کو یقینی طور پر جانتا ہو اس کی نشانی یہ ہے کہ وہ آگ میں چلا جاوے پس میں آگ میں گھس سکتا ہوں۔ میں یہ تو کرسکتا ہوں لیکن دلیل حدوث زبان سے ادا نہیں ہوسکتی۔ جس طرح کہ عاشقوں کے عشق کا راز اور ان کی حالت بیان میں نہیں آسکتی۔ چنانچہ اگر کوئی عاشق سے کہے کہ تو اپنے عشق کا ثبوت دے اور ثابت کر کہ تیرا معشوق حسین ہے تو وہ کہے گا کہ میرے دعوے کی حقیقت صرف میرے چہرہ کی زردی اور اس کے اترا ہونے سے ظاہر ہوسکتی ہے اور دلیل سے ظاہر نہیں ہوسکتی۔ اور میرے اشک خونی جو میرے چہرہ پر جاری ہیں یہ ہی اس کے حسن و جمال کی دلیل ہیں اور لفظی دلیل کوئی نہیں۔ اس نے کہا جناب میں ان باتوں کو تو جانتا نہیں ہاں اگر کوئی ایسی دلیل پیش کرو جس کو سب لوگ مان لیں تو میں تمہارا دعویٰ مان لوں گا ورنہ ان لمبی چوڑی باتوں کو ختم کرو ان سے تمہارا دعویٰ ثابت نہیں ہوسکتا۔ اس نے کہا اچھا سنو۔ جب کھوٹا اور کھرا سونا آپس میں مباحثہ کریں اور ہر ایک دوسرے سے کہے کہ تو کھوٹا ہے اور میں کھرا ہوں تو آخر امتحان یہ ہے کہ دونوں آگ میں داخل ہوں۔ اس سے ان کا کھوٹا اور کھرا ہونا کھل جاوے گا اور عوام و خواص سب ان کی حالت سے واقف ہو جائیں گے اور گمان و شک کی حد سے نکل کر سرحد یقین تک پہنچ جاویں گے پس ہم دونوں کا کھوٹ اور کھرا پن مخفی ہے اس کے امتحان کے لئے آگ اور پانی ہیں اب یا تو یہ صورت کرو کہ ہم دونوں آگ میں داخل ہوں اور جو لوگ متحیر ہیں ان کے لئے دلیل بن جاویں یا دونوں سمندر میں کود پڑیں اس لئے کہ ہم دونوں مدعی ہیں میں کہتا ہوں کہ میں سچا ہوں اور تم کہتے ہو کہ میں سچا ہوں۔ الغرض آگ میں داخل ہونا قرار پا گیا۔ اور دونوں آگ میں گھس گئے اور اپنے کو سوزش آتش کے حوالہ کردیا نتیجہ یہ ہوا کہ آگ نے فلسفی کو تو جلا کر خاکستر کردیا اور مومن کو راس آگئی۔ اور اس کو اور تر و تازہ کردیا۔ پس وہ خدا کا قائل مدعی حدوث بچ گیا۔ اور فلسفی حرام زادہ جل گیا۔ وہ تو کیا جلتا تم میری اس بات کو سچ سمجھو کیونکہ میں یہ بات تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں (جو ناقص ہو اور میری بات کو غلط کہے وہ خدا کرے اور زیادہ اندھا ہو) کہ جس کا نام کا مسمّیٰ مکرم عند اللہ اور بزرگ ہوتا ہے جیسا کہ یہ مدعی حدوث عالم تھا اس کا نام بھی موت سے نہیں مٹتا خود اس کا جلنا تو در کنار۔ پس وہ بچ گیا۔ اور ہزاروں جانیں اس کی دلدادہ اور مطیع ہوگئیں اور وہ صحرائے تحیر میں لاکھوں مخلوق کا سردار بن کر ان کو اس جنگل سے نکال لے گیا۔ اور لاکھوں بے عصاؤں کے لئے موجب عافیت بن گیا۔ اور اس طرح اس کو اس معرکہ میں نمایاں فتح حاصل ہوئی اور ایک یہ کیا لاکھوں اس قسم کے شرطیں قرآن میں ہیں۔ جن میں حق سبحانہ نے منکروں کی پردہ دری کی ہے اور جب کفار نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی شرط کی ہے حق ہی غالب آیا۔ اس طرح بھی کہ آپ کے معجزات دائم رہے اور مخالفین کی کارروائیاں فنا ہوگئیں اور اس طرح بھی کہ ان کو دندان شکن جواب مل گیا۔ خیر تو جب میں نے یہ واقعہ دیکھا تو میں سمجھ گیا کہ جس نے پیشتر یہ کہا تھا کہ آسمان مع ما فیہا حادث ہے وہ غالب اور حق پر تھا۔ یہاں تک اس مدعی حدوث کی گفتگو کو ختم کر کے مولانا اپنے مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ فلسفی مغلوب ہو گیا اور اس کی حجت رسوا ہوگئی۔ اور منکر حق کی حجت تو ہمیشہ مغلوب ہی ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کے انکار کے سچے ہونے کی کوئی دلیل ہی نہیں۔ جو سر سبز ہو۔ دیکھو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ان کے

مخالفین مثل ابوجہل وابولہب وغیرہ کی تعریف میں کونسا منارہ ہے تاکہ ان کی سچائی ظاہر ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کونسا منبر ہے جس پر کوئی واقعات بیان کرنے والا منکرین کے زمانہ کو بھلائی سے یاد کرتا ہو۔ آنحضرت اور دوآپ کے موافقین انبیاء وغیرہم کے نام کا رخ دینار و درہم قیامت تک پتہ دے گا۔ برخلاف منکرین کے کہ ان کا نام ونشان بھی نہیں۔ اور بادشاہوں کا سکہ تو بدل بھی جاتا ہے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سکہ قیامت تک کبھی نہ بدلے گا۔ بھلا تم چاندی یا سونے کے سکہ پر کسی منکر کا نام تو دکھادو۔ برخلاف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے۔

فائدہ:۔ مولانا نے انبیاء کی صدق پر ان کے ذکر حسن کے بقا اور قیامت تک ان کا سکہ جاری رہنے اور منکروں کا نام ونشان مٹ جانے سے احتجاج کیا ہے اس پر شبہ یہ ہوتا ہے کہ کفار اپنے پیشواؤں کی بھی یوں ہی تعریف کرتے ہیں کہ جس طرح مسلمان اپنے انبیاء کی اور جس طرح اور بادشاہوں کا سکہ پر نام باقی نہیں رہتا یوں ہی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بھی باقی نہ رہا۔ پس فرق کیا ہے اور استدلال کیونکر صحیح ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ مولانا کا مقصود یہ ہے کہ جن لوگوں نے انبیاء کا مقابلہ اور معارضہ کیا ان کا ذکر حسن من حیث انہم معارضون للانبیاء باقی نہیں۔ پس اول تو کوئی فرقہ کفار کا ایسا نہیں جو ان لوگوں کا متبع ہو۔ جنہوں نے انبیاء کا معارضہ ومقابلہ کیا۔ مثلاً یہود ونصاریٰ کفار ہیں مگر ابوجہل یا ابولہب یا قارون وغیرہ کے متبع نہیں اور ان کا ذکر نہیں کرتے بلکہ انبیاء کا ذکر کرتے ہیں۔ خواہ بے قاعدہ کرتے ہوں اور ہنود وغیرہ اپنے پیشواؤں کا ذکر کرتے ہیں۔ مگر ان کے پیشواؤں کی نسبت یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ انبیاء کے معارض تھے ممکن ہے کہ وہ اہل حق ہوں اور یہ خرابیاں جو ان فرقوں میں اعتقاداً وعملاً ہیں بعد کے لوگوں کی تحریفیں ہوں جیسے یہود ونصاریٰ کی حالت ہے اور اگر کوئی ایسا فرد ہو جس نے انبیاء کا معارضہ کیا ہو اور مشہور بھی ہو تو یہ ضرور نہیں کہ وہ منکر ہونے کی حیثیت سے معروف وثنی علیہ ہو بلکہ ضرور وہ کسی ایسی صفت کی بناء پر مشہور ہوگا جو مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہے۔ پس یہ نیک نامی اور بقا نام فی الحقیقت انبیاء ہی کی نیک نامی اور انہیں کے نام کا بقاء ہے رہا عدم بقاء سکہ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق شبہ سو اس کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کے نام کا سکہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا سکہ ہے اور اگر کوئی معارضہ کرے کہ پھر کفار کے نام کا سکہ ان کے متبوعین کے نام کا سکہ ہوگا۔ اس لئے ان کا سکہ بھی باقی ہوگا۔ تو اس کا جواب بیان سابق سے معلوم ہوگیا۔ اور حاصل اس کا یہ ہے کہ اول تو وہ معارضین انبیاء نہ تھے اور اگر ہوں بھی تو بحیثیت معارض ہونے کے یہ بقاء نہیں بلکہ ان صفات کی وجہ سے ہے جو مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں) اچھا اگر اس بیان سے تشفی نہ ہوئی ہو تو یہ آفتاب کی طرح روشن اور بصد زبان اپنے اعجاز کو ظاہر کرنے والا معجزہ جس کا نام قرآن ہے اسی کو لے لو اور سوچو کہ کتنی بڑی بات ہے کہ کسی کی طاقت نہیں کہ اس کا کوئی حرف اڑالے اور اس میں سے کم کردے۔ یا اس میں کسی حرف کا اضافہ کردے۔ (چنانچہ شیعوں نے اسلام میں ہزاروں طرح سے رخنہ اندازیاں کیں اور سینکڑوں حدیثیں گھڑ کر اور سنی بن کر محدثین کی کتابوں میں درج کرادیں۔ گو دوسرے محدثین کو ان کی جعلسازی کا پتہ لگ گیا۔ اور انہوں نے بتلادیا کہ فلاں راوی کذاب اور فلاں حدیث موضوع ہے۔ جس سے حق و باطل میں امتیاز ہوگا اور گو وہ حدیثیں ان کتابوں سے بوجہ ان کے اطراف عالم میں شائع ہوجانے یا ان کے مصنفین کی وفات پاجانے وغیرہ معذوریوں کے نکالی نہیں گئیں اور طالب حق کے لئے اشتباہ نہیں رہا۔ مگر انہوں نے اپنا کام کردیا اور انہوں نے اس قرآن کو بھی محرف بتا کر عوام کو بدظن کرنا چاہا۔ اس

قرآں کے علاوہ ایک اور قرآن بھی مانا اور کہا کہ وہ اصلی قرآن ائمہ کے پاس ہے اور اس قرآن میں تحریف کی کوششیں بھی کیں اور اس کے لئے لہو پسینہ ایک کر دیا مگر بحمد اللہ یہ قرآن اسی طرح محفوظ ہے جیسا کہ تھا) پس جبکہ تم کو معلوم ہو گیا کہ اہل حق غالب ہیں اور منکرین مغلوب تو تم کو غالب کا ساتھ دینا چاہئے نہ کہ مغلوبین کا ورنہ ان کے ساتھ تم بھی تباہ ہو گے۔ دیکھو مخالف حق کے پاس اس انکار کی کوئی دلیل نہیں۔ بجز اس کے کہ میں ظاہر کو دیکھتا ہوں اور کچھ نہیں دیکھتا۔ لیکن وہ اتنا نہیں سوچتا کہ مخفیات کا انکار مطلقاً صحیح نہیں۔ بلکہ ظاہر کا وجود خود مخفی کے وجود کی دلیل ہے۔ کیونکہ جہاں کہیں بھی کوئی ظاہر ہے وہ ان مخفی اور باطن حکمتوں کا پتہ دیتا ہے جو اس کے وجود میں مخفی ہیں اور ہر ظاہر میں ایک فائدہ ہوتا ہے اور وہ فائدہ خود مخفی اور ظاہر میں یوں مستور ہوتا ہے جس طرح کہ دوا کا نفع اس میں مستتر ہوتا ہے۔ پس یہ کہنا کیسے صحیح ہوگا کہ غیر ایں ظاہر نمی بینم وطن۔ اور جبکہ یہ کلیہ غلط ہو گیا تو ان مخفی امور کے انکار کی کوئی وجہ نہیں جن کا اہل حق اثبات کرتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ اس اختلاف یعنی ظہور بعض وبطون بعض میں کیا حکمت ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے جو لوگ معرفت حق سبحانہ کی اہلیت رکھتے ہیں وہ معرفت حاصل کریں (تفصیل آئندہ آنے والی ہے) خیر تم کو اس منکر کی غلطی تو معلوم ہو گئی۔ اب منشاء غلطی سنو تفصیل اس کی یہ ہے کہ بنا بر مشہور کرگس کی عمر ساڑھے تین ہزار برس کی ہوتی ہے۔ لیکن سوچو کہ کبوتر کے لئے اس عمر کا کونسا حصہ حاصل ہے۔ وہ حصہ حاصل ہے جس کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ کچھ بھی نہیں۔ اس بناء پر اگر ایک لاکھ کبوتر بھی مر جائیں تو وہ کرگس کی موت نہیں دیکھ سکتے اس لئے وہ سمجھتے ہیں کہ کرگس باقی اور غیر فانی ہے بس یہی حالت منکرین حدوث وفنائے چرخ کی ہے کہ ان کی عمریں چرخ کی عمر سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔ اس لئے وہ اس کو باقی سمجھتے ہیں مگر یہ ان کی غلطی ہے۔ کیونکہ صرف ایک ذات باقی ہے اور کوئی باقی نہیں۔ لیکن چونکہ وہ اپنی جہالت کے سبب صرف ظاہر کو دیکھتے ہیں اس لئے وہ اپنے اندھے پن سے نہ آسمان کی ابتدائی حالت دیکھتے ہیں اور نہ انتہائی کیونکہ وہ مخفی ہے اور مخفیات کا ان کو احساس ہی نہیں۔ خلاصہ یہ کہ عالم میں ایک بال بھی باقی رہنے والا نہیں اور بجز ذات حق سبحانہ کے ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ ہاں تو ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ جس چیز کو حق سبحانہ نے ظاہر فرمایا ہے اس کو ایک حکمت مخفی کے لئے ظاہر فرمایا ہے۔ پس تم کو ظاہر ہی تک نہ رہ جانا چاہئے بلکہ اس کے باطن پر بھی نظر کرنی چاہئے اور اس کے حکم اور مصالح میں غور کرنی چاہئے۔ تاکہ تم کو حق سبحانہ کی معرفت حاصل ہو۔

فائدہ:۔ یہ حکم غور وخوض امور تکوینیہ سے یا تشریعیہ وتکوینیہ دونوں سے متعلق ہے۔ مگر تحصیل معرفت کے لئے اور اس لئے نہیں کہ اپنی عقل کو معیار بنا کر امور تشریعیہ پر تنقید کی جاوے اور جس کی حکمت سمجھ میں آ جاوے اسے مان لیا جاوے اور جس کی علت سمجھ میں نہ آوے رد کر دیا جاوے جیسا کہ بعض گمراہ فرقے کرتے ہیں خوب سمجھ لو) تم غور تو کرو کیا کوئی مصور بلا کسی فائدہ کی توقع کے اور خود تصویر ہی کو مقصود سمجھ کر تصویر بناتا ہے ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ اس میں یہ مصلحت مدنظر رکھتا ہے کہ میرے مہمان اور دیگر معززین ان سے دل بہلاویں گے اور اس طرح سے غم سے نجات پاویں گے۔ بچے خوش ہوں گے اور گذشتہ دوستوں کی تصویر سے ان کی یاد تازہ ہوگی۔ وغیرہ وغیرہ علیٰ ہذا کوئی کوزہ گر محض لوٹے کو مقصود سمجھ کر اور بدوں اس فائدہ کے کہ اس میں پانی رکھا جاوے گا لوٹا بناتا ہے ہرگز نہیں۔ اور کیا کوئی کاسہ گر پیالہ کو مقصود سمجھ کر اور بدوں اس فائدہ کے کہ اس میں پانی رکھا جاوے گا لوٹا بناتا ہے ہرگز نہیں اور کیا کوئی کاسہ گر پیالہ کو مقصود سمجھ کر اور بدوں اس خیال کے کہ اس میں

کھانا کھایا جاوے گا پیالہ بناتا ہے ہرگز نہیں۔ نیز کوئی لکھنے والا کوئی تحریر صرف اس کو مقصود سمجھ کر اور بدوں اس خیال کے کہ اس کو پڑھا جاوے لکھتا ہے کبھی نہیں۔ پس جبکہ حالت یہ ہے انسان کو بھی ظاہر سے ظاہر مقصود نہیں ہوتا بلکہ ایک مصلحت باطنہ مدنظر ہوتی ہے تو حق سبحانہ کو آسمان وغیرہ ظواہر سے خود وہی کیونکر مقصود ہوں گے پس ثابت ہوا کہ ہر نقش ظاہر کسی صورت کا منہ کے لئے مقصود ہے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ خود یہ صورت کا منہ بھی مقصود نہیں بلکہ اس سے ایک اور فائدہ مقصود ہے۔ پس تم ان فوائد کو تین چار پانچ چھ سات آٹھ نو دس غرض کہ جہاں تک تمہاری نظر پہنچ گنتے جاؤ اور ایک فائدہ پر بس نہ کرو۔ کیونکہ اس کی ایسی مثال ہے جیسے بازی شطرنج۔ کہ ہر چال دوسری کے لئے مقصود ہوتی ہے اور اس کا فائدہ دوسری چال ہوتی ہے اور ایک مہرہ ایک گھر میں دوسری چال کے لئے رکھا جاتا ہے جو ہنوز مخفی ہوتی ہے اور وہ چال ایک تیسری چال کے لئے اور وہ چوتھی چال کے لئے پس تم اسی طرح ایک وجہ میں دوسری وجہ دیکھتے چلے جاؤ یہاں تک کہ تم بازی کو ختم کردو اور بازی جیت لو یا ہار جاؤ نیز معنی اول کے دوسرے کے لئے ہونے کی ایسی ہی مثال ہے جیسے تدریجاً سیڑھی پر چڑھنا کہ ایک ڈنڈے پر چڑھنے کا فائدہ دوسرے ڈنڈے پر چڑھنا ہے اور دوسرے پر چڑھنے کا تیسرے پر چڑھنا اسی طرح تمام ڈنڈوں کو سمجھ لو۔ یہاں تک کہ تم کوٹھے پر پہنچ جاؤ۔ نیز اس کی ایسی مثال ہے جیسے کھانے کی خواہش جماع کے لئے مقصود ہے۔ اور جماع اولاد اور روشنی چشم کے لئے (روشنی چشم اولاد کا عطف تفسیری ہے) یہاں تک یہ امر معلوم ہوا کہ صورت خود مقصود نہیں بلکہ اس سے کوئی معنی مقصود ہیں مگر کند نظر شخص صرف ظاہر کو دیکھتا ہے اور اس سے آگے نہیں بڑھتا۔ اور اس کی عقل رواں نہیں ہوتی بلکہ سبزہ زمین کی طرح ایک جگہ جم کر رہ جاتی ہے اور جس طرح سبزہ کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اسے ہلایا جاوے یا نہ ہلایا جاوے مگر وہ ایک ہی جگہ جما ہوتا ہے یوں ہی عقل بھی ظاہر پر جم کر رہ جاتی ہے لیکن اگر سبزہ کا سر ہلتا ہو تو تم دھوکہ نہ کھانا کیونکہ اس کا سر تو باد صبا کی اطاعت کرتا ہے اور حرکت کرتا ہے مگر پاؤں اس کی اطاعت سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نہ مانیں گے ہمیں حرکت سے معاف رکھو بس یہی حالت عقل کی ہے کہ گو وہ ایک صورت سے دوسری صورت کی طرف حرکت کرتی ہے مگر یہ حرکت کرنا بمنزلہ گھاس کے سر ہلانے کے ہے اور آگے بڑھنا نہیں ہے اس لئے کہ وہ صورت پر جم کر رہ گئی ہے۔ اور اس سے آگے نہیں بڑھتی اور چونکہ کند نظر شخص اوپر کی جانب نہیں چلتا اور حکم و مصالح مخلوقات الٰہیہ کو نہیں سمجھتا اس لئے اپنے افعال کے نتائج میں بھی غور نہیں کرتا۔ کیونکہ یہ بھی شعبہ میں انہیں حکم و مصالح کا اور جبکہ ان نتائج میں غور نہیں کرتا۔ اس لئے وہ محض عامیانہ کوشش کرتا ہے اور توکل کر کے اندھوں کی طرح غلط روی اختیار کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کوشش فضول ہے جو ہونا ہوگا ہو رہے گا۔ لیکن یہ اس کی غلطی ہے کیونکہ اس کے اور نفس و شیطان کے درمیان جنگ ہے اور جنگ میں کوشش کی ضرورت ہوتی ہے توکل سے کام نہیں چلتا۔ جیسے چوسر باز توکل کرے اور اندھادھند مہرے چلنے لگے تو اس کا نتیجہ یہ ہی ہوگا کہ حریف غالب ہوگا۔ اور یہ شکست کھا جاوے گا۔ برخلاف اس کے جن کی نظریں جامد نہیں ہیں وہ ترقی باطنی کرتے ہیں۔ اور حجابات کو پھاڑتے جاتے ہیں اور اپنے تقرب بحق سبحانہ کو بڑھاتے رہتے ہیں ان کی انجام بینی کی یہ حالت ہوتی ہے کہ دس سال بعد آنے والی بات کو اس وقت اپنی آنکھ سے دیکھ لیتی ہیں اور اس کا انتظام شروع کردیتے ہیں۔ یہاں تک تو انجام بینی و عدم انجام بینی متعلق بآخرت کا ذکر تھا۔ اب مولانا عام غیب بینی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علیٰ ہذا ہر شخص اپنی چشم باطن کی قوت کے موافق امر غیبی یعنی آئندہ واقعات و نتائج دنیویہ یا اخرویہ کہ خواہ وہ بھلے

ہوں یا برے دیکھ لیتا ہے۔ لیکن جب آدمی تصفیہ باطن کر لیتا ہے اور آگے پیچھے کی دیواریں یعنی تعلقات ناسوتیہ جو مانع غیب بینی ہیں مرتفع ہو جاتے ہیں تو آدمی کی نظر تا قب و نافذ ہو جاتی ہے اور اس وقت وہ لوح غیبی کو پڑھنے لگتا ہے اور امور مغیبہ پر بخوبی مطلع ہونے لگتا ہے اس کی نظر کی یہ حالت ہوتی ہے کہ جب وہ ابتداء ہستی تک نظر دوڑاتا ہے تو واقعات پیشین ابتداء ہستی اس پر روشن ہو جاتے ہیں اور وہ خلقت آدم کے وقت اس گفتگو کو دیکھتا ہے جو حق سبحانہ اور زمین کے فرشتوں کے درمیان خلافت حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق ہوئی تھی یہ حالت تو اس کی پس بینی کی ہوتی ہے اب پیش بینی کی کیفیت سنو۔ جبکہ وہ آگے نظر ڈالتا ہے تو ان واقعات کو دیکھ لیتا ہے جو قیامت تک ہوں گے۔ تو خلاصہ یہ نکلا کہ پیچھے کی جانب وہ اصل الاصل یعنی ابتداء خلقت تک دیکھ لیتا ہے اور آگے کی جانب قیامت تک دیکھ لیتا ہے۔

فائدہ:۔ اس سے کسی کو اولیاء اللہ کے علم ما کان و ما یکون کا شبہ نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ مولانا کا مقصود احاطہ کلی نہیں ہے بلکہ مقصود صرف ان کے علم کی وسعت دکھلانا ہے نہ کہ ہر ہر چیز کے علم کا احاطہ تفصیلی۔ نیز یہ بھی شبہ نہ ہونا چاہئے کہ کشف ان کا اختیاری ہے۔ کیونکہ مقصود یہ ہے کہ حق سبحانہ ان کو علم کثیر عطا فرماتے ہیں نہ یہ کہ وہ جس کو چاہتے ہیں جان لیتے ہیں) غرض کہ ہر شخص اپنی روشن دلی اور صیقل کی مقدار اور اندازہ سے امور غیبیہ کا مشاہدہ کرتا ہے پس جو صیقل زیادہ کرے گا وہ زیادہ دیکھے گا اور صور مغیبہ اس پر زیادہ منکشف ہوں گے اور جو کم کرے گا اس کی حالت برعکس ہوگی (یاد رکھو کہ روشن دلی اضافہ حق سبحانہ کے لئے شرط عادی ہے نہ کہ علت موجبہ بذاتہا اور یہ غیب بینی و کشف عام ہے خواہ متعلق بالٰہیات ہو یا متعلق بکونیات اس تقریر سے یہ شبہ مندفع ہو گیا کہ جس کا رتبہ وصفائی باطن زیادہ ہے اس کو کشف زیادہ ہونا چاہئے اور جس کو کم ہے اس کو کم۔ حالانکہ یہ کلیہ بمشاہدہ غلط ہے وجہ اندفاع یہ ہے کہ صاحب اشکال نے غیب بینی کو کشف کونی کے ساتھ مخصوص سمجھ لیا ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ وہ عام ہے پس یہ کہا جاوے گا کہ جن بڑے رتبہ کے لوگوں کو کشف کونی زیادہ نہیں ہے ان کو کشف الٰہی زیادہ ہے اب کوئی اشکال نہ رہا) جب تم کو تصفیہ باطن کی عظمت معلوم ہوگئی تو اب تم کو چاہئے کہ اس میں کوشش کرو لیکن اگر یہ شبہ کرو کہ حصول صفا موقوف ہے فضل حق سبحانہ پر اور توفیق تصفیہ بھی خدا ہی کی دین ہے رہی ہماری کوشش اور دعا سو وہ موقوف ہے ہمت و عزم مصمم پر اور یہ معلوم ہے کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جس کے لئے وہ سعی کرتا ہے اور سعی موقوف ہے ہمت پر اور ہمت کا دینے والا بھی خدا ہی ہے۔ ورنہ ناچیز انسان ایسے بڑے مقصد کی ہمت نہیں کر سکتا۔ تو ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم کچھ نہیں کر سکتے پھر ہم سے کہنا کہ تم صفائی حاصل کرو فضول ہے تو اس کا جواب ہم یہ دینگے کہ تقدیر الٰہی بیشک حق ہے لیکن حق سبحانہ کا کسی کام کو کسی کے لئے مقدر کر دینا مانع طاعت انقیاد و اختیار نہیں بلکہ یہ امور تقدیر کے ساتھ بھی جمع ہو سکتے ہیں۔ لیکن حق سبحانہ جب کسی شئے کو لوگوں کے لئے مقدر کرتے ہیں تو اس وقت ان کی دو حالتیں ہوتی ہیں کبھی تو وہ اپنے اختیار کو سبب قرب بناتے ہیں اور کبھی سبب بعد مثلاً جب حق سبحانہ کسی بدبخت اور محروم کو تکلیف میں مبتلا کرتے ہیں تو وہ اپنے اختیار کو یوں کام میں لاتا ہے کہ ناشکری میں اقامت گزیں ہوتا ہے اور ناشکری کر کے حق سبحانہ سے دور ہوتا ہے اور جب کسی سعادتمند کو مبتلائے مصائب کرتے ہیں تو وہ بذریعہ شکر و صبر کے مزید قریب حاصل کرتا ہے تو دیکھو تقدیر الٰہی دونوں کے لئے ایک ہی قسم کی ہے مگر آثار میں فرق ہے۔ اور یہ فرق کیوں ہے محض اختیار کے سبب پس معلوم ہوا کہ آدمی مختار ہے نہ کہ مجبور اب ہم اس مدعا کو ایک اور نظیر سے ثابت کرتے ہیں۔ دیکھو بزدل لوگوں کو بھی جان کا خوف ہوتا ہے اور بہادروں کو بھی لیکن پھر دونوں پر اختلاف اختیار کے سبب آثار مختلفہ مرتب ہوتے ہیں چنانچہ جو

لوگ بزدل ہیں وہ جان کے خوف سے جنگ میں ہزیمت اختیار کرتے ہیں اور بہادر اسی خوف کے سبب صف دشمن پر حملہ آور ہوتے ہیں تاکہ ان کو نیست و نابود کر کے اپنی جان کو ان سے بچائیں نیز بہادر لوگوں کو خوف اور غم آگے کی جانب بڑھاتا ہے اور بزدل لوگ بے مارے ہی مرجاتے ہیں۔ دیکھو سبب ایک تھا مگر اختلاف اختیار کے سبب نتائج مختلفہ مرتب ہوئے۔ لہٰذا سمجھنا چاہئے کہ تکالیف و دیگر امور تقدیر یہ ایک کسوٹی ہیں۔ جن سے بہادر اور بزدل میں امتیاز ہوتا ہے اور ان کو منافی اختیار نہ سمجھنا چاہئے اور ہمت سے کام لے کر اپنے کو بہادر ثابت کرنا چاہئے خلاصہ کلام یہ ہے کہ ہر قسم کے وساوس سے قطع تعلق کر کے تقدیر سے بھاگ کر تقدیر الٰہی ہی میں پناہ لینی چاہئے یعنی اپنے تمام کاموں میں حق سبحانہ کو مطمح نظر بنانا چاہئے اور اسی سے طالب امداد ہونا چاہئے اور تمہاری حالت ایسی ہونی چاہئے جیسی موسیٰ علیہ السلام کی بیان کی گئی ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے۔

وحی کردن حق تعالیٰ بموسیٰ علیہ السلام کہ اے موسیٰ من کہ خالق ام ترا دوست دارم

اللہ تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی کرنا کہ اے موسیٰ میں جو کہ پیدا کرنے والا ہوں تجھے دوست رکھتا ہوں

گفت موسیٰ را بوحی دل خدا	کاے گزیدہ دوست می دارم ترا
اللہ (تعالیٰ) نے دل کی وحی کے ذریعہ موسیٰ سے کہا	کہ اے برگزیدہ! میں تجھے دوست رکھتا ہوں
گفت چہ خصلت بود اے ذوالکرم	موجب آں تا من آں افزوں کنم
(حضرت موسیٰ نے) عرض کیا اے صاحب کرم! کونسی عادت ہے	اس کا سبب تاکہ میں اس کو بڑھاؤں
گفت چوں طفلے بہ پیش والدہ	وقت قہرش دست ہم بروے زدہ
فرمایا (تو) ماں کے سامنے کے بچہ کی طرح ہے	جو اس کے غصہ کے وقت (بھی) اس سے چپٹا ہوا ہے
خود نہ داند کہ جز او دیار ہست	ہم از و مخمور و ہم از اوست مست
وہ (بچہ) نہیں جانتا کہ گھر میں اس (ماں) کے سوا کوئی اور ہے	اسی سے وہ مخمور ہے اور اسی سے وہ مست ہے
مادرش گر سیلیے بروے زند	ہم بمادر آید و بروے تند
اگر اس کی ماں اس کے طمانچہ مارے	ماں کے پاس آتا ہے اس کا چکر کاٹتا ہے
از کسے یاری نخواہد غیر او	اوست جملہ شر او و خیر او
اس کے سوا کسی سے مدد نہیں چاہتا	اس کا اچھا برا سب کچھ وہی ہے
خاطر تو ہم زما در خیر و شر	التفاتش نیست جاہائے دگر
بھلائی اور برائی میں تیری طبیعت بھی ہم سے	اس کی توجہ دوسری جگہوں پر نہیں ہے
غیر من پیشت چو سنگ ست و کلو	گر صبی و گر جوان و گر شیو
میرے سوا تیرے لئے پتھر اور ڈھیلے کی طرح ہے	خواہ بچہ ہو اور خواہ جوان اور خواہ بوڑھے

ہمچناں کہ ایاک نعبد در حنیں	در بلا از غیر تو لانستعین
جس طرح کہ "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں" رونے میں ہے	مصیبت میں تیرے غیر سے "ہم مدد نہیں چاہتے ہیں" ہے
ہست ایں ایاک نعبد حصر را	در لغت واں از پئے نفی ریا
ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں یہ حصر کے لئے ہے	عربی میں کچھ لے ' ریا کی نفی کے لئے ہے
ہست ایاک نستعین ہم بہر حصر	حصر کردہ استعانت را و قصر
"تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں" بھی حصر کے لئے ہے	جس سے مدد مانگنے کو (اللہ کی ذات کیساتھ) محصور اور مخصوص کر دیا ہے
کہ عبادت مرترا آریم و بس	طمع یاری ہم زتو داریم و بس
کہ ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور بس	مدد کی امید بھی تجھی سے رکھتے ہیں اور بس

یعنی حق سبحانہ نے موسیٰ علیہ السلام سے بذریعہ وحی ولی یعنی الہام کہا کہ اے ہمارے برگزیدہ نبی ہم تم سے محبت کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے کریم مجھے اس محبت کا سبب بتلا دیجئے تا کہ میں اس میں اور زیادہ کوشش کروں اور اس کے ذریعہ سے آپ کا اور زیادہ محبوب ہوں۔ اس پر حق سبحانہ نے فرمایا کہ تمہاری میرے سامنے ایسی حالت ہے جیسے ماں کے سامنے بچہ کی کہ وہ اس کے غصہ کے وقت بھی اسی کو لپٹتا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ اس کے سوا بھی کوئی انسان دنیا میں ہے بلکہ وہ اسی سے مخمور اور مست ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر اس کی ماں اس کے تھپڑ مارتی ہے تو وہ اسی کی طرف چلتا اور اسی کو لپٹتا ہے اور اس کے سوا کسی سے مدد نہیں چاہتا اس کے حق میں اگر بری ہے تو وہ ہے اور بھلی ہے تو وہ ہے غرض جو کچھ ہے وہ ہے۔ اسی طرح تمہاری بھی حالت ہے کہ ہماری طرف سے اگر کوئی ناگواری تم کو لاحق ہوتی ہے تو بھی تمہاری طبیعت ہم کو چھوڑ کر کسی اور طرف ملتفت نہیں ہوتی اور کوئی خوشی پیش آتی ہے تو بھی وہ ہماری ہی طرف ملتفت ہوتی ہے۔ اور ہمارے سوا جو کچھ بھی ہے خواہ بچہ ہو یا جوان یا بڈھا سب مثل ڈھیلے اور پتھر کے ہیں۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ صاحبو جس طرح تم کو ایاک نعبد کی ہدایت کی گئی ہے یوں ہی ایاک نستعین بھی بتلایا گیا ہے پس جس طرح تم کہتے ہو کہ ہم گریہ وزاری کی حالت میں صرف آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں یوں ہی یہ بھی کہو کہ بلاؤں میں آپ کے سوا کسی سے مدد بھی نہیں چاہتے اور جس طرح تم ایاک نعبد پر عمل کرتے ہو یوں ہی ایاک نستعین پر بھی عمل کرو کیونکہ جس طرح زبان عربی میں ترکیب ایاک نعبد حصر کا فائدہ دیتی ہے اور مقصود یہ ہے کہ عبادت میں ریا بھی نہ ہونی چاہئے شرک صریح تو در کناریوں ہی ایاک نستعین کی ترکیب بھی حصر کے لئے ہے اور استعانت کو حق سبحانہ میں محصور اور اسی پر مقصور کرتی ہے اور دونوں ترکیبوں کا حاصل یہ ہے کہ عبادت بھی ہم صرف تیری ہی کرتے ہیں اور مدد بھی ہم تجھ ہی سے چاہتے ہیں پس تم کو دونوں ترکیبوں کے مفاد کو مدنظر رکھنا چاہئے اور عبادت کی طرح استعانت کو بھی حق سبحانہ کے ساتھ مخصوص کرنا چاہئے۔

فائدہ:۔ یاد رکھو کہ استعانت بالغیر باذن شرع حصر استعانت فی الحق کے منافی نہیں۔ مثلاً کوئی شخص کسی امیر سے دس روپے مانگے اور وہ کہے کہ ہمارے خزانہ سے لے لو اور اس حکم کی بناء پر وہ خزانچی سے مانگے تو یہ در حقیقت اس امیر ہی سے مانگنا ہے نہ کہ خزانچی سے۔ پس اگر اسباب عادیہ سے استمداد کے وقت یہ ملحوظ رہے کہ میں باذن حق سبحانہ ان سے مدد لیتا ہوں تو یہ استمداد فی الحقیقت حق سبحانہ ہی سے ہے نہ کہ غیر سے۔ واللہ اعلم۔

قد تم الربع الثالث من الدفتر الرابع من المثنوی والحمد للہ

شرح حبیبی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خشم کردن پادشاہ بر ندیم خود و شفاعت کردن شفیع مغضوب علیہ را واز پادشاہ درخواستن وقبول کردن پادشاہ درخواست وشفاعت کردن شفیع را ورنجیدن ندیم از شفیع کہ چرا شفاعت کردی

بادشاہ کا اپنے مصاحب پر غصہ کرنا اور مجرم کی بادشاہ سے ایک سفارشی کا سفارش کرنا اور بادشاہ کا سفارش اور درخواست کو قبول کر لینا اور مصاحب کا سفارشی سے رنجیدہ ہو جانا کہ تو نے سفارش کیوں کی؟

پادشاہے برندیے خشم کرد	خواست تا ازوے برآرد دود و گرد
ایک بادشاہ نے ایک مصاحب پر عتاب کیا	چاہا کہ اس میں سے دھواں اور گرد نکالے
کرد شہ شمشیر بیروں از غلاف	تا زندے بردے جزای آں خلاف
بادشاہ نے نیام سے تلوار نکال لی	تاکہ اس خلاف کی سزا میں اس کو مارے
ہیچکس را زہرہ نے تا دم زند	یا شفیعے بر شفاعت بر تند
کسی کی جرأت نہ تھی کہ دم مارے	یا کوئی سفارشی سفارش پر آمادہ ہو
جز عماد الملک نامی از خواص	در شفاعت مصطفیؐ وارانہ خاص
سوائے عماد الملک نام والے کے جو خواص میں تھا	اور (حضرت) مصطفیؐ کی طرح سفارش میں مخصوص تھا
بر جہید و زود در سجدہ فتاد	در زماں شہ تیغ قہر از کف نہاد
وہ اٹھا اور فوراً سجدہ میں گر گیا	بادشاہ نے فوراً غصہ کی تلوار ہاتھ سے رکھ دی
گفت اگر دیوست من بخشیدمش	ور بلیسی کرد من پوشیدمش
اس (بادشاہ) نے کہا اگر وہ شیطان (بھی) ہو تو میں نے اس کو معاف کر دیا	اگر چہ اس نے شیطنت کی میں نے اس کی پردہ پوشی کر دی
چونکہ آمد پای تو اندر میاں	راضیم گر کرد مجرم صد زیاں
چونکہ تیرا قدم بیچ میں آ گیا ہے	میں راضی ہوں اگر مجرم نے سینکڑوں نقصان کیے ہیں

صد ہزاراں خشم راتانم شکست	کہ ترا آں فضل و آں مقدار ہست
میں لاکھوں غصوں کو پی سکتا ہوں	کیونکہ تیری بزرگی اور رتبہ ایسا ہے
لابہ ات را ہیچ نتوانم شکست	زانکہ لابہ تو یقیں لابہ من ست
تیری خوشامد کو میں رد نہیں کر سکتا ہوں	کیونکہ تیری خوشامد خود میری خوشامد ہے
گر زمین و آسماں را برہم زدے	زانتقام ایں مرد بیروں نامدے
خواہ زمین و آسمان تہ و بالا ہو جاتے	یہ شخص سزا سے نہ بچ سکتا
ور شدے ذرہ بذرہ لابہ گر	او نبردے ایں زماں از تیغ سر
اگر ذرہ ذرہ خوشامدی بنتا	وہ تلوار سے اس وقت سر نہ بچا سکتا
بر تو می نہیم منت اے کریم	لیک شرح عزت تست اے ندیم
اے شریف! میں تجھ پر احسان نہیں جتاتا ہوں	ہاں اے مصاحب! (یہ) تیری عزت کی تشریح ہے
ایں نکردی تو کہ من کردم یقیں	اے صفاتت در صفات ما دفیں
یہ (سفارش) تو نے نہیں کی یقینا میں نے کی ہے	اے وہ کہ تیری صفات ہماری صفات میں مدغم ہو گئی ہیں
تو دریں مستعملی نے عاملی	زانکہ محمول منی نے حاملی
تو اس (سفارش) میں مستعمل ہوا ہے تو کرنے والا نہیں ہے	کیونکہ تو میرا محمول ہے نہ کہ حامل
مارمیت اذ رمیت گشتۂ	خویشتن در موج چوں کف ہشتۂ
تو "تو نے نہیں پھینکا جبکہ پھینکا" بن گیا ہے	تو نے اپنے آپ کو جھاگ کی طرح موج کے سپرد کر دیا ہے
لا شدی ' پہلوی الا خانہ گیر	اے عجب کہ ہم اسیری ہم امیر
تو لا بن گیا' الا کے پہلو میں مقیم ہو گیا	تعجب ہے کہ تو قیدی بھی ہے اور حاکم بھی
انچہ دادی تو ندادی شاہ داد	اوست بس واللہ اعلم بالرشاد
جو تو نے دیا تو نے نہیں دیا' شاہ نے دیا ہے	بس وہی ہے اور خدا بھلائی کو زیادہ جانتا ہے
واں ندیم رستہ از زخم وبلا	زیں شفیع آزرد و برگشت از ولا
وہ مصاحب ہلاکت اور مصیبت سے چھوٹ کر	اس سفارش سے ناراض ہو گیا اور دوستی سے منحرف ہو گیا
دوستی ببرید زاں مخلص تمام	رو بحایط کرد تا نارد سلام
اس مخلص سے بالکل دوستی توڑ دی	دیوار کی طرح کو منہ کر لیا تاکہ وہ سلام نہ کرے

زیں شفیع خویشتن بیگانہ شد ‏ ‏ زیں تعجب خلق در افسانہ شد

اپنے اس سفارشی سے بیگانہ بن گیا ‏ ‏ اس عجیب بات سے لوگ چہ میگوئیوں میں لگ گئے

گر نہ مجنون ست یاری چوں برید ‏ ‏ از کسے کہ جان او راوا خرید

اگر وہ پاگل نہیں ہے تو اس نے دوستی کیوں توڑی؟ ‏ ‏ ایسے شخص سے جس نے اس کی جان دوبارہ خریدی

واخریدش آں دم از گردن زدن ‏ ‏ خاک نعل پاش بایستے شدن

اس وقت اس نے اس کو گردن کٹنے سے بچا لیا ‏ ‏ جبکہ تو اس کے پاؤں کے جوتے کی خاک ہو جانا چاہیے

بازگونہ رفت و بیزاری گرفت ‏ ‏ با چنیں دلدار کیں داری گرفت

اس نے الٹی چال چلی اور بیزاری اختیار کر لی ‏ ‏ ایسے دوست سے کینہ وری شروع کر دی

بس ملامت کرد او را ناصحے ‏ ‏ کیں جفا چوں میکنی با مصلحے

اس کو ایک نصیحت کرنے والے نے بہت ملامت کی ‏ ‏ کہ ایسی نیکی کرنے والے پر تو ظلم کیوں کرتا ہے؟

جان تو بخرید آں دلدار خاص ‏ ‏ آں دم از گردن زدن کردت خلاص

اس خاص دوست نے تیری جان خریدی ‏ ‏ اس وقت تجھے گردن کٹنے سے بچایا

گر جفا کردے نبایستے رمید ‏ ‏ خاصہ نیکی کرد آں یار حمید

اگر وہ ظلم (بھی) کرتا تجھے بھاگنا نہیں چاہیے تھا ‏ ‏ خصوصاً جبکہ اس قابل تعریف دوست نے بھلائی کی ہے

گفت بہر شاہ مبذول ست جاں ‏ ‏ او چرا آید شفیع اندر میاں

اس نے کہا جان بادشاہ کے لئے ہے ‏ ‏ وہ سفارشی بن کر بیچ میں کیوں آیا؟

لی مع اللہ وقت بود آں دم مرا ‏ ‏ لا یسع فیہ نبی مجتبیٰ

اس وقت مجھے لی مع اللہ وقت (کا مقام حاصل) تھا ‏ ‏ جس میں کسی منتخب نبی کی (بھی) گنجائش نہیں ہے

من نخواہم رحمتے جز رحم شاہ ‏ ‏ من نخواہم غیر آں شہ را پناہ

میں بادشاہ کے رحم کے علاوہ کسی کے رحم کا خواہاں نہیں ہوں ‏ ‏ میں اس بادشاہ کے علاوہ کسی کی پناہ کا خواہاں نہیں ہوں

غیر شہ را بہر آں لا کردہ ام ‏ ‏ کہ بسوی شہ تولا کردہ ام

بادشاہ کے غیر کی میں نے اسی لئے نفی کی ہے ‏ ‏ کیونکہ میں نے بادشاہ سے دوستی کر لی ہے

گر ببرد او بقہر خود سرم ‏ ‏ شاہ بخشد شصت جان دیگرم

اگر وہ (شاہ) اپنے غصہ سے میرا سر قلم کرے گا ‏ ‏ شاہ مجھے دوسری ساٹھ جانیں عطا کر دے گا

کارمن سربازی وبیخویشی است	کارشاہنشاہ ماسر بخشی است
میرا کام سر دے دینا اور اپنائیت چھوڑنا ہے	ہمارے شہنشاہ کا کام سر عطا کرنا ہے
فخر آں سر کہ کف شاہش برد	ننگ آں سر کہ بغیرے سر برد
وہ سر قابل فخر ہے جس کو شاہ کا ہاتھ کاٹے	وہ سر (باعث) ذلت ہے جو اس کے غیر کے آگے جھکے
شب کہ شاہ از قہر درقیرش کشید	ننگ دارد از ہزاراں روز عید
وہ رات جس کو شاہ نے قہر سے تارکول میں ڈالا	عید کے ہزاروں دنوں سے ذلت محسوس کرتی ہے
خود طواف آنکہ اوشہ بیں بود	فوق قہر ولطف وکفر ودیں بود
جو شخص شاہ کا دیکھنے والا ہوتا ہے اس کا چکر لگانا	غصہ اور مہربانی اور کفر اور دین سے بالاتر ہوتا ہے
زاں نیامد یک عبارت در جہاں	کہ نہانست ونہانست ونہاں
اس کو دنیا میں کوئی عبارت بیان نہیں کر سکتی ہے	کیونکہ وہ پوشیدہ ہے پوشیدہ ہے پوشیدہ
زانکہ ایں اسما والفاظ حمید	از گلابہ آدمی آمد پدید
اس لئے کہ یہ اسماء اور اچھے الفاظ	انسان کے جسم سے نکلے ہیں
علم الاسماء بد آدمؑ را امام	لیک نے بددر لباس عین ولام
علم الاسماء آدمؑ کا امام تھا	لیکن عین اور لام کے لباس میں نہ تھا
چوں نہاد از آب وگل بر سرکلاہ	گشت آں اسمای جانی روسیاہ
جب اس نے پانی اور مٹی کی سر پر ٹوپی رکھی	وہ روحانی اسماء کالے پڑ گئے
کہ نقاب حرف ودم درخود کشید	تاشود برآب وگل معنیٰ پدید
کیونکہ ان (اسماء) نے حروف اور آواز کا نقاب اوڑھا	تاکہ پانی اور مٹی پر معنیٰ واضح ہو جائیں
گرچہ از خشم شہم کرد او خلاص	لیک ہم شہ شد مرا حقامناص
اس نے اگرچہ مجھے بادشاہ کے غصہ سے چھڑایا	لیکن واقعۃً شاہ چھٹکارے کی جگہ بنا
گرچہ از یک وجہ منطق کاشف ست	لیک ازدہ وجہ دیگر مکنف ست
گفتگو اگرچہ ایک حیثیت سے (حقیقت کو) ظاہر کرنے والی ہے	لیکن دس دوسری حیثیتوں سے چھپانے والی ہے

تمہاری ایسی حالت ہونی چاہئے جیسے بادشاہ کے اس مصاحب کی جس کا قصہ ہم اس وقت بیان کرتے ہیں وہ قصہ یہ ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنے ایک ندیم پر عتاب کیا اور چاہا کہ اس کو نیست ونابود کردے اور اس کام کے لئے اس نے تلوار

بھی میان سے نکال لی تا کہ وہ اس کے اس مخالفت کی عوض مارے جو اس سے سرزد ہوئی تھی اس وقت کسی کی تاب نہ تھی کہ دم مار سکے اور کسی سفارشی کی طاقت نہ تھی کہ سفارش کر سکے بجز بادشاہ کے ایک خاص آدمی عماد الملک نامی کے جو کہ سفارش کے لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح مخصوص تھا۔ وہ اٹھا اور فوراً سجدہ میں گر گیا یہ دیکھ کر بادشاہ نے فوراً تلوار ہاتھ سے رکھ دی اور کہا کہ اگر یہ شیطان کی طرح بھی نافرمان ہے تب بھی ہم نے اس کی جان بخشی کی اور اگر اس نے شیطانانہ مخالفت بھی کی ہے تب بھی ہم نے اپنے کرم سے اس کی پردہ پوشی کی چونکہ تم بیچ میں پڑ گئے ہو اس لئے اگر یہ مجرم سو قصور بھی کرے تب بھی میں رضامند ہوں تمہاری میری نظر میں وہ عظمت وجلالت ہے کہ سینکڑوں غصوں کو اس کے سبب فنا کر سکتا ہوں لیکن تمہاری خوشامد کو نہیں توڑ سکتا۔ کیونکہ تم اور میں ایک جان دو قالب ہیں اس لئے تمہاری خوشامد گویا کہ خود میری خوشامد ہے اگر زمین وآسمان بھی تلپٹ ہو جاتے تب بھی میں اس سے انتقام لینے سے باز نہ آتا۔ اور اگر ذرات جہان تمام مل کر سفارش کرتے تب بھی وہ میری تلوار سے سر سلامت نہ لے جا سکتا تھا۔ مگر تمہاری سفارش سے میں نے اس کی جان بخشی کر دی اور یہ میں تم پر احسان نہیں رکھتا بلکہ تمہاری اس وقعت کو ظاہر کرتا ہوں جو میرے دل میں ہے اور تم پر احسان رکھ کیسے سکتا ہوں کیونکہ یہ تم نے نہیں کیا بلکہ خود میں نے کیا ہے کیونکہ تمہاری صفات میری صفات میں مدفون ہیں اور تم مجھ میں فنا ہو اس لئے تمہارے افعال خود میرے ہی افعال ہیں کیونکہ تم اس فعل میں میرا ایک آلہ ہو جس سے کہ میں نے کام لیا ہے اور خود اس کے کرنے والے نہیں ہو۔ اس لئے کہ یہ بار شفاعت میں نے تم پر لادا ہے اور تم نے خود نہیں اٹھایا۔ پس تمہارے اس فعل میں ایسی مثال ہے جیسے حق سبحانہ اپنے رسول کی نسبت فرماتے ہیں۔ مارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔ کیونکہ تم نے اپنے کو ہماری رضا کے یوں تابع کر دیا ہے جیسے موج کے قبضہ میں کف ہو۔ اور ہماری رضا میں فانی ہو چکے ہو۔ اسی لئے تم کو ہماری ذات کے ساتھ بقا حاصل ہوگئی ہے۔ اب تم چھن سے باقی بذات مار ہو۔ اور چونکہ تم ہمارے اسیر ہو اس لئے گویا کہ خود امیر ہو پس یہ ایک عجیب بات ہے کہ تم اسیر بھی ہو اور امیر بھی۔ القصہ جو کچھ تم نے اس کے ساتھ سلوک کیا ہے یہ تم نے نہیں کیا بلکہ خود ہم نے کیا ہے کیونکہ تم اب تم نہیں رہے بلکہ اب جو کچھ ہیں ہم ہیں۔

فائدہ:۔ اوست بس کو ہم نے بطریق التفات مقولہ شاہ قرار دیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مقولہ مولانا ہو اور تعلیل ہو مصرعہ اولیٰ کی مگر مصرعہ اولیٰ دونوں صورتوں میں مقولہ شاہ ہی ہے بطور التفات کے واللہ اعلم) عماد الملک نے تو اس ندیم کے ساتھ یہ سلوک کیا اور وہ ندیم جو اس کی سفارش سے ہلاکت سے بچا تھا اس کی یہ حالت ہوئی کہ اس سے ناخوش ہو گیا اور دوستی سے پھر گیا اور اس مخلص کامل سے دوستی کا تعلق منقطع کر دیا اور دیوار کی طرف منہ کر لیا تا کہ وہ سلام نہ کر سکے اور اس اپنے سفارش گر سے بالکل اجنبی بن گیا۔ اس حیرت انگیز واقعہ کو دیکھ کر لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور وہ کہنے لگے کہ یہ ندیم دیوانہ ہو گیا۔ کیونکہ اگر دیوانہ نہیں ہوا تو کیا وجہ ہے کہ ایسے شخص سے اس نے بگاڑ لی جس نے اس کی جان بچائی۔ اس نے تو اسے گردن زنی سے بچایا تھا اس لئے اس کو چاہئے تھا کہ اس کی جوتیوں کی خاک ہو جاتا۔ نہ کہ الٹی چال چلا اور اس سے بگاڑ لی۔ اور ایسے دوست کا دشمن ہو گیا۔ یہ چہ میگوئیاں تو لوگوں میں آپس میں ہوتی تھیں لیکن ایک خیر خواہ نے خود اس کو بھی ملامت کی اور کہا کہ تم ایک مصلح پر یہ زیادتی کیوں کرتے ہو۔ اس محب خاص نے تو تمہاری جان بچائی ہے اور اس نازک وقت میں تمہیں گردن زنی سے بچایا ہے۔ ایسی حالت میں تو اگر وہ تم پر کوئی زیادتی بھی کر لیتا تو

تم کو اس سے نفور نہ ہونا چاہئے تھا۔ بالخصوص اس وقت جبکہ اس نے بھلائی ہی کی ہے اور کوئی برائی نہیں کی۔ ایسی حالت میں تو تم کو نفور ہونا بالکل ہی زیبا نہیں۔ اس نے کہا کہ میں تو بادشاہ کے لئے جان دے رہا تھا وہ کون ہوتا تھا کہ سفارشی بنکر بیچ میں کود پڑا۔ میری تو اس وقت بادشاہ کے ساتھ یہ حالت تھی جیسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل پھر ایسی حالت میں اس نے دخل کیوں دیا۔

فائدہ:۔ علامہ بحرالعلوم سے تعجب ہے کہ باوجود مثنوی کے ایسے عنوانات بیان سے پر ہونے کے انہوں نے اس تعبیر کو سوءادب قرار دے کر تاویل کی اور اس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ قرار دیا۔ حالانکہ اس کو اس مقام سے کوئی تعلق نہیں اور لی مع اللہ وقت بود آندم مرا میں فقرہ بود آندم مرا۔ اس توجیہ کو نہایت واضح طور پر رد کرتا ہے۔ کاش وہ اسی سرخی کے اندر مولانا کا یہ شعر دیکھ لیتے۔

جز عماد الملک نامے از خواص در شفاعت مصطفےٰ وارانہ خاص

تو ہرگز ایسی بات نہ کہتے علامہ موصوف کے اس کو سوءادب کہنے کا منشاء یہ ہے کہ انہوں نے مشبہ کے اجزا کو مشبہ بہ کے اجزاء سے تشبیہ دینا سمجھا۔ حالانکہ ایسا نہیں بلکہ صرف ایک ہیئت ترکیبیہ کو دوسری ہیئت ترکیبیہ سے تشبیہ دینا مقصود ہے۔ اب کچھ سوءادب نہ رہا واللہ اعلم) میں سوائے بادشاہ کے رحم کے کسی کا رحم نہیں چاہتا۔ اور میں بجز بادشاہ کی پناہ کے کسی کی پناہ نہیں چاہتا۔ کیونکہ میں بادشاہ سے محبت کرتا ہوں اس لئے اس کے اتمام کو معدوم سمجھتا ہوں۔ پس اس نے مجھ پر کیوں رحم کیا اور مجھے کیوں پناہ دی۔ بادشاہ اگر مجھے مار بھی ڈالے گا تو ایسا کرنے سے وہ مجھے گویا کہ بہت سی جانیں عطا کرے گا۔ کیونکہ دشمنی بھی تعلق کی ایک شان ہے اس لئے میں کہتا ہوں۔

قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

اور

گو دشمنی سے دیکھتے ہیں دیکھتے تو ہیں میں شاد ہوں کہ ہوں تو کسی کی نگاہ میں

میرا کام سر دے دینا ہے اور اپنے کو رضائے شاہ کے تابع کر دینا ہے اور بادشاہ کا کام لطف محض۔ یا لطف بصورت قہر سے جان دینا ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ جو سر بادشاہ کے ہاتھ سے کٹ جاوے اس کے لئے یہ کٹ جانا موجب فخر ہے اور جو سر دوسروں کے آگے جھکے تا کہ بادشاہ کے قہر سے بچ جاوے اس کے لئے ایسا کرنا موجب ننگ ہے۔ جس رات وہ سر بادشاہ کے قہر سے قبر میں پہنچ جاوے وہ رات ہزاروں عیدوں سے بڑھ کر ہے اور ان کی ہمسری سے ننگ و عار رکھتی ہے۔ اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو لوگ ذات حق کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کا قرب من الذات جس کو ہم نے طواف سے تعبیر کیا ہے۔ لاتنزامہ اباہ۔ لطف وقہر اور کفر ودین رگی سے بالاتر ہے کیونکہ ان کو یہ ان حقیقی حاصل ہے اور وہ بمصداق ہرچہ از دوست میرسد نیکوست قہر کو بھی لطف ہی سمجھتے ہیں۔ ان کی حالت کی کوئی عبارت تعبیر نہیں کر سکتی۔ اس لئے کہ وہ نہایت ہی مخفی ہے اور الفاظ جسم انسانی سے سرزد ہوئے ہیں جو کہ ان کی تعبیر سے قاصر ہیں اس سے شاید کسی کو شبہ ہو کہ جسم انسانی سے کیونکر نکلے ہیں ان کا منشاء تو خود حق سبحانہ ہیں کیونکہ انہوں نے آدم علیہ السلام کو سکھلائے ہیں اور وہی ان کے واضع ہیں اس لئے ہم کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو اسماء کی تعلیم ضرور کی گئی۔ لیکن وہ تعلیم حروف کے لباس میں نہ تھی۔ لیکن ان اسماء نے آب وگل کی ٹوپی اوڑھی اور ناسوتیت کا لباس پہنا۔ تو اب ان اسماء کی جو کہ اب تک روحانی تھے صورت بدل گئی اور ان میں ظلمانیت آ گئی اور

وہ نورانیت نہ رہی جس سے وہ اشیاء کو علی ما ہی علیہ واضح کر سکتے تھے۔ کیونکہ اب انہوں نے اس غرض سے حرف وصوت کا نقاب اوڑھ لیا تا کہ مغلوب الناسوتیت اشخاص پر معنی واضح ہو جاویں جو کہ بدوں اس صورت کے واضح نہ ہو سکتے تھے۔ پس جبکہ وہ اس نقاب میں چھپ گئے تو ظلمت اور استتار نورانیت ہونا ہی تھا۔ خیر یہ گفتگو تو استطرادی تھی اب سنو کہ اس ندیم نے کہا کہ اگر چہ اس نے مجھے بادشاہ کے غصہ سے نجات دلائی لیکن میں اس کا ممنون نہیں ہو سکتا کیونکہ میری گریز گاہ وجائے پناہ تو بادشاہ ہے میں اپنا اصلی مقصود الفاظ سے ظاہر نہیں کر سکتا کیونکہ گفتگو اگر ایک طرح سے حقیقت کو ظاہر کرتی ہے تو دوسری طرح سے اس کو چھپاتی ہے یعنی اس کے کشف سے ستر اور حجب زائد ہے اس لئے کہ عدم اظہار کی صورت میں تو صرف اتنی ہی بات ہوتی ہے کہ مخاطب کو حقیقت کا علم نہیں ہوتا جو کہ جہل بسیط ہے اور بیان کی صورت میں بوجہ قصور عبارت کے مخاطب کچھ کا کچھ سمجھ جاتا ہے جو کہ جہل مرکب ہے۔ وفیہ استارزائد علی الجهل البسيط والله اعلم

گفتن جبرئیل علیہ السلام خلیل علیہ السلام را کہ هل لک حاجة قال بلیٰ اما الیک فلا

(حضرت) جبرئیل علیہ السلام کا (حضرت ابراہیم) خلیل علیہ السلام سے کہنا کہ تیری کوئی حاجت ہے؟ اس نے کہا ہاں لیکن تجھ سے نہیں ہے

من خلیل وقتم و او جبرئیلؑ	من نخواہم در بلا او را دلیل
میں (اپنے) زمانہ کا خلیل (اللہ) ہوں وہ (محض) جبرئیل ہے	میں مصیبت میں اس کو راہنما بنانا نہیں چاہتا ہوں
او ادب ناموخت از جبرئیلؑ راد	کہ بپرسید از خلیلؑ حق مراد
اس نے عقلمند جبرئیل سے ادب نہ سیکھا	کہ اس نے خلیل اللہ سے حاجت پوچھی
کہ مرادت ہست تا یاری کنم	ورنہ بگریزم سبکباری کنم
کہ تیری کوئی مراد ہے؟ تا کہ میں مدد کروں	ورنہ میں جاؤں بوجھ نہ بنوں
گفت ابراہیمؑ نے رو از میاں	واسطہ زحمت بود بعد العیاں
ابراہیم نے کہا نہیں درمیان سے ہٹ جا	کیونکہ مشاہدہ کے بعد واسطہ تکلیف بنتا ہے
بہر ایں دنیاست مرسل رابطہ	مومناں را زانکہ ہست او واسطہ
اس جہان کے لئے رسول رابطہ ہے	مومنوں کے لئے کیونکہ وہ واسطہ ہے
ہر دل ار سامع بدے وحی نہاں	حرف وصوتے کے بدے اندر جہاں
اگر ہر دل مخفی وحی کا سننے والا ہوتا	تو دنیا میں حرف اور آواز کب ہوتے؟
گرچہ او محو حق ست و بے سراست	لیک کار من ازاں نازک تراست
اگر چہ وہ (جبرائیلؑ) اللہ (تعالیٰ) میں فنا اور بے خود ہے	لیکن میرا کام اس سے زیادہ نازک ہے

کردہ او کردۂ شاہ است لیک	پیش چشم بدنمایندہ است نیک
اگرچہ اس کا کام شاہ کا کام ہے لیکن	لیکن میری نظروں میں بہت بدلا ہے
انچہ عین لطف باشد بر عوام	قہر شد بر عشق کیشان کرام
جو عوام کے لئے عین مہربانی ہوتی ہے	شریف عاشقوں پر ظلم ہوتا ہے
بس بلاو رنج می باید کشید	عامہ راتا فرق راتا نندید
بہت سی مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کرنی چاہئیں	عوام کو تاکہ فرق کو دیکھ سکیں
کایں حروف واسطہ اے یار غار	پیش واصل خار باشد خار خار
اے یار غار! یہ واسطہ کے حروف	واصل (بحق) کے لئے کانٹا ہیں کانٹا ہی کانٹا
بس بلا و رنج بالیست و وقوف	تادمد آں روح صافی از حروف
بہت سی بلائیں اور رنج اور (ان میں) لگاؤ چاہیے	تاکہ وہ صاف روح حروف سے چمک اٹھے
لیک بعضے زیں بلا کژتر شدند	باز بعضے صافی و برتر شدند
لیکن بعض اس بلا سے (اور) زیادہ ٹیڑھے ہو گئے	بعض صاف اور زیادہ بلند ہو گئے
ہمچو آب نیل آمد ایں بلا	سعد را آبست و خوں براشقیا
یہ بلا (دریائے) نیل کے پانی کی طرح ہے	جو نیک کے لئے پانی ہے اور بدبختوں کے لئے خون ہے
ہر کہ پایاں بیں تر او مسعود تر	جد تر او کارد کہ افزوں دید بر
جو انجام کو زیادہ دیکھنے والا ہے زیادہ نیک بخت ہے	زیادہ محنت سے وہ بوئے گا جس نے پھل زیادہ دیکھا ہو
زانکہ داند کایں جہان کاشتن	ہست بہر محشر و برداشتن
کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ کھیتی کرنے کی دنیا	محشر کے لئے اور (پیداوار) حاصل کرنے کے لئے ہے
ہیچ عقدے بہر عین خود نبود	بلکہ از بہر مقام رنج و سود
کوئی معاملہ بعینہٖ معاملہ کے لئے نہیں ہوتا ہے	بلکہ نفع اور فائدہ کے مقام کے لئے ہوتا ہے
ہیچ نبود منکرے. گر بنگری	منکریش بہر عین منکری
اگر تو دیکھے تو کوئی منکر نہیں ہوتا ہے	(کہ) اس کا انکار محض انکار کے لئے ہو
بل برای قہر خصم اندر حسد	یا فزونی جستن و اظہار خود
بلکہ حسد میں دشمن کو مغلوب کرنے کے لئے ہوتا ہے	یا اپنے اظہار اور برتری کی جستجو کے لئے ہوتا ہے

واں فزونی ہم پے طمع دگر	بے معانی چاشنی ندہد صور
وہ برتری بھی کسی دوسرے لالچ میں ہوتی ہے	(محض) صورتیں بلامعانی کے لطف نہیں دیتی ہیں
زاں ہمی پرسی چرا ایں میکنی	کہ صور زیت است و معنی روشنی
اسی لئے تو دریافت کرتا ہے (کہ) تو یہ کیوں کرتا ہے؟	کیونکہ صورتیں تیل ہیں اور معنی روشنی ہیں
ورنہ ایں گفتن چرا از بہر چیست	چونکہ صورت بہر عین صورتیست
ورنہ یہ "کیوں" کہنا کاہے کے لئے ہے	جبکہ صورت محض صورت کے لئے ہے
ایں چرا گفتن سوال از فائدہ ست	جز برای ایں چرا گفتن بدست
یہ "کیوں" کہنا فائدہ کے بارے میں سوال ہے	اس کے سوا کے لئے "کیوں" کہنا برا ہے
از چہ رو فائیدہ جوئی اے امیں	چوں بود فائیدۂ ایں خود ہمیں
اے امین! تو فائدہ کیوں تلاش کرتا ہے؟	جبکہ یہ (نقل) خود فائدہ ہو
پس نقوش آسماں و اہل زمیں	نیست حکمت کاں بود بہر ہمیں
تو آسمان اور زمین والوں کی صورتیں	(اس میں) کوئی حکمت نہیں ہے کہ وہ صورتیں محض صورتوں کیلئے ہوں
گر حکیمے نیست ایں ترتیب چیست	ور حکیمے ہست چوں فعلش تہی ست
اگر وہ (خالق) صاحب حکمت نہیں ہوتو (یہ کائنات کی) ترتیب	اور اگر وہ حکمت والا ہے تو اس کا فعل حکمت سے کب خالی ہے؟
کس نسازد نقش گرما بہ خضاب	جز پئے قصد صواب و ناصواب
کوئی شخص حمام کی تصویر کو رنگین نہیں بناتا ہے	کسی مقصد کے بغیر خواہ وہ مقصد درست ہو یا درست نہ ہو
ہر چہ بینی در جہاں از آیتے	ہست بہر معینی و حکمتے
دنیا میں تو جو بھی کوئی نشانی دیکھے گا	وہ کسی معنی اور حکمت کے لئے ہے

اس ندیم نے اپنی اثنائے گفتگو میں کہا کہ مجھ کو بادشاہ سے وہی نسبت تھی جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو حق سبحانہ سے اور عماد الملک کو ہم سے وہ نسبت تھی جو جبرئیل علیہ السلام کو ان دونوں سے لہذا اس نسبت کے اقتضا کی بناء پر حضرت ابراہیم کی طرح میں بھی اس مصیبت میں اس کو اپنا رہنما بنانا نہیں چاہتا تھا پس اس نے کیوں دخل دیا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام سے ادب کیوں نہ سیکھا۔ جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس وقت جبکہ ان کو نمرود نے آگ میں ڈالا تھا۔ دریافت کیا تھا کہ کیا آپ کی کوئی خواہش ہے تا کہ میں آپ کی اعانت کروں ورنہ تخفیف تصدیع کروں اور رخصت ہو جاؤں اور مجھ سے کیوں نہ پوچھا کہ میں سفارش کروں یا نہیں۔ اور بدوں مجھ سے پوچھے کیوں سفارش کی۔ اگر وہ مجھ سے دریافت کرتا تو میں وہی جواب دیتا۔ جو حضرت خلیل اللہ نے دیا تھا چنانچہ انہوں نے

فرمایا تھا کہ آپ دخل نہ دیں۔ مجھے آپ کی اعانت کی ضرورت نہیں۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ راز اس کا یہ ہے کہ ان کی نظر ذات حق سبحانہ پر تھی اور وہ مشاہدہ حق سبحانہ میں مصروف اور براہ راست حق سبحانہ سے تعلق رکھتے تھے اور قاعدہ ہے کہ ایسی صورت میں واسطہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اس مقام پر استطر اداً ہم یہ بھی بتلائے دیتے ہیں کہ پیغمبران علیہم السلام اہل جہاں کا حق سبحانہ کے ساتھ اسی لئے تعلق پیدا کرنے والے ہوتے ہیں کہ یہ لوگ محجوب ہوتے ہیں اور وہ محجوبین اور حق سبحانہ کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں۔ (اس پر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جب تعلق پیدا ہو گیا تو اب انبیاء کی پیروی کی ضرورت نہ ہوگی۔ کیونکہ درجات تعلق متفاوت ہیں پس غیر نبی کو وہ تعلق پیدا ہی ہونا ناممکن ہے۔ جس کی بناء پر یہ کہا جاوے کہ اب اس کو نبی کی پیروی کی ضرورت نہیں اس لئے کہ تعلق کا ذریعہ یہ پیروی ہی ہے جس وقت یہ نہ رہے گی تعلق بھی نہ رہے گا۔ پس اب شبہ نہ رہا) اب اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ آخر حجاب ہی کی کیا ضرورت تھی جس کے لئے واسطہ کی ضرورت ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ہر شخص کو بلاواسطہ حق سبحانہ سے واسطہ ہوتا اور وہ بلاواسطہ کلام الٰہی سن سکتا جو کہ حرف وصوت سے منزہ ہے تو پھر حرف وصوت کا وجود ہی دنیا میں کاہے کو ہوتا۔ کیونکہ جس طرح تخلیق انسان سے مقصود اصلی عبادت ہے یوں ہی خلق اصوات وحروف سے مقصود اوامر ونواہی حق سبحانہ پر مطلع ہوتا ہے اور دیگر منافع اس کے تابع ہیں۔ پس جبکہ اصل مقصود ہی بدوں ان کے حاصل ہو جاتا تو ان کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ ونظر هذا الاستلزام ماقال الله عزوجل ولو يواخذالله الناس بظلمهم ماترک علیٰ ظهرها من دابة یہاں تک اس استطر ادی مضمون کو ختم کر کے پھر مقولہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ اگر چہ وہ فانی فی الحق اور بے خود ہیں لیکن میرا معاملہ اس سے زیادہ نازک ہے۔ اس لئے میں باوجود اس اتحاد کے بھی ان سے اعانت نہیں چاہ سکتا۔ اور یہ مسلم ہے کہ ان کا فعل گویا کہ خدا ہی کا فعل ہے لیکن تاہم وہ میری نظر میں پسندیدہ نہیں ہے کیونکہ یہ درخواست ان کی بحیثیت واسطہ محض ہونے کے نہیں ہے بلکہ اس میں گونہ استقلال کی شان ہے کیونکہ وہ یہ نہیں کہتے کہ حق سبحانہ نے مجھے حکم دیا ہے اگر ابراہیم چاہیں تو تم ان کی اعانت کرو اور میں اس میں واسطہ محضہ ہوں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اگر تم مجھ سے اعانت چاہو تو اعانت کروں گو وہ اس درخواست اور اعانت میں ماذون من اللہ ہیں۔ مگر ماذون ہونا دوسری شئے ہے اور مامور ہونا اور چیز۔ اول میں وساطت وآلیت محضہ ہے اور ثانی میں گونہ استقلال کی شان ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ صاحبو شاید تمہیں شبہ ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حق سبحانہ کی اتنی بڑی نعمت کی قدر نہیں کی لیکن تمہیں واضح ہو کہ عوام اور عشاق میں زمین وآسمان کا تفاوت ہوتا ہے چنانچہ جو چیز عوام کے حق میں سراسر عنایت ہوتی ہے وہ عشاق کے حق میں قہر ہوتی ہے۔ یہ فرق آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتا بلکہ اس کے لئے بہت سے ریاضات ومجاہدات کی اور بہت سی تکلیفیں اٹھانے اور مصائب جھیلنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ فرق سمجھ میں آسکے اور تم جان سکو کہ واقعی اس واسطہ کا کلام جو گونہ استقلالی شان رکھتا ہو جیسے قصہ ندیم میں عماد الملک اور قصہ حضرت ابراہیمؑ میں حضرت جبرئیل کما اوضحناہ۔ واصل الی المطلوب کے لئے نہایت ہی ناگوار ہوتا ہے اگر ہم اس مضمون کو الفاظ میں بیان بھی کریں تب بھی تم نہیں سمجھ سکتے کیونکہ اس روح صافی (یعنی حقیقت واقعیہ) کے حروف

سے پیدا یعنی ظاہر ہونے کے لئے بھی بہت سے مصائب اور تکالیف جھیلنے اور ان پر صبر کرنے کی ضرورت ہے اس سے تم کو بلاؤں اور مصیبتوں کا مفید اور نافع ہونا ظاہر ہو گیا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ بلائیں ہر ایک کے لئے مفید نہیں ہوتیں۔ بلکہ بعضے تو بوجہ صبر نہ کرنے اور شکوہ و شکایت کے پہلے سے بھی زیادہ بگڑ جاتے ہیں اور بعضے صبر و شکر کی بدولت پہلے سے زیادہ صاف ہو جاتے ہیں اس لئے بلاؤں اور مصائب کی ایسی مثال ہے جیسے آب نیل کہ وہ نیک بختوں کے لئے پانی ہے اور بد بختوں کے لئے خون۔ پس جو شخص جس قدر زیادہ انجام بین ہوگا وہی مصائب میں زیادہ نیک بخت ہوگا کیونکہ قاعدہ ہے کہ منافع سے جس قدر زیادہ واقف ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ کام میں کوشش کرتا ہے۔ پس جس قدر کوئی شخص انجام بین ہوگا اتنا ہی وہ بلاؤں پر صبر کرنے کے منافع اور نہ صبر کرنے کے مضرتوں سے زیادہ واقف ہوگا اور اسی قدر وہ صبر اور احتراز عن الجزع والفزع میں زیادہ سرگرم ہوگا۔ لہذا اتنا ہی وہ زیادہ نیک بخت ہوگا۔ نیز وہ اس لئے بھی زیادہ نیک بخت ہوگا کہ دنیا مزرع آخرت ہے اور محل عمل ہے اور محشر منافع حاصل کرنے کا مقام ہے۔ پس وہ دنیاوی مصالح پر منافع اخرویہ کو مقدم سمجھے گا اور یہ ہم نے کیوں کہا کہ دنیا مزرع آخرت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی عقد خود مقصود نہیں ہوتا بلکہ بخیال منفعت ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا کوئی منکر اس لئے منکر نہیں ہوتا کہ یہ منکری ہی مقصود ہو بلکہ اس سے مقصود اس کو کوئی اور شئے ہوتی ہے۔ کبھی تو بناء بر حسد اپنے مخالف کو مغلوب کرنا ہوتا ہے کبھی اپنا تفوق اور اپنا اظہار مدنظر ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ اور یہ تفوق وغیرہ بھی خود مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس میں اور اغراض مستتر ہوتے ہیں کیونکہ صورتیں اور ظواہر بدوں معانی اور مصالح کے لذت بخش نہیں ہوتیں اس لئے مقصودیت صور کے لئے ضرورت ہے کہ ان میں کچھ معانی و مصالح ہوں جو ان سے مقصود ہوں۔ چونکہ صورتیں تیل کی طرح غیر مقصود لذاتہا اور مقصود لغیرہا ہیں اور معانی روشنی کی طرح خود مقصود ہیں اسی لئے جب کوئی شخص کام کرتا ہے تو تم کہتے ہو کہ یہ کام کیوں کرتے ہو۔ اور تمہارا یہ سوال اس کے فائدہ کے دریافت کرنے کے لئے ہوتا ہے کیونکہ بدوں اس غرض کے یہ سوال بالکل بیہودہ ہے۔ اب اگر وہ فعل خود مقصود ہوا اور اپنا فائدہ وہ ہی ہو تو تم فائدہ کیوں ڈھونڈھتے ہو۔ پس جب یہ معلوم ہو گیا تو اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ حکمت نہیں ہے کہ آسمان و اہل زمین خود مقصود ہوں بلکہ ان کی خلقت سے مقصود کچھ اور ہے کیونکہ ان کا بنانے والا حکیم ہے۔ کیونکہ اگر وہ حکیم نہ ہو تو یہ عجیب ترتیب اور ہر چیز کا ایک ضابطہ کے تحت داخل ہونا کیسا اور اگر حکیم ہے تو فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ پس اس کا فعل منافع و حکم سے کیسے خالی ہو سکتا ہے۔ دیکھو کوئی شخص نقش حمام کو بھی بدوں کسی مقصد کے رنگین نہیں کرتا خواہ وہ مقصد درست ہو یا نادرست تو حق سبحانہ کی یہ تصویریں منافع و مقاصد سے کیسے خالی ہو سکتی ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس عالم میں جو چیز بھی تم دیکھو وہ ایک معنیٰ و حکمت کے لئے ہے اور بیان اجمالی اس کا یہ ہے کہ آسمان وغیرہ سے انسان متمتع ہو اور انسان حق سبحانہ کی اطاعت کرے اور اس کی جزا پائے اور بصورت عصیان سزا پائے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے حق سبحانہ نے اپنی حکمت کے اقتضاء سے عالم وجود کو دو حصوں پر منقسم کیا۔ ایک کو ان میں سے دار الامتحان بنایا اور دوسرے کو دار الجزاء۔ اول دنیا ہے۔ دوسرا آخرۃ۔ اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ دنیا مزرع آخرت ہے۔ وھو المدعی

مطالبت کردن موسیٰ از حضرت عزت که لم خلقت خلقا فاهلکته، و احترقته، وجواب آمدن از حضرت عزت

حضرت موسیٰ کا اللہ تعالیٰ سے سوال کرنا کہ تو کیوں ایک مخلوق کو پیدا کرتا ہے پھر تو اس کو اور تباہ کر دیتا ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے جواب آنا

گفت موسیٰ اے خداوند حساب	نقش کردی باز چوں کردی خراب
(حضرت) موسیٰ نے عرض کیا اے محاسبہ کے مالک	تو نے صورت بنائی پھر اس کو کیوں تباہ کیا؟
نر و مادہ نقش کردی جانفزا	وانگہے ویراں کنی ایں راچرا
تو نے حسین نر اور مادہ بنائے	پھر تو ویران کر دیتا ہے یہ کیوں ہے؟
گفت حق دانم کہ ایں پرسش ترا	نیست از انکار و غفلت و زہوا
اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا میں جانتا ہوں کہ تیرا یہ سوال	انکار اور غفلت اور نفسانی خواہش کی وجہ سے نہیں ہے
ورنہ تادیب و عتابت کردمے	بہر ایں پرسش ترا آزردمے
ورنہ تجھے سزا دیتا اور غصہ کرتا	اس سوال پر تجھے تکلیف پہنچاتا
لیک می خواہی کہ درافعال ما	باز جوئی حکمت و سر قضا
لیکن تو چاہتا ہے کہ ہمارے کاموں میں	حکمت اور فیصلہ کا راز معلوم کرے
تا ازاں واقف کنی مرعام را	پختہ گردانی بدیں ہر خام را
تاکہ تو اس سے عوام کو باخبر کرے	اس سے ہر کچے کو پکا بنائے
قاصدا سائل شدی درکاشفی	بہر عامہ ارچہ تو زاں واقفی
وضاحت کے لئے تو قصدا سائل بنا ہے	عوام کے لئے اگرچہ تو اس سے واقف ہے
زانکہ نیم علم آمد ایں سوال	ہر برونے را نباشد ایں مجال
یہ سوال نصف علم ہے	ہر باہری شخص کی یہ مجال نہیں ہے
ہم سوال از علم خیزد ہم جواب	ہمچنانکہ خار و گل از خاک و آب
سوال بھی اور جواب بھی علم سے پیدا ہوتا ہے	جس طرح مٹی اور پانی سے کانٹا اور پھول
ہم ضلال از علم خیزد ہم ہدے	ہمچنانکہ تلخ و شیریں از ندے
گمراہی بھی علم سے پیدا ہوتی ہے اور ہدایت بھی	جیسا کہ تری سے تلخ اور شیریں

زآشنائی خیزد ایں بغض و ولا وزغذائے خوش بود سقم و شفا

یہ بغض اور دوستی تعارف سے پیدا ہوتی ہے بیماری اور شفا اچھی غذا سے (پیدا) ہوتی ہے

مستفید اعجمی شد آں کلیم تا عجمیاں راکند زیں سر علیم

وہ کلیم (اللہ) ناواقف کو فائدہ حاصل کرنے والا بنانے والے بنے تاکہ ناواقفوں کو اس راز سے باخبر کریں

ماہم از وے اعجمی سازیم خویش پاسخش آریم چوں بیگانہ پیش

ہم بھی اپنے آپ کو اس سے ناواقف بناتے ہیں بیگانوں کی طرح اس کا جواب پیش کرتے ہیں

خر فروشاں خصم یکدیگر شدند تا کلید قفل آں عقد آمدند

گدھا بیچنے والے ایک دوسرے کے مقابل بنے یہاں تک کہ اس معاملہ کے قفل کے لئے کنجی بن گئے

پس بفرمودش خدا اے ذوالباب چوں پرسیدی بیا بشنو جواب

پھر ان سے خدا نے فرمایا اے عقلمند جبکہ تو نے سوال کیا ہے آ جواب سن

موسیا تخمے بکار اندر زمیں تا کہ تو خود وادہی انصاف ایں

اے موسیٰ! زمین میں بیج بودے تاکہ تو خود اس کا انصاف کرے

چونکہ موسیٰ کشت شد کشتش تمام خوشہایش یافت خوبی و نظام

جب (حضرت) موسیٰ نے کھیتی بوئی ان کی کھیتی پوری ہوگئی اس کے خوشوں نے اچھائی اور عمدگی حاصل کر لی

داس بگرفت و مرآں رامی برید پس ندا از غیب در گوشش رسید

انہوں نے درانتی لی اور اس کو کاٹ لیا تو ان کے کان میں غیب سے آواز آئی

کہ چرا کشتے کنی و پروری چوں کمالے یافت آں رامی بری

کہ تو کیوں بوتا ہے اور پرورش کرتا ہے؟ جب وہ مکمل ہو جاتی ہے تو اس کو کاٹتا ہے

گفت یارب زاں کنم ویران و پست کہ دریں جا دانہ ہست و کاہ ہست

(موسیٰ نے) عرض کیا اے خداوند میں (کھیت کو) ویران اور پست اسلئے کرتا ہوں کہ اس میں دانہ بھی ہے اور بھوسا بھی ہے

دانہ لائق نیست در انبار کاہ کاہ درنبار گندم ہم تباہ

دانہ کا بھوسے کے انبار میں رہنا مناسب نہیں ہے بھوسا بھی گیہوں کے ڈھیر میں برباد ہوتا ہے

نیست حکمت ایں دو را آمیختن فرق واجب می کند در بیختن

ان دونوں کو ملائے رکھنا دانائی نہیں ہے وہ (دانائی) چھاننے میں جدا کر دینا ضروری بتاتی ہے

گفت ایں دانش تو از کہ یافتی	کہ بدانش بیدرے بر ساختی
(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ یہ سمجھ تو نے کس سے حاصل کی؟	کہ عقل کی وجہ سے تو نے کھلیان بنایا
گفت تمییزم تو دادی اے خدا	گفت پس تمییز چوں نبود مرا
(حضرت موسیٰ نے) عرض کیا اے خدا تو نے مجھے سمجھ عطا کی	(اللہ تعالیٰ نے) فرمایا تو پھر مجھ میں سمجھ کیوں نہ ہو گی؟
در خلائق روحہای پاک ہست	روحہای تیرہ و گلناک ہست
مخلوق میں پاک روحیں ہیں	کالی اور مٹی میں سنی ہوئی روحیں ہیں
ایں صدفہا نیست دریک مرتبہ	دریکے درست و در دیگر شبہ
یہ سیپیاں ایک طرح کی نہیں ہیں	ایک میں موتی ہے دوسری میں پوتھ ہے
واجب ست اظہار ایں نیک وتباہ	ہمچناں کاظہار گندمہاز کاہ
نیک اور برباد کا واضح کرنا ضروری ہے	جس طرح گیہوں کا بھوسے سے الگ کرنا
بہر اظہار ست ایں خلق جہاں	تانماند گنج حکمتہا نہاں
دنیا کا پیدا کرنا ظاہر کرنے کے لئے ہے	تاکہ حکمتوں کا خزانہ پوشیدہ نہ رہے
کنت کنزاً گفت مخفیاً شنو	جوہر خود گم مکن اظہار شو
سن (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا میں چھپا ہوا خزانہ تھا	تو اپنے جوہر کو برباد نہ کر اس کو ظاہر کر

اب ہم تمہیں ایک قصہ سناتے ہیں جس سے مخلوقات الٰہیہ میں حکمت کا ہونا معلوم ہو۔ وہ قصہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے حق سبحانہ سے عرض کیا کہ اے اللہ تو نے اول ایک مخلوق کو پیدا کیا اور پھر اسے ہلاک کیا اس میں کیا راز ہے۔ آپ نے نہایت نفیس نفیس مرد اور عورتیں بنائے پھر آپ ان کو کیوں ہلاک کرتے ہیں۔ حق سبحانہ نے اس کا جواب دیا کہ میں جانتا ہوں کہ تمہارا یہ سوال اعتراض اور جہالت اور ہوائے نفسانی کی بنا پر نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو بجائے جواب کے میں تمہیں سزا دیتا اور تم پر عتاب کرتا اور اس سوال کے جواب میں تمہیں سخت تکلیف پہنچاتا۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ تم ہمارے افعال کی حکمتیں اور ہماری قضا کا راز تفصیلی طور پر اس لئے دریافت کرتے ہو تاکہ تم عوام کو معلوم کراؤ جو کہ ناواقف ہیں۔ اور اپنی جہالت کے سبب ہمارے افعال میں بیہودہ شکوک اور اوہام پیدا کرتے ہیں۔ اور اس ذریعہ سے تم ان ناقصوں کو کامل کر دو اور اگر چہ تم اجمالاً ان حکمتوں سے واقف ہو اور تم کو یقین ہے کہ ہمارا ہر فعل حکم و مصالح پر مشتمل ہے لیکن تم نے جان کر یہ سوال متعلق بہ کشف سر قضا عوام کی خاطر کیا ہے تمہارے واقف ہونے کی دلیل یہ ہے کہ خود تمہارا یہ سوال نصف علم ہے کیونکہ یہ ناشی ہے حکمتوں کے علم اجمالی سے اور جو بالکل ہی ناواقف ہو وہ ایسا سوال نہیں کر سکتا اب مولانا فرماتے ہیں کہ شاید کسی کو شبہ ہو کہ جب علم تھا تو سوال کیوں کیا اس کا جواب یہ ہے کہ سوال علم کے منافی نہیں ہے بلکہ سوال بھی علم ہی سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ طلب مجہول مطلق محال ہے اور جواب بھی علم ہی سے پیدا ہوتا ہے پس ہر سوال مطلق علم کے منافی نہ ہوا۔ بلکہ وہ سوال علم کے منافی ہے جو کہ اس علم کی تحصیل

کے لئے ہو جو حاصل ہے اور یہاں ایسا نہیں بلکہ علم متعلق ہے اجمالی حکم سے اور سوال ہے تفصیلی حکم کا اور علم ہی سے سوال و جواب دونوں کا پیدا ہونا ایسا ہے جیسا کہ مٹی اور پانی سے خار بھی ہوتے ہیں اور گل بھی حالانکہ دونوں متضاد ہیں اور گمراہی بھی علم ہی سے پیدا ہوتی ہے اور ہدایت بھی مگر فرق اتنا ہے کہ اول کا منشاء جہل مرکب ہوتا ہے اور دوسرے کا یقین اور ہیں دونوں علم ہی کی قسمیں۔ اور یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے تری ہی سے میوں میں تلخی بھی پیدا ہوتی ہے اور شیرینی بھی۔ نیز شناسائی ہی سے عداوت بھی پیدا ہوتی ہے اور محبت بھی۔ اور عمدہ غذا ہی سے مرض بھی پیدا ہوتا ہے اور شفا بھی ان نظائر سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک شئے منشاء ضدین ہو سکتی ہے پس اب یہ شبہ نہ رہا کہ علم تھا تو سوال کیوں کیا۔ یہاں تک اس مضمون کو ختم کر کے پھر مضمون سابق بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حق سبحانہ نے فرمایا کہ ہمارے کلیم اس وقت ناواقف بن کر اس لئے حکم و مصالح دریافت کرتے ہیں تا کہ ناواقفوں کو اس راز سے آگاہ کریں۔ اچھا تو ہم بھی اپنے کو انجان بنائے لیتے ہیں اور ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتے ہیں جیسا کہ کوئی سائل کو ناواقف سمجھ کر اسے جواب دیتا ہے اور سائل کے علم سے ناواقف مجیب کی طرح جواب دیتے ہیں۔ یہ کہہ کر فرمایا کہ اچھا جب تم نے سوال کیا ہے تو اس کا جواب سنو۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم جواب دیں ایک کام کر وہ یہ کہ کھیتی کر دتا کہ تم اپنے دل میں خود انصاف کر سکو کہ ہمارا یہ فعل بجا ہے یا بے جا۔ گو تم کو ہمارے جواب سے اس کے بدوں بھی اطمینان ہو جائے گا۔ مگر وہ اطمینان جو اس طریق سے ہوگا جو ہم نے تجویز کیا ہے اطمینان اول سے بڑھ کر ہوگا۔ غرض کہ موسیٰ علیہ السلام نے کھیتی کی اور جب وہ مکمل ہوگئی اور اس کے خوشے اچھے اور درست ہو گئے۔ اس وقت انہوں نے درانتی (ہنسیا) لی اور اس کو کاٹ ڈالا اس پر غیب سے ندا آئی کہ اے موسیٰ کیا وجہ ہے کہ تم اول بوتے ہو اور اس کی پرورش کرتے ہو لیکن جب وہ کامل ہو جاتی ہے تو اسے کاٹ ڈالتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں اسے اس لئے اجاڑتا اور زمین پر گراتا ہوں کہ اس میں دانہ بھی ہے اور بھوسا بھی اور دانہ کا بھوسے میں رہنا نامناسب ہے۔ علیٰ ہذا بھوسہ بھی جب تک دانوں میں ملا ہوا ہے بیکار ہے اس لئے ان دونوں کا یکجا رہنا خلاف حکمت ہے۔ اس لئے بمقتضائے حکمت واجب ہے کہ ان کو چھان کر جدا جدا کر دیا جاوے۔ اس پر حق سبحانہ نے دریافت کیا کہ یہ سمجھ تمہیں کس نے دی ہے جس کے ذریعہ سے تم نے کھلیان تیار کر لیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ تمیز مجھے آپ ہی نے بخشی ہے۔ اس پر ارشاد ہوا کہ پھر یہ تمیز ہمیں کیوں نہ ہوگی اور جبکہ ہمیں تمیز ہے اور ہم نے دیکھا کہ مخلوق میں دو قسم کی روحیں ہیں کچھ پاک ہیں اور کچھ مکدر اور آلودہ گل و منہمک فی الناسوت اور یہ سیپیاں ایک درجہ کی نہیں ہیں بلکہ کسی میں موتی ہے کسی میں پوتھ تو لازم ہوا کہ یہ بھلے برے جو اس دنیا میں مخلوط ہیں ان کو جدا جدا کیا جاوے اور بھلوں کی بھلائی کو ظاہر کیا جاوے اور بروں کی برائی کو جس طرح کہ گیہوؤں کو بھوسے سے جدا کیا جاتا ہے۔ اور اس غرض سے ہم نے انہیں ہلاک کیا۔ تا کہ ہم ایک گروہ کو دوزخ میں بھیج کر ان کا نقصان ظاہر کریں اور دوسرے کو جنت میں داخل کر کے اس کا کمال واضح کریں اور جس طرح افناء و اہلاک اظہار کے لئے ہے یوں ہی پیدائش بھی اظہار ہی کے لئے ہے۔ گو دونوں اظہاروں میں یہ فرق ہے کہ صورت اول میں اظہار کمال کاملین اور نقصان ناقصین ہے۔ اور دوسری صورت میں اظہار خود اپنی اسماء و صفات کا ہے اور فرمایا کہ تم کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق کو سنو جس کے یہ معنی ہیں کہ میں اسماء و صفات کا ایک مخفی خزانہ تھا اس لئے میں نے چاہا کہ میں جانا جاؤں اور ظاہر ہوں۔ اس کے لئے میں نے مخلوق کو پیدا کیا اور اس سے سبق لو۔ اور تمہارے اندر جو کمالات کامنہ ہیں انہیں گم نہ کرو بلکہ ظاہر کرو۔

بیان آنکہ روح حیوانی و عقل جزوی و وہم و خیال بر مثال دوغند و روح وحی کہ باقی ست دریں دوغ ہمچوں روغن پنہاں

اس کا بیان کہ حیوانی روح اور جزوی عقل اور وہم اور خیال چھاچھ جیسے ہیں اور وحی کی روح جو باقی رہنے والی ہے اس چھاچھ میں پوشیدہ گھی کی طرح ہے

جوہر صدقت خفی شد در دروغ	ہمچو طعم روغن اندر طعم دوغ
تیری سچائی کا جوہر جھوٹ میں چھپ گیا	جس طرح گھی کا مزا چھاچھ کے مزے میں
آں دروغت ایں تن فانی بود	راستت آں جان ربانی بود
وہ تیرا جھوٹ، یہ فنا ہونے والا جسم ہے	تیری سچائی، خدائی روح ہے
سالہا ایں دوغ تن پیدا و فاش	روغن جاں اندر و فانی ولاش
برسوں یہ جسم کی چھاچھ ظاہر اور کھلی رہتی ہے	روح کا روغن اس میں فنا اور معدوم ہوتا ہے
تا فرستد حق رسول بندۂ	دوغ را در خمرہ جنبانندۂ
یہاں تک کہ اللہ (تعالیٰ) کسی رسول بندہ کو بھیجتا ہے	چھاچھ کو مٹکی میں بلونے والے کو
تا بجنباند بہنجار و بفن	تا بدانم من کہ پنہاں بود من
یہاں تک کہ وہ طریقے اور تدبیر سے بلوئے	تاکہ میں جان لوں کہ شہد پوشیدہ تھا
یا کلام بندۂ کاں جزو اوست	در رود در گوش آنکو وحی جوست
یا اس بندہ کا کلام جو اس (نبی) کا جزو ہے	اس کان میں پہنچے جو وحی کا طالب ہے
اذن مومن وحی ما را داعی است	آنچناں گوشے قرین داعی است
مومن کا کان ہماری وحی کی حفاظت کرنے والا ہے	ایسا کان نبی کا ساتھی ہوتا ہے
آنچناں کہ گوش طفل از گفت مام	پر شود ناطق شود او در کلام
جیسے کہ بچہ کا کان ماں کی باتوں سے	بھرتا ہے تو وہ بات چیت میں بول پڑتا ہے
ور نباشد طفل را گوش رشد	گفت مادر نشنود گنگے شود
اگر بچے کے صحیح کان نہ ہوں	وہ ماں کی بات نہیں سنتا گونگا ہو جاتا ہے
دائماً ہر کر اصلے گنگ بود	ناطق آں کس شد کہ از مادر شنود
اصلی بہرا ہمیشہ گونگا ہوتا ہے	بولنے والا وہ شخص ہوتا ہے جو ماں سے (بات) سنتا ہے

وانکہ گوش کر و گنگ از آفتے ست	زانکہ در گوشش رسیدہ علتے ست
وہ شخص جو بہرا اور گونگا ہے کسی آفت کی وجہ سے	کیونکہ اس کے کان میں کوئی بیماری پیدا ہو گئی ہے
کہ پذیرائی دم و تعلیم نیست	لاجرم مرنطق را تسلیم نیست
جو آواز اور تعلیم کو قبول کرنے والی نہیں ہے	(تو) لامحالہ وہ بولنے کے قابل نہیں ہے
آنکہ بے تعلیم بد ناطق خداست	کہ صفات اوز علتہا جداست
جو بغیر تعلیم کے بولنے والا ہے وہ خدا ہے	کیونکہ اس صفات علتوں سے پاک ہیں
یا چو آدمؑ کردہ تلقینش خدا	بے حجاب مادر و دایہ و را
یا آدمؑ جیسا' جس کو خدا نے پڑھایا	اس کی ماں اور دایہ کے واسطہ کے بغیر
یا مسیحؑ کو بہ تعلیم و دود	در ولادت ناطق آمد در وجود
یا مسیحؑ کہ وہ خدا کی تعلیم سے	پیدائش کے وقت بولنے لگے
از برای دفع تہمت در ولاد	کہ نہ زادست از زنا و از فساد
پیدائش کی تہمت کو دفع کرنے کے لئے	کہ وہ زنا اور خرابی سے پیدا نہیں ہوئے ہیں
جنبشے بایست اندر اجتہاد	تا کہ دوغ آں روغن از دل باز داد
کوشش میں حرکت چاہیے	تا کہ چھاچھ مکھے کو اندر سے واپس دیدے
روغن اندر دوغ باشد چوں عدم	دوغ در ہستی برآوردہ علم
مسکا' چھاچھ میں معدوم جیسا ہوتا ہے	چاچھ' وجود میں جھنڈا بلند کئے ہوئے ہے
آنکہ ہستت می نماید ہست پوست	وانکہ فانی می نماید اصل اوست
جو تجھے موجود نظر آتا ہے وہ چھلکا ہے	جو معدوم نظر آتا ہے وہ اصل ہے
دوغ روغن ناگرفت ست و کہن	تا نہ بگزینی بنہ خرجش مکن
مسکا' نہ نکالی ہوئی اور پرانی چھاچھ	جب تک تو نکال نہ لے اس کو رکھ چھوڑ خرچ نہ کر
ہیں بگرداں بدانش دست دست	تا نماید انچہ پنہاں کردہ است
خبردار' سمجھداری سے اس کو ہاتھ سے خوب چلا	تا کہ وہ اس کو نمایاں کردے جو اس نے چھپایا ہے
زانکہ ایں فانی دلیل باقی است	لابۂ مستاں دلیل ساقی ست
کیونکہ یہ فانی' باقی کی دلیل ہے	مستوں کی خوشامد ساقی کی دلیل ہے

روغن اندر دوغ پنہاں میشود	ہر چہ می سازی تواش آں میشود
مسکا چھاچھ میں چھپ جاتا ہے	تو جو اس کا بنائے گا وہ بن جائے گا

یہاں سے مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیرا جوہر صدق دروغ میں یوں مخفی ہے جس طرح کہ دہی میں گھی مخفی ہوتا ہے۔ دروغ سے ہماری مراد تمہارا تن فانی ہے۔ اور صدق سے مراد جان ربانی یعنی روح جس کو حق سبحانہ نے روحی یا من امر ربی فرمایا ہے یا جو اصالۃً متوجہ الی الحق ہے یہ دوغ تن برسوں ظاہر رہتا ہے اور روغن جان اس میں بمنزلہ فانی اور لاشئے کے مستور رہتی ہے یعنی احکام جسم غالب اور احکام روح مغلوب رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ حق سبحانہ اپنے رسول کو بھیجتے ہیں جو اس کا مخلص بندہ ہوتا ہے اور جو کہ اس دہی کو بلو سکتا ہے تا کہ وہ اپنی قابلیت اور ہنر سے اسے یہاں تک بلوئے یعنی وعظ وتلقین وغیرہ سے روح کو قوت دے کر غالب اور نفس کو مغلوب کرے کہ آدمی جان لے کہ جو کلمہ متکلم میں کا مصداق ہے (یعنی روح) وہ ہنوز مخفی تھا اور اب ظاہر ہوا۔ ایک تو یہ صورت تھی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی ایسے بندہ کا کلام اس کے وحی جو اور قابل استماع للحق کان میں پہنچے جو اس نبی کے ساتھ اس قدر ارتباط رکھتا ہے جیسا کل سے جز ان دونوں صورتوں سے جسم مغلوب ہوتا ہے اور روح غالب۔ اب سنو کہ وہ گوش وحی جو کس کا ہے اس کے متعلق حق سبحانہ فرماتے ہیں۔ **وتعیھا اذن و اعیہ** جس کا حاصل یہ ہے کہ ہماری وحی کو اسی شخص کا کان سنتا ہے اور محفوظ رکھتا ہے جو مقدر الایمان ہے۔ پس ایسا کان جیسا کہ حق سبحانہ کے کلام میں مراد ہے۔ داعی الی الحق سے متصل ہوتا اور اس کے کلام کو بسمع قبول سنتا ہے۔ (**ھذا ھو المراد ولا تلتفت الی ماقال المحشون من غیر تدبر فی اسلوب الکلام**) آدمی کی ایسی مثال ہے جیسے بچہ کے کان میں ماں کی گفتگو پہنچتی ہے تو وہ گویا ہوتا ہے اور اگر بچہ کے کان سالم عن الآفتہ نہیں ہوتے تو وہ ماں کی گفتگو نہیں سنتا اور گونگا ہوتا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہر مادرزاد بہرا گونگا ہوتا ہے اور بولتا وہی ہے جو ماں کا کلام سنتا ہے اور جس کے کان کسی آفت سے کسی آفت کے سبب بہرے ہیں اور وہ گونگا ہے اس لئے کہ اس کے کان کو کوئی ایسا مرض لاحق ہو گیا ہے جس کے سبب وہ کلام اور تعلیم کو قبول نہیں کر سکتا ایسا شخص لامحالہ قابل گویائی نہ ہو گا (وہذا اوجہ بما قال ولی محمد) پس اگر انسان فطرت سلیمہ رکھتا ہے تو وہ اپنے معلموں (انبیاء و اولیا) کی بات سنتا ہے اور اس میں اس تعلیم کا اثر ظاہر ہوتا ہے اور اگر فطرت سلیمہ نہیں رکھتا تو وہ نا قابل تعلیم ہوتا ہے اور اس میں اس تعلیم کا کچھ اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ جس طرح بچہ بدوں ماں کی تعلیم کے گویا نہیں ہو سکتا یوں ہی آدمی بدوں ہادی یعنی رسول یا اس کے نائب کے تعلیم کے حق نہیں معلوم کر سکتا۔ پس ہر شخص کو قبول حق کے لئے ایک ہادی کی ضرورت ہے کیونکہ ہر بچہ کو ناطق ہونے کے لئے تعلیم مادر کی ضرورت ہے اور بدوں تعلیم مادر کے جو ناطق ہے وہ یا تو خدا ہے کیونکہ اس کی صفات ذاتی ہیں اور کسی علت کی معلول نہیں ہیں یا آدم علیہ السلام ہیں جن کے معلم بلا توسط مادر و دایہ خود حق سبحانہ ہیں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جو کہ حق سبحانہ کی تعلیم سے پیدا ہوتے ہی بولنے لگے تھے۔ جس سے ان کی پیدائش کے متعلق تہمت کا دفع کرنا اور یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ یہ زنا سے پیدا نہیں ہوئے۔ علیٰ ہذا سب کو تعلیم ہادی کی ضرورت ہے اور جو تعلیم سے منزہ ہے وہ حق سبحانہ ہے یا اس کے برگزیدہ انبیاء جن کو وہ جو بلا توسط انبیاء تعلیم دیتا ہے خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سنو کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ تمہارا تن دہی ہے اور روح روغن اور یہ روغن اس دہی میں مخفی ہے۔

یعنی غلبہ آثار جسم سے آثار روح مغلوب ہو گئے ہیں پس تم کو چاہئے کہ اس روغن کو دہی سے جدا کرنے کی کوشش کرو۔ کیونکہ اس دہی کے روغن چھوڑنے کے لئے اور جسم پر روح کے غلبہ کے واسطے مجاہدات میں بہت بڑی سعی کی ضرورت ہے۔ دیکھو تم دھوکہ نہ کھانا اور یہ نہ سمجھنا کہ روح کوئی چیز نہیں فقط جسم ہی جسم ہے۔ اس لئے کہ دہی میں گھی معدوم ہی معلوم ہوتا اور وجود دہی کا ظاہر ہوتا ہے لیکن وہ واقع میں معدوم نہیں ہوتا بلکہ جو تم کو موجود معلوم ہوتا ہے یعنی دہی وہ پوست ہے اور جو معدوم معلوم ہوتا ہے اصل وہی ہے۔ پس یہی حالت روح اور جسم کی ہے دیکھو ہم تمہیں متنبہ کرتے ہیں کہ اس دہی (جسم) میں روغن (روح) موجود ہے اور اس سے نکالا نہیں گیا۔ پس جب تک تم اس میں سے روغن نہ نکال لو اسے رکھے رکھو اور خرچ مت کرو۔ یعنی جب تک روح کو غالب نہ کرلو۔ اس وقت تک نہ مرو لیکن نہ مرنا تو اختیار میں نہیں اور موت کا کوئی وقت معین نہیں تو تم حتی الامکان اس کو غالب کرنے کی کوشش کرو اور اس سے غافل نہ ہو۔ بلکہ اسے مجاہدات و ریاضات سے خوب ہوشیاری سے بلوؤ تاکہ یہ دہی جو جوہر اپنے اندر چھپائے ہوئے ہے اسے ظاہر کردے کیونکہ اس میں یہ روغن موجود ہے مگر مخفی ہے۔ یہ دوغ فانی جسم اس روغن باقی روح کا پتہ دیتی ہے۔ جس طرح مستوں کی التجائیں ساقی کا پتہ دیتی ہیں۔ (اور وجہ دلالت یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ حالت زندگی میں ان اجسام سے وہ آثار صادر ہوتے ہیں جو انسانوں کے علاوہ اور موجودات سے صادر نہیں ہوتے اور یہ آثار مرنے کے بعد صادر نہیں ہوتے حالانکہ جسم موجود ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ جسم کے علاوہ کوئی اور شے ہے جو ان آثار کا منشا اور وہ روح انسانی ہے۔ وھذا وجہ بما قال بحر العلوم وولی محمدؐ فانہ یدل علی مطلق الروح الا الروح لانسانی) اور اس روح میں استعداد کمال بوجہ اتم موجود ہے جیسے گھی دہی میں مخفی ہوتا ہے اور تم اس کو جو غذا بنانا چاہو بن سکتا ہے۔

فائدہ:۔ روغن اندر دوغ الخ کو بعض محشین نے ملحقات سے لکھا ہے اور میرا ذوق بھی یہی کہتا ہے کہ یہ ملحق ہے واللہ اعلم۔

مثال دیگر ہم دریں معنیٰ

دوسری مثال اسی معنیٰ میں

ہست بازیہای آں شیر علم	مخبرے از باد ہای مکتتم
جھنڈے کے شیر کے کھیل کود	چھپی ہوئی ہواؤں کی خبر دینے والے ہیں
گر نبودے جنبش آں بادہا	شیر مردہ کے بجستے در ہوا
اگر ان ہواؤں کی حرکت نہ ہوتی	بے جان شیر ہوا میں کب کودتا؟
زاں شناسی بادرا کہ آں صباست	یا دبورست ایں بیان آں خفاست
اس سے تو ہوا کو پہچان لیتا ہے کہ وہ پروا ہے	یا پچھوا ہے' یہ اس پوشیدہ کا اظہار ہے
ایں بدن مانند آں شیر علم	فکر می جنباند او را دمبدم
یہ بدن جھنڈے کے شیر کی طرح ہے	فکر اس کو لحہ بہ لحہ حرکت دیتا ہے

فکرکاں از مشرق آمد آں صباست	وانکہ از مغرب دبور باد باست
جو فکر مشرق کی جانب سے آئے وہ پروا ہے	اور جو مغرب کی جانب سے وہ بیماری بھری پچھوا ہے
مشرق ایں باد فکرت دیگرست	مغرب ایں باد فکرت زاں سرست
تیرے فکر کی اس ہوا کی مشرق دوسری ہے	تیرے اس فکر کی ہوا کی مغرب اس جانب ہے
خور جمادست و بود شرقش جماد	جان جان جاں بود شرقش فواد
سورج جماد ہے اس کی مشرق جماد ہے	جان کی جان کی جان کا مشرق دل ہے
شرق خورشیدے کہ شد باطن فروز	قشر و عکس آں بود خورشید روز
اس سورج کی مشرق جو دل کو روشن کرنے والا ہے	دن کا سورج اس کا چھلکا اور عکس ہے
زانکہ چوں مردہ بود تن بے لہب	پیش او نے روز بنماید نہ شب
اس لئے کہ جب بے نور جسم مردہ ہو جاتا ہے	اس کے سامنے نہ دن رونما ہوتا ہے نہ رات
ورنہ باشد آں چو باشد ایں تمام	بے شب و بے روز دارد انتظام
اگر وہ نہ رہے اور یہ مکمل ہو	تو بغیر شب و روز وہ منظم رہے گا
ہمچنانکہ چشم می بیند بخواب	بے مہ و خورشید و ماہ و آفتاب
جیسا کہ نیند میں آنکھ دیکھتی ہے	چاند اور سورج کے بغیر چاند اور سورج کو
نوم ما چوں شد اخ الموت اے فلاں	زیں برادر آں برادر را بداں
اے فلاں! جبکہ ہماری نیند موت کی بہن ہے	اس بھائی کو اس بھائی سے سمجھ لے
ور بگویندت کہ ہست آں فرع ایں	مشنو آں را اے مقلد بے یقیں
اگر وہ تجھ سے کہیں کہ وہ اس کی فرع ہے	اے بے یقین مقلد اس کو نہ سن
می بہ بیند خواب جانت وصف حال	کہ بہ بیداری نہ بینی بیست سال
تیری روح نیند میں اس حالت کے اوصاف دیکھتی ہے	کہ تو بیداری میں بیس سال بھی نہیں دیکھ سکتا
در پئے تعبیر آں تو عمرہا	میدوی سوی شہان بادہا
تو اس کی تعبیر کے لئے سالوں	عقلمند شاہوں کے پاس دوڑتا (پھرتا) ہے
کہ بگو آں خواب را تعبیر چیست	فرع گفتن اینچنیں سر راسگی ست
کہ بتایئے اس خواب کی کیا تعبیر ہے؟	اس طرح کے راز کو فرع کہنا کتا پن ہے

خواب عام ست این وخود خواب خواص ۔۔۔ باشد اصل اجتبا و اختصاص

یہ عوام کا خواب ہے اور خود خواص کا خواب ۔۔۔ برگزیدگی اور خصوصیت کی اصل ہے

پیل باید تا چو خسپد اوستاں ۔۔۔ خواب بیند خطۂ ہندوستاں

ہاتھی ہونا چاہیے تاکہ جب وہ چت سوئے ۔۔۔ ہندوستان کے خطہ کو خواب میں دیکھے

خر نہ بیند ہیچ ہندوستاں بخواب ۔۔۔ خر ز ہندوستاں نکردہ است اغتراب

گدھا خواب میں کبھی ہندوستان کو نہیں دیکھتا ہے ۔۔۔ گدھے نے ہندوستان سے سفر نہیں کیا ہے

جان ہمچو پیل باید نیک و زفت ۔۔۔ تا بخواب او ہند تاند رفت تفت

روح ہاتھی جیسی اچھی اور بھاری چاہیے ۔۔۔ تاکہ وہ خواب میں تیزی سے ہندوستان جا سکے

ذکر ہندستاں کند پیل از طلب ۔۔۔ پس مصور گردد آں ذکرش بشب

ہاتھی طلب میں ہندوستان کی یاد کرتا ہے ۔۔۔ تو اس کی یاد شب میں مصور ہو جاتی ہے

اذکروا اللہ کار ہر اوباش نیست ۔۔۔ ارجعی بر پای ہر قلاش نیست

"اللہ کی یاد کرو" ہر آوارہ کا کام نہیں ہے ۔۔۔ "تو لوٹ جا" ہر مفلس کے پاؤں کے لئے نہیں ہے

لیک تو آیس مشو ہم پیل باش ۔۔۔ ورنہ پیلی درپئے تبدیل باش

لیکن تو مایوس نہ ہو، ہاتھی بن ۔۔۔ اگر تو ہاتھی نہیں ہے، تبدیل کے درپے ہو

کیمیا سازان گردوں را بہ بیں ۔۔۔ بشنو از مینا گراں ہر دم طنیں

آسمان کے کیمیا گروں کو دیکھ ۔۔۔ ہر وقت صناعوں کی آواز سن

نقشبند انند در جو فلک ۔۔۔ کارساز انند بہر لی ولک

آسمان کی فضا میں نقاش موجود ہیں ۔۔۔ وہ میرے اور تیرے لئے کاریگری کر رہے ہیں

گر نہ بینی خلق مشکیں جیب را ۔۔۔ بنگر اے شب کور ایں آسیب را

اگر تو مشکیں گریبان والوں کو نہیں دیکھتا ہے ۔۔۔ تو اے رات کے اندھے اس اثر کو دیکھ لے

ہردم آسیب ست بر ادراک تو ۔۔۔ نبت نو نو رستہ بیں از خاک تو

تیرے احساس پر ہر وقت اثر ہے ۔۔۔ مٹی میں سے نئی گھاس کو اگا ہوا دیکھ لے

زیں بد ابراہیم ادہمؒ دید خواب ۔۔۔ بسط ہندوستان دل را بے حجاب

یہی ہوا (حضرت) ابراہیم ادہمؒ نے خواب دیکھا ۔۔۔ دل کے ہندوستان کی وسعت کا بغیر حجاب کے

لاجرم زنجیر ہا رابر درید	مملکت برہم زد و شد ناپدید
لامحالہ انہوں نے زنجیریں توڑ دیں	سلطنت کو چھوڑا اور گم ہو گئے
آں نشان دید ہندوستاں بود	کہ جہد از خواب و دیوانہ شود
یہ ہندوستان کے دیکھنے کی علامت ہوتی ہے	کہ وہ نیند سے اٹھے اور دیوانہ بن جائے
می فشاند خاک برتدبیر ہا	می دراند حلقہ و زنجیر ہا
تدبیروں پر خاک ڈال دیتا ہے	حلقے اور زنجیریں توڑ ڈالتا ہے
ترک گیرد ملک دنیا سربسر	جملگی برہم زند بے درد سر
دنیا کی سلطنت بالکل چھوڑ دیتا ہے	بغیر درد سر کے سب کو برباد کر دیتا ہے
آنچناں کہ گفت پیغمبرؐ زنور	کہ نشانش آں بود اندر صدور
جیسا کہ پیغمبرؐ نے نور کے بارے میں فرمایا ہے	کہ سینوں میں اس کی علامت یہ ہوتی ہے
کہ تجافی جوید از دارالغرور	ہم انابت آرد از دارالسرور
کہ وہ دنیا سے دور ہی چاہتا ہے	آخرت کی طرف رجوع بھی کرتا ہے
بہر شرح ایں حدیث مصطفیٰؐ	داستانے بشنو اے یار صفا
آنحضورؐ کی اس حدیث کی تشریح میں	اے مخلص یار! ایک قصہ سن لے

اب ہم دلالت جسم بر وجود روح کو تمہیں دوسری مثال سے سمجھاتے ہیں دیکھو شیر علم (جو کہ فقرا کے جھنڈوں پر بنا ہوتا ہے) اس کی حرکات ہوائے غیر محسوس کا پتہ دیتی ہیں۔ کیونکہ اگر ہوا کی حرکت نہ ہوتی تو بے جان شیر ہوا میں کیسے اچھلتا۔ پس اس سے تم ہوا کا وجود بھی جان لیتے ہو اور یہ بھی جان لیتے ہو کہ وہ ہوا پروا ہے یا پچھوا۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ یہ بدن بمنزلہ شیر علم کے ہے اور افکار مختصرہ بانسان اسے دمبدم حرکت دیتے ہیں پس اس کی حرکت دلیل وجود افکار ہوئی اور افکار دلیل روح انسانی ہوئی۔ کیونکہ مبدان کا روح ہے جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ جو فکر مشرق سے آتا ہے وہ صبا ہے اور جو مغرب سے آتا ہے وہ مہلک دبور ہے۔ جبکہ ہم نے افکار کے لئے مشرق و مغرب ثابت کی تو اب یہ بھی بتلا دینا ضرور ہے کہ اس ہوائے فکر کی مشرق وہ نہیں ہیں جو آفتاب حسی کی ہیں۔ بلکہ ان کی مشرق و مغرب عالم غیب سے تعلق رکھتی ہیں۔ (کیونکہ صبا کی مشرق قلب سلیم ہے اور دبور کی مغرب قلب سقیم۔ یا یوں کہو کہ مشرق سعادت ہے اور مغرب شقاوت یا یوں کہو کہ مشرق وحی ہے اور مغرب نفس وجسم۔ وھو ضیف بل باطل لانہ قال رضی اللہ عنہ "مغرب ایں باد فکرت زاں سرست" مجھے مشرق و مغرب باد فکر کی تعیین میں شرح صدر نہیں ہوا) جبکہ سلسلۂ گفتگو بیان مشرق و مغرب خیالا تک تک پہنچا تو اب مولانا

روح کی مشرق بیان فرماتے ہیں جو کہ مبدأ خیالات ہے اور فرماتے ہیں کہ آفتاب حسی کی مشرق تو جماد ہے۔ مگر روح جو کہ نہایت ہی عزیز ہے اس کی مشرق قلب ہے کیونکہ اس کا نور قلب میں ظاہر ہوتا ہے اور اس آفتاب باطن افروز یعنی روح کی تو شان نہایت ارفع ہے جو اس کی مشرق ہے یعنی قلب اس کا یہ آفتاب حسی عکس اور پوست ہے۔

فائدہ: شرق خورشیدے کہ الخ کی ترکیب میں دو احتمال ہیں۔ اول یہ کہ شرق الخ مبتدا ہو اور قشر الخ خبر اور ضمیر آں کا مرجع ہو شرق کی طرف جو شرق خورشیدے کی الی آخر البیت خبر مبتدا محذوف ہو اور تقدیر فواد شرق خورشیدے کہ الخ کی ترکیب میں دو احتمال ہیں۔ اول یہ کہ شرق الخ مبتدا ہو اور قشر الخ خبر اور ضمیر آں کا مرجع ہو شرق کی طرف یا شرق خورشیدے کی الی آخر البیت خبر مبتدا محذوف ہو اور تقدیر فواد شرق خورشیدے است کہ الخ یا بدل ہو۔ شرق یا فواد سے جو کہ بیت سابق میں واقع ہے ان تمام صورتوں میں قشر الخ صفت ثانیہ ہوگی خورشید کی وھذا التوجیہ الصق بالسیاق) مضمون سابق سے تفوق روح بر خورشید حسی مفہوم ہوا۔ سو وجہ اس کی یہ ہے کہ جب یہ جسم بے نور مردہ ہو جاتا ہے تو اس کو نیرات معلوم ہوتی ہے نہ دن۔ اس لئے اس کے حق میں ان کا وجود و عدم برابر ہوتا ہے۔ کیونکہ آفتاب و ماہتاب کا وجود اس حالت میں اس کے لئے کچھ مفید نہیں ہوتا۔ لیکن اگر آفتاب حسی نہ ہو اور خورشید باطن یعنی روح اپنے کمال نور کے ساتھ طالع ہو تو بدوں چاند سورج کے اس کے افعال منتظم ہوں گے۔ مثلاً خواب میں روح دیکھتی ہے حالانکہ وہاں سورج اور چاند کو کچھ دخل نہیں ہوتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ روح بدوں چاند اور سورج کے مفید ہے اور چاند اور سورج بدوں روح کے غیر مفید۔ پس تفوق ظاہر ہے۔

اب مولانا فرماتے ہیں کہ مشہور ہے النوم اخ الموت ۔ پس نیند کا حال تمہیں معلوم ہے کہ اس میں روح بدون آفتاب و ماہتاب حسی کے کام کرتی ہے۔ اسی سے تم سمجھ سکتے ہو کہ مرنے کے بعد بھی ان کے بدوں کام کرے گی۔ اس کے بعد مولانا ایک اشکال کو دفع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اگر لوگ تمہیں دھوکہ دیں اور کہیں کہ خواب میں اشیاء کو دیکھنا فرع ہے بیداری میں دیکھنے کی یعنی جو صورتیں بیداری میں معلوم ہوتی ہیں وہی خواب میں دکھائی دیتی ہیں۔ پس روح کا بدوں آفتاب و ماہتاب کے کام کرنا ثابت نہ ہوا تو تم ان کی اس تلبیس کو نہ سننا۔ کیونکہ خواب میں تم ان اشیاء کا بھی مشاہدہ کرتے ہو جن کو بیس برس کوشش کر کے بھی نہیں دیکھ سکتے اور ان کی غرابت کی وجہ سے تم اہل علم و کمال کے پاس برسوں دوڑتے ہو اور کہتے ہو کہ حضرت اس کی تعبیر بتلا دیجئے یہ تو نہایت ہی عجیب خواب ہے پس اس کو بیداری کے مشاہدہ کی فرع کہنا محض بکواس ہے یہ تو عوام کے خواب کی حالت ہے۔ رہا خواص کا خواب اس کا تو کہنا ہی کیا ہے وہ تو سراسر برگزیدگی اور اختصاص و تقرب حق ہوتا ہے اور اس میں اس کو وہ مخزونات اسرار معلوم ہوتے ہیں جن کا بیان نہیں ہو سکتا چونکہ اوپر خواص کے خواب کا ذکر آیا تھا اس لئے فرماتے ہیں کہ خوابہائے عالیہ دیکھنا اور عالم غیب و اسرار غیب کا مشاہدہ کرنا ہر شخص کا کام نہیں۔ بلکہ اس کے لئے پیل خصلت شخص ہونے کی ضرورت ہے اور ہاتھی ہونا چاہئے تاکہ جب وہ چت سوئے تو اسے خواب میں ہندوستان دکھلائی دے کیونکہ گدھا خواب میں ہندوستان نہیں دیکھتا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ ہندوستان سے غائب ہی نہیں ہوتا جو اسے ہندوستان یاد آئے اور اسے اس کا شوق ہو اور اس کی صورت اس کے ذہن میں اس طرح مرتسم ہو کہ سوتے میں وہ اسے دکھائی دے۔ یعنی عالم غیب کے مشاہدہ کے لئے ضرورت ہے اس کی کہ ہاتھی خصلت روح ہو۔ جو بیداری میں اپنے وطن اصلی یعنی عالم غیب کا دھیان رکھتی ہو تاکہ خواب میں اس پر عالم غیب منکشف ہو اور وہ اس کے اسرار کا مشاہدہ

کرے۔ورنہ جوروح خرخصلت ہےاور عالم غیب کو یادہی نہیں کرتی وہ اس کا مشاہدہ نہیں کرسکتی۔اب مولانا فرماتے ہیں کہ گوروح کا پیل خصلت بن جانا کوئی آسان کام نہیں کیونکہ ذکرالٰہی اور رجوع الی الحق جس سے روح پیل خصلت بن سکتی ہے ہر آوارہ اور شہدہ کا کام نہیں ہے۔لیکن تم ناامید نہ ہو اور ہاتھی بنو اور اگر خود ہاتھی نہ ہوسکو نہ سہی تم اپنے کو بدلنے کی کوشش کرتے رہو جو لوگ قلب ماہیت روح میں جس کو کیمیائے سعادت کہنا چاہئے مہارت تامہ رکھتے ہیں۔تم ان کو دیکھو اور ان صناعوں کی آواز سنو۔کیونکہ یہ نقاش جوف آسمان میں موجود ہیں۔اور ہمارے تمہارے کارساز ہیں۔یہ لوگ تمہاری قلب ماہیت کرکے تم کو ہاتھی یعنی پیل خصلت شخص بنادیں گے لیکن اگر تم ان مشکیں جیب مخلوق (اہل اللہ) کو نہیں دیکھ سکتے تو ان کے اس تصرف کو دیکھو کہ ان کی صحبت میں تمہارے ادراک پر ہر دم ایک نیا اثر ہوتا ہے اور تمہارے خیالات میں انقلاب عظیم واقع ہوتا ہے کہ تمہارے اندر نئے نئے دینی خیالات پیدا ہوتے ہیں۔کیونکہ اذا رؤا ذکر اللہ ان کی شان ہوتی ہے۔پس تم اس ذریعہ سے ان کو پہچانو۔خیر تو اب تم کو معلوم ہوا ہے کہ روح کو ہاتھی بنانے والا ذکر اللہ ہے اب سمجھو کہ اسی ذکر اللہ کے سبب ابراہیم بن ادہم ہاتھی بنے اور خواب میں انہوں نے فراخی دل کے ہندوستان یعنی عالم غیب کی فراخی و وسعت کو بے حجاب دیکھا۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زنجیروں کو توڑ ڈالا اور سلطنت کو تلپٹ کرکے غائب ہوگئے اس سے تم سمجھو کہ ہندوستان یعنی عالم غیب کے دیکھنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ خواب غفلت سے بیدار ہوکر دیوانہ ہوجاتا ہے اور تدابیر محضہ پر خاک ڈال کر توکل وتفویض جائز اختیار کرتا ہے اور سلاسل تعلقات دنیویہ کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا ہے اور اگر تمام دنیا کا بادشاہ بھی ہوتا ہے تو اس پر بھی لات مارتا ہے۔اور بے زحمت سب کو تلپٹ کردیتا ہے اس کی حالت ویسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نور کی حالت بیان فرمائی ہے کہ اس کی نشانی سینوں کے اندر یہ ہوتی ہے کہ دنیا سے بعد چاہتا ہے اور عالم بقا کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔اچھا اس حدیث کی تشریح کے لئے ایک قصہ سنو۔

حکایت آں بادشاہ زادہ کہ بادشاہی حقیقی بوے رونمود و یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ نقد وقت اوشدہ بادشاہی ایں خاک تودہ کہ کودک طبعاں قلعہ گیری نام کنند آں کودکے کہ خیرہ آید برسر خاک تودہ برآید ولاف زند کہ قلعہ مراست کودکان دیگر بروے رشک برند کہ التراب ربیع الصبیان آں بادشاہزادہ: چوں از قید رنگہا برست گفت من ایں خاکہای رنگیں راہماں تودۂ خاک دوں میگویم وزر واطلس واکسوں نمیگویم من ازیں اکسون رہزن رستم و بیک سو جستم و اتیناہ الحکم صبیاً ارشاد حق را مرور سالہا حاجت نیست در قدرت کن فیکون کس سخن قابلیت نگوید

اس شہزادے کی حکایت جس کو حقیقی بادشاہی نظر آ گئی "اور جس دن انسان بھاگے گا اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے" اس کے سامنے آ گیا اس خاک کے ڈھیر کی بادشاہی جس کو بچوں کی سی طبیعت والے قلعے فتح کرنا کہتے ہیں وہ بچہ جو غالب آ جائے مٹی کے ڈھیر پر چڑھتا ہے اور شیخی بگھارتا ہے کہ قلعہ میرا ہے دوسرے بچے اس پر رشک کرتے ہیں کیونکہ مٹی بچوں کا موسم بہار ہے وہ شہزادہ جب رنگوں کی قید سے چھوٹ گیا تو اس نے کہا کہ میں اس رنگ برنگ خاک کو وہی بے غنیمت مٹی کا ڈھیر کہتا ہوں'

اور سونا اور اطلس اور اکسوں نہیں کہتا ہوں میں "اس راہزن اکسوں سے نجات پا گیا اور ایک دم کود گیا اور ہم نے اسکو بچپن میں حکم عنایت کر دیا اللہ کی رہنمائی کیلئے سالوں کی ضرورت نہیں "ہو جا بس ہو گیا" والی قدرت میں کوئی شخص قابلیت کی بات نہیں کرتا ہے۔

بادشاہے داشت یک زیبا پسر	ظاہر و باطن مزین از ہنر
ایک بادشاہ کے ایک حسین لڑکا تھا	جس کا ظاہر اور باطن ہنر سے آراستہ تھا
خواب دید او کاں پسر ناگاہ بمرد	صافی عالم برآں شہ گشت درد
اس نے خواب دیکھا کہ اس کا لڑکا اچانک مر گیا ہے	اس بادشاہ پر صاف دنیا مکدر ہو گئی
خشک شد از تاب آتش مشک او	کہ نماند از تف آتش اشک او
آگ کی گرمی سے اس کی مشک (آنکھ) خشک ہو گئی	آگ کی سوزش سے اس کے آنسو نہ رہے
آنچناں پر شد ز دو دو درد شاہ	کہ تہی یابید دروے راہ آہ
بادشاہ درد کے دھوئیں سے ایسا پر ہو گیا	کہ اس میں آہ کو راستہ نہ ملتا تھا
خواست مردن قالبش بیکار شد	عمر ماندہ بود شہ بیدار شد
وہ مرنے لگا اس کا جسم بیکار ہو گیا	کچھ عمر باقی رہ گئی تھی، شاہ بیدار ہو گیا
شادیے آمد ز بیداریش پیش	کو ندیدہ بود اندر عمر خویش
بیداری سے اس میں ایسی خوشی پیدا ہوئی	کہ اس نے عمر بھر نہ دیکھی تھی
کہ ز شادی خواست ہم فانی شدن	پس مطوق آمد اینچناں با بدن
وہ خوشی سے مرنے کو تھا	(لیکن) یہ جان بدن سے لپٹی رہی
از دم غم می بمیرد ایں چراغ	وز دم شادی بمیرد اینت لاغ
یہ چراغ، غم کی پھونک سے بجھ جاتا ہے	اور خوشی کی پھونک سے (بھی) بجھتا ہی یہ کھیل ہے
درمیان ایں دو مرگ او زندہ است	ایں مطوق شکل جای خندہ است
وہ ان دو موتوں کے درمیان زندہ ہے	یہ طوق بنی ہوئی شکل ہنسنے کا مقام ہے
شاہ باخود گفت شادی را سبب	آنچناں غم بود از تسبیب رب
بادشاہ نے سوچا خوشی کا سبب	ایسا غم، اللہ (تعالیٰ) کے سبب بنانے سے تھا
ایں عجب یک جزو از یک روی مرگ	واں ز یک روی دگر احیا و برگ
یہ تعجب ہے، ایک جز ایک حیثیت سے موت ہے	وہی دوسری حیثیت سے زندہ کرنا اور سرسبزی ہے

آں یکے نسبت بداں حالت ہلاک	باز ہم از سوی دیگر امتساک
ایک کی نسبت سے وہ ہلاکت ہے	پھر دوسرے کی نسبت سے زندگی ہے
شادی تن سوی دنیاوی کمال	سوی روز عاقبت نقص و زوال
جسم کی خوشی دنیاوی اعتبار سے کمال ہے	آخرت کے دن کے اعتبار سے نقص اور زوال ہے
خندہ را در خواب ہم تعبیرداں	گریہ گوید با دریغ و اندہاں
خواب میں ہنسی کی تعبیر سمجھ لے	افسوس اور غم کے ساتھ رونا کہتا ہے
گریہ را در خواب شادی و فرح	ہست در تعبیر اے صاحب مرح
خواب میں رونے کی، خوشی اور مسرت	تعبیر ہے اے خوشی والے!
شاہ اندیشید کایں غم خود گذشت	لیک جاں از جنس ایں بدظن بگشت
شاہ نے سوچا کہ یہ غم گزر گیا	لیکن اس جیسی چیز سے جان بدگمان ہوگئی ہے
ور رسد خارے چنیں اندر قدم	گر رود گل، یادگارے بایدم
اور اگر ایسا کانٹا پاؤں میں چبھے	اگر پھول جاتا رہے، میرے لئے کوئی یادگار چاہیے
چشم زخمے زیں مبادا کہ شود	یادگارے بایدم گر او رود
خدا کرے اس قسم کا کوئی صدمہ نہ پہنچے	اگر وہ مر جائے تو میرے لئے کوئی یادگار چاہیے
چوں فنا راشد سبب بے منتہا	پس کدامیں راہ رابندیم ما
جبکہ موت کے بے انتہا سبب ہیں	تو ہم کونسے راستہ کو بند کریں گے؟
صد دریچہ و در سوی مرگ لدیغ	می کند اندر کشادن ژیغ ژیغ
ڈسنے والی موت کے لئے سینکڑوں کھڑکیاں اور در ہیں	جو کھولنے میں چوں چوں کرتے ہیں
ژیغ ژیغ تلخ آں درہای مرگ	نشنود گوش حریص از حرص برگ
موت کے دروازوں کی کڑوی چوں چوں	سازوسامان کے لالچ کی وجہ سے لالچی کا کان نہیں سنتا ہے
از سوی تن دردہا بانگ درست	وز سوی خصماں جفا بانگ درست
جسم کی جانب سے درد دروازے کی آواز ہیں	مخالفوں کی جانب سے، ظلم دروازے کی آواز ہے
ہیں بروبرخواں کتاب طب را	تا شمار ریگ بینی رنجہا
خبردار جا طب کی کتاب پڑھ	تاکہ تو ریت کی شمار کے امراض دیکھے

اے پسر برخواں دمے فہرست طب	نار علتہا نظر کن ملتہب
اے بیٹا! تھوڑی دیر کے لئے طب کی فہرست پڑھ لے	بیماریوں کی آگ کو شعلہ زن دیکھ
زاں ہمہ بر من دریں خانہ رہ است	ہر دو گامے پر ز کژ دمہا چہ است
اس گھر میں ان سب کا میری جانب راستہ ہے	ہر دو قدم پر بچھوؤں سے بھرا ہوا کنواں ہے
باد تندست و چراغم ابترے	زو بگیرانم چراغ دیگرے
ہوا تیز ہے اور میرا چراغ ناقص ہے	میں اس سے ایک دوسرا چراغ حاصل کر لوں
تا بود کز ہر دو یک وافی شود	گر بباد آں یک چراغ از جا رود
تاکہ دونوں میں سے ایک باقی رہے	اگر ہوا سے ایک چراغ بجھ جائے
ہمچو عارف کز تن ناقص چراغ	شمع دل افروخت از بہر فراغ
جیسا کہ عارف (باللہ) نے جسم کے ناقص چراغ سے	فراغت کے لئے دل کی شمع روشن کر لی ہے
تا کہ روزے کایں بمیرد ناگہاں	پیش چشم خود نہد او شمع جاں
تاکہ اگر یہ کسی دن اچانک مر جائے	وہ اپنے سامنے روح کی شمع رکھ لے
او نکرد ایں فہم پس داد از غرر	شمع فانی را بفانی دگر
وہ یہ نہ سمجھا اس نے دھوکے سے دیدیا	فنا ہونے والی شمع کو دوسری فنا ہونے والی کے بدلے میں
چارہ اندیشید لیکن چارہ نے	گفت باخود نیست بیروں رفتنے
اس نے تدبیر سوچی لیکن تدبیر نہیں ہے	خودی والے کی گفتگو باہر نکلنے کی نہیں ہے

ایک بادشاہ کے ایک نہایت حسین لڑکا تھا جس کا ظاہر و باطن کمال سے لبریز تھا۔ ایک روز اس بادشاہ نے خواب دیکھا کہ شہزادہ دفعۃً مر گیا۔ یہ دیکھ کر یہ صاف عالم اس کی نظر میں مکدر ہو گیا۔ اور آتش غم کی گرمی سے اس کی آنکھیں خشک ہو گئیں۔ یعنی اس گرمی کے سبب اس کی آنکھوں میں سے آنسو خشک ہو گئے اور یہ حالت ہو گئی کہ وہ رونا چاہتا تھا مگر آنسو نہ نکلتے تھے اور درد و غم سے وہ بادشاہ یوں پر ہو گیا کہ آہ کے نکلنے کو راستہ نہ رہا اس کا جسم معطل ہو گیا اور وہ مرنے کو ہو گیا۔ لیکن ابھی عمر باقی تھی اس لئے آنکھ کھل گئی جب وہ بیدار ہوا اور اپنے بچہ کو صحیح و سالم دیکھا تو اسے اتنی خوشی ہوئی کہ عمر بھر میں کبھی نہ ہوئی تھی۔ یعنی مارے خوشی کے مرنے کو ہو گیا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہ جسم تو روح کے لئے طوق یعنی وبال جان ہو گیا کہ اس بے چاری کو کسی حالت میں بھی چین نہیں کیونکہ یہ چراغ خوشی کی پھونک سے بھی گل ہو جاتا ہے اور رنج کی پھونک سے بھی یہ عجیب دل لگی ہے اور دونوں میں گھر کر زندہ ہے اس گھیرے دار شکل پر اور بھی ہنسی آتی ہے خیر یہ تو ہو چکا اب سنو کہ بادشاہ نے اپنے دل میں کہا کہ حق سبحانہ کی بھی عجیب قدرت ہے کہ اس نے غم کو جو موت کے سبب خواب میں ہوا تھا اس خوشی کا سبب بنا دیا جو

بیداری کے بعد ہوئی اور وہ اس کا سبب ہو گیا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک ہی شئے ایک جہت سے موجب فنا ہے اور دوسری جہت سے موجب زندگی کیونکہ وہ غم خواب حالاً موجب موت تھا اور مآلاً سبب حیات ہو گیا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہی حالت فرحت نفسانی کی ہے کہ دنیاوی لحاظ سے موجب کمال ہے اور آخرت کے اعتبار سے موجب نقصان و زوال۔ اور یہ کچھ بعید نہیں کہ دنیا خواب ہے۔ اور خواب کی ہنسی کی تعبیر معبرین نہایت رنج اور افسوس کے ساتھ رونا دیتے ہیں اور اس کے برعکس غم نفسانی کی یہ حالت ہے کہ وہ دنیاوی لحاظ سے نقصان ہوتا ہے اور اخروی اعتبار سے کمال۔ چنانچہ معبرین گریہ خواب کی تعبیر خوشی دیتے ہیں۔ خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سنو کہ بادشاہ نے سوچا کہ یہ واقعہ تو ہو چکا۔ لیکن اس واقعہ سے میرا دل بدظن ہو گیا اور خیال ہوتا ہے کہ اگر ایسا کانٹا کبھی پاؤں میں چبھ جائے اور میرا پھول ضائع ہو جاوے تو کیا بعید ہے اس لئے مجھے کوئی یادگار ضرور چاہئے۔ خدا نہ کرے کہ میری آنکھ اس خار سے زخمی ہو مگر یادگار کوئی حاصل ضرور کر لینی چاہئے۔ کیونکہ موت کے اسباب تو بے حد ہیں پھر ہم کس کس راستہ کو بند کریں گے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ ڈنک مارنے والی موت کے سینکڑوں دروازے اور کھڑکیاں ہیں جو کہ کھولنے میں چوں چوں بولتی ہیں لیکن جو لوگ حریص ساز و سامان دنیا ہیں وہ اپنے حرص کی وجہ سے اس چوں چوں کو سن نہیں سکتے۔ تم جانتے ہو کہ وہ چوں چوں کیا ہے۔ جہت جسم سے تو تکالیف جسمانیہ وہ چوں چوں ہیں اور دشمنوں کی جانب سے ظلم چوں چوں ہے۔ اب اگر تمہیں جسمانی چوں چوں کی مقدار دیکھنی ہو تو جا کر کتب طبیہ کو پڑھو۔ اس سے تم کو اتنی بیماریاں معلوم ہوں گی جتنے ریت کے ذرے (مراد محض کثرت ہے) دیکھو تم کتب طبیہ میں بیماریوں کی فہرست پڑھو اور دیکھو کتنی بیماریوں کی آگ مشتعل ہے اور یاد رکھو کہ ان تمام امراض سے موت کے لئے آدمی تک پہنچنے کا خانہ تن میں راستہ ہے اور ہر دو قدم پر بچھوؤں سے لبالب کنواں ہے۔ یہاں تک اس مضمون کو ختم کر کے پھر مقولہ شاہ کی طرف عود کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بادشاہ نے کہا کہ آندھی تیز ہے یعنی حوادث بکثرت ہیں اور میرا چراغ (بیٹا) ہنوز منقطع النسل ہے اس لئے چاہئے کہ میں اس سے ایک اور چراغ روشن کر لوں۔ تا کہ اگر صرصر حوادث سے یہ چراغ گل ہو جاوے تو دونوں چراغوں میں سے ایک چراغ کافی ہو۔ اس بادشاہ کی یہ تدبیر ایسی ہی تھی جیسے عارف کی کہ اپنے تن ناقص اور فانی چراغ سے اپنی طمانیت اور دلجمعی کے لئے شمع دل روشن کر لیتا ہے تا کہ اگر یہ اچانک مر جاوے تو وہ شمع جان اپنے سامنے رکھ لے۔ لیکن اس نے یہ نکتہ نہیں سمجھا اور ایک فانی کو دوسرے فانی کے معاوضہ میں بیچ ڈالا اور بیٹے کے بدلہ میں پوتے کے رکھنے کی تدبیر جو کہ خود بھی فانی ہے اس لئے اس نے تدبیر تو سوچی لیکن جو تدبیر اس نے سوچی وہ تدبیر نہ تھی اور ہوتی کیونکر اس لئے کہ وہ خودی میں مبتلا تھا اور جو خودی میں مبتلا ہو اس کا یہاں پیچ سے نکلنے کا ذریعہ نہیں ہو سکتا۔

عروس خواستن بادشاہ از بہر پسر از خوف انقطاع نسل

نسل کے منقطع ہونے کے ڈر سے بادشاہ کا اپنے لڑکے کے لئے دلہن کا چاہنا

پس عروسے خواست باید بہر او	تا بماند زیں تزوج نسل او
اس کے لئے ایک دلہن تلاش کرنی چاہیے	تا کہ اس نکاح سے اس کی نسل باقی رہے

گر رود سوی فنا ایں باز باز	فرخ او گردد زبعد باز باز
اگر یہ باز فنا کی جانب چلا جائے پھر	اس کا بچہ باز کے بعد باز بن جائے
صورت ایں باز گرزینجا رود	معنی او در ولد باقی بود
اس باز کی صورت اگر اس جگہ سے چلی جائے	اس کی معنویت بچہ میں باقی رہے
بہرایں فرمود آں شاہ نبیہ	مصطفیٰ کہ الولد سرابیہ
اسی لئے فرمایا ہے اس شریف شاہ	مصطفیٰ نے کہ بچہ باپ کا راز ہے
بہرایں معنیٰ ہمہ خلق از شغف	می بیاموزند طفلاں را حرف
اسی لئے تمام لوگ شوق سے	بچوں کو ہنر سکھاتے ہیں
تا بماند آں معانی در جہاں	چوں شود آں قالب ایشاں نہاں
تاکہ دنیا میں وہ خوبیاں باقی رہیں	جب ان کا جسم چھپ جائے
حق بحکمت حرص شاں دادست وجد	بہر رشد ہر صغیر مستعد
اللہ (تعالیٰ) نے دانائی سے ان کو حرص اور کوشش عطا کر دی ہے	ہر صاحب استعداد بچے کی رہنمائی کے لئے
من ہم از بہر دوام نسل خویش	جفت خواہم پور خود را خوب کیش
میں بھی اپنی نسل کی ہمیشگی کے لئے	اپنے لڑکے کے لئے خوبصورت بیوی لاؤں گا
دخترے خواہم زنسل صالحے	نے زنسل بادشاہے طالحے
کسی نیک کی نسل کی لڑکی چاہوں گا	نہ کسی بدمعاش بادشاہ کی نسل کی
شاہ خود آں صالح ست آزاد اوست	نے اسیر حرص فرج ست وگلوست
بادشاہ وہ ہے جو نیک اور آزاد ہے	نہ وہ جو شرمگاہ اور حلق کی حرص کا قیدی ہے
مر اسیراں را لقب کردند شاہ	عکس چوں کافور نام آں سیاہ
لوگوں نے قیدی کو شاہ کا لقب دیا ہے	بالعکس، جیسا کہ حبشی کا نام کافور
شد مفازہ بادیہ خونخوارہ نام	نیک بخت آں پیس را گویند عام
خونخوار جنگل کا نام مفازہ بنا	کوڑھی کو عوام نیک بخت کہتے ہیں
ہر اسیر شہوت و حرص و امل	برنوشتہ میر یا صدر اجل
ہر شہوت اور لالچ اور آرزو کے قیدی کو	میر یا بڑا صدر لکھا ہے

آں اسیران اجل را عام داد	نام میران اجل اندر بلاد
ان موت کے قیدیوں کو عوام نے دیدیا ہے	شہروں میں بڑے حاکموں کا نام
صدر خوانندش کہ در صف نعال	جان او بستہ است یعنی جاہ و مال
اس کو صدر کہتے ہیں جس کے جوتوں کی صف میں	جان بندھی ہے یعنی جاہ و مال میں

خیر تو بادشاہ نے یہ تجویز کی کہ اس کے لئے کوئی دلہن تلاش کرنی چاہئے تاکہ اس شادی سے اس کی نسل باقی رہے اور اگر یہ باز (شہزادہ) مر بھی جائے تو اس کا بچہ اس کی جگہ باز ہو اور اگر اس باز کی صورت دنیا سے اٹھ جائے تو بچہ کے ضمن میں اس کے معنے باقی رہیں۔اب مولانا فرماتے ہیں کہ اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ الولد سر لابیہ اور اسی لئے لوگ فرط شوق سے بچوں کو پیشہ سکھاتے ہیں تاکہ جب ان کی صورت تتم عدم میں مخفی ہو جاوے تو وہ کمال ان کا دنیا میں باقی رہے اور یہ حرص حق سبحانہ نے ان کو اپنی حکمت سے اس لئے دی ہے کہ قابلیت رکھنے والے بچے ٹھیک ہو جاویں کیونکہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو لوگ تعلیم میں نہایت بخل کرتے اور ہرگز اسے گوارا نہ کرتے کہ مشقت اٹھا کر اس کمال میں اپنا شریک تیار کریں۔ خیر تو یہ سوچ کر بادشاہ نے کہا کہ میں بھی اپنی نسل کے بقا کے لئے کوئی نیک سیرت بیوی تلاش کروں گا اور لڑکی کسی بزرگ کی اولاد سے لوں گا نہ کہ کسی بدکار بادشاہ کی نسل سے۔اب مولانا فرماتے ہیں کہ بادشاہ اور آزاد تو بزرگ ہے نہ کہ وہ جو خواہشات نفسانیہ مثل شہوت اور اکل و شرب کا پابند ہو لوگوں نے برعکس نہند نام زنگی کافور قیدیوں کا نام بادشاہ رکھ لیا ہے جیسا کہ خونخوار جنگل کا نام مفازہ یعنی مقام کامیابی وحصول مراد ہو گیا ہے۔یا بدبخت دینار کا نام خوش نصیب اور صاحب اقبال رکھ لیا گیا ہے۔ اسی طرح شہوت و حرص و مال کے پابند کو امیر یا صدر اعظم لکھتے ہیں اور ان موت کے قیدیوں کو عوام نے امیراں اعظم لقب دیا ہے اور اسے صدر انجمن کہتے ہیں جس کی جان جوتیوں کی صف یعنی جاہ و مال میں محبوس ہے۔

اختیار کردن پادشاہ دختر زاہد را از جہت پسر و اعتراض کردن اہل بیت و ننگ داشتن ایشاں از پیوند درویشاں

بادشاہ کا لڑکے کے لئے ایک زاہد کی لڑکی کو منتخب کرنا اور گھر والوں کا اعتراض کرنا اور درویشوں کے ساتھ رشتے سے ذلت محسوس کرنا

ایں سخن را نیست پایاں خواست جفت	بہر پور خویشتن شاہ از نہفت
اس بات کا خاتمہ نہیں ہے بیوی مانگ لی	بادشاہ نے چپکے چپکے اپنے لڑکے کیلئے
شاہ چوں با زاہدے خویشی گزید	ایں خبر در گوش خاتوناں رسید
بادشاہ نے جب ایک زاہد کے یہاں رشتہ پسند کیا	یہ خبر عورتوں کے کان میں پہنچی

مادر شہزادہ گفت از نقص عقل	شرط کفویت بود در عقل و نقل
عقل کی کمی کی وجہ سے شہزادے کی ماں نے کہا	عقل اور نقل میں جوڑ شرط ہے
تو زشح و بخل خواہی وزدہا	تا بہ بندی پور مارا بر گدا
تو کنجوسی اور بخل اور مکاری سے چاہتا ہے	کہ میرے بیٹے کو فقیر کے ساتھ باندھ دے
گفت صالح را گدا گفتن خطاست	کو غنی القلب ازداد خداست
اس نے کہا نیک شخص کو فقیر کہنا غلطی ہے	کیونکہ وہ خدا کی دین سے، دل کا مالدار ہے
در قناعت میگریزد از تقی	نز لئیمی و کسل ہمچوں گدا
پرہیز گاری کی وجہ سے وہ قناعت اختیار کرتا ہے	نہ کہ فقیر کی طرح کاہلی اور کمینہ پن سے
قلتے کاں از قناعت وز تقاست	آں ز فقر و قلت دوناں جداست
وہ کمی جو قناعت اور پرہیز گاری کی وجہ سے ہے	وہ کمینوں کی کمی اور فقر سے جداگانہ ہے
حبہ آں گر بیابد سر نہد	ویں ز گنج زر بہمت مے جہد
وہ اگر ایک حبہ بھی پاتا ہے سر جھکا دیتا ہے	یہ سونے کے خزانے سے ہمت کی وجہ سے بھاگتا ہے
شہ کہ او از حرص قصد بر حرام	میکند او را گدا گوید ہمام
وہ بادشاہ جو حرص کی وجہ سے حرام کا ارادہ	کرتا ہے، اس کو بڑا انسان فقیر کہتا ہے
گفت کو شہر و قلاع او راجہیز	یا نثار گوہر و دینار ریز
اس نے کہا شہر اور قلعے اس کے پاس جہیز میں دینے کو کہاں؟	یا نچھاور کرنے اور بکھیرنے کے لئے موتی اور دینار (کہاں ہیں)
گفت رو ہر کو غم دیں برگزید	باقی غمہا خدا ازوے برید
اس نے کہا، جا جس نے دین کا غم اختیار کر لیا	باقی غموں کو خدا نے اس سے جدا کر دیا ہے
غالب آمد شاہ و پسندید دخترے	از نژاد صالحے خوش جوہرے
بادشاہ غالب آ گیا اور اس نے ایک لڑکی پسند کر لی	عمدہ مزاج والے ایک نیک شخص کی نسل سے
در ملاحت خود نظیر خود نداشت	چہرہ اش تاباں تر از خورشید چاشت
حسن میں وہ اپنا ثانی نہ رکھتی تھی	چار گھڑی دن کے سورج سے زیادہ روشن چہرے والی
حسن دختر ایں خصالش آنچناں	کز نکوئی می نگنجد در بیاں
لڑکی کا حسن (اور) اس کی یہ خصلتیں ایسی تھیں	کہ خوبی کی وجہ سے بیان نہیں ہو سکتی ہیں

صید دیں کن تا رسد اندر تبع	حسن و مال و جاہ و بخت منتفع
دین کا شکار کر تاکہ تابع بن کر آئے	حسن اور مال اور رتبہ اور نفع کے قابل نصیبہ
آخرت قطار اشترداں عمو	در تبع دنیاش ہمچوں پشک و مو
اے چچا! آخرت کو اونٹ کی قطار سمجھ	اس کے پیچھے دنیا کو مینگنی اور بال (سمجھ)
پشم بگزینی شتر نبود ترا	ور بود اشتر چہ قیمت پشم را
اگر تو اون پسند کریگا' اونٹ تیرے نہ ہوں گے	اور اگر اونٹ ہیں تو اون کی کیا قیمت؟

خیر یہ گفتگو تو ختم نہ ہوگی اب تم قصہ سنو بادشاہ نے شہزادہ کا خفیہ ہی خفیہ ایک بزرگ کے یہاں رشتہ کر دیا جبکہ بادشاہ نے ایک فقیر رشتہ داری قائم کرلی تو یہ خبر شدہ شدہ بیگموں کے کانوں میں پہنچی شہزادہ کی ماں نے نقصان عقل کے سبب بادشاہ سے کہا کہ کفویت عقلاً بھی شرط ہے اور نقلاً بھی لیکن تم اپنی کنجوسی اور بخل اور سیانے پن سے چاہتے ہو کہ میرے بچہ کو ایک گدا کے سر منڈھ دو۔اس پر بادشاہ نے کہا کہ ایسا نہ کہو ایک بزرگ شخص کو گدا کہنا غلطی کی بات ہے۔ کیونکہ وہ تو بخشش حق سبحانہ کی وجہ سے غنی القلب ہوتا ہے اور وہ پرہیز گاری کے سبب قناعت اختیار کرتا ہے نہ کہ گداؤں کی طرح قناعت و دنائت طمع اور کاہلی سے اور جو مال کی کمی قناعت اور تقویٰ کے سبب ہے وہ کمینوں کے فقر اور قناعت سے جداگانہ ہے کیونکہ ایک منشا تقویٰ ہے اور دوسرے کا کسل اور دنائت ۔اسی لئے گدا کو اگر ایک حبہ بھی مل جاتا ہے تو وہ دینے والے کو سجدہ کرتا ہے اور صالح اپنی عالی ہمتی سے خزانہ پر لات مار کر الگ ہو جاتا ہے اور بادشاہ جو کہ حرص کے سبب کسی حرام مال کو نہیں چھوڑتا عالی حوصلہ اشخاص اس کو بھی گدائی کہتے ہیں ۔اس پر بیوی نے کہا کہ اس کے پاس کون سے شہر اور قلعے ہیں جو وہ لڑکی کو جہیز میں دے گا اور کون سے موتی اور اشرفیاں ہیں جن کو شادی کے وقت نچھاور کرے گا اور بکھیرے گا۔اس پر بادشاہ نے کہا جاؤ بھی جس نے غم دین اختیار کر لیا حق سبحانہ اس سے تمام افکار کو چھڑا دیتے ہیں اور چونکہ مجھے دین کی فکر ہے اس لئے مجھے نہ دولت کی جستجو ہے نہ جاہ کی ۔الغرض بادشاہ غالب رہا اور اس نے اس بزرگ اور شریف آدمی کی لڑکی لے لی یہ لڑکی نمکینی میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی اور اس کا چہرہ حسن کے سبب شمس الضحیٰ سے زیادہ روشن تھا۔غرض کہ اس لڑکی کے حسن کی تو یہ حالت تھی اور خصائل حمیدہ ایسے تھے کہ ان کی خوبی بیان سے باہر ہے۔اب مولانا فرماتے ہیں کہ دین حاصل کرنا چاہئے تاکہ حسن اور مال اور جاہ اور خوش اقبالی جس سے نفع اٹھاؤ اس کے تابع ہو کر حاصل ہو جاویں اور آخرت کو ایسا سمجھو جیسے اونٹوں کی قطار۔اور دنیا اس کے پیچھے ایسی ہے جیسے مینگنیاں اور بال۔پس اگر تم ان کو لے لو تو اونٹ تمہیں نہ ملیں گے۔اور اگر اونٹ لے لو تو پھر ان کی کچھ بھی وقعت نہیں۔

جادوئی کردن کمپیر کابلی شاہزادہ را و فریفتہ شدن شاہزادہ

ایک کابلی بڑھیا کا شہزادے پر جادو کر دینا اور شہزادے کا عاشق ہو جانا

چوں بر آمد ایں نکاح آں شاہ را	بانژاد صالحان و اولیا
جب اس شہزادے کا نکاح ہو گیا	نیکوں اور ولیوں کی نسل سے

از قضا کمپیرک جادو کہ بود	عاشق شہزادہ با حسن وجود
قضائے (خداوندی) سے جادو گرنی بڑھیا جو کہ تھی	حسین شہزادے پر عاشق
جادوئی کردش عجوز کابلی	کہ برد زاں رشک سحر بابلی
اس پر کابلی بڑھیا نے ایسا جادو کر دیا	کہ (چاہ) بابل کا جادو (بھی) اس پر رشک کرے
شہ بچہ شد عاشق کمپیر زشت	تا عروس و آں عروسی را بہشت
شہزادہ بدصورت بڑھیا پر عاشق ہوگیا	یہاں تک کہ اس نے دلہن اور شادی سے کنارہ کر لیا
یک سیہ دیوے و کابولی زنے	گشت بر شہزادہ ناگہ رہزنے
ایک کالا بھوت اور کابلی عورت	اچانک شہزادے کی ڈاکو بن گئی
زاں سیہ روئے خبیث نابکار	گشت آں شہزادہ مدہوش و نزار
اس کلموہی، خبیث نابکار کی وجہ سے	شہزادہ مدہوش اور لاغر ہو گیا
آں نود سالہ عجوز گندہ پیر	نے خرد ہشت آں ملک را نے ضمیر
اس نوے سالہ بڑھیا کھوسٹ نے	اس شہزادے کی نہ عقل چھوڑی، نہ دل
تا بسالے بود شہزادہ اسیر	بوسہ جایش نعل کفش گندہ پیر
یہاں تک کہ شہزادہ ایک سال قیدی رہا	بڑھیا کی جوتی کا تلا اس کی بوسہ گاہ تھی
صحبت کمپیر او رامی ربود	تا زکاہش نیم جانے ماندہ بود
بڑھیا کی صحبت اس کو تباہ کر رہی تھی	یہاں تک کہ گھٹاؤ کی وجہ سے آدھی جان رہ گئی تھی
دیگراں از ضعف وے بر درد سر	او ز سکر سحر از خود بے خبر
دوسرے اس کی کمزوری سے درد سر میں تھے	وہ جادو کے نشہ سے اپنے آپ سے غافل تھا
ایں جہاں بر شاہ چوں زنداں شدہ	ویں پسر بر گریہ شاں خنداں شدہ
بادشاہ پر یہ دنیا قید خانہ کی طرح ہو گئی تھی	یہ لڑکا ان کے رونے پر ہنستا تھا
شاہ بس بیچارہ شد در برد و مات	روز و شب می کرد قربان و زکات
اس بازی میں بادشاہ لاچار ہو گیا	دن رات قربانی اور خیرات کرتا تھا
زانکہ ہر چارہ کہ می کرد آں پدر	عشق کمپیرک ہمی شد بیشتر
باپ جس قدر بھی تدبیر کرتا تھا	بڑھیا کا عشق بڑھتا تھا

پس یقیں گشتش کہ مطلق آں پیست سر	چارہ او را بعد ازیں لابہ گریست
تو اس کو یقین ہو گیا کہ (یہ) مطلقاً اس (اللہ) کی جانب سے ہے	اس کے بعد اس کی تدبیر (اللہ کے سامنے) خوشامد ہے
سجدہ می کرد او کہ ہم فرماں تراست	غیر حق بر ملک حق فرماں کراست
وہ سجدے کرتا کہ تیرا ہی حکم ہے	اللہ (تعالیٰ) کی سلطنت میں اللہ (تعالیٰ) کے علاوہ کس کا حکم ہے؟
لیکن ایں مسکیں ہمی سوزد چو عود	دست گیرش اے رحیم واے ودود
لیکن یہ مسکین اگر کی طرح جل رہا ہے	اے رحم کرنے والے! اے محبوب! اس کی دستگیری کر

جب شہزادہ کا عقد دختر صلحا و اولیا کے ساتھ ہو گیا تو اتفاق یہ ہوا کہ ایک بڑھیا جادوگرنی جو اس حسین شہزادہ پر عاشق تھی اس نے اس پر ایسا سخت جادو کیا کہ سحر بابل بھی جس پر رشک کرے۔ اس کے ایسا کرنے سے شہزادہ اس بدصورت بڑھیا پر عاشق ہو گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے دلہن اور شادی سب کو بالائے طاق رکھ دیا۔ غضب ہے کہ ایک کالی دیونی اور کابلی عورت نے شہزادہ کا راہ مار دیا۔ اور اس سیہ رو خبیث اور نابکار کے سبب شہزادہ مدہوش اور نزار ہو گیا۔ اور اس نوے برس کی بڑھیا نے شہزادہ کی عقل چھوڑی نہ دل بلکہ دونوں اڑا لے گئی۔ القصہ شہزادہ ایک سال تک اس کے پھندے میں پھنسا رہا اور حالت یہ تھی کہ اس کی جوتیاں چوستا تھا اور اس بڑھیا کی محبت اسے فنا کر رہی تھی۔ یہاں تک کہ گھٹتے گھٹتے نیم جان ہو گیا تھا۔ دوسرے لوگوں کو تو اس کے ضعف سے تکلیف تھی مگر اس کو جادو کے نشہ سے اپنی بھی خبر نہ تھی۔ یہ حالت دیکھ کر بادشاہ پر دنیا جیل خانہ ہو گئی تھی اور شہزادہ کو اس کے رونے پر ہنسی آتی تھی۔ بادشاہ اس بردومات میں بہت زچ ہو گیا تھا اور رات دن شہزادہ کی خلاصی کے لئے قربانیاں کیا کرتا تھا اور صدقے دیا کرتا تھا اور وجہ یہ تھی کہ وہ جو تدبیر عشق کے دور کرنے کی کرتا تھا اس سے شہزادہ کا عشق اس بڑھیا پر اور بڑھتا تھا۔ بالآخر اسے یقین ہو گیا کہ یہ محض خدا کی طرف سے ہے اور اس کا علاج بجز اس کے کچھ نہیں کہ حق سبحانہ کی درگاہ میں دعا کی جاوے جب وہ یہ سمجھ گیا تو وہ سجدہ میں پڑ کر کہتا تھا کہ آپ حاکم ہیں اور آپ کے سوا آپ کے ملک میں کس کا حکم چل سکتا ہے لیکن یہ خاکسار عود کی طرح جلتا ہے۔ پس اے رحیم اور اے ودود آپ اس بیچارہ کی دستگیری فرمائیے۔

مستجاب شدن دعای بادشاہ در خلاص پسر از جادوئی کابلی

کابلی کی جادوگری سے چھٹکارے کے بارے میں بادشاہ کی دعا قبول ہونا

تا ز یارب یارب و افغان شاہ	ساحرے استاد پیش آمد زراہ
یہاں تک کہ بادشاہ کی یارب یارب اور فریاد کی وجہ سے	ایک استاد جادوگر سفر سے سامنے آ گیا
او شنیدہ بود از دور ایں خبر	کہ اسیر پیرہ زن شد آں پسر
اس نے دور سے یہ بات سنی تھی	کہ وہ لڑکا بڑھیا کا قیدی بن گیا ہے

کاں عجوزہ بود اندر جادوئی	بے نظیر و ایمن از مثل و دوئی
کیونکہ وہ بڑھیا جادوگری میں	بے نظیر اور مثل اور دوئی سے مطمئن تھی
دست بر بالای دستست اے فتیٰ	در فن و درز و رتا ذات خدا
اے نوجوان! ہاتھ سے بڑھ کر ہاتھ ہے	ہنر اور طاقت میں اللہ (تعالیٰ) کی ذات تک
منتہای دستہا دست خداست	بحر بیشک منتہای جو یہاست
تمام ہاتھوں کا آخر خدا کا ہاتھ ہے	یقینا دریاؤں کا آخر سمندر ہے
ہم ازو گیرند مایہ ابرہا	ہم بدو باشد نہایت سیل را
ابر اسی سے سرمایہ حاصل کرتے ہیں	اسی پر سیلاب کی انتہا ہوتی ہے
گفت شاہش کایں پسر از دست رفت	گفت اینک آمدم درمان زفت
بادشاہ نے اس سے کہا یہ لڑکا ہاتھ سے گیا	اس نے کہا اب میں زبردست علاج آ گیا ہوں
نیست ہمتا زال را ایں ساحراں	جز من داہی رسیدہ زاں کراں
ان جادوگروں میں کوئی بڑھیا جیسا نہیں ہے	سوائے مجھ ہوشیار کے جو اس جانب سے آ گیا ہے
چوں کف موسیٰ بہ امر کردگار	نک برآرم من زسحر او دمار
اللہ (تعالیٰ) کے حکم سے (حضرت) موسیٰ کے ہاتھ کی طرح	اب میں اس کے جادو کی تباہی مچا دوں گا
کہ مرا ایں علم آمد زاں طرف	نے زشاگردی سحر مستخف
کیونکہ میرا یہ علم اس (اللہ تعالیٰ) کی طرف سے آیا ہے	ذلیل جادو کی شاگردی سے نہیں ہے
آمدم تا بر کشایم سحر او	تا نماند شاہزادہ زرد رو
میں آیا ہوں تاکہ اس کا جادو کھول دوں	تاکہ شہزادہ پیلے چہرے کا نہ رہے
سوئے گورستاں برو وقت سحور	پہلوی دیوار ہست اسپید گور
صبح کے وقت قبرستان کی جانب جا	ایک دیوار کے پہلو میں سفید قبر ہے
سوی قبلہ باز کاو آں جای را	تا بہ بینی قدرت و صنع خدا
اس جگہ کو قبلہ کی جانب کھود	تاکہ تو خدا کی قدرت اور کاریگری دیکھے
پس دراز ست ایں حکایت تو ملول	زبدہ را گویم رہا کردم فضول
یہ قصہ لمبا ہے (اور) تو درماندہ ہے	خلاصہ بتاتا ہوں، زاید کو چھوڑتا ہوں

سوی گورستان رفت آں شاہ زود	گور را آں شاہ آں دم برکشود
وہ بادشاہ فوراً قبرستان کی جانب گیا	بادشاہ نے فوراً قبر کو کھولا
جادو یہادید پنہاں اندرو	صد گرہ بربستہ بریک تارمو
بڑا جادو اس میں دبا ہوا دیکھا	ایک بال پر سینکڑوں گرہیں لگی ہوئی تھیں
واں گرہ ہای گراں رابر کشاد	پس زحت پورشہ را راہ داد
اس (جادوگر) نے ان مضبوط گرہوں کو کھولا	شہزادہ کو مصیبت سے نجات دی
آں پسر باخویش آمد شد دواں	سوی تخت شاہ باصد امتحاں
وہ شہزادہ ہوش میں آ گیا (اور) دوڑا	بہت محنت سے بادشاہ کے تخت کی جانب
سجدہ کرد و برزمیں می زد ذقن	در بغل کردہ پسر تیغ و کفن
سجدہ کیا اور زمین پر ٹھوڑی رگڑی	لڑکے نے بغل میں تلوار اور کفن لئے ہوئے
شاہ آئیں بست و اہل شہر شاد	واں عروس ناامید و بے مراد
شاہ نے جشن منایا اور شہر والے خوش ہو گئے	اور وہ مایوس اور نامراد دلہن
عالم از سر زندہ گشت و بافروز	اے عجب آں روز رز و امروز روز
دنیا از سر نو زندہ اور پررونق ہو گئی	تعجب ہے وہ بھی ایک دن تھا اور آج بھی ایک دن ہے
یک عروسی کرد شاہ او را چناں	کہ جلاب و قند بد پیش سگاں
بادشاہ نے اس کی شادی کی دعوت ایسی کی	کہ گلاب اور شکر کتوں کے سامنے تھا
جادوی کمپیر از غصہ بمرد	روی و خوی زشت با مالک سپرد
جادو گرنی بڑھیا رنج سے مر گئی	چہرہ اور بری عادت مالک کے سپرد کر دی
شاہ آئیں بست و آمد در نیاز	راز گفتے باخدای کار ساز
شاہ نے جشن منایا اور نیاز مندی اختیار کی	خدائے کارساز سے دل کی بات کہتا تھا
شاہزادہ در تعجب ماندہ بود	کز من او عقل و نظر چوں در ربود
شہزادہ تعجب میں پھنسا تھا	کہ وہ (بڑھیا) میری عقل و نظر کس طرح اچک لے گئی
نو عروسے دید ہمچوں ماہ حسن	کہ ہمی زد بر ملیحاں راہ حسن
اس نے حسن کا چاند جیسی دلہن دیکھی	جو حسینوں پر حسن کی راہ مسدود کرتی تھی

گشت بیہوش و برو اندر فتاد	تا سہ روز از صدر او گم شد فواد
وہ بیہوش ہو گیا اور منہ کے بل گر پڑا	تین دن تک اس کا دل سینے سے غائب رہا
سہ شبانہ روز او بیہوش گشت	تا کہ خلق از غشی او پر جوش گشت
تین دن رات وہ بے ہوش رہا	یہاں تک کہ مخلوق اس کی بیہوشی سے مضطرب ہو گئی
از گلاب و از علاج آمد بخود	اندک اندک فہم گشتش نیک و بد
وہ گلاب اور علاج سے ہوش میں آیا	رفتہ رفتہ وہ اچھے برے کو سمجھنے لگا
بعد سالے شاہ گفتش در سخن	کاے پسر یاد آر ازاں یار کہن
ایک سال کے بعد گفتگو کے دوران میں بادشاہ نے اس سے کہا	کہ اے بیٹا! پرانے دوست کو (بھی) یاد کر لیا کر
یاد آور زاں ضجیع و زاں فراش	تا بدیں حد بیوفا و مر مباش
اس ہمبستر اور بیوی کو یاد کر	اس حد تک بے وفا اور کڑوا نہ بن
گفت رو من یافتم دراز السرور	وارہیدم از چہ دار الغرور
اس نے کہا جایئے میں نے خوشی کا گھر پا لیا	میں دھوکے کے گھر کے کنویں سے نجات پا گیا
ہمچناں باشد چو مومن راہ یافت	سوی نور حق ز ظلمت روی تافت
ایسا ہی ہوتا ہے جب مومن نے راستہ پا لیا	اللہ (تعالیٰ) کے نور کی جانب اس نے تاریکی سے منہ موڑا
مخلص ایں قصہ بر گفتم تمام	تا بدانی مقصد خود والسلام
میں نے اس قصہ کا پورا خلاصہ بتا دیا	تاکہ تو اپنا مقصود سمجھ لے والسلام

اس کی دعاؤں اور نالہ وزاری کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک جادوگر کہیں سے آ نکلا۔ اس نے دور سے یہ خبر سنی تھی کہ شہزادہ ایک بڑھیا کے پھندے میں پھنس گیا ہے کیونکہ وہ بڑھیا بے نظیر جادوگرنی ہے اور اپنا جواب نہیں رکھتی لیکن یہ شخص اس سے بھی بڑھ کر تھا کیونکہ ممکنات میں ایک کی قوت ایک سے بڑھی ہوئی ہے۔ کمال میں بھی اور زور میں بھی اور یہ ہی سلسلہ خدا تک پہنچ جاتا ہے اور خدا کی قوت تمام قوتوں کا منتہا ہے کیونکہ تمام قوتیں ندیاں ہیں اور حق سبحانہ کی قدرت بحر اور قاعدہ ہے کہ تمام ندیوں کا منتہا بحر ہوتا ہے اس کی قدرت تمام قوتوں کا منتہیٰ ہے۔ اسی بحر سے تمام ابرہائے قوت کو سامان ملتا ہے اور ان سیلابوں کا وہی منتہا ہے خیر بادشاہ نے اس سے کہا کہ یہ لڑکا تو ہاتھ سے نکل گیا۔ کیا کیا جاوے اس نے کہا کہ میں اس کا بہت بڑا علاج ہوں۔ آپ اطمینان رکھیں ان جادوگروں میں بجز مجھ عاقل اور خدا کی طرف سے یا دور سے آنے والے کے کوئی اس کی مثل نہیں ایک میں ہی ہوں کہ اس کا مقابلہ کر سکتا ہوں آپ دیکھتے جایئے میں دست موسیٰ علیہ السلام کی طرح خدا کے حکم سے اس کے

جادو کا ستیاناس کردوں گا۔ کیونکہ یہ علم مجھے بالہام خداوندی حاصل ہوا ہے اور ذلیل جادو کی شاگردی سے حاصل نہیں ہوا۔ میں اس لئے آیا ہوں کہ اس کا جادو کھول دوں تاکہ شہزادہ کی چہرہ کی رنگت زرد نہ رہے۔ پس آپ پچھلی رات میں فلاں قبرستان جائیں وہاں کی فلاں دیوار کی برابر ایک سفید قبر ہے قبلہ کی جانب پس اس مقام کو کھو دیئے۔ اس سے آپ کو قدرت و کارسازی خدا کا تماشہ نظر آ جائے گا۔ خیر یہ حکایت تو بہت لمبی ہے اور تم اکتا گئے ہو۔ اس لئے زوائد کو چھوڑ کر خلاصہ پر اکتفا کرتا ہوں وہ بادشاہ فوراً قبرستان گیا اور جا کر اس قبر کو کھولا اور جادو کو اس میں مخفی پایا اور دیکھا کہ ایک بال کے تار میں سوگر ہیں لگی ہوئی ہیں وہ ان کو لے آیا اور اس صاحب کمال نے اس کی گرہوں کو کھولا اس سے وہ شہزادہ اس تکلیف سے نجات پا گیا اور ہوش میں آ کر بصد کوشش بادشاہ کے تخت کی جانب دوڑا اور جا کر سجدۂ تعظیمی کیا اور زمین پر ٹھوڑی ملتا تھا اور بغل میں تیغ و کفن لئے ہوئے تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ میں مجرم ہوں آپ مجھے مار ڈالئے۔ بادشاہ اور اہل شہر اور اس نامراد اور بے مراد بیوی نے شہر اور مکانات کو اس خوشی میں خوب سجایا اور عالم نئے سرے سے زندہ اور بارونق ہو گیا۔ اب مولانا جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ جیب بات ہے ایک دن وہ تھا کہ شہزادہ بڑھیا کا غلام تھا اور لوگ مغموم تھے۔ شہر پر اداسی چھائی ہوئی تھی اور ایک یہ دن ہے کہ شہزادہ اس کی پرواہ نہیں کرتا اور سب لوگ خوش ہیں اور شہر گلزار بنا ہوا ہے۔ بادشاہ نے اس کی شادی کی ایک ایسی دھوم دھام سے دعوت کی کہ شربت اور قند کتوں کے سامنے تھا آدمیوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ وہ بڑھیا جادوگرنی یہ حالت دیکھ کر غم سے مر گئی اور اپنے منہ اور خصلت زشت کو مالک دوزخ کے حوالہ کیا۔ بادشاہ نے شہر کو آراستہ کیا اور عاجزانہ حق سبحانہ سے مناجات کرنے لگا اور اس کا خوب ہی شکر ادا کیا۔ شہزادہ کو حیرت تھی کہ اس نے مجھ سے عقل اور نظر کیسے اڑا لی تھی کہ میں نہ اس کی برائی سمجھ سکا اور نہ دیکھ سکا۔ خیر اس نے دلہن کو جب دیکھا تو حسن کا ماہتاب پایا۔ جو کہ حسینوں کے حسن کی راہ مارتی تھی۔ یہ دیکھ کر بیہوش ہو کر منہ کے بل گر گیا اور تین دن تک اس کے سینہ سے دل غائب رہا۔ یعنی تین رات دن تک برابر بے ہوش رہا۔ یہاں تک کہ لوگوں کو اس کی غشی سے جوش و خروش اور اضطراب و پریشانی لاحق ہو گئی کہ دیکھئے بچتا بھی ہے یا نہیں۔ غرضکہ جب خوب گلاب چھڑکا گیا اور خوب علاج کیا گیا اس وقت ہوش آیا اور بھلے برے کو کچھ کچھ سمجھنے لگا۔ ایک سال کے بعد بادشاہ نے اثنائے گفتگو میں کہا کہ بیٹا کبھی اپنی پرانی آشنا اور ہم خواب اور فراش (وہ عورت جس سے صحبت کی جاتی ہو) کو بھی تو یاد کر لیا کرو۔ اس قدر بے وفا اور تلخ نہ بنو۔ اس نے جواب دیا کہ جائیے اب میں کیا یاد کروں گا اب تو مجھے جنت مل گئی ہے اور میں اس دھوکے کے گھر کے کنویں سے نجات پا گیا ہوں۔ یہ تو قصہ تھا اب سنو جب مومن کی نور حق سبحانہ تک رسائی ہو جاتی ہے تو وہ تاریکی ناسوت سے منہ پھیر لیتا ہے۔ یہ حقیقت تھی اس قصہ کی۔ اب میں اس قصہ کا تخلص (یعنی اس قصہ کا باطن اور اس کی حقیقت) بیان کرتا ہوں تاکہ تم کو اپنا مقصد اچھی طرح معلوم ہو جائے۔

فائدہ:۔ گفت رومن یا ختم دار السرور انخ اور اس سے اگلے شعر میں شرح ہے۔ اس مضمون حدیث کی جس کی شرح کے لئے یہ حکایت لائی گئی تھی)

در بیان آنکہ شاہزادہ آدمی زادہ است پدرش آدم صفی خلیفۂ حق مسجود ملائکہ وآں کمپیر کابلی دنیا است کہ آدمی بچہ را از پدر ببرید بسحر وانبیا واولیا آں طبیب تدارک کنندہ اند

اس کا بیان کہ شہزادے (سے) انسان (مراد) ہے اور اس (شہزادے) کا باپ حضرت آدم برگزیدہ اللہ (تعالیٰ) کے خلیفہ ملائکہ کے مسجود ہیں اور کابلی بڑھیا دنیا ہے جس نے آدم کی اولاد کو جادو کے ذریعہ باپ سے جدا کر دیا ہے اور نبی اور ولی وہ علاج کرنے والے طبیب ہیں

اے برادر داں کہ شہزادہ توئی	در جہان کہنہ زادہ از نوی
اے بھائی! جان لے کہ شہزادہ تو ہے	پرانی دنیا میں تو نیا پیدا ہوا ہے
کابلی جادو ایں دنیا ست کو	کردہ مرداں را اسیر رنگ و بو
کابلی جادوگرنی یہ دنیا ہے، جس نے	انسانوں کو (اپنے) رنگ و بو کا قیدی بنا لیا ہے
چوں درافگندت دریں آلودہ زوذ	دمبدم میخواں و میدم قل اعوذ
جبکہ اس نے فوراً تجھے اس گندگی میں ڈال دیا ہے	ہر وقت قل اعوذ پڑھ اور دم کرتا رہ
تارہی زیں جادوئی وزیں قلق	استعانت خواہ از رب الفلق
تاکہ اس جادو اور پریشانی سے نجات پا لے	صبح کے سفیدے کے رب سے مدد چاہ
زاں نبی دنیات را سحارہ خواند	کو بافسوں خلق را درچہ نشاند
اسی لئے نبیؐ نے تیری دنیا کو جادوگرنی کہا ہے	کیونکہ اس نے جادو کے ذریعہ مخلوق کو کنویں میں ڈال دیا ہے
ہیں فسون گرم دارد گندہ پیر	کردہ شاہاں را دم گرمش اسیر
خبردار! بڑھیا تیز جادو رکھتی ہے	بادشاہوں کو اس کے گرم دم نے قیدی بنا لیا ہے
در درون سینہ نفاثات اوست	عقد ہای سحر را اثبات اوست
وہ سینہ میں (منتر پڑھ کر) پھونکیں مارنے والی ہے	وہ جادو کی گرہوں کو باندھنے والی ہے
ساحرہ دنیا قوی دانا زنے ست	حل سحر او بپائے عامہ نیست
جادوگرنی دنیا، بہت عقلمند عورت ہے	اس کے جادو کا توڑ عوام کے بس کا نہیں ہے
ورکشادے عقدہ او را عقلہا	انبیا را کے فرستادے خدا
اگر عقلیں اس کی گرہیں کھول سکتیں	اللہ تعالیٰ نبیوں کو کب بھیجتا؟

ہیں طلب کن خوش دمے عقدہ کشا
راز دان یفعل اللہ مایشا

آگاہ! گرہ کھولنے والا اچھا دم کرنے والا تلاش کر لے
جو یفعل اللہ مایشاء کا رازداں ہو

ہمچو ماہی بستہ استت او بہ شست
شاہزادہ ماندہ سالے وتو شصت

اس نے تجھے مچھلی کی طرح کانٹے میں پھنسا لیا ہے
شہزادہ ایک سال (پھنسا) رہا تو ساٹھ سال

شصت سال از شست او در محنتی
نے خوشی نے برطریق سنتی

تو ساٹھ سال سے اس کے کانٹے میں مصیبت میں ہے
تو نہ خوش ہے نہ سنت کے راستہ پر ہے

فاسقی بدبخت نے دنیات خوب
نے رہیدہ از وبال واز ذنوب

وہ بدبخت فاسق ہے نہ تیری دنیا ہی اچھی ہے
نہ وبال اور گناہوں سے بچا ہوا ہے

نفخ او ایں عقد ہارا سخت کرد
پس طلب کن نفخۂ خلاق فرد

اس کے پھونکنے نے ان گرہوں کو مضبوط کر دیا ہے
خالق احد کی پھونک کا طلبگار بن

تانفخت فیہ من روحی ترا
وارہاند زین و گوید برتر آ

تاکہ نفخت فیہ من روحی تجھے
اس سے چھڑا دے اور کہہ دے آگے آ جا

جز بنفخ حق نسوزد نفخ سحر
نفخ قہرست این وآں دم نفخ مہر

جادو کی پھونک، اللہ کی پھونک ہی سے جلتی ہے
یہ ظلم کی پھونک ہے اور وہ محبت کی پھونک ہے

رحمت او سابق ست از قہر او
سابقی خواہی برو سابق بجو

اس کی رحمت اس کے قہر سے پہلے ہے
تو آگے بڑھنا چاہتا ہے تو جا سابق کی تلاش کر

تارسی اندر نفوس زوجت
کاے شہ مسحور اینک مخرجت

تاکہ تو زوجت والے نفسوں میں داخل ہو جائے
کیونکہ اے جادو میں مبتلا شہزادے یہ تیرے نکلنے کی جگہ ہے

باوجود زال ناید انحلال
درشبیکہ دربرآں پیر دلال

بڑھیا کے ہوتے ہوئے (جادو کی گرہوں کا) کھلنا حاصل نہ ہوگا
(اور) وہ نازوں بھری جال اور بغل میں (نہ آئیگی)

نے کہ فرمود آں سراج امتاں
ایں جہان و آنجہاں راضرتاں

کیا امتوں کے چراغ نے نہیں فرمایا
اس دنیا اور اس جہان کو دو سوتیں

پس وصال ایں فراق آن بود
صحت ایں تن سقام جاں بود

تو اس کا وصال اس کا فراق ہے
اس جسم کی تندرستی جان کی بیماری ہے

سخت می آید فراق ایں ممر	پس فراق آں مقرداں سخت تر
اس گزرگاہ کی جدائی سخت لگتی ہے	تو اس قیامگاہ کی جدائی زیادہ سخت ہے
چوں فراق نقش سخت آید ترا	تا چہ سخت آید زنقاشش جدا
جب تجھے نقش کی جدائی سخت لگتی ہے	تو اس کے نقاش کی جدائی کس قدر سخت ہوگی؟
اے کہ صبرت نیست از دنیای دوں	چونت صبر ست از خدا اے دوست چوں
اے وہ کہ تجھے اس کمینی دنیا سے صبر میسر نہیں	اے دوست! تجھے خدا کی جدائی پر کس طرح صبر آ گیا ہے؟
چونکہ صبرت نیست زیں آب سیاہ	چوں صبوری داری از چشمہ الہ
جبکہ اس کالے پانی تجھ میں صبر نہیں ہے	خدائی چشمہ سے تجھ میں کیسے صبر ہے؟
چونکہ بے ایں شرب کم داری سکون	چوں زابراری جدا وز یشربون
جبکہ اس کو پئے بغیر تجھے سکون نہیں ہے	تو یشربون اور نیکوں سے کیسے جدا ہے
گر بہ بینی یک نفس حسن ودود	اندر آتش افگنی جان و وجود
اگر تو ایک لمحہ کے لئے خدا کا حسن دیکھ لے	جان اور جسم کو آگ میں ڈال دے
جیفہ بینی بعد ازاں ایں شرب را	چوں بہ بینی کر و فر و قرب را
اس کے بعد تو اس پینے کو مردار سمجھے گا	جب تو (خدا کی) شان و شوکت اور قرب کو دیکھ لے گا
ہمچو شہزادہ رسی در یار خویش	پس بروں آری ز پا تو خار خویش
تو شہزادے کی طرح اپنے دوست تک پہنچ جائے	تو اپنے کانٹے کو پاؤں سے نکال دے
جہد کن در بیخودی خود را بیاب	زود تر واللہ اعلم بالصواب
اپنی فنائیت کی کوشش کر، خود کو پالے	بہت جلد اور اللہ بہتر کو زیادہ جانتا ہے
ہر زمانے ہیں مشو با خویش جفت	ہر زماں چوں خر در آب و گل میفت
ہر وقت خودی میں مبتلا نہ ہو	ہر وقت گدھے کی طرح پانی اور مٹی میں نہ گر
از قصور چشم باشد آں عثور	کہ نہ بیند شیب و بالا راز دور
وہ لغزش آنکھ کے قصور سے ہوتی ہے	کیونکہ وہ دور سے نشیب و فراز کو نہیں دیکھتی ہے
بوی پیراہان یوسفؑ کن سند	زانکہ بویش چشم روشن می کند
(حضرت) یوسف کے لباس کی خوشبو کا سہارا پکڑ	کیونکہ اس کی خوشبو آنکھ کو روشن کرتی ہے

صورت پنہاں و آں نور جبیں
کردہ چشم انبیا را دور بیں

پوشیدہ صورت اور پیشانی کے نور نے
نبیوں کی آنکھ کو دور بین بنا دیا ہے

نور آں رخسار برہاند ز نار
ہین مشو قانع بنور مستعار

اس رخسار کا نور، نار سے نجات دلا ہے
خبردار! عارضی نور پر قانع نہ بن

چشم را ایں نرو حالی بیں کند
چشم عقل و روح را گرگیں کند

یہ نور آنکھ کو حال کو دیکھنے والا بنا دیتا ہے
روح اور عقل کے چشم کو خارشی بنا دیتا ہے

صورتش نورست و در تحقیق نار
گر ضیا خواہی دو دست از وے بدار

اس کا ظاہر نور ہے، حقیقتاً نار ہے
اگر (حقیقی) روشنی چاہتا ہے اس سے دستبردار ہو جا

دمبدم در روفتد ہر جارود
دیدہ و جانے کہ حالی بیں بود

جس جگہ جاتی ہے، لحہ بہ لحہ اوندھی گرتی ہے
وہ آنکھ اور جان و حال کو دیکھنے والی ہوتی ہے

دور بیند دور بین بے ہنر
ہمچناں کہ دور دیدن خواب در

بے ہنر دور بین ایسا ہی دور بین ہے
جیسا کہ خواب میں دور دیکھنا

خفتہ باشی برلب جو خشک لب
می دوی سوی سراب اندر طلب

تو دریا کے کنارے خشک ہونٹ سویا ہوا ہے
جستجو میں سراب کی جانب دوڑتا ہے

دور می بینی سراب و می دوی
عاشق آں بینش خودی شوی

تو سراب کو دور دیکھتا ہے اور دوڑتا ہے
اپنے اس دیکھنے کا تو عاشق ملتا ہے

میزنی در خواب با یاراں تو لاف
کہ منم بینا دل و پردہ شگاف

تو خواب میں دوستوں سے شیخی بگھارتا ہے
کہ میں روشن ضمیر اور پردہ چاک کرنے والا ہوں

نک بداں سو آب دیدم ہیں شتاب
تا رویم آنجا و آں باشد سراب

یہ میں نے اس جانب پانی دیکھا ہے خبردار! جلدی کرو
تاکہ ہم وہاں چلیں اور وہ سراب ہوتا ہے

ہر قدم زیں آب تازی دور تر
دو دواں سوی سراب با غرر

تو ہر قدم پر اس پانی سے زیادہ دور بھاگتا ہے
دھوکے والے سراب کی جانب دوڑتے ہوئے

عین آں عزمت حجاب آں شدہ
کہ بتو پیوستہ است و آمدہ

تیرا پختہ ارادہ خود اس کا حجاب بن گیا
جو تجھ سے ملا ہوا ہے اور آیا ہوا ہے

بس کسا عزمے بجائے می کند	از مقامے کاں غرورے بود
بہت سے لوگ ہیں جن کو ارادہ (دوسری) جگہ لے جاتا ہے	اس مقام سے جس میں مقصد ہوتا ہے
دید و لاف خفتہ می ناید بکار	جز خیالے نیست دست از وے بدار
سوئے ہوئے کا دیکھنا اور شیخی بگھارنا کارآمد نہیں ہے	وہ صرف خیال ہے اس سے دستبردار ہو جا
خوابناکی لیک ہم بر راہ خسپ	اللہ اللہ بررہ اللہ خسپ
تو نیند کا متوالا ہے پھر بھی راستہ پر سو	خدا کے لئے اللہ کے راستہ پر سو
تا بود کہ سالکے برتو زند	از خیالات نعاست برکند
ہو سکتا ہے کہ کوئی راہرو تجھ سے بھڑ جائے	نیند کے خیالات سے تجھے جدا کر دے
خفتہ را فکر گردد ہمچو موی	او ازاں دقت نیابد راہ کوی
سوئے ہوئے کا فکر اگرچہ بال جیسا ہو	وہ اس باریکی سے (بھی) کوچہ کا راستہ نہیں پا سکتا
فکر خفتہ گرد و تا و گرسہ تاست	ہم خطا اندر خطا اندر خطاست
سوئے ہوئے کا فکر خواہ دہرا ہو یا تہرا	غلط در غلط در غلط ہی ہے
گرچہ چشمش تیز بین و باضیاست	ہم ہبا اندر ہبا اندر ہباست
اگرچہ اس کی آنکھ تیز بین اور روشن ہے	خاک در خاک در خاک ہی ہے
موج بروے می زند بے احتراز	خفتہ پویاں در بیابان دراز
بغیر بچاؤ کے موج اس پر پڑ رہی ہے	سویا ہوا دراز بیابان میں دوڑ رہا ہے
خفتہ می بیند عطشہای شدید	آب اقرب منہ من حبل الورید
سویا ہوا سخت پیاس محسوس کرتا ہے	پانی اس کی شہ رگ سے زیادہ اس سے قریب ہے

یہاں سے مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم سمجھو کہ شہزادہ تم ہو اور اس عالم کہنہ میں تو پیدا ہو۔ اور کابلی جادوگرنی دنیا ہے جس نے کہ مردوں کو نمائش ظاہری میں پھانس رکھا ہے جبکہ اس نے اپنے افسوں سے تمہیں آلودگیوں یعنی لذات و شہوات میں ڈال دیا ہے تو ہر دم تم کو اس کے سحر کے باطل کرنے کے لئے قل اعوذ پڑھ کر دم کرنا چاہئے۔ یعنی وہ تدابیر کرنی چاہئیں جن سے تم اس کے پھندے سے نکلو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو اس لئے جادوگرنی کہا ہے کہ اس نے اپنے جادو سے لوگوں کو چاہ ناسوت میں قید کر دیا ہے۔ دیکھنا اس سے بچتے رہنا کیونکہ اس کا منتر بہت تیز ہے اور اس نے اپنی موثر پھونک سے بادشاہوں کو قید کر لیا ہے یہ سینہ میں منتر پڑھ پڑھ کر پھونکتی ہے اور جادوگری کی گرہیں قائم کرتی ہے۔

فائدہ:۔ سینہ میں منتر پھونکنے سے مراد شہوات کے خیالات وغیرہ دل میں پیدا کرنا ہے) یہ جادوگرنی دنیا بڑی چالاک عورت ہے اس کے جادو کا کھولنا عوام کی قدرت سے باہر ہے کیونکہ اگر عقول عوام اس کی گرہوں کو کھول سکتیں تو خدا تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو کاہے کو بھیجتا۔ پس تمہیں چاہئے کہ کوئی خوش دم عقدہ کشا اور اسرار قضا کا جاننے والا تلاش کرو وہ تم کو اس جادو سے چھڑائے گا۔ دیکھو تو سہی اس نے تمہیں مچھلی کی طرح کانٹے میں پھانس رکھا ہے اور شاہزادہ تو زن کابلی کے پھندے میں ایک ہی سال رہا تھا اور تم کو ساٹھ برس ہو گئے اور تم ساٹھ برس سے اس کانٹے میں پھنسے ہوئے مبتلائے تکلیف ہو کہ نہ تمہیں چین ہے اور نہ تم راہ سنت پر چلتے ہو بلکہ بدنصیب فاسق ہو نہ دنیا ہی تمہاری درست ہے اور نہ وبال اخروی اور گناہوں سے محفوظ ہو۔ اس کے چھو کرنے یعنی فریب ہی نے تمہارے گرہوں کو مضبوط کر دیا ہے۔ پس تمہیں حق سبحانہ کی چھو یعنی تاثیر تلاش کرنی چاہئے۔ تاکہ وہ تم میں روح پھونک دے اور یہ نفخ روح تم کو اس کے پھندے سے چھڑا دے اور کہدے کہ اوپر چلے آؤ۔ اس چاہ ناسوت میں مقید نہ رہو دیکھو دم افسوں یعنی اثر جادو دم حق سبحانہ یعنی تاثیر حق سبحانہ ہی سے جل سکتا ہے اور کسی سے نہیں۔ کیونکہ نفخ سحر دم قہر ہے اور دم مبطل سحر نفخ رحمت اور رحمت حق سبحانہ اس کے قہر پر سبقت لے گئی ہے اس لئے وہی اس کو فنا کر سکتی ہے اور کوئی نہیں۔ پس تم رحمت کو طلب کرو اور اگر رحمت کے طالب ہو جو کہ غضب سے سبقت لے گئی ہے تو اس کا طریق یہ ہے کہ کسی عالی مرتبہ شخص کو طلب کرو تاکہ تم بھی اہل اللہ میں داخل ہو جاؤ۔ اور رحمت الٰہی کے مستحق ہو جاؤ اور اے جادو کئے ہوئے شہزادو یاد رکھو کہ تمہارے اس پھندے سے نکلنے کی یہی تدبیر ہے۔

فائدہ:۔ نفوس زوجت سے یا تو یہ مراد ہو کہ وہ لوگ جن کی شادی حور العین سے ہو گئی ہے یا یہ کہ وہ لوگ جن کی شادی آخرت سے ہو چکی ہے اور دنیائے ساحرہ کے پھندے سے نکل چکے ہیں۔ وھذا ھو الانسب کما لایخفیٰ اور مصداق اس کا بہر صورت اہل اللہ ہیں۔ اس لئے ہم نے اہل اللہ سے ترجمہ کر دیا) اور جب تک یہ زال دنیا تمہارے پاس رہے گی اس وقت تک یہ جال نہ کھلے گا اور وہ ناز و ادا والی زوجہ یعنی آخرت تمہارے پہلو میں نہ آئے گی۔

فائدہ:۔ نایدالحلال الخ کی تقدیر نایدالحلال در شبیکہ ونایدآن زوالال در برت ہے من قبیل ضرب زید عمراً و خالد بکراً) کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ الدنیا و الآخرۃ لضرتان ان رضیت احداھما سخطت الاخری.

اس لئے ایک کا وصال دوسرے کی مفارقت کا موجب ہوگا۔ جس طرح کہ اس جسم کی تندرستی روح کی بیماری کا سبب ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ جب اس گزرگاہ یعنی دنیا کی مفارقت سخت ہے تو عقبیٰ جو کہ ہمیشہ کا ٹھکانہ ہے اس کی مفارقت تو اور بھی سخت ہوگی اور جبکہ تمہیں اس تصویر یعنی دنیا کی جدائی اتنی ناگوار ہے تو تم کو اندازہ کرنا چاہئے کہ نقاش یعنی خدا کی جدائی کس قدر ناگوار ہونی چاہئے۔ پس اے وہ شخص جو کہ دنیا کے بغیر صبر نہیں کر سکتا۔ تجھے حق سبحانہ کے بغیر کیسے کل پڑتی ہے اور جبکہ اس چوڑے کے بغیر تجھے چین نہیں آتا تو حق سبحانہ کے بغیر کیونکر چین آتا ہے جو کہ منبع فیوض و برکات ہیں اور جبکہ بدوں اس پانی کے پئے تجھے قرار نہیں ہوتا تو ابر رحمت اور شرب ماء رحمت سے کیونکر جدا رہتا ہے۔ ارے غافل تو کس غلطی میں پڑا ہوا ہے۔ اسے چھوڑ اور حق سبحانہ کو طلب کر۔ تجھے ان کی قدر اس لئے نہیں ہے کہ تو نے انہیں دیکھا نہیں لیکن اگر ذرا سی دیر کے لئے بھی تو ان

کا حسن دیکھ لے تو تیری حالت یہ ہو کہ تیرا جسم اور تیری جان اس کی تابش سے جل جاوے (یا یہ کہ تو اس کی طلب میں تمام راحتوں کو بھول جاوے اور آگ میں گرنے سے بھی نہ ڈرے) اور جبکہ تجھے حق سبحانہ کی شان وشوکت اور اس کے قرب کی لذت کی خبر ہو تو تو اس کے بعد اس آب دنیا کو مردار کے مانند مکروہ سمجھے اور اگر شہزادہ کی طرح تو اپنے مطلوب تک پہنچ جاوے تو اپنے پاؤں سے اس کانٹے یعنی حب دنیا کو بالکل نکال ڈالے دیکھ تو جلدی سے ہوش میں آجا اور فنافی الحق کی کوشش کر اور ہر وقت خودی میں مبتلا نہ رہ اور ہر دم گدھے کی طرح دلدل میں مت گر یعنی دنیا میں نہ پھنس اور نظر کو تیز کر کیونکہ یہ لغزش قصور نظر سے ہوتی ہے کیونکہ کم نظری کے سبب آدمی اونچ نیچ نہیں دیکھ سکتا اور پیراہن یوسف کی بو یعنی آثار قدرت الہیہ کے سہارے پر چل۔ کیونکہ اس بو میں نظر کے تیز کرنے کی خاصیت ہے اس سے تمہاری نظر تیز ہوگی اور نظر تیز ہو کر مشاہدہ حق سبحانہ حاصل ہوگا اور اس سے تمہاری نظر اور تیز ہوگی۔ کیونکہ اس صورت مخفیہ اور نور جبیں نے انبیاء کی آنکھوں کو دوربین بنایا ہے اور یہی نور تجھے آتش دوزخ یا آتش شہوت وغیرہ سے چھڑا سکتا ہے پس تو اس نور کو حاصل کر اور عاریتی نور یعنی دنیا واہل دنیا کے نور پر قناعت نہ کر کیونکہ اس کی خاصیت اس نور کے برعکس ہے کہ یہ نور حال بین کرتا ہے اور چشم وعقل وروح کو خارش کا روگ لگا دیتا ہے یہ دیکھنے میں تو نور ہے مگر حقیقت میں نار ہے۔ پس اگر تجھے حقیقی نور کی ضرورت ہو تو اس نور ظاہر کو چھوڑ دیکھو حال بینی نہایت مضر شے ہے کیونکہ جو چشم بصیرت اور روح حال میں ہوتی ہے وہ ہر دم ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گرتی ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ کیا اہل دنیا دوربین نہیں ہوتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی دوربینی ایسی ہی ہے جیسے کوئی خواب میں دور کی شئے دیکھے سو یہ حقیقۃً دوربینی نہیں ہے اور نہ مفید ہے۔ فرض کرو کہ تم ایک ندی کے کنارے پیاسے سو رہے ہو اور خواب میں بے حقیقت پانی کی طرف اس کی طلب میں دوڑ رہے ہو اور حالانکہ تم سراب کو دور سے دیکھ رہے ہو مگر تم اس اپنی نظر دوربین پر عاشق ہو اور خواب ہی میں یاروں سے شیخیاں مار رہے ہو کہ میں بینادل اور پردہ شگاف ہوں۔ چلو تاکہ وہاں پہنچیں کیونکہ مجھے پانی نظر آتا ہے حالانکہ وہاں پانی وانی کچھ نہیں ہوتا بلکہ محض دھوکہ ہوتا ہے اور تم اس دھوکہ دینے والے بے حقیقت پانی کی طرف دوڑتے ہوئے ہر قدم پر اصلی پانی سے دور ہو رہے ہو اور یہ تمہارا پانی حاصل کرنے کا پختہ ارادہ تمہارے لئے اس اصلی پانی کا پردہ بن گیا ہے جو کہ تم سے ملا ہوا اور قریب ہے اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کیونکہ بہت سے لوگ ایک ایسے مقام سے جس میں ان کا مطلوب ہوتا ہے طلب مطلوب میں دوسری جگہ جاتے ہیں اس سے معلوم ہو گیا کہ سونے والے کی دوربینی کسی کام کی نہیں اور وہ محض ایک خیال ہے اس لئے اس سے ہاتھ اٹھا لینا چاہئے اور اسے چھوڑ دینا چاہئے۔ بس یہی حالت اہل دنیا کی ہے کہ وہ سو رہے ہیں اور خیالات کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم دوربین ہیں۔ اب مولانا نصیحت فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مانا کہ تم سو رہے ہو مگر تم کو چاہئے کہ راستہ پر سوو۔ دیکھو ہم تم سے باصرار کہتے ہیں کہ سونا ہی ہے تو خدا کے رستہ پر سوو تاکہ کوئی راہ گیر صاحب دل آپہنچے اور وہ تم کو خواب غفلت سے بیدار کر کے راہ پر لگا لے۔ (مقصود یہ ہے کہ اگر تم راہ دین میں سعی بھی نہ کرو تو اہل اللہ کی خدمت میں رہو کیونکہ ممکن ہے کہ اس کی برکت سے کسی وقت تم کو ہدایت ہو جاوے) اس مضمون کو ختم کر کے مولانا پھر مضمون سابق کو تمام کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سونے والے کا فکر اگر بال سے بھی زیادہ باریک ہو تب بھی اسے اس وقت فکر

کے سبب گلے کا راستہ نہیں معلوم ہو سکتا۔ تیز سونے والے کا فکر اگر دوہرا اور تہرا بھی ہو جاوے تب بھی وہ غلط در غلط در غلط ہی ہے اور اگر اس کی نظر تیز بین اور روشن ہو تو بھی لاشے محض ہے کیونکہ اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ آب مطلوب کی موجیں اس سے ٹکراتی ہیں مگر وہ اس کی طلب میں لق و دق بیابان میں دوڑتا ہوتا ہے اور وہ نہایت سخت پیاسا ہوتا ہے مگر پانی اس کی رگ گردن سے زیادہ قریب ہوتا ہے اور وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ بس یہی حالت اہل دنیا کی ہے کہ حق سبحانہ ان سے رگ گردن سے زیادہ قریب بقرب بے کیف ہیں مگر وہ ان تک نہیں پہنچ سکتے اور مساعی بیہودہ میں منہمک ہیں ایسی حالت میں ان کی دقت نظر اور ذہانت و فطانت بالکل بے سود ہے۔

حکایت آں زاہد کہ در سال قحط خنداں و شاد بود با مفلسی و بسیاری عیال و خلق می مردند از گرسنگی، باد گفتند کہ ہنگام تعزیت ست نہ شادی گفت مرا باکے نیست

اس زاہد کی حکایت جو قحط کے سال میں باوجود مفلسی اور بہت عیالداری کے مسکرانے والا اور خوش تھا اور لوگ بھوک سے مر رہے تھے لوگوں نے اس سے کہا کہ تعزیت کا وقت ہے نہ کہ خوشی کا اس نے کہا مجھے کوئی پروا نہیں ہے

ہمچناں کاں زاہد اندر سال قحط	بود او خنداں و گریاں جملہ رہط
اسی طرح وہ زاہد جو کہ قحط کے سال	مسکراتا تھا اور تمام قبیلہ روتا تھا
پس بگفتندش چہ جای خندہ است	قحط بیخ مومناں برکندہ است
تو لوگوں نے اس سے کہا ہنسنے کا کیا موقع ہے؟	قحط نے مسلمانوں کی بیخ کنی کر دی ہے
رحمت از ما چشم خود بر دوختہ است	ز آفتاب تیز صحرا سوختہ است
رحمت نے ہم سے اپنی آنکھیں بند کر لی ہیں	تیز سورج سے جنگل جل گیا ہے
کشت و باغ و رز سیہ افتادہ است	در زمیں نم نیست نے بالا نہ پست
کھیتی اور باغ اور انگور کالے پڑ گئے ہیں	زمین میں نمی نہیں ہے نہ اوپر نہ نیچے
خلق می میرند زیں قحط و عذاب	دہ دہ و صد صد چو ماہی دور ز آب
اس قحط اور عذاب سے لوگ مر رہے ہیں	دس دس اور سو سو جس طرح مچھلی پانی سے دور
بر مسلماناں نمی آری تو رحم	مومناں خویشند یک تن شحم و لحم
تجھے مسلمانوں پر رحم نہیں آتا	(حالانکہ) مومن باہم چربی اور گوشت کا ایک جسم ہیں
رنج یک جزوے ز تن رنج ہمہ است	گر دم صلح ست یا خود ملحمہ است
جسم کے ایک جزو کی تکلیف سب کی تکلیف ہے	خواہ صلح کا وقت ہے یا جنگ ہے

گفت در چشم شما قحط ست ایں	پیش چشم چوں بہشت ست ایں زمیں
اس نے کہا تمہاری نظر میں یہ قحط ہے	میری نگاہ میں یہ زمین بہشت جیسی ہے
من ہمی بینم بہر دشت و مکاں	خوشہا انبہ رسیدہ تامیاں
میں ہر جنگل اور جگہ میں دیکھ رہا ہوں	بکثرت (کھیتی کی) بالیں کمر تک
خوشہا در موج از باد صبا	پر بیاباں سبز تر از گندنا
بالیں پروا ہوا سے لہلہا رہی ہیں	جنگل بھرا ہوا ہے گندنے سے زیادہ سرسبز ہے
ز آزموں من دست بروے میزنم	دست و چشم خویش را چوں برکنم
آزمانے کے لئے میں ان کو چھوتا ہوں	اپنے ہاتھ اور نگاہ کو کیسے ہٹا لوں؟
یار فرعون تنید اے قوم دوں	زاں نماید مرشما را نیل خوں
اے کمینہ قوم! تم فرعونی جسم کے یار ہو	اس لئے تمہیں (دریائے) نیل خون نظر آتا ہے
یار موسیٰ خرد گر دید زود	تا نماند خون و بینید آب رود
جلد عقل موسوی کے یار بن جاؤ	تاکہ خون نہ رہے اور تم دریا کا پانی دیکھ لو
از پدر برتو جفائے چوں رود	آں پدر در چشم تو سگ می شود
جب باپ کی جانب سے تجھ پر ظلم ہو	وہ باپ تیری نگاہ میں کتا ہو جاتا ہے
آں پدر سگ نیست تاثیر جفاست	کہ چناں رحمت نظر را سگ نماست
باپ کتا نہیں ہے، ظلم کی تاثیر ہے	کہ ایسی رحمت، نگاہ میں کتا جیسی ہے
گرگ می دیدند یوسفؑ را بچشم	چوں کہ اخواں را حسودی بود و خشم
(حضرت) یوسف کو آنکھ سے بھیڑیا دیکھا	چونکہ بھائیوں میں حسد اور غصہ تھا
با پدر چوں صلح کردی خشم رفت	آں سگی شد گشت بابا یار زفت
جب تو نے باپ سے صلح کر لی غصہ ختم ہوا	وہ کتا پن (بھی) ختم ہوا باپ گہرا دوست بن گیا

سونے والے کی حالت ایسی ہی ہوتی ہے جیسے کہ ان لوگوں کی جنہوں نے ایک بزرگ پر اعتراض کیا تھا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ قحط سالی میں سب لوگ روتے تھے اور ایک زاہد ہنستا تھا۔ یہ دیکھ کر لوگوں نے کہا کہ صاحب یہ ہنسی کا کیا موقع ہے۔ قحط نے مسلمانوں کی جڑ اکھیڑ ڈالی ہے اور رحمت الٰہی نے ہماری طرف سے آنکھ بند کر لی ہے تیز دھوپ سے جنگل بھسم ہو گیا ہے۔ کھیتی اور باغ اور انگور سیاہ پڑ گئے ہیں۔ زمین میں نام کو تری نہیں رہی نہ اوپر نہ نیچے۔ لوگ اس قحط اور عذاب سے دس دس اور سو سو یوں مر رہے ہیں جیسے مچھلیاں پانی سے دور ہو کر۔ تعجب ہے کہ تم کو مسلمانوں پر رحم نہیں آتا حالانکہ سب

مسلمان بھائی بھائی ہیں اور گویا کہ سب کے اجسام اور چربی اور گوشت سب ایک ہیں اور قاعدہ ہے کہ جسم کے ایک حصہ میں تکلیف ہوتی ہے تو تمام اعضاء کو تکلیف ہوتی ہے خواہ صلح کا وقت ہو یا جنگ کا (صلح کی حالت میں ایک کی تکلیف سے دوسرے کا متاثر ہونا تو بعید نہیں مگر جنگ کی حالت میں بظاہر بعید معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بھی بعید نہیں کیونکہ یہاں گفتگو مومنین من حیث الایمان میں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اس حالت میں اگر ان میں جنگ ہوگی تو اس میں ہر دو فریق کی نیت خیر ہوگی اور مقصد ان کا دفع مفسدہ واقعی یا اجتہادی ہوگا اور جنگ بقصد خیر خواہی و نیک نیتی منافی تاذی نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ماں باپ اپنے بچہ کو مارتے ہیں پس گو وہ بضرورت مارتے ہیں مگر اس مار سے ان کو خود ایذاء ہوتی ہے یا آدمی اپنے کسی عضو فاسد کو کاٹتا ہے مگر اس کو اس کا صدمہ بھی ہوتا ہے اور اس سے تکلیف بھی ہوتی ہے۔ (فلا یجعل) ان کی گفتگو کے جواب میں ان بزرگ نے کہا کہ صاحبو! تمہاری نظر میں یہ قحط ہے مگر مجھے تو یہ زمین بہشت معلوم ہوتی ہے اور میں تو ہر جنگل میں اور ہر مقام پر خوشہائے گندم کمر کمر تک بکثرت دیکھ رہا ہوں۔ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ خوشے باد صبا سے لہلہا رہے ہیں اور جنگل بھرپور اور گندنے سے زیادہ سرسبز ہے۔ میں امتحاناً ہاتھ بڑھاتا ہوں اور انہیں چھوتا ہوں تو اپنی نظر کو صحیح پاتا ہوں۔ پھر میں اپنے ہاتھ اور اپنی آنکھ کیونکر اکھاڑ ڈالوں اور کیسے سمجھوں کہ قحط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تم نفس فرعون کے تبع ہو اس لئے تمہیں آب نیل خون معلوم ہوتا ہے پس تم موسیٰ خرد کے یار ہو جاؤ تا کہ وہ تمہاری نظر میں بھی خون نہ رہے اور اور پانی دکھلائی دے۔ دیکھو قاعدہ ہے کہ جب باپ کی جانب سے تم پر سختی ہوتی ہے تو وہ باپ تمہاری نظر میں کتا معلوم ہوتا ہے مگر وہ باپ کتا نہیں ہوتا بلکہ یہ سختی کا اثر ہے کہ تم کو وہ رحمت مجسم کتا معلوم ہوتی ہے چنانچہ بھائیوں کو یوسفؑ بھیڑیا نظر آتے تھے کیونکہ ان کو ان پر حسد تھا اور اس لئے وہ ان پر غصہ تھے لیکن جب باپ سے تمہاری صلح ہو جاتی ہے تو وہ اس کا کتا پن زائل ہو جاتا ہے اور وہ بہت بڑا دوست ہو جاتا ہے۔ یہ کھلی دلیل ہے اس کی کہ وہ محض سختی کا اثر تھا اور خود باپ ایسا نہ تھا۔

فائدہ:۔ ان بزرگ نے جو جہان کو سرسبز بتایا ہے اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ سبزہ معروفہ اور خوشہائے متعارفہ وہاں موجود تھے بلکہ مقصود ان کا یہ تھا کہ اغذیہ دو قسم کی ہیں ایک غذائے روحانی دوسری جسمانی۔ غذائے روحانی تو کائنات میں حق سبحانہ کا مشاہدہ اور اس کے فیوض و برکات ہیں اور غذائے جسمانی یہ متعارف اغذیہ ہیں اور چونکہ اہل اللہ اغذیہ جسمانی بلکہ خود جسم کو حقیر محض اور ناقابل التفات سمجھتے ہیں اس لئے شیخ نے ان کی شکایت قحط کا اثبات غذائے روحانی سے جواب دیا۔ اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ میں تو اغذیہ جسمانیہ کو کوئی چیز نہیں سمجھتا بلکہ اصل غذا میرے نزدیک غذائے روحانی ہے سو میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ اس قحط میں بھی بوجہ اتم موجود ہے گو تمہیں نظر نہیں آتی۔ پس میں کیوں نہ خوش ہوں۔)

در بیان آنکہ مجموعہ عالم صورت عقل کل است چوں با عقل کل بکوروی جفا کردی صورت عالم ترا غم فزاید اغلب احوال چنانکہ با پدر بد کردی صورت پدر ترا غم فزاید و نتوانی او را دیدن اگر چہ پیش ازاں نور دیدہ بودہ باشد و راحت جاں

اس کا بیان کہ عالم کا مجموعہ عقل کل کی صورت ہے جب تو عقل کل کے ساتھ ٹیڑھا چلے گا' تو نے ظلم کیا'

عالم کی صورت عموماً تیرا غم بڑھائے گی جیسے کہ باپ کے ساتھ تو نے برائی کی باپ کی صورت تیرا غم بڑھائے گی اور اس کو دیکھ نہ سکے گا اگرچہ اس سے پہلے آنکھوں کا نور اور جان کی راحت رہا ہو

کل عالم صورت عقل کل ست	کوست بابای ہر آں کاہل قل ست
پورا عالم عقل کل کی صورت ہے	وہ ہر اس شخص کا بابا ہے جو قول والا ہے
چوں کسے باعقل کل کفراں فزود	صورت کل پیش او ہم سگ نمود
جب کوئی عقل کل کی نافرمانی کرے	کل کی صورت اس کو کتا نظر آتی ہے
صلح کن با ایں پدر عاقی بہل	تا کہ فرش رزنماید آب و گل
اس باپ سے صلح کر لے نافرمانی کو چھوڑ دے	تاکہ تجھے زمین انگور کا فرش نظر آئے
پس قیامت نقد حال تو بود	پیش تو چرخ و زمیں مبدل شود
پھر قیامت تیری نظر کے سامنے ہو	تیرے آسمان اور زمین بدل جائیں
منکہ صلحم دائما بایں پدر	ایں جہاں چوں جنتستم در نظر
میری ہمیشہ (اس باپ سے صلح ہے	یہ دنیا میری نگاہ میں جنت کی طرح ہے
ہر زماں نو صورتے و نو جمال	تازنو دیدن فرو میرد ملال
ہر وقت نئی صورت ہے اور نیا حسن ہے	حتیٰ کہ نئے مشاہدے سے غم زائل ہو جاتا ہے
من ہمی بینم جہاں را پر نعیم	آبہا از چشمہا جوشاں مقیم
میں دنیا کو نعمتوں سے بھرا دیکھتا ہوں	چشموں سے ہمیشہ پانی جوش مار رہا ہے
بانگ آبش می رسد در گوش من	مست می گرد د ضمیر و ہوش من
پانی کی آواز میرے کان میں پہنچتی ہے	میرا دل اور حواس مست ہو جاتے ہیں
شاخہا رقصاں شدہ چوں تائباں	برگہا کف زن مثال مطریاں
شاخیں صوفیوں کی طرح رقص کر رہی ہیں	پتے گویوں کی طرح تالیاں بجا رہے ہیں
برق آئینہ است لامع از نمد	گر نماید آئینہ تاچوں بود
آئینہ کی چمک نمدے میں سے چمکتی ہے	اگر آئینہ نظر آ جائے تو کیا ہو گا؟
از ہزاراں من نمی گویم یکے	زانکہ آگندہ است ہر گوش از شکے
میں ہزار (باتوں) میں سے ایک (بھی) نہیں کہتا ہوں	کیونکہ ہر کان شک سے پر ہے

عقل گوید مژدہ چہ نقد من ست	پیش وہم ایں گفت مژدہ دادنست
عقل کہتی ہے کہ خوشخبری کیا ہوتی ہے یہ میری حالت ہے	وہم کے لئے یہ بات خوشخبری ہے

یہاں سے وہ بزرگ اپنے کلام کی کسی قدر شرح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تمام عالم مظہر ہے حق سبحانہ کا۔ کیونکہ تمام عالم اسی سے پیدا ہوا ہے اس لئے گویا کہ وہ تمام عالم کا باپ ہے۔

فائدہ:۔ اہل قل سے مراد ارواح ہیں اور قل مخفف ہے قول کا اور قول سے مراد کلمہ بلیٰ ہے جو الست بربکم کے جواب میں کہا گیا تھا۔ ہذا ما قال ولی محمد واللہ اعلم۔ اور ذکر اہل قل بنا پر تخصیص نہیں بلکہ بنا بر شرف ہے۔ نیز زیر بحث اس وقت ذوی العقول مکلفین ہی ہیں نہ کہ تمام عالم اس لئے انہیں کا ذکر کیا گیا واللہ اعلم) پس جب کوئی حق سبحانہ کی مخالفت کرتا ہے تو تمام اشیاء اس کی نظر میں اصلی صورت کے خلاف دکھائی دیتی ہیں اور وہ صورت اصلی صورت سے بدتر ہوتی ہے خواہ کسی وجہ سے اس دیکھنے والے کو بری نہ معلوم ہو۔ پس تم حق سبحانہ سے میل کرلو۔ اور نافرمانی چھوڑ دو تا کہ تمام زمین تمہیں انگوروں (غذائے روحانی) کا بستر معلوم ہو اور قیامت تم کو اس وقت نظر آ جاوے بایں معنی کہ تمام عالم بدل جاوے اور اس صورت پر نہ دکھلائی دے جس صورت پر کہ تم اسے پہلے دیکھتے تھے میں چونکہ حق سبحانہ سے صلح رکھتا ہوں اس لئے یہ جہاں میری نظر میں جنت ہے اور ہر وقت ایک نئی صورت اور نیا حسن مشاہدہ کرتا ہوں جس کے دیکھنے سے غم دور ہو جاتا ہے اور میں اس عالم کو نعمائے الہیہ سے لبریز پاتا ہوں اور پانی چشموں سے ہر وقت ابلتے رہتے ہیں اور ان پانیوں کی آوازیں میرے کانوں میں آتی ہیں جن سے میرا دل اور میری عقل مست ہو جاتی ہے۔ شاخیں صوفیوں کی طرح وجد میں مصروف ہیں اور پتے قوالوں کی طرح تالیاں بجاتے ہیں۔ غرضکہ میں انواع و اقسام کی اغذیہ روحانیہ میں اس عالم میں مشاہدہ کرتا ہوں اور یہ تو اس وقت ہے جبکہ حق سبحانہ کی روشنی اشیاء ناسوتیہ سے جھلکتی ہے لیکن اگر حق سبحانہ بے حجاب تجلی فرمائیں تو نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت کیا حال ہو۔ خیر میں گفتگو مختصر کرتا ہوں اور ہزاروں باتوں میں سے ایک بھی پوری نہیں کہتا کیونکہ قریب قریب تمام سامعین محجوب اور مبتلائے شک ہیں۔ اس لئے میری باتوں کو نہ مانیں گے اوہام یعنی عقول ناقصہ کے نزدیک تو یہ مضمون محض اخبار کے درجہ میں ہے مگر عقل کہتی ہے کہ کیسی خبر میں تو خود دیکھ رہی ہوں اور اس لئے وہم و عقل کی ایسی مثال ہے جیسے فرزنداں عزیر علیہ السلام کی۔

قصہ فرزندان عزیز علیہ السلام کہ از پدر احوال پدری پرسیدند پدر گفت آرے دیدمش از عقب می آید بعضے کہ شناختندش بیہوش شدند و آنانکہ نشناختندش می گفتند ایں شخص خوش مژدہ دادہ ایں بیہوشی از چیست وایں حالت

(حضرت) عزیز علیہ السلام کی اولاد کا قصہ کہ باپ سے (ہی) باپ کے احوال دریافت کر رہے تھے باپ نے کہا ہاں میں نے اس کو دیکھا ہے پیچھے آ رہا ہے جن بعض نے پہچان لیا وہ بیہوش ہو گئے اور جنہوں نے

نہ پہچانا وہ کہہ رہے تھے کہ اس شخص نے اچھی خوشخبری دی ہے یہ حالت اور یہ بے ہوشی کس وجہ سے ہے؟

ہمچو پوران عزیزؑ اندر گزر	آمدہ پرساں زاحوال پدر
(حضرت) عزیرؑ کی اولاد کی طرح راستہ میں	آ کر باپ کے احوال دریافت کر رہے تھے
گشتہ ایشاں پیرو باباشاں جواں	پس پدر شاں پیش آمد ناگہاں
وہ بوڑھے ہو گئے تھے اور ان کے والد جوان تھے	تو ان کے والد اچانک سامنے آ گئے
پس پرسید ندازو کاے رہگزر	از عزیر ما عجب داری خبر
تو انہوں نے ان سے دریافت کیا اے مسافر!	ہمارے عجیب عزیر کا تجھے علم ہے
کہ کسے ماں گفت کامروز آں سند	بعد نومیدی زبیروں می رسد
کیونکہ کسی نے ہم سے کہا ہے کہ آج وہ سہارا	مایوسی کے بعد باہر سے آ جائے گا
گفت آرے بعد من خواہد رسید	آں یکے خوش شد چوایں مژدہ شنید
ان (عزیرؑ) نے کہا میرے بعد وہ آئے گا	ان میں سے ایک نے جب یہ خوشخبری سنی خوش ہوا
بانگ می زد کاے مبشر باش شاد	واں دگر بشناخت بیہوش اوفتاد
شور مچاتا تھا کہ اے خوشخبری دینے والے خوش رہ	دوسرے نے پہچان لیا بیہوش ہو کر گر گیا
کہ چہ جائی مژدہ است اے خیرہ سر	کہ در افتادیم در کان شکر
کہ اے احمق! خوشخبری کا کیا موقع ہے؟	ہم تو شکر کی کان میں پہنچ گئے ہیں
وہم را مژدہ است پیش عقل نقد	زانکہ چشم وہم شد محجوب فقد
وہم کے لئے خوشخبری ہے عقل کے لئے مشاہدہ	کیونکہ وہم کی آنکھ گمشدگی سے ڈھکی ہوئی ہے
کافراں را درد و مومن را بشیر	لیک نقد حال در چشم بصیر
کافروں کے لئے درد اور مومن کے لئے خوشخبری دینے والی ہے	لیکن بینا کی آنکھ میں نقد حال ہے
زانکہ عاشق دردم نقدست مست	لاجرم از کفر و ایماں برترست
کیونکہ عاشق مشاہدہ میں مست ہے	لامحالہ وہ کفر اور ایمان سے بالا ہے
کفر و ایماں ہر دو خود دربان اوست	کوست مغز و کفر و دیں اورا دو پوست
کفر اور ایمان دونوں اس کے دربان ہیں	کیونکہ وہ مغز ہے اور کفر اور دین اس کے دو چھلکے ہیں
کفر قشر خشک رو برتافتہ	باز ایماں قشر لذت یافتہ
کفر خشک چھلکا منہ پھیرے ہوئے ہے	پھر ایمان لذت پایا ہوا چھلکا ہے

قشر ہای خشک را جا آتش ست	قشر پیوستہ بمغز جاں خوش ست
خشک چھلکوں کی جگہ آگ ہے	چھلکا جو جان کے مغز سے وابستہ ہے وہ اچھا ہے
مغز خود از مرتبہ خوش برتر ست	برتر ست از خوش کہ لذت گستر ست
مغز "اچھے" رتبہ کی وجہ سے بالا ہے	(بلکہ) "اچھے" سے بڑھ کر ہے کیونکہ لذت بخش ہے
ایں سخن پایاں ندارد باز گرد	تا برآرد موسیم از بحر گرد
اس بات کا خاتمہ نہیں ہے واپس لوٹ	تاکہ میرا موسیٰ سمندر سے گرد اڑائے
در خور عقل عوام ایں گفتہ شد	از سخن باقی آں بنہفتہ شد
عوام کی عقل کے بقدر یہ کہہ دیا گیا	اس کی بقیہ بات پوشیدہ کر دی گئی ہے
زر عقلت ریزہ است اے مہتم	بر قراضہ مہر سکہ چوں نہم
اے تہمت زدہ! تیری عقل کا سونا ریزہ ریزہ ہے	برادے پر سکہ کی مہر کیسے لگاؤں؟
عقل تو قسمت شدہ بر صد مہم	بر ہزاراں آرزوی و طم و رم
تیری عقل سینکڑوں معاملوں میں بٹی ہوئی ہے	ہزاروں آرزوؤں اور بہت مال پر
جمع باید کرد اجزا را بعشق	تا شوی خوش چوں سمرقند و دمشق
عشق کے ذریعہ اجزاء کو جمع کرنا چاہیے	تاکہ تو سمرقند اور دمشق کی طرح حسین بن جائے
جو جوے چوں جمع کردی ز اشتباہ	پس تواں زد سکہ بر تو بادشاہ
وہم کو اگر جو جو کر کے تو جمع کر لے	تو بادشاہ تجھ پر ٹھپہ لگا سکے گا
ور ز مثقالے شوی افزوں تو خام	از تو سازد شہ یکے زرینہ جام
اے کچے! اگر تو ایک مثقال سے بڑھ جائے گا	تو بادشاہ تیرا زریں جام بنا لے گا
پس برو ہم نام و ہم القاب شاہ	باشد و ہم صورتش اے وصل خواہ
تو اس پر بادشاہ کا نام بھی اور القاب بھی	ہو گا اور اس کی تصویر بھی اے وصل کے خواہشمند
تاکہ معشوقت بود ہم ناں ہم آب	ہم چراغ و شاہد و نقل و شراب
تاکہ روٹی اور پانی بھی تیرا معشوق ہو	چراغ بھی اور شاہد بھی نقل اور شراب بھی
جمع کن خود را جماعت رحمت است	تا توانم با تو گفتن آنچہ ہست
اپنے آپ کو جمع کر لے، جماعت رحمت ہے	تاکہ میں تجھ سے جو حقیقت ہے وہ کہہ سکوں

جان شرک از باوری حق بریست	زانکہ گفتن از برای باوریست
شرک کی جان حق کو پہچاننے سے خالی ہے	اس لئے کہ کہنا یقین کے لئے ہے
درمیان شصت سودا مشترک	جان قسمت گشتہ در جو فلک
بہت سے معاملوں میں مشترک ہے	(شرک کی) جان آسمان کی فضا میں تقسیم ہو گئی ہے
پس جواب احمقاں آمد سکوت	پس خموشی بہ دہد اور اثبوت
احمقوں کے لئے جواب خاموشی ہے	خاموشی اس کے لئے اچھا ثبوت مہیا کرتی ہے
می کشاید بے مراد من دہن	ایں ہمی دانم و لے مستی تن
بغیر ارادے کے میرا منہ کھول دیتی ہے	یہ میں جانتا ہوں لیکن جسم کی مستی
ایں دہاں گردد بنا خواہ تو باز	آنچناں کز عطسہ و از خامیاز
تیرے ارادے کے بغیر منہ کھل جاتا ہے	جیسا کہ چھینک اور انگڑائی سے

درتفسیر حدیث انی لاستغفر اللہ ربی فی کل یوم سبعین مرۃً

حدیث کی تفسیر کہ میں اللہ اپنے رب سے ہر روز ستر مرتبہ مغفرت چاہتا ہوں

توبہ آرم روز من ہفت ادبار	ہمچو پیغمبرؐ زگفت و از نثار
میں دن میں ستر بار توبہ کرتا ہوں	پیغمبرؐ کی طرح گفتگو اور (اسرار) نچھاور کرنے سے
منسی ست ایں مستی تن جامہ کن	لیک آں مستی بود توبہ شکن
یہ کپڑے چاک کرنے والی جسم کی مستی بھلا دینے والی ہے	لیکن وہ مستی توبہ شکن بنتی ہے
مستی انداخت بردانای راز	حکمت اظہار تاریخ دراز
ایک راز داں پر مستی طاری کر دیتی ہے	دراز تاریخ کے اظہار کی حکمت
آب جوشاں گشتہ از جف القلم	راز پنہاں باچنیں طبل و علم
جف القلم سے پانی جوش مارتا ہے	پوشیدہ راز ایسے نقارے اور جھنڈے کے ساتھ
خفتہ اید از درک آں اے مرداں	رحمت بیحد روانہ ہر زماں
اے انسانو! تم اس کے علم سے سوئے ہوئے ہو	لامحدود رحمت ہر زمانہ میں جاری ہے
خفتہ اندر آب جویای سراب	جامۂ خفتہ خورد از جوی آب
پانی میں سویا ہوا، سراب کا جویاں ہے	سوئے ہوئے کا کپڑا نہر کا پانی پی رہا ہے

میرود آنجای بوی آب ہست — زیں تفکر راہ رابر خویش بست

وہاں جاتا ہے جہاں پانی کی امید ہے — اس خیال سے اس نے اپنا راستہ مسدود کر دیا

چونکہ آنجا گفت زینجا دور شد — برخیالے اوز حق مہجور شد

جبکہ اس نے اس جگہ کی سوچی اس جگہ سے دور ہو گیا — ایک خیال (کی بنیاد) پر وہ سچ واقعہ سے دور ہو گیا

دور بینانند و بس خفتہ رواں — رحمتے آرید شاں اے رہرواں

سوئی ہوئی روح والے فقط دور بیں ہیں — اے سالکو! ان پر رحم کرو

من ندیدم تشنگی خواب آورد — خواب آرد تشنگی بے خرد

میں نے نہیں دیکھا کہ پیاس سلائے — بے عقل کی پیاس سلاتی ہے

خود خرد آنست کو از حق چرید — نے خرد کاں را عطارد آورید

عقل وہی ہے جو اللہ (تعالیٰ) سے فیضیاب ہو — نہ وہ عقل جو عطارد (ستارے) سے تم لائے ہو

بیان آنکہ عقل جزوی تا بگور پیش نہ بیند و در باقی مقلد انبیا و اولیاست

اس کا بیان کہ ناقص عقل قبر سے آگے نہیں دیکھتی ہے اور باقی معاملات میں انبیاء اور اولیاء کی مقلد ہے

پیش بینی ایں خرد تا گور بود — واں صاحبدل بنفخ صور بود

اس عقل کی دور بینی قبر تک ہے — صاحبدل کی ملکیت صور پھونکنے تک ہے

ایں خرد از گور وخاکے نگذرد — ویں قدم عرصہ عجائب نسپرد

یہ عقل قبر اور مٹی سے آگے نہیں جاتی ہے — یہ قدم عجائب کے میدان کو طے نہیں کرتا ہے

زیں قدم زیں عقل رو بیزار شو — چشم غیبی جوی و برخور دار شو

اس قدم اور اس عقل سے (ہٹ) جا بیزار ہو جا — غیبی آنکھ تلاش کر اور نفع اٹھا

ہمچو موسیٰ نور کے یابد ز جیب — سخرۂ استاد و شگرد کتیب

(حضرت) موسیٰ کی طرح گریبان سے نور کب حاصل کرتا ہے؟ — استاد کا تابع اور کتاب کا شاگرد

زیں نظر ویں عقل ناید جز دوار — پس نظر بگزار و بگزیں انتظار

اس غور و فکر اور اس عقل سے سوائے دردسر کے کچھ حاصل نہیں ہوتا — تو غور و فکر چھوڑ اور انتظار اختیار کر

از سخن گوئی مجوئید ارتفاع — منتظر را بہ ز گفتن استماع

باتیں بنانے سے بلندی نہ چاہو — منتظر کے لئے کہنے سے سننا بہتر ہے

منصب تعلیم نوعے شہوتست	ہر خیال شہوتی در رہ بت است
تعلیم کا مقام ایک قسم کی خواہش نفسانی ہے	نفسانی ہر خیال راستہ کا بت ہے
گر بفضلش پے ببردے ہر فضول	کے فرستادے خدا ایں چندیں رسول
اگر ہر بیہودہ اپنی بڑائی کی وجہ سے پتہ پا لیتا	تو خدا اتنے رسول کب بھیجتا
عقل جزوی ہمچو برق ست و درخش	در درخشی کے تواں شد سوی وخش
ناقص عقل بجلی اور چمک کی طرح ہے	چمک میں وخش تک کہاں جایا جا سکتا ہے
نیست نور برق بہر رہبری	بلکہ امرست ابر را کہ می گری
بجلی کی چمک راستہ طے کرنے کے لئے نہیں ہے	بلکہ وہ ابر کو حکم ہے کہ تو رو
برق عقل ما برای گریہ است	تا بگرید نیستی در شوق ہست
ہماری عقل کی چمک رونے کے لئے ہے	تاکہ روئے فنا عشق میں ہے
عقل کودک گفت بر کتاب تن	لیک نتواند بخد آموختن
بچہ کی عقل نے کہا کتب میں جا	لیکن اس کو وہ خود سکھا نہیں سکتی
عقل رنجور آردش سوی طبیب	لیک نبود در دوا عقلش مصیب
بیمار کی عقل اس کو طبیب کے پاس لاتی ہے	لیکن دوا (تجویز کرنے) میں اس کی عقل صحیح پہنچنے والی نہیں ہے
نک شیاطیں سوی گردوں می شدند	گوش بر اسرار بالا می زدند
یہ شیطان آسمان کی جانب گئے	(عالم) بالا کے رازوں پر کان لگایا
می ربودند اندکے زاں رازہا	تا شہب می راندشاں زود از سما
ان رازوں میں سے کچھ ایک لے گئے	تو شہابوں نے فوراً انہیں آسمان سے بھگا دیا
کہ روید آنجا رسولے آمدہ است	ہر چہ می خواہید از و آید بدست
کہ جاؤ وہاں ایک رسول آ گیا ہے	تم جو چاہتے ہو اس سے ہاتھ آئے گا
گر ہمی جوئید درِ بے بہا	ادخلوا الابیات من ابوابہا
اگر تم گراں قدر موتی تلاش کرتے ہو	گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو
می زن آں حلقۂ در و بر با ایست	کز سوی بام فلک تاں راہ نیست
دروازے کی کنڈی بجا اور دروازے پر ٹھہر	اس لئے کہ آسمان کے بالاخانہ کی جانب تمہارے لئے راستہ نہیں ہے

نیست حاجت تابدیں راہ دراز	خاکیئے را دادہ ایم اسرار راز
اس دراز راستہ کی ضرورت نہیں ہے	ہم نے ایک خاکی کو راز کے بھید دے دیئے ہیں
پیش او آئید اگر خائن نہ اید	نیشکر گردید ازو گرچہ نے اید
اگر تم خائن نہیں ہو تو اس کے سامنے آؤ	اس سے گنا بن جاؤ گے اگرچہ تم نرکل ہو
سبزہ رویاند زخاکت آں دلیل	نیست کم از سم اسپ جبرئیلؑ
وہ رہنما تیری خاک سے سبزہ اگا دے گا	وہ جبرئیل کے گھوڑے کے سم سے کم نہیں ہے
سبزہ گردی تازہ گردی از نوی	گر تو خاک اسپ جبرئیلے شوی
تو از سر نو سبزہ بن جائے گا تازہ بن جائے گا	اگر تو کسی جبرئیل کے گھوڑے کی خاک بن جائے گا
سبزۂ جاں بخش کاں را سامری	کرد درگو سالہ تاشدی گوہری
جان عطا کرنے والا سبزہ جس کو سامری نے	بچھڑے میں رکھ دیا یہاں تک کہ وہ جوہر والا ہو گیا
جاں گرفت و بانگ زدزاں سبزہ او	آنچناں بانگے کہ شد فتنہ عدو
اس سبزہ سے وہ جاندار ہو گیا اور بولنے لگا	اس طرح بولا کہ وہ دشمن کے لئے فتنہ بن گیا
گر امیں آئید سوی اہل راز	وارہید از سر کلہ مانند باز
اگر تم راز دار کی جانب امانتدار بن کر آؤ گے	تو باز کی طرح سر کی ٹوپی سے نجات پا جاؤ گے
سر کلاہ چشم بندو گوش بند	کہ ازو باز ست مسکین و نژند
وہ سر کی ٹوپی جو آنکھ کی بندش اور کان کی بندش ہے	جس کی وجہ سے باز مسکین اور خستہ ہے
زاں کلہ بر چشم باز اول شدست	کہ ہمہ میلش سوی جنس خودست
وہ ٹوپی باز کی آنکھوں پر ابتداءً اس لئے آئی ہے	کہ اس کا تمام میلان اپنی جنس کی طرف ہے
چوں برید از جنس باشہ گشت یار	برکشاید چشم او را باز وار
جب وہ اپنی ہم جنس سے کٹا شاہ کا دوست ہو گیا	تو باز کی طرح اس کی آنکھیں کھول دے گا
راندہ دیواں را حق از مرصاد خویش	عقل جزوی را ز استبداد خویش
اللہ (تعالیٰ) نے شیطانوں کو اپنی گھات سے بھگا دیا	ناقص عقل کو اپنے مستقل ہونے سے (بھگا دیا)
کہ سری کم کن نہ تو مستبد	بلکہ شاگرد ولی و مستعد
کہ خود سری نہ کر تو مستقل نہیں ہے	بلکہ تو ولی کا شاگرد اور صاحب استعداد ہے

زو بردل رو کہ تو جزو ولی	ہیں کہ بندہ بادشاہ عادلی
جلد دل کے پاس جا، کیونکہ تو ولی کا جز ہے	خبردار! تو منصف بادشاہ کا غلام ہے
بندگی او بہ از سلطانی است	کہ انا خیرم شیطانی است
اس کی غلامی بادشاہت سے بہتر ہے	"میں بہتر ہوں" کا دعویٰ شیطانی ہے
فرق بین و برگزیں تو اے خسیس	بندگی آدمؑ از کبر جلیس
اے کمینے! تو فرق سمجھ لے اور اختیار کر	آدمؑ کی بندگی، شیطان کے تکبر کے بجائے
گفت آنکہ ہست خورشید رہ او	حرف طوبیٰ ہر کہ ذلت نفسہٗ
جو راہ کا سورج ہے اس نے کہا ہے	وہ طوبیٰ کا لفظ ہر اس شخص کے لئے ہے جس کا نفس ذلیل ہوا
سایہ طوبیٰ ببین و خوش بخسپ	سر بنہ درسایۂ سرکش نخسپ
طوبیٰ کا سایہ دیکھ لے اور آرام سے سو	سر رکھ دے، سرکش کے سایہ میں نہ سو
ظل ذلت نفسہ خوش مضجعے ست	مستعد ان صفارا مہجعے ست
"ذلت نفسہ" کا سایہ بہترین خواب گاہ ہے	صفائی کی استعداد رکھنے والوں کے لئے خوابگاہ ہے
گر ازیں سایہ روی سوی منی	زود طاغی گردی و رہ گم کنی
اگر تو اس سایہ سے خودی کی طرف جائے گا	فوراً سرکش بن جائے گا اور راستہ گم کر دے گا

بیان آیۂ کریمہ یایھا الذین امنو الا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ واتقوا اللہ

آیت کریمہ کا بیان اے مومنو! پیش قدمی نہ کرو اللہ اور اس کے رسول کے سامنے اور اللہ سے ڈرو

از حکیم سنائی ست

حکیم سنائی نے کہا ہے

چوں نبی نیستی زامت باش	چونکہ سلطاں نہ رعیت باش
جب تو نبی نہیں ہے، امتی بن	جبکہ تو بادشاہ نہیں ہے، رعیت بن
پس روخامشا و خامش باش	وز خودی رای زحمتی متراش
تو خاموشوں کا پیرو اور خاموش بن	اور خودی سے تکلیف کی رائے نہ اختیار کر
پس روی خاموش باش از انقیاد	زیر ظل امر شیخ و اوستاد
تو پیرو بن، فرمانبرداری سے چپ رہ	استاد اور شیخ کے حکم کے سایہ تلے

پس رو صامت شو د خاموش باش	از وجود خویش والی کمتراش
تو بیرو ہے چپ ہو جا اور خاموش رہ	اپنے وجود کو والی (حاکم) نہ بنا
ورنہ گرچہ مستعدی و قابلی	مسخ گردی تو زلاف کاملی
ورنہ اگرچہ تو صاحب استعداد و قابلیت ہے	تو کمال کی شیخی بگھارنے سے مسخ ہو جائے گا
ہم زاستعداد و آمانی اگر	سرکشی زاستاد راد باخبر
استعداد اور تمناؤں سے بھی اگر	تو عقلمند، باخبر استاد سے سرکشی کرے گا
صبر کن در موزہ دوزی و بسوز	ورشوی بے صبر مانی پارہ دوز
موزہ سینے اور مشقت پر صبر کر	اگر تو بے صبر بنے گا پیوند لگانے والا رہ جائے گا
کہنہ دوزاں گر بدے شاں صبر و حلم	جملہ نو دوزاں شدندے ہم بعلم
پرانے جوتے گانٹھنے والوں کو اگر صبر اور بردباری حاصل ہوتی	ہنر کے ذریعہ سب نیا (موزہ) سینے والے بن جاتے
پس بکوشی و بآخر از کلال	خود بخود گوئی کہ العقل عقال
پھر تو کوشش کرے گا اور بالآخر تھک کر	خود کہے گا کہ عقل بندھن ہے
ہمچوں مرد مفلست روز مرگ	عقل رامی دید بس بے بال و برگ
اس فلسفی کی طرح جس نے موت کے دن	عقل کو بہت بے ساز و سامان دیکھا
بے غرض می کرد آندم اعتراف	کز ذکاوت راندیم اسپ از گزاف
اس وقت اس نے اخلاص سے اقرار کیا	کہ ہم نے ذہانت کے گھوڑے بیکار دوڑائے
از غروری سرکشیدم از رجال	آشنا کردیم در بحر خیال
میں نے تکبر کی وجہ سے (ناخدا) لوگوں سے سرکشی کی	خیال کے سمندر میں تیراکی کی
آشنا ہیچ ست اندر بحر روح	نیست آنجا چارہ جز کشتی نوحؑ
روح کے سمندر میں تیراکی بیکار ہے	وہاں نوحؑ کی کشتی کے سوا چارہ نہیں ہے
کاشکے او آشنا نا موختے	تا طمع در نوحؑ و کشتی دوختے
کاش وہ تیراکی نہ سیکھتا	تاکہ تمنا کو نوحؑ اور کشتی سے وابستہ کر دیتا
اینچنیں فرمود آں شاہ رسل	کہ منم کشتی دریں دریای کل
رسولوں کے شاہ نے اسی لئے فرمایا ہے	کہ اس عظیم دریا میں کشتی میں ہوں

یا کسے کو در بصیر تہای من — شد خلیفہ راستیں برجای من

یا وہ ہے جو میری بصیرتوں میں — میری جگہ سچا قائم مقام بنا ہے

کشتی نوحیم در دریا کہ تا — رونگردانی زکشتی اے فتیٰ

میں دریا میں نوح والی کشتی ہوں، ہرگز — اے نوجوان! تو کشتی سے رو گردانی نہ کر

ہمچو کنعاں سوی ہر کوہے مرو — از نبے لاعاصم الیوم شنو

کنعان کی طرح ہر پہاڑی کی جانب نہ جا — قرآن سے "آج کوئی بچانے والا نہیں" سن لے

می نماید پست ایں کشتی زبند — می نماید کوہ فکرت بس بلند

پردے کی وجہ سے یہ کشتی پست نظر آتی ہے — تجھے عقل کا پہاڑ بلند نظر آتا ہے

پست منگر ہاں وہاں ایں پست را — بنگر آں فضل خدا پیوست را

خبردار خبردار! اس نیچی (کشتی) کو نیچا نہ سمجھ — خدا سے جڑے ہوئے اس فضل کو دیکھ

در بلندی کوہ فکرت کم نگر — کہ یکے موجش کند زیر و زبر

اپنی عقل کے پہاڑ کو بلند نہ سمجھ — کیونکہ اس کو ایک موج تہ و بالا کر دے گی

گر تو کنعانی نداری باورم — گر دو صد چندیں نصیحت آورم

اگر تو کنعان (صفت) ہے میرا یقین نہ کرے گا — خواہ میں اس جیسی دو سو نصیحتیں کروں

گوش کنعاں کے پذیرد ایں کلام — کہ برو مہر خدا ایست و ختام

اس بات کو کنعان کا کان کب قبول کرتا ہے؟ — کیونکہ اس پر خدا کی مہر' (لگی ہوئی) ہے

کے گزارد موعظت بر مہر حق — کے بگرداند حدث حکم سبق

نصیحت اللہ (تعالیٰ) کی مہر سے آگے کب بڑھ سکتی ہے؟ — نئی بات ازلی حکم کب بدل سکتی ہے؟

لیک می گویم حدیث خوش پی — بر امید آنکہ تو کنعاں نہ

لیکن میں خوشگوار بات سناتا ہوں — اس امید پر کہ تو کنعان نہیں ہے

آخر ایں اقرار خواہی کرد ہیں — ہم ز اول روز آخر را ببیں

خبردار! بالآخر تو یہ اقرار کرے گا — پہلے ہی دن سے انجام ہیں بن جا

می توانی دید آخر را مکن — چشم آخر بینت را کور و کہن

تو انجام کو دیکھ سکتا ہے، نہ بنا — اپنی انجام بیں آنکھ کو اندھا اور پرانا

نبودش ہر دم برہ رفتن عثار	ہر کہ آخر بیں بود مسعود وار
اس کو راستہ چلنے میں ہر وقت ٹھوکر نہیں لگتی ہے	جو نیک بخت کی طرح انجام بیں ہوتا ہے
کن زخاک پای مردے چشم تیز	گر نخواہی ہر دمے ایں خفت وخیز
کسی مرد (خدا) کے پاؤں کی خاک سے آنکھ کو تیز کرلے	اگر تو ہر وقت گرنا اور سنبھلنا نہیں چاہتا
تانیند ازی سر اوباش را	کحل دیدہ ساز خاک پاش را
تاکہ بیہودہ سر کو نہ ٹکرائے	اس کے پاؤں کی خاک کو آنکھ کا سرمہ بنالے
سوزنے باشی شوی تو ذوالفقار	کہ ازیں شاگردی وزیں افتقار
اگر تو سوئی (بھی) ہے ذوالفقار (تلوار) بن جائے گا	کیونکہ اس شاگردی اور اس احتیاج سے
ہم بسوزد ہم بسازد دیدہ را	سرمہ کن تو خاک ہر بگزیدہ را
وہ لگتی بھی ہے آنکھ کو بناتی (بھی) ہے	ہر برگزیدہ کی خاک کو سرمہ بنالے
تا بہ بینی زابتدا تا انتہا	چشم روشن کن زخاک اولیا
تاکہ تو آغاز سے انجام تک دیکھ لے	اولیاء کی خاک سے آنکھ روشن کرلے
کو خورد از بہر نور چشم خار	چشم اشتر زاں بود بش نور بار
کہ وہ آنکھ کی روشنی کے لئے کانٹا کھاتا ہے	اونٹ کی آنکھ اسی لئے زیادہ روشن ہوتی ہے
چشم تو روشن شود جاں باصفا	خار خورتا گل بروياند ترا
تیری آنکھ روشن اور روح صاف ہو جائے گی	کانٹا چبا تاکہ وہ تجھ میں پھول اگائے
چشم جاں راحق بخشد روشنی	خار را از چشم دل گر بر کنی
اللہ (تعالیٰ) جان کی آنکھ کو روشنی عطا فرمادے گا	اگر تو دل کی آنکھ سے کانٹا نکال دے گا

قصۂ شکایت اشتر بہ اشتر کہ من بسیار در روی افتم در راہ رفتن وتو کم می افی چون است وجواب گفتن شتر مر استر را

خچر کی اونٹ سے شکایت کا قصہ کہ میں راستہ چلنے میں منہ کے بل بہت گرتا ہوں اور تو نہیں گرتا (یہ) کیوں ہے؟ اور اونٹ کا خچر کو جواب دینا

چونکہ با او جمع شد در آخرے	اشترے را دید روزے استرے
جبکہ وہ ایک اصطبل میں اس کے ساتھ جمع ہوا	ایک خچر نے ایک روز ایک اونٹ کو دیکھا

گفت من بسیاری افتم برو	درگریوه و راه و در بازار و کو
اس نے کہا میں منہ کے بل بہت گرتا ہوں	ٹیلے اور راستہ میں اور بازار و کوچہ میں
کزچہ در روی فتم بسار من	در رہ ہموار و ناہموار من
میں منہ کے بل اکثر کیوں گرتا ہوں؟	ہموار اور ناہموار راستہ میں
خاصہ از بالائی کہ تا زیر کوہ	دوسرآیم ہر زمانے از شکوہ
خصوصاً پہاڑ کے اوپر سے پہاڑ کے نیچے تک	ہر وقت خوف سے میں منہ کے بل گر جاتا ہوں
کم ہمی افتی تو در رو بہر چیست	یا مگر خود جان پاک دولتیست
کیا سبب ہے؟ تو منہ کے بل نہیں گرتا ہے	شاید تیری پاک جان (غیب سے) مالا مال ہے
درسرآیم ہر دم و زانو زنم	پوز و زانو زاں خطا پرخوں کنم
میں ہر وقت سر کے بل گرتا ہوں اور گھٹنے رگڑ لیتا ہوں	اس غلطی سے تھوتھنی اور گھٹنے، زخمی کر لیتا ہوں
کژشود پالاں ورختم برسرم	وزمکاری ہر زماں زخمے خورم
میرا پالان اور میرا بوجھ میرے سر پر الٹا ہو جاتا ہے	اور گدھے والے سے میں ہر وقت پٹتا ہوں
ہمچو کم عقلے کہ از عقل تباہ	بشکند توبہ بہردم از گناہ
اس بیوقوف کی طرح جو برباد شدہ عقل کیوجہ سے	گناہ کر کے ہر وقت توبہ توڑ دیتا ہے
سخرۂ ابلیس گردد در زمن	از ضعیفی رای آں توبہ شکن
زمانے میں شیطان کے تابع بنتی ہے	کمزوری کی وجہ سے اس توبہ شکن کی رائے
درسرآید ہرزماں چوں اسپ لنگ	کہ بود بارش گران و راہ سنگ
وہ لنگڑے گھوڑے کی طرح ہر وقت منہ کے بل گرتا ہے	جس پر بھاری بوجھ ہو اور سنگلاخ راستہ ہو
می خورد از غیب برسر زخم او	از شکست توبہ آں ادبار خو
غیب سے وہ سر پر چوٹ کھاتا ہے	وہ منحوس توبہ کے ٹوٹنے سے
باز توبہ می کند بارای ست	دیو یک پف کرد توبہ راشکست
پھر کمزور ارادے سے توبہ کرتا ہے	شیطان نے ایک پھونک ماری، توبہ کو توڑ دیا
ضعف اندرضعف وکبرش آنچناں	کہ بخواری بنگرد در و اصلاں
کمزوری در کمزوری اور اس کا تکبر اس قدر	کہ اولیاء کو ذلت سے دیکھتا ہے

اے شتر کہ تو مثال مومنی	کم فتی در رو و کم بینی زنی
اے اونٹ! تو مومن کی طرح ہے	منہ کے بل نہیں گرتا ہے اور مار نہیں کھاتا ہے
توچہ داری کہ چنیں بے آفتی	بے عثاری و کم اندر روفتی
تیرے پاس کیا ہے کہ تو ایسا بے مصیبت ہے	بغیر لغزش کے ہے اور منہ کے بل نہیں گرتا ہے
گفت گرچہ ہر سعادت از خداست	درمیان ماوتو بس فرقہاست
اس نے کہا اگرچہ ہر نیک بختی اللہ (تعالیٰ) کی جانب سے ہے	ہم میں اور تجھ میں بہت فرق ہیں
سربلندم من دو چشم من بلند	بینش عالی امان ست از گزند
میرا سر بلند ہے میری دونوں آنکھیں بلند ہیں	بلندی سے دیکھنا تکلیف سے امن (کا سبب) ہے
از سر کہ من بہ بینم پای کوہ	ہر گو و ہموارہ رامن توہ توہ
میں پہاڑ کی چوٹی سے، پہاڑ کی جڑ تک دیکھ لیتا ہوں	تہ بہ تہ ہر گڑھے اور ہموار کو
ہمچناں کہ دید آں صدر اجل	پیش کار خویش تا روز اجل
جس طرح اس بزرگ نے دیکھ لیا	پہلے سے اپنے معاملہ کو موت کے دن تک
انچہ خواہد بود بعد بست سال	داند اندر حال آں نیکو خصال
جو بات بیس سال بعد ہوگی	وہ نیک خصلت اس کو اسی وقت جانتے تھے
حال خود تنہا ندید آں متقی	بلکہ حال مغربی و مشرقی
اس متقی نے صرف اپنا حال ہی نہیں دیکھا	بلکہ مغربی اور مشرقی کا (بھی دیکھا)
نور در چشم ودلش ساز د سکن	بہر چہ سازد پئے حب الوطن
نور، اس کی آنکھ اور دل کو مسکن بناتا ہے	کیوں بناتا ہے؟ وطن کی محبت کی خاطر
ہمچو یوسف کو بدید اول بخواب	کہ سجودش کرد ماہ و آفتاب
جس طرح (حضرت) یوسف کہ انہوں نے شروع ہی میں خواب میں دیکھ لیا تھا	کہ ان کو چاند اور سورج نے سجدہ کیا
از پس دہ سال بلکہ بیشتر	انچہ یوسف دیدہ بد بر کرد سر
دس سال کے بعد بلکہ اس سے بھی زیادہ میں	جو کچھ یوسف نے دیکھا تھا ، وہ ظاہر ہوا
نیست آں ینظر بنور اللہ گزاف	نور ربانی بود گردوں شکاف
"وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے" لغو نہیں ہے	خدائی نور آسمان کو پھاڑنے والا ہوتا ہے

نیست اندر چشم تو آں نور رو	ہستی اندر حس حیوانی گرو
جا! تیری آنکھ میں وہ نور نہیں ہے	تو حیوانی حس میں پھنسا ہے
توز ضعف چشم بینی پیش پا	تو ضعیف وہم ضعیف پیشوا
تو آنکھ کی کمزوری کی وجہ سے (صرف) پاؤں کے آگے دیکھتا ہے	تو کمزور ہے اور تیرا پیشوا بھی کمزور ہے
پیشوا چشم ست دست و پای را	کو بہ بیند جای رانا جای را
ہاتھ اور پاؤں کا پیشوا آنکھ ہے	کیونکہ وہ صحیح اور غلط جگہ کو دیکھتی ہے
دیگر آنکہ چشم من روشن ترست	دیگر آنکہ خلقت من اطہرست
علاوہ ازیں میری آنکھ زیادہ روشن ہے	علاوہ ازیں میری پیدائش پاک ہے
زانکہ ہستم من ز اولاد حلال	نے ز اولاد زنا و اہل ضلال
کیونکہ میں حلال اولاد میں سے ہوں	نہ کہ زنا اور گمراہوں کی اولاد
توز اولاد زنائی بے گماں	تیر کژ پرد چو کژ باشد کماں
تو یقیناً زنا کی اولاد ہے	تیر ٹیڑھا اڑتا ہے جبکہ کمان ٹیڑھی ہو

تصدیق کردن استر جوابہای اشتر را و اقرار آوردن بفضل او بر خود و از و استعانت خواستن و بدو پناہ گرفتن بصدق و نواختن شتر او را و راہ نمودن و یاری دادن پدرانہ و شاہانہ

خچر کا اونٹ کے جوابوں کی تصدیق کرنا اور اپنے اوپر اس کی بڑائی کا اقرار کرنا اور اس سے مدد مانگنا اور سچائی سے اس کی پناہ پکڑنا اور اونٹ کا اس کو نوازنا اور پدرانہ اور شاہانہ طریقہ پر اس کی رہنمائی اور مدد کرنا

گفت استر راست گفتی اے شتر	ایں بگفت و کرد چشم از اشک پر
خچر نے کہا اے اونٹ! تو نے سچ کہا	یہ کہا اور آنکھوں میں آنسو بھر لایا
ساعتے بگریست در پایش فتاد	گفت اے بگزیدۂ رب العباد
تھوڑی دیر رویا اس کے پاؤں پڑا	کہا اے بندوں کے رب کے برگزیدہ!
چہ زیاں دارد کہ از فرخندگی	در پذیری تو مرا در بندگی
کیا نقصان ہوگا کہ (اگر) برکت کی وجہ سے	تو مجھے غلامی میں قبول کر لے؟
فضل تو بر من فزونست از شمار	ہم ز فضل خود مرا معذور دار
تیری بزرگی بے شمار مجھ سے بڑھی ہوئی ہے	اپنی بڑائی کی وجہ سے میرا عذر قبول کر لے

گفت چوں اقرار کردی پیش من	رو کہ رستی تو ز آفات زمن
اس نے کہا جب تو نے میرے سامنے اقرار کر لیا ہے	جا تو زمانے کے مصائب سے نجات پا گیا
دادی انصاف و رہیدی از بلا	تو عدو بودی شدی زاہل ولا
تو نے انصاف کیا اور مصیبت سے چھوٹ گیا	تو دشمن تھا دوستوں میں سے ہو گیا
خوی بد در ذات تو اصلی نبود	کز بد اصلی نیاید جز جحود
تیری ذات میں بدعادت اصلی نہ تھی	کیونکہ اصلی بد سے صرف انکار (سرزد) ہوتا ہے
آں بد عاریتی باشد کہ او	آرد اقرار و شود او توبہ جو
وہ عارضی بد ہوتا ہے کہ جو	(خطا کا) اقرار کر لے اور توبہ کی جستجو کر
ہمچو آدمؑ زلتش عاریہ بود	لاجرم اندر زماں توبہ نمود
جیسے کہ (حضرت) آدم ان کی لغزش عارضی تھی	لامحالہ (انہوں نے) فوراً توبہ کر لی
چونکہ اصلی بود جرم آں ابلیس	رہ نبودش جانب توبہ نفیس
چونکہ شیطان کی خطا اصلی تھی	(اس لئے) عمدہ توبہ کی طرف اس کا راستہ نہ تھا
رو کہ رستی از خودی و از خوی بد	وز زبانہ نار وز دندان دد
جا کہ تو خودی اور بدعادت سے نجات پا گیا	آگ کے شعلے اور درندوں کے دانت سے
رو کہ اکنوں دست در دولت زدی	در فگندی خود بجنت سرمدی
جا کہ اب دولت تیرے ہاتھ آ گئی ہے	تو نے اپنے آپ کو دائمی خوش نصیبی سے وابستہ کر دیا ہے
ادخلی چوں فی عبادی یافتی	ادخلی فی جنتی دریافتی
جب تو نے "میرے بندوں میں داخل ہو جا" کو پا لیا	تو نے "داخل ہو جا میری جنت میں" کو حاصل کر لیا ہے
در عبادش راہ کردی خویش را	رفتی اندر خلد از راہ خفا
(جب) تو نے اپنا راستہ اس کے بندوں میں بنا لیا ہے	تو غیر محسوس طریقہ پر جنت میں چلا گیا ہے
اہدنا گفتی صراط المستقیم	دست تو بگرفت بردت تا نعیم
تو نے ہم کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے، کہا	اس نے تیرا ہاتھ پکڑا اور جنت میں لے گیا
نار بودی نور گشتی اے عزیز	غورہ بودی گشتی انور و مویز
اے پیارے! تو آگ تھا نور بن گیا	تو کچا خوشہ تھا، انگور اور منقی بن گیا

اخترے بودی شدی تو آفتاب	شادباش واللہ اعلم بالصواب
تو تارا تھا سورج بن گیا	خوش رہو' اور بہتر تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے
اے ضیاء الحق حسام الدین بگیر	شہد خویش اندر فگن در جوی شیر
اے ضیاء الحق حسام الدین! تو لے	اپنا شہد دودھ کی نہر میں ملا دے
تارہد آں شیر از تغییر طعم	یا بداز بحر مزہ تکثیر طعم
تاکہ وہ دودھ مزہ بدلنے سے محفوظ ہو جائے	اور مزے کے سمندر سے مزید ذائقہ حاصل کرے
متصل گردد بداں بحر الست	چونکہ شد دریا زہر تغییر رست
وہ "الست" کے سمندر سے مل جائے گا	جب وہ دریا بن جائے گا' ہر تغیر سے بچ جائے گا
منفذے یا بدد راں بحر عسل	آفتے رانبود اندر وے عمل
اس شہد کے دریا میں راستہ پا لے گا	اس میں کسی آفت کا عمل نہ ہو سکے گا
غرہ کن شیر وار اے شیر حق	تارود آں غرہ برہفتم طبق
اے اللہ کے شیر! شیر کی طرح غرا	تاکہ وہ دہاڑ ساتویں آسمان پر پہنچے
چہ خبر جان ملول سیر را	کے شناسد موش غرہ شیر را
کاہل ست کی جان کو کیا خبر؟	چوہا شیر کی دہاڑ کو کہاں پہچانتا ہے؟
برنویس احوال خود باآب زر	بہر ہر دریا دلے نیکو گہر
اپنے احوال سونے کے پانی سے لکھ دے	ہر دریا دل نیک فطرت کے لئے
آب نیل ست ایں حدیث جانفزا	یاربش در چشم قبطی خوں نما
یہ روح کو بڑھانے والی بات (دریائے) نیل کا پانی ہے	اے خدا اسے قبطی کی نظر میں خون بنا دے

عقل ووہم کی حالت ایسی ہے جیسے کہ حضرت عزیر کے لڑکوں کی۔ قصہ ان کا یہ ہے کہ وہ تلاش پدر میں جاتے ہوئے لوگوں سے حضرت عزیر کی حالت دریافت کرتے تھے وہ بڈھے ہوگئے تھے اور ان کے باپ جوان تھے کیونکہ جوانی میں انتقال فرمایا تھا اور سو برس تک مردہ رہے تھے اور سو برس کے بعد حق سبحانہ نے ان کو دوبارہ اسی حالت پر زندہ کیا تھا جس پر انہوں نے انتقال فرمایا تھا پس ایسی حالت میں حضرت عزیر دفعتہ ان کے سامنے آگئے چونکہ یہ بڈھے تھے اور وہ جوان اس لئے یہ اپنے باپ کو نہ پہچان سکے اور دریافت کیا کہ اے مسافر ہمارے عجیب وغریب باپ عزیر کی بھی تجھے کچھ خبر ہے کیونکہ کسی نے ہم سے کہا ہے کہ آج ناامیدی کے بعد عزیر باہر سے آئیں گے انہوں نے (تو بیجا) فرمایا جی ہاں میرے بعد آئیں گے (جس کا مطلب یہ تھا کہ گفتگو میں تمہارے سامنے موجود ہوں اور تم مجھے نہیں پہچانتے اور سمجھتے ہو کہ عزیر کوئی

اور ہیں جو میرے بعد آئیں گے۔ فاندفع شبهة الکذب عن کلام عزیر علیه السلام) پس ایک لڑکے کو تو ان کے لہجہ کی طرف التفات نہ ہوا اور اس کو خبر پر محمول کیا اور یہ خبر سن کر خوش ہوا اور جوش میں کہا کہ اے خوشخبر دینے والے خدا کرے تو خوش رہے کہ تو نے ہمیں خوشخبری سنائی۔ دوسرے نے ان کے طرز ادائے مضمون کو سمجھ لیا اور پہچان لیا کہ یہ عزیر ہیں اور بے ہوش ہو کر گر پڑا اور بزبان حال کہا کہ ارے یہ خبر کا کیا موقع ہے ہم تو شکر کی کان میں پہنچ گئے اور ہمیں تو ہمارا مطلوب مل گیا۔ بس یہی حالت عقل و وہم کی ہے کہ وہم کے لئے ایک شے خبر ہوتی ہے اور عقل کے نزدیک مشاہد اور وہم کے نزدیک خبر ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہم ظاہر بین ہے اور ظاہر میں وہ شے موجود نہیں ہوتی۔ پس یہ فقدان کا پردہ اس پر پڑا ہوتا ہے اور اس لئے وہ اسے نہیں دیکھ سکتا۔ پھر اس خبر کی دو شانیں ہوتی ہیں کہ کافروں کے لئے تکلیف دہ ہے اور مومنین کے لئے خوش کن مگر بینا کے نزدیک وہ مشاہد ہے کیونکہ وہ عاشق ہوتا ہے اور عاشق مشاہدہ میں مستغرق ہوتا ہے اسی لئے اس کا مرتبہ کفر و ایمان تقلیدی سے بالاتر ہوتا ہے۔ کفر سے بالاتر تو اس لئے کہ کفر جہل ہے اور اس کو علم کا اعلیٰ درجہ حاصل ہے اور ایمان تقلیدی سے اس لئے کہ وہ تصدیق بدوں مشاہدہ ہے اور یہ تصدیق مع المشاہدہ اس لئے کفر و ایمان تقلیدی گویا کہ اس عاشق کی حالت کے ذریات ہیں کیونکہ مغز درحقیقت وہ ہے اور کفر و ایمان اس کے دو پوست ہیں۔

فائدہ:۔ مولانا نے کفر و ایمان کو حالت عاشق کا دربان قرار دیا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ جس طرح وہ شخص جو کسی امیر تک پہنچنا چاہتا ہے اس کو اول مختلف ڈیوڑھیوں کے دربانوں سے واسطہ پڑتا ہے اور دربانوں سے گزر کر امیر تک پہنچتا ہے یوں ہی مشاہدہ حق سبحانہ تک پہنچنے کے لئے ضرورت ہوتی ہے کہ اول آدمی کفر سے نجات پائے اور اس کے بعد ایمان تقلیدی سے آگے بڑھے تب مشاہدہ تک رسائی ہوتی ہے اس مناسبت کے سبب کفر و ایمان کو مشاہدہ کا دربان کہا اور پوست دونوں کو اس لئے کہا کہ یہ دونوں مشاہدہ سے ادنیٰ اور غیر مقصود ہیں اور مقصود اصلی مشاہدہ ہے کفر کا غیر مقصود ہونا تو ظاہر ہے رہا ایمان تقلیدی سو گو وہ ایک درجہ میں مقصود ہے لیکن مشاہدہ کے درجہ میں مقصود نہیں اس لئے اس کے لحاظ سے گویا کہ غیر مقصود ہے ایک وجہ تو پوست ہونے کی یہ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض مغز متعدد پوستوں میں مخفی ہوتے ہیں اور مغز کو حاصل کرنے کے لئے ضرورت ہوتی ہے کہ اول ایک پوست کو الگ کیا جاوے۔ پھر دوسرے پوست کو یوں ہی تحصیل مشاہدہ کے لئے ضرورت ہے کہ اول کفر سے نجات پائی جاوے۔ پھر ایمان تقلیدی سے آگے بڑھا جاوے تب مشاہدہ حاصل ہوگا۔ هذا ما عندنا والله اعلم بالصواب و ما قال المحشون فی تقریره فغیر صحیح عندی ولا کاف للحل) اس مقام پر ایک شبہ ہوتا تھا وہ یہ کہ آپ نے کفر و ایمان تقلیدی کو پوست کہہ کر دونوں کو یکساں کر دیا۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ اس کا جواب دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ گو ہم نے دونوں کو پوست کہا ہے مگر پوستوں میں بھی آپس میں فرق ہوتا ہے اس لئے کفر و ایمان میں بھی فرق ہے کیونکہ کفر ایک قشر خشک ہے جو کہ مغز مشاہدہ حق سبحانہ سے روگرداں ہے اور ایمان ایک ایسا قشر ہے جو کہ مغز سے لذت حاصل کئے ہوئے ہے۔ اس لئے کفر چولھے میں ڈالنے کے قابل ہے اور ایمان تقلیدی قابل اختیار ہے کیونکہ قشر خشک جلانے کے قابل ہیں اور جلائے جاتے ہیں اور جو قشر مغز سے ملے ہوتے ہیں وہ اچھے ہوتے ہیں لیکن مغز ان سے بھی اچھا ہوتا ہے کیونکہ وہ بالذات لذت بخش ہوتا ہے اور قشر میں جو لذت ہوتی ہے وہ مغز ہی کی ہوتی ہے جو اس نے اتصال کے سبب حاصل کر لی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ کفر مردود ہے اور ایمان تقلیدی پسندیدہ ہے

اور مشاہدہ مقصود اصلی ہے۔ خیر یہ گفتگو تو ختم ہی نہ ہوگی اس لئے لوٹنا چاہئے تا کہ میرا موسے بحر کے دھوئیں اڑا دے۔

فائدہ:۔ اس شعر کے حل میں ولی محمد نے کہا ہے کہ یہ انتقال ہے قصہ موسیٰ علیہ السلام کی طرف جو متفرق طور پر سابق میں گزر چکا ہے۔ لیکن مولانا کو پھر کچھ یاد آ گیا اس لئے اس قصہ کو چھوڑ دیا اور مضمون زاہد کو بیان کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد پھر اس قصہ کو دوکا مدش پیغام از وی ہم" سے شروع کیا اور کہا ہے کہ از بحر گرد برآوردن سے مراد اس کو خون کر دینا ہے مگر میرے نزدیک یہ رائے صحیح نہیں۔ کما سیجیی تفصیلہ بلکہ میرے نزدیک موسیٰ سے مراد حق سبحانہ یا حسام الدین ہیں اور بحر سے مراد بحر معارف ہے اور گرد برآوردن سے مراد استقصار بیان معارف ہے اور باز گردے مقصود" از ہزاران من نمی گویم یکے الخ کی طرف لوٹنا ہے) اچھا ستوان بزرگ نے کہا کہ یہ مضمون عوام کی سمجھ کے مطابق بیان کیا گیا ہے اور جو مضمون کہ ان کی سمجھ سے باہر تھا اس کو چھپالیا گیا ہے۔ یہاں سے مولانا مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں اور قصور فہم عوام کا منشا متعین فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ تمہاری عقل کا سونا برادہ کیا ہوا ہے پس برادہ پر میں سکہ کیونکر قائم کر سکتا ہوں۔ یعنی تمہاری عقل سینکڑوں ضروریات زائدہ اور ہزاروں آرزوؤں اور جمع مال کثیر پر منقسم ہے اور ہزاروں فکریں تمہیں لاحق ہیں اس لئے اول تمہیں اپنی پراگندہ عقل کو عشق کے ذریعہ سے جمع کرنا چاہئے کیونکہ عشق کا قاعدہ ہے کہ طبیعت جو چاروں طرف بٹی ہوتی ہے اس کو ایک مرکز پر لا کر جمع کر دیتا ہے اس سے تم کو یہ فائدہ ہوگا کہ تم معارف کے سمجھنے کے قابل ہو جاؤ گے اور تمہارا باطن ان سے سمرقند اور دمشق کی طرح گلزار ہو جائے گا اور اگر تم اپنی عقل جزوی کو جس کو اشتباہ اور وہم کہنا زیبا ہے ایک جو کی برابر جمع کر لو گے تو تم پر بادشاہ کا سکہ قائم کیا جا سکتا ہے جس سے تم ٹکسال ہو جاؤ گے اور اگر ایک مثقال سے زیادہ جمع کر لو گے تو بادشاہ تم سے ایک زرینہ جام بنائے گا۔ جو بادشاہ کی حضوری میں رہے گا۔ اور اس پر بادشاہ کا نام اور القاب اور صورت چھاپی جاوے گی۔ خلاصہ یہ کہ اجتماع خیالات بعشق سبحانہ کے بعد تم مقبول حق سبحانہ اور اس کی حضوری کے قابل ہو جاؤ گے اور عقل کو بذریعہ عشق کے اس درجہ مجتمع کرنا چاہئے کہ وہ جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے" صادق ہو جاوے۔ روٹی بھی معشوق ہو جاوے پانی بھی چراغ بھی۔ حسین بھی نقل و شراب بھی۔

فائدہ:۔ تا کہ الخ جمع باید کردے سے متعلق ہے اور جو جوئے چون الی آخر البیت الثالث جملہ معترضہ ہے) ہم پھر کہتے ہیں کہ جمعیت خاطر حاصل کر کیونکہ اجتماع خواطر موجب رحمت ہے (اس میں تلمیح ہے قول جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ید الله على الجماعة کی طرف) اور جمعیت خاطر اس لئے حاصل کرتا کہ میں تجھ سے حقیقت حال بیان کر سکوں اس لئے کہ کہنے کا مقصود تو یہ ہے کہ سننے والا یقین کر لے اور جان شرک حقائق واقعیہ کے یقین سے آتی ہے۔ جان شرک سے وہ جان مراد ہے جو اشیاء داخلہ فی جو الفلک میں منقسم ہے اور بہت سے خیالات میں مشترک ہے۔ ایسی حالت میں اس مطالب ثبوت کے لئے ہماری خموشی ہی ہمارے بیان کا بہتر ثبوت ہے۔ اس لئے کہ وہ احمق ہے اور احمقوں کا جواب خاموشی ہے۔ اب فرماتے ہیں کہ میں یہ سب کچھ جانتا ہوں کہ مخاطب نااہل اور احمق ہیں اور احمقوں کا جواب خاموشی ہے لیکن کیا کروں میرا سکر اور بے خودی یوں ہی بلا قصد میرا منہ کھول دیتی ہے جس طرح کہ چھینک اور جمائی تمہارا منہ بلا ارادہ کھول دیتی ہے۔

فائدہ:۔ مستی تن سے مراد مستی روحانی ہے نہ کہ جسمانی اور اضافت بسوئے تن بادنی ملابست ہے اور بعض نسخوں

میں مستی من واقع ہے۔ یہ انسب اور بے تکلف ہے) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح میں بھی اپنی گفتگو اور
در ہائے معارف بکھیرنے کے سبب ہر روز ستر دفعہ توبہ کرتا ہوں لیکن میری بے خودی پھر توبہ توڑ ڈالتی ہے کیوں نہ ہو یہ مستی
جسمانی جو آدمی کو ننگا کر دیتی ہے یعنی مستی شراب وغیرہ یہ بھلا دینے والی ہے۔ پھر مستی روحانی تو اس سے ہزاروں درجہ بڑھی
ہوئی ہے وہ کیوں نہ بھلا دے گی اور اصل منشا ان اسرار کے فاش ہونے کا یہ ہے کہ حق سبحانہ کی حکمت اس لمبی تاریخ اسرار کا
اظہار چاہتی ہے۔ اس لئے اس نے رازدانوں پر بے خودی طاری کر دی ہے اور اسرار خفیہ جو اس قدر مشہور ہو گئے اس کی
وجہ بھی ہے کہ بتقدیر الٰہی چشمہ معارف ابلنے لگا۔ پس حق سبحانہ کی رحمت بے حد ہر وقت ہر طرف جاری ہے۔ مگر اے لوگو تم
سو رہے ہو اور تمہیں اس کا احساس نہیں اور احساس نہ ہونا بھی چاہئے کیونکہ سونے والے کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اس کا کپڑا
ندی میں پڑا ہوا پانی پیتا ہوتا ہے اور وہ خواب میں سراب کا طالب ہوتا ہے۔ اور پانی کو چھوڑ کر وہاں جاتا ہے جہاں پانی کی
امید ہوتی ہے اور اس غلط خیال سے وہ اپنے اوپر اصلی پانی کا راستہ بند کر لیتا ہے کیونکہ جب اس نے کہا پانی وہاں ہے تو وہ
اس کی تلاش میں وہاں جاتا ہے اور اس جگہ سے جہاں پانی ہوتا ہے دور ہو جاتا ہے اور وہ ایک خیال محض کے لئے واقعی پانی
سے جدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے اسے پانی نہیں مل سکتا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہ اہل دنیا دور بین ہیں اور ان کی ارواح
خواب غفلت میں سو رہی ہیں۔ پس اے سالکین راہ حق آپ حضرات ان لوگوں پر رحم فرما دیں اور انہیں اس خواب خرگوش
سے جگا دیں۔ ہاں تو میں نے کہا تھا کہ تم لوگ آب رحمت الٰہی کا احساس نہیں کرتے اور سو رہے ہو اب کہتا ہوں کہ میں
نے تو نہیں دیکھا کہ پیاس کے ہوتے نیند آئے ہاں احمق کی پیاس ضرور سو سکتی ہے۔ پس تم جو پیاسے ہو کر سو رہے ہو اس
سے معلوم ہوتا ہے کہ تم احمق ہو۔ اس پر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ ان کی عقل پر تو وہ دلائل موجود ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا
ہے جیسے علوم غریبہ وایجادات عجیبہ وغیرہ پس ان کو بے عقل کیونکر کہا جا سکتا ہے اس لئے کہ یہ نتائج اس عقل کے ہیں جو
عطارد کے اثر سے پیدا ہوتی ہے اور وہ حقیقۃً عقل نہیں ہے۔ حقیقۃً عقل وہ عقل ہے جو حق سبحانہ سے فیضیاب ہو۔ اس لئے
کہ اس دنیاوی عقل کی پیش بینی تو زیادہ سے زیادہ قبر تک ہوتی ہے اور اہل اللہ جن کی عقول حق سبحانہ سے مستفیض ہوتی ہیں
ان کی دور بینی قیامت تک ہوتی ہے۔ پس تم کو واضح ہو کہ یہ عقل قبر کی مٹی سے آگے نہیں چلتی اور یہ قدم متعارف
میدان ہائے ظاہر کو تو طے کرتا ہے مگر میدان کو جو کہ محل عجائب ہے نہیں طے کر سکتا۔ اس لئے اس کو اس قدم اور اس عقل سے
بیزار ہونا چاہئے اور چشم غیب بین طلب کر کے اس سے متمتع ہونا چاہئے۔ تم عقل کسبی کو کافی سمجھتے ہو۔ لیکن یاد رکھو کہ جو شخص
مطیع استاد اور شاگرد کتاب ہے اور اس ذریعہ سے عاقل بنتا ہے وہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح جیب سے نور نہیں حاصل کر
سکتا۔ اور اس نظر و فکر اور عقل مکسوب سے بجز سر چکرانے کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا اس لئے نظر و فکر کو چھوڑ کر انتظار رحمت
حق سبحانہ اختیار کرنا چاہئے دیکھو معلمی سے شان نہیں بڑھتی اس لئے اس رفعت کا طالب نہ ہونا چاہئے بلکہ انتظار رحمت کرنا
چاہئے اور تعلیم کو چھوڑنا چاہئے کیونکہ منتظر رحمت کے لئے سننا کہنے سے زیادہ اچھا ہے کیونکہ منصب تعلیم کی خواہش ایک قسم
کی ہوائے نفسانی ہے اور راہ حق میں ہر وہ خیال جس کا منشا ہوائے نفس ہو گویا کہ ایک بت ہے اور اس کا اتباع گویا کہ
پرستش ہے۔ غیر معبود کی اور پرستش غیر کا مانع از وصول الی الحق ہونا ظاہر ہے اسی لئے یہ خیال مذکور سلوک راہ حق سے مانع
ہے۔ ہم نے تعلیم کی ممانعت کر کے تعلم کی اس لئے ترغیب دی ہے کہ بدون تعلم کے راہ یابی ناممکن ہے کیونکہ اگر ہر بے

ہوو محض اپنی عقل سے حق سبحانہ کے فضل کا پتہ لگالیتا تو حق سبحانہ اتنے انبیاء کاہے کو بھیجتے۔ بس ان کا بھیجنا خود دلیل ہے عقول ناقصہ کی ناکافی ہونے کی عقل جزوی (ناقص) کی تو ایسی مثال ہے جیسے بجلی اور اس کی چمک کہ اس کی چمک سے وخش وغیرہ مقامات کی طرف نہیں چل سکتے۔ اس لئے کہ بجلی کی چمک رہنمائی کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ تو حکم ہے ابر کے لئے رونے اور برسنے کا۔ علیٰ ہذا ہماری عقل کی بجلی بھی رونے کے لئے ہے تا کہ آدمی شوق ومحبت حق میں روئے کیونکہ فنا مطلوب ہے اور فنا شوق وذوق ہی میں ہے۔ نیز اہل دنیا بچے ہیں اور بچوں کی عقل یہ تو حکم کرسکتی ہے کہ مکتب چلو پڑھنا اچھی چیز ہے لیکن یہ نہیں کرسکتی کہ خود بخود علم حاصل کرلے۔ علیٰ ہذا اہل دنیا کی عقول یہ تو بتلا سکتی ہیں کہ اہل اللہ معلم ہیں ان سے علم حاصل کرنا چاہئے لیکن یہ نہیں کرسکتے کہ خود بخود معرفت حاصل کرلیں نیز اہل دنیا بیمار ہیں اور بیماروں کی عقلیں یہ تو کہہ سکتی ہیں کہ چل کر طبیب سے علاج کرانا چاہئے۔ لیکن وہ صحیح معالجہ نہیں کرسکتیں۔ علیٰ ہذا اہل دنیا کی عقول اطباء روحانی کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کرسکتے ہیں۔ مگر خود معالجہ نہیں کرسکتے۔ شیاطین کو دیکھ لو کہ یہ آسمان پر جاتے تھے اور اسرار کو کان لگا کر سنتے تھے اور کسی قدر اسرار اڑا بھی لیتے تھے مگر نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ شہابوں کی مار پڑی اور ان کو آسمانوں سے ہٹادیا گیا اور یہ حکم ہوا کہ جاؤ ایک رسول آئے ہیں جو کچھ تم کو لینا ہو ان سے تم کو ملے گا۔ براہ راست حاصل کرنے کی سعی فضول ہے۔ اگر تم کو ان بیش بہا موتیوں کی ضرورت ہے تو ان کو باقاعدہ حاصل کرو اور گھروں میں دروازوں سے آؤ جس کا مطلب یہ ہے کہ دروازے پر کھڑے ہو کر زنجیر کھٹکھٹاؤ اور جب صاحب خانہ اجازت دے تب اندر جاؤ اور یہ حکم ہم تم کو اس لئے دیتے ہیں کہ بام فلک کی جانب سے تمہارے لئے وصول الی اسرار الحق کی طرف راہ نہیں ہے نیز تمہیں اتنے لمبے راستہ کی قطع کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے کیونکہ ہم نے ایک خاکی کو اسرار تفویض کردیئے ہیں جن سے تم بھی لے سکتے ہو اگر تم خائن نہیں ہو تو ان کے پاس آؤ۔ اور ان سے اسرار حاصل کرکے نیشکر اور بامعنی بن جاؤ اگرچہ اب تم محض بانس اور بے معنی ہو۔ خلاصہ یہ کہ تم لوگ خود تعلیم حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ ایک رہنما تلاش کرو۔ یہ رہنما ہماری خاک سے سبزہ پیدا کرے گا اور تم کو علوم ومعارف کا ایک چمن بنادے گا کیونکہ وہ سم اسپ جبریل سے کم نہیں ہے۔ پس جبکہ سم اسپ جبریل سبزہ اگا سکتا ہے تو وہ رہنما کیوں نہیں اگا سکتا۔ پس اگر تم کسی جبریل کے گھوڑے کی خاک ہو جاؤ یعنی کسی صاحب دل کے منقاد بن جاؤ تو وہ نئے سرے سے تمہیں سرسبز اور تروتازہ کردے گا اور جو سبزہ کہ وہ رہنما اگائے گا وہ اسی قسم کا سبزہ جان بخش ہوگا جس کو سامری نے گوسالہ میں داخل کیا تھا جس سے وہ جوہر حیات سے آراستہ ہوگیا تھا اور اس سبزہ سے زندہ ہوگیا تھا اور یوں بولنے لگا تھا کہ کفار کے لئے موجب فتنہ ہوگیا تھا۔

فائدہ:۔ عدو اور کافران لوگوں کو باعتبار مایؤل کے کہا ہے ورنہ وہ پہلے مسلمان تھے) دیکھو اگر تم واقفان اسرار کے پاس امین ہو کر جاؤ گے یعنی باقاعدہ تعلیم حاصل کرو گے تو ایک روز تم باز کی طرح سر کی ٹوپی سے چھوٹ جاؤ گے۔ یعنی اس سر کی ٹوپی سے جس نے تمہاری آنکھیں اور کان بند کر رکھے ہیں کہ نہ تم حق سنتے ہو نہ اسرار دیکھتے ہو اور جس سے تمہاری روح بہت مغلوب اور خستہ ہوگئی ہے (سر کی ٹوپی سے مراد ہوائے نفس ہے) اور چھوٹ جانے کی وجہ یہ ہے کہ مجوبین کی آنکھوں پر ٹوپی اس لئے ہوتی ہے کہ ان کا پورا میل بازوں کی طرح اپنی جنس کی طرف ہوتا ہے۔ پس جبکہ وہ اپنے ہمجنسوں سے قطع تعلق کرکے بادشاہ کے دوست بن جائیں گے تو باز کی طرح ان کی آنکھیں کھول دی جائیں گی اور

وہ اسرار کا مشاہدہ کر سکیں گے۔ غرضکہ حق سبحانہ نے شیاطین کو ان کی گھات سے نکال دیا ہے اور عقل ناقص کو استقلال اور خودسری سے نکال دیا ہے بایں معنی کہ اس کو نہایت کمزور بنایا ہے جس میں اشارہ ہے اس طرف کہ تم خودسری نہ کرو کیونکہ تم خودسر نہیں بنائے گئے ہو بلکہ تم اہل دل کے شاگرد اور صالح الاستقلال ہو۔ پس تم اہل دل کے پاس جاؤ کیونکہ تم ان کے تابع ہو نہ کہ مستقل اور تم کو واضح ہو کہ تم اس بادشاہ عادل (صاحب دل) کے غلام ہو نہ کہ خود بادشاہ۔ اور یہ بندگی تمہارے لئے بادشاہ بننے سے بہتر ہے کیونکہ بندہ بننا تذلل اور تمسکن ہے اور بادشاہ بننا تکبر و تجبر اول صفت آدم ہے اور دوسری صفت ابلیس۔ کیونکہ اس نے کہا تھا انا خیر منه یعنی میں آدم سے بہتر ہوں اس لئے میں ان کے سامنے تذلل کیوں اختیار کروں۔ پس تم بندگی اور بادشاہی دونوں کے فرق کو دیکھو اور ابلیس کے تکبر کو چھوڑ کر بندگی جو صفت ہے آدم علیہ السلام کی اسے اختیار کرو دیکھو جو راہ حق کے آفتاب ہیں انہوں نے فرمایا ہے۔ طوبی لمن ذلت نفسه یعنی بڑی اچھی حالت ہے اس کی جو منکسر المزاج اور مسکین طبع ہو۔ پس تم کسی طوبیٰ کا سایہ دیکھ کر اس میں چین سے ہو جاؤ اور سر رکھ دو اور اس سر بلند کے سایہ میں سو جاؤ یعنی کسی عالی مقدار صاحب کمال کی خدمت میں اس کے مطیع ہو کر رہو۔ دیکھو یہ تمسکن طبع اور انقیاد کا سایہ نہایت اچھی خواب گاہ ہے کیونکہ یہاں لوگوں کی خواب گاہ ہے جو صفائی باطن کی استعداد رکھتے ہیں۔ پس تم اسے نہ چھوڑنا کیونکہ اگر تم اس سایہ کو چھوڑ کر تکبر کی طرف چل دیئے تو بہت جلد گمراہ ہو جاؤ گے اور راہ حق بھول جاؤ گے۔ دیکھو تم تابع ہو نہ متبوع اس لئے تم کو چاہئے کہ اطاعت سے شیخ اور استاد علم باطن کے امر کے سایہ میں تربیت پاتے ہوئے خاموش رہو۔ ہم پھر کہتے ہیں کہ تم تابع ہو اور تمہارا کام اطاعت ہے اس لئے خود خاموش رہو اور ان کا حکم مانو۔ اور خواہ مخواہ اپنے کو حاکم نہ بناؤ ورنہ اگر چہ تم استعداد اور قابلیت معرفت رکھتے ہو مگر لاف کمال سے مسخ ہو جاؤ گے اور قابلیت قریبہ جاتی رہے گی اور اگر تم استاد واقف کار سے سرکشی کرو گے تو استعداد قریب سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گے۔

فائدہ:۔ اس کی وجہ ایک تو شامت عصیان ہے اور دوسری وجہ عقلی یہ ہے کہ قاعدہ ہے کہ آدمی جتنا جس قوت سے کام لیتا ہے اتنی ہی اس قوت کو تقویت ہوتی ہے اور اسی قدر اس کی ضد ضعیف ہوتی ہے۔ پس جبکہ یہ عصیان امر شیخ پر اصرار کرے گا تو جس قدر اصرار کرے گا اتنی ہی قوت عصیان بڑھے گی اور قوت انقیاد مضمحل ہو گی اور جس قدر قوت انقیاد مضمحل ہو گی اتنی ہی استعداد معرفت کم ہو گی کیونکہ حصول معرفت مبنی ہے انقیاد پر اور قوت انقیاد ضعیف اور مغلوب ہے تو لامحالہ استعداد معرفت کمزور ہو گی اور گھٹتے گھٹتے معدوم کے درجہ پر پہنچ جاوے گی اور بمنزلہ معدوم کے ہو جائیگی لہذا تم موزہ دوزی کی مشقت پر صبر کرو اور اس میں تکلیف اٹھاؤ ورنہ صرف جوتیاں گانٹھنے والے رہو گے یہ لوگ جو اس وقت جوتیاں گانٹھتے ہیں اگر ان میں صبر اور تحمل ہوتا تو یہ لوگ علم کی بدولت آج نئے موزہ بنانے والے کاریگر ہوتے۔ خلاصہ یہ کہ اگر اطاعت مشائخ سے جی چراؤ گے تو ہمیشہ ناقص رہو گے اور کمال نصیب نہ ہوگا۔ یہ لوگ جو اس وقت ناقص ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے کاملین کی اطاعت نہیں کی ورنہ یہ بھی اس وقت کامل ہوتے۔ خیر تو ہم نے کہا تھا کہ اگر تم موزی دوزی سے جی چراؤ گے تو ہمیشہ پارہ دوز رہو گے۔ اب ہم کہتے ہیں کہ تم پارہ دوزی میں عمر بھر کوشش کرو گے مگر آخر میں تمہیں اپنی غلطی کا اقرار کرنا پڑے گا اور کہو گے کہ واقعی عقل ایک زانو بند ہے جو کہ سلوک طریق معرفت سے روک دیتی ہے جس طرح کہ وہ فلسفی شخص (بوعلی سینا شیخ

الفلاسفہ) موت کے وقت عقل کو بے ساز وسامان دیکھتا تھا اور محض بے نتیجہ و فائدہ اقرار کرتا تھا کہ ہم نے ذکاوت کا گھوڑا فضول دوڑایا اور ذکاوت کے دھوکے میں آ کر اہل اللہ کی اطاعت نہ کی اور خیالی سمندر میں تیرتے رہے اب مولانا فرماتے ہیں کہ یاد رکھو کہ بحر روح یعنی بحر معرفت میں تیرنا یعنی ذکاوت سے کام لینا بالکل بیکار ہے۔ وہاں تو کشتی نوح یعنی اعانت اہل اللہ کی ضرورت ہے۔ اے کاش یہ شخص تیرنا نہ جانتا اور علوم رسمیہ و ذکاوت و ذہانت سے عاری ہوتا تا کہ نوح اور ان کی کشتی کی خواہش ہوتی یعنی وہ اہل اللہ سے طالب امداد ہوتا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس بحرِ بے پایاں میں کشتی یا تو میں ہوں یا وہ لوگ جو میرے بصیرتوں میں تربیت پا کر میرے جانشین ہوئے ہیں۔ پس ہم دونوں کشتی ہیں دیکھنا تم اس کشتی سے منہ نہ موڑنا اور کنعان کی طرح پہاڑوں (یعنی عقول دنیویہ) کی طرف نہ جانا اور قرآن سے ارشاد لاعاصم الیوم من امر الله الا من رحم سن لینا جو کنعان کی پناہ گزینی بکوہ کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ تم چونکہ نظر بندی میں محبوس ہو اس لئے تمہیں یہ کشتی معمولی شے معلوم ہوتی ہے اور اپنی عقل کے پہاڑ کو بڑا سمجھتے ہو لیکن خبردار اور پھر خبردار اس بظاہر حقیر کشتی کو واقع میں حقیر نہ سمجھنا اور حق سبحانہ کے اس فضل کو دیکھنا جو اس سے پیوستہ اور اس حقیر کشتی کے شامل حال ہے (یا یہ کہ تم اس کے ظاہر حقارت پر نظر کر کے اسے حقیر نہ سمجھنا بلکہ اس واصل بحق کشتی کی جلالت واقعیہ کو دیکھنا) اور اپنی کوہ عقل کی بلندی پر نظر نہ کرنا۔ کیونکہ ایک موج قہر اس کو زیروزبر کر سکتی ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ میں کہتا تو ہوں لیکن اگر تم کنعان ہو تو خواہ میں کتنی ہی نصیحت کروں مگر تم ہرگز نہ مانو گے۔ اس لئے کہ کنعان ان باتوں کو بسمع قبول نہیں سن سکتا۔ کیونکہ اس پر خدا کی مہر لگی ہوئی ہے اور نصیحت مہر حق کو توڑ کر آگے نہیں بڑھ سکتی اور یہ حادث حکم ازلی کو نہیں بدل سکتا لیکن یہ خوش اثر گفتگو میں اس امید پر کرتا ہوں کہ تم کنعان نہیں ہو۔ خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب وہی مضمون سابق سنو دیکھو آخر میں تمہیں اپنے قصور عقل کا اقرار کرنا پڑے گا۔ پھر ابتداء ہی میں نتیجہ کیوں نہ دیکھ لو تم نتیجہ کو اگر دیکھنا چاہو تو دیکھ سکتے ہو۔ یہ دوسری بات ہے کہ تم اپنی چشم آخر بین کو اندھا کر لو پس تم ایسا نہ کرو اور اس سے کام لے کر نتیجہ پر ضرور نظر کرو۔ دیکھو جو شخص سعید اشخاص کی طرح آخر بین ہوتا ہے اسے راہ چلنے میں ہر دم لغزش نہیں ہوتی۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ ہر (وقت یہ خفت وخیز (گرنا اور گر کر اٹھنا) نہ ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ نظر کو تیز کرو اور اس کی تدبیر یہ ہے کہ اہل اللہ کی خاک پا کا سرمہ آنکھوں میں لگاؤ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم ٹھوکر نہ کھاؤ گے اور تمہارا بے ہودہ سرزمین سے نہ ٹکرائے گا۔ کیونکہ اگر تم سوئی کی طرح ضعیف ہو گئے تو بھی اس شاگردی اور تذلل کے سبب تم ذوالفقار کی طرح قوی ہو جاؤ گے۔ پس تمہیں چاہیے کہ ہر مقبول حق سبحانہ کی خاک پا کو سرمہ بناؤ۔ یہ خاک لگتی تو ضرور ہے مگر آنکھ کے موافق ہے اس لئے اسے ٹھیک کر دیتی ہے یعنی اطاعت وانقیاد اہل اللہ ناگوار تو ضرور ہے مگر آدمی کو کندن کر دیتا ہے۔ پس تو ضرور بالضرور خاک پائے اولیاء اللہ سے اپنی آنکھ روشن کر۔ تا کہ ابتداء سے انتہا تک تجھے نظر آنے لگے۔ یعنی جس طرح ابتداء کار نظر آتی ہے یوں ہی اس کا انجام بھی معلوم ہونے لگے۔ دیکھو اونٹ کی آنکھ اسی لئے نور بار ہوتی ہے کہ وہ نور چشم حاصل کرنے کے لئے کانٹے کھاتا ہے۔

فائدہ: نور حاصل کرنے کے لئے کانٹے کھانا اس لئے ہے کہ ان سے وہ غذا حاصل کرتا ہے اس چشم وروح کو قوت ہوتی ہے اور یہ قوت ابصار میں معین ہوتی ہے واللہ اعلم) پس تم بھی کانٹے کھاؤ یعنی تکلیف تعمیل حکم شیخ برداشت کرو تا کہ اس سے تمہارے اندر گلشن معرفت کھلے اور تمہاری آنکھوں میں نور بڑھے اور روح کدورت نفسانیہ سے پاک ہو۔

دیکھو اگر تم خارجت جاہ کو چشم دل سے نکال ڈالو تو حق سبحانہ تمہاری چشم روح کو روشنی عطا فرماویں گے جس سے تم میں حقیقی دور بینی کی صفت پیدا ہو جاوے گی۔ اب ہم تمہیں ایک حکایت سناتے ہیں جس سے تم کو دور بینی کے فوائد اور اطاعت دور بین کے منافع معلوم ہوں۔ سنو ایک خچر اور ایک اونٹ ایک آخور پر جمع ہو گئے تو خچر نے اونٹ سے کہا کہ میں گڑھے میں راستہ میں بازار میں گلی میں غرض ہر مقام پر گر پڑتا ہوں۔ پس سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس قدر کثرت سے ہموار اور ناہموار زمین میں کیوں گرتا ہوں بالخصوص پہاڑ کے اوپر سے اس کے نیچے بباعث خوف گر گر آ جاتا ہوں لیکن تم نہیں گرتے یہ کیا بات ہے۔ شاید تمہاری جان پاک دولت اعانت خداتعالیٰ رکھتی ہو۔ میں تو ہر دم سر کے بل گر جاتا ہوں اور گھٹنوں کو زمین پر مارتا ہوں اور منہ اور گھٹنوں کو غلطی سے خون میں شرابور کر لیتا ہوں۔ میرا پالان اور سامان بھی ٹیڑھا ہو کر میرے سر پر آ پڑتا ہے اور کرایہ لینے والا بھی اس وجہ سے ہر دم مجھے مارتا ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ اس خچر کی حالت ایسی ہی ہے جیسے کم عقل آدمی کی کہ اپنی کم عقلی سے ہر مرتبہ گناہ کر کے توبہ توڑ دیتا ہے اور اپنی عقل کی کمزوری کے سبب وہ توبہ شکن اس وقت ابلیس کا مطیع ہو جاتا ہے اور ہر وقت وہ اس لنگڑے گھوڑے کی طرح سر کے بل گرتا ہے جس کا بوجھ بھاری ہو اور راستہ میں پتھر پڑے ہوں وہ ادبار خصلت غیب سے توبہ شکنی کے سبب اپنے سر پر زخم بھی کھاتا ہے مگر پھر بھی اپنی کمزوری عقل کے سبب توبہ توڑ ڈالتا ہے۔ اس کی توبہ کی حالت یہ ہوتی ہے کہ شیطان نے ایک پھونک ماری اور اس کی توبہ ٹوٹی اس قدر تو کمزور ہوتا ہے لیکن اس کے تکبر کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اہل اللہ کو بنظر حقارت دیکھتا ہے۔ اس مضمون استطرادی کو ختم کر کے فرماتے ہیں کہ خچر نے اونٹ سے کہا کہ اے مومن کی مانند اونٹ تو منہ کے بل کم گرتا ہے اور کم ناک کو زمین پر مارتا ہے تجھ میں کیا وصف ہے کہ تو آفات سے اس قدر محفوظ ہے کہ نہ تجھے لغزش ہوتی ہے اور نہ تو منہ کے بل گرتا ہے۔ اونٹ نے جواب دیا کہ یوں خوش قسمتی خدا کی دین ہے لیکن اسباب ظاہرہ کے لحاظ سے بھی مجھ میں اور تجھ میں بہت فرق ہے اول تو میرا سر اونچا ہے اور اس وجہ سے میری آنکھیں اونچی ہیں اور میری عالی نظر مجھے ضرر سے محفوظ رکھتی ہے۔ میری یہ حالت ہے کہ میں پہاڑ کے اوپر سے اس کے نیچے تک گڑھے اور ہموار مقامات جو بکثرت ہوتے ہیں دیکھ لیتا ہوں۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ اونٹ کی یہ حالت ایسی ہی ہے جیسی کہ ایک عارف کامل اپنے کام کرنے سے پہلے اس کے ان نتائج کو دیکھ لیتا ہے جو اس پر قیامت تک مرتب ہونے والے ہیں اور جس طرح سے کہ وہ بیس برس بعد ہونے والی بات کو فی الحال جان لیتا ہے اور وہ صرف اپنی ہی حالت نہیں دیکھتا بلکہ ایک مغربی و مشرقی کی حالت بھی دیکھ لیتا ہے۔

فائدہ:۔ واضح ہو کہ اس سے کشف کا اختیاری ہونا اور اس کا ہر وقت اور ہر حال میں اور ہر شخص اور ہر چیز کے متعلق ہونا مراد نہیں بلکہ فی الجملہ اس کا تحقق مراد ہے خواہ **فی بعض الاحیان و بعض الاحوال متعلقا ببعض الاشیاء** ہو اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے اور ہم دیگر مقامات پر بھی اس پر متنبہ کر چکے ہیں) اور وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ نور اس کی آنکھ اور اس کے دل میں گھر کر لیتا ہے اور کیوں کر لیتا ہے اس لئے کہ وہ عالم ناسوت سے تعلق چھوڑ دیتا ہے اور عالم غیب پر عاشق ہوتا ہے اور عشق عالم غیب اور ترک ناسوت کا خاصہ ہے اس سے نور پیدا ہوتا ہے۔

فائدہ:۔ **ھذا ھو المراد و لاتلتفت الی ماقال بحر العلوم**) اہل اللہ کی پیش بینی کی ہم تمہیں ایک مثال سناتے ہیں۔ سنو حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ مجھے چاند سورج اور دیگر ستارے سجدہ کر رہے ہیں۔ چنانچہ دس سال بلکہ زیادہ کے بعد اس کا ظہور ہو گیا جو انہوں نے اتنی مدت پیشتر دیکھا تھا اور کیوں نہ ہوتا یہ ناظر

بنور اللہ تھے اور نظر بنور اللہ غلط نہیں ہوسکتی کیونکہ حق سبحانہ کا نور تو آسمانوں سے پار ہو جانے والا ہے اور تم جو اس قدر پہلے سے نہیں دیکھ سکتے اس کی وجہ یہ ہے کہ تمہاری آنکھ میں وہ نور ربانی نہیں ہے بلکہ تم حس حیوانی میں محبوس ہو جو کہ ضعیف ہے اور ضعف بصر کے سبب بالکل قریب کی شے دیکھ سکتے ہو نہ کہ دور کی لہذا تم بھی ضعیف ہو اور تمہارا پیشوا بھی ضعیف ہے۔ تمہارے پیشوا کو ہم نے اس لئے ضعیف کہا ہے کہ آنکھ پیشوا ہے ہاتھ اور پاؤں کا کیونکہ محل مناسب اور غیر مناسب کو وہی دیکھتی ہے اور ہاتھ پاؤں اس کا اتباع کرتے ہیں اور ہم بتلا چکے ہیں کہ یہ آنکھ کمزور ہے۔ پس ضعف پیشوا ثابت ہو گیا۔ (هذا هو الحق و ما قال بعض المحشين ان قوله نيست اندر چشم تو ازلخ مقولة للجمل فخطأ محض كما لا يخفى على المتدبر فى قوله مستى اندر چشم حيوانى كرد۔ واللہ اعلم) خیر تو اونٹ نے کہا کہ ایک تو یہ وجہ تھی جو ابھی بیان کر چکا ہوں دوسری وجہ یہ ہے کہ میری آنکھ میں نور زیادہ ہے اور تیسری وجہ یہ ہے کہ میں طیب الولادت ہوں کیونکہ میں حلال سے پیدا ہوا ہوں اور زنا زادہ اور گمراہوں کی اولاد نہیں ہوں۔ برخلاف تیرے کہ تو ولد الزنا ہے اور قاعدہ ہے کہ جب کمان ٹیڑھی ہوتی ہے تو تیر بھی ٹیڑھا ہی چلتا ہے۔ لہذا چونکہ وہ فعل جس سے تو پیدا ہوا تھا خود غلط تھا اس لئے اس کا اثر تجھ میں بھی ہونا چاہئے اور تجھ کو غلطیاں کرنی چاہئیں۔ یہ سن کر خچر نے کہا کہ یہ آپ نے بہت صحیح فرمایا یہ کہہ کر رونے لگا۔ کچھ دیر تک رویا کیا اور اس کے پاؤں میں پڑا رہا اس کے بعد کہا کہ اے برگزیدہ حق سبحانہ اگر آپ مجھے اپنی غلامی میں لے لیں تو آپ کا کیا نقصان ہے آپ مجھ سے بہت بڑھ کر ہیں پس آپ اپنی عنایت سے مجھے اس غلطی میں کہ اب تک میں خود سر رہا اور آپ کی اطاعت نہ کی معذور سمجھیں اور اپنی خدمت میں قبول کر لیں اس پر اونٹ نے کہا کہ جب تم نے میرے سامنے اپنے نقص کا اقرار کر لیا تو اب تم بلیات زمانہ سے نجات پا گئے۔ اب تم نے انصاف کیا اور بلا سے چھوٹ گئے۔ پہلے تم دشمن تھے اور اب دوست ہو گئے ہو۔ معلوم ہوا کہ یہ بری خصلت تمہاری ذات میں اصلی نہ تھی کیونکہ جس میں فطری برائی ہو وہ تو لامحالہ انکار ہی کرے گا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ وہ عارضی برا ہوتا ہے جو اپنے قصور کا اقرار کر لے اور تائب ہو جاوے۔ جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام کہ وہ ان کی لغزش عارضی تھی اس لئے فوراً توبہ کر لی اور چونکہ شیطان کا جرم فطری تھا اس لئے وہ توبہ نہ کر سکا۔ اس کے بعد اونٹ نے کہا اچھا جاؤ اب تم کو ایک بڑی دولت مل گئی ہے اور تم نے اپنے کو لازوال خوش قسمتی میں ڈال دیا ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ اسی طرح جب تم حق سبحانہ کے بندوں میں داخل ہو گئے تو جنت میں داخل ہو گئے اور جبکہ تم نے اس کے بندوں میں اپنی راہ کر لی تو غیر محسوس راستہ سے تم جنت میں پہنچ گئے اور جب تم نے اهدنا الصراط المستقيم بصدق نیت کہا تو حق سبحانہ نے تمہارا ہاتھ پکڑ لیا اور تم کو جنت میں پہنچا دیا۔ اس کے بعد اونٹ نے کہا کہ اول تم نار تھے اور اب نور ہو گئے۔ اور پہلے تم انگور خام تھے اس کے بعد پختہ ہو گئے اور پھر مویز بن گئے اور پہلے تم ستارے تھے۔ اب آفتاب ہو گئے۔ لہذا خوش رہو چنین کرد۔ خلاصہ یہ کہ تم پہلے ناقص تھے اب کامل ہو گئے۔

فائدہ:۔ ہم نے "نار بودی" کو اونٹ کا مقولہ کہا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود مولانا ہی کے کلام کا تتمہ ہو)

چونکہ اوپر نقصان سے مبدل بہ کمال ہونے کا بیان ہے۔ اس لئے اب مولانا فرماتے ہیں کہ اے ضیاء الحق حسام الدین آپ جوئے شیر میں شہد ملا دیں تاکہ وہ جوئے شیر مزہ بدلنے سے نجات پا پا جاوے اور مزہ کے سمندر سے مزید مزہ اسے حاصل ہو جاوے۔ یعنی آپ ناقصین کو کامل کر دیں تاکہ وہ بحر الست یعنی حق سبحانہ میں فنا ہو کر اس میں مل جائیں۔ اور اس ذریعہ سے نکس سے نجات پا جاویں کیونکہ جس طرح آب قلیل دریا میں مل کر ہر قسم کے تغیر

سے محفوظ ہو جاتا ہے یوں ہی آدمی حق سبحانہ میں فنا ہو کر نکس سے مامون ہو جاتا ہے۔ پس آپ اسے اس شہد کے سمندر سے ملا دیجئے تا کہ اس کو اس سے تعلق ہو جاوے اور کوئی آفت اس میں اثر نہ کرے اور اے شیر حق آپ یوں ڈکاریے کہ اس کی ڈکار ساتویں آسمان پر پہنچے۔ اب مولانا جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہیں کہ ناقصین اس غرہ سے متاثر نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ چوہا شیر کی ڈکار کو نہیں پہچان سکتا۔ اس کے بعد غرہ کن الخ کی تشریح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ اپنے حالات آب زر سے لکھئے تا کہ ہر دریا دل اور نیک ذات شخص کو نفع ہو۔ اس کے بعد مولانا نااہلوں اور حاسدوں کے لئے بددعا فرماتے ہیں کہ اے اللہ مولانا حسام الدین کے احوال آب نیل کی طرح جانفزا ہیں مگر توان کو حاسدوں کے لئے ناقابل انتفاع بنا دیجئے۔ اچھا اب اس کے متعلق ایک قصہ سنو۔

لابہ کردن قبطی مر سبطی را کہ یک ظرف بہ نیت خویش از نیل پر کن و برلب من نہ تا بخورم بحق دوستی و برادری سبو کہ شماں سبطیاں بہر خود پر می کنید از نیل آب صاف ست و سبو کہ ما قبطیاں پر می کنیم خون صاف ست

اے قبطی کی سبطی کی خوشامد کرنا کہ ایک برتن اپنی نیت سے دریائے نیل سے بھر لے اور دوستی اور بھائی بندی کی بناء پر میرے منہ سے لگا دے تا کہ میں پی لوں وہ ٹھلیا کہ تم سبطی دریائے نیل سے اپنے لئے بھرتے ہو صاف پانی ہے اور وہ ٹھلیا کہ ہم قبطی بھرتے ہیں بالکل خون ہے

من شنیدم کہ درآمد قبطیے	از عطش اندر وثاق سبطیے
میں نے سنا ہے کہ ایک قبطی آیا	پیاس کی وجہ سے ایک سبطی کے گھر
گفت ہستم یار و خویشاوند تو	گشتہ ام امروز حاجتمند تو
کہنے لگا کہ میں تیرا دوست اور رشتہ دار ہوں	میں آج تیرا محتاج ہوں
زانکہ موسیٰ جادوئی کرد و فسوں	تا کہ آب نیل مارا کرد خوں
کیونکہ موسیٰ نے جادو ٹونا کر دیا ہے	یہاں تک کہ اس نے ہمارے لئے (دریائے) نیل کو خون بنا دیا ہے
سبطیاں زاں آب صافی می خورند	پیش قبطی خوں شد آب از چشم بند
سبطی اسی سے صاف پانی پیتے ہیں	نظر بندی کی وجہ سے قبطی کیلئے خون بن گیا ہے
قبطیاں تک می مرند از تشنگی	از پے ادبار خود یا بدرگی
اب قبطی پیاس سے مر رہے ہیں	اپنی نحوست یا بدفطرتی کی وجہ سے
بہر خود یک طاس را پر آب کن	تا خورد از آبت ایں یار کہن
ایک طلا اپنے لئے پانی سے بھر لے	تا کہ تیرے پانی میں سے یہ پرانا دوست پی لے

چوں برای خود کنی ایں طاس پر   خوں نباشد آب باشد پاک و حر

جب تو یہ طشلا اپنے لئے بھرے گا   وہ خون نہ ہو گا' پاک و صاف پانی ہو گا

من طفیل تو بنوشم آب ہم   کہ طفیلی در تبع بجہد زغم

میں بھی تیرے طفیل میں پانی پی لوں گا   کیونکہ طفیلی تابع بن کر غم سے چھوٹ جاتا ہے

گفت اے جان جہاں خدمت کنم   پاس دارم اے دو چشم روشنم

اس نے کہا اے جان جہاں! میں خدمت کروں گا   اے میری دونوں آنکھوں کی روشنی میں لحاظ برتوں گا

بر مراد تو روم شادی کنم   بندۂ تو باشم و آزادی کنم

تیری مراد پوری کروں گا' خوش ہوں گا   تیرا غلام بنوں گا اور آزادی سمجھوں گا

طاس را از نیل او پر آب کرد   بردہاں بنہاد و نیمے را بخورد

اس نے طشلے کو نیل میں سے پانی سے بھرا   منہ پر رکھا اور آدھا پیا

طاس را کژ کرد سوی آب خواہ   کہ بخور تو ہم شد آں خون سیاہ

طشلے کو پانی چاہنے والے کی طرف جھکایا   کہ تو بھی پی لے وہ کالا خون بن گیا

باز ازیں سو کرد کژ خوں آب شد   قبطی اندر خشم و اندر تاب شد

پھر اس طرف جھکایا' خون پانی بن گیا   قبطی غصہ اور (پیچ و) تاب میں پڑ گیا

ساعتے بنشست تا خشمش برفت   بعد ازاں گفتش کہ اے صمصام زفت

تھوڑی دیر بیٹھا رہا یہاں تک کہ اس کا غصہ جاتا رہا   اس کے بعد اس نے کہا اے بھاری تلوار!

اے برادر ایں گرہ را چارہ چیست   گفت ایں را آں خورد کہ متقی ست

اے بھائی! اس عقدہ کا کیا حل ہے؟   اس نے کہا اس کو وہ پیتا ہے جو پرہیز گار ہے

متقی آنست کو بیزار شد   از رہ فرعون و موسیٰ وار شد

پرہیز گار وہ ہے جو بیزار ہوا!   فرعون کے راستے سے' اور موسیٰ جیسا بن گیا

قوم موسیٰ شو بخور ایں آب را   صلح کن با مہ ببیں مہتاب را

موسیٰ کی قوم بن جا' یہ پانی پی لے   چاند سے صلح کر لے' چاندنی دیکھ لے

صد ہزاراں ظلمت ست از خشم تو   بر عباد اللہ اندر چشم تو

لاکھوں اندھیریاں ہیں تیرے غصہ کی وجہ سے   اللہ (تعالیٰ) کے بندوں پر' تیری آنکھ میں

خشم بنشاں چشم بکشا شاد شو	عبرت از یاراں بگیر استاد شو
غصہ فرو کر' آنکھ کھول' خوش ہو جا	دوستوں سے عبرت پکڑ' استاد بن جا
کے طفیل من شوی در اغتراف	چوں ترا کفریست ہمچوں کوہ قاف
پانی پینے میں تو میرا طفیلی کب ہو سکتا ہے؟	جبکہ تیرا کفر کوہ قاف کی طرح ہے
کوہ در سوراخ سوزن کے رود	جز مگر آں کوہ برگ کہ شود
پہاڑ سوئی کے نکوے میں کہاں گھس سکتا ہے؟	سوائے اس کے کہ پہاڑ گھاس کا تنکا بن جائے
کوہ را کہ کن باستغفار خوش	جام مغفوراں بگیر و خوش بکش
عمدہ توبہ سے پہاڑ کو تنکا بنا لے	بخشے ہوؤں کا جام لے کر اور اچھی طرح پی
تو بدیں تزویر چوں نوشی ازاں	چوں حرامش کرد حق برکافراں
تو اس دھوکے بازی سے اس کو کیسے پی سکتا ہے؟	جبکہ اللہ (تعالیٰ) نے اُسکو کافروں پر حرام کر دیا ہے
خالق تزویر تزویر ترا	کے خراد اے مفتری مفتریٰ
چالبازی کا خالق تیری چالبازی	میں کب آ سکتا ہے اے جھوٹوں کے جھوٹے!
آل موسیٰ شو کہ حیلت سود نیست	حیلہ ات باد تہی پیمود نیست
موسیٰ کی امت بن کیونکہ چالبازی سے فائدہ نہیں ہے	تیری چالبازی خالی ہوا کو ناپنا ہے
زہرہ دارد آب کز امر صمد	گردد وبا کافراں آبی کند
پانی کا جگر ہے کہ خدا کے حکم سے	روگردانی کرے اور کافروں کے لئے پانی کا کام کرے؟
یا تو پنداری کہ تو ناں می خوری	زہر مارو کاہش جاں می خوری
یا تو سمجھتا ہے کہ تو روٹی کھاتا ہے؟	سانپ کا زہر اور جان کا گھٹاؤ کھا رہا ہے
ناں کجا اصلاح آں جانے کند	کو دل از فرمان ناں دہ برکند
روٹی اس جان کی اصلاح کہاں کرتی ہے؟	جو روٹی دینے والے کے حکم سے دل اکھاڑ ے
یا تو پنداری کہ حرف مثنوی	چوں بخوانی رائگانش بشنوی
یا تو سمجھتا ہے کہ مثنوی کے حرف	جب تو بیکار کر کے پڑھے گا' سمجھ سکے گا؟
یا کلام حکمت و سر نہاں	اندر آید سہل درگوش کہاں
یا دانائی کا کلام اور پوشیدہ راز	آسانی سے ناقصوں کے کان میں آ جائے گا
اندر آید لیک چوں افسانہا	پوست بنماید نہ مغز و دانہا
اندر آتا ہے' لیکن افسانوں کی طرح	چھلکا نظر آتا ہے' نہ مغز اور دانے

درسرور و درکشیدہ چادرے	رونہاں کردہ زچشمت دلبرے
سراور منہ پر چادر تانے ہوئے	دلبر نے تیری آنکھ سے منہ چھپا رکھا ہے
شاہنامہ یا کلیلہ پیش تو	ہمچناں باشد کہ قرآں از عتو
شاہنامہ یا کلیلہ تیرے لئے	ایسا ہی ہے جیسے کہ قرآنؑ سرکشی کی وجہ سے
فرق آنگہ باشداز حق و مجاز	کت کند کحل عنایت چشم باز
حقیقت اور مجاز میں فرق جب ہوتا ہے	کہ مہربانی کا سرمہ تیری آنکھ کھول دے
ورنہ پشک و مشک پیش اخشے	ہر دو یکسانست چوں نبود شے
ورنہ بیکار ناک والے کے لئے مینگنی اور مشک	جبکہ سونگھنے کی طاقت نہیں ہے دونوں یکساں ہیں
خویشتن مشغول کردن از ملال	باشد قصد از کلام ذوالجلال
تھکن سے اپنے آپ کو بے نیاز کرنا	اللہ (تعالیٰ) کے کلام سے اس کا مقصد ہوتا ہے
کاتش وسواس را و غصہ را	زاں سخن بنشاند و سازد دوا
کہ وسوسوں اور رنج کی آگ کو	اس کلام سے بجھائے اور علاج کرے
بہر ایں مقدار آتش شاندن	آب پاک و بول یکساں شد بفن
آگ کی اس مقدار کو بجھانے کے لئے	پاک پانی اور پیشاب تدبیر سے یکساں ہو گئے
آتش وسواس را ایں بول و آب	ہر دو بنشانند ہمچوں خمر و خواب
وسوسوں کی آگ کو یہ پیشاب اور پانی	دونوں بجھاتے ہیں شراب اور نیند کی طرح
لیک اگر واقف شوی زیں آب پاک	کہ کلام ایزدست و روحناک
لیکن اگر تو اس پاک پانی سے واقف ہو جائے	کہ وہ خدا کا کلام ہے اور روح پرور ہے
نیست گردو وسوسہ کلی زجاں	دل بیابد رہ بسوی گلستاں
وسوسہ بالکلیہ جان سے معدوم ہو جائے	(اور) دل گلستاں کا راستہ پا لے
زانکہ در باغے و در جوئے پرد	ہرکہ از سر صحف بوئے برد
کیونکہ باغ اور نہر میں اڑنے لگتا ہے	جو صحیفوں کے راز کا پتہ لگا لیتا ہے
یا تو پنداری کہ روی اولیا	آنچنانکہ ہست می بینیم ما
یا تو یہ خیال کرتا ہے کہ اولیاء کا چہرہ	جیسا کہ (واقعی) ہے ہم دیکھتے ہیں

در تعجب ماندہ پیغمبر ازاں — چوں نمی بینند رویم مومناں

پیغمبر اس سے تعجب میں تھے — کہ ایمان لانے والے میرا چہرہ کیوں نہیں دیکھتے ہیں؟

چوں نمی بینند نور روم خلق — کہ سبق بردست بر خورشید شرق

لوگ میرے چہرے کا نور کیوں نہیں دیکھتے ہیں؟ — جبکہ وہ مشرق کے سورج سے بازی لے گیا ہے

ور ہمی بینند ایں حیرت چراست — تا کہ وحی آمد کہ آں رو در خفاست

اگر دیکھتے ہیں تو یہ حیرت کیوں ہے؟ — یہاں تک کہ وحی آئی کہ وہ چہرہ پوشیدہ ہے

سوی تو ماہ است وسوی خلق ابر — تا نہ بیند رائگاں روی تو گبر

آپ کی جانب چاند ہے اور مخلوق کی جانب ابر ہے — تا کہ آپ کے چہرے کو کافر بے فائدہ نہ دیکھے

سوی تو دانہ است وسوی خلق دام — تا نہ نوشد زیں شراب خاص، عام

آپ کی جانب دانہ ہے، مخلوق کی جانب جال — تا کہ اس خاص شراب کو عوام نہ چکھیں

گفت یزداں کہ تراہم ینظرون — نقش حمام اندھم لا یبصرون

خدا نے فرمایا کہ تو ان کے بارے میں خیال کرتا ہے کہ وہ دیکھتے ہیں — وہ تو حمام کی تصویر ہیں، وہ نہیں دیکھتے ہیں

می نماید صورت اے صورت پرست — کاں دو چشم مردۂ او ناظرست

اے صورت پرست! صورت ظاہر کرتی ہے — کہ اس کی دو مردہ آنکھیں دیکھنے والی ہیں

پیش چشم نقش می آری ادب — کہ چرا پاسم نمی دارد عجب

تصویر کی آنکھ کے سامنے تو ادب بجا لاتا ہے — تعجب ہے وہ میرا لحاظ کیوں نہیں کرتی ہے؟

از چہ بس بے پاسخست ایں نقش نیک — کہ نمی گوید سلامم را علیک

یہ بھلی تصویر کیوں خاموش ہے — کہ میرے سلام پر علیک نہیں کہتی ہے

می نجنباند سر و سبلت زجود — پاس آنکہ کردمش من صد سجود

مہربانی سے وہ سر اور مونچھ نہیں ہلاتی ہے — اس لحاظ سے کہ میں نے اس کو سو سجدے کئے ہیں

حق اگرچہ سر نجنباند بروں — پاس آں ذوقے دہد در اندروں

اللہ تعالیٰ اگرچہ ظاہر میں سر نہیں ہلاتا ہے — اس کے لحاظ سے باطن میں چاشنی عطا فرما دیتا ہے

کہ دو صد جنبیدن سر ارزد آں — سر چنیں جنباند آخر عقل و جاں

کہ وہ سو سر ہلانا اس کی قیمت ہے — عقل اور جان اس طرح سر ہلاتی ہے

عقل را خدمت کنی در اجتہاد	پاس عقل آنست کافزاید رشاد
تو کوشش سے عقل کی خدمت کرتا ہے	عقل کا لحاظ یہ ہے کہ وہ ہدایت بڑھا دیتی ہے
حق نجنباند بظاہر سر ترا	لیک سازد بسراں سرور ترا
اللہ (تعالیٰ) بظاہر تیرے لئے سر نہیں ہلاتا ہے	لیکن تجھے سرداروں کا سردار بنا دیتا ہے
مر ترا چیزے دہد یزداں نہاں	کہ سجود تو کنند اہل جہاں
خدا تجھے مخفی طور پر ایسی چیز عطا کر دیتا ہے	کہ دنیا والے تجھے سجدے کرتے ہیں
آنچناں کہ داد سنگے را ہنر	تا عزیز خلق شد یعنی کہ زر
جیسا کہ اس نے پتھر کو وہ ہنر عطا کر دیا	کہ وہ لوگوں کا پیارا ہو گیا یعنی سونا
قطرۂ آبے بیابد لطف حق	گوہرے گردد برداز زر سبق
پانی کا قطرہ اللہ (تعالیٰ) کی عنایت پا جاتا ہے	موتی بن جاتا ہے سونے سے بازی لے جاتا ہے
جسم خاک ست وچوحق تابش داد	در جہانگیری چومہ شد اوستاد
وہ خاکی جسم ہے اور جب خدا نے اس میں چمک دیدی	دنیا کو فتح کرنے میں چاند کی طرح استاد ہو گیا
ہیں طلسم ست ایں ونقش مردہ است	احمقاں را چشمش ازرہ بردہ است
خبردار! یہ طلسم ہے اور مردہ تصویر ہے	اس کی آنکھوں نے بیوقوفوں کو راستہ سے ہٹا دیا ہے
می نماید او کہ چشمے می زند	ابلہاں سازیدہ اند آں راسند
وہ نظر آتا ہے کہ پلک جھپکا رہا ہے	بیوقوفوں نے اس کو دلیل بنایا ہے

درخواستن قبطی دعای خیر وہدایت از سبطی ودعا کردن سبطی قبطی را بخیر ومستجاب شدن آں دعا از اکرام الاکرمین حق تعالیٰ

قبطی کا سبطی سے دعائے خیر اور رہنمائی کی درخواست کرنا اور سبطی کا قبطی کیلئے دعائے خیر کرنا اور اکرم الاکرمین حق تعالیٰ کی جانب سے اس دعا کا مقبول ہونا

گفت قبطی تو دعای کن کہ من	از سیاہی دل ندارم آں دہن
قبطی نے کہا تو دعا کردے کیوں کہ میں	دل کی سیاہی کی وجہ سے وہ منہ نہیں رکھتا ہوں
تا بود کہ قفل ایں دل واشود	زشت رادر بزم خوباں جاشود
ہو سکتا ہے کہ اس دل کا قفل کھل جائے	بدصورت کی حسینوں کی محفل میں جگہ ہو جائے

از تو مسخے صاحب خوبی شود	یا بلیسے باز کروبی شود
تیری (دعا کی وجہ) سے مسخ شدہ خوبی والا بن جائے	یا شیطان پھر فرشتہ بن جائے
یا بفردست مریم بوی مشک	یا بدو تری و میوہ شاخ خشک
یا (حضرت) مریم کے (جیسے) ہاتھ سے مشک کی خوشبو	اور تری اور میوہ' خشک شاخ حاصل کر سکتی ہے
سبطی آں دم درسجود افتاد وگفت	کاے خدای عالم جہر و نہفت
سبطی اس وقت سجدے میں گر گیا اور کہا	کہ اے غیب اور شہادت کے جاننے والے خدا!
سبطی و قبطی ہمہ بندہ تواند	عاجز امر تو اند و مستمند
سبطی اور قبطی سب تیرے بندے ہیں	تیرے حکم کے سامنے عاجز اور محتاج ہیں
جز تو پیش کہ برآرد بندہ دست	ہم دعا و ہم اجابت از تواست
تیرے سوا بندہ کس کے سامنے ہاتھ اٹھائے؟	دعا بھی تیری جانب سے ہے اور قبول کرنا بھی (تیری جانب سے ہے)
ہم زاول تو دہی میل دعا	تو دہی آخر دعا ہار اجزا
ابتداء' تو ہی دعا کی طرف متوجہ کرتا ہے	بالآخر تو ہی دعاؤں کا بدلہ عطا کرتا ہے
اول و آخر توئی ما در میاں	ہیچ ہیچے کہ نیاید در بیاں
اول و آخر تو ہی ہے' ہم درمیان میں	ایسے ناچیز ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتا
اینچنیں می گفت تا افتاد طشت	ازسربام و دلش بیہوش گشت
وہ یہ کہہ رہا تھا یہاں تک کہ سورج گر پڑا	بالاخانہ پر سے اور اس کا دل بے ہوش ہو گیا
بازآمد او بہوش اندر دعا	لیس للانسان الا ما سعیٰ
پھر وہ ہوش میں آ کر دعا میں مصروف ہو گیا	نہیں ہے انسان کے لئے مگر وہی جس کی اس نے کوشش کی
در دعا بود او و ناگہ نعرۂ	از دل قبطی بجست و غرۂ
وہ دعا میں (مصروف) تھا یہاں تک کہ ایک نعرہ	اور شور قبطی کے دل سے نکلا
کہ ہلا بشتاب و ایماں عرضہ کن	تا ببرم زود زنار کہن
کہ آگاہ! جلدی کر اور ایمان پیش کر	تاکہ پرانا زنار جلد کاٹ دوں
آتشے در جان من انداختند	مر بلیسے راہجاں بنواختند
انہوں نے میری جان میں آگ لگا دی ہے	(مجھ) شیطان کو جان سے نوازا

دوستی تو زحب ناشگفت	حمد للہ عاقبت دستم گرفت
تیری دوستی نے محبت کے ناشگفتہ (غنچے) سے	الحمد للہ انجام کار میری دستگیری کی
کیمیای بود صحبتہای تو	کم مباد از خانۂ دل پای تو
تیری صحبتیں کیمیا تھیں	خدا کرے دل کے گھر سے تیرا قدم نہ نکلے
تو یکے شاخے بدی از نخل خلد	چوں گرفتم او مرا تا خلد برد
تو جنت کی کھجور کی ایک شاخ تھا	جب میں نے اس کو پکڑ لیا وہ مجھے جنت میں لے گئی
سیل بود آنکہ تنم را در ربود	برد سیلم تا لب دریای جود
بہاؤ تھا جو میرے جسم کو بہا لے گیا	مجھے بہاؤ سخاوت کے دریا کے کنارے لے گیا
من بوی آب رفتم سوی سیل	بحر دیدم در گرفتم کیل کیل
میں پانی کی تمنا میں بہاؤ کی جانب گیا	میں نے سمندر دیکھ لیا میں نے پیمانے بھر لئے
طاس آوردش کہ اکنوں آ بگیر	گفت روشد آبہا پیشم حقیر
وہ (سلمی) اس کے پاس طشتلا لایا کہ اب پانی لے لے	اس نے کہا جایئے پانی میرے لئے حقیر ہو گئے ہیں
شربتے خوردم زاللہ اشتریٰ	تا بہ محشر تشنگی ناید مرا
میں نے "اللہ نے خرید لیا" کا شربت پی لیا ہے	قیامت تک مجھے پیاس نہ لگے گی
آنکہ جوی و چشمہا را آب داد	چشمۂ اندر درون من کشاد
وہ ذات جس نے نہروں اور چشموں کو پانی عنایت کیا ہے	اس نے میرے دل کے اندر چشمہ جاری کر دیا ہے
ایں جگر کہ بود گرم و آب خوار	گشت پیش ہمت او آب خوار
یہ جگر جو گرم اور پیارا تھا	اس کی ہمت کے آگے پانی حقیر ہوگیا
کاف کافی آمدہ بہر عباد	صدق و عدہ کہیعص
بندوں کے لئے کافی کا کاف آیا ہے	کہیعص کا سچا وعدہ (آیا ہے)
کافیم بدہم ترا من جملہ خیر	بے سبب بے واسطہ یاری غیر
میں کافی ہوں میں تجھے تمام عمدہ چیزیں دے سکتا ہوں	بغیر کسی سبب کے اور غیر کی مدد کے واسطہ کے بغیر
کافیم بے ناں ترا سیری دہم	بے سپاہ و لشکرت میری دہم
میں کافی ہوں روٹی کے بغیر تیرا پیٹ بھر سکتا ہوں	بغیر سپاہیوں اور لشکر کے تجھے سرداری دیتا ہوں

کافیم بے داریت درماں کنم	کوہ را وچاہ را میداں کنم
میں کافی ہوں بغیر دوا کے تیرا علاج کر دیتا ہوں	پہاڑ کو اور کنویں کو میدان بنا دیتا ہوں
بے بہارت نرگس و نسریں دہم	بے کتاب و اوستا تلقیں دہم
بغیر (موسم) بہار کے تجھے نرگس اور نسرین دیتا ہوں	بغیر کتاب اور استاد کے تعلیم دیتا ہوں
موسیٔ را دل دہم با یک عصا	تا زند بر عالمے شمشیر ہا
میں موسیٰ کو دل مع ایک لاٹھی کے دیتا ہوں	تاکہ وہ دنیا میں تلواریں چلا دیں
دست موسیٰ را دہم یک نور و تاب	کہ طپانچہ میزند بر آفتاب
میں موسیٰ کے ہاتھ کو ایک نور اور چمک دیتا ہوں	جو سورج کے طمانچہ لگا دیتا ہے
چوب را مارے کنم من ہفت سر	کہ نہ زاید مادہ مار او را نہ نر
میں لکڑی کو سات سروں کا سانپ بنا دیتا ہوں	جس کو نہ مادہ سانپ جن سکے نہ نر
خوں نیا میزم در آب نیل من	خود کنم خوں عین آبش را بفن
میں (دریائے) نیل کے پانی میں خون نہیں ملاتا ہوں	میں حکمت سے بعینہ اس کے پانی کو خون بنا دیتا ہوں
شادیت را غم کنم چوں آب نیل	کہ نیابی سوی شادیہا سبیل
نیل کے پانی کی طرح تیری خوشی کو ایسا غم بنا دیتا ہوں	کہ تو خوشیوں کی جانب راستہ نہیں پاتا ہے
باز چوں تجدید ایماں بر تنی	از از فرعون بیزاری کنی
پھر جب تو ایمان از سر نو لے آتا ہے	پھر فرعون سے بیزار ہو جاتا ہے
موسیٔ رحمت بہ بینی آمدہ	نیل خوں بینی ازو آبے شدہ
تو دیکھتا ہے کہ رحمت والا موسیٰ آ گیا ہے	خون کا (دریائے) نیل اس کی وجہ سے پانی بن گیا ہے
چوں سر رشتہ نگہداری دروں	نیل ذوق تو نگردد ہیچ خوں
تو جب (ہمارے تعلق کا) سر رشتہ باطن میں محفوظ کر لیتا ہے	تیرے ذوق کا (دریائے) نیل بھی خون نہیں بنتا ہے
من گماں بردم کہ ایماں آورم	تا ازیں طوفان خوں آبے خورم
میں نے سوچا کہ ایمان لے آؤں	تاکہ خون کے اس طوفان میں سے پانی پی لوں
من چہ دانستم کہ تبدیلی کند	در نہاد من مرا نیلے کند
مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ تبدیلی کر دے گا	میرے اندر مجھے (دریائی) نیل بنا دے گا

سوی چشم خود یکے نیلم رواں	برقرارم پیش چشم دیگراں
(اب) میں اپنی نظر میں ایک رواں نیل ہوں	دوسرے کی نگاہ میں (پہلی حالت پر) برقرار ہوں
ہمچنانکہ ایں جہاں پیش نبیؑ	غرق تسبیح ست و پیش ما ابی
جس طرح کہ یہ دنیا نبیؑ کے سامنے	تسبیح میں غرق ہے اور ہمارے سامنے سرکش ہے
پیش چشمش ایں جہاں پر عشق وداد	پیش چشم دیگراں مردۂ جماد
اس کی نظر میں یہ دنیا عشق و سخاوت سے بھری ہے	دوسرے کی نگاہ کے سامنے مردہ اور جماد ہے
پست و بالا پیش چشمش تیز رو	از کلوخ و سنگ او نکتہ شنو
نشیب و فراز اس کی نگاہ کے سامنے تیز رو ہے	وہ ڈھیلے اور پتھر سے نکتہ سننے والا ہے
باعوام ایں جملہ پست و مردۂ	زیں عجب تر من ندیدم پردۂ
عوام کے لئے یہ سب پست اور مردہ ہیں	میں نے اس سے زیادہ عجیب پردہ نہیں دیکھا
گورہا یکساں بہ پیش چشم ما	روضہ و حفرہ بہ پیش اولیا
ہماری نگاہ کے سامنے ساری قبریں یکساں ہیں	اولیاء کے سامنے باغ اور گڑھے ہیں
عامہ گفتندے کہ پیغمبر ترش	از چہ گشتہ است وشدست اوذوق کش
عوام نے کہا کہ پیغمبر رنجیدہ	کیوں ہیں اور وہ ذوق کو ختم کر دینے والے (بن گئے) ہیں
خاصہ گفتندے کہ پیش چشم تاں	می نماید او ترش اے امتاں
خواص نے کہا کہ تمہاری نظر میں	اے امت والو! وہ رنجیدہ نظر آتے ہیں
یک زماں در چشم ما آئید تا	خندہا بینید اندر ھل اتی
تھوڑی دیر کے لئے ہماری آنکھوں میں آ جاؤ تاکہ	ھل اتی کے اندر مسکراہٹیں دیکھو
از سر امرود بن بنماید آں	منعکس صورت بزیر آ اے جواں
امرود کے درخت سے وہ نظر آتا ہے	الٹی صورت اے جوان! نیچے اتر آ
آں درخت ہستیت امرود بن	تابر آنجای نماید نو کہن
تیرے وجود کا درخت امرود کا درخت ہے	جب تک تو وہاں ہے نیا' پرانا نظر آتا ہے
تابر آنجائی بہ بینی خار زار	پرزگژدمہای خشم و پرزمار
جب تک تو اس جگہ ہے کانٹوں کا جنگل دیکھے گا	غصہ کے بچھوؤں اور سانپ سے بھرا ہوا

چوں فرود آئی بہ بینی رائگاں	یک جہاں پر گلرخاں و دایگاں
جب تو نیچے اتر آئے گا تو دیکھے گا کہ مفت میں	ایک دنیا حسینوں اور پالنے والوں سے بھری ہوئی
چوں فرود آئی فرود آید ترا	در دروں اسرار فیض کبریا
جب تو نیچے اتر آئے گا اتر آئیں گے تیرے	اندر اللہ (تعالیٰ) کے فیض کے اسرار

میں نے سنا ہے کہ ایک قبطی پیاس کے سبب ایک سبطی کے گھر آیا اور کہا کہ میں تمہارا دوست اور عزیز ہوں آج مجھے تم سے کام پڑا ہے کیونکہ موسیٰ نے سخت جادو کیا ہے حتیٰ کہ ہمارے لئے آب نیل کو خون بنا دیا ہے۔ سبطی لوگ اس سے صاف پانی پیتے ہیں اور قبطی کیلئے اس کی نظر بندی سے وہ پانی خون ہو گیا۔ اس لئے قبطی لوگ پیاسے مر رہے ہیں خواہ اپنی بدنصیبی سے جیسا کہ ہمارا خیال ہے یا اپنی شرارت سے جیسا کہ موسیٰ کا دعویٰ ہے۔ لہٰذا اس وقت تم سے یہ کہنا ہے کہ تم اپنے لئے پانی کا ایک طشت بھر لاؤ۔ اس وقت وہ خون نہ ہو سکے گا۔ میں بھی تمہارے طفیل میں پانی پی لوں گا کیونکہ طفیلی اصل شخص کے تابع ہو کر غم سے چھوٹ جایا کرتا ہے۔ سبطی نے کہا کہ میں آپ کی خدمت کے واسطے موجود ہوں اور میں آپ کا آپ کی قرابت اور دوستی کے سبب لحاظ کروں گا اور آپ کی خواہش کے موافق کام کروں گا اور خوش ہوں گا اور آپ کی غلامی کروں گا۔ اور اسے آزادی سمجھوں گا۔ یہ کہہ کر وہ گیا اور طشت کو پانی سے بھرا اور منہ سے لگا کر آدھا پانی پی لیا اس کے بعد اس شخص کی طرف جھکایا اور کہا کہ لو پیو اس کی طرف جھکاتے ہی وہ خون سیاہ بن گیا اس کے بعد پھر اپنی طرف جھکایا تو وہ خون پھر پانی ہو گیا۔ قبطی نے یہ حالت دیکھ کر بہت پیچ و تاب کھایا اور تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھا رہا۔ یہاں تک کہ اس کا غصہ فرو ہو گیا۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ بھائی جان یہ تو بتاؤ کہ آخر یہ عقیدہ کیونکر حل ہو۔ سبطی نے کہا اصل بات یہ ہے کہ اس پانی کو پرہیزگار شخص پی سکتا ہے اور پرہیزگار وہ ہے جو فرعون کے طریق سے بیزار ہو جاوے اور موسیٰ جیسا بن جاوے۔ پس تم موسیٰ کا اتباع کر کے ان کے گروہ میں داخل ہو جاؤ اور مزہ سے پانی پیو اور چاند سے صلح کر کے چاندنی دیکھ لو۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام سے صلح کر کے ان کی برکت دیکھ لو۔ اب تک تمہاری محرومی کی وجہ یہ ہے کہ تم کو بندگان خدا پر غصہ ہے اور اس سے تمہاری آنکھوں میں سینکڑوں تاریکیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ جن کے سبب تم موسیٰ علیہ السلام کی برکات کو نہیں دیکھ سکتے۔ پس تم غصہ کو دور کر دو اور آنکھ کھولو اور برکات موسیٰ علیہ السلام دیکھ کر خوش ہو۔ اور اپنے دوستوں یعنی ہم لوگوں کی حالت سے عبرت حاصل کر کے کامل بن جاؤ۔

فائدہ:۔ **سوما قال ولی محمد** یعنی از انکہ بسبب خشم بر عباد اللہ چشم شان تاریک شدہ است پندے بگیر **وھو وھم منہ منشاہ لفظ العبرۃ او لفظ یاران واللہ اعلم)** جبکہ تمہارا کفر ایسا عظیم الشان ہے جیسا کوہ قاف تو پھر تم پانی پینے میں میرے طفیلی کیسے ہو سکتے ہو۔ کیونکہ طفیلی بننے سے اسی وقت کام چل سکتا ہے جبکہ گنجائش ہو ورنہ پہاڑ سوئی کے سوراخ میں نہیں گھس سکتا۔ الا وہ پہاڑ جو برگ کاہ بن جاوے۔ پس تم اپنے کوہ کفر کو استغفار سے برگ کاہ بنا لو اور مغفوران کا جام لے کر مزہ سے پیو۔ تم چاہتے ہو کہ دھوکہ سے پی لو۔ لیکن جبکہ حق سبحانہ نے اسے کافروں پر حرام کر دیا ہے تو تم چال سے اسے کیسے پی سکتے ہو۔ اور جس نے کہ چالبازی کو پیدا کیا ہے وہ چال میں کیسے آ جائے گا اور تمہاری چال کیسے قبول کرے گا۔ پس اگر تمہیں پانی پینا ہے تو چال نہ کرو کیونکہ چال بالکل بے سود ہے اور سچے دل

سے موسیٰ کے متبع ہو جاؤ تمہارا چال کرنا فضول کوشش ہے۔اور اس کا کچھ نتیجہ نہیں۔ کیونکہ پانی کی طاقت نہیں ہے کہ وہ حق سبحانہ کے حکم سے پھر جاوے اور کافروں کے حق میں پانی بن جاوے۔اب مولانا خطاب کو عام کر کے فرماتے ہیں کہ کچھ پانی ہی کی تخصیص نہیں بلکہ ہر چیز کی یہی حالت ہے چنانچہ تم روٹی کھاتے ہو تو کیا تم سمجھتے ہو کہ روٹی کھاتے ہو ہرگز نہیں۔ بلکہ سانپ کا زہر اور موجب کا ہش جان شے کھا رہے ہو۔ کیونکہ روٹی بھی اس شخص کی اصلاح نہیں کر سکتی جو کہ دل کو حق سبحانہ کے فرمان سے ہٹا لے۔ بلکہ اس کو بجائے نفع کے نقصان پہنچاتی ہے کہ شہوت وغضب وغیرہ بڑھاتی ہے جو اس کے لئے مہلک ہیں یا تم سمجھتے ہو کہ جب تم مثنوی کو فضول پڑھو گے تو تم اس کو سن سکتے ہو اور اس سے فائدہ مقصود حاصل کر سکتے ہو ہرگز نہیں یا تم خیال کرتے ہو کہ کوئی کلام مشتمل بر حکمت واسرار ذلیل لوگوں کے کانوں میں آسانی سے پہنچ سکتا ہے ہرگز نہیں۔ وہ ضرور کانوں میں پہنچتا ہے لیکن محض انسانوں کی طرح اور اس کا پوست دکھلائی دیتا ہے اور مغز ودانہ نہیں دکھلائی دیتے۔ اس لئے اس مغز کی یہ حالت ہوتی ہے جیسے کوئی دلبر چادر میں سر اور چہرہ تمہاری نظر سے چھپا لے اور ایسی حالت میں شاہنامہ وکلیلہ اور قرآن تمہاری سرکشی کی وجہ سے تمہارے حق میں دونوں یکساں ہوتے ہیں ان کے حقیقت اور مجاز ہونے کا فرق تم کو اس وقت محسوس ہو سکتا ہے جبکہ عنایت وفضل ایزدی تمہاری آنکھیں کھول دے۔ ورنہ فاقد حس شامہ کے نزدیک مینگنی اور مشک دونوں برابر ہیں کیونکہ قوت شامہ تو ہے نہیں جو تمیز ہے پھر تمیز کیونکر ہو۔ ہم نے کلام اللہ اور شاہنامہ وغیرہ کو اس لئے یکساں کہا ہے کہ جس طرح شاہنامہ پڑھنے سے مطلوب جی بہلانا ہے یوں ہی محجوب قاری قرآن کا مقصود ملال کی طرف سے اپنی طبیعت کو ہٹانا ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ آتش خیالات پراگندہ وغم وغصہ کو بجھا دے اور اس کا علاج کرے سو اتنی بات یعنی صرف آگ بجھانے کیلئے تو پانی (کلام اللہ) اور پیشاب (شاہنامہ وغیرہ) دونوں بجھا دیتے ہیں جس طرح کہ شراب بھی غم وغصہ و خیالات پراگندہ کی آگ کو بجھا دیتی ہے اور نیند بھی حالانکہ نیند پانی ہے اور شراب پیشاب۔ افسوس کہ تمہیں کلام اللہ کی حقیقت معلوم نہیں اس لئے تم اسے جی بہلانے کے لئے پڑھتے ہو۔ لیکن اگر تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ کلام پاک خدا کا کلام ہے اور سراسر روحانیت سے لبریز ہے تو تمہاری جان میں وساوس کا نام بھی نہ رہے اور تمہارا دل گلستان غیب کی سیر کرنے لگے۔ کیونکہ جو شخص اسرار صحف منزلہ وکتب سماویہ پر مطلع ہو جاتا ہے وہ باغ غیب اور اس کی نہر میں پہنچ جاتا ہے۔ خیر یہ تو ہو چکا اب تم یہ بتلاؤ کہ کیا ہم لوگ اولیاء اللہ کی وہ صورت دیکھ سکتے ہیں جو کہ ان کی واقع میں ہے ہرگز نہیں۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب ہوا تھا کہ یہ لوگ میری صورت کیوں نہیں دیکھتے اور کیوں نہیں دیکھتے کہ میرا چہرہ منور میں آفتاب مشرق سے زیادہ ہے اور اگر دیکھتے ہیں تو پھر متحیر کیوں ہیں۔ اور میری تصدیق کیوں نہیں کرتے اس پر وحی آئی تھی کہ آپ کے تعجب کا منشا یہ ہے کہ آپ اپنے چہرہ کو ظاہر خیال فرماتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں بلکہ وہ چاند ابر میں مستور ہے اور وہ چاند آپ کی طرف ہے اس لئے آپ اسے دیکھتے ہیں اور ابر لوگوں کی طرف اس لئے وہ اس چاند کو نہیں دیکھ سکتے اور مقصود اس اخفا کا یہ ہے کہ نا قدردان کفار بے فائدہ اسے نہ دیکھ سکیں اور آپ کی طرف دانہ ہے اور ان کی طرف جال۔ اس لئے آپ اس دانہ سے منتفع ہو سکتے ہیں اور وہ لوگ منتفع نہیں ہو سکتے اور مقصود اس سے یہ ہے کہ اس طعام خاص کو عام نہ کھا سکیں (کھانے سے مراد تمتع بالنظر ہے نہ کہ تمتع بالایمان و التصدیق)۔ اور خواص مومنین ہیں اور عوام کفار اور مقصود وہی ہے جو پہلے شعر کا تھا۔ یعنی حکمت اس میں یہ ہے کہ کفار

بے فائدہ اسے نہ دیکھ سکیں کیونکہ بہرحال ایمان تو یہ لوگ نہ لائیں گے تو ان کو کیوں اس دولت سے متمتع کیا جاوے جو مومنین کا حصہ ہے) اب مولانا فرماتے ہیں کہ ان کفار کی وہی حالت ہے جو حق سبحانہ نے بتوں کی بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ وترھم ینظرون الیک و ھم لا یبصرون یعنی یہ بت محض تصویر ہائے بے جان ہیں۔ لیکن اے بت پرستو وہ تمہیں ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کہ ان کی دونوں واقع میں بے حس آنکھیں دیکھنے والی ہوں اور اسی لئے تم ان کے سامنے تعظیم کرتے ہو۔ اور جب اس کا ان پر کچھ اثر نہیں ہوتا تو متعجب ہو کر کہتے ہو کہ آخر یہ میرا کیوں نہیں خیال کرتا اور یہ بت اتنا بے جواب کیوں ہے کہ میرے سلام کا جواب بھی نہیں دیتا۔ اور نہ یہ ہی کرتا ہے کہ میرے اس قدر سجدوں کا لحاظ کر کے سر یا ہونٹ ہی ہلا دے اب مولانا ایک شبہ کا جواب دیتے ہیں جو اس گفتگو سے پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ بتوں کے بے جان ہونے کو اس قرینہ سے ثابت کیا ہے کہ وہ اپنے پوچنے والے کو جواب نہیں دیتے اور سر بھی نہیں ہلاتے۔ سو یہ ہی قرینہ بعینہ خدا کے بے جان ہونے کا ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہ بھی جواب نہیں دیتا اور سر نہیں ہلاتا۔ پس فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ حق سبحانہ بھی اپنے عبادت کرنے والے کی عبادت کا لحاظ کر کے سر نہیں ہلاتے لیکن وہ اس سے بڑا کام کرتے ہیں وہ یہ کہ باطن عابد میں ایک خاص حلاوت پیدا کر دیتے ہیں جس کی قیمت سینکڑوں سر ہلانا ہیں اور جس کا اثر یہ ہے کہ عقل و جان جھومنے لگتی ہیں۔ پس یہ دلیل ہے حق سبحانہ کے ادراک عبادت عابد اور اس کی قدر کی۔ دیکھو تم عقل کی بے حد خدمت کرتے ہو تو وہ اس کی قدر کیا کرتی ہے یہی کہ ہدایت بڑھادے اور سر نہیں ہلاتی حالانکہ مدرک ہے۔ پس ایسا ہی حق سبحانہ کو سمجھو کہ وہ بھی سر نہیں ہلاتے مگر تمہارے اندر ایک ایسی بات پیدا کرتے ہیں کہ اس کے سبب اہل جہان تمہیں سجدہ کرتے ہیں جیسے کہ اس نے ایک جماد کو یہ صفت دیدی کہ لوگ اسے بے حد عزیز رکھتے ہیں اور وہ جماد کون ہے سونا۔ علیٰ ہذا پانی کے ایک قطرہ پر عنایت حق سبحانہ ہوتی ہے تو وہ موتی ہو جاتا ہے اور سونے سے بھی بڑھ جاتا ہے ایسے ہی جسم انسانی فی نفسہ خاک ہے لیکن جبکہ حق سبحانہ نے اسے ادراک وغیرہ کی چمک عطا فرما دی تو چاند کی طرح جہانگیری میں کامل ہو گیا۔ اب مولانا نصیحت فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو خبردار تم دھوکہ نہ کھانا اور اس کو بذاتہ مدرک و قادر و نافع و ضار وغیرہ نہ سمجھ جانا بلکہ یہ حق سبحانہ کا بنایا ہوا ایک طلسم ہے اور فی نفسہ ایک بے جان تصویر ہے مگر اس ظاہری حالت نے بیوقوفوں کو مغالطہ میں ڈال دیا ہے اور چونکہ وہ بظاہر متصرف قادر و نافع و ضار وغیرہ معلوم ہوتا ہے اس لئے ان بیوقوفوں نے اس پر اعتماد کر لیا ہے اور خدا کو بھول گئے ہیں۔ جس نے اس میں یہ صفات پیدا کی ہیں۔ (ھذا ھو المرام و زلت اقدام المحشین فی حل ھذا المقام واللہ اعلم) خیر یہ گفتگو تو استطرادی تھی اب سنو کہ قبطی نے سبطی کی نصیحت سن کر کہا کہ میں تو اپنی سیاہی قلب کے سبب وہ منہ نہیں رکھتا جس کی دعا مقبول ہو اس لئے تم میرے لئے دعا کرو تا کہ شاید میرے دل کا قفل کھل جاوے اور ہدایت اس میں داخل ہو سکے اور میں گمراہ ہدایت یافتہ لوگوں کے گروہ میں شامل ہو جاؤں۔ آپ کی تو یہ حالت ہے کہ اگر کسی کی صورت مسخ ہو گئی ہو تو تمہاری برکت سے وہ صاحب خوبی ہو سکتا ہے یا اگر شیطان بھی ہو تو وہ بھی نئے سرے سے مقرب فرشتہ ہو سکتا ہے یا یوں کہوں کہ آپ کے مریم علیہا السلام کی طرح مبارک ہاتھ سے ایک شاخ خشک تری اور میوہ اور بوئے مشک پا سکتی ہے یہ سن کر سبطی زمین میں گر پڑا اور یوں دعا شروع کی۔ اے خدائے عالم الغیب والشہادہ سبطی و قبطی یعنی مومن و کافر سب تیرے بندے ہیں اور تیرے حکم قضا کے سامنے سب عاجز و مقہور ہیں۔ پس

میں تیرے سوا کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا سکتا ہوں دعا بھی آپ ہی کی طرف سے ہے اور اس کا قبول کرنا بھی آپ ہی کی جانب سے ہے اور ابتدا میں دعا کی خواہش بھی آپ ہی پیدا کرتے ہیں اور آخر میں دعاؤں پر نتیجہ بھی آپ ہی مرتب کرتے ہیں۔ اس لئے اول بھی آپ ہی ہیں اور آخر بھی آپ ہی اور ہم درمیان میں یوں ہیں ہیچ ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ غرضکہ وہ اسی طرح دعا کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا اور اس پر بیہوشی طاری ہو گئی۔ پھر ہوش میں آ کر اس نے دعا شروع کی۔ کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ جس قدر زیادہ جدوجہد کروں گا اتنا ہی مجھے اس کا نتیجہ ملے گا۔ کیونکہ آدمی کو وہی ملتا ہے جس کے لئے وہ سعی کرتا ہے۔ بالآخر اسے اس جدوجہد کا نتیجہ مل گیا اور وہ دعا ہی میں مصروف تھا کہ یکایک قبطی کے دل سے ایک نعرہ اور ایک شور نکلا یعنی یہ کہ جلدی آ کر مجھے ایمان کی تلقین کیجئے تاکہ میں اپنا کفر کا پرانا جنیو توڑ دوں اور مسلمان ہو جاؤں۔ قضا و قدر نے میری جان میں آگ لگادی اور عنایت کرم سے مجھ ابلیس کی عزت افزائی فرمائی۔ خیر خدا کا شکر ہے کہ آپ کی دوستی نے جس کا منشا ایک عجیب و غریب محبت تھی انجام کار میری دستگیری فرمائی۔ آپ کی محبتیں میرے لئے کیمیا تھیں۔ خدا کرے آپ کا میرے خانۂ دل میں آنا ہمیشہ رہے آپ میرے لئے جنت کے درخت کے ایک شاخ تھے جس کو میں نے پکڑ لیا تو اس نے مجھے جنت میں پہنچا دیا۔ اور وہ ایک سیلاب تھا جو مجھے بہالے گیا اور مجھے دریا جو (حق سبحانہ) تک پہنچا دیا۔ (سیلاب سے مراد خود سبطی ہے) میں تو پانی کی توقع میں سیل کی طرف بڑھا تھا یعنی تمہاری طرف آیا تھا مگر اس تک پہنچ کر مجھے دریا (حق سبحانہ) مل گیا۔ جس سے میں نے آب معارف کے خوب پیالے بھرے۔ خیر جب وہ قبطی ایمان لے آیا تو سبطی ایک طشت پر آب لایا اور کہا کہ اب پانی پیو۔ اس پر اس نے کہا کہ بس اب میرے نزدیک پانی کی کوئی وقعت نہیں رہی۔ اب میں حق سبحانہ کی عبدیت کا شربت پی چکا ہوں جس سے مجھے قیامت تک پیاس نہ لگے گی۔ کیونکہ جس نے ندیوں اور چشموں کو پانی عطا کیا ہے اس نے میرے اندر ایک چشمہ معارف کھول دیا ہے اور یہ جگر جو پہلے آتش تشنگی سے گرم اور پانی کا طالب تھا اب اس کی ہمت کے آگے پانی بے وقعت ہو گیا ہے اور وہ آب رحمت کا طالب بن گیا ہے۔ اب مولانا اس دعوے کو مدلل فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ امر کچھ بعید نہیں کیونکہ حق سبحانہ بصدق وعدہ اپنے بندوں کے لئے کافی ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ کھیعص جس کا مطلب یہ ہے کاف ھو لکم یا عبداللہ صدقا۔ یعنی میں تمہارے لئے کافی ہوں اور میں تم کو بدوں اسباب و سائط اور امداد غیر کے ہر بہتری عطا کر سکتا ہوں۔ اور میں تمہارے لئے کافی ہوں اس لئے تمہارا پیٹ بدوں روٹی کے بھر سکتا ہوں اور تمہیں بدوں لشکر کے سرداری عطا کر سکتا ہوں اور میں کافی ہوں اس لئے بدوں دوا کے تمہارا علاج کر سکتا ہوں اور پہاڑوں اور کنوؤں کو میدان بنا سکتا ہوں یعنی تمہاری تمام مشکلات کو آسان کر سکتا ہوں اور میں بدوں بہار کے تمہیں نسرین و نرگس عطا کر سکتا ہوں اور بدوں کتاب و استاد کے تعلیم کر سکتا ہوں۔ پس اگر میری حکمت مقتضی ہوگی تو میں ایسا کروں گا پس تم کو اسباب کے پیچھے نہ پڑنا چاہئے۔ اور مجھ پر نظر رکھنی چاہئے۔ میری یہ شان ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ایک مضبوط دل اور ایک لاٹھی عطا کرتا ہوں جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ ایک عالم کو تہ تیغ کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات اسباب عادیہ کے بالکل خلاف ہے اور میں موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کو ایک ایسی چمک اور روشنی عطا کرتا ہوں جو آفتاب کے طمانچہ لگاتی اور اس پر غالب آ جاتی ہے حالانکہ اس میں کسی سبب ظاہری کو دخل نہیں۔ نیز میں لکڑی کو سات منہ والا سانپ بنا دیتا ہوں جو نر و مادہ سے پیدا نہیں ہوتا۔ یہ

بھی سبب عادی کے خلاف ہے اور میں دریائے نیل میں خون نہیں ملاتا بلکہ خود اس پانی ہی کو خون بنا دیتا ہوں یہ بھی کسی سبب عادی کا نتیجہ نہیں ہے۔ نیز میں تمہاری خوشی کو آب نیل کی طرح سے وہ غم بنا دیتا ہوں کہ اس کے ہوتے ہوئے تم کو کوئی خوشی نہیں ہو سکتی۔ لیکن جب تم پھر تجدید ایمان کر لیتے ہو اور فرعون نفس سے بیزار ہو جاتے ہو تو پھر دیکھتے ہو کہ ہمارا موسیٰ رحمت آتا ہے اور وہ نیل خون (غم) پھر اس کی برکت سے پانی (خوشی) بن جاتا ہے۔ لیکن اگر تم رشتہ تعلقات کو اپنے باطن میں محفوظ رکھو اور ہم سے قطع تعلق نہ کرو تو تمہارا نیل ذوق باطنی کبھی خون نہ ہو اور تم ہمیشہ مزہ میں رہو۔ خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سنو کہ اس قبطی نے یہ بھی کہا کہ میں تو سمجھتا تھا کہ ایمان میں اس غرض سے لاتا ہوں کہ اس طوفان خون یعنی دریائے نیل سے پانی پی سکوں یعنی میں ایمان کا صرف یہ ہی فائدہ سمجھتا تھا۔ لیکن مجھے کیا خبر تھی کہ ایمان میری قلب ماہیت کر دے گا اور خود میری ذات میں میرے لئے ایک رود نیل بنا دے گا۔ اب میری یہ حالت ہے کہ اپنی نظر میں میں خود ایک بہنے والا رود نیل ہوں۔ گو اوروں کی نظر میں ویسا ہی ہوں جیسا کہ تھا۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ تم کو اس حالت سے تعجب نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس کی نظائر اور بھی موجود ہیں۔ مثلاً یہ جہان جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں تسبیح خوان ہے اور ہم محجوبین کی نظر میں غیر تسبیح خواں اور انبیا کی نظر میں وہ عشق اور انصاف سے لبریز ہے اور دوسروں کی نظروں میں بے حس اور جماد محض ہے۔

فائدہ:۔ داد سے مراد انصاف مع اللہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اس سے محبت اور اس کی اطاعت کی جاوے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ لفظ وداد بواو ہو اور ود بمعنی حب سے مشتق ہو اس وقت یہ تفسیر ہو گی۔ لفظ پر عشق کی واللہ اعلم) اور ان کی نظر میں آسمان وزمین امتثال ادامر حق سبحانہ اور اس کی تسبیح میں سرگرم ہیں اور وہ ڈھیلے اور پتھروں سے نکتہ سنتے ہیں۔ یعنی عوام کے ساتھ ان کا یہ معاملہ ہے کہ ان کے لئے وہ محض حقیر اور بے حس ہیں۔ میں نے اس سے زیادہ عجیب پردہ ہی نہیں دیکھا کہ ایک ہی شے ہے اور ایک کے لئے ذی شعور ہے اور دوسرے کے لئے محض بے جان۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اب دوسری نظیر سنو۔ قبریں ہم کو یکساں معلوم ہوتی ہیں لیکن انبیاء کی نظر میں ان میں امتیاز ہوتا ہے کہ کوئی جنت کا باغیچہ ہوتی ہے اور کوئی آگ کا گڑھا۔ نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو کہ عام لوگ ان کی حالت سے تعجب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ تو بہت محبت کے آدمی تھے اب بد مزاج کیونکر ہو گئے۔ اور خاص لوگ کہتے تھے کہ وہ تم کو بد مزاج معلوم ہوتے ہیں تھوڑی دیر کیلئے ہماری نظر حاصل کر لو۔ اس وقت تمہیں اس انسان کامل کے اندر بہت سی ہنسیاں نظر آئیں گی اور وہ تم کو نہایت خوش مزاج معلوم ہوں گے۔

فائدہ:۔ میرے نزدیک ھل اتی سے مراد انسان کامل ہے کیونکہ اس میں انسان کی حالتوں سے بحث کی گئی ہے اور آپ اس کا فرد کامل ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ھل اتی سے مراد من انزل علیه ذلک ہو واللہ اعلم) اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ الٹی صورتیں تمہیں امرود کے درخت پر سے دکھائی دیتی ہیں۔ پس اگر تم ان کو واقعی حالت پر دیکھنا چاہو تو نیچے اتر آؤ اس وقت وہ اشیاء تم کو اسی طرح نظر آئیں گی جس طرح کہ وہ ہیں امرود کے درخت سے ہماری مراد تمہاری خودی اور ہستی کا درخت ہے۔ پس اس سے نیچے اتر آؤ یعنی اس کو چھوڑ دو اور خودی کو فنا کر دو ورنہ جب تک تم اس پر چڑھے رہو گے اور خودی کو نہ چھوڑو گے اس وقت تک تم الٹا ہی دیکھو گے۔ اور نئی شے پرانی معلوم ہو گی اور پرانی نئی وھکذا۔ اور جب تک تم

وہاں رہو گے اس وقت تک تم کو ایک عالم خارزار اور غصہ ور بچھوؤں اور سانپوں سے بھرا ہوا معلوم ہو گا اور جب اس درخت سے نیچے اتر آؤ گے اس وقت تم بے تکلف عالم کو حسینوں اور مربیوں سے پر پاؤ گے۔ نیز جبکہ تم اس درخت پر سے اتر آؤ گے تو تم اپنے باطن کو اسرار خداوندی سے لبریز پاؤ گے۔

فائدہ:۔ خار اور سانپوں اور بچھوؤں سے مراد اشیاء ناسوتیہ مضرہ و مانعہ من الوصول الی الحق ہیں۔ اور گلرخوں اور دانوں سے مقصود اسماء وصفات حق سبحانہ ہیں جو کہ فی نفسہ حسن اور مربی عالم ہیں۔ واللہ اعلم)

حکایت آں زن پلید کار کہ شوہر را گفت کہ ایں خیالات از سر امرود بن می نماید چشم آدمی را' از سر امرو بن فرود آ تا آں خیالات برود و اگر کسے گوید کہ آنچہ مردمی دید خیال نبود جواب آنست کہ ایں مثال است نہ مثل در مثال ہمیں قدر بس بود کہ اگر او بر سر امرود بن نمی رفت آں را نمی دید خواہ حقیقت بود خواہ خیال

اس بدکار عورت کی حکایت جس نے شوہر سے کہا کہ یہ خیالات امرود کے درخت پر سے انسان کی آنکھ کو نظر آتے ہیں امرود کے درخت سے اتر آ تا کہ وہ خیالات دور ہو جائیں اور اگر کوئی کہے کہ جو کچھ مرد نے دیکھا تھا وہ خیال نہ تھا تو جواب یہ ہے کہ یہ مثال ہے مثل نہیں ہے اور مثال میں یہی کافی ہے کہ اگر وہ امرود کے درخت پر نہ چڑھتا تو اس کو نہ دیکھتا خواہ وہ حقیقت تھی خواہ خیال تھا

آں زنے میخواست تا با مول خود	برزند در پیش شوی گول خود
ایک عورت نے چاہا کہ اپنے یار سے	لطف اپنے احمق شوہر کے سامنے
پس بشوہر گفت زن کاے نیک بخت	من برآیم میوہ چیدن بر درخت
تو بیوی نے شوہر سے کہا کہ اے نیک بخت!	میں پھل توڑنے درخت پر چڑھتی ہوں
چوں برآمد بر درخست آں زن گریست	چوں ز بالا سوی شوہر بنگریست
جب درخت پر چڑھ گئی وہ عورت رونے لگی	جب اس نے اوپر سے شوہر کی جانب دیکھا
گفت شوہر را کہ اے مابون رد	کیست آں لوطی کہ بر تو می فتد
شوہر سے بولی کہ اے مفعول مردود!	یہ لوطی کون ہے جو تیرے اوپر پڑا ہے؟
تو بزیر او چوزن بغنودۂ	اے بغا تو خود مخنث بودۂ
تو اس کے نیچے عورت کی طرح اونگھ رہا ہے	اے نامرد! تو ہیجڑا ہے
گفت شوہر نے سرت گوی بگشت	ورنہ اینجا نیست غیر من بدشت
شوہر نے کہا نہیں! گویا تیرا سر چکرا رہا ہے	ورنہ یہاں جنگل میں میرے سوا کوئی نہیں ہے

زن مکرر کرد کاے بابر طلہ — کیست، بر پشتت فرو خفتہ ہلہ
عورت نے مکرر کہا اے الٹی ٹوپی والے! — خبردار! تیری پشت پر کون سویا ہوا ہے؟

گفت اے زن ہیں فرود آ از درخت — کہ سرت گشت و خرف گشتی تو سخت
اس نے کہا اے بیوی! درخت سے نیچے آ جا — کیونکہ تیرا سر چکرا گیا ہے اور تو بہت بے عقل ہو گئی ہے

چوں فرود آمد برآمد شوہرش — زن کشید آں مول را اندر برش
جب وہ نیچے آ گئی اس کا شوہر چڑھ گیا — عورت نے اس یار کو بغل میں دبا لیا

گفت شوہر کیست ایں اے روسپی — کہ ببالائے تو آمد چوں کپی
شوہر نے کہا او ارنڈی! یہ کون ہے؟ — جو بندر کی طرح تیرے اوپر چڑھ گیا ہے

گفت زن نے نیست اینجا غیر من — ہیں سرت برگشتہ شد ہرزہ متن
عورت نے کہا نہیں، یہاں میرے سوا کوئی نہیں ہے — خبردار! تیرا سر چکرا رہا ہے، بکواس نہ کر

او مکرر کرد برزن آں سخن — گفت زن ایں ست از امرود بن
اس نے عورت سے وہ بات مکرر کہی — عورت نے کہا یہ امرود کے درخت (کے اثر) سے ہے

از سر امرود بن من ہمچناں — کژ ہمی دیدم کہ تو اے قلتباں
میں نے بھی امرود کے درخت سے ایسا ہی — الٹا دیکھا جیسا کہ تو نے اے دیوث!

پس فرود آ تا بہ بینی ہیچ نیست — ایں ہمہ تخییل از امرود بے ست
نیچے اتر آ تاکہ تو دیکھ لے کہ کوئی نہیں ہے — یہ سب خیال امرود کے درخت (کی وجہ) سے ہے

ہزل تعلیم ست آں را جد شنو — تو مشو بر ظاہر ہزلش گرو
سکھانے کے لئے مذاق ہے تو اس کو حقیقت سمجھ — تو اس کے ظاہری مذاق کا پابند نہ بن

ہر جدے ہزلست پیش ہازلاں — ہزلہا جدست پیش عاقلاں
مسخروں کے سامنے ہر واقعہ مذاق ہے — عقلمندوں کے لئے ہر مذاق حقیقت ہے

کاہلاں امرود بن جویند لیک — تا بداں امرود بن راہیست نیک
سست لوگ امرود کا درخت تلاش کرتے ہیں لیکن — اس امرود کے درخت کا فاصلہ بہت ہے

نقل کن از امرود بن اکنوں برو — گشتۂ تو خیرہ چشم و خیرہ رو
امرود کے درخت سے منتقل ہو جا اب چلا جا — تو پریشان نظر اور پریشان ہو گیا ہے

این منی و ہستی اول بود ۔ کہ ازو دیدہ کژو احول بود

یہ خودی اور ابتدائی وجود ہوتا ہے ۔ جس سے آنکھ ٹیڑھی اور بھینگی بن جاتی ہے

چوں فرود آئی ازیں امرود بن ۔ کژ نماند فکرت و چشم و سخن

جب تو اس امرود کے درخت سے نیچے اتر آئے گا ۔ تیری فکر اور آنکھ اور گفتگو ٹیڑھی نہ رہے گی

یک درخت سخت بینی گشتہ ایں ۔ شاخ او بر آسمان ہفتمیں

تو دیکھے گا کہ یہ ایک سخت درخت بن گیا ہے ۔ جس کی شاخ ساتویں آسمان پر ہے

چوں فرود آئی ازو گروی جدا ۔ مبدلش گرداند از رحمت خدا

جب تو نیچے اتر آئے گا اس میں علیحدہ ہو جائے گا ۔ خدا رحمت سے اس کو بدل دے گا

زیں تواضع گر فرود آئی، خدا ۔ راست بینی بخشد آں چشم ترا

اس تواضع کے ذریعہ اگر تو نیچے اتر آئے گا، خدا ۔ تیری اس نظر کو صحیح دیکھنا عطا فرما دے گا

راست بینی گر بدے آساں چنیں ۔ مصطفیٰؐ کے خواستے از رب دیں

صحیح دیکھنا اگر ایسا آسان ہوتا ۔ تو دین کے رب سے آنحضورؐ کب دعا مانگتے؟

گفت بنما جزو جزو از فوق و پست ۔ آنچنانکہ پیش تو آں جزو ہست

کہا، اوپر اور نیچے سے جزو جزو کر دکھا ۔ جیسا کہ وہ جز تیرے سامنے ہے

بعد ازاں بر رو براں امرود بن ۔ کہ مبدل گشت و سبز از امر کن

اس کے بعد اس امرود کے درخت پر چڑھ جا ۔ کیونکہ کن کے حکم سے تبدیل اور سبز ہو گیا ہے

چوں درخت موسوئی شد آں درخت ۔ چوں سوی موسیٰ کشانیدی تو رخت

جب وہ درخت (حضرت) موسیٰ والا درخت بن گیا ۔ جب تو نے موسیٰ کی جانب سفر اختیار کر لیا

آتش او را سبز و خرم می کند ۔ شاخ او انی انا اللہ می زند

آگ، اس کو سبز اور بھلا بنائے گی ۔ اس کی شاخ "انی انا اللہ" کا نعرہ لگائے گی

زیر ظلش جملہ حاجات روا ۔ ایں چنیں باشد الٰہی کیمیا

تیری ساری حاجتیں اس کے سایہ کے نیچے پوری ہوں گی ۔ خدائی کیمیا ایسی ہی ہوتی ہے

آں منی و ہستیت باشد حلال ۔ کہ درو بینی صفات ذوالجلال

تیری وہ خودی اور وجود جائز ہے ۔ جس میں تو اللہ (تعالیٰ) کی صفات دیکھ لے

شد درخت کج مقوم حق نما	اصلہ' ثابت و فرعہ' فی السما
ٹیڑھا درخت سیدھا حق نما بن گیا	اس کی جڑ (زمین میں) ثابت ہے اور اس کی شاخ آسمان میں ہے

تمہارے درخت ہستی کی ایسی مثال ہے جیسے آس امرود کے درخت کی جس کی حالت قصہ' ذیل میں مذکور ہے اور وہ قصہ یہ ہے کہ ایک عورت چاہتی تھی کہ اپنے احمق شوہر کے سامنے اپنے آشنا کے ساتھ ہم صحبت ہو پس اس نے شوہر سے کہا کہ میں امرود توڑنے کے لئے درخت پر چڑھتی ہوں اس نے اجازت دیدی اور وہ درخت پر چڑھ گئی۔ جب درخت پر چڑھ گئی تو شوہر کو دیکھ کر رونے لگی اور کہا کہ او مردود...... یون یہ کون لوطی ہے جو تجھ پر سوار ہے اور تو عورت کی طرح اس کے نیچے پڑا ہے۔ ارے نامردود تو تو مخنث ہے۔ شوہر نے یہ سن کر جواب دیا کہ ایسا نہیں تیرا سر چکرا گیا ہوگا اس سے تجھے ایسا معلوم ہوتا ہوگا ورنہ جنگل میں میرے سوا کوئی ہے ہی نہیں۔ پھر میں یہ فعل کس سے کراتا۔ عورت نے دوبارہ پھر کہا کہ او بے حوصلہ یہ تیری پیٹھ پر کون پڑا ہے اس پر اس نے کہا کہ بیوی تم نیچے آ کر دیکھ لو یہاں کوئی نہیں ہے۔ اور مجھ کو کہ تمہارا سر پھر گیا ہے اور تمہارے حواس درست نہیں رہے ہیں۔ خیر وہ تو نیچے اتر آئی اور اس کا شوہر اس درخت پر چڑھا اب وہ عورت اپنے آشنا سے ہم آغوش ہوگئی۔ یہ دیکھ کر خاوند نے کہا کہ او فاحشہ یہ کون ہے جو تجھ پر بندر کی طرح چڑھا ہوا ہے۔ اس نے کہا غلط ہے یہاں میرے سوا کوئی نہیں تمہارا سر پھر گیا ہے۔ بے ہودہ باتیں نہ کر اس نے پھر عورت سے یہ ہی کہا۔ اس پر عورت نے کہا کہ یہ اس امرود کے درخت کا اثر ہے میں بھی تو درخت کے اوپر سے ایسا ہی دیکھتی تھی۔ آپ نیچے اتر آیئے اور دیکھ لیجئے۔ یہاں کچھ نہیں ہے۔ یہ سب تخیلات اس درخت کا اثر ہیں۔ اب مولانا اس شبہ کو دفع کرتے ہیں جو اس فحش قصہ کے بیان کرنے پر عام طور پر دل میں پیدا ہوتا۔ یعنی مولانا نے بزرگ ہو کر یہ فحش قصہ کیوں بیان کیا اور تقریر جواب یہ ہے کہ یہ فحش قصہ محض تعلیم کے لئے ہے تم اس سے نصیحت حاصل کرو اور اس ہزل کو جد سمجھو اور یہ جو بظاہر ہزل ہے تو تم اس کے ظاہر ہی کے پابند نہ رہو۔ رہی یہ بات کہ آخر نصیحت کے لئے ہزل ہی کو کیوں اختیار کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو دل لگی باز ہیں ان کے نزدیک تو سچی بات بھی دل لگی ہی ہے۔ پس ان کو ترک ہزل سے بھی فائدہ نہ ہوتا۔ اور جو عاقل ہیں ان کے نزدیک ہزل بھی جد ہے اور دل لگی بات بھی سچی بات ہے اس لئے ہزل سے ان کو کوئی ضرر نہ ہوا۔ پس جبکہ اس کے ترک سے کوئی معتد بہ فائدہ نہ تھا اور اس کے لانے سے کوئی نقصان نہ ہوا تو ہم نے اسی قصہ کو بیان کر دیا اور کوئی اور عنوان اختیار کرنے کے لئے کاوش نہ کی۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ کامل لوگ امرود کے اس ..خت کو طلب کرتے ہیں جو صحیح النظر بناتا ہے مگر اس عظیم الشان درخت تک اس مقام سے جہاں وہ ہیں بہت فاصلہ ہے جس کو یہ لوگ کامل رہ کر طے نہیں کر سکتے۔ (وھذا ھو المراد و زل قدم المحشین فقالوا ماہ قالوا) پس اے کامل کا نئامن کان ہم تجھ سے اس کی تحصیل کا طریقہ بیان

ے گو دونوں میں اس جہت سے فرق ہے کہ درخت ہستی پر سے جو چیزیں نظر آتی ہیں وہ تو واقع میں معکوس ہیں اور درخت امرود پر سے جو واقعہ مرد نے دیکھا وہ خلاف واقعہ نہ تھا لیکن دونوں میں اتنی بات میں اشتراک ہے کہ درخت ہستی پر سے بھی وہ چیزیں نظر آتی ہیں جو اس سے نیچا ترنے کی حالت میں نظر نہیں آتیں اور درخت امرود پر سے بھی مرد کو وہ واقعہ نظر آیا تھا جو اس نے نیچا تر کر نہ دیکھا اور یہی مناسب تمثیل کے لئے کافی ہے۔ ۱۲ منہ

کرتے ہیں تو کاہلی کو چھوڑ کر اس طریق سے اسے طلب کر اس صورت سے وہ تجھے مل جاوے گا اور وہ طریقہ یہ ہے کہ کوشش اور سعی کر کے اس امرود کے درخت سے منتقل ہو جا۔ جس پر چڑھ کر تو خیرہ چشم اور خیرہ رو ہوا ہے۔

فائدہ:۔ خیرہ رو بے ہودہ گرد وملبوس و پریشان وسرکش واکل مختل) اور وہ ہستی اول اور خودی ہے جس سے آدمی غلط بین ہوتا ہے۔ اس لئے ہماری مراد اس امرود کے درخت سے جس کے چھوڑنے کی ہم نے رائے دی ہے یہی خودی اور ہستی ہے۔ پس جب تو بعد جد وجہد کے اس درخت سے اتر آئے گا اس وقت تیری عقل اور آنکھ اور گفتگو ٹیڑھی ہی نہ رہے گی اور تو اس درخت امرود کو سخت سدرہ دیکھے گا اور تو دیکھے گا کہ اس کی شاخیں ساتویں آسمان پر پہنچ گئی ہیں اور جبکہ تو اس غلطی میں ڈالنے والے درخت سے نیچے اتر آوے گا اور اس سے جدا ہو جاوے گا۔ یعنی مرتبہ فنا فی اللہ حاصل کرے گا تو حق سبحانہ اپنی رحمت سے اس کو بدل دیں گے اور پائیدار اور صحیح النظر بنانے والا کر دیں گے اور اگر تو اس مقام یعنی غلطی میں ڈالنے والے درخت سے اتر آوے گا تو خدائے تعالیٰ تجھ کو صحیح النظر بنا دیں گے۔ اس مقام پر جملہ معترضہ کے طور پر یہ بتلا دینا بھی ضرور ہے کہ راست بینی کوئی آسان کام اور معمولی بات نہیں ہے کہ اس کی تحصیل کی ضرورت نہ ہو کیونکہ اگر وہ ایسے ہوتے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق سبحانہ سے اس کی درخواست کیوں کرتے۔ حالانکہ انہوں نے فرمایا ہے۔ اللھم ارنا الاشیاء کما ھی یعنی اے اللہ آسمان وزمین وما بینھما کے ہر ہر جزو کو ہم کو اسی طرح دکھلا جس طرح کہ وہ جزو تیری نظر میں ہے۔ خیر یہ جملہ معترضہ تو ختم ہوا اب سن کہ جب تو اس غلطی میں ڈالنے والے درخت سے اتر آوے گا اس وقت تیرا مطلوب درخت تجھ کو مل جاوے گا۔ پس تو اس مطلوب امرود پر شوق سے چڑھ کیونکہ وہ بحکم الٰہی اب پہلا درخت نہیں رہا بلکہ اب وہ اور ہی کچھ ہو گیا ہے اور پہلے خشک تھا اب سرسبز ہو گیا ہے۔ اور جبکہ تو موسیٰ وقت یعنی شیخ کامل کی خدمت میں پہنچ گیا تو یہ غلطی میں ڈالنے والا درخت درخت موسوی بن گیا کہ اب یہ درخت موسوی کی طرح آگ سے اور سرسبز اور شاداب ہوتا ہے اور اس کی شاخ سے انی انا اللہ کی آواز نکلتی ہے (درخت موسوی سے وہ درخت مراد ہے جس کو روشن دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آگ کا گمان کیا تھا اور جس سے ان کو انی انا اللہ رب العلمین کی آواز آئی تھی اور مشبہ بہ میں آگ سے مراد وہ نور ہے جو آگ کی صورت میں دکھلائی دیا تھا اور مشبہ میں آتش مجاہدات وآلام وغموم واشواق اور درخت سرسبز وشاداب یعنی ہستی ثانی حاصل بعد فنا کے نعرۂ انی انا اللہ لگانے کا منشاء وہ توافق ہے جس کی بنا پر ایک کے آثار وافعال کو دوسرے کی طرف بنا بر مجاز متعارف منسوب کیا جا سکتا ہے نہ کہ اتحاد وعینیت فافہم ولاتزال) اس درخت کے سایہ میں تیری تمام حاجتیں روا ہوں گی۔ دیکھ خدائی قلب ماہیت اسے کہتے ہیں کہ کس شے کو کیا بنا دیا اس وقت خودی اور ہستی تیرے لئے حلال ہے کیونکہ اس میں تو صفات حق سبحانہ کا مشاہدہ کرتا ہے برخلاف ہستی اول کے کہ وہ مشاہدہ حق سبحانہ سے مانع تھی اس لئے حرام تھی۔ القصہ اب یہ درخت کج سیدھا اور حق نما بن گیا ہے اور اس قدر مستحکم ہو گیا ہے کہ اس کی جڑ زمین میں ہے اور شاخیں آسمان میں۔ یعنی فنا کے بعد بقا باللہ حاصل ہو گئی ہے۔

باقی قصہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا باقی قصہ

کامدش پیغام از وحی مہم	کہ کژی بگزار اکنوں فاستقم
ان (موسیٰ) کو عظیم بالشان وحی کے ذریعہ سے پیغام آیا	کہ اب کجی کو چھوڑ دے اور سیدھا ہو جا
ایں درخت تن عصای موسیٰ است	کارش آمد کہ بیفگند ازش زدست
یہ جسم کا درخت (حضرت) موسیٰ کی لاٹھی ہے	اس کا موقع آ گیا کہ تو اس کو ہاتھ سے زمین پر ڈال دے
تا بہ بینی خیر او و شر او	بعد ازاں برگیر او را از امر ہو
تاکہ تو اس کی بھلائی اور اس کی برائی دیکھ لے	پھر اس کو اللہ (تعالیٰ) کے حکم سے ہاتھ میں پکڑ لے
پیش زافگندن نبود او غیر چوب	چوں بامرش برگرفتی شد جذوب
ڈالنے سے پہلے وہ لکڑی کے سوا کچھ نہ تھی	جب تو نے اس کے حکم سے پکڑا وہ نگلنے والی بن گئی
اول او بد برگ افشاں برہ را	گشت معجز آں گروہ غرہ را
پہلے وہ بکری کے بچہ کے لئے پتے جھاڑنے والی تھی	وہ غافل جماعت کے لئے معجزہ بن گئی
گشت حاکم برسر فرعونیاں	آب شاں خوں کرد کف برسر زناں
وہ فرعونیوں پر حاکم بن گئی	سر پیٹنے والوں پر اس کا پانی خون بنا دیا
از مزارع شاں برآمد قحط و مرگ	از ملخہای کہ آں خوردند برگ
ان کے کھیتوں سے قحط اور موت برآمد ہو گئی	ان ٹڈیوں کی وجہ سے جنہوں نے پتے کھا لئے
تا برآمد بیخود از موسیٰ دعا	چوں نظر افتادش اندر منتہا
یہاں تک کہ بیخودی میں (حضرت) موسیٰ سے دعا نکلی	جبکہ ان کی نظر انجام پر پڑی
ایں ہمہ اعجاز و کوشیدن چراست	چوں نخواہند ایں جماعت گشت راست
یہ معجزے اور کوششیں کیوں ہیں؟	جبکہ یہ لوگ سیدھے نہ ہوں گے
امر آمد کا تباع نوح کن	ترک پایاں بینی و مشروح کن
حکم ہوا کہ (حضرت) نوح کی پیروی کر	انجام بینی اور تشریح کو چھوڑ
منگر آخر کہ تو داعی رہی	امر بلغ ہست نبود آں تہی
تم انجام کو نہ دیکھو اس لئے کہ تم راہ (حق) کی طرف بلانے والے ہو	بلغ کا حکم ہے (اور) وہ خالی نہیں ہے

کمتریں حکمت کزیں الحاح تو	جلوہ گردد آں لجاج و آں عتو
معمولی حکمت یہ ہے کہ تیرے اس اصرار سے	وہ جھگڑالو پن اور سرکشی ظاہر ہو جائے گی
تا کہ رہ بنمودن و اضلال حق	فاش گردد بر ہمہ اہل فرق
یہاں تک کہ اللہ (تعالیٰ) کی رہنمائی اور اللہ کا گمراہ کرنا	تمام فرقوں پر واضح ہو جائے گا
چونکہ مقصوداز وجود اظہار بود	بایدش از پند و اغوا آزمود
چونکہ موجودات سے مقصود اظہار تھا	تو اس کو نصیحت اور بہکانے سے آزمانا چاہیے
دیو الحاح غوایت می کند	شیخ الحاح ہدایت می کند
شیطانؑ گمراہی پر اصرار کرتا ہے	شیخؒ ہدایت پر اصرار کرتا ہے
باز گرد و قصہ قبطی بگو	گرد کفر از باطن خود زود شو
واپس لوٹ اور قبطی کا قصہ کہہ	اپنے باطن سے کفر کے غبار کو جلد دھو دے

اس مضمون کی سرخی "باقی قصہ موسیٰ علیہ السلام" قائم کی گئی ہے اور شیخ ولی محمد نے اس قصہ کے ارتباط کے متعلق لکھا ہے (ایں سرخی در حقیقت تحت آن بیت ست کہ در سرخی قصہ فرزندان عزیر گذشت کہ

ایں سخن پایان ندارد باز گرد تا برآرد مویسم از بحر گرد

و دور افتادن ایں سرخی از بیت مذکور بہ سبب جر کلام بود بہ سرخیہائے دیگر چنانچہ در آنجا نیز آگاہ کردہ شد)

اور ایں سخن پایاں ندارد کے متعلق لکھا ہے کہ یہ رجوع ہے اس قصہ موسیٰ و فرعون کی طرف جس کو مولانا نے سرخی تمامی حدیث موسیٰ علیہ السلام و تفریع و توبیخ فرعون کے تحت میں

ایں عصائے بود اینم اژدہاست الخ پر چھوڑا ہے اور شاہد اس بیان کا ایں سخن پایان ندارد یعنی مصرع اول بیت مذکور کو قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ عنوان جہاں آیا ہے وہاں مضمون گذشتہ کی طرف رجوع مقصود ہوتا ہے اور اس توجیہ کے بعد کہا ہے (اگر مدد روحانیت حضرت مولوی نبودے فقیر نیز ربط ایں بیت نیافتے و مثل دیگراں در راہ ضلالت شتافتے) اور کامدش پیغام از وحی مہم کی شرح میں لکھا ہے (کاف تعلیلہ در مصرع اول برائے بیان علت برآوردن موسے ست گرد از بحر کہ در مصرع ثانی بیت بالا گذشت تا برآورد مویسم از بحر گرد۔ یعنی گرد برآوردن موسے از بحر روئے آنست کہ ویرا پیغام از وحی در رسیدہ است کہ عصا را از دست بیندازتا اژدہا شود و کار را بر فرعون و قوم او تنگ کن پس کژی عبارت از کینت و نرمی باشد در دعوت چہ کسیکہ مستحق درشتی و سختی ست نرمی کردن باوکژ رویست و بیت ثانی کہ مقولہ مولویست صریح دال ست برآنکہ پیغام الٰہی کہ مصرع ثانی بیان اوست ہمیں حکم باژدہا کردن عصا بود چنانکہ از تقریر فقیر دریافتی) یہ خلاصہ ہے اس گفتگو کا جو ولی محمد نے ربط سرخی و حل بیت کامدش پیغام الخ و ایں سخن پایان ندارد کے متعلق کی ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ توجیہ ان کی درست نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ سرخی تمامی حدیث موسے الخ صریح دال ہے اس پر کہ اس قصہ کو مولانا ختم کر چکے ہیں

اور باقی قصہ موسیٰ اس کا تتمہ نہیں ہے۔ اور نہ ایں سخن پایان ندارد الخ اس کی طرف عود ہے۔ ثانیاً مولانا نے اس قصہ کو تفریع و توبیخ فرعون پر چھوڑا تھا پھر کامدش پیغام از وحی مہم الخ کو اس سے کیونکر تعلق ہو سکتا ہے اس لئے کہ یہ وحی حسب بیان شیخ اختیار لینت و نرمی ودر دعوت پر آئی ہے۔ پس کجا تفریع و توبیخ و کجا لینت و نرمی۔ ثالثاً ایں سخن پایان ندارد باز گرد۔ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ قصہ موسیٰ علیہ السلام کی طرف رجوع ہے بلکہ مطلق رجوع پر دلالت کرتا ہے سو ممکن کیا بلکہ اغلب ہے کہ یہ رجوع ہے از ہزاران من نمی گویم یکے + زانکہ آگندہ است ہر گوش از شکے کی طرف۔ رابعاً دلالت بیت ایں درخت تن عصائے موسےٰ است آہ کی دلالت اس مدعا پر کہ کژی بگزار میں حکم بالقاء عصا ہے ہمیں تسلیم نہیں۔ **کما سیظھر لک عن قریب** . پس ظاہر شد کہ شیخ ربط ایں سرخی و بیت ایں سخن پایان ندارد الخ نیافتہ است و در بادیہ ضلالت شتافتہ است۔ میرے نزدیک باقی قصہ موسیٰ علیہ السلام سے مراد یہ ہے کہ جس قدر قصہ موسیٰ علیہ السلام کا اس دفتر میں بیان کرنا مقصود ہے وہ کچھ تو متفرق طور پر گزر چکا اور باقی یہ ہے اس تقدیر پر اس کو موسیٰ علیہ السلام کے قصہ کے کسی گذشتہ قصہ سے ربط دینے کی ضرورت نہ ہوگی اور کامدش پیغام الخ۔ کاف بیانیہ ہے اور بیان ہے سرخی کا کہ ضمیر شین راجع ہے۔ طرف موسےٰ کے جو سرخی میں مذکور ہے اور کژی بگزار اکنوں فاستقم سے اشارہ ہے حق سبحانہ کے قول۔ **قد اجیبت دعوتکما فاستقیما و لا تتبعان سبیل الذین لایعلمون** کی طرف جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا **ربناک انک اتیت فرعون و ملاہ زینۃ واموالا فی الحیوۃ الدنیا ربنا لیضلوا عن سبیلک ربنا اطمس علی اموالھم واشدد علی قلوبھم فلایؤمنوا حتی یروا العذاب الالیم** کے جواب میں ارشاد ہوا تھا اور کژی سے مراد یا تو یہ ہے کہ ہم تمہاری دعا قبول کر چکے ہیں لیکن اس کا ظہور بحکمت دیر میں ہوگا اس بناء پر طبعاً وسوسہ بد ہو سکتا ہے کہ دیکھو ہم سے کہا تھا کہ ہم نے تمہاری دعا قبول کر لی لیکن کہیں بھی قبول نہیں کی۔ پس تم اس کا خیال رکھنا اور ایسے وساوس سے بچتے رہنا یا یہ مراد ہو کہ ہم تم کو قبولیت دعا کا اطمینان دلا چکے ہیں۔ اب تم بار بار تقاضا نہ کرنا۔ واللہ اعلم بمرادہ و مراد عبادہ اور ربط اس قصہ کو ما قبل سے یہ ہے کہ اوپر ترغیب دی تھی ترک ہستی وخودی کی جو منشا ہے کجی کا۔ اب اس کی قصہ موسیٰ علیہ السلام سے تائید فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو سیدھا رہنے اور کجی کو چھوڑنے کا حکم ہوا تھا جس کے معنے یہ ہیں کہ تم ہستی کو ترک کرو اور خودی کو چھوڑو کیونکہ ترک کجی و تحصیل استقامت بدوں ترک خودی ناممکن ہے اور ترک ہستی بدوں ترک تن کے نہیں ہو سکتی۔ اس لئے مولانا اس قصہ سے ترغیب ترک تن یعنی ہستی اول کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔ جب یہ مضمون تمہیدی جس کے حل ابیات کے لئے ضرورت تھی معلوم ہو چکا تو اب حل سنو وہ قصہ یہ ہے کہ ان کو بذریعہ وحی کے ایک ضروری پیغام آیا اور وہ یہ تھا کہ کجی کو چھوڑ دو اور سیدھے رہو اور صورت اس کی یہ ہے کہ ہستی اور تعلق با لجسم کو چھوڑو کیونکہ یہی منشا ہیں کجی کا۔

فائدہ:۔ اس سے کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ موسیٰ علیہ السلام کو استقامت اور فنائی اللہ حاصل نہ تھی کیونکہ استقامت اور فناء کے مراتب متفاوت ہیں۔ بعض لازم نبوت ہیں اور بعض نہیں لہذا کہا جاوے گا کہ وہ فنا و استقامت جو نبی کے لئے لازم ہے وہ حاصل تھی لیکن چونکہ وہ قابل زیادت تھی اس لئے تحصیل زیادت کا حکم دیا گیا اور مطلق کجی وخودی منافی نبوت نہیں ہے ورنہ باب ترقی مسدود ہو جاوے۔ **وھو خلاف المعلوم من الدین لان اللہ تعالیٰ یودب انبیائہ ویعاتبھم علی تقصیراتھم و ان کانت تلک التقصیرات غیر منافیۃ للنبوۃ والرسالۃ)** اب مولانا اس سے

مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور ترک تعلق بالجسم وہستی اول کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تم تعلق بالجسم کو چھوڑ دو کیونکہ اس میں بہت سے منافع مخفی ہیں جن کا ظہور موقوف ہے اس کے چھوڑنے پر۔ پس جب تم اولاً اسے چھوڑ دو گے اور پھر بحکم حق سبحانہ حاصل کرو گے تو وہ تمہارے لئے نافع ہو جاوے گا اور تم اس درخت جسم کو ایسا سمجھو جیسا عصائے موسیٰ جس کے متعلق حکم ہوا تھا کہ اسے ہاتھ سے چھوڑ دو تا کہ اس کی تمہارے حق میں منفعت اور تمہارے دشمنوں کے حق میں مضرت جو کہ خود تمہاری منفعت ہے ظاہر ہو جاوے اور جبکہ یہ تمہارے لئے سراسر نافع ہو جاوے۔ اس وقت تم اس کو ہمارے حکم سے اٹھالو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور وہ لاٹھی اژدہا بن گئی۔ اب حکم ہوا کہ دیکھو یہ لاٹھی ڈالنے سے پہلے جماد محض تھی اور وہ منافع عالیہ جو اس میں مستتر تھے۔ ظاہر نہ تھے اب جبکہ تم نے اس کو ہمارے حکم سے ڈالا اور پھر اٹھایا تو اب یہ اژدہا بن گئی جو کہ دشمنوں کو سانس سے کھینچ لیتا ہے اور اول وہ بکریوں کے لئے پتے جھاڑنے کا آلہ تھا۔ مگر اب اس مغرور قوم کو عاجز کرنے والا ہو گیا اور متبعین فرعون پر حاکم ہو گیا اور ان کے پانی کو خون بنا دیا (یعنی وہ سبب ہو گیا ان کے خون پینے کا بایں طور پر کہ اس کے اژدہا بننے سے نبوت موسیٰ علیہ السلام ظاہر ہوئی اور منکرین پر حجت اللہ تمام ہو گئی پس جبکہ وہ تمامی حجت کے بعد بھی منکر ہی رہے تو مستحق عذاب ہوئے اور عذاب یوں ہوا کہ دریا خون بن گیا) اور اس کے سبب سے ٹڈیاں ان پر مسلط ہو گئیں جو کہ ان کی کھیتیاں کھا گئیں اور اس وجہ سے ان کھیتیوں سے بجائے غلہ اور حیات کے قحط اور موت پیدا ہوئی جب موسیٰ علیہ السلام نے ان واقعات کے انجام کو دیکھا تو بمقتضائے شفقت و رحمت بے اختیار ان کے منہ سے یہ دعا نکل گئی کہ اے اللہ جب یہ لوگ ٹھیک ہی نہ ہوں گے تو پھر ان کو اس قدر مجبور کرنا اور ان کی ہدایت میں اس قدر کوشش کرنا کس لئے ہے ان کو ہلاک ہی کر دیجئے۔ اس پر حکم ہوا کہ آپ تبلیغ سے اکتایئے نہیں اور نوح کا ارتباع کیجئے کہ انہوں نے سینکڑوں برس دعوت اور نتیجہ کا خیال نہیں کیا۔ پس آپ بھی نتیجہ کے معلوم کرنے کو چھوڑیئے اور یہ نہ دیکھئے کہ ان کا کیا نتیجہ ہوگا کیونکہ آپ داعی الی اللہ ہیں اور آپ کو تبلیغ کا حکم ہے۔ پس آپ اجمالاً اتنا سمجھ لیجئے کہ یہ ایک حکیم کا فعل ہے لہذا حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا چنانچہ اس میں بہت سی مصلحتیں ہیں اور ادنیٰ درجہ کی حکمت اس تبلیغ کے جاری رکھنے میں یہ ہے کہ آپ کے اصرار بلیغ سے ان کا عناد اور سرکشی ظاہر ہوتا کہ ہماری صفت اضلال و ہدایت تمام لوگوں پر ظاہر ہو جاوے۔ اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ حق سبحانہ کا مقصود تخلیق عالم سے اظہار ماہو المکنون ہے اس لئے ضرورت ہے کہ آدمی کو نصیحت اور بہکانے غرض دونوں طرح سے جانچا جاوے تا کہ اس کی حالت مخفیہ ضلالت یا ہدایت ظاہر ہو جاوے۔ پس یہ دو کام دو شخصوں کے متعلق ہیں۔ شیطان تو اغوا پر اصرار کرتا ہے اور شیخ ہدایت پر پس جو غالب آ جائے گا اسی کے موافق صفت کا اظہار ہو جاوے گا۔ اچھا اب لوٹنا چاہئے اور قبطیوں کے قصہ کو بیان کر کے ذکر معجزات موسیٰ علیہ السلام سے ایمان کو تازہ کرنا چاہئے اور اپنے باطن سے غبار کفر کو دور کرنا چاہئے۔

فائدہ:۔ واضح ہو کہ ہم نے اوپر امر کژی بگذار کو دعائے عذاب برائے فرعون وقوم فرعون سے متعلق کہا تھا لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا تعلق دعائے دفع عذاب وطلب ترک تبلیغ سے ہو۔ اس وقت کا مدش پیغام الخ اجمال ہوگا اور مضمون آئندہ اس کی تفصیل والراجح عندی ھو الاول فتدبر)

سخت شدن کار بر قبطیاں و شفاعت طلب کردن فرعون از موسیٰ

قبطیوں پر معاملہ کا سخت ہو جانا اور فرعون کا موسیٰ سے سفارش چاہنا

چوں پیاپے گشت آں امر شجوں	نیل می آمد سراسر جملہ خوں
جب قوی حکم پے در پے ہوا	(دریائے) نیل سراسر سب خون ہو کر بہتا تھا
تا بنفس خویش فرعوں آمدش	لابہ می کردو دو تا گشتہ قدش
یہاں تک کہ فرعون بذات خود ان کے پاس آیا	خوشامد کرتا تھا اور اس کا قد دہرا ہو گیا تھا
انچہ ما کردیم اے سلطاں مکن	نیست مارا روی ایراد سخن
اے شاہ! جو ہم نے کیا وہ آپ نہ کیجئے	ہمارا منہ بات کرنے کے قابل نہیں ہے
پارہ پارہ کردمت فرماں پذیر	من بعزت خو گرم سختم مگیر
میں نے (بدن کے) ٹکڑے ٹکڑے کو تیرا کہا ماننے والا بنایا ہے	میں عزت کا عادی ہوں میری سخت پکڑ نہ کیجئے
ہیں بجنباں لب برحمت اے امیں	تا بہ بندد ایں دہان آتشیں
آگاہ! اے امین! رحمت (کی دعا) کے لئے ہونٹ ہلائیے	تاکہ یہ آتشیں دہانہ بند ہو جائے
گفت یارب می فریبد او مرا	می فریبد او فریبیدہ ترا
(حضرت موسیٰ نے) کہا اے خدا! وہ مجھے فریب دے رہا ہے	(آپ کے) فریفتہ کو فریب دے رہا ہے
بشنوم یا من دہم ہم خدعہ اش	تا بداند اصل را آں فرع کش
میں مان جاؤں یا میں بھی اس کو دھوکا دیدوں	تاکہ وہ شاخ کو پکڑنے والا جڑ کو جان جائے
کاصل ہر مکرے و حیلت پیش ماست	ہر چہ بر خاکست اصلش بر سماست
ہر مکر اور حیلہ کی اصل ہمارے سامنے ہے	جو کچھ زمین پر ہے اس کی اصل آسمان پر ہے
گفت حق آں سگ نیرزد ہم باں	پیش سگ انداز از دور استخواں
اللہ (تعالیٰ) نے فرمایا وہ کتا اس کے بھی لائق نہیں ہے	کتے کے سامنے دور سے ہڈی ڈال دے
ہیں بجنباں آں عصا تا خاکہا	وادہد ہر چہ ملخ کردش فنا
ہاں وہ عصا ہلا دے تاکہ زمینیں	وہ واپس کر دیں جس کو ٹڈیوں نے فنا کیا ہے
واں ملخہا در زماں گردد تباہ	تا بہ بیند خلق تبدیل الٰہ
وہ ٹڈیاں فوراً تباہ ہو جائیں گی	تاکہ لوگ اللہ (تعالیٰ) کے بدل دینے کو دیکھ لیں

که سببها نیست حاجت مرمرا | آں سبب بہر حجابست و عطا

که ہمیں اسباب کی ضرورت نہیں ہے | یہ سبب تو حجاب اور پردے کے لئے ہے

تا طبیبے خویش بردار و زند | تا منجم رو با ستاره کند

تاکہ طبیب اپنے آپ کو دوا میں مصروف کر دے | تاکہ نجومی ستاروں کی جانب منہ کرے

تامنافق از حریفی بامداد | سوی بازار آید از بیم کساد

تاکہ منافق چالاکی سے صبح صبح | بازار کی جانب آئے کساد (بازاری) کے ڈر سے

بندگی ناکرد و ناشستہ رو | لقمۂ دوزخ بگشتہ لقمہ جو

عبادت کئے بغیر اور منہ دھوئے بغیر | لقمہ کا جویاں دوزخ کا لقمہ بنا ہوا ہے

آکل و ماکول آمد جان عام | ہمچوآں برہ چرندہ از حطام

عوام کی جان کھانے والی ہے اور غذا (بھی) ہے | اس بکری کے بچہ کی طرح جو چارہ چرنے والا ہے

می چرد آں برہ و قصاب شاد | کہ برای ماچرد برگ مراد

وہ بکری کا بچہ چرتا ہے اور قصائی خوش ہے | کہ مقصد کے پتے ہمارے لئے چر رہا ہے

کار دوزخ میکنی درخوردنی | بہر او خود را تو فربہ میکنی

تو کھانے میں دوزخ کا کام کر رہا ہے | تو اپنے آپ کو اس کے لئے موٹا کر رہا ہے

کارخودکن روزی حکمت بچر | تاشود فربہ دل باکروفر

اپنا کام کر دانائی کی خوراک کھا | تاکہ شان و شوکت سے دل فربہ ہو جائے

خوردن تن مانع ایں خوردنست | جاں چوبازرگان وتن چوں رہزنست

جسم کا کھانا اس کھانے سے مانع ہے | جان تاجر کی طرح ہے اور جسم ڈاکو کی طرح ہے

شمع تاجر آنگہ ہست افروختہ | کہ بود رہزن چوہیزم سوختہ

تاجر کی شمع اس وقت روشن ہے | جبکہ ڈاکو جلی ہوئی لکڑی کی طرح ہو

خویشتن را گم مکن یا وہ مکوش | کہ توآں ہوشی و باقی ہوش پوش

اپنے آپ کو گم نہ کر، بیہودہ کوشش نہ کر | کیونکہ تو ہوش اور باقی ہوش چھپا دینے والے ہیں

دانکہ ہر شہوت چوخمرست و چوبنگ | پردۂ ہوش ست وعاقل زوست دنگ

سمجھ لے کہ ہر شہوت شراب اور بھنگ کی طرح ہے | ہوش کے لئے پردہ ہے اور عقلمند اس سے حیران ہے

خمر تنہا نیست سرمستی ہوش	ہر چہ شہوانی ست بند و چشم و گوش
شراب تنہا ہوش کی سرمستی نہیں ہے	جو چیز بھی نفسانی ہے وہ آنکھ اور کان کو بند کر دیتی ہے
ترک شہوت کن اگر خواہی تو ہوش	دانکہ شہوت بندت دہم چشم و گوش
اگر تو ہوش چاہتا ہے، شہوت کو ترک کر دے	سمجھ لے کہ شہوت تیری آنکھ اور کان بھی بند کر دے گی
آں بلیس از خمر خوردن دور بود	مست بود او از تکبر و زجحود
وہ شیطان شراب پینے سے دور تھا	وہ تکبر اور انکار سے مست تھا
مست آں باشد کہ آں بیند کہ نیست	زر نماید انچہ مس و آہنیست
مست وہ ہے جو وہ دیکھے جو نہیں ہے	سونا نظر آئے جو کہ تانبا اور لوہا ہے
ایں سخن پایاں ندارد موسیا	لب بجنباں تا بروں آید گیا
اے موسیٰ! اس بات کا خاتمہ نہیں ہے	ہونٹ ہلا تاکہ گھاس اگ آئے

القصہ جب موسیٰ علیہ السلام کو تبلیغ جاری رکھنے کا زبردست حکم تاکید کے لئے پے در پے ہوا تو انہوں نے تبلیغ جاری رکھی اور چونکہ فرعون اور اس کی قوم کی طرف سے کفر پر اصرار رہا اس لئے نیل برابر خون ہو کر بہتا رہا۔ اور نوبت بایں جا رسید کہ فرعون بذات خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور جھک کر خوشامد کرنے لگا اور کہا کہ میرا منہ تو نہیں ہے کہ میں عرض کروں لیکن بضرورت اتنا عرض کرتا ہوں کہ جو ہم نے کیا وہ آپ نہ کیجئے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیجئے۔ اگر آپ ہمارے ساتھ سلوک کریں گے تو میرا بال بال آپ کا مطیع ہو جاوے گا۔ دیکھئے اس سے زیادہ مجھے ذلیل نہ کیجئے کیونکہ میں ہمیشہ سے عزت کا عادی رہا ہوں اور کبھی میں نے ذلت نہیں اٹھائی ہے۔ اس لئے میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ اچھا اب آپ اپنی مہربانی سے دعا کر دیجئے کہ یہ آگ جو آسمان سے برس رہی ہے اس کا دہانہ بند ہو جاوے۔ اور باران رحمت نازل ہو کر قحط کو دفع کرے یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حق سبحانہ کی جناب میں عرض کیا کہ اے اللہ یہ مجھے دھوکہ دیتا ہے اور آپ کے فریفتہ کو بہکاتا ہے۔ ایسی حالت میں آپ کا کیا حکم ہے آیا میں اس کی درخواست کو قبول کرلوں یا میں بھی اس سے دھوکہ کروں تاکہ یہ متمسک بفرع اصل تدبیر کو جان لے اور اسے معلوم ہو جاوے کہ اصل تدبیر تو خدا کی ہے۔ باقی تمام تدابیر اس کی فرع ہیں اور ایک تدبیر بھی نہیں بلکہ جو کچھ بھی زمین میں ہے اس کی اصل حق سبحانہ کے یہاں ہے کیونکہ سب عالم مظہر ہے اس کے اسماء و صفات کا حق سبحانہ نے اس کا جواب دیا کہ یہ نالائق تو اس قابل بھی نہیں ہے کہ ہم اس کے بدلہ کا خیال کریں اور اس کے فریب کا جواب فریب سے دیں بس آپ اس کتے کے سامنے ہڈی ڈال دیجئے اور وہ جو کچھ درخواست کرتا ہے اس کو قبول کر لیجئے اور اپنا عصا ہلایئے تاکہ ٹڈیاں جو کچھ کھا چکی ہیں زمین سب واپس کر دے اور ٹڈیاں سب دفعۃً مر جائیں تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جاوے کہ حق سبحانہ حالت کو یوں بدل دیتے ہیں اور جان لیں کہ

ہمیں اپنے افعال میں اسباب درکار نہیں بلکہ اسباب تو محض حجاب کے طور پر ہیں تا کہ طبیب دوا کو لپٹ جاوے اور منجم ستاروں کی طرف متوجہ ہو جاوے اور دنیا دار اپنی چالا کی سے صبح ہی سے بخوف کساد بازاری بلا عبادت کئے اور بلا منہ ہاتھ دھوئے بازار میں آ جائے اور معنی امتحان تحقق ہو سکیں۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ یہ دنیا دار خود دوزخ کی غذا ہے اور اپنے لئے غذا تلاش کرتا ہے علی ہذا تمام عوام اور مجوبین آ کل بھی ہیں اور ماکول بھی۔ آ کل غذا کے لحاظ سے ہیں اور ماکول دوزخ کے اعتبار سے۔ اس لئے ان کی مثال ایسی ہے جیسے بکری کا بچہ چارہ وغیرہ کھاتا ہے اور آ کل بھی ہے اور ماکول بھی چنانچہ وہ چارہ کھاتا ہے اور قصاب خوش ہوتا ہے کہ یہ ہمارے لئے چر رہا ہے۔ اب مولانا مضمون ارشادی بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے محجوب تو جو کھاتا ہے تو اس میں تو اپنا کام نہیں کرتا بلکہ دوزخ کا کام کر رہا ہے اور اس کو فائدہ پہنچا رہا ہے کیونکہ تو اپنے کو اسی کے لئے موٹا کر رہا ہے۔ پس تو اس بیگار کو چھوڑ۔ اور اپنا کام کر۔ اور وہ یہ ہے کہ غذائے علوم و معارف کھا۔ تا کہ تیرا باشان و شوکت دل موٹا ہو اور یاد رکھ کہ غذائے جسمانی (اس حیثیت سے کہ وہ جسمانی ہے یعنی نفس کو قوت پہنچانے والی ہے) غذائے روحانی سے مانع ہے۔

فائدہ:۔ قید حیثیت اس لئے لگائی ہے کہ جو غذائے جسمانی حکم شریعت کے مطابق کھائی جاتی ہے وہ مانع نہیں ہے کیونکہ ایسی غذا حکم میں غذائے روحانی کے ہے) کیونکہ جان بمنزلہ سوداگر کے ہے اور جسم بمنزلہ رہزن کے اور تاجر کا فائدہ اسی میں ہے کہ رہزن ہلاک ہو اور جس قدر رہزن کو قوت ہوگی اسی قدر سوداگر کو نقصان ہوگا۔ پس جو غذا جسم (النفس) کو قوت پہنچائے گی وہ لامحالہ روح کو کمزور کرے گی۔ پس تو بے ہوش نہ بن اور فضول کوشش نہ کر کیونکہ تو ہوش ہے اور باقی سب اس ہوش کو چھپانے والے۔ پس تو اپنی خبر لے۔ اور سمجھ کہ تو کیا ہے اور سب کی فکر چھوڑ۔ کیونکہ جس قدر تو اور چیزوں میں مشغول ہوگا اتنا ہی اپنے سے غافل ہوگا۔ اور یہ بھی یاد رکھ کہ ہر خواہش نفسانی شراب اور بھنگ کا اثر رکھتی ہے اور عقل و ہوش کے لئے پردہ ہے اور عاقل اس سے متحیر ہو جاتا ہے۔ پس شراب اور دیگر مسکرات متعارفہ ہی عقل کو بے خود کرنے والے نہیں ہیں بلکہ جس قدر بھی نفسانی چیزیں ہیں۔ سب آنکھ اور کان کو بند کرنے والی ہیں۔ لہذا اگر تجھے عقل کی ضرورت ہے تو تو خواہش نفسانی کو چھوڑ کیونکہ یاد رکھ کر خواہش نفسانی آنکھ اور کان وغیرہ پر قبضہ کر لیتی ہے اور ان کو ادراک حقیقت سے روک دیتی ہے۔ دیکھو ابلیس نے شراب نہیں پی تھی پھر وہ کاہے سے مست تھا وہ تکبر اور انکار سے مست تھا جو کہ شہوات نفسانیہ میں سے ہیں۔ اگر تم کہو کہ ابلیس مست ہی نہ تھا تو ہم کہیں گے کہ مست کی صفت یہ بھی تو ہے کہ وہ غیر واقعی امور کو دیکھے اور لوہے اور تانبے کو سونا سمجھے سو یہ بات ابلیس میں بوجہ اکمل موجود تھی کیونکہ اس نے اپنے کو آدم سے بہتر سمجھا حالانکہ وہ بہتر نہ تھا اور آدم علیہ السلام کو حقیر سمجھا حالانکہ وہ حقیر نہ تھے اور مست کسے کہتے ہیں اچھا یہ گفتگو تو ختم نہ ہوگی۔ ہاں موسیٰ علیہ السلام آپ دعا فرمایئے تا کہ سبز ہو اگے۔

دعا کردن موسیٰ علیہ السلام و سبز شدن کشت زار ہا و باراں آمدن

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دعا کرنا اور کھیتوں کا سرسبز ہو جانا اور بارش کا آ جانا

ہمچناں کرد و ہم اندر دم زمیں	سبز گشت از سنبل و حب ثمیں
انہوں نے ایسا ہی کیا اور زمین فوراً	سنبل اور قیمتی غلہ سے سرسبز ہو گئی

اندر افتادند درلوت آں نفر	قحط دیدہ مردہ از جوع البقر
لذیذ غذاؤں میں لگ گئے وہ لوگ	جو قحط زدہ جوع البقر سے مرے ہوئے
چند روزے سیر خوردند از عطا	آں دمی و آدمی و چار پا
عطا (خدا وندی) کو چند روز پیٹ بھر کر کھایا	پرندوں نے اور آدمیوں نے اور چوپایوں نے
چوں شکم پر گشت و برنعمت زدند	واں ضرورت رفت پس طاغی شدند
جب پیٹ بھر گیا اور نعمت مل گئی	وہ ضرورت ختم ہو گئی پھر سرکش ہو گئے
نفس فرعونیست ہاں سیرش مکن	تا نیارد یادزاں کفر کہن
نفس فرعون ہے خبردار! اس کا پیٹ نہ بھر	تاکہ وہ پرانے کفر کو یاد نہ کرے
بے تف آتش نگردد نفس خوب	تا نشد آہن چو اخگر ہیں مکوب
آگ کی گرمی کے بغیر نفس بھلا نہیں بنتا ہے	خبردار! جب تک لوہا انگارے کی طرح نہ ہو جائے اس کو نہ کوٹ
بے مجاعت نیست تن جنبش کناں	آہن سردست میکوبی بداں
بغیر بھوک کے جسم حرکت کرنے والا نہیں ہے	ٹھنڈا لوہا ہے سمجھ لے تو کوٹ رہا ہے
گر بگرید ور بنالد زار زار	او نخواہد شد مسلماں ہوشدار
اگر وہ روئے اور زار زار نالہ کرے	وہ مسلمان نہ ہوگا سمجھ لے
او چو فرعون ست در قحط آنچناں	پیش موسیٰ سرنہد لابہ کناں
وہ قحط میں فرعون کی طرح ہے	(جو) موسیٰ کے سامنے خوشامد میں سر جھکاتا ہے
چونکہ مستغنی شد او طاغی شود	خر چو بار انداخت اسکیزہ زند
جب وہ بے نیاز ہوا سرکشی کرتا ہے	گدھے نے جب بوجھ اتار دیا، دولتی پھینکتا ہے
پس فراموشش شود چوں رفت پیش	کار او از آہ و زاریہای خیش
پھر وہ بھول جاتا ہے جب آگے بڑھ جاتا ہے	اس کا کام اپنی آہ و زاریوں کو
سالہا مردے کہ درشہرے بود	یک زماں کش چشم درخوابے شود
سالوں تک ایک انسان ایک شہر میں رہتا ہے	تھوڑی دیر جب اس کی آنکھ سو جاتی ہے
شہر دیگر بیند او پرنیک و بد	ہیچ در یادش نہ آید شہر خود
وہ دوسرا شہر بھلے اور برے سے بھرا دیکھے گا	اس کو اپنا شہر بھی یاد نہ آئے گا

کہ من آنجا بودہ ام ایں شہر نو	نیست آن من درینجا ام گرو
میں وہاں رہا ہوں یہ نیا شہر	میرا نہیں ہے میں یہاں پھنس گیا ہوں
بل چناں داند کہ خود پیوستہ او	ہم دریں شہرش بود ابداع و خو
بلکہ ایسا سمجھے گا کہ وہ اس سے وابستہ ہے	اسی شہر میں اس کی پیدائش اور (رہائش کی) عادت تھی
چہ عجب گر روح موطنہای خویش	کہ بدستش مسکن و میلاد پیش
کیا تعجب ہے اگر روح اپنے وطنوں کو	جو پہلے اس کا مسکن اور جائے پیدائش تھی
می نیارد یاد کایں دنیا چوب خواب	می فروپوشد چو اختر را سحاب
یاد نہ کرے کیونکہ یہ دنیا نیند کی طرح ہے	(اس کو) ڈھانپ لیتی ہے جس طرح کہ ستارے کو ابر
چند نوبت آزمودی خواب را	خواب دنیا را ہماں بیں زابتلا
تونے نیند کو کوئی بار آزما لیا ہے	آزمائش سے دنیا کی نیند کو ایسا ہی سمجھ
خاصہ چندیں شہر ہارا کوفتہ	گردہا ازدر گہ او نارفتہ
خصوصاً (جبکہ اس نے) بہت سے شہروں کو روندا ہے	اس کے مقام (دل) سے گرد صاف نہیں ہوئی ہے
اجتہاد گرم ناکردہ کہ تا	دل شود صافی و بیند ماجرا
سخت کوشش نہ کئے ہوئے ہے کہ	دل صاف ہو جائے اور گذشتہ واقعات دیکھ لے
سر بروں آرد دلش از بحر راز	اول و آخر بہ بیند چشم باز
راز کے سمندر سے اس کا دل سر ابھارے	کھلی آنکھ اول اور آخر کو دیکھ لے

بیان اطوار و منازل خلقت آدمی از ابتداء خلقت

ابتدائے پیدائش سے آدمی کی پیدائش کے مراتب اور حالات کا بیان

آمدہ اول باقلیم جماد	وز جمادی در نباتی اوفتاد
پہلے وہ (روح) جماد کی اقلیم میں آئی	اور جمادی (اقلیم) سے نباتی (اقلیم) میں آئی
سالہا اندر نباتی عمر کرد	وز جمادی یاد ناورد از نبرد
سالوں نباتی (اقلیم) میں عمر بسر کی	اور سرکشی کی وجہ سے اپنی جمادی (زندگی) کو بھلا دیا
وز نباتی چوں بحیوانی فتاد	نامدش حال نباتی ہیچ یاد
اور نباتی (اقلیم) جب حیوانی (اقلیم) میں آئی	اس کو نباتی (اقلیم) کا حال کبھی یاد نہ آیا

جز ہماں میلے کہ دارد سوی آں	خاصہ در وقت بہار و ضیمراں
سوائے اس میلان کے جو اس کی جانب ہے	خصوصاً بہار اور ضیمران کے موسم میں
ہمچو میل کودکاں با مادراں	سر میل خود نداند در لباں
جیسا کہ بچوں کا ماؤں کی طرف میلان	کہ وہ دودھ پینے میں اپنے میلان کا خود راز نہیں جانتے ہیں
ہمچو میل مفرط ہر نو مرید	سوی آں پیر جواں بخت مجید
جیسا کہ ہر نئے مرید کا بڑھا ہوا میلان	بزرگ جواں نصیبہ والے پیر کی جانب
جزو عقل ایں ازاں عقل کل ست	جنبش ایں سایہ زاں شاخ گل ست
اس کی جزوی عقل اسی کلی عقل سے ہے	اس سایہ کی حرکت اسی پھول کی شاخ سے ہے
سایہ اش فانی شود آخر درو‌ش	پس بداند سر میل و جستجو
اس کا سایہ بالآخر اس میں فنا ہو جاتا ہے	تب میلان اور جستجو کا راز جان لیتا ہے
سایۂ شاخ درخت اے نیک بخت	کے بجنبد گر نجنبد ایں درخت
اے نیک بخت! درخت کی شاخ کا سایہ	کب حرکت کر سکتا ہے اگر یہ درخت نہ ہلے؟
باز از حیواں سوی انسانیش	می کشد آں خالقے کہ دانیش
پھر اس کو حیوان (کی اقلیم) سے انسان کی جانب	وہ اللہ (تعالیٰ) اس کو کھینچتا ہے جس سے تو واقف ہے
ہمچنیں اقلیم تا اقلیم رفت	تا شد اکنوں عاقل و دانا و زفت
وہ اسی طرح (ایک) اقلیم سے دوسری اقلیم تک چلتی رہی	یہاں تک کہ وہ اب عقلمند اور دانا اور قوی ہو گئی
عقلہای اولینش یاد نیست	ہم ازیں عقلش تحول کردنیست
اس کو پہلی عقلیں یاد نہیں ہیں	اس عقل سے بھی اس کو منتقل ہونا ہے
تا رہد زیں عقل پر حرص و طلب	صد ہزاراں عقل بیند بوالعجب
تاکہ اس حرص اور طلب بھری عقل سے نجات پا جائے	وہ عجب قسم کی لاکھوں عقلیں دیکھے
گرچہ خفتہ گشت و شد ناسی ز پیش	کے گزارندش دراں نسیان خویش
اگرچہ وہ سو گئی ہے اور پہلے کو بھول گئی ہے	وہ اس کو اس کی بھول میں کب رہنے دیں گے؟
باز ازاں خوابش بہ بیداری کشند	تا کند بر حالت خود ریشخند
اس کو پھر اس کی نیند سے بیدار کریں گے	تاکہ وہ اپنی حالت پر مذاق اڑائے

گرچہ غم بود آنکہ می خوردم بخواب ۔۔ چوں فراموشم شد احوال صواب

اگرچہ وہ غم تھا جو میں نے خواب میں اٹھایا ۔۔ مجھ سے صحیح احوال کیوں فراموش ہوئے؟

چوں ندانستم کہ آں غم و اعتلال ۔۔ فعل خوابست وفریب ست وخیال

میں کیوں نہ سمجھا کہ وہ غم اور بیمار ہوتا؟ ۔۔ خواب کا کام ہے اور فریب اور خیال ہے

ہمچنیں دنیا کہ حلم نائم ست ۔۔ خفتہ پندارد کہ ایں خود دائم ست

اسی طرح دنیا جو کہ ایک سونے والے کا خواب ہے ۔۔ سویا ہوا سمجھتا ہے کہ یہ خود ہمیشہ رہنے والی ہے

تا برآید ناگہاں صبح اجل ۔۔ وارہد از ظلمت ظن و دغل

یہاں تک کہ اچانک موت کی صبح آ جاتی ہے ۔۔ اور وہ گمان اور فریب کی تاریکی سے نکل جاتا ہے

خندہ اش گیرد ازیں غمہای خویش ۔۔ چوں بہ بیند مستقر و جاوی خویش

اس کو اپنے غموں پر ہنسی آتی ہے ۔۔ جب وہ اپنے ٹھہرنے کا مقام اور جگہ دیکھتا ہے

ہرچہ اندر خواب بینی نیک و بد ۔۔ روز محشر یک بیک پیدا شود

تو جو کچھ بھی خواب میں اچھا اور برا دیکھتا ہے ۔۔ قیامت کے دن ایک ایک ظاہر ہو جائے گا

آنچہ کردی اندریں خواب جہاں ۔۔ گرددت ہنگام بیداری عیاں

تو نے دنیا کی نیند میں جو کچھ کیا ہے ۔۔ تیرے لئے بیداری کے وقت ظاہر ہو جائے گا

تا نہ پنداری کہ ایں بد کردنیست ۔۔ اندریں خواب وترا تعبیر نیست

تو ہرگز نہ سمجھ کہ یہ بد کرداری ۔۔ خواب میں ہے اور تیرے لئے تعبیر نہیں ہے

بلکہ ایں خندہ بود گریہ و نفیر ۔۔ روز تعبیر اے ستمگر بر اسیر

بلکہ یہ ہنسی رونا اور فریاد ہوگی ۔۔ تعبیر کے دن، اے قیدی پر ظلم کرنے والے!

گریہ و درد و غم و زاری خود ۔۔ شادمانی داں بہ بیداری خود

اپنے رونے اور درد اور غم اور عاجزی کرنے کو ۔۔ اپنی بیداری (کے وقت) میں خوشی سمجھ

اے دریدہ پوستین یوسفاں ۔۔ گرگ برخیزی ازیں خواب گراں

اے یوسفوں کے پوستین کو پھاڑنے والے! ۔۔ اس بھاری نیند سے تو بھیڑیا بن کر اٹھے گا

گشتہ گرگاں یک بیک خوہائے تو ۔۔ می درانند از غضب اعضائے تو

تیری ایک ایک عادت بھیڑیا بن کر ۔۔ غصہ سے تیرے اعضاء کو پھاڑے گی

خوں نخسپد بعد مرگت در قصاص	تو مگو کہ میرم و یا بم خلاص
قصاص (کے معاملہ) میں تیرے مرنے کے بعد خون سونہ جائیگا	تو نہ کہہ کہ مر جاؤں گا اور بچ جاؤں گا
ایں قصاص نقد حیلت ازیست	پیش زخم آں قصاص ایں بازیست
یہ فوری قصاص ایک تدبیر ہے	اس قصاص کے عذاب کے آگے یہ کھیل ہے
زیں لعب خواندست دنیا را خدا	کایں جزا لعب ست پیش آں جزا
خدا نے دنیا کو کھیل کہا ہے	کیونکہ یہ بدلہ اس بدلہ کے مقابلہ میں کھیل ہے
ایں جزا تسکین جنگ و فتنہ است	آں چو اخصاء ست ویں چوں ختنہ است
یہ بدلہ لڑائی اور فتنہ کو دباتا ہے	وہ خصی کرنے کی طرح اور یہ ختنہ کی طرح ہے
ایں سخن پایاں ندارد موسیا	ہیں رہا کن آں خراں را در گیا
اے موسیٰ! اس بات کا خاتمہ نہیں ہے	ہاں ان گدھوں کو گھاس میں چھوڑ دے
تا ہمہ زاں خوش علف فربہ شوند	ہیں کہ گرگانند مارا خشم مند
تا کہ سب اس عمدہ گھاس سے موٹے ہو جائیں	خبردار! ہمارے بھیڑیے غصہ میں ہیں

بیان آنکہ خلق دوزخ گرسنگاں اندونالاں اندوازحق خواہاں کہ روزیہای مارا فربہ گرداں وزود بمارساں کہ مارا صبر نماند

اس کا بیان کہ دوزخ کی مخلوق بھوکی اور نالاں ہے اور اللہ تعالیٰ سے چاہتی ہے کہ ہماری خوراک کو موٹا بنا دے اور جلد ہمارے پاس پہنچا دے کیونکہ ہمارا صبر ختم ہوگیا ہے

نالۂ گرگان خودرا موقلیم	ایں خراں را طعمۂ ایشاں کنیم
ہمیں اپنے بھیڑیوں کے رونے کا یقین ہے	ہم ان گدھوں کو ان کی خوراک بنائیں گے
ایں خراں را کیمیائی خوش دمی	از لب تو خواست کردن آدمی
ان گدھوں کو خوش کلامی کی کیمیا نے	تیرے ہونٹ سے ان کو آدمی بنانا چاہا
تو بسے کردی بدعوت لطف وجود	آں خراں را طالع وروزی نبود
تو نے دعوت (دینے) میں بہت مہربانی اور سخاوت کی	ان گدھوں کا نصیبہ اور مقدر نہ تھا
پس فروپوشاں لحاف نعمتی	تا برد شاں زود خواب غفلتی
تو ان کو اپنے انعام کا لحاف اوڑھا دے	تاکہ غفلت کی نیند ان کو جلد سلا دے

تا چو بجہند از چنیں خواب ایں رده	شمع مرده بادشہ و ساقی شده
تا کہ یہ گروہ جب اپنی نیند سے بیدار ہوں	شمع گل ہو چکی ہو اور ساقی روانہ ہو چکا ہو
داشت طغیاں شاں ترا در حیرتے	پس نبوشند از جزاہم حسرتے
ان کی سرکشی نے تجھے حیرانی میں مبتلا کر دیا ہے	تو بدلے میں وہ حسرت چکھیں گے
تا کہ عدل ما قدم بیروں نہد	در جزا ہر زشت را درخورد ہد
تاکہ ہمارا انصاف ظاہر ہو جائے	ہر برے کو مناسب بدلہ دے
کاں شہے کہ می ندیدندیش فاش	بود بالیشاں نہاں اندر معاش
کیونکہ وہ شاہ جس کو وہ ظاہر میں نہیں دیکھتے	وہ زندگی میں ان کے ساتھ پوشیدہ تھا
چوں خرد باتست مشرف برتنت	گرچہ زو قاصر بود ایں دیدنت
جیسا کہ عقل تیرے ساتھ تیرے جسم کی نگراں ہے	اگرچہ تیرا یہ دیکھنا اس سے عاجز ہے
نیست قاصر دیدن او اے فلاں	از سکون و جنبشت در امتحاں
اے فلاں! اس (عقل) کا دیکھنا قاصر نہیں ہے	تیرے سکون اور حرکت سے آزمائش میں
چہ عجب گر خالق آں عقل نیز	باتو باشد در سکون و نقل نیز
تو تعجب کیا ہے؟ اگر اس عقل کا پیدا کرنے والا بھی	تیرے ساتھ ہو سکون اور نقل ہونے میں بھی
از خرد غافل شود بدتند	بعد ازاں عقلش ملامت میکند
عقل سے غافل ہوتا ہے اور برائی کرتا ہے	اس کے بعد اس کو عقل ملامت کرتی ہے
تو شدی غافل زعقلت عقل نے	کز حضورستش ملامت کردنے
تو اپنی عقل سے غافل بنا عقل نہ بنی	کیونکہ اس کا ملامت کرنا اس کی موجودگی (کی دلیل) ہے
گر نبودے حاضر و غافل بدے	در ملامت کے ترا سیلی زدے
اگر وہ حاضر نہ ہوتی اور غافل ہوتی	ملامت میں کب تیرے طمانچہ مارتی؟
ورازو غافل نبودے نفس تو	کے چناں کردے جنون و تفس تو
اگر تیرا نفس اس سے غافل نہ ہوتا	تو تیرا پاگل پن اور گرمی کب ایسا کرتی؟
پس ترا غفلت چو اصطرلاب بود	زاں بدانی قرب خورشید وجود
تو تیری عقل اصطرلاب کی طرح ہے	تو اس سے وجود کے سورج کی نزدیکی جان لے

قرب بیچون ست عقلت رابتو	نیست از پیش و پس و سفل و علو
تیری عقل کا تجھ سے قرب بے کیف ہے	جو آگے اور پیچھے اور نیچے اور اوپر سے نہیں ہے
قرب بیچون چوں نباشد شاہ را	کہ نیابحث عقل آں راہ را
تو شاہ کا قرب بے کیف کیوں نہ ہو گا؟	کیونکہ عقل کی بحث اس کا راستہ نہیں پاتی ہے
نیست آں جنبش کہ دراصبع تراست	پیش اصبع یا پس یا چپ وراست
وہ حرکت نہیں ہے جو تیری انگلی میں ہے	انگلی کے آگے یا اسکے پیچھے یابائیں اور دائیں سے
وقت خواب و مرگ از وے میرود	وقت بیداری قرینش می شود
موت اور نیند کے وقت وہ اس سے چلی جاتی ہے	بیداری کے وقت اس کے ساتھ ہوتی ہے
ازچہ رہ می آید اندر اصبعت	کاصبعت بے اوندارد منفعت
وہ تیری انگلی میں کس راہ سے آتی ہے؟	کیونکہ تیری انگلی اس کے بغیر کوئی نفع نہیں رکھتی ہے
نور چشم مردمک دردیہ ات	ازچہ رہ آمد بغیر شش جہت
آنکھ کی پتلی کا نور تیری آنکھ میں	بغیر چھ جہت کے کس راستے سے آیا ہے؟
عالم خلق ست باسوی و جہات	بے جہت داں عالم امر و صفات
عالم خلق جانب اور جہتوں والا ہے	عالم امروصفات کو بے جہت کا سمجھ
بے جہت داں عالم امر اے صنم	بے جہت ہم باشد آمر لاجرم
اے صنم! عالم امر کو بے جہت سمجھ	لامحالہ امر کرنے والا بھی بے جہت ہو گا
بے جہت بد عقل و علام البیاں	عقل تر از عقل و جاں تر ہم زجاں
عقل بے جہت تھی اور بیان کا جاننے والا	عقل سے بھی زیادہ عقل اور جان سے بھی زیادہ جان ہے
بے تعلق نیست مخلوقے بدو	آں تعلق ہست بیچوں اے عمو
کوئی مخلوق اس سے بے تعلق نہیں ہے	اے چچا! وہ تعلق بلا کیف ہے
زانکہ فصل و وصل نبود در رواں	غیر فصل و وصل نندیشد گماں
کیونکہ روح میں فصل اور وصل نہیں ہے	گمان فصل اور وصل کے علاوہ نہیں سوچتا ہے
غیر فصل و وصل پے براز دلیل	لیک پے بردن نہ بشناسد علیل
دلیل سے فصل اور وصل کے علاوہ کا پتہ لگا	لیکن پتہ نہ لگانا بیمار نہیں جانتا

پے بپا پے می براز دوری ز اصل	تا رگ مردیت آرد سوی وصل
پے بہ پے اصل سے دوری کا پتہ لگا	تاکہ مردانگی کی رگ تجھے وصل کی جانب لے آئے
ایں تعلق را خرد چوں پے برد	بستہ فصل ست و وصل است ایں خرد
عقل اس تعلق کا کیسے پتہ لگائے؟	یہ عقل تو فصل اور وصل سے وابستہ ہے
زیں وصیت کرد مارا مصطفیٰؐ	بحث کم جوئید در ذات خدا
اسی وجہ سے مصطفیٰؐ نے ہمیں وصیت کی ہے	کہ ذات خدا میں بحث نہ کرو
آنکہ در ذاتش تفکر کردنیست	در حقیقت آں نظر در ذات نیست
جو غور و فکر اس کی ذات میں کرتا ہے	حقیقتاً وہ غور و فکر ذات میں نہیں ہے
ہست آں پندار او زیرا براہ	صد ہزاراں پردہ آمد از الٰہ
یہ (محض) اس کا خیال ہے کیونکہ راستہ میں	خدا کی جانب سے لاکھوں پردے ہیں
ہر یکے در پردۂ موصول جوست	وہم او آن ست کاں عین خود اوست
ہر ایک ایک پردے کا وصل چاہنے والا ہے	اس کا خیال یہ ہے کہ وہ اس کا عین ہے
پس پیمبرؐ دفع کرد ایں وہم ازو	تا نباشد در غلط سودا پز او
تو پیغمبرؐ نے اس سے اس وہم کو دفع کر دیا	تاکہ وہ غلطی میں خیالی (دیگ) پکانے والا بنے
وانکہ اندر وہم او ترک ادب	بے ادب را سرنگونی داد رب
کیونکہ اس کے وہم میں (پڑنا) ادب کو چھوڑنا ہے	(اور) اللہ تعالیٰ نے بے ادب کو اوندھا پن دیا ہے
سرنگونی آں بود کوسوی زیر	می رود پندارد او کو ہست چیر
اندھا پن یہ ہے کہ نیچے کو	جا رہا ہے (اور) وہ سمجھ رہا ہے کہ وہ کامیاب ہے
زانکہ حد مست باشد ایں چنیں	کو نداند آسمان را از زمیں
کیونکہ مدہوش کی یہ تعریف ہے	کہ وہ آسمان اور زمین میں فرق نہیں کر سکتا ہے
در عجبہائیش بفکر اندر روید	از عظیمی وز مہابت گم شوید
اس کے عجائب میں غور کرو	عظمت اور ہیبت سے گم ہو جاؤ
چوں ز صنعش ریش و سبلت گم کنید	حد خود دانید آنگہ تن زنید
جب تم اس کی صنعت میں حیران ہو جاؤ گے	اپنا رتبہ جان لو گے (اور) اس وقت خاموش ہو جاؤ گے

جز کہ لا احصی نگوید او زجاں	کز شمار و حد بیرون ست آں
وہ دل سے سوائے اسکے کچھ نہ کہے گا کہ "میں شمار نہیں کر سکتا"	کیونکہ وہ شمار اور حد سے بالا ہے
چوں بیانش بیحدست اے بوالہوس	بحث کم کن پیش ازیں کم زن نفس
اے بوالہوس! چونکہ اس کا بیان لامحدود ہے	بحث نہ کر اس سے آگے سانس نہ لے

پس موسیٰ علیہ السلام نے وہی کیا جو حق سبحانہ نے حکم دیا تھا اور فوراً زمین سنبل اور بیش قیمت غلوں وغیرہ سے سرسبز ہوگئی اور وہ قحط زدہ اور فاقوں کے مارے ہوئے لوگ کھانے پر پڑ گئے۔ چند روز تک اس بخشش الٰہی کو خوب کھایا۔ پرندوں نے بھی اور آدمیوں نے بھی اور چارپاؤں نے بھی۔ لیکن جب سیر ہوگئے اور نعمت مل گئی اور ضرورت جاتی رہی پھر سرکش ہوگئے۔ اب مولانا مضمون ارشادی کی طرف انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو نفس بھی ایک فرعون ہے تم اس کا پیٹ نہ بھرنا۔ تاکہ یہ اپنے پرانے کفر کو پھر یاد نہ کرے اور پھر شرارت نہ کرنے لگے۔ اور یاد رکھو کہ یہ تو آتش گرسنگی ہی سے ٹھیک ہوتا ہے اور بدوں اس کو آگ میں تپائے ہوئے اس کی اصلاح میں کوشش کرنا بے سود ہے پس جب تک یہ لوہا (نفس) آتش (گرسنگی میں) خوب نہ تپ جاوے اور لال نہ ہو جاوے اس وقت تک اسے نہ کوٹو اور اس کی اصلاح کا خیال نہ کرو کیونکہ بے سود ہے۔ دیکھو بدوں بھوک کے یہ جسم راہ طاعت میں حرکت کرنے والا نہیں۔ پس تم جو بدوں بھوکا رکھے اس سے کام لینا چاہتے ہو تو سمجھ لو کہ ایک ٹھنڈا لوہا ہے اور اسے تم کوٹ رہے ہو جو محض لا حاصل ہے۔ نیز اس کا بھی خیال رکھو کہ اگر وہ زار زار روئے اور آہ و زاری کرے تو تم دھوکا نہ کھانا کیونکہ یہ کافر ہرگز مسلمان نہ ہوگا اس کی مثال فرعون کی سی ہے کہ یہ تکلیف میں فرعون کی طرح موسیٰ (روح) کی اطاعت قبول کرتا ہے اور خوب منت سماجت کرتا ہے لیکن جب یہ بے فکر ہو جاتا ہے پھر سرکش ہو جاتا ہے۔ جس طرح کہ جب خر پر سے بوجھ اتر جاتا ہے تو وہ دولتیاں مارنے لگتا ہے اور جبکہ اس کی آہ و زاری سے اس کا کام نکل جاتا ہے تو یہ سب عہد و پیمان بھول جاتا ہے اور اس کی ایسی مثال ہوتی ہے جیسے ایک شخص برسوں ایک شہر میں رہے اور تھوڑی دیر کیلئے اس کی آنکھ لگ جاوے اور وہ خواب میں ہر قسم کی اشیاء سے معمور ایک شہر دیکھے تو اس کو اپنا شہر بالکل یاد نہ آئے گا۔ اور نہ جانے گا کہ میں فلاں جگہ رہتا تھا اور یہ نیا شہر میرا شہر نہیں ہے بلکہ میں یہاں عارضی طور پر محبوس ہوں۔ بلکہ وہ یہ ہی سمجھتا ہے کہ میں ہمیشہ اسی میں رہتا ہوں اور یہیں میں پیدا ہوا ہوں اور یہیں رہنے کا عادی ہوں۔ اس سے تم یہ بھی نتیجہ نکال سکتے ہو کہ اگر روح اپنے وطن قدیم کو جہاں اس کی بود و باش تھی اور جہاں وہ پیدا ہوئی تھی بھول جاوے تو کچھ تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ یہ دنیا جو خواب کی شکل ہے اس کو یوں ڈھکے ہوئے ہے جس طرح ستارہ کو ابر۔ دیکھو خواب کا تو تمہیں بارہا تجربہ ہو چکا ہے کہ وہ سونے والے کے دل سے اس کے وطن اصلی کو بھلا دیتی ہے۔ پس خواب دنیا کو بھی ایسا ہی سمجھو بالخصوص اس وقت جبکہ روح متعدد شہروں میں رہ چکی ہے اور خانہ دل کو صاف بھی کئے ہوئے نہیں ہے اور کوئی بڑی کوشش بھی تصفیہ قلب میں نہیں کی۔ تاکہ دل صاف ہو جاوے اور واقعات گذشتہ کو معلوم کر لے۔ اور دریائے اسرار میں غوطہ زن ہو کر نکلے اور اول و آخر کو کھلی آنکھوں دیکھ لے۔ دیکھو روح اول اقلیم جماد میں رہی اس سے اقلیم نباتی میں آئی اس اقلیم میں برسوں رہی مگر اقلیم جمادی کو کبھی بھی یاد نہیں کیا۔ اس کے بعد اقلیم حیوانی میں آئی اور جب اقلیم نباتی سے اقلیم حیوانی میں آئی تو اقلیم نباتی کو بالکل بھول گئی۔ بجز اس میل کے جو اس کو

نباتات کی طرف طبعاً ہے اور بالخصوص بہار کے موسم میں مگر یہ میل ایسا ہی ہے جیسا کہ بچوں کو ماؤں کی طرف ہوتا ہے کہ وہ اپنے اس میل کا راز نہیں جانتے جو کہ ان کو ان کے دودھ میں ہے۔ نیز یہ میل ایسا ہی ہے جیسا کہ نئے مرید کو اپنے جوان بخت اور بزرگ شیخ کی طرف ہوتا ہے کہ وہ اس میلان کا راز نہیں جانتا۔ اب ہم وہ راز بتلاتے ہیں سنو۔ مرید کی عقل ناقص شیخ کی عقل کامل کا جز یعنی اس کے تابع ہے۔ اور اس سایہ یعنی عقل مرید کی حرکت اسے شاخ گل یعنی عقل شیخ کی بدولت ہے بس ایک دن ایسا آئے گا کہ اس کی عقل ناقص اس کی عقل کامل میں فنا ہو جاوے گی اور وہ وقت وہ ہوگا جس وقت اس کو فنافی الشیخ کا مرتبہ حاصل ہوگا۔ اس وقت اس رغبت اور جستجو کا اسے راز معلوم ہوگا اور وہ جانے گا کہ اس کے میلان کا راز یہ تھا کہ وہ اصل اور متبوع تھی اور یہ اس کی فرع اور تابع اس لئے اس کی طرف مائل تھی۔ لان کل شیئ یرجع الی اصلہ ہم نے عقل کو مرید کی حرکت کو حرکت عقل شیخ کا اثر قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی عقل بمنزلہ سایہ کے ہے اور شیخ کی عقل بمنزلہ شاخ کے پس اگر درخت کو حرکت نہ ہو تو شاخ کا سایہ کیسے حرکت کر سکتا ہے خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا۔ اب سنو کہ جب روح اقالیم مذکورہ کو طے کر چکتی ہے تو اس کے بعد وہ خالق جس کو تو جانتا ہے یعنی خدائے تعالیٰ اس کو اقلیم حیوانی سے اقلیم انسانی میں کھینچ لاتا ہے۔ القصہ وہ یوں ہی ایک اقلیم سے دوسری اقلیم میں منتقل ہوتی رہی یہاں تک کہ اب وہ عاقل و دانا اور عظیم الشان ہو گئی لیکن اس کو پہلی عقلیں عقل جمادی و نباتی وغیرہ جو اس کو اس سے پیشتر حاصل تھیں یاد نہیں رہیں اب سمجھو کہ اس عقل پر بھی اس کو قرار نہ ہوگا بلکہ اس سے بھی اسے انتقال کرنا ہوگا تا کہ وہ اس عقل حریص دنیاوی سے چھوٹ کر عقل اخروی دیکھے اور اس عقل پر قائم رہے (اب مولانا علی الاستعجاب کہتے ہیں کہ عجیب بات ہے کہ روح جب تک اس عقل حریص سے چھوٹے گی اس وقت تک لاکھوں عقلیں دیکھ لے گی۔

اس مضمون کو ختم کر کے مولانا فرماتے ہیں کہ وہ سونے والا جو خواب میں دوسرا شہر دیکھ رہا ہے اور اپنے شہر کو یاد نہیں کرتا اگرچہ اسوقت سو رہا ہے اور گذشتہ واقعات کا اسے خیال نہیں۔ لیکن قضاء و قدر اسے حالت نسیان میں نہ چھوڑیں گے بلکہ اسے اس خواب غفلت سے بیدار کریں گے تا کہ وہ اپنی حالت خواب پر ہنسے اور کہے کہ وہ کیا بیہودہ غم تھا جسے میں خواب میں کھا رہا تھا یعنی کن بیہودہ خیالات میں مبتلا تھا اور احوال واقعیہ کو میں کیونکر بھول گیا تھا میں نے کیوں نہ سمجھا کہ یہ ایک غم اور بیماری نیند کا فعل اور دھوکہ اور خیال ہے۔ بس یہی حالت دنیا کی ہے کہ وہ بھی سونے والے کا ایک خواب ہے اور سونے والا سمجھتا ہے کہ یہ ہمیشہ یوں ہی رہے گی یہاں تک کہ ایک روز صبح اجل طلوع ہوگی اور یہ سونے والا بیدار ہو کر تاریکی گمان باطل اور دھوکے سے نجات پائے گا اور جبکہ وہ اپنا مسکن اصلی (عالم غیب) دیکھے گا تو اس کو اپنے افکار لایعنی میں ہنسی آئے گی یاد رکھو کہ جو کچھ تم اس خواب دنیا میں خواہ برا خواہ بھلا دیکھ رہے ہو۔ قیامت میں ان میں سے ایک ایک شے ظاہر ہوگی یعنی جو کچھ اس خواب دنیا میں اچھے یا برے کام کئے ہیں بیداری محشر کے وقت ایک ایک کر کے تمہارے سامنے آئیں گے۔ تم یہ نہ سمجھنا کہ دنیا ایک خواب ہے اور خواب میں جو کچھ برا یا بھلا کام کر لیا جاتا ہے وہ خواب ہی تک محدود رہتا ہے اور بیداری پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا اور یہ خواب محض بے تعبیر ہے کیونکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ اے کمزوروں پر ظلم کرنے والے تو جان لے کہ تیری اس خواب کی ہنسی کی تعبیر بروز محشر رونا ہوگی اور سمجھ لے کہ اس خواب دنیا میں تیرے گریہ و زاری اور رنج و غم کی تعبیر بیداری میں خوشی ہے اور اے یوسفوں کے پوستین پھاڑنے والے اور بے گناہوں پر ظلم کرنے والے تو اس خواب خرگوش سے بھیڑیئے کی شکل میں اٹھے گا اور تیری ایک ایک خصلت قیامت میں بھیڑیا ہوگی اور یہ تمام بھیڑیئے

غصہ سے تیرے اعضاء پارہ پارہ کریں گے اور یاد رکھ کہ تو جو خون ناحق کرتا ہے یہ خون ناحق در باب انتقام ہدر نہ ہوگا۔ اور تو یہ نہ سمجھنا کہ میں مر کر چھوٹ جاؤں گا بلکہ تجھ سے ضرور انتقام لیا جاوے گا۔ اور اگر دنیا میں قصاص لے لیا گیا ہے تب بھی تو انتقام آخرت سے نہیں بچ سکتا کیونکہ حقیقت میں یہ قصاص نہیں ہے بلکہ یہ تو بقاء انتظام کی ایک تدبیر ہے اصل انتقام تو آخرت میں لیا جاوے گا۔ اس انتقام کے مقابلہ میں یہ انتقام محض ایک کھیل ہے اس لئے حق سبحانہ نے دنیا کو لعب ولہو فرمایا ہے کہ اس کے انتقامات کے مقابلہ میں کھیل ہیں اس کے انتقامات تو محض فتنہ و فساد کو فرو کرنے کے لئے ہوتے ہیں اور حقیقت میں جزا نہیں ہیں۔ وہ انتقامات تو بمنزلہ خصی کرنے کے ہیں اور یہ انتقامات بمنزلہ ختنہ کرنے کے خیر یہ گفتگو تو ختم نہیں ہو سکتی اس لئے اصل قصہ سنو۔ حق سبحانہ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے موسیٰ ان گدھوں کو گھاس میں چھوڑے رکھو۔ یعنی فرعونیوں کو تنعم میں مصروف رہنے دو۔ تاکہ یہ چارہ کھا کر خوب موٹے ہو جاویں کیونکہ ہمارے بھیڑیئے بھوک کے سبب نہایت غضبناک ہیں۔ پس جب یہ ہمارے یہاں آئیں گے آتے ہی ان کا تکا بوٹی کر ڈالیں گے۔ ہم اپنے بھیڑیوں کی بھوک کے مارے رونے کو جانتے ہیں اس لئے جب یہ گدھے ہمارے یہاں آئیں گے ہم ان کو ان کی غذا بنائیں گے۔ آپ کی خوش کلامی کی کیمیا جو آپ کے لب سے ظاہر ہوتی تھی چاہتی تھی کہ ان گدھوں کو آدمی بناوے اور گمراہوں سے ہدایت یافتہ کر دے۔ اور آپ نے بھی دعوت الی الحق میں بہت کچھ عنایت اور سخاوت کی مگر کیا کیجئے کہ ان کی قسمت ہی میں ہدایت وانسانیت نہ تھی پس آپ ان کو نعمت کا لحاف اوڑھا دیجئے تاکہ یہ فوراً خواب غفلت میں سو جائیں تاکہ جب یہ اس خواب غفلت سے بیدار ہوں تو اپنی شمع کو گل اور ساقی کو گیا ہوا پائیں یعنی مرنے کے بعد اپنی نعمت کو مبدل بہ زحمت دیکھیں اور چونکہ انہوں نے اپنی سرکشی سے تم کو تحیر رکھا ہے اس لئے اس کے بدلے میں حسرت کا مزہ چکھیں تاکہ ہمارا عدل ظاہر ہو اور ہر نالائق کو اس کے مناسب سزا مل جاوے۔ اور وہ جان لیں کہ جس بادشاہ (حق سبحانہ) کو وہ آشکارا طور پر نہ دیکھتے تھے وہ ان کی زندگی میں ان کے ساتھ تھا۔ شاید معیت حق سبحانہ تمہاری سمجھ میں نہ آوے کیونکہ تم اسے نہیں دیکھتے اس لئے ہم ایک مثال سے اس مضمون کو قریب کرتے ہیں دیکھو جبکہ عقل تمہاری ساتھ اور تمہارے جسم کی نگران ہے اور اگرچہ تم اس کو دیکھنے سے قاصر ہو مگر وہ تمہاری حرکات وسکنات کے دیکھنے سے قاصر نہیں ہے تو کیا تعجب کی بات ہے اگر خالق عقل بھی تمہاری حرکات وسکنات میں تمہارے ساتھ ہو اور سنو آدمی عقل سے غافل ہو کر برا کام کر بیٹھتا ہے اس کے بعد عقل اس کو ملامت کرتی ہے اس سے ثابت ہوا کہ تم عقل سے غافل ہو جاتے ہو مگر عقل غافل نہیں ہوتی کیونکہ یہ ملامت اس کی حضوری پر تو مبنی ہے اس لئے کہ اگر وہ حاضر نہ ہوتی بلکہ غافل ہوتی تو ملامت کا چپت کیسے لگاتی۔ پس ثابت ہوا کہ وہ غافل نہیں ہے۔ اب اس کی دلیل سنو کہ برے کام کے وقت تم اس سے غافل تھے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تم اس سے غافل نہ ہوتے تو تم اپنی دیوانگی اور سرگرمی سے ایسی حرکت کیوں کرتے۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ تمہاری عقل اصطرلاب کی مانند ہے کیونکہ اس سے حق سبحانہ کا قرب معلوم ہو سکتا ہے جو کہ خورشید وجود ہیں۔ جس طرح کہ اصطرلاب معروف سے آفتاب معروف کا قرب معلوم ہوتا ہے اور سنو تمہاری عقل کو تم سے بے کیف قرب ہے کیونکہ نہ یہ قرب آگے سے ہے نہ پیچھے سے نہ اوپر سے نہ نیچے سے۔ پس حق سبحانہ کے لئے وہ بے کیف تقرب کیوں نہ ہوگا جو عقل کو بعد از کاوش بھی معلوم نہ ہو۔ اگر ہنوز کوئی تردد باقی ہو تو اور مثال سنو دیکھو تمہاری انگلی جو حرکت کرتی ہے اس کی حرکت نہ اس کے آگے ہے نہ پیچھے نہ دائیں نہ بائیں اور وہ حرکت سونے کے وقت یا مرنے کے سبب اس سے زائل ہو جاتی ہے اور بیداری کے بعد پھر آ جاتی ہے۔ اب ہم پوچھتے ہیں کہ بتلاؤ وہ حرکت تمہاری انگلی میں کس راستہ سے

آتی ہے کیونکہ آتی تو ضرور ہے اس لئے کہ اس کے بغیر تو انگلی ہی بیکار ہے لیکن تم راہ نہیں بتلا سکتے۔ علی ہذا ہم پوچھتے ہیں کہ تمہاری پتلی میں نور چھ جہتوں کے علاوہ کس جہت سے آتا ہے کیونکہ ان چھ جہات سے تو یقیناً نہیں آتا مگر تم جہت نہیں بتلا سکتے کیونکہ بتلایا تو اس وقت جاوے جب کوئی جہت ہو اور جب جہت ہی نہ ہو تو بتلایا کیسے جاوے اور جہت کیوں نہیں اس لئے کہ یہ اشیاء عالم امر (یعنی عالم مجردات) سے ہیں نہ کہ عالم خلق اور مادیات سے اور عالم خلق کے لئے تو جہات ہیں مگر عالم امر کے لئے جہت نہیں ہے اور جبکہ عالم امر بے جہت ہے تو آمر یعنی حق تعالیٰ بالا و لے بے جہت ہوگا۔ نیز عقل بے جہت ہے اور حق سبحانہ عقل سے زیادہ مجرد ہیں تو وہ لامحالہ اس سے بھی زیادہ بے جہت ہوں گے۔ نیز روح بے جہت ہے اور حق سبحانہ روح سے زیادہ مجرد ہیں۔ تو وہ لامحالہ اس سے زیادہ بے جہت ہوں گے الحاصل مخلوق اس سے بے تعلق نہیں ہے بلکہ اس کو اس سے ضرور تعلق ہے اور وہ تعلق بے کیف ہے۔ بے کیف ہم نے اس لئے کہا کہ اتصال وانفصال تو متعلق روح با جسم میں بھی نہیں ہوتا حق سبحانہ کی شان تو روح سے ارفع و اعلیٰ ہے پھر اس کے تعلق میں اتصال یا انفصال کیونکر ہو سکتا ہے اور عقل جزوی اتصال وانفصال کے سوا اور کسی تعلق کو سمجھ نہیں سکتی اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا تعلق بے کیف ہے گو تمہاری عقل میں اتصال وانفصال کے سوا اور تعلق نہیں آتا مگر تم کو دلیل ہے اس کا پتہ لگانا چاہئے۔ چنانچہ ہم اوپر اس دلیل کو بیان بھی کر چکے ہیں اور مزید تفصیل اس کی علم کلام میں ہے۔ پس دلیل تم کو بتلائے گی کہ کوئی اور تعلق بھی ہے مگر اس سے یہ نہیں معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ کیا ہے۔ اس لئے محض دلیل سوزش تشنگی کو نہیں بجھا سکتی۔ پس اس کے لئے تم کو اولاً اس امر کا تقلیداً پتہ لگانا چاہئے کہ ہم کو خدا سے بعد ہے تا کہ تمہاری رگ مردانگی جوش میں آ کر تم کو طلب وصل پر آمادہ کرے۔ اور ایک روز تم کو دولت وصل نصیب ہو جاوے اور اس وقت تم اس تعلق کو وجداناً سمجھ لو اور محض عقل سے وہ تعلق سمجھ میں نہیں آ سکتا کیونکہ عقل تو اتصال وانفصال ہی کی مقید ہے اور اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کیا ہے کہ تم لوگ ذات خداوندی کے متعلق بحث وتفتیش نہ کرو کیونکہ عقول ناقصہ کی اس تک رسائی ناممکن ہے۔ اس لئے جس قدر اس کی ذات میں غور وخوض کیا جاوے گا وہ حقیقت میں اس کی ذت سے متعلق نہ ہوگا بلکہ وہ محض خائض کا خیال ہوگا کیونکہ حق سبحانہ کی ذات تک لاکھوں حجابات ہیں جن کو طے کرنا عقل ناقص کا کام نہیں۔ پس ہر شخص ایک حجاب کے اندر حق سبحانہ کو تلاش کرتا ہے اور اس حجاب کو حق سبحانہ سمجھتا ہے لیکن واقع میں ایسا نہیں ہے بلکہ وہ اس کا وہم ہے جو خود اس کا عین ہے اور حق سبحانہ اس سے منزہ ہیں۔ پس اس لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس وہم کو دفع کر دیا تا کہ وہ غلطی میں پڑ کر بیہودہ خیالات نہ پکاتا رہے اور غیر خدا کو خدا نہ سمجھ بیٹھے کیونکہ اس کے اس وہم میں ترک ادب ہے اور تارک ادب و گستاخ کو حق سبحانہ سرنگوں کرتے ہیں اور وہ سرنگوئی یہ ہے کہ آدمی نیچے کی طرف چلتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں اوپر جا رہا ہوں کیونکہ سرنگوئی بھی ایک قسم کی مستی ہے اور مست کی تعریف یہ ہے کہ وہ آسمان کو زمین اور زمین کو آسمان سمجھ جائے۔ پس یہ معکوس خیال اس کی سرنگوئی ہے (فتدبر) خیر تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفکر فی الذات سے ممانعت فرمائی ہے۔ مگر اس کے عجائبات صنع میں غور کرنے کا حکم دیا ہے اور جس کا مقصود یہ ہے کہ حق سبحانہ کی مصنوعات عجیبہ میں غور کر کے اس کی عظمت وجلالت معلوم کرو اور اس کی عظمت وجلالت سے اپنے کو مٹا دو پس جب آدمی اس کی صنعت عجیبہ کو دیکھے گا تو اس کی شیخی ساری کرکری ہو جاوے گی اور وہ اپنے مرتبہ کو پہچانے گا اور پھر حق سبحانہ کے متعلق بحث نہ کرے گا اور صدق دل سے یہی کہے گا۔ رب لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک کیونکہ وہ جان لے گا کہ اس کے اوصاف حمیدہ کا بیان کرنا حد بیان سے باہر ہے۔ پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ

صفات وکمالات حق سبحانہ کا بیان کرنا حد بیان سے باہر ہے اس لئے اس کے متعلق اس سے آگے بحث نہیں کرنی چاہئے اور خاموش رہنا چاہئے اور اجمالاً اس کی معیت وقرب دبے جہتی وغیرہ کا اعتقاد رکھنا چاہئے۔

رفتن ذوالقرنین بکوہ اف و درخواست کردن کہ اے قاف از عظمت صفات حق تعالیٰ شمہٗ باما بگو وجواب او کہ صفت عظمت حق تعالیٰ بہ تقریر در نیاید ولابہ کردن ذوالقرنین کہ از انچہ تواں گفت وبخاطر داری شمہٗ بگو

حضرت ذوالقرنین کا کوہ قاف کے پاس جانا اور درخواست کرنا کہ اے قاف! ہمیں کچھ تھوڑی سی اللہ تعالیٰ کی صفات کی عظمت بتا دے اور اس کا جواب دینا کہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی کی تعریف تقریر میں نہیں آ سکتی اور ذوالقرنین کی خوشامد کرنا کہ جس قدر بتایا جا سکتا ہے اور جو جانتا ہے کچھ بتا دے

رفت ذوالقرنین سوی کوہ قاف	دید کہ راکز زمرد بود صاف
ذوالقرنین کوہ قاف کی جانب گئے	انہوں نے پہاڑ کو دیکھا کہ وہ زمرد سے (زیادہ) صاف تھا
گرد عالم حلقہ گشتہ آں محیط	ماند حیراں اندراں خلق بسیط
وہ گھیرنے والا دنیا کے چاروں طرف حلقہ کئے ہوئے ہے	اس وسیع مخلوق میں حیران رہ گئے
گفت تو کوہی دگرہا چیستند	کہ بہ پیش عظم تو باز ایستند
انہوں نے کہا تو پہاڑ ہے دوسرے کیا ہیں؟	کہ تیری بڑائی کے سامنے جمیں
گفت رگہای من اند آں کوہہا	مثل من نبوند درحسن و بہا
اس نے کہا وہ پہاڑ میری رگیں ہیں	وہ خوبصورتی اور قیمت میں میری طرح نہیں ہیں
من بہر شہرے رگے دارم نہاں	برعروقم بستہ اطراف جہاں
ہر شہر میں میری رگ چھپی ہوئی ہے	دنیا کے اطراف میری رگوں سے بندھے ہوئے ہیں
حق چو خواہد زلزلہ شہرے مرا	امر فرماید کہ جنباں عرق را
جب اللہ تعالیٰ کسی شہر میں زلزلہ (لانا) چاہتا ہے تو مجھے	حکم دے دیتا ہے کہ رگ کو ہلا دے
پس بجنبانم من آں رگ را بقہر	کہ بداں رگ متصل گشت ست شہر
میں غصہ سے اس رگ کو ہلا دیتا ہوں	جس رگ سے وہ شہر ملا ہوا ہے
چوں بگوید بس شود ساکن رگم	ساکنم وز روی فعل اندر تگم
جب وہ بس کہہ دیتا ہے میری رگ ساکن ہو جاتی ہے	میں (بظاہر) ساکن ہوں لیکن عمل کے اعتبار سے معروف ہوں

ہمچو مرہم ساکن و بس کارکن	چوں خرد ساکن و زوجنباں سخن
جیسا کہ مرہم ساکن اور بہت کار گزار ہے	جیسے کہ عقل ساکن ہی اور بات اس کی وجہ سے حرکت میں ہے
نزد آں کس کہ نداند عقلش ایں	زلزلہ ہست از بخارات زمیں
جس کی عقل اس کو نہیں سمجھتی ہے اس کے نزدیک	زلزلہ زمین کے بخارات کی وجہ سے ہے
ایں بخارات زمیں نبود بداں	زامر حق ست و ازاں کوہ گراں
سمجھ لے یہ زمین کے بخارات نہیں ہیں	اللہ (تعالیٰ) کے حکم اور اس بھاری پہاڑ کی وجہ سے ہے

بیان آنکہ مورے بر کاغذی رفت نوشتن قلم دید راستودن گرفت مورے دیگر کہ چشمش تیز بین بود گفت ستایش انگشتاں راکن کہ ایں ہنر از ایشاں می بینم مورے دیگر کہ از ہر دو چشم او تیز تر بود گفت من ستایش بازو کنم کہ انگشتاں فرع وے اند

اس کا بیان کہ ایک چھوٹی سی چیونٹی کاغذ پر چل رہی تھی اس نے قلم کا لکھنا دیکھا قلم کی تعریف کرنی شروع کر دی دوسری چیونٹی جس کی آنکھ تیز دیکھنے والی تھی اس نے کہا انگلیوں کی تعریف کر کیونکہ میں یہ ہنر ان کا سمجھتی ہوں تیسری چیونٹی جس کی آنکھیں دونوں سے زیادہ تیز تھیں بولی میں بازو کی تعریف کرتی ہوں کیونکہ انگلیاں اس کی فرع ہیں

مور کے بر کاغذے دید او قلم	گفت با مور دگر ایں راز ہم
ایک چھوٹی سی چیونٹی نے کاغذ پر قلم کو دیکھا	اس نے دوسری چیونٹی سے بھی یہ راز کہا
کہ عجائب نقشہا آں کلک کرد	ہمچو ریحان و چو سوسن زار و ورد
کہ قلم نے عجیب نقش کھینچے ہیں	جیسے نازبو اور جیسے سوسن کا کھیت اور گلاب
گفت آں مور اصبع ست آں پیشہ ور	ویں قلم در فعل فرعست و اثر
اس چیونٹی نے کہا انگلی کار گزار ہے	یہ قلم کام کرنے میں فرع اور اثر ہے
گفت آں مور سوم کز بازو است	کاصبع لاغر نہ زورش نقش بست
تیسری چیونٹی نے کہا کہ وہ بازو کی وجہ سے ہے	کیونکہ کمزور انگلی کی طاقت نے یہ نقش نہیں بنائے
ہمچنیں می رفت بالا تا یکے	مہتر موراں فطن بود اند کے
(بات) اسی طرح اوپر کو چلتی رہی یہاں تک کہ	چیونٹیوں کی سردار تھوڑی سمجھدار تھی
گفت کز صورت مبیند ایں ہنر	کہ بخواب و مرگ گردد بے خبر
اس نے کہا اس ہنر کو جسم کا نہ سمجھو	کیونکہ وہ تو نیند اور موت میں بے خبر ہو جاتا ہے

صورت آمد چوں لباس و چوں عصا	جز بعقل و جاں نجنبد نقشہا
جسم بمنزلہ لباس اور لاٹھی کے ہے	عقل اور جان سے ہی نقوش بنتے ہیں
بے خبر بود او کہ آں عقل و فواد	بے زتقلیب خدا باشد جماد
وہ اس سے بے خبر تھی کہ عقل اور دل	خدا کے حرکت دیئے بغیر بے جان ہیں
یک زماں از وے عنایت برکند	عقل زیرک ابلہیہا می کند
تھوڑی دیر کیلئے وہ اس پر مہربانی کرنا بند کر دیتا ہے	ذہین عقل بے وقوفیاں کرتی ہے

باز التماس کردن ذوالقرنین از کوہ قاف و بیان عجائب از ثنای حق

ذوالقرنین کا دوبارہ کوہ قاف سے درخواست کرنا اور اللہ تعالیٰ کی تعریف میں عجائب کا بیان

چونکہ کوہ قاف در نطق سفت	چونش گویا یافت ذوالقرنین گفت
جب کوہ قاف نے گویائی کا موتی پرو دیا	چونکہ ذوالقرنین نے اس کو بولتا پایا تو کہا
کاے سخن گوی خبیر راز داں	از صفات حق بکن با من بیاں
اے بولنے والے باخبر رازداں!	اللہ (تعالیٰ) کی صفات مجھ سے بیان کر دے
گفت روکاں وصف زانہا برترست	کہ بیاں بروے تواند بر دست
اس نے کہا "جا" کیونکہ وہ صفت اس سے بالاتر ہے	کہ بیان اس پر قابو پا سکے
یا قلم را زہرہ باشد کہ بسر	بر نویسد بر صحائف زاں خبر
یا قلم کی یہ مجال ہو کہ نوک سے	وہ صحیفوں میں اس کی بابت لکھ دے
گفت کمتر داستانے باز گو	از عجبہای حق اے حبر نکو
انہوں نے کہا تھوڑی سی داستان سنا دے	اللہ کے عجائب کی اے اچھے عالم!
گفت اینک دشت سہ صد سالہ راہ	کوہہای برف پر کردہ است شاہ
اس نے کہا یہ تین سو سالہ مسافت کا جنگل	شاہ نے اس کو برف کے پہاڑوں سے بھر دیا ہے
کوہ بر کہ بے شمار و بے عدد	میرسد در ہر زماں برفش مدد
پہاڑ بالائے پہاڑ بے شمار اور ان گنت	ہر وقت ان کو برف کی مدد پہنچتی ہے
کوہ برفے می زند بر دیگرے	می رساند برف سردی تا ثرے
برف کا پہاڑ دوسرے پہاڑ پر پڑتا ہے	برف ٹھنڈک کو زمین کی تہ تک پہنچاتا ہے

کوه برفے می زند برکوه برف ۔ دمبدم زانبار بیحدو شگرف

برف کا پہاڑ برف کے دوسرے پہاڑ پر گرتا ہے ۔ ہر وقت بے حد اور عجب بوجھ سے

گر نبودے اینچنیں وادی شہا ۔ تف دوزخ محو کردے مرمرا

اے بادشاہ! اگر اس طرح کا جنگل نہ ہوتا ۔ دوزخ کی سوزش مجھے مٹا دیتی

غافلاں را کوہہای برف داں ۔ تانسوزد پردہای عاقلاں

غافلوں کو برف کے پہاڑ سمجھ ۔ تاکہ عقلمندوں کے پردے نہ پھک جائیں

گر نبودے عکس جہل برف باف ۔ سوختے از نار شوق آں کوہ قاف

اگر برف کی سی ساخت کے جہل کا عکس نہ ہوتا ۔ تو عشق کی آگ سے وہ کوہ قاف جل جاتا

آتش از قہر خدا خود ذراہ ایست ۔ بہر تہدید لئیماں درہ ایست

(جہنم کی) آگ اللہ کے قہر کا ایک ذرہ ہے ۔ وہ کمینوں کو ڈرانے کے لئے درہ ہے

باچنیں قہرے کہ زفت و فائق ست ۔ برد لطفش بیں کہ بروے سابق ست

ایسے قوی اور بڑھے ہوئے قہر کے باوجود ۔ اس کے کرم کی ٹھنڈک کو دیکھ جو اس سے آگے ہے

سبق بیچون و چگو نہ معنوی ۔ سابق و مسبوق دیدی بے دوئی

یہ آگے ہونا بغیر کیف اور کیفیت کے معنوی ہے ۔ تو نے بغیر دوئی کے آگے ہونیوالا اور پیچھے رہ جانے والا دیکھا

گر ندیدی آں بود از فہم پست ۔ کہ عقول خلق زاں کان یک جوست

اگر تو نے نہیں دیکھا تو یہ ناقص عقل کی وجہ سے ہے ۔ کیونکہ مخلوق کی عقلیں اس کان (میں) ایک جو (کی برابر) ہیں

عیب برخود نہ نہ برآیات دیں ۔ کے رسد بر چرخ دیں مرغ گلیں

اپنا عیب سمجھ نہ دین کی آیتوں کا ۔ دین کے آسمان پر مٹی میں سنا پرند کب پہنچ سکتا ہے؟

مرغ را جولاں گہ عالی ہواست ۔ زانکہ نشو اوز شہوت و زہواست

(تیرے) پرند کی بلند پرواز گاہ فضا ہے ۔ کیونکہ اس کا نشو (ونما) شہوت اور نفسانی خواہش ہے

پس تو حیراں باش بے لاو بلے ۔ تاز رحمت پیش آید محملے

بس تو حیران رہ بغیر نہیں "اور ہاں" کے ۔ تاکہ رحمت کا کجاوہ تیرے سامنے آ جائے

چوں زفہم ایں عجائب کودنی ۔ گر بلے گوئی تکلف می کنی

جبکہ تو ان عجائب کے سمجھنے میں نااہل ہے ۔ اگر تو "ہاں" کہے تکلف برتے گا

قہر بربند بداں نے روزنت	ورنگوئی نے زند نے گردنت
اس "نہیں" سے قہر تیرا روزن بند کر دیگا	اگر تو "نہیں کہے گا" نہیں" تیرے گردن کاٹ دے گی
تا در آید نصر حق از پیش و پس	پس ہمیں حیران و والہ باش و بس
تا کہ اللہ (تعالی) کی مدد آگے اور پیچھے سے آ جائے	تو اسی طرح سے حیران اور سرگشتہ رہ اور بس
بازبان حال گفتی اھدنا	چونکہ حیراں گشتی و گیج و فنا
زبان حال سے تو "ہمیں ہدایت دے" کہے گا	جبکہ تو حیران ہو گا اور ناچیز اور فنا
می شود آں زفت نرم و مستوی	زفت زفت ست و چولرزاں میشوی
وہ بڑا نرم اور ہموار ہو جائے گا	بڑا بڑا ہی ہے اور جب تو لرز گیا
چونکہ عاجز آمدی لطف و برست	زانکہ شکل زفت بہر منکرست
جبکہ تو عاجز ہو گیا (تو) مہربانی اور بھلائی ہے	کیونکہ بری شکل منکر کے لئے ہے

مولانا نے صفات خداوندی سے باہر ہونا بیان کیا تھا اب اس کے متعلق ایک قصہ بیان فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سکندر ذوالقرنین کوہ قاف کی طرف گیا اور وہاں پہنچ کر دیکھا کہ وہ پہاڑ زمرد سے زیادہ صاف ہے اور تمام عالم کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ سکندر اس وسیع مخلوق الٰہی کو دیکھ کر حیران ہو گیا اور کہا کہ اصل پہاڑ تو ہے دوسرے پہاڑ کیا چیز ہیں کہ تیری عظمت کے مقابلہ میں جم سکیں۔ اس نے کہا کہ وہ دوسرے پہاڑ نہیں ہیں بلکہ میری رگیں ہیں۔ لیکن خوبصورتی اور صفائی میں میری مثل نہیں ہیں۔ اس لئے آپ کو دھوکہ ہو گیا کہ ان کو میرے مغائر سمجھ گئے۔ (فالجواب تخطئت بسکندر لا تصحیح لقوله کما توهم) نیز ہر شہر میں میری ایک رگ پہنچی ہوئی ہے اور تمام اطراف و جوانب زمین میری رگوں سے بندھے ہوئے ہیں۔ جس وقت حق سبحانہ کسی شہر کو زلزلہ دینا چاہتے ہیں تو مجھے حکم دیتے ہیں کہ فلاں رگ کو حرکت دو پس میں بحکم خداوندی غصہ سے اس رگ کو حرکت دیتا ہوں جس سے وہ شہر متصل ہے اور اس شہر میں زلزلہ آ جاتا ہے۔ لیکن جب حکم ہوتا ہے کہ بس کرو تو وہ میری رگ ساکن ہو جاتی ہے پس بالذات تو میں ساکن ہوں مگر افعال کے لحاظ سے دوڑ رہا ہوں یعنی میں کام کئے جاتا ہوں اور افعال میرے جاری ہیں اور میری مثال ایسی ہے جیسے مرہم کہ ایک جگہ لگا ہوا ہے اور تاثیر برابر جاری ہے یا جیسے عقل کہ خود ساکن ہے اور الفاظ کو اس سے حرکت ہے۔ اب مولانا فلاسفہ کی تردید فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب تم کو مضمون بالا معلوم ہو گیا تو اب سمجھو کہ جن لوگوں کی عقلوں کو اس راز کا پتہ نہیں وہ کہتے ہیں کہ زلزلہ بخارات کے زمین کے اندر محتبس ہونے سے پیدا ہوتا ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ زلزلہ احتباس بخارات سے پیدا نہیں ہوتا بلکہ اولاً حکم حق اور ثانیاً جنبش رگ کوہ قاف سے ہے۔

فائدہ:۔ مولانا نے فلاسفہ کی دو باتوں کا رد کیا ہے۔ اول یہ کہ زلزلہ میں موثر بالذات سبب ہے۔ اس کا رد یوں فرمایا کہ موثر حقیقی حق سبحانہ ہیں۔ دوم یہ کہ وہ سبب بخارات زمین ہیں اور اس کا رد یوں فرمایا کہ نہیں بلکہ وہ پہاڑ ہے۔ سو دوامر اول

تو مولانا کا نہایت درست ہے مگر روامر دوم صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس پہاڑ کا وجود ہی دنیا میں نہیں مولانا نے کسی کی نقل پر یا شہرت پر اپنی یہ رائے قائم کی ہے لیکن یہ نقل اور شہرت صحیح نہیں ہیں۔ اب مولانا فلاسفہ کی غلطی کو ایک مثال سے ظاہر فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو مسببات کو اسباب ہی کا نتیجہ کہتے ہیں ان کی ایسی مثال ہے جیسے ایک چیونٹی نے ایک کاغذ پر قلم کو کچھ لکھتے دیکھا تو اس نے اور چیونٹیوں سے اس راز کو بیان کیا اور کہا کہ قلم نے عجیب عجیب نقش بنائے کچھ ریحان کی طرح کے تھے کچھ چنبیلی کے تختہ کی طرح اور کچھ گلاب کے پھولوں کی طرح کے۔ (یہ توجیہ تو اس وقت ہے جبکہ اس نے بیل بوٹے بنائے ہوں اور اگر حروف لکھے ہوں تو معنے یہ ہوں گے کہ وہ ایسے خوشنما اور دل کش تھے جیسے ریحان وغیرہ) یہ سن کر دوسری چیونٹی نے جو اس سے قدرے ہوشیار تھی یہ کہا کہ قلم نے یہ نقش نہیں بنائے بلکہ انگلی نے بنائے ہیں قلم تو اپنے فعل اور اثر میں انگلی کا تابع ہے۔ یہ سن کر تیسری چیونٹی نے جو کہ ان دونوں سے زیادہ ہوشیار تھی یہ کہا کہ یہ فعل بازو کا ہے اور کمزور انگلی کی قوت نے یہ نقوش نہیں بنائے غرض ہر ایک چیونٹی یوں ہی اوپر کو چلتی تھی حتیٰ کہ نوبت اس چیونٹی تک پہنچی جو ان سب کی سردار تھی وہ ان سب میں کسی قدر سمجھدار تھی اس نے کہا کہ یہ فعل جسم کا نہیں ہے تم اس کو جسم کا فعل نہ سمجھو کیونکہ سونے کی حالت میں اور مرنے کے بعد اسے کچھ بھی خبر نہیں ہوتی۔ پس اگر یہ فعل خود جسم کا ہوتا تو ان دونوں حالتوں میں بھی اس سے ضرور صادر ہو سکتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ جسم محض لباس اور لاٹھی کی مانند آلہ اور فاعل عقل اور جان ہے کیونکہ ان دونوں کے بغیر اجسام حرکت بھی نہیں کر سکتے۔ چہ جائیکہ ان سے افعال غریبہ صادر ہوں۔ لیکن ان سب سے ہوشیار چیونٹی کو بھی یہ خبر نہ تھی کہ عقل اور دل و جان بھی خود فاعل نہیں ہیں اس لئے کہ ان کو حق سبحانہ سے وہی نسبت ہے جو کہ عقل وغیرہ کو اجسام سے کیونکہ جس طرح اجسام بدوں تحریک عقل وغیرہ کے حرکت نہیں کر سکتے یوں ہی عقل وغیرہ بدوں تقلیب و تحریک حق سبحانہ کے جنبش نہیں کر سکتے اگر حق سبحانہ ذرا سی دیر کے لئے اپنی عنایت ان سے منقطع کر دیں تو یہی عقل جو اس وقت نہایت دانائی سے کام لے رہی ہے سراسر حماقتیں کرنے لگے۔ خیر یہ مضمون تو استطرادی تھا اب سنو کہ جب کوہ قاف نے اس قدر نفیس گفتگو کی تو سکندر نے اسے گویا پا کر کہا کہ اے واقف کار اور راز دان متکلم تو مجھ سے حق سبحانہ کی صفات بیان کر۔ اس نے کہا جائیے اپنا کام کیجئے۔ ان کی شان اس سے ارفع ہے کہ بیان اس پر قابو پا سکے یا قلم کی یہ تاب ہو کہ صحائف میں اپنی نوک سے ان کی حالت لکھ سکے۔ اس پر ذوالقرنین نے کہا کہ اچھا کچھ حق سبحانہ کی عجیب و غریب صنعتیں ہی بیان کر اس نے کہا ہاں یہ ممکن ہے اچھا سنو یہ لق و دق بیاباں جو کہ تین سو برس میں طے ہو سکتا ہے حق سبحانہ نے اس کو برف کے پہاڑوں سے بھر رکھا ہے۔ پہاڑ پر پہاڑ بے شمار چلے جا رہے ہیں اور حق سبحانہ کی طرف سے ان کو برف سے مدد ملتی رہتی ہے اور ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ پر برف پھینکتا ہے اور اسی طرح برف تحت الثریٰ تک سردی پہنچاتا ہے۔ اور ایک پہاڑ جو دوسرے پہاڑ پر برف پھینکتا ہے تو تھوڑا بہت نہیں پھینکتا بلکہ نہایت بڑے بڑے اور حیرت انگیز تودے اور پیاپے پھینکتا ہے اور ایسے عجیب وادی کے پیدا کرنے میں علاوہ اور حکمتوں کے ایک حکمت میری حفاظت ہے کیونکہ اگر ایسی وادی میرے پاس نہ ہوتی تو گرمی دوزخ مجھے نیست و نابود کر دیتی۔ اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ غافلین از حق کو بھی تم برف کے پہاڑ سمجھو۔ کیونکہ ان کے پیدا کرنے میں منجملہ دیگر حکمتوں کے ایک حکمت یہ ہے کہ عقلاء حقیقی یعنی اہل اللہ کے حجابات بالکلیہ فنا نہ ہو جائیں۔ کیونکہ اگر غفلت برف اثر کا عکس عرفاء کے قلوب پر نہ پڑتا جو کہ عظمت و حفاظت عالم وغیرہ میں بمنزلہ کوہ قاف کے ہیں تو آتش شوق ان کو

بھون ڈالتی۔ پس رحمت الٰہی مقتضی ہوئی اس کو کہ غافلوں کو پیدا کر کے عاقلوں کی حفاظت کی جاوے۔ اب سنو کہ حق سبحانہ کی رحمت کس قدر ہے۔ سو اس کا اندازہ یوں ہو سکتا ہے کہ آتش دوزخ باوجود اپنی اس تیزی کے جس کا بیان کسی قدر ہو چکا ہے آتش قہر الٰہی کا ایک ذرہ ہے کیونکہ وہ محض پاجیوں کے دھمکانے کا ایک تازیانہ ہے لیکن باوجود اس قہر کے جو اس قدر عظیم ہے دیکھ لو کہ اس کی رحمت کی سردی قہر کی گرمی سے بڑھی ہوئی ہے اس سے تم اس کا اندازہ کر سکتے ہو کہ کس قدر ہے۔ اب سمجھو کہ رحمت کی غضب سے سبقت حسی نہیں ہے بلکہ معنوی کیونکہ سبقت حسیہ مقتضی ہے تعدد کو اور رو ہاں تعدد و اثنینیت ہے نہیں بلکہ رحمت و قہر دونوں ذاتاً ایک ہیں۔ (کیونکہ رحمت نام ہے ارادۂ خیر کا اور قہر نام ہے ارادۂ شر کا۔ پس رحمت و قہر ہر دو ارادہ ہوں گے۔ اور ارادہ ان صفات ثمانیہ میں سے ہے جو عین ذات ہیں اس لئے ارادہ متحد ہوگا۔ ذات کے ساتھ اور ذات متحد ہوگی ارادہ کے ساتھ اور چونکہ رحمت ارادۂ خاصہ ہے اس لئے وہ بھی متحد ہوگی ذات کے ساتھ اور ذات متحد ہوگی ارادہ کے ساتھ اور چونکہ قہر بھی ارادۂ خاصہ ہے اس لئے وہ بھی متحد ہوگا ذات کے ساتھ اور ذات متحد ہوگی اس کے ساتھ پس رحمت متحد ہوگی۔ ذات کے ساتھ اور ذات متحد ہوگی قہر کے ساتھ اس لئے رحمت متحد ہوگی قہر کے ساتھ و بالعکس (لان المتحد مع المتحد مع الشیٔ متحد مع ذلک الشیٔ و ھذا علی طور العقول المتوسطة و طور العقول العالیة ھو الذوق والکشف اذاقنا اللہ منہ) اور پھر ایک دوسرے سے سابق ہے۔ اب بتلاؤ کہ تم بے تعداد کے سابق و مسبوق کو سمجھ گئے یا نہیں۔ اگر نہ سمجھے ہو تو یہ تمہاری فہم ناقص کا قصور ہے۔ ناقص ہم نے اس لئے کہا کہ وہ کان عقل یعنی علم حق سبحانہ کا ایک بہت ہی ذرا سا حصہ ہے کیونکہ مجموعہ عقول خلق کا خود اس کان کا ایک ادنیٰ حصہ ہے اس سے تم اپنی عقل و فہم کا اندازہ کر لو کہ کس قدر ہے پس ایسی حالت میں تم اپنے کو الزام دو اور مسائل دین جو تمہارے عقول سے باہر ہیں ان پر اعتراض نہ کرو کیونکہ تم آب و خاک سے بنے ہوئے ایک پرندہ کے مثل ہو اور دین بمنزلہ آسمان کے اور آب و گل کا بنا ہوا جانور چرخ دین تک نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ اس کی بڑی سے بڑی دوڑ صورت دین تک ہی نہ ہے کہ حقیقت تک۔ جس طرح کہ معروف پرندوں کی دوڑ ہوا تک ہے (صورت دین کو ہوا سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح پرندہ اونچا اڑتا ہوا دیکھنے میں معلوم ہوتا ہے کہ آسمان تک پہنچ گیا۔ یوں ہی صورت تک پہنچنے والا ناقص لوگوں کو معلوم ہوتا ہے کہ حقیقت دین تک پہنچ گیا واللہ اعلم) اور منشاء اس عدم رسائی کا یہ ہے کہ وہ شہوات دہوائے نفسانی سے پرورش پاتا ہے جو کہ مانع طیران الی السماء المذکور ہیں۔ پس جبکہ تم حقیقت سبقت کو نہیں پہنچ سکتے تو متحیر ہو جاؤ اور نہ تو اس (حقیقت) کا اقرار کرو نہ انکار حتیٰ کہ تمہارے پاس حق سبحانہ کی رحمت سے اس کا محمل واقعی پہنچ جاوے اقرار کی ممانعت تو ہم نے اس لئے کی ہے کہ جبکہ تم ان عجیب اسرار کو سمجھ نہیں سکتے تو اگر تم اقرار کرو گے تو محض بناوٹ ہوگی کیونکہ واقعہ کے خلاف ہے اور انکار کی ممانعت اس لئے کہ اگر انکار کرو گے تو قہر الٰہی خاص تمہاری گردن مارے گا اور روزن رحمت خاصہ کو تم پر بند کر دے گا۔

فائدہ:۔ جاننا چاہئے کہ یہاں سبقت رحمت کی حقیقت واقعیہ کے اقرار و انکار سے بحث ہے نہ کہ نفس سبقت کے اقرار و انکار سے کیونکہ اس کا اقرار تو ضروری ہے لثبوتها من النصوص. علی ھذا قہر و رحمت سے مراد وہ قہر و رحمت ہے جن کا تعلق امور کشفیہ کے اقرار و انکار سے ہے نہ کہ وہ قہر و رحمت جن کا تعلق جزا و سزائے اخرویہ سے ہے۔ کیونکہ ان کا تعلق تو ان امور سے ہے جو بلسان شارع ثابت ہیں۔ و حقیقة السبقة

لیس منها واللہ اعلم) پس ایسی حالت میں تم کو محض متحیر ہو جانا چاہئے تا کہ نصرت حق ہر طرف سے تم تک پہنچے کیونکہ جب تم حیران اور بیوقوف اور فانی ہو جاؤ گے تو اس وقت تم بزبان حال ملتجی ہدایت خاصہ ہو گے اور حق سبحانہ تم کو اس کی حقیقت پر مطلع فرماویں گے اور گو وہ حقیقت نہایت عظیم الشان ہے جس کے معلوم کرنے کی تاب نہیں ہو سکتی مگر وہ تمہارے لئے نرم اور ٹھیک ہو جاوے گی اور تم اسے دیکھ سکو گے اس لئے کہ بڑی اور ہیبت ناک شکل تو منکرین کے لئے ہے نہ کہ عاجزوں کے لئے پس جبکہ تم عاجز ہو جاؤ گے اس وقت وہ تمہارے لئے سراسر لطف وعنایت بن جاوے گی۔ (ولی محمد نے رفت زفت ست الخ' دبا چنین قہرے الخ کیساتھ مرتبط قرار دیا ہے اور رفت زفت کو خبر قہر بنایا ہے۔ وهو محتمل ولكن الا وجه عندي هو ما قلت فتدبر)

نمودن جبرئیلؑ خود را بمصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بصورت خویش واز منتصد پر او چوں یک پر ظاہر شد افق را بگرفت وآفتاب محجوب شد

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جبرئیلؑ کا اپنے آپ کو اپنی (اصلی) صورت پر ظاہر کرنا اور ان کے سات سو پروں میں سے جب ایک پر ظاہر ہوا اس نے آسمان کے اطراف کو گھیر لیا اور سورج چھپ گیا

مصطفیٰ می گفت پیش جبرئیلؑ	کہ چنانکہ صورت تست اے خلیل
مصطفیٰ نے جبرئیلؑ سے کہا	اے دوست! جیسی تیری (اصلی) صورت ہے
مرمرا بنمای محسوس آشکار	تا بہ بینم مرترا نظارہ وار
مجھے واضح (اور) محسوس (کر کے) دکھایئے	تا کہ میں تمہیں نظارہ کرنے والے کی طرح دیکھ لوں
گفت نتوانی و طاقت نبودت	حس ضعیف ست و تنگ سخت آیدت
انہوں نے کہا آپ نہ دیکھ سکیں گے اور آپ کو تاب نہ ہوگی	حس (جسمانی) ضعیف اور کمزور ہے آپ کو پریشانی ہوگی
گفت بنما تا بہ بیند ایں جسد	تا چہ حد حس نازک ست و بے مدد
آپ نے فرمایا دکھا دیجئے تا کہ یہ جسم دیکھ لے	کہ حس کس قدر نازک اور بے طاقت ہے
آدمی را ہست حس تن سقیم	لیک در باطن یکے خلق عظیم
آدمی کی جسمانی حس ناقص ہے	لیکن باطن میں ایک عظیم مخلوق ہے
بر مثال سنگ و آہن ایں تنہ	لک ہست او در صفت آتش زنہ
یہ جسم پتھر اور لوہے کی طرح ہے	لیکن وہ صفت میں چقماق ہے
سنگ و آہن مولد ایجاد نار	زاد آتش زیں دو والد قہر بار
پتھر اور لوہا آگ نکلنے کی پیدائش گاہ ہے	قہر ڈھانے والی آگ ان دو والدین سے پیدا ہوئی

بازآتش دستکار و صف تن	ہست قاہر برتن او شعلہ زن
پھر آگ جسم کے اوصاف کی دستکاری ہے	وہ شعلہ زنی سے اس کے جسم پر غالب ہے
باز درتن شعلہ ابراہیم وار	کہ ازو مقہورگردد برج نار
پھر بدن میں (حضرت) ابراہیم کی طرح شعلہ ہے	کہ اس سے آگ کا کرہ مغلوب ہو جاتا ہے
گر برآری از درونت آتشے	آتشت گردد مطیع و دلخوشے
اگر تو اپنے اندر سے آگ ظاہر کرے	آگ ' تیری فرمانبردار اور راضی ہو جائے
لاجرم گفت آں رسول ذوفنوں	رمز نحن الآخرون السابقون
لامحالہ اس صاحب کمالات رسول نے فرمایا	(اشارہ) ہم پیچھے ہیں پہلے ہیں کا
ظاہرا ایں دو بسند انے زبوں	در صفت از کان آہنہا فزوں
بظاہر یہ دونوں ہتھوڑے سے عاجز ہیں	صفت میں لوہوں کی کان سے بڑھ کر ہیں
پس بصورت آدمی فرع جہاں	در صفت اصل جہاں ایں رابداں
پس آدمی صورتاً دنیا کی فرع ہے	صفت میں دنیا کی اصل اس کو سمجھ
ظاہرش را پشۂ آرد بچرخ	باطنش باشد محیط ہفت چرخ
اس کے ظاہر کو ایک مچھر نچا دیتا ہے	اس کا باطن ساتوں آسمان کو محیط ہوتا ہے
چونکہ کرد الحاح بنمود اند کے	ہیبتے کہ کہ شود زاں مندکے
جب انہوں نے اصرار کیا (انہوں نے دکھا دی تھوڑی سی)	وہ ہیبت کہ پہاڑ اس سے ریزہ ریزہ ہو جائے
شہپرے بگرفتہ شرق وغرب را	از مہابت گشتہ بیہش مصطفےٰ
ایک شہپر جس نے مشرق و مغرب کو ڈھانپ لیا	مصطفےٰ خوف سے بے ہوش ہو گئے
چوں زبیم وترس بیہوشش بدید	جبرئیل آمد در آغوشش کشید
جب انہوں نے ان کو خوف اور ڈر سے بیہوش دیکھا	جبرئیل آئے ان کو بغل میں لیا
آں مہابت قسمت بیگانگاں	واں تجمش دوستاں را رائگاں
وہ خوف بیگانوں کا حصہ ہے	اور وہ محبت ' مفت دوستوں کے لئے ہے
ہست شاہاں رازمانے برنشست	ہول سرہنگاں وصار مہابدست
جلوس کے وقت بادشاہوں کے لئے ہے	سپاہیوں کی ہیبت اور تلواریں ہاتھ میں

دور باش و نیزہ و شمشیر ہا
کہ بلرزند از مہابت شیرہا

دوشاخہ اور نیزہ اور تلواریں
کہ خوف سے شیر لرزتے ہیں

بانگ چاؤشاؤ و آں چوگان ہا
کہ شود ست از نہیبش جانہا

نقیبوں کی آواز اور بلے
کہ ان کے ڈر سے جانیں سہمتی ہیں

ایں برائے خاص و عام رہگذر
کہ کندشاں از شہنشاہی خبر

یہ راستہ کے خاص و عام کے لئے ہے
تاکہ ان کو شہنشاہی سے آگاہ کر دے

از برائے عام باشد ایں شکوہ
تا کلاہ کبر بنہد آں گروہ

یہ دبدبہ عوام کے لئے ہوتا ہے
تاکہ وہ لوگ تکبر کی ٹوپی اتار دیں

تا من و ماہای ایشاں بشکند
نفس خود بیں فتنہ و شر کم کند

تاکہ ان کی خودی اور انانیت کو توڑ دے
متکبر نفس فتنہ اور شر نہ پھیلائے

شہر ازاں ایمن شود کاں شہریار
دارد اندر قہر زخم و گیر و دار

شہر اسی سے پرامن ہوتا ہے کہ وہ بادشاہ
غصہ میں اذیت اور پکڑ دھکڑ رکھتا ہے

پس بمیرد آں ہوسہا در نفوس
ہیبت شہ مانع آید زاں نحوس

تو نفوس میں ہوسیں مر جاتی ہیں
اس نحوست سے بادشاہ کا خوف مانع آتا ہے

باز چوں آید بسوی بزم خاص
کے بود آنجا مہابت یا قصاص

پھر جب وہ خاص مجلس میں آتا ہے
وہاں خوف اور سزا کہاں ہوتی ہے؟

حلم بر حلم ست و رحمتہا بجوش
نشوی از غیر چنگ و نے خروش

بردباری پر بردباری ہے اور شفقتیں جوش میں ہیں
تو سارنگی اور بانسری کی آواز کے سوا نہ سنے گا

طبل و کوس و ہول باشد وقت جنگ
وقت عشرت با خواص آواز چنگ

طبل اور نقارہ اور خوف جنگ کے وقت ہوتا ہے
خواص کے ساتھ عیش کے وقت سارنگی کی آواز ہوتی ہے

ہست دیوان محاسب عام را
واں پریرویاں گرفتہ جام را

پوچھ گچھ کی کچہری عوام کے لئے ہوتی ہے
اور حسین جام تھامے ہوئے ہیں

آں زرہ واں خود در جنگ و وغا
ویں شراب و نقل در بزم صفا

زرہ اور خود جنگ اور لڑائی میں (ہوتی ہے)
شراب اور چبینا خلوص کی محفل میں (ہوتا ہے)

جوشن و آں خود مرچالیش راست | ویں حریر و ورد مرتعریش راست
زرہ اور خود خاص جنگ کے لئے ہے | اور رنگین کپڑا اور گلاب خاص تخت نشینی کے لئے ہے

ایں سخن پایاں ندارد اے جواد | ختم کن واللہ اعلم بالرشاد
اے سخی! اس بات کا خاتمہ نہیں ہے | ختم کر اور اللہ تعالیٰ راست روی کو زیادہ جانتا ہے

اندر احمدؐ آں حسے کاں غارب ست | خفتہ ایں دم زیر خاک یثرب ست
احمدؐ کے اندر کی وہ حس جو چھپ جانے والی ہے | اس وقت مدینہ کی مٹی کے نیچے سوئی ہوئی ہے

واں عظیم الخلق آں کو صفدر ست | بے تغیر مقعد صدق اندر ست
وہ بڑی مخلوق جو صف شکن ہے | بغیر تغیر کے "سچائی کی جگہ" کے اندر ہے

قابل تغیر اوصاف تن ست | روح باقی آفتاب روشن ست
تغیر کے قابل جسم کے اوصاف ہیں | باقی رہنے والی روح، روشن سورج کی طرح ہے

بے زتغیرے کہ لاشرقیۃ | بے زتبدیلی کہ لاغربیۃ
(روح) بغیر تغیر کے ہے کیونکہ وہ نہ مشرقی ہے | (وہ) بغیر تبدیلی کے ہے کیونکہ وہ نہ مغربی ہے

آفتاب از ذرہ کے بیہوش شد | شمع از پروانہ کے بیہوش شد
سورج ذرہ سے کب بے ہوش ہوا ہے؟ | شمع پروانہ سے کب بے ہوش ہوئی ہے؟

جسم احمدؐ را تعلق بد بداں | ایں تغیر آن تن باشد بداں
اس بے ہوشی سے احمدؐ کے جسم کا تعلق تھا | سمجھ لے! تغیر جسم میں ہوتا ہے

ہمچو رنجوری و ہمچوں خواب و درد | جاں ازیں اوصاف باشد پاک و فرد
جیسے بیماری اور جیسے سونا اور درد | روح ان باتوں سے پاک اور جدا ہے

خود نتانم در بگویم وصف جاں | زلزلہ افتد دریں کون و مکاں
میں خود (بیان) نہیں کر سکتا ہوں اور روح کا وصف بیان کروں | تو کون و مکان میں زلزلہ آ جائے

روبہش گر یک دمے آشفتہ بود | شیر جاں مانا کہ آں دم خفتہ بود
ان کی لومڑی اگر تھوڑی دیر کے لئے پریشان ہو گئی تھی | یقیناً روح کا شیر اس وقت سویا ہوا تھا

خفتہ بود آں شیر کز خوابست پاک | اینت شیر نرم ساز و سہاک
وہ شیر سویا ہوا تھا جو سونے سے پاک ہے | عجب نرم کر دینے والا اور خوفناک شیر ہے

خفتہ سازد شیر خود را آنچناں	کہ تمامش مردہ دانند ایں سگاں
شیر اپنے آپ کو ایسا سویا ہوا بنا لیتا ہے	کہ سب کتے اس کو مردہ سمجھ لیتے ہیں
ورنہ در عالم کرا از ہرہ بدے	کو ربودے از ضعیفے تربدے
ورنہ دنیا میں کس کی مجال ہوتی	کہ وہ کمزور سے تربد بھی چھین سکتا
نقش احمدؐ زاں نظر بیہوش گشت	بحر او از مہر کف پرجوش گشت
احمدؐ کا جسم اس دیکھنے سے بے ہوش ہو گیا	ان کا سمندر (روح) ید اللہ کی محبت میں پرجوش ہوگیا
مہ ہمہ کف ست معطی نور پاش	ماہ راگر کف نباشد گو مباش
چاندؐ عطا کرنے والاؐ نور چھڑکنے والا مجسم ہاتھ ہے	اگر چاند کے ہاتھ نہ ہو کہہ دے نہ ہوا کرے
احمدؐ ار بکشاید آں پر جلیل	تا ابد بیہوش ماند جبرئیلؑ
احمدؐ اگر وہ عظیم پرکھول دیں	تو جبرئیلؑ ہمیشہ کے لئے بیہوش ہو جائیں
چوں گذشت احمدؐ ز سدرہ و مرصدش	از مقام جبرئیل و از حدش
جب احمدؐ سدرۃ (المنتہیٰ) اور اس کی جگہ سے گزرے	جبرئیلؑ کے مقام اور ان کی حد سے (گزرے)
گفت او را کز پیم آو مایست	گفت روزیں پس مرادستور نیست
ان (احمدؐ) نے ان (جبرئیلؑ) کو کہا میرے پیچھے آ جاؤ اور نہ ٹھہرو	انہوں نے کہا جائیے اس کے بعد مجھے اجازت نہیں ہے
گفت او راہیں پر اندر پیم	گفت رو رومن حریف تو نیم
انہوں نے ان سے کہا ہاں میرے پیچھے اڑ آئیے	انہوں نے کہا جائیے جائیے میں آپ کا ساتھی نہیں ہوں
باز گفت او را بیا اے پردہ سوز	من باوج خود نرفستم ہنوز
انہوں نے ان سے پھر کہا اے پردہ سوز! آ جا	میں تو ابھی اپنی بلندی پر نہیں پہنچا ہوں
گفت بیروں زیں حدا اے خوش فرمن	گر زنم پرے بسوزد پر من
انہوں نے کہا اے میرے اقبال مند! اس حد سے باہر	اگر میں پر چلاؤں میرے پر جل جائیں گے
حیرت اندر حیرت آمد زیں قصص	بیہشی خاصگاں اندر اخص
ان قصوں سے حیرت ہی حیرت ہے	خواص کی غفلت اخص کے معاملہ میں
بیہشیہا جملہ اینجا بازی است	چند جانداری کہ جاں پردازی است
یہ ساری بیہوشیاں یہاں کھیل ہیں	آپ کتنی جان رکھتے ہیں؟ کہ جان کی مشغولیت ہے

جبرئیلاً گر شریفی گر عزیز	تو نہ پروانہ و نے شمع نیز
اے جبرئیل! خواہ تم شریف ہو خواہ عزت والے	تم نہ پروانہ ہو اور نہ شمع
شمع چوں دعوت کند وقت فروز	جانِ پروانہ نہ پرہیزد زسوز
شمع جب روشن ہونے کے وقت بلائے	پروانہ کی جان جلنے سے پرہیز نہیں کرتی ہے
ایں حدیث منقلب را گور کن	شیر رابر عکس صید گور کن
اس الٹی بات کو دفن کر دیجئے	شیر کو بالعکس گورخر کا شکار بنا دیجئے
بند کن مشک سخن پاشیت را	وامکن انبان قلماشیت را
اپنی گفتگو کی مشک پاشی کو بند کر دیجئے	"تو جو چاہے کہو" کے تھیلے کو نہ کھولیے
آنکہ برنگذشت اجزاش از زمیں	پیش او معکوس قلما شیت ایں
جس شخص کے اجزا زمین سے نہیں گزرے ہیں	"تو جو چاہے کہو" اس کے لئے الٹا ہے
لاتخالفھم حبیبی دارھم	یا غریباً نازلاً فی دارھم
اے میرے پیارے! مخالفت نہ کر ان کی مدارات کر'	اے مسافر! جو ان کے گھر مہمان ہے
اعط ماشاؤا و راموا وارضھم	یاظعیناً ساکناً فی ارضھم
دے جو چاہیں اور ارادہ کریں' ان کو راضی رکھ	اے مسافر! ان کے وطن میں ٹھہرے ہوئے
تا رسی اندر شہ و درناز خوش	راز یا بامر غزی می ساز خوش
جب تک کہ تو شاہ اور عمدہ ناز پر پہنچے	اے رے کے رہنے والے امرغز کے رہنے والے سے اچھی نباہ
موسیا در پیش فرعون زمن	نرم باید گفت قولاً لیناً
اے موسیٰ زمانہ کے فرعون کے سامنے	نرم بات' نرمی سے کہنی چاہیے
آب اگر در روغن جوشاں کنی	دیگدان و دیگ را ویراں کنی
اگر کھولتے ہوئے تیل میں تو پانی ڈالے گا	چولہے اور دیگ کو تباہ کر دے گا
نرم گو لیکن مگو غیر صواب	وسوسہ مفروش در لین الخطاب
نرم بات کہئے لیکن صحیح بات کے سوا نہ کہیے	خطاب کی نرمی میں وسوسے نہ پھیلائیے
وقت عصر آمد سخن کوتاہ کن	آنکہ عصرت را آگاہ کن
عصر کا وقت ہوگیا بات مختصر کر دیجئے	اے وہ کہ تیرا کا دور زمانہ کا آگاہی بخشنے والا ہے

گوتو مرگل خوارہ را کہ قند بہ	نرمی فاسد مکن طینش مدہ
آپ مٹی کھانے والے سے کہیئے کہ شکر بہتر ہے	غلط نرمی نہ برتیے' اس کو مٹی نہ دیجئے
نطق جاں را روضۂ جانیستی	کز حروف و صوت مستغنیستی
آپ روحانی گفتگو کے لئے روحانی باغیچہ ہیں	کیونکہ آپ حروف اور آواز سے بے نیاز ہیں
ایں سرخر درمیان قند زار	اے بسا کس را کہ بنہادست خار
اس گدھے کے سر نے شکر کے کھیت میں	بہت سے لوگوں کے لئے کانٹے رکھ دیئے ہیں
ظن ببرداز دور کایں آنست وبس	چوں قچ مغلوب وامی رفت پس
دور سے انہوں نے خیال کیا کہ کہ بس یہی تھا	مغلوب مینڈھے کی طرح وہ لوٹ گئے
صورت حرف آں سرخراں یقیں	در رز معنیٰ و فردوس بریں
حروف کی صورت کو یقینا گدھے کا سر سمجھئے	معانی کے انگورستان اور جنت میں
اے ضیاء الحق حسام الدین برآر	ایں سر خررا ازیں بطیخ زار
اے ضیاء الحق حسام الدین نکال دیجئے	اس فالیز سے گدھے کے سر کو
تاسر خرچوں بمرد از مسلخہ	نشو دیگر بخشدش آں مبطخہ
تا کہ جب گدھے کا سر مذبح کی وجہ سے مر جائے گا	وہ فالیز اس کو دوسرا نشو (ونما) بخش دے گا
ہیں زما صورتگری و جان زتو	نے غلط ہم ایں زتو ہم آں زتو
خبردار! ہماری جانب سے صورت بنانا ہے اور روح تیری جانب سے ہے	نہیں غلط ہے' یہ بھی آپ کی جانب سے ہے' وہ بھی آپ کی جانب سے ہے
مثنوی صورت بود جانش توئی	ہم جہت ہم نوروار کانش توئی
مثنوی صورت ہے اس کی جان آپ ہیں	اس کی جہت بھی آپ اس کا نور اور اسکے ارکان بھی آپ ہیں
برفلک محمودی اے خورشید فاش	برزمیں ہم تا ابد محمود باش
اے روشن سورج! آپ آسمان پر محمود ہیں	(خدا کرے) زمین پر بھی ہمیشہ محمود رہیں
تا زمینی باسمائی بلند	یک دل و یک قبلہ و یک خوشوند
تا کہ زمین والے آپ بلند آسمان والے کے ساتھ	ایک دل اور ایک قبلہ اور ایک عادت ہو جائیں

وحدت است اندر وجود معنوی	تفرقہ برخیزد و شرک و دوئی
روحانی وجود میں یکتائی ہے	تفرقہ اور شرک اور دوئی ختم ہو جائے
یاد دارند اتحاد و ماجرا	چوں شناسد جان من جان ترا
تو وہ اتحاد اور گذشتہ واقعات کو یاد رکھتی ہے	جب میری جان آپ کی جان کو پہچان لیتی ہے
مختلط خوش ہمچو شیر و انگبیں	موسیٰ و ہاروں شوند اندر زمیں
عمدہ طریقہ پر گھل مل جاتی ہیں جس طرح دودھ اور شہد	(تب) وہ زمین میں موسیٰ اور ہارون بن جاتی ہیں
منکری اش پردۂ ساتر شود	چوں شناسد اندک و منکر شود
اس کا منکر ہونا چھپانے والا پردہ بن جاتا ہے	جب تھوڑا سا پہچانتی ہے اور منکر بن جاتی ہے
خشم کرد آں مہ زنا شکری او	پس شناسائے بگرد انید رو
وہ چاند اس کی ناشکری کی وجہ سے غصہ میں بھر جاتا ہے	تو پہچاننے والا منہ پھیر لیتا ہے
ناشناسا گشت و پشت پای زد	زیں سبب جان نبیؐ را جان بد
نہ پہچاننے والی بنی اور ٹھکرایا	اسی وجہ سے بری روح، نبیؐ کی روح کو
تابدانی لج آں گبر کہن	ایں ہمہ خواندی فروخواں لم یکن
تاکہ پرانے کافر کا جھگڑا سمجھ جائے	یہ تونے سب پڑھا (اب) لم یکن پڑھ لے

دربیان اعتقاد یہود و نصاریٰ پیش از بعثت درشان جناب حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام و نام او را حرز جاں کردن وظہورش را خواہاں بودن

بعثت سے قبل یہود اور نصاریٰ کا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعتقاد کا بیان اور ان کے نام کو جان کی حفاظت کا سبب سمجھنا اور ان کے ظہور کا خواہاں ہونا

نعت او ہر گبر را تعویذ بود	پیش ازانکہ نقش احمد فرنمود
ان کی تعریف ہر کافر کا تعویذ تھی	اس سے پہلے کہ احمد کی صورت شان دکھائے
از خیال روشن دل شاں می طپید	کایں چنیں کس ہست تا آید پدید
ان کے چہرے کے خیال سے ان کا دل تڑپتا تھا	کہ ایسا ایک شخص ہے حتیٰ کہ وہ دنیا میں آئے گا

سجدہ می کردند کاے رب بشر	در عیاں آریش ہرچہ زود تر
وہ سجدے کرتے تھے کہ اے انسانوں کے رب!	جس قدر جلد ہو سکے ان کو ظاہر کر دے
تا بنام احمدؐ از یستفتحون	باغیاں شاں می شدندے سرنگوں
حضورؐ کے نام کے ذریعہ فتح طلب کرنے کی وجہ سے	ان سے باغی سرنگوں ہو جاتے تھے
ہرکجا حرب مہولے آمدے	عون شاں کراری احمدؐ بدے
جہاں کہیں خوفناک جنگ ہوتی	آنحضورؐ کی حملہ آوری ان کی مددگار ہوتی
ہرکجا بیماری مزمن بدے	یاد اوشاں داروی شافی بدے
جہاں کہیں پرانی بیماری ہوتی	ان کا ان کو یاد کرنا شفا دینے والی دوا ہوتی
نقش او می گشت اندر راہ شاں	در دل و در گوش و در افواہ شاں
ان کی تصویر ان کے راستوں میں گشت کرتی تھی	دل اور کان اور ان کے مونہوں میں
نقش او را کے بیابد ہر شغال	بلکہ فرع نقش او یعنی خیال
ہر گیدڑ ان کی صورت کہاں پا سکتا ہے؟	بلکہ ان کی صورت کی فرع یعنی خیال (تھا)
نقش او بر روی دیوار ار فتد	از دل دیوار خون دل چکد
ان کا نقش اگر دیوار پر پڑے	تو دیوار کے دل سے دل کا خون ٹپکنے لگے
آنچناں فرخ بود نقشش برو	کہ رہد در حال دیوار از دو رو
اس پر ان کا نقش ایسا مبارک ہو گا	کہ دیوار فوراً دو رخی سے نجات پا لے گی
گشتہ با یک روئی اہل صفا	آں دو روئی عیب مر دیوار را
اہل باطن کی ایک رخی والی بن جائے گی	دو رخی دیوار کے لئے (بھی) عیب ہے
ایں ہمہ انکار و کفراں زادشاں	چوں درآمد سید آخر زماں
ان کا یہ سب انکار اور کفر پیدا ہو گیا	جب سید آخر الزماں تشریف لے آئے
ایں ہمہ تعظیم و تفخیم و وداد	چوں بدیدندش بصورت بردباد
سب تعظیم اور اعزاز اور محبت	جب انہوں نے اس کی صورت دیکھی برباد ہو گئی

قلب آتش دید دردم شد سیاہ	قلب را در قلب کے بودست راہ
کھوٹے نے آگ دیکھی فوراً کالا ہو گیا	کھوٹے کے لئے، دل میں کب راستہ ہے؟
قلب می زد لاف اشواق محک	تا مریداں را در اندازد بشک
کھوٹا سکہ کسوٹی کے شوقوں کی شیخی مارتا تھا	تاکہ مریدوں کو شک میں ڈال دے
یافتد اندر دام فکرش ناکسے	ایں گماں بر برزند از ہر خسے
نالائق ہی اس کے مکر کے جال میں پھنستا ہے	یہ خیال ہر کمینہ سے ابھرتا ہے
کایں اگر نہ نقد پاکیزہ بدے	کے بسنگ امتحاں راغب شدے
کہ اگر یہ کھرے اور پاکیزہ نہ ہوتے	تو کسوٹی کی جانب کب رغبت کرتے
ہیچ از لاف محک دیدن زدے	یا بسنگ امتحاں شودن بدے
کبھی کسوٹی کے دیکھنے کی شیخی بگھارتا	یا اس کو کسوٹی کا شوق ہوتا
او محک می خواہد اما آنچناں	کہ نگردد قلبی او زاں عیاں
وہ کسوٹی چاہتا ہے لیکن ایسی	کہ اس کا کھوٹ اس سے ظاہر نہ ہو
گر بگویم تا قیامت زیں کلام	صد قیامت بگزرد ایں ناتمام
اگر میں قیامت تک (بھی) یہ بات کروں گا	سو قیامتیں گزر جائیں گی یہ نامکمل رہے گی
آں محک کہ او نہاں دارد صفت	نے محک باشد نہ نور معرفت
وہ کسوٹی کو جو چھپانے کی صفت رکھے	نہ وہ کسوٹی ہو گی نہ پہچاننے کی روشنی
آئینہ کو عیب رو دارد نہاں	از برای خاطر ہر قلتباں
وہ آئینہ جو چہرے کا عیب چھپائے	ہر دیوث کی خاطر سے
آئینہ نبود منافق باشد او	ایں چنیں آئینہ را ہرگز مجو
وہ آئینہ نہ ہوگا، منافق ہو گا	ایسے آئینہ کی کبھی جستجو نہ کر
آئینہ جو راست گوئے بے نفاق	ختم کن واللہ اعلم بالوفاق
سچ کہنے والا، بے نفاق آئینہ تلاش کر	ختم کر دے اور اللہ (حسن) اتفاق کو زیادہ جانتا ہے
تاکہ عین آئینہ ات ساز د خدا	کہ نماید عرش را ہمچوں سما
تاکہ تجھے اللہ تعالیٰ بعینہٖ آئینہ بنا دے	کہ تجھے عرش کو آسمان کی طرح دکھا دے

عرش چہ و چرخ چہ اے ذوالالباب	فہم کن واللہ اعلم بالصواب
اے عقلمند! عرش کیا اور آسمان کیا؟	سمجھ لے اور خدا زیادہ بہتر جانتا ہے

قد تم الدفتر الرابع من الکتاب المثنوی المعنوی للمولوی المعنوی

مولانا نے چونکہ اوپر فرمایا تھا "زانکہ شکل زفت بہر منکرست + چونکہ عاجز آمدی لطف و برست" اس کی تائید میں ایک قصہ بیان فرماتے ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ایک روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ جیسی آپ کی اصلی صورت ہے ایک مرتبہ ہم کو اسی طرح دکھلا دو تا کہ ہم اس کو آنکھوں سے دیکھ لیں۔ یہ سن کر جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا کہ آپ سے ہو نہ سکے گا اور آپ اس کے دیکھنے کے متحمل نہ ہوں گے اور چونکہ حس جسمانی کمزور اور نازک ہے اس لئے آپ پر اس کا دیکھنا شاق ہوگا۔ آپ نے فرمایا خیر دکھلاؤ تو سہی جسم کو یہ بھی معلوم ہو جاوے گا کہ اس کی حس کس قدر کمزور اور ضعیف ہے۔ اب مولانا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آدمی کی حس جسمانی گو کمزور ہے مگر اس کے باطن میں ایک نہایت عظیم الشان مخلوق پوشیدہ ہے یعنی روح قوی روح اور جسم کی مثال پتھر اور لوہے کی سی ہے کہ صورت میں تو محض معمولی ہے لیکن معنی کے لحاظ سے چقماق ہے کہ اس میں آگ سے قاہر مخلوق چھپی ہوئی ہے۔ اب مولانا اس استبعاد کو بالقصد اٹھانا چاہتے ہیں جو امر باطنی کی بہ نسبت جسم ظاہری کے قوی ہونے پر ہوتا ہے اور فرماتے ہیں کہ دیکھو آگ پتھر اور لوہے سے پیدا ہوتی ہے مگر وہ آگ جو ان دو سے پیدا ہوتی ہے نہایت قاہر ہوتی ہے اور دیکھو آگ نتیجہ ہے وصف تن کا۔ کیونکہ جسم انسان ہی آگ کو لوہے پتھر وغیرہ سے نکالتا ہے۔ لیکن باایں ہمہ وہ اس جسم انسانی پر غالب اور شعلہ زن ہوتی ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا تو اس سے سمجھ لو کہ جسم میں بھی ایک شعلہ (روح انسانی) چھپا ہوا ہے جو اپنے اندر صفت ابراہیمی رکھتا ہے یعنی اس سے ایک زبردست آتش کدہ مغلوب ہو سکتا ہے اور اس کی یہ حالت ہے کہ اگر تم اس کو اپنے اندر سے نکالو یعنی اس کی صفات کو غالب کر دو تو یہ آگ جو اس قدر قاہر نظر آتی ہے اس کی بخوشی فرمانبردار ہو جاوے گی (چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نظیر موجود ہے) یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ نحن الآخرون السابقون یعنی گو ہم متولد ہیں اپنے آباء سے مگر ہم ان سے بڑھے ہوئے ہیں جس طرح کہ آگ لوہے اور پتھر سے پیدا ہوتی ہے مگر دونوں سے بڑھی ہوتی ہے۔ اب مولانا پھر تشبیہ جسم کی طرف عود کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہم نے جسم کو لوہے اور پتھر سے تشبیہ دی تھی سو دیکھو لوہا اور پتھر صورت کے لحاظ سے سندان کے مقابلہ میں عاجز ہیں مگر اپنی معنی کے لحاظ سے سینکڑوں لوہے کی کانوں سے بڑھ کر ہیں کیونکہ ان میں آگ چھپی ہوئی ہے جو ان کو ایک دم میں گلا سکتی ہے۔ پس یہی حالت جسم کی ہے کہ وہ صورت میں نہایت معمولی اور کمزور ہے مگر اس میں ایک نہایت عظیم مخلوق پوشیدہ ہے اور اسی سے تم یہ بھی سمجھ سکتے ہو کہ انسان گو صورۃً اس عالم کی فرع اور اس سے متولد ہے مگر حقیقت کے لحاظ سے اس کی اصل ہے اور گو ظاہر اس کا اس قدر کمزور ہے کہ ایک مچھر اسے نچا سکتا ہے مگر حقیقت اس کی اس قدر عظیم ہے کہ افلاک ہفت کو محیط ہے۔ کیونکہ وہ جامع حقائق عالم ہے خیر تو جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصرار فرمایا تو انہوں نے اپنی وہ ہیئت جس سے پہاڑ پارہ پارہ ہو جاوے کسی قدر دکھلا دی۔ یعنی ان کے پر مشرق و مغرب کو گھیرے ہوئے تھے اس صورت کو دیکھ کر

مارے خوف کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو گئے۔ پس جبکہ جبریل علیہ السلام نے آپ کے خوفزدہ اور بے ہوش ہونے کو دیکھا تو انہوں نے اپنی صورت فوراً بدل دی اور آ کر آپ کو گود میں لے لیا۔ اس وقت ان سے دو فعل صادر ہوئے ایک تو تخویف بصورت مہیب اور دوسری لطف وعنایت بصورت مانوس۔ پس پہلا فعل تو جسم اور حواس جسمانیہ کے لئے تھا جو حقیقت ملکیہ سے مغائرت رکھتے ہیں اور دوسرا فعل روح کے لئے تھا جو حقیقت کے ساتھ اتحاد اور موافقت رکھتی ہے۔ کیونکہ ہیبت اغیار کے لئے ہوتی ہے اور لطف وعنایت دوستوں کے لئے۔ دیکھو جس وقت سلاطین تخت حکومت پر بیٹھتے ہیں اس وقت ان کی ہیبت نہایت ہولناک ہوتی ہے کہ سپاہی پہرہ پر ہوتے ہیں اور شمشیر ہائے بران اور دوشاخ نیزے اور عام نیزے اور عام تلواریں جن کی ہیبت سے شیروں کے جسم پر لرزہ پڑ جائے ہاتھ میں ہوتے ہیں اور نقیب للکارتے ہوتے ہیں اور وہ تلواریں ہوتی ہیں جن کی ہیبت سے دم فنا ہوتا ہے اور یہ سب کچھ بیرونی عوام وخواص کے لئے ہوتا ہے تاکہ ان کو بادشاہ کی خبر ہو جاوے اور یہ دبدبہ عوام کے لئے اس لئے ہوتا ہے کہ وہ لوگ کلاہ تکبر سر سے اتار دیں اور تاکہ ان کا غرور ٹوٹ جاوے اور ان کا نفس خود بین فتنہ اور شرارت نہ پیدا کرے اور ملک میں امن ہو جاوے اس سے امن ہوتا ہے کہ بادشاہ قاہرانہ لوگوں پر گرفت کرے اور ان کو ان کے جرموں کی سزائیں دے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے خواہشات نفسانیہ نفسوں ہی کے اندر مرکر رہ جاتے ہیں اور ان کا ظہور نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہیبت شاہی اس نحوست سے مانع ہوتی ہے پس یہ برتاؤ تو بیرونی لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے اب سنو کہ جب وہ اپنے محفل خاص میں آتا ہے تو نہ وہاں خوف کا نام ہوتا ہے نہ انتقام کا بلکہ وہاں تو سراسر حلیم ہوتا ہے اور رحمتیں جوش زن ہوتی ہیں اور آواز چنگ اور آواز بانسری وغیرہ کے سوا اور کوئی شور ہی نہیں ہوتا۔ پس اس بیان سے معلوم ہو گیا کہ ہیبت اغیار کے لئے ہے اور لطف خواص کے لئے چنانچہ ڈھول اور ہیبت ناک نقارے جنگ میں ہوتے ہیں جن سے دشمنوں کو ڈرایا جاتا ہے اور جبکہ خواص کے ساتھ مصروف عیش ہوتے ہیں تو اس وقت چنگ کی دلکش آواز ہوتی ہے۔ نیز مقدمات کی کچہری عوام کے لئے ہوتی ہے اور بزم خاص میں پریرو جام لئے ہوتے ہیں اور زرہ اور خود جنگ میں ہوتے ہیں اور شراب ونقل بزم صفا میں اور جوش اور خود دشمن کے مقابلہ کے لئے ہوتے ہیں اور حریر وگل عیش وعشرت کے لئے۔ خیر یہ گفتگو تو ختم نہ ہوگی اس لئے اس کو ختم کر کے مضمون سابق کو بیان کرنا چاہئے۔ ہم نے کہا تھا کہ آدمی کے اندر ایک حس جسمانی ہے جو کہ کمزور ہے اور دوسری ایک عالی شان مخلوق ہے۔ سو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بھی یہ دونوں باتیں تھیں۔ چنانچہ وہ حس جسمانی جو مشاہدہ صورت جبریل کی تاب نہ لا سکی اور از خود رفتہ ہو گئی وہ تو اس وقت مدینہ میں زیر زمین سو رہی ہے اور وہ عظیم الشان مخلوق جو کہ نہایت بہادر ہے اور انکی مہیب شکلوں سے متاثر نہیں ہوتی وہ بلا تغیر کے مقعد صدق میں مقیم ہے۔ بے تغیر ہم نے اس لئے کہا کہ ایسے تغیرات یعنی تغیرات ناسوتیہ کو قبول کرنے والے اوصاف جسمانیہ ہوتے ہیں نہ کہ روح باقی جو کہ ایک روشن آفتاب اور ظلمات ناسوت سے منزہ ہے وہ بے تغیر وتبدل ہے اس لئے کہ نہ وہ شرقی ہے نہ غربی۔ کیونکہ شرق وغرب عالم خلق سے ہیں اور ارواح عالم امر سے اور جبکہ روح احمدی آفتاب ہے تو شکل جبریلی جو کہ اس کے مقابلہ میں ایک ذرہ ہے اس سے کیونکر بے ہوش ہو سکتی ہے اور جبکہ وہ ایک شمع ہے تو پروانہ سے کیونکر بے ہوش ہو سکتی ہے اس لئے کہا جائے گا کہ جسم احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بے ہوشی سے تعلق تھا نہ کہ روح کو

کیونکہ تغیر ناسوتی جسم ہی کا حصہ ہے۔ روح سے اسے کوئی واسطہ نہیں جیسے کہ بیماری۔ نیند اور تکلیف وغیرہ کہ یہ سب جسم سے متعلق ہیں روح ان اوصاف سے پاک اور علیحدہ ہے۔ اب مولانا فرماتے ہیں کہ میں روح کے اوصاف بیان نہیں کر سکتا اور اگر اس کے اوصاف عالیہ بیان کروں تو عالم میں ہل چل پڑ جائے اس لئے کہ کوئی ان اوصاف کے سننے کی تاب نہیں لا سکتا اس کے بعد مولانا بے ہوشی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر آپ کی لومڑی یعنی جسم کچھ دیر کے لئے پریشان ہوگئی تو اس کی وجہ یقیناً یہ تھی کہ آپ کا شیر جان اس وقت سو رہا تھا یعنی غیر اختیاری طور پر حفاظت جسم سے غافل تھا اور وہ شیر (روح مصطفوی) جو بحکم لاینام قلبی۔ حقیقی سونے سے پاک ہے مجازاً سو رہا تھا یعنی غافل از تصرف فی الجسم تھا۔

فائدہ:۔ یہ غفلت از تصرف غیر اختیاری تھی اور اختیار کو اس میں دخل نہ تھا۔ فتنبہ لہ) اب فرماتے ہیں کہ یہ شیر جو کہ ہیبت ناک شے کو نرم کر دینے والا ہے عجیب شیر ہے کہ اس کی قوت کا بیان نہیں ہو سکتا۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اب سنو کہ شیر اپنے کو یوں سوتا بنا لیتا ہے کہ سب کتے اسے مردہ سمجھ لیتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہوتا تو کس کی مجال تھی کہ وہ کسی ضعیف اور کمزور سے تربدی بے حقیقت چیز بھی چھین لیتا۔ (میرے نزدیک یہ ایک جداگانہ مضمون ہے اور مقصود اس سے خفتہ بود آن شیر کز خواب ست پاک کی اور حق سبحانہ کی چشم پوشی بیان کرنا ہے۔ اور حاصل یہ ہے کہ شیر روح مصطفوی کا اپنے کو سوتا بنا لینا کچھ تعجب کی بات نہیں کیونکہ قاہر عالم حق سبحانہ بھی ایسا کرتے ہیں جیسا کہ اس تعدی سے ظاہر ہے جو کہ عالم میں مشاہدہ ہے کیونکہ اگر حق سبحانہ قصداً مجرموں سے چشم پوشی نہ کرتے اور اپنے کو ایسا نہ بناتے جیسا کہ وہ ان کے جرموں کو جانتے ہی نہیں تو عالم میں فساد ناممکن تھا۔ واللہ اعلم۔ خیر تو جسم احمد صلی اللہ علیہ وسلم اس نظر سے بے ہوش ہوا تھا نہ کہ روح اور وجہ اس بے ہوشی کی یہ تھی کہ ان کا بحر روح محبت دست حق سبحانہ سے پر جوش ہو کر تصرف فی الجسم سے غافل ہو گیا تھا۔ اس پر اگر کوئی شبہ کرے کہ حضرت حق کے ہاتھ کہاں ہے جس کی محبت سے وہ بحر پر جوش ہوا تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چاند سراپا ہاتھ ہے اس لئے کہ جو کام وہ ہاتھ سے کرتا مثلاً دنیا اور نور پھیلانا سو وہ اپنی ذات سے کرتا ہے پس ایسی حالت میں اگر اس کے متعارف ہاتھ نہ ہو تو نہ سہی پس اسی طرح کف حق سبحانہ کو سمجھ لو اس مضمون کو ختم کر کے آگے وہم تفضیل جبریل علیہ السلام بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دفع فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صورت جبریلی کو دیکھ کر بے ہوش ہو جانے کو دیکھ کر تم کو جبریل علیہ السلام کی آنحضرت پر فضیلت کا شبہ نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ آپ تو ان کو دیکھ کر تھوڑی ہی دیر بے ہوش رہے تھے اور وہ بے ہوشی بھی جسمانی تھی نہ کہ روحانی۔ لیکن اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روحانی عظیم الشان پروں کو کھول دیں اور اپنے قوی عروج روحانی کو ظاہر فرمائیں تو جبرئیل علیہ السلام ابد تک بے ہوش رہیں اور کبھی ہوش نہ آئے آپ کے پروں کی فوقیت جبرئیل علیہ السلام کے پروں پر اس واقعہ سے ظاہر ہوگی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھے اور جبرئیل علیہ السلام کے مقام اور ان کی حد سے تجاوز کیا تو جبریل اپنے مقام پر ٹھہر گئے اس پر آپ نے فرمایا کہ جبریل کیوں ٹھہر گئے میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ آپ ہی تشریف لے جائیں مجھے آنے کی اجازت نہیں ہے آپ نے پھر فرمایا کہ میرے پیچھے چلے آؤ اس کا بھی انہوں

نے یہی جواب دیا کہ اب میں آپ کا ہمسفر نہیں ہو سکتا آپ نے پھر فرمایا کہ میں ابھی اپنی اصلی بلندی پر نہیں پہنچا ہوں چلے آؤ۔ اس پر انہوں نے عرض کیا کہ اگر میں اس حد سے آگے پروں کو حرکت دیتا ہوں تو فوراً میرے پر جل جاویں گے۔ بس اس سے تم سمجھ لو کہ دونوں کے پروں میں کیا نسبت ہے۔ اس کے بعد مولانا فرماتے ہیں کہ ایسے واقعات کو سن کر سخت حیرت ہوتی ہے کہ خواص عباد اللہ اخص العباد کے معاملہ میں ہوش سے کام نہیں لیتے۔ دیکھو جبرئیل علیہ السلام سے خاص اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر آگے نہیں جاتے۔ آگے جبریل علیہ السلام کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ اس مقام پر تمام بے ہوشیاں ایسی بازی ہیں جو واجب الترک ہیں لہذا سب کو چھوڑنا چاہئے اور ہوش سے کام لینا چاہئے اور اگر آگے بڑھنے میں جل کر جان جانے کا خوف ہے تو آخر جان کا بچانا کب تک یہ مقام تو جان ہی دینے کا ہے۔ جبریل علیہ السلام آپ کتنے ہی مشرف و مکرم عند اللہ ہوں مگر اتنا تو ہم کہیں گے کہ آپ نہ شمع مصطفوی کے پروانہ ہیں اور نہ خود شمع ہیں ورنہ پروانہ نہ ہونے کی ایک معقول وجہ آپ کے پاس ہوتی اور آپ کو پروانہ نہ ہونا تعجب کی بات ہے کیونکہ جس وقت شمع پروانہ کو بلاتی ہے تو وہ ہرگز جلنے سے گریز نہیں کرتا۔ اور آپ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر فرماتے ہیں کہ میرے پر جل جاویں گے۔ اس مضمون کو مناسب بیان فرما کر حضرت حسام الدین کو خطاب فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس گفتگو کو دفن کیجئے جو عوام کے نزدیک الٹی ہے اور شیر کو یعنی اپنے کو گورخر یعنی عوام کا شکار کر دیجئے گو ہونا اسکے خلاف چاہئے یعنی اپنے کو ان کا تابع کر دیجئے گو ہونا یہ چاہئے تھا کہ وہ آپ کے تابع ہوتے اور اپنے خم پاش مشک یعنی منہ کو عوام کی خاطر سے بند کر لیجئے اور اپنی آزاد بیانی کے تھیلے کو نہ کھولئے۔

فائدہ:۔ آزاد بیانی حاصل ہے قل ماشئت کا کیونکہ اس کے معنی ہیں جو جی چاہے کہو) کیونکہ جو لوگ ابھی محبوس ناسوت ہیں ان کے نزدیک یہ آزاد بیانی الٹی ہے۔ مولانا نے اعتراض بر جبریل علیہ السلام کو اہل ظاہر کے نزدیک اوندھی بات اور الٹی آزاد بیانی کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل ظاہر کہیں گے کہ جبریل علیہ السلام کے لئے حد بحکم خداوندی مقرر تھی پس ان کا اس سے آگے نہ بڑھنا امتثال امر الٰہی تھا۔ پس گویا مولانا کے اعتراض بر جبریل کا حاصل یہ ہوا کہ جبریل علیہ السلام کو تعمیل حکم رسول کے لئے امتثال امر الٰہی کو چھوڑ دینا چاہئے تھا اور یہ بالکل الٹی بات ہے جبکہ اہل ظاہر کے نزدیک اس کا الٹا ہونا ثابت ہو گیا تو اب ضرورت ہے کہ مولانا کی طرف سے اس اعتراض اہل ظاہر بر مولانا کا جواب دیا جاوے کیونکہ مولانا کے کلام سے اس اعتراض بر جبریل کا فی نفسہ صحیح ہونا مفہوم ہوتا ہے سو اس اعتراض اہل ظاہر کا جواب یہ ہے کہ خود یہ مقدمہ ہی مسلم نہیں کہ جبریل علیہ السلام کے لئے حد بحکم خداوندی مقرر تھی بلکہ ہیبت جلال کبریائی کے سبب وہ خود آگے نہ بڑھتے تھے اس وقت جبریل علیہ السلام کے امتناع کا منشا امتثال صریح امر خداوندی نہ ہوگا۔ بلکہ ان کا خوف و اجتہاد ہوگا اور یہی مبنی ہے اعتراض کا۔ پس ثابت ہو گیا کہ جبریل پر مولانا کا اعتراض فی نفسہ صحیح ہے لیکن چونکہ عوام کے خیال کے خلاف تھا۔ نیز اس میں جبریل علیہ السلام کی تنقیص کا شبہ ہو سکتا تھا بنابریں مولانا نے اس گفتگو کو بند کرنے کی ہدایت فرمائی۔ پس اے میرے محبوب اور اے مسافر جو آپ کے وطن میں مقیم ہے یعنی عالم سوت میں آپ ان کی مخالفت نہ کریں بلکہ ان کی

ہدایت فرماویں جو وہ چاہیں اور جوان کو مقصود ہو وہ ان کو عطا فرماویں اور ان کو رضامند کریں اور جب تک اپنے بادشاہ کے پاس اور محل ناز میں یعنی عالم غیب میں نہ پہنچ جائیں اس وقت تک اے رازی (یعنی دوسرے ملک (عالم ملکوت) کے رہنے والے مرغزر کے رہنے والوں (یعنی ساکنین ناسوت) سے نہ بگاڑیں بلکہ میل رکھیں اور اے موسیٰ یہ لوگ فرعون زمانہ ہیں ان سے نرم اور غیر موحش بات کہنی چاہئے۔ان کے مذاق کے خلاف بات کہنے کا برا نتیجہ ہے۔دیکھئے اگر پکتے ہوئے تیل میں پانی ڈال دیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہانڈی اور چولہا سب تباہ ہو جاوے گا۔پس آپ نرم گفتگو کیجئے لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ آپ خلاف واقعہ باتیں کہیں اور نرمی کلام میں دوسوں کو دخل دیں۔بس آپ حق بات فرمائیں مگر عنوان بیان بھی نرم ہو۔اور ان کی فہم سے بعید بھی نہ ہو۔پس اے وہ شخص جس کا زمانہ زمانہ بھر کو آگاہی از حق بخشنے والا ہے عصر یعنی ختم گفتگو کا وقت آ گیا ہے۔اس گفتگو کو ختم کیجئے لیکن اتنا اور کہہ دینا مناسب ہے کہ آپ مٹی کھانے والے سے یہ تو فرمائیں کہ قند اچھی چیز ہے۔پس بجائے مٹی کے اسے کھانا چاہئے اور یہ نہ کیجئے کہ ان کی موافقت میں آپ ان کو مٹی دینے لگیں یہ مطلب تھا ہمارے قول ''نرم گو لیکن مگو غیر صواب الخ کا رہی یہ بات کہ پھر خواص کو کیونکر فائدہ پہنچایا جاوے سو اس کی بابت گزارش ہے کہ آپ گلہائے نطق روحانی کے روحانی باغ ہیں۔پس آپ ان کو نطق روحانی سے سمجھا سکتے ہیں کیونکہ ان کے سمجھانے کے لئے آپ کو حروف واصوات کی ضرورت نہیں۔پس آپ حروف واصوات موحشہ کو چھوڑ دیجئے۔دیکھئے قند زار کے اندر اس سرخر نے بہت سے لوگوں کی راہ میں کانٹے رکھ دیئے ہیں کیونکہ بہت سے لوگ دور سے دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ یہ سرخر اور موحش ہے۔اس لئے وہ اس مغلوب مینڈھے کی طرح جو کہ فالیز میں سرخر کو دیکھ کر پیچھے ہٹتا ہے پیچھے ہٹنے لگتے ہیں۔مطلب ہمارا یہ ہے کہ الفاظ موحشہ بمنزلہ سرخر کے ہیں جو کہ فالیز وغیرہ میں جانوروں کے ڈرانے کے لئے لگایا جاتا ہے۔اور معانی اپنی شیرینی میں بمنزلہ قندزار یا انگوروں کے۔پس جبکہ معانی نفیسہ کو الفاظ موحشہ میں بیان کیا جاوے گا تو لوگوں کو وحشت ہوگی اور وہ ان معانی سے فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔اس لئے اے ضیاء الحق حسام الدین آپ اس سرخر والفاظ موحشہ) کو فالیز (معانی) سے الگ کر دیجئے۔(یہاں الفاظ موحشہ کو سرخر کہا تھا۔آگے محجوبین کو ان کی حماقت کی بناء پر سرخر قرار دیکر فرماتے ہیں) یہاں تک کہ وہ سرخر یعنی محجوبین جبکہ مسلطہ دنیا سے مر جاویں یعنی اس سے بے تعلق ہو جاویں تو یہ فالیز معانی اس کو نشو دیگر عطا فرمائے اور وہ ایک نئی حیات حاصل کریں۔خلاصہ یہ کہ جب تک محجوبین کے اندر صلاحیت فہم حقیقت نہ پیدا ہو جاوے اس وقت تک آپ الفاظ موحشہ سے احتراز فرمائیں۔اب مولانا ان کو خطاب کا راز بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم آپ کو مخاطب اس لئے بناتے ہیں کہ ترتیب مثنوی میں ہمارا کام تو صرف صورت پہنانا ہے باقی حقائق ومضامین تو آپ ہی کے ہیں یہ بھی غلط ہے بلکہ صورت بھی ہم آپ ہی کی برکت توجہ سے پہناتے ہیں اس لئے وہ بھی آپ ہی کی طرف سے ہے اور مثنوی ایک صورت ہے اس کی جان بھی آپ ہی ہیں اور اس کے جہت اور نور اور ارکان بھی آپ ہی ہیں۔غرضکہ مثنوی کا مدار آپ ہی پر ہے۔پس ہمارا آپ کو مخاطب بنانا بالکل صحیح ہے۔آپ عند اللہ بھی محمود ہیں اور خدا کرے کہ آپ دنیا میں بھی ہمیشہ محمود رہیں تاکہ آپ کے ساتھ کہ آپ سمائی ہیں ناسوتی لوگ کہ زمینی ہیں یکدل

اور یکجہت اور یک خصلت ہو جاویں اور مغائرت و تعدد و اثنینیت درمیان سے اٹھ جاوے اور اس کی صورت یہ ہے کہ ان پر روحانیت غالب ہو کیونکہ وجود روحانی میں تغائر و تنافر نہیں ہے بلکہ اتحاد ہے اب مولانا موافقت اور منافرت کا منشاء بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عالم ارواح میں جبکہ دو روحیں آپس میں ایک دوسری کو پہچان لیتی ہیں اور دنیا میں اپنے اتحاد قدیمی عالم ارواح کو یاد کرتی ہیں تو وہ موسیٰ و ہارون کی طرح یکجان و دو قالب ہو جاتی ہیں اور دودھ اور شہد کی طرح گھل مل جاتی ہیں لیکن جبکہ ایک روح دوسری کو عالم ارواح میں کسی قدر پہچان کر دنیا میں انجان بن جاتی ہے تو یہ اس کا انجان پن حجاب بن جاتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دوسری روح جو اس کو پہچانتی ہے یعنی مربی کی روح وہ بھی منہ پھیر لیتی ہے اور اس کو اس کی ناشکری پر غصہ آتا ہے۔ اسی لئے وہ بھی جذب چھوڑ دیتی ہے اور اتحاد نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ارواح کفار جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان کر انجان بن گئیں۔ اس وجہ سے روح مصطفوی نے ان کا جذب چھوڑ دیا اور وہ ہمیشہ کے لئے ناشناسا ہو گئیں اور انہوں نے روح مصطفوی کو چھوڑ دیا یہ مضمون تو تم کو معلوم ہو گیا اب تم لم یکن اللذین کفروا من اھل الکتاب الخ پڑھ لو تا کہ تم کو ہمارے بیان کی تصدیق ہو جاوے اور کفار کا عناد تم کو معلوم ہو جائے وہ لوگ اولاً آپ کو پہچانتے تھے اور پہچاننے کے بعد منکر ہوئے اس کی دلیل یہ ہے کہ جب تک آپ کا وجود دنیا میں نہ ہوا تھا اس وقت تک آپ کی تعریف ہر کافر کے لئے تعویذ تھی اور کہتے تھے کہ ان صفات کا شخص ضرور ظاہر ہوگا اور آپ کے چہرۂ مبارک کے خیال سے انکا دل بے قرار ہوتا تھا۔ اور چاہتے تھے کہ کسی طرح ان کا ظہور جلد ہو جاوے اور سجدہ میں پڑ کر دعائیں مانگتے تھے کہ اے اللہ جس قدر بھی جلد ہو سکے تو ان کو ظاہر فرمادے۔ اور ان کا اعتقاد اس درجہ تک پہنچا ہوا تھا کہ نام احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے فتح طلب کرتے تھے اور اس سے ان کے دشمن مغلوب ہوتے تھے اور جہاں کہیں خوفناک جنگ ہوتی تھی تو شجاعت معنوی احمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی برکت ان کی معین ہوتی تھی اور جہاں کہیں کوئی پرانا اور لاعلاج مرض ہوتا تھا ان کی یاد اس کے لئے دوائے شافی ہوتی تھی اور چلتے پھرتے آپ کی صورت ان کے دلوں میں پھرتی تھی۔ کانوں میں آتی تھی اور زبان پر آتی ہم نے غلط کہا ان کی اصلی صورت ان گیدڑوں (یعنی فطری نااہلوں) کے خیال میں کب آ سکتی ہے۔

فائدہ:۔ شغال اور نااہل ان کو اس لئے کہا گیا کہ گو اس وقت وہ اہل تھے مگر یہ اہلیت ایک ملمع تھی جو قائم رہنے والی نہ تھی) بلکہ ان کی صورت کی فرع یعنی خود ان کا خیال صورت ان کے دلوں میں پھرتا تھا۔ ان کے نقش کی تو یہ حالت ہے کہ اگر دیوار پر بھی پڑ جائے تو دیوار سے خون جگر بہنے لگے اور اس کے حق میں وہ نقش اتنا مبارک ہو کہ دیوار بھی اگر دو رو ہو تو وہ بھی دوروئی سے نجات پا جائے کیونکہ اہل صفا کی یک روئی کے ساتھ دیوار کے لئے دوروئی عیب ہے۔ پس وہ ضرور یک رو ہو جاوے۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا اب سنو کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے ان کا انکار اور کفر پیدا ہو گیا اور جب ان کی صورت دیکھی تو وہ ساری تعظیم و تکریم رفو چکر ہو گئی راز اس کا یہ تھا کہ وہ کھوٹا سونا تھے۔ آگ میں پڑتے ہی سیاہ ہو گئے اور آنحضرت کے قلب نے ان کو قبول نہ کیا کیونکہ کھوٹے اور منافقین کو قلوب اہل اللہ میں جگہ نہیں ملتی اب رہی یہ بات کہ آخر وہ اپنا اس قدر شوق کیوں ظاہر کرتے

تھے جبکہ ان کو ان کی اطاعت ہی نہ کرنی تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کھوٹے تھے اور اپنی قبولیت کے لئے ان کو ضرور۔ تھی کہ وہ کسوٹی پر کسے جانے کا شوق ظاہر کریں تا کہ طالبین کو شک میں ڈال دیں اور نااہل ان کے دام فریب میں پھنس جائیں۔ کیونکہ نااہل یہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ کھرا سونا نہ ہوتا تو کسوٹی پر کسے جانے کی کیوں درخواست کرتا بھلا ایسی حالت میں اسے کسوٹی پر کسے جانے کا شوق ہوسکتا تھا اور سنگ امتحان کی طرف راغب ہوسکتا تھا کبھی نہیں۔ پس ضرور یہ کھرا ہے مگر ان احمقوں کو یہ خبر نہیں کہ وہ کسوٹی ضرور چاہتا ہے مگر ایسی کسوٹی جس سے اس کا کھوٹا پن ظاہر نہ ہو اچھا اب اس بیان کو ختم کرنا چاہئے۔ کیونکہ اگر میں قیامت تک اس مضمون کو بیان کروں گا تو ختم نہ ہوگا۔ اچھا اتنا اور سن لو کہ وہ کسوٹی چاہتے ہیں مگر وہ کسوٹی جس سے ان کا کھوٹ ظاہر نہ ہو لیکن جو کسوٹی اصلی صفت کو چھپائے وہ کسوٹی نہیں ہے اور نہ نور معرفت ہے اور جو آئینہ کہ کسی کی خاطر سے منہ کا عیب چھپالے وہ آئینہ نہیں بلکہ منافق ہے پس تم کو ایسا آئینہ طلب نہ کرنا چاہئے بلکہ وہ آئینہ تلاش کرنا چاہئے جو سچا ہو اور منافق نہ ہو۔ اچھا اب اس بیان کو ختم کرو۔ خیر یہ اور سن لو کہ ایسا آئینہ طلب کرنے سے خدا تم کو خود آئینہ بنا دے گا کہ اس میں عرش کی صورت یوں ہی منطبع ہوگی جس طرح آسمان کی۔ اجی کیسا عرش اور کیسا آسمان پس سمجھ جاؤ یعنی محل تجلی حق سبحانہ بن جاوے گا۔ خلاصہ یہ کہ مرشد کامل تلاش کرنا چاہئے اور ناقصین مزورین سے احتراز کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بحمد اللہ